پیامِ تعلیم
4/50

"ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ" ——— سر سید احمد خاں

ماہنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دہلی

جنوری ۱۹۹۵ء　جلد ۳۴　شمارہ ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

بچوں سے باتیں

پیامیوں اور ان کے بزرگوں کو

نیا سال مبارک

۱۹۹۴ء اچھا بُرا جیسا بھی تھا، گزر گیا۔ اب اس کا ذکر بے کار ہے اب تو ہم سب کو دُعا کرنا چاہیے کہ ۱۹۹۵ء ہمارے ملک کے لیے ہی نہیں، ساری دنیا کے لیے امن وامان کا سال ثابت ہو۔ آمین

جناب عابد علی خاں مرحوم بانی مدیر روزنامہ سیاست حیدر آباد کی یاد میں جو تحریری مقابلے کا اعلان کیا گیا تھا اس کا نتیجہ اندرونی صفحات میں ملاحظہ فرمایئے جن کو انعام ملا وہ پیامی تو مبارک باد کے مستحق ہیں ہی، مگر ہم ان کو بھی مبارک باد پیش کرتے ہیں جنھیں اس بار انعام تو نہیں ملا لیکن انھوں نے اس تحریری مقابلے میں حصہ لے کر یہ ثابت کر دیا کہ ان میں تحریری مقابلوں میں حصہ لینے کی ہمت بھی ہے اور صلاحیت بھی۔ انعام آج نہیں تو کل ملے گا اور ضرور ملے گا۔ انشاء اللہ۔

آپ کا پیام تعلیم ہم رفتہ رفتہ کمپیوٹر کی کتابت میں شائع کرنا چاہتے ہیں تاکہ وقت پر آپ کو مل جائے

بچوں کی نگارشات اور دیگر مستقل کالم

فی پرچہ	4/50	سالانہ	40/=
سرکاری اداروں سے	55/= روپے		

وی پی منگانے کی صورت میں مزید ۱۰/ روپے خرچ آئے گا
غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/= روپے

اڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲

پرنٹر پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

اخلاق

قمر ہاشمی

اخلاق آدمی کا شرف ، آدمی کی خیر
اخلاق سے بڑے بڑے دشمن ہوئے ہیں زیر
اخلاق سے رسولؐ نے جیتی ہے کائنات
پاس آ کے شش جہات

اخلاق آدمی کے لبوں سے بکھرتے پھول
اخلاق زندگی کا ہے سب سے بڑا اصول
اخلاق آسماں کا زمیں کے لیے پیام
اللہ کا سلام

اخلاق آدمی کی، ہر آدمی کی سیف
اخلاق آدمی کی زباں پر ہے موجِ کیف
اخلاق مومنین کا ہے جزوِ زندگی
اخلاق سرخوشی

اخلاق ہو تو آدمی بنتا ہے آدمی
اخلاق سے زبان و بیاں میں شگفتگی
اخلاق ہی سے آدمی ہوتا ہے بامراد
اخلاق زندہ باد

ڈاکٹر سید حامد حسین

صدر اور نائب صدر

دادا جان :- لاحول ولا قوۃ—————— (تھوڑی دیر کے بعد) لاحول ولا قوۃ——————

رشید :- داداجان ہمیں بھی دکھایئے۔

دادا :- لاحول ولا قوۃ۔

رشید :- دکھایئے نا داداجان۔

دادا :- ارے کمبخت کیا دکھاؤں؟

رشید :- شیطان۔

دادا :- شیطان کہاں رکھا ہے یہاں۔ یہ اچھی رہی۔ شیطان دکھاؤ۔

رشید :- داداجان آپ دو منٹ میں چھے بار لاحول پڑھ چکے ہیں۔شیطان آیا ہوگا' تب ہی تو۔

دادا :- لاحول ولا قوۃ۔ تو' تو زبان پکڑتا ہے۔ میں اس زمانے پر لاحول پڑھ رہا تھا۔

رشید :- زمانے کا کیا قصور داداجان؟

دادا :- اب دیکھو وینکٹ رمن صاحب اچھے خاصے صدر تھے انھیں بدل کر نیا صدر مقرر کردیا۔

رشید :- اس میں کون سی غلط بات ہے۔ ان کے پانچ سال پورے ہوگئے نیا صدر تو مقرر ہونا ہی تھا۔

دادا :- پانچ سال پورے ہوگئے۔ کیا ہوتے ہیں یہ پانچ سال' دس سال' اصل میں حکومت کرنے والے کی شخصیت دیکھی جاتی ہے۔

اب دیکھو انگلستان کو' انگریز لوگ بے وقوف تو نہیں ان کی ملکہ ' ہاں ملکہ ایلزبتھ کتنے سال سے قائم ہے۔ تمہارے باپ نے اس سال بی' اے کا امتحان دیا تھا۔ کون سا سنہ تھا' اللہ بھلا کرے ۔ ہاں یاد آیا ۱۹۵۲ء میں ۔ بتاؤ تو بھلا کتنے سال ہوئے؟

رشید :- ۴۲ سال۔

دادا :- تو اب دیکھو ملکہ ایلزبتھ تو ۴۲ سال سے حکومت کر رہی ہیں اور ہمارے یہاں پانچ سال میں ہی صدر کو بدلنے لگے۔

رشید :- داداجان ہندستان جمہوری ملک ہے یہاں ہر پانچ سال میں چناو ہوتے ہیں۔

دادا :- اور انگلستان بھی تو جمہوری ملک ہے۔ وہاں بھی تو چناو ہوتے ہیں۔

رشید :- لیکن دادا جان ان کے یہاں پارلیمنٹ کے چناو کی کوئی مدّت مقرر نہیں۔ پھر ان کے یہاں شاہی نظام ابھی بھی برقرار ہے۔ وہاں کے شہنشاہ یا ملکہ کو چُنا نہیں جاتا' وہ تو خاندانی ہوتا ہے۔

دادا :- ٹھیک ہے لیکن ہندستان میں پانچ سال کی مدّت کی شرط آخر کیوں؟

رشید :- دادا جان' یہ مدّت تو ہندستان کے آئین میں مقرر کی گئی ہے۔

دادا :- یہ شروع سے ہے؟

رشید :- جی ہاں۔

دادا :- کیوں مذاق کرتے ہو؟

رشید :- جی؟
دادا :- ارے بھئی اگر شروع سے یہ مدّت رکھی گئی ہوتی تو پھر وہ راجن بابو اتنے سالوں تک صدر کیسے بنے رہے؟
رشید :- دادا جان ڈاکٹر راجندر پرساد ہندستان کے پہلے صدر تھے۔ ۲۶؍جنوری ۱۹۵۰ء کو جب ہندستان کا آئین لاگو کیا گیا تو انھیں صدر کے عہدے کا حلف دلایا گیا اور پھر ۱۹۵۲ء میں ہندستان میں پہلے عام چناو ہوئے تب ڈاکٹر راجندر پرساد آئینی طریقے سے صدر چنے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۵۷ء کے چناو میں بھی انھیں کو صدر چنا گیا اس طرح وہ تقریباً بارہ سال ہندستان کے صدر رہے۔
دادا :- تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پانچ سال سے زیادہ مدّت کے لیے صدر بنے رہنے پر پابندی نہیں ہے۔
رشید :- جی نہیں۔ لیکن پانچ سال کی مدّت ختم ہونے کے بعد پھر سے چناو جیتنا ضرور شرط ہے۔ بغیر چناو میں جیتے پانچ سال کے بعد عام حالات میں کوئی صدارت کی کرسی پر نہیں رہ سکتا۔
دادا :- شاید ابھی راجن بابو کے علاوہ اور کوئی پانچ سال سے زیادہ وقت کے لیے صدر نہیں رہا۔
رشید :- جی ہاں' ابھی تک سب سے زیادہ لمبے عرصے کے لیے ڈاکٹر راجندر پرساد نے ہی صدر کے عہدے پر کام کیا ہے۔
دادا :- اور سب سے کم عرصے کے لیے؟
رشید :- دو صدر ایسے رہے جن کا انتقال ان کی صدارت کے دوران ہی ہوگیا۔ ان کی صدارت کی مدّت ہی سب سے کم ہے۔

دادا :- ہاں یاد آیا- خدا مغفرت کرے ذاکر صاحب کا صدارت کے دوران ہی انتقال ہوگیا تھا- اور دوسرے؟

رشید :- فخرالدین علی احمد-

دادا :- لاحول ولا قوۃ- بڑھاپے میں یادداشت بھی چوپٹ ہوجاتی ہے- اچھا بھلا فخرالدین صاحب کا نام بھی دماغ میں نہیں آیا-

رشید :- ان میں سے فخرالدین علی احمد تقریباً ڈھائی سال صدر رہے- اور ڈاکٹر ذاکر حسین نے لگ بھگ دوسال صدارت کی- اس طرح ابھی تک صدارت کی سب سے کم مدّت ڈاکٹر ذاکر حسین کی ہے-

دادا :- یاد آتا ہے ذاکر صاحب نائب صدر بھی تو رہے تھے-

رشید :- جی ہاں' صدر بننے سے پہلے وہ پورے پانچ سال تک نائب صدر بھی رہے تھے-

دادا :- بھئی اس زمانے میں یہ بڑی اچھی بات تھی کہ نائب صدر کو صدر بنادیا کرتے تھے-

رشید :- آئین میں تو اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے کہ نائب صدر کو ہی صدر بننے کا موقع دیا جائے یہ اتفاق تھا کہ شروع میں تین بار ایسا ہوا کہ ڈاکٹر رادھا کرشنن' ڈاکٹر ذاکر حسین اور جناب وی' وی' گری جو نائب صدر تھے وہ بعد میں صدر بھی بنے- اس طرح جناب آر' وینکٹ رمن اور ڈاکٹر شنکر دیال شرما نے پہلے نائب صدر کا اور پھر صدر کا عہدہ سنبھالا-

دادا :- ذاکر صاحب اور فخرالدین صاحب کے انتقال کے بعد تو اس

وقت کے نائب صدروں نے صدارت کا کام کیا ہوگا۔

رشید :- صدر کے انتقال وغیرہ جیسے اتفاقی حالات میں تو فوری طور پر نائب صدر ہی صدر کا کام سنبھالتا ہے۔ لیکن وہ صرف قائم مقام صدر ہوتا ہے۔ آئین کی رُو سے صدر کی جگہ خالی ہونے کے چھے ماہ کے اندر اندر نئے صدر کا انتخاب ہوکر نئے صدر کو اپنا عہدہ سنبھال لینا چاہیے۔

ادا :- دیکھو یادداشت پھر دھوکا دے رہی ہے۔ یہ تو یاد ہے کہ ذاکر صاحب کے انتقال کے بعد گری صاحب نے کام سنبھالا تھا۔ لیکن فخرالدین کے بعد کون ہوا تھا صدر؟

رشید :- بی ڈی جتی اس وقت نائب صدر تھے اور انھوں نے ہی ... تک قائم مقام صدر کی حیثیت سے سب سے زیادہ لمبے عرصے ... یعنی ساڑھے پانچ ماہ کام کیا ہے۔

ادا :- اور گری صاحب؟

رشید :- وہ تقریباً ڈھائی ماہ قائم مقام صدر رہے۔ اس کے بعد ... ں نے استعفیٰ دے دیا تھا۔ تاکہ وہ خود صدر کا چناو لڑنے کے لیے ... م کریں۔

... :- تب تو بڑی عجیب صورت حال پیش آئی ہوگی۔ یعنی صدر اور ... ب صدر دونوں موجود نہیں۔

... ید :- ایسی حالت میں آئین یہ بتاتا ہے کہ سپریم کورٹ کا چیف ... ٹس صدر کا کام سنبھالے گا۔

ادا :- لاحول ولاقوۃ۔ آج تو دماغ بالکل ہی کام نہیں کررہا۔ سامنے

کی تو بات ہے۔ ہدایت اللہ صاحب نے اس وقت صدر کا کام کیا تھا۔ ارے بھیا رشید، آج شام کو تم ضرور حکیم قدرت اللہ صاحب کے پاس چلے جانا، انھوں نے وہ خمیرہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اب تو بن گیا ہوگا۔ دیکھو یاد سے لے آنا۔

رشید :- بہت اچھا۔

دادا :- بیٹا بڑھاپا بھی ایک علّت ہی ہے۔ کچھ دواؤں کے بہانے، کچھ باتوں کے سہارے زندگی کا کاروبار چلتا رہتا ہے۔ تو ہاں بھئی کہاں چل رہی تھیں اپنی باتیں۔

رشید :- ہدایت اللہ صاحب کی بات تھی۔

دادا :- ہاں ہدایت اللہ صاحب نائب صدر بھی تو رہے تھے۔

رشید :- جی ہاں، لیکن یہ بعد کی بات ہے۔ تقریباً دس سال بعد کی۔

دادا :- بھئی آج تو یادداشت کا ماتم کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ یہ گیانی جی سے پہلے کون صدر تھے؟ دیکھو نام یہ یہاں پھنسا ہوا ہے، دماغ کے سرے پر۔ لاحول ولا قوۃ

رشید :- نیلم سنجیوا ریڈی۔

دادا :- ہاں، ہاں وہی۔ یہ پہلے پارلیمنٹ میں بھی تو تھے۔

رشید :- جی ہاں، وہ پہلے لوک سبھا کے اسپیکر رہ چکے تھے۔

دادا :- تو اب ڈاکٹر شنکر دیال شرما دسویں صدر ہیں۔

رشید :- جی نہیں، نویں۔

دادا :- ارے وہ اخبار میں لکھا تھا کہ صدر کے لیے یہ دسواں چناؤ تھا۔

رشید :- جی ہاں، چناؤ تو دسواں ہی تھا لیکن شروع کے دو چناؤ میں ڈاکٹر راجندر پرساد کو چنا گیا تھا اس لیے ڈاکٹر شنکر دیال شرما صدر بننے والے نویں شخص ہیں۔

دادا :- اور جو نائب صدر کا چناؤ ہوا، وہ کون سا تھا؟

رشید :- وہ بھی دسواں تھا۔

دادا :- اور یہ کے آر نارائنن صاحب؟

رشید :- یہ بھی نویں نائب صدر ہیں کیونکہ پہلے نائب صدر ڈاکٹر رادھا کرشنن بھی دوبار نائب صدر چنے گئے تھے۔

دادا :- میرا خیال ہے کہ سب نائب صدروں نے اپنی پانچ سال کی مدّت پوری کی ہے۔

رشید :- جی نہیں۔ اب دیکھیے، وینکٹ رمن صاحب کا ہی نائب صدر کی حیثیت سے ۱۹۸۴ء میں چناؤ ہوا تھا اور جب وہ صدر چنے گئے نائب صدر کی حیثیت سے دو سال کی مدّت اور باقی تھی۔ پھر گری صاحب نے بھی مدّت ختم ہونے سے پہلے استعفیٰ دے دیا تھا۔ بلکہ نائب صدر کی حیثیت سے ابھی تک سب سے کم عرصے کے لیے گری صاحب نے ہی کام کیا ہے۔

دادا :- تو ابھی تک نائب صدروں کا کیا سلسلہ رہا۔

رشید :- پہلے تو ڈاکٹر رادھا کرشنن ——

دادا :- ٹھہرو، ہم بتائیں گے۔ اندازہ تو ہو یادداشت کتنا سہارا دے رہی ہے۔ ہاں تو رادھا کرشنن صاحب کے بعد ذاکر صاحب، پھر گری صاحب، پھر ہدایت اللہ صاحب۔

رشید :- نہیں دادا جان' آپ دو نام چھوڑ گئے۔ گری صاحب کے بعد گوپال سروپ پاٹھک نائب صدر ہوئے۔ پھر بی' ڈی جتی صاحب اور ان کے بعد ہدایت اللہ صاحب۔ آگے تو آپ جانتے ہی ہیں۔ وینکٹ رمن صاحب' ڈاکٹر شنکر دیال شرما اور اب کے 'آر' نرائنن صاحب۔

دادا :- تو اس طرح سب ہی نے کبھی نہ کبھی صدر کی حیثیت سے دستخط کیے ہیں۔

رشید :- پاٹھک صاحب کو چھوڑ کر۔ انھیں صدر کی جگہ پر کسی حیثیت سے بھی کام کرنے کا موقع نہیں ملا۔ ڈاکٹر رادھا کرشنن' ڈاکٹر ذاکر حسین' وی'وی گری صاحب' وینکٹ رمن صاحب اور ڈاکٹر شنکر دیال شرما خود صدر چنے گئے۔ جتی صاحب نے قائم مقام صدر کا کام کیا اور ہدایت اللہ صاحب نے تقریباً ایک ماہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی حیثیت سے قائم مقام صدر کی ذمے داری سنبھالی۔

دادا :- اور صدروں کا سلسلہ کیسا رہا؟

رشید :- یہ بھی آپ ہی بتائیے۔

دادا :- ٹھیک ہے بھئی' ٹھیک ہے' تو سنو' ڈاکٹر راجندر پرساد' پھر ڈاکٹر ایس رادھا کرشنن' پھر ڈاکٹر ذاکر حسین' پھر وی' وی' گری' آگے سب کو معلوم ہے۔

رشید :- یہ بات غلط ہے دادا جان۔ آگے آپ کو یاد نہیں۔ اس لیے آپ بات بنا رہے ہیں۔

دادا :- ٹھیک ہے۔ تمھیں پتا ہے تو پھر تمھیں بتاؤ۔

رشید :- گری صاحب، کے بعد فخرالدین علی احمد، پھر نیلم سنجیوا ریڈی، پھر گیانی ذیل سنگھ، ان کے بعد آر-وینکٹ رمن اور اب ڈاکٹر شنکردیال شرما۔

دادا :- لیکن یہ صدور کا انتخاب ہے بڑا گورکھ دھندا۔

رشید :- وہ کیسے دادا جان؟

دادا :- وہ اخبار والے نے بڑا حساب کتاب لکھا تھا۔ آخر دوسرے الیکشن بھی تو ہوتے ہیں۔ لوگ ووٹ ڈال آئے۔ ووٹوں کو گن لیا۔ نتیجہ نکل آیا۔

رشید :- یہ صحیح ہے کہ صدر کو ملنے والے ووٹوں کی قیمت نکالنا پڑتی ہے۔ لیکن ایسا ضروری تھا کیونکہ اس الیکشن میں ووٹ دینے والوں کی حیثیت ایک جیسی نہیں ہوتی۔

دادا :- ارے بھئی۔ ایک آدمی کی حیثیت ایک ہی ہوسکتی ہے۔ ایک آدمی ڈیڑھ یا ڈھائی تو ہو نہیں سکتا۔

رشید :- دادا جان۔ صدر کے الیکشن میں جو لوگ حصّہ لیتے ہیں وہ ایک شخص کی حیثیت سے نہیں، لوگوں کے نمائندوں کی حیثیت سے ووٹ دیتے ہیں۔

دادا :- اب دیکھو۔ تم یہ وکیلوں جیسی بات تو کرو نہیں۔ سیدھی سادی بات کو لفظوں کے چکّر میں مت پھنساؤ۔ سوچو میں ووٹ دینے جاؤں گا۔ چاہے مجھے شخص سمجھ لو یا نمائندہ کہہ لو۔ ہوں گا تو ایک ہی آدمی۔

رشید :- دادا جان آپ سمجھتے کیوں نہیں۔ اگر آپ پچاس آدمیوں کی

نمائندگی کرتے ہیں تو آپ کی بات میں پچاس آدمیوں کی بات کا وزن ہوگا اور میں پانچ آدمیوں کی نمائندگی کرتا ہوں تو میری رائے میں صرف پانچ آدمیوں کا وزن ہوگا اور جب ہم دونوں کی رائے کا مقابلہ کیا جائے گا تو آپ کی بات کی میری بات سے دس گنا زیادہ اہمیت ہوگی۔

دادا :- یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس سارے ضرب تقسیم کی صدر کے الیکشن میں ضرورت کیا پڑی۔ دوسرے الیکشنوں میں کیوں نہیں پڑتی۔

رشید :- دوسرے الیکشن کسی ایک خاص صوبے یا علاقے کے لیے ہوتے ہیں۔ لیکن صدر کا انتخاب پورے ملک کے لیے ہوتا ہے اور کیونکہ اس کے لیے ہر شہری الیکشن میں حصّہ نہیں لیتا بلکہ شہریوں نے جن نمائندوں کو چُنا ہے وہ حصّہ لیتے ہیں اس لیے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان نمائندوں کے ووٹ میں کتنے لوگوں کی رائے کا وزن ہے۔ اس کو بھی مدِنظر رکھا جائے۔

دادا :- اچھا تو صدر کے الیکشن میں کون لوگ ووٹ ڈالتے ہیں؟

رشید :- صدر کے الیکشن میں پارلیمنٹ کے ممبروں کے ساتھ ساتھ صوبوں کی ساری ودھان سبھاؤں کے ممبر حصّہ لیتے ہیں۔ لیکن یہ صرف وہ ممبر ہوتے ہیں جو چُن کر آتے ہیں۔ جن ممبروں کو نامزد کیا جاتا ہے اس الیکشن میں ووٹ دینے کا حق نہیں رکھتے۔

دادا :- اور یہ قیمت سب ووٹوں کی مقرر کی جاتی ہے؟

رشید :- جی ہاں، سب سے پہلے صوبوں کی ودھان سبھاؤں کے کل ممبروں کے جتنی کلُ قیمت ہے۔ اتنی ہی قیمت پارلیمنٹ کے ممبروں

کے کُل ووٹوں کی سمجھی جاتی ہے۔

دادا :- اور ودھان سبھاؤں کے ممبروں کے ووٹ کی قیمت کس طرح مقرر کی جاتی ہے؟

رشید :- اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے صوبے کی کُل آبادی کو چُنے ہوئے ممبروں کی تعداد سے تقسیم کرتے ہیں۔ پھر اس سے جو حاصل ہوتا ہے اسے ایک ہزار سے تقسیم کرکے ایک ووٹ کی قیمت طے کی جاتی ہے۔ جیسے سمجھیے کسی علاقے کی کُل آبادی پانچ لاکھ ہے اور وہاں سے پانچ سو نمائندے چنے گئے ہیں تو پانچ لاکھ کو پانچ سو سے تقسیم کریں تو دس ہزار حاصل ہوگا۔ اب اسے پھر ایک ہزار سے تقسیم کیا تو دس حاصل ہوگا۔ اس طرح ایک ودھان سبھا ممبر کے ووٹ کی قیمت دس ہوگی۔

دادا :- اس کا مطلب یہ ہے کہ زیادہ آبادی والے صوبوں کے ممبروں کی اہمیت زیادہ اور کم آبادی والے علاقوں کے ممبروں کے ووٹ کی قیمت کم ہوگی۔

رشید :- جی ہاں' یہی وجہ ہے کہ اُتّر پردیش کے ممبروں کے ووٹوں کی قیمت میزورم کے ممبروں کے ووٹ سے زیادہ ہوگی۔

دادا :- پارلیمنٹ کے ممبروں کا چناو بھی تو صوبائی بنیاد پر ہوتا ہے۔ تو ان کے ووٹوں کی قیمت کا بھی اسی طرح اندازہ لگایا جاتا ہوگا۔

رشید :- نہیں دادا جان' پارلیمنٹ کے سارے چُنے ہوئے ممبروں کے ووٹوں کی قیمت ایک جیسی ہوتی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ سارے صوبوں کی ودھان سبھاؤں کے ممبروں کے ووٹوں کی کُل قیمت جتنی

آتی ہے اسی کے برابر پارلیمنٹ کے چُنے ہوئے کل ممبروں کے ووٹ کی قیمت مانی جاتی ہے اور اگر پارلیمنٹ کے کسی ایک ممبر کے ووٹ کی قیمت نکالنا ہے تو کل ووٹوں کی قیمت کو ممبروں کی تعداد سے تقسیم کرکے اوسط قیمت نکال لی جاتی ہے۔

دادا :- ارے بھئی- یہ تو بڑا الجھا ہوا کاروبار ہے-

رشید :- کہاں دادا جان' صاف سی تو بات ہے- مجھیے ہندستان کی کُل پچیس ودھان سبھاؤں کے چُنے ہوئے ممبروں کے کُل ووٹوں کی قیمت دس ہزار آتی ہے تو دس ہزار ہی کل پارلیمنٹ کے چُنے ہوئے ممبروں کے ووٹوں کی قیمت کا جوڑ بنایا جائے گا- اب فرض کیجیے کہ پارلیمنٹ میں کل پانچ سو چُنے ہوئے ممبر ہیں تو دس ہزار کو پانچ سو ۵۰۰ سے تقسیم کرنے کے بعد بیس ۲۰ حاصل ہوگا- یعنی پارلیمنٹ کے ہر چُنے ہوئے ممبروں کے ووٹ کی قیمت بیس ۲۰ ہوگی-

دادا :- لیکن اس سارے دردِ سر کا مطلب کیا ہوا؟

رشید :- اس طرح صدر کے عہدے کے لیے کسی امیدوار کے حق میں ہندستان کے کل شہریوں کی جانب سے حاصل ہونے والی حمایت کا اندازہ لگایا جاتا ہے-

دادا :- یہ بات تو سمجھ میں آئی- لیکن یہ راجیہ سبھا کے ممبروں کو صدر کے چناو میں ووٹ دینے کا حق کیوں نہیں ہوتا؟

رشید :- یہ آپ سے کس نے کہہ دیا جب ہم پارلیمنٹ کی بات کرتے ہیں تو اس کا مطلب ہے کہ اس میں لوک سبھا اور راجیہ سبھا دونوں شامل ہیں- ہاں صدر کے چناو کے لیے ان ممبروں کو ضرور

ووٹ دینے کا حق نہیں ہوتا جو چن کر نہیں آئے اور انھیں نامزد کیا جاتا ہے۔

دادا :۔ اچھا نائب صدر کے چناو کے لیے بھی یہی طریقہ اختیار کیا جاتا ہے؟

رشید :۔ نہیں۔ وہاں تو ایک ممبر کا ایک ووٹ مان کر ہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔

دادا :۔ یعنی ودھان سبھا کے ممبروں کے ووٹ بھی برابر برابر سمجھے جاتے ہیں۔

رشید :۔ دادا جان، نائب صدر کے الیکشن کے لیے صرف راجیہ سبھا اور لوک سبھا کے ممبر ہی ووٹ دیتے ہیں۔ ودھان سبھاؤں کے ممبر اس میں شامل نہیں ہوتے۔

دادا :۔ یعنی صرف پارلیمنٹ کے چُنے ہوئے ممبر نائب صدر کے چناو میں حصّہ لے سکتے ہیں۔

رشید :۔ دادا جان آپ تو بات کو بڑا الجھا دیتے ہیں۔ نائب صدر کے چناو میں پارلیمنٹ کے سارے ممبر حصّہ لیتے ہیں۔ چُنے ہوئے بھی اور نامزد بھی۔

دادا :۔ جب ایسا ہے تو پھر تمھارے ماموں کیوں ودھان سبھا کی ممبری کے چکّر میں پڑے ہوئے ہیں۔ سیدھا صدر یا نائب صدر کا الیکشن کیوں نہیں لڑتے؟

رشید :۔ اس لیے کہ وہ ان عہدوں کے لیے الیکشن نہیں لڑ سکتے۔ ان کی عمر کم ہے۔

دادا :۔ یعنی الیکشن کے لیے عمر کی بھی قید ہوتی ہے؟

رشید :۔ جی ہاں۔ الیکشن میں حصّہ لینے کے لیے تو ہر جگہ عمر کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ صدر اور نائب صدر کے امیدوار کو کم از کم ۳۵ سال کی عمر پوری کرلینا چاہیے۔ راجیہ سبھا کے ممبر کی کم از کم تیس سال اور لوک سبھا کے ممبر کی عمر پچیس سال ہونا چاہیے۔ یہاں تک کہ عام الیکشن میں ووٹ ڈالنے کے لیے بھی کم از کم اٹھارہ سال عمر ہونا چاہیے۔

دادا :۔ لاحول ولاقوۃ آج تو تو نے رشید تھکامارا۔ مجھے تو لگتا ہے کہ اصل شیطان تو تو ہی ہے۔ دیکھ وہ حکیم صاحب کے یہاں ضرور چلے جانا۔ خمیرہ لانا نہ بھولنا۔

صحت مند رہنے کے لیے صفائی ضروری ہے۔ گندگی اور صحت ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ گندگی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ گندا ماحول انسان کو بیمار ڈال دیتا ہے، اس لیے سمجھ دار لوگ صفائی پسند ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے آپ کو، اپنے جسم کو، اپنے کپڑوں کو اور اپنے گھر کو صاف رکھتے ہیں بلکہ اپنے محلے اور بستی کو بھی صاف ستھرا رکھنا چاہتے ہیں۔

محلے اور بستی کو صاف ستھرا رکھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا اپنی ذات کو یا اپنے گھر کو، کیوں کہ جب محلہ صاف نہیں ہوگا اور آپ کی گلی میں کوڑا کچرا پھیلا ہوگا، آپ کا پڑوس گندا ہوگا تو اس کا اثر آپ پر اور آپ کے گھر پر بھی پڑے گا۔ اگر کسی کچرے کے ڈھیر پر گلاب کے چند پھول پڑے ہوں تو وہ کس کام کے؟

ہم مسلمان ہیں ——— مہذب ہیں۔ اسلام ہمارا دین ہے۔ صفائی ہمارا آدھا ایمان ہے۔ ہم پاک وطن کے رہنے والے ہیں۔ پاکیزگی ہماری زندگی ہے۔ ہماری تہذیب میں صفائی داخل ہے، پھر ہمارے محلے، ہماری سڑکیں، ہماری بستیاں کیوں گندی ہیں؟ ذرا سوچیں !

آج سے فیصلہ کرلیں کہ نہ خود گندگی پھیلائیں گے اور نہ کسی دوسرے کو گندگی پھیلانے دیں گے۔ اگر کوئی شخص کاغذ یا شاپنگ بیگ یا کوئی اور کچرا اپنے گھر کے باہر پھینکے تو اس کو سمجھائیں اور اس کے سامنے خود وہ کوڑا اٹھا کر کوڑے دان میں ڈال دیں۔ اس طرح اس کو بھی سبق ملے گا اور آہستہ آہستہ سارا محلہ صاف ستھرا ہو جائے گا اور لوگ کہیں گے کہ اس محلے میں مہذب لوگ رہتے ہیں۔

تمہارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

ہوائیں مدینے کی ہیں روح پرور
سکوں پا رہا ہے ہر اک قلب مضطر

نہ کیوں ہو فضائے دو عالم معطر
شہ دیںؐ کا اسم گرامی ہے لب پر

میں ان کی ہی راہوں پہ چلتا رہوں گا
وہیؐ میرے ہادی وہیؐ میرے رہبر

غلامان احمدؐ ہیں شاہوں سے افضل
ہیں قسمت پہ نازاں غلامان سرورؐ

نہ تھی زندگی خار زار جہاں میں
ملی زندگی صرف طیبہ میں آکر

ضلالت کے مینار ہیں سر بہ سجدہ
یہ شان رسالتؐ ہے اللہ اکبر

ضیا ان کی رحمت کے قربان جاؤں
وہ خلق مجسم محبت کے پیکر

ماموں لیموں

طارق محمود میاں

جب کسی سے لڑائی ہوتی تو وہ

بیٹھ کر آنکھوں میں لیموں نچوڑ دیتے۔

ماموں لیموں کو ہم نے ماموں لیموں کیوں کہنا شروع کیا۔ یہ کسی کو معلوم نہ تھا۔ ویسے کبھی کبھی یہ خیال ضرور آتا تھا کہ کوئی معقول شخص ہوش و حواس میں رہتے ہوئے خود کو لیموں کہلوانا کیسے برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی دوسرا تھا۔ ماموں اس نام کو نہ صرف برداشت کرتے تھے بلکہ پسند بھی فرماتے تھے۔

عمر میں وہ ہم سے بس یہی کوئی پانچ ساڑھے پانچ برس بڑے تھے۔ مگر حیرت ہے کہ وہ ہم سب چھوٹے بڑے لڑکوں کے ہم عمر لگتے تھے۔ جس محفل میں بیٹھ جاتے اُسی میں رنگ جاتے۔ بلکہ بیشتر اوقات تو یہ ہوتا کہ محفل ہی کو اپنے رنگ میں رنگ ڈالتے۔

ان کا رنگ لیموں کا رنگ تھا۔

لیموں اُن کی زندگی میں یوں رَچ بس گیا تھا کہ کبھی کبھی ہمیں یہ گمان ہوتا کہ اگلے سیزن میں ماموں کے سر میں سے ہری بھری شاخیں نکل آئیں گی اور ان پر درجنوں لیموں لٹک جائیں گے۔ ہر موسم اور ہر موقع پر لیموں کا ناوقت استعمال اُن کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ بقول ان کے دنیا کے تمام مسائل کا حل لیموں میں موجود تھا۔ کیونکہ خود دنیا کی شکل بھی لیموں جیسی ہے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت کا وہ عملی مظاہرہ پیش کرنے سے کبھی نہ چُوکتے تھے۔

بزرگوں کا خضاب پھیل جاتا تو لیموں سے صاف کرتے۔ کسی بچے کے دانت پیلے ہوتے تو لیموں سے پالش کرکے چمکا دیتے۔ کپڑوں کے داغ دھبے کسی سے صاف نہ ہوپاتے تو یہ لیموں کی مدد سے کر ڈالتے چہرے کی رنگت نکھارنے کے لیے خواتین کو بیوٹی بکس میں لیموں ہمہ وقت رکھنے کی تلقین کرتے۔ دعوتوں میں چاٹ کے اوپر ڈالتے۔ سوفٹ ڈرنکس میں نچوڑ نچوڑ کے پیش کرتے۔ تانبے اور پیتل کی سیاہ ہوتی ہوئی چیزوں کو لیموں مل کے چمکا ڈالتے۔ بلکہ ایک بار تو ایک بے چارہ مجمعے والا فٹ پاتھ کے کنارے مجمع لگائے گھڑیوں کی پھیکی پڑتی ہوئی چمک کو درست کر رہا تھا کہ انھوں نے اس کا راز کھول دیا۔ اور سب کو بتا دیا کہ یہ تو لیموں لگاتا ہے۔ آپ چاہیں تو اپنے اپنے گھروں میں جاکے خود ہی لگا لیں اور گھڑیاں چمکا لیں۔

اسکول کے زمانے میں ایک دفعہ سالانہ تقریب میں وہ بہت مقبول ہوئے۔ یہاں بھی انہوں نے لیموں کے کمالات پیش کیے تھے۔ ان کے سارے جادو تو یاد نہیں۔ البتہ چند ایک کچھ اس طرح تھے۔

انہوں نے رنگین پانی سے بھرے گلاس میں لیموں نچوڑا تو رنگ ایک دم سے غائب ہوگیا۔ صرف صاف و شفاف پانی باقی رہ گیا۔

راکھ سے بھری ٹرے میں لیموں کے چند قطرے ٹپکائے تو پہلے تو راکھ میں سے کچھ بُلبلے سے اُٹھے اور پھر دھوئیں کے مرغولوں سے سارا کمرہ بھر گیا۔

اس کے بعد انہوں نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالی جس میں لیموں کا رس بھرا تھا۔ اس رس سے انہوں نے بالکل نئے نکور صاف ستھرے قلم کی مدد سے ایک سفید کاغذ پر کچھ لکھا اور پھر سارے حاضرین میں اس کاغذ کو گھمایا۔ سب نے دیکھا کہ اس پر لکھا ہُوا کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ ماموں نے ایک موم بتی جلائی اور بڑی احتیاط سے اس کی لَو پر کاغذ کو گرم کرنا شروع کیا۔ جُوں جُوں وہ گرم ہوتا گیا توں توں گہرے براؤن رنگ کی تحریر اُبھر کے صاف واضح ہوتی چلی گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں سب کچھ پڑھا جانے لگا۔ تمام

حاضرین بہت حیران ہوئے۔ دیر تک تالیاں بجتی رہیں۔ اس پر ماموں نے لیموں کی رس بھری کئی ایک چھوٹی
چھوٹی شیشیاں نکالیں۔ اور لڑکوں میں تقسیم کر دیں کہ گھر جا کے خود ہی کمال کریں۔ ہم
نے کر کے دیکھا تو بالکل ایسے ہی ہُوا۔ اس پر ہم ماموں کے اور بھی گرویدہ ہو گئے۔

لیموں ماموں کا پسندیدہ ہتھیار بھی تھا۔ ایک دفعہ اسکول کے ایک غنڈے کے ساتھ ماموں کی لڑائی ہو گئی
انہوں نے پہلے تو دُور ہی دُور سے اُس کے کانوں پر تاک تاک کے لیموؤں کے نشانے لگائے اور پھر آناً فاناً اُسے
نیچے گرا کے اُس کی آنکھوں میں لیموں نچوڑ دیا۔ اس پر وہ بے چارہ اتنا تڑپا کہ ہمیشہ کے لیے غنڈہ گردی سے باز آگیا۔

لڑائی کے ذکر سے یاد آگیا کہ ماموں کی چُستی اور پھُرتی کے بارے میں بھی بتاتے چلیں۔ وہ لڑا کا ہرگز نہ تھے۔
مگر طرار غضب کے تھے۔ اتنے کہ ایک بار لوگ کسی چور کو مار رہے تھے، ماموں نے دیکھا تو آتے ہی پہلے اُس کی
آنکھوں میں لیموں نچوڑا پھر جوتا اُتار کے اُس کی پٹائی کی۔ پھر کہیں بہت دیر بعد جا کے ہم سے آہستہ سے پوچھا۔
"بات کیا تھی؟"

لیموں کا ایک فائدہ ماموں یہ بھی بتاتے تھے کہ یہ دُنیا کا سب سے فرحت بخش مشروب یعنی سکنجبین،
سب سے خوش ذائقہ سالن یعنی اچار، انواع واقسام کی بیماریوں کی زود اثر دوا اور اس کے علاوہ نہ جانے کیا کیا
کچھ ہے لیکن یہ اتنا سب کچھ قدرت نے ایک چھوٹی سی پنگ پانگ کی گیند کے اندر اس طرح اسٹور کیا ہے
کہ آپ اسے آسانی سے جیب میں ڈال کے گھوم پھر سکتے ہیں۔ اس کا ڈھکن آپ ہی کھلنے کا ڈر نہیں ہوتا۔

سکنجبین کے وہ اتنے رسیا تھے کہ اس کے مقابلے میں دیگر تمام مشروبات کے خلاف جہاد کے لیے
ہمہ وقت تیار رہتے۔ انواع واقسام کے مشروبات کے اشتہارات ٹی وی پر دیکھ کے ایک بار تو اُن کا ارادہ ہُوا
کہ گھونسا مار کے اسکرین توڑ دیں۔ بلکہ غضبناک ہو کے انہوں نے گھونسا تان بھی لیا اور نعرہ مار کے جھارا پہلوان
کے سے جوش وخروش سے ٹی وی پر حملہ آور بھی ہونے لگے مگر پھر اچانک رُک گئے اور گھونسے کی طرف پیار بھری
نظروں سے دیکھ کے بولے "گھونسا ٹی وی اسکرین سے زیادہ قیمتی ہے... کیونکہ لیموں ہم اسی سے نچوڑتے ہیں۔"

انہیں لیموں کی عزت اور توقیر حد سے کہیں زیادہ پیاری تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ لیموں کا دوست اُن کا دوست
اور لیموں کا دُشمن اُن کا دُشمن ہے۔ وہ اس دسترخوان تک سے اُٹھ جاتے جہاں لیموں موجود نہ ہوتا۔ اس ریسٹورینٹ
میں پھر کبھی نہ جاتے جہاں سلاد کے ساتھ لیموں نہ رکھا ہوتا یا جہاں طعام کے بعد گرم پانی میں لیمن کی کاشیں پیش
نہ کی جاتیں۔ کہتے یہ بد ذوقوں کا ریسٹورینٹ ہے۔ وہ اس فریج تک سے نفرت کرتے تھے جس میں دیگر سبزیوں
اور پھلوں کے ساتھ لیموں نہ سجا ہوتا۔

ایک مرتبہ بحث چھڑ گئی۔ ایک صاحب سیب کے دلدادہ تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ مشہور انگریزی مقولے کی رُو سے روزانہ ایک سیب کھانے والا شخص ڈاکٹروں سے ہمیشہ بچا رہتا ہے۔ ماموں اس بات سے ہرگز متفق نہ تھے۔ اُن کا کہنا تھا کہ ڈاکٹروں سے بچنے کا واحد طریقہ بس یہ ہے کہ آدمی ڈاکٹروں کے بجائے ڈاکٹرنیوں سے علاج کرانے لگے۔ ہاں البتہ بیمار ہونے کے بعد لیموں کے استعمال سے افاقہ جلد ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد انہوں نے درجنوں بیماریوں کے لیموں کی مدد سے سیکڑوں علاج گنا گنا کے ساری محفل کو زچ کر دیا۔

ہم ماموں کے چہیتے دوستوں میں سے تھے۔ لیکن ایک بار انہوں نے ہمارے اعتماد کو بڑی ٹھیس پہنچائی ہم سے کہنے لگے "آج تمہیں لیموں کا ایک ایسا راز بتاتا ہوں جو میں نے ابھی تک کسی کو نہیں بتایا"

ہمیں بڑی دلچسپی پیدا ہوئی۔ پوچھا کہ کیا راز ہے۔

بولے "اپنے آنسوؤں میں لیموں کا رس ملا کے دیا سلائی کی مصالحے والی سائیڈ سے دیوار پر لکھو گے تو رات کو وہ تحریر جگنو کی طرح چمکے گی"

یہ واقعہ اب ہم آپ کو ذرا تفصیل سے بتاتے ہیں۔

ہمارا اشتیاق شام تک بے حد بڑھ چکا تھا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ اپنے آنسو کیسے جمع کیے جائیں۔ آنسوؤں کے لیے تو رونا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یونہی جھوٹ موٹ کا نہیں بلکہ اصلی رونا رونے کی ضرورت ہوتی ہے پھوٹ پھوٹ کے رونا پڑتا ہے۔ اور پھوٹ پھوٹ کے آدمی یونہی خوشی خوشی تو نہیں رو سکتا۔ گویا عجیب مصیبت تھی۔ اس مسئلے کا حل ہماری سمجھ سے باہر ہوتا جا رہا تھا کہ اچانک ایک ترکیب ہماری سمجھ میں آگئی اُس وقت تو اُس ترکیب پر ہم بہت خوش ہوئے تھے مگر بعد میں بڑا شرمندہ ہوئے۔

ہم نے ایسا کیا کہ چپکے سے باورچی خانے میں گئے اور ایک دراز میں سے جہاں امی چھوٹا موٹا سودا سلف منگوانے کے لیے پیسے رکھا کرتی تھیں ساڑھے تین روپے چرا لیے۔ پڑوس میں کھلونوں کی ایک دکان تھی۔ وہاں سے ہم نے بھیانک سی آواز پیدا کرنے والا ایک باجا خرید لیا۔ اُس میں پھونک مارنے سے پھٹی ہوئی بانسری جیسی آواز نکلتی تھی۔ بہت ہی بھدی، اُونچی اور بے سُری۔

ہم نے سوچا کہ گھر جا کے اُسے بجائیں گے۔ تو رونے کی دو صورتیں نکل سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ امی پوچھیں گی کہاں سے لیا ہے! پیسے کہاں سے آئے؟ اور پھر ماریں گی۔

دوسری صورت یہ ہو سکتی تھی کہ بھدی آواز سے ابو ڈسٹرب ہوتے اور مارتے۔

دونوں ہی صورتوں میں آنسو نکلتے اور ہم خوشی خوشی انہیں فوراً اس چھوٹی سی پیالی میں جمع کر لیتے جس

میں ماموں لیموں کے نسخے کے مطابق ہم نے پہلے ہی لیموں کا رس ڈال لیا تھا، لیکن ہُوا یہ کہ جونہی ہم نے گھر میں داخل ہو کے باجا بجانا شروع کیا۔ ہمارا چھوٹا بھائی اُسے دیکھتے ہی مچل گیا اور انتہائی بلند آواز سے رونے لگا۔ اس کے حلق میں جو باجا بج رہا تھا۔ اس کے سامنے ہمارے باجے کی آواز ماند پڑ گئی۔ اس پہ امی نے بڑے پیار سے ہم سے باجا لیا اور ہمارے چھوٹے بھائی کے حوالے کر دیا۔ ہم سے پوچھا ہی نہیں کہ کہاں سے آیا اور کہاں سے لیا۔ اُلٹا امی اور ابو مسرور ہوئے کہ چلو چھوٹے بھائی کے چُپ ہونے کا سامان پیدا ہو گیا۔

ہماری ساری اسکیم فیل ہو گئی۔

اب سوچنے لگے کہ رونے کی صورت کیسے نکالی جائے۔ کبھی کانچ کا گلدان اور کبھی شیشے کا گلاس توڑنے کا خیال آیا۔ تو کبھی کوئی بدتمیزی کرنے کی سُوجھی، مگر دونوں باتوں میں نقصان تھا۔ پہلی میں پیسوں کا دوسری میں اخلاق کا ... پھر کیا کیا جائے۔ سوچتے سوچتے ہم نے دو چار بار رونے کی ایکٹنگ کرنے کی کوشش بھی کی۔ اگرچہ پتا تھا کہ اداکار آنکھوں میں گلیسرین ڈال کے روتے ہیں۔ اُن کے آنسو اصلی نہیں ہوتے۔ لیکن یہ بھی سُنا تھا کہ بڑے اداکار نقلی آنسوؤں کے قائل نہیں ہوتے وہ اصلی آنسو بہاتے ہیں۔ لہٰذا ہم نے بڑا اداکار بننے کے لیے بڑے جتن کیے۔ بڑے بڑے خوفناک اور المناک مناظر سوچ سوچ کے رونے کا مُوڈ طاری کرنے کی کوشش کی۔ مگر ناکام رہے۔ حالانکہ جب ہم چھوٹے تھے تو جھوٹ مُوٹ رو کے امی اور ابو سے سیکڑوں باتیں منوالیا کرتے تھے۔ ایسا ہی کمال کچھ دیر پہلے ہمارا چھوٹا بھائی بھی دکھا چکا تھا۔ مگر ہم سے اب ایسا نہیں ہو پا رہا تھا۔ عجیب مشکل تھی۔

ابھی ہم اس اُدھیڑ بُن میں مصروف تھے کہ ابو کے کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ غضبناک انداز میں وہاں سے برآمد ہوئے اور آتے ہی انہوں نے ایک زنّاٹے دار تھپڑ ہمارے داہنے گال پر رسید کر دیا۔ تھپڑ اتنا شدید تھا کہ اُس کا زنّاٹا ہمیں بائیں گال پر بھی محسوس ہُوا۔

"آپ سے ہزار بار کہا ہے کہ میرا قیمتی پین مت لیا کرو اور اُسے میرے بیڈ پہ کُھلا مت چھوڑا کرو... مگر آپ نے تو کہنا نہ ماننے کی گویا قسم کھا رکھی ہے ... بے ہودہ... نالائق..."

ابو بہت غصّے میں تھے۔ وہ کمرے میں جانے کے لیے مُڑے تو ہم نے دیکھا کہ اُن کی قمیض کی پُشت پہ روشنائی کا ایک بڑا سا دھبّہ پھیل چکا تھا۔ اور غالباً پین کی نب بھی اُن کی کمر میں کافی شدت سے چُبھی تھی۔

چند لمحوں کے سنّاٹے کے بعد اچانک ہمارے حلق سے آہ و فغاں کا ایک بھیانک سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور ساتھ ہی آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہونے لگی۔ وہی بارش جس کے ہم بڑی شدت سے متمنّی تھے۔

لیکن یہ کیسی بارش تھی جو تھمنے کا نام ہی نہ لیتی تھی۔ دراصل ہمیں بلا قصور مار پڑ گئی تھی۔ ہم نے تو ابو کے پین کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ یہ ضرور ہمارے چھوٹے بھائی کی حرکت تھی۔ جبھی تو وہ دُور کھڑا مسکرا رہا تھا۔ اور ہمارا باجا بھی بجا رہا تھا۔

بہرحال ہم نے جُوں توں کر کے حواس کچھ بحال کیے اور ایک کونے میں گھُس کے اپنے آنسوؤں سے لیموں کے رس والی آدھی پیالی بھر لی۔ اس کے لیے ہمیں زیادہ محنت نہ کرنا پڑی۔ بس پیالی کو کبھی ایک آنکھ کے نیچے رکھتے اور کبھی دوسری کے۔ آنسو بعد میں بھی بڑی دیر تک جاری رہے۔ بلا قصور مار پڑنے پر تھپڑ کے درد کے ساتھ ساتھ اپنی بے چارگی اور معصومیت پر بھی رونا آ رہا تھا۔ اسی دوران ایک بار ہم نے دلاسے کے لیے امی کو بھی آواز دی مگر وہ غصے سے بولیں۔" اور کرو بدتمیزیاں" اس پر ہمیں اور بھی رونا آنے لگا۔ پہلے مسئلہ یہ تھا کہ روئیں کیسے اور اب یہ مصیبت کہ چُپ کیسے ہوں؟ دیر تک ہماری ہچکی بندھی رہی، پھر ہم نے سوچا کہ شاید اللہ میاں نے یہ ہمیں پیسے چرانے کی سزا دی ہے۔ یوں بڑی دیر کے بعد ہم چُپ ہوئے

چُپ ہونے کے بعد ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ ایک دیا سلائی لی اور اس مصالحے والی سائیڈ کو لیموں اور آنسوؤں کے مکسچر میں ڈبو کے اپنا نام برآمدے کے چاروں ستونوں پر خوشخط لکھا۔

تاکہ اندھیرا ہونے پر یہ چیز جگنو کی طرح سب سے زیادہ روشن

ہو اور لوگ حیران رہ جائیں۔

لیکن افسوس کہ ایسا کچھ بھی نہ ہُوا۔ ہم دیر تک اندھیرا ہونے کے منتظر رہے۔ رات ہو گئی تو روشنی بُجھا بُجھا کے اور رات کو بستر سے اُٹھ اُٹھ کے ہم نے باہر آ کے دیکھا مگر وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

ہمیں اپنی ساری محنت اکارت جانے پر بڑا دُکھ ہُوا۔ اگلی صبح اسکول میں ہم نے ماموں لیموں سے بات تک نہیں کی۔ وہ دن بھر ہمارے اِردگرد پھرتے رہے مگر ہمارا بُلانے کو دل ہی نہیں چاہا۔

شام کو وہ ہمارے گھر آئے اور بولے۔" آخر بات کیا ہے ...؟

اب چونکہ وہ گھر پہ آئے تھے لہٰذا اخلاقاً ہم نے بھی بات کر لی۔ اور ساری تفصیل بتائی۔ وہ بڑی دیر تک سنجیدگی سے غور کرتے رہے پھر بولے۔

"تم نے آنسوؤں میں لیموں نچوڑا تھا یا لیموں میں آنسو بہائے تھے؟

ہم نے کہا" پہلے پیالی میں لیموں کا رس ڈالا تھا۔ پھر اس میں آنسو ڈالے تھے"

"بس یہی غلطی ہو گئی" ماموں چہک کے بولے" میں نے تم سے آنسوؤں میں لیموں ڈالنے کے لیے کہا تھا تم نے لیموں میں آنسو ڈال دیے"

سدا بہار قصے

احمد خاں خلیل

ایک غریب مجاہد کا بیان کیا ہوا یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جب مسلمان فوجیں رومی سرحد تک جا پہنچی تھیں اور وہاں گھمسان کی جنگ لڑی جا رہی تھی۔

"میں اپنے گھوڑے پر سوار کافروں کا پیچھا کر رہا تھا کہ ایک رومی کافر نے ایک طرف سے تیر پھینکا۔ میں گھوڑے سے نیچے گر پڑا۔ اتنے میں وہ کافر آگیا اور گھوڑے سے اتر کر میرے سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے میری داڑھی پکڑلی اور دوسرے ہاتھ سے خنجر نکالنے لگا تاکہ مجھے ذبح کر دے۔ اس زمانے میں ہم کثرت سے اللہ کو یاد کرتے تھے۔ سوتے جاگتے، پیدل یا سوار ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر جاری رہتا تھا۔ میں نے اللہ جلّ شانہٗ کو اپنے دل میں پکارا، لبیک اللھم لبیک۔ میری جان اور مال تیرے لیے حاضر ہے۔ میں اس وقت جب وہ میری گردن پر خنجر پھیرنے والا تھا کسی مسلمان کا پھینکا ہوا تیر اس کے حلق میں لگا اور وہ ایک طرف کو گر گیا۔ میں بجلی کی سی تیزی سے اٹھا اور اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر اسے جہنم رسید کر دیا۔ اللہ کا وعدہ سچا وعدہ ہے۔"

عراق کا گورنر حجاج بن یوسف بڑے رعب داب والا آدمی تھا۔ ایک دن وہ اپنے درباریوں کے ساتھ سیر کو نکلا۔ جب ایک چھوٹے سے گاؤں کے قریب پہنچا تو اس نے درباریوں سے کہا:

"تم یہیں ٹھہرو۔ میں یہاں کسی سے کچھ بات چیت کر کے آتا ہوں۔" حجاج کچھ آگے بڑھا تو اسے ایک بوڑھا بدّو ملا۔ حجاج نے اس سے پوچھا:

"اے شیخ! تمہارا کس قبیلے سے تعلق ہے؟"

بدّو نے بتایا: "بنی عجل سے۔"
حجاج نے پھر اس سے پوچھا: "اچھا یہ بتاؤ کہ اس علاقے کے افسر اور حاکم کیسے ہیں ؟"
بوڑھے بدو نے کہا: "بڑے ظالم ہیں۔ غریبوں کا مال کھا جاتے ہیں۔"
حجاج نے اس سے کہا: "حجاج کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟"
بدو بولا: "اچھا' وہ عراق کا والی! وہ تو سب سے بُرا آدمی ہے اور جس نے اسے والی بنایا وہ اس سے بھی بُرا ہے۔"
حجاج نے بدو سے کہا: "کیا تم جانتے ہو کہ میں کون ہوں؟"
"نہیں۔" بدو نے جواب دیا۔
"میں ہی حجاج ہوں۔" حجاج نے اسے بتایا۔
"کیا آپ جانتے ہیں کہ میں کون ہوں؟" بدو نے اس سے پوچھا۔
حجاج نے کہا: "میں نہیں جانتا۔"
بدو کہنے لگا:
"میں بنی عجل کا پاگل ہوں۔ مجھے روزانہ دو بار دورہ پڑتا ہے۔"
اس پر حجاج کو ہنسی آ گئی۔ اس نے اسے انعام دے کر رخصت کر دیا۔

ایک شخص ضَبّہ بن اوکان کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام سعد تھا اور دوسرے کا نام سعید۔ دونوں لڑکے سفر کو روانہ ہوئے۔ راستے میں سعد مارا گیا اور سعید واپس آ گیا۔ ضَبّہ ایک اور شخص حارث بن کعب کو ساتھ لے کر مقتول کی تلاش میں نکلا۔ اس وقت حرام مہینوں کی مدت شروع ہو چکی تھی جس کے دوران جنگ کرنے اور قتل کرنے کو حرام سمجھا جاتا ہے۔ وہ دن بھر باتیں کرتے ہوئے آگے بڑھتے گئے یہاں تک کہ وہ ایک مقام پر پہنچے تو ضَبّہ کے ساتھی حارث نے اس سے کہا کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں مجھے فلاں شکل و صورت کا ایک جوان ملا تھا جس سے میرا جھگڑا ہوا تھا اور میں نے اسے قتل کر دیا تھا۔ یہ تلوار اسی کی ہے۔ ضَبّہ نے اس سے کہا کہ ذرا مجھے تلوار دکھانا۔ اس نے تلوار کو دیکھ کر کہا:

"یہ تو میرے بیٹے سعد کی تلوار ہے۔ اے حارث! ایک طرف میرے بیٹے کا قصاص (خون کا بدلا) ہے اور دوسری طرف مبارک مہینوں کی حرمت۔ میں حرمت کو اختیار کرتا ہوں اور تجھے معاف کرتا ہوں۔"

شعبی نے بیان کیا ہے کہ مجھے خلیفہ عبد الملک نے روم کے بادشاہ کے پاس ایک کام سے بھیجا۔ میں نے اس معاملے کو اتنی عمدگی سے سلجھایا کہ روم کا بادشاہ حیران رہ گیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تم خلیفہ کے رشتہ دار ہو؟ میں نے اسے بتایا کہ میں ایک عام عرب ہوں۔ شاہِ روم نے مجھے خلیفہ عبد الملک کے نام ایک سربند لفافہ دے کر روانہ کر دیا۔ جب میں نے وہ خط خلیفہ عبد الملک کو پہنچایا تو اس نے اسے پڑھ کر مجھ سے پوچھا:
"کیا تمھیں معلوم ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے؟"
پھر خلیفہ نے خود ہی بتایا کہ اس نے یہ لکھا ہے کہ حیرت ہے تم لوگوں پر کہ تم اپنے معاملات غیروں کے حوالے کر دیتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آدمی سے چھٹکارا پاؤ۔
شعبی نے کہا: "اے امیر المومنین! اس نے مجھ ناچیز کی لیاقت دیکھ کر اس قدر حسد کیا ہے۔ اگر وہ آپ کی لیاقت دیکھتا تو حسد کی آگ میں جل کر مر جاتا۔"

حجاج نے ایک بدّو کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ بدو نے دربان سے کہا:
"میں امیر سے اپنی آخری خواہش کہنا چاہتا ہوں۔ میری ان سے بات کرا دیجیے۔"
دربان نے حجاج تک درخواست پہنچائی۔ حجاج نے اسے بلوایا۔
بدو نے کہا: "اے امیر! میری خواہش ہے کہ میرے بازو پیچھے باندھ دیے جائیں اور میں جناب والا کی ہمراہی میں دربار کے اِس سرے سے اُس سرے تک چلوں۔"
حجاج نے اس بات کی اجازت دے دی۔ چناں چہ بدو حجاج کے ساتھ دربار کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک چلنے لگا۔ جب درمیان میں پہنچا تو بدو نے کہا:

"اے مہمان امیر! مجھے امید ہے تو اس تھوڑی سی رفاقت کا لحاظ رکھے گا۔"
حجاج نے کہا: "اسے چھوڑ دو۔ اس نے ایک حق بات کہی ہے۔"

عباسی خلیفہ مہدی کے دربار میں ایک دن شاعر ابو دُلامہ روتا ہوا پہنچا۔ امیر المومنین نے اس سے پوچھا: "ابو دلامہ! خیریت تو ہے؟"
ابو دلامہ نے بتایا کہ اس کی بیوی اُم دُلامہ مر گئی ہے۔ خلیفہ مہدی نے یہ افسوس ناک خبر سن کر انا للہ پڑھا۔ جب ابو دلامہ کے آنسو خشک ہوئے تو خلیفہ نے اسے ایک ہزار درہم دے کر رخصت کر دیا۔
گھر پہنچ کر ابو دلامہ نے اپنی بیوی سے کہا: "اے نیک بخت! اسی وقت تو خلیفہ مہدی کی ملکہ کے پاس جا۔ اس کے سامنے آنسو بہا اور اس کو بتا کہ ابو دُلامہ مر گیا ہے۔"
ام دُلامہ نے ایسا ہی کیا جیسا اس کے شوہر نے کہا تھا۔ ملکہ نے ابو دُلامہ کی وفات پر بہت افسوس کا اظہار کیا اور ہمدردی کے طور پر اُم دُلامہ کو چار ہزار درہم دے کر رخصت کیا۔
رات کو خلیفہ مہدی گھر گیا تو ملکہ نے اسے ابو دُلامہ کی موت کی خبر سنائی۔ اس نے حیرت کا اظہار کیا اور کہا مجھے خود ابو دُلامہ نے بتایا ہے کہ ام دُلامہ نے وفات پائی ہے۔ ملکہ نے بتایا کہ ام دُلامہ آکر بتا گئی ہے کہ ابو دُلامہ نے وفات پائی ہے۔ ملکہ نے بڑی حیرت سے پوچھا: "اے امیر المومنین! یہ کیا ہے؟"
خلیفہ مہدی نے کہا: "کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔"

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعائیں قبول فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے سعد رضی اللہ عنہ! جو حلال رزق کھاتا ہے اللہ اس کی دعا قبول فرماتا ہے۔"

وہ شخص جوں جوں اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا خط پڑھ رہا تھا، اس کے ماتھے پر پریشانی کی شکنیں نمایاں ہوتی گئیں، اور پھر خط کے آخر میں خط لکھنے والے کا نام دیکھ کر اس کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اسی اثناء میں اس کا سیکریٹری کمرے میں داخل ہوا اور بولا "سر! میں آپ کو یاد دہانی کرانے آیا تھا کہ کل یعنی جمعہ کو آپ کو اپنے کیریئر کے سب سے اہم اجلاس سے خطاب کرنا ہے۔" وہ شخص مسکرا کر بولا، "لیکن کل میں

اس جلسے سے خطاب نہیں کر سکتا۔ " "لیکن آپ کے اس الیکشن میں جیتنے اور اپنا سیاسی کیریئر سنوارنے کا دار و مدار اس خطاب پر ہے۔ " سیکریٹری نے حیرانگی سے کہا۔ "میں پھر بھی اس جلسے سے خطاب نہیں کر سکتا۔ آپ جا سکتے ہیں۔ " اس شخص نے گویا اپنا فیصلہ سنا دیا۔

اگلے دن وہ پیدل ہی اپنی منزل مقصود کی طرف چل پڑا۔ اس نے صرف اس خط کی وجہ سے اپنا آج کا اہم اجلاس چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا۔ وہ سوچوں میں گم چلتا گیا۔ اب وہ ایک عدالت کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ عدالت میں داخل ہوا تو اسے کٹہرے میں ایک پندرہ سالہ لڑکا نظر آیا جس کا سر جھکا ہوا تھا۔ وکیلوں کی دو کرسیوں میں سے ایک کرسی یعنی وکیل دفاع کی کرسی خالی پڑی تھی۔ اس شخص نے سنا کہ عدالت کا جج لڑکے سے کہہ رہا تھا۔ "کیا تمہارا کوئی وکیل ہے یا وکیل کا بندوست کیا جائے؟" لڑکے نے کہا "میرے حالات اتنے بہتر نہیں ہیں کہ میں ایک وکیل رکھ سکوں۔ "

جج نے حاضرین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا " آپ میں سے کوئی شخص اس لڑکے کا وکیل بننا پسند کرے گا؟" وہ شخص آگے بڑھ کر بولا، "جی ہاں! میں ان کا وکیل بننا پسند کروں گا" پھر اس نے اپنا تعارف کرایا۔ "میرا نام ابراہیم لنکن ہے۔ " تمام لوگ بڑی حیرت سے اس شخص کو دیکھ رہے تھے۔ کیونکہ وہ اسے ایک سیاستدان کی حیثیت سے جانتے تھے۔

آخر کار جج نے اسے مقدمہ لڑنے کی اجازت دے دی۔ اس کو مقدمے کی تفصیل بتائی گئی جو کچھ اس طرح تھی۔

"اس لڑکے کا نام جان ہے۔ جان ایک شخص (سائمن) کے فارم پر کام کرتا تھا۔ سائمن اس سے سختی سے پیش آتا تھا۔ اور اسے کام کا معاوضہ بھی کم دیتا تھا اور بات بات پر اسے ڈانٹتا اور مارتا پیٹتا بھی تھا۔ ایک دن جان ٹرک پر گائے بھینسوں کے لیئے چارہ لایا اس نے سائمن سے کہا کہ وہ دروازہ کھولے۔ لیکن سائمن نے نہ صرف انکار کر دیا بلکہ اسے ایک تھپڑ مارتے ہوئے گالی بھی دی تو جان نے ایک بیلچہ اٹھا کر پوری قوت سے سائمن کے سر پر دے مارا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ "

جب ابراہیم لنکن یہ سب واقعات سن چکا تو جج کے کہنے پر مقدمے کی کارروائی شروع کی گئی۔

وکیل استغاثہ نے لڑکے سے چند سوال پوچھے اور اسے مجرم ٹھہرایا لیکن ابراہیم لنکن نے نہ تو کوئی اعتراض اٹھایا اور نہ اس لڑکے سے کوئی سوال پوچھا۔ جیوری اور تمام حاضرین حیران تھے۔ آخر مقدمہ ملتوی کر دیا گیا۔

تمام وکیل عدالت کے باہر خوش گپیوں میں مصروف تھے لیکن ابراہیم لنکن ایک بوڑھی عورت کے ساتھ بیٹھا اسے تسلیاں دے رہا تھا۔ آخر اگلے دن جب مقدمہ شروع ہوا تو ابراہیم لنکن اٹھا اور بولا "میں اس مقدمے کی کارروائی عام طریقے سے ہٹ کر کروں گا۔ میں جج صاحب اور جیوری سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھے ایک واقعہ سنانے کی اجازت دیں۔" جب جیوری اور جج نے اس کی اجازت دی تو وہ بولا "میں ایک بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ میرے والدین بہت غریب تھے۔ ہمیں کئی کئی وقت فاقے کرنے پڑتے۔ اس غریبی سے چھٹکارا پانے کے لئے میں نے سوچا کہ کیوں نہ کہیں جاکر نوکری تلاش کی جائے۔ یہ سوچ کر میں اپنے گھر کو خیرباد کہہ کر شہر کی طرف چل پڑا۔ جب راستے میں مجھے بھوک نے ستایا تو مجھے ایک کیبن نظر آیا۔ کیبن کی حالت دیکھ کر میں نے اندازہ لگا لیا کہ یہ بھی کوئی خستہ حال شخص ہے۔ میں کیبن سے ملحقہ مکان میں داخل ہو گیا۔" اتنا کہہ کر وہ رُکا اور حاضرین اور جیوری پر نظر ڈالی۔ سب بڑے انہماک سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ اس نے پھر کہنا شروع کیا۔ "جب میں مکان میں داخل ہوا تو وہاں مجھے ایک شخص نے خوش آمدید کہا۔ میں نے انہیں اپنے حالات بتائے تو اس شخص نے کہا کہ تم جب تک چاہو میرے گھر میں رہ سکتے ہو۔ اس گھر میں اس شخص کے علاوہ اس کی ایک بیوی اور تین بچے تھے دو بچے تقریباً ۷ اور ۹ سال کی عمر کے تھے۔ جبکہ ایک بچہ شیر خوار تھا اور ماں کی گود میں تھا۔ اس شخص کا نام ہینری اور اس کی بیوی کا نام میرینا تھا۔ بچوں کے نام مجھے یاد نہیں۔ میں وہاں چند دن رہا لیکن ان چند دنوں میں وہاں جو میری خاطر ہوئی وہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ انہوں نے اپنی غریبی کا احساس مجھے بالکل نہیں ہونے دیا۔ مجھے ہر طرح کی آسائش مہیا کی۔ گویا میں بھی ان کا ہی بیٹا ہوں۔ خود وہ فاقے

کرتے لیکن مجھے پیٹ بھر کر کھانا ضرور کھلاتے۔آخر چند دن بعد میں شہر کی طرف روانہ ہوا اور محنت کرتے کرتے آج اس مقام تک پہنچا ہوں کہ ایک نامور سیاستدان ہوں۔ "

یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور پھر اس لڑکے کی طرف دیکھا جو سر جھکائے کٹہرے میں کھڑا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ "تم ضرور رہا ہو گے۔" اور پھر اس بوڑھی عورت کی طرف اشارہ کیا جو کل اس سے ملی تھی اور کہا "اپنی ماں کی خاطر ہنس دو۔ کیا تم اس کا افسردہ چہرہ نہیں دیکھ رہے؟" لڑکے نے اپنی ماں کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف دیکھ رہی تھی وہ آنسو پونچھتے ہوئے مسکرائی تو جان بھی جبراً مسکرا دیا۔ جج نے ابراہیم لنکن سے پوچھا کہ "اس سارے واقعے کے سنانے کا کیا مقصد ہے؟" ابراہیم بولا "میں یہی بتانے والا تھا یور آنر! دراصل وہ عورت میریا اس ہال میں بیٹھی ہوئی یہ عورت ہے اس نے جان کی ماں طرف کی اشارہ کرتے ہوئے کہا اور وہ شیر خوار بچہ اس کٹہرے میں کھڑا یہ لڑکا ہے۔"

عدالت میں موجود تمام افراد کے مُنہ کھلے کے کھلے رہ گئے ہر شخص حیران تھا۔ آخر ابراہیم لنکن بولا، "مائی لارڈ۔ یہ لڑکا اس وقت عمر کے اس حصّے میں ہے جہاں ہر لڑکے کے ہاتھ میں کتابیں ہوتی ہیں۔ میں تو پھر قسمت کی مہربانی سے ایک کامیاب زندگی حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں لیکن یہ خوش قسمتی ہر کسی کا مقدر نہیں بنتی میں عدالت سے درخواست کرتا ہوں کہ اس لڑکے کو باعزت طور پر بری کیا جائے۔" جج نے سوالیہ نظروں سے جیوری کی طرف دیکھا تو جیوری کے اراکین کچھ دیر کے لئے باہر گئے۔ پورے ہال میں چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں کوئی لڑکے کے حق میں تھا اور کوئی چاہتا تھا کہ لڑکے کو سزا ضرور ملنی چاہیئے۔ آخر جیوری کے اراکین واپس آئے تو جج نے پوچھا "آپ نے کیا فیصلہ کیا، بے گناہ یا مجرم؟" جیوری کے اراکین نے جواب دیا "بے گناہ۔" پورے ہال میں فرط مسرت کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ لڑکا دوڑ کر اپنی ماں کے سینے جا لگا اور ابراہیم لنکن کو ایسے لگا جیسے وہ جان نہیں بلکہ اس کا اپنا وجود ہے۔

(ماخوذ)

جنگل کی کہانی

خولجہ حسن نظامی

جب سارے مینڈک سر جوڑ کے بیٹھے۔

برسات ہو چکی۔ جنگل میں جگہ جگہ کا بھرا ہوا پانی سوکھ گیا۔ بڑے بڑے تالاب بھی چھوٹے چھوٹے ہوگئے۔ اب پانی میں رہنے والے مینڈک پردیس جاتے ہیں۔ کچھ خبر بھی ہے کہ ان کا پردیس کہاں ہے۔ سنو ہم بتاتے ہیں۔

جب سردی کا موسم آتا ہے۔ تو مینڈک زمین کے اندر گھس جاتے ہیں یا بڑے بڑے پتھروں ے نیچے چھپ کر بیٹھ رہتے ہیں۔ اس سے ان کو سردی نہیں ستاتی۔ کیونکہ سردی کے موسم میں مین کے اندر گرمی ہوتی ہے۔

اور جب سردی کا موسم گزر جاتا ہے۔ گرمی شروع ہوتی ہے۔ تو اللہ میاں زمین کے اندر ٹھنڈک دیتے ہیں اور مینڈک گرمی کی دھوپ سے اور لو سے بچے ہوئے چپ چاپ پڑے رہتے ہیں۔ ل برسات شروع ہوئی اور مینہ برسا۔ اور مینڈک اپنے پردیس سے گھر کو آئے۔ پھر جہاں دیکھو ک صاحب اچھلتے کودتے چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ رات کو تالابوں اور جنگل میں [illegible]

پر بیٹھ کر وہ ایسا زور و شور سے ٹرّاتے ہیں کہ کان پڑی آواز نہیں سُنائی دیتی۔
برسات کے دنوں میں تم نے دیکھا ہوگا۔ چھوٹی چھوٹی مینڈکیاں راستوں میں اُچھلتی دوڑتی پھرتی ہیں۔ یہ بارش کے ساتھ ہی پیدا ہوتی ہیں۔
اب برسات ختم ہوئی۔ سردی آئی اور مینڈک پردیس چلے۔ تو انھوں نے ایک جلسہ کیا اور سب مینڈک ایک مکان میں جمع ہوئے جہاں کُرسیاں بچھائی گئیں اور ایک ایک کُرسی پر ایک ایک مینڈک بیٹھ گیا۔ بیچ میں ایک تخت بچھایا گیا اور تخت پر ایک کُرسی رکھی گئی۔ جس کے اوپر چھتر لگا ہوا تھا۔ ایک کُرسی پر مینڈکوں کا بادشاہ ایک بڑا مینڈک آن کر بیٹھا اور اس نے سب مینڈکوں سے کہا۔
"اے میری پیاری رعیت۔ آج کا دربار اس واسطے ہے کہ ہم سب مل کر جنگل میں چلیں اور اپنے پیدا کرنے والے کا شکرانہ ادا کریں۔ جس نے ساری برسات ہم کو آرام سے رکھا۔ تالابوں میں پانی بھرا۔ جس میں ہم تیرتے غوطے مارتے۔ اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر دوڑتے پھرے۔ اُسی خدا نے ہم کو کھانا دیا اور اُسی خدا نے ہم کو رات بھر گانا گانے کی بے فکری دی۔ اب ہم سب پردیس جاتے ہیں۔ تو ہمیں چاہیے کہ سب مل کر خُدا کی نعمتوں اور احسانوں کا شکریہ ادا کریں اور اُس سے دُعا مانگیں کہ وہ سردی اور گرمی کا زمانہ پردیس میں آرام سے گزارے۔"
بادشاہ مینڈک کی یہ بات سُن کر ایک مینڈک کھڑا ہوا اور اُس نے کہا "پردیس میں ہم لوگ کھائیں گے کیا؟"
بادشاہ نے کہا "خدا نے اپنے فضل سے یہ بندوبست کیا ہے کہ پردیس میں ہم کو بھوک نہیں لگے گی۔ مٹی چاٹ چاٹ کر ہمارا پیٹ بھر جائے گا اور کسی دُوسری چیز کے کھانے کی ضرورت ہم کو نہ ہوگی۔"
یہ سُن کر سب مینڈکوں نے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور "خدا کا لاکھ احسان۔ خدا کا لاکھ شکر" کہنے لگے۔
دربار برخاست ہوا۔ تو سب مینڈک جنگل میں جمع ہوئے۔ کسی کے سر پر تُرکی ٹوپی تھی۔ کسی کے سر پر عمامہ تھا۔ کسی کے سر پر ہندوانہ گول پگڑی تھی۔ کسی کے سر پر پارسی پگڑی تھی۔ کسی کے سر پر انگریزی ٹوپی تھی۔ جنگل میں جا کر یہ سب قطار باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ اور انہوں نے ہاتھ جوڑ کر خُدا کا شکرانہ ادا کیا اور پھر وہاں سے اُٹھ کر اپنے اپنے سوراخوں میں چلے گئے۔ جو اُن کے پردیس جانے کا راستہ تھا۔
تم بھی اے بچو خدا کی نعمت کا شکرانہ بھیجا کرو۔ جس نے سردی گرمی برسات کی بے شمار نعمتیں تم کو دی ہیں۔

زلزلہ یا بھونچال ایسی قدرتی آفت ہے کہ مضبوط سے مضبوط عمارت کو بھی زمین بوس یا کم از کم مخدوش ضرور کر دیتا ہے۔ تاہم حال ہی میں ٹوکیو کے مضافاتی قصبے میں ایک بالکل نئی چھ منزلہ عمارت تعمیر کی گئی ہے۔ جسے زلزلوں کے خلاف اشرف المخلوقات کا کامیابی کی طرف پہلا قدم قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس عمارت کو خاص طور پر ایسے علاقے میں تعمیر کیا گیا ہے جہاں اسے ہر سال زلزلے کے کم از کم چار جھٹکے ضرور لگا کریں گے اور اس کے باوجود یہ ان کے اثرات سے محفوظ رہے گی۔

عمارت کو زلزلے کے اثرات سے محفوظ بنانے کے لیے اسے عام عمارتوں سے مختلف طریقے پر تعمیر کیا گیا ہے۔ مختصراً یہ کہ اس میں ایک شاک ابزاربنگ (SHOCK ABSORBING) نظام نصب کیا گیا ہے جو دو حصوں پر مشتمل ہے۔

سب سے آخری منزل پر چوکور شکل کا ٹنوں وزنی ٹکڑا جو ایک آہنی دھرے (AXLE) کے ذریعے فرش سے مربوط ہے ایکٹو ماس ڈیمپر (ACTIVE MASS DAMPER) کہلاتا ہے۔ جسے ایک کمپیوٹر کنٹرول کرتا ہے۔ نظام کا دوسرا حصہ ایکٹو ٹنڈم (ACTIVE TENDOM) چار سے زیادہ پسٹن (PISTONS) پر مشتمل ہے۔ جو مذکورہ آہنی دھرے سے منسلک ہیں۔ زلزلے کا جھٹکا عمارت کے جس رُخ پر ہوتا ہے اس کا اثر زائل کرنے کے لیے کمپیوٹر ماس ڈیمپر کی مدد سے اس کے مخالف رُخ سے اس زور کا توڑ کرتا ہے اور عین اسی لمحے ٹنڈم پوری عمارت کو اس انداز میں لچک دیتا یا گھما دیتا ہے کہ جھٹکے کا کم سے کم اثر اس پر پڑے۔

ٹاکاناکا کارپوریشن کے انجینئروں نے عمارت

اگر شاک ابزربرز کے ذریعے جھٹکوں کا اثر زائل کر دیا جائے تو عمارت زلزلے سے منہدم ہونے سے محفوظ رہ سکتی ہے۔

میں نصب کرنے سے پہلے اپنے شاک ابزابرز کی بفیلو (امریکہ) میں جانچ کی۔ یہاں یونیورسٹی لیبارٹری میں کمپیوٹر سے چلنے والا ایک زلزلہ ساز (EARTHQUAKE SIMULATOR) نظام موجود ہے جس میں ۳ ہزار کے لگ بھگ حقیقی زلزلوں کے "جھٹکے" محفوظ ہیں۔ انجینیرز ایک بٹن دبا کر چھوٹے سے چھوٹے چائے کی پیالی ہلانے والے جھٹکوں سے لے کر شہروں کو زمین بوس کر دینے والے بڑے سے بڑے زلزلے کے جھٹکوں کو "طلب" کر سکتے ہیں۔ ان ماہرین نے ایک عمارت میں اپنا سسٹم نصب کر کے اس کو کمپیوٹر کی مدد سے جھٹکے دیئے جس کے نتائج بڑے حوصلہ افزا نکلے۔ یعنی جھٹکوں کا اس پر ۴۰ فیصد سے بھی کم اثر ہوا۔ چنانچہ اس نظام کی مزید اصلاح کر کے اب اسے حقیقی زلزلوں کے مقابل لایا گیا ہے اور اگر یہ کامیاب رہا تو امید کی جاتی ہے مستقبل میں شدید زلزلوں کے باوجود گھر دفاتر اور دیگر عمارتیں باقی اور قابل استعمال رہ سکیں گی۔

ایک آدمی جب بھی کسی دوسرے سے ٹکراتا تو کہتا "گدھا کہیں کا ......" ایک مرتبہ وہ اپنے خیالوں میں گم گلی سے گزر رہا تھا کہ اچانک اس کی ٹکر گدھے سے ہو گئی۔ تو وہ جھینپ گیا لیکن پھر بولا "سر آپ کو کیا کہوں، آپ تو آپ ہی ہیں"

سید عدنان روشن ...... گجرات

شوہر۔ "لگتا ہے ہمارے کتّے نے بازے میں اچھا وقت نہیں گزارہ۔ اسی لئے سارا راستہ بھونکتا رہا ہے جیسے مجھے کچھ بتانے کی کوشش کر رہا ہو"۔

بیوی۔ "بالکل، دراصل وہ تمہیں یہ بتانے کی کوشش کر رہا ہے کہ تم غلط کتّا لے آئے ہو"۔

یاسمین ناز ...... کراچی

غربت کی کہانی

اُسے سفید چھڑی نے بھلائی کا راستہ دکھایا

سعیدہ احسان

شہزاد ٹریفک لائٹ بند ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈی پر بہت سے پھولوں کے ہار اور گجرے تھے۔ ٹریفک سگنل پر فقیروں کا بڑا ہجوم رہتا تھا۔ اکثر فقیر لڑکے اور لڑکیاں گندے گندے جھاڑن ہاتھ میں لیے کھڑے ہوتے تھے۔ شہزاد اُن سب سے الگ تھلگ کھڑا رہتا۔

وہ مستقل سگنل کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سگنل سُرخ سے پیلا ہُوا اور پھر ہرا۔ گاڑیاں ہلکے ہلکے رُکنے لگیں تو وہ بھی بڑھا۔ اس کے سامنے ایک آدمی سفید چھڑی تھامے جا رہا تھا کہ اچانک کسی فقیر نے گاڑی کی طرف لپکتے ہوئے اُسے دھکا دیا۔ سفید چھڑی والا آدمی گر گیا۔ شہزاد جلدی سے آگے بڑھا وہ آدمی اندھوں کی طرح اپنی چھڑی تلاش کرنے کے لیے ہاتھ مار رہا تھا۔ شہزاد نے جلدی سے اُسے چھڑی پکڑائی اور اُٹھنے میں اس کی مدد کرنے لگا کہ اس کے ہاتھ سے پھولوں کی چھڑی گر گئی اور ایک گاڑی کے پہیوں کے نیچے آگئی۔ پھول سب ٹوٹ گئے تھے۔ شہزاد کو رونا آگیا۔ نابینا شخص نے شہزاد سے کہا:

"تمھاری وجہ سے میری جان بچ گئی ۔ اللہ تمھیں اس کا اجر دے گا"
تھوڑی سی ہمدردی سے شہزاد کو اور بھی رونا آیا ۔ وہ چُپ رہا ۔
"کیوں بیٹا ۔ کیا تمھیں چوٹ لگی ہے ؟" نابینا نے پریشان ہو کر پوچھا ۔
"میں پھولوں کے ہار گجرے بیچتا ہوں ۔ میری ہاروں والی لکڑی گر گئی اور موٹر کے پہیئے کے نیچے آگئی ۔ اب میں ماں کو کیا جواب دوں گا" شہزاد نے افسردگی سے کہا ۔
"اوہو مجھے بے حد افسوس ہے لیکن تم پریشان نہ ہو" اس شخص نے تسلی دی ۔ پھر اُس نے اپنی قمیص کی اندر کی جیب میں ہاتھ ڈالا ۔ پانچ روپے کے دو تین مُڑے تڑے نوٹ نکالے ۔ اور شہزاد کو دیتے ہوئے کہا "بیٹا تم یہ لے جا کر اپنی ماں کو دے دینا"
شہزاد کا دل تو چاہا کہ وہ تھوڑے سے پیسے لے لے پھر اُسے ڈر لگا ۔ جب اماں کو معلوم ہوگا کہ یہ پیسے کسی اندھے آدمی نے دیے ہیں تو بہت ڈانٹے گی ۔
"نہیں چاچا ۔ میں تم سے پیسے نہیں لوں گا اماں ناراض ہو جائے گی"
"تو اماں کو مت بتانا کہ تمھارے پھول ضائع ہو گئے ۔ کہہ دینا کہ پھولوں کے پیسے ہیں" اندھے نے کہا ۔۔۔
"نہیں چاچا ۔ میں اماں سے جھوٹ نہیں بولتا اور اگر جھوٹ بولوں تو اماں کو معلوم نہیں کیسے پتا چل جاتا ہے کہ میں سچ نہیں بول رہا ہوں"
"تمھاری ماں عظیم ہے بیٹا ۔ تم نے آج ایک نیکی کی ہے اس نیکی کا انعام اللہ ضرور دے گا"
"نیکی کا انعام ملتا ہے چاچا ؟" شہزاد نے حیرت سے پوچھا ۔
"ہاں بیٹا ہر نیک کام کا انعام ملتا ہے ۔ نیکی کبھی ضائع نہیں جاتی ۔ اچھا اب تم گھر جاؤ"
شہزاد گھر پہنچا تو چولہا جل رہا تھا اور اس کی ماں کھانا پکا رہی تھی ۔ شہزاد کو بڑی حیرت ہوئی ۔
"اماں آج تم نے کھانا بھی تیار کر لیا"
"ہاں بیٹا ۔ ایک بیگم کچھ کپڑے سینے کو دے گئی ہے اور اُس نے مجھے تھوڑے پیسے پیشگی دے دیے تو میں سودا لے آئی ۔ آج تجھے دیر ہو گئی ؟"
"وہ بیگم بھی ایک نیکی کر گئی" شہزاد نے سوچا ۔
"بتاتا کیوں نہیں دیر کیوں ہو گئی"

شہزاد سوچ میں پڑ گیا کہ اماں کو پورا قصّہ بتائے یا نہیں۔ مگر بتانا تو تھا۔ اُس نے رُک رُک کر سارا قصّہ سُنا دیا۔ اماں چُپ ہو گئی۔ شہزاد کو فکر ہوئی کہ اماں ناراض ہو گئی ہے۔

اُس نے کہا "مگر اماں۔ تم ہمیشہ کہتی ہو کہ دوسروں کے ساتھ نیکی کرنا چاہیے۔ کیونکہ نیکی کا انعام ملتا ہے۔ تو پھر مجھے بھی اللہ میاں انعام دے گا:

"ہاں ٹھیک ہے۔ تم نے بڑی نیکی کی کہ ایک اندھے آدمی کو بچا لیا۔ اور یہ بھی ٹھیک ہے کہ نیکی کا انعام بھی ملتا ہے۔ مگر فوراً نہیں"

"تو پھر اماں کب ملے گا یہ انعام ؟ شہزاد نے بے صبری سے پوچھا۔

"اللہ میاں انعام تو ضرور دے گا لیکن اس کے لیے صبر کی ضرورت ہے۔ اور تو بے صبرا ہو رہا ہے" ماں نے جواب دیا۔

اگلے دن شہزاد پھر پھُول لیے اپنی خاص جگہ کھڑا تھا۔ مگر کسی نے گاڑی روک کر پھول نہیں خریدے۔ بس صرف دو عورتیں چار ہار لے گئیں۔ رات ہو چکی تھی اور وہ پریشانی سے آتی جاتی گاڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک ایک گاڑی شہزاد کے اتنے قریب آ کر رُکی کہ وہ اُچھل پڑا۔

"کتنے اچھے پھُول ہیں" کسی کی آواز آئی۔

وہ گاڑی کے قریب چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ گاڑی میں اُس کا ہم عمر ایک لڑکا بیٹھا ہے۔

"لاؤ یہ کتنے ہار ہیں ؟

شہزاد نے جلدی جلدی گنتی کی۔ جلدی میں وہ ٹھیک سے گن بھی نہیں سکتا تھا۔ گاڑی میں سے آدمی نے ہاتھ بڑھایا۔

"چلو گنتی چھوڑو سب دے دو" شہزاد کو بڑی حیرت ہوئی اس طرح کا خریدار تو اُسے کبھی نہیں ملا۔ اس نے پوری گجروں کی چھڑی اُس کے ہاتھ میں دے دی۔ اُس شخص نے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر شہزاد کو دیا۔ پچاس روپے کا نوٹ دیکھ کر شہزاد کی حیرت کی انتہا نہ رہی "مگر۔ مگر ... اتنے پیسے" اُس نے ہکلا کر کہا۔

"رکھ لو یہ پیسے یہ سمجھو کہ آج پھُول بہت مہنگے ہیں" اس آدمی نے مُسکراتے ہوئے کہا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔

"ابا اسے لفٹ دے دیں"؛ ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے نے کہا۔

ابا نے کہا: "کہاں رہتے ہو تم بچے؟"

"جی میں اعظم بستی میں رہتا ہوں" شہزاد نے خوش ہو کر کہا۔

"چلو بیٹھ جاؤ گاڑی میں ہم تمہیں رستے میں اُتار دیں گے۔"

لڑکے نے شہزاد کو جگہ دی۔ شہزاد کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کبھی کسی کار میں بیٹھا ہی نہیں تھا اور یہ اتنی بڑی گاڑی۔

لڑکے کی گود میں بہت سے کھلونے تھے۔ ایک بڑی خوبصورت لال رنگ کی گاڑی جس پر ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی اور گھنٹیاں تھیں۔ لڑکا چابی دیتا اور گھنٹیاں بجنے لگتیں۔ گاڑی چلنے لگتی اور سیڑھی اُٹھ جاتی۔ شہزاد پہلے تو کنکھیوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر ایک دفعہ اُس نے پوری طرح وہ گاڑی دیکھی تو لڑکے نے کہا۔

"تو تم بھی چلا کر دیکھو۔ یہ فائر بریگیڈ کی گاڑی ہے۔ لو نا۔ اب چابی دو۔"

شہزاد شرما گیا۔ اس نے نہیں میں سر ہلایا۔

"دیکھو تو سہی۔ چابی دیتے ہی گھنٹیاں بجتی ہیں۔ سیڑھی اوپر ہو جاتی ہے اور یہ سب جو چھوٹے چھوٹے سے آدمی بنے ہوئے ہیں یہ سب اپنا کام شروع کر دیتے ہیں۔ یہ آگ بجھانے والی گاڑی ہے۔"

شہزاد کے محلے میں ایک مرتبہ کسی دکان میں آگ لگ گئی تھی اور ایسی ہی ایک گاڑی آئی تھی۔ جس سے آدمیوں نے آگ بجھائی تھی۔ شہزاد کو سب یاد آ گیا۔ اور پھر یہ تو اتنی چمکدار لال رنگ کی گاڑی تھی۔ شہزاد نے ہلکے ہلکے اپنا ہاتھ بڑھایا، لڑکے نے گاڑی اُسے دے دی۔ شہزاد نے چابی بھرلی۔ شہزاد بار بار چابی بھرتا رہا اور گاڑی کے تمام کام شروع ہو جاتے "ہاں بھئی یہ ہی ہے نا اعظم بستی؟" اُس آدمی نے پوچھا۔ شہزاد کو ایسا لگا جیسے کسی نے اُسے آسمان سے اُٹھا کر زمین پر پٹخ دیا ہو۔

"جی ... جی ... بس یہیں روک لیجیے۔"

وہ گاڑی سے اُترنے لگا تو آگ بجھانے والی گاڑی بڑی حسرت سے اُس نے لڑکے کی طرف بڑھائی۔

باپ کچھ دیر تک دونوں کو دیکھتا رہا پھر کہا: "بیٹا یہ گاڑی ان کو پسند آئی کیوں نہ یہ گاڑی

ان ہی کو دے دو" بیٹے نے بڑی خوشی سے گاڑی شہزاد کو دے دی۔ اس سے پہلے کہ شہزاد کچھ کہتا گاڑی آگے بڑھ چکی تھی۔

شہزاد اچھلتا کودتا گھر میں داخل ہوا۔ اماں کچھ پریشان سی بیٹھی تھی۔ خالی ہاتھ۔

"آج پھر تو نے اتنی دیر کر دی کہاں رہ گیا تھا"

شہزاد نے کچھ جواب نہیں دیا اور جیب سے پچاس روپے کا نوٹ نکال کر ماں کو دیا۔ وہ اُلٹ پلٹ کر وہ نوٹ دیکھ رہی تھی۔ "اتنے پیسے تجھے کہاں سے ملے" اُس نے ذرا سختی سے پوچھا۔

"اماں پھول بیچ کر۔ کوئی چوری کر کے تو نہیں لایا ہوں" "مگر روز تو اتنے پھول کے تو دس یا پندرہ روپے لاتا ہے؟"

"ہاں اماں آج ایک نیک آدمی مل گیا تھا" اور پھر شہزاد نے اپنی ماں کو پورا قصّہ سنایا۔ اور ڈرتے ڈرتے وہ گاڑی بھی دکھائی۔ اماں اب پھر بھڑک اٹھی۔

"سچ سچ بتا کہ یہ گاڑی کہاں سے ملی ورنہ ابھی میں..."

"اماں میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں یہ گاڑی مجھے اُسی کار والے لڑکے نے دی۔ اس کے پاس بہت سے کھلونے تھے"

اماں چُپ ہو گئی۔ پچاس روپے کا نوٹ اس کی مٹھی میں بند تھا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔ شہزاد کو بہت بھوک لگ رہی تھی وہ انتظار میں تھا کہ اماں کب کہے گی کہ وہ بازار سے سبزی لائے۔ کچھ دیر بعد اُس سے صبر نہ ہوا۔

"اماں پیسے تو دو، کیا آج کھانا نہیں ملے گا"

اماں کو جیسے ہوش آگیا۔ اُس نے اپنے دوپٹے کے پلّو کی گانٹھ میں سے کچھ پیسے نکال کر شہزاد کو دیے۔

شہزاد جانے کے لیے دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ مڑا اور واپس آگیا۔ کھلونا گاڑی اُس کے ہاتھ میں تھی۔

"اماں یہ رکھو۔ کہیں مجھ سے کھو نہ جائے۔ اور اماں میں بڑا ہو کر آگ بجھانے کی گاڑی پر کام کروں گا۔ ہے نا یہ بھی نیکی کا کام؟" ماں نے کوئی جواب نہ دیا۔ بس اُسے لپٹا کر پیار کرتی رہی، اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ خوشی کے، دُعا کے۔ ●●

جب چاند کا داغ چمک اٹھا

سید عبدالودود شاہ

وال کلاک پر نظر پڑتے ہی غصے سے میرا خون کھول اُٹھا۔ پونے نو بج رہے تھے۔ بُری طرح بھنا کر میں نے چادر ایک طرف پھینک دی۔

اب کیا ہوگا؟ اسکول جانے کا وقت ہی نہیں رہا تھا۔ یہ سب کم بخت زینب کی وجہ سے ہوا۔ اسے اتنا نہیں ہوتا کہ صبح آکر اٹھا دے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے چیخ کر کہا۔ "اب کیا کرنے آئی ہو۔ جاؤ" دروازہ آہستہ سے کھلا، سر پر چادر کا آنچل ڈالے، سمٹی سمٹائی خوفزدہ سی

زینب نے اندر قدم رکھا۔ میں نے کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھا۔ اُس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ میں نے وال کلاک کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے اپنی بڑی بڑی خوفزدہ آنکھیں جھپکا کر کلاک کی طرف دیکھا۔

"وہ بی بی جی ... خرم میاں ...! اس نے ہکلا ہکلا کر کچھ کہنے کی کوشش کی، لیکن اب میرے برداشت سے باہر تھا "تمھیں آخر کس لیے نوکر رکھا گیا ہے۔ جب تم وقت پر کام نہیں کرسکتیں تو تمھارا اس گھر میں کیا کام ہے۔ اب کل اسکول میں بے عزتی کس کی ہوگی تمھاری یا ہماری" ! میں نے اُسے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا۔

زینب چپ چاپ کھڑی تھی: "اچھا اب اپنی منحوس صورت لے کر یہاں سے دفعان ہو جاؤ!"

وہ چُپ چاپ سر جھکائے کھڑی رہی پھر دھیمے قدموں پلٹ گئی۔

باتھ روم سے نکل کر ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے میں نے اِدھر اُدھر دیکھا "لاؤنج میں بالکل سناٹا تھا۔ کوئی بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ اجو آپی یونیورسٹی اور ہمایوں اسکول جا چکے تھے۔ دُور کہیں سے خرم کے رونے کی ہلکی سی آواز ذرا دیر کو آئی پھر خاموشی چھا گئی۔ شاید آپا نے اُسے چُپ کرا کے سُلا دیا تھا۔ صُغریٰ ناشتہ لے آئی اور خاموشی سے سجا کر چلی گئی۔ میں نے صرف دُودھ کا ایک کپ پیا اور خاصے غصے کے ساتھ اُٹھ گئی۔ ممی کے کمرے میں بھی سناٹا تھا۔ وہ شاید صبح ہی صبح کسی سہیلی کے ہاں جا چکی تھیں۔ خرم کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ وہ سو چکا تھا اور آپا اس کے برابر بیٹھی اُونگھ رہی تھی۔ زینب شاید اندر کہیں ہوگی۔ ایک لمحے کو تو سوچا کہ آواز دے کر پوچھوں خرم کیوں رو رہا تھا۔ لیکن اُس کے اُٹھ جانے کے خیال سے چپکے سے آگے قدم بڑھا لیے اپنے کمرے میں جا کر پھر وحشت سی ہوئی۔ اب مس شفقت کا پیریڈ ہوگا اور خدا جانے کس نے ان کا نام مس شفقت رکھ دیا ہے۔ ورنہ ان کی شفقت کچھ اور ہی ہُوا کرتی ہے۔ بیڈ پر بیٹھ کر پھر جھنجھلاہٹ سوار ہوئی۔ اجو آپی اور ہمایوں کا مشترکہ خیال ہے کہ نک چڑھے پن میں میرا جواب نہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ میں بچپن میں ایک دفعہ بُری طرح بیمار پڑی تھی بس جان کے لالے پڑ گئے تھے شاید اللہ میاں کو میری زندگی منظور تھی جو میں بچ گئی۔ لیکن اس کا نتیجہ بے حد لاڈ پیار کی شکل میں نکلا۔ یہاں تک کہ زینب کو صرف میرے کاموں کے لیے ہی ملازم رکھا گیا تھا اور آئے دن میرے ہاتھوں اس کی شامت آتی تھی، پاپا کبھی نرمی سے اور کبھی ہلکی سی تنبیہ کے ساتھ سمجھاتے کہ بیٹا، نوکروں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ وہ بھی ہماری طرح انسان ہیں۔ کسی کو ذلیل

نہیں سمجھنا چاہیے۔ اور ممی کا تو خیال تھا کہ پاپا نے میری ہر فرمائش پوری کر کے اور ناز نخرے اُٹھا کر میری عادتیں بگاڑ دی ہیں۔ چنانچہ اکثر و بیشتر دونوں میں اس پر بحث بھی ہو جاتی تھی۔ اور ممی تو کبھی کبھی خاصی سختی سے جھاڑ بھی دیتی تھیں۔ خیالوں کی رو میں میں کہیں سے کہیں نکل گئی۔ اور اُس وقت چونکی جب نگاہ سامنے کیلنڈر پر پڑی۔ ۱۸ اکتوبر۔ سالگرہ شیما رضوی اُف میرے خدا۔ اُٹھارہ تاریخ میں اب صرف دو دن ہیں اور میں نے ابھی تک اپنی عزیز دوست کے لیے تحفہ بھی نہیں خریدا۔

"زینب۔ یہاں میرے کمرے میں آؤ" انٹرکوم پر میں نے کہا۔

"جی... جی اچھا بی بی جی..." زینب کی گھٹی گھٹی سی آواز آئی۔ چند لمحے بعد پردہ سرکا اور زینب کا سہما ہوا چہرہ نمودار ہوا۔ "ذرا میرے ساتھ شاپنگ کو چلو..." اُس نے قدرے حیران ہو کر مجھے دیکھا۔

"اچھا بی بی... لیکن کیسے جائیں گی..."

"کیوں...؟"

"گاڑی تو آج بی بی کو چھوڑنے گئی ہوئی ہے..."

"اوہ..." میں جھلا کر رہ گئی ایک مرتبہ پھر موڈ آف ہو چکا تھا۔

گھر میں تین گاڑیاں اور ہمارے لیے عین وقت پر سب غائب، لیکن اب سوائے خون کھولانے کے اور کیا حاصل ہو سکتا تھا۔

"اچھا اب تم جاؤ اپنا کام کرو" میں نے انتہائی بے زاری سے کہا۔ زینب چپ چاپ کھسک گئی۔ میں نے تھک کر تکیے پر سر ڈال دیا۔

وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا، نہ پلٹ کر کسی کی سمت دیکھتا ہے۔ دن کے بعد رات بھی آتی ہے اور گرمی کے بعد سردی بھی، خزاں اور بہار آگے پیچھے چلتے ہیں۔ عام زندگی میں بھی تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ ایک دن گھر سے بہار رخصت ہو گئی۔

ڈیڈی کی گاڑی کا اتنا شدید ایکسیڈنٹ ہوا کہ وہ بس بچ گئے ورنہ اُن کا سارا جسم مفلوج ہو گیا تھا۔ اب وہ بول بھی نہیں سکتے تھے۔ بس خالی خالی آنکھوں سے سب کو تکتے رہتے تھے لمبے چوڑے ہینڈسم ابو کی یہ حالت دیکھ کر دوسروں کا جو حال ہوا وہ اپنی جگہ۔ میں تو پاگل

سی ہو گئی تھی۔ ابو کا ایکسیڈنٹ کیا ہوا۔ گھر سے ساری خوشیاں اپنا ڈیرہ سمیٹ کر رخصت ہو گئیں۔ کاروبار چلانے والا کوئی نہ تھا۔ ممی کو اس میدان میں کوئی تجربہ نہ تھا۔

جس طرح اندھیرے میں سایہ چھوڑ جاتا ہے۔ رشتہ دار بھی ساتھ چھوڑ گئے۔ اب لے دے کر صرف کوٹھی رہ گئی تھی۔ جس کی اوپری منزل کرایہ پر دے دی گئی تھی۔ وقت گزر رہا تھا۔ ملازم کب کے جا چکے تھے۔ آپی خود نوکری کی تلاش میں تھیں۔

ہاں اُس وقت صرف ایک زینب تھی۔ جس نے اب تک ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ ممی نے بہت کہا کہ تم بھی کہیں اور جا کر ڈھنگ کی نوکری کر لو مگر وہ نہیں مانی۔

میرا چڑچڑا پن خدا جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ اب میں تمام دن کمرے میں بند گزارا کرتی تھی۔ بے حد اخراجات سمٹتے سمٹتے تنگی کی حد تک آ پہنچے تھے۔ کیونکہ ممی کو آپی کی شادی کی فکر بھی کھائے جا رہی تھی۔ اُنہی دنوں آپی جس آفس میں کام کرتی تھیں خسارے کی وجہ سے بند ہو گیا۔ اور آپی کی سروس بھی ختم ہو گئی۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب کرایہ دار کرایہ ادا کرنے میں ٹال مٹول کرنے لگا۔

ایک دن اسکول کی پرنسپل نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر اس ماہ بھی فیس ادا نہیں کی تو پھر اگلے ہفتے سے اسکول مت آنا!

شام کو میں نے ممی کی گود میں سر رکھ کر روتے روتے سب کچھ بتا دیا۔ رات گئے زینب آہستہ سے میرے کمرے میں داخل ہوئی، وہی سہمی سہمی چال، جیسے اندر آتے ہی میرے زوردار تھپڑ کا اندیشہ ہو۔ اُس نے آہستہ سے کاغذ کا مڑا تڑا سا لفافہ میری طرف بڑھایا، اور میں اُسے دیکھ کر ہی سمجھ چکی تھی کہ اس میں کیا ہو سکتا ہے۔!

"کیا یہ وقت بھی آ سکتا تھا؟"

میں نے سر ہلا کر انکار کر دیا... وہ آہستہ سے آگے بڑھی اور بستر کے کنارے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"یہ پیسے کہاں سے ملے ہیں۔" میں نے نرمی سے پوچھا

"جی... یہ آپ ہی کے ہیں" وہ بولی۔

"لائی کہاں سے ہو؟" میں نے وہی سوال الفاظ بدل کر دہرایا۔

بی... جو کچھ بچتے تھے... وہ میں الگ رکھ لیتی تھی۔ کسی وقت کام آئیں گے۔ یہ آپ ہی کے گھر کی کمائی ہے اور آپ ہی کی نذر ہے: اس نے کئی قسطوں میں ہچکیوں کے درمیان جو کچھ کہا... اس کا مفہوم یہی تھا۔

مجھے اپنے اندر کچھ ٹوٹتا کچھ بکھرتا محسوس ہو رہا تھا... وہ مغرور اور بد دماغ لڑکی جو الارم کی آواز بھی برداشت نہیں کرتی تھی۔ تحلیل ہوئی جا رہی تھی۔

میں نے آہستہ سے بازو آگے کیے اور زینب کو گلے لگا لیا۔ میں اُسے چوم چوم کر رو رہی تھی۔ آپی اور ممی حیرت زدہ سی دروازے میں کھڑی تھیں، انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا... !

"کوئی بات نہیں بیگم صاحب۔ چاند میں بھی تو داغ ہوتا ہے اور آپ تو میرے گھر کا چاند ہیں... بے بی جی! زینب نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔
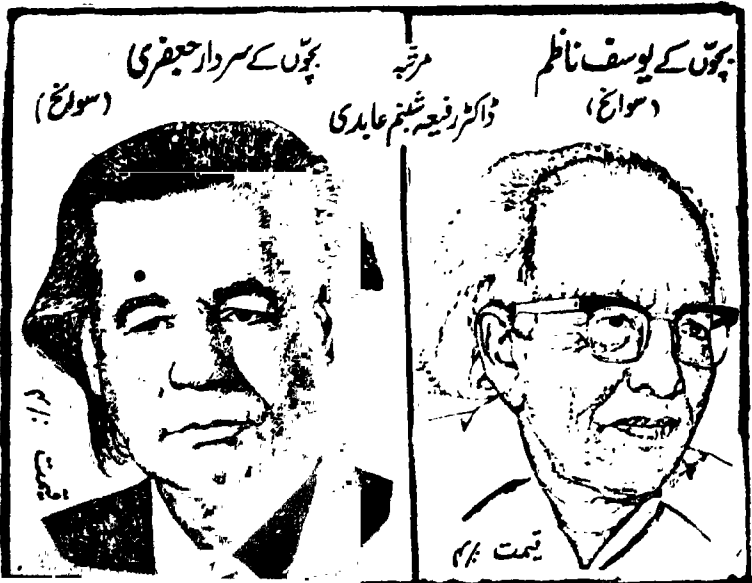
ایک چینی کہانی

پھر چاند نکلا

عمران حسنات،

مسز چن ایک بہت موٹی عورت تھی جو اکیلی ایک الگ تھلگ مکان میں رہتی تھی۔ اس کا اپنے بارے میں یہ خیال تھا کہ وہ ایک اچھی عورت ہے۔ وہ اکثر اپنی سہیلیوں کو بتاتی کہ میں بہت مہربان ہوں' لیکن خود کہنے سے تو کبھی کوئی مہربان نہیں ہو جاتا۔

ایک دن ایک آدمی نے مسز چن کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔ وہ بہت غریب تھا۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے' بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ بہت پریشان حال تھا۔ آدمی نے مسز

جن سے کھانے کے لیے کچھ مانگ۔ مسز جن غصے سے تملاتی ہوئی باہر نکلی اور یہ کہتے ہوئے اس غریب آدمی پر برس پڑی:

"جاؤ دفع ہو جاؤ۔ میرے پاس تمہیں کھلانے کو کچھ نہیں۔ اگر اتنے ہی بھوکے ہو تو خود محنت کرو اور کھاؤ۔" یہ کہہ کر اس نے زور سے دروازہ بند کر دیا اور وہ غریب آدمی بند دروازے کو حسرت سے دیکھتا رہ گیا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد مسز جن نے اندر جاکر اپنے لیے چائے کا ایک گرم کپ تیار کیا اور مزے لے لے کر پیتی رہی۔

غریب آدمی سڑک کے کنارے چلتا ہوا ایک دوسرے مکان پر پہنچا جہاں مسز ٹنگ رہتی تھی۔ جونہی مسز ٹنگ کی نظر اس غریب آدمی پر پڑی وہ اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ مسز ٹنگ نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا:

"تم تھکے ہوئے دکھائی دیتے ہو اور تمہیں سردی بھی لگ رہی ہے۔ آؤ! اندر آجاؤ اور یہاں بیٹھ جاؤ۔ اگر چہ میرے پاس کوئی چائے وغیرہ نہیں ہے، لیکن تم پریشان نہ ہو۔ میرے پاس ایک روٹی اور تین خوب صورت سیب ہیں۔ ایک سیب میں کھالیتی ہوں اور دو تم کھالو۔"

وہ آدمی اس عورت کے گھر کے اندر گیا اور بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک ان دونوں نے باتیں کیں۔ پھر مسز ٹنگ اور اس آدمی نے مل کر روٹی اور سیب کھائے۔ تب وہ آدمی کھڑا ہو گیا اور مسز ٹنگ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہنے لگا:

"آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ لہٰذا سورج غروب ہوتے وقت آپ جو کام شروع کریں گی وہ چاند کے نکلنے تک جاری رہے گا۔"

پھر اس آدمی نے دوبارہ خاتون کا شکریہ ادا کیا اور اللہ حافظ کہتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

مسز ٹنگ سوچنے لگی کہ اس آدمی نے کیا عجیب و غریب بات کہی ہے کہ جو کام تم سورج غروب ہونے کے وقت شروع کرو گی وہ چاند نکلنے تک جاری رہے گا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اس بات سے اس کی کیا مراد ہے؟

پھر مسز ٹنگ کو میز پر ایک سیب رکھا ہوا دکھائی دیا۔ وہ خود سے کہنے لگی:

"بے چارے نے صرف ایک سیب کھایا ہے جب کہ میری خواہش تھی کہ وہ دونوں کھائے کیوں نہ میں اس بچے ہوئے سیب کو ٹوکری میں رکھ دوں۔"

اس نے وہ سیب اٹھایا اور بڑی ٹوکری میں ڈال دیا۔ پھر اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو ایک اور خوب صورت سا سیب میز پر رکھا ہوا دکھائی دیا۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے! میں نے سیب ٹوکری میں ڈال دیا تھا' مگر یہ پھر کہاں سے آگیا۔ اس نے وہ سیب اٹھا کر پھر ٹوکری میں ڈال دیا اور مطمئن ہو گئی' مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسے میز پر ایک اور سیب رکھا ہوا نظر آیا۔ جب وہ سیب ٹوکری میں ڈالتی تو اسے میز پر ایک اور مل جاتا۔ اب مسز تھک سمجھ گئی کہ اس آدمی کی بات کا کیا مطلب تھا۔ وہ ٹوکری میں سیب ڈالتی رہی' یہاں تک کہ چاند نکل آیا اور پھر میز پر کوئی سیب نظر نہ آیا۔

اب اس کی ٹوکری سیبوں سے بھر چکی تھی۔ دوسرے دن اس نے وہ سیبوں سے بھری ٹوکری بازار میں جا کر بیچ دی۔ اس طرح اس کے پاس بہت سی رقم آگئی۔

مسز تھک کی ہیلی مسز چن جس نے اس غریب آدمی کو دھکے دے کر نکال دیا تھا اس نے جب مسز تھک کی سیبوں سے بھری ٹوکری دیکھی تو حیرت سے اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ اس نے مسز تھک سے پوچھا:

"یہ تمام سیب تم نے کہاں سے لیے ہیں؟ تمہارے گھر میں تو کوئی سیب کا درخت بھی نہیں ہے!"

مسز تھک نے اسے پورا واقعہ سنایا کہ کس طرح اس نے اس غریب آدمی کو کھانے کے لیے روٹی اور سیب دیے تھے اور کس طرح اس نے شکریہ ادا کیا۔ مسز چن نے مسز تھک سے تو کچھ نہ کہا' لیکن اپنے دل میں فیصلہ کر لیا کہ اب کی بار وہ بوڑھا آئے گا تو اس کو خوب کھلاؤں گی' خوب پلاؤں گی۔

اگلے دن وہ بوڑھا دوبارہ آیا۔ مسز چن اس کو دیکھ کر خوشی سے پھولی نہ سمائی۔ اس نے بوڑھے آدمی سے درخواست کی:

"مہربانی کر کے میرے گھر کے اندر آئیں۔ میں آپ کی خاطر مدارات کروں گی۔"

بوڑھا آدمی گھر کے اندر آگیا۔ مسز چن نے اسے پینے کے لیے چائے اور کھانے کے لیے بہت سے کیک دیے۔ بوڑھے آدمی نے بہت سے کیک کھائے اور بہت سی چائے پی۔ تب وہ کھڑا ہو گیا اور مسز چن کا شکریہ ادا کیا۔ مسز چن غور سے وہ باتیں سننے کے انتظار میں تھی جن

کے بعد اسے اپنی من پسند چیز ڈھیروں مل سکتی تھی۔
پھر بوڑھا آدمی بولا:
"سورج ڈوبنے کے وقت جو کام تم شروع کرو گی وہ چاند نکلنے تک کرتی رہو گی۔"
یہ کہنے کے بعد بوڑھے نے اللہ حافظ کہا اور چلا گیا۔ چوں کہ مسز چن کے ذہن میں تھا کہ سورج کے غروب ہونے کے وقت اسے کیا کرنا ہے' اس لیے اس نے ایک شلنگ کا سکّہ میز پر رکھا اور کہا:
"جب سورج غروب ہونا شروع ہو گا تو میں شلنگ اٹھا کر بیگ میں رکھوں گی اور پھر چاند کے نکلنے تک سکّے اٹھاتی اور بیگ میں ڈالتی رہوں گی جب کہ آج رات چاند دیر سے نکلے گا۔ اس طرح صبح سے پہلے میں بہت دولت مند ہو جاؤں گی۔"
آخر سورج غروب ہونے لگا اور وہ وقت آن پہنچا جس کا مسز چن کو بے چینی سے انتظار تھا۔ سورج غروب ہونے کے قریب ہی تھا کہ مسز چن بے دھیانی میں تیزی سے مڑی جس کے نتیجے میں وہ میز پر رکھے ہوئے چائے سے بھرے برتن سے ٹکرا گئی اور چائے فرش پر گر کر بہنے لگی۔ اس نے جلدی سے کپڑا لیا اور فرش صاف کرنے لگی۔ جب وہ یہ کر رہی تھی تو اس وقت سورج غروب ہو گیا۔ پھر کیا ہوا!
وہ بے چاری فرش صاف کرتی رہی کرتی رہی' یہاں تک کہ چاند نکل آیا اور اس رات چاند دیر سے نکلا تھا۔ چوں کہ اس نے لالچ کی خاطر بوڑھے کی مدد کی تھی' اس لیے اسے اپنے کیے کی سزا مل گئی۔
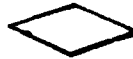
فنون لطیفہ کسے کہتے ہیں؟

"فنون لطیفہ" ایک اصطلاح ہے جو فرانسیسی اصطلاح سے بنی ہے۔ فنون لطیفہ میں وہ تمام انسانی کام بھی شامل ہیں جو حسن کی تخلیق کے لیے وقف ہیں۔ اس میں موسیقی' شعرو ادب' تعمیرات' سنگ تراشی یا بت تراشی' مصوری وغیرہ شامل ہیں۔ ناچ گانا' سجاوٹ وغیرہ فنون لطیفہ کی ثانوی شاخیں ہیں۔

اچھے بچو! یہ کہانی میں نے ایک ہندو عالم کی زبان سے سنی تھی، میں اسے آسان اردو زبان میں تمہارے لیے لکھ رہا ہوں۔ کہانی کچھ یوں ہے۔

بہت پرانے زمانے کی بات ہے ایک راجا اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ شکار کھیلنے کے لیے گیا۔ وہ شکار کے لیے اکثر جایا کرتا تھا اور بالکل آسانی سے بہت سے چکارے اور چیتل شکار کر لیتا تھا (یہ ہرنوں کی قسمیں ہیں) لیکن اس دن کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ اسے ایک مرغابی بھی نہ ملی۔

راجا اور اس کے ساتھی جنگل میں مارے مارے پھرتے رہے۔ جب دوپہر سر پر آ گئی تو وزیر نے کہا۔ "مہاراجا ایسا لگتا ہے کہ آج جب ہم راجدھانی سے چلے تھے تو کوئی منحوس گھڑی تھی۔ بہتر یہ ہو گا کہ لوٹ چلیں۔ آج شکار نہ ملے گا۔"

اس زمانے کے ہندو اس بات کو بالکل ٹھیک مانتے تھے کہ کوئی وقت اچھا اور کوئی بُرا ہوتا ہے، چنانچہ اسی لیے وہ پنڈتوں سے پوچھا کرتے تھے کہ یہ کام ہمیں شروع کرنا چاہیے یا نہیں؟ اور وہ ستاروں کا حساب لگا کر بتا دیا کرتے تھے کہ کام شروع کیا جائے یا نہ کیا جائے۔

اصل بات یہ تھی کہ چالاک پنڈتوں نے اپنی قوم کو اس وہم میں پھنسا دیا تھا۔ کسی کام میں کامیابی یا ناکامی تو اس وجہ سے ہوتی ہے کہ اس کے لیے کتنی اور کیسی کوشش کی گئی۔ قابل اور بہادر لوگ جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں اسے پورا کر لیتے ہیں، کیونکہ اللہ پاک نے اپنی خاص رحمت سے انسان کو بہت طاقت دی ہے۔ اس کا درجہ فرشتوں اور جنوں سے بھی بڑا ہے۔

یہ راجا بھی پنڈتوں کی بتائی ہوئی باتوں کو ٹھیک تو جانتا تھا، لیکن اس دن اسے کچھ غصہ آگیا۔ اپنے وزیر کی بات سن کر بولا، "چاہے کچھ بھی ہے، لیکن ہم خالی ہاتھ نہ لوٹیں گے۔ تم لوگ یہیں ٹھرو، ہم اکیلے جاتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ بہت جلد کوئی موٹا تازہ ہرن شکار کر لیں گے۔"

یہ کہہ کر راجا نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور ایک طرف روانہ ہو گیا، لیکن نتیجہ وہی نکلا، وہ کئی گھنٹے گھنے جنگل میں مارا مارا پھرتا رہا اور خالی ہاتھ رہا۔ دھوپ بہت تیز تھی۔ راجا کے ساتھ اس کا گھوڑا بھی نڈھال ہو گیا۔ پیاس سے ہونٹ خشک ہو گئے۔ پسینے سے سارا بدن بھیگ گیا اور سانس دھونکنی کی طرح چلنے لگا۔ مجبور ہو کر راجا ایک جگہ رُک گیا اور چاروں طرف دیکھنے لگا کہ پانی کا کوئی چشمہ یا جوہڑ نظر آ جائے تو پیاس بجھائے، لیکن ناکام رہا، اسے اب یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس وقت کونسے علاقے میں ہے اور اپنے لشکر سے کتنی دور آگیا ہے۔

آدمی چاہے راجا ہی ہو، لیکن مصیبت میں پریشان تو ہوتا ہی ہے۔ اس راجا کا بھی یہی حال ہوا۔ وہ سوچنے لگا میں نے غلطی کی ہے۔ معلوم نہیں اب زندہ سلامت اپنے ساتھیوں تک پہنچوں گا یا نہیں! لیکن خدا کی شان دیکھیے، مایوسی کی اس حالت میں ایک لکڑہارا اپنے سر پر لکڑیوں کا گٹھا اٹھائے اس کے پاس سے گزرا۔ راجا نے آدمی کی صورت دیکھی تو اس سے کہا۔ "بھائی ذرا رکنا، پیاس کی وجہ سے ہماری جان نکلی جا رہی ہے۔ تم اس علاقے کے رہنے والے ہو، مہربانی کر کے بتاؤ پانی کہاں ملے گا؟"

راجا کی بات سن کر لکڑہارا رک گیا۔ راجا کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولا، "سوار، تم پردیسی لگتے ہو۔ ایسا نہ ہوتا تو پیاس کی تکلیف نہ اٹھاتے۔ سامنے والے ٹیلے کے پرلی طرف تو ٹھنڈے میٹھے پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ آؤ میرے ساتھ، میں اس چشمے کے پاس ہی اپنی کٹیا میں رہتا ہوں۔ تم بھوکے بھی لگتے ہو۔ روکھی سوکھی کھانے کو بھی مل جائے گی اور تمہارے گھوڑے کے لیے گھاس دانے کا انتظام بھی ہو جائے گا۔"

راجا کو تو یوں لگا کہ اسے نئے سرے سے زندگی ملی ہے۔ وہ لکڑہارے کے ساتھ اس کی کٹیا میں آگیا اور لکڑہارے اور اس کی بیوی نے اسے بہت آرام پہنچایا۔

مکئی کی روٹی کھا کر اور ٹھنڈا پانی پی کر راجا کے ہوش حواس ٹھیک ہوئے تو یہ بات بھی اس کی سمجھ میں آگئی کہ اس وقت وہ اپنے ملک کے کسی حصے میں ہے۔ اس نے سچے دل سے لکڑہارے اور اس کی بیوی کا شکریہ ادا کیا اور چلتے وقت اس سے کہا۔ "میاں لکڑہارے یوں لگتا ہے کہ آج بھگوان (خدا) ہم دونوں ہی پر مہربان ہے۔ مجھ پر اس لیئے کہ مجھے نئی زندگی مل گئی۔ اگر تم میری مدد نہ کرتے تو نہ میں زندہ بچتا نہ میرا گھوڑا۔ اور تم پر اس لیے کہ تم نے آج کسی عام آدمی کی مدد نہیں کی، بلکہ اپنے ملک کے راجا کی مدد کی ہے اور تمہاری اس نیکی سے خوش ہو کر ہم تمہیں اس پورے جنگل کا مالک بنا رہے ہیں جہاں تمہاری جھونپڑی ہے۔ ہمیں امید ہے تمہاری باقی زندگی خوب عیش آرام سے گزرے گی۔"

بات ختم کر کے راجا نے گھوڑے کی باگ اٹھائی اور اس طرف روانہ ہو گیا جہاں اس کا لشکر رکا ہوا تھا۔ اب اسے یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا لشکر کہاں ہے۔

○○ ......

اس واقعے کو بیتے دس بارہ سال بیت گئے۔ ایک دن راجا اپنے دربار میں خزانے کے وزیر سے باتیں کر رہا تھا کہ اچانک اسے لکڑہارے کا خیال آگیا۔ اس نے اپنے اس وزیر کی طرف دیکھا جو اس دن شکار میں اس کے ساتھ تھا اور خوشی بھری آواز میں کہا۔ "منتری! (وزیر) تمہیں یاد ہے، ہم نے نیک دل لکڑہارے کو چندن کے جنگل کا مالک بنا دیا تھا۔ امید ہے اب تو وہ بہت امیر ہو گیا ہو گا۔"

کہانی آگے بڑھانے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا کہ چندن کے بارے میں چند باتیں بتا دوں۔ چندن کو عربی زبان میں صندل کہتے ہیں۔ اس درخت کی لکڑی خوشبودار ہوتی ہے۔ اس میں فائدہ پہنچانے والی تاثیر بھی ہوتی ہے۔ گرمی کے موسم میں صندل کی لکڑی کے بُرادے سے شربت تیار کیا جاتا ہے جو بہت شوق سے پیا جاتا ہے۔ اسی طرح دواؤں میں بھی یہ لکڑی استعمال کی جاتی ہے، خاص طور سے ہندو تو صندل کو بہت اچھا سمجھتے ہیں۔ اسے گھس کر ماتھے پر لگاتے ہیں، چنانچہ اسی لیے یہ بہت مہنگی بکتی ہے۔

ان چند باتوں کے بعد پھر کہانی شروع۔ راجا کی بات سن کر خزانے کے وزیر نے کہا۔ "ہاں مہاراج، اب تو وہ لکڑہارا لکھ پتی ہو گیا ہو گا۔ اس نے اپنے لیے بڑا سامان بنوالیا ہو گا اور خوب عیش و آرام کی زندگی گزار رہا ہو گا۔"

"اچھا تو ہم آج ہی اس سے ملنے جائیں گے۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلنا۔" راجا نے کہا۔

...... ○○ ......

راجا اور اس کے وزیر کو پکا یقین تھا کہ پھونس کی چھوٹی سے کٹیا کی جگہ لکڑہارا شاندار حویلی میں رہ رہا ہوگا۔ خدمت کے لیے نوکر چاکر ہونگے، لیکن وہاں پہنچے تو اسے اس پہلی حالت میں پایا، بلکہ ان معنوں میں پہلے سے کچھ بری حالت میں کہ وہ اب بوڑھا اور کمزور ہو گیا تھا اور اس کی طرح اس کی جھونپڑی بھی بوڑھی اور بیمار لگ رہی تھی۔ پھونس پرانا ہونے کی وجہ سے چھپر میں جگہ جگہ سوراخ ہوگئے تھے۔ یہ دیکھ کر راجا کو بہت افسوس ہوا۔

بوڑھا لکڑہارا ٹوٹی ہوئی جھانگا چارپائی پر لیٹا تھا۔ راجا آہستہ آہستہ چلتا ہوا اس کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔

"کہو بابا، کس حال میں ہو؟ ہمیں پہچانا تم نے؟"

لکڑہارے نے چونک کر راجا کی طرف دیکھا اور اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔ "لگتا ہے تم وہی مسافر ہو جس نے مجھے اس جنگل کا مالک بنا دیا تھا۔ تمہاری دی ہوئی وہ پرچی میں نے بہت حفاظت سے رکھی ہے، مگر کوئی اسے دیکھنے آیا ہی نہیں۔"

"ہاں بابا، ہم وہی ہیں۔ لیکن یہ تو بتاؤ اتنے امیر کبیر ہونے کے بعد بھی تم نے اپنی حالت کیوں نہیں سدھاری؟" راجا نے کسی قدر ناراض ہو کر کہا۔

"میں اور امیر کبیر!" یہ کہہ کر بوڑھا زور سے ہنسا۔ "بابا مجھ غریب سے کیوں مذاق کرتے ہو۔ بھلا میں امیر کبیر کیسے بن گیا؟" "ایسے کہ ہم نے تمہیں چندن کے اس جنگل کا مالک بنا دیا تھا۔" راجا نے کہا۔

"اس کا مالک تو میں پہلے بھی تھا۔ سوکھی لکڑیوں کا گٹھا بناتا تھا اور کسی بستی میں جا کر بیچ آتا تھا۔ اب بھی یہی کر رہا ہوں۔ فرق اگر کچھ پڑا ہے تو وہ یہ ہے کہ پہلے ڈر اس کا رہتا تھا کہ راجا کا کوئی آدمی پکڑ نہ لے۔ اب ذرا بے فکر ہو کر کام کرتا ہوں۔ یہ اطمینان ہو گیا ہے کہ اگر کوئی روکے گا تو تمہاری پرچی اسے دکھادوں گا۔" لکڑہارے نے جماہی لیتے ہوئے کہا اور پھر چارپائی پر لیٹ گیا۔

راجا غصے بھری آواز میں بولا۔ "بیوقوف، تو نے ہمارے قیمتی انعام کی یہ قدر کی؟"

وزیر پاس کھڑا راجا اور لکڑہارے کی باتیں سن رہا تھا۔ راجا کو غصے میں دیکھا تو جلدی سے بولا، "مہاراج، اصل بات یہ ہے کہ اس غریب لکڑہارے کو یہ معلوم ہی نہیں کہ چندن کی لکڑی کتنی قیمتی ہے اور کس بھاؤ بکتی ہے۔ بس اس جہالت کی وجہ سے اس نے اپنا نقصان کیا اور پہلے کی طرح مصیبتوں میں گھرا رہا۔"

راجا نے وزیر کی بات کو ٹھیک مانتے ہوئے کہا۔ "ہاں ایسا ہی ہے۔ علم کے بغیر آدمی اور جانور

میں بس تھوڑا سا فرق ہی ہوتا ہے۔ جاہل تو ہیرے کو بھی کانچ کا ٹکڑا ہی سمجھتا ہے۔ جیسے اس بد قسمت بوڑھے نے چندن کو معمولی سوکھی لکڑی خیال کیا اور اپنے جیسے جاہلوں کے ہاتھ بیچتا رہا۔" یہ کہہ کر راجا نے بوڑھے لکڑہارے کی طرف دیکھا اور اس سے کہا۔ "بد قسمت بوڑھے، تو نہیں جانتا تو نے اپنی جہالت کی وجہ سے اپنا کتنا بڑا نقصان کیا ہے۔ اب اگر ہم تجھے بتا بھی دیں کہ یہ لکڑی کتنی قیمتی ہے جسے تو گنواروں کے چولھوں میں جلواتا رہا ہے، تو تجھے اس کا کچھ فائدہ نہ ہوگا، کیونکہ تو بہت بوڑھا ہو گیا ہے اور تیری اولاد بھی نہیں ہے جو اس جنگل سے فائدہ اٹھاتی، اس لئے ہم اپنا بخشا ہوا انعام واپس لیتے ہیں۔"

لکڑہارے کی سمجھ میں اب بھی نہ آیا کہ اس سے کونسا انعام واپس لیا جا رہا ہے۔ اس نے اپنے میلے کرتے کی جیب سے مڑی تڑی پرچی نکال کر راجا کی طرف بڑھا دی۔ وزیر نے آگے بڑھ کر وہ پرچی لے لی اور بہت ادب سے بولا۔ "مہاراج، اس جاہل اور کم عقل لکڑہارے نے گھر آئی ہوئی دولت کو ٹھکرایا۔ یہ اس کی بدقسمتی تھی، لیکن مناسب ہوگا اس کی جتنی زندگی باقی ہے مہاراج اس کے لئے کچھ انتظام کر دیں، یہ اور اس کی بیوی آرام سے رہیں گے تو جان مال کو دعائیں دیں گے۔"

راجا نے اپنے وزیر کی یہ بات مان لی اور لکڑہارے کے لئے ایسا انتظام کرا دیا کہ وہ آرام سے دن گزارنے لگا۔

.......○○.........

بچو! یہ کہانی یہاں ختم ہوئی۔ اس کا یہ نتیجہ بالکل آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے کہ جہالت بُری بلا ہے۔ علم ہی انسان کو انسان بناتا ہے، لیکن جب میں نے ایک ہندو عالم کی زبان سے یہ کہانی سنی تھی تو ایک اور نتیجہ بھی نکلا اور وہ یہ ہے کہ اللہ پاک نے جتنے انسانوں کو بھی پیدا کیا ہے ان میں سے ہر ایک کو چندن کے جنگل سے بھی زیادہ قیمتی چیزوں کا مالک بنایا ہے۔ کوئی امیر گھرانے میں پیدا ہو یا غریب کی جھونپڑی میں سب کو عقل کا نور دیا ہے۔ آنکھیں دی ہیں۔ کان دئے ہیں۔ زبان بخشی ہے۔ ہاتھ پاؤں عطا فرمائے ہیں، غرض ایسی قوتیں دے کر دنیا میں بھیجا ہے کہ اگر وہ ان سے اچھی طرح کام لے تو شاندار کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے، لیکن ہوتا یہ ہے کہ بس کچھ لوگ ہی اپنے چندن کے اس جنگل کی قیمت کا بالکل ٹھیک اندازہ کرتے ہیں اور اپنی قوتوں سے ٹھیک ٹھیک کام لیتے ہیں، ورنہ زیادہ ایسے ہیں جو انہیں سوکھی لکڑیوں کی طرح ضائع کرتے رہتے ہیں۔ پیارے بچوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیے!!

بچوں کے لیے مذہبی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
حضرت آدم علیہ السلام۔	منورہ نوری خلیق	۴/-
رسالہ دینیات اول	محمد نعیم الدین زبیری	۳/
رسالہ دینیات دوم	،	۴/
رسالہ دینیات سوم	،	۵/
رسالہ دینیات چہارم	،	۵/
رسالہ دینیات پنجم	،	۶/
بزرگانِ دین	محمود علی خاں جامعی	۴/
امت کی مائیں	حسین حسنی	۴/۵۰
اچھی باتیں	سعد الدین انصاری	۴/۵۰
خوب سیرت اول	حکیم محمد سعید	۶/
خوب سیرت دوم	//	۴/۵۰
سلطان جی	اسلم فرخی	۴/
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	فضل قدیر ندوی	۴/۵۰
رحمان کا جہان	رفیع الزماں زبیری	۶/
کمسن صحابی	//	۵/
اسلام کے جاں نثار	//	۴/
سیرت پاک مختصر مختصر	احمد خاں خلیل	۳/
نور کے پھول	حکیم محمد سعید	۹/
سب سے بڑے انسان۔ رسول اللہؐ	//	۴/۵۰
حضرت حمزہ رض	احتشام علی رحیم آبادی	۲/
حضرت عبد الرحمن بن عوف رض	//	۲/
حضرت ابوہریرہ رض	//	۴/
حضرت محبوب الٰہی رح	مشیر الحق	۳/
حضرت قطب الدین بختیار کاکی رح	//	۲/
حضرت فرید الدین گنج شکر رح	//	۳/
حضرت معین الدین چشتی رح	//	۳/
حضرت ابوبکر صدیق رض	//	۶/
حضرت طلحہ رض	//	۲/
حضرت سلمان فارسی رض	//	۲/۵۰
حضرت ابو ذر غفاری رض	//	۲/
حضرت عبد اللہ بن عمر رض	//	۲/
حضرت عبد اللہ بن عباس رض	مشیر الحق	۳/
نیک بیٹیاں	//	۳/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ حصہ اول	عبد الواحد سندھی	۷/۵۰
// حصہ دوم	//	۷/
قرآن پاک کیا ہے؟	//	۴/
اسلام کیسے شروع ہوا؟	//	۷/۵۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار اول، دوم	// فی حصہ	۶/=
اسلام کے مشہور امیر البحر	//	۹/
رسول پاکؐ	//	۶/
دس جنتی	الیاس احمد مجیبی	۲/۵۰
سرکار کا دربار	//	۶/۵۰
چار یار	//	۷/۵۰
آں حضرتؐ (اردو)	//	۳/۵۰
حضرت محمدؐ (ہندی)	//	-/۲۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	۴/۵۰
اللہ کے خلیل	//	۳/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	//	۴/
اللہ کے صفی	//	۲/۵۰
ہمارا دین حصہ اول	سید شہاب الدین دسنوی	۸/۵۰
// دوم	//	۷/۵۰
// سوم	//	۸/۵۰
منہاج القرآن	خیر محمد سیدنا طاہر سیف الدین	۴/۵۰
ارکان اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	۳/۵۰
عقائد اسلام	//	۳/۵۰
خلفائے اربعہ	خواجہ عبد الحئی فاروقی	۹/
نبیوں کے قصے	//	۶/۵
ہمارے رسولؐ	//	۶/
پیارے رسولؐ	سلطانہ آصف فیضی	۴/۵۰
حضرت نظام الدین اولیاء	ادارہ	۲/
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۶/
ہمارے نبیؐ	سید نواب علی رضوی	۳/۵۰
سرکار دو عالم	محمد حسین حسان	۹/
قاعدہ یسرنا القرآن (خورد) (کلاں)		۴/۵۰

عاجزی

مرسلہ : اسد اللہ [illegible]

قسطنطنیہ کے ساحل پر ایک دن ایک ایسا نوجوان اترا جس کی پیشانی سے سعادت کا نور ظاہر ہو رہا تھا۔ لوگوں نے اسے شائستہ اور ہوشیار پایا تو نہایت عزت سے مسجد میں لے گئے۔ مسجد کے امام نے اس کے کھانے پینے کا انتظام کر دیا۔ نوجوان اطمینان سے مسجد کے حجرے میں رہنے لگا۔ ایک دن امام صاحب نے اس سے کہا : "میاں صاحب زادے ! تم کوئی خاص کام تو کر نہیں رہے، مسجد سے کوڑا کرکٹ ہی صاف کر دو۔"

اس واقعے کے بعد وہ نوجوان پھر کبھی مسجد میں نظر نہ آیا۔ ایک دن امام صاحب کو وہی نوجوان بازار میں نظر آیا۔ وہ اس کے پاس رُک گئے اور کہنے لگے : "تو کام چور اور نکما ہے۔ تجھ سے معمولی سا کام بھی نہ ہو سکا۔"

نوجوان امام صاحب کی بات سن کر روتے ہوئے بولا : "جناب عالی ! میرے مسجد سے نکل آنے کی وجہ میری کاہلی اور کام چوری کی عادت نہ تھی بلکہ اصل وجہ یہ تھی کہ مسجد میں مجھے اپنی ذات کے سوا کہیں کوڑا کرکٹ نظر نہ آیا اور میں نے اللہ کے گھر کو اپنے وجود سے پاک کر دیا۔"

سچ یہ ہے کہ فقیر کے لیے سب سے اچھی بات یہی ہے کہ وہ اپنے وجود کو سب سے حقیر سمجھے۔ کام یاب ہونے کے لیے اس سے بہتر کوئی سیڑھی نہیں ہے۔

حکایاتِ سعدیؒ

مرسلہ : طاہر خان [illegible]

ابراہام لنکن کی زندگی ناکامیوں کی ایک طویل داستان ہے۔ وہ انتخاب میں پہلی بار کھڑا ہوا تو اسے شکست ہوئی۔ اس نے تجارت کرنی چاہی تو بُری طرح ناکام رہا۔ اس نے جس

عورت سے شادی کی وہ عمر بھر اسے ستاتی رہی۔
اس نے سرکاری ملازمت کرنی چاہی، مگر مایوسی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آیا۔ اس نے سینیٹر بننے کی کوشش کی، مگر نہ بن سکا۔ اس نے نائب صدر کا عہدہ حاصل کرنا چاہا، مگر حاصل نہ کر سکا۔ ان تمام ناکامیوں کے باوجود اس نے محنت، لگن، جدوجہد جاری رکھی، بالآخر وہ کامیاب ہوا۔ امریکا کی تاریخ میں وہ صدر بنا اور ملکی تاریخ میں اپنا نام درج کرا دیا۔

کچھ نہ کچھ

مرسلہ : سارہ رشی

کرکٹ ٹیم کا کپتان اپنی ٹیم کی فیلڈنگ سے سخت مایوس تھا۔ ہر میچ میں وہ کیچ پر کیچ گراتے رہے۔ آخر تنگ آکر اس نے تمام کھلاڑیوں کو جمع کیا اور بولا : "ہم سب مچھلی کے شکار پر چل رہے ہیں !"
"مگر کیوں؟" ٹیم کے سب کھلاڑیوں نے حیرت سے پوچھا۔
"میں چاہتا ہوں کہ اس سیریز میں تم کچھ نہ کچھ پکڑلو۔" کپتان نے جواب دیا۔

ہیرے موتی

مرسلہ : ثناء علی،

★ زبان میں ہڈی نہیں ہوتی، لیکن یہ آپ کی کھوپڑی تڑوا سکتی ہے۔
★ بزرگوں کی نصیحت اس پھل کی طرح ہے جس کا مزہ شروع میں کڑوا، مگر بعد میں بہت میٹھا ہوتا ہے۔
★ مایوسی ایک ایسا بادل ہے جو چھا جائے تو امید کے چراغ بجھا دیتا ہے۔
★ احمق موقع کے انتظار میں رہتا ہے اور عقل مند موقع خود ڈھونڈ نکالتا ہے۔
★ بیمار ہونے سے پہلے پریشان مت ہو۔
★ ہزاروں موتی بھی ہار نہیں بنا سکتے، اگر انھیں پرویا نہ جائے۔
★ بے وقوف کے ساتھ محل میں بیٹھنے سے عقل مند کے ساتھ قید خانے میں بیٹھنا کہیں بہتر ہے۔

[illegible] ہے

مرسلہ : حسیب صدیقی،

ہوتا یوں ہے کہ جوتوں کی دکان پر پڑے پڑے وہ جوتے جو اپنی عمر ختم کرکے سوکھنے لگتے ہیں، ردی کے بھاؤ فٹ پاتھ والوں کو بیچ دیے جاتے ہیں۔ فٹ پاتھ پر ایک دن یوں ہوا :
"کیا لوگے؟"
"ایک دام بتاؤں۔"
"ہاں، ہاں۔"
"پچیس روپے۔"

"قیمت زیادہ ہیں۔"

"اماں، جا کہاں رہے ہو؟ تم بھی تو بولو۔"

"تم بیچنے والی بات ہی نہیں کرتے!"

"تم کب خریدنے والی بات کر رہے ہو؟"

"اچھا بولو، کیا دو گے؟"

"سات روپے۔"

"مذاق کے لیے ہم ہی رہ گئے تھے۔"

"بھیا! ہم تو یہی دے سکتے ہیں۔"

"اماں! جا کہاں رہے ہو؟ چوبیس (ے وہ۔ تیئیس، بائیس۔ اب کم نہیں ہوگا۔ رکو تو بیس۔ پندرہ۔ دس۔ اچھا بھائی میاں! واپس آجاؤ۔ سات ہی میں لے لو۔"

گاہک نے جوتے کا ڈبا بغل میں دبایا اور "لوٹ لیا" والے انداز میں رخصت ہوگیا۔

جوتے والے نے سات نوٹوں کو دوسری بار گن کر جیب میں رکھا اور بھیڑ میں گم ہوتے ہوئے گاہک کی طرف دیکھ کر بولا:

"جا استاد! یہ بھی سات قدم سے زیادہ نہیں چلیں گے۔"

عظیم سرور

یہ حقیقت ہے

مرسلہ: ثنا یاسین

● پاگل اور عقل مند دونوں بے ضرر ہوتے ہیں۔ صرف نیم پاگل اور نیم عقل مند خطرناک ہوتے ہیں۔

● انسان ہمیشہ بدلتا رہتا ہے، مگر انسانیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

● بونے اپنے جسمانی اعضا کے بڑے ہونے کی تمنا رکھتے ہیں، مگر اپنے دماغ کے حجم سے پوری طرح مطمئن ہوتے ہیں۔

● وہ راستے جو کہیں نہیں جاتے وہ انتہائی امن والے ہوتے ہیں۔

● احمق اور عقل مند میں اس وقت تک کوئی فرق نہیں ہوتا جب تک وہ چپ ہوں۔

سائنس کو اپنائیے

مرسلہ: راشدہ خاں

سائنس کا علم انسان کا ایک عظیم کارنامہ ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ اس احسان کا شکر اسی طرح ادا ہوسکتا ہے کہ ہم اپنی عقل کا صحیح طرح استعمال کریں۔ عقل کو استعمال کرنے سے ہی سائنس وجود میں آئی۔ اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ اس میں جو چیزیں ہیں وہ ہماری بھلائی اور فائدے کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔ ان چیزوں سے فائدہ اٹھانا ہمارا کام ہے۔ سائنس اس میں ہماری مدد کرتی ہے۔ کبھی کسی چیز کو دیکھ کر ہمارے ذہن میں بہت سے سوال پیدا ہوتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ کیوں ہے؟ کیسے ہے؟ اسی غور و فکر کا نام سائنس ہے۔ جو لوگ اپنے ذہن سے کام نہیں لیتے وہ پیچھے رہ جاتے ہیں۔ اس

وقت مسلمان سائنس کے میدان میں پیچھے ہیں اور دوسری قومیں آگے۔ ایک زمانہ تھا کہ مسلمان اس میدان میں سب سے آگے تھے۔ دوسری قوموں نے ان سے سائنس سیکھی اور اس میں اتنی ترقی کی کہ اب وہ لیڈر بن گئے۔

اس صدی میں مسلمانوں کو بہت کام کرنے ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ ہم سائنس پڑھیں اور اتنی محنت کریں کہ بڑے بڑے کارنامے انجام دینے کے قابل ہوجائیں اور ایک بار پھر مسلمانوں میں بڑے بڑے سائنس داں اور موجد پیدا ہونے لگیں۔

(کتاب دوستاں سے لیا گیا)

[illegible] سنہرے [illegible]

مرسلہ : محمد سعید رضا

✿ بنیادی اینٹ اگر ٹیڑھی رکھی جائے تو آسمان تک دیوار ٹیڑھی جائے گی۔

✿ محبت وہ پائیدار احساس ہے جو روح میں جنم لینے کے بعد مٹ نہیں سکتا۔

✿ اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اپنے [illegible]ر دکھوں اور تکلیفوں سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ پیدا کرو۔

✿ ایک اچھا دوست دنیا کی کسی بھی نعمت سے کم نہیں ہوتا۔

✿ ناکامی ہی کامیابی کو جنم دیتی ہے۔

✿ وقت ایک ایسا پنچھی ہے جو پنجرے سے آزاد ہونے کے بعد کبھی ہاتھ نہیں آتا۔

[illegible]

مرسلہ : صبا جمیل

اردو کے نام ور افسانہ نگار راجندر سنگھ بیدی کا قد چھوٹا تھا۔ ایک دن وہ اپنے دوست ڈاکٹر گیشپ کے ساتھ جو بہت لمبے قد کے تھے ساحل سمندر پر ٹہل رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں گیشپ پسینے میں شرابور ہوگئے، لیکن بیدی صاحب کو پسینا نہیں آیا۔ ایک جگہ گیشپ رُک کر بولے : "بیدی! کیا وجہ ہے مجھے پسینا بہت آرہا ہے اور تمھیں نہیں؟"

بیدی صاحب نے برجستہ جواب دیا : "وجہ صاف ظاہر ہے۔ آپ سورج سے زیادہ نزدیک جو ہیں۔"

شائستگی

مرسلہ : غفران بیگ

✿ ہمیشہ شائستگی سے بات کیجیے۔ زیادہ بہتر بات یہ ہے کہ دوسروں کو خوف زدہ کرنے کے بجائے محبت سے ان کے دلوں پر حکومت کریں۔

✿ ہمیشہ اپنے سے چھوٹوں پر شفقت کیجیے۔ سخت الفاظ سے اپنی نیکی کو تباہ و برباد نہ کریں۔

✿ ننھے منے نونہالوں سے نرمی سے بات کیجیے تاکہ وہ بھی آپ سے محبت کریں۔ ان کو بھی محبت کرنا سکھانا ہے۔

ادھوری کہانی

سید عرفان علی یوسف

"سانپ سانپ سانپ۔" گڈو میاں نے اچانک چلّا کر کہا اور امینہ پوری طاقت سے چیختی چلاتی لان سے برآمدے کی طرف بھاگی۔ امینہ کی چیخیں سن کر امی باورچی خانے سے آئیں تو امینہ ان سے چمٹ گئی۔ امی کے پیچھے بھائی جان بھی اپنے کمرے سے نکل کر آگئے اور بولے "کہاں ہے سانپ ؟"

سانپ سانپ چلّا کر امینہ کو ڈرانے والے گڈو میاں لان میں جھولا کرسی پر بیٹھے بڑے آرام سے جھولا جھولنے میں مصروف تھے۔ بات دراصل یہ تھی کہ امینہ بہت دیر سے جھولا کرسی پر بیٹھی تھی اور گڈو میاں کو کرسی دینے کے لیے تیار نہیں تھی۔ گڈو میاں کو کرسی خالی کرانے کا اور کوئی نسخہ تو سوجھا نہیں۔

انہوں نے ایک لمبی چھڑی کی مدد سے کرسی کے پیچھے جھولنے والی امینہ کی لمبی چٹیا کو اٹھا کر اس کی گود میں پھینک دیا اور ساتھ ہی سانپ سانپ چلا دیئے۔ امینہ ٹھہری ایک نمبر ڈرپوک۔ اپنی ہی چٹیا سے ڈر گئی اور کرسی چھوڑ کر برآمدے کی طرف بھاگی۔ اس طرح گڈو میاں کو کرسی مل گئی۔

گڈو میاں کو آرام سے جھولا جھولتے دیکھ کر ساری بات بھائی جان کی سمجھ میں آگئی۔ امی نے گڈو میاں کو نہ صرف دو چار صلواتیں سنائیں بلکہ ایک تھپڑ بھی لگا دیا جو گڈو میاں نے بونس میں وصول کیا لیکن بُرا نہیں منایا اور جھولا جھولنے میں مصروف رہے۔

بھائی جان نے امینہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے "امینہ! تم بہت ڈرپوک ہو۔ لیکن خیر تھوڑی دیر بعد میرے کمرے میں آنا۔ میں تم کو سانپوں کے بارے میں کہانی سناؤں گا اس سے تمہارا ڈر دور ہو جائے گا۔" کہانی کا تذکرہ سن کر گڈو میاں کے کان بھی کھڑے ہوئے۔ انہوں نے فوراً کرسی چھوڑ دی اور بولے۔ "بھائی جان! میں بھی کہانی سنوں گا۔"

تھوڑی دیر میں سب بچے بھائی جان کے کمرے میں جمع تھے۔

"امینہ! تم بلا وجہ سانپوں سے اتنا ڈرتی ہو۔" بھائی جان نے کہا، "اللہ میاں نے کوئی چیز بیکار نہیں بنائی۔ شاید تمہیں سن کر حیرت ہو کہ دنیا میں سانپوں کی جتنی قسمیں پائی جاتی ہیں ان میں صرف تیس فیصد سانپ زہریلے ہوتے ہیں۔"

"لیکن بھائی جان۔" گڈو میاں بولے "یہ کیسے پتا چلے گا کہ کون سا سانپ زہریلا ہے اور کون سا سانپ غیر زہریلا؟"

"تم نے پتے کی بات کہی ہے بھئی گڈو میاں!" بھائی جان نے داد دی، "یہی وجہ ہے کہ سانپوں سے احتیاط کرنی چاہئے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ہر وقت سانپوں سے خوف زدہ رہیں۔ بھئی تمہیں سن کر حیرت ہوگی کہ ہندوستان، پاکستان اور آسٹریلیا میں ہر سال زہریلے سانپوں کے ساتھ رہنے کے مقابلے ہوتے ہیں۔ بنگلہ دیش میں رہنے والے ایک سپیرے نے انتہائی زہریلے سانپوں کے ساتھ بارہ دن گزار کر عالمی ریکارڈ قائم کیا اور اسے کسی سانپ نے نہیں ڈسا۔

"یہ تو بڑی حیرت کی بات ہے بھائی جان!" امینہ نے کہا۔ "پرسوں ہماری گلی میں جو سانپ والا آیا تھا اس نے اپنے گلے میں ایک سانپ ڈالا ہوا تھا اور وہ سانپ اس کے گالوں پر پیار بھی کر رہا تھا۔ آپ نے دیکھا تھا ناں!"

"ہاں!" بھائی جان بولے۔ "لیکن اس کے گلے میں جو چتکبرا سانپ تھا وہ اصل میں اژدہا تھا۔ اژدہے زہریلے نہیں ہوتے۔ ان کے گلے میں زہر کی تھیلی نہیں ہوتی۔ ہاں! ان کے دانت بہت تیز ہوتے

ہیں۔" "بھائی جان!" گڈو میاں بولے، "میں نے چڑیا گھر میں بھی ایک بڑا اژدہا دیکھا تھا۔ آپ اژدہے کے بارے میں تفصیل سے بتایئے ناں!"

"اچھا تو سنو!" بھائی جان نے کہنا شروع کیا، "اژدہے انسانوں کے دشمن نہیں بلکہ دوست ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہماری فصلوں کو نقصان پہنچانے والے کیڑے مکوڑوں اور چوہوں وغیرہ کو کھا جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے ملکوں میں کسان اژدہے پالتے ہیں۔ سانپ تو زمین میں سوراخوں اور بلوں میں رہتے ہیں لیکن اژدہے زیادہ تر درختوں یا پہاڑی غاروں وغیرہ میں رہتے ہیں۔ سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ اژدہے کبھی بیمار نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ طبعی موت نہیں مرتے اور ان کی عمریں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اژدہوں کی موت زیادہ تر جنگل کے دوسرے زہریلے جانوروں مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ کے کاٹ کھانے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اکثر بارہ سنگھا اور لمبے سینگوں والے ہرن بھی اژدہے کی موت کا سبب بن جاتے ہیں۔ اژدہا جب کسی بارہ سنگھے یا لمبے سینگوں والے ہرن کو نگل لیتا ہے تو یہ سینگ اس کے حلق میں پھنس جاتے ہیں اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دیتا ہے۔"

"بھائی جان۔" امینہ بولی، "اس کا مطلب یہ ہوا کہ اژدہا اپنے شکار کو ثابت نگل جاتا ہے۔" "ہاں، تم صحیح سمجھی ہو۔" بھائی جان بولے، "لیکن اژدہے سردیوں کے موسم میں کھانا نہیں کھاتے۔ سرد علاقوں میں خاص طور پر سرما ان کے سونے کا موسم ہوتا ہے۔ اس موسم میں وہ سرمائی نیند کے لئے گہرائی میں چلے جاتے ہیں جہاں وہ پورے سردیوں کے موسم میں بغیر کھائے پیئے پڑے رہتے ہیں جب موسم بدلتا ہے تو وہ زمین سے باہر نکل آتے ہیں۔

اژدہوں کے بارے میں دلچسپ بات یہ ہے کہ انسانوں کی طرح ان کے بھی دو پھیپھڑے ہوتے ہیں۔ حالانکہ عام سانپوں کا ایک ہی پھیپھڑا ہوتا ہے۔ اسی طرح اژدہوں میں پاؤں کی ہڈیاں بھی نامکمل حالت میں موجود ہوتی ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ آج سے لاکھوں سال پہلے اژدہوں کے پاؤں ہوا کرتے تھے اور چین میں تو آج کل بھی پاؤں والے اژدہوں کی تصویریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ جب اژدہوں نے رینگ کر سوراخوں اور غاروں میں گھسنا شروع کیا تو ان کے ہاتھ پاؤں استعمال نہ ہونے کے باعث گھس کر بے کار ہو گئے اور وقت گزرنے کے ساتھ غائب ہو گئے۔

سبھی اژدہے بہت اچھے تیراک ہوتے ہیں۔ بعض اژدہے تو پانی میں تیرنے کے ایسے شوقین ہوتے ہیں کہ کئی کئی ماہ پانی ہی میں پڑے رہتے ہیں اور کبھی کبھار ہی خشکی پر آتے ہیں۔ جنوبی امریکہ میں اژدہوں کی ایک قسم، ان کونڈا، پائی جاتی ہے۔ یہ اژدہے اکثر اپنا پیٹ بھرنے کے لئے دریا میں اتر جاتے ہیں۔ مگرمچھ کے انڈے اور بچے ان کی مرغوب غذا ہیں۔ ویسے تو اژدہے بڑے مگرمچھ کو بھی کھا جاتے ہیں [illegible] اور بات

ہے کہ بڑا مگر مچھ ان کے ہاتھ مشکل ہی سے آتا ہے۔ لیکن جنگل کے جس حصے میں اژدہے رہتے ہیں مگر مچھ وہاں سے بھاگ لیتے ہیں۔ عام طور پر اژدہوں کا شکار چھوٹے دودھ پلانے والے جانور مثلاً خرگوش، بندر، بکریاں، چوہے، بلی اور پرندے ہوتے ہیں۔ تاہم ان کی غذا مخصوص نہیں ہے وہ جب بھوکے ہوتے ہیں تو انہیں جو کچھ مل جائے اسے نگل جاتے ہیں۔ اپنے سے بڑے جانوروں کو وہ پہلے ان کے گرد لپٹ کر انہیں مار ڈالتے ہیں اور اس کے بعد اطمینان سے کھاتے ہیں۔ "

"لیکن بھائی جان" گڈو میاں بولے، "اژدہا اپنے سے بڑے جانوروں کو آخر کیسے نگلتا ہے۔ " "بھئی بات یہ ہے۔ " بھائی جان بولے، "اژدہے کی گردن کے جوڑ اور ہڈیاں بہت لچکیلی ہوتی ہیں۔ اژدہے کی ریڑھ کی ہڈی گردن کو موڑنے اور ہر طرف آسانی سے گھمانے میں مدد دیتی ہے۔ اژدہے کے جبڑے کا نچلا حصہ دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ یہ دونوں حصے پٹھوں اور کھال کے ذریعہ ایک دوسرے سے جڑے رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اژدہے کا منہ بظاہر بہت چھوٹا نظر آتا ہے لیکن شکار کے وقت یہ چھوٹا منہ غار کی طرح کھل جاتا ہے اور بڑے سے بڑا شکار بھی آسانی سے اس کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ میں نے ایک شکاری کی کہانی پڑھی تھی۔ اس نے ایک اٹھارہ فٹ لمبا اژدہا پال رکھا تھا جو روزانہ چار چار فٹ لمبے بازوؤں والی سات بڑی چگادڑیں کھایا کرتا تھا۔ اس نے جنگل میں ایک اژدہا دیکھا جو ایک وقت میں ایک ساتھ ایک ہرن، ہنس، خرگوش اور جنگلی مرغ نگل گیا۔

مادہ اژدہا انڈے دیتی ہے جو تعداد میں دس سے پندرہ تک ہوتے ہیں۔ یہ انڈے آپس میں چپکے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کا اوپری خول اتنا سخت ہوتا ہے کہ آسانی سے توڑا نہیں جاسکتا۔ ان انڈوں کا سب سے بڑا دشمن عقاب ہے جو اژدہوں کے انڈے پنجوں میں دبا کر اوپر اڑ جاتا ہے اور بلندی سے چٹانوں پر گراتا ہے تاکہ خول ٹوٹ جائے اور اندر کے مواد کو وہ کھا جائے۔

بھئی! اپنی تمام برائیوں اور دہشت ناکی کے ساتھ اژدہا انسانوں کا دوست اور خادم بھی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اسے سلیقے سے سدھایا جائے۔ بعض ملکوں میں کسان اژدہے پالتے ہیں کیونکہ اژدہا چوہوں کا دشمن ہے اور انہیں تلاش کر کے شکار کرتا ہے تمہیں پتہ ہے کہ چوہے اناج کے دشمن ہیں۔ ہر سال دنیا میں چوہے کروڑوں من اناج چٹ کر جاتے ہیں اور ہر سال لاکھوں بچے اناج کی قلت کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ "

"بھائی جان، بھائی جان۔ " گڈو میاں بھائی جان کے گلے میں لٹکتے ہوئے بولے۔

"میرے لئے ایک اژدہا لا دیجئے نا۔ "

"چلو بدتمیز۔ " امینہ گڈو میاں کو ایک دھپ لگاتے ہوئے بولی، "تمہارے ہوتے ہوئے کسی اژدہے کی کیا ضرورت ہے۔ "

چھپکلیاں

ڈاکٹر منظور احمد

چھپکلیاں اپنی شکل وصورت اور اہم خصوصیات میں سانپوں سے قریبی تعلق رکھتی ہیں۔ ان میں عام طور پر ٹانگوں کے دونوں جوڑے اور کندھے اور کولھے کی ہڈیاں موجود ہوتی ہیں، جب کہ سانپوں میں عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ ایسی چھپکلیاں جن میں ٹانگیں نہیں ہوتیں اور وہ عام لوگوں کو سانپ ہی لگتی ہیں اُن میں بھی کندھے اور کولھے کی ہڈیاں موجود ہوتی ہیں جو باہر سے نظر نہیں آتیں۔ دنیا میں چھپکلیوں کی ۳۰۰۰ سے زیادہ قسمیں پائی جاتی ہیں، جنھیں ۲۲ خاندانوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ ساری دُنیا میں ہر قسم کے زمینی خطّوں میں ملتی ہیں، لیکن اِن کی بہت زیادہ تعداد گرم ممالک میں پائی جاتی ہے۔ ان میں سے صرف چند انواع کی چھپکلیاں معتدل یا سرد آب وہوا والے ممالک میں نظر آتی ہیں۔ قطبین یا سمندروں میں چھپکلیاں نہیں ملتیں۔ مجموعی طور پر

شکل ۱- عام دیوار چھپکلی

چھپکلیوں (LIZARDS) کے لیے مختلف زبانوں اور ملکوں میں متعدد نام رائج ہیں جو ان کی شکل، عادت یا کسی اور وجہ کی نشان دہی کرتے ہیں۔ چھپکلیوں کے اس بڑے گروہ میں دیوار چھپکلیاں (WALL LIZARDS)، ایشیائی اگاما اور گرگٹ (AGAMIDS AND CHAMELEONS)۔ امریکا کی اِگوانا (IGUANAS)، اسکنک، سانڈے اور گوہیں وغیرہ سبھی شامل ہیں۔

شکل ۲ انگلیوں کے گدّے

چھپکلیوں کے بڑے گروہ سے تعلق رکھنے کی وجہ سے اِن کی ظاہری خصوصیات بہت حد تک مشترک ہیں اور کئی ماہرین کی رائے میں اِنھی میں سے بعض چھپکلیاں بالآخر سانپوں کی نمو کا باعث بنیں۔

دیوار چھپکلیوں (شکل ۱) میں اس بات کی مہارت ہوتی ہے کہ وہ بآسانی عمودی

شکل ۳ - سانڈا

دیواروں پر تیزی سے چلتی ہیں، بلکہ چھت پر اُس وقت بھی اتنی ہی تیزی سے سفر کرتی ہیں جب ان کا اپنا جسم زمین کے لحاظ سے اُلٹا ہوتا ہے۔ ایسی چھپکلیوں کے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے چپکنے والے چھوٹے چھوٹے دھاری دار گدّے (شکل ۲) ہوتے ہیں۔ گھروں میں ملنے والی چھپکلیوں میں یہ خوبی بھی ہوتی ہے کہ جب کبھی بھی اُن کا کوئی دشمن اُن کو بھاگنے کے دوران دُم سے پکڑ لیتا ہے تو دُم خود بخود وہاں سے ٹوٹ جاتی ہے اور کچھ دنوں کے بعد دُم کا ٹوٹا ہوا حِصّہ دوبارہ پیدا ہو جاتا ہے، لیکن دوسری دفعہ جنم لینے والی دُم پہلے جتنی لمبی نہیں ہوتی۔ یہ خوبی بھی دراصل کئی لحاظ سے چھپکلی کی جان بچانے کا باعث بنتی ہے۔ قدرتی ماحول میں چھپکلی کی دُم کا ٹوٹنا اتنا عام ہے کہ پوری دُم والی چھپکلیاں بہت مشکل سے نظر آتی ہیں۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ یہ چھپکلیاں دن کے وقت تو کم نظر آتی ہیں، لیکن رات کے وقت روشنی کے بلب کے آس پاس منڈلاتی رہتی ہیں اور روشنی کے قریب آنے والے حشرات کو کھاتی رہتی ہیں۔

اگاما چھپکلیوں (AGAMIDS) میں سانڈے (شکل ۳)، گرگٹ (شکل ۴) اور کئی دوسری قسموں کی چھپکلیاں شامل ہیں۔ دیوار چھپکلیوں کے برعکس یہ گھروں کے بجائے کھلے زمینی علاقوں، ریگستانوں، پہاڑوں اور جنگلوں وغیرہ میں ملتی ہیں اور رات کے بجائے دن میں زیادہ متحرک

شکل ۴ - گرگٹ
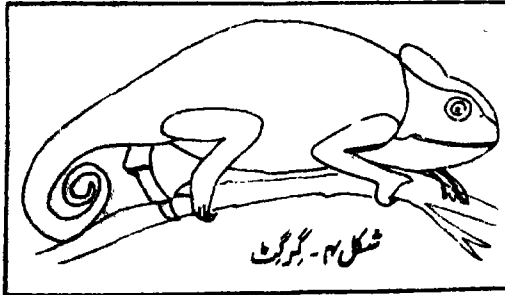
ہوتی ہیں۔ زمین میں کھدے ہوئے بلوں میں گھس کر یا پہاڑوں کی اوٹ میں ہو کر یا درختوں کی شاخوں کے سائے میں رہ کر اپنے آپ کو موسموں

شکل ۵۔ جھالردار چھپکلی

کی شدت سے محفوظ رکھتی ہیں

ویران اور بنجر علاقوں میں پائے جانے
والے سانڈے، گھاس، پودوں کے پھول اور
پتے کھا کر گزارا کرتے ہیں اور اپنا سارا وقت
ہموار میدانی جگہوں میں رہ کر گزارتے ہیں۔
یہ اس قدر عام ہیں کہ تمام جامعات
مین سانڈوں کو چیر پھاڑ کر تجربہ گاہوں میں
ان کا کثرت سے مطالعہ کیا جاتا ہے۔ رات
اور دن کے مطابق یا موسموں کے لحاظ سے
یا ماحول کی نسبت سے جسم کی رنگت میں
تغیر و تبدل بھی چھپکلیوں میں عام ہے۔
گھریلو چھپکلیوں میں سے دیوار چھپکلی کا
رنگ دن کے وقت ہلکا بھورا اور رات
کے وقت گہرا بھورا ہوتا ہے، بلکہ اس پر
سیاہ دھبے بھی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس کی رنگت میں تبدیلی اس کی مزاجی کیفیت کے باعث
بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ اگاما چھپکلیوں میں بھی رنگ بڑی تیزی سے بدلتا ہے۔ خوف،
پریشانی یا حملے کے وقت یا پھر جنسی ہیجان کے باعث ان کے سر کا رنگ خاص طور پر تبدیل
ہو جاتا ہے۔ سانڈوں کا جسمانی رنگ بھی صبح کے وقت بہت گہرا ہوتا ہے جس کی وجہ سے
یہ بڑی کامیابی سے بہت سی منعکس ہونے والی شعاعوں کو جذب کر لیتے ہیں۔ جب دوپہر
کی گرمی پڑتی ہے تو درجۂ حرارت کے بڑھنے سے اس کا رنگ ہلکا ہو جاتا ہے۔

شکل ۶۔ اڑن چھپکلی

گرگٹوں (CHAMELEONS) میں رنگت
کی تبدیلی کے علاوہ اور بھی بہت سی خصوصیات
قابلِ توجہ ہیں۔ مثلاً ان کی زبان جب تیر کی طرح
منہ سے باہر نکلتی ہے تو کافی لمبے فاصلے تک حشرات

شکل ۷ - اسکنک چھپکلی
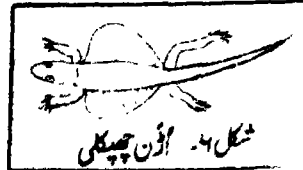
کو چھپا کر منہ میں لے آتی ہے۔ گرگٹوں کی دُم لمبی اور لپٹنے والی ہوتی ہے جو پانچویں ہاتھ کا کام دیتی ہے۔ گرگٹ اس کی مدد سے شاخوں سے لپٹ جاتے ہیں۔ یہ اپنے جسمانی رنگ کو بہت حد تک ماحول کے مطابق بنا لیتے ہیں اور یہ تبدیلی ان میں اتنی تیزی سے ہوتی ہے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے ہیں۔ عام حالات میں گرگٹوں کا رنگ دن کے وقت گہرا اور رات کے وقت ہلکا ہوتا ہے۔ اکثر گرگٹ درختوں پر رہتے ہیں۔ جھالردار چھپکلی (شکل ۵) کے سر کے اِرد گرد گردن پر کھال سے نکلی ہوئی ایک بڑی جھالر ہوتی ہے۔ جب کہ اُڑن چھپکلی (شکل ۶) کے دھڑ کے دونوں طرف، چمگادڑوں کی طرح، کھال کی پھیلی ہوئی دو جھلیاں ہوتی ہیں جو ان کو ہوا میں اُڑنے میں مدد دیتی ہیں۔ اسکنک چھپکلیاں (شکل ۷) عام طور پر دُبلی پتلی ہوتی ہیں۔ ان کی ٹانگیں بھی کم زور ہوتی ہیں۔ اکثر ریت پر دوڑتی پھرتی نظر آتی ہیں اس طرح جیسے کہ برف پر پھسلتے ہیں۔ بعض کی ٹانگیں اس قدر کم زور ہوتی ہیں کہ نظر بھی مشکل سے آتی ہیں

شکل ۸ - ہیلوڈرما چھپکلی

دنیا کی ساری چھپکلیوں میں سے صرف ایک گروہ ایسا ہے جو صحیح معنوں میں زہریلا ہے۔ ان کا نام ہیلوڈرما (شکل ۸) ہے۔ یہ چھپکلیاں میکسیکو اور شمالی امریکا کے جنوبی حصّوں میں پائی جاتی ہیں۔ ان کے مُنہ میں زہر کے غدود ہوتے ہیں اور جب یہ کسی چوہے یا پرندے کو دانتوں سے کاٹتی ہیں تو منہ کا زہر اس کے زخم میں داخل کر دیتی ہیں اور وہ جلد مر جاتا ہے۔ بسا اوقات انسان بھی ہیلوڈرما

شکل ۹ - ایک قسم کی گوہ

چھپکلی کے کاٹنے سے جاں بحق ہو جاتا ہے۔

گوہیں (MONITORS) چھپکلیوں میں سے سب سے زیادہ بڑی قد و قامت کی ہوتی ہیں۔ کچھ تو اتنی زیادہ بڑی ہو جاتی ہیں کہ انھیں دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ بعض لوگ گوہ کو زمینی مگرمچھ بھی کہتے ہیں۔ ان کے جسم کی زیادہ سے زیادہ لمبائی ۹ فیٹ اور وزن ۱۳۵ کلوگرام تک ریکارڈ کیا گیا ہے۔ تمام اقسام کی گوہیں رات ہی کو متحرک ہوتی ہیں اور چلتے وقت سر کو اس طرح اُٹھا کر رکھتی ہیں کہ تیرتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ اگر گوہ (شکل ۹) کو گھیر کر تنگ کیا جائے تو وہ اپنے دانتوں اور تیز نوکیلے پنجوں سے حملہ بھی کر دیتی ہیں۔ گوہیں حشرات، چھوٹی چھپکلیوں اور چھوٹے دودھیلوں کے علاوہ پانی کے تشریوں، مچھلیوں، مینڈکوں، پرندوں، سانپوں اور چوہوں کو کھا کر زندہ رہتی ہیں۔ بڑی گوہیں تو چھوٹے ہرنوں اور جنگلی سوروں کو بھی ہلاک کر دیتی ہیں۔ گوہوں کو کامیابی سے پالا بھی جاتا ہے۔ کچھ ممالک میں لوگ ان کا گوشت اور انڈے بھی کھاتے ہیں۔ چین میں حکیم گوہوں کی چربی کو دواؤں میں استعمال کرتے ہیں اور ان کی کھال کا چمڑا بھی استعمال میں لایا جاتا ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر دنیا میں گوہوں کی آبادی کو خطرہ درپیش ہے۔ قدرتی ماحول میں گوہوں کے دشمن صرف مگرمچھ، درندے
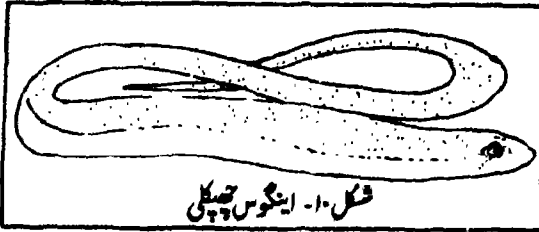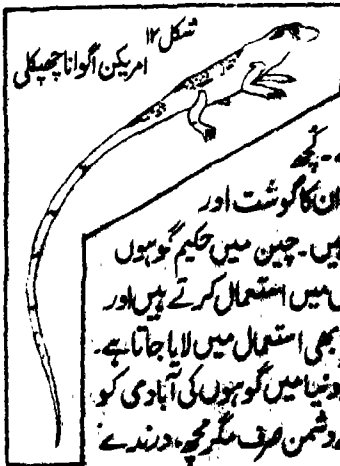
شکل ۱۰۔ اینگوس چھپکلی

شکل ۱۲ امریکن اگوانا چھپکلی

شکل ۱۱ سلو ورم چھپکلی

اور بڑے شکاری پرندے ہی ہیں۔

اَینگوس (شکل ۱۰) اور سیلوورم (شکل ۱۱) ایسی چھپکلیاں ہیں جن کے جسم میں ٹانگیں بالکل ناپید ہوتی ہیں۔ اور وہ ہر لحاظ سے سانپ کی طرح نظر آتی ہیں۔ سیلوورم کی تو یہ حالت ہے کہ اس کے سر اور دُم میں بھی فرق کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بلکہ بعض لوگ تو انھیں چھپکلیوں میں شامل ہی نہیں کرتے۔ امریکا کی اِگوانا (شکل ۱۲) چھپکلیوں میں دُم، سر اور دھڑ سے زیادہ لمبی ہوتی ہے۔ ان میں سے اکثر کے جسم کی پُشت پر مختلف طرح کے اُبھار یا کانٹے ہوتے ہیں۔

مہمان خصوصی

عمران خان یوسف زئی

پبلک اسکول کا ہال پورا بھرا ہوا تھا۔ آج اسکول کی سالانہ تقریب برائے تقسیم انعامات منعقد ہو رہی تھی۔ آج یہاں ان تمام نونہالوں میں انعامات تقسیم کیے جانے تھے جنھوں نے سال کے دوران نصابی یا غیر نصابی سرگرمیوں میں کوئی پوزیشن حاصل کی تھی۔

ہال میں موجود تمام سیٹیں بھر چکی تھیں اور اب مہمان خصوصی کا انتظار کیا جارہا تھا۔ اسکول کے پرنسپل اسماعیل صدیقی اسٹیج کے پیچھے ادھر سے ادھر بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔

"سنیے درانی صاحب !" اچانک انھوں نے پاس سے گزرتے ہوئے اسکول کے ایک سینئر ٹیچر افتخار درانی کو آواز دے کر بلایا۔

"یس سر!" درانی صاحب پاس آکر بولے۔

"آپ کسی کو بھیج کر معلوم کروائیے کہ گل خان بچوں کو لے کر پہنچا یا نہیں؟" اسماعیل صاحب پریشان لہجے میں بولے۔

"جی سر! میں ابھی معلوم کرواتا ہوں۔" درانی صاحب نے کہا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے ہال کے دروازے کی طرف بڑھ گئے اور اسماعیل صاحب دوبارہ بے چینی سے ٹہلنے لگے۔

گل خان اسکول کا بس ڈرائیور تھا اور پچھلے دس سال سے اس اسکول کے لیے خدمات انجام دے رہا تھا۔ آج اسماعیل صاحب نے اسے چند بچوں کو لینے کے لیے بھیجا تھا۔ ان میں بہت سے وہ بچے بھی تھے جنھیں انعام ملنا تھا اور قاری اور نعت خواں نونہال بھی تھے۔ گل خان کو گئے تقریباً دو گھنٹے ہوچکے تھے اور وہ اب تک واپس نہ آیا تھا۔

"نہ جانے کہاں رہ گیا!" اسماعیل صاحب بڑبڑائے۔ اسی وقت ہال کے دروازے سے درانی صاحب داخل ہوئے اور سیدھے ان کی طرف بڑھے۔

"سر! گل خان تو ابھی تک بچوں کو لے کر نہیں پہنچا' البتہ چوکیدار نے اطلاع دی ہے کہ مہمان خصوصی سیٹھ بشیر احمد صاحب کی گاڑی آگئی ہے۔"

"اوہ اچھا ! آیئے گیٹ پر چلتے ہیں تاکہ مہمان خصوصی کا استقبال کیا جاسکے۔" اسماعیل صاحب چونک کر بولے اور درّانی صاحب کو ساتھ لے کر دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ پھر اس سے پہلے کہ وہ دروازے سے باہر نکلتے ایک ملازم داخل ہوا اور مودبانہ لہجے میں بولا :

"صاحب جی ! بیگم صاحبہ کا فون ہے گھر سے۔"

"اوہو ! ان سے کہو صاحب مصروف ہیں۔ بعد میں بات کرلیں گے۔" اسماعیل صاحب نے کہا اور پھر مہمان خصوصی کے استقبال کے لیے چلے گئے۔ درّانی صاحب ان کے پیچھے تھے۔

کچھ دیر بعد ہی وہ مہمان خصوصی سیٹھ بشیر احمد کو ساتھ لیے ہال میں داخل ہوئے تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔ سیٹھ بشیر احمد نے ان سے کہا :

"بھئی اسماعیل صاحب ! اپنا فنکشن ذرا جلدی شروع کرادیجیے' کیوں کہ مجھے ایک بہت ضروری میٹنگ میں شرکت کرنی ہے۔"

"جی ضرور۔ وہ کچھ بچوں کو لینے کے لیے گاڑی بھجوائی ہے۔ ان کے آتے ہی فنکشن شروع کرادیا جائے گا۔"

وقت تیزی سے گزرتا جارہا تھا اور ساتھ ہی اسماعیل صاحب اور باقی تمام استادوں کی پریشانی بھی بڑھ رہی تھی۔ اسماعیل صاحب کا گل خان پر غصہ بڑھتا ہی جارہا تھا۔ فنکشن چار بجے شروع ہونا تھا اور اب ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔

"اسماعیل صاحب ! کافی دیر ہوگئی ہے اور مجھے چھ بجے ہر حالت میں میٹنگ میں پہنچنا ہے۔" سیٹھ بشیر احمد نے گھڑی پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں اس تکلیف کی معافی چاہتا ہوں جناب ! بس وہ آتے ہی ہوں گے۔ درانی صاحب ! گیٹ پر کسی کو بھجوائیے تاکہ جوں ہی وہ آئیں پروگرام کا آغاز کردیا جائے۔" اسماعیل صاحب نے کہا تو درانی صاحب باہر نکل گئے۔

ہال میں کھسر پھسر ہونے لگی تھی۔ سبھی بے چین ہورہے تھے۔ ظاہر ہے اتنی دیر تک تو مہمان خصوصی کا بھی انتظار نہیں کیا جاتا۔ چھے بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے کہ سیٹھ بشیر احمد اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے :

"میں معذرت چاہتا ہوں اسماعیل صاحب ' لیکن مجھے بہت ضروری میٹنگ میں جانا ہے ' اس لیے میں اجازت چاہوں گا۔"

"وہ بس آتے ہی ہوں گے جناب ! کچھ دیر۔" اسماعیل صاحب بے بسی سے بولے۔

"سوری اسماعیل صاحب ! میرے لیے سرکاری میٹنگ زیادہ اہم ہے۔" سیٹھ بشیر احمد نے کہا اور پھر اسماعیل صاحب اور دوسرے استادوں سے ہاتھ ملاکر چلے گئے۔

اسماعیل صاحب سر جھکائے اپنی سیٹ پر بیٹھے رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ ہال میں ہونے والی کھسر پھسر میں اب اور بھی اضافہ ہوگیا تھا اور پھر ساڑھے چھے بج

گئے۔ اسماعیل صاحب آج کی تقریب کل پر ملتوی کرنے والے ہی تھے کہ ایک ملازم نے آکر بتایا کہ گل خان بچوں سمیت آگیا ہے۔

"جلدی بلاؤ گل خان کو !" اسماعیل صاحب غصّے سے چلائے۔ ہال میں خاموشی چھاگئی۔

"آپ نے یاد فرمایا صاحب؟" گل خان نے اندر آکر کہا۔ گل خان ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ سر اور داڑھی کے سفید بالوں نے اس چہرے کو بہت بارعب بنادیا تھا۔

"آیئے آیئے گل خان صاحب ! آپ رُک کیوں گئے؟ مہمان خصوصی کی اس خالی نشست کو رونق بخشیں کہ آپ نے کارنامہ ہی اتنا زبردست انجام دیا ہے۔" اسماعیل صاحب کے لہجے کی کاٹ سے گل خان کو اپنی رُوح تک زخمی ہوتی محسوس ہوئی۔

"صاحب ! وہ دراصل راستے میں۔۔" گل خان نے بتانا چاہا' لیکن اسماعیل صاحب نے اس کی بات درمیان) سے کاٹ دی : "جی۔ جی۔۔ راستے میں کوئی بہت ضروری کام یاد آگیا تھا جناب کو' تو آنے کی ہی کیا ضرورت تھی؟" اسماعیل صاحب کا لہجہ بدستور طنزیہ تھا۔

"نہیں صاحب ! وہ راستے میں ایک گاڑی والے نے۔۔۔" گل خان نے دوبارہ بتانا چاہا' لیکن اسماعیل صاحب شاید مہمان خصوصی کے سامنے ہونے والی بے عزتی کا بدلا لینے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ اس کی بات کاٹ کر دوبارہ بولے : "جی۔۔ جی' گاڑی والے نے آپ کو راستے میں چائے کی دعوت دی تھی اور آپ اس کے ساتھ چائے پینے چلے گئے تھے۔ کیوں؟"

"اصل میں صاحب۔۔۔" گل خان نے تیسری مرتبہ کوشش کی کہ وہ اصل حقیقت بتادے' لیکن اسماعیل صاحب نے اسے تیسرا موقع بھی نہ دیا اور غصّے سے چلائے : "خاموش ہوجاؤ' تمھاری وجہ سے آج ہمارا فنکشن خراب ہوا ہے اور ابھی تک شروع نہیں ہوسکا۔ مہمان خصوصی جیسی شخصیت واپس چلی گئی صرف تمھاری وجہ سے۔ تم نے ہمارے اسکول کی ساکھ' عزت اور شہرت پر دھبا لگادیا۔ دُرّانی صاحب کلرک سے کہہ کر اس کا حساب کروادیجیے۔"

"مم۔۔ مم۔۔ صاحب ! میری بات تو سن لیں صاحب !" گل خان کے منھ سے صرف اتنا ہی نکل سکا تھا کہ ملازم اندر داخل ہوا اور اسماعیل صاحب سے بولا :

"صاحب ! آپ کے لیے ہسپتال سے فون ہے۔ ڈاکٹر صدیقی کا۔"

"ڈاکٹر صدیقی کا ؟" اسماعیل صاحب حیرت سے بولے اور پھر اپنے آفس میں جاکر ریسیور

اٹھا کر بولے : "ہیلو صدیقی ! اسماعیل بول رہا ہوں۔"

"ہاں اسماعیل ! تم اب تک ہسپتال نہیں پہنچے۔ کیا بھابھی نے تمھیں اطلاع نہیں دی۔"

"ہسپتال ! اطلاع ! کیسی اطلاع بھئی؟ مجھے تو کوئی اطلاع نہیں ملی۔ بات کیا ہے؟؟" اسماعیل صاحب نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ ! تمھیں ابھی تک علی کے حادثے کی اطلاع بھابی نے نہیں دی۔"

دوسری طرف سے ڈاکٹر صدیقی نے کہا تو اسماعیل صاحب کے ہاتھ سے ریسیور گرتے گرتے بچا۔

"کک۔ کک۔ کیا ہوا میرے علی کو۔ میرے بیٹے کو کیا ہوا صدیقی؟"

"وہ تمھارے فنکشن میں شرکت کے لیے اپنی سائیکل پر آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے ٹکر ہو گئی۔ کوئی اسکول ڈرائیور اسے ہسپتال لے گیا اور اسی نے علی کو خون بھی دیا۔"

"اس اسکول کے ڈرائیور کا نام پتا تو بتائیں تاکہ میں اپنے اکلوتے بیٹے کی جان بچانے والے اپنے محسن کا شکریہ تو ادا کرسکوں۔"

"میرے پوچھنے پر بھی اس نے اپنا پتا نہیں بتایا اور نہ میرے دیے ہوئے ۵۰۰ روپے لیے جو میں خوشی سے اسے دینا چاہ رہا تھا۔ ہاں، اس نے اپنا نام گل خان بتایا تھا۔" ڈاکٹر صدیقی نے بتایا تو اسماعیل صاحب کا دل دھڑک اٹھا۔

"صدیقی ! میں ایک گھنٹے تک پہنچ رہا ہوں اس ڈرائیور سمیت۔" اسماعیل صاحب نے اپنی آنکھوں میں آئے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے کہا اور ریسیور رکھ کر تیز تیز قدم اٹھاتے دوبارہ ہال میں آگئے۔ فنکشن شروع ہو چکا تھا، لیکن مہمان خصوصی کی کرسی ابھی تک خالی تھی۔ گل خان اس وقت تک وہاں سے جا چکا تھا۔ اسماعیل صاحب نے درانی صاحب کے کان میں کچھ کہا اور درانی صاحب سرہلاتے ہوئے ہال کے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔ پھر اسماعیل صاحب نے اعلان کیا :

"پیارے بچو ! ہر پروگرام کا کوئی نہ کوئی مہمان خصوصی ہوتا ہے۔ ہمارے اس پروگرام میں بھی ایک مہمان خصوصی آئے تھے، لیکن جیسا کہ آپ جانتے ہیں وہ ہمارے ڈرائیور گل خان کی وجہ سے واپس چلے گئے۔ اب ظاہر ہے یہ فنکشن بغیر مہمان خصوصی کے تو نہیں چل

سکتا' چناں چہ ہم نے آپ کے لیے ایک ایسا مہمان خصوصی چنا ہے جو واقعی مہمان خصوصی بننے اور اس کرسی پر بیٹھنے کے لائق ہے۔"
اسی وقت درانی صاحب حیران و پریشان گل خان کو ساتھ لیے ہال میں داخل ہوئے۔
"تو پیارے بچو! استقبال کیجیے' تشریف لاتے ہیں ہمارے پروگرام کے مہمان خصوصی' گل خان۔" اسماعیل صاحب نے گل خان کی طرف اشارہ کیا اور ہال میں تھوڑی سی تالیاں بج اٹھیں۔ شاید ہال میں بیٹھے لوگ اسماعیل صاحب کی بات کا اصل مطلب نہیں سمجھ سکے تھے۔ اسماعیل صاحب خود بھی تالیاں بجاتے ہوئے گل خان تک پہنچے اور اسے کندھوں سے پکڑ کر مہمان خصوصی کی کرسی پر بٹھایا اور دوبارہ ڈائس پر آکر بولے :
"ہال میں گونجنے والی تھوڑی سی تالیاں اس بات کا ثبوت ہیں کہ آپ سب کو میری بات پر یقین نہیں آیا' لیکن جب میں آپ کو اس کی وجہ بتاؤں گا تو آپ لوگ اتنی تالیاں بجائیں گے کہ یہ ہال آپ کی تالیوں سے گونج رہا ہوگا۔ ان کے دیر سے آنے کی وجہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا وہ حکم ہے کہ میرے بندوں کی مصیبت میں مدد کرو۔ راستے میں ایک گاڑی نے ایک بچے کو ٹکر ماردی اور گل خان اپنا وہ حکم جو میں نے اسے دیا تھا بھول کر اس حکم کی تعمیل میں لگ گیا جو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے ملا ہے۔ گل خان نے نہ صرف اس بچے کو ہسپتال پہنچایا بلکہ اپنا خون دے کر اس کی جان بھی بچائی۔"
اسماعیل صاحب نے یہاں تک ہی کہا تھا کہ ہال تالیوں سے گونج اٹھا اور پھر واقعی اتنی تالیاں بجیں کہ کافی دیر اسماعیل صاحب کو بات کرنے کا موقع نہ مل سکا۔
"اور... اور یہ بات بھی آپ کو بتاتا چلوں کہ گل خان نے کسی اور کی نہیں بلکہ میرے بیٹے کی جان بچائی ہے' یعنی میری جان بچائی ہے۔ اب میں سب سے پہلے تو اپنے رویے کی دل سے معافی چاہتا ہوں اور اس کے بعد مہمان خصوصی جناب گل خان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ یہاں آکر اپنے قیمتی خیالات کا اظہار فرمائیں۔ گل خان!"
ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا اور اس بار تو یوں لگ رہا تھا جیسے یہ تالیاں کبھی نہیں رک سکیں گی۔ اسماعیل صاحب نے گل خان کو اٹھایا اور ساتھ لے کر ڈائس تک آگئے۔
"صاحب! ہم یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ ہم تو بس یہی جانتا تھا کہ وہ ایک

انسان کا بچہ ہے اور اس کی زندگی کو خطرہ ہے اور ہم کو اسے بچانا ہے۔ زندگی چاہے کسی کی بھی ہو بہت قیمتی ہوتی ہے۔" گل خان نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ہال بدستور تالیوں سے گونج رہا تھا اور پھر دو آنسو گل خان کی آنکھوں سے نکلے اور اس کی خوب صورت سفید داڑھی میں جذب ہو گئے۔

سعیدہ

محمد علی انصاری

سعیدہ میں دیکھی نہ ہم نے کمی
سعیدہ کے جیسا نہیں کوئی بھی
قضا وہ نہیں کرتی کوئی نماز
تلاوت بھی کرتی ہے قرآن کی
وہ کرتی ہے چھوٹوں بڑوں کا ادب
ہے پیار اس سے سب کو یہی ہے سبب

کبھی بھی نہیں جھوٹ وہ بولتی
ہر اک بات کانوں میں رس گھولتی
برائی کسی کی وہ کرتی نہیں
سمجھ کر وہ ہر بات ہے بولتی
کبھی بھی کسی سے وہ لڑتی نہیں
کہے کوئی کچھ بھی جھگڑتی نہیں

ہیں اس سے خدا و نبیؐ سب ہی خوش
ہیں ابو بھی خوش اور امی بھی خوش
جو رونق ہے گھر میں، سعیدہ سے ہے
ہیں بھیا بھی خوش اور باجی بھی خوش
وہ کرتی ہے روشن خوشی کے چراغ
مٹاتی ہے ہر دل سے نفرت کے داغ

کسی سے بھی کرتی نہیں وہ حسد
مصیبت میں کرتی ہے سب کی مدد
غریبوں، یتیموں سے، سب سے اسے
ہے اتنی محبت نہیں جس کی حد
سعیدہ کی عادات اپناؤ تم
اسی کی طرح نیک بن جاؤ تم

رشتے داریاں

سید فتح علی انوری

ایک گھر میں رہنے والے سب لوگ آپس میں ایک دوسرے کے رشتے دار ہوتے ہیں۔ ہماری یہ دنیا بھی اس پر بسنے والی تمام مخلوق کا گھر ہے اور کسی نہ کسی انداز میں اس تمام مخلوق کے درمیان رشتے داریاں ہیں۔ آپ کہیں گے کہ بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے۔ بھلا حیوانات' نباتات میں رشتے داری کیسے ہوسکتی ہے؟ بہ ظاہر تو واقعی ایسا نہیں لگتا' لیکن حقیقت میں یہ رشتے داریاں ایسی مضبوط اور ہیں کہ اگر کسی ایک کو دکھ پہنچے تو دوسرا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ درختوں اور پودوں کے پھول ہی دیکھیے۔ اگر ہوا کے جھونکے انھیں حرکت میں نہ لائیں اور جھولا نہ جھلائیں یا مختلف قسم کی تتلیاں' بھونرے اور مکھیاں میٹھے رس کی تلاش میں ان پر آکر نہ بیٹھیں تو ایک نر اور مادہ زرگل آپس میں نہ ملیں اور بیج پیدا نہ ہوں اور نباتات کی زندگی خطرے میں پڑ جائے۔

ایسی ہی رشتے داری دوسرے تمام حیوانات اور نباتات میں ہے۔ سبز نباتات کروڑوں حیوانوں کے لیے غذا فراہم کرتی ہے۔ گوشت خور جانور اپنی غذا نباتات خور جانوروں سے حاصل کرتے ہیں۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کہ صرف نباتات ہی اپنی غذا خود پیدا کرتے ہیں۔ اس باہمی رشتے داری میں معدنیات' پہاڑ' دریا' سمندر اور ہوا بھی شامل ہیں۔ یہ سب آپس میں مل جل کر ایسا قدرتی ماحول پیدا کرسکتے ہیں جس میں زندگی رواں دواں رہتی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ اس کرۂ ارض کی یہ باہمی رشتے داریاں کتنی اہم ہیں۔ یہ زمین ہم سب کا گھر ہے۔ اس حسین گھر کو شاد و آباد رکھنے کے لیے ان تمام رشتے داریوں کا قائم رہنا ضروری ہے۔ ہمیں ان رشتے داریوں کی قدر کرنی چاہیے اور انھیں نبھانا چاہیے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم سب مل جل کر اپنے ماحول کو گندگی اور ملاوٹ سے بچائیں۔ اپنی فضا کو صاف ستھرا رکھیں اور عالمی رشتے داریاں قائم رکھیں۔

آپ کی صحت

پانی زندگی ہے

ہر انسان کو دن میں کم از کم آٹھ گلاس پانی ضرور پینا چاہیے۔ سچ پوچھیے تو اپنے دن کا آغاز ہی ایک گلاس پانی پی کر کرنا چاہیے۔ سوال یہ ہے کہ آخر یہ پانی کیوں پیا جائے؟ اس بات سے بھلا کون انکار کر سکتا ہے کہ زندگی کے لیے پانی کی کیا اہمیت ہے۔ ہمارے جسم کا سب سے بڑا حصہ پانی ہی ہے' اس لیے یہ بے حد ضروری ہے کہ جسم کے توازن کو درست رکھنے کے لیے اسے ضروری مقدار میں پانی ملتا رہے۔ ہمارے جسم سے پانی خارج بھی ہوتا رہتا ہے۔ فضلے' پیشاب' پسینے اور سانس کے راستے پانی خاصی مقدار خارج ہوتی رہتی ہے۔ خارج ہونے والے پانی کی مقدار کو بحال کرنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ محنت مزدوری اور ورزش کرنے والوں کو تو پانی کی زیادہ مقدار میں ضرورت ہوتی ہے۔

ہمارا جسم ایک کیمیائی کارخانہ ہے جس میں بے شمار کیمیائی عمل انجام پاتے ہیں۔ انھیں درست رکھنے کے لیے کم از کم آٹھ گلاس پانی کا پینا بے حد ضروری ہے۔

آپ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ہر انسان کے لیے متوازن غذا بہت اہم ہوتی ہے۔ پانی متوازن غذا کا ایک بنیادی حصہ ہے۔ اس کی وجہ سے ہمارا نظام ہضم ٹھیک طور پر کام کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے غذا نرم ہوتی ہے اور غذا کے ذرات پیٹ سے آنتوں میں بہ آسانی سے پہنچ جاتے ہیں۔ یہاں غذا جزو بدن کا حصہ بن کر خون میں جذب ہو جاتی ہے۔ خود ہمارے خون کا نوے فی صد حصہ پانی پر مشتمل ہوتا ہے۔

پانی ہمارے جسم کے درجۂ حرارت کو کنٹرول کرتا ہے۔ ہمارے جسم سے پسینا خارج ہوتا ہے اور اس طرح درجۂ حرارت گھٹ جاتا ہے۔ سردی موسم میں بھی پسینے کے اخراج کا عمل غیر محسوس طور پر جاری رہتا ہے۔ ان انسانوں کے جسم سے بھی جو چلتے پھرتے نہیں ہیں' روزانہ

دو پیالی پانی کے برابر پسینا خارج ہو جاتا ہے۔

آپ اپنی مشینوں کے جوڑوں میں تیل اور چکنائی ڈالتے ہیں تاکہ وہ آپس میں گھس کر خراب نہ ہو جائیں۔ ہمارے جسم کے جوڑوں کا تیل اور چکنائی پانی ہے۔ اس کی وجہ سے پٹھے اور ہڈیوں کے جوڑ تر رہتے ہیں۔ جسمانی محنت اور مشقت کے دوران میں ہمارا جسم کھنچتا، بھنچتا اور مڑتا ہے۔ اگر جسم میں پانی موجود نہ ہو تو پھر یہ سب کام نہ ہو سکیں۔

جسم میں پانی کی شدید کمی جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ طبی اصطلاح میں اسے نابیدگی (ڈی ہائڈریشن) کہتے ہیں۔ زیادہ عرصے تک پسینے کے اخراج سے یہ خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، اس لیے اس سے بچاؤ کے لیے بھی پانی کا زیادہ مقدار میں استعمال بے حد ضروری ہوتا ہے۔

بیماری کے دوران بالخصوص بخار کی حالت میں پانی کے زیادہ استعمال سے درجۂ حرارت کم رہتا ہے۔ پسینے اور سانس کے ذریعہ سے روزانہ تقریباً ایک کوارٹ پانی خارج ہو جاتا ہے۔ اکثر لوگ اپنی غذا کے ساتھ روزانہ تقریباً ایک کوارٹ پانی جسم میں داخل کرتے ہیں۔ اب آپ خود ہی سوچیں کہ جسم کی دوسری ضرورتوں کے لیے پانی کہاں سے آئے گا۔ اس کا بس ایک ہی جواب ہے اور وہ یہ کہ آپ کو پانی کی زیادہ مقدار خود فراہم کرنی چاہیے۔ پانی صحت و توانائی کے لیے ایک لازمی چیز ہے۔ کھیل کود اور محنت مشقت کے دوران آپ کے جسم کو زیادہ طاقت اور توانائی درکار ہوتی ہے۔ جسم کو یہ توانائی خون فراہم کرتا ہے۔ خون کو یہ توانائی کاربوہائڈریٹ (نشاستے) کی صورت میں ملتی ہے۔ اسے پاکر ہی جسم کے خلیات طاقت ور ہوتے ہیں۔ خلیات تک توانائی پہنچانے کا عمل پانی سرانجام دیتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ چائے اور پینے کی دوسری چیزیں بھی پانی ہی کی تبدیل شدہ صورتیں ہیں، لیکن اس کے باوجود جسم کے لیے صاف، تازہ اور سادہ پانی ہی بہتر ہے۔ اس سے گردے اور آنتیں صاف رہیں گی اور آپ کی صحت بہتر ہو جائے گی۔

ایشیا اور افریقہ کے ہاتھیوں کا فرق

ایشیا کے ہاتھی کا سر بڑا اور کان چھوٹے ہوتے ہیں اور افریقہ کے ہاتھی کا سر چھوٹا اور کان بڑے ہوتے ہیں۔ افریقہ کا ہاتھی زیادہ تند ہوتا ہے۔

مرسلہ: صائمہ ناز

صلاح الدین انصاری

ٹھیک ناپ تول

اَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ

جب ناپو پورا ناپو، اور تولو ٹھیک ترازو سے۔

تفسیر

تجارت اور لین دین کی کامیابی ایمان داری سے ہے، دو چار مرتبہ کی بے احتیاطی سے ساکھ بگڑ جاتی ہے، اور کاروبار کی ترقی رک جاتی ہے جس آدمی پر بے ایمانی کا شبہ بھی ہو جاتا ہے لوگ اس سے معاملہ کرنے میں دور دور رہتے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "ایمان دار اور سچا تاجر انبیاء صدیقین اور شہدا کے ساتھ ہوگا" اور فرمایا "جس نے دھوکا دیا وہ ہم میں سے نہیں"

بچوں کی نئی دلچسپ کتابیں

ننھے منے بچوں کے لیے

بتاتے	۶/۵۰
جاں نثار دوست	۵/:
چاندی کی بیٹی (با تصویر)	۵/:
دم کٹی لومڑی "	۶/۵۰
جادو کی ہنڈیا "	۵/:
شیر اور بکری "	۶/۵۰
کتے کا خواب "	۶/۵۰
بھیڑیے کا گانا "	۶/۵۰
چالاک بلی "	۶/:
گدھے نے بجائی بانسری "	۶/۵۰

بڑے بچوں کے لیے

نورعلی کا آدم خور	۶/=
غریب لکڑہارے کی کہانی	۶/=
خلائی مسافر	۶/-
ہمت کے کرشمے	۶/-
مونٹی کرسٹو کا نواب	۹/:
ہمارے عظیم سائنس داں	۸/:
سام پر کیا گزری	۳/۵۰
غذا کی کہانی	۳/-
زیور	۶/-
شہنشاہ نے کہا میں مفلس ہوا	۶/-
ایک غوطہ خور کی آپ بیتی	۶/-
سنہرے اصول	۳/-
نرالے گویے	۲/-
باتونی کچھوا	۴/-
بدر شہزادی	۶/-

مولانا آزاد کی کہانی	۱۸/:
ننھا سیاح	۷/-
ابو خاں کی بکری	۱۸/-
پرواز کی کہانی	۳/-
سمندری طوفان اور تین لڑکے	۶/-
شاہی ہاتھ	۹/:
حاجی بابا کی ڈائری	۶/۵۰
بہادر علی	۷/۵۰
کھلونا نگر	۷/:
ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی	۶/:
قصہ اژدہا پکڑنے کا	۵/:
ننھا سراغ رساں	۵/:
ابو علی کا جوتا	۵/:
چند مشہور طبیب اور سائنس داں	۹/-
چور پکڑو	۳/-
چالاک خرگوش کے کارنامے	۷/۵۰
جادو کی سارنگی	۳/-
جادو کا چھلا	۲/-
پانچ جاسوس	۸/۵۰
جنگل کی ایک رات	۶/:
ہرن کا دل	۲/:
اچھی کہانیاں	۲/۵۰
دریا کی رانی	۲/:
گوہر شہزادی	۳/:
تین اناڑی	۶/:
چوری کی عادت	۳/۵۰
شرارت	۳/:
ولی کی شادی	۴/:
گاندھی جی دکنی افریقہ میں	۲/:
بندر اور نائی	۴/-
رنگوں کی بستی	۴/:

پر اسرار غار	۴/:
عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں	۶/۵۰
بچوں کے ذاکر صاحب	۶/:
ننھا منو	۲/:
آؤ ڈراما کریں	۳/:
سلام صمصامہ	۵/:
مچھیرا اور اس کی بیوی	۳/۵
ایک کھلا راز	۳/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۶/۵۰
صحت کی الف بے	۵/:
لومڑی کا گھر	۳/:
بچوں کی کہانیاں	۳/:
بابا ناصح	۳/:
ہار کی تلاش	۶/:
سرخ جوتے	۳/۵۰
اندرا گاندھی	۶/:
ننھا فرشتہ	۳/۵۰
جوہر قابل	۳/:
بھیڑیے کے بچے	۳/:
ننھا جبرو	۳/۵۰
پلک نہ مارو	۶/:
بچوں کے افسر	۶/:
بشیر پر شیرا	۲/:
پری رانی	۳/:
خطرناک سفر	۳/۵۰
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
ٹوٹے کھلونے	۵/:
اندھے کا بیٹا	۳/۵۰
پانچ بونے	۳/:
بچوں کے چار بزرگ دوست	۳/:
سہانے ترانے	۶/۵۰

قیوم اعتصامی

آکولا سپاٹڈ اور سیٹی

عقابوں کی کہانی

دو عقاب صاف نظر آنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کھڑے ہیں وہ کوئی چھوٹی موٹی چیز نہیں کہ بیٹھے بھی ہوں تو نظر آجاتے۔ دو نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان کا حال اور رنگ جدا جدا ہے۔ ایک کا رنگ قرمزی یعنی سیاہی مائل سرخ دوسرے کا رنگ ہلکا قرمزی ہے مگر سرخ نہیں۔ ایک کا تعلق بحری نسل سے ہے یعنی وہ سی ایگل کہلاتا ہے۔ سمندری جزیروں میں بسیرا کرتا ہے دوسرے کا تعلق بری نسل سے ہے اور وہ پہاڑی اور صحرائی خطوں میں بسیرا کرتا ہے۔

ان دونوں قسموں سپاٹڈ ایگل اور سیٹی ایگل کا خاندانی تعلق آکولا ایگل سے ہے۔ مارٹن سٹریج کا کہنا ہے عقاب کو دیکھنا اور شمار کرنا بھی ایک دلچسپ مشغلہ ہے مگر جہاں تک اسے دیکھنے کا تعلق ہے تو یہ عمل تصویر دیکھ کر مکمل کیا جاسکتا ہے اور جہاں تک اسے ایک ایک کرکے شمار کرتے جانا یہ بڑا کٹھن مرحلہ ہے اس کے لیے جنگلوں پہاڑوں جھیلوں اور وادیوں تک سفر کرنا پڑتا ہے۔

آکولا کو پوری دنیا میں ذہین اور رہنمائی کرنے والا عقاب سمجھا جاتا ہے کہتے ہیں کہ آکولا کو دیکھنے کا کوئی موقع بھی ضائع نہیں جانا چاہیے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ عقاب شماری کوئی آسان بات ہے مگر گنتی کرتے ہوئے ہمیں پتا چلا کہ یہ خاصا مشکل ہی نہیں بیزار کر دینے والا کام بھی ہے۔ ہم نے دیکھا جھیل کے کنارے وہ بدستور بیٹھے تھے حالانکہ شام ہوچکی تھی اور اندھیرا بھی بڑھنے لگا تھا۔ تھوڑی سی جستجو کے بعد پتا چلا کہ یہ کوئی بوڑھے کھوسٹ عقاب نہ تھے نوجوان تھے۔ ثابت ہوا کہ وہ انسان کی طرح ابتدائی عمر میں کچھ لاپروا ہوتے ہیں۔ وہ عمر کے ابتدائی چھ سال تک ادھر گرد منڈلاتے اور لمبی اڑانیں اور قلابازیاں لگاتے

کے سوا اور کوئی کام نہیں کرتے۔ گھرداری کا عمل بھی چھے برس کے بعد ہی شروع کرتے ہیں۔ اپنی جوانی کا زیادہ تر حصہ والدین کی سرپرستی کے بغیر گزارتے ہیں اور جب تک دل چاہے خواہ گھپ اندھیرا بھی ہو جائے آزادانہ طور پر جھیل کنارے بیٹھے رہتے ہیں اور کبھی کبھی وقفے کے ساتھ جذبہ و جوش دکھانے پر کھول کر سب سے اونچے درخت کی بلند چوٹی پر جا بیٹھتے ہیں۔

سپاٹڈ ایگل کے پروں میں سفید دھبے جو اندرونی طور پر ہوتے ہیں پر کھلتے ہی ظاہر ہوتے ہیں جبکہ سیٹپی ایگل کے پروں میں سفید دھاریاں ہوتی ہیں اسی صفت پر اس کا نام رکھا گیا ہے۔ سپاٹڈ پورا جوان ہونے پر ، سنٹی میٹر قد نکالتا ہے جبکہ سیٹپی ایگل قد کی لمبائی ۸ سنٹی میٹر ہوتی ہے۔ دونوں کے پر (بازو) گھنے ہوتے بھاری بھرکم ہوتے ہیں اور دونوں میں یہ خوبی بھی ہوتی ہے پورے طور پر پر کھول کر اڑتے ہیں تو وہ سیدھے رخ پر ہوتے ہیں کہ پروں کی ذراسی پھڑپھڑاہٹ سنائی نہیں دیتی۔ ویرانہ ان کا مسکن ہے اگر کسی کو آبادی کے قریب دیکھا جائے تو جاننا چاہیے وہاں ان کے کھانے کی کوئی چیز پڑی ہوگی جسے وہ اپنی تیز نگاہی کی وجہ سے بلندی سے دیکھ لیتے ہیں۔

اب تک یہ سمجھا جاتا رہا ہے کہ عقاب گلی سڑی چیزیں نہیں کھاتے مشاہدات سے یہ بات غلط ثابت ہو چکی ہے۔ ماہرین کہتے ہیں جنگلوں میں شکار کی کمی کی وجہ سے عقاب نے اپنی عادات خوراک بدل لی ہے۔ آکولا عقاب کو زندگی کا رشتہ قائم رکھنے کے لیے گلی سڑی

دوسرے پرندوں کی طرح [illegible] گھونسلا نہیں بناتا ایک بار کا بنا [illegible] برسوں تک کام لیتا ہے۔

چیزیں اور مردار خوری کرنا پڑتی ہے۔ اگرچہ وہ شکل و صورت سے بادشاہ پرندہ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ اب اس کی خوراک کا زیادہ تر حصہ مردار اور گلی سڑی چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ آبادی سے متصل پڑے مردہ جانور کے ڈھانچے کے گرد آکولا عقاب کو بیٹھے دیکھا جاتا ہے اور جب وہ زمین پر بیٹھے ہوں یا چل پھر رہے ہوں تو وہ شکار کی تلاش میں رینگنے والے جانور جن میں چوہے بھی شامل ہیں انھیں زندہ پکڑ لینا اصل میں عقاب کا شاندار کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔ شکار کو

کو نہایت مہارت سے پکڑنا اور جھپٹنا ان کا اصلی
جوہر سمجھا جاتا ہے۔ بلندی پر ہوا میں اڑتے
ہوئے زمین پر موجود شکار پر جھپٹنا ان کا جوہر خاص
ہے اس طرح ہمیں ان کا جھیل کنارے بسیرا
رکھنے کا عمل سمجھ میں آگیا۔ ہم مسلسل انہیں پانچ
دن تک دیکھنے جاتے رہے۔ اور وہ کبھی زمین
سے اڑ کر درختوں کی چوٹیوں پر بھی بیٹھ جاتے
ہیں

اور وہ اس عمل کو سورج
کے بلند ہونے تک دہراتے ہیں اور جب دیکھتے
کہ سورج سر پر پہنچ گیا تب وہ فضا میں پر کھول
کر اس طرح اڑنے لگتے کہ مجال ہے کہ کھلے
پروں کو معمولی سا بھی ہلاتے ہوں۔ یہی لگتا ہے
کہ وہ اڑ نہیں تیر رہے ہوں۔

آکولا عقاب کا اصل گھر یورپ کو سمجھا جاتا
ہے۔ اسپین والے تو یہ کہتے ہیں کہ آکولا خالصتاً
ان کا پرندہ ہے۔ بہرحال آکولا کا اصل مسکن
یورپ ہے یا افریقہ ہے کیونکہ ان کے کھانے
کا وافر سامان موجود ملتا ہے اور اس پر تمام تر
معلومات جمع کی گئی ہیں۔

سیٹپی اور سپاٹڈ ایگل نیم صحرائی علاقے
میں رہتا ہے، جہاں درخت بھی پائے جاتے
ہوں اور عام طور پر خشک علاقے کو ترجیح دیتا ہے۔
دونوں نسلیں بڑے بڑے گھونسلے تعمیر کرتے ہیں
اور وہ ایک بار بنے گھونسلے کو کئی سال تک مسلسل
زیر استعمال رکھتے ہیں۔ سپاٹڈ ایگل کی نسل
روز بروز کم ہو رہی ہے جبکہ سیٹپی کی نسل کو ایسا
کوئی خطرہ نہیں۔ اس وقت دنیا میں موجود عقاب
نسلوں کی تعداد دس لاکھ بیان کی جاتی ہے۔
آکولا ایگل موسم گرما میں انڈے سیتے ہیں۔ موسم گرما
کے پچھلے مہینے نارتھ میں گزارتے ہیں اور موسم سرما
کے پچھلے مہینے ساؤتھ میں بسر کرتے ہیں۔

سنگاپور میں ایک عقاب دوست آدمی کا کہنا
ہے کہ عجیب اتفاق ہے کہ اس نے ایک درخت
پر سیٹپی ایگل، آکولا ایگل اور سپاٹڈ ایگل تینوں نسلوں
کو ایک ساتھ درخت پر بیٹھے دیکھا ہے۔ عقاب کی
نسل کا تعلق شکاری پرندوں کے جس خاندان سے
ہے اسے اسپائی ٹرائیڈی کہا جاتا ہے۔

اس طرح ان کی نسل کی رشتے داریاں اور برادریاں
بہت وسعت اختیار کر جاتی ہیں جن میں باز، شکرہ،
چیل، گدھ اور بحری بھی شامل ہے۔ جنوبی مشرقی ایشیا
کے ممالک سنگاپور، ملیشیا وغیرہ میں عقاب کی دو
ایسی قسمیں بھی پائی جاتی ہیں جنہیں کرسٹڈ سرپنٹ ایگل
اور وائٹ بیل سی ایگل کہا جاتا ہے۔ سی ایگل
سمندر کی خوراک مچھلی یا اسی نوع کے جانوروں
کا شکار کرتا ہے۔

سی ایگل کو خونخوار بھی کہا جاتا ہے کہ وہ
آدمی پر حملہ کرتا ہے اس قسم کے کئی واقعات
اخباروں میں پڑھنے میں آتے ہیں مگر حقیقت
یہ ہے کہ سی ایگل آدمی پر تب حملہ کرتا ہے
جب کوئی آدمی درخت پر چڑھ کر اس کے
گھونسلے کو چھیڑتا ہے جبکہ
شکاری پرندوں کے بارے
میں پرندوں
کی تاریخ میں
ایسا کوئی ریکارڈ
واقعہ نہیں ملتا کہ
عقاب نے
حملہ کر کے کسی آدمی
کو مار یا زخمی
کر دیا ہو۔

ننھے مُنّے بچوں
کے لیے
دلچسپ
اور
با تصویر کہانیاں
بتاشے
نرسری کے بچوں کے لیے آسان
زبان میں دلچسپ نظمیں قیمت ۶/۰۰
جاں نثار دوست
بچوں کے لیے باتصویر کہانی
قیمت ۵/- روپے
جادو کی ہنڈیا
5/=
بھیڑیے کا گانا
6/50
شیر اور بکری
7/50
کوّے کا خواب
7/-
دُم کٹی لومڑی
6/50
چاند کی بیٹی
5/=
چالاک بلی
6/50
قیمت 7/50

میرے پسندیدہ اشعار

نیا سال خوشیوں کا پیغام بر ہو
نئے سال کی ایک نئی رہ گزر ہو

★

نیا سال بخشے نئی اک حیات
دعا کو اٹھائیں سبھی لوگ ہات

ملکہ بانو۔ دانیال پور، تیگھرا، بیگو سرائے

شاید میں درخورِ نگہ گرم بھی نہیں
بجلی چمک رہی ہے مرے آشیاں سے دور

شیخ محمد اقبال اسمٰعیل وارڈ نمبر ۲، شری رامپور احمد نگر

کیا شان احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے

محمد قمر عالم، رحیم آباد، سمستی پور، بہار

ہمیں اپنوں نے لوٹا غیروں میں کہاں دم تھا
کشتی ہماری ڈوبی پانی جہاں کم تھا

★

اللہ یہ کہتا ہے کرو اپنی حفاظت
بزدل کو فرشتے بھی بچانے نہیں آتے

★

جس گھر میں بڑے بوڑھوں کو عزت نہیں ملتی
اس گھر میں ہی رحمت کے فرشتے نہیں آتے

محمد خالد اعظمی ـــــ کھریواں

مظلوموں کو مارنے سے مرنا اچھا
مٹی پتھر سے پیٹ بھرنا اچھا
بے ایمانی کی نعمتوں سے امجد
ایمان کے ساتھ فاقہ کرنا اچھا

محمد عبدالخالق فورٹ ہائی اسکول جگتیال اے پی

بھارت میں مسلمان مسلمان رہے گا
کچھ بھی ہو مگر صاحبِ ایمان رہے گا

عبدالغفور جھنڈانگری، کپل وستو، نیپال

ہم سے کہتے ہیں چمن والے غریبانِ چمن
تم کوئی اچھا سا رکھ لو اپنے ویرانے کا نام

سید ظہیر الدین۔ ایس۔ بسر قاضی۔ رٹی ہلی کرناٹک

جہنم اور جنت کا بکنگ آفس ہے یہ دنیا
جہاں جانے کی خواہش ہو عمل دے کر ٹکٹ لے لو

★

باطل کی خدائی کو گوارا نہ کریں گے
مر جائیں گے ایمان کا سودا نہ کریں گے

عفت شفیق، ندوہ، لکھنؤ

نورِ حق، شمع الٰہی کو مٹا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہے خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

★

اطاعت سے جو ہو خالی، وہ دل دل ہو نہیں سکتا
بشر انسان کہلانے کے قابل ہو نہیں سکتا

ثروت شفیق ـــــ ندوہ لکھنؤ

طوفانِ مصائب کو مسرت نہیں کہتے
جس شے کو فنا ہو اسے نعمت نہیں کہتے

انور خاں مینار، دھارواڑ کرناٹک

وقت جب آیا کٹھن تو رازیہ ہم پر کھلا
دوستوں کے کارواں میں کوئی بھی اپنا نہ تھا

سلطان ظاہر سہرساوی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

نیندوں کو قتل کر کے جلاتا رہا دماغ
مقصد تھا اس کا قوم کو بیدار دیکھنا

★

شہرت ملی تو نیند بھی اپنی نہیں رہی
گمنام زندگی تھی تو کتنا سکون تھا

زاہد ساگر، زاہد منزل ۳۰ موتی تالاب، مالیگاؤں

چہرے پہ جس کے چھایا مسیحا کا تقدس
اس شخص کے ہی ہاتھ میں خنجر دکھائی دے

عرفان احمد اکیلا، ۹۴ موتی تالاب منماڑ

گلا تو گھونٹ دیا اہلِ مدرسہ نے تیرا
کہاں سے آئے صدا لا الٰہ الا اللہ

★

چشم اقوام سے مخفی ہے حقیقت تیری
ہے ابھی محفلِ ہستی کو ضرورت تیری

صفات احمد مدرسۃ اسلامیہ بیت منو کاکوری، لکھنؤ

وقت آنے تو دے بات کریں گے تجھ سے
زندگی ہم بھی ملاقات کریں گے تجھ سے
راہ حق میں ذرا سنبھلتے ہوئے چل اے نادان
گونگے پتھر بھی سوالات کریں گے تجھ سے

محمد شریف قریشی، ناندورہ، بلڈانہ، مہاراشٹر

مسلم جدا ہو سب سے، خدا ہی سے لو لگا
کوئی نہیں ہے رنج میں اس کے سوا رفیق

شاہ امام سیتامڑھی - بہار

پرورش پاتا ہے جب دل میں یہ ایمانِ خلیل
موت سے بے خوف ہو جاتا ہے ارمانِ خلیل

محمد ارمان علی، سرسید ملک لین، کلکتہ ۲۳

قوتِ فکر و عمل پہلے فنا ہوتی ہے
جب کسی قوم کی عظمت کو زوال آتا ہے

مدبر شیخ نذیر احمد ۲۲ تھانہ روڈ، بھیونڈی

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے میرے عرقِ انفعال کے

محمد سلمان اختر، السبیل اسکول ضلع ارریہ، بہار

سلام اُن پر لقب پاکر جو ختم المرسلین آیا
سلام اس پر جو بن کر رحمۃ للعالمین آیا

★

ایمان کی ہے جان محبت رسولؐ کی
ہے سب پہ فرض عین اطاعت رسولؐ کی

محمد صبغت اللہ عارفی، سلفیہ جونیئر اسکول، دربھنگہ

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
برا نہیں کوئی قدرت کے کارخانے میں

مومن عبدالحکیم ۱۰۰ اسلام پورہ، بھیونڈی

خون کے آنسو رلاتا ہے امتحان کا یہ زمانہ
کبھی سہ ماہی کبھی ششماہی کبھی کمبخت سالانہ

انیس الرحمن پلاٹ نمبر ۳۰ شیواجی نگر گوونڈی

فقیر وقت بھی تدبیرِ رزق کرتا ہے
دعائیں بیچ کے بچوں کا پیٹ بھرتا ہے

یوسف خان یعقوب خان، شیر نگر، مالیگاؤں

علم کی توفیق بھی سب کو نہیں ملتی راہی
یہ وہ نعمت ہے جو مشکل سے خدا دیتا ہے

محمد نہال راہی، شاہ پور دگھونی، سمستی پور بہار

بہاریں باغ میں یہ گیت خوشی سے گائیں
آئی خوشیاں لیے چھبیس جنوری آئی

★

ہزاروں خواب نگاہوں میں جگمگاتے ہیں
تمام لوگ محبت کے گیت گاتے ہیں

سید کلیم رہبر، امرتا پور، ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

چاہیں تو گناہوں کو وہ حسنِ عمل لکھ دیں
اپنی ہے کتاب ان کی اپنا ہے حساب ان کا

انظری خانم، اختیار پور، سرسی، پورنیہ، بہار

قلم اٹھایا تو ہونے لگی دل کو وحشت
کون کتنا ہے گنہ گار لکھوں یا نہ لکھوں

شبانہ افروز نظام الدین، اسلام پورہ - ییوت محل

دولت علم سے محروم نہ ہونا ہرگز
علم مل جائے تو گھر گھر اُسے پہنچا دینا

شبانہ پروین دسوئی، احمد نگر، بیربھوم، بنگال

مسجد گرا کے آپ جو مندر بنائیں گے
خود رام چندر ایسی ایودھیا نہ آئیں گے

محمد امین، امام دی کمار، بازید پور، ویشالی، بہار

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا
جو بات کہو صاف ہو ستھری ہو، بھلی ہو
کڑوی نہ ہو، کھٹی نہ ہو، مصری کی ڈلی ہو

[illegible]، بیا پارہ، سرائے میر

مجبور میں ہے کشتی دور ہے کنارا
ایسے میں میرے مالک تیرا سہارا

نفیس۔ سورجی انجن گاؤں، ضلع امراؤتی

دل تیرے قرب کا ہر وقت تمنائی ہے
دور رہ کر بھی تصور سے بہل جاتا ہے

محمد اسعد رشیدی، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

لوگ ٹوٹ جاتے ہیں ایک گھر بنانے میں
تم ترس نہیں کھاتے بستیاں جلانے میں
فاختہ کی مجبوری یہ بھی کہہ نہیں سکتی
کون سانپ رکھتا ہے اس کے آشیانے میں

طیب حسین راہی، مدرسۃ الاصلاح، سرائے میر

اک ہم سفر کا ساتھ ضروری ہے دوستو
ویسے بہت بری ہے سہاروں کی زندگی

آصف بیگ بابر بیگ انعامدار، کولہا پور

ایک دن جب جھوٹ کا مطلب سمجھ میں آئے گا
میرا دعوا ہے کہ میرا جھوٹ سچ بن جائے گا

گلشن آرا میٹھا نیادت بھتی ہاری۔ بہار

مجھ سا مشتاقِ جمال ایک نہ پاؤ گے کہیں
لاکھ ڈھونڈو گے چراغِ رخِ زیبا لے کر

علوہ نقشبندی القادری، بالا پور، آکولہ

چوٹی پہ اذانیں دیں ہم نے، سولی پہ بھی جانیں دیں ہم نے
تیروں سے بھی آنکھیں ملائی ہیں، نیزوں سے باتیں کیں ہم نے
میدان کا سر کرنا کیا ہے، دریا میں بھی گھوڑے دوڑائے
کشتی بھی جلا دی ساحل پہ جب سر دینے پہ اتر آئے

**[illegible]

نااہل کو حاصل ہے کبھی قوت و جبروت
ہے خوار زمانے میں کبھی جوہر ذاتی
شاید کوئی منطق ہو نہاں اس کے عمل میں
تقدیر نہیں تابعِ منطق نظر آتی
ہاں ایک حقیقت ہے کہ معلوم ہے سب کو
تاریخِ امم جس کو نہیں ہم سے چھپاتی

جنید احمد قریشی، مدرتکیہ، منگرول پیر، آکولہ

کل اپنے مریدوں سے کہا پیرِ مغاں نے
قیمت میں یہ معنی ہے دُرِ ناب سے دہ چند
زہراب ہے اس قوم کے حق میں مےِ افرنگ
جس قوم کے بچے نہیں خود دار و ہنرمند

محمد عاطف قریشی، مدرتکیہ، منگرول پیر آکولہ

دشمن کو کیا ملے گا میرے اُجڑے آشیاں سے
میں تو زندگی میں گزری ہر ایک امتحاں سے

نازیہ علی محبوب علی، کاغذی پورہ، بالاپور، آکولہ

جدا ہوتے ہوئے جب کوئی کہتا ہے خدا حافظ
تو لب خاموش ہوتے ہیں نظر فریاد کرتی ہے

نذرانہ کوکنی رتناگیری۔ مہاراشٹر

یہ وہ چمن ہے یہاں پھول بھی ہیں کانٹے بھی
سلیقہ شرط ہے انسان کو زندگی کے لیے

★

بکھر کر پتیاں پھولوں کی یہ اعلان کرتی ہیں
ہمیں ہنستا ہی پاؤ گے تباہی کے بھی عالم میں

محمد راشد انور، درام پور، بیلا گنج ضلع گیا، بہار

جس کی آنکھوں میں غیرت کے پردے نہ ہوں
اس سے نظریں ملانا نہیں چاہیے۔

عبدالرحمٰن اسراہوی۔ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ

ہاتھ کی لکیروں سے فیصلے نہیں ہوتے
عزم کا بھی حصہ ہے زندگی بنانے میں

عبداللہ بلال ۱۰۴۰ ب، کمالی پورہ مالیگاؤں

نہ جانے کیوں میری آنکھوں میں آ گئے آنسو
کسی نے ہاتھ بڑھایا جو دوستی کے لیے

★

جو عمل کے تھے دھنی وہ بڑھ کے بازی لے گئے
عقل کے اندھے لکیریں ہاتھ کی دیکھا کیے

مجاہد اختر ۳۹۲، اسلامپورہ محمد علی روڈ مالیگاؤں

کیا عجب قرب کا احساس لیے بیٹھا ہوں
وہ کہیں بھی ہوں انھیں پاس لیے بیٹھا ہوں

محمد فرقان این آر آر روڈ ریل پار آسنسول

پیار محبت، دکھ کو غم جب ذہن و دل پر چھاتے ہیں
پھر احساس کے بکھرے موتی بھی شعروں میں ڈھل جاتے ہیں

یوسف خاں یعقوب خاں، شبیر نگر، مالیگاؤں

جو محافظ تھا خدا کے آخری پیغام کا
جس کی نبضوں میں مچلتا تھا لہو اسلام کا

★

وہ کہ سوزِ غم کو سانچے میں خوشی کے ڈھال کر
مسکرایا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر

نزہت انجم بنت عبدالعزیز، منگرول پیر، آکولہ

بلبل کو پاسباں سے نہ صیاد سے گلہ
قسمت سے قید تھی لکھی فصلِ بہار میں
ایک شاخِ گل پہ بیٹھ کے بلبل ہے شادماں
کانٹے بچھا دیے ہیں گلِ لالہ زار میں

محمد ناصر حسین شیرازی، موہن پورہ ملکاپور بلڈانہ

کاغذ پہ سائبان کا منظر بنا لیا
یوں دل کو مطمئن کیا اک گھر بنا لیا
جاڑے کی سرد رات میں تپتا رہا بدن
میں نے یہ کس خیال کا بستر بنا لیا

عزیز احمد سدھارتھی، جامعہ سلفیہ ریوڑی تالاب بنارس

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

شیخ عرفانہ نصیر الدین، نائیکواڑی پورہ، مہاراشٹر

ہمیں بھی یا رسول اللہ شعورِ بندگی دے دو
دلِ تاریک کو سرکار اپنی روشنی دے دو

★

کٹی عمر ہجر کی رات میں ابھی مضطرب دلِ زار ہے
ادھر آ ہوائے طیبہ ترے ساتھ روئے قرار ہے

فاروق اعظم، حلیم کالج عظیم آباد کالونی پٹنہ

کوئی سلیقہ ہے آرزو کا نہ بندگی میری بندگی ہے
یہ سب تمہارا کرم ہے آقا کہ بات اب تک بنی ہوئی ہے

★

فقیری کا مجھ میں نہیں ہے سلیقہ نہ آتا ہے کچھ مانگنے کا طریقہ
ادھر بھی نگاہِ کرم میرے سرور زمانے کی جھولی بھری جا رہی ہے

محمد اعجاز احمد کاظمی، موہن پور لباریا، مظفر پور بہار

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

مجاہد علی خان مالیر کوٹلہ پنجاب

نہیں کوئی بجلیوں کو اماں دینے والا
کہ وہ گھات کی نہ گھر کی مرا آشیاں جلا کر

محمد عثمان دل شہادوی۔ دھولے مہاراشٹر

اے دنیا کے باغ کے مالی
اے اپنے بندوں کے والی
دوسرا تجھ سا کوئی نہیں ہے
تجھ سا داتا کوئی نہیں ہے
پڑھنے پر دل مائل کر دے
علم و ہنر میں کامل کر دے
ہمت دے کچھ کام کریں ہم
جگ میں روشن نام کریں ہم
سچ بولیں ہم جھوٹ نہ بولیں
کبھی کسی کا عیب نہ کھولیں

شبانہ اعظمی، چک جادو، درگاہ بیلا، ویشالی

قدرت کی مصلحت تھی جو ہم پار ہو گئے
ورنہ سفینہ یار و ہمارا بھنور میں تھا

انجم شہادوی، دھولے، مہاراشٹر

خواہشوں کی بھیڑ میں کھلے گئے ہیں ذہن یوں
لے اڑی دیوانگی انسان کا معیار بھی

زینت خان، کوارٹر نمبر بی ۶۰، ۴۹ سیکٹر نمبر ۱۴ راؤرکیلا

مر مر کے مسافر نے بسایا ہے تجھے
رخ سب سے پھرا کر منہ دکھایا ہے تجھے
کیوں کر نہ لپٹ کے تجھ سے سوؤں لے قبر
میں نے بھی تو جان دے کے پایا ہے تجھے

شگفتہ خاتون۔ چک جادو، درگاہ بیلا، ویشالی

اخلاق و محبت کی سوغات نہیں آئی
پیاسے ہی رہے آخر برسات نہیں آئی
دلہن کے مقدر پہ روتی رہی شہنائی
نادار کی بیٹی تھی بارات نہیں آئی

جاوید اقبال صدیقی۔ ڈبو۔ چاکند گیا

اقوالِ زرّیں

• غریب سے غریب گھر کو نیک عورت جنت بنا دیتی ہے۔
• عورت اگر با اصول ہے تو مثلِ گلاب ہے۔
• عورت اگر باوفا ہے تو ملکۂ دل ہے۔
• عورت اگر بے وفا ہے تو قابلِ نفرت ہے۔
• عورت اگر بلند کردار ہے تو کائنات پر حاوی ہے۔
• عورت گھر کو چمن بناتی ہے۔
• بُرے کاموں کا پھل جلد اور اچھے کاموں کا پھل دیر سے ملتا ہے۔

اقبال ڈرائیور، جگتیال، کریم نگر، اے پی

• محبت ایک خاموش جذبہ ہے اس کا چہرہ غمگین اور زبان گنگ ہے۔ اس کا مقام قربِ الٰہی ہے یہ غیر اختیاری جذبہ ہے اس پر نہ کسی کا بس ہے اور نہ کسی کا قابو۔ اس کی آنچ سلگائے نہیں سلگتی بلکہ خود بخود دہکتی ہے۔
• محبت، عقل و دانش کی پہنچ سے باہر ہے۔
• محبت، رسم و رواج کے بندھنوں سے آزاد ہے۔
• محبت پوشیدہ نہیں رہتی کبھی نہ کبھی ظاہر ہوتی ہے۔
• محبت سے لبریز نگاہِ کرم ہی دنیا کا بیش قیمت سرمایہ ہے۔
• محبت کو فرقت کی گھڑیاں بہت مرغوب ہیں۔ محبوب کے فراق میں تڑپے بغیر محبت کی معراج نہیں ملتی۔

فیروزہ احمد۔ راوڑکیلا۔ آڑیسہ

• تین چیزیں میں جلدی کرو۔
۱۔ وقت پر نماز پڑھنا۔ (۲) رشتہ اگر پسند آجائے تو جلد شادی کرنا۔ (۳) میت کو جلد دفن کرنا۔
• تین چیزوں پر فرشتوں نے لعنت بھیجی ہے۔
(۱) ماں باپ بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کی خدمت نہ کرنا۔ (۲) ہٹا کٹا نوجوان ہو کر بھی روزہ کو ترک کرنا۔ (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آنے پر درود نہ بھیجنا۔

خاتون پروین محمد سعید مومن، عیدگاہ روڈ، بھیونڈی

• بُرا بولنے پر مسلّط ہے۔ (حضور اکرمؐ)
• خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔ (حضرت علیؓ)
• ایمان کے بعد بڑی نعمت عورت ہے۔ (حضرت محمدؐ)
• ماں باپ کا نافرمان ملعون ہے۔ (طبرانی)
• ذلت اٹھانے سے تکلیف اٹھانا بہتر ہے۔ (حضرت علیؓ)
• تعلیم، زندگی بسر کرنا سکھاتی ہے (ایڈمس)
• کم گوئی عقلمندی اور دانائی کی پہچان ہے۔ (ابوبکرؓ)
• علم سے جہالت دور کرنا بہت اچھی بات ہے۔ (امام غزالیؒ)

عزیز الرحمٰن عبدالغفار انصاری، الٰہی نگر، بھیونڈی

• قرآن مجید ہر مومن کے دل میں ہو۔ اگر کوئی بھی قرآن مجید پڑھنے سے غفلت کرے گا تو قرآن مجید بھول جائیگا جس سے دوزخ کا عذاب ہو سکتا ہے۔
• قرآن شریف پڑھنے سے زیادہ سننے میں ثواب ہے۔

ناظمہ انجیا عرف [illegible]، برداہا، دربھنگہ، بہار

★ اگر ہم دوسروں کی غلطیوں سے سبق لینا سیکھیں تو ہم خود غلطی کرنے سے بچ جائیں گے۔
★ طاقتور دشمن سے انصاف کی درخواست کرنا ایسا ہے جیسا پتھر سے کہنا کہ وہ پانی کا چشمہ جاری کرے۔
★ عمل کرو، تقدیر کا بہانہ مت کرو۔
★ مصیبتوں سے مت گھبرائیے کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔
★ زندگی یہ نہیں کہ ہم خوش رہیں بلکہ دوسروں کو خوشیاں دینا ہی اصل زندگی ہے۔

محمد عبدالخالق فورٹ ہائی اسکول، جگتیال اے پی

• علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔
• علم مالدار کی زینت اور تنگدست کے لیے تونگری کا زینہ ہے۔ (حضرت علیؓ)
• علم مال سے بہتر ہے کیونکہ علم تمہاری حفاظت کرتا ہے اور تم مال کی۔ (حضرت علیؓ)
• ضائع ہوتا ہے وہ علم جس پر عمل نہ کیا جائے۔ (حضرت عثمانؓ)
• علم سے آدمی کے دل کی وحشت اور دیوانگی دور ہوتی ہے۔ (بیکن)

جنید احمد قریشی، محلہ مدر تکیہ، منگرول پیر، آکولہ

• سخی خدا کا دوست ہے۔
• بلند ہمتی ایمان کی علامت ہے۔
• اللہ کی نعمتوں پر غور کرنا سب سے اعلا عبادت ہے۔
• صبر اور شکر بہترین عادت ہے۔
• نیک بنو اور سب کے ساتھ نیکی کرو۔

خواجہ صفی العابدین، فورٹ ہائی اسکول، جگتیال

★ خوش کلامی ایک ایسا پھول ہے جو کبھی نہیں مرجھاتا۔
★ انسان کا کردار ایک ایسی مالا ہے جس کی ایک گرہ کھل جانے سے تمام موتی بکھر جاتے ہیں
★ انسان خود عظیم نہیں ہوتا بلکہ اسے اس کا کردار عظیم بناتا ہے۔
★ کسی کو الزام لگاتے وقت ہم کو اپنی حالت پر غور کر لینا چاہیے۔
★ کردار ایک ایسا ہیرا ہے جو ہر پتھر کو بہ آسانی کاٹ سکتا ہے۔

شیخ محمد اعجاز احمد، مومن پورہ، اودگیر

• سب سے بڑھ کر بھروسے کی بات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہے۔
• سب طریقوں سے بہتر طریقہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے۔
• سب سے بہتر آدمی وہ ہے جو صابر ہے۔
• سب بیانات سے پاکیزہ بیانات قرآن مجید کا ہے۔

محمد شمشاد عالم، چکنوٹہ، درگاہ بیلا، ویشالی، بہار

• تین چیزیں ایک جگہ پرورش پاتی ہیں۔
پھول - کانٹا - خوشبو
• تین چیزیں ہر ایک کو ملتی ہیں۔
خوشی - غم - موت
• تین چیزیں ہر ایک کی جدا جدا ہوتی ہیں۔
صورت - سیرت - قسمت
• تین چیزوں کو مت ٹھکرائیے۔
خلوص - تحفہ - دعوت

شاہین پروین نظام الدین دیشمکھ کلب، یوت محل

• علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد، عورت پر فرض ہے۔ علم سیکھو اور لوگوں کو سکھاؤ۔
• جو علم نفع نہ دے اس علم سے پناہ مانگو۔
• جو شخص ایسی راہ اختیار کرے جس سے علم حاصل ہو تو اس کی بدولت اللہ اس کے لیے جنت کی راہ آسان کر دے گا۔
• جس شخص سے علم کی کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہو اور اس کو چھپائے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام ہوگی۔
• ایک باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے اچھا اور بہتر عطیہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔
• مرنے کے بعد عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال ایسے ہیں کہ ان کا ثواب مرنے کے بعد بھی ملتا ہے۔
(۱) ایک صدقۂ جاریہ (۲) ایسا علم چھوڑ کر جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں۔ (۳) نیک اولاد ہو جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔

عفن چیپ اسٹور، مجھو محلہ، بہار شریف

★ آخرت اندھیرا ہے جس کا چراغ نیک عمل ہے۔ (حضرت ابوبکرؓ)
★ حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنا ہاتھ پھیلانے سے بہتر ہے۔ (حضرت عثمانؓ)
★ جہاں سے موت آتی ہے وہاں سے رزق بھی آتا ہے۔ (حضرت علیؓ)
★ حسد کرنے والے کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی۔ (امام جعفرؒ)

محمد طیب متعلم المعہد الاسلامی مانک مئو سہارنپور

• جو شخص باوضو سوتا ہے اور اگر اسی رات موت آجائے تو خدا کے نزدیک بہت ثواب پاتا ہے۔
• جو شخص سلام سے پہلے کچھ کہے تو اس کے سلام کا جواب مت دیجیے۔
• اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ماں باپ کی خوشنودی میں ہے۔

شہباز احمد، چکباڑو، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

★ دنیا کا سب سے بہترین سرمایہ آپ کی اولاد ہے۔
★ دنیا کا سب سے بہتر مددگار آپ کا اپنا ہاتھ ہے۔
★ دنیا کا سب سے بہتر زیور آپ کی شرافت ہے۔
★ دنیا کا سب سے بہترین مکان آپ کا جسم ہے۔
★ دنیا کا سب سے بہترین تاج آپ کا پختہ ارادہ ہے۔

اقبال اختر، جمال پور، بیرول، دربھنگہ، بہار

• عبادت کرو — محبت کے ساتھ
• عمل کرو — بے خوفی کے ساتھ
• کام کرو — خوش اسلوبی کے ساتھ
• اعتماد کرو — یقین کے ساتھ
• مقابلہ کرو — احتیاط کے ساتھ
• خرچ کرو — کفایت کے ساتھ

سید کلیم رہبر، امڑاپور، ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

• ایک پل کی مسکراہٹ ۵ منٹ کی ورزش سے بہتر ہے۔
• علم تمہارا نگہبان ہے۔

• بچوں کا ماہنامہ پیام تعلیم ہر ماہ پوری شان و شوکت کے ساتھ ہر گھر کی زینت بنتا جارہا ہے۔ اور یہ میرا "محبوب رسالہ" ہے۔ اسے پڑھ کر میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

صبغت اللہ صدیقی دارالعلوم احمدیہ سلفیہ، لہریا سرائے

• اکتوبر کا پیام تعلیم موصول ہوا۔ گدگدیاں کے کالم میں آپ نے میرا لطیفہ شائع کیا جس کے لیے میں شکرگزار ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے پیام تعلیم میں سائنسی معلومات "پیراشوٹ" "اللہ کی مدد" اور "قسمت گھر" وغیرہ کہانیاں بہت پسند آئیں۔

محمد یحییٰ محمد سعید مومن ، عیدگاہ روڈ بھیونڈی

• اکتوبر ۹۴ء کے آدھی ملاقات کے کالم میں میرے عزیز دوست جناب حافظ محمد نعیم الدین صاحب (مقیم جامع مسجد سادل پور راجستھان) کا خط پڑھنے کو ملا جس میں انھوں نے پیام تعلیم کا مطالعہ جاری رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے مجھے بے حد خوشی ہے کہ انھوں نے میرے گھر پیام تعلیم کا مطالعہ کیا جس کی دلچسپی وہ راجستھان پہنچ کر بھی نہیں بھولے۔

امتیاز احمد، ابراہیم پور، اعظم گڑھ یوپی

• میں نے آج ہی خالہ جان کے گھر پر یہ رسالہ پڑھا، تبھی میرے دل میں اُمنگ پیدا ہوئی کیونکہ اس کی دینی معلومات مجھے بہت پسند ہے۔

آسیہ رفعت ، بالاپور - آکولہ

• اس ماہ کا پیام تعلیم تو بہت اچھا اور قابل تعریف ہے۔ خاص کر "ہاتھی کا پیغام" بہت ہی پسند آیا۔ مگر افسوس میرے پسندیدہ کالم "وقت" کا پتا ہی نہیں۔ انکل کیا بات ہے۔ میں ایک نہیں بہت سارے سوال آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں۔ مگر کیا کروں پیام تعلیم سے در حیرت ہی غائب ہوگیا۔

جویریہ - کرسچن کالونی ، ہبلی ، کرناٹک

• ماہ نومبر کا شمارہ ملا۔ پڑھ کر دلی مسرت ہوئی۔ اس میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس شمارے میں "کمپیوٹر مین" "بدنصیب بیٹے" "دھند" بہت پسند آئے۔

محمد آصف بمبئی ۳

• نومبر کے پیام تعلیم میں خاص طور پر "بچوں کی کوششیں" اور "طب کی روشنی میں" پسند آئیں۔

نصرت تبسم ، درگاہ بیلا، ویشالی۔ بہار

• نومبر ۱۹۹۴ء کا پیام تعلیم نظر نواز ہوا۔ سبھی مضامین پسند آئے۔ ڈیڑھ سال سے اس کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ مجھے یہ رسالہ کافی پسند ہے۔ مجھے پیام تعلیم میں میرے پسندیدہ اشعار، کہانیاں، گدگدیاں "اقوال زریں" بہت پسند آئے۔

زاہدہ انجم ـــ کلب ـــ ایوت محل

• میں پیام تعلیم کا پُرانا قاری ہوں۔ اس رسالے

میں میری بہت سی تخلیقات شائع ہوئی ہیں۔ مجھے
اس رسالے سے بے حد محبت ہے۔

سید کلیم رہبر امڑاپور ۔ بلڈانہ

• اس سے قبل دو کہانیاں بھیج چکا ہوں لیکن وہ
کہانیاں پیام تعلیم کے قیمتی صفحات پر نظر نہیں آئیں۔
دل مایوس ہوگیا۔ اب اکتوبر کا پیام تعلیم پڑھا۔ جس
میں علی گڑھ کا ترانہ، جامعہ کا ترانہ، "بچوں کی کوششیں"
پسندیدہ اشعار اور گدگدیاں بہت پسند آئیں۔

محمد ناصر حسین شیرازی، موہن پورہ ملکاپور بلڈانہ

• نومبر کا پیام تعلیم ملا۔ اس کے سبھی مضامین بے حد
پسند آئے۔ آپ نے اس میں میرے نام سے
معلومات میں کچھ باتیں شائع کرکے مجھے شکریے
کا موقع دیا۔ امید رکھتا ہوں کہ آیندہ بھی مجھے ناراض
نہیں کریں گے۔

جنید اختر ــــ نیا پورہ، مالیگاؤں

• پیام تعلیم ملا۔ پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس
رسالے میں گدگدیاں، پسندیدہ اشعار اور "بچوں
کی کوششیں" بہت اچھی لگیں۔

سیما ناز شمع ــــ ممتاز نگر ــ مہاراشٹر

• ماہ جولائی ۹۴ء کا رسالہ نظر نواز ہوا۔ اس کے
بعد میں اس رسالے کا سالانہ خریدار بن گیا۔ مجھے
یہ رسالہ بہت اچھا لگتا ہے۔ اب ہر مہینے پہلی تاریخ
کو اس کا بے صبری سے انتظار کرتا ہوں۔ اس
رسالے کا ہر کالم قابل تعریف ہے۔ ماہ نومبر کے
تمام مضامین بہت اچھے لگے۔ مضمون نگاروں کو مبارکباد۔

فضل الرحمٰن کاکرٹ پوری، اڑیسہ

• کافی دنوں سے پیام تعلیم جیسے خوبصورت رسالے
کا مطالعہ کر رہی ہوں۔ یہ رسالہ ایک خاص
اہمیت رکھتا ہے۔ جس کی تعریف کرنے کے
لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ ماہ نومبر کا
شمارہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز
ہوا۔ تمام مضامین قابل ستائش ہیں۔ خاص طور
سے میرے پسندیدہ کالم گدگدیاں، "بچوں کی کوششیں"
بہت پسند آئے۔ سبھی قلم کاروں کو مبارکباد۔

ہم بھی ترے چمن کے عنادل ہیں باغباں
منہ دیکھ کر نہ دعوت فصل بہار دے

نزہت انجم ــــ منگرول پیر ـ آکولہ

• ہمارے والد صاحب ہمارا پسندیدہ رسالہ
پیام تعلیم پابندی سے منگواتے ہیں۔ تعلیمی مصروفیات
زیادہ ہونے کی وجہ سے وقت نہیں ملتا مگر پھر
بھی تھوڑا وقت نکال کر روزانہ پڑھتا ہوں اور
جب تک رسالہ مکمل نہیں ہو جاتا، دل کو چین
نہیں ملتا۔

فاروق اعظم دارالعلوم محمدیہ لائر پالیہ ــــ بنگلور

• پیام تعلیم کو از ابتدا تا انتہا جب تک نہیں پڑھ
لیتا ہوں کسی دوسری چیز میں دل نہیں لگتا۔ مکمل
کرنے کے بعد دوسرے کاموں میں مصروف
ہو جاتا ہوں مگر جیسے ہی تیس تاریخ کا خیال ذہن
میں آتا ہے میں ڈاک خانے کا چکر لگانے لگتا ہوں
اور اس کو پاکر بہت مسرت ہوتی ہے۔

اعجاز احمد مدرسہ عین العلوم نوادہ، مبارکپور یوپی

• میرا نام ہما تحسین ہے۔ شہر پربھنی، مہاراشٹر
کی رہنے والی ہوں۔ پہلی بار پیام تعلیم میں دو مضمون
بھیج رہی ہوں۔ "پیام تعلیم" میں پچھلے ماہ سے پڑھ

رہی ہوں جو مجھے بہت پسند ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ ایک کے بعد ایک کر کے میرے مضمون شائع کریں۔

ہما تحسین اندرا گاندھی اردو گرلز ہائی اسکول پربھنی

● میں نے آپ کو منی آرڈر کیا تھا۔ فارم میں میں نے لکھا تھا کہ اکتوبر کا شمارہ بھیج دیں۔ آپ نے اچھا کیا کہ اکتوبر کا شمارہ نہیں بھیجا۔ میں نے بعد میں پڑھ لیا تھا۔ پوسٹ مین نے ۲۹ اکتوبر کو ہی نومبر کا شمارہ لاکر دیا۔ آپ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔

شیخ محمد عمران ــــ محمد علی روڈ بمبئی

● نومبر کے پیام تعلیم میں اپنا نام دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ میں پیام تعلیم کا تقریباً ایک سال سے مطالعہ کر رہی ہوں۔ میں اپنی ہم جماعت سہیلی کی شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے اس رسالے کی جانب توجہ دلائی۔

دائمہ بانو بڑا بڑگاؤں، ایوت محل

● اس ماہ کا پیام تعلیم ستارے کی طرح چمکتا ہوا اور گلاب کی طرح مہکتا ہوا موصول ہوا۔ سبھی مضامین پسند آئے۔ اس شمارے میں اپنا خط اور لطیفہ دیکھ کر خوشی ہوئی۔ آپ کا تہہ دل سے شکریہ۔

زینت خاں راوڑ کیلا - اڑیسہ

● پیام تعلیم تو میں کئی سالوں سے پڑھ رہا ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بے حد پسند ہے۔ اس رسالے کا ہر کالم خوبصورت اور دل کو چھو لینے والا ہوتا ہے میری دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔

مقبول احمد چپارنی معہد الاسلامی ندوہ کالج، لکھنؤ

● پیام تعلیم کے تمام مضامین پڑھ کر دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ خاص کر عظیم ناول نگار چارلس ڈکنز بہت پسند آیا۔ ویسے تمام مضامین اپنی تمام تر خوبیوں سے پُر تھے۔

مزمل احمد ــــ لہریا سرائے، دربھنگہ

● ماہ اکتوبر کا پیام تعلیم ملا جیسے ہی اپنا نام دیکھا دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ اس رسالے میں مجھے "گاؤں کی بہار"، "بچوں کی کوششیں اور ہرے دربان چرخا تاگا"، بہت پسند آئے۔

رخسانہ بانو، این آر آر، روڈ، آسنسول

● میں پیام تعلیم کا مطالعہ دسمبر ۱۹۹۱ء سے کر رہی ہوں۔ یہ رسالہ مجھے بے حد پسند ہے۔ گھر کے سبھی افراد اس کو بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں جیسے ہی رسالہ ہاتھ آجائے پورا پڑھے بغیر چین نہیں ملتا۔ ویسے تو مجھے بہت سے مضامین اچھے لگتے ہیں لیکن خاص طور سے اقوال زریں، لطیفے اور سائنس کی دنیا پڑھ کر معلومات حاصل ہوتی ہے۔

غزالہ لطیفی محلہ مانیم چلکہ - تلگنڈہ

● ماہ اکتوبر کا پیام تعلیم موصول ہوا۔ سارے مضامین کو میں نے غور سے پڑھا۔ کافی مسرت و شادمانی حاصل ہوئی۔ طبیعت یہ چاہتی ہے کہ تمام وقت پڑھتا رہوں۔ اس ماہ کے شمارے میں چوہیا نے ہاتھی سے پاؤں دبوایا۔ لو میں آیا۔ گدگدیاں ایک چھوٹے کی کہانی۔ سویا ہوا نصیب وغیرہ بہت پسند آئے۔

محمد سجاد عالم رحمانی ــــ پرنگیر۔ بہار

● زیر نظر شمارہ بے حد دلچسپ، بامقصد اور خوبصورت

ہے بطور خاص محمد طاہر اختر، م علیگ، آصف وقار اور شاذیہ فرحین کی تخلیقات پسند آئیں۔ رسالے میں ایک چیز کی کمی گراں گزرتی ہے اور وہ ہے سفرنامہ۔ ازراہ کرم دنیا کے مشہور و معروف شہروں کے بارے میں معلوماتی مضامین شائع کریں۔

رحمان دانش، ڈبو، چاکند، گیا، بہار

● میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میرے مضامین اپنے رسالے پیام تعلیم میں شائع کیے۔ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو رہتی دنیا تک قائم رکھے۔ آمین

ظہور اکرمی، شاذلی اسٹریٹ، بھٹکل

● نومبر ۹۴ء کے پیام تعلیم میں خاص طور پر بچوں کی کوششیں اور "طب کی روشنی میں" پسند آئیں۔

شبانہ افروز۔ کلمب۔ ایوت محل

● پیام تعلیم میں "بچوں کی کوششیں" کالم مجھے بہت پسند ہے اس کالم کے ذریعے بچوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ جب ہمارے مضامین یا کہانیاں پیام تعلیم میں شائع ہوتے ہیں۔ ہمیں بہت خوشی ہوتی ہے۔ خدا کرے پیام تعلیم کو دن دونی رات چوگنی ترقی حاصل ہو۔ آمین۔

سعدیہ فخرالدین دیشمکھ۔ بمبئی نمبر ۱۵

بیٹا---امی جان آپ یہ کپڑے کیوں استری کر رہی ہیں۔

ماں---"بیٹے یہ کپڑے میں اس لیے استری کر رہی ہوں تاکہ اس کی جھریاں صاف ہو جائیں"۔

بیٹا---امی جان" پھر اپنی دادی ماں کو بھی استری کر دو نا۔"

مہ جبیں سلطانہ۔ آڑ مور

تنویر۔ سر دولت اور محنت میں کیا فرق ہے۔؟

استاد۔ جو رقم تم کسی کو قرض دیتے ہو وہ دولت ہے اور اسے واپس لینے کے لیے جو دھکے کھاتے ہو وہ محنت ہے۔

سبحان احمد۔ کمال پورہ۔ مالیگاؤں

کمرے میں شراب کی بوتل زمین پر گرکر ٹوٹ گئی، تین چوہوں کے علاوہ اس وقت کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ تینوں نے شراب چاٹ لی۔ نشے میں آکر ایک چوہا بولا۔ "میں اس وقت باکسنگ کرنے جارہا ہوں"

دوسرے نے بات کاٹتے ہوئے کہا--اگر اس وقت دنیا کا طاقتور آدمی بھی آجائے تو میں اس کا بھرکس نکال دوں گا۔

تیسرا چوہا کوئی بات کیے بغیر کمرے سے باہر جانے لگا تو دونوں نے پوچھا کہ تم کہاں چلے۔ تو تیسرے چوہے نے اطمینان سے جواب دیا۔ میں بلی سے شادی کرنے جارہا ہوں۔

انصاری عارف۔ نظام پورہ۔ بھیونڈی

استاد نے کلاس کے لڑکے شوکت کے ساتھ ایک نئے بچے کو دیکھ کر پوچھا۔ شوکت۔ یہ تمھارے ساتھ کون لڑکا ہے؟

شوکت نے جواب دیا، جناب یہ میرا چھوٹا بھائی شرافت ہے۔ تم اسے کیوں ساتھ لائے ہو۔ استاد نے پوچھا۔ شوکت نے جواب دیا۔ آپ ہی نے کہا تھا کہ کلاس میں شرافت کے ساتھ بیٹھا کرو۔

فیصل محمود۔ اعظم پور۔ مئوناتھ۔ الہ آباد

میاں خوش شکل تھا اور بیوی بے حد صورت ایک روز شوہر نے اپنی بیوی سے کہا "بیگم ۔ہم دونوں جنتی ہیں" وہ کیسے ؟ بیوی نے حیرت سے پوچھا۔

شوہر نے جواب دیا

"وہ ایسے کہ تم مجھے دیکھ کر شکر ادا کرتی ہو اور میں تمہیں دیکھ کر صبر کرتا ہوں ،اور تم جانتی ہو کہ شاکر اور صابر دونوں جنتی ہیں"

سید فیروزالدین قاضی ۔ایوت محل

ایک مقرر اپنی تقریر میں انسانوں اور جانوروں کی وضاحت کر رہے تھے ۔کہنے لگے۔

"دیکھئے انسانوں نے بیس برسوں میں کتنی ترقی کی اور جانوروں نے کوئی ترقی نہیں کی ۔

ایک شخص نے پوچھا" وہ کیسے"

مقرر صاحب بولے " گدھے کو دیکھئے ،پہلے جیسا تھا ویسا ہی آج بھی آپ کو نظر آرہا ہے

سیما پروین ۔محمد سعید پاشا ۔ایوت محل

ایک لیڈی مقرر نے تقریر کرتے ہوئے کہا ۔

---جناب آپ سبھی جانتے ہیں کہ ہم عورتوں کو کتنی ساری اذیتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں ۔

یہ سنکر ایک صاحب اٹھے اور فرمایا ---- "لیکن ایک اذیت برداشت نہیں کر سکتیں"

مقرر نے کہا "وہ کیا"

صاحب نے معصومیت سے کہا " آپ چپ رہنے کی اذیت برداشت نہیں کر سکتیں "۔

ایم ایل اے راہی ۔موہن پور ۔اڑیسہ

استاد ---(شاگرد سے) ۔مجھے دنیا کے تین بر اعظموں کے نام بتائیے ۔

شاگرد ---ایک سکندر اعظم ،دوسرا اکبر اعظم اور تیسرا ہمارا پڑوسی قمر اعظم ۔

آعظمی نازش گول بلڈنگ ،بھیونڈی

ایک تھانے دار کا مرغ اچانک کہیں گم ہو گیا ۔وہ مرغ کو تلاش کرتے ہوئے ایک مکان کے پاس پہنچے ۔مکان کے باہر ان کے مرغ کی کھال اور پر وغیرہ پڑے ہوئے تھے ۔

تھانے دار صاحب کو یہ منظر دیکھ کر بہت غصہ آیا ۔انھوں نے غصہ کی حالت میں زور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا ۔تو اندر سے ایک شخص باہر آیا تھانے دار نے کھال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا --- یہ تو میرے مرغ کی کھال ہے ---اس شخص نے نہایت تحمل سے جواب دیا ---ہے تو آپ ہی کا مرغ ،یونیفارم اتار کر نہ جانے کہاں چلا گیا ہے ۔

فیروز احمد ۔اردو ہائی اسکول ۔راوڑ کیلا۔

• تیمور لنگ کی اپنی فتوحات کے دوران ایک دولت مند شخص سے ملاقات ہوئی جو اندھا تھا۔ تیمور نے اسے دیکھ کر چوٹ کی۔ بزرگوں نے سچ کہا ہے دولت اندھی ہوتی ہے" اندھے دولت مند نے تیمور لنگ پر جوابی چوٹ کرتے ہوئے کہا
"حضور دولت اندھی نہ ہوتی تو لنگڑے کے گھر کیوں آتی"

• ملا نصرالدین ایک دن ایک حکیم صاحب کے پاس گئے اور انھیں اپنی نبض دکھا کر پوچھا "کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ مجھے کیا بیماری ہے؟" حکیم صاحب نے کہا تمھیں بھوک کی بیماری ہے اور اب چونکہ دوپہر کا وقت ہے اس لیے آؤ ایک ساتھ کھانا کھائیں۔ کھانا کھانے کے بعد ملا یہ کہتے ہوئے چلے آئے کہ میرے گھر میں کچھ اور لوگ بھی اسی مرض میں مبتلا ہیں، میں سب کو آپ کے پاس لے آتا ہوں۔

• پہلا دوست۔ اگر آدمی رات کو آنکھ کھل جائے اور گھڑی بند ہو تو وقت کیسے معلوم کرو گے؟
دوسرا دوست۔ یہ بھی کوئی مشکل بات ہے، بس زور زور سے گانا شروع کردو چند ہی لمحوں میں گرجتی ہوئی آواز سنائی دے گی "کیا پاگل ہوگئے ہو رات کے دو بجے گانے کا کون سا وقت ہے۔"

• ایک آدمی نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا ریل کے سفر میں نماز کس طرف منہ کرکے پڑھیں۔
مولوی صاحب۔ جس طرف تمہارا سامان رکھا ہو۔

• ایک دیہاتی نے اپنے دوست سے انگریزی سیکھنے کی فرمائش کی۔ دوست نے اسے لفظ یس کی پریکٹس کرنے کو کہا۔ دیہاتی جہاں جاتا ہر بات پر یس کہتا۔ راستے میں اسے ایک پہلوان ملا۔ اس نے کہا مجھ سے کشتی لڑو گے دیہاتی نے بغیر سوچے سمجھے یس کہہ دیا۔
پھر کیا تھا پہلوان نے دیہاتی کی ہڈی پسلی ایک کردی۔ دیہاتی نے اپنے دوست کو بہت ڈانٹا۔ دوست نے اسے مناتے ہوئے کہا اچھا تم یس کو چھوڑ کر نو کی پریکٹس کرو۔ اتفاق سے راستے میں پھر وہی پہلوان مل گیا اور بولا۔ کیا تمھیں کل والی مار یاد نہیں۔
دیہاتی فوراً بولا نو۔ پہلوان نے ایک بار پھر

اس کی پٹائی کر دی، وہ پھر اپنے دوست کے پاس پہنچا۔ تیسری مرتبہ دوست نے اسے ویری گڈ کی پریکٹس کرنے کو کہا۔ اتفاق سے راستے میں اسے پھر وہی پہلوان ملا مگر وہ کچھ اداس تھا، دیہاتی نے پوچھا کیا بات ہے تم اداس کیوں ہو۔ پہلوان بولا میری ماں کا انتقال ہو گیا ہے۔ دیہاتی فورا بولا ویری گڈ۔ اس کے بعد کیا ہوا ہو گا آپ خود اندازہ کر سکتے ہیں۔

محمد ارشد ـــــ مالیر کوٹلہ

٭ ایک بوڑھے پروفیسر ٹرین میں سفر کر رہے تھے۔ رات کے وقت گہری نیند سو گئے۔ جب ٹکٹ چیکر نے جگایا تو وہ سڑبڑا کر اٹھے اور اپنی جیب ٹٹولنے لگے۔ جیب میں ٹکٹ نہیں ملا تو کچھ پریشان ہوئے۔ یہ دیکھ کر ٹکٹ چیکر بولا گھبرائیے مت۔ آپ جیسے لوگ ریلوے کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ یہ کہہ کر ٹکٹ چیکر جانے لگا تو پروفیسر نے کہا آپ نے تو مجھے معاف کر دیا لیکن ٹکٹ کے بغیر مجھے کیسے معلوم ہو گا کہ مجھے کہاں اترنا ہے۔

معیز الدین ـــ خاندیش۔

نام۔ محمد تنویر عالم
تعلیم۔ سوم جماعت
مشغلہ۔ پڑھنا اور کھیلنا
پتہ۔ بودھیسری۔ رام پور۔ ارریہ۔ بہار

نام۔ محمد ارشد اعظمی
تعلیم۔ فارسی دوم۔ عمر ۱۵ سال
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا۔ زیادہ خاموش رہ کر زندگی گذارنا
پتہ۔ مدرسہ منبع العلوم۔ خیر آباد، مئو

نام۔ مسعود اختر
تعلیم۔ درجہ ششم۔ عمر ۱۱ سال
مشغلہ۔ پیام تعلیم، ہلال وغیرہ رسائل کا مطالعہ کرنا
پتہ۔ سارک انٹرپرائزز، کرشنا نگر۔ ضلع۔ کپلوستو، نیپال

نام۔ محمد وسیم سارا
تعلیم۔ نویں جماعت۔
مشغلہ۔ کرکٹ اور کبڈی کھیلنا
پتہ۔ انجمن روم، گھر نمبر ۲۴۹ مین روڈ، بھٹکل۔

نام۔ عروسہ خاتون
تعلیم۔ دسویں جماعت
مشغلہ۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا اور اچھی باتیں نوٹ کرنا۔
پتہ۔ پلاسمنی۔ بہادر گنج۔ کشن گنج، بہار

نام۔ محمد پرویز اختر پرواز
تعلیم۔ دسویں جماعت۔
مشغلہ۔ سیر و سیاحت، دوستی کرنا
پتہ۔ سہارا سویٹ۔ محلہ شمشیر نگر۔ جھریا، دھنباد

نام۔ محمد نبی احمد
تعلیم۔ درجہ نہم۔ عمر ۱۴ سال
مشغلہ۔ قلمی دوستی کرنا
پتہ۔ نظیر آباد۔ ساؤتھ بازار۔ انڈال۔ بردوان

نام۔ انیسہ بانو شیخ سانڈو
تعلیم۔ ایس۔ ایس۔ سی۔
مشغلہ۔ ڈرائنگ بنانا۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتہ۔ معرفت۔ شیخ سانڈو۔ اسلام پورہ۔

نام۔ محمد اکبر علی۔
تعلیم۔ دسویں جماعت۔ عمر ۱۸ سال
مشغلہ۔ کرکٹ اور کرم کھیلنا۔
پتہ۔ عراقی اسٹریٹ ساؤتھ بازار، انڈال،

تعلیم۔ میٹرک۔ عمر ۱۷ سال
مشغلہ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا اور کھیلنا
پتہ۔ معرفت۔ محمد مسلم صاحب،
سمستی پور۔ بہار

نام۔ محمد شمس الدین۔
تعلیم۔ آٹھویں جماعت۔
مشغلہ۔ کرکٹ کھیلنا۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتہ۔ نارتھ بازار انڈال۔ ضلع۔ بردوان،

نام۔ محمد نورالعین علی۔ عمر۔ ۱۳ سال
مشغلہ۔ نعت و حمد جمع کرنا۔ اچھی کتابوں کا پڑھنا۔
پتہ۔ مڈل اسکول لکشمی پور۔ وایا چاکند، ضلع۔ گیا۔

نام۔ شمع پروین
تعلیم۔ پانچویں جماعت۔
مشغلہ۔ شوق سے پیام تعلیم پڑھنا۔
پتہ۔ اردو پرائمری اسکول۔ مین روڈ، راورکیلا۔

نام۔ محمد ارجمند عالم۔ عمر ۱۴ سال
مشغلہ۔ فٹبال کھیلنا۔ سیر و تفریح
پتہ۔ مڈل اسکول۔ لکشمی پور۔ وایا چاکند۔ ضلع گیا۔ بہار

نام۔ محمد علام الدین
تعلیم۔ چھٹی جماعت۔ عمر ۱۲ سال
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا۔ کرکٹ کھیلنا
پتہ۔ بردیبا۔ کنول۔ دربھنگہ، بہار

نام۔ محمد دانش۔ عمر ۱۰ سال
مشغلہ۔ بھائی بہنوں کے ساتھ کھیلنا
پتہ۔ موضع۔ ڈلو۔ ڈاکخانہ۔ بارا وایا چاکند، ضلع گیا۔ بہار

نام۔ محمد اصغر علی
تعلیم۔ درجہ نہم۔ عمر ۱۴ سال
مشغلہ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتہ۔ بنگال بک ہاؤس۔ ساؤتھ بازار، انڈال۔

نام۔ تسلیم فاطمہ
تعلیم۔ درجہ نہم
مشغلہ۔ پڑھنا، لکھنا
پتہ۔ سینئر سکنڈری اسکول جامعہ نگر، نئی دہلی

نام۔ محمد خورشید عالم

نام۔ ندیم احمد
تعلیم۔ بی۔ ایس۔ سی۔ (جاری) عمر ۱۸ سال

مشغلہ - کرکٹ کھیلنا - اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔

پتہ - موڈرن بک سینٹر - ساؤتھ بازار - پوسٹ انڈال - ضلع بردوان

نام - محمد شاہ نواز عالم
تعلیم - دسویں جماعت - عمر ۱۲ سال
مشغلہ - قلمی دوستی کرنا - سب رسالوں کا مطالعہ کرنا
پتہ - ریل پار - او کے روڈ آسنسول - بنگال

نام - تبیر سعید چاند
تعلیم - بی - ایس - سی -
مشغلہ - قلمی دوستی کرنا
پتہ - بگھونی - سمستی پور - بہار

نام - جنید اختر محمد مرتضیٰ
تعلیم - نویں جماعت - عمر ۱۴ سال
پتہ - ۲۶۲ نیا پورہ - گلی نمبر ۱۰ مدنی روڈ - مالیگاؤں

نام - ابوذر فاروقی
تعلیم - آٹھویں جماعت
مشغلہ - کرکٹ کھیلنا اور پیام تعلیم پڑھنا
پتہ - السبیل اسکول - ارریہ کورٹ - بہار -

نام - صبیدالرحمن - محمد مرتضیٰ
تعلیم - ساتویں جماعت - عمر ۱۲ سال
پتہ - ۲۶۲ نیا پورہ - گلی نمبر ۱۰ - مدنی روڈ مالی

نام - صبیح انور
تعلیم - ساتویں جماعت -
مشغلہ - پڑھنا اور کھیلنا -
پتہ - ارین - یو - لائبریری - پوتینہ کوچاد حامن - کشن گنج - بہار

نام - محمد احتشام انصاری
تعلیم - درجہ نہم - عمر - ۱۳ سال
مشغلہ - پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا -
پتہ - معرفت - بنگال بک ہاؤس - ساؤتھ بازار پوسٹ انڈال - ضلع بردوان

نام - تنویر اختر
تعلیم - میٹرک - عمر - ۱۶ سال
مشغلہ - دوستی کرنا دوستوں کو دعوت دینا
پتہ - ٹائٹ بلڈنگ - کھریواں - سرائے میر - اعظم گڑھ

نام - محمد مصطفےٰ خان
تعلیم - درجہ ہشتم - عمر ۱۳ سال
مشغلہ - پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتہ - بنگال بک ہاؤس - ساؤتھ بازار - پوسٹ - انڈال - ضلع - بردوان -

نام ۔ سید محمد فردوس رضوی
مشغلہ ۔ والدین کی عزت کرنا اور دل لگا کر پڑھنا
پتہ ۔ رضوی کتب خانہ ۔ نیا محلہ ۔ ساؤتھ بازار ۔ انڈال ۔ بردوان

نام ۔ پروین بانو
تعلیم ۔ درجہ نہم ۔
مشغلہ ۔ دل لگا کر پڑھنا
پتہ ۔ معرفت ۔ محمد شاکر حسین ۔ ساؤتھ بازار ۔ انڈال ۔ بردوان

نام ۔ رضیہ سلطانہ
تعلیم ۔ پانچویں جماعت ۔
مشغلہ ۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتہ ۔ معرفت ، محمد مظفر حسین ۔ ساؤتھ بازار ۔ انڈال ، بردوان ۔

نام ۔ محمد شمس الدین ۔
تعلیم ۔ درجہ ہشتم ۔ عمر ۱۳ سال
مشغلہ ۔ پیام تعلیم پڑھنا اور اچھے ساتھی کی تلاش
پتہ ۔ تھانہ روڈ ۔ نورتھ بازار ۔ انڈال ، بردوان

نام ۔ محمد شارق پاشا
تعلیم ۔ چھٹی جماعت ۔ عمر ۱۲ سال
مشغلہ ۔ کرکٹ کھیلنا ، قلمی دوستی کرنا

پتہ ۔ ودایہ ہاؤسنگ سوسائٹی ، گھر نمبر اے ۳ ۔ باجوریا نگر ۔ ریوت محل

نام ۔ سید محمد خرم اقبال
تعلیم ۔ ساتویں جماعت
مشغلہ ۔ پیام تعلیم پڑھنا ، ٹکٹ جمع کرنا
پتہ ۔ معرفت ۔ سید عبد الجبار غنی ، اسلام نگر ۔ نزد ، نور مسجد ۔ آنند بھون ۔ راوڑکیلا ۔

نام ۔ محمد غفار
تعلیم ۔ درجہ ہشتم ۔ عمر ۱۳ سال
مشغلہ ۔ دوستی کرنا
پتہ ۔ بنگال بک ہاؤس ۔ ساؤتھ بازار ، انڈال ، بردوان ۔

نام ۔ محمد بادشاہ و مصور عالم
تعلیم ۔ آٹھویں جماعت ۔ عمر ۱۴ سال
مشغلہ ۔ کھیلنا ، پڑھنا
پتہ ۔ معراج عالم ۔ پوتاس ، کوچہ دھامن ، کشن گنج

نام ۔ محمد انوار عالم ۔ عمر ۱۴ سال
مشغلہ ۔ پڑھنا اور کھیلنا
تعلیم ۔ آٹھویں جماعت
پتہ ۔ سکٹیہار ، بہادر گنج ، بہار

نام ۔ محمد اصغر علی

تعلیم ۔ نویں جماعت ۔ عمر ۱۶ سال
مشغلہ ۔ کرکٹ کھیلنا اور پیام تعلیم پڑھنا
پتہ ۔ معرفت ۔ شہزادہ فریوٹ مارچینٹ ۔ نور تھ
بازار ۔ پوسٹ انڈال ۔ بردوان

نام ۔ محمد شمشاد عالم
تعلیم ۔ آٹھویں جماعت ۔ عمر ۱۲ سال
مشغلہ ۔ پیام تعلیم پڑھنا ۔ استاد کی عزت کرنا
پتہ ۔ مڈل اسکول ۔ لکشمی پور، دایا، چاکند، گیا

نام ۔ فرحت آفرین
تعلیم ۔ ساتویں جماعت ۔ عمر ۱۲ سال
مشغلہ ۔ اسکول جانا ۔ اور اچھے کتابوں کی کھوج
پتہ ۔ معرفت ۔ ذوالفقار احمد ۔ مقام و پوسٹ ۔
لکشمی پور، دایا ۔ چاکند، گیا ۔ بہار

نام ۔ طاہر اکرم
تعلیم ۔ چوتھی جماعت ۔ عمر ۸ سال
مشغلہ ۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتہ ۔ معرفت محمد ناظم الدین، لکشمی پور ۔ دایا
چاکند، ضلع ۔ گیا ۔ بہار

نام ۔ غفران اختر
تعلیم ۔ دسویں جماعت ۔ عمر ۱۵ سال
مشغلہ ۔ اچھے دوستوں کی تلاش
پتہ ۔ جمال ہاسٹل ۔ ۱۴ ۔ ایس ۔ ٹی ۔ اسکول ۔
منٹو سرکل ۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ۔ علیگڑھ ۔

نام ۔ کفیل احمد بھتونی
تعلیم ۔ پانچویں جماعت ۔ عمر ۱۰ سال
مشغلہ ۔ دینی کتابوں کا مطالعہ ۔ قلمی دوستی
پتہ ۔ اے، ایس، عربک کالج ۔ لہریا سرائے ۔
دربھنگہ ۔ بہار

نام ۔ محمد ریاض عالم عرف راجو
تعلیم ۔ دوسری جماعت
مشغلہ ۔ پیام تعلیم سمجھ کر پڑھنا
پتہ ۔ معرفت ۔ محمد فیروز ۔ پہاڑ پور ۔ مظفر پور

نام، محمد اکبر علی
تعلیم ۔ پانچویں جماعت
مشغلہ ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا کرکٹ کھیلنا
پتہ ۔ معرفت ادریس ۔ کاوا ۔ ویشالی ۔ بہار

نام ۔ محمد اصغر علی صدیقی
تعلیم ۔ درجہ نہم
مشغلہ ۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتہ ۔ موڈرن بک سینٹر ۔ ساؤتھ بازار ۔ انڈال ۔

نام ۔ فصیح اظہر
تعلیم ۔ درجہ نہم ۔ عمر ۱۴ سال
مشغلہ ۔ مصوری اور پیام تعلیم کا مطالعہ
پتہ ۔ ۱۱ نمبر کالونی ۔ بی ۔ ۲۹۰ ۔ انڈال، بردوان

معافی

مشہور عباسی خلیفہ ابو مسلم خراسانی اور اس کے ماتحت فوجی افسر کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ افسر نے غصہ میں خلیفہ کو "راستہ کا پتھر" کہہ دیا۔ خلیفہ نے سنا اور سر نیچا کر لیا، جب افسر کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو اس کو بہت افسوس ہوا کہ میں نے بہت بڑی غلطی کی۔ وہ خلیفہ کے پاس گیا اور آداب بجالا کر عرض کی کہ آپ کی شان میں، میں نے گستاخی کی، میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔ خلیفہ نے فرمایا کہ میں نے تم کو معاف کیا۔ افسر کو اطمینان نہیں ہوا۔ وہ دوبارہ خلیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے دل کو اطمینان نہیں ہوا ہے کہ واقعی آپ نے مجھے معاف کر دیا۔ خلیفہ نے نرمی اور دل جوئی سے کہا کہ جب تم نے میرے ساتھ بدسلوکی کی تو میں نے تم سے نیک سلوک کیا یعنی میں نے تم سے کچھ نہیں کہا۔ اب جب کہ تم نیک سلوک کر رہے ہو تو کیا میں تم سے برا سلوک کروں گا۔ تم میرے ماتحت ہو، تم نے مجھ سے کتنی گری ہوئی بات کہہ دی، میرے حسب نسب پر حملہ کیا؟ گر میں چاہتا تو تم کو کوئی سے کوئی سزا دے سکتا تھا، تمہاری معذرت پر سزا دوں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

محمد عثمان شیخ۔ سیبا ہاؤسنگ سوسائٹی امرت نگر، دوار کا نمبر ۲۔ روم نمبر ۲۶، گھاٹ کوپر۔ بمبئی۔ ۸۶

عظمتِ قرآن

خواجہ حسن بصریؒ کا نام آپ نے سنا ہو گا۔ یہ اپنے عہد کے ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ ان کے زمانے میں ایک شخص تھا جس کا نام بشر حافی تھا، حافی ننگے پیر چلنے والے کو کہتے ہیں۔ یہ بھی ننگے پیر چلتا تھا۔ اس وقت یہ ایک بہت بڑا شرابی تھا، ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بشر حافی ایک جگہ سے گزر رہا تھا اور سر پر عمامہ باندھے تھا۔ اس نے نالی میں قرآن پاک کا ایک ورق پڑا دیکھا اور اس کو اٹھا کر صاف کر کے اپنے عمامہ میں رکھ لیا۔ ادھر خواجہ حسن بصریؒ نے رات میں اللہ کے رسول کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے فرمایا کہ بشر حافی کے پاس جاؤ اور اس کو مغفرت کی خوش خبری سناؤ۔ حسن بصریؒ کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کریں۔ چنانچہ اسی تدبر و تفکر میں پورا دن گزر گیا۔

دوسری شب پھر اللہ کے رسول خواب میں تشریف لائے اور پھر گذشتہ شب کی طرح فرمایا لیکن اب بھی حسن بصریؒ کو یقین نہ آیا اور یہ دن بھی اسی طرح کشمکش میں گزر گیا۔ تیسری شب اللہ کے رسول پھر خواب میں تشریف لائے اور تاکید فرمائی، چنانچہ حسن بصریؒ گھر سے نکل کر اس کے گھر پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔ بشر حافی باہر آیا اور یہ دیکھ کر حیران اور ششدر رہ گیا کہ ایک مومن آدمی فاسق و فاجر آدمی کے دروازے پر کھڑا تھا۔ وہ ان کو اندر لے گیا۔ حسن بصریؒ نے دریافت فرمایا کہ اے بشر حافی تم نے کون سا نیک عمل کیا ہے کہ جس کی وجہ سے تمہاری مغفرت ہوگئی۔ بشر یہ سن کر حیرت زدہ رہ گیا اور جواب دیا کہ حضرت، میں نے تو کوئی نیک کام نہیں کیا، نہ نمازی نہ روزے دار۔ حسن بصریؒ نے پھر فرمایا کہ تم نے ضرور کوئی نیک کام کیا ہے کہ جس کی وجہ سے تمہاری مغفرت ہوگئی، پھر بشر حافی نے جواب دیا کہ تین روز قبل میں ایک نالی پر سے گزر رہا تھا۔ میں نے نالی میں قرآن پاک کا ایک ورق گرا ہوا دیکھا اور اس کو اٹھا کر عمامہ میں رکھ لیا تھا۔ حسن بصری نے فرمایا کہ صرف اسی بات کی وجہ سے آپ کی مغفرت کردی گئی۔ یہ بشارت سن کر بشر حافی نے توبہ کی اور ہمیشہ کے لیے عابد و زاہد بن گیا۔

پیامیو، دیکھی قرآن کی عظمت، عمر بھر کا شرابی کبابی قرآن کریم کے ادب کی وجہ سے اپنے زمانے کا امام بن گیا۔

محمد شاکر فرخ۔ مہت منو کاکوری، لکھنؤ

بیرنگ لفافہ

زاہد کو پٹنہ سے ہمیشہ یعنی ہر دن ایک بیرنگ لفافہ ملتا تھا جو اس کا دوست سالم بھیجا کرتا تھا۔ روز اسے ایک روپیہ کا خسارہ ہوتا زاہد سے ڈاکیا نے دریافت کیا۔ صاحب آپ کو ایک ہی جگہ سے بیرنگ لفافہ ملتا ہے۔ اس میں کیا لکھا ہوتا ہے؟

زاہد نے پریشانی ظاہر کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں صرف "خیریت سے ہوں اور خیریت چاہتا ہوں" لکھا ہوتا ہے۔

ڈاکیا نے زاہد کو کوئی مشورہ دیا دوسرے ہفتہ سالم کو وی پی ملی اس نے ڈاکیا سے دریافت کیا کہاں سے آئی ہے۔

ڈاکیا: صاحب یہ زاہد نے رانچی سے بھیجی ہے۔

یہ سن کر سالم کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور اس نے ڈاکیہ سے پوچھا کتنے کی وی۔پی ہے۔

ڈاکیا۔ یہ پچاس روپے کی ہے۔

سالم نے روپے ادا کیے اور جلدی سے وی۔پی کو کھول کر دیکھا کہ میرے دوست نے کیا تحفہ بھیجا ہے تو اس میں پانچ کلو کا پتھر تھا اور ساتھ ہی ایک پرچہ لکھا ہوا تھا۔ "یار تمہاری خیریت سن کر میرے سر سے اتنا بڑا بوجھ ٹل گیا۔"

محمد شاہد انجم۔ مدرسہ دار العلوم الاسلامیہ۔ بمبئی۔

نانی جان

انسانی زندگی دو رنگی ہے اس کا ایک سرا خوشی و مسرت سے ملا ہوتا ہے تو دوسرا سرا رنج و غم، آلام و مصائب سے ہم کنار ہوتا ہے، اس حقیقت کو شاعر نے یوں ادا کیا ہے ؎

جہاں بجتی ہے شہنائی وہیں ماتم بھی ہوتے ہیں

شوال المکرم کی چھے تاریخ ہے مارچ کا مہینا ہے تقریباً دو بجے دن اللہ تعالیٰ کے کلام كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کی حقیقت رونما ہوتی ہے اور ہماری پیاری نانی جان اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملتی ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا میں موت و حیات کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ جس نے بھی اس دنیائے فانی میں آنکھیں کھولیں اسے موت کا مزہ چکھنا ایک یقینی چیز ہے۔ عقل و خرد ذہن و دماغ اس وقت عجب کشمکش میں ہے اور ایسے میں بار بار رب العلمین کی کی شانِ خالقیت کا رعب پیدا ہوتا ہے کہ ابھی وہ جگہ جہاں کل ہر طرح کی خوشیاں شادمانیاں اور عیش و عشرت کے نغمے گائے جا رہے تھے۔ جہاں قمقموں کی جگمگاہٹ سے آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں وہیں آج ماتم کا عالم برپا ہے جہاں سے کل عمدہ لذیذ کھانوں کی مہک اٹھتی تھی وہیں سے آج کافور کی مہک اٹھ کر یہ اعلان کر رہی ہے کہ کوئی دارِ فانی سے دارِ آخرت کو جا چکا ہے کل جہانوں کا تانتا بندھا ہوا تھا آج سوگواروں کا ایک مجمع ہے نانی جان تو عرصہ سے دماغ کے مرض میں مبتلا تھیں بار بار دماغ کا دورہ پڑتا تھا دوا وغیرہ ہوتی افاقہ ہو جاتا لیکن کل نمازِ عشا کے لیے وضو کر رہی تھیں کہ اچانک گر پڑیں۔ جب ان کو اٹھایا گیا تو آنکھ بند ہو چکی تھی زبان خاموش ہو چکی تھی۔ حواس معطل ہو چکے تھے۔ لاکھ جتن کیے گئے لیکن سب بے سود اس لیے کہ دماغ کی رگ پھٹ گئی تھی پھر بھی ڈاکٹروں کو بلایا گیا علاج و معالجہ کا سلسلہ چلا لیکن ڈاکٹروں نے کہا کہ ان کی جو حالت ہو چکی ہے اب آگے کے لیے کوئی اچھی امید نہیں پھر بھی انسان تدبیر کرتا ہے ماموں جان اور دوسرے اعزا و اقارب اطمینان کے لیے فاطمہ ہاسپٹل لے گئے وہاں بھی ڈاکٹروں نے صاف جواب دے دیا۔ گھر والے مسلسل کوشش میں لگے رہے آخرکار انسان کو تقدیر کے آگے زیر ہو جانا پڑا اس حقیقت کو ڈاکٹر شوکت خیرآبادی نے یوں پیرہن دیا ہے ؎

مٹ نہیں سکتا کبھی لکھا ہوا تقدیر کا
سر جھکا کر گھس گیا ناخن میری تدبیر کا

آخر ساڑھے بارہ بجے نانی جان کو لے کر گھر کی طرف روانہ ہوئے، گھر پہنچ کر دو بجے کے بعد خالق حقیقی سے جا ملیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

عبیداللہ طاہر متعلم مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد ضلع مئو

ہائے بکرا... ہائے بکرا

کر لیا قابو جو بکرے کو پکڑ کر ٹانگ سے
تب قصائی نے گلے پہ اس کے خنجر رکھ دیا
کاٹ کر اک تھالی میں پہلے تو رکھا ران کو
پھر کلیجا رکھ دیا، ”دل رکھ دیا... رکھ دیا“

حاضر جواب طالب علم

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
جتنا بھی دباؤ گے، اتنا ہی [illegible]
[illegible]

نے بیے بغداد بھیجا۔ پادری بغداد آیا۔ ایک تخت
پر فرشی بچھا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اگر کوئی مسلمان
میرے چار سوالوں کا جواب دے دے تو میں
مسلمان ہو جاؤں گا۔ ورنہ مسلمان عیسائی ہو جائے۔
یکے بعد دیگرے لوگ آتے گئے مجمع بڑھتا گیا۔
ادھر طالب علموں کی ایک جماعت مدرسہ جا رہی تھی۔
بھیڑ دیکھ کر پوری جماعت پادری کے پاس آپہنچی۔
سوال سن کر ایک ذہین طالب علم آگے بڑھا
اور حسب ذیل گفتگو کی۔

طالب علم:۔ پادری جی! کہیے آپ کے چار سوالات کیا ہیں؟

پادری جی:۔ کیا آپ میرے سوالات کا جواب دیں گے؟

طالب علم:۔ ہاں! مگر ایک شرط ہے، اور وہ یہ کہ آپ سائل ہیں اور میں جواب دینے والا۔ ظاہر ہے کہ جواب دینے والا سائل سے افضل اور محترم ہوتا ہے۔ اس لیے آپ تخت سے نیچے آئیں اور میں تخت پر بیٹھوں، پھر جواب دوں گا۔

پادری جی:۔ (نیچے اتر کر) اچھا تو بتائیے میرا پہلا سوال یہ ہے کہ خدا اس وقت کیا کرتا ہے؟

طالب علم:۔ فوراً۔ ایک کو تخت سے نیچے اتارتا ہے اور مجھ جیسے حقیر کو تخت پر بٹھاتا ہے (ایک آدمی کو عزت دیتا ہے اور ایک کو ذلت دیتا ہے۔)

پادری جی جواب سن کر لاجواب ہو گئے۔

طالب علم:۔ ہاں پادری جی! اب دوسرا سوال بتائیے۔

پادری جی:۔ خدا سے پہلے کون تھا؟

طالب علم:۔ آپ کو کچھ گنتی یاد ہے؟

پادری جی:۔ [illegible]

[illegible]

طالب علم:۔ پھر الٹا گنیے۔

پادری جی:۔ پانچ۔ چار۔ تین۔ دو۔ ایک

طالب علم:۔ پادری جی! آپ تو بڑے احمق ہیں۔ ذرا سوچیے تو جب اعداد مجازی میں ایک سے پہلے کچھ نہیں ہے۔ تو پھر معبود حقیقی جو واحد یکتا ہے اس سے پہلے کیا ہو سکتا ہے۔ پادری جی جواب سن کر متحیر اور ششدر رہ گئے۔

طالب علم:۔ بتائیے تیسرا سوال کیا ہے؟

پادری جی:۔ خدا کا منہ کس رخ ہے؟

طالب علم:۔ (ایک چراغ جلا کر) بتلائیے اس کی روشنی کا رخ کدھر ہے ... پادری جی سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔ بلکہ طالب علم کی حاضر جوابی پر منہ تکتا رہ گیا۔

طالب علم:۔ (پُرمسرت آواز میں) فرمائیے چوتھا سوال کیا ہے؟

پادری جی:۔ خدا کہاں ہے؟

طالب علم:۔ پادری جی! پہلے آپ یہ بتائیے کہ روح کہاں ہے۔ یہ تو آپ کے جسم سے منسلک ہے۔ اگر آپ روح بتا دیں تو میں خدا کو بتا دوں گا...

پادری جی نے طالب علم کی حاضر جوابی پر خوش ہوتے ہوئے پڑھ لیا۔ کلمہ طیبہ لا إله إلا الله محمد رسول الله ...

پیارو! میں جانتی ہوں کہ آپ لوگ پریشان ہو رہے ہوں گے کہ آخر یہ طالب علم کون تھا؟ جو اتنی دلیری سے پادری کے ساتھ مناظرہ کر رہا تھا۔ سنو! یہ کوئی آسمان کا فرشتہ تھا اور نہ جنات کا سردار۔ یہ چھوٹا سا بچہ [illegible] تھا مگر انھوں نے تخت سے [illegible] رکھا تو مناظرہ میں جیت [illegible] ان کے قدم چومے۔ [illegible]

ان کے [illegible]

مسائل فقہ اب علم کا نام ہے "حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ" یہی وہ شخص ہیں جن کے مسلک پر ہم، تم اور سبھی لوگ چلتے ہیں۔

عصر الاسرار بنت شیخ عبادالرزاق، منگلوارہ، کارنجہ۔

بندر اور خرگوش کی دوستی

کسی زمانے میں ایک بندر رہا کرتا تھا وہ روزانہ ایک باغیچے سے آم چرا کر کھایا کرتا تھا ایک دن باغ کے مالک نے اُسے دیکھ لیا اور دوسرے دن مالک پوری تیاری سے بیٹھ گیا۔ رات کا وقت تھا کوئی دو بج رہے ہوں گے۔ بندر پھر وہاں گذشتہ رات کی شرارت کی طرح چڑھ گیا اور آم چرا کر کھانے لگا۔ اب مالک نے ڈنڈا اٹھایا اور بندر کو پکڑ کر باندھ دیا۔ اب بندر بیچارا رات بھر بھوکا پیاسا بندھا رہا۔ صبح وہاں سے ایک خرگوش کا گزر ہوا۔ بندر نے خرگوش کو اپنے پاس بلایا اور کہا اگر تم میری رسّی کاٹ دوگے تو میں زندگی بھر تمہارا شکر گزار رہوں گا خرگوش نے رحم کھا کر اس کی رسّی کاٹ دی جب مالک باغ میں آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں پر رسّی کے سوا کچھ نہیں۔ وہ حیرت میں پڑ گیا کہ بندر نے رسّی کیسے کھولی۔ دوسری صبح کو کیا دیکھتا ہے کہ بندر اور خرگوش اس کے باغیچے میں سیر کر رہے ہیں۔ مالک نے خرگوش کے پاس جا کر کہا "یہ بندر چور ہے" خرگوش نے کہا "اب یہ چوری نہیں کرے گا اس نے توبہ کر لی ہے" باغ کے مالک نے بندر کو معاف کر دیا ورنہ آج وہ بندر کو جان سے مارنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

دیکھا پیامی بھائیو! غلطی کا اعتراف کرنے اور معافی مانگنے سے بندر کی جان بچ گئی۔

بکرے کی ماں

قصائی خوں بہانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں
کریں کھالوں کا جو بیوپار سب ہوشیار بیٹھے ہیں
جو پوچھا ایک بکرے سے کہ ہے کیا حال تو بولا
"مجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں، ہم بیزار بیٹھے ہیں"

شاداب خان ۵۰، یوسف منزل، غیبی نگر، بھیونڈی

حقوق کی رعایت

ابوسلمہؓ ابن عبدالرحمٰنؓ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ارشاد فرمایا کیا مجھے علم نہیں کہ تو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات کو تہجد گزاری کرتا ہے۔ میں نے کہا ہاں کیوں نہیں اے اللہ کے رسولؐ۔ ارشاد فرمایا تو ایسا مت کر۔ روزہ رکھ اور افطار کر، تہجد گزاری کر اور سو، کیوں کہ تیرے بدن کا تجھ پر حق ہے اور تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے اور تیری بیوی کا تجھ پر حق ہے۔ (بخاری شریف)

حدیث پاک سے اس امر کا اعلان ہے کہ انسان زیادہ سے زیادہ عبادت خداوندی کرے خدا کا مقرب بندہ بننے کی کوشش کرے اور ہر طرح سے خدا اور اس کے رسول کے مطیع و فرمانبردار ہو کر خدا کی نعمتوں بھری جنت کو حاصل کرے لیکن اس بات سے روکا گیا

ہے کہ انسان ہمیشہ روزہ رکھے کبھی افطار نہ کرے کیوں کہ اس صورت میں جسم کا حق ادا نہ ہوگا اور پوری رات تہجد گزاری کرے اور رات کو نہ سوئے سے بھی آقا نے منع فرمایا ہے کیونکہ اس حال میں آنکھ اور بیوی دونوں کی حق تلفی ہوگی۔ دوسری روایت سے جسم کے حق کی رعایت میں ہی صوم داؤد کو افضل اور بہتر قرار دیا گیا ہے کہ ایک دن روزہ رکھا جائے اور ایک دن افطار کیا جائے اور چشم و زوجہ کے حق کی رعایت کرتے ہوئے حدیث رسولؐ سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد گزاری کرتے تھے اور سوتے بھی تھے۔

محمد اشفاق صادق دارالعلوم امدادیہ بمبئی سے

سمجھ دار منیم

ایک رئیس تھا وہ گانا سننے کا بڑا شوقین تھا۔ اس کا ایک منیم تھا وہ بہت چالاک اور سمجھ دار تھا۔ جب بھی رئیس مغنیؔ کو انعام دینے کا وعدہ کرتا تو وہ ایسی چالاکی سے کام لیتا کہ مغنی کو اداس ہو کر ہی واپس جانا پڑتا اور کسی کی بھی یہ ہمت نہ ہوتی کہ وہ جائے اور رئیس سے جا کر شکایت کرے کیوں کہ منیم جو بات کہتا وہ بالکل سچ ہوتی۔ منیم ایسا اس لیے کرتا کیوں کہ اسے رئیس کی یہ عادت بہت بری لگتی تھی وہ سوچتا کہ اس پیسے کو کسی غریب کو دے دیا جائے تو بہت اچھا رہے گا۔ تو وہ انعام خود لے کر غریبوں میں بانٹ دیتا۔

ایک بار رئیس کے پاس ایک مغنیؔ آیا اور اس نے اپنے گانے سنائے۔ اس کے گانے سن کر رئیس بہت خوش ہوا اور اس کی تعریف کرتے ہوئے بولا "واہ تمھاری آواز بہت اچھی ہے گانا سن کر دل خوش ہوگیا۔"

اس نے منیم کو بلایا اور کہا کہ "اس کو اتنا انعام دو کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔" یہ سن کر مغنیؔ بڑا خوش ہوا، اور یہ سوچ کر منیم کے پیچھے ہو لیا کہ آج تو خوب انعام ملے گا۔ جب وہ باہر آئے تو منیم نے اس سے بڑی نرمی سے پوچھا "کتنا پیسا چاہیے"

مغنیؔ بڑی خوشی سے بولا "کم از کم ایک ہزار روپے" منیم نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا "صرف اتنے ہی، میں تو سوچ رہا تھا کہ میں تمھیں ایک ہزار کے بجائے دو ہزار روپے دوں۔ کہو کیسا رہے گا؟"

مغنیؔ بہت زیادہ خوش ہو کر بولا "آپ بڑے ہی رحم دل ہیں۔ آپ کی بات سن کر تو میرا دل خوش ہوگیا۔ بڑی مہربانی ہوگی اگر آپ مجھ کو دو ہزار روپے دیں۔ منیم نے فوراً اپنا لہجہ بدل دیا اور بولا "کس کا پیسا؟ کیا دیا تم نے پہلے، جو ہم تمھیں اس کے بدلے میں دیں؟"

مغنیؔ چونک کر بولا "ارے یہ کیسی بات کر رہے ہیں؟ ابھی تو میں نے آپ کے مالک کو اپنا گانا سنا کر خوش کیا تھا" منیم "تو کیا ہوا میں نے بھی تو تم کو دو ہزار والی بات سنا کر خوش کیا۔"

یہ سن کر مغنیؔ چپ چاپ چلا گیا۔

فاطمہ اصلاحی، سرسید نگر۔ علی گڑھ، یو۔پی

بیربل کی عقلمندی

فارس کا بادشاہ، بیربل کی عقلمندی کی بہت تعریف سنا کرتا تھا اس لیے اسے بیربل کو دیکھنے کا بہت اشتیاق ہوا۔ اکبر بادشاہ کے نام ایک

فرمان بھیجا۔ اس میں بیربل کو بلانے کی بات لکھی تھی وہ ایلچی کئی دن کی مسافت طے کرنے کے بعد شاہی دربار میں پہنچا اور بادشاہ کو ادب سے سلام کرکے فارس کے بادشاہ کا بھیجا ہوا فرمان دکھایا۔ بادشاہ فرمان پڑھ کر بہت خوش ہوا اور ایلچی کو خاص شاہی مہمان خانے میں آرام کرنے کی اجازت دی۔ وہاں عیش و آرام کی سبھی چیزیں مہیا تھیں۔ دوسرے دن بادشاہ نے بڑے ٹھاٹھ باٹ کے ساتھ بیربل کو فارس بھیج دیا۔ بیربل نے فارس پہنچ کر شہر کے باہر ایک باغ میں اپنا ڈیرا لگایا اور ایلچی کو اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے فارس کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ جب بادشاہ نے سُنا کہ بیربل شاہی محل کے باہر حکم کا انتظار کر رہا ہے تو اس نے اپنے تمام درباریوں کو اپنی جیسی دیدہ زیب اور قیمتی پوشاک پہنادی اور خود بھی انہی درباریوں میں بیٹھ گیا اور بیربل کو آنے کی اجازت دے دی۔ بیربل راج محل میں بادشاہ سے ملنے آیا وہاں ایک عجیب بات دیکھی۔ سب لوگ ایک ہی طرح کی پوشاک پہنے ہوئے بیٹھے تھے۔ بیربل ایک طرف سے سب کو سلام کرتے ہوئے دھیرے دھیرے بادشاہ کے پاس پہنچا اور اس کو ادب سے سلام کر کے اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے فرمایا "بیربل تم کو کیسے معلوم ہوا کہ میں ہی فارس کا بادشاہ ہوں؟" بیربل نے جواب دیا۔ غریب پرور آپ کی نظر سب پر تھی اور سب کا دھیان آپ پر تھا۔ اس سے میں نے آپکو بغیر کسی اُلجھن کے آسانی سے پہچان لیا۔

محمد ابرار حسینی، مسجد اسٹریٹ، جے سی نگر، بنگلور ۶

لنگڑا فقیر

ایک دن مُلاّ نصرالدین اور اس کی بیوی میں رات کے وقت صدر دروازے کی کنڈی لگانے پر بحث ہوگئی۔ مُلاّ کہتے تھے کہ روزانہ میں کنڈی لگاتا ہوں آج ہرگز نہ لگاؤں گا۔ بیوی کا کہنا تھا کہ یہ غلط ہے کنڈی میں لگاتی ہوں۔ کافی دیر تک تکرار ہونے کے بعد اس پر اتفاق ہوا کہ آج وہ کنڈی لگائے گا جو پہلے بولے گا۔ یہ کہہ کر دونوں چُپ ہوگئے اور ایک دوسرے کی زبان کھلنے کا انتظار کرنے لگے۔ اسی خاموشی کے عالم میں کافی رات ہوگئی۔ بیوی نے رات کا کھانا دسترخوان پر چُنا۔

دونوں میاں بیوی دسترخوان پر بیٹھ گئے۔ وہ کھانا شروع کرتے ہی کو تھے کہ اچانک کسی فقیر نے دروازے پر صدا دی۔ دونوں میں سے کوئی نہ بولا۔ فقیر نے جو دروازہ کھلا پایا تو آہستہ سے مکان میں داخل ہوگیا اور ان لوگوں کے قریب آکر بیٹھ گیا۔ یہ لوگ اس پر کچھ نہ بولے۔ فقیر کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ آخر یہ کیا ماجرا ہے؟ وہ کچھ دیر تک بڑے سکون سے دیکھتا رہا لیکن بعد میں اپنی بھوک پر قابو نہ رکھ سکا۔ اس نے چپکے سے سالن روٹی اپنی طرف کھینچی اور کھانا شروع کردیا۔ مُلاّ اور اس کی بیوی دیکھتے رہے لیکن مُنہ سے کچھ نہ بولے انھیں کنڈی لگانے سے بڑھ کر اپنی بات خراب ہونے کا ڈر تھا۔ فقیر دھیرے دھیرے سب کھانا چٹ کر گیا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب بھی دونوں میاں بیوی چُپ سادھے بیٹھے ہیں تو اس کو شرارت سوجھی۔ اس نے بچی کھچی ہڈیوں کا ہار بنایا اور مُلاّ کے گلے میں ڈال کر گھر سے باہر

چلا آیا۔ اس کے جاتے ہی ایک کتا گھس آیا۔
کتے نے آتے ہی ملا کے گلے میں پڑی ہوئی
ہڈیوں پر منہ مارا اور ایک ہڈی منہ میں دبا کر
باہر نکلنا چاہا۔ ملا کو ڈر لگا کہ کہیں کتا دوبارہ
خود مجھے ہی آکر زخمی نہ کردے۔ اس لیے وہ کتے
کے ساتھ ساتھ گھر سے باہر نکل آئے تاکہ کتے
کو مار سکیں۔ اب تو بیوی سے ضبط نہ ہوسکا
وہ ایک دم چلائی اے خدا کے بندے! اب تو
لوٹ آؤ کنڈی نہیں لگانا ہے تو نہ لگاؤ۔
بیوی کی آواز سن کر ملا کی جان میں
جان آئی۔ ہڈی کی مالا گلے سے اتار پھینکی اور
ڈنڈا اٹھا کر کتے کو مار بھگایا۔ پھر بیوی
سے بولے۔ دیکھا کس کی جیت ہوئی؟ یہ سچ
ہے مرد ہمیشہ عورت پر حاوی رہتا ہے۔ اب
جاؤ اور خاموشی سے کنڈی لگا کر آؤ۔

عبدالرحمٰن، محلہ پورہ صوفی مبارکپور اعظم گڑھ

ایک خوف ناک واقعہ

آپ سبھی پیامیوں کو میں ایک خوف ناک
کہانی اپنے بارے میں سنانا چاہتا ہوں۔
تین سال پہلے کی بات ہے کہ میرے گھر کے
پچھلی جانب ایک کھڑکی تھی۔ میری ماں نے
مجھ سے کہا، بیٹا کھڑکی بند کردو شام ہوچکی ہے۔
کیونکہ شام کے آٹھ بج چکے تھے۔ اندھیرا
ہوگیا تھا۔ برسات کا موسم تھا۔ تھوڑی تھوڑی
بارش ہو رہی تھی۔ میرے ہاتھ میں لائٹ وغیرہ
کچھ نہیں تھی۔ میں بہت دھیرے دھیرے کھڑکی
کی جانب بڑھ رہا تھا۔ جیسے ہی میں نے کھڑکی
کی چوکھٹ پر پیر رکھا۔ اس وقت میں نے

ایک بے وقوف بجلی کے کھمبے کو زور زور
سے بجا رہا تھا۔ دروازہ کھولو ادھر سے
ایک راہگیر گزرا اس نے کہا ارے یہ بجلی کا
کھمبا ہے گھر نہیں ہے۔
بے وقوف۔ ارے جاؤ تم نے مجھے شرابی
سمجھا ہے اگر یہ گھر نہیں تو اوپر والی منزل
میں روشنی کیسے ہورہی ہے؟"

ایک نہایت خوف ناک چہرہ اپنے سامنے دیکھا۔
پہلے تو میں سمجھا کہ میرا بڑا بھائی ہوگا کیونکہ
اندھیرا ہونے کی وجہ سے پہچان نہیں سکا
تھا۔ دو تین منٹ تک میں اس چہرے کو
اپنے سامنے دیکھتا رہا۔ پھر مجھے ایسا لگا کوئی
مجھے اپنی طرف کھینچ رہا ہے۔ میں الٹے پیر
چیخ مار کر دوڑتے ہوئے اپنی ماں کے کلیجے
سے لپٹ گیا۔ مجھے اس وقت کچھ یاد نہیں
آرہا تھا کہ میں کیسے اپنی ماں کی گود تک پہنچ
گیا۔ میں اپنی ماں کی گود سے لپٹ کر کہہ رہا
تھا کہ دروازہ بند کردو، وہی آرہا ہے۔ میرے
گھر کے سب لوگ بہت پریشان ہوئے۔ میری
ماں نے اس وقت وضو کیا اور سورہ بقرہ
پڑھنے بیٹھ گئیں تب مجھے کچھ راحت ملی۔ پھر
میں ٹھیک ہوگیا۔ لیکن یہ درد ناک واقعہ جب
مجھے یاد آتا ہے تو میرا دل سہم جاتا ہے۔

محمد خالد اعظمی۔ سرائے میر اعظم گڑھ یوپی

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ...

انسان کی خواہشوں اور چاہتوں کی کوئی

حد مقرر نہیں۔ انسان اس دنیا میں شخصی طور پر ابھرنے اور آگے بڑھنے کی کوشش میں ہمیشہ سے مصروف ہے۔ زندگی میں انسانی خواہشات کی تکمیل کس قدر ہوتی ہے یہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ یہ زندگی دکھوں مصیبتوں، آرام وآسایش پیار ومحبت، غم وآلام، کامیابی، ناکامی کا حسین امتزاج ہے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ ہماری ہر خواہش پوری ہوجائے۔ ہماری کچھ خواہشات پوری ہوتی ہیں اور کچھ پوری نہیں ہوتی۔ لیکن ہماری خواہشات مرنے دم تک بھی جاری رہتی ہیں۔ کسی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرکے بڑا آدمی بنے۔ غریب طالب علموں کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور نوکری کرکے گھر کے معاشی حالات درست کریں۔ غرض کہ ہر انسان کے دل میں کوئی نہ کوئی خواہش ضرور ہوتی ہے۔

چاند اور ستاروں پر کمنڈ ڈالنے والا انسان مسلسل جدوجہد میں لگا ہوا ہے۔ سائنس کے جدید وسائل اور ذریعوں نے تسخیر کائنات کے شوق کی تکمیل کے لیے نئی نئی راہیں بھی کھول دیں۔ پچھلے سو سالوں سے یہ جدوجہد اور بھی تیز ہوگئی ہے۔ بے اندازہ خرچ اور بے پناہ قوت صرف کرکے انسان نے چاند پر پہنچ کر ہی دم لیا۔ اس کی ہزاروں سال پرانی خواہش آخر پوری ہوکر ہی رہی۔ اب دوسری خواہشات نے جنم لینا شروع کیا۔ انسان کے دماغ میں یہ خواہش بھی پیدا ہوئی کہ کیوں نہ فضا میں فضائی پلیٹ فارم قائم کیا جائے۔

غرضیکہ ڈھیروں خواہشات پوری ہونے کے بعد بھی انسان کی خواہشات ختم نہیں ہوتیں۔

سعدیہ فخرالدین، دلشمکہ۔ بمبئی نمبر ۱۵

انٹرویو ایک پیامی سے

س ۔ آپ کا اور آپ کے والد مکرم کا کیا نام ہے؟

ج ۔ میرا نام محمد شعیب باغبان ہے اور والد صاحب مکرم کا غلام حسین باغبان ہے۔

س ۔ آپ کہاں رہتے ہیں؟

ج ۔ جی میں باغبان محلہ اتھنی میں رہتا ہوں۔

س ۔ آپ کا مشغلہ کیا ہے؟

ج ۔ جی میں مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتا ہوں۔

س ۔ آپ کس درجے اور کس اسکول میں پڑھتے ہیں؟

ج ۔ میں مدرسہ دارالعلوم نبانی صوبہ کرناٹک میں عربی چہارم میں پڑھتا ہوں۔

س ۔ آپ کے پسندیدہ رسائل اور کتابیں کون کون سی ہیں؟

ج ۔ پیام تعلیم، الحسنات، تعمیرِ حیات، الرسالہ وغیرہ

س ۔ آپ کو پیام تعلیم سے لگاؤ کب سے ہے؟

ج ۔ جی، بچپن سے۔

س ۔ آپ کو کس زبان سے زیادہ لگاؤ ہے؟

ج ۔ مجھے عربی اور اردو سے زیادہ لگاؤ ہے۔

س ۔ اچھا تو آپ مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہیں؟

ج ۔ جی میں مستقبل قریب میں مبلغ وشاعر بن کر امت محمدیہ کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

س ۔ آپ کا پسندیدہ شاعر کون ہے یا آپ کو کس کے اشعار پسند ہیں؟

ج ۔ میرے پسندیدہ شاعر ڈاکٹر محمد اقبالؒ ہیں اور مجھے شکیل، جگر، حالی کے اشعار بھی پسند ہیں۔

س ۔ آپ کے پسندیدہ مصنف کون کون سے ہیں؟

ج۔ مولانا ابوالحسن ندوی، مولانا اشرف علی تھانویؒ
مولانا منظور احمد نعمانی۔
س۔ آپ کو کیا پسند ہے۔؟
ج۔ جی، مجھے سادگی پسند ہے۔
س۔ آپ کا پتا؟
ج۔ محمد شعیب ابن غلام حسین باغبان، کرناٹک سوڈا فیکٹری اتھنی ضلع بیلگام کرناٹک ۵۹۱۳۰۴

محمد عبدالستار موٹی ندآف ساگانوں تعلقہ کاگل، کولہاپور

تباہی اور بربادی کی علامت

کوہِ آتش فشاں

ابھی فلیپائن کے کوہِ آتش فشاں "ماؤنٹ پیناتوبو" کا مشتعل شعلہ گل بھی نہیں ہوا تھا کہ پورٹ بلیر (جزائر انڈمان ونکوبار) سے لگ بھگ ۱۲۰ کلومیٹر دور انڈمان سمندر میں واقع جنگل اور جھاڑیوں سے گھرے BARREN ISLAND میں ۱۸۸ برسوں سے خوابیدہ کوہِ آتش فشاں اچانک لاوا اگلنے لگا۔ یہ پگھلا ہوا لاوا اس جزیرہ کے ۳ کلومیٹر علاقے تک پھیل گیا۔

انسان زمانہ قدیم سے کوہ آتش فشاں کے پھٹنے سے ہونے والی تباہی اور بربادی کا شکار ہوتا رہا ہے۔ اس کے پھٹنے سے بھیانک تباہی ہوئی ہے۔ یہ قیامت صغرا ہے اس سے گاؤں کے گاؤں اجڑ گئے ہیں۔ بے شمار آبادیاں ویران ہوئی ہیں۔ کتنی عورتیں بیوہ ہوئیں۔ کتنے سہاگ اجڑے ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر عہد قدیم میں کچھ لوگوں کے ذہن، عقائد اور مذہب پر بھی کوہِ آتش فشاں نے اپنا اثر چھوڑ دیا۔ انگریزی کا لفظ VOLCANO (لاطینی لفظ) VOLCAN سے بنا ہے۔ عہد قدیم میں روم کے باشندوں کے "اگنی دیوتا" کا نام بھی VOLCAN تھا۔ ان لوگوں کا یقین اور عقیدہ تھا کہ ان کا دیوتا اٹلی کے ساحلی علاقہ میں کسی جوالا مکھی (کوہ آتش فشاں) یا VOLCANIC ISLAND کے نشیب میں رہتا ہے۔ اسے یہ لوگ VOLCANO ISLAND کہتے تھے۔

فلیپائن کا کوہ آتش فشاں "ماؤنٹ پیناتوبو" کا غیظ و غضب ابھی ختم بھی نہیں ہوا تھا کہ جاپان کے ناگاساکی علاقہ میں ۱۹۹ برسوں سے خوابیدہ "اون جین" کوہ آتش فشاں ۱۱ جون ۱۹۹۱ء کو اچانک پھٹ گیا۔ اس سے نکلا ہوا لاوا "شیمابارا گھاٹی" میں پھیل گیا۔ اس اچانک حادثہ سے بے شمار لوگ متاثر ہوئے۔

جزائر انڈمان ونکوبار کی راجدھانی "پورٹ بلیر" سے شمال مشرق کی جانب لگ بھگ ۱۲۰ کلومیٹر دور بحر انڈمان میں واقع ہندستان کا واحد بحری کوہ آتش فشاں BARREN ISLAND قریب ۱۸۸ برسوں

ایک لڑکے نے استاد سے کہا سر آج کل رہی تھیں ہم آپ کو مرغی کا تحفہ بھیجیں گے ماسٹر بہت خوش ہوئے اور تحفے کا انتظار کرنے لگے جب ہفتہ گزر گیا اور مرغی نہ آئی تو انھوں نے لڑکے کو یہ بات یاد دلائی۔ لڑکا بلبلا کر بولا "سر وہ مرغی تو اچھی ہو گئی ہے اور پھر سے دانہ کھانے لگی ہے اور انڈے بھی دینے لگی ہے"

طویل خاموشی کے بعد یوں تو اپریل ۱۹۹۱ء
سے ہی ہلچل شروع ہوگئی تھی لیکن لاوا اور
آگ جولائی ۱۹۹۱ء سے نکلنی شروع ہوئی۔
BARREN ISLAND میں کوہ آتش فشاں
کے پھٹنے کی خبر ۳۰ اپریل ۱۹۹۱ء میں اس وقت
لگی جب LIGHT HOUSE اور LIGHT SHIP
کے ملازمین کی ایک ٹولی وہاں کی سب سے اونچی
پہاڑی "سیڈل پیک" کے آس پاس لائٹ
ہاؤس کے کاموں کا معائنہ کر رہی تھی۔ دور
شمال جانب سے دھواں اٹھتا دیکھ کر ان لوگوں
کو محسوس ہوا کہ شاید کسی OIL TANKER CARGO
SHIP میں آگ لگ گئی ہے۔ مزید معلومات
کے لیے وہ اپنے محکمہ کے آبی بیڑہ
"ساگر دویپ" SHIP SAGAR DWEEP میں اس
طرف چل پڑے۔ اس جزیرہ خاص تک
پہنچتے پہنچتے ان کو اصلیت کا پتا چل گیا۔
BARREN ISLAND کے کوہ آتش فشاں
سے لگ بھگ ۸۰۰ میٹر اونچائی تک دھوئیں
کا بادل نکل رہا تھا۔ اس دھوئیں کے ساتھ
آگ کے فوارے کی شکل میں خارج ہوتا ہوا
گرم لاوا ۷۰ میٹر کی اونچائی تک پہنچ رہا تھا۔
آہستہ آہستہ یہ بہتا ہوا لال گرم لاوا لگ بھگ
۲۵۰ میٹر لمبی ندی کی شکل اختیار کر گیا۔
GEOLOGIST کے مطابق اس کوہ آتش
فشاں کا صدر دروازہ یا VENT ابھی بند پڑا
ہے۔ یہ لاوا ایک نئے VENT سے خارج
ہو رہا تھا۔ تین مہینے کے وقفے میں ایک بڑا
اسپیٹر زاویہ نما اس حلقہ میں نمودار ہو چکا
تھا۔ اس جوالامکھی حادثہ کی وجہ سے گرد
نواح کی بحری حرارت بھی بڑھ گئی۔ اس جزیرہ
میں لگے ہوئے اس علاقہ کے سبھی پیڑ پودے
جل کر راکھ ہو گئے۔

BARREN ISLAND یہ ویران بنجر جزیرہ
لگ بھگ ۳۵۳ میٹر اونچا ہے۔ چرند اور
پرند کے نام پر اس جزیرہ میں صرف جنگلی بکریاں
ہرن اور بھیڑ پائے جاتے ہیں۔ قرین قیاس
ہے کہ ۱۸ویں صدی کے وسط میں کسی انگریز
افسر کے ذریعہ جزیرہ کو آباد کرنے کی غرض سے
یہ بھیڑ، بکریاں اور ہرن یہاں چھوڑ دی گئی
تھیں۔ ظاہر ہے کہ اب یہ سب جانور اس
کوہ آتش فشاں کی نذر ہو گئے ہوں گے۔

DEPPT.OF GEOLOGICAL SURVEY OF INDIA
کے سینئر سائنس داں ڈاکٹر ہلدر کے مطابق
بحر انڈمان میں واقع BARREN اور
دونوں ہی بحری کوہ آتش فشاں
ہیں۔ یہ سمندر کے اندر برما کے MOUNT TOPA
اور MOUNT UNTHA اور انڈونیشیا تک
مثلث نما پھیلے ہوئے ہیں۔

تحقیق سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ
BARREN ISLAND کوہ آتش فشاں اب
تک تین بار پھٹ چکا ہے۔ آج سے ۵۰ ہزار
برس پہلے، پہلی بار جب یہ جزیرہ عالم وجود
میں آیا تھا۔ دوسری بار ۱۸۰۲ء میں اور تیسری
بار اب یعنی ۱۹۹۱ء میں جزیرہ سے خارج
ہوتا ہوا دھواں اور آتش ۳۰ کلومیٹر دور سے
دکھائی دے رہا تھا۔ اس سے خارج ہوتے
ہوئے لاوا کی حرارت سی ۹۰۰ تھی جو سمندر تک
پہنچنے پر گھٹ کر سی ۶۰۰-۵۰۰ ہو جاتی تھی۔

ماہر موسمیات کے مطابق اس کوہ آتش فشاں
کے پھٹنے سے موسم بہت اثر انداز ہوا ہے۔
جنوبی انڈمان میں پینے کے پانی کا زبردست
مسئلہ پیدا ہو گیا تھا۔ لاوا، گیس اور دھوئیں

اسی وجہ سے انڈمان کے ماحول کو بہت زیادہ خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہے۔

محفوظ اختر، پورٹ بلیر۔ جزائر انڈمان ونکوبار

یوم آزادی

انگریز ہندستان میں تجارت کی غرض سے آئے تھے لیکن رفتہ رفتہ انھوں نے ہندستان پر قبضہ کرلیا اور ہندستانیوں کو اپنا غلام بنالیا پورا ملک غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر سسکنے لگا۔ انگریز ہندستانیوں کے ساتھ غلاموں جیسا سلوک کرتے تھے کسی کو کسی قسم کی آزادی حاصل نہیں تھی۔ انگریزی حکومت میں انگریزوں کو ہر طرح کی سہولتیں تھیں۔ مگر ہندستانیوں کی زندگی بدتر تھی جس کو چاہا جیل میں بند کر دیا۔ کسی کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں تھی۔ انگریزوں کے ظلم وستم اپنے عروج پر تھے۔ ہر طرف خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا۔ مگر ایسے حالات میں بھی کچھ آزادی کے متوالے اٹھے اور کہا۔

سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے۔
دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے

ان آزادی کے دیوانوں کو جیل میں اذیت دی گئی، کچھ کو پھانسی پر لٹکایا گیا مگر شمع آزادی کو انھوں نے بجھنے نہ دیا۔ پتا نہیں کتنے بے نام مجاہد آزاد ہوئے۔ قربانیاں لاکھوں نے دیں مگر نام کچھ لوگوں کا آیا۔ گاندھی، نہرو، مولانا آزاد ہی سرفہرست رہے۔ آزادی کی اہمیت پنجرے میں بند پرندے سے پوچھیے جو سونے کا نوالہ کھا کر بھی خوش نہیں ہوتا۔ آدمی اگر بھوکا ہو تو بھوک برداشت کر سکتا ہے مگر غلامی کے تر نوالے اسے پسند نہیں ہوتے یہی وجہ ہے کہ آزادی کے چاہنے والوں نے خوشی خوشی جانیں دیں مگر اپنے مقصد سے پیچھے نہیں ہٹے آخر انگریزوں نے اپنی بھلائی اسی میں سمجھی کہ اپنے وطن لوٹ جائیں۔

اور اس طرح انگریزوں کے جانے کے بعد آزادی کی شہزادی ہمارے وطن میں آئی اور آج ہم آزاد ہیں۔

انصاری صائمہ۔ کرلا بمبئی نمبر ۷۰

شاہی معمار

مصر کا ایک بادشاہ تھا اسے جواہرات سونا چاندی جمع کرنے کا بہت شوق تھا اور وہ اپنی رعایا سے ہر سال زبردستی سونا وصول کرتا تھا۔ اس دولت کے لیے اس نے ایک خاص کمرہ بنوایا تھا۔ جس کا صرف ایک خفیہ دروازہ تھا اس کا علم صرف بادشاہ ہی کو تھا۔ شاہی معمار جس نے یہ کمرہ بنایا تھا اس کی موت کا وقت قریب آگیا۔ اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو بلایا اور اس سے کہنے لگا میری موت کا وقت قریب آگیا ہے اور تم لوگوں کے لیے کچھ رقم بھی چھوڑ کر نہیں جا رہا ہوں کیونکہ بادشاہ میری محنت کے عوض صرف اناج ہی دیتا تھا۔ اب میں تمھیں ایک ایسا راز بتا رہا ہوں اگر تم دونوں اتفاق اور محبت سے ایک رہے تو ساری زندگی آرام اور مزے سے بسر کرو گے۔ جس کمرے میں دولت جمع ہے اس کا صرف ایک ہی دروازہ ہے جس کا علم صرف بادشاہ ہی کو ہے لیکن میں نے کمرے کا ایک پتھر اس طرح رکھا ہے جو دیکھنے میں تو ایسے نظر آتا ہے جیسے دیوار میں مضبوطی سے چنا ہوا ہے۔ اگر ہٹا دیا جائے

تو ایک آدمی آسانی سے اندر داخل ہو سکتا ہے۔ محل کی بیرونی دیوار کے آخری کونے میں جاؤ اور دیوار کے کنارے سے تیرھواں پتھر نکال لو بس پھر تم بے شمار دولت کے مالک بن جاؤ گے۔

چند دنوں بعد بوڑھے معمار کا انتقال ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد ہی دونوں بھائیوں نے اپنے باپ کی کہی ہوئی بات پر عمل کیا اور بیرونی دیوا کے آخری کونے میں تیرھویں پتھر کو ہاتھ لگایا تو اس میں حرکت ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک بھائی اندر داخل ہوا۔ وہ اس قدر دولت کے انبار دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کمرہ سونے چاندی وغیرہ سے بھرا ہوا تھا اس سے جتنا سونا اٹھایا جا سکا اٹھایا اور باہر نکل آیا۔ دونوں بھائی گھر پہنچے انھوں نے سوچا کچھ دن تو خوب مزے ہوں گے۔ صبح جب بادشاہ کمرے میں داخل ہوا تو فوراً بھانپ گیا کہ اس کے علاوہ بھی کوئی دوسرا یہاں آیا ہے جس نے اس دولت کے انبار پر ہاتھ صاف کیا ہے۔ وہ حیران تھا کہ آخر وہ کون ہے؟ اس کشمکش میں کوئی دو مہینے کا عرصہ گزر گیا۔ ایک دن دونوں بھائی پھر آئے اور کافی مال لے گئے۔ بادشاہ حیران تھا ایک روز اسے ایک ترکیب سوجھی۔ اس نے ایک شکنجہ تیار کروا کے کمرے میں لگا دیا کہ اگر کوئی پاؤں رکھے تو اس کا پاؤں اس میں جکڑ جائے۔

تیسری بار جب دونوں بھائی آئے اور بڑا بھائی پتھر نکال کر داخل ہوا تو اس کا پاؤں شکنجے میں پھنس گیا۔ لاکھ کوشش کرنے کے باوجود بھی نہ نکال سکا۔ آخر اس نے اپنے بھائی سے کہا۔ اب میں تو یہاں سے نکل نہیں سکتا اور صبح بادشاہ نے مجھے دیکھ لیا تو میرے ساتھ

سیمنٹ کی بوریاں گیبڑیں تو مالک نے
دیں کھودے مزدور سے پوچھا۔ کیا ہمارے منشی
جی کو اس کا علم ہے۔
یقیناً ہو گا وہی تو اس کے پیچھے دیے
ہوئے ہیں۔"

تمھیں بھی قتل کر دیا جائے گا اس لیے بہتر ہے کہ تم میرا سر کاٹ کر لے جاؤ تاکہ ہم دونوں میں سے ایک تو زندہ رہے۔ چھوٹا بھائی تو کسی صورت بھی ایسا کرنے کو تیار نہ تھا آخر اپنے بھائی کی ضد کی وجہ سے اس نے اپنے بڑے بھائی کا سر کاٹ لیا اور پتھر رکھ کر واپس ہو گیا۔

صبح جب بادشاہ نے دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ اس نے سوچا کہ چور بڑا ذہین ہے لیکن اب ان کا پتا آسانی سے چل سکتا ہے۔ بادشاہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس لاش کو بازار میں لٹکا دیا جائے اور اگر اس لاش کو دیکھ کر کوئی روتا ہوا دکھائی دیا جائے تو اس کو فوراً گرفتار کر لیا جائے، بادشاہ کے حکم کی تعمیل کی گئی۔

کئی لوگ لاش کو دیکھنے آئے تو کسی نے ایسی حرکت نہ کی جس کی وجہ سے پتا چلتا۔ چھوٹے بھائی نے لاش حاصل کرنے کی ایک ترکیب سوچی۔ رات کے وقت کندھوں پر شراب رکھ کر وہ اسی جگہ پہنچا۔ سپاہیوں نے اس کو دیکھا تو پوچھا، کہاں جا رہے ہو۔ اور ان کندھوں پر کیا ہے؟"

جب اس نے سپاہیوں کو بتایا کہ اس کے پاس شراب ہے تو سپاہیوں کے چہرے کھل گئے۔ سارا دن پہرہ دیتے تھک گئے تھے۔ انھوں نے اس سے شراب پینے کی فرمائش کی۔ اس نے بڑی خوشی سے ان سپاہیوں کو شراب پینے کے لیے دے دی۔ اس نے تھوڑی دیر بعد جب سب سپاہی مدہوش ہو گئے اور ان کو کسی بات کا بھی ہوش نہ رہا تو اس نے اپنے بڑے بھائی کی لاش اٹھالی اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔ صبح جب سپاہیوں کی آنکھ کھلی تو بڑے پریشان ہوئے۔ بادشاہ کو بھی یہ خبر سن کر بہت غصہ آیا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو سخت سزا دی۔ پھر چند دنوں کے بعد اعلان کیا کہ اگر چور بادشاہ کے پاس خود آئے تو بادشاہ اس کا قصور معاف کر دے گا اور بہت انعام دے گا۔

جب اس معمار کے لڑکے نے اعلان سنا تو بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا اور شروع سے لے کر تمام واقعہ بادشاہ کو بتا دیا۔ بادشاہ اس کی بہادری اور ذہانت سے بہت خوش ہوا اور اس کو معاف کر کے اپنے خزانے سے انعام دیا اور کہا یہ تمھارے باپ کی محنت کا معاوضہ ہے۔

ناصرہ انجم محمد عرفان۔ کمہار پورہ، ایوت محل

آلودگی

ہر کتاب اور ہر رسالے میں آلودگی پر مضامین دیکھنے میں آتے ہیں اور اس پر کئی سیمینار منعقد کیے جا چکے ہیں۔ آخر یہ آلودگی ہے کیا؟

آئیے ہم بتاتے ہیں۔ کسی مادے کا ناگوار اور ناپسندیدہ اجتماع آلودگی کہلاتا ہے۔ جو ماحول کی قدرتی حالت میں خلل ڈالتا ہے۔ ماحول میں ہوا، پانی اور زمین شامل ہیں۔ اس میں عمارتیں، سمندر، پارک اور کھلی جگہ، سواریاں اور آواز بھی شامل کیے جاتے ہیں۔ ماحول تمام انسانی افعال کی وجہ سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر ماحول میں موجود مادّوں کی مقدار میں ناگوار اور مہلک مادّوں کا اضافہ ہو تو آلودگی پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ مضر مادّوں کی وجہ سے ہوا بھی آلودہ ہو جاتی ہے مثلاً دھواں اور راکھ، گرد کے ذرات ہیں۔ صنعتی علاقوں میں آلودگی کا مسئلہ خود انسان کا بنایا ہوا مسئلہ ہے۔ شہری علاقوں میں آلودگی کا بڑا ذریعہ موٹر کاریں اور خودکار گاڑیاں ہیں۔ بڑے شہروں میں ان کی وجہ سے ۷۰ فیصد آواز اور ۸۰ فیصد ہوا آلودہ ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان بیماری کا شکار ہے اور فٹ پاتھ پر رہنے والے لوگوں کا جینا حرام ہو گیا ہے اور شہری علاقوں میں ہوا کو آلودہ کرنے کے لیے ۶۲۰ ٹن گندگی پیدا کرنے والے اجزا روزانہ خارج ہوتے ہیں۔ یہ اجزا صد ہزار صنعتی کارخانوں، تاپ بجلی گھروں، ۱۰۵ لاکھ موٹر گاڑیوں، بھاپ سے چلنے والی کشتیوں اور ہوائی جہازوں کی وجہ سے خارج ہوتے ہیں جو ہوا کو آلودہ کرتے ہیں۔ آلودگی کے دیگر ذرائع میں پکوان کا ایندھن کوئلہ اور جلانے کی لکڑی شامل ہیں یہ تمام آلودہ کرنے والے مادّے ہماری تہذیب اور صنعتی ترقی کی دین ہیں۔

جیسے جیسے معیار زندگی بڑھتا جائے گا خود انسان کی پیدا کردہ آلودگی سے انسان کو خطرہ بڑھ جائے گا۔ بعض اقسام کی آلودگی ایسے مواقع پیدا کر دیتی ہے کہ چند علاقے رہنے کے قابل ہی نہیں رہتے اور اس طرح آلودگی سماجی و معاشی ترقی میں رکاوٹ پیدا کر دیتی ہے۔

ہوائی آلودگی ناگوار بو پیدا کر دیتی ہے جس کی وجہ سے فضا کی پاکیزگی باقی نہیں رہتی۔ ہوا میں ملی ہوئی آلودگی چراگاہوں میں چرنے سے مویشیوں کے دانتوں پر مضر اثرات پڑتے ہیں۔ ہوائی آلودگی میں ایسی گیسوں اور بیرونی مادہ پایا جاتا ہے جو تمام انسانوں، زندہ اجسام پودوں اور جانوروں کے لیے بھی مضر ہوتے ہیں اور ساتھ ہی ماحول کی غیر جاندار چیزیں مثلاً عمارتیں، سڑک سمندر اور کھلے میدان کے لیے بھی نقصان رساں ہیں۔

آلودگی پیدا کرنے والے مختلف اجزا جو ہوائی کرہ میں رہتے ہیں۔ تنفسی بیماریوں اور الرجی کا باعث بنتے ہیں۔ پانی کی فراہمی کے ذرائع کے نتیجے میں تالاب، ندیاں، باولیاں اور چھوٹی جھیلیں شامل ہیں۔ آبی ذرائع بے جا استعمال کی وجہ سے متاثر ہوتے ہیں۔ چند نامیاتی، غیر نامیاتی، تابکارہ یا طبعی مادّوں کی موجودگی کی وجہ سے پانی آلودہ ہو جاتا ہے اور ان مادّوں کا وجود پانی کو خراب کر دیتا ہے اور یہ مادّے انسانی صحت کے لیے مضر ہوتے ہیں اور ساتھ ہی پانی کی افادیت کو گھٹا دیتے ہیں۔ زمینی کٹاؤ، جھڑے ہوئے پتوں۔ جانوروں کے فضلات کے جمع ہونے سے حل شدہ معدنی اجزا کے پانی میں داخلہ کی وجہ سے قدرتی آلودگی پیدا ہوتی ہے۔ صنعتی کارخانوں میں کئی ایک ناکارہ مادّے ہوتے ہیں۔ کئی ایک کیمیائی اشیا صنعتی علاقوں میں صنعتوں کی تیاری کے دوران ناکارہ ثابت ہوتے ہیں۔ ایسے کیمیائی مادّے اور ناکارہ پانی جو صنعتوں کی تیاری کے دوران استعمال ہوتے ہیں وہ انسانی صحت اور جانوروں کے لیے بھی مضر ہوتے ہیں۔

کیمیائی اشیا بعض وقت تو زمین میں ہی جذب ہو جاتے ہیں جس سے وہاں کے زمینی پانی بھی آلودہ ہو رہا ہے اس آلودہ پانی کو ہم بورویل سے پینے کے لیے حاصل کر رہے ہیں اسی وجہ سے ہم کو صاف اور تازہ پانی حاصل نہیں ہوتا اور آلودہ پانی پینے کے قابل نہیں ہوتا۔ اور یہ پانی نہانے دھونے کے لیے بھی مفید نہیں ہوتا۔ مویشیوں کے لیے بھی یہ پانی نقصان دہ ہوتا ہے۔ آبی آلودگی کی وجہ سے امراض پھیلتے ہیں۔ پودے مرجھا جاتے ہیں اور مویشی ہلاک ہو جاتے ہیں جس کی وجہ سے پانی کو جوش دے کر پینا چاہیے، پانی کو جوش دے کر پینے سے پانی میں موجود جراثیم کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

بلدیات اور خانگی افراد کو چاہیے کہ وہ اپنے اطراف کے علاقوں کو گندگی اور آلودگی سے پاک رکھنے کی کوششیں کریں، میل کچیل سے نپٹنے کے لیے آلودگی کو پاک کرنے والی مشینوں کا استعمال کرنا چاہیے تاکہ صرف صاف پانی ہی اطراف کے علاقوں میں داخل ہو سکے، کارخانوں کی چمنیوں سے نکلنے والی آلودگی پر موثر طریقے سے قابو پایا جا سکتا ہے۔ ایسے صنعتی طریقوں میں جہاں ہوا کے بہاؤ سے کام لیا جاتا ہے مناسب تبدیلیاں کی جا سکتی ہیں تاکہ ہوائی آلودگی کو کم کیا جا سکے آلودگی پر قابو پانے کے لیے آج کل مشینوں کا استعمال کیا جا رہا ہے جن کو کارخانوں میں استعمال کر کے فضا کی آلودگی کو کم کیا جا سکتا ہے اس طرح سے آلودگی کی انسداد یا روک تھام ممکن ہے۔

بلاعنوان

ایک زمانے کی بات ہے۔ ایک شہر میں ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ راجا بہت خوبصورت اور نوجوان تھا ایک دن ایسا آیا جب راجا نے شادی کر لی۔ جب اس کی شادی کو نو برس ہو گئے تب بھی اسے اولاد نہ ہوئی۔ اس نے اپنا اور اپنی بیوی کا بہت علاج کرایا۔ شہر کے بڑے بڑے حکیموں کو دربار میں آنے کی دعوت دی۔ آخر کار ایک حکیم بول پڑا کہ "آپ کی بیوی کو کالی پہاڑی کا انار کھلایا جائے۔" بادشاہ نے حکیم سے کہا "کالی پہاڑی پر جا کر انار لانا بہت مشکل بات ہے۔" بادشاہ نے پورے شہر میں یہ اعلان کرا دیا کہ "جو کوئی بھی بادشاہ کو کالی پہاڑی پر سے انار لا دے گا بادشاہ اسے منہ مانگا انعام دیں گے۔"

اسی شہر میں دو بھائی رہتے تھے۔ ایک ظالم اور ایک ہمدرد تھا۔ ظالم بھائی نے یہ اعلان سن کر عہد کر لیا کہ وہ انار لے کر ہی واپس آئے گا اور ہمدرد نے یہ سوچ کر کہ بادشاہ کی کوئی اولاد نہیں ہے۔ اس لیے وہ بادشاہ کو انار لا کر ہی دے گا۔

ظالم بھائی نے جانے کے لیے تھیلا بھر روٹی اور مٹکا بھر پانی لے لیا۔ ہمدرد نے دو روٹی اور لوٹا بھر لیا۔ دونوں ایک ساتھ گھر سے نکلے اور ظالم بھائی کے ظلم سے بچنے کے لیے ہمدرد نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ چلتے چلتے دونوں بہت دور ایک گھنے جنگل میں رک گئے پھر رات ہونے سے پہلے وہ کالی پہاڑی کے پیچھے والے حصے میں پہنچ گئے۔ دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی جگہ پر رات گزاری اور صبح ہوتے

> ● ایک مجرم جب جیل سے رہا ہوا تو ایک دوست نے اس سے پوچھا "یار تم سے کون سی ایسی غلطی ہو گئی تھی جو پانچ سال جیل میں رہنا پڑا۔ مجرم بولا "بس یار جب پستول دیکھ کر کیشئر نے پیسے دیے تو وہاں بیٹھ کر گننے لگا۔"

ہی وہ پہاڑ پر چڑھنے کے لیے روانہ ہو گئے۔ پہاڑ درختوں کی وجہ سے اتنا گھنا تھا کہ سورج دکھائی نہیں دیتا تھا۔

راستے میں ظالم بھائی کو ایک زخمی کتا دکھائی دیا جس کا پیر پوری طرح سے زخمی تھا۔ ظالم بھائی نے اسے دیکھا، اور تھوک دیا۔ ہمدرد نے یہ منظر دیکھا تو اس نے اپنا رومال نکال کر کتے کے پیر پر باندھ دیا۔ کتے نے انسانی آواز میں شکریہ ادا کیا اور اسے ایک انگوٹھی دی اور کہا کہ "بہت آگے تم کو آگ دکھائی دے گی اگر تم آگ میں کود بھی گئے تو تم زندہ رہو گے۔"

ظالم بھائی کو پھر آگے ایک بوڑھا ملا جو بھوک سے تڑپ رہا تھا اور اس بوڑھے نے اس سے کھانے کے لیے ایک روٹی مانگی لیکن اس نے نہیں دی، اور آگے چل دیا۔ ہمدرد نے اس بوڑھے آدمی کو سہارا دیا اور ایک طرف بٹھا کر اپنی دونوں روٹی اسے کھانے کو دے دیں۔ بوڑھے نے بھی اس کو شکریہ کے ساتھ ایک آئینہ دیا اور کہا "اوپر کی طرف روشنی میں تم یہ آئینہ اگر اس بلا پر چمکاؤ گے تو وہ غائب ہو جائے گی۔" اور پھر وہ آئینہ لے کر چل دیا۔

ظالم بھائی کو پھر آگے ایک بڑھیا ملی جو پانی کے لیے تڑپ رہی تھی۔ اس نے ظالم بھائی سے

پانی مانگا لیکن اس نے اس کی حالت پر رحم نہیں کیا اور چل دیا۔

ہمدرد بہت عقل مند تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ بڑھیا بھی اسے شکریے میں کچھ دے گی۔ اس لیے اس نے وہ پانی اس بڑھیا کو دے دیا اور چل دیا۔ بڑھیا نے اسے روکا اور کہا بیٹا یہ کپاس لو اور اوپر جاتے ہی اسے کان میں ڈال لینا۔ تاکہ اس بلا کی آواز سے تم نہ ڈر سکو۔

ظالم بھائی جو آگے چل رہا تھا اسے بہت بھیانک آگ دکھائی دی اور وہ آگ سے ڈر کر وہیں بیٹھ گیا۔ جب ہمدرد نے یہ منظر دیکھا کہ یہاں تو سچ مچ آگ لگی ہے۔ ہمدرد کو وہ انگوٹھی یاد آگئی اور اس نے آگ میں چھلانگ لگا دی اور آگ کے اس پار نکل گیا۔ ظالم نے یہ منظر دیکھا تو حیرت میں پڑ گیا۔ کہ یہ زندہ کیسے بچا اور اس نے بھی آگ میں چھلانگ لگائی وہ چلا چلا کر مر گیا۔

ہمدرد جیسے ہی آگ سے باہر نکلا اسے آواز سنائی دی اس نے جلدی وہ کپاس کان میں بھر لی۔ اور اس بلا کے سامنے آتے ہی اس نے آئینہ چمکایا اور وہ غائب ہو گئی۔ ہمدرد نے انار توڑا اور اسے لے کر شہر روانہ ہو گیا اور شہر پہنچتے ہی اس نے بادشاہ کو وہ انار دیا۔ بادشاہ نے ہمدرد کو اپنی آدھی سلطنت کا بادشاہ بنایا۔ اور ایک برس بعد ہی بادشاہ کے اولاد ہوئی اور بادشاہ خوشی خوشی رہنے لگا۔

دمسلہ انصاری جمال احمد، رتی بندر ناکہ کلیان تھانہ

دو بطخیں اور ایک کچھوا

ایک تالاب تھا جو گھاس وغیرہ سے گھرا ہوا تھا جس میں دو بطخیں رہتی تھیں اور اسی تالاب میں ایک کچھوا بھی تھا بطخوں اور کچھوا کے درمیان بہت گہری دوستی تھی مگر جب تالاب کا پانی سوکھنے لگا تو بطخیں کچھوے کے پاس الوداع کہنے کے لیے آئیں اور کہا تم پر سلامتی ہو کیونکہ ہم دونوں یہاں سے کوچ کرنے والے ہیں پانی کے کم ہونے کی وجہ سے کچھوے نے کہا میرا بھی معاملہ وہی ہے میں بھی بغیر پانی کے نہیں رہ سکتا۔ پس تم دونوں جہاں زندگی بسر کرو گی وہیں پر میں بھی رہوں گا۔ بطخوں نے کہا ٹھیک ہے۔ پھر کہا میرے لے جانے کی کیا صورت ہوگی۔ بطخوں نے کہا ہم ایک لکڑی کے دونوں کناروں کو اپنے پنجوں میں پکڑ لیں گے اور تم لکڑی کے بیچ میں اپنے منہ سے پکڑ لینا مگر ہاں یاد رہے کہ جب بھی ہم کسی بستی سے گزریں گے تو لوگ تم کو دیکھ کر ہنسیں گے مگر تم اس پر کچھ مت بولنا۔

اب بطخیں کچھوے کو لے کر اڑ پڑیں مگر جب لوگوں نے اس عجیب تماشے کو دیکھا کہ دونوں کے درمیان ایک کچھوا لٹکتا ہوا جا رہا ہے تو ہنسنے لگے۔ پس کچھوے سے رہا نہ گیا اور بطخوں کی نصیحت کو بھول گیا جو انھوں نے روانہ ہوتے وقت کی تھی۔ کچھوے نے "اللہ تمہاری آنکھوں کو پھوڑ دے" پس جیسے ہی اس نے بات کرنے کے لیے منہ کھولا زمین پر گر پڑا اور مر گیا۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ دوستوں کو اپنے دوست کی نصیحت کو یاد رکھنا چاہیے تاکہ آڑے وقت پر کام آئے۔

ابو اللیث اعظمی - اعظم گڑھ، یو۔ پی

فروری ۱۹۹۵ء جلد ۴۳ شمارہ ۲

فی پرچہ 4/50 سالانہ 40/-
سرکاری اداروں سے 55/- روپے
وی پی منگانے کی صورت میں مزید ۱۰/ روپے خرچ آئے گا
غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/- روپے

ایڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں سے باتیں

پیارے پیامیو! یہ شمارہ جب آپ کے ہاتھوں میں ہوگا تو رمضان شریف کا مبارک مہینا شروع ہو چکا ہوگا۔ یہ وہ بابرکت مہینا ہے جس کا ہر مسلمان بہت بے چینی سے انتظار کرتا ہے۔ روزہ ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ روزہ تمام پیغمبروں کی شریعت میں کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔

قرآن مجید نے ہمیں روزے کا مقصد تقوا بتایا ہے۔ تقوے کا دینی مفہوم یہ ہے کہ انسان نہ صرف اپنی تمام نفسانی خواہشات، جسمانی تقاضوں سے بچے بلکہ ہر اس چیز سے بچے جو اسے برائی کی طرف لے جا سکتی ہے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "ہر چیز کی زکاۃ ہوتی ہے اور روزہ جسم کی زکاۃ ہے۔" "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کے ہر عمل کا بدلہ ہے لیکن روزہ خاص میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلا دیتا ہوں۔"

روزہ دار کو چاہیے کہ روزے میں کسی سے بدکلامی نہ کرے، اور اگر کوئی اس سے جھگڑا کرے تو کہہ دے کہ "بھائی میں روزے سے ہوں۔"

عابد علی خاں تحریری مقابلے کے انعامات
(باقی صفحہ ۱۵ پر)

پرنٹر پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

مرغ سے شُترمرغ تک

یوسف ناظم

> جس کا عنوان تھا "ہمارے ماں باپ"۔
> ایک بچے نے اپنے مضمون میں یہ جملہ لکھا۔
> "ہمارے ماں باپ ہمیں اس وقت ملتے
> ہیں جب وہ کافی بڑے ہو چکے ہوتے ہیں
> اور اس طرح ان کی عادتوں کو بدلنا ہمارے
> لیے بہت مشکل ہوتا ہے۔

مرغ کی ویسے تو تین قسمیں ہیں لیکن دو بہت مشہور ہیں۔ پہلا مرغ تو وہ جو گھروں میں پالا جاتا ہے اور جب اسے پکڑنا ہوتا ہے تو گھر کے سارے بچے اس کے پیچھے بھاگتے ہیں اور یہ ہاتھ نہیں آتا۔ بچوں کو یہ کھیل بہت پسند ہے خود مرغ بھی اس کھیل کا شوقین ہوتا ہے اور بڑی دلچسپی کے ساتھ اس میں حصہ لیتا ہے۔ میدان میں اکیلا ہوتا ہے لیکن کتنوں پر بھاری ہوتا ہے۔ گھروں میں مرغوں کے پکڑنے کے شغل نے بعد میں واقعی ایک اچھے اور اعلا درجے کے کھیل کی شکل اختیار کر لی۔ ہمارا خیال ہے کبڈی کا کھیل اسی شغل کی پیداوار ہے۔ آج کبڈی کی وہ شان ہے کہ اس کے لیے بڑے بڑے اسٹیڈیم بنائے جاتے ہیں۔ اونچے دام کے ٹکٹ فروخت ہوتے ہیں۔ شامیانے لگتے ہیں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ جمع ہو کر کبڈی دیکھتے ہیں لیکن ہمارا اب بھی یہی دعوا ہے کہ کوئی بھی کبڈی کا کھلاڑی اکیلا ایک مرغ کو نہیں پکڑ سکتا۔ ایک کھلاڑی کیا دو اور تین بھی مل کر اسے پکڑنا چاہیں تو ان کا دم ساتھ نہ دے گا۔ ہاں پوری کی پوری ٹیم ایک غریب کے پیچھے پڑ جائے تو بات دوسری ہے۔ مرغ اصل میں بہت تیز نہیں دوڑتا ہے لیکن چکمے دینے کا ماہر ہے۔ چار چار بچوں کے بیچ میں سے بچ کر یوں نکل جاتا ہے جیسے کرکٹ کی گیند ہو اور کوئی فیلڈر اسے روک نہ پا رہا ہو۔ کھیل کے میدان میں تو یہ شغل کبڈی بن کر اُبھرا لیکن سیاست کے میدان میں اس نے "گھیراؤ" کی شکل اختیار کی۔ تم اگر پابندی سے

اخبار پڑھتے ہو تو ہر روز ایک خبر ضرور ہوتی ہے کہ آج فلاں جماعت کے چند
کمشنر کا گھیراؤ ہوا یا فلاں ایرپورٹ پر ایک وزیر کا گھیراؤ ہوا۔ یہ سارے نمونے اسی
شغل کے ہیں جسے ہم مرغا پکڑنے کی مہم کہتے ہیں۔ دنیا اسی طرح ترقی کرتی ہے۔

مرغ کی ایک زمانے میں بڑی عزت تھی۔ خاص طور پر گاؤں اور دیہاتوں میں
جہاں شور وغل کا رواج کم ہے مرغ بہت پسند کیے جاتے تھے اور لوگ صبح سویرے
مرغ کی بانگ سننے کے بعد ہی جاگتے تھے۔ شہروں میں مرغ زیادہ مقبول نہیں
رہے۔ یہ بانگ دیتے بھی ہیں تو ٹرینوں، بسوں اور دوسری قسم کی بے ہنگم کاڑیوں
کے شور میں اس کی آواز نقار خانے میں طوطی کی آواز بن کر رہ جاتی ہے۔ مرغ
بھی اب سمجھ گئے ہیں کہ شہروں میں ان کی بانگ دینا بے سود ہے لوگ سنتے بھی
ہیں تو بستر پر کروٹ بدل کر اور زیادہ گہری نیند سو جاتے ہیں۔ مرغوں میں بھی
کچھ مرغ اصیل مرغ ہوتے ہیں انھیں شاید اصیل اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ قد و
قامت میں عام مرغوں سے زیادہ اونچے پورے ہوتے ہیں ان کے سر پر جو کلغی
ہوتی ہے وہ بھی کسی نوجوان کے کلف دار شملے کے طرّے کی طرح ہوتی ہے (اس
طرّے ہی پر کوئی ایک گز کپڑا صرف ہو جاتا ہے)۔ اصیل مرغ کو اپنی شخصیت اور
اس کلغی پر بڑا ناز ہوتا ہے وہ خود تو اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتا لیکن وہ
جانتا ہے کہ وہ ہے رعب دار شخص، گھر کے پورے صحن میں اسی کی حکومت چلتی
ہے۔ مرغیاں تو مرغیاں دوسرے مرغ بھی دبے دبے رہتے ہیں۔ بلّی کی بھی ہمت
نہیں پڑتی کہ کسی اصیل مرغ کو ٹیڑھی نظر سے دیکھ لے لیکن اصیل مرغ بھی
بہر حال کھائے جاتے ہیں۔ پکڑے جانے میں خوب ستاتے ہیں اس سے زیادہ پکنے
میں ستاتے ہیں۔ ان کے پکانے میں وقت اور گیس دونوں کا خرچ زیادہ ہوتا ہے
لیکن کھانے میں بہت لذیذ ہوتے ہیں۔ یوں تو ولیموں کی دعوتوں میں مرغ کا
سالن تو دستر خوان پر ہوتا ہی ہے لیکن ڈکار صرف اصیل مرغ کھانے کے
بعد آتی ہے۔

مرغوں کی دکانیں یعنی وہ دکانیں جہاں مرغ بکتے ہیں تم نے کبھی دیکھی
ہوں گی۔ ان دکانوں میں مرغوں سے زیادہ مرغ خریدنے والے شور کرتے ہیں۔

غریب مرغ تو اپنے اپنے کروں میں خاموش کھڑے رہتے ہیں۔ تم اگر اس دکان پر چھٹی لے کر دو گھنٹے کھڑے رہ سکو تو تمھیں اندازہ ہو جائے گا کہ دو گھنٹوں میں کتنے مرغ بک جاتے ہیں۔ یہ سب زندہ مرغ ہوتے ہیں اور صرف وہی لوگ خریدتے ہیں جن کے گھروں میں پکانے والوں کو فرصت ہی فرصت ہوتی ہے ورنہ فریج میں ذبح کیے اور چھلے چھلائے مرغ بھی موجود ہوتے ہیں۔ اب تم تماشا دیکھو کہ انھیں ڈریس مرغ کہا جاتا ہے یعنی ان کا ڈریس تو اتار لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ ڈریسڈ مرغ ہیں۔ انگریزوں کے یہاں اس قسم کے تماشے بہت ہیں۔ ان کے یہاں موسلا دھار بارش کو کتّے اور بلیاں برسنا کہا جاتا ہے۔ جانے دو ہم مرغوں ہی کی بات کریں گے۔ مرغوں کی پرورش اور ان کی تربیت کے لیے اب بڑے بڑے پولٹری فارم بنائے جاتے ہیں۔ کچھ پولٹری فارم تو میلوں تک پھیلے رہتے ہیں لیکن ان کے مالک پولٹری فارم میں نہیں رہتے۔ ان سے دور شہر میں رہتے ہیں اور صرف دیکھتے ہیں کہ اس سال کتنا منافع ہوا۔ مرغوں میں جہاں بیسیوں خوبیاں ہیں ایک خرابی بھی ہے۔ یہ بیمار ہوتے رہتے ہیں اور ایک مرغ کو دیکھ کر دوسرا مرغ ضرور بیمار ہوتا ہے۔ اس بیماری پر اگر قابو پا لیا گیا تو پولٹری فارم کے کاروبار میں کوئی گھاٹا نہیں ہے۔

ایک زمانہ تھا جب مرغ ہمارے استادوں کو بھی بہت پسند تھے۔ جس کسی شاگرد سے ناراض ہو جاتے اسے جماعت میں سب کے سامنے مرغا بنا دیتے۔ اس کی ترکیب مشکل ضرور تھی لیکن طالب علم اسے جلد ہی سیکھ لیتے تھے۔ کبھی کبھی تو ایسا ہوتا کہ ساری کی ساری کلاس (دو چار طالب علموں اور استاد کو چھوڑ کر) مرغا ہی بنی رہتی۔ اس کی شکایتیں ہیڈ ماسٹر کو بھی ملتی رہتیں۔ ایک دن جب اسکول کے سارے مدرسین کی میٹنگ ہو رہی تھی۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے ایک مدرس سے دریافت کیا۔ شیخ صاحب آپ کی جماعت میں طالب علم زیادہ ہیں یا مرغے؟ اس واقعے کے بعد ہی طالب علموں کو مرغا بنانے کی سزا پر پابندی بھی لگ گئی۔

یہ تو وہ مرغ ہوا جو ہم تم روزانہ دیکھتے ہیں لیکن اس کے علاوہ دو مرغ اور ہیں جو مرغ ہو کر بھی مرغ نہیں ہیں۔ یہ دو مرغ ہیں۔ شتر مرغ اور سیمرغ۔

ان میں سے ایک اُڑ سکتا ہے اور دوسرا اُڑ نہیں سکتا۔ اُڑنے والا سیمرغ اصل میں عقاب ہے جب اپنے دونوں پر پھیلا کر اُڑتا ہے تو معلوم ہوتا ہے انڈین ایر ویز کا کوئی ہوائی جہاز اُڑ رہا ہے لیکن یہ پرندہ انڈین نہیں ہوتا، یوروپین ہوتا ہے اور امریکن تو اس کی بہت عزت کرتے ہیں۔ یہ ان کا قومی نشان ہے۔ قومی جھنڈے پر تو نہیں لیکن ساری سرکاری اسٹیشنری پر یہ نشان موجود رہتا ہے، یہی ایک پرندہ ہے جسے زمین پر نہیں لایا جا سکتا۔ یوں سمجھو اس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے اور اگر کسی پرندے کو بینائی ملی ہے تو بس عقاب کو ملی ہے۔ میلوں دور کی چیز بھی اسے ایسی نظر آتی ہے جیسے سامنے رکھی ہو۔ اگر یہ پرندہ پڑھ سکتا تو آسمان میں اُڑتے اُڑتے سارے اخبار، رسالے اور کتابیں پڑھ لیتا۔

لیکن اس کے مقابلے میں ہمیں شتر مرغ پسند ہے۔ اس کا نام ہی کتنا دلچسپ ہے شتر بھی ہے اور مرغ بھی۔ یہ بھی ہماری طرف کا پرندہ نہیں ہے۔ افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ اچھا ہی ہوا، ایسا پرندہ جو اُڑ نہ سکے اور جو نہ شتر ہو نہ مرغ۔ اس کے اِدھر پیدا نہ ہونے سے ہمارا نقصان ہی کیا ہوا۔ یہ دیکھنے میں ضرور اچھا لگتا ہے۔ ۸ فٹ کے قریب اونچا ہوتا ہے اور وزن ہم نے تو کبھی نہیں تولا اور نہ اسے کہیں ٹہلتے دیکھا ہے کیونکہ اتنا وزن تو صرف ریلوے اسٹیشن کی مشین ہی سنبھال سکتی ہے۔ کہتے ہیں اس کا وزن ڈیڑھ سو کلوگرام ہوتا ہے اور اس کے باوجود بھی یہ شتر مرغ (جو نہ مرغ ہے نہ شتر) اتنا تیز بھاگتا ہے گویا اولمپک کی سو گز کی دوڑ میں سونے کا تمغا حاصل کرنے جا رہا ہو (پی ٹی اوشا سے پوچھنا چاہیے کہ پہلوان سا پرندہ اتنا تیز کیسے بھاگ سکتا ہے)۔ تم اگر کسی چڑیا خانے میں جاؤ تو شتر مرغ سے ضرور ملنا۔ یہ خوبصورت بھی ہوتا ہے اور اس کے پَر تو خاص طور پر دیکھنے اور چھونے کے قابل ہوتے ہیں۔ شتر مرغ ہمارے معمولی مرغوں کی طرح کا پرندہ نہیں ہے کہ بیسیوں کی تعداد میں کٹتے اور پیدا ہوتے رہے بلکہ اب تو سنا جا رہا ہے کہ ان کی پیدائش بھی بہت مشکل سے ہو رہی ہے اور انھیں پیدا کرنے اور زندہ رکھنے کے لیے فارم قائم کیے جا رہے ہیں ورنہ ایک زمانہ تھا جب افریقہ میں شتر مرغ بڑے شوق سے کھایا بھی جاتا تھا۔

لوگ اسے کھا کر جھومنے لگتے تھے۔ یہ اب بھی ملتا ہے لیکن سب کو نہیں اور خود شتر مرغ کے کھانے پینے کا حال سنو گے تو پریشان ہو جاؤ گے۔ اس کا معدہ اتنا مضبوط ہوتا ہے کہ یہ اینٹ پتھر تک کھا جاتا ہے۔ ریگستانوں میں اینٹ پتھر کے علاوہ اور ہوتا بھی کیا ہے۔ چونکہ اس کا نام شتر مرغ ہے اس لیے اونٹ کی طرح اس کی پیٹھ پر بھی ایک قدرتی توشہ دان لگا رہتا ہے۔ شتر مرغ کو جب کہیں پانی نظر آ جاتا ہے تو وہ بس پانی ہی پیتا رہتا ہے۔ اس کے پینے کے بعد اگر پانی بچ جائے تو وہ نہا بھی لیتا ہے۔ نہانے کے بعد شتر مرغ اور زیادہ خوبصورت ہو جاتا ہے اور اس کے سفید پر چاندی کی طرح چمکنے لگتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کہکشاں ان کی پیٹھ پر اتر آئی ہے۔

ہمیں شتر مرغ سے صرف اس لیے دلچسپی ہے کہ ممبئی میں جوہو بیچ پر اونٹ سواری کے لیے موجود ہوتے ہیں اور جوہو کے کسی بھی ہوٹل میں مرغ مل جاتے ہیں۔ صرف آپ کی جیب بھاری ہونی چاہیے۔

مرغ انڈے نہیں دیتے لیکن شتر مرغ دیتے ہیں اور کمال یہ ہے کہ انھیں ریت میں چھپا دیتے ہیں۔ یہ بھی بھلا کوئی چھپانے کی جگہ ہے۔ اگر آدمی گیدڑوں سے پہلے ان تک نہ پہنچے تو سارے انڈے گیدڑ ہی چٹ کر جائیں۔ آدمیوں اور گیدڑوں کی لڑائی ان ہی انڈوں پر ہوتی ہے اور گیدڑ جانتے ہیں کہ آدمی انھیں بالکل پسند نہیں کرتے اسی لیے کوئی گیدڑ شہر کا رخ نہیں کرتا وہی کرتا ہے جس کی شامت آتی ہے۔

پروفیسر صاحب بڑی تیزی سے حاضری لے رہے تھے۔ ہر نام پر "یس سر" کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ اچانک ایک نام پر پوری کلاس میں خاموشی چھا گئی۔

"کیا پوری کلاس میں اس لڑکے کا کوئی دوست نہیں ہے؟" پروفیسر نے پوری کلاس کو خاموش دیکھ کر، مسکراتے ہوئے پوچھا۔

مترجم:۔ ڈاکٹر عصمت جاوید

برمکی کا دسترخوان

منظر پہلا

(محل کا ایک کمرہ۔ مسند پر جعفر برمکی گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھا ہے برمکی کی دائیں طرف دو اور بائیں طرف دو مصاحب بیٹھے ہیں۔ کمرے میں طغرے آویزاں ہیں اور ریشمی پردے لگے ہوئے ہیں۔ جعفر برمکی حاضرین سے باتوں میں مصروف ہے۔)

(دربان داخل ہوتا ہے)

دربان: (جھک کر) تسلیمات۔ حضور کا سایہ سلامت رہے۔ محل کے باہر ایک شخص کھڑا ہے۔ باریابی کی اجازت چاہتا ہے۔

جعفر برمکی: اجازت ہے۔

دربان: لیکن حضور! وہ کوئی امیر نہیں ہے بلکہ ایک معمولی آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس کے کپڑے گرد آلود اور پھٹے ہوئے ہیں۔

برمکی: کوئی بات نہیں۔ اسے فوراً ہمارے پاس بھیج دیا جائے۔

(دربان باہر جاتا ہے۔ تھوڑی دیر میں ایک غریب آدمی کمرے میں داخل ہوتا ہے۔)

غریب آدمی: (ادب سے) السلام علیکم۔ حضور کا اقبال بلند ہو۔

برمکی: وعلیکم السلام کہو تمہیں کون سی ضرورت ہمارے پاس لائی ہے

غریب آدمی: حضور والا! آپ کی شرافت اور سخاوت کا شہرہ سن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔

غریب آدمی : میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی فوج میں ملازم رکھ لیں۔
برمکی : (حیرت سے) فوج میں!
ایک درباری : کبھی تلوار کی صورت دیکھی ہے؟
دوسرا درباری : گھوڑے پر بیٹھنا بھی آتا ہے؟
(قہقہہ)
برمکی : نوجوان! تم نے اپنا نام نہیں بتایا۔
غریب آدمی : خادم کو شاہنواز کہتے ہیں
تیسرا درباری : صورت تو فقیروں جیسی اور نام شاہ نواز! پڑھے نہ لکھے نام محمد فاضل۔
(قہقہہ)
برمکی : (غصے سے) کسی غریب آدمی کا مذاق اُڑانا اچھی بات نہیں ہے۔
سب درباری : (مل کر) ہم گستاخی کی معافی چاہتے ہیں حضور!
غریب آدمی : میں آپ کی خدمت میں آنے کے لیے گھر سے نکلا تھا تو اس وقت میرے پاس کچھ اشرفیاں تھیں۔ ایک گھوڑا اور تلوار لیکن راستے میں مجھے ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ میں آپ کے دربار کی طرف پیدل ہی چل پڑا۔ دو روز سے کھانا بھی نصیب نہیں ہوا۔
پہلا درباری : حضور مجھے یہ کوئی بھک منگا معلوم ہوتا ہے۔ آپ کے شاہانہ دسترخوان کی تعریف سن کر آیا ہوگا۔
برمکی : جب تک اصل حقیقت معلوم نہ ہو کسی کو بُرا بھلا کہنا مناسب نہیں۔ تخلیہ! ہم اس نوجوان سے تنہائی میں بات کرنا چاہتے ہیں۔
(درباری تسلیمات کر کے اُلٹے پاؤں چلے جاتے ہیں۔ برمکی مسند سے اتر کر نوجوان کے قریب آتا ہے۔)
برمکی : نوجوان! تم چہرے سے سپاہی معلوم ہوتے ہو۔ دو روز کے بھوکے بھی ہو۔ پہلے ہم کھانا کھالیں پھر بات چیت کریں گے۔
(زور سے) کوئی ہے؟
ملازم : (کمرے میں داخل ہو کر) آداب عرض ہے حضور۔
(برمکی ملازم کے قریب جا کر اس کے کان میں کچھ کہتا ہے۔ ملازم سر ہلاتا ہے

اور چلا جاتا ہے۔)
پردہ گرتا ہے
(۲)

منظر دوسرا

(برمکی کا دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ تشتریاں، گلاس اور دیگر ظروف دسترخوان پر سجے ہوئے ہیں۔ ایک سلفچی بھی رکھی ہے لیکن سب برتن خالی ہیں۔ کسی میں نہ روٹی ہے، نہ پلاو، گلاسوں میں پانی بھی نہیں۔ دسترخوان کے قریب برمکی کے ساتھ شاہ نواز بیٹھا ہے۔ شاہ نواز حیرت سے خالی برتنوں کو دیکھ رہا ہے۔ ملازم سلفچی اٹھا کر برمکی کے قریب لے جاتا ہے اور خالی گلاس سے اس کا ہاتھ دھلانا چاہتا ہے]

برمکی: (ملازم سے) تمھیں اتنی تمیز بھی نہیں؟ پہلے مہمان کا ہاتھ دھلایا جائے۔
(ملازم شاہ نواز کے پاس سلفچی لے جاتا ہے اور خالی گلاس انڈیلنے کی اداکاری کرتا ہے۔)

شاہ نواز (دل میں) یا اللہ! یہاں پانی کا نام بھی نہیں۔ میں ہاتھ کیسے دھوؤں؟ دسترخوان بھی رنگ برنگے برتنوں سے سجا ہوا ہے۔ لیکن کھانا کہیں نظر نہیں آتا۔ شاید تھوڑی دیر میں آجائے۔ بغیر پانی کے ہاتھ دھوؤں کیسے؟

برمکی: ہاتھ دھوؤ نوجوان۔ کیا سوچ رہے ہو؟

شاہ نواز: (چونک کر) کچھ نہیں کچھ نہیں۔
(ہاتھ دھونے کی اداکاری کرتا ہے۔ پھر ملازم خالی گلاس برمکی کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر انڈیلنے کی نقل کرتا ہے۔ برمکی بھی جھوٹ موٹ ہاتھ دھوتا ہے جسے نوجوان حیرت سے دیکھتا ہے پھر ملازم ہاتھ پونچھنے کے لیے تولیہ پہلے شاہ نواز پھر برمکی کو دیتا ہے۔ دونوں اپنا اپنا خشک ہاتھ پونچھتے ہیں)

برمکی: بسم اللہ الرحمن الرحیم (یہ کہہ کر جھوٹ موٹ کا نوالہ بناتا ہے) نوجوان۔ بسم اللہ کرو۔ ہمارے دسترخوان کی شہرت تو تم نے سنی ہوگی۔ آج آنکھوں سے دیکھ بھی لو۔

شاہ نواز : (دل میں) کیا خاک دیکھوں؟ یہاں دسترخوان پر تو بس اللہ ہی اللہ ہے۔
برمکی : (نوجوان سے) کس سوچ میں کھوئے ہوئے ہو؟ کہیں کھانا ٹھنڈا نہ ہو جائے۔ یہ گرم گرم بڑے بڑے کلچے لو۔ دیکھو کیسے گرم گرم اور خستہ ہیں۔
شاہ نواز : (دل میں) جی ہاں۔ یہ کلچے اتنے بڑے ہیں کہ نظر ہی نہیں آتے۔
(با آواز بلند) سچ مچ یہ کلچے تو بہت بڑے اور گرم گرم ہیں۔
برمکی : (ملازم سے) مہمان کو ہمارے دسترخوان کا خاص قورمہ پیش کیا جائے۔
(ملازم ایک خالی بادیہ شاہ نواز کے آگے رکھ دیتا ہے۔)
شاہ نواز : (دل میں) قورمے کے نام سے مُنہ میں پانی بھر آیا ہے لیکن یہ پیالہ تو کم بخت میرے پیٹ کی طرح خالی ہے۔)
برمکی : سوچتے کیا ہو۔ شاید تکلف کر رہے ہو۔ لیکن تکلف برطرف کہ تم دو دن کے بھوکے ہو۔
(برمکی یہ کہہ کر جھوٹ موٹ کھانا کھانا شروع کر دیتا ہے۔)
شاہ نواز : (دل میں) بھوکا ہوں۔ پھر بھی آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں! خیر خیر میں تو آپ کی دل سے عزت کرتا ہوں۔ اس لیے میں اس طرح ظاہر کروں گا جیسے میں سچ مچ کھا رہا ہوں۔
(کھانے کی اداکاری کرتا ہے)
برمکی : (جھوٹ موٹ کا کھاتے ہوئے) ارے بھائی ہمارا مرغ تو تم نے چکھا ہی نہیں۔ یہ لو مرغ کی ٹانگ۔

(جھوٹ موٹ مرغ کی ٹانگ چمچے سے نکال کر شاہ نواز کے سامنے رکھے ہوئے خالی پیالے میں ڈالتا ہے۔ نوجوان بھی یہ فرضی ٹانگ کھانے کا بہانہ کرتا ہے)

شاہ نواز : (دل میں) اگر اس وقت مرغ کی ٹانگ سچ مچ مل جاتی تو اسے ہڈی سمیت نگل جاتا۔
برمکی : (کھانے کی ایکٹنگ کرتے ہوئے) کیوں مزہ آرہا ہے نا؟
شاہ نواز : بہت مزہ آرہا ہے۔ اگر زحمت نہ ہو تو مرغ کی دوسری ٹانگ بھی عنایت ہو۔
برمکی : (خوش ہو کر) بہت خوب۔ بڑے قدر شناس ہو۔ یہ لو دوسری ٹانگ۔
(برمکی چمچے میں مرغ کی دوسری ٹانگ رکھنے کا بہانہ کر کے چمچہ شاہ نواز کو دیتا ہے)

اب پلاو کا مزہ بھی چکھو (ملازم شاہ نواز کی خالی تشتری میں جھوٹ موٹ کا پلاو ڈالتا ہے)

شاہ نواز: (دل میں) خیالی پلاو کھانے سے تو پیٹ میں آنتیں قل ھو اللہ پڑھنے لگتی ہیں۔ (بآواز بلند) واہ وا کیا گرم گرم اور لذیذ پلاو ہے۔ ماشاء اللہ

(کھانے کی نقل کرتا ہے۔ پھر تھوڑی دیر بعد ہاتھ روک لیتا ہے)

شاہ نواز: الحمد للہ (جھوٹ موٹ کی ڈکار لیتا ہے)

برمکی: فارغ ہو چکے! آج میں نے بھی تمہارے ساتھ ضرورت سے زیادہ ہی کھا لیا۔ (ملازم سے) مہمان کا ہاتھ دھلاؤ۔

(نوکر پہلے مہمان کا پھر برمکی کا ہاتھ دھلانے کی نقل کرتا ہے اور دونوں کو باری باری تولیہ پیش کرتا ہے۔ دونوں ہاتھ دھونے اور تولیے سے ہاتھ پونچھنے کی نقل کرتے ہیں)

برمکی: (ملازم سے) اب پھل حاضر ہوں۔

(ملازم شاہ نواز کے سامنے ایک بڑی خالی تشتری رکھ دیتا ہے)

برمکی: (نوجوان سے) یہ رہے انگور، سیب انار، ناشپاتی۔ جو کھانا چاہو جی کھول کر کھاؤ جعفر برمکی کے دسترخوان پر کسی چیز کی کمی نہیں۔

شاہ نواز: (دل میں) اسی لیے تو خالی منہ چلاتے چلاتے جبڑے دکھ گئے ہیں (بآواز بلند) وہ تو میں دیکھ ہی رہا ہوں حضور لیکن میرا پیٹ بھر گیا ہے۔ پھلوں کے لیے گنجایش نہیں رہی۔ شکریہ۔ خدایا تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج تو نے مجھے ایسی نعمتیں کھلائیں کہ زندگی میں پہلے کبھی نصیب نہیں ہوئی تھیں۔

(برمکی اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ نوجوان بھی کھڑا ہو جاتا ہے۔)

برمکی: (ملازم سے) ہمارے نوجوان کو خواب گاہ میں پہنچا دیا جائے (شاہ نواز سے) تم کچھ دیر تک قیلولہ کرو نوجوان۔ تھوڑی دیر بعد ہم تم سے پھر ملیں گے۔

(پردہ گرتا ہے)

منظر تیسرا

(شاہ نواز خواب گاہ میں پلنگ پر لیٹا ہے۔ جعفر برمکی داخل ہوتا ہے۔ شاہ نواز جلدی سے کھڑا ہو جاتا ہے۔)

برمکی: (پلنگ پر بیٹھتے ہوئے) بیٹھ جاؤ نوجوان! کھانا تو جی بھر کے کھا لیا۔ اب کہو تم کون سی نوکری کرنا چاہتے ہو؟

شاہ نواز: حضور میں ایک سپاہی زادہ ہوں۔ آپ کی فوج میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔

برمکی: (خوش ہوکر) شاباش نوجوان شاباش۔ ہم تمھاری وفاداری کو آزما رہے تھے تم امتحان میں کامیاب ہو گئے!

شاہ نواز: امتحان؟

برمکی: ہاں امتحان۔ ایسے وقت میں جب تم دو دن سے بھوکے تھے تمھیں جھوٹ موٹ کا کھانا کھلا کر ہم نے تمھارے صبر کا امتحان لیا تھا۔ تمھاری جگہ کوئی اور ہوتا تو خالی دسترخوان چھوڑ کر بھاگ جاتا۔

شاہ نواز: حضور! میں خود حیران تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ برتن کا دسترخوان اور خالی! لیکن میں نے سوچا کہ میرے لیے یہی عزت کیا کم ہے کہ آپ جیسے بڑے آدمی کے دسترخوان پر آپ کے ساتھ بیٹھا ہوں کھلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ ضرور کبھی نہ کبھی تو کھانے کا انتظام کرے گا ہی۔

برمکی: میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اس سلوک کے بعد بھی تم میری ملازمت کیوں کرنا چاہتے ہو۔

شاہ نواز: اس لیے کہ میں نے ٹھان رکھا ہے کہ خدمت کروں گا تو آپ کی۔ اگر میری جان آپ کے کسی کام آجائے تو اس سے بڑھ کر میری خوش نصیبی اور کیا ہوگی؟

برمکی: ہم تمھاری باتیں سن کر خوش ہوئے نوجوان۔ ہمیں ایسے وفادار فرض شناس اور ایماندار آدمی کی تلاش تھی۔ آج سے تم ہمارے ملازم نہیں بلکہ مصاحب ہو۔ اچھا تم بھوکے ہو اس لیے پھر دسترخوان تک ہمارے ساتھ چلو۔ ہم تمھیں سچ مچ وہی سب کھانے کھلائیں گے جنھیں تم نے ہمارے ساتھ جھوٹ موٹ کھایا تھا۔

(دونوں کمرے سے باہر جاتے ہیں)

(پردہ گرتا ہے)

(انگریزی سے ماخوذ)

ولیم شیکسپیر

سلیم جعفر

وکیل:۔ آپ کہتے ہیں کہ حادثہ جہاں ہوا، وہاں سے آپ سو فٹ کے فاصلے پر تھے۔ کیا آپ بتائیں گے کہ آپ کتنی دور تک کی چیزیں صاف دیکھ لیتے ہیں۔

گواہ:۔ میں جب صبح سو کر اٹھتا ہوں تو سورج کو آسانی سے دیکھ لیتا ہوں اور بتایا جاتا ہے کہ سورج ہماری زمین سے ۹ کروڑ تیس لاکھ میل دور ہے

بچو! جب تم بڑے ہو گے اور اونچے درجوں میں پہنچو گے تو انگریزی کے ایک مصنف کا حال پڑھو گے۔ جس کی برابری اس زبان کا کوئی مصنف نہیں کر سکتا۔ یہ وہ لوگ کہتے ہیں جو انگریز نہیں لیکن انگریزوں سے پوچھو گے تو کہیں گے کہ ہمارے ہی ملک میں کیا دنیا بھر میں اس کا جواب نہیں۔

اس کی کتابوں میں انھیں وہ باتیں دکھائی دیتی ہیں جو کسی زبان کی کتابوں میں نہیں ملتیں۔ جیسے تم سے کوئی پوچھے کہ آج کل سب سے بڑا پہلوان کون ہے اور تم جھٹ بول اٹھو گے۔ گاما۔ اسی طرح کسی انگریز سے پوچھا جائے کہ تمھارے ہاں سب سے بڑا مصنف کون ہوا ہے تو وہ فوراً کہہ دے گا ولیم شیکسپیر

ولیم شیکسپیر اتنا بڑا آدمی ہے۔ تو شاید تمھیں یہ بھی خیال ہوا ہوگا کہ کسی رئیس کا بیٹا ہوگا۔ اس کا بچپن سے لے کر مرتے دم تک سارا حال معلوم ہوگا۔ یہ خیال غلط ہے۔ بڑے ہو گے۔ خوب پڑھو لکھو گے تو معلوم ہوگا کہ اکثر گدڑیوں میں لعل ہوتے ہیں۔ پھر دنیا کی عادت بھی یہ ہے کہ لعل نظر پڑتے ہی سب اسی کو دیکھنے لگتے ہیں۔ اس کا خیال شاید کسی کو بھولے بھٹکے ہی آتا ہے کہ گدڑی

کہاں سے آئی۔ اسی طرح شیکسپیر اور اس کے خاندان کا حال ہے۔

لوگوں نے زمین آسمان کے قلابے ملا دیے اور پتا لگا تو اتنا کہ باپ کا نام جان شیکسپیر اور دادا کا نام رچرڈ شیکسپیر تھا۔ معمولی حیثیت کے آدمی اور انگلستان کے پچھم اتر کے ایک قصبے کے رہنے والے تھے۔

اپریل ۱۵۶۴ء میں جان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام اس نے ولیم رکھا۔ اس لڑکے نے اپنے قصبے کے چھوٹے سے مدرسے (گرامر اسکول) میں انگریزی پڑھی اور کام چلاؤ لاطینی اور یونانی زبانیں بھی سیکھ لیں۔ شیکسپیر کے زمانے میں بھی یہ دونوں زبانیں ایسے ہی پڑھائی جاتی تھیں۔ آج کل جس طرح ہندستان میں اردو کے ساتھ ساتھ عربی فارسی پڑھائی جاتی ہیں اور ان کے بغیر اچھی اردو نہیں آتی۔ اسی طرح انگریزی کے لیے یونانی وغیرہ کی ضرورت ہے۔

جان شیکسپیر کا کنبہ خاصا بڑا تھا۔ ولیم کے علاوہ چار بچے اور تھے۔ اتنی جانوں کے لیے روٹی کپڑے کی فکر کرنی پڑتی تھی تو جتن بھی بہت سے کرنے پڑتے تھے۔ جس کام میں دو پیسے ملتے دکھائی دیے۔ وہی کام کرنے لگا۔ زیادہ تر تو دستانے بنا کر بیچتا تھا۔ لیکن اُون۔ لکڑی اور جَو کا سودا بھی کر لیتا تھا۔ کھیتی باڑی سے بھی نہ چوکتا۔

ولیم تیرہ برس ہی کا ہوا تھا کہ جان کی قسمت پلٹ گئی۔ جو کچھ تھوڑی بہت جائداد تھی قرض دینے والوں کی نذر ہو گئی۔ اب پڑھانا لکھانا کیسا۔ روٹیوں کی فکر پڑ گئی۔ ولیم کو ایک سوداگر کے ہاں نوکر رکھا دیا۔ ولیم نے ۱۵۸۲ء میں پاس ہی کے ایک گانو کی ایک لڑکی سے شادی کی۔ جو عمر میں اس سے آٹھ برس بڑی تھی اور اس کے ہاں پہلے ایک لڑکی اور پھر دو جڑواں لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

۱۵۸۴ء میں یا اس کے بعد ہی شیکسپیر کو گھر چھوڑنا پڑا۔ اس کی وجہ کوئی کچھ بتاتا ہے اور کوئی کچھ۔ مگر ایک قصہ یہ بھی مشہور ہے کہ اس نے چوری سے اپنے قصبے کے ایک رئیس کی شکار گاہ میں شکار کھیلا۔ بھانڈا پھوٹا تو سزا سے بچنے کے لیے بھاگ کر لندن پہنچا۔ یہی سچ معلوم ہوتا ہے۔

معلوم نہیں کہ لندن جانے کے بعد شیکسپیر کیا کرتا رہا۔ جتنے مُنہ اتنی

[illegible]

گئیں۔ اس نے اس وقت سے لے کر ۱۶۱۳ء تک اڑتیس ناٹک لکھے۔ نظمیں اس کے علاوہ ہیں۔ دو ایک ناٹک کمپنیوں میں نوکری کی اور ایک کمپنی میں اس کا حصّہ بھی تھا۔

اس کی کتابوں نے اسے بہت مشہور کر دیا، اور ان سے اس نے بہت روپیا کما کر اپنے قصبے میں زمینیں خریدیں۔ ۱۶۱۰ء میں سب کاروبار چھوڑ دیا اور وہیں رہنے سہنے لگا۔ چھے برس بعد اپریل ۱۶۱۶ء میں اس دنیا سے باون برس کی عمر میں چل بسا۔ اپنے قصبے ہی کے گرجا میں دفن ہوا۔

جس زمانے میں شیکسپیر تھا۔ اسی زمانے میں انگلستان میں ایک بہت بڑا مصنّف ہوا ہے جس کا نام بیکن تھا۔ شیکسپیر کے سوڈیڑھ سو برس بعد سے یہ ہوا بھی چل گئی کہ جو کتابیں شیکسپیر کے نام سے چھپیں وہ خود اس نے نہیں لکھیں بلکہ بیکن نے لکھ کر اسے دے دیں۔ بیکن بہت بڑا عالم تھا اور ان دنوں ناٹک کا لکھنا بُرا سمجھا جاتا تھا۔ اپنے نام سے ناٹک چھپواتا تو بدنام ہو جاتا۔ اس لیے بیکن اپنا نام چھپانا چاہتا تھا۔

زیادہ تر لوگوں کا تو یہی خیال ہے کہ جو لوگ شیکسپیر کے ناٹکوں کو بیکن کے ناٹک بتاتے ہیں وہ بے پر کی اڑاتے ہیں مگر کچھ آدمی ایسے ضرور ہیں جو اس خیال کو اپنے دل سے نہیں نکال سکتے کہ یہ ناٹک بیکن ہی کے ہیں۔ خیر ہمیں اس سے کیا لینا کہ یہ ناٹک کس نے لکھے۔ ہم تو آم کھانے والوں میں ہیں۔ پیڑ گننے والوں میں نہیں۔ یہ صدیوں سے شیکسپیر کے نام سے مشہور چلے آتے ہیں۔ ہم بھی انھیں اسی کے لکھے مانے لیتے ہیں۔

بقیہ بچوں سے باتیں

کی تقسیم شروع ہو گئی ہے امید ہے کہ عید سے پہلے پہلے سب کو انعام کی رقم موصول ہو جائے گی۔

ایک خاص بات اور: ہمارے ڈاکخانے نے ایک نیا طریقہ اختیار کیا ہے وہ آپ کا زرِ تعاون اپنے پاس دس دس، بارہ بارہ دن کے بعد اکٹھا کر کے دیتے ہیں جس کی وجہ سے منی آرڈر کی رسیدیں بھجوانے میں تاخیر ہوتی ہے اس تاخیر کے لیے ہم سوائے معذرت کے اور کیا کر سکتے

فضل ربی راہی

تیری رحمتوں کا سہارا ہے ہم کو
ہر اک شے سے بڑھ کر تو پیارا ہے ہم کو
زمیں میں، فضا میں تیری داستاں ہے
سمندر کی موجوں میں تو ہی عیاں ہے
یہ چاند اور سورج، یہ روشن ستارے
یہ نورِ ازل سے منور شرارے
یہ پھول اور خوشبو، یہ آہو، یہ جگنو
تیری ذات واحد نمایاں ہے ہر سُو
گل و یاسمیں تیرے دم سے معطر
ہوائے چمن تیرے دم سے معنبر[1]
وہ جنگل ہے یا کوئی کھیتی ہری ہے
سبھی میرے خالق کی کاری گری ہے
یہ دنیا ہے فانی، ہیں سب اس میں راہی
جو باقی ہے وہ ذات، تُو ہے الٰہی

[1]۔ خوشبودار

عمیر بن وھب بدر کے میدان سے جان بچا کر نکل آئے مگر ان کا بیٹا وھب مسلمانوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔ اب عمیر ڈر رہے تھے۔ کہیں مسلمان اس نوجوان کو ان جرائم کی سزا نہ دے ڈالیں جو اس کے باپ نے کیے تھے۔ نبی علیہ السلام کو جو شدید اذیتیں دی گئی تھیں اس کا بدلہ ان کے بیٹے سے نہ لیا جائے۔

ایک صبح سورج بلند ہو چکا تھا۔ عمیر کعبہ کا طواف اور وہاں رکھے بتوں سے برکت حاصل کرنے حرم کی جانب چل کھڑے ہوئے۔ حرم پہنچ کر ان کی نظر صفوان بن امیہ پر پڑی۔ وہ حجرِ اسود کے ایک جانب بیٹھا تھا۔ عمیر صفوان کے پاس آئے اور کہا،

"صبح بخیر۔ اے قریش کے معزز سردار۔"

"صبح بخیر، وھب کے باپ! آؤ چند گھڑی باتیں کریں۔ وقت کاٹنا کتنا دشوار ہوگیا ہے۔"

عمیر صفوان کے پاس بیٹھ گئے۔ جلد ہی بدر کے میدان میں پیش آنے والے المیہ پر گفتگو ہونے لگی۔ اس المناک حادثے کو گزرے زیادہ مدت نہ ہوئی تھی وہ ان قیدیوں کی باتیں کرنے لگے جنہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں نے گرفتار کیا تھا۔ قریشی سرداروں کا تذکرہ چھڑتے ہی ان کے دل بھر آئے۔ یہ سردار بدر کے دن مسلمانوں کی تلواروں کا شکار ہوئے اور بدر کے کنوئیں نے انہیں اپنی گہرائی میں چھپا لیا۔

"بخدا! ان لوگوں کے بعد زندہ رہنے میں کوئی بھلائی نہیں۔" صفوان نے ٹھنڈی سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"اللہ کی قسم تم نے سچ کہا۔" عمیر یہ کہہ کر تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہوگئے۔ پھر بولے!

"رب کعبہ کی قسم! اگر مجھے لوگوں کے قرض اور اپنے بیوی بچوں کی بربادی کا فکر نہ ہوتا تو میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر کے اس سارے معاملے کی جڑ کاٹ دیتا۔" اتنا کہنے کے بعد انہوں نے آواز دھیمی کرلی اور بولے:

"میرا بیٹا وھب ان کے پاس ہے۔ میرے یثرب جانے پر کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا۔"

عمیر نے گویا صفوان کے دل کی بات کہہ دی۔ وہ فوراً عمیر کی جانب متوجہ ہوا اور کہا۔

"عمیر! تم قرض کی فکر مت کرو۔ تمہارا سارا قرض میرے ذمے رہا۔ اب اسے میں ادا کروں گا۔ رہا تمہارے بیوی بچوں کا معاملہ انہیں میں اپنے خاندان کے ساتھ رکھوں گا.... تم جانتے ہو، میرے پاس مال و دولت کی کمی نہیں۔ وہ میرے پاس ایک بہترین آسودہ زندگی بسر کریں گے۔"

"ٹھیک ہے مگر یہ بات پوشیدہ رہنی چاہیے۔ کسی تیسرے فرد کو ہرگز خبر نہ ہو۔" عمیر نے کہا۔

"ایسا ہی ہوگا۔" صفوان نے جواب دیا۔

عمیر حرم سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ان کے دل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف نفرت کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ وہ اپنا عزم پورا کرنے کی تیاریوں میں لگ گئے۔ ان کو خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہ

تھی۔ ان دنوں قریش کے لوگ اپنے قیدیوں کے سلسلے میں اکثر یثرب آجا رہے تھے۔ ان کے سفر پر شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔

عمیر بن وھب کے حکم پر ان کی تلوار تیز کر کے زہر میں ڈبو دی گئی۔ پھر ان کی سواری کا بندوبست ہوا اور وہ مدینہ منورہ روانہ ہوگئے۔ مدینہ پہنچ کر انہوں نے مسجد نبوی کا رخ کیا، مسجد کے دروازے کے قریب اپنا اونٹ زمین پر بٹھایا اور نیچے اتر آئے۔

حضرت عمرؓ بن خطاب چند اور صحابہ کے ہمراہ مسجد کے دروازے کے قریب بیٹھے تھے۔ یہاں بھی موضوعِ گفتگو معرکۂ بدر تھا۔ بدر کے بعد نمودار ہونے والی صورت حال، اسیران قریش اور ان کے مقتولین کی باتیں زیر بحث تھیں۔ مہاجرین و انصار کی بہادری کی داستانیں بیان کی جارہی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جس طرح اپنے فضل اور مدد سے نوازا اور ان کے دشمنوں کو جس شکست و خون اور شکست کا سامنا کرنا پڑا، اس کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ اچانک حضرت عمرؓ کی نظر عمیر بن وھب پر پڑی۔ وہ اپنی سواری سے نیچے اتر کر مسجد کی جانب آرہے تھے۔ ان کی تلوار ان کے گلے میں لٹک رہی تھی۔ حضرت عمرؓ جیسے کسی خوف سے اچانک چونک کر بولے۔

"یہ دشمنِ خدا عمیر بن وھب ہے...... واللہ اس کی نیت میں ضرور کھوٹ ہے۔ مشرکینِ مکہ نے اسے ہمارے خلاف بھڑکا کر بھیجا ہے۔ ابھی کچھ دیر پہلے بدر میں یہ ہمارے خلاف جاسوسی کرتا رہا ہے۔"
پھر وہ مجلس کے ساتھیوں سے مخاطب ہوئے۔ "ہمیں فوراً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچنا چاہیے۔ تم رسول اللہ کے گرد حصار باندھ لو۔ خوب چوکنے رہو۔ کہیں یہ فریبی آپؐ کو دھوکا نہ دے۔"

حضرت عمرؓ جلدی سے نبی علیہ السلام کے پاس پہنچے اور فرمایا۔ اللہ کے رسول! دشمن خدا عمیر بن وھب گلے میں تلوار لٹکائے آرہا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کی نیت برائی کے سوا کچھ اور ہے۔"

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے میرے پاس آنے دو۔"

حضرت عمر فاروقؓ عمیر بن وھب کی جانب لپکے اور انہیں گریبان سے پکڑ لیا۔ پھر ان کی تلوار کا پٹا ان کی گردن کے گرد کس دیا اور اسی حالت میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے۔
حضور نے دیکھا تو فرمایا۔ "عمر! اسے چھوڑ دو۔" حضرت عمرؓ نے انہیں چھوڑ دیا۔ پھر آپؐ کے حکم پر ان سے کچھ ہٹ گئے۔ اس کے بعد رسول اکرمؐ نے عمیر کو قریب آنے کو کہا۔ عمیر آپ کے قریب آئے اور

عربوں کے جاہل الفاظ میں دعا کے طور پر صبح بخیر کہا۔

"عمیر! اللہ نے ہمیں تمہاری دعا سے کہیں بہتر دعا عطا فرمائی ہے..... اللہ نے ہمیں سلام سے نوازا ہے اور یہ اہل جنت کی دعا ہے۔" نبیؐ نے عمیر کو جواب دیا۔

"بہرحال ہم آپ کو اپنا ہی سلام کریں گے اور یہ آپ کے لئے دوستی کا پیغام ہے۔"

"کہو عمیر کیونکر آنا ہوا؟"

"میں اس قیدی کے لیے آیا ہوں جو آپ کے پاس ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ اسے لوٹا کر مجھ پر احسان فرمائیں۔"

"یہ تم نے اپنے گلے میں تلوار کیوں لٹکا رکھی ہے؟"

"اللہ ان تلواروں کا بُرا کرے۔ انہوں نے بدر کے دن آپ کا کیا بگاڑ لیا؟"

"عمیر! مجھے سچ بتاؤ تم کس لئے آئے ہو؟

کیا تم حجرِ اسود کے قریب صفوان بن امیہ کے ہمراہ نہیں بیٹھے تھے۔ تم دونوں نے قریش کے ان مقتولین کی باتیں کیں جنہیں ہم نے بدر کے دن کنوئیں میں ڈال کر دفن کیا تھا۔ پھر تم نے کہا. اگر مجھ پر قرض اور بال بچوں کی ذمہ داری نہ ہوتی تو محمد کو قتل کر آتا۔ صفوان بن امیہ نے تمہارے قرض اور بال بچوں کی ذمہ داری اٹھائی ہے تاکہ تم مجھے قتل کر دو... ..."

یہ بات سن کر عمیر ایک لمحے کے لیے ہکا بکا رہ گئے۔ پھر فوراً بولے" میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔" اس کے بعد عمیرؓ گویا ہوئے۔ "اے اللہ کے رسول! آپ آسمانوں کی خبریں اور وحی کے ذریعے آپ پر جو کچھ نازل ہوتا، ہمیں بتاتے تھے مگر ہم جھٹلا دیا کرتے۔ لیکن صفوان کے ساتھ میری اس گفتگو کی خبر اس کے یا میرے سوا کوئی نہیں جانتا...... واللہ یہ خبر ضرور آپ کو اللہ نے دی ہے... میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں جو مجھے آپ کے پاس لایا تاکہ میں اسلام کی ہدایت پاؤں۔" اس کے بعد عمیرؓ نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گئے۔

نبی علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر فرمایا! "اپنے بھائی کو دین کی تعلیم دو، اسے قرآن سکھاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔"

عمیر بن وھبؓ کے اسلام قبول کرنے پر مسلمان نہایت خوش ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

"عمیر بن وھب نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جسارت کی تو مجھے خنزیر اس سے زیادہ پسند

تھا مگر آج وہ مجھے اپنے بیٹوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔"

اب عمیر اپنے نفس کو اسلامی تعلیمات سے پاک کرنے میں مصروف ہوگئے۔ وہ اپنے دل کو قرآن کے نور سے بھر رہے تھے۔ وہ زندگی کے ان دنوں کی تلافی کر رہے تھے جنہیں مکّہ کے لوگوں اور وہاں کی مصروفیات نے ضائع کر دیا تھا۔

ادھر صفوان بن امیہ اپنے آپ کو تسلی دے رہا تھا۔ وہ قریش کی مجلسوں سے گزرتا تو کہتا! "خوش ہو جاؤ! جلد ہی ایک بڑی خبر آنے والی ہے، ایسی خبر جس سے تم بدر کے واقعہ کو بھول جاؤ گے۔"

پھر صفوان کا انتظار طویل ہونے لگا۔ آہستہ آہستہ وہ بے چین و بے قرار رہنے لگا۔ اس کا یہ اضطراب بڑھتا گیا۔ اب اسے کسی پہلو چین نہ آتا۔ اس نے آتے جاتے مسافروں سے عمیر کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔ مگر اسے کوئی جواب نہ ملا جس سے اس کی امید بر آتی۔ بالآخر ایک سوار اس کے پاس آیا اور کہا۔ "عمیر مسلمان ہوگیا ہے۔" اس خبر کا سننا تھا کہ صفوان پر گویا بجلی آگری ...... وہ سمجھتا تھا دنیا بھر کے لوگ مسلمان ہو جائیں مگر عمیر بن وھب اسلام قبول نہیں کر سکتا۔

عمیرؓ دین کو سمجھنے اور قرآن یاد کرنے میں لگے رہے۔ ایک دن انہوں نے نبی علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی۔

"اے اللہ کے رسولؐ! میں ایک طویل مدت تک اللہ کا نور بجھانے میں دن رات مصروف رہا۔ میں نے اسلام قبول کرنے والوں کو شدید اذیتیں دیں۔ میں چاہتا ہوں آپ اجازت دیں تو مکہ جاؤں اور قریش کو اللہ اور اس کے رسول کی جانب دعوت دوں۔ اگر وہ قبول کر لیں تو کیا ہی اچھا، اور اگر انکار کریں تو انہیں ان کے دین کے لیے اسی طرح اذیت دوں جیسے آپ کے ساتھیوں کو دیا کرتا تھا۔"

حضورؐ نے اجازت دی وہ اچانک مکہ پہنچ کر صفوان بن امیہ کے گھر آئے اور کہا۔

"اے صفوان! تم مکہ کے سرداروں میں سے ہو اور تمہارا شمار قریش کے عقلمند لوگوں میں ہوتا ہے۔ کیا تمہیں کبھی خیال آیا کہ تم لوگ جس طرح پتھروں کو پوجتے ہو ان کے لیے قربانیاں کرتے ہو، ایک درست عقل انہیں دین تسلیم نہیں کرتی۔ جہاں تک میرا معاملہ ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔"

پھر عمیرؓ نے مکہ میں لوگوں کو اللہ کی جانب بلانا شروع کر دیا۔ ان کی محنت پھل لائی اور بے شمار لوگوں نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔

روزہ صرف بھوکا رہنے کا نام نہیں

ساجد سعید

آج گھر میں ہر کوئی دعوت کی تیاری میں لگا ہوا تھا۔ نمکین اور میٹھے پکوانوں کی خوشبو گھر کی فضا میں رچی ہوئی تھی۔ سب سے زیادہ خوشی سومی کو تھی کیونکہ آج اس کی روزہ کشائی تھی اور اس کی بہت سی سہیلیاں اور رشتہ دار اس موقع پر آنے والے تھے۔ سومی کو خوشی میں بھوک اور پیاس کا بھی احساس نہ رہا تھا۔

عصر کی نماز کا وقت ہو گا جب امی اور آپی .... باورچی میں لگی ہوئی تھیں اور سومی عصر کی نماز سے فارغ ہو کر جاء نماز کو اپنی جگہ رکھنے جا رہی تھی کہ اچانک نانی جان جو کہ تسبیح ہاتھ میں لیے اللہ اکبر الحمد للہ اور سبحان اللہ کے ورد میں لگی ہوئی تھیں سومی کو اپنے پاس بلایا تاکہ سومی کو بتا سکیں کہ روزہ صرف کھانے پینے سے پرہیز کا نام نہیں بلکہ اس کے اور بھی کچھ تقاضے ہیں۔

"بیٹی، آج تمہاری روزہ کشائی ہے اور یقیناً تمہیں ہم سب میں سب سے زیادہ خوشی ہوگی کیونکہ تم نے پہلی مرتبہ روزہ رکھا ہے اسی مناسبت سے میں آج تم کو روزہ کے بارے میں کچھ بتاؤں گی کہ روزہ دراصل کیا ہے اور یہ ہم پر کیوں فرض کیا گیا ہے۔"

"ضرور، ضرور نانی جان" صبوحی نے خوش ہو کر کہا۔ وہ واقعی جاننا چاہتی تھی۔ اسے روزے کے بارے میں کچھ زیادہ معلوم نہ تھا۔ "دیکھو بیٹی یوں تو اللہ تعالیٰ نے ہم پر بہت سی عبادات فرض قرار دی ہیں۔" نانی جان نے کہنا شروع کیا"ان عبادات میں ہر ایک کا اپنی جگہ الگ فائدہ ہے لیکن ان میں بعض عبادتیں ایسی ہیں جو نہ صرف انسان کی روحانی بلکہ اخلاقی تربیت بھی کرتی ہیں۔ نماز ہی کو لے لیجیے۔ دن رات میں پانچ وقت کی نمازوں سے نہ صرف اللہ کی یاد تازہ رہتی ہے بلکہ ہم دیگر اخلاقی برائیوں سے بھی کافی حد تک بچے رہتے ہیں۔

روزہ بھی انہی عبادتوں میں سے ایک عبادت ہے جو مسلمانوں پر ہر سال ایک مہینے یعنی رمضان المبارک میں فرض کیے گئے ہیں جس میں ہم صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے سے پرہیز کر کے اللہ کے نزدیک محبوب بندے بن سکتے ہیں۔

رمضان المبارک اسلامی کلینڈر کے لحاظ سے نواں مہینہ ہے۔ رمضان کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے "اے لوگوں تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے کی امتوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تمہارے اندر تقوا کی صفت پیدا ہو۔ اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے بھی آہستہ آہستہ مسلمانوں پر فرض کیے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شروع شروع میں مسلمانوں کو ہر مہینے تین روزے رکھنے کی تلقین فرمائی مگر اس وقت یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر بعد میں قرآن میں روزوں کی فرضیت کے بارے میں حکم باری تعالیٰ نازل ہوا۔

رمضان نہ صرف انسان کے اندر تقوا کی صلاحیت پیدا کرتا ہے بلکہ دوسری طرف یہ جسمانی صحت و بھی بحال رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ہمارا معدہ جو ہمارے جسم میں اہم کردار ادا کرتا ہے پورے گیارہ مہینے کھانے پینے کی وجہ سے کمزور ہو چکا ہوتا ہے۔ وہ اس مہینے میں کھانے پینے کے پرہیز سے دوبارہ توانا ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید جو کہ اسی مہینے نازل ہوا انسانوں کے لیے سراسر ہدایت کا سرچشمہ ہے اور یہ ایسی واضح تعلیمات کا مجموعہ ہے جو حق اور باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔

لہٰذا یہ ہم پر فرض ہے کہ اگر ہم اس مہینہ کو پائیں تو قرآن پاک کی تعلیمات کی روشنی میں اس مہینے کو بہتر سے بہتر گذارنے کی کوشش کریں۔

رمضان المبارک کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ میری امّت کو پانچ چیزیں رمضان کے بارے میں خصوصی طور پر عطا کی گئی ہیں جو پچھلی امتّوں کو نہیں دی گئیں۔ (۱) ان کے منہ کی بدبو (روزہ دار) اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (۲) دریا کی مچھلیاں ان کے لیئے دعا کرتی ہیں۔ (۳) جنت ان کے لیئے ہر روز آراستہ کی جاتی ہے۔ (۴) اس مہینے میں سرکش شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں۔ (۵) رمضان کے آخری عشرے میں روزہ داروں کے لیے مغفرت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔

"نانی جان، یہ شب قدر کیا چیز ہے؟" سومی نے پوچھا۔

اس مہینے کے آخری عشرے کی پانچ طاق راتوں یعنی ۲۱، ۲۳، ۲۵، ۲۷ اور ۲۹ میں سے اللہ ایک رات ایسی عطا فرماتا ہے کہ جو ہزاروں راتوں سے افضل ہے۔ یعنی کہ ہزاروں راتوں کی عبادت ایک طرف اور اس رات کی عبادت ایک طرف، حضرت سلمانؓ روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ نے شعبان کی آخری تاریخ کو ارشاد فرمایا کہ تم پر ایک مہینہ ایسا آرہا ہے جو بہت بڑا اور مبارک مہینہ ہے اور اس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزاروں راتوں سے بڑھ کر ہے۔ اس مہینے میں اللہ تعالیٰ مومن کے رزق میں اضافہ کر دیتا ہے۔ اور اس مہینہ میں ایک فرض ادا کرنے کا ثواب ستّر فرضوں کے برابر ملتا ہے۔ یعنی اس مہینہ میں صرف ایک دن کی پانچ وقت کی نمازیں ادا کرنے سے ہم تین سو پچاس فرضوں کے مستحق بن سکتے ہیں۔

حضرت پر زبور، حضرت موسیٰ پر توریت اور حضرت عیسیٰ پر انجیل بالترتیب اسی مہینے میں ۱۲ یا ۱۸، ۶، ۱۲ یا ۱۳ رمضان کو نازل ہوئیں۔

حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعا رد نہیں کی جاتی ان میں ایک روزہ دار کی افطار کے وقت کی دعا بھی شامل ہے۔ رمضان کے روزوں کو بلا کسی شرعی عذر کے چھوڑ دینا سخت گناہ ہے اگر اس کی قضا کے بدلے وہ ساری عمر بھی روزے رکھے تو وہ اس ایک روزے کا بدل نہیں ہو سکتے۔"

"نانی جان روزے کتنے قسم کے ہوتے ہیں اور کب کب رکھے جاتے ہیں۔؟" سومی نے سوال کیا۔ دادی جان نے جواب دیا۔

"بیٹی، روزے کی چھ قسمیں ہیں۔ فرض، واجب، سنّت، نفل، مکروہ، اور حرام۔ فرض روزوں

میں رمضان کے تیس روزے ہم پر فرض ہیں۔ جو شخص ان کی فرضیت کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ رمضان کے روزے اگر کسی غفلت، یا پھر کسی شرعی عذر کی وجہ سے رہ جائیں تو ان کی قضا واجب ہے نذر اور کفارے کے روزے واجب ہیں۔ جو روزے آپ ؐ نے خود رکھے یا جس کو رکھنے کی تلقین فرمائی وہ روزے سنتی ہیں۔ نفلی روزوں میں ماہ شوال کے چھ روزے، پیر اور جمعرات کا روزہ، ماہ شعبان کی پندرھویں تاریخ کا روزہ اور ذوالحجہ کے ابتدائی عشرے کے آٹھ روزے شامل ہیں۔ مکروہ روزوں میں سنیچر اور اتوار کے دن کے روزے، صرف یوم عاشورہ کا روزہ رکھنا اور مسلسل روزے رکھنا شامل ہیں۔ عیدالفطر کے دن کا روزہ عیدالاضحیٰ کے دن کا روزہ ایام تشریق، ذوالحجہ کے روزے رکھنا حرام ہیں۔

مختصر یہ کہ رمضان کے روزے مسلمانوں کے لیے مسلسل تربیت کا ذریعہ ہیں۔ حدیث میں بھی ہے کہ "روزہ برائیوں کے خلاف ڈھال ہے۔" اس مہینہ میں مومن خود کو غیبت، چغلی، جھوٹ، غلط بیانی، شور ہنگامہ جیسی برائیوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ تاکہ روزے اس کے لیے اجر و ثواب کا ذریعہ بن جائیں اور آخرت کے دن اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔

ابھی نانی جان کی گفتگو جاری تھی کہ امی جان نے دونوں کو دسترخوان کی طرف آنے کو کہا۔ سومی کے اندر ایک عجیب سی روحانی خوشی جنم لے چکی تھی اسے اب معلوم ہوا تھا کہ روزہ رکھ کر اس نے اپنے اللہ کو خوش کیا ہے۔

نماز

ضیغم حمیدی
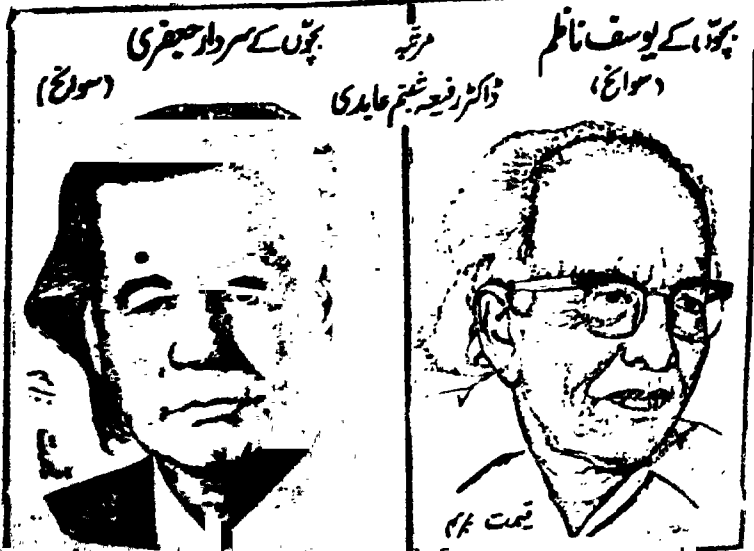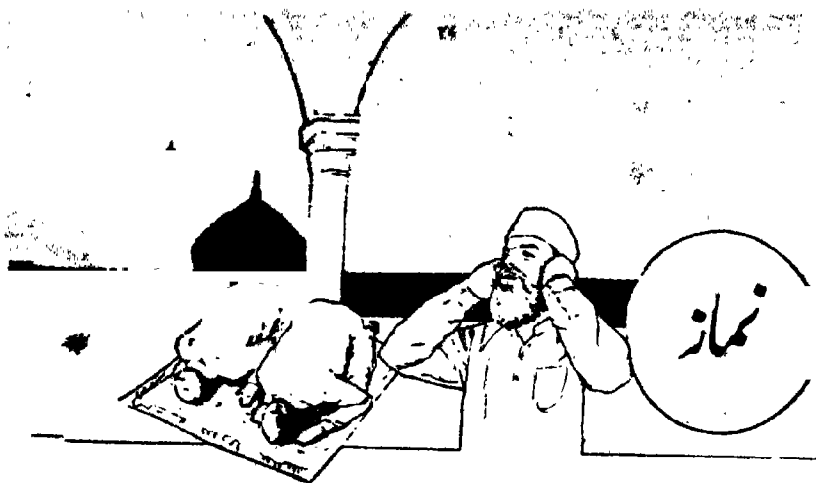
دین و دنیا سنوارتی ہے نماز
سوئے جنّت پکارتی ہے نماز

دین کا یہ ستون کہلائے
قلب اور روح کو یہ گرمائے

ہر برائی سے روکتی ہے یہ
گندی باتوں پہ ٹوکتی ہے یہ

دور رکھتی ہے ہم سے شیطاں کو
پختہ کرتی ہے دین و ایماں کو

آدمی سیدھی راہ چلتا ہے
دل کا ہر خوف اس سے ٹلتا ہے

ہر مسلماں کا روپ کھلتا ہے
اس سے دل کو سکون ملتا ہے

بچو! ہے نیکیوں کی یہ سرتاج
تم بھی بن جاؤ پھر نمازی آج

خلا
امن کا پیغامبر
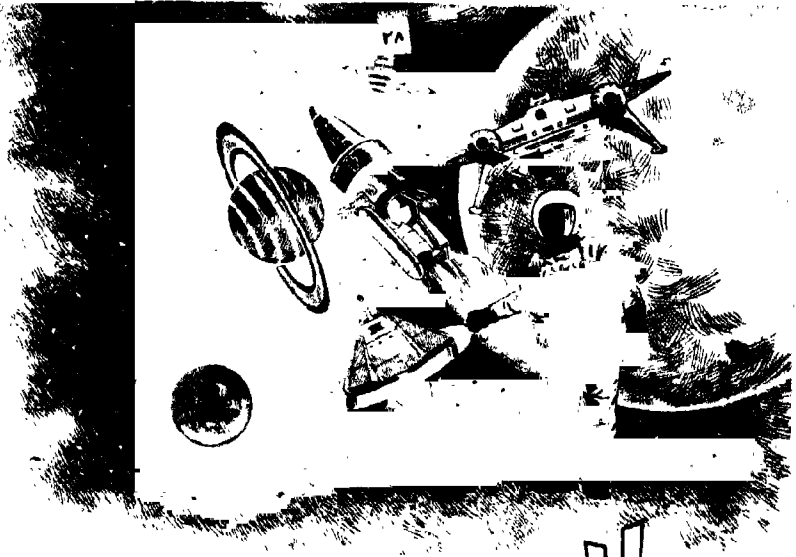
آپ نے "خلا" کا لفظ اکثر سنا ہوگا۔ لیکن آپ نے غور کیا ہے کہ خلا کی حقیقت کیا ہے؟ آیئے ہم آپ کو بتاتے ہیں۔

محمد کاشف قریشی

قصہ یہ ہے کہ ہماری زمین کے چاروں طرف آکسیجن، نائٹروجن اور دوسری گیسوں پر مشتمل ہوا کا ایک بہت بڑا غلاف لپٹا ہوا ہے۔ جسے ہوائی کرہ کہتے ہیں۔ ہوائی کرہ ہمیں سورج سے آنے والی خطرناک بنفشی شعاعوں اور کائناتی شعاعوں (Cosmic Rays) سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ یہ ایک خاص قدرتی پردہ ہے جس میں سے سورج کی توانائی چھن چھن کر زمین تک آتی ہے۔ یہ ہوا کا غلاف سورج کی روشنی کو خاص انداز سے منتشر کرتا ہے۔ اسی غلاف کی بدولت ہمیں آسمان دن کے وقت نیلگوں نظر آتا ہے۔

جب ہم زمین سے کئی سو کلو میٹر اوپر پہنچ جاتے ہیں تو وہاں ہوائی کرہ ختم ہو جاتا ہے۔ وہاں ہوا نہیں ہوتی، گیسوں کے چند سالمے (Molecules) اگر ہوتے بھی ہیں تو ایک دوسرے سے بہت زیادہ دور ہوتے ہیں۔ ایسی جگہ کو خلا (Space) کہتے ہیں۔

خلا کی تشریح تو یہ ہے کہ جہاں کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ ہوا بھی نہیں ہوتی کیونکہ خلا کے معنی ہیں "خالی جگہ" مگر بعض سائنس دان جو خلا کو خالی خیال نہیں کرتے ہیں کہتے ہیں کہ

"کائنات میں خلا محال ہے۔ جہاں کچھ نظر نہیں آتا وہاں کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔ جہاں مادے کے ذرے ٹھوس ہو کر مل جاتے ہیں وہ خلا نہیں ہے اور جہاں گیس کی صورت میں پھیلے ہوئے ہونگے وہاں ہم خلا سمجھتے ہیں۔ جیسے ہمارے ارد گرد کی ہوا جو ہمیں نظر نہیں آتی۔"

یہ تو تھی طبیعات (Physics) کی بات اب ذرا ایک ماہر فلکیات کی بات بھی سنئے۔ سر جیمز جینز نے دور بینوں کی مدد سے ستاروں کا گہرا مشاہدہ کیا وہ کہتے ہیں کہ

"کائنات میں اتنے ستارے ہیں کہ انہیں گنا نہیں جاسکتا۔ ستاروں کے کروڑوں جھرمٹ ہیں اور ہر جھرمٹ میں کروڑوں ستارے ہیں۔ جہاں ہم ابھی اتنی دور نہیں دیکھ پاتے جسے کائنات کی آخری حد کہا جائے۔ اس کے باوجود یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ کائنات تقریباً خالی ہے۔ یعنی کائنات اتنی وسیع ہے کہ اربوں کھربوں ستارے، سیارے اس کے ذرا سے کونے میں سما سکتے ہیں۔"

سر جیمز جینز نے اس کی مثال یہ دی ہے کہ ستاروں کے جس جھرمٹ میں ہماری زمین واقع ہے اس میں سورج سے بھی کوئی دس گناہ بڑے کروڑوں ستارے ہیں لیکن خود کائنات اتنی وسیع ہے کہ یہ دس کروڑ ستارے گویا اس کے مقابلے میں دس کروڑ خاک کے ذروں کے برابر ہیں۔ تو پھر کائنات میں خلا نہیں ہے تو کیا ہے۔ اسی لیے ستاروں کے آپس میں ٹکرانے کا امکان بہت کم ہے۔ مثلاً زمین اور چاند کے درمیان کئی لاکھ کلو میٹر کی جگہ میں اور زمین سے سورج کے بیچ میں کروڑوں کلو میٹر تک بس خلا ہے۔

جب ہم ہوا کے غلاف سے باہر نکل کر خلا میں قدم رکھتے ہیں تو ہم ایک نرالی دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں نہ ہوا ہے نہ پانی نہ کھڑے ہونے کی جگہ ہے۔ وہاں پر آپ ہر وقت راکٹ میں تیز رفتاری سے حرکت کر رہے ہوتے ہیں۔ اگر حرکت نہ کریں گے تو کسی بھی سیارے سے ٹکرا جائیں گے۔ خلا ہمیشہ سے سنسان اور خاموش ہے۔ وہاں پر آپ کو اپنی ہی آواز سنائی نہیں دے گی۔ کیونکہ آواز کی لہریں خلا میں سفر نہیں کرتیں۔ خلا زمین سے یکسر مختلف ہے۔ خلا میں نہ دن ہوتے ہیں نہ رات۔ آسمان نیلا نہیں رہتا، سیاہ اور تاریک ہو جاتا ہے۔ سورج اور ستارے سب ایک ساتھ دیکھے جاسکتے ہیں۔ وہاں سورج کی روشنی بہت تیز ہوتی ہے۔ مگر پھر بھی ستارے ماند نہیں پڑتے۔ خلا میں ستارے جھلملاتے بھی نہیں ہیں بلکہ بڑی تعداد میں چمکتے ہیں۔ خلا کا کوئی موسم نہیں ہوتا وہاں سردی، گرمی کا کوئی ایسا معاملہ نہیں ہوتا جیسا کہ زمین پر ہوتا ہے۔ مشاہدہ ہے کہ جیسے جیسے ہم ہوا کے غلاف سے باہر ہوتے ہیں سردی بڑھنے لگتی ہے۔ خلا میں پہنچ کر جس جگہ سورج کی شعاعیں براہ راست پڑتی ہیں وہ جگہ گرم اور جس جگہ سورج کی شعاعیں براہ راست نہ پڑ رہی ہوں وہ جگہ سرد ہوتی ہے۔

زمین کی عظیم کشش پر قابو پاکر انسان بردار خلائی جہاز (Space Air Craft) کو راکٹ انجنوں کی مدد سے ہوائی کرے کو چیرتے ہوئے خلا میں لے جانا اور پھر واپس حفاظت کے ساتھ زمین پر لے آنا جدید سائنس کا ایسا بے مثال کارنامہ ہے جو بیسویں صدی سے پہلے ناممکن تھا۔ مگر اب انسان خلا میں چہل قدمی کر رہا ہے۔ آیئے ہم آپ کو خلا میں چہل قدمی سے متعلق کچھ معلومات فراہم کرتے ہیں۔

پُراسرار خلا میں چہل قدمی کے لیے خاص دباؤ والے خلائی سوٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔ تاکہ جسم کے اندرونی اعضاء پر کوئی بوجھ نہ پڑے۔ خلا میں سیر بہت ہی عجیب و غریب پُرلطف اور حیرت انگیز ہے۔ سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خلا میں چیزیں اپنا وزن کھو دیتی ہیں۔ اور ادھر ادھر تیرنے لگتی ہیں۔ "دراصل وزن وہ قوت ہے جس سے زمین کسی بھی چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔" یہ کشش ثقل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اگر کوئی چیز کسی خاص سمت میں تیزی سے جانے لگے تو طبیعاتی قانون کے مطابق اس چیز کے وزن میں کسی خاص سمت میں جانے والی رفتار بھی شامل ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا وزن تیزی سے کم یا زیادہ ہوسکتا ہے۔ آج کل تیز رفتار لڑاکا طیارہ جب تیزی سے لڑتے ہوئے مڑتے ہیں یا تیزی سے غوطہ لگاتے ہیں تو پائلٹوں کو اپنے وزن میں بہت زیادہ تبدیلی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ کبھی وہ خود کو بہت زیادہ بھاری محسوس کرتے ہیں اور کبھی بہت ہلکا۔ اسی طرح جب ایک خلائی جہاز یا راکٹ بہت زیادہ رفتار سے زمین سے روانہ ہوتا ہے۔ تو کچھ دیر کے لیے خلا بازوں کا وزن کئی گنا بڑھ جاتا ہے۔ اور خلا میں پہنچتے ہی وہ بالکل ہلکے پھلکے ہو جاتے ہیں۔ اور جب خلائی جہاز، زمین کے گرد اپنے مدار میں چکر لگاتا ہے تو انہیں ایک عجیب صورتحال کا کرنا پڑتا ہے۔ نہ وہ کرسی پر بیٹھ سکتے ہیں، نہ لیٹ سکتے ہیں، یہاں تک کہ کھڑے بھی نہیں ہوسکتے۔ جیسے خلا باز کا کوئی وزن نہ ہو۔ خلا میں وزن صفر ہو جاتا ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ خلا میں زمین کی کشش ختم ہو جاتی ہے۔ کشش ثقل ہر وقت خلائی جہاز پر اثر کرتی ہے۔ لیکن جب خلائی جہاز تیزی سے زمین کے چاروں طرف گھوم رہا ہوتا ہے۔ تو اس کی تیز حرکت کی وجہ سے ایک خاص قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ جو کشش ثقل کے برابر ہو کر اس کا اثر زائل کر دیتی ہے۔ اور خلائی جہاز بے وزن ہو جاتا ہے۔ اور اس کے اندر تمام چیزیں اپنا وزن کھو دیتی ہیں۔

خلا میں جا کر آپ ایک جگہ سے پوری دنیا کو دیکھ سکتے ہیں۔ پھر آپ کو یقیناً پوری دنیا کے لڑائی جھگڑے بہت عجیب لگیں گے۔ کیونکہ وہاں سے تو زمین ایک اکائی، ایک گھر کی طرح نظر آتی ہے۔ بلاشبہ خلا سے امن کا بے مثال پیغام ملتا ہے۔

دادا ابا کی عینک

سید نظر زیدی

گلریز کے دادا ابا صبح کی نماز پڑھ کر سو جاتے تھے اور پھر اُس وقت اٹھتے تھے جب ناشتہ تیار ہو جاتا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھے جو دنیا میں بہت کامیابیاں حاصل کرتے ہیں۔ کچھ لوگ تو کامیابی صرف اس بات کو سمجھتے ہیں کہ آدمی ڈھیر ساری دولت اکٹھی کر لے، کوٹھی بنوا لے، کار خرید لے۔ بیشک یہ بھی کامیابی ہے. لیکن سچی اور اصل کامیابی یہ ہوتی ہے کہ روپے پیسے کے ساتھ انسان نیک نامی بھی کمائے جو نیک اور اچھا بن کر ہی حاصل کی جا سکتی ہے اور گلریز کے دادا جان نے یہ دوسری دولت بھی بہت کمائی تھی۔ ہر جگہ ان کا نام عزت سے لیا جاتا تھا اور ان کی تعریف کی جاتی تھی۔

داداابا کی زندگی اس بڑھاپے میں بھی بہت رکھ رکھاؤ کی تھی۔ وہ ہر کام بالکل ٹھیک وقت پر کرتے تھے اور اپنی ہر چیز اس کی جگہ پر رکھتے تھے۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے چیزوں کو ان کی جگہ پر رکھنے کا یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ضرورت پڑنے پر ڈھونڈنی نہیں پڑتیں، ہاتھ بڑھاؤ اور اٹھالو۔ اس طرح ان کے اور سب کاموں میں بہت سلیقہ اور صفائی ستھرائی نظر آتی تھی۔ داداابا کی اس بہت صاف ستھری اور پاکیزہ زندگی میں اگر کوئی کمی نظر آتی تھی... وہ یہ تھی کہ وہ کسی قدر چڑچڑے ہوگئے تھے انہیں بالکل معمولی باتوں پر بھی غصہ آجاتا تھا اور جب غصہ آجاتا تھا تو گھر میں خاصی رونق ہو جاتی تھی۔ وہ چیختے چلّاتے تھے۔ دادی اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لیے جواب دیتی تھیں اور پھر سوال جواب کا یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہتا تھا جب تک گلریز کی امّی یا ابّو بیچ میں پڑ کر دونوں کی صلح نہ کرا دیتے تھے۔

آج جمعہ کی چھٹی تھی۔ گلریز کسی قدر دیر سے جاگا تھا لیکن داداابھی سو رہے تھے۔ اپنے پلنگ سے اُٹھ کر وہ داداابا کے کمرے میں آگیا۔ ارادہ یہ تھا کہ ان کی کھانسی کی گولیوں میں سے دو تین گولیاں لے کر دبے پاؤں لوٹ جائے گا۔ یہ میٹھی گولیاں اسے بہت پسند تھیں۔ داداابا اپنی خوشی سے نہ دیتے تھے ان کا کہنا تھا یہ دوا ہے اور صرف اس کو کھانی چاہئے جو بیمار ہوا دھر گلریز کو یہ خوشبو دار میٹھی گولیاں چیونگم اور ٹافیوں سے اچھی لگتی تھیں۔ چنانچہ وہ موقع پا کر اپنا شوق پورا کر لیا کرتا تھا اور یہ موقع جمعہ کے دن ہی ملتا تھا عام دنوں میں تو اسکول جانے سے پہلے صبح کا سارا وقت امّی جان کی نظروں کے سامنے رہنا پڑتا تھا جو سب بچوں کو اسکول جانے کے لیے تیار کرتی تھیں۔

جیسا کہ ہم نے بتایا گلریز کا ارادہ تھا گولیاں اٹھا کر اسی طرح دبے پاؤں باہر نکل جائے گا جس طرح آیا تھا، لیکن نہ جانے کیوں آج اس کے دماغ میں یہ خیال آگھسا کہ داداابا اور دادی اماں کی تیز تیز باتوں کا لطف اٹھانا چاہیئے اور اس نے داداجان کے سرہانے سے اُن کی عینک اٹھالی یہ کام بالکل آسان تھا لیکن اتفاق ایسا ہوا کہ جیسے ہی اس نے عینک کی طرف ہاتھ بڑھایا ریحانہ آگئی اور گھبراہٹ بھری آواز میں بولی، "بھائی جان یہ کیا غضب کرنے لگے ہیں آپ؟ معلوم نہیں داداابا کو عینک اس کی جگہ نہ ملے گی تو قیامت آجائے گی۔"

گلریز ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بولا، "خاموش! اسی لیے تو یہ کام کر رہا ہوں کتنے دنوں سے گھر پر سناٹا چھایا ہوا ہے سب لوگ شرافت سے اپنے اپنے کاموں میں لگے رہتے ہیں بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے، آج ادا ابا کو عینک اس کی جگہ پر نہ ملے گی تو کچھ رونق ہو جائے گی۔"

"لیکن یہ کوئی اچھی بات ہے ؟ دادا جان کو پریشان کروگے تو اللہ پاک سخت گناہ دیں گے تمہیں۔ " ریحانہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ "دیکھا جائے گا۔ " گلریز نے بے پروائی سے کہا اور عینک اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

○

گلریز کا اندازہ بالکل ٹھیک نکلا۔ دادا ابا نے عینک اس کی جگہ پر نہ پائی تو شور مچادیا۔ دادی اماں نے انہیں چپ رہنے کے لیے کچھ کہا اپنی بے گناہی ثابت کرنے کی کوشش کی اور گھر میں اچھا خاصا ہنگامہ مچ گیا بلکہ اس سے بھی آگے آج تو کچھ ایسا ہوا کہ امی اور ابو کے درمیان میں آنے اور سمجھانے سے بھی دادا ابا کا غصہ کم نہ ہوا۔ وہ یہی کہتے رہے کہ مجھے ساری تکلیفیں اس بڑھیا کی بے پروائی کی وجہ سے پہنچتی ہیں۔

ریحانہ کو پوری بات معلوم تھی کہ اس ڈرامے کا اصلی ہیرو کون ہے، بلکہ وہ تو یہ بھی جانتی تھی کہ گلریز نے عینک کہاں چھپائی ہے جب اس نے دیکھا کہ جھگڑا ختم ہی نہیں ہو رہا اور دادا ابا کے چیخنے چلانے سے دادی اماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے ہیں تو عینک لے آئی اور دادا ابا کو گلریز کی شرارت کا سارا حال بتادیا وہ جانتی تھی کہ گلریز بدلہ لے گا لیکن اسے یہ بات ضروری معلوم ہوئی کہ دادا ابا اور دادی اماں کے درمیان جو رنجش پیدا ہوگئی ہے وہ ختم ہو جائے۔

○

گلریز نے جو حرکت کی تھی۔ اسے اس کی سزا ملنی چاہیئے تھی سب کا خیال تھا دادا ابا اسے خوب ڈانٹیں گے، لیکن ایسا نہ ہوا، ریحانہ کی بات سن کر وہ کچھ دیر چپ بیٹھے رہے، جیسے سوچ رہے ہوں، پھر پیار بھری آواز میں بولے "گلریز بیٹے، یہاں ہمارے پاس آؤ۔ "

گلریز اپنے آپ کو سزا بھگتنے کے لیے تیار کر چکا تھا۔ دادا ابا کی یہ بات سنی تو خوش ہو گیا اور جلدی سے ان کے پاس آگیا دادا ابا نے بہت پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنے اور قریب کر لیا اور سمجھانے کے انداز میں بولے :" بیٹے آج تم نے جو گناہ کیا ہے پھر کبھی نہ کرنا، پہلی بات تو یہ کہ اللہ پاک نے بڑی عمر کے لوگوں کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے پھر ہم تو تمہارے دادا ابا بھی ہیں تمہیں ہماری عزت تو اور بھی زیادہ کرنی چاہیئے۔ دوسرے اس قسم کی شرارت کرنے سے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں کو بہت زیادہ تکلیف پہنچ جاتی ہے اور ان کی بد دعا سے شرارت کرنے والے مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ آج تم نے یہ شرارت کی تو ہمیں اپنے بچپن کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ "

"دادا ابا کیا آپ نے بھی کسی کے ساتھ ایسی ہی شرارت کی تھی؟"

گلریز نے سوال کیا۔

"ہاں بیٹے۔" دادا ابا نے کہا،"جب ہم تمہاری عمر کے تھے ہم نے بالکل اسی طرح اپنی خالہ اماں کی عینک چھپادی تھی اور ہماری شرارت سے انہیں بہت زیادہ تکلیف پہنچی تھی۔ ہماری یہ خالہ اماں بہت بوڑھی تھیں۔ ان کے خاوند کا انتقال ہو گیا تھا کوئی اولاد بھی نہ تھی اس لیے وہ ہمارے گھر آگئی تھیں۔ سب ان کی بہت عزت کرتے تھے، لیکن نہ جانے کیوں ایک دن میں نے ان کی عینک چھپادی۔ ان کی نظر بہت کمزور تھی، عینک کے بغیر بالکل پاس رکھی ہوئی چیز بھی نہ دیکھ سکتی تھیں۔ انہوں نے گھر کے ایک ایک آدمی سے اپنی عینک کے بارے میں پوچھا اور سب نے یہی جواب دیا کہ ہمیں معلوم نہیں وہ بتا بھی کس طرح سکتے تھے ٹھیک بات تو بس مجھے معلوم تھی اور میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ بوڑھی خالہ اماں عینک کے بغیر کیا کرتی ہیں۔

"ہائے ہائے دادا ابا یہ تو بڑی بے رحمی کی بات تھی!" ریحانہ نے کہا۔ لگتا تھا یہ بات سن کر اسے بہت رنج ہوا ہے۔

"ہاں بیٹی، بہت بے رحمی کی، لیکن اس وقت تو ہمیں یوں لگ رہا تھا کہ ہم نے بہت شاندار کام کیا ہے۔ دراصل بچپن کی عمر ایسی ہی ہوتی ہے بچے کے ہاتھوں اور پیروں کی طرح اس کی عقل بھی چھوٹی اور کمزور ہوتی ہے اور اسی لیے یہ بات ضروری ہے کہ بچے اپنے بڑوں کا کہنا مانیں جن کاموں کے کرنے کے لیے کہیں وہ کریں اور جن سے روکیں رک جائیں۔"

"بیشک یہ بات بہت ضروری ہے۔" ریحانہ نے کہا "جس طرح چھوٹے بچے کوئی بھاری چیز نہیں اٹھا سکتے اور نہ اپنے خرچ پورے کرنے کے لیے روپیہ کما سکتے ہیں، بالکل اسی طرح سب باتوں کے بارے میں یہ نہیں جان سکتے کہ کون سی اچھی ہے اور کون سی اچھی نہیں ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" گلریز نے اپنی عادت کے خلاف ریحانہ کی بات کو ٹھیک مان لیا۔ پھر دادا ابا کی طرف دیکھ کر بولا "اچھا تو اس کے بعد کیا ہوا دادا ابا؟"

"اس کے بعد یہ ہوا بیٹے کہ خالہ اماں کسی ضرورت سے اٹھیں تو میز سے ٹکرا کر گر پڑیں ان کے ماتھے سے خون بہنے لگا اور وہ بیہوش ہو گئیں میں ان کی گھبراہٹ کا تماشہ دیکھنے کے لیے دروازے میں کھڑا تھا۔ وہ بُری طرح گریں تو گھبرا گیا۔ دوڑ کر ان کے پاس گیا اور انہیں اٹھانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ بیہوشی کی حالت میں بڑبڑا رہی تھیں۔ "اے اللہ جس نے میری عینک چھپائی ہے اسے برباد کردے، اسے

برباد کر دے۔"

"ہائے اللہ، وہ تو آپ کو کوس رہی تھیں۔" ریحانہ نے کہا وہ دادا ابا کی یہ بات سن کر ڈر گئی تھی دادا ابا افسوس کے انداز میں لمبا سانس لے کر بولے "ہاں بیٹی وہ درد سے کراہتے ہوئے کوسنا ہی دے رہی تھیں اور تم یہ سن کر حیران ہوگی کہ ان کی بد دعا کا اثر دوسرے دن ہی ظاہر ہوگیا۔ ہم اسکول سے واپس آرہے تھے کہ ایک آدمی نے ہمیں پکڑ لیا اور ایک اندھیری کوٹھڑی میں بند کر دیا۔"

"دادا ابا کیا وہ بچوں کو اغوا کرنے والا کوئی بُرا آدمی تھا؟" گلریز نے پوچھا۔

"ہاں بیٹے ان دنوں پورے شہر میں شور مچا ہوا تھا کہ بچوں کو اغوا کرنے والا کوئی گروہ آگیا ہے دس بارہ بچے اغوا ہو چکے تھے۔" دادا ابا نے جواب میں بتایا۔

"تو پھر آپ آزاد کیسے ہوئے؟" ریحانہ نے پوچھا۔

"بس یوں سمجھ لو بیٹی اللہ پاک کی خاص رحمت ہی سے ہم اس ظالم کے پنجے سے نکلے۔ جس زمانے کا یہ واقعہ ہے ہماری عمر گیارہ برس تھی۔ ہم فوراً سمجھ گئے کہ بچوں کو اغوا کرنے والوں کے چنگل میں پھنس گئے۔ بہت گھبرائے کوٹھڑی سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ دروازہ زور زور سے ہلایا لیکن کامیابی حاصل نہ ہوئی اور تھک ہار کر رونے لگے اور روتے روتے اللہ سے دعا مانگنے لگے۔ ہم نے اپنے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ اگر اس مصیبت سے بچ گئے تو ساری زندگی خالہ اماں کی خدمت کریں گے انہیں خوش کرنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔"

"پھر آپ کی یہ دعا قبول ہوگئی؟ میرا مطلب ہے دعا کی برکت ہی سے آپ کو اس قید سے آزادی مل گئی؟" گلریز نے سوال کیا۔

"ہاں بیٹے! اللہ پاک نے یہ بات قرآن شریف میں بتائی ہے کہ جب کوئی سچے دل سے دعا کرتا ہے تو اس کی دعا قبول ہوتی ہے۔"

"دادا ابا میں نے سنا ہے اگر کوئی جھوٹ بولتا ہو یا دوسروں کی چیزیں چھین لیتا ہو تو اس کی دعا قبول نہیں ہوتی؟"

ریحانہ نے سوال کیا۔

"ہاں بیٹی یہ بات ٹھیک ہے دعا صرف ان لوگوں کی قبول ہوتی ہے جو سچے دل سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ جو غلطی ان سے ہوگئی ہے پھر کبھی نہ کریں گے۔ پاک صاف رہتے ہیں دوسروں کو ستاتے نہیں بلکہ

آرام پہنچاتے ہیں اور جھوٹ نہیں بولتے اور چونکہ ہم نے سچے دل سے توبہ کی تھی اس لیے ہماری دعا اسی وقت قبول ہو گئی ہوا یہ کہ ذرا دیر بعد ہی وہ برا آدمی کھانا لے کر کوٹھڑی میں آیا اور کھانا رکھ کر باہر نکلنے لگا تو پولیس آگئی، پولیس آگئی، کا شور مچ گیا اور وہ ایسا گھبرایا کہ کوٹھڑی کا دروازہ بند کیے بغیر بھاگ گیا۔ "

"اور آپ باہر نکل آئے؟" گلریز بولا۔ لگتا تھا دادا ابا کی بات سن کر اسے بہت خوشی ہوئی ہے۔

"ہاں بیٹے، ہم جلدی سے کوٹھڑی سے باہر آگئے اور خیر خیریت سے اپنے گھر پہنچ گئے اور پھر ساری زندگی ہم نے خالہ اماں کی اس طرح خدمت کی کہ وہ اٹھتے بیٹھتے ہمیں دعائیں دیتی تھیں۔ ہمارا ایمان ہے کہ ہمیں جتنی کامیابیاں حاصل ہوئیں وہ خالہ اماں کی دعاؤں کی وجہ سے ہی حاصل ہوئیں اللہ پاک نے ہمیں بہت بڑا افسر بنایا، تندرست رکھا، خوب عزت دی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم جیسے پیارے پیارے بیٹے اور بیٹیاں دیں۔ " دادا نے کہا۔ وہ بہت خوش نظر آرہے تھے۔

دادا ابا کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ ریحانہ نے مسکرا کر گلریز کی طرف دیکھا جیسے پوچھ رہی ہو کہو تمہارا کیا ارادہ ہے؟ پھر کروگے ایسی شرارت؟ اور اس نے توبہ کرنے کے انداز میں جلدی سے اپنے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

تاریخ ولادت ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء
تاریخ وفات ۔ ۱۵ فروری ۱۸۶۹ء

قمر ہاشمی

ایک تھے چچا غالب ۔۔۔ رہنے والے دلّی کے
شاہِ ہند کے اُستاد ۔۔۔ خوب شعر کہتے تھے
دوستوں کو خط لکھتے ۔۔۔ جیسے باتیں کرتے ہیں
پاک و ہند کے شاعر ۔۔۔ دم اُنھی کا بھرتے ہیں
جب گئے وہ کلکتے ۔۔۔ مغربی ہوا دیکھی
ذہن کھل گیا اُن کا ۔۔۔ ہر نئی ادا دیکھی
آم کے وہ رسیا تھے ۔۔۔ میٹھے آم کھاتے تھے
کوئی بھیجتا تحفے ۔۔۔ اُس کے گُن بھی گاتے تھے
آدمی کی عزّت کا ۔۔۔ تھا خیال غالب کو
شہر کے اُجڑنے کا ۔۔۔ تھا ملال غالب کو
ہر زباں میں زندہ ہے ۔۔۔ اُن کا شعر اردو کا
حرف تھے محبت کے ۔۔۔ اور اثر تھا جادو کا
ہر صدی ہے غالب کی ۔۔۔ ہر زمانہ غالب کا
اُٹھ گیا تھا دنیا سے ۔۔۔ آب و دانہ غالب کا

بدن کے تمام اعضاء جو دماغ کو آس پاس کے حالات سے باخبر رکھتے ہیں، ان میں ہماری آنکھیں سب سے حیرت ناک ہیں۔ جن کی مدد سے سب چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ آنکھیں نہ ہوں تو ساری دنیا اندھیر ہو جائے۔ ہوتا یہ ہے کہ تمام چیزوں سے روشنی کی شعاعیں نکل کر ہماری آنکھوں میں پہنچتی ہیں اور آنکھ ایک موٹی عصبی ڈور (عصبِ بصری) کے ذریعے اس خبر کو فوراً دماغ تک پہنچا دیتی ہے۔ جس سے دماغ میں دیکھنے کا احساس پیدا ہوتا ہے

آنکھوں کا محفوظ مقام:۔ قدرت نے آنکھوں کو چہرے سے اوپر ہڈی کے دو گہرے خانوں میں نہایت محفوظ جگہ رکھا ہے۔ باہر سے دو پپوٹے اور پلکیں ان کی حفاظت کرتی ہیں۔ آنکھیں چہرے کے سامنے ہیں اس لیے سامنے دیکھ سکتی ہیں۔ ہم اپنی مرضی سے دائیں بائیں اوپر نیچے گھما سکتے ہیں۔ اس طرح گھمانے کے لیے ہر آنکھ کے ڈھیلے پر گوشت کی چھ طنابیں (عضلاتِ حرکت) لگی ہوئی ہیں۔ دو آنکھیں

ہونے میں یہ فائدہ ہے کہ ہم ہر چیز کے ڈیل ڈول کو بہت ٹھوس اور ابھرا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ اگر ایک آنکھ کو بند کرکے دوسری آنکھ سے کسی چیز کو دیکھا جائے تو وہ اس قدر ٹھوس اور نمایاں نظر نہ آئے گی۔ دونوں آنکھوں سے ہم چاروں طرف زیادہ دیکھ سکتے ہیں۔ آنکھ کا دیدہ (سامنے کا کھلا حصہ) آنسوؤں سے ہمیشہ تر رہتا ہے۔ اگر کبھی گرد و غبار کا کوئی ذرہ آنکھ میں پہنچ جائے۔ تو اکثر اوقات وہ آنسوؤں کی تیزی سے دھل کر باہر نکل جاتا ہے۔ اور آنکھ صاف ہو جاتی ہے آنکھ کی بناوٹ بالکل فوٹو گرافی کے کیمرے کی طرح ہے۔ جس میں سامنے شیشے کا ایک محدب عدسہ ہوتا ہے۔ اور پیچھے ایک حساس پلیٹ ہوتی ہے۔ جس پر روشنی کا عکس پڑنے سے تصویر بنتی ہے۔آنکھ میں بھی سامنے کے حصے میں ایک ملائم محدب عدسہ ہوتا ہے۔ جو روشنی کی شعاعوں کو اکٹھا کر کے پچھلے حصے میں منتقل کر دیتا ہے۔ جہاں ایک پردے (پردۂ چشم) پر یہ شعاعیں جمع ہو کر تصویر بنا دیتی ہیں۔ اس کی خبر فوراً ایک موٹی عصبی ڈور (عصب بصری) کے ذریعے دماغ کے مرکز بینائی کو پہنچ جاتی ہے۔ جس سے ہمیں دیکھنے کا احساس ہوتا ہے۔ باہر سے روشنی کی شعاعیں آنکھ کے اندر ایک گول سوراخ (پتلی) کی راہ سے اندر داخل ہوتی ہیں۔ یہ پتی سامنے سے آنکھ کے بیچ میں گول اور کالی نظر آتی ہے۔ پتلی کے ارد گرد ایک رنگین مہین پردہ گول حلقہ بناتا ہے۔ بعض آدمیوں میں یہ پردہ نیلے رنگ کا ہوتا ہے بعض آدمیوں میں بھورا آسمانی یا سیاہی مائل۔ روشنی زیادہ ہو تو یہ پردہ سکڑ کر پتلی کے سوراخ کو تنگ اور چھوٹا کر دیتا ہے۔ روشنی کم ہو تو پردہ پھیل جاتا ہے۔ اور پتلی چوڑی ہو جاتی ہے۔ تاکہ زیادہ روشنی اندر جا سکے۔

آنکھ کے طبقات یا غلاف۔ ۔ آنکھ کے ڈھیلے کو تین طبقات یا غلاف گھیرے ہوتے ہیں۔

(۱) ...... سب سے باہر کی ٹھوس، موٹی اور سخت پرت آنکھ کے بڑے قطر کا پچھلا ۵/۶ حصہ بناتی ہے۔ جو غیر شفاف ہوتا ہے۔ اس کے پچھلے حصے میں ایک سوراخ ہوتا ہے۔ جس کے راستے آنکھ کا عصب بصری اور خون کی رگیں اندر داخل ہوتی ہیں۔ اس کا سامنے کا ۱/۶ حصہ شفاف ہوتا ہے۔ یعنی روشنی اس کے اندر سے گزر سکتی ہے۔ یہ شفاف حصہ پلاسٹک کی سخت و کرخت جھلی یا ابرک کے پتلے ورق کی طرح ہوتا ہے۔ اور آنکھ کے ڈھیلے کے سامنے ابھرا ہوا ایک جیبی گھڑی کے شیشے کی طرح لگا ہوتا ہے۔ اس کو قرنیہ کہتے ہیں۔ یعنی سینگ جیسا سخت۔ قرنیہ پر باہر سے ایک نرم شفاف جھلی (ملتحمہ) چڑھی ہوتی ہے۔ جو دونوں پپوٹوں کا استر بھی بنا دیتی ہے۔

(۲) ...... درمیانی پرت (مشیمیہ) خون کی رگوں سے بھری ہوئی سیاہی مائل یا ارغوانی ہوتی ہے۔ عصب بصری کے گزرنے کے لیے اس کے پچھلے حصے میں بھی سوراخ ہوتا ہے۔ اس کے سامنے کے ۱/۶ حصے کو عنبیہ یا انگوری پردہ کہتے ہیں۔ کیونکہ بعض آدمیوں میں بھورا یا نیلگوں اور بعض میں زردی

مائل۔ مثل انگور یا قوس قزح کے رنگ کا ہوتا ہے۔ اس پردے کے سامنے والے گول سوراخ کو ہی پتلی کہتے ہیں۔ جس کی راہ سے روشنی آنکھ کے اندر جاتی ہے۔ روشنی کی زیادہ یا کم مقدار کے لحاظ سے پتلی سکڑتی یا پھیل جاتی ہے۔

(۳) ...... سب سے اندر کی کالی پرت (شبکیہ) دراصل ایک نورانی پردہ ہے۔ جس پر باہر سے آنے والی روشنی کی شعاعیں پڑ کر ہر زیر نظر چیز کا خاکہ بناتی ہیں۔ درحقیقت یہ نازک اور حساس پردہ عصب باصرہ کے ریشوں کے پھیلاؤ سے بنتا ہے، یہ ریشے روشنی سے متاثر ہو کر پردے پر قائم شدہ خاکے کے ڈیل ڈول وغیرہ کا احساس دماغ تک پہنچا دیتے ہیں۔ احساس کی یہی دماغی کیفیت ہماری بصارت یعنی دیکھنے کا سبب ہے۔

اسے کہتے ہیں سیلز مین شپ

انتخاب شوکت صدر الدین

بیمہ کمپنی کا ایک دبلا پتلا شرمیلا نوجوان ایک آفس میں داخل ہوا۔ اور سیدھا سیلز منیجر کے کمرے میں پہنچ گیا منیجر کے قریب جاکر اس نے کہا "جناب! آپ بیمہ پالیسی لینا تو پسند نہیں کریں گے۔"

"نہیں" سیلز منیجر کی کرخت آواز گونجی "قطعی نہیں برخوردار۔"

"جی مجھے بھی یقین تھا۔" نوجوان نے سہم کر جواب دیا اور مایوسی کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔

"ٹھہرو" سیلز منیجر نے کہا۔ "میری عمر اس دشت کی سیاحی میں گزری ہے تم جیسا گیا گزرا سیلز مین میں نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا، لاؤ فارم دو، میں پانچ لاکھ روپے کی پالیسی پر دستخط کرتا ہوں، میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تمہاری حوصلہ افزائی ہو اور تم ایک اچھے سیلز مین بن سکو۔" فارم پر دستخط کرنے کے بعد سیلز منیجر نے اسے سمجھایا "پالیسی فروخت کرنے کے لیے تمہیں چند اچھے طریقے سیکھ کر انہیں شخصیت کے اعتبار سے استعمال کرنا چاہیے۔"

"بہتر ہے جناب!" نوجوان نے کہا "مجھے وہ طریقے آتے ہیں جو طریقہ میں نے آپ پر استعمال کیا ہے یہ صرف سیلز منیجروں کے لیے مخصوص ہے۔"

(یہ واقعہ کینیڈا میں پیش آیا)

قاری سیف الدین

شکریہ ہے بھرم رہ گیا

میں امریکہ کے شہر پلین فیلڈ میں تھا جب میری ملاقات کینیڈا کے فاروق صاحب سے ہوئی۔ فاروق صاحب انگریزی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی اور یورپ کے بعض دوسری زبانوں پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ تھوڑی بہت دسترس عربی پر بھی ہے۔ امریکہ اور کینیڈا میں تحریک اسلامی کے سرگرم کارکن ہیں۔

اپنے دعوتی اور تحریکی مشاغل کی روداد سناتے ہوئے انہوں نے کہا: "ایک مرتبہ کینیڈا کے ایک ہسپتال میں میری ملاقات دو ڈاکٹروں سے ہوئی۔ ایک یہودی تھے اور دوسرے عیسائی۔ یہ ان کا وقفہ فراغت تھا۔ ان لیے باتوں میں مصروف تھے۔ مجھے ان کی گفتگو میں شریک ہونے کا موقع ملا تو میں نے "اہل کتاب کا تعلق اہل اسلام سے" کے موضوع کو محور بنایا۔"

یہ ایک شائستہ مجلس تھی۔ دونوں ڈاکٹر صاحبان بڑی دلچسپی سے میرے نکات سن رہے تھے۔ جب میری گفتگو میں اسلامی عبادات کا ذکر آیا تو انہوں نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام میں بہت سی خوبیاں ہیں، لیکن جہاں تک روزوں کا تعلق ہے ان میں کسی افادیت کا ہونا ممکن نہیں۔ بلکہ اپنے نامانوس اوقات کے باعث یہ روزے انسان کے لیے مضر صحت ہی ہوسکتے ہیں۔ راتوں کو اٹھ کر کھانا اور پھر طویل دن کے دوران میں نہ کچھ کھانا، پینا کیسے صحت کے لیے مفید ہوسکتا ہے۔

یہ ان دونوں صاحبان کے تبصرے کا خلاصہ تھا۔

میں میڈیکل سائنس سے ناواقف ہوں۔ اس لیے ان کے تبصرے کے جواب میں میرے پاس کوئی میڈیکل دلیل نہیں تھی۔ لیکن اس ایمان ویقین کے بل بوتے پر، جو مجھے اسلام کے ساتھ وابستہ کیے ہوئے ہے اور جس کی وجہ سے میں امریکہ جیسے مادہ پرست ملک کے طول و عرض میں شہادت حق کا فریضہ انجام دے رہا ہوں، میں نے ان سے کہا کہ آپ سمجھتے ہیں روزہ مضر صحت عبادت ہے اور میرا یقین کامل ہے کہ روزہ انسانی صحت کی ترقی میں مدد دیتا ہے۔

چوں کہ میں نے کسی میڈیکل تھیوری اور ثبوت کے بغیر یہ بات کہی تھی اس لیے انہوں نے قہقہہ لگایا۔ وہ میرا مذاق نہیں اڑا رہے تھے۔ یہ ان کی طرف سے صرف اس امر کا اظہار تھا کہ کسی دلیل یا ثبوت کے بغیر وہ میرا نقطۂ نظر قبول نہیں کرسکتے .... معاً مجھے خیال آیا کہ اللہ کے بھروسے پر کیوں نہ ان کے سامنے عملی ثبوت کی بات رکھ دوں۔ چنانچہ دوسرے لمحے میں نے ان کے سامنے ایک تجویز رکھی اور میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کہ انہوں نے بلا تامل میری تجویز منظور کرلی۔

تجویز یہ تھی کہ وہ چار پانچ روزہ دار مسلمانوں کے رمضان سے پہلے بھی معائنہ کرلیں اور رمضان کے آخر میں بھی معائنہ کر کے دیکھ لیں۔ اس سے ساری حقیقت سائنسی اور طبی اصولوں کے مطابق سامنے آجائے گی۔

طے پایا کہ معائنہ تین مرحلوں میں ہوگا۔ یہ بھی طے ہوگیا کہ اس مقصد کے لیے افراد میں ہی پیش کرونگا۔ چنانچہ پروگرام کے مطابق شعبان کی پہلی تاریخ کو میں اپنے پانچ دوستوں کو لے کر ان کے پاس آیا۔ ڈاکٹر صاحبان نے میری طرف سے اپنا وعدہ پورا کرنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ اور اس کے بعد بڑے انہماک اور باریک بینی کے ساتھ معائنہ شروع ہوا۔ ہر ٹیسٹ کے بعد وہ ہمیں کچھ بتائے بغیر اپنی نوٹ بک میں کچھ لکھتے رہے۔ جب ان کے اندراجات مکمل ہوگئے تو انہوں نے شعبان کی آخری تاریخ کو، یعنی رمضان سے ایک دن پہلے پھر آنے کو کہا۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ اور اس کے ساتھ رمضان المبارک کا آغاز ہوگیا۔

میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسے اور دین حق پر کامل یقین کے ساتھ جو قدم اٹھایا تھا، اب اس کا نتیجہ سامنے آنا تھا۔

رمضان کی اٹھائیس تاریخ تھی جب انہوں نے تیسری اور آخری بار میرے دوستوں کا معائنہ کیا۔ وہ اپنے ٹیسٹ مکمل کر رہے تھے اور ہم ان کے چہروں پر بڑھتی ہوئی حیرت دیکھ رہے تھے۔

جب وہ اپنے اندراجات مکمل کر چکے تو ہماری طرف متوجہ ہوئے۔

انہوں نے بتایا کہ پہلے دو معائنوں میں انہوں نے میرے پانچ دوستوں میں جو چھوٹے موٹے امراض اور طبی لحاظ سے جو خامیاں نوٹ کی تھیں وہ اس آخری معائنے میں کلیتہً ختم ہو چکی ہیں اور کسی مرض کا نام و نشان باقی نہیں رہا ہے۔

انہوں نے کہا کہ یہ سب کچھ ناقابل یقین ہے۔ لیکن ہمارے جدید ترین میڈیکل آلات اور ہمارا سارا معائنہ اس کی تصدیق کر رہا ہے کہ آپ کے دوست اس مہینے کے دوران میں مزید بیمار ہونے کے بجائے بالکل صحت مند ہو گئے ہیں۔

انہوں نے مجھے مبارک باد دی اور پھر دونوں نے مجھے الگ الگ سرٹیفیکیٹس لکھ کر دیے جو میرے پاس ہر وقت موجود رہتے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے فاروق صاحب نے اپنا بریف کیس کھولا اور دونوں فریم کیے ہوئے سرٹیفکیٹ میرے سامنے رکھ دیئے۔

اس وقت میں نے دیکھا کہ اپنے یہ کاغذات دکھاتے ہوئے ان کی آنکھوں میں آنسو امڈ آئے ہیں .... یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والے انسان کی آنکھیں تھیں۔

میں آج بھی سوچتا ہوں کہ ہم میں سے کتنے لوگ اس سچائی کے صحیح قدر شناس ہیں جو ایک کامل و اکمل دین کی صورت میں ہمیں حاصل ہے۔

بچوں کے لیے مذہبی کتابیں

حضرت عمر فاروقؓ	افضال الرحمٰن	۶/:
حضرت یحییٰ علیہ السلام	منورہ نوری خلیق	۳/-
حضرت آدم علیہ السلام	منورہ نوری خلیق	۴/-
رسالہ دینیات اول	محمد نعیم الدین زبیری	۳/
رسالہ دینیات دوم	"	۴/
رسالہ دینیات سوم	"	۵/
رسالہ دینیات چہارم	"	۵/
رسالہ دینیات پنجم	"	۶/
بزرگانِ دین	محمود علی خاں جامعی	۴/
امت کی مائیں	حسین حسنی	۴/۵۰
اچھی باتیں	سعد الدین انصاری	۴/۵۰
خوب سیرت اول	حکیم محمد سعید	۶/
خوب سیرت دوم	"	۴/۵۰
سلطان جیؒ	اسلم فرخی	۴/
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	فضل قدیر ندوی	۴/۵۰
رحمان کا جہان	رفیع الزماں زبیری	۶/
کمسن صحابی	"	۵/
اسلام کے جاں نثار	"	۴/
سیرت پاک مختصر مختصر	احمد خاں خلیل	۳/
نور کے پھول	حکیم محمد سعید	۹/
سب سے بڑے انسان۔ رسول اللہؐ	"	۴/۵۰
حضرت حمزہؓ	احتشام علی رحیم آبادی	۳/
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	"	۳/
حضرت ابوہریرہؓ	"	۴/
حضرت محبوب الٰہیؒ	مشیر الحق	۳/
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	"	۲/
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ	"	۳/
حضرت معین الدین چشتیؒ	"	۳/
حضرت ابوبکر صدیقؓ	"	۶/
حضرت طلحہؓ	"	۲/.
حضرت سلمان فارسیؓ	"	۲/۵۰
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	مشیر الحق	۳/
نیک بیٹیاں	"	۲/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ حصہ اول	عبدالواحد سندھی	۴/۵۰
" حصہ دوم	"	۶/
قرآن پاک کیا ہے؟	"	۴/
اسلام کیسے شروع ہوا؟	"	۴/۵۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار، اول، دوم	" فی حصہ	۶/=
اسلام کے مشہور امیر البحر	"	۹/
رسول پاکؐ	"	۲/
دس جنتی	الیاس احمد مجیبی	۵/۵۰
سرکار کا دربار	"	۶/۵۰
چار یار	"	۴/۵۰
آں حضرتؐ (اردو)	"	۲/۵۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	۴/۵۰
اللہ کے خلیل	"	۳/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	"	۴/
اللہ کے صفی	"	۲/۵۰
ہمارا دین حصہ اول	سید شہاب الدین دسنوی	۸/۵۰
" دوم	"	۴/۵۰
" سوم	"	۸/۵۰
ارکان اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	۲/۵۰
عقائد اسلام	"	۲/۵۰
خلفائے اربعہ	خواجہ عبدالحی فاروقی	۹/
نبیوں کے قصے	"	۶/۵۰
ہمارے رسولؐ	"	۶/
پیارے رسولؐ	سلطانہ آصف فیضی	۴/۵۰
حضرت نظام الدین اولیاء	ادارہ	۲/
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۶/
ہمارے نبیؐ	سید نواب علی رضوی	۲/۵۰
سرکار دو عالمؐ	محمد حسین حسان	۹/
قاعدہ یسرنا القرآن	(خورد)	۴/۵۰

راز

انور شعور

جتنے اچھے کام ہوئے ہیں
دنیا بھر میں عام ہوئے ہیں

ہم بھی اچھے کام کریں گے
دنیا بھر میں نام کریں گے

دَور نیا ہے، طور نئے ہیں
ہم پہلے سے اور نئے ہیں

رہتا ہے ہر لمحے بہتیا
گردش میں تاریخ کا پہیّا

اس کے ساتھ جو چل سکتا ہے
گرد و پیش بدل سکتا ہے

امرت ہے محنت کا پسینا
کام ترقی کا ہے زینا

کہتا ہے قسمت کا توتا
بے عملی سے کچھ نہیں ہوتا

سستی، کاہلی اور بے کاری
محتاجی، ذلّت اور خواری

زندہ رہنے کو ہے ضروری
کام سے رغبت پوری پوری

رازِ خوش حالی و مسرّت
محنت، محنت، محنت، محنت

لفظوں کے مزدور کی باتیں
کام آئیں گی شعور کی باتیں
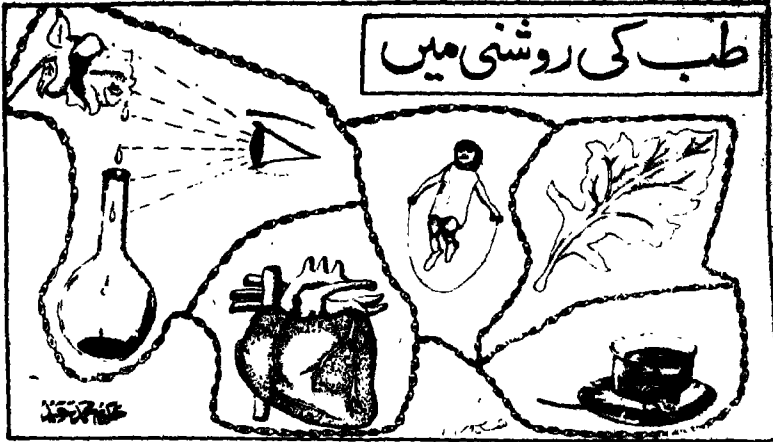
بستر پر پیشاب

س: میری عمر ۱۳ سال ہے۔ بعض اوقات سوتے میں بستر پر پیشاب کر دیتا ہوں جس کی وجہ سے سب کے سامنے شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ پہلے تو بستر پر پیشاب بہت کم کرتا تھا، مگر اب کوئی دن ہی ایسا جاتا ہے جس میں بستر پر پیشاب نہ کروں، مہربانی کر کے علاج تجویز فرمائیں۔

عزیز الرحمٰن

ج: بستر پر پیشاب کرنا (بول فی الفراش) بڑی حد تک ایک ذہنی کیفیت ہے۔ اس کو ایک عادتِ بد کا نام بھی دیا جا سکتا ہے۔ اگر انسان کا ذہن کم زور ہو اور دماغ کسی وجہ سے ضعیف ہو تو بھی یہ بستر گیلا کر دینے کی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ ذرا آپ صحیح معنی میں شرمندہ ہو کر تو دیکھیے اگر دل سے آپ شرما گئے تو شاید یہ "مرض" رفع ہو جائے۔ چلیے دوا بھی کھا لیجیے۔ صبح ۶ گرام خمیرہ ہمدرد اور رات سوتے وقت معجون کندر ۶ گرام ۱۵ - ۲۰ دن یہ دوا کھا لیجیے۔

مٹاپا

س: میری عمر ۱۴ سال ہے۔ میرا مٹاپا بڑھ گیا ہے۔ ازراہ کرم کوئی علاج بتائیے۔

سید فرحان ہاشمی

ج: بچپن ہر لحاظ سے ایک نازک زمانہ ہوتا ہے۔ جو مائیں اپنے بچوں کو متوازن غذائیں دیتی ہیں وہ اپنے بچوں کو بہت سے مسائل سے محفوظ و مامون رکھتی ہیں۔ بچے خود بھی توازن اور اعتدال کے عادی ہو جاتے ہیں اور ماؤں کی احتیاط اچھے برے کی تمیز انھیں

سکھا دیتی ہے۔ شاید ہوا یہ ہے کہ آپ نے اعتدال کا خیال نہیں رکھا، جسم کی ضرورت سے زیادہ کھایا، ورزش نہیں کی، سُست رہے، چُستی کی عادت نہیں ڈالی۔ گویا انجن میں تیل ڈالتے رہے، انجن چلایا نہیں، ٹنکی بھر گئی، چربی جمع ہو گئی، اب ظاہر ہے کہ اس کا علاج کم خوری اور ورزش ہے۔ دوا اس کی کوئی نہیں، پوری قوم کو چاہیے کہ ایک ناشتا کرے اور ایک کھانا کھائے۔ دوپہر کا کھانا ترک کر دے، امراض کم ہو جائیں گے۔ کاہلی ختم ہو جائے گی۔ ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ اس کے نتیجے میں جو غذا بچے گی وہ اُن کے کام آئے گی جن کو غذا میسر نہیں ہے۔

شکر کی بیماری

س: میری والدہ کو شکر کی بیماری ہے، جس کی وجہ سے اُن کے پیروں میں ہر وقت درد رہتا ہے۔
خان زادہ حمیدہ سمیع

ج: شکر کی بیماری (ذیابیطس) کا اب تک کوئی علاج معلوم نہیں ہوا ہے۔ بس جب یہ مرض ہو جائے تو پرہیز ہی اس کا علاج ہے۔ وہ تمام ترکاریاں، سبزیاں کہ جو زمین کے اندر پیدا ہوتی ہیں کھانی بند کر دیں۔ شکر کا استعمال نہیں ہونا چاہیے۔ گوشت، دودھ، دہی پر توجہ زیادہ ہونی چاہیے۔ چنے کے آٹے (بیسن) کی روٹی اس بیماری میں اچھی غذا ہے۔ پرہیز سے یہ بیماری قابو میں رہتی ہے اور بڑھتی نہیں۔

گھٹنوں کا درد

س: میری پھوپی جان کے گھٹنوں میں بہت سخت درد رہتا ہے۔ وہ ذرا بھی کہیں ذرا سا نزدیک چل کر جائیں تو اُن کے گھٹنوں میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ بہت علاج کر دیا لیکن کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ اُن کی عمر پچاس سال ہے۔
بلال محمد

ج: یہ وجع المفاصل (وجع = درد۔ مفاصل = جوڑ) ہے جب یہ بڑھ جائے تو علاج مشکل ہو جاتا ہے۔ ان کو آپ ہمدرد مطلب، ہمدرد مرکز، مری روڈ، راولپنڈی لے جائیے۔ وہاں حکیم صاحب اُن کے لیے مناسب علاج تجویز کر دیں گے۔ ہاں ان کو گوشت کم سے کم کھانا چاہیے اور بڑا گوشت تو بالکل نہیں کھانا چاہیے۔ پانی زیادہ سے زیادہ پینا چاہیے۔

کم زور دماغ

س: میری عمر ۱۶ سال ہے اور میرا دماغ نہایت کمزور ہے۔ کوئی ایسی دوا یا ایسا نسخہ بتایئے جس سے میرا دماغ تیز ہو جائے۔ محمد اشتیاق احمد

ج: طب قدیم کے سارے اُصول آج صحیح اور صادق تسلیم کیے جا رہے ہیں۔ ہماری غلامی کے دور میں طب کی ہر چیز غلط تھی۔ اب ہم آزاد ہیں۔ ہم نے اپنی طب کو سچا ثابت کر دیا ہے۔ دُنیا نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ مغز بادام دماغ اور ذہن کو طاقت دینے والی شے ہے۔ یہ طب کا مسئلہ تھا۔ اب جدید طب نے طب کی یہ بات تسلیم کر لی ہے۔ بادام دماغ کو قوی اور ذہن کو تیز کرتے ہیں۔ رات ۱۲ - ۱۵ دانے بادام بھگو دیں، صبح دانتوں سے چبا کر کھائیں یا باریک پیس کر دودھ میں ملا کر پییں۔ جس قدر باریک پیسیں گے اتنے ہی اُس کے ایٹم آزاد ہوں گے اور زیادہ فائدہ ہو گا۔

پیام تعلیم
سعد الدین انصاری

جیسی کرنی ویسی بھرنی
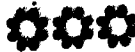
مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

جو ذرّہ بھر بھی بھلائی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا، اور جو ذرّہ برابر بھی برائی کرے گا وہ اس کو دیکھے گا۔

تفسیر

انسان جیسا کرتا ہے ویسا ہی پاتا ہے، کانٹا بونے والا پھول نہیں توڑ سکتا، اور نہ گیہوں بونے والا چنا کاٹے گا۔ لیکن بے وقوف آدمی اس بات کو نہیں سمجھتے۔ جس کام کا بدلہ ان کو فوراً نہیں ملتا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس کا بدلہ ہی نہیں۔ لیکن اللہ کا قانون یہ نہیں وہ ہر چھوٹی بات کا بھی بدلہ دیتا ہے، البتہ کبھی دیر میں اور کبھی جلد، جیسی اس کی مصلحت ہو، دیکھو بے وقوف سے بے وقوف بھی آگ میں ہاتھ نہیں ڈالتا۔ اس لیے کہ وہ فوراً جلا دیتی ہے لیکن مریض بد پرہیزی سے نہیں چوکتا اس لیے اس کا نقصان کچھ دیر میں ہوتا ہے۔

محمد صابر اعظمی

مولانا شبلی نعمانی

مولانا شبلی نعمانی مئی ۱۸۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ مولانا بڑے محنتی اور سادہ انسان
تھے، صبح چار بجے اُٹھ جاتے، اپنے لیے خود چائے بناتے، نماز سے فارغ ہو کر لکھنے
بیٹھ جاتے تو دس بجے تک خاموشی سے لکھتے رہتے، دس بجے سے چار بجے تک کتابیں
پڑھتے، دوسرے کام کرتے، چار بجے کے بعد ملنے جلنے والے دوست احباب، طالب علم
آتے۔ مولانا سب سے باتیں کرتے رہتے، کوئی سوال دریافت کر رہا ہے کسی نے
علمی بحث چھیڑ دی، کسی کو کسی معاملے میں رائے چاہیے۔ مولانا سب کا خیال کرتے
تھے۔ مولانا کپڑے بھی معمولی پہنتے تھے جو لوگ علم و فن میں ڈوب جاتے ہیں وہ
ظاہری چیزوں کی پروا نہیں کرتے۔ ظاہر دھوکے کی چیز ہے۔ مولانا کو مال و دولت
کا کوئی شوق نہیں تھا۔ دنیا دولت کے پیچھے بھاگتی ہے مگر مولانا نے کبھی دولت کی
پروا نہیں کی۔ مولانا بڑے نرم دل تھے ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ اعظم گڑھ میں کہیں
جا رہے تھے دیکھا کچھ آدمی روتے چلے جاتے ہیں اُن کا رونا دیکھ کر مولانا کا دل
بھر آیا پوچھا یہ لوگ کیوں رو رہے ہیں کسی نے بتایا بیچاروں کا بیل مر گیا
ہے کھیتی باڑی میں اسی سے کام لیتے تھے۔ اب یہ پریشانی ہے کہ کھیتی
کیسے ہوگی۔ مولانا نے جیب سے دس روپے نکال کر ان لوگوں کو دیے اسی
طرح مولانا کے اندر بہت سارے اوصافِ حمیدہ تھے۔ اردو زبان پر مولانا کے
بڑے احسانات ہیں۔ ان کا شمار اردو زبان کے نہایت اعلا لکھنے والوں میں
ہوتا ہے مولانا کی لکھی ہوئی "سیرت النبیؐ" ایسی کتاب ہے جس پر اردو زبان
ہمیشہ فخر کرے گی۔ شاید ہی کوئی پڑھا لکھا مسلمان گھرانا ایسا ہو جہاں سیرت النبیؐ
موجود نہ ہو۔ مولانا نے سیرت النبیؐ میں غیر مسلم تاریخ دانوں کے سارے الزاموں
کے جواب لکھے ہیں۔ ان جوابوں کو پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے کتنی محنت
اور تحقیق سے الزام لگانے والوں کی چالاکی اور شرارت کو ظاہر کیا ہے۔ مولانا نے
ہر واقعے کو تاریخ کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ جب آپ خود یہ کتاب پڑھیں گے تو
[illegible] اندازہ ہوگا کہ مولانا نے کتنے شوق اور محنت سے لکھا ہے۔ مولانا نے [illegible]

میں جو نیا اور اثر کرنے والا انداز اختیار کیا تھا اس سے ہماری زبان اور ادب کو بڑا فائدہ پہنچا۔ مولانا اردو اور فارسی کے بڑے اچھے شاعر تھے۔ ان کی بعض تاریخی نظمیں "اہل بیت کی زندگی" "عدل فاروقی کا ایک واقعہ" اور "عدل جہانگیری" بہت مشہور ہیں۔ مولانا شبلی بہت بڑے عالم، تاریخ نویس، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو تفصیل سے لکھنے والے، اسلامی کارناموں کو اجاگر کرنے والے، قومی رہنما، استاد اور بزرگ انسان تھے۔ مولانا تعلیم حاصل کرنے لاہور اور سہارن پور بھی گئے تھے ۱۸۹۴ء میں انگریزی حکومت نے انھیں شمس العلماء کا خطاب دیا۔

۱۸ر نومبر ۱۹۱۴ء کو مولانا اپنے پیدا کرنے والے سے جا ملے۔●
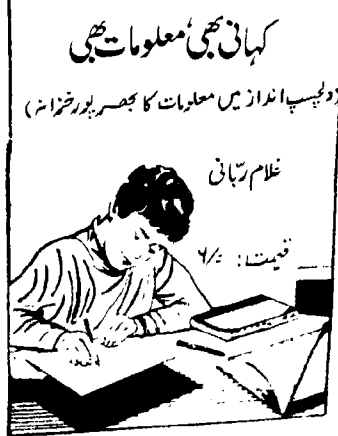
گاہک:۔ (دکان دار سے) مجھے ایک ریڈیو چاہیے
دکان دار:۔ ابھی لاتا ہوں بیٹھیے۔
گاہک:۔ کیا یہ ریڈیو سبھی اسٹیشن پکڑتا ہے؟
دکان دار:۔ جی ہاں صرف پولیس اسٹیشن اور ریلوے اسٹیشن چھوڑ کر۔

عبدالرحمٰن حکیم عبدالرقیب صوفی مبارکپور اعظم گڑھ

ہندو مسلم بھائی بھائی

ہمارا ملک ہندستان ایک قدیم ملک ہے۔ یہاں صدیوں سے ہندو، مسلم، سکھ عیسائی، بودھ جین وغیرہ امن وشانتی کے ساتھ رہتے آئے ہیں۔ اس طرح ہمارا ملک ایک گلدستہ ہے جس میں مختلف مذاہب کی شکل میں رنگ برنگے پھول اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔ مختلف قوم ومذاہب کے ہونے ہوتے بھی اتحاد واتفاق کی ڈور میں بندھے رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہمارا ملک انگریزوں کی غلامی سے نجات پاسکا۔ ورنہ اگر ہندستانی قوم میں اتحاد نہ ہوتا تو ہماری آزادی ممکن نہ تھی۔

ہمارا ملک آزاد تو ضرور ہوگیا لیکن انگریزوں کی گندی سیاست نے ہندو مسلم دو بڑی قوموں میں آپسی پھوٹ پیدا کردی ہندستان کا ایک بازو ہمیشہ کے لیے کٹ گیا جو آج پاکستان کے نام سے قائم ہے۔ اس بٹوارے کی وجہ سے جو عظیم فساد ہوا اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ نفرت کی یہ خلیج بڑھتی ہی گئی اور یہ دو قومیں ہندو اور مسلمان لمحہ بہ لمحہ ایک دوسرے سے دور ہوتی گئیں۔ آج بھی مذہب اور زبان کے نام پر آئے دن فساد ہوتے ہیں جس میں جان ومال کی بے پناہ بربادی ہوتی ہے۔ کتنے نادان ہیں ہم، ایک آدم کی اولاد ہوکر بھی آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ جب کہ ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

کیا ہندو کا خون مسلمان کے خون سے مختلف ہے۔ کیا خدا نے آدم وحوا سے انھیں پیدا نہیں کیا؟ اگر ہاں تو ہم آپس میں بھائی کی طرح کیوں نہیں رہتے؟ ہمیں آج اس کی فکر کرنی ہے اور متحد ہوکر اس ملک کی سلامتی خوشحالی اور ترقی کے لیے کام کرنا ہے ورنہ ؎

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤگے اے ہندوستان والو
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

محمد شاد عالم مقام و پوسٹ لکشمی پور وایا۔ چاکند۔ ضلع گیا (بہار) ۸۰۴۴۰۴

استاد اور شاگرد کا رشتہ

انسانی معاشرے میں لوگوں کے مختلف قسم کے باہمی رشتے ہوتے ہیں۔ باپ بیٹا، ماں بیٹی، شوہر بیوی اور استاد شاگرد وغیرہ جن کا لحاظ ہر انسان کا اخلاقی اور مذہبی فرض ہے۔ ان تعلقات کا لحاظ ہر معاشرے میں کیا جاتا ہے۔ میں اس وقت صرف استاد و شاگرد کے بارے میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ زمانہ بدلتا رہتا ہے جو کل تھا وہ آج نہیں اور جو آج ہے وہ کل نہ ہوگا۔ زمانے کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ اہل دنیا کا رہن سہن، کھانا پینا، پہننا اوڑھنا، ان کے خیالات، ان کی عادتیں، ان کے مزاج اور آپس کے رشتے، آقا اور نوکر کے رشتے حاکم اور محکوم کے رشتے، استاد اور شاگرد کے رشتے جو کل تھے وہ آج نہیں اور جو آج ہیں وہ کل نہ ہوں گے۔ لیکن وہی انسان کامل ہے جو ان تعلقات کی حقیقت کو برابر اپنی نظر کے سامنے رکھے۔ یہ حقیقت ہے کہ ابھی تک ہم نے استاد کے حقوق کو پہچانا تک نہیں، اس کی ادائیگی تو بہت دور کی بات ہے۔ آج کل کے دور میں تعلیم حاصل کرنا جیسے بازار میں کسی سامان کی خرید و فروخت کرنا ہے یعنی پڑھنا لکھنا بھی ایک طرح کا لین دین ہے جیسے روپے پیسوں سے خریدا جا سکتا ہے جس میں خدمت محبت، عقیدت ادب و لحاظ کا کوئی دخل نہیں۔ کل استاد اور شاگرد کا جو رشتہ تھا وہ دل کا رشتہ تھا استاد شاگرد سے محبت کرتا تھا اور شاگرد استاد کی عزت کرتا تھا۔ موجودہ دور میں استاد اور شاگرد کے رشتے میں دلی جذبات کو دخل نہیں۔ یعنی ایک پڑھتا ہے اور فیس دیتا ہے۔ دوسرا پڑھاتا ہے اور تنخواہ لیتا ہے۔ حالانکہ علم بغیر اخلاق و محبت کے حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔

اگر ہم پہلے زمانے کے استاد اور شاگرد کی زندگیوں کو دیکھیں تو یہ اندازہ ہو جائے گا کہ آج کل کے استاد اور شاگرد کیسے ہیں اور آپس میں ان کا کیا رشتہ ہے۔ ہارون رشید نے اپنے دو بیٹے ایک استاد کے حوالے بغرض تعلیم و تربیت کر دیے تھے۔ دونوں شریف بچے اپنے استاد کی حد درجہ عزت کرتے تھے اس پر استاد کو تکلف کا شبہ ہوا اور انھوں نے سوچا کہ ایک بار آزمانا چاہیے کہ یہ بچے آیا حقیقت میں میرا احترام اپنے دل میں رکھتے ہیں یا محض دکھاوا ہے۔ انھوں نے ایک دن حکم دیا کہ ذرا میرا جوتا اٹھا لاؤ۔ امین اور مامون دونوں دوڑ پڑے اور آپس میں اس بات پر تکرار ہوئی کہ جوتا کون لے جائے۔ دونوں کا کہنا تھا کہ استادِ محترم نے جوتا لانے کا حکم مجھے دیا ہے۔ آخر بات یہ طے ہوئی کہ ایک ایک جوتا دونوں لے چلیں۔ جب یہ خبر ہارون رشید کو پہنچی تو دوسرے دن اس نے استاد کو دربار میں طلب کیا اور سوال کیا کہ بتاؤ اس وقت دنیا کا سب سے باعزت انسان کون ہے۔ سبھی نے ہارون رشید کا نام لیا۔ مگر ہارون رشید نے کہا کہ اس وقت دنیا کا سب سے باعزت انسان وہ ہے جس کے جوتے اٹھانے کے لیے دو شاہزادے آپس میں تنازع کریں۔ یہ تھی

استاد اور شاگرد کے تعلقات کی چھوٹی سی جھلک مگر ہمارے طلبہ میں وہ ذوق اور جذبہ ہی نہیں جس سے اُن کے دل میں استاد کے لیے اتنی جگہ پیدا ہو۔

زیادہ زمانہ نہیں گزرا ہے کہ ہمارے مدرسوں اسکولوں اور کالجوں میں ایسے اساتذہ موجود تھے جن کی زندگی سادہ تھی، نیک تھی اور دنیاداری اور دکھاوے سے پاک تھی۔ خود پڑھنا اور دوسروں کو پڑھانا اور پڑھنے والوں سے محبت کرنا ان کا مذہب تھا۔ ایسی محبت جو شاگرد کے دل و دماغ کو بلندیوں سے آگاہ کرتی ہے ایسی محبت جو نیکی اور علم کے راستے پر چلنے کی ترغیب دلاتی ہے۔ ایسی محبت جو انسان کو انسانیت سکھاتی ہے ایسے استاد کی عزت سارا سماج کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ پہلے کے اساتذہ پورے طور پر صحیح اور موجودہ اساتذہ و شاگرد پورے طور پر نامناسب ہیں بلکہ سچ تو یہ ہے کہ ہر زیادہ چیز غالب اور کم چیز مغلوب ہوتی ہے۔ اس لیے اس چیز کو غلبہ بھی حاصل ہے چوں کہ یہ دور مادی ترقی کا ہے اس لیے ہر انسان مادیت کی طرف راغب نظر آتا ہے اور جہاں پر مادیت کا عروج ہوگا وہاں پر خلوص و محبت کا جنازہ نکل جانا کوئی بڑی بات نہیں۔

(اس بہترین مضمون پر رشیدہ صدیقی کو ۱۵/روپے انعام دیے گئے ہیں)

رشیدہ صدیقی گورنمنٹ گرلز ماڈل سینیر سکنڈری اسکول جعفرآباد دہلی ۵۳

اُف یہ الکشن

اُف! ہم تو اس الکشن سے تنگ آگئے۔ روز کسی نہ کسی پارٹی کا کوئی نہ کوئی امیدوار آ جاتا ہے اور ووٹ ان کے حق میں ڈالنے کے لیے التجا کرنے لگتا ہے۔ خیر! ہم تو ہر کسی کو یہی کہتے ہیں کہ آپ ہی کو ووٹ دیں گے کل ہی کی تو بات ہے کہ ایک حضرت ووٹ مانگنے آ گئے۔ چہرہ دیکھتے ہی ہم پہچان گئے اور ان کی باتوں کو غور سے سننے لگے۔ وہ لوگوں سے کہہ رہے تھے کہ وہ ہمارے علاقے میں صفائی کروا دیں گے۔ پانی کا انتظام کروا دیں گے اور پرائمری اسکول... کھلوا دیں گے وغیرہ وغیرہ اور بھی نہ جانے کیا کیا کہہ رہے تھے۔ جانتے ہیں وہ کون تھے؟ وہ تو وہی امیدوار تھے جو پچھلے الکشن کے دوران بھی اسی طرح ہمارے علاقے میں آئے تھے اور لوگوں سے بہت سارے وعدے کر گئے تھے لیکن انھوں نے کوئی بھی وعدہ پورا نہ کیا۔ اور اس الکشن میں وہ دوبارہ آ گئے وعدے کرنے کے لیے۔ آج کل کے امیدوار تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔ انھیں عوام کی تکلیفوں کو دور کرنے کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ وہ صرف اپنی جیب گرم رکھنا چاہتے ہیں۔ الکشن جیتنے کے بعد عوام سے کیے ہوئے تمام وعدے بھول جاتے ہیں۔

الکشن سے چند روز قبل کی گہما گہمی اور شور و غل تو دیکھنے کے قابل ہوتا ہے ہر پارٹی کے امیدوار گھر گھر جاتے ہیں لوگوں کو اپنے حق میں ووٹ ڈالنے کے لیے کہتے ہیں۔ گاڑیوں پر بڑے بڑے بینر لگا کر راستوں پر گھومتے ہیں اور پروپگنڈہ کرتے ہیں بہت شور ہوتا ہے اور NOISE POLLUTION

میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔ الکشن کے روز بھی سخت حفاظتی انتظامات ہوتے ہیں۔ لوگ قطار لگاکر ووٹ ڈالنے کا انتظار کرتے ہیں جس پارٹی کے امیدوار کو ووٹ دینا ہو بلیٹ پیپر پر اس کی نشانی کے سامنے اسٹامپ لگا دیتے ہیں اور بلیٹ بکس میں ڈال دیتے ہیں۔ اس طرح ہم اپنا ووٹ کسی امیدوار کو دیتے ہیں۔ ہمیں بھی ووٹ دینے کا بہت شوق ہے جس وقت ہمارے یہاں الکشن ہوئے اس وقت ہم بہت خوش تھے۔ پہلی پہلی بار ووٹ ڈالنے کا موقع مل رہا تھا۔ دل میں کئی طرح کے خیالات تھے۔ ہم راستے پر گزرتے تو مختلف پارٹیوں کے بینر نظر آتے۔ ہر جگہ لکھا ہوتا کہ اپنا قیمتی ووٹ ہمیں دیں اس کا نشان یہ ہے۔ اتنی ساری پارٹیوں میں سے کس کو ووٹ دیا جائے یہ ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

کانگریس، جنتا دل، بی۔ جے پی۔ شیو سینا و دیگر پارٹیاں اور کچھ آزاد امیدوار بھی کھڑے تھے الکشن میں۔ اب دل ہی دل میں ہم تمام پارٹیوں کا موازنہ کر رہے تھے کہ کون سی پارٹی نے پچھلے ۵ سالوں میں اچھی کارکردگی دکھائی ہے لیکن ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا ویسے اس حمام میں تو سب ہی ننگے ہیں۔ یہی سوچتے سوچتے آخر الکشن کا روز بھی آگیا۔

اس روز ہم بہت خوش تھے۔ صبح صبح ہی نہا دھو کر سفید براق کپڑے پہنے اور تیار ہو کر مقررہ وقت پر ووٹ ڈالنے کے لیے نکل پڑے۔

ووٹنگ سینٹر جانے پر ایک صاحب نے ہمارا شناختی کارڈ دیکھا۔ ایک صاحب نے ہمارے ہاتھ کی انگلی پر سیاہی لگائی اور ہم نے بلیٹ پیپر لیا۔ اس پر کانپتے ہاتھوں سے ایک پارٹی کے امیدوار کے نشان کے سامنے اسٹامپ لگایا اور دھڑکتے دل کے ساتھ بلیٹ بکس میں ڈال دیا۔

ساتھیوں! ہم نے آپ کو سب کچھ بتا دیا لیکن تھوڑا انتظار کریں ہم نے کس پارٹی کو ووٹ دیا وہ بعد میں بتائیں گے الکشن کا رزلٹ معلوم ہونے کے بعد۔

ویسے رزلٹ معلوم ہونے تک ہمیں اس بات کا دھڑکا لگا رہے گا کہ کہیں کوئی شرپسند اس بلیٹ بکس کو ہی نہ اٹھا کر لے جائے جس میں ہمارا بلیٹ پیپر یعنی ہمارا قیمتی ووٹ بند ہے۔

(اس مضمون پر سعدیہ فخرالدین ڈیشمکھ کو ۷۵ روپے دیے گئے)

سعدیہ فخرالدین ڈیشمکھ سیوری بمبئی ۱۵

جیسی کرنی ویسی بھرنی

زاہد نام کا ایک نوجوان کام کی تلاش میں نکلا۔ کافی جدوجہد کے بعد اسے ایک قاضی کے گھر نوکری ملی لیکن قاضی صاحب بہت چالاک تھے انھوں نے زاہد کے سامنے ایک شرط رکھی کہ "اگر کبھی کام کرتے وقت اس نے غصہ کیا تو اس کا ایک کان کاٹ لیا جائے گا اور اگر کبھی قاضی صاحب ناراض ہو جائیں تو وہ بھی اپنا ایک کان زاہد کے حوالے کر دیں گے"۔ زاہد نے سوچا "مجھے تو کام سے مطلب ہے۔ بھلا میں غصہ کیوں کروں گا

نے شرط مان لی اور اگلے دن سے کام پر آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی زاہد کام پر آ گیا اور کام میں جٹ گیا۔ صبح سے دوپہر تک کام کرنے کے بعد ہاتھ منہ دھو کر جب اس نے کھانا مانگا تو قاضی صاحب کی نوکرانی نے اُسے ایک روکھی سوکھی روٹی لاکر دی۔ یہ دیکھ کر زاہد کو بہت غصہ آیا اور اس نے چلّا کر کہا "مجھے نہیں کرنی یہ نوکری، صبح سے دوپہر تک کڑی محنت کرنے کے باوجود صرف ایک ہی روٹی مل رہی ہے" یہ بات قاضی صاحب کے کانوں تک پہنچ گئی اور انھوں نے وعدے کے مطابق زاہد کا ایک کان کاٹ لیا۔ بچارا زاہد روتا پیٹتا اپنے دوست قادر کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ کہہ سُنایا۔ ساری باتیں سُننے کے بعد قادر کو افسوس کے ساتھ غصہ بھی آیا اور اس نے قاضی صاحب سے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ کافی دیر تک سوچنے کے بعد اس کے دماغ میں ایک ترکیب آ ہی گئی اور ایک دن قادر صبح صبح ہی قاضی صاحب کے گھر گیا اور نوکری پر رکھنے کی ضد کرنے لگا۔ جب اس نے خوب منت سماجت کی تو قاضی صاحب مان گئے اور وہی پہلے والی شرط رکھی جو اس نے زاہد کے ساتھ رکھی تھی۔ "اندھے کو جیسے لاٹھی مل گئی ہو" قادر کو تو بس یہی چاہیے تھا۔ وہ فوراً راضی ہو گیا۔ اگلے دن مقررہ وقت پر قادر قاضی صاحب کے یہاں کام کرنے گیا۔ قادر کام کرنے کے بجائے سو گیا اور جب دوپہر کا وقت [illegible] روٹی کھانے کو ملی۔

روٹی کھانے کے بعد وہ پھر سو گیا۔ یہ دیکھ کر قاضی صاحب کا غصہ ساتویں آسمان پر پہنچ گیا۔ اس نے قادر کو ڈانٹ کر کہا کہ "تم میرے گھر مفت کی روٹیاں توڑنے آئے ہو یا کام کرنے؟" قادر کو تو جیسے اسی پل کا انتظار تھا وہ فوراً کھڑا ہو گیا اور قاضی صاحب سے کہنے لگا۔ "قاضی صاحب آپ وعدے کے مطابق اپنی شرط بھول گئے ہیں، کیونکہ آپ نے مجھ پر غصہ کیا ہے لہٰذا شرط کے مطابق میں آپ کا ایک کان کاٹ لوں گا۔" یہ سن کر قاضی صاحب کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ لیکن اب وہ کر بھی کیا سکتے تھے اور آخر کار انھیں اپنے ایک کان سے ہاتھ دھونا پڑا۔

دیکھا دوستو! قادر نے کس طرح قاضی کو اس کے کرتوتوں کا مزا چکھایا اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم دوسروں کے ساتھ اچھا سلوک کریں اور ہمیشہ دوسروں کی مدد کریں۔

شاہد عالم، انسان اسکول، کشن گنج بہار

بادشاہی کا راز

منصور کے بعد مہدی تخت نشین ہوا۔ تو امام ابو سفیان ثوریؒ ان کے دربار میں گئے۔ نہ تو شاہی آداب کیا نہ جھکے۔ ایک عام مسلمانوں کی طرح سلام کیا اور ان کے برابر جا کر بیٹھ گئے۔ ان کے محافظ نے یہ حرکت دیکھ کر خلیفہ سے اجازت چاہی کہ ان کا سر قلم کر دیا جائے۔ خلیفہ نے مسکرا کر کہا کہ خبردار کیسی باتیں کرتا ہے

یہ اور انھیں جیسے لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کو غصہ میں آکر قتل کر دیں۔ یہ شہید و زندہ جاوید ہو جائیں اور ہم ظالم و جابر اور نا قدرے سمجھے جائیں اور ہم نیکی کی سعادت سے محروم ہو جائیں تو ان کو قتل کر دے گا تو یہ زندہ ہو جائیں گے اور ہم مر جائیں گا عقلمندی یہی ہے کہ ان کی باتیں سنی جائیں اور ان کو انعام و اکرام سے نوازا جائے۔ ان سے چھیڑ چھاڑ تباہی کو دعوت دینا ہے وہ لوگ احمق تھے جنھوں نے اقتدار اور اختیار کے نشے میں ان پر سختیاں کیں اور ان کو قیامت تک کے لیے سرخرو کر گئے۔ خود ذلیل و خوار ہوئے۔ امام صاحب نے ہنس کر کہا تم نے بادشاہی کا راز پالیا۔

شمیم اے عزیز۔ سیبا ہاؤسنگ سوسائٹی امر نگر
روم نمبر ۲۶ گھاٹ کوپر (و) بمبئی نمبر ۴۰۰۰۸۶

بسم اللہ کی برکت

ایک بزرگ بسم اللہ شریف کے فضائل بیان فرما رہے تھے۔ ایک یہودی لڑکی بھی اس اجتماع میں موجود تھی۔ فضائل بسم اللہ سن کر وہ بہت متاثر ہوئی اور اسلام قبول کر لیا۔ اسی وقت سے اس لڑکی کی زبان پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ورد جاری ہو گیا۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے چلتے پھرتے بسم اللہ کا ورد کرتی تھی۔ اس وجہ سے لڑکی کے ماں باپ اس سے بہت ناراض رہنے لگے۔ اور اس کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے آخر اس پر آمادہ ہو گئے کہ لڑکی پر کوئی نہ کوئی الزام لگا کے اس کو قتل کروا دیں۔

چنانچہ اس لڑکی کے باپ نے جو بادشاہ وقت کا وزیر تھا بادشاہ کی مہر کی انگوٹھی جو اس کے پاس رہتی تھی اپنی لڑکی کے سپرد کر دی۔ اس نے بسم اللہ شریف پڑھ کر انگوٹھی اپنی جیب میں ڈال لی۔ رات کو جب وہ لڑکی سو گئی تو اس کے باپ نے انگوٹھی اس کی جیب سے نکال کر دریا میں ڈال دی۔ ایک مچھلی نے وہ انگوٹھی نگل لی۔ صبح کو ماہی گیر نے جال ڈالا اتفاق سے وہی مچھلی اس کے جال میں پھنس گئی شکاری نے لاکر مچھلی وزیر کی نذر کر دی۔ وزیر نے مچھلی لڑکی کو پکانے کے لیے دی اس نے بسم اللہ کہہ کر جب اس کا پیٹ چاک کیا تو وہ انگوٹھی اس مچھلی کے پیٹ سے نکلی۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر انگوٹھی پھر جیب میں ڈالی اور مچھلی پکا کر باپ کے آگے رکھ دی۔ کھانے سے فارغ ہو کر جب دربار کا وقت آیا تو باپ نے لڑکی سے انگوٹھی طلب کی۔ اس نے بسم اللہ پڑھ کر جیب سے انگوٹھی نکال کر دے دی۔ باپ یہ ماجرا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس طرح لڑکی کے قتل کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ گیا اور اللہ تعالیٰ نے بسم اللہ کی برکت سے لڑکی کو محفوظ رکھا۔

پیامی بھائیو اور بہنو! ذرا سوچیے! بسم اللہ شریف کی برکت سے ایک لڑکی کی جان بچ گئی۔ اور بھی بسم اللہ شریف کے اتنے فضائل ہیں جن کو تحریر کرنے سے قلم عاجز ہے۔ یوں سمجھیے کہ اللہ کی طرف سے اپنے بندوں کو عطا کی ہوئی ایک شمشیر ہے جو برائی کا گلا کاٹتی ہوئی اور [illegible]

کا یہ جیز تی ہوتی ہر بندے کو ہمیشہ راہ مستقیم پر چلنے کی تلقین کرتی ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ آج کل ہمارے نوجوان ساتھی کھانا تناول فرمانے یا شربت وغیرہ پینے سے قبل ایسی تیز شمشیر کو نظر انداز کر کے نئے انداز میں انگریزی طور طریقے اپنا کر اللہ کے غضب کو دعوت دیتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو ترک کر کے اپنے آپ کو روشن خیال اور ترقی پسند کہتے ہیں۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ پوری امت مسلمہ کو بسم اللہ شریف کی عظمت و برکت کے سایے میں رکھے۔ آمین۔

ذاکرہ بنت عبد الرؤف عرب گوونڈی (بمبئی)

ساتھی صغیر احمد سے انٹرویو

س :۔ سب سے پہلے آپ اپنا تعارف پیامی بھائیوں سے کرائیے۔

ج :۔ میرا نام صغیر احمد ناز ہے۔

س :۔ آپ کون سی جگہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟

ج :۔ میں اپنے گھر کے قریب شہر تاجپور میں ایک کالج میں زیر تعلیم ہوں۔

س :۔ آپ کا وطن کہاں ہے؟

ج :۔ میرا وطن بہار ہے، ضلع سمستی پور کے قریب گاؤں شاہ پور بگھونی میں رہتا ہوں۔

س :۔ آپ کے پسندیدہ رسالے؟

ج :۔ پیام تعلیم۔ اُمنگ۔

س :۔ آپ کے مشاغل؟

ج :۔ کھلاڑیوں کے فوٹو جمع کرنا تھا۔

س :۔ آپ کا پسندیدہ کھلاڑی؟

ج :۔ محمد اظہر الدین۔ سچن تندولکر۔ لارا۔

س :۔ آپ کے پسندیدہ مصنف کون کون سے ہیں؟

ج :۔ مولانا حالی۔ آزاد۔ میرامن وغیرہ۔

س :۔ آپ کتنے بھائی بہن ہیں؟

ج :۔ ہم پانچ بھائی بہن ہیں؟

س :۔ پیامی بھائی بہن کے لیے کوئی پیغام؟

ج :۔ زندگی میں اچھے کام کریں اور اچھے بنیں اور اچھے دوست بنائیں۔

س :۔ آپ جاتے جاتے اپنا پتا بتا دیں۔

ج :۔ کیوں نہیں۔ میرا پتا صغیر احمد ناز شاہ پور بگھونی۔ سمستی پور بہار۔

مرسلہ :۔ محمد نصیب الہدیٰ۔ شاہ پور بگھونی وینی۔ سمستی پور (بہار)

کافی۔ ایک اہم مشروب

انسان اپنے آپ کو چست اور تر و تازہ رکھنے کے لیے مختلف قسم کے مشروبات کا استعمال کرتا ہے۔ سرد علاقوں میں لوگ اکثر کافی، چائے جیسی چیزوں کا استعمال کرتے ہیں۔ ان میں کافی بہت اہم مشروب ہے۔

سترھویں صدی کے دوسرے حصے میں پہلی بار یورپ میں کافی کا استعمال شروع ہوا۔ اس وقت عوام نے اس کے بارے میں ملا جلا ردعمل ظاہر کیا۔ کچھ لوگ اس کے سخت خلاف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ کافی سخت قسم کا نشہ ہے اس لیے اس سے

گریز کرنا چاہیے۔ کافی کی حمایت کرنے والوں کا خیال تھا کہ کافی پینا اچھی بات ہے۔ اس سے انسانی صحت پر کوئی مضر اثرات نہیں ہوتے کچھ عرصے کے بعد یورپ میں 'کافی خانے' جگہ جگہ نظر آنے لگے۔

تجربہ گاہوں میں کیے گئے تجربوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ اگر کافی بڑی مقدار میں جانوروں کو دی جائے تو وہ زہر کا کام کر سکتی ہے۔ یہ بچوں میں بھی زہریلے اثرات پیدا کر سکتی ہے۔ بالغ لوگ کافی کا استعمال مناسب مقدار میں کریں تو یہ ان کے لیے مضر نہیں ہوگی۔ کافی کے ہر بیج میں 'کیفین' نام کا مادّہ تقریباً ایک فی صد ہوتا ہے۔ اس میں دیگر اجزاء بھی ہوتے ہیں جو جسم پر مختلف طرح سے اثر انداز ہوتے ہیں کافی کی خوشبو جسم کے مختلف حصّوں کے لیے محرک ثابت ہوتی ہے۔ کافی پینے سے خون کی نالیاں کشادہ ہو جاتی ہیں۔ اس لیے دورانِ خون بہتر طریقے سے ہونے لگتا ہے۔ اس سے دماغ میں تھکان پیدا کرنے والے اثرات زائل ہو جاتے ہیں۔ کافی نبض کی رفتار کو تیز کرتی ہے جس سے دل متحرک ہوتا ہے۔ اعصاب کی کارکردگی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کافی پینے سے آنتیں زیادہ فعّال اور سرگرم ہو جاتی ہیں۔ صحت مند لوگوں کے لیے پیٹ بھر کھانا کھانے کے بعد کافی پینا مفید ہے کیوں کہ اس وقت یہ ہلکے مسہل کا کام کرتی ہے۔ خون میں شامل نمک کو کم کرنے میں بھی کافی معاون ثابت ہوتی ہے۔ دن کے مختلف اوقات میں کافی کا اثر مختلف طرح سے ہوتا ہے صبح کے وقت کافی پینے سے گردے متاثر ہوتے ہیں اس سے رات کے وقت جسم میں جمع ہونے والے فاسد مادّوں کے اخراج میں مدد ہوتی ہے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کافی کا استعمال ہاضمہ کو درست رکھتا ہے۔ سہ پہر کو کافی پینے سے ہمارے اعصاب متاثر ہوتے ہیں اور ہماری تھکان دور ہوتی ہے۔ شام کی کافی دل و دماغ کو زیادہ چست بناتی ہے۔

اسد ایوب ناڑکر، داپولی۔ رتنا گری، مہاراشٹر

فاطمہ بنت عبداللہ

فاطمہ بنت عبداللہ

۱۹۱۲ء کی بات ہے اٹلی نے عربوں کے ملک طرابلس پر حملہ کر دیا۔ اس وقت طرابلس پر ترکوں کی حکومت تھی۔ ترک اور عرب مل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ عرب کے تمام باشندے اپنے پورے خاندان کے ساتھ اس جنگ میں شریک تھے۔ مرد تو مرد عورتوں اور بچّوں تک نے اپنے وطن کی حفاظت کے لیے اس لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ عورتیں زخمی سپاہیوں کو ڈھونڈتیں اور انھیں پانی پلاتیں۔ بچیاں بھی ان کا ہاتھ بٹاتیں۔

ان بچّوں میں فاطمہ بنت

تھیں۔ ویسے تو طرابلس کی فوج میں عورتیں اور بچیاں بہت تھیں۔ لیکن فاطمہ بنت عبداللہ میں کچھ ایسی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے وہ ہزاروں مردوں اور عورتوں میں مشہور ہو گئیں۔ ایک تو اس کی کم سنی، دوسرے زخمی سپاہیوں سے اس کی محبت۔ وہ توپوں کی گھن گرج اور گولیوں کی بوچھار کی پروا کیے بغیر ہر جگہ زخمی سپاہیوں کو پانی پلانے پہنچ جاتی۔ معصوم ہرنی کی طرح وہ میدانِ جنگ میں اِدھر اُدھر دوڑتی پھرتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے زخمیوں کی مدد کے لیے آسمان سے کوئی فرشتہ اُتر آیا ہے۔ لڑائی کے میدان میں ایک تُرک سردار نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا "کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی ہے۔ کیوں اپنی جان خطرے میں ڈالتی ہے؟"

فاطمہ نے جواب دیا "میرا ہاتھ چھوڑ دو کیا تم نہیں جانتے کہ میرے وطن کے کتنے سپاہی یہاں پیاس سے دم توڑ رہے ہیں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔

ایک دن اٹلی کی فوج نے زبردست حملہ کر دیا دوپہر کا وقت تھا۔ فاطمہ اپنے کام میں کھوئی ہوئی تھی۔ دھوپ اور گرمی کی شدّت سے اس کا چہرہ جُھلسا ہوا تھا۔ بالوں میں ریت کی تہہ جم گئی تھی کُرتا لال رنگ کے دھبّوں سے رنگین ہو رہا تھا۔ لڑائی زوروں پر جاری تھی۔ ایک مقام پر اٹلی والوں نے ترک سپاہیوں کے ایک دستے کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ معلوم نہیں کس طرح فاطمہ بھی اس دستے کے بالکل [illegible] دیکھا کہ چار زخمی سپاہی زمین پر پڑے تڑپ رہے ہیں۔ فاطمہ دشمنوں کی پروا کیے بغیر ایک زخمی سپاہی کے پاس پہنچی اور اپنا مشکیزہ اس کے منہ سے لگا دیا۔ ابھی زخمی سپاہی کے منہ سے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہیں گیا تھا کہ اٹلی کے دو سپاہیوں نے بڑھ کر فاطمہ کا گریبان پکڑ لیا۔ فاطمہ تڑپی مگر دشمنوں نے اس کا گریبان مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔ فاطمہ نے فوراً زخمی سپاہی کی پڑی ہوئی تلوار اٹھا لی اور اس زور سے ماری کہ دشمن کے سپاہی کے داہنا ہاتھ زخمی ہو کر لٹک گیا۔ اس نے فاطمہ کا گریبان چھوڑ دیا۔

جب وہ دوسرے زخمی کی طرف مشکیزہ لے کر آگے بڑھی تو دشمن کے سپاہی نے اس کی پیٹھ میں زور سے سنگین گھونپ دی فاطمہ چکرا کر وہیں زمین پر گر پڑی لڑائی جاری تھی۔ کسی کا خیال اس کی طرف نہیں گیا۔ آخر دشمن ہار گیا۔ سپاہی اسے تلاش کرتے ہوئے اس کے پاس گئے تو انھوں نے دیکھا کہ ایک معصوم بچّی زخمیوں کو پانی پلاتے پلاتے خود بھی شہید ہو گئی اور اب بھی وہ مشکیزے کا منہ اس طرح تھامے ہوئے تھی گویا وہ زخمی سپاہیوں کو پانی پلا رہی ہو اور کہہ رہی ہو دیکھو میں نے زندگی کے آخری سانس تک اپنا فرض نبھایا۔ (اردو کی پانچویں کتاب سے ماخوذ)

مرسلہ:- آفرین شیر باغبان، شری رام چوک احمد نگر- مہاراشٹر

نانی کی نصیحت

ایک دن کی بات ہے کہ عمران اور عمران کی چھوٹی خالہ شبنم جو کہ تقریباً عمران کی ہم عمر ہے، بیٹھے باتیں کر رہے تھے اور آنگن میں بہت سی چھوٹی چھوٹی چڑیاں پھدک رہی تھیں۔ اتنی بہت ساری چڑیوں کو دیکھ کر شبنم نے عمران سے کہا۔ چلو عمران چڑیوں کو پکڑا جائے۔ بس پھر کیا تھا یہ دونوں، عمران کی بڑی خالہ انجم کے سر ہو گئے خالہ جان جال بنا دیجیے، باجی جال بنا دیجیے۔ آخر تنگ آکر انجم نے ایک جال بنا دیا اور وہ لوگ تھوڑی دیر میں ایک چڑیا پکڑنے میں کامیاب ہو گئے اور ان لوگوں نے چڑیا کو ایک پنجرے میں بند کر دیا وہ لوگ چڑیا کو پالنا چاہ رہے تھے چڑیا بیچاری بہت پھڑ پھڑا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد عمران کی نانی سو کر اٹھیں تو شبنم نے خوشی خوشی بتایا کہ امی ہم لوگوں نے ایک چڑیا پکڑی ہے تو عمران کی نانی نے کہا کہ شبنم تم لوگ چڑیا کو آزاد کر دو بیچاری بے زبان جانور کو قید نہ کرو تو عمران اور شبنم دونوں ضد کرنے لگے کہ "نہیں نانی ہم پالیں گے" "نہیں امی ہم پالیں گے" تو نانی نے کہا کہ چڑیا اور اس کے بچے بد دعا دیں گے۔ اگر تم لوگوں کی امی کو کوئی قید کرے تو کیسا لگے گا۔ یہ سن کر دونوں بچے سہم گئے اور ان لوگوں نے چڑیا کو فوراً آزاد کر دیا۔

عاصم شبیر عرشی معرفت مولانا شفیق الرحمن صاحب
دار العلوم، ندوۃ العلماء، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷

والدین کی فرماں برداری

ایک آدمی تھا اور اس کے بوڑھے والدین تھے اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے۔ وہ شخص بکری چراتا تھا اور پھر عشا کے وقت گھر آتا تھا اور پہلے بوڑھے والدین کو دودھ دیتا تھا۔ بعد میں بچوں کو دیتا تھا۔

ایک دن وہ صبح سویرے بکریاں لے کر چراگاہ کی طرف روانہ ہوا جب وہ چراگاہ پہنچا تو دیکھا وہاں گھاس وغیرہ نہیں ہے۔ اس نے سوچا کیوں نہ جا کر درخت کے پتے توڑ کر بکریوں کو کھلایا جائے اور وہ درخت کی تلاش میں بہت دور نکل گیا۔ مگر اسے کوئی درخت نہ ملا۔ چونکہ عرب دیس میں درخت کم پائے جاتے تھے مگر اسے ایک جگہ ایک درخت مل ہی گیا۔ اس نے درخت کی پتیاں توڑ کر بکریوں کو کھلا دیں اور جب وہ گھر آیا تو آدھی رات گزر چکی تھی اور اس کے بوڑھے والدین انتظار کر کے بھوکے سو چکے تھے مگر اس کے چھوٹے چھوٹے بچے جاگ رہے تھے اس نے بکریوں کا دودھ نکالا اور پیالے میں لے کر جہاں ماں باپ سو رہے تھے وہ یوں ہی پیالہ لے کر کھڑا رہا۔ اس کے بچے بھوک کی وجہ سے چلا رہے تھے مگر وہ پیالہ لے کر رات بھر کھڑا رہا اس لیے یہ پسند نہیں کیا کہ وہ اپنے والدین کی نیند میں خلل ڈالے۔ جب صبح کو اس کے ماں باپ جاگے تو اس نے پیالہ پیش کیا اس کے والدین نے کہا کہ تم رات بھر کھڑے رہے تم کو

دودھ دے دیتا تھا۔ اس نے کہا پہلے آپ لوگوں کا حق ہے پھر بچّوں کا۔ اس کے بعد پھر اس کے والدین نے دودھ پیا اور بہت ساری دعائیں دیں۔

ایک جب وہ کہیں سے واپس آیا تھا رات زیادہ ہوگئی تھی اسے ایک غار دکھائی دیا۔ وہ اس میں چلا گیا کہ وہ رات بھر اس غار میں آرام کرکے صبح ہوتے ہی چلا جائے گا۔ اچانک اوپر سے ایک چٹان گری اور غار کا مُنہ بند ہوگیا۔ اب وہ شخص بہت گھبرایا اور اللہ سے دعا کی کہ میں تیری ہی رضا کے لیے ماں باپ کی خدمت کرتا ہوں تو اس نیکی کے بدلے میں اس چٹان کو ہٹا دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کی اور چٹان خود بخود ہٹ گئی اور وہ شخص باہر آگیا اور اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا۔

(کہانی۔ عربی سے ماخوذ)

مرسلہ عرفان احمد عبدالرشید ۱۲۴ کمالپورہ، مالیگاؤں۔ ناسک ۴۲۳۲۰۳

● شوہر:۔ اجی مُنّا کیوں رو رہا ہے؟
بیوی:۔ کیا کروں مُنّا سوتا ہی نہیں۔
شوہر:۔ "لوری گاؤ اور سلاؤ"
بیوی:۔ لوری ہی گا رہی تھی لیکن پڑوسنوں نے کہا کہ اس سے تو اچھا بچّے کا رونا ہی تھا۔"

حلیمہ عاشق علی سیتر شری رامپور، احمد نگر

دشمنوں کا ظلم اور مسلمانوں کی ہجرت

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برابر اللہ کا کلام اور اسلام پھیلانے کا سلسلہ شروع کر دیا اور بلا خوف و ڈر کے لوگوں کو اللہ میاں کی باتیں سنانے لگے تو دشمنوں کو بہت بُرا لگا اور سب جمع ہوکر آپ کے چچا جناب ابوطالب کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ اپنے بھتیجے کو اللہ میاں کی [illegible]

نہ کریں جناب ابوطالب نے فرمایا کہ نہ میں اسے منع کروں گا اور نہ اس کی طرفداری چھوڑوں گا جو اس کا جی چاہے گا وہ کرے گا، ہاں اگر وہ کسی کو تکلیف دے گا یا بُری باتیں کرے گا تو البتہ میں اسے منع کروں گا۔ دشمن جناب ابوطالب کا نام سن کر مایوس ہوگئے۔

ہمارے سرکار برابر اسلام کی تبلیغ میں لگے رہے۔ مکّے کے دشمن پھر جناب ابوطالب کے پاس آئے اور کہا کہ اگر تم اپنے بھتیجے کو منع نہ کروگے تو ہم تم سے اور تمہارے سب خاندان والوں سے لڑیں گے، جناب ابوطالب نے حضورؐ کو سمجھایا اور کہا کہ: چچا کی جان! مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ میں برداشت نہ کرسکوں اور ایسی باتیں نہ کرو جس سے سب لوگ تمہارے دشمن ہو جائیں۔ حضورؐ نے جواب دیا کہ: چچا جان اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ میں سورج اور ایک ہاتھ میں چاند رکھ دیں تب بھی میں اللہ کا کلام سنانے اور اسلام پھیلانے سے نہ رُکوں گا یا تو میں خدا کا سچا دین لوگوں میں پھیلا [illegible] گا یا اسی کوشش میں [illegible] ابوطالب [illegible]

انھوں نے اپنی محنت اور لگن سے ملک کا سب سے اونچا عہدہ حاصل کیا۔

گیانی جی اقلیتی فرقے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے وہ اقلیتی فرقے کے دکھ درد کو سمجھتے تھے۔ وہ سیکولرازم اور قومی یک جہتی کے حامی تھے۔ انھیں اردو زبان سے بہت لگاؤ تھا۔ انھیں شاعروں اور ادیبوں سے بھی بہت لگاؤ تھا۔ وہ ایک ہنس مکھ انسان تھے۔ ان کا رکھ رکھاؤ، ان کا رہن سہن ان کی ہر چیز میں ایک نفاست اور شائستگی ہوتی تھی۔

انھوں نے ہماری جدوجہد آزادی میں بھی بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔ وہ کئی بار جیل گئے، لاٹھیاں کھائیں اور قید تنہائی کی سزا بھی پائی۔ ہم ان کی آتما کی شانتی کے لیے دل سے دعا کرتے ہیں۔

ماہرِ فنِ سیاست نکتہ بیں، روشن دماغ
فلسفی بالغ نظر، بزم ادب کی جان تھے وہ

(نوٹ :- پیام تعلیم میں ہر مضمون نگار کا صرف ایک مضمون شائع ہوتا ہے لیکن سعدیہ بی بی کے دو مضامین شائع کیے جا رہے ہیں۔ دونوں اہم مضامین ہیں۔ تاخیر سے شائع کرنے سے ان کی اہمیت ختم ہو جاتی) (ادارہ)

سعدیہ فخرالدین دیشمکھ۔ سیوری ممبئی ۱۵

● ایک بوڑھی عورت کو ان کی ساٹھویں سالگرہ کے موقع پر ایک بیٹے نے سات زبانیں بولنے والی دو ہزار روپے کی قیمتی مینا بھیجی۔ سالگرہ کی رات بیٹے نے لندن سے فون کیا اور پوچھا مینا کیسی ہے۔

"بیٹیا بہت لذیذ" ماں نے کہا۔

میں جھوٹ نہ بولوں گا

ایک شریف آدمی نے نہایت شوق سے گھر کے پاس ایک چھوٹا سا باغ لگا رکھا تھا اور خود ہی اپنے باغ کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ ایک دن وہ کہیں باہر گیا ہوا تھا کہ اس کا چھوٹا لڑکا ہاتھ میں آری لیے باغ کی سیر کو نکلا اور اس نے آری کو آزماتے ہوئے ایک سب سے اچھا درخت کاٹ دیا۔ شام کو باپ نے آ کر باغ کو دیکھا تو درخت کو کٹا ہوا پا کر بہت غصہ ہوا اور ہر ایک سے پوچھنے لگا۔ اتنے میں بیٹا بھی آ گیا۔ باپ نے اس سے پوچھا تو اس نے صاف کہہ دیا آپ ناراض تو ہوں گے مگر میں جھوٹ نہ بولوں گا۔ یہ درخت میں نے ہی کاٹا ہے۔ باغ کا شوقین باپ یا تو اتنا غصہ ہو رہا تھا یا اس نے نہایت خوشی سے بیٹے کو گود میں اٹھا لیا ہے اور کہا بیٹا مجھے تمھاری سچائی سے اتنی خوشی ہوئی کہ درخت کٹ جانے کا رنج اس کے سامنے کوئی چیز نہیں شاباش!! اسی طرح ہمیشہ سچ بولنا۔ باپ کے اس طرح معاف کر دینے اور شاباشی دینے کا لڑکے کے دل پر اتنا اثر ہوا کہ اس نے عمر بھر کبھی جھوٹ نہ بولا۔ ہوتے ہوتے اس کی سچائی سارے شہر میں کھل گئی اس لڑکے کا نام جارج واشنگٹن تھا۔ جس نے امریکہ کو آزاد کرایا اور وہی اس

بڑے ملک کا سب سے پہلا صدر چنا گیا۔ امریکہ کے صدر مقام کا نام بھی لڑکے کا نام پر واشنگٹن رکھا گیا۔

محمد مطلوب رضا۔ ابوالفضل انکلیو نئی دلی ۲۵

بلیک ڈیتھ : طاعون (پلیگ)

(سائنسی نقطۂ نظر سے)

آپ کے گھر یا محلے میں جب بڑی تعداد میں چوہوں کی موت خود بخود ہونے لگے تو بلا شک و شبہہ یہ بات تسلیم کر لیجیے کہ آپ کے گھر کی چوکھٹ پر طاعون دستک دے رہا ہے۔ اب آپ کمر کس کر دشمن کے مقابلے کے لیے تیار ہو جائیے لیکن ذرا ٹھہریے! اس انجان دشمن کی حقیقت تو جان لیجیے۔ یہ کیا ہے؟ یہ کس طرح پھیلتا ہے اور کیسے ہم پر حملہ آور ہوتا ہے۔

سائنسی تجزیہ:۔ طاعون درحقیقت جانوروں کی بیماری ہے۔ ابتدا میں یہ چوہوں پر اپنا اثر ڈالتا ہے لیکن اس کا دوسرا شکار انسان ہی ہوتا ہے۔ یہ مرض YERENSIA PESTIS نامی جرثومہ سے پھیلتا ہے۔ یہ جراثیم سب سے پہلے چوہوں پر حملہ آور ہوتے ہیں اور ان کا خون اپنی غذائی شکل میں چوسنے لگتے ہیں جس سے چوہے مرنے لگتے ہیں۔ چوہوں کے مرنے کی وجہ سے طاعون کے جراثیم یعنی YERENSIA PESTIS کی غذا بند ہو جاتی ہے اور یہ چوہوں کے جسم کو چھوڑ کر غذا کی تلاش میں ادھر ادھر بکھرنے لگتے ہیں چونکہ چوہا انسانی آبادی میں رہنے والا جانور ہے اسی لیے یہ جراثیم اپنی غذا کا دوسرا ذریعہ انسان کو ہی بنا ڈالتے ہیں۔ چوہوں کی مانند یہ انسانوں کو بھی کاٹ کر ان کا خون چوستے ہیں۔ کاٹنے کی وجہ سے کاٹی ہوئی جگہ پر کھجلی محسوس ہوتی ہے اور فطرتاً انسان اسے کھجلاتا ہے جس سے وہاں پر زخم نکل آتا ہے۔ اسی زخم کے راستے طاعون کے جراثیم جسم کے اندر داخل ہو جاتے ہیں اور پھیپھڑوں کو اپنی آماجگاہ بنا لیتے ہیں۔ ان کے خون میں پہنچتے ہی ایک طرح کا زہریلا مادّہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے جسم میں جگہ بہ جگہ گلٹیاں نکل آتی ہیں۔ یہ تو طاعون کا ابتدائی مرحلہ ہے جس میں تیز بخار، بے حد کمزوری اور سستی محسوس ہوتی ہے۔ جب کسی شہر، گاؤں یا آبادی میں کوئی ایک آدمی بھی اس... مرض کا شکار ہو جاتا ہے تو پوری آبادی اس کی نذر ہو جاتی ہے۔ آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ سائنس دانوں نے تجربات کے ذریعے یہ پتا لگایا ہے کہ جب طاعون کا مریض فضا میں اپنی سانس باہر نکالتا ہے تو ناک کے راستے جراثیم باہر آجاتے ہیں اور باہر کی ہوا میں مل کر آس پاس کی تمام ہوا میں جراثیم پھیلا دیتے ہیں۔ نتیجتاً جو بھی اس ہوا میں سانس لیتا ہے وہ طاعون کا شکار ہو جاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے چوہوں کی بیماری وبائی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

تاریخی تعارف:۔ ایسا کہا جاتا ہے

کہ ۵۴۳ء میں مصر کے پالوسیم نامی شہر میں
سب سے پہلے پلیگ پھیلا۔ اس اثنا میں پالوسیم
کے علاوہ بھی مصر کے کئی اور شہر اس کی زد
میں آگئے۔ یہ بیماری دھیرے دھیرے کچھ
اس طرح پھیلی کہ ایشیا اور یورپ کے کئی
ممالک کو اپنے دامن میں سمیٹتی ہوئی ۱۶۰۲ء
میں لندن پہنچی اور ایک بار پھر دلبس کی بیماری
پوری دنیا کے فکر کا مرکز بن گئی۔ ایک آنکڑے
کے مطابق یہ وبا یورپ میں ساٹھ سال تک
چلی تھی جس میں تیس ملین 30 Million
لوگوں کو اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا
تھا وہیں اس مہاماری کی شناخت "کالی
موت" BLACK DEATH کے نام سے ہوئی۔

ہندستان میں اس مہاماری ۱۸۱۲ء
میں وبائی شکل میں نمودار ہوئی تھی اور
تقریباً ۱۸۳۰ء تک برقرار رہی تھی۔ ۱۸۹۴ء
میں بلیک ڈیتھ نے پھر سر اٹھایا اور ۱۹۰۹ء
تک لگ بھگ ایک ہزار افراد کو نگل چکی تھی۔ عام طور
پر یہ بیماری ہندستان میں موسم گرما میں
کم لیکن سرما کے دنوں میں اس کے امکان
نسبتاً زیادہ ہوتے ہیں۔

طاعون کے اقسام:۔

طاعون کے تین اقسام مقدم الذکر ہیں۔

(۱) طاعون غدودی
(۲) طاعون عفونی
(۳) طاعون نمونیہ

(۱) طاعون غدودی۔۔ یہ پلیگ کی سب
سے عام قسم ہے اس میں عموماً تیز بخار، شدید
سر درد، بے چینی اور پیاس کی شدت
محسوس ہوتی ہے علاوہ یہ غدود ....
LYMPH GLAND مرض کی وجہ
سے بڑے ہو کر سرخ ہو جاتے ہیں اور چار
پانچ دنوں کے بعد پھوٹ پڑتے ہیں اور
پیپ کی شکل میں رس کر نکلتے ہیں
کبھی کبھی ناک یا منہ کے راستے بھی
خون آنے لگتا ہے۔ اگر خون جلد کے
نیچے سے رستا ہو تو جلد کے نیچے سرخ یا
سیاہ داغ پڑ جاتے ہیں اور اگر داغ
گہرا ہو تو بدن پر بھی سیاہی طاری
ہونے لگتی ہے۔

(۲) طاعون عفونی ۔ یہ طاعون کی بہت
ہی مہلک اور خطرناک قسم ہے۔ اس قسم کے
طاعون میں بیماری کے جراثیم خون میں شامل
ہو کر پورے جسم کو زہر آلود کر دیتے ہیں۔
عام طور پر اس میں درد سر کے علاوہ دل
بہت کمزور ہو جاتا ہے بالعموم گلٹیاں نہیں
نکلتیں اور اگر شاذ و نادر نکلتی بھی ہیں
تو بہت چھوٹی ہوتی ہیں اس میں بچنے
کے امکان بہت کم ہوتے ہیں۔

(۳) طاعون نمونیہ۔ طاعون عفونی سے
بھی زیادہ مہلک اور خطرناک ہے طاعون
نمونیہ اس کا چھوت (INFECTION)
مریض کے تھوک یا پیپ کے ذرے کی شکل

بھکاری: خدا آپ کو صحت دے بڑے میاں
ایک روپیا تو دیجیے۔
بڑے میاں: "میرے پاس اس وقت ایک
ٹکا نہیں!"
بھکاری: گھر والوں کے پاس تو ہوگا۔
بڑے میاں: "وہ سب بفضل تعالیٰ
صحت مند ہیں۔"

میں تنفس کے ذریعے انسان کے جسم میں داخل
ہوتا ہے اور پھیپھڑوں پر کیا حقہ اپنا قبضہ
جما لیتے ہیں اس وجہ سے پھیپھڑوں ...
(LUNGS) میں ورم (WORM) پیدا
ہو جاتے ہیں اور موثر شخص طاعونی
نمونیہ میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ان اوقات
میں تیز بخار کے ساتھ بلغم خارج ہوتا ہے
لیکن بعد میں بلغم کے ساتھ خون بھی آنے
لگتا ہے۔ سینہ میں درد، سانس میں تنگی،
اور حد درجہ کی بے چینی کے ساتھ کمزوری
بھی محسوس ہوتی ہے۔ بے انتہا کمزوری
کے باعث مریض نڈھال ہو جاتا ہے
اور بالآخر ہلاکت کے دروازے تک پہنچ جاتا
ہے۔

ان کے علاوہ بھی طاعون کی مختلف
قسمیں ہیں۔ طاعون دماغی۔ طاعون زخمی۔
طاعون فلغمونی۔ طاعون شکمی۔ طاعون
فضیغی۔ طاعون بطنی وغیرہ۔

نتیجہ اور حفاظت:۔ طاعون جیسی خطرناک
بیماری سے محفوظ رہنے کے لیے گھریلو چوہوں
کا خاتمہ کرنا ہوگا کیونکہ جرثومہ منتقل کرنے
والے پسو چوہوں کے جسم میں ہی رہتے
ہیں اور وہیں پرورش پاتے ہیں اسی لیے
چوہوں کو مارنے اور پکڑنے کی مہم ہمیشہ
جاری رہے لیکن ایک بات یاد رہے کہ
چوہوں کو مارنے کے بعد یا تو انھیں دفنا
دیا جائے یا پھر جلا دیا جائے ورنہ پھر سے
جراثیم فضا میں پھیل جائیں گے۔ صفائی
کا بھی پورا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر ان
باتوں کو ہم اور آپ عمل میں لائیں گے تو انشاءاللہ
تعالیٰ ہم اس کالی موت سے محفوظ
رہیں گے

(اس مضمون پر شبیر نورالظفر کو ۲۵ روپے دیے گئے۔)

شبیر نورالظفر۔ انسان اسکول، کشن گنج۔ بہار

لالچ کا انجام

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کسی گاؤں میں ایک
لکڑہارا رہتا تھا۔ وہ دن بھر جنگل میں
لکڑیاں کاٹتا اور انھیں گاؤں میں لاکر
فروخت کرتا اور اسی سے اس کی گزر
اوقات ہوتی۔ ایک روز کا واقعہ ہے
کہ اس کے گھر میں کھانے کو کچھ نہ تھا۔
بس تھوڑے سے چاول تھے۔ اس کی بیوی
نے وہ چاول پکا کر اس کے ساتھ کر دیا۔
لکڑہارا لکڑیوں کی کھوج میں جنگل کی طرف
بڑھ گیا۔ راستے میں ندی تھی اور ندی کے
کنارے ایک درخت تھا جس کی ایک شاخ
سے اس نے وہ کھانے کا ڈبا باندھ دیا اور
لکڑیاں کاٹنے چلا گیا۔

ایک بزرگ اور ان کا لشکر ادھر
سے گزرا۔ اتنے میں بزرگ کی نظر ڈبے پر
پڑی۔ انھوں نے وہ ڈبا کھولا تو کہنے لگے
"شاید کسی غریب کا کھانا ہے۔" انھوں
نے سارا کھانا لے لیا اور اس ڈبے میں
موتی چور کے لڈو رکھ دیے اور وہ ڈبا
بند کر کے چلے گئے۔ جب لکڑہارا لکڑیاں
لے کر واپس آیا اور اس نے اس ڈبے میں
لڈو دیکھے تو حیران رہ گیا اور سوچنے لگا
کہ میری بیوی نے تو صرف چاول باندھے
تھے پھر یہ لڈو کہاں سے آ گئے۔ یہ کہہ کر اس
نے ایک لڈو اٹھایا اور کھانے لگا اور خوشی
خوشی گھر آیا اس نے اپنی بیوی سے کہا

کہ یہ لڈو کھا تو جو ڈبے میں بند ہے۔ اس کی بیوی نے بھی خوب لڈو کھائے۔ اب ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ کیوں نہ ہم گانو والوں کو کھانے کی دعوت دیں۔ انھوں نے گانو کے مکھیا سے ساری بات کہہ دی کہ گانو والوں کو کھانے کی دعوت دیں اسے یقین نہیں تھا مگر مجبوراً اس نے سارے گانو والوں کو دعوت دے دی۔ جب لوگوں نے سنا کہ ایک غریب لکڑہارا سارے گانو کو دعوت دے رہا ہے انھیں بہت حیرت ہوئی۔ سبھی لوگوں نے اپنے اپنے بچوں کو یہ سوچ کر بھیجا کہ اس غریب کے یہاں بچا ہی کیا ہوگا۔ لیکن خود نہیں گئے جب سبھی لوگ وہاں پہنچ گئے تو مکھیا نے ڈبا لیا اور سب کو بانٹنے لگا۔ جب سبھی کو بانٹ چکا تو خود بھی خوشی خوشی کھانے لگا۔ جب سبھی بچے کھانا کھا کر اپنے اپنے گھر گئے تو انھوں نے اپنے والدین سے لڈو کے بارے میں کہا۔ ان کے والدین بہت حیرت کرنے لگے۔ لکڑہارے کی ایک پڑوسن نے بھی اپنے شوہر کو یہ صلاح دی کہ تم بھی جنگل جاؤ تاکہ ہم بھی لڈو کھا سکیں۔ لالچ کے مارے شوہر بیوی کی باتوں میں آگیا۔ اس نے کھانے کا ڈبا لے کر جنگل میں ندی کے کنارے درخت سے باندھ دیا اور آگے بڑھ گیا اتنے میں پھر بزرگ کا لشکر اس طرف سے گزرا انھوں نے ڈبا دیکھ کر کہا کہ یہ کسی لالچی کا ہے۔ انھوں نے اس ڈبے سے سارا کھانا نکال لیا اور اس میں دو مجسمے رکھ دیے اور ان میں جان بھر دی اور ان مجسموں کے ہاتھوں میں چابک تھما دیے اور چل دیے۔ ابھی وہ آدمی لکڑیاں توڑ ہی رہا تھا کہ اسے لڈو کا خیال آیا وہ خوشی خوشی درخت کے پاس آیا اور لڈو کھانے کے لیے ڈبا کھولا مگر جیسے ہی ڈبا کھولا تو مجسموں نے اس پر چابک کی برسات کر دی۔ اتنے میں ان کے ہاتھ اس ڈبے پر پڑ گئے تو مجسمے ڈبے میں چلے گئے۔ اس نے بڑی مشکل سے ڈبا بند کیا اور گھر آگیا۔ جب اس کی بیوی نے دیکھا تو ڈبا لے کر خوشی سے جھومنے لگی اور کہنے لگی "لگتا ہے آپ نے بہت زیادہ لڈو کھائے ہیں۔" اسی لیے آپ سیدھی طرح چل نہیں پا رہے تھے اب تم دروازہ کے باہر بیٹھو میں گھر میں لڈو کھاتی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کر دیا اور لڈو کھانے کے لیے ڈبا کھولا پھر کیا تھا مجسموں نے اسے مارنا شروع کر دیا۔ بیوی سارے گھر میں کود رہی تھی اس کا شوہر باہر بڑی شان سے سن رہا تھا۔ جب بیوی کافی پریشان ہوگئی تو شوہر نے کہا "بہت ہوگیا۔ اب لڈو کھانا بند کر دو اور ڈبے پر ہاتھ رکھ دو۔" بیوی نے ایسا ہی کیا۔ مجسمے اندر چلے گئے۔ بیوی نے ڈبا بند کیا اور باہر شوہر کے پاس آئی۔ اب وہ دونوں اپنے کیے کا انجام دیکھ چکے تھے اب ان کو خیال آیا کہ ہم بھی سارے گانو

● میں فلم لائن میں کبھی بُری طرح فیل ہو چکا ہوں۔ ایک آدمی بولا۔
"دوسرا بولا۔" اوہ اب تو تمھارے لیے ایک ہی لائن رہ گئی ہے۔" پہلا بولا۔
"کون سی ؟" دوسرے نے جواب دیا۔
"ریلوے لائن۔"

والوں کو دعوت دیں۔ یہ سوچ کر انھوں نے مکھیا سے گانو میں دعوت دینے کے لیے کہا مکھیا پہلے ہی سے انتظار کر رہا تھا کہ مجھے دوبارہ لڈو ملیں گے۔ وہ گانو میں گیا اور سب کو دعوت دے دی۔ ان کے بچے کہنے لگے ہمیں جانے دیجیے تو ان کے والدین نے کہا نہیں! اب تم نہیں اب ہم جائیں گے۔ کیوں کہ تم لڈو کھا چکے ہو۔ اب ہماری باری ہے۔ جب سارے لوگ وہاں آ گئے تو مکھیا نے وہ ڈبا اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور اسے کھولا۔ کھولتے ہی بھتیے اس پر ٹوٹ پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے بھتیے لوگوں کو مارنے لگے۔ لوگ مار کھا کر گھر کی طرف بھاگے۔ جب ان کے بچوں نے ان کے والد سے کہا کہ "لڈو دیکھتے رہیے" تو وہ بہت غصہ ہو گئے اور شرم کے مارے کہنے لگے۔ بس خاموش رہو۔

دیکھا ساتھیو! لالچ کا انجام کتنا برا ہوتا ہے۔

سید نور رمانک اچڑک امڑا پور ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

شیخ چلی

ایک آدمی کو ایک انڈا ملا وہ انڈا لے کر گھر آ رہا تھا کہ اس کے دماغ میں ہوائی قلعہ بنانے کی ایک لہر دوڑ گئی پھر کیا تھا وہ سوچوں کے سمندر میں ڈوب گیا اور سوچنے لگا میں اس انڈے کو لے جا کر اپنی مرغی کو دوں گا اور وہ اس سے بچے نکالے گی۔ اور بچہ بڑا ہو کر ایک مرغی بنے گا اور پھر اس سے دس مرغیاں ہوں گی۔ ان مرغیوں کے انڈوں سے بچے نکلیں گے وہ بڑے ہو جائیں گے اور... مرغیاں ہو جائیں گی ان کے انڈوں سے بچے نکلیں گے اور بڑے ہو جائیں گے اور میرے پاس ایک ہزار مرغیاں ہوں گی۔ ان سے میں ایک پولٹری فارم بنا لوں گا پولٹری فارم سے مرغیاں فروخت کر کے ایک گائے خرید لاؤں گا۔ گائے دودھ دے گی۔ میں دودھ فروخت کروں گا اس سے بہت فائدہ ہوگا اور گائے سے بچھڑا ہوگا۔ دو سے چار، چار سے آٹھ آٹھ سے سولہ، سولہ سے ایک ہزار گائے ہو جائیں گی۔ میں ایک دودھ گھر بناؤں گا اور دودھ فروخت کروں گا روزانہ ایک لاکھ کا فائدہ ہوگا۔ اس طرح سے ایک ماہ کے تیس لاکھ ہوں گے۔ میں ایک شاندار کوٹھی بنواؤں گا۔ دوسرے ماہ پھر تیس لاکھ آئیں گے اس سے تجارت کروں گا۔ اس میں خوب نفع ہوگا خوب دولت جمع ہو گی جس سے میں ایک محل بنوا لوں گا اور ایک ہوائی جہاز خرید لوں گا۔ پھر سب کچھ بیچ کر پیرس چلا جاؤں گا۔ وہاں پر بزنس شروع کروں گا اور خوب کماؤں گا اور بڑا آدمی ہو جاؤں گا اور پیرس کی شہزادی سے بیاہ کروں گا۔ شہزادی اور میں مل کر چاند کی سیر کو جائیں گے۔ چاند کی سیر کر کے زمین پر واپس آؤں گا اور پیرس کا بادشاہ بن جاؤں گا۔ بادشاہ بننے کے خیال سے وہ خوشی سے جھومنے لگا اتنے میں ایک سائکل والے نے اس کو ٹکر مار دی۔ وہ گر پڑا اور اس کا انڈا ٹوٹ گیا وہ زار و قطار رونے لگا۔ کسی راہ گیر نے اس سے رونے کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ

اس سائیکل سوار کی ٹکّر کی وجہ سے میں
بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا راہ گیر نے اُسے اوپر
سے نیچے تک دیکھا اور ایک زوردار قہقہہ
لگاتا چلا گیا۔ یہ صاحب شیخ چلی تو نہیں تھے
مگر سوچتے ضرور شیخ چلی کی طرح تھے۔

مرسلہ: مرزا انور بیگ - پرکٹ تعلقہ - آرمور

دو دوست مسجد میں باتیں کر رہے تھے۔
پہلا دوست: "نماز پڑھتے وقت جوتے آگے ہوں تو نماز نہیں ہوتی۔"
دوسرا دوست: "اگر نماز پڑھتے وقت جوتے پیچھے ہوں تو پھر جوتے نہیں ہوتے۔"

کسی کو دھوکا مت دو

عرب میں ایک کنجوس سوداگر رہتا
تھا مگر تھا بہت دولت مند۔ اس وجہ سے وہ
گھمنڈی ہو گیا تھا۔ خود کو سب سے بہتر
اور عقلمند سمجھتا تھا۔ غریبوں کو ستانے میں
وہ خوشی محسوس کرتا تھا غریبوں کے دکھ کو
دیکھ کر ہنسا کرتا تھا۔ وہ غریبوں کو ستانے
کی تدبیر سوچا کرتا تھا ایک دن اس کے
من میں اندھوں کو کھانا کھلانے کی بات
سوجھی اس نے شہر میں اعلان کروایا کہ
سوداگر کے گھر آج اندھوں کو کھانا کھلایا
جائے گا لیکن اس نے اپنے گھر میں صرف
ایک دو آدمیوں کے لیے ہی کھانا بنوایا۔

دوپہر کو سیکڑوں اندھے اس کے گھر
کھانا کھانے کے لیے پہنچ گئے اس سوداگر نے
سبھی اندھوں کو بڑی عزت و احترام کے
ساتھ اندر بلایا سب کو ہاتھ پیر دھونے
کے لیے پانی دیا۔ اور انھیں سلیقے کے ساتھ بٹھا
دیا پھر اس کنجوس نے اندھوں سے کہا "بھائیو!
کھانا تیار ہے۔ روٹی سبزی چٹنی، پوری
کچوری، پیڑا برفی سب چیزیں میں نے آپ
لوگوں کے لیے بنوائی ہیں چیزیں بہت
ہیں ایک ایک کرکے پیش کرنے میں بڑی
وقت ہوگی سب چیزیں ایک ساتھ تھالی
میں پیش کر دی جائیں گی سب کے سامنے
اس کا کھانا ہوگا کیا یہ بات تم سب کو
منظور ہے۔

اندھوں نے کہا "ہاں منظور ہے"

سوداگر نے نوکر کو حکم دیا کہ سب چیزیں
تھالی میں سجا کر پہلے لوگوں کے سامنے
رکھ دو۔ تھالی پیش کرنے کے بعد اس
نے ان سے پوچھا "کیوں بھائی سب چیزیں
آگئیں" انھوں نے ٹٹول کر کہا جی ہاں
سب چیزیں آگئیں"۔

سوداگر کے حکم کے مطابق نوکر اسی تھالی
کو اٹھا کر ہر ایک اندھے کے سامنے رکھتا
گیا اور سوداگر سب سے وہی سوال کرتا گیا
ایک دوسرا نوکر کھانے کی تھال اٹھانے کے
بعد اس کی جگہ خالی تھالی رکھتا گیا۔ وہ کام
ختم ہونے کے بعد سوداگر نے کہا کہ اب آپ
لوگ کھانا شروع کیجیے۔

جب اندھے کھانے کے لیے ٹٹولنے لگے
تو ان کو وہاں کچھ نہ ملا۔ ہر ایک نے سوچا
کہ اس کا کھانا بازو والے نے چرا لیا ہے ان
کو اطمینان تھا کہ میزبان نے سب چیزیں پیش

کیں ہیں اس لیے اُن کو یقین ہوگیا کہ بازو والے نے بے ایمانی کی ہے۔ اب کیا تھا ایک دوسرے کے بیچ گالی گلوچ ہونے لگی۔ ہوتے ہوتے اندھوں کے بیچ لڑائی جھگڑا ہونے لگا۔ یہ دیکھ کر سوداگر دل ہی دل میں خوش ہوا اس نے سب اندھوں کو خاموش کیا اور ان کا ہی قصور ثابت کرنے کے لیے ان کو قاضی کے پاس لے گیا اور قاضی سے شکایت کی کہ ان اندھوں نے میرے گھر پر مار پیٹ کی ہے۔ قاضی صاحب نے پوچھ تاچھ کی۔ سب اندھوں نے ایک آواز میں کہا۔ حضور ہمارے سب کے سامنے کھانا سجایا گیا تھا لیکن ہمارے بازو والے نے کھانا چرا لیا۔

عقل مند قاضی نے سوداگر کی شرارت کو سمجھ لیا اور اس شرارت کی سوداگر کو اچھی سزا دی۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

"بغیر سوچے سمجھے اپنے پڑوسیوں کو کبھی تنگ کرنا نہیں چاہیے۔

عائشہ صدف عبدالرشید مومن پورہ۔ آکولہ

نیکی کا بدلہ

ایک شکاری ایک گھنے جنگل میں گیا وہاں پر اس نے اپنا جال ڈالا اور ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا اس نے ایک کبوتروں کا جھنڈ دیکھا جو کہ جنگل کی طرف آ رہا تھا یہ دیکھ کر شکاری بہت خوش ہوا اس نے سوچا کہ آج میرے بچوں کو بھوکا سونا نہیں پڑے گا لیکن کبوتروں کا جھنڈ جنگل سے گزر گیا تو شکاری کو بہت رنج ہوا پھر بھی اس نے صبر کا دامن نہ چھوڑا اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوا یہاں تک کہ شام ہوگئی اب وہ مایوس ہونے لگا تبھی اس کے جال میں ایک خوبصورت کبوتر پھنسا تو شکاری خوش ہوا اور اس نے سوچا کہ اس کبوتر کو بازار میں بیچ دوں گا اور جو روپے ملیں گے اس سے کھانے کا سامان خرید لاؤں گا۔ شکاری یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ایک ہلکی سی آواز اس کے کانوں میں پڑی تو وہ چونک گیا کبوتر نے شکاری سے کہا اے شکاری تو مجھ کو چھوڑ دے میرے بچے بھوکے ہوں گے اگر میں دانہ نہ لے گئی تو وہ بھوک کے مارے دم توڑ دیں گے۔ شکاری نے کبوتر سے کہا اگر میں تجھ کو چھوڑ دوں گا تو میرے بچے بھی بھوک سے دم توڑ دیں گے۔ کبوتر بہت گڑگڑایا تو شکاری کا دل پگھل گیا اور اس نے کبوتر کو آزاد کر دیا۔ کبوتر نے کہا اے رحم دل انسان اللہ تیری ضرور مدد کرے گا یہ کہہ کر کبوتر خوشی خوشی اُڑ گیا۔ شکاری سوچنے لگا کہ آج میرے بچوں کو بھوکے ہی سونا پڑے گا پھر بھی وہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوا اس نے سوچا کہ بے شک اللہ تعالیٰ بھوکا اٹھاتا ہے پر بھوکا سلاتا نہیں۔ یہ سوچ کر وہ گھر کی طرف چل پڑا راستے میں اس کو گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی وہ چھپ گیا اس نے دیکھا کہ ڈاکو آ رہے ہیں۔ ڈاکوؤں نے شکاری کو دیکھ لیا اور شکاری کو پکڑ کر رستے سے باندھ دیا اور ڈاکوؤں کے سردار نے کہا پہلے ہم مال کا بٹوارہ کریں گے جو کہ ہم لوٹ کر

لائے ہیں۔ پھر اس شکاری کو اپنے اڈے
پر لے جائیں گے یہ کہ کر وہ آپس میں بٹوارہ
کرنے لگے۔ اتنے میں کبوتر اپنے دوست چوہے
کے ساتھ آیا تو چوہے نے کبوتر کے کہنے پر
رسّے کو کاٹ دیا اور شکاری آزاد ہو گیا۔
کبوتر نے مدھو مکھی کے چھتے پر چونچ ماری
جو کہ اس پیڑ پر تھی جس کے نیچے ڈاکو بٹوارہ
کر رہے تھے۔ مدھو مکھیوں نے ڈاکوؤں
کو دوڑایا اور ان کو کاٹنا شروع کر دیا وہ سب
ڈر کے مارے بھاگ گئے اور وہ جو سامان و
مال لوٹ کر لاتے تھے سب وہیں چھوڑ گئے
شکاری نے کبوتر کا شکریہ ادا کیا تو کبوتر
نے کہا کہ اس میں شکریہ کی کیا بات ہے میں
تو تمہارا دوست ہوں اور جو دوست دوست
کے کام آئے وہی سچا دوست ہے۔ یہ جتنا
مال پڑا ہے سب تم لے جاؤ اور خوشی سے
رہو۔ شکاری نے سب سامان باندھا اور
اپنے دوست کبوتر سے رخصت ہوا۔ گھر آ کر
اس نے عہد کیا کہ اب وہ کبھی شکار نہیں کرے
گا۔ کیوں کہ جانوروں کو بھی جینے کا حق ہے
وہ سمجھ گیا کہ بے شک نیکی کا بدلہ ضرور ملتا ہے
اور وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ خوشی سے
رہنے لگا۔

محمد طارق عراقی کے ڈی۔ اے کالونی کان پور

نیا سال

پیامیوں کو نیا سال مبارک ہو اپنی
معاشی بدحالی کو مدنظر رکھتے ہوئے خوشی
کے گیت گائیں اور جشن بھی منائیں۔ یہ تو
سب جانتے ہیں کہ جب تک ہم لوگ غلامی کی
زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے تو اس وقت
تک بہت ہی دھوم دھام سے نیا سال
منایا کرتے تھے مگر آج جب کہ اس غلامی
کے طوق کو گلے سے اتار کر پھینک چکے ہیں
اور ایک آزاد قوم کی حیثیت سے اپنی حکومت
آپ کرتے آ رہے ہیں تو پھر ہمارا نیا سال
محرم الحرام اور چیت مہینے کی پہلی تاریخ میں
تو ہونا چاہیے طرہ تو یہ ہے کہ اپنی تہذیب
و تمدن سے کنارہ کش ہو کر دوسروں کی تقلید
کریں۔ ذرا سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے
نیا سال تو اب مذاق ہو کر رہ گیا ہے۔ اس
موقع سے میلا لوں، جنگلوں، باغوں اور
کلبوں میں پکنک منانے جاتے ہیں اور کافی
روپے بھی خرچ کرتے ہیں جب کہ دوسری
قوم ہمارے معاشرے کو اپنا کر اچھی قوم میں
شمار ہونے لگی ہے اور ہم لوگ گمراہی کے
راستے پر چل کر ساری دنیا میں ذلیل و خوار
اور حقارت کی نظر سے دیکھے جا رہے ہیں اور
بھٹکتے جا رہے ہیں اس کی خاص وجہ یہ
ہے کہ ہم لوگ قرآن کی تعلیم اور اسوۂ رسول کو بھول
چکے ہیں۔

شبانہ اعظمی، درگاہ بیلا۔ ویشالی۔ بہار

● استاد نے بچوں سے پوچھا کہ "دودھ
کو خراب ہونے سے بچانے کا آسان طریقہ
کیا ہے۔"
"ایک بچے نے کہا: "اسے گائے کے
پیٹ میں ہی رہنے دیا جائے۔"

قلمی دوستی

نام:- سید خلیل احمد
تعلیم:- دسویں جماعت
مشغلہ:- پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا اور دیگر رسالوں کا مطالعہ کرنا۔
پتا:- سید خلیل احمد، مومن پورہ، ککڑ کالی گلی جمہور ہائی اسکول اودگیر۔

نام:- حذیفہ سلمٰی
تعلیم:- انٹر (سال اوّل)
مشغلہ:- دینی معلومات حاصل کرنا اور پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا۔
پتا:- نلگنڈہ۔ مکان نمبر ۱۶-۹-۵ (نیم چکلم)

نام:- مومن عبدالحکیم نثار احمد
تعلیم:- دسویں (ایس۔ایس۔سی)
مشغلہ:- کتابوں کا مطالعہ کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا:- ۹۱ اسلامپورہ بھیونڈی (تھانہ)

نام:- عبدالرشید رضوی۔ عمر ۱۶ سال
تعلیم:- دسویں جماعت
مشغلہ:- پیام تعلیم پڑھنا اور گانا سننا
پتا:- ۳۴/اے بینک بران لین کلکتہ ۱۲

نام:- سہیل احمد کوثر مکی
تعلیم:- آٹھویں جماعت
مشغلہ:- جاسوسی کہانیاں پڑھنا۔
پتا:- ۷۹، مسجد اسٹریٹ نیو کالونی پورو دوگاہ کھٹکل ۵۸۱۳۲۰۔ اڑیسہ

نام:- یوسف خاں یعقوب خاں
تعلیم:- دسویں جماعت
مشغلہ:- اچھے دوستوں کی تلاش کرنا، کرکٹ کھیلنا۔
پتا:- ایوب فلور مل یعقوب خاں قسیبر نگر پلاٹ نمبر ۲۷/۲۴/۲۴ مالیگاؤں مہاراشٹر

نام:- محمد عقیل عمر: ۱۲ سال
تعلیم:- عربی سوم
مشغلہ:- تکرار و مطالعہ کرنا
پتا:- مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شنری رامپور احمد نگر،

نام:- صفات احمد خاں عمر: ۱۵ سال
تعلیم:- دسویں جماعت۔
مشغلہ:- پیام تعلیم پڑھنا۔ کرکٹ کھیلنا۔ دوستی کرنا
پتا:- صفات احمد خاں مدرسہ اسلامیہ مہیت مئو پوسٹ کاکوری لکھنؤ۔

نام:- ساجد اختر عمر: ۹ سال
تعلیم:- پانچویں جماعت
مشغلہ:- کھیلنا کودنا اور پڑھنا
پتا:- معرفت فیاض احمد نیشن ریڈیو ڈیلی مارکیٹ مین روڈ، راؤرکیلا (اڑیسہ)

نام:۔ اکرم چھوٹے عمر: ۱۳ سال
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ اچھلنا کودنا اور پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ انسان اسکول کشن گنج (بہار)

نام:۔ آصف محمد کلادگی عمر: ۱۵ سال
تعلیم:۔ دسویں جماعت
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ غوث محی الدین کلادگی جامع نگر، بسون باگیواڑی، بیجاپور۔ کرناٹک

نام:۔ محمد ناصر حسین شیرازی
تعلیم:۔ بارھویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ عبدالرزاق ماسٹر موہن پورہ، ملکاپور ملبڈانہ (مہاراشٹر)

نام:۔ فرحت جبیں
تعلیم:۔ دسویں جماعت
مشغلہ:۔ اچھی بہنوں کی تلاش۔
پتا:۔ نعیم زاہد ۲۹۴ بشیر گنج بیڑ (مہاراشٹر)

نام:۔ فصیح الحسن ولد ظہیر الحسن
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، کہانیاں پڑھنا اور کرکٹ کھیلنا۔
پتا:۔ مکان نمبر ۲۹۸۵ کاکتی ویس بیلگام کرناٹک

نام:۔ شمیم خانم
تعلیم:۔ بارھویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم اور درسی کتابوں کا مطالعہ
کرنا۔ دوستی کرنا صرف بہنوں سے
پتا:۔ خالد خاں غوث خاں جامع مسجد چوک سلوڑ (مہاراشٹر)

نام:۔ مولوی عبدالستار موسیٰ نداف عمر ۱۸ سال
تعلیم:۔ عربی فارغ التحصیل
مشغلہ:۔ دینی کتابیں پڑھنا۔
پتا:۔ سانگاؤں، ضلع کولہاپور (مہاراشٹر)

نام:۔ نازیہ علی
تعلیم:۔ نویں جماعت
مشغلہ:۔ ماں باپ کی خدمت کرنا، پڑھ لکھ کر آگے بڑھنا
پتا:۔ محبوب علی کاغذی پورہ وارڈ نمبر ۱۲ بالاپور۔ آکولہ (مہاراشٹر)

نام:۔ شہاب الدین مظفر پوری عمر: ۱۷ سال
تعلیم:۔ ادیب۔ ماہر، کامل عربی پنجم
مشغلہ:۔ کتابت کرنا۔ ہندستانی کرکٹ ٹیم کی تعریف کرنا
پتا:۔ دارالعلوم امدادیہ ۷۲ میمن واڑہ روڈ بمبئی ۳

نام:۔ حبیب اللہ اکرمی
تعلیم:۔ ساتویں جماعت
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا۔
پتا:۔ شاہ محلہ ۳۸، بھٹکل۔ کرناٹک

نام:۔ سید زاہد رضوی
تعلیم:۔ ہیومیو پیتھک
مشغلہ:۔ پیام تعلیم اور ڈرامنگ کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ تاج ہیومیو میڈیکل نیا محلہ ساؤتھ بازار انڈال ۷۱۳۳۲۱

نام:۔ شوکت علی عمر: ۱۴ سال
تعلیم:۔ تیسری جماعت
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا اور پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے
دربھنگہ، بہار ۸۴۶۰۰۱

نام:۔ ثنا پروین
تعلیم:۔ دوسری جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا۔ قلمی دوستی کرنا۔
پتا:۔ محمد خالد موضع کھریاں پوسٹ سرائے میر
ضلع اعظم گڑھ (یو پی)

نام:۔ طاہرہ بانو
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ غریبوں کی مدد کرنا
پتا:۔ شانتی نگر ضلع گنتکل (آندھرا پردیش)

نام:۔ درخشاں بانو
تعلیم:۔ پانچویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ محمد ابو سفیان محلہ شیخانہ خرد۔ بہار شریف
ضلع نالندہ (بہار)

نام:۔ تسنیم بانو محمد حاجی اشرف
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ کلب چوک قریشی پور ایوت محل

نام:۔ وسیم راجا عمر ۱۳ سال
تعلیم:۔ ساتویں جماعت
مشغلہ:۔ نماز پڑھنا، ٹی وی دیکھنا، پتنگ اڑانا
پتا:۔ معرفت حنیف خاں، بجا خزانچی خاں رامپور یوپی

نام:۔ نسیم بانو محمد اسماعیل
تعلیم:۔ نویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا اور اچھی چیزیں کھانا
پتا:۔ ای و و بجاؤ پنجاری گاڈی دوائی والے
قلم چوک ایوت محل۔

نام:۔ شمائلہ منظور
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، بڑوں کی عزت کرنا
لڑائی جھگڑے سے دور رہنا
پتا:۔ معرفت ڈاکٹر منظور احمد، راجہ باغیچہ
مہاراج گنج، رفیع گنج، اورنگ آباد (بہار)

نام:۔ فضل الرحمٰن
تعلیم:۔ بی۔اے (آنرس)
مشغلہ:۔ کتابوں کا مطالعہ کرنا دوستی کرنا
پتا:۔ کاکٹ پور (میڈیکل روڈ) پوری۔ اڑیسہ

نام:۔ محمد اسعد علی دربھنگوی عمر ۱۰ سال
تعلیم:۔ عربی اول
مشغلہ:۔ پیام تعلیم کا پڑھنا۔
پتا:۔ مدرسہ عین الاسلام نوادہ پوسٹ امیلو
ضلع اعظم گڑھ (یو پی)

نام:۔ اسلم
تعلیم:۔ عربی چہارم
مشغلہ:۔ مطالعہ
پتا:۔ ساکن ٹبرا سونا کوڑ پوسٹ کوٹال پوکھر
ضلع۔ صاحب گنج، بہار۔

نام:۔ اشرف علی
تعلیم:۔ عربی ششم

مشغلہ:۔ گمراہوں کو راہ دکھانا۔
پتا:۔ مو دیکولیہ پوسٹ ۔بیشن پور ضلع صاحب گنج ، بہار۔

نام:۔ محمد اشرف علی عمر ۱۰ سال
تعلیم:۔ درجہ چہارم
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، بیت بازی کرنا۔
پتا:۔ محمد اشرف علی سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ (بہار)

نام:۔ ریحان احمد اعظمی عمر ۸ سال
تعلیم:۔ تیسری جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا:۔ ماسٹر محمد طارق، نیشنل چلڈرن اسکول نزد کھربواں موڑ سرائے میر اعظم گڑھ یو پی

نام:۔ شاذیہ خاتون
تعلیم:۔ دسویں جماعت
مشغلہ:۔ قلمی دوستی کرنا اور پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ نلگنڈہ محلہ نیم چلکہ مکان نمبر ۱۲۰۱-۶-۵

نام:۔ حنا کوثر
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ کہانی لکھنا۔ پینٹنگ کرنا
پتا:۔ معرفت فیاض احمد نرنش ریڈیو ڈیلی مارکیٹ پوسٹ بکس راؤرکیلا (اڑیسہ)

نام:۔ مسرت جہاں
تعلیم:۔ درجہ چہارم
مشغلہ:۔ کتابوں کا مطالعہ کرنا۔
پتا:۔ الصبر کالونی ۲۹۔ رب انڈال ، بردوان ، مغربی بنگال

نام:۔ محمد شریف : عمر ۱۳ سال
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ دین کا داعی بنانا، کراٹے کرنا، فٹ بال کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ اسلامیہ عربک کالج منصورہ الور باسن پن کوڈ ۵۷۲۹۱۳ (کرناٹک)

نام:۔ دُرّانی دانش محمد خاں
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا، کتابیں پڑھنا
پتا:۔ محلہ خواجہ پورہ جمہوریائی اسکول اودگیر۔

نام:۔ محمد عقیل انجم نیپالی عمر:۔ ۱۲ سال
تعلیم:۔ چھٹی جماعت
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا، کتابیں پڑھنا
پتا:۔ سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ بہار

نام:۔ صبغتہ اللہ صدیقی عمر: ۱۸ سال
تعلیم:۔ بی۔ ایس سی
مشغلہ:۔ شعر و شاعری، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ اے۔ ایس عربک کالج لہریا سرائے دربھنگہ (بہار)

نام:۔ محمد ذاکر علی عمر ۱۳ سال
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ دین کے کاموں میں حصہ لینا، فٹ بال کھیلنا۔
پتا:۔ اسلامیہ عربک کالج، منصورہ آلور۔ باسن۔

اقوالِ زریں

دو چیزوں میں تاخیر نہیں کرنا چاہیے۔
۱۔ جب اذان ہو جائے تو نماز کو جانے میں
۲۔ جب جنازہ تیار ہو جائے تو دفن کرنے میں

محمد ناظر محبوب سبحانی تا مسٹری الہسی کرناٹک

بے کار ہے

۱۔ وہ دولت تمہارے لیے بے کار ہے جو تمہارے کام میں نہ آئے۔
۲۔ وہ دولت تمہارے لیے بے کار ہے جسے تم خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو
۳۔ وہ دولت تمہارے لیے بے کار ہے جو ناجائز طریقے سے تمہارے پاس آئی ہو۔
۴۔ وہ دولت تمہارے لیے بے کار ہے جسے تم نے دھوکے سے حاصل کیا ہو۔

محمد نجیب پا شابی ۹۱ بنگالی بازار گارڈن ریچ کلکتہ

۱۔ ہر قوم کے معزز آدمی کی تعظیم کیا کرو (حدیث)
۲۔ نیکی سے زندگی بڑھتی ہے (حدیث)
۳۔ تلوار کا زخم جسم پر ہوتا ہے اور بری بات کا روح پر (حضرت عثمانؓ)
۴۔ تکلیف کی زیادتی محبت کی کمی کا باعث بن جاتی ہے۔ (امام غزالیؒ)
۵۔ دوسروں کے مال کی طمع نہ کرنا بھی خیرات ہے (امام جعفرؒ)

محمد حنیف مظفر المعہد الاسلامی مانک مئو سہارنپور

۱۔ ایمان داری اور سچائی سب سے اچھی بات ہے
۲۔ آدمی پیٹ کا غلام ہے دنیا کی ہیرا پھیری اور ہیرا پھیری اسی پیٹ کی خاطر انسان کرتا ہے۔
۳۔ کھوٹا سکہ اور نالائق بیٹا ہی آڑے وقت پر کام آتا ہے۔

صفیہ غنی شاہ صوبیدار شری رام پور احمد نگر

۱۔ انسان نماز میں جس قدر سکون و اطمینان حاصل کرلے اسی قدر قیامت کے دن وہ پرسکون ہوگا۔
۲۔ اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے۔
۳۔ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے بھی وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔
۴۔ تحفہ سے سہیلیوں کی دوستی زیادہ بڑھ جاتی ہے۔
۵۔ عقلمند کی پہچان کم گوئی ہے۔
۶۔ گناہوں پر اصرار بدکاروں کی خصلت ہے۔

ربیعہ رفعت اکرمی شاذلی اسٹریٹ۔ کلکتہ۔

مت بھول ـــــــ قیامت کے دن کو
مت بھول ـــــــ جہنم کے عذاب کو
مت بھول ـــــــ خدا کے احکام کو
مت بھول ـــــــ رسولؐ کے فرمان کو

ظہور اکرمی شاذلی اسٹریٹ، ۳ کلکتہ

۱۔ سب سے بہتر مشغلہ کتابوں کا مطالعہ کرنا ہے۔
۲۔ نیک صحبت اختیار کرو نیک ہو جاؤ گے

۳۔ اچھے اخلاق سب سے بڑی دولت ہے۔
۴۔ قلم ہاتھ کی زبان اور تحریر خاموش آواز ہے۔
۵۔ صرف گمراہ انسان ہی اللہ کی رحمت سے مایوس ہوتا ہے۔

ایس۔ ایم رضا شاہ انجمن اسلام اردو اسکول بمبئی

مسلمان کسے کہتے ہیں؟

م: محمدؐ کے طریقہ پر زندگی گذارنے والا۔
س: سجدہ صرف اللہ کو کرنے والا۔
ل: لاالہ الااللہ کو صبح و شام پڑھنے والا۔
م: محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے والا۔
ا: اللہ کے احکام پر زندگی گذارنے والا۔
ن: نماز پابندی سے ادا کرنے والا۔

افتخار احمد آغا ابجیکادو، درگاہ بیلا ویشالی بہار

۱۔ موت ایک بے خبر ساتھی ہے۔ (حضرت علیؓ)
۲۔ کارخانۂ قدرت میں فکر کرنا بھی عبادت ہے۔ (حضرت علیؓ)
۳۔ نیک لوگوں کو دشمنوں سے بھی نفع حاصل ہوتا ہے۔
۴۔ جو نرمی سے محروم ہوا وہ نیکی سے محروم ہوا۔ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم)
۵۔ معافی نہایت اچھا انتقام ہے۔ (حضرت علیؓ)
۶۔ دنیا مومن کے لیے قید خانہ ہے اور کافر کے لیے جنت ہے۔ (حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم)

سید کلیم رہبر، امراپور، ضلع ملبانہ مہاراشٹر

خاموشی

۱۔ خاموشی الفاظ سے زیادہ موثر ذریعہ ہے۔
۲۔ خاموش پانی زیادہ گہرا ہوتا ہے۔
۳۔ خاموشی میں سلامتی ہے اور خاموشی کبھی کسی کا راز فاش نہیں کرتی۔
۴۔ خاموشی صبر کی کڑی ہے۔
۵۔ خاموش ہزار بلا کو ٹالتی ہے۔

جنید اختر ایم مرتضیٰ ۳۹۳ نیا پورہ مدنی اردو مالیگاؤں

۱۔ بادل کی طرح رہو کیونکہ بادل پھول پر ہی نہیں بلکہ کانٹوں پر بھی آب حیات کے قطرے برساتے ہیں؟
۲۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے حسین ترین تحفہ ماں کے روپ میں دیا ہے؟
۳۔ سچا دوست وہی ہے جو مصیبت کے وقت کام آتا ہے؟
۴۔ چاپلوسی تو ہر آدمی کر سکتا ہے لیکن تعریف کرنا کسی کسی کو آتا ہے۔

سلمان شاہد رئیس احمد، مبارکپور، اعظم گڑھ یوپی

حدیث نبویؐ

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جب آدم علیہ السلام سے لغزش سرزد ہوتی تو انھوں نے دعا مانگی "اے میرے رب! میں تجھ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا مانگتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے آدم! تم نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے پہچانا؟ حالانکہ میں نے انھیں ابھی پیدا بھی نہیں کیا۔ [illegible]

جب تو نے میرا جسم اپنے دست قدرت سے بنایا اور میرے اندر روح خاص پھونکی تو میں نے سر اٹھایا کیا دیکھتا ہوں کہ عرش کے پایوں پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے میں نے جان لیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ نہ ملایا مگر اسی کو جو تجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ آدم تو نے سچ کہا وہ مجھے تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہے تم مجھ سے اس کے وسیلے سے دعا مانگو میں نے تمہاری مغفرت فرما دی اگر محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

محمد سمیع اللہ انصاری مدرسہ بدریہ نگرام لکھنؤ۔

۱۔ دنیا دانش مندی کی امتحان گاہ ہے۔
۲۔ مشورہ کرنا آپ کو نقصان سے بچاتا ہے۔
۳۔ کوئی بڑا کام صرف وہ شخص کر رہا ہے جو اپنے آپ کو چھوٹا کام کرنے پر راضی کر لے۔
۴۔ برے سلوک کا بہترین جواب اچھا سلوک ہے۔

عامر خاں ساگر ہمدرد اردو لائبریری کالسب ایوت محل

۱۔ ظلم کی رات خواہ کتنی لمبی ہو سویرا ضرور ہوتا ہے۔
۲۔ جس گھر میں تعلیم اور نیک ماں ہو وہ گھر تہذیب اور انسانیت کی بڑی درسگاہ ہے۔
۳۔ قوانین کی کثرت یہ ظاہر کرتی ہے کہ کریا تو بادشاہ بہت جابر ہے یا رعایا بہت ہی بے لگام ہے۔

۴۔ آدمی پڑھنے سے بیدار ہوتا ہے مکالمے سے تمیز پیدا ہوتی ہے اور لکھنے سے صحیح المزاج بنتا ہے۔

محمد مصباح انجم محلہ چھجو کھاری کنواں نالندہ بہار

۱۔ گناہ ناسور ہے اگر ترک نہ کرو تو برابر بڑھتا رہے گا۔
۲۔ دنیا نجاست ہے جو سونے میں چھپائی گئی۔
۳۔ بدترین شخص وہ ہے جو توبہ کی امید پر گناہ کرتا ہے۔
۴۔ لوگ تمہارے عیبوں کے جاسوس ہیں۔

محمد احتشام عالم مانک چوک اٹرا پور ململ بڑانہ

دس چیزیں دس چیزوں کے موزوں نہیں ہو سکتیں

۱۔ عقل بغیر پرہیزگاری کے۔
۲۔ بزرگی بغیر علم کے۔
۳۔ چھٹکارا بغیر خوف کے
۴۔ بادشاہ بغیر انصاف کے۔
۵۔ شرافت بغیر ادب کے۔
۶۔ خوشی بغیر امن کے۔
۷۔ تونگری بغیر بخشش کے۔
۸۔ درویشی بغیر قناعت کے۔
۹۔ مرتبہ بغیر تواضع کے۔
۱۰۔ جہاد بغیر توفیق الٰہی کے۔

شاہ جہاں منگولی انجمن پی۔یو۔سی کالج بیجاپور کرناٹک

۱۔ سب سے بڑا بہادر شخص وہ ہے جو غصہ میں اپنے آپ پر قابو رکھ سکے۔

۲- انسان کیچڑ میں گر کر اٹھ سکتا ہے لیکن کسی کی نظروں سے گر کر نہیں اٹھ سکتا۔
۳- دوسروں کی غلطیوں کو ڈھونڈنے سے پہلے اپنی خامیوں کو ڈھونڈو۔
۴- اگر دنیا میں کچھ حاصل کرنا چاہتے ہو تو پہلے علم حاصل کرو۔

محمد معیز الدین عامر۔ ضلع کریم نگر۔ آندھرا پردیش

- موت ایک بے خبر ساتھی ہے (حضرت علیؓ)
- دوست کے دشمن کو اپنا دوست مت بناؤ۔ (حضرت علیؓ)
- دشمن کے ساتھ صلح اختیار کرنے میں بہتری ہے ہر چند تجھ کو اپنی قوت وغلبہ پر یقین واثق ہو۔ (جالینوس)

شیخ اصغر شیخ غلام قادری شاہ بابا کی درگاہ کے پاس قاضی نگر بھنڈارہ (مہاراشٹر) ۴۴۱۹۰۴

۱- مقابلہ کرو احتیاط کے ساتھ
۲- عبادت کرو محبت کے ساتھ
۳- اعتماد کرو یقین کے ساتھ
۴- سفر کرو سبک ساری کے ساتھ۔
۵- عمل کرو بے خوفی کے ساتھ۔
۶- بحث کرو دلیل کے ساتھ
۷- کام کرو خوش اسلوبی کے ساتھ۔
۸- سنو توجہ کے ساتھ
۹- جیو حوصلہ کے ساتھ
۱۰- بولو اختصار کے ساتھ۔

محمد شاکر فرخ مانک مئو سہارن پور۔ یوپی

۱- جہادِ کفار جہادِ اصغر ہے اور جہادِ نفس جہادِ اکبر ہے۔

۲- شریف شریف ہی رہتا ہے۔ خواہ مفلسی کے پنجے میں گرفتار ہو۔
۳- جس کے پاس ہمت ہے اس کے پاس سب کچھ ہے۔
۴- آدمی کی سیرت سے اس کی نیت کا پتا چلتا ہے۔
۵- احسان زبان کو بند کر دیتا ہے۔

فیروز محبوب بیگ رزاق دعثمان بیگ شری رامپور احمد نگر

یاد رکھنے کی باتیں

۱- دنیا ایک دریا ہے اور اس کا کنارہ آخرت ہے۔ تقویٰ ایک کشتی کی مانند ہے اور عمل ناخدا ہے۔
۲- عقل مند انسان وہی ہے جو اپنے مستقبل کے بارے میں سوچتا ہے۔
۳- اللہ تعالیٰ کی بھرپور امداد اسے ہی حاصل ہوتی ہے جو اس کی پاک ذات پر پورا بھروسا کرتا ہے۔
۴- انسان اگر کچھ سیکھنا چاہے تو اس کی ہر غلطی اسے کچھ نہ کچھ سکھا سکتی ہے۔
۵- گڑگڑا کر اور عاجزی سے دعا مانگنے سے ہی اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو بدلا جا سکتا ہے

محمد خالد اعظمی، سرائے میر اعظم گڑھ یوپی

۱- اگر تم بولنا چاہو تو شیریں زبان سے بولو
۲- جس کا حسن اخلاق اچھا ہو وہ کبھی تنہا نہیں رہتا۔
۳- دشمن کو دل کی مہربانی سے اور احسان سے جیتو۔

تبسم یوسف شاہ اسکول نمبر ۳ شری رامپور احمد نگر

میرے پسندیدہ اشعار

پوچھے ہے کوئی حال تو کہہ دیتا ہوں اس سے
ہر حال میں مجھ پر تو عنایت ہے خدا کی

دل کتابوں سے لگاؤ، راہ پر رکھو نظر
روشنی بکھرے گی خود ہر مرحلے، ہر موڑ پر

نازیہ کوثر حافظ پورہ منگرول پیر۔ آکولہ

میری پرواز کی حد آسمانوں سے پرے ہوگی
مجھے شاہیں بنادے گا کبھی ذوقِ سفر میرا

سکھایا ہے اسے میں نے بڑی طاقت سے ٹکرانا
کبوتر سے مرے بچ کر کہاں جائے گا باز اس کا

عابد علی خاں، مالیر کوٹلہ، پنجاب

ہو رہی ہے عمر مثلِ برف کم
رفتہ رفتہ چپکے چپکے دم بدم!

معین الدین جامعہ عربیہ مظاہر الاسلام
قصبہ ہردوا گنج ضلع علی گڑھ۔ یوپی

جانے کیا بادلوں کے درمیاں سازش ہوئی
میرا گھر مٹی کا تھا میرے ہی گھر بارش ہوئی

حافظ محمد اقبال بن جمعہ میاں مدرسہ
عثمان بن عفان پوسٹ بکس نمبر ۱۰، نئی دہلی ۲۵

ساحل پہ رہ کے ہم کو فقط ریت ہی ملی
ہم ڈوبتے تو گوہرِ نایاب دیکھتے

محمد فہد پاشا بی ۹/۱۱ بنگالی بازار گارڈن ریچ، کلکتہ

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوعِ انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

محمد شاہد عباس مدرسہ عثمان بن عفان، نئی دہلی ۲۵

آٹھ بجنے کو ہے اب ڈاکیا آتا ہوگا
آج محبوب رسالہ میرا لاتا ہوگا
یوں تو ہیں اور رسالے بھی جدید اور قدیم
میں بہت شوق سے پڑھتا ہوں پیامِ تعلیم

فیضان احمد مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم
امیلو مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی

اس بزم میں باتوں کا نفیس کون کرے گا
اشکوں کی ضمانت بھی جہاں کام نہ آئے

فاروق اعظم حلیم کالج عظیم آباد کالونی۔ شاہ گنج پٹنہ

ننھا پودا رفتہ رفتہ پھر تناور بنتا ہے
آج کا بچہ دھیرے دھیرے کل کا رہبر بنتا ہے

محمد اسد اللہ شاہد سلفیہ جونیئر اسکول دربھنگہ

پدر بولا کر بٹیا آج میں نے خواب دیکھا ہے
کتابِ زندگی کا ایک نرالا باب دیکھا ہے

محمد سیف اللہ شاہد، باڑھ سمیلا

میری معصوم دعاؤں کو الٰہی سن لے
میری مغموم صداؤں کو الٰہی سن لے

محمد رحمت شاہد باڑھ سمیلا

بد نظر اٹھنے ہی والی تھی کسی کی جانب
اپنی بیٹی کا خیال آیا تو دل کانپ گیا

حافظ محمد اشفاق قادری۔ ۱۵ مولوی محلہ بدایوں

یارب رسولِ پاک کی کھیتی ہری رہے
ہر دم نمازیوں سے یہ مسجد بھری رہے

انعام الحق سلفیہ جونیر اسکول، دربھنگہ، بہار

اک سمت بے گناہوں پہ چلتی ہیں گولیاں
اک سمت خوں کسی کا بہانا گناہ ہے

عبدالصبور جھنڈانگری، سارک اٹر پرائز کرشنا نگر۔ نیپال۔

جل اٹھے درد کے دیپک شب تنہائی میں
تو جو اُترا ہی نہ تھا پیار کی گہرائی میں

محمد فرقان این۔ آر۔ آر روڈ، ریل پار آسنسول

بے لوث محبت کا بس اتنا فسانہ ہے
رونے کو نہیں کوئی، ہنسنے کو زمانہ ہے

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

نازیہ نعیا کوثر۔ منگرول پیر۔ آکولہ

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

عالمگیر سلفیہ جونیر اسکول دربھنگہ

اے آقا! بس تو ہی رب ہے
غیر کو سجدہ جائز کب ہے

شوکت علی سلفیہ جونیر اسکول دربھنگہ

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

جہاں گیر عبداللہ پور بینیپٹی دربھنگہ

تیرا ہے مغرب تیرا ہے مشرق جنوب تیرا شمال تیرا
جدھر بھی دیکھا نظر اٹھا کر شباب پر ہے جلال تیرا

شرف الدین، دیرارا، بندھولی، دربھنگہ

یہ سحر جو کبھی فردا کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستانِ وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

ملکہ صغیر صدیقی جامعہ اسٹاف کوارٹر، جامعہ نگر نئی دہلی

قبروں کی ہڈیوں کو تو صدیوں نے کھا لیا
لیتے ہیں لوگ کس لیے بوسے مزار کے

مولانا شفیق الرحمن ندوی، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۲۶۰۰۷۔ یو پی

کیا مور ہے بنایا پروردگار تو نے
بخشے ہیں اس کو کیا کیا نقش و نگار تو نے

معراج النساء کرمی، شاذلی اسٹریٹ کٹک

ماں باپ کی اطاعت اپنا یہ مشغلہ ہو
دن رات کا یہ سودا سر میں مگر بھرا ہو

احتشام الحق اکرمی شاذلی اسٹریٹ کٹک

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پر رات دن مولا تیری رحمت برستی ہے

محمد قمر عالم رحیم آباد، سمستی پور۔ بہار

ان ہی کی محفل سجا رہا ہوں
چراغ میرا ہے رات ان کی
ان ہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں
زبان میری ہے بات ان کی

رمضان علی موضع جیب پور سدھارتھ نگر

حقیقت میں سب کا خدا ایک ہے
خدا کو جو مانے گا وہی نیک ہے

معین الدین اظہر تیما پور

جہادِ زندگانی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

محمد جابر بھگت پوری مدرسہ اسلامیہ
انوار العلوم املو مبارک پور اعظم گڑھ

ایک ایسا زمانہ بھی گذرا ہے ہم پر
خوشی یاد آئی نہ غم یاد آئے

ظہور اکرمی شاذلی اسٹریٹ بھٹکل

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبّر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تعلیم مساوات

ابن اسے اعظمی مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم
املو مبارک پور۔ اعظم گڑھ

مال و دولت کو بڑی چیز سمجھنے والے
ماں کی عظمت کو نگاہوں سے گرا دیتے ہیں

چلتی تھی گاڑی اُڑتی تھی دھول
سید بابا کی درگاہ پہ گلاب کا پھول

اشفاق شیخ حسن مُلا سدار بستی وارڈ نمبر ۲
شری رام پور ضلع احمد نگر۔

اسلام کی ڈگر پہ بچو دکھاؤ چل کر
تم رہنما بنو گے ملت کے آگے چل کے

محمد راشد حسین سلفیہ جونیر اسکول دربھنگہ

نورِ حق شمعِ الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہے خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون

رحمت اللہ باڑھ سمیلا

صیاد سے ہوشیار ہیں طائرِ نوخیز
دانہ بھی بچھا دیتے ہیں وہ دام سے پہلے

فوزان احمد اقراء ماڈل اسکول کرشنا نگر نیپال

بد کی صحبت میں نہ بیٹھو اس کا ہے انجام بُرا
بد نہ بنے تو بد کہلائے بُرا اچھا بد نام بُرا

رضوان عالم سلفیہ جونیر اسکول دربھنگہ

تمنا ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام کر جاؤں
اگر کچھ ہو سکے تو خدمتِ اسلام کر جاؤں

محمد احسان احمد گھر پوکھروی۔ مدھوبنی بہار

خود بخود منزل سمٹ آئے گی قدموں میں فراز
سر میں سودا پاؤں میں آوارگی باقی رہے

زندگی نکلی مسلسل امتحاں در امتحاں
زندگی کو داستاں ہی داستاں سمجھا تھا میں

ہم کو حوادث کا معیار بدلنا ہے
طوفاں سے جو ڈرنا ہو کشتی سے اتر جائے

مجاہد مشتاق سروے مقادم ہائی اسکول کھیڈ رتناگیری

ننھے مُنّے بچّوں
کے لیے
دلچسپ
اور
باتصویر کہانیاں
بتاشے
نرسری کے بچوں کے لیے آسان
زبان میں دلچسپ نظمیں قیمت ۶/۵
جادو کی ہنڈیا
5/-
جاں نثار دوست
بچوں کے لیے باتصویر کہانی
قیمت ۵/- روپے
بھیڑیے کا گانا
6/50
شیر اور بکری
7/50
کوّے کا خواب
7/-
دُم کٹی لومڑی
6/50
گدھے نے بجائی بانسری
قیمت- 7/50
چالاک بلّی
6/50
چاند کی بیٹی
5/-

ایک شخص دوپہر کو اپنے ایک کاہل دوست سے ملنے اس کے گھر گیا تو وہ سویا ہوا ملا اس کے آنے پر وہ اٹھ گیا۔ باتوں کے دوران آنے والے دوست نے کہا:۔

"ماہرین کے مطابق ایک آدمی کو ۲۴ گھنٹے میں اوسطاً سات گھنٹے سونا چاہیے تم کتنے گھنٹے سوتے ہو؟"

"چار گھنٹے" دوست نے آنکھیں ملتے ہوئے جواب دیا۔

"چار گھنٹے؟" یہ تو بہت کم ہیں" پہلے دوست نے کہا۔

"ہاں یار" باقی میں رات کو سوتا ہوں" جواب ملا۔

انور خاں بینار۔ دھارواڑ (کرناٹک)

معمر استانی نے استعفیٰ دے دیا اور اس کی وجہ یہ بیان کی "آج کل اساتذہ ہیڈ ماسٹر سے ڈرتے ہیں۔ ہیڈ ماسٹر انسپکٹر آف سکولز سے ڈرتے ہیں۔ انسپکٹر محکمہ تعلیم کے سربراہ سے ڈرتے ہیں، محکمہ تعلیم والے بچوں کے والدین سے ڈرتے ہیں اور بچے کسی سے نہیں ڈرتے لہذا مجھے ملازمت سے سبکدوش کیا جائے۔

سید خلیل احمد مومن پورہ کھٹر کالی گلی (اودگیر)

ایک دفعہ ایک آدمی کے ہاں ایک بچہ ہوا وہاں پر اس وقت سب رشتے دار موجود تھے۔ بچے کے ماموں نے کہا کہ بچہ بالکل دادا پر گیا ہے اس بچے کا بڑا بھائی جو کم از کم ۵ یا ۶ چھے سال کا تھا اس نے کہا: اگر یہ دادا پر گیا ہے تو اس کی داڑھی اور مونچھیں کہاں ہیں گیا۔

پرویز احمد، مبارک پور، اعظم گڑھ

"کیسی ناانصافی کی بات ہے" جیل کے اندر ایک قیدی نے دوسرے قیدی سے کہا۔ میں پچھلی بار یہاں آیا تھا تو مجھے پڑھایا گیا دستخط کرنے سکھائے گئے اور اب مجھے جعلی چیک پر صرف دستخط کرنے کے الزام میں پکڑ لیا گیا۔

نوید احمد منگرول پیر۔ ضلع آکولہ

ایک گھر میں کسی آدمی نے فون کیا۔ ریسیور بچے نے اٹھایا تو آدمی نے پوچھا کہ کیا تمہارے والد گھر پر ہیں۔ بچے نے جواب دیا نہیں۔ کیا اور کوئی ہے جس سے بات کر سکوں ہاں میری ایک بہن ہے۔ بچے نے کہا۔ اچھا اسے ہی بلاؤ۔

"معاف کریں بچے نے کہا" میں اس کو جھولے میں سے نہیں اٹھا سکتا۔"

مرسلہ:۔ ظہور اکرمی بھٹکل

ایک گپی آدمی اپنے کسی دوست کے گھر گیا وہ کہنے لگا ہمارے شہر میں تو آدھ آدھ کلو کے جامن ہوتے ہیں اس کا دوست بولا یا ہوتے ہوں گے لیکن اس وقت تم ہمارے باغ کے انگور کھاؤ اور وہ جاکر اندر سے دو تربوز لے آیا۔

محمد قمر عالم رحیم آبادی سمستی پور۔ بہار

کسی باغ میں ایک چور ناریل کے درخت پر ناریل توڑنے کے لیے چڑھا۔ اتنے میں باغ کا مالی وہاں پہنچ گیا اس کو دیکھتے ہی چور کے اوسان جاتے رہے اور وہ درخت پر سے اترنے لگا۔

باغبان: کیوں رے تو درخت پر ناریل چرانے کے لیے کیوں چڑھا۔

چور: دو دن سے میری گائے بھوکی تھی اس لیے گھاس لینے گیا تھا۔

باغبان: بے وقوف کہیں ناریل کے درخت پر بھی گھاس ہوتی ہے۔

چور: اس لیے تو نیچے اتر رہا ہوں۔"

محمد توصیف محمد شبیر مومن پورہ ملکاپور بلڈانہ۔

دو دوست آپس میں گپیں ہانک رہے تھے۔ پہلا دوست بولا یار رات کو سورج نہیں نکلتا...؟

دوسرے دوست نے جواب دیا۔ کون کہتا ہے کہ نہیں نکلتا...؟

پہلا دوست بولا۔ اگر نکلتا ہے تو پھر نظر کیوں نہیں آتا...

دوسرے دوست نے کہا ارے بے وقوف اندھیرا تو ہوتا ہے نظر کیسے آئے گا۔"

محمد ساجد عالم، نالہ روڈ، راوڑکیلا۔ اڑیسہ

مشہور مزاح نگار مارک ٹوئین نے ایک استقبالیے میں تقریر کرتے ہوئے بتایا۔

میرے بچپن کا زمانہ مفلسی کا زمانہ تھا۔ ہم لوگ اس قدر غریب تھے کہ اپنے گھر کی حفاظت کے لیے ایک کتا بھی نہیں رکھ سکتے تھے چنانچہ رات کو جب کوئی

آہٹ سنائی دیتی تو ہمیں خود ہی بھونکنا پڑتا تھا۔

محمد مجاہد لال چوک مبارک پور۔ اعظم گڑھ

ایک لڑکا میدان میں کھڑا پتنگ اڑا رہا تھا۔ اس کے مانجھے سے ایک بچے کا کان کٹ کر کہیں کا کہیں جا گرا وہ تو پتنگ چھوڑ کر کہیں بھاگ گیا اور بچہ اپنا کٹا ہوا کان ڈھونڈنے لگا۔ وہاں سے ایک اور بچہ گزرا جو کہ پہلے بچے کا دوست تھا اس نے پوچھا "یار کیا کر رہے ہو تم" تو پہلے بچے نے پوری بات بتا دی، چنانچہ بچے کا دوست بھی کان ڈھونڈنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک کان لے کر اپنے دوست کے پاس پہنچا اور بولا "لو اسی کو تلاش کر رہے تھے نا تم" اس نے کان کو غور سے دیکھا اور کہا "نہیں یہ میرا کان نہیں ہے۔ میرے کان پر تو ایک پنسل اٹکی ہوئی تھی۔"

سعود احمد۔ منگرول پیر، اکولہ (مہاراشٹر)

لکھنؤ کے مشہور مولوی نظام الدین حسن صاحب مغفور بھوپال میں جج تھے مسعود عثمانی مرحوم نے ملازمت کی درخواست دی، طلبی ہوئی، برہم ہو کر فرمایا "یہ کیسی بے تکی عرضی لکھ لائے ہو، دیکھو اتنے الفاظ کے شوشے غائب ہیں، اتنے حروف پر نقطے نہیں فلاں فلاں دائرے نامکمل ہیں جاؤ ٹھیک کر کے پیش کرو عثمانی مرحوم عرضی لے کر چلے گئے۔ دوسری عرضی پیش کی، پھر طلبی ہوئی۔ اب کے اور زیادہ برہم ہوئے، پوچھا۔ "کیوں جی یہ عرضی کے چاروں طرف کیا کیڑے مکوڑے بنا رکھے ہیں" عرض کیا "حضور کی نشش

توکی ہے کہ نقطے شوشے دائرے سب اپنی اپنی جگہ پر موجود ہوں پھر بھی احتیاطاً کچھ اور رکھ دیے ہیں۔ جہاں کہیں ضرورت ہو ان سے لے لیے جائیں۔"

عبدالوہاب شفیق احمد ضلع بارہ بنکی یوپی

نو ویکنسی No Vacancy

ایک نوجوان ہاتھ میں بیگ سنبھالے ہوئے کسی کمپنی کے منیجر کے پاس پہنچا اور اس سے کہا۔
نوجوان:۔ آپ کے پاس کسی کلرک کی جگہ خالی ہوگی۔
منیجر:۔ جی نہیں۔
نوجوان:۔ کسی ٹائپسٹ کی۔
منیجر:۔ جی نہیں۔
نوجوان:۔ تو پھر کسی اکاؤنٹینٹ کی۔
منیجر:۔ جھلاتے ہوئے... جی نہیں۔
نوجوان:۔ تو پھر یقیناً آپ کو میری اس تختی کی ضرورت ہوگی جس پر لکھا ہے "نو ویکنسی" No Vacancy اور اس کی قیمت ہے صرف دس روپے۔

امجد داؤد محلہ کرم گنج دربھنگہ

استاد (شاگرد سے) فرحت بخش کو جملے میں استعمال کرو۔
شاگرد:۔ اے اللہ میاں فرحت چچی کو بخش دے۔

تجمل احمد عارفی قادر آباد۔ پربھنی (بہار)

ایک ڈاکٹر نے دوسرے ڈاکٹر کو مبارکباد دیتے ہوئے کہا۔
کمال کر دیا تم نے بالکل صحیح وقت پر اشرف صاحب کا آپریشن کیا ہے۔ اگر ایک دن کی بھی دیر ہو جاتی تو اشرف صاحب خود بخود تندرست ہو جاتے۔

نازنین سلطانہ۔ آرمور

ایک صاحب اپنے دوست کو بتا رہے تھے "میں جب سوٹ پہن کر جاتا ہوں تو سبزی والا مجھے مہنگی سبزی دیتا ہے اور جب پرانے کپڑے پہن کر جاتا ہوں تو سستی سبزی ملتی ہے۔" یہ سن کر دوست بولا "کل سے تم ہاتھ میں "پیالہ" لے کر جانا۔ سبزی بالکل مفت ملے گی۔

حافظ محمد جابر بالاپور۔ آکولہ (مہاراشٹر)

ایک شخص اپنے دوستوں کو اپنا نیا فلیٹ دکھانے کے لیے لے جاتا ہے اور کہتا ہے۔ اس کی ڈیکوریشن میں نے اپنے دماغ سے کی ہے۔
دوست نے جواب دیا "تب ہی کچھ خالی خالی نظر آ رہا ہے۔

محمد سید علی۔ این۔ آر۔ آر روڈ آسنسول

چار لڑکے ہر روز ہر کالج کی کینٹین میں جاکر چائے پیتے اور بیرے کو تنگ کرتے۔ ایک دن انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انھوں نے بیرے کے پاس جاکر وعدہ کیا کہ وہ انھیں تنگ نہیں کریں گے۔ بیرا بولا جناب۔ میں بھی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ آپ کو گاہکوں کی بچی ہوئی چائے نہیں پلاؤں گا۔

محمد فہد پاشا ہگلی بازار گارڈن ریچ۔ کلکتہ

خوب صورت گیٹ اپ کے ساتھ مکتبہ پیامِ تعلیم کی دیدہ زیب کتابیں
جھیل کا راز
ثریا فرخ
قیمت 6/
ٹھگ نے ٹھگا ٹھگ کو
البصار عبدالعلی
قیمت 4/50
پیار کا پنچھی
فرخندہ لودھی
قیمت 6/
چوں چوں بیگم
شفیقہ فرحت
قیمت 4/50
گلی ور کے تین
حیرت انگیز سفر
قیمت 6/
گدھا کہانی
میرزا ادیب
قیمت 9/
تابنیل خاں
حسین حسان جامعی
قیمت 3/

آدھی ملاقات

● ماہ نومبر ۹۴ء کا پیام تعلیم موصول ہوا پیام تعلیم کے ایک کالم "آدھی ملاقات" میں اپنا نام دیکھا۔ خوشی ہوئی۔ تمام مضامین بچوں کے معیار کے مطابق عمدہ رہے۔ نظموں، اشعار، لطائف اور عام معلومات جیسے کالم انتہائی بہتر ہیں۔ دعا ہے کہ پیام تعلیم اپنے معیار کی بلندیوں تک پہنچے۔ آمین۔

مجاہد مشتاق شُرے متعلم ہائی اسکول کھیڈ رتناگیری

● ماہ دسمبر کے پیام تعلیم میں اپنا نام پاکر اتنی خوشی و مسرت حاصل ہوئی کہ اس خوشی کا اندازہ لگانا ہمارے لیے دشوار ہے مجھے یہ یقین نہیں تھا ہمارا نام شائع ہوگا لیکن آپ کی بہت بڑی مہربانی ہوئی کہ آپ نے پیام تعلیم میں میرا نام شائع کر دیا میرا نام دیکھ کر ہمارے دوست و احباب بھی خوش ہوئے اور خصوصاً ہمارے ناظم صاحب بھی خوش ہوئے کہ ہمارے مدرسہ کے لڑکے نے بھی اس میں حصہ لیا۔ بہرحال ایک مرتبہ حصہ لینے سے ہماری صلاحیت میں اضافہ ہوا جس کے تحت میں ایک لطیفہ کا تحفہ روانہ کر رہا ہوں

محمد منتظر عالم ابن عبدالرؤف صاحب متعلم جامعہ پوسٹ اررییہ بیرگاچھی ضلع ارریہ (بہار)

● میں ماہنامہ پیام تعلیم کا بہت پہلے ہی سے شیدائی ہوں اور ہمیشہ پڑھتا ہوں اور کچھ نہ کچھ ارسال کرتا ہی رہتا ہوں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ پیام تعلیم میں شائع نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ میرے ارسال کیے ہوئے پوسٹ کارڈ کو اس طرح ردی کی ٹوکری میں نہ ڈال دیں۔ اور میرا مضمون شائع کر کے میری حوصلہ افزائی کریں۔

محمد منظر حسین پیغمبر پوری دارالعلوم احمد سلفیہ لہریا سرائے۔ دربھنگہ بہار

● پیام تعلیم نومبر کا جلوہ افروز ہوا۔ میں نے ایک ہی نشست میں پڑھ ڈالا۔ سچ بتاؤں انکل ساری ہی کہانیاں سبق آموز تھیں۔ دراصل انکل ہمارے گھر بہت سے رسالے ہر ماہ آتے ہیں جن میں میرے امی پاپا کے لیے الگ۔ تائی امی اور تایا ابا کے لیے الگ میری پیاری پیاری پھوپھیاں اپنے لیے الگ رسالے منگا لیتی ہیں۔ پھر دیکھیے نا انکل ہم غریب ہی بچ گئے تھے مگر میرے دادا حضور نے ہماری خواہش کے پیش نظر ہمارے لیے پیام تعلیم کا انتظام کر دیا اور تو اور بعض اوقات میرے دادا بھی پیام تعلیم بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ سچ انکل آج کے اس دور میں پیام تعلیم کو نکال کر آپ نے اردو کے میدان میں اپنا ایک مقام بنا لیا ہے۔ اللہ آپ کی عمر دراز کرے تاکہ ہمیں ہمیشہ ہمیشہ پیام تعلیم پڑھنے کو ملے۔۔۔ اور اس کی تمام باتوں پر نصیحت کرنے کی توفیق ملے طب کی روشنی میں حکیم صاحب کے جوابات ہمیں بہت پسند آتے ہیں۔

حسین جابری گول بنگلہ۔ آرمور

● نومبر کا پیام تعلیم جلوہ افروز ہوا۔ پڑھ کر دلی خوشی ہوئی۔ مجھے اس میں گدگدیاں، اشعار، بچوں کی کوششیں بہت پسند آتے ہیں۔ آخر میں تمام قلم کاروں کو مبارک باد

محمد احتشام عالم عبدالرزاق مانک چوک امڑاپور تعلقہ چھکلی۔ ضلع بلڈانہ، (مہاراشٹر)

● یقیناً آپ کا ذہن تندرست اور قلم چست ہوگا اسی لیے تو "ماہنامہ پیام تعلیم" وقت پر مل جاتا ہے اور سبھی تخلیقات پسند آتی ہیں۔ میری خواہش ہے کہ ماہنامہ پیام تعلیم کا آپ سال گرہ نمبر ضرور شائع کریں اور نقد انعامی معما جاری فرمائیں۔ انشاء اللہ اس رسالہ میں مزید چار چاند لگ جائیں گے۔

رضوان حارث مظفر حسین نارگو ۲۷۷ نیا پورہ گلی نمبر ۸، مالیگاؤں (ناسک) ۴۲۳۲۰۳

● ماہ نومبر ۹۴ء کا پیام تعلیم پہلی مرتبہ پڑھنے میں آیا بہت پسند آیا، کہانیاں دلچسپ ہیں، معلوماتی مضامین بھی بہت اچھے ہیں۔ بچوں کے علاوہ ہر شخص پیام تعلیم پڑھ کر معلومات حاصل کر سکتا ہے۔

مسعود احمد محلہ قلعہ نرمل اے۔ پی

● دسمبر ۹۴ء کا شمارہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ سبھی مضامین بہت پسند آئے لیکن خاص طور پر شافویہ نوری کی ادیب کالا کرا اور بچوں کی کوششیں، ہیں قاتل کون اور نماز کی اہمیت وغیرہ بہت پسند آئے۔ سبھی قلم کاروں کو میری طرف سے مبارک باد۔ ہماری خدا سے دعا ہے کہ ہمارا پیام تعلیم پورے ہندستان میں چودھویں کے چاند کی طرح چمکے۔

اسماء تبسم جماعت ششم۔ آرمور نظام آباد

● ہم سب بھائی اپریل ۹۴ء سے پیام تعلیم ناگپور سے منگواتے ہیں۔ میرے والد صاحب اکثر ناگپور اپنے کام کاج کے لیے جاتے ہیں تب پیام تعلیم اور کتابیں لاتے ہیں۔ دسمبر کے ماہنامہ 'پیام تعلیم' میں "بھوتوں کی پٹائی" 'ہاتھی کی سائکل' کالم 'اقوال زریں' بے حد پسند آئے۔ آپ نے ماہ ستمبر ۹۴ء میں "میرے پسندیدہ اشعار" اور "معلومات" اور میرے دو خط شائع کرکے جو حوصلہ افزائی کی ہے اس کا دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

شیخ اصغر شیخ غلام قادری شاہ بابا کی درگاہ نزد قاضی نگر بھنڈارہ، مہاراشٹر ۴۴۱۹۰۴

● شدید انتظار کے بعد دسمبر کا شمارہ دستیاب ہوا۔ کہانیوں میں تمام کہانیاں اشعار کے کالم میں سب اشعار بہت ہی اچھے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر پیامی بھائی بہنوں کو اس پرچے کا شدت سے انتظار رہتا ہے نئے سال کی پُرخلوص مبارک باد قبول فرمائیں۔

اشرف علی سلفیہ جونیر ہائی اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

● میں 'پیام تعلیم' دو مہینے سے پڑھ رہا ہوں ویسے تو میں بہت سے رسالے پڑھتا ہوں پر سب رسالوں میں پیام تعلیم زیادہ پسند آیا اس میں بچوں کی کوششیں، گدگدیاں معلومات پسندیدہ اشعار یہ سب مجھے بہت ہی پسند ہیں۔

شیخ انور امڑاپور چلچالی۔ بلڈانہ۔

● میں تین مہینے سے پیام تعلیم پڑھ رہا ہوں۔ یہ رسالہ ایسا ہے جس سے بچّے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں اور ایسے بڑے بزرگ بھی خوب مزے لے کر پڑھتے ہیں۔ آپ تمام قلم کاروں کو میری جانب سے مبارکباد اور سلام۔

عبدالشمیم عبدالخلیل بریلی والے امڑا پور ۴۴۳۲۰۹ چکھلی۔ ضلع بلڈانہ۔ مہاراشٹر۔

● دسمبر ۹۴ء کے شمارے میں اپنی کہانی "شیطان کا دھوکا" دیکھی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے میری کہانی کو شائع کرنے کے قابل سمجھا۔

جاوید اقبال خسرو، رانی پور۔ سیوان۔ بہار

● میں تقریباً ایک سال سے "پیام تعلیم" کا مطالعہ کر رہا ہوں اس رسالے سے مجھے بےحد مسرت حاصل ہوتی اور دل کو سکون ملتا ہے اس کا سرورق بچوں کی عمدہ رہنمائی کر رہا ہے اور ان کی صلاحیتوں کو ابھار رہا ہے۔ اس ماہ کی سبھی کہانیاں، اقوال زریں اور گدگدیاں وغیرہ بہت ہی قابلِ تعریف ہیں۔

وحیدالزماں بارسی ٹاکلی ضلع آکولہ مہاراشٹر

● مجھے دسمبر کے پیام تعلیم میں اشعار، لطیفے اقوال زریں اور ایک سے ایک عمدہ کہانیاں، قلمی دوستی گدگدیاں آدھی ملاقات بہت پسند آئے۔ پیام تعلیم بڑے شوق سے پڑھتی ہوں ہماری طرف سے سبھی پیامیوں کو آنے والا نیا سال مبارک ہو

فرزانہ تبسم مانک چوک امڑا پور بلڈانہ

● میں نے پیام تعلیم پڑھا۔ مجھے پیام تعلیم بہت پسند آیا۔ مجھے دسمبر کے پیام تعلیم میں اشعار بہت پسند آئے۔

زرینہ شاہین شیخ عالمگیر مانک چوک امڑا پور تعلقہ چکھلی، ضلع بلڈانہ (مہاراشٹر)

● میں نے دسمبر ۹۴ء کا پیام تعلیم خریدا اور پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتے پڑھتے میری نگاہ صفحہ ۸۳ پر پہنچی اور رازق الرحمٰن قریشی کا شعر پڑھا لیکن ابتداء کے بجائے انتہاء لکھ دیا تھا یا پھر غلط شائع ہو گیا۔ مہربانی کرکے بتائیے۔ پسندیدہ اشعار میں عفیفہ تبسم کا شعر بہت پسند آیا اور شاہد اعظم خاں کا بھی۔ آدھی ملاقات میں ظفر خان کا خط پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ آپ نے ابھی تک ان کی اور ان کے دوست ندیم کی کہانی نہیں شائع کی۔ ہمارے پیامی دوست اپنا پورا پتا کیوں نہیں لکھتے کیا ان کو امید نہیں ہوتی کہ آپ ان کا خط شائع نہیں کریں گے۔ شاید آپ میرا خط بھی آدھی ملاقات میں نہیں چھاپیں گے کیوں کہ یہ خط شکایتوں سے بھرا ہوا ہے۔ اللہ پیام تعلیم کو خوب ترقی دے۔ آمین

شبینہ نوشی، دیوان پورہ منگرول پیر۔ آکولہ

● میں نے پیام تعلیم اپنی سہیلی سے لے کر پڑھا، مجھے بہت پسند آیا۔ دسمبر کے پیام تعلیم میں اشعار، لطیفے، اقوال زریں اور ایک سے ایک عمدہ کہانیاں، قلمی دوستی، گدگدیاں آدھی ملاقات وغیرہ بہت پسند آئے۔

سلطانہ تبسم شیخ سکندر امڑا پور۔ چکھلی۔ بلڈانہ

معلومات

۱۔ ٹیسٹ کرکٹ میں سب سے زیادہ رَن بنانے والا کھلاڑی آسٹریلیا کا ایلن بوڈر ہے جس نے گیارہ ہزار رَن بنا لیے ہیں۔

۲۔ ٹیسٹ کرکٹ میں سب سے زیادہ وکٹ لینے والا کھلاڑی ہندستان کے کپل دیو ہیں جنھوں نے ۴۳۴ وکٹ لیے ہیں۔

۳۔ کرکٹ کا پہلا عالمی کپ ویسٹ انڈیز نے جیتا تھا۔

۴۔ ایک روزہ میچوں میں سب سے تیز سنچری بنانے کا عالمی ریکارڈ ہندستانی کرکٹ ٹیم کے کپتان محمد اظہر الدین کے نام ہے۔

نعیم اختر عبدالوہاب اسلام پورہ گلی نمبر ۷، مکان نمبر ۳۵۹۔ مالیگاؤں ۴۲۳۲۰۳

۱۔ وندے ماترم کے شاعر بنکم چٹرجی ہیں۔

۲۔ ہندستان کے پہلے فیلڈ مارشل ایف ایم مانک شاہ ہیں۔

۳۔ اٹلی میں سب سے پہلے ریل سہار پل ۱۸۳۹ء میں چلی۔

۴۔ دنیا میں کل ۳۰۶۴ زبانیں بولی جاتی ہیں۔

۵۔ انسان کے سر پر اندازاً ۱۵ ہزار بال ہیں۔

سلمان سلوتری شنگو فرا اپارٹمنٹ جوگیشوری بمبئی

مسجد حرام:۔ دنیا میں اسلام کی پہلی عبادت گاہ کی بنیاد حضرت آدم نے رکھی۔

مسجد اقصیٰ:۔ یہاں تمام پیغمبروں نے اور تمام فرشتوں نے نماز پڑھی ہے۔

مسجد قبا:۔ وہ پہلی مسجد جو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے تین میل کے فاصلے پر قبا کے مقام پر بنائی۔

مسجد قبلتین:۔ وہ مسجد جس میں حالتِ نماز میں ہی بیت المقدس کے بجائے کعبہ کی طرف قبلہ کی تبدیلی کا حکم نافذ ہوا

شیخ محمد عمران۔ محمد علی روڈ۔ بمبئی۔

۱۔ بابر پانچویں مرتبہ ہندستان میں سندھ کے راستے سے، ۱۷ نومبر ۱۵۲۵ء کو داخل ہوا۔ لکھنؤ میں پہلی جنگ آزادی کا اثر اسی دن ۱۸۵۷ء میں ختم ہو گیا۔

(۲) ہندستانی فوج کے خلاف بغاوت بھڑکانے والے وشنو گوپال پنگلے کو ۱۷ نومبر ۱۹۱۵ء کو مالیگاؤں جیل میں پھانسی دی گئی۔ مشہور مجاہد آزادی لالہ لاجپت رائے کی وفات اسی دن ۱۹۲۸ء میں ہو گئی۔

(۳) تیسری گول میز کانفرنس ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء کو شروع ہوئی۔

(۴) انگلینڈ اور اسپین کے درمیان ۱۷ نومبر ۱۵۱۱ء کو مفاہمت ہوئی۔ الیزابتھ اول اسی دن ۱۵۵۴ء میں انگلینڈ کی ملکہ بنیں۔

(۵) سر والٹر ریلے کو ۱۷ نومبر ۱۸۸۴ء کو بغاوت کے الزام میں جیل کی سزا دی گئی۔ نیا گرناڈا اسی دن ۱۸۳۱ء میں آزاد ملک بنا۔

(۶) نہر سویز ۱۷ نومبر ۱۸۶۹ء کو آمدورفت

کے لیے کھولی گئی۔ پناما نہر سے اسی دن ۱۹۱۳ء میں پہلا جہاز گزرا۔

(۷) جنرل جناب عبدالناصر ۱۷؍نومبر ۱۹۵۴ء کو مصر کے صدر بنے۔ عبدالسلیم عارف کی قیادت میں فوج نے ۱۷؍نومبر ۱۹۵۴ء کو عراق میں اقتدار سنبھال لیا۔

(۸) ارجنٹینا کے ڈکٹیٹر جوان پیرو ۱۷؍نومبر ۱۹۷۲ء کو وطن واپس ہوئے۔ عراق نے اسی دن ۱۹۸۷ء میں ایران پر حملہ کیا۔

(۹) بے نظیر بھٹو کی پارٹی کو پاکستان کے الکشن میں ۱۷؍نومبر ۱۹۸۸ء کو کامیابی حاصل ہوئی۔ بلغاریہ کے صدر ٹوڈور ژیوکوف کو پارلیمنٹ نے اسی دن ۱۹۸۹ء میں برخاست کر دیا۔

شمس الدین قمر مدرسہ عربیہ بدریہ نگرام لکھنؤ

(۱) اولمپک کھیلوں کی ابتدا تقریباً تین ہزار سال پہلے یونان میں ہوئی تھی۔ اولمپک کھیلوں کا نصب العین ہے "تیز تر بلند تر مضبوط تر"۔ ہمارے ملک ہندستان نے ۱۹۰۰ء سے ہی اولمپک کھیلوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔

(۲) سالار جنگ میوزیم میر یوسف علی خاں نے قائم کیا تھا جو حیدرآباد میں ہے۔

(۳) مولانا محمد علی نے انگریزی میں "کامریڈ" اردو میں "ہمدرد" نامی اخبارات نکالے تھے۔

(۴) ۱۹۷۸ء میں ہندستان میں مولانا محمد علی صدی منائی گئی ڈاک کے محکمے نے ان کی یاد میں خاص ٹکٹ جاری کیے۔

(۵) دنیا کی سب سے بڑی لائبریری ماسکو میں ہے۔

فیروز خاں فیروز ملک کا باور ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

۱۔ دریائے نیل کا تحفہ :۔ مصر
۲۔ پانچ ندیوں کی ریاست :۔ پنجاب
۳۔ آدھی رات کا سورج :۔ ناروے
۴۔ یورپ کی جنت :۔ سوئٹزرلینڈ
۵۔ سانپوں کا ملک :۔ برازیل

شیخ محمد ندیم شیخ محمد عبدالرؤف محبوب گنج، مہیرالال چوک بیٹر (مہاراشٹر)

(۱) سورہ فتح قرآن مجید کی واحد سورۃ ہے جس کی آخری آیت میں عربی کے جمیع حروف منظوم ہیں۔

(۲) سورۃ نمل قرآن مجید کی واحد سورۃ ہے جس بسم اللہ الرحیم کو مکرر لایا گیا ہے۔

(۳) سورۃ مجادلہ کلام مجید کی ایسی سورۃ ہے جس کی ہر سورۃ میں لفظ "اللہ" آیا ہے۔

(۴) سورۃ بقرہ قرآن مجید کی وہ سورۃ ہے جس کو تمام سورتوں پر تطویل حاصل ہے۔

صہیب احمد ابن شکیل احمد، مہوا۔ گونڈہ

س۔ کس صحابی کا نام قرآن میں ہے؟
ج۔ زید بن حارث ؓ ہے۔
س۔ وہ کون سی ہستی ہے جس نے پہلی بار اپنے اسلام کا پر زور طریقہ سے اعلان کرایا۔
ج۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔
س۔ وہ کون سی ہستی ہے جس کے قبول اسلام سے پہلی بار کعبہ میں ادائے نماز کا آغاز ہوا۔
ج۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ۔

س۔ کعبۃ اللہ میں سب سے پہلے اذان کس نے دی۔

ج۔ حضرت بلال رضؓ۔

س۔ پہلا شہید جس نے نہ کوئی نماز پڑھی اور نہ کوئی روزہ رکھا؟

ج۔ اصیر بن عبدالاشہل رضؓ۔

س۔ حضور کی کس زوجہ اطہر کو ان کا وزیر کہا گیا ہے۔

ج: حضرت خدیجہ رضؓ۔

سلمان شاہد رئیس احمد پورہ صوفی مبارکپور اعظم گڑھ

۱۔ پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں لڑی گئی۔
۲۔ ربڑ سب سے زیادہ انڈونیشیا میں پیدا ہوتا ہے۔
۳۔ چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات قطب شمالی اور قطب جنوبی یا قطبین میں ہوتا ہے۔
۴۔ اتر پردیش میں میڈیکل کالج لکھنؤ، کانپور، آگرہ، علی گڑھ، میرٹھ اور وارانسی میں ہیں۔
۵۔ دنیا میں سب سے زیادہ مچھلی نیو فاؤنڈ لینڈ امریکہ میں پکڑی جاتی ہے۔
۶۔ قطب تارا شمال میں دکھائی دیتا ہے۔

محمد اسعد علی دربھنگوی مدرسہ عین الاسلام نوادہ مبارکپور پوسٹ امیلو۔ اعظم گڑھ

حدیثی معلومات

۱۔ امام مسلم کی وفات ۲۶۱ھ میں ہوئی۔
۲۔ امام ابوداؤد کی وفات ۲۷۵ھ میں ہوئی۔
۳۔ امام بخاری کی وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی۔
۴۔ امام نسائی کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی۔
۵۔ امام ابن ماجہ کی وفات ۲۷۳ھ میں ہوئی۔
۶۔ امام ترمذی کی وفات ۲۷۹ھ میں ہوئی۔
۷۔ امام احمد بن حنبل کی وفات ۲۴۱ھ میں ہوئی۔
۸۔ امام طحاوی کی وفات ۳۲۱ھ میں ہوئی۔

محمد انور علی گورکھپوری مدرسہ عربیہ محمودیہ نگرام لکھنؤ

۱۔ دنیا کی تیز رفتار لفٹ نیویارک میں ہے۔
۲۔ دنیا کی سب سے بڑی آرٹ گیلری روس میں ہے۔
۳۔ ڈزنی لینڈ کیلی فورنیا میں واقع ہے۔

زاہد ساگر معرفت عرفان، مالیگاؤں دناسک

حضور نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز کو خشوع و خضوع اور اخلاص کے ساتھ پڑھے۔ خدا تعالیٰ انھیں پانچ چیزیں انعام کی شکل میں عنایت فرمائیں گے۔ وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ خشوع و خضوع اور اخلاص سے نماز پڑھنے والے نمازی کی روزی میں برکت ہوتی ہے۔
۲۔ اس پر سے قبر کا عذاب ہٹ جاتا ہے۔
۳۔ قیامت کے دن پل صراط پر سے بجلی کی طرح گزر رے گا۔
۴۔ مرنے کے بعد نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا جو جنت کا سرٹیفکٹ ہوگا۔
۵۔ وہ نمازی بغیر حساب کتاب کے جنت میں داخل ہو جائے گا۔

حضور نے فرمایا کہ جو شخص لگاتار چالیس دن تک نماز اخلاص خشوع و خضوع اور تکبیر اولیٰ کے ساتھ جماعت کے ساتھ پڑھے تو خدا تعالیٰ اس پر جنت واجب کر دیتے ہیں۔

محمد افتخار حسن شیب کالونی کشن گنج۔ بہار

"ہمارے داہنے ہاتھ میں قرآن ہوگا بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ" — سرسید احمد خاں

ماہنامہ

پیام تعلیم

نئی دہلی ۲۵

مارچ ۱۹۹۵ء جلد ۴۳ شمارہ ۳

فی پرچہ 4/50 سالانہ 40/-

سرکاری اداروں سے 55/- روپے

وی پی منگانے کی صورت میں مزید ۱۰/ روپے خرچ آئے گا

غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/- روپے

ایڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار، دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں سے باتیں

آپ کو، آپ کے بزرگوں کو عید کی پیشگی مبارکباد۔ رمضان شریف اپنی بہاریں دکھا کر اب رخصت ہوا چاہتے ہیں۔ اب عید آنے والی ہے۔ سچ پوچھیے تو عید منانے کا حق انھیں کو ہے جنھوں نے رمضان میں پورے روزے رکھے ہوں۔ مگر عید سب ہی مناتے ہیں، امیر بھی، غریب بھی، چھوٹے بھی، بڑے بھی۔ آپ بھی عید کی خوشی میں اپنے تمام دوست احباب کو شریک کیجیے خاص طور پر اپنے ان دوستوں اور عزیزوں کو جو کسی مجبوری کی وجہ سے عید کی خوشیاں نہ منا سکتے ہوں۔ اس سے آپ کو زیادہ خوشی اور سکون ملے گا۔ اس بار آپ کی بزم میں آپ کے دو بزرگ بھی شریک ہیں جناب رشید الدین اور جناب قیصر سرمست۔ یہ حضرات ایک زمانے تک پیام تعلیم میں لکھتے رہے ہیں۔ درمیان میں ہماری بدقسمتی سے رابطہ ٹوٹ گیا تھا، اب جڑ گیا ہے انشاء اللہ اب آپ کو برابر ان حضرات کے مضامین ہی نہیں ان کی کتابیں بھی پڑھنے کو ملیں گی۔ ڈاک کی گڑبڑ کی وجہ سے پیام تعلیم یا تو دیر سے پہنچتا ہے یا پہنچتا ہی نہیں۔ یہ شکایت صرف آپ کو یا ہم کو ہی نہیں تمام رسائل کے ذمے داروں کو ہے۔ براہ کرم اپنے ڈاکخانے کو برابر شکایتی خطوط لکھتے رہیے تاکہ کچھ تو اصلاح ہو۔

پرنٹر پبلشر سید ندیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

انسان کی سب سے خراب عادتوں میں وعدہ پورا نہ کرنے کی عادت بھی شامل ہے۔ تم نے وعدہ کرلیا کہ میں کل آپ کا کام کر دوں گا، لیکن کیا نہیں، تو تم نے جس سے وعدہ کیا تھا اس کو کتنی تکلیف ہوئی۔ اس سے بہتر تھا کہ وعدہ کرتے ہی نہیں۔ بعض لوگ زبردستی وعدہ لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ وعدہ کرو کہ میرا یہ کام کردو گے۔ مروّت والے لوگ وعدہ کر لیتے ہیں لیکن یہ مروّت بھی اچھی نہیں۔ اگر تم وہ کام ہی نہیں کرنا چاہتے ہو تو صاف کہ دو میں نہیں کروں گا لیکن تم کرنا تو چاہتے ہو لیکن سمجھتے ہو کہ کام پورا ہونا مشکل ہے تو صرف کوشش کرنے کا وعدہ کرو اور پھر واقعی کوشش کرو۔

وعدہ کرنے سے اعتبار قائم ہوتا ہے۔ تم نے کسی سے کوئی وعدہ کیا اور پورا کیا تو اس کو تم پر اعتماد ہو گیا کہ یہ آدمی سچّا ہے اور وعدہ پورا کرتا ہے۔ اگر سب لوگ اسی طرح سچّے وعدے کرنے لگیں تو زندگی میں بڑی سہولت ہو جائے اور ہر آدمی اطمینان سے زندگی گزارے۔

وعدے کی پابندی اعلا اخلاقی خوبیوں میں سے ہے اور وعدے کا پابند شخص بڑی عزّت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ ذرا سوچو کہ وعدے کی پابندی سے کتنا سکون ملتا ہے اور اگر کوئی شخص اپنا وعدہ پورا نہیں کرتا تو ہمیں کتنی تکلیف، کتنی پریشانی ہوتی ہے۔

ہمارا دین بھی وعدے اور معاہدے کی پابندی کی سخت تاکید کرتا ہے۔ ایک اچھا مسلمان ہمیشہ سچ بولتا ہے اور اپنا وعدہ پورا کرتا ہے۔ سورۂ النحل کی آیت ۹۱ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"جب تم کوئی معاہدہ کرو تو اس کی پابندی تم پر لازم ہے۔"

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

عتیق الرحمٰن صدیقی

انعام کا دن

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید الفطر کا دن آتا ہے تو اللہ کے فرشتے تمام راستوں کے نکڑ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں :

" اے مسلمانو ! رب کے پاس چلو جو بڑا کریم ہے اور جو نیکی اور بھلائی کی باتیں بتاتا اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دیتا ہے۔ پھر اس پر بہت زیادہ انعام دیتا ہے تمہیں اس کی طرف سے تراویح پڑھنے کا حکم دیا گیا تو تم نے تراویح پڑھی۔ تم کو دن میں روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا تو تم نے روزے رکھے اور اپنے رب کی اطاعت گزاری کی، اور اب چلو اپنا انعام لے لو۔"

جب لوگ عید کی نماز پڑھ چکتے ہیں تو اللہ کا ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے :

" اے لوگو ! تمھارے رب نے تمھاری بخشش فرمادی۔ بس، تم اپنے گھروں کو کامیاب و کامران لوٹو ! یہ عید کا دن انعام کا دن ہے اور اس دن کو فرشتوں کی دنیا میں انعام کا دن کہا جاتا ہے۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن غسل فرماتے اور خوبصورت اور عمدہ لباس زیب تن کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ سبز و سرخ دھاری دار چادر اوڑھتے اور پھر مدینے سے باہر چل کر عید گاہ تشریف لے جاتے۔ یہ جگہ مسجد نبویؐ سے تقریباً ایک ہزار قدم کے فاصلے پر تھی۔ پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ یہی معمول رہا، سوائے ایک مرتبہ کے جبکہ بارش کی وجہ سے آپؐ نے مسجد شریف میں نماز پڑھی۔ حضرت بُریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ عید الفطر کی نماز کے لیے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے

تھے۔ ایک راستے سے عیدگاہ تشریف لے جاتے اور دوسرے راستے سے واپس لوٹتے۔
حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے۔
حضرت ابوسعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے آپؐ نماز پڑھاتے۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رُخ کر کے خطبے کے لیے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے۔ پھر آپؐ ان کو خطبہ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام سے آگاہ کرتے تھے۔ اگر آپؐ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے بھیجنے کا ہوتا تو آپؐ اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارے میں آپؐ کو حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا کہ آپؐ خواتین کے مجمع کی طرف تشریف لے جاتے اور حضرت بلالؓ آپؐ کے ساتھ ہوتے۔ آپؐ انھیں اللہ سے ڈرنے اور تقوے والی زندگی گزارنے کے لیے فرماتے اور پند و نصیحت کرتے۔ اس کے بعد آپؐ گھر تشریف لے جاتے۔
مشہور عالم حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
"عید کا دن خوشی کا دن ہے۔ اس دن اسلام کی شان و شوکت کا اظہار مسلمانوں کی کثرت اور عظیم اجتماعات کے ذریعہ سے کیا جاتا ہے اور روزہ کھولنے کا صدقہ (صدقہ فطر) دے کر اس مقصد کو پورا کیا جاتا ہے۔"
یوں ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غریب اور نادار لوگوں کو بھی اس خوشی میں شامل فرمایا۔ ایک بار راستے میں جب ایک معصوم بچّے کو روتا ہوا پایا جس کے والد جنگ میں شہید ہو چکے تھے تو آپؐ نے اس کو پیار کیا اور فرمایا "گھبراؤ نہیں میں جو موجود ہوں!"
آپؐ نے اسے کندھے پر بٹھایا اور گھر لے آئے۔ اُسے کپڑے پہنائے اور کھانا کھلایا۔

عید الفطر میں آہستہ آہستہ اور عید الاضحیٰ میں بلند آواز سے تکبیر
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْد
کہتے ہوئے عیدگاہ یا مسجد جانا سُنّت ہے۔ ایک راستہ سے جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا مستحب ہے۔

رشید الدین
حیدرآباد

پوسٹ کارڈ کی کہانی

دو میاں بیوی آپس میں کسی مسئلے پر جھگڑ رہے تھے۔ وہ کافی دیر تک جھگڑتے رہے۔ آخر میاں نے کہا، "بیگم ہمیں یہ مسئلہ عقل سے حل کرنا چاہیئے"۔
بیگم غصے سے بولیں: "ہاں ہاں، تاکہ تم جیت جاؤ"۔

جی ہاں۔ میں ایک پوسٹ کارڈ ہوں اور آج اپنی کہانی خود اپنی زبانی آپ کو سُنا رہا ہوں۔ ویسے تو میں کسی قدر موٹے کاغذ کا ایک ٹکڑا ہوں لیکن میری اہمیت بہت زیادہ ہے۔ اسے اگر آپ میری تعریف خوردنی زبانی نہ سمجھیں تو عرض کروں کہ آج کی اس سخت منہگائی کے زمانہ میں بھی کوئی ہندستانی صرف ۱۵ پیسے میں میرے ذریعہ اپنا پیغام ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پہنچا سکتا ہے۔

لیکن اپنے ملک سے پہلے میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ دنیا میں سب سے پہلے میرا وجود کب عمل میں آیا۔ اس کا خیال آسٹریلیا کے ایک شخص ڈاکٹر املیونل ہیرمن کے دماغ میں آیا۔ اس نے سوچا کہ اگر لوگوں کو تھوڑی سی بات جس میں کوئی راز نہ ہو اگر انتہائی کم داموں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانی ہو تو ایک چھوٹے سے کھلے کاغذ کا استعمال کیا جا سکتا ہے جسے ڈاک کے ذریعہ ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جا سکتا ہے۔ اس طرح میرا وجود عمل میں آیا۔

اپنی پیدائش یا وجود میں آنے کی تاریخ خود مجھے یاد نہیں ورنہ میں آپ کو ضرور بتاتا لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہندستان میں ڈاک کا چلن ۱۸۵۴ء میں شروع ہوا اور اس کے ۲۵ سال بعد میرا استعمال شروع ہوا۔ اس وقت میری مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ ہمارے ملک میں لگ بھگ ۷۰ لاکھ افراد ہر روز میرے ذریعہ اپنے رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔

یکم جولائی ۱۹۷۹ء کو ہندستان میں میرے اجرا کو سَو سال ہو گئے تھے۔ اس موقع

پر محکمہ ڈاک کی طرف سے پچاس پیسے مالیت کا ایک خوبصورت یادگاری ڈاک ٹکٹ جاری کیا گیا تھا۔ اس طرح آج ہندستان میں میری عمر تقریباً ۱۱۵ سال ہے اور ظاہر ہے یہ کوئی کم عمر نہیں ہوتی۔ ۱۸۹۹ء تک میرے اوپر ایسٹ انڈیا کمپنی لکھا ہوتا تھا لیکن اس کے بعد صرف انڈیا پوسٹ کارڈ کے الفاظ لکھے جانے لگے۔

ہمارا ملک یعنی ہندستان ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزاد ہوا اور اس کے لگ بھگ ڈھائی سال بعد ۱۹۴۹ء تری مورتی کے نشان والا پوسٹ کارڈ جاری ہوا۔ ابتدا میں ہندستان میں میری قیمت صرف ایک پیسا تھی اور یونیورسل پوسٹل یونین سے ملحق غیر ممالک کو بھیجے جانے والے پوسٹ کارڈ یعنی میری قیمت ڈیڑھ آنا تھی۔

شروع شروع میں میری ایک جانب پتا لکھنے کا رواج تھا اور دوسری جانب مضمون لکھا جاتا تھا لیکن بعد میں نصف کارڈ کیوں ضائع ہو اس لیے میری آدھی طرف کی جگہ بھی مضمون لکھنے کے لیے چھوڑی جانے لگی اور دوسری طرف تو پوری جگہ مضمون لکھنے کے لیے ہوتی ہی تھی۔ اس طرح مجھ میں وقت کے ساتھ ساتھ تبدیلیاں عمل میں آنے لگیں۔

انگریزوں کا ایک لحاظ سے ہمارے ملک پر احسان بھی ہے۔ وہ اس طرح کہ اس نے جہاں سفر کے ذرائع آسان کر دیے اور ہندستان میں ریلیں، بسیں اور ہوائی جہاز چلانے شروع کیے وہیں ڈاک کا نظام بھی قائم کیا جس کے ذریعہ نہایت کم خرچ میں محفوظ طریقہ پر پیام سلام، خیر خیریت اور مال و اسباب ایک مقام سے دوسرے مقام تک منتقل ہونے لگے۔ ہندستان جیسے بڑے ملک کے لیے یہ بہت اہم چیز تھی۔

وقت کے ساتھ ساتھ ڈاک کے نظام کو زیادہ تیز تر اور محفوظ بنایا گیا۔ پہلے ہرکارے ایک مقام سے دوسرے مقام کو پیدل ڈاک لے جاتے تھے، وہ تقریباً دوڑتے ہوئے جاتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک لاٹھی ہوتی تھی جس میں گھنگھرو بندھے ہوتے تھے تاکہ جنگلی جانور وغیرہ اس کی آواز سے دور ہٹ جائیں اور راستہ چھوڑ دیں۔ اب ریلوں اور بسوں سے ڈاک جانے لگی۔ بڑے بڑے شہروں اور غیر ممالک کے لیے ہوائی جہازوں کے ذریعہ ڈاک کی منتقلی کا انتظام کیا گیا۔

ڈاک کی حفاظت اور یقینی طور پر پہنچنے کے لیے رجسٹری ڈاک کا طریقہ رائج کیا گیا جس میں بھیجنے والے کو محکمہ ڈاک کی طرف سے رسید دی جانے لگی اور پہنچنے کے بعد

واپس اس کی رسید بھیجنے والے تک پہنچانے کا انتظام کیا گیا۔ اب تو پارسل کے ذریعہ اخبارات، رسائل اور کتابیں نیز مختلف اشیاء کے بڑے بڑے بنڈل ڈاک سے ایک مقام سے دوسرے مقام کو بھیجے جاتے ہیں۔

صرف ضروری اشیاء ہی نہیں بلکہ روپیا پیسا بھی ڈاک سے بذریعہ منی آرڈر بھیجا جاتا ہے اور اس کی بہت واجبی فیس لی جاتی ہے۔ پہلے کم رقم کا انتظام تھا لیکن اب ایک ہزار روپیا تک کی رقم بیک وقت ڈاک سے بھیجی جا سکتی ہے اور منی آرڈر کی حصول کے بعد اس کے بھیجنے والے کو اس کی رسید بھی مل جاتی ہے۔ حال ہی میں سیٹلائٹ کے ذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا طریقہ رائج کیا گیا جس میں منی آرڈر صرف دس منٹ میں بھیجنے والے تک پہنچ جاتا ہے۔ فی الحال یہ طریقہ صرف بڑے شہروں میں رائج ہے لیکن آئندہ اسے تمام شہروں سے مربوط کر دیا جائے گا۔

محکمہ ڈاک کو ڈاک ٹکٹوں سے بھی خاصی آمدنی ہو جاتی ہے بہت سے لوگ ڈاک کے لفافوں کے علاوہ اپنے لفافوں میں ڈاک بھجوانا پسند کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ محکمہ ڈاک سے ڈاک ٹکٹ خرید کر اس پر چسپاں کرتے ہیں۔ جتنا وزن زیادہ ہو اسی لحاظ سے ڈاک ٹکٹ لگانے پڑتے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ خاص خاص موقعوں پر محکمہ ڈاک یادگاری ٹکٹ بھی جاری کرتا ہے۔ یہ محدود تعداد میں ہوتے ہیں اور کسی خاص شخصیت یا واقعے کی یاد دلاتے ہیں۔

ڈاک ٹکٹوں کی بات یہیں تک محدود نہیں بلکہ بعض شوقین لوگ استعمال شدہ مختلف رنگ و ڈیزائن اور مختلف ممالک کے ڈاک ٹکٹ جمع کرنے کا شوق بھی رکھتے ہیں۔ ڈاک ٹکٹ جتنا پرانا اور نایاب ہو اس کی مالیت بھی اسی حساب سے لگائی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ مستقل طور پر یہ کاروبار انجام دیتے ہیں اور مختلف ممالک میں اس کی انجمنیں بھی ہیں۔ خود ہمارے ملک میں ایسی انجمنیں سرگرم عمل ہیں۔

ان دنوں محکمہ ڈاک نے بہت ترقی کر لی ہے اور دنوں کا کام گھنٹوں اور گھنٹوں کا کام منٹوں میں ہونے لگا ہے۔ اس میں کمپیوٹر کے رواج سے بہت مدد ملی ہے۔ ڈاک کا نظام تمام ترقی یافتہ ممالک اور خود ہمارے ملک میں اتنا ضروری ہو گیا ہے کہ اس کے بغیر تمام کاروبار ٹھپ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محکمہ ڈاک کی ہفتہ میں صرف

ایک دن یعنی اتوار ہی کو تعطیل ہوتی ہے۔

تو میں اپنی کہانی سناتے سناتے کدھر نکل گیا اور سارے محکمہ ڈاک کی رام کہانی لے بیٹھا۔ ہندستانی پوسٹ کارڈ یعنی میں جب اس ملک میں رائج ہوا تھا تو دنیا کا سب سے کم قیمت پوسٹ کارڈ تھا اور آج جب کہ میری قیمت ۵ پیسے ہے تو آج بھی میں دنیا کا سب سے زیادہ سستا پوسٹ کارڈ ہوں۔

لیکن سُنا جا رہا ہے کہ جلد ہی میری قیمت میں اضافہ ہونے والا ہے کیونکہ میرے لیے استعمال کیا جانے والا موٹا کاغذ اور طباعت کی وجہ سے حکومت ہند کے لیے یہ مسلسل گھاٹے کا سودا ثابت ہو رہا ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ میری قیمت بڑھنے کے بعد بھی میں دنیا کا سب سے کم قیمت پوسٹ کارڈ ہی رہوں گا۔

قیصر سرمست

شہد کی مکھی

> ایک دکاندار: (ڈاکٹر سے) ڈاکٹر صاحب آپ کے بازو میں جو دکان خالی پڑی ہے وہ مجھے کرایے پر دے دیجیے۔
> ڈاکٹر: کیا تم دوا بیچتے ہو؟
> دکاندار: جی نہیں، میں تو کفن بیچتا ہوں۔
> نظر جوہر۔ اچلپوری

حیدرآباد کے ایک روزنامہ "سیاست" میں کالم "یہاں وہاں سے" کے تحت ۲۷ اکتوبر کو یہ دلچسپ خبر شائع ہوئی تھی کہ:

"مرکزی وزارت زراعت نے ۱۳ اہم مقاصد کے تحت شہد کی مکھیوں کی افزائش کو فروغ (ترقی) دینے کے اقدامات کیے ہیں۔ ان مقاصد میں ملک میں شہد کی پیداوار میں اضافہ کرنا، کسانوں کے لیے آمدنی کے زائد ذرائع مہیا کرنا اور کسانوں کو حد سے زیادہ کیڑے مار دواؤں کے استعمال سے روکنا شامل ہیں۔ حال ہی میں مرکزی وزارت نے HONEY BEE BOARD شہد کی مکھیوں کی افزائش سے متعلق بورڈ بنایا ہے اور ۱۹ کروڑ روپے کی منظوری دی ہے تاکہ ملک میں شہد کی مکھیوں کی افزائش سے ترقی کے ذریعہ شہد کی پیداوار میں اضافہ کی راہیں کھل سکیں۔ سکریٹری وزارت زراعت نے بتایا کہ شہد کی مکھیوں کی افزائش کو فروغ دینے کی کوششوں میں مصروف افراد کو مالی امداد دی جائے گی۔

ہندستان کے مخصوص موسمی حالات کے لحاظ سے شہد کی مکھیوں کی افزائش کے لیے ماحول کو سازگار بنایا جائے گا اور موجودہ ٹکنالوجی سے خاطر خواہ فائدہ حاصل کرنے کی تدابیر اپنائی جائیں گی۔ اور کسانوں کو اس ٹکنالوجی سے واقف کرایا جائے گا۔ انھی مقاصد کے تحت تین روزہ شہد میلہ رکھا گیا تھا۔"

اس میلہ کے دوران دواؤں اور حسن افزا چیزوں (کاسمیٹکس) میں شہد کے استعمال کے فائدوں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ نیشنل کمیشن آن اگریکلچر (NATIONAL COMMISSION ON AGRICULTURE) نے اندازہ لگایا ہے کہ زراعت اور باغبانی کی ترقی کے ذریعہ شہد کی مکھیوں کے (۱۵۰) ملین چھتے تیار کیے جا سکتے ہیں۔ اور ہر چھتے میں

شوکت حسین یاشت پورہ حیدرآباد اے پی

عام طور پر دس ہزار مکھیاں جمع ہوتی ہیں۔ ان مکھیوں سے تقریباً ۵ را ملین لیٹر شہد حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس سے گانو کے کئی قبائلیوں کی روزی روٹی چل سکتی ہے۔ شہد کی مکھیاں فصل کو تباہ کرنے والے کیڑوں کو ختم کر دیتی ہیں۔

اچھا اب کچھ شہد کی مکھی کے بارے میں بھی سن لیں۔

شہد کی مکھی قدرت کی ایک حیرت انگیز مخلوق ہے۔ اس کی بناوٹ، مل جل کر کام کرنے کا انداز اور تنظیم اس قدر منظم اور قابل توجہ ہیں جنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ شہد کی مکھیاں ایک خاندان کی طرح زندگی کیسے بسر کر لیتی ہیں جبکہ ہم انسان جو اپنے آپ کو اشرف المخلوقات کہتے ہیں اپنے ہی ملک میں مل جل کر نہیں رہتے۔ مکھی کے خاندان میں تین قسم کے ارکان یعنی ملکہ، کارکن (مزدور یا کام کرنے والی) اور نکھٹو۔ پائے جاتے ہیں جن کے ذمّہ کچھ خاص کام ہوتے ہیں۔ بچّو! آپ کو حیرت ہوگی کہ تمام مکھیاں اپنا اپنا کام بڑی ایمانداری اور محنت سے کرتی ہیں۔ جی نہیں چُراتیں۔ کاش کہ آپ بھی اپنا سبق اور ہوم ورک اسی طرح کریں۔

ملکہ یا رانی

ملکہ

ایک چھتّہ یا پیٹے میں صرف ایک ملکہ ہوتی ہے جو مکھیوں کی پیدائش کی ذمّہ دار ہوتی ہے۔ ملکہ مکھیوں کے پورے خاندان کی ماں ہوتی ہے۔ کارکن مکھیاں اس کی دیکھ بھال کرتی ہیں اس کی خدمت کرتی ہیں۔ اچھے موسم میں ایک ملکہ مکھی روزانہ ڈیڑھ ہزار یا اس سے زائد انڈے دیتی ہے۔ ملکہ کی عمر ڈھائی سے تین سال ہوتی ہے۔ یہ عام مکھیوں سے بڑی ہوتی ہے۔

کارکن

(WORKER) کارکن یا مزدور مکھیاں ملکہ سے چھوٹی ہوتی ہیں۔ انھیں دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی گھریلو کام کاج کرنے والی مکھیاں اور بیرونی کام کرنے والی مکھیاں۔ گھریلو مکھیاں ملکہ اور بچّوں کو غذا اور خوراک دیتی ہیں۔ گھر یا چھتّہ بناتی ہیں۔ گھر کی صفائی اور حفاظت کرتی ہیں اور موسم کے لحاظ سے گھر

مزدور

کو گرم یا ٹھنڈا کرتی ہیں۔ بیرونی مکھیاں پھولوں سے رس
جمع کرتی ہیں۔ اور گھریلو مکھیوں کو دیتی ہیں تاکہ وہ
حسب ضرورت استعمال کریں۔ بیرونی کام کرنے والی
مکھیوں میں بعض مکھیاں غذا تلاش کرنے میں مصروف
رہتی ہیں اور بعض مکھیاں غذا جمع کرنے کا کام کرتی ہیں۔ ان مکھیوں کی عمر کا انحصار
کام کرنے پر ہے۔ گرمیوں میں اگر زیادہ کام کریں تو چھے ہفتے زندہ رہتی ہیں اور سردیوں
میں چونکہ کام نہیں ہوتا اس لیے چھے ماہ بھی
زندہ رہ جاتی ہیں۔

نر مکھی

نکھٹو یا نر جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ یہ
حضرت کوئی کام نہیں کرتے اور مکھیوں کی تیار کی
ہوئی غذا پر آرام سے پڑے پڑے پلتے ہیں۔
ان کی زندگی کا مقصد مکھیوں کی پیدائش ہے۔
جب تک مکھیوں کے پاس خوراک کا ذخیرہ ہے انھیں رزق ملتا ہے اور اگر خوراک
میں کمی ہو جائے تو کارکن مکھیاں انھیں خوراک دینا بند کر دیتی ہیں اور یہ بھوک سے
مر جاتے ہیں۔ دیکھا بچو! کام چوروں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ کوئی بھی انھیں پسند
نہیں کرتا حتیٰ کہ مکھیاں بھی انھیں مرنے کے لیے چھوڑ دیتی ہیں۔ نکھٹوؤں کی زندگی
دو سے چار ماہ ہوتی ہے۔

موم کے قلعوں کی تعمیر: شہد کی مکھیاں
درختوں، گھر کی دیواروں اور درختوں کے
کھوکھلے تنوں وغیرہ میں چھتے بناتی ہیں۔
شہد کے چھتے کو اگر ہم موم کا قلعہ کہیں تو غلط
نہ ہوگا۔ جب چھتہ تیار کرنا ہوتا ہے تو
مکھیاں اپنے پیٹ کو شہد سے بھر لیتی ہیں
اور پھولوں کی لڑی کی طرح اس حصے سے
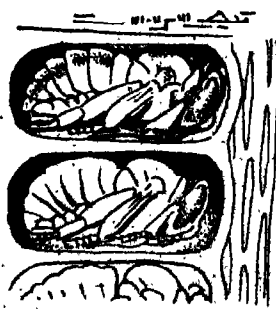
کارکن مکھی کا پیوپا
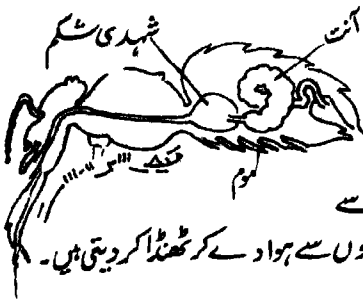
تک جاتی ہیں جہاں چھتہ یا پٹھا بنانا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ان کے پیٹ میں موم کے غدود کام کرنے لگتے ہیں اور ان سے موم نکلنے لگتا ہے جس کی مدد سے مکھیاں شہد کا چھتہ تعمیر کرتی ہیں۔ اگر چھتہ کسی وجہ سے گرم ہو جائے تو چند مکھیاں اسے اپنے پروں سے ہوا دے کر ٹھنڈا کر دیتی ہیں۔

شہد کی تیاری: کارکن مکھیاں مختلف پھولوں کا رس چوس کر اپنے جسم کی خاص تھیلیوں میں محفوظ کرتی جاتی ہیں۔ جب اس کی مقررہ مقدار جمع ہو جاتی ہے تو اسے چھتے میں منتقل کر دیتی ہیں۔ ایک خاص کیمیائی عمل کے ذریعہ شہد تیار ہوتا ہے۔ تیار شدہ شہد کو موم کے خانوں میں ذخیرہ کر لیا جاتا ہے۔ ایک پٹھے میں ساٹھ ہزار مکھیاں پائی جاتی ہیں لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ ان ہزاروں مکھیوں کے کام کی نگرانی کرنے والا کوئی نہیں ہوتا اور نہ ہی کوئی مکھی اپنے کام سے جی چراتی ہے۔ اللہ کرے کہ یہی صفات ہمارے بچوں، بڑوں سب ہی میں آ جائیں۔ آمین۔ بچو! اگر زندگی نے ساتھ دیا اور آپ کے اڈیٹر صاحب نے اجازت دی تو انشاء اللہ شہد پر مضمون بھیجوں گا۔

نگہت آرا چوہان

سیّارے

ایک دوسرے سے مختلف کیوں نظر آتے ہیں؟

ایک مریض نے کمپاؤنڈر سے کہا، بھائی تمھارے ڈاکٹر صاحب تو ماشاء اللہ بہت قابل ہیں بڑی شہرت سُنی ہے ان کی، ورنہ ہمارا تو اب تک ایسے ڈاکٹروں سے واسطہ پڑتا رہا ہے کہ اگر مریض ملیریا بتاتا تھا تو اس کا انتقال نمونئے سے ہوتا تھا"
کمپاؤنڈر جلدی سے بولا "اس میں کیا شک ہے جناب۔ مگر یہاں ملیریا کا مریض آتا ہے تو اس کا انتقال ملیریا سے ہی ہوتا ہے"

سیاروں کے ایک دوسرے سے مختلف نظر آنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام سیّارے مختلف مادّوں سے بنے ہوئے ہیں۔ اگرچہ تمام سیارے سورج اور جزوی طور پر نظامِ شمسی کے گرد گھومتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی بناوٹ میں اختلاف ہے۔ "دراصل ہمیں یہ بات بہت کم معلوم ہے کہ سیّارے کس مادّے سے بنے ہوئے ہیں۔ اس سوال کا جواب زمانہ حال کی جاری تحقیقات اور مستقبل کے تحقیقاتی منصوبوں کے ذریعے خلا کی چھان بین کرنے کے بعد ہی دیا جاسکے گا۔ اب ہم ہر ایک سیّارے کا علاحدہ علاحدہ جائزہ لیتے ہیں اور معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اب تک ان کی بناوٹ کے متعلق کیا معلومات حاصل ہوئی ہیں۔

۱۔ "عطارد" یہ ایک چھوٹا سا سیّارہ ہے جس کا بیشتر حصّہ چٹانوں پر مشتمل ہے۔ اس کی سطح کے بعض حصّے

سیاہ ہیں اور اس پر بہت سے آتش فشاؤں کے دہانے پائے جاتے ہیں لیکن اس پر کوئی فضا یا کسی بھی قسم کا پانی موجود نہیں ہے۔

۲۔ "زہرہ"۔ یہ ایک سفید گلوب کی مانند ہے جس میں دھندلے نشانات نظر آتے ہیں۔ یہ مکمل طور پر سفید بادلوں کی تہہ میں چھپا ہوا ہے۔ یہ بادل پانی کے بخارات سے نہیں بلکہ جمے ہوئے گندھک کے تیزابی ترشے سے بنے ہوئے ہیں۔ زہرہ کے ان بادلوں کے نیچے جو فضا پائی جاتی ہے اس میں ناقابل برداشت کاربن ڈائی آکسائڈ گیس ہے جو سورج سے ایک کمبل کی طرح حرارت کو اپنے اندر جذب کرلیتی ہے۔ اس لیے زہرہ کی سطح پر درجۂ حرارت ۵۰۰ ڈگری سنٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ اس سیارے کی سطح پر بمشکل ہی پانی ہوگا۔

۳۔ "مریخ"، اس کے صحرا چونکہ سُرخ ہیں، اس لیے یہ سُرخ سیّارے کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی جسامت ہماری زمین کے نصف کے برابر ہے۔ اس کی فضا میں ہلکے کاربن ڈائی آکسائڈ کے بادل پائے جاتے ہیں۔ مرّیخ پر زندگی کے حتمی آثار نہیں پائے گئے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سیّارہ بہت ٹھنڈا ہے۔

۴۔ "مشتری"، زرد رنگ کا ایک گلوب سا نظر آتا ہے جس پر رنگین بادلوں کی ٹکڑیاں اِدھر اُدھر چکّر کھاتی رہتی ہیں۔ اس کے بادلوں میں ایک بڑا سُرخ دھبّا صاف نظر آتا ہے۔ یہ سیاہ ہائیڈروجن اور ہیلیم کا ایک بہت بڑا گولہ ہے جو سیّارے کے مرکز کی طرف زیادہ سے زیادہ گھنا ہوتا چلا جاتا ہے۔

۵۔ "زحل"، اس کا زیادہ تر حصّہ سیّال ہائیڈروجن پر مشتمل ہے۔ اس کے اردگرد روشنی کا ایک چمکدار ہالہ نظر آتا ہے جو بے شمار چھوٹے چھوٹے ذرّات سے بنا ہے جو اس سیّارے کے اردگرد چھوٹے چھوٹے چاندوں کی صورت میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

۶۔ "یورینس"، اس کے گرد بھی کئی ہالے یا رنگ ہیں اگرچہ یہ ہالے زحل کے ہالے کے مقابلے میں بہت زیادہ تاریک ہیں۔

۷۔ "نیپچون"، ایک ہلکے سبز رنگ کا سیّارہ ہے۔

۸۔ "پلوٹو"، نظامِ شمسی کا سب سے چھوٹا سیّارہ ہے بلکہ یہ ہمارے چاند سے بھی چھوٹا ہے۔ اس کا مدار اتنا مرکز گریز ہے کہ یہ بعض اوقات نیپچون سے بھی زیادہ سورج کے نزدیک آجاتا ہے۔

مصنوعی سیّاروں کی مدد سے خلا کی چھان بین کے ذریعے سائنس داں اس قابل ہوگئے ہیں کہ وہ نظامِ شمسی میں شامل دوسرے سیّاروں کے متعلق بھی معلومات حاصل کرسکیں۔

وزن زیادہ ہے

س:۔ عمر ۱۵ سال۔ دسویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ میرا وزن ۱۱۰ کلوگرام ہے۔ پرہیز کرنے کے باوجود وزن کم نہیں ہوتا۔ محمد رضوان قریشی

ج:۔ میاں، یہ وزن اتنا زیادہ تو نہیں ہے۔ آپ نے اپنا قد نہیں لکھا۔ اگر یہ پانچ فٹ ہے تو وزن ٹھیک ہے۔ وزن کم کرنے کے لیے کم کھانا اور ورزش کرنا بہترین علاج ہے۔

سفید بال

س:۔ عمر ۱۷ سال۔ میرے سر میں کچھ بال سفید ہو گئے ہیں۔ ڈر ہے کہ اور بھی نہ ہو جائیں۔ سردیوں میں اکثر نزلہ اور زکام رہتا ہے۔ س۔ق اسلام

ج:۔ یہ ایک موروثی کیفیت بھی ہو سکتی ہے اور رنگ آمیزی کے نظام میں خلل بھی، مگر اب تک اس کا صحیح سبب نامعلوم ہے۔ آپ ایسا کریں کہ ایک چھوٹا دانہ آملہ مربا روزانہ صبح تین چار ماہ کھائیں۔ شاید اس سے بال سفید ہونا رک جائیں۔

گلے میں تکلیف اور بلغم

س:۔ عمر ۱۴ سال۔ میرے گلے میں شدید تکلیف رہتی ہے اور بلغم بہت آتا ہے کوئی نسخہ بتا دیجیے۔ عدنان البشیر

ج:۔ ممکن ہے کہ اندر سے گلے بڑھ گئے ہوں۔ ان کا معائنہ کرائیے۔ اگر واقعی بڑھ گئے ہیں تو پھر گرم پانی میں نمک ملا کر دن میں کئی بار غرارے کریں۔ اگر مغز آملتاس مل جائے تو اس کا مغز ۲ گرام پانی میں گھول لیجیے اور غرارے کیجیے۔ چند دن میں فائدہ ہو جائے گا۔

ایک وقت میں پانچ روٹیاں

س:۔ مجھے بھوک بہت زیادہ لگتی ہے۔ ایک وقت میں پانچ روٹیاں کھا لیتا ہوں۔ براہ مہربانی کوئی علاج بتلائیے۔ ریاض احمد

ج:۔ توبہ! پانچ روٹیاں! میں ایک ہفتے میں پانچ روٹیاں کھاتا ہوں۔ میاں ریاض صاحب! اپنا پیٹ صاف

کرائیے۔ ممکن ہے اندر کیڑے پل رہے ہیں، جو غذا آپ کھاتے ہیں وہ اندر جاکر کیڑوں کی غذا بن رہی ہے۔

بینائی کی کمزوری

س:۔ عمر ۱۵ سال۔ بینائی کچھ عرصے سے کمزور ہو گئی ہے۔ مطالعہ کرتے وقت اکثر آنکھوں سے پانی بہتا ہے آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بھی ہو گئے ہیں پڑھتے وقت کتاب کو بہت قریب لے آتا ہوں۔ میاں رضی طارق

ج:۔ آپ کو کسی ماہر چشم سے آنکھوں کا معائنہ کرانا چاہیے۔ موسم سرما میں جب گاجریں آئیں تو روزانہ ایک سیر گاجروں کا رس نکال کر پینے دو پینے پی ڈالیے۔ یہ آنکھوں کے لیے اکسیر ہے۔

چھوٹی عمر میں داڑھی

س:۔ عمر ۱۴ سال۔ میری داڑھی آ گئی ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ طارق محمود

ج:۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ مرد کی صفت آپ میں پیدا ہو رہی ہے۔ داڑھی آنا تو حسن ہے مردانگی کا عنوان ہے۔ آپ شرمسار کیوں؟

کمزور ذہن

س:۔ عمر ۱۴ سال۔ ذہن کمزور ہے۔ جب استاد کو زبانی سبق سناتا ہوں تو گھبراہٹ محسوس ہوتی ہے۔ از راہِ کرم اس کا علاج بتا دیجیے۔ واجد محمود

ج:۔ ذہن کمزور نہیں ہے، بلکہ گھبراہٹ آپ کا مسئلہ ہے۔ گھبراہٹ اس لیے ہوتی ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے اسے اعتماد سے سمجھا نہیں ہو گا۔ احتیاط و اعتماد کے ساتھ پڑھیے، ذہن خود بخود آپ کی مدد کرے گا۔

سوتے میں پیشاب

س:۔ عمر ۱۶ سال، سات سال کی عمر سے سوتے میں پیشاب نکل جاتا ہے۔ علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ رہنمائی کی درخواست ہے۔ خالد

ج:۔ ذرا یہ دیکھ لیں کہ پیٹ میں کیڑے تو نہیں ہیں۔ کوئی دوا کھا کر پیٹ صاف کر لیں۔ سوتے میں پیشاب کرنا ایک ذہنی کیفیت بھی ہے۔ آپ کو صبح خمیرہ ہمدرد ۶ گرام ۱۵۔۲۰ دن کھا لینا چاہیے۔ اس سے فائدہ ہو گا۔

عیدی

منشی احمد راشد
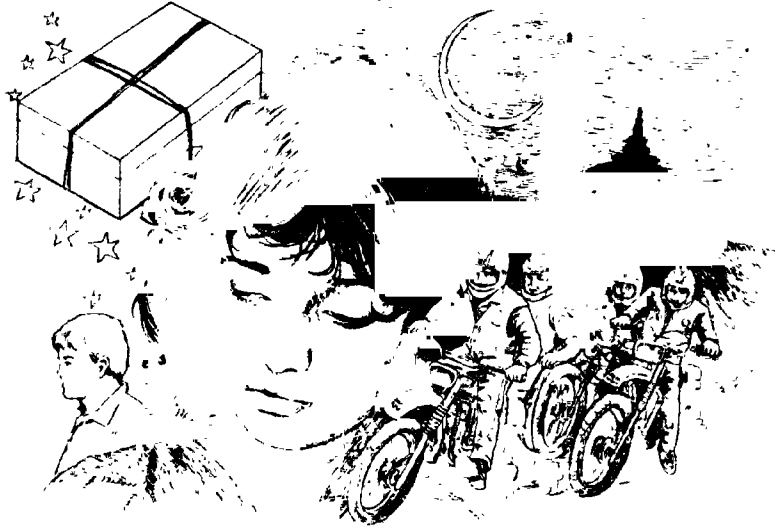
"شجو بھیا کو اب تک آجانا چاہیے تھا ماں۔ رات کے آٹھ بج رہے ہیں۔" مُنّی کی پریشان آواز نے ماں کو چونکا دیا جو دروازے کی طرف ٹکٹکی باندھے نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ "ہاں آ تو جانا چاہیے تھا۔" اس نے مُنّی کی تائید کرتے ہوئے کہا۔ پھر اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔ "اری چاند رات ہے ناں آج۔ اور اسے آج ہفتہ بھی تو ملنا تھا۔ سیٹھ سے پیسے ویسے لینے میں دیر ہو گئی ہوگی چل تو کھانا کھالے اور سوجا۔ کل عید ہے ناں! صبح کو جلدی اٹھنا پڑے گا۔ چل سوجا شاباش۔" مُنّی نے کوئی جواب تو نہ دیا البتہ وہ وہاں سے گئی بھی نہیں۔ بس ماں کے پاس بیٹھی خالی خالی نظروں سے دروازے کی طرف دیکھتی رہی۔

•

یہ ایک کمرے کا مکان ہے۔ جس کی دیواریں اور چھت سرکنڈوں کی بنی ہوئی ہے۔ عرف عام میں

اسے جھونپڑی کہتے ہیں۔ اس کے چاروں طرف پھیلا ہوا سرکاری میدان یہاں بنی ہوئی سینکڑوں جھونپڑیوں کا مشترکہ صحن ہے۔ ان جھونپڑیوں میں رہنے والے لوگ صرف بیس فٹ چوڑی سڑک کے اس پار بنے والی نو آباد ماڈرن کالونی میں محنت مزدوری کرتے ہیں۔ مرد دن بھر اس کالونی کے مکانات کی تعمیر اور زیبائش و آرائش میں مصروف رہتے ہیں اور عورتیں کوٹھیوں میں صفائی ستھرائی کا کام کرتی ہیں۔ منّی کی ماں بھی سامنے ہی ایک کوٹھی میں کام کرتی ہے۔ منّی کا باپ تو مدت ہوئی فوت ہو چکا ہے۔ وہ چار منزلہ عمارت کی آخری منزل پر جھولے میں لٹکا ہوا پانی کی پائپ لائن فٹ کر رہا تھا کہ اچانک توازن بگڑ جانے کی وجہ سے نیچے سڑک پر گرا اور مر گیا۔

شجّو کی عمر اب بارہ سال تھی۔ وہ اپنے باپ کے ایک دوست چاچا رفیق کے ساتھ ہیلپری کرتا تھا۔ منّی اس سے دو سال چھوٹی تھی۔ اور ماں کے ساتھ سامنے والے بنگلے میں جاتی تھی۔ جہاں صفائی کا ہلکا پھلکا کام کر دیتی تھی۔ ورنہ اکثر ماں کے ساتھ رہتی۔ اس طرح ان کی دال روٹی چل رہی تھی۔

رفیق چاچا ایک تعمیراتی ادارے میں پلمبر کی حیثیت سے ملازم تھے۔ انہیں تو تنخواہ مہینے کے مہینے ملتی تھی مگر وہ شجّو کو ہر ہفتے خرچہ دے دیا کرتے تھے۔ ڈیڑھ سو روپے ہفتہ۔ اور آج شجّو کو ہفتے کا خرچہ لے کر ہی آنا تھا۔ رات کے آٹھ بج چکے تھے۔ اس کی ماں بہن بے چینی سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

○

سڑک پر ایک دم ایسا شور مچا جیسے زلزلہ آ گیا ہو۔ مگر وکی کو معلوم تھا کہ یہ زلزلہ صرف اس کے گھر آئے گا۔ اور وہی ہوا سارے کا سارا شور اس کے بنگلے کے گیٹ پر آ کر ٹھہر گیا۔ یہ عامر، سہیل اور کامران تھے۔ وکی کے دوست اور ہم جماعت، جو اس وقت اپنی موٹر سائیکلوں کے سائیلنسر گھر پر رکھ کر انہیں سڑکوں پر پھٹپھٹاتے پھر رہے تھے اور اب وکی کو اپنی ٹولی میں شامل کرنے کے لیے اسے لینے اس کے گھر آئے تھے۔ ان کے شور کی وجہ سے بنگلے کے سامنے، سڑک کی دوسری طرف موجود جھونپڑیوں میں سے بہت سے بچے اور بڑے نکل کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ منّی بھی اپنی جھونپڑی کے دروازے پر کھڑی انہیں حیرت سے تک رہی تھی۔ مگر وہ کسی کی پروا کیے بغیر ایکسلیٹر دبائے چلے جا رہے تھے۔ وکی بھی پہلے سے تیار ہو کر بیٹھا تھا، فوراً اپنی بائیک اسٹارٹ کر کے ان سے آن ملا۔ آتے ہی اس نے باری باری تینوں کے پھیلے ہوئے ہاتھوں پر زور سے ہاتھ مارا اور سب نے ایک بھرپور قہقہہ لگایا ...

"آج مزا آئے گا ڈرائیونگ کا........ خوب ریس لگے گی۔" کامران نے ہنستے ہوئے پُر جوش انداز میں کہا۔

"ہاں آج پتہ چلے گا کون ماسٹر ہے۔" وکی نے بھی اس کی تائید کی۔ اور پھر چاروں دوست شور مچاتی اسپورٹس موٹر سائیکلوں پر وہاں سے روانہ ہوئے۔ رستے میں عامر نے پوچھا۔

"بھئی پروگرام کیا ہے........... کہاں کہاں چلنا ہے........... آج تو ساری رات اپنی ہے۔"

"رات تو ہر روز اپنی ہی ہوتی ہے..... مگر آج تو چاند رات ہے۔" وکی بولا۔

"چاند رات کو تو ایسے ہی منانا چاہئے جیسا کہ اس کا حق ہے۔" کامی نے کہا۔

"اور اس کا حق کیا ہے بھلا؟" سہیل نے ٹیڑی کٹ مارتے ہوئے اپنی بائیک کو سڑک پر لہرایا اور کامی کے نزدیک پہنچ کر پوچھا۔"

"اس کا حق......... خوشی، شادمانی، ہلا گلا، ہنگامہ ...... ہا ہا ہا۔" کامی نے جھٹکے سے موٹر سائیکل کا اگلا پہیّا ہوا میں اٹھاتے ہوئے قہقہہ لگایا اور اسکی دیکھا دیکھی باقی تین موٹر سائیکلیں بھی سدھائے ہوئے ریچھ کی مانند پچھلی ٹانگوں پر کھڑی ہو گئیں۔ بلکہ دوڑنے لگیں۔

یہ لوگ اسی طرح ہلا گلا کرتے شہر کی مختلف سڑکوں پر گھومتے ہوئے طارق روڈ پر جا نکلے۔ جہاں عید کی خریداری کے لیے آنے والے لوگوں کا بے پناہ رش تھا۔ دور دور تک رنگ برنگی روشنیوں کا سیلاب تھا۔ سڑک پر اور دکانوں میں رنگا رنگ ملبوسات پہنے لوگوں کا ہجوم تھا۔ کاروں، موٹر سائیکلوں اور انسانوں کا ملا جلا شور۔ عجیب ہنگامہ تھا۔ چاروں دوست ایک کولڈ کارنر پر آئس کریم کھانے کے لیے رکے جہاں پہلے بھی خاصے لوگ آئس کریم سے شغل فرما رہے تھے۔ اور آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ ایک بڑے میاں کہنے لگے۔

"دیکھو ہر کوئی کیسا خوش ہے۔ جیسے عید پر بس اسی کا حق ہے۔ حالانکہ عید تو انہیں کی ہوتی ہے جنہوں نے روزوں کی آزمائش میں کامیابی حاصل کی ہو۔ ان لوگوں میں سے اکثر وہ ہیں جنہوں نے ایک دن کا بھی روزہ نہیں رکھا ہو گا۔ مگر عید منانے کے لیے .... دیکھ لو کیسے لگے پڑے ہیں تیاریوں میں۔" چاروں دوستوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ جیسے اس بزرگ کے احمقانہ خیال پر انہیں ہنسی آ رہی ہو۔ کولڈ کارنر سے ذرا آگے آکر وہ کھلکھلا کر ہنس دیئے۔ کامی نے کہا،

"بے چارے بڑے میاں .... سمجھتے ہیں عید انہیں کی ہوتی ہے جن کے روزے ہوں

.... بے چارے کو پتہ نہیں کہ عید تو اس کی ہوتی ہے جو عید منا سکے، جو انجوائے کر سکے .... جیسے ہم۔"

"ارے بڑھاپے میں سب ایسے ہی نیک بن جاتے ہیں۔ ضرور بچپن میں انہوں نے بھی ہماری طرح انجوائے کیا ہو گا۔ بغیر روزے رکھے۔ اور اب جب بڑھاپے میں روزے رکھنے کے علاوہ کچھ کر نہیں سکتے تو چاہتے ہیں کہ کوئی انجوائے ہی نہ کرے۔" سہیل نے اپنی دلیل پیش کی۔

"اگر بڑے میاں کا فار مولا مان لیا جائے تو عید پر ہم میں سے کسی کا بھی حق نہیں بنتا بس سنجو کا بنتا ہے۔" وکی نے بھی گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

"یہ سنجو کون ذات شریف ہیں بھئی۔" عامر نے وکی کے برابر آتے ہوئے پوچھا۔ "ہمارے بنگلے میں کام کرنے والی ماسی کا بیٹا ہے۔ ماسی اس کی بہت تعریف کرتی ہے"۔ "ہونہہ! میں سمجھا کوئی نیا دوست ہے۔" کامی نے ناک چڑھاتے ہوئے کہا۔

یہ لوگ اب طارق روڈ سے نکل کر صدر کی طرف جا رہے تھے۔ اور ان کی موٹر سائیکلوں کے شور کی وجہ سے لوگ ان کی طرف متوجہ ہو جاتے تھے۔ کچھ غصے اور نفرت سے انہیں دیکھتے۔ کچھ بے بسی سے اور کوئی کوئی ایسا بھی تھا جو مسکرا کر انہیں دیکھتا اور دل میں سوچتا کہ عید تو ان لوگوں کی ہے بھئی۔

چاروں اب صدر پہنچ چکے تھے پھر جیسے ہی وہ ایمپریس مارکیٹ کی طرف مڑے تو اچانک دس بارہ سال کی عمر کا ایک لڑکا وکی کی موٹر سائیکل کی زد میں آگیا۔ موٹر سائیکل سے ٹکرا کر وہ لڑکا سڑک پر گرا اور اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا شاپر موٹر سائیکل کے پچھلے پہیے میں پھنس گیا۔ چاروں دوست رک گئے۔ ادھر اُدھر سے دوسرے لوگ بھی اکٹھے ہو گئے۔ مگر معاملہ اتنا سیریس نہیں تھا۔ موٹر سائیکل سے ٹکرا کر گرنے والا لڑکا فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اسے اپنی چوٹوں سے زیادہ اس شاپر کی فکر تھی جو کہ وہیل میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ لپک کر موٹر سائیکل کی طرف آیا۔ اور روتے ہوئے کہنے لگا۔

"میرا سوٹ میرا سوٹ۔" اور بے تابی سے شاپر کو وہیل سے جدا کرنے کی کوشش کرنے لگا جو بُری طرح اس میں الجھ گیا تھا۔ وکی نے فوراً اسے پہچان لیا۔ یہ سنجو تھا۔ ان کے گھر میں کام کرنے والی ماسی کا لڑکا اسے دیکھ کر وکی کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سمجھ رہا تھا کہ اب بہت مار پڑے گی۔ اسے معلوم تھا کہ ایسے حالات میں چوٹ کھانے والے سے زیادہ دیکھنے والے مشتعل ہوتے ہیں۔ اور بلا سوچے سمجھے مارنا شروع کر دیتے ہیں۔ وہ جلدی سے موٹر سائیکل کھڑا کر کے سنجو کے پاس

آیا۔ اور ہمدردی سے پوچھنے لگا۔

"شجّو چوٹ تو نہیں لگی؟" شجّو نے بھی اسے پہچان لیا تھا۔ اپنی چوٹ کو بھول کر اس نے ہاتھ اٹھا کر وکی کو سلام کیا اور حسرت سے شاپر کی طرف دیکھنے لگا۔ وکی اسکا اشارہ سمجھ گیا۔ بولا،

"اچھا اچھا ابھی نکالتا ہوں۔" پھر وہاں جمع ہونے والے لوگوں سے بولا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، نو پرابلم، یہ ہمارا ملازم ہے۔" اور بیٹھ کر وہیل سے شاپر علیحدہ کرنے لگا۔ تھوڑی سی محنت کے بعد وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ مگر اس دوران زور آزمائی کی وجہ سے شاپر اور اس کے اندر موجود لیک بچکانہ سوٹ کی دھجیاں بکھر گئیں۔ کچھ کانچ کی چوڑیاں ٹکڑوں کی صورت میں بکھری پڑی تھیں۔ جنہیں پاس کھڑا ہوا شجّو بڑی حسرت کے ساتھ دیکھ رہا تھا۔ اسکی پلکوں میں آنسو اٹکے ہوئے تھے اور لب خاموش۔ شاید وہ اپنے دُکھ کو برداشت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر وکی نے ہمدردی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہنے لگا،

"تم فکر نہیں کرو۔ کل میں ممی سے کہہ کر تمہیں اس کے پیسے دلوادوں گا۔" شجّو کچھ نہ بولا۔ بس گردن ہلا کر رہ گیا۔

تقریباً آدھی رات بیت چکی تھی۔ مُنّی ابھی تک جاگ رہی تھی اماں کے برابر ہی دوسری طرف کروٹ لیے شجّو بھی زمین پر پڑا تھا۔ مُنّی جانتی تھی کہ شجّو بھی ابھی تک نہیں سویا ہے۔ ذرا فاصلے پر ماں لیٹی ہوئی تھی۔ اور اس کے خراٹوں کی مدہم آواز اس کے بے خبر سونے کی خبر دے رہی تھی۔ مُنّی کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے بڑے پیار سے اپنے بھائی کی طرف دیکھا جو اسے بتائے بغیر اس کے لیے نیا سوٹ خرید کے لانے والا تھا تاکہ عید پر وہ بھی نئے کپڑے پہن سکے۔ منی نے پچھلی عید کے بعد سے نئے کپڑے نہیں پہنے تھے۔ وہ وقتاً فوقتاً امی سے نئے کپڑوں کی فرمائش کرتی رہتی تھی۔ آج اس کے بھائی نے پورا کرنا چاہا تھا مگر وکی کی وجہ سے اس کی سب سے بڑی خواہش پوری ہونے سے رہ گئی تھی۔ اس غم میں اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ اور کھانے کو تھا بھی کیا۔ دوپہر کی سوکھی روٹیاں۔ مگر... اسے وکی پر بہت غصہ آرہا تھا۔ وکی کا خیال آتے ہی اس کا دھیان موسیقی کی اس آواز کی طرف ہو گیا جو سامنے وکی کے بنگلے سے آرہی تھی۔ اس نے دیکھا تھا کہ شور مچاتی ہوئی چاروں موٹر سائیکلیں تھوڑی دیر پہلے بنگلے میں داخل ہوئی تھیں۔ اور اب وہ لوگ بنگلے کی اوپر کی منزل کے ایک کمرے میں ناچنے گانے میں مصروف تھے۔ لگتا تھا آج کی رات وہ لوگ نیند کو اپنے پاس نہیں آنے دینا چاہتے تھے۔ اور خود نیند کی حالت یہ تھی کہ وہ منی کی آنکھوں میں آنا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے وہ جاگ رہی تھی اور اسے صبح تک تو جاگنا ہی تھا اور

ان ہی پرانے کپڑوں میں عید منائی تھی۔

وہ سوچنے لگی خدا کتنا مہربان ہے۔ عید آتی ہے مگر نئے کپڑے نہیں آتے۔ انہی سوچوں میں نہ جانے کس وقت اسے نیند آگئی۔ صبح اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ اسکے سرہانے کپڑے رکھے ہوئے ہیں نئے، نئے۔ بالکل ویسے ہی جیسے وہ چاہتی تھی۔

اس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر خدا کا شکر ادا کیا اور رات کی کہی اس بات پر خدا سے معافی مانگی۔ اور پھر وہ اٹھ کر عید کی تیاریوں میں مصروف ہو گئی۔

شجو نے بہن کو دیکھا تو مسکرایا۔ اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ وکی کے سینے میں بھی ایک درد مند دل ہے۔

ٹھیک چار بجے

نگہت محبوب

نتاشا ایک خوب صورت اور نیک لڑکی تھی۔ اس کے والدین کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا تھا۔ چوں کہ اس گاؤں میں نتاشا کا کوئی عزیز یا رشتے دار نہیں تھا، اِس لیے اُسے گاؤں کے زمیں دار نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ زمیں دار نیک انسان تھا۔ اس نے یتیم اور بے سہارا نتاشا کو اپنے پاس اس لیے رکھا کہ وہ اسے اپنی بیٹی سمجھتا تھا۔

زمیں دار اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا تھا، لیکن کچھ عرصہ گزرنے کے بعد رحم دل زمیں دار کا انتقال ہو گیا۔ اب گھر پر زمیں دار کی دو بہنوں فرزین اور شافرین کا راج تھا۔ بھائی کے مرنے کے بعد ان دونوں بہنوں نے گھر کا کام کرنا بالکل چھوڑ دیا۔ اب گھر کا سارا کام یتیم نتاشا کو کرنا پڑتا۔ وہ بے چاری سارا دن گھر کی صفائی کرتی، کھانا پکاتی اور دوسرے کام کرتی جس

کے بدلے اسے کھانے کو بچا کھچا کھانا ملتا اور اگر کبھی گھر میں مہمان آجاتے تو نہ صرف اسے بہت زیادہ کام کرنا پڑتا بلکہ اگر کھانا ختم ہو جاتا تو اسے بھوکا ہی سونا پڑتا۔ ایسے میں نتاشا اپنی پالتو بلی کو گود میں بٹھا کر اسے دکھ بھری کہانی سناتی' لیکن ظاہر ہے کہ بلی نتاشا کی کیا مدد کر سکتی تھی۔ وہ خاموشی سے اس کا چہرہ تکتی رہتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی ہوتا کہ جب شافرین اور فرزین گھر سے باہر کہیں گھومنے جاتیں تو نتاشا کو ڈھیروں کام کرنے کو دے جاتیں۔

شافرین غصے سے کہتی: "کاہل لڑکی! میرے کپڑے دھو دینا۔ شام کو دعوت میں جانا ہے۔"

اس کے ساتھ ہی فرزین کی آواز آتی: "دیکھو بے وقوف لڑکی! جلدی جلدی گھر کے کام کر کے میرے جوتوں کو صاف کر دینا اور میرے لیے کیک بھی بنا دینا۔ سمجھیں! اور خیال رہے کہ شام کو کچھ مہمان آرہے ہیں' اس لیے کھانا احتیاط سے پکانا۔"

یہ سارے حکم دینے کے بعد دونوں بہنیں سیر کو نکل جاتیں اور بے چاری نتاشا ہانپتی کانپتی جلدی جلدی کام کرنے لگتی۔ کسی روز اگر کام پورے ہونے میں دیر ہو جاتی تو نتاشا کو فرزین اور شافرین کی نہ صرف جلی کٹی باتیں سننی پڑتیں بلکہ دونوں بہنیں اسے مارتی بھی تھیں۔

آج تو کام بہت زیادہ تھا۔ نتاشا کی لاکھ کوشش کرنے کے باوجود کام پورا نہ ہو سکا تھا۔ وہ کام کو جلدی جلدی پورا کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی کہ باہر گلی میں ڈھول پیٹنے کی آواز

سنائی دی۔ اس نے باہر جھانک کر دیکھا تو ایک آدمی بادشاہ کی طرف سے اعلان کر رہا تھا جس میں بادشاہ کے حکم کے مطابق اس کی اکلوتی شہزادی کی صحت یابی کے لیے دعائیں کرائی جارہی تھیں اور یہ اعلان بھی کیا جارہا تھا کہ جو مرد یا عورت شہزادی کی بیماری کا علاج کرے گا اسے شہزادی کے برابر درجہ دیا جائے گا اور اسے آدھی سلطنت بھی دی جائے گی۔

نتاشا نے یہ اعلان سنا تو اس کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کیوں نہ وہ شہزادی کی بیماری کا علاج معلوم کرنے کی کوشش کرے، لیکن پھر اسے اپنی بے بسی کا خیال آگیا اور وہ اپنے کام میں جٹ گئی۔

آج جب شافرین اور فرزین گھوم پھر کر واپس آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ گھر کا کافی کام باقی ہے۔ انہوں نے یہ دیکھتے ہی نتاشا پر برسنا شروع کر دیا۔ فرزین نے تو حد ہی کر دی۔ اس نے نتاشا کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھر سے نکال دیا۔

نتاشا روتے روتے ادھ موئی ہو گئی۔ شام کا وقت تھا، اس لیے وہ گھر سے باہر سخت خوف زدہ تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ آنسو تھے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے۔ وہ بار بار سوچتی کہ یا اللہ میں کہاں جاؤں؟ میرا تو کوئی بھی نہیں ہے۔ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک اسے سامنے سے ایک لڑکی آتی دکھائی دی۔ لڑکی نے نتاشا سے پوچھا:

"تم رو کیوں رہی ہو؟"

"میرا کوئی گھر نہیں ہے۔ میرے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ جس گھر میں رہتی تھی وہاں سے مجھے نکال دیا گیا ہے۔" نتاشا نے جواب دیا۔

نتاشا کی باتیں سن کر آنے والی لڑکی بھی بڑی اداس ہو گئی اور بولی:

"تم گھبراؤ نہیں اچھی لڑکی! یہ بتاؤ کہ تمھارا نام کیا ہے؟"

"میرا نام نتاشا ہے، مگر تم کون ہو؟" نتاشا نے اس سے پوچھا۔

"میں پرستان کی نیلم پری ہوں، تمھارے ملک کے بادشاہ کی اکلوتی بیٹی بیمار ہے۔ میں اس کے علاج کے لیے آئی ہوں، مگر اب میں شہزادی کے علاج کے لیے نہیں جاؤں گی بلکہ تم شہزادی کا علاج کرو گی۔"

"مگر میں شہزادی کا علاج کیسے کر سکتی ہوں؟ میں کوئی حکیم تو نہیں ہوں۔"

نیلم پری نے کہا: "نتاشا! تم گھبراؤ نہیں۔ میں تمھیں جادو کی چھڑی دیتی ہوں۔ تم شہزادی کے ماتھے پر لگا دینا۔ وہ فوراً تن درست ہو جائے گی۔"

"مگر میں نے تو بادشاہ کا محل بھی نہیں دیکھا۔" نتاشا نے کہا۔

"میں تمھیں وہاں پہنچائے دیتی ہوں۔" اور پرستان کی نیلم پری نے نتاشا کو بادشاہ کے محل
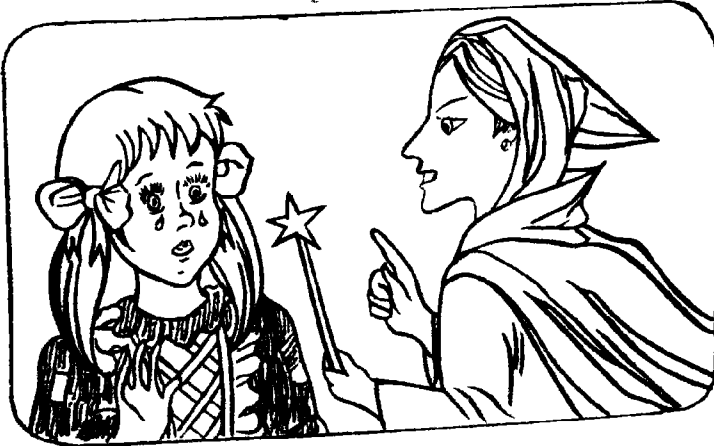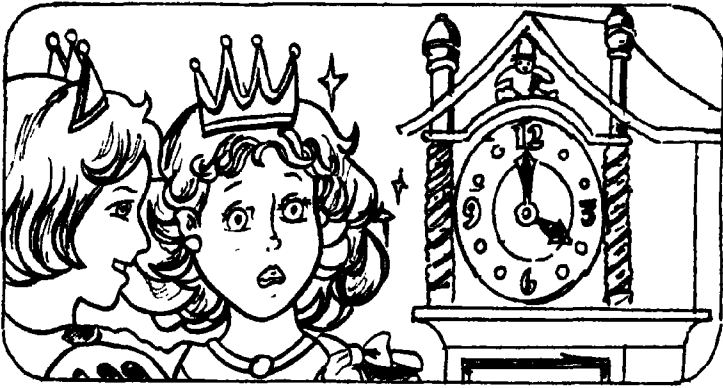
پر پہنچا دیا۔

اب نتاشا بولی: "میری نیک دل دوست! یہ بتاؤ کہ ہماری ملاقات دوبارہ کب ہوگی۔"

"میری اچھی دوست! میں کل تم سے چار بجے ملنے آؤں گی' اب تم اللہ کا نام لے کر بادشاہ کے محل میں داخل ہو جاؤ۔" یہ کہہ کر نیلم پری غائب ہو گئی۔

نتاشا نے آگے بڑھ کر محل کے دربان سے کہا کہ میں شہزادی کا علاج کرنے آئی ہوں۔ دربان نے اسے غور سے دیکھا۔ پیوند لگے کپڑے پہنے غریب سی لڑکی اسے عجیب سی لگی' مگر بادشاہ کے حکم کے مطابق اس نے نتاشا کو محل کے اندر بھیج دیا۔

محل میں بادشاہ نے نتاشا کو غور سے دیکھا اور پھر خاموشی سے اسے بیمار شہزادی کے کمرے میں لے گیا۔ نتاشا نے نیلم پری کی دی ہوئی چھڑی نکال کر شہزادی کے ماتھے پر لگائی۔ چند ہی لمحوں کے بعد شہزادی نے آنکھیں کھول دیں۔

اب تو بادشاہ اور ملکہ کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ نتاشا کے لیے نئے نئے کپڑوں اور تاج کی تیاری کا حکم دے دیا گیا۔ اگلے روز نتاشا کو شاہی اعزاز دیا جا رہا تھا تو رعایا کی عام دعوت تھی۔ شافرین اور فرزین بھی اس دعوت میں آئیں' لیکن جب انھوں نے نتاشا کو بادشاہ کی خاص مہمان بنا دیکھا تو جل بھن کر کباب ہو گئیں۔

لیکن نتاشا نے انھیں معاف کر دیا۔ اس نے ان سے کسی زیادتی کی بدلا نہ لیا۔ اب نتاشا

کو اپنی پیاری دوست نیلم پری کا انتظار تھا اس نے چار بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ نیلم پری نے پری ہو کر بھی ایک انسان کی مدد کی تھی۔ یہ اس کی بڑائی تھی۔ اس نے نتاشا کو فرش سے عرش پر پہنچا دیا تھا۔

نتاشا نے بادشاہ ملکہ اور شہزادی کو پوری بات سچ سچ بتا دی تھی۔ وہ سب بھی پری کا انتظار کرتے رہے، مگر نیلم پری نہ آئی۔ وہ تو انسانوں کی اس بستی میں بیمار شہزادی کا علاج کرنے آئی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ اس نے بیمار شہزادی کا علاج کیا، مگر نتاشا کے ذریعہ سے اور اس طرح نتاشا کی بھی مدد ہو گئی۔

تاریخ کے دریچے سے

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں دو شخص ایک اہلِ عرب کو پکڑ لائے اور کہنے لگے کہ اس شخص نے ہمارے والد کو مار ڈالا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُس سے پُوچھا تو اُس نے اقرار کر لیا۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اب تُو قتل کیا جائے گا۔ مجرم بولا بہتر۔ لیکن میرے پاس ایک یتیم کا مال ہے۔ میں اُس کو اُس کے وارث کے سپرد کر آؤں۔ آپ نے ضامن مانگا۔ مجرم نے اصحابِ کرامؓ کی طرف نظر کر کے حضرت ابوذر صحابی کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میری ضمانت دیں گے۔ حضرت ابوذرؓ نے منظور کر لیا خیر وہ شخص تین روز کے وعدے پر چلا گیا۔ مگر تیسرے روز وقتِ مقررہ پر وہ نہ آسکا۔ اور مدّعی آکر اپنا قاتل مانگنے لگے۔ تو امیر المؤمنین نے فرمایا۔ ابوذرؓ! اب تم اُس کی جگہ قتل کیے جاؤ گے۔ غرض حضرت ابوذرؓ کو قتل کرنے کے لیے لے چلے کہ اتنے میں وہ مجرم نہایت دور سے ہانپتا ہُوا دُور سے آتا دکھائی دیا اور تھوڑی دیر میں پاس آ پہنچا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہُوا کہ اُس کو دیر ہو گئی تھی اور وہ اس خیال سے دوڑتا ہُوا آیا ہے کہ کہیں مسلمانوں پر یہ دھبّا نہ آجائے کہ مسلمان وعدہ پُورا نہیں کرتے۔ حضرت ابوذرؓ بولے واللہ میں اس شخص کو بالکل نہیں جانتا تھا۔ لیکن چونکہ اُس نے مجھ پر امید کر کے مجھ کو ضمانت کے لیے کہا تھا۔ اس لیے میں نے اس کی ضمانت دی کہ کہیں یہ نہ کہا جائے کہ مسلمان ایک دوسرے کے ہمدرد نہیں ہوتے۔ یہ سُن کر دونوں مدّعی بولے کہ ہم نے اس شخص کو اللہ کے واسطے معاف کیا۔ کہ مسلمانوں کے نام پر یہ دھبّا نہ آئے کہ وہ ایک دوسرے کو معاف نہیں کرتے۔

"گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز" اس وقت دنیا کی ایک مقبول ترین کتاب ہے، اس کتاب میں دنیا جہاں کے تقریباً ہر موضوع پر ریکارڈز جمع کر دیئے گئے ہیں، اور ان ریکارڈز پر آنکھ بند کر کے بھروسا کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ہر ریکارڈ کو کافی پرکھنے کے بعد کتاب میں شامل کیا جاتا ہے اور ہر سال اس کتاب کی تدوین نو کی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اب تک دنیا میں جتنی بھی بڑی بڑی دریافت و ایجادات ہوئی ہیں ان سب کے پیچھے کوئی نہ کوئی حادثہ ضرور پوشیدہ ہوتا ہے، کچھ اسی طرح کا حادثہ گنیز بک کے وجود کے سلسلے میں بھی پیش آیا۔

یہ واقعہ ۱۵ نومبر ۱۹۵۱ء کا ہے، وہ ہفتہ کا دن تھا۔ گنیز نامی فرم کے منیجنگ ڈائریکٹر سرہف بیور آئر لینڈ کے جنوب مشرق میں واقع ویکس فورڈ کاؤنٹی میں دریائے سلانے کے کنارے اپنے دوستوں کے ہمراہ پرندوں کا شکار کر رہے تھے۔ بدقسمتی سے گولڈن پلاور نامی جن پرندوں کا وہ شکار کر رہے تھے وہ اپنی تیز رفتاری کے باعث بہت کم ان کے نشانے کی زد میں آرہے تھے۔ اسی شام کیسل برج ہاؤس میں اس مسئلے پر بحث چھڑ گئی کہ گولڈن پلاور یورپ کا تیز ترین شکاری پرندہ ہے یا کوئی اور پرندہ ہے کچھ لوگ گولڈن پلاور کے حق میں تھے اور کچھ اسے غلط قرار دے رہے تھے، وہاں پر موجود تمام دعویداروں میں سے کوئی بھی اپنے دعوے سے پیچھے ہٹنے کے لیے تیار نہیں تھا، اور کوئی ایسی حوالہ جاتی کتاب یا ریکارڈ بک وغیرہ بھی موجود نہیں تھی جس کے ذریعے اس دعوے کے سچے یا جھوٹے ہونے کا پتا چلتا۔

اس وقت تو یہ معاملہ دب گیا لیکن اگست ۱۹۵۴ء میں کسی نے پھر یہ دعوا کر دیا کہ یورپ کا تیز ترین شکاری پرندہ پلاور نہیں بلکہ گراؤس ہے اور پھر یہ بحث بڑھتی گئی، اس بحث نے گنیز کے منیجنگ ڈائریکٹر سرہف بیور کو ایک راہ دکھائی۔ انہوں نے سوچا کہ پرندے کی تیز رفتاری کے علاوہ مختلف چیزوں کے بارے میں لوگ مختلف دعوے کرتے ہوں گے اور ان پر بھی لمبی چوڑی بحثیں ہوتی ہوں گی، جن کا کوئی نتیجہ نہیں نکلتا ہوگا اور کوئی بھی شخص ان کی تردید یا تصدیق صرف اس وجہ سے نہیں کر سکتا کہ ایسی کوئی کتاب سرے سے موجود ہی نہیں ہے۔ جس کی روشنی میں مختلف دعوؤں کا فیصلہ کیا جاسکے۔ لہٰذا کیوں نہ ریکارڈز پر مشتمل کوئی کتاب مرتب کی جائے۔

اور پھر اسی سوچ کو عملی جامہ پہنانے کے لیے سرہف بیورو نے ۱۲ ستمبر ۱۹۵۴ء کو ریکارڈز کی کتاب مرتب کرنے کی تیاری شروع کر دی اور اس سلسلے میں حقائق اور اعداد و شمار جمع کرنے والی لندن کی ایک ایجنسی کے مسٹر نورس اور مسٹر راس مک ورتھر سے تعاون کی درخواست کی۔ گنیز کا دفتر ۱۰۷ فلیٹ اسٹریٹ پر قائم کیا گیا۔ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے پہ تیاری کے لیے بھرپور طور پر کام

گنیز بک کی پہلی کاپی ۲۷ اگست ۱۹۵۵ء کو بازار میں آئی اور اسی سال کرسمس سے پہلے یعنی ۲۵ دسمبر ۱۹۵۵ء سے پہلے گنیز بک کا نام سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں کی فہرست میں سب سے اوپر درج تھا۔

تب سے اب تک سوائے دو سالوں کے ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۹ء کے گنیز بک کو ہر سال سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابوں کی فہرست میں نمبر ون ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ۱۹۵۷ء اور ۱۹۵۹ء میں یہ کتاب چند وجوہات کی بناء پر شائع نہیں ہو سکی تھی۔

اب تک گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈز کے ۳۵ زبانوں (انگریزی (برطانوی، امریکن) فرانسیسی، جرمن، جاپانی، اسپینی، ڈینش، نورویگین،

سوئیڈش، فننش، اطالوی، ڈچ، پرتگالی، چیکو سلاوکی، عبرانی، سربوکبروٹ، آئس لینڈی، سلووینیائی، یونانی، انڈونیشیائی، چینی، ترکی، ہندی، ملاوی، عربی، تھائی، تامل، تیلگو، ملیالم، کناڈا اور ہنگرین) میں کل ۲۶۲، ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اکتوبر ۱۹۸۸ء تک گنیز بک کی عالمی فروخت ۶ کروڑ سے بھی تجاوز کر گئی۔ اگر فروخت کی جانے والی گنیز بک کو اوپر تلے جوڑا جائے تو کتابوں کے ۱۶۸ ایسے عظیم الشان مینار کھڑے ہو جائیں گے جن کی بلندی ماؤنٹ ایورسٹ سے بھی زیادہ ہوگی۔

حیرت انگیز ہے یہ دنیا ہماری

گنیز بک سے انتخاب

۱۔ تصویر میں آپ کو جو دو صاحبان اپنی موٹر سائیکلوں کے ساتھ نظر آرہے ہیں یہ دنیا کے سب سے پستہ قد جڑواں بھائی فلوریڈا (امریکہ) کے جان رائس اور گریگ رائس ہیں۔ یہ دونوں ۳ دسمبر ۱۹۵۱ء کو پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت ان دونوں بھائیوں کا قد ۳۴ انچ ہے۔

۲۔ تصویر میں آپ کو دنیا کا سب سے چھوٹا ہیرا نظر آرہا ہے۔ اس ہیرے کا وزن ۰٫۰۰۰۶۳ قیراط ہے آپ کو تصویر میں ماچس کی تیلی کا سر بھی نظر آرہا ہے۔ آپ اس سے ہیرے کے حجم کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

۳۔ تصویر میں جو ایک چھوٹے سے قد کے صاحب کھڑے نظر آرہے ہیں وہ دنیا کے سب سے پست قامت انسان ڈومینیکسن ری پبلک کے نیلسن ڈی لاروزا اکینو ہیں۔ نیلسن جون ۱۹۶۸ء میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ پست قامت نوجوان سیکلس سنڈرم نامی مرض کا شکار ہیں۔ ۲ اپریل ۱۹۸۷ء کو جب ان کا مکمل میڈیکل چیک اپ کیا گیا تو پتہ چلا کہ ان کا وزن ۶٫۸۱ کلو گرام اور قد ۲۸٫۳ انچ ہے۔ نیلسن صاحب کا سینہ ۱۷ انچ اور کمر ۱۶ انچ کی ہے۔ ڈاکٹروں کے مطابق نیلسن کا قد اب اور نہیں بڑھ سکے گا۔

۴۔ آپ کو تصویر میں ایک سائیکل پر کافی افراد سوار نظر آرہے ہیں۔ ان سواروں کی کل تعداد سولہ ہے۔ ایک سائیکل پر ۱۶ افراد کو سوار کر کے سائیکل چلانے کا مظاہرہ جاپان کے ایک سائیکل کلب کے ممبروں نے کیا۔ ان سولہ سواروں نے ایک سائیکل پر ۱۶۴ فٹ (۵۰) میٹر کا فاصلہ طے کیا۔

۵ تصویر میں آپ کو جو مینڈک صاحب نظر آرہے ہیں۔ ان کا شمار دنیا کے چند بڑے مینڈکوں میں ہوتا ہے۔ ان مینڈک صاحب کا نام "کولوس" ہے۔ یہ ۱۹۷۸ء میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت کولوس صاحب کا وزن ۱٫۸۹ کلو گرام ہے۔

۶۔ تصویر میں ٹائر کے اندر آپ کو جو صاحب نظر آرہے ہیں۔ وہ پرتگال کے انتونیو فیردرو ہیں۔ ان کا ۱۱ فروری ۱۹۸۹ء کو انتقال ہو گیا تھا، ان کا قد صرف ساڑھے ۲۹ انچ تھا، وہ ایک پاپ میوزک گروپ میں ڈرم بجایا کرتے تھے۔

شاہنواز فاروقی

افسر ہے، نہ ابّا ہیں، نہ بھیّا ہیں نہ بھائی
رشوت ہے حقیقت میں ہر اک کام کی چابی
دنیا کا ہر اک کام نکل جاتا ہے اِس سے
دل چیز ہے کیا، سنگ پگھل جاتا ہے اِس سے
ساتھی ہے یہ ہر حال میں ساتھی سے زیادہ
قوت ہے میّسر اِسے ہاتھی سے زیادہ
جس کام کو رشوت کا سہارا نہیں ملتا
اُس کام کی کشتی کو کنارہ نہیں ملتا
بارے میں ہے رشوت کے یہ اک رائے بہت عام
رشوت سے جدا ہوتے ہی دنیا کا ہر اک کام
گر موت سے بچ جائے گا، مُفلس کمانے لگے گا
بد شکل سا ہو جائے گا اِترانے لگے گا
بازار میں دنیا کے کئی رنگ ہیں اس کے
جو ڈھنگ ہیں ابلیس کے وہ ڈھنگ ہیں اِس کے
محشر میں مگر اِس کے سبھی رنگ ڈھلیں گے
اُس روز تو اعمال کے سکّے ہی چلیں گے

بہادر جارج

شکیل صدیقی

میرا نام جارج ہے اور عمر بارہ سال، مگر میں بہت ڈرپوک اور بزدل ہوں۔ ممی مجھے دلاسا دیتی رہتی ہیں اور میرا حوصلہ بڑھاتی رہتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ مجھے ڈیڈی کی جگہ لینی ہے اور یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب میں ان کی طرح نڈر اور بے خوف بنوں۔ میں تن درست اور توانا ہوں۔ میرے ہاتھوں اور پاؤں میں کوئی خرابی نہیں ہے۔ پھر بھی نہ جانے کیوں میں ہلکی سی آہٹ پر اچھل پڑتا ہوں یا کوئی زور سے بول اٹھتا ہے تو چونک جاتا ہوں۔ ممی مجھے سمجھاتی ہیں کہ پریشانی میں اگر انسان اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھے تو وہ سب الجھنوں پر قابو پا سکتا ہے اور اسے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ میں ان کے کہنے پر عمل کرنے کی کوشش کرتا ہوں، لیکن پریشانی کے وقت میرے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور مجھ پر گھبراہٹ طاری ہو جاتی ہے۔

سردیاں آنے والی تھیں اور ہمارے پاس گرم کپڑے نہیں تھے۔ جو تھے وہ پھٹ چکے تھے۔ اسی وجہ سے ڈیڈی، ممی اور لیزی شہر جا رہے تھے۔ انھوں نے مجھے فارم پر اکیلا چھوڑ دیا تھا تاکہ میں کھیتوں کی دیکھ بھال کرتا رہوں اور جنگلی سوؤروں کو قریب نہ آنے دوں۔

"مگر مجھے ڈر لگے گا۔" میں نے ممی سے کہا۔

"کیوں بھئی ڈرنے کی کیا بات ہے؟ ابھی دوپہر کے تین بجے ہیں اور ہم لوگ پانچ چھے بجے تک واپس آجائیں گے۔" ڈیڈی نے چھڑی ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ اچھے کسانوں کی طرح ہاتھ میں چھڑی ضرور رکھتے تھے۔

"گھبرانا نہیں اور اپنے دوست جوزف کو فون کرکے بلا لینا۔" ممی نے کہا۔

"دوست کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے بھائی جان! آپ کو ڈر لگے تو کمبل میں منہ چھپا کر لیٹ جایئے گا۔" لیزی نے شرارت سے کہا اور زبان دکھا کر کار میں بیٹھ گئی۔

مجھے اس چڑیل پر بہت غصہ آیا، جی چاہا کہ اس کے کان کھینچوں، لیکن ممی ڈیڈی کی وجہ سے ایسا نہ کرسکا۔ وہ سب کار میں بیٹھ گئے اور کار دھول اڑاتی ہوئی چلی گئی۔

ان لوگوں کے جانے کے بعد میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ پھر میں نے بطخوں کے پنجرے سے انڈے نکالے اور پنجرے کی صفائی کر ڈالی۔ اس کام میں آدھا گھنٹہ اتنی آسانی سے گزر گیا کہ احساس ہی نہیں ہوا۔ بطخوں اور مرغیوں کے پنجرے مکان کے باہر ہیں' اس لیے صفائی میں آسانی رہتی ہے۔

ہم لوگ دیہات میں رہتے ہیں اور ہمارا ایک بڑا فارم ہے۔ یہاں مکان دور دور ہیں۔ شہر کی طرح ہمیں بجلی' پانی اور ٹیلے فون کی سہولت تو حاصل ہے' لیکن آبادی کم ہونے کی وجہ سے اکیلے پن کا احساس بہت ہوتا ہے۔ سب سے قریب ترین مکان جہاں میرا دوست جیک رہتا ہے تقریباً آدھے میل پر ہے۔ میرا اسکول چار میل دور ہے جہاں میں وین میں جاتا ہوں' لیکن جس روز وین نہیں آتی مجھے اور لیزی کو پیدل اسکول جانا پڑتا ہے۔

میں نے پنجرہ صاف کرنے کے بعد ماتھے سے پسینا صاف کیا اور اندر کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک پیچھے سے آواز آئی: "واہ بھئی واہ! اتنے ڈھیر سارے انڈے! میرے لیے اس سب کا آملیٹ بنادو لڑکے۔ میں بہت بھوکا ہوں۔"

میں بری طرح گھبرا گیا اور انڈے میرے ہاتھ سے گرتے گرتے بچے۔ دراصل وہ آواز اتنی خوف ناک تھی کہ میں ڈر گیا۔ میں نے اپنی زندگی میں کبھی ایسی آواز نہیں سنی تھی' کڑک دار اور کھردری!

میں نے سیدھی طرف گردن گھمائی۔ شہتوت کے درخت کے پیچھے سے ایک عجیب سا آدمی نکلا۔ وہ چھوٹے قد کا اور دبلا پتلا تھا۔ اس کی آنکھیں الّو کی طرح پیلی' ناک توتے کی طرح اور کان ٹیڑھے تھے۔ اس کا شیو بڑھا ہوا تھا اور چہرے پر کھرونچوں کے بہت سے نشان تھے جیسے لڑائی جھگڑے میں آجاتے ہیں۔ اس کے سر پر بال بہت کم تھے اور جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے۔ اسے دیکھ کر مجھے بہت ڈر لگا اور میری ٹانگیں کانپنے لگیں۔ حال آنکہ ممی مجھے اچھی طرح نصیحت کر کے گئی تھی اور انھوں نے میرا حوصلہ بھی بڑھایا تھا کہ میں بالکل نہ گھبراؤں' مگر میں بھول گیا۔

اس خوف ناک آدمی سے بچنے کی ایک ہی صورت تھی کہ میں بھاگ کر گھر میں داخل ہو جاؤں اور اندر سے دروازہ بند کرلوں۔ میں نے ہمت کی اور دوڑ کر گھر کے اندر چلا گیا۔ پھر میں

نے دروازہ بھی بند کر لیا' لیکن وہ آدمی بھی کم پھرتیلا نہ تھا۔ وہ بھی میرے پیچھے پیچھے دوڑ کر آگیا اور اس نے دروازے میں اپنا پاؤں اڑا دیا۔ خاصا زور لگانے پر بھی مجھ سے دروازہ بند نہ ہو سکا تو وہ خوف ناک انداز میں ہنسا اور اطمینان سے اندر آگیا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ بہت طاقت ور ہے۔ میرے دماغ میں بار بار یہی خیال آ رہا تھا کہ وہ مجھے مار ڈالے گا۔

"یہاں سے بھاگ جاؤ ! تم یہاں کیوں آئے ہو؟ میں پولیس کو فون کر دوں گا۔" میں چیخا۔

"مگر میں تمھیں ایسا نہیں کرنے دوں گا۔" اس نے اپنے گندے دانت نکالتے ہوئے کہا۔

میں نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں تو آتش دان کے قریب راکھ کریدنے کی سلاخ دکھائی دی۔ میں نے دوڑ کر اسے اٹھا لیا۔ پھر اس کی طرف مڑ کر کہا: "کیا چاہتے ہو تم؟" میری آواز بری طرح کانپ رہی تھی۔

وہ کھانے کی میز کے قریب گیا اور ایک کرسی گھسیٹ کر اطمینان سے بیٹھ گیا۔ میرے ہاتھ میں لوہے کی سلاخ دیکھ کر وہ بالکل خوف زدہ نہیں تھا۔ اس کے جسم پر گندے اور سلوٹوں والے کپڑے تھے۔ اس کے کوٹ کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا جیسے اس نے آلوؤں کی کوئی بوری اوڑھ رکھی ہو۔

اس نے خوف ناک لہجے میں کہا : لڑکے ! سلاخ ایک طرف پھینک دو ورنہ۔۔۔"

میرے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے اور لوہے کی سلاخ ہاتھ سے چھوٹ کر گر گئی۔

"جانتے ہو میں کون ہوں؟" اس نے سختی سے پوچھا۔

"ن نہیں۔" میں نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ میرے ہونٹ خشک ہو رہے تھے۔

"میں ڈاکو ہوں۔ میں نے بے شمار ڈاکے ڈالے۔ میں کئی مرتبہ پکڑا گیا' مگر ہر بار آزاد ہو گیا۔ پولیس نے مجھے گرفتار کر لیا اور مجھے عمر قید کی سزا دے دی گئی' لیکن آج میں جیل سے فرار ہو گیا ہوں۔"

اس کی خوف ناک باتیں سن کر میرے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ مجھے ممی اور ڈیڈی شدت سے یاد آنے لگے۔

"تم نے پوچھا تھا کہ میں کیا چاہتا ہوں۔ مجھے کھانا چاہیے۔ میں برسوں سے اچھے کھانے کو ترس رہا ہوں۔ میرے لیے بھنا ہوا گوشت' ابلے ہوئے انڈے اور سفید آٹے کی روٹی لے کر

آؤ۔ پھر بعد میں چائے یا کوئی بھی۔ اوہ ہاں یہ تو میں بھول ہی گیا کہ میں کھانے کے بعد میٹھا بھی کھاتا ہوں۔ تم میرے لیے کیک یا پیسٹری وغیرہ لا سکتے ہو۔" اس نے کہا اور پھر اپنے ہونٹوں پر ندیدوں کی طرح زبان پھیرنے لگا۔

باورچی خانہ اندر تھا۔ میں لڑکھڑاتے قدموں سے اس طرف چلا گیا۔ مکان کا ایک ہی دروازہ تھا اور وہاں سے نکلنا اب ناممکن تھا' اس لیے کہ وہ ڈاکو دروازے کے قریب ہی بیٹھا تھا۔ وہ دھمکی دے چکا تھا کہ اگر میں نے گڑبڑ کی تو وہ میرے ساتھ بُرا سلوک کرے گا۔

میں نے کسی نہ کسی طرح سے اس کے لیے کھانا تیار کیا اور لا کر اس کے سامنے میز پر رکھ دیا۔ وہ کھانے پر اس طرح سے ٹوٹ پڑا جیسے برسوں کا بھوکا ہو۔ کھانا تیار کرنے کے دوران میرا خوف کچھ کم ہو چکا تھا۔ مجھے بار بار ممی کی باتیں یاد آ رہی تھیں کہ مصیبت کے وقت اپنے دل و دماغ کو قابو میں رکھنا چاہیے۔

میں دور کھڑا اسے کھاتا دیکھ رہا تھا۔ میرے دماغ میں سیکڑوں خیالات آ رہے تھے۔ میرا دل چپکے چپکے کہہ رہا تھا کہ یہاں سے بھاگ جاؤں اور پڑوس کے مکان سے پولیس کو فون کر دوں' لیکن پھر اس کا خوف ناک چہرہ دیکھ کر یہ ارادہ ملتوی کر دیا۔

وہ جانوروں کی طرح کھا رہا تھا۔ وہ چوں کہ بہت بھوکا تھا' اس لیے دونوں ہاتھوں سے کھا رہا تھا اور جلد از جلد اپنا پیٹ بھر لینا چاہتا تھا۔

اسی وقت دروازے کے قریب دیوار پر لگی ہوئی گھڑی نے پانچ بجائے تو مجھے ہوش آ گیا۔ ڈیڈی اور ممی کے آنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ اگر اس دوران کوئی اور آ جاتا تو میری جان بچ سکتی تھی اور میں اس ڈاکو سے چھٹکارا حاصل کر سکتا تھا۔

میں سوچنے لگا کہ اگر ہمت سے کام لوں تو کیا اس دبلے پتلے آدمی کو نہیں پکڑ سکتا۔

"تم منہ کھولے کھڑے مجھے کیوں گھور رہے ہو؟ کیا میں کوئی بندر ہوں؟ جاؤ اور دوڑ کر اپنی ممی کی الماری سے ساری رقم نکال کر لاؤ۔" اس نے سخت لہجے میں مجھے حکم دیا۔

"الماری کی چابی میرے پاس نہیں ہے۔" میں نے روتے ہوئے کہا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ کہ میں رو کیوں رہا ہوں؟ مجھے حوصلہ رکھنا چاہیے۔ ممی نے چلتے وقت کہا تھا کہ۔۔۔۔"

"رقم لے کر آؤ ورنہ۔۔۔۔" وہ دہاڑا۔

میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں اور کانپنے لگا۔ الماری کی چابی میرے پاس تھی، مگر میں رقم نہیں دینا چاہتا تھا۔

"جاؤ! رقم لے کر آؤ۔" وہ حلق پھاڑ کر چیخا۔

"اب۔ بھ۔ بھی لاتا ہوں۔" میں نے گھبرا کر کہا۔ گھبراہٹ میں میرے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ میں دوڑ کر دوسرے کمرے میں گیا۔ پھر جیب سے چابی نکال کر الماری کھولنے لگا۔ جب میں تجوری سے رقم نکال رہا تھا تو مجھے خود پر غصہ آ رہا تھا۔ آخر میں اتنا بزدل کیوں ہوں؟ اس کا مقابلہ کیوں نہیں کرتا؟

میں نے رقم تجوری میں سے نکال کر اسے دی تو وہ بہت خوش ہوا اور اسے جلدی جلدی جیبوں میں ٹھونسنے لگا۔ جب اس کی جیبیں بھر گئیں تو اس نے باقی رقم اچھال دی۔ کمرے میں نوٹ ہی نوٹ بکھر گئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ آدمی جیل سے بھاگا ہوا قیدی ہے، مگر پاگل بھی ہے۔

"ہاہاہا اب میں جہاں جانا چاہوں جا سکتا ہوں۔ پولیس مجھے نہیں ڈھونڈ سکتی۔" وہ کھڑا ہو کر اچھلنے کودنے لگا۔ یکایک اس کی نظر اپنے جوتوں پر پڑی تو اس نے کہا :

"مگر میرے جوتے تو مٹی سے خراب ہو رہے ہیں۔ لڑکے! جلدی سے جا کر پالش کی ڈبیا اور برش لاؤ اور میرے جوتے چمکاؤ۔"

میں اندر جا کر دونوں چیزیں لے آیا تو اس نے ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنا سیدھا پاؤں میری طرف بڑھا دیا۔ اس وقت میں نے اپنی بے عزتی محسوس کی۔ غصے سے میرا برا حال ہو گیا۔ فرش پر بیٹھنے کے بعد میں نے پالش کی ڈبیا اور برش ایک طرف رکھا اور اس کا جوتا تھام لیا۔ اس وقت میرے کان میں جیسے کسی نے کہا :

"یہی موقع ہے جب تم اس ظالم انسان سے پیچھا چھڑا سکتے ہو !"

میں نے اس کی ٹانگ کو پکڑا اور پورا زور لگا کر اسے الٹ دیا۔ اس کے حلق سے ایک چیخ نکلی اور وہ چاروں خانے چت گرا۔ اس نے فوراً اٹھنا چاہا، مگر میں نے اس کی کنپٹی پر ٹھوکر ماردی۔ وہ لڑھک گیا اور مجھے برا بھلا کہنے لگا۔ میں نے اس کے سر پر دو چار ٹھوکریں اور ماریں اور وہ بے ہوش ہو گیا۔

میں بری طرح ہانپ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد جب میرے حواس قابو میں آگئے تو میں دوسرے کمرے کی طرف دوڑا۔ میں نے تھانے کا نمبر ملایا اور سارجنٹ بیکر کو آہستہ آہستہ ساری بات بڑی مشکل سے بتادی۔ میری زبان سے صحیح طرح سے الفاظ بھی نہیں نکل رہے تھے۔ اس نے مجھے تسلی دی اور کہا کہ اطمینان رکھو' میں ابھی آتا ہوں۔

میں سارجنٹ بیکر کا انتظار کرنے لگا۔ ظالم آدمی اب بھی بے ہوش تھا' لیکن مجھے ہر لمحے یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ ہوش میں نہ آجائے۔

پھر میں جلدی سے اپنے مکان سے باہر نکل آیا اور سڑک پر بھاگنے لگا۔ شام ہورہی تھی۔ سامنے سے ایک کار آتی نظر آئی اور میرے قریب آکر رک گئی۔ اس میں سے تین چار آدمی اترے۔ ایک نے مجھے سنبھالا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ سارجنٹ بیکر تھا۔ میں نے اسے کچھ بتانا چاہا' لیکن بول نہ سکا اور بے ہوش ہوگیا۔

جب ہوش آیا تو میں اپنے کمرے میں تھا۔ ممی' ڈیڈی' لیزی اور سارجنٹ بیکر میرے پاس تھے۔ ہمارے قصبے کے ڈاکٹر پیری بھی موجود تھے۔ انھوں نے ہوش میں آنے پر مجھے پیار سے تھپ تھپایا اور مسکرا کر بولے : "اب میں چلتا ہوں۔ یہ اب بالکل ٹھیک ہے۔"

وہ چلے گئے تو ممی نے جھک کر پوچھا : "اب تم کیسے ہو جارج؟"

"بالکل ٹھیک۔" میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"جارج ہم تمھارے شکر گزار ہیں کہ تم نے ایک بہت بڑے ڈاکو کو گرفتار کرادیا' مگر مجھے حیرت ہے کہ تم نے اس پر کیسے قابو پالیا؟" سارجنٹ بیکر نے حیرت سے پوچھا۔

"امی نے مجھے نصیحت کی تھی کہ پریشانی یا مصیبت میں گھبرانا نہیں چاہیے اور خود پر قابو رکھنا چاہیے۔ اس سے تمام پریشانیاں دور ہوسکتی ہیں۔ میں نے اسی نصیحت پر عمل کیا۔ تمام نونہال ساتھیوں کو اس نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔"

سارجنٹ بیکر نے سر ہلایا اور وہاں سے چلے گئے۔

"مجھے اطمینان ہے کہ اب تم میری جگہ لے سکتے ہو۔" ڈیڈی نے کہا اور پیار سے میرا سر سہلانے لگے۔

بچوں کے لیے مذہبی کتابیں

حضرت عمر فاروقؓ — افضال الرحمٰن — ۶/
حضرت یحییٰ علیہ السلام) — منورہ نوری خلیق — ۳/
حضرت آدم علیہ السلام — منورہ نوری خلیق — ۴/
رسالہ دینیات اول — محمد نعیم الدین زبیری — ۳/
رسالہ دینیات دوم — " — ۴/
رسالہ دینیات سوم — " — ۵/
رسالہ دینیات چہارم — " — ۵/
رسالہ دینیات پنجم — " — ۶/
بزرگانِ دین — محمود علی خاں جامعی — ۴/
امت کی مائیں — حسین حسنی — ۴/۵۰
اچھی باتیں — سعد الدین انصاری — ۴/۵۰
خوب سیرت اول — حکیم محمد سعید — ۶/
خوب سیرت دوم — " — ۴/۵۰
سلطان جیؒ — اسلم فرخی — ۴/
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں — فضل قدیر ندوی — ۴/۵۰
رحمان کا جہان — رفیع الزماں زبیری — ۶/
کمسن صحابی — " — ۵/
اسلام کے جاں نثار — " — ۴/
سیرت پاک مختصر مختصر — احمد خاں خلیل — ۳/
نور کے پھول — حکیم محمد سعید — ۹/
سب سے بڑے انسان۔ رسول اللہؐ — " — ۴/۵۰
حضرت حمزہؓ — احتشام علی رحیم آبادی — ۲/
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ — " — ۳/
حضرت ابوہریرہؓ — " — ۴/
حضرت محبوب الٰہیؒ — مشیر الحق — ۲/
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ — " — ۲/
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ — " — ۳/
حضرت معین الدین چشتیؒ — " — ۳/
حضرت ابوبکر صدیقؓ — " — ۶/

حضرت طلحہؓ — " — ۲/
حضرت سلمان فارسیؓ — " — ۲/۵۰
حضرت عبداللہ بن عباسؓ — مشیر الحق — ۲/
نیک بیٹیاں — " — ۲/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ حصہ اول — عبدالواحد سندھی — ۷/۵۰
" حصہ دوم — " — ۶/
قرآن پاک کیا ہے؟ — " — ۴/
اسلام کیسے شروع ہوا؟ — " — ۷/۵۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار، اول، دوم — " — فی حصہ ۶/=
اسلام کے مشہور امیر البحر — " — ۹/
رسول پاکؐ — " — ۶/
دس جنتی — الیاس احمد مجیبی — ۵/۵۰
سرکار کا دربار — " — ۶/۵۰
چار یار — " — ۷/۵۰
آں حضرتؐ (اردو) — " — ۳/۵۰
اللہ کا گھر — خلیل احمد جامعی — ۴/۵۰
اللہ کے خلیل — " — ۲/۵۰
رسول پاک کے اخلاق — " — ۴/
اللہ کے صفی — " — ۲/۵۰
ہمارا دین حصہ اول — سید شہاب الدین دسنوی — ۸/۵۰
" دوم — " — ۷/۵۰
" سوم — " — ۸/۵۰
ارکان اسلام — مولانا اسلم جیراجپوری — ۲/۵۰
عقائد اسلام — ۲/۵۰
خلفائے اربعہ — خواجہ عبدالحئی فاروقی — ۹/
نبیوں کے قصے — " — ۶/۵۰
ہمارے رسولؐ — " — ۶/
پیارے رسولؐ — سلطانہ آصف فیضی — ۴/۵۰
حضرت نظام الدین اولیاء — ادارہ — ۲/
مسلمان بیبیاں — اعجاز الحق قدوسی — ۶/
ہمارے نبیؐ — سید نواب علی رضوی — ۳/۵۰
سرکار دو عالمؐ — محمد حسین حسان — ۴/=
قاعدہ یسرنا القرآن (خورد) — ۴/۵۰

منّے کی ڈائری

ایک تحریر جسے چار ادیبوں نے مکمل کیا

• عبیداللہ کیہر • مجیب ظفر انوار

• طاہر مسعود • منیر احمد راشد

۱۲ ستمبر ۱۹۸۹ء

ارے، یہ جگہ تو بڑی اچھی ہے۔ کتنی نرم نرم سی.......... اور مجھ کو بار بار کوئی جھک کر دیکھتا ہے۔ کتنا مہربان چہرہ لگتا ہے۔ یہ میری امّی ہیں شاید۔ یہ کون آکر انہیں مبارک باد دے رہا ہے۔ میری آنکھیں ابھی پوری طرح نہیں کھلی ہیں نا اس لیے کسی کو پہچان نہیں رہا.......... بھئی آج رات ہی تو میں پیدا ہوا ہوں .... روتا ہوا .... لیکن اتنی مہربان امی کے ہوتے ہوئے مجھے اب رونا نہیں چاہیے۔
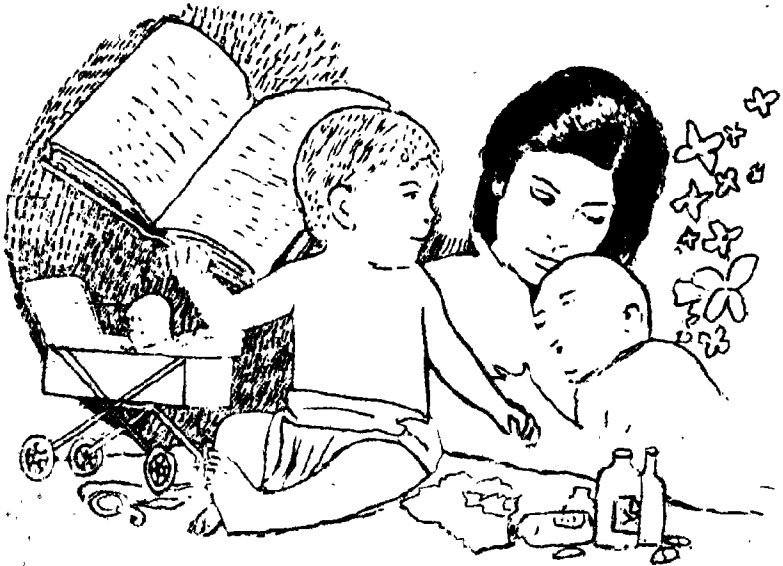
۱۳ اکتوبر

لیجئے جناب آج میں ایک مہینے کا ہو گیا.......... اور اب تو میری سب سے جان پہچان ہو گئی ہے۔ اور ان سب میں امی کے بعد سب سے اچھے ابو جان ہیں.......... وہ جب بھی آتے ہیں مجھے اٹھا کر ہاتھوں پر جھلاتے ہیں.......... امی انہیں غصے سے دیکھتی ہیں اور دوبارہ اپنی جگہ پر سلانے کو کہتی ہیں.......... لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ ابو مجھے اٹھائے رہیں..... میں ابو سے کہتا ہوں کہ مجھے ابھی نہ سلائیں.......... تو وہ ہنس پڑتے ہیں کہ لو بھئی منا غاؤں غاؤں کر رہا ہے.......... اب میں کیا کروں۔ میں جو بات کہتا ہوں سب اسے غاؤں غاؤں سمجھ کر ٹال دیتے ہیں۔

۱۸ اکتوبر

اف.......... یہ دوا تو بڑی بے مزہ چیز ہوتی ہے.......... کاش امی احتیاط کرتیں تو میں اس کو کھانے سے بچ جاتا.......... ہوا یوں کہ کل رات سوتے میں میرا چھوٹا سا کمبل میرے اوپر سے کھسک کر پنگھوڑے کی سائڈ میں چلا گیا۔ اور مجھے اچانک سردی جو لگی تو میری آنکھ کھل گئی.......... دیکھا تو کمبل اوپر ہے ہی نہیں.......... اب میں اتنا چھوٹا سا ہوں کہ کمبل دوبارہ اٹھا کر اپنے اوپر بھی نہیں ڈال سکتا تھا اور زور زور سے رو کر امی کو جگانے کا دل بھی نہیں چاہ رہا تھا۔ آخر وہی ہوا جس کا ڈر تھا۔ سردی سے بخار ہو گیا ہے اور اب یہ کڑوی دوا پینی پڑ رہی ہے۔

یکم نومبر

آہا ہا.......... آج بڑا مزا آیا۔ ابو مجھے اور امی کو کار میں بٹھا کر ہسپتال لے گئے۔ راستے میں بڑے رنگ برنگے منظر تھے امی مجھے گود میں اٹھائے شیشے سے باہر کے منظر دکھا رہی تھیں مگر تھوڑی دیر بعد انہوں نے مجھے گود میں لٹا دیا اور میں باہر کے منظر دیکھنے سے محروم ہو گیا میں نے امی سے کہا کہ مجھے دوبارہ اوپر کریں.......... مگر انہیں سمجھ میں نہیں آیا۔ ہنس کر ابو سے کہنے لگیں دیکھیں منا خوش ہو کر قلقاریاں مار رہا ہے۔

۵ نومبر

اُف.......... بڑا درد ہو رہا ہے بھئی.......... اور یہ سب میری بے وقوفی کا نتیجہ ہے..........
اصل میں ہوا یہ کہ ابو کا چشمہ میرے پنگھوڑے کے ساتھ والی میز پر رکھا ہوا تھا۔ مجھے یہ چشمہ ابو کی آنکھوں پر بہت اچھا لگتا ہے۔ میں نے سوچا کہ آج میں بھی اسے پہن کر دیکھوں۔ بس یہ سوچ کر میں نے

لپنا ہاتھ چشمے کی طرف بڑھادیا لیکن میز زیادہ دور تھی لہٰذا میں اور کھسکا.......... اور کھسکا اور پھر دھڑام سے نیچے.......... سر میں بڑی زور سے چوٹ لگی اور ایک بازو بھی دب گیا۔ میں اپنی حرکت پر شرمندہ ہو رہا تھا اور چاہتا تھا کہ امی کو پتہ نہ چلے لیکن میری چیخیں تھیں کہ رک ہی نہیں رہی تھیں۔ مجبوراً روتا رہا۔ امی بھاگی بھاگی آئیں اور گھبرا کر اٹھالیا اور گلے سے لگالیا.......... خیر اب تو کافی دیر ہو گئی اس حادثے کو.......... میرا رونا بھی رک چکا ہے مگر سر پر ایک گومڑا ابھی تک موجود ہے۔

۸ نومبر

میرے سر کا گومڑا اب ٹھیک ہو گیا ہے۔ لیکن گومڑ میرے سر پر نکلا اور شامت امی جان کی آئی۔ پورے ایک دن ابو اور امی میں بات چیت بند رہی۔ دونوں میں لڑائی بھی ہوئی۔ ہوا یوں کہ جس روز میں گرا تھا، اسی شام کو جب ابو آفس سے آئے تو امی نے فوراً ہی دن بھر کی رپورٹ پیش کر دی۔ ابّو کو جیسے ہی میرے گرنے کا معلوم ہوا وہ امی جان پر بہت ناراض ہوئے اور ان سے کہا کہ وہ نہایت لاپروا اور غیر ذمہ دار ہیں۔ آگے سے امی جان نے بھی کچھ کہا جس کے بعد دونوں میں زبردست لڑائی چھڑ گئی۔ میں پہلے تو چپ چاپ لیٹا یہ سارا تماشا دیکھتا رہا لیکن جونہی ابو جان چلائے.......... میں زور زور سے رونے لگا۔ دیکھا جائے تو یہ لڑائی ابھی کچھ دیر اور چلتی لیکن میرے رونے کی وجہ سے دونوں گھبرا کر اپنا جھگڑا بھول کر میری طرف متوجہ ہو گئے اور لگے مجھے چپ کرانے۔ چلیے حساب برابر ہوا۔ میری ہی وجہ سے ان میں لڑائی ہوئی اور میں نے ہی ان میں صلح صفائی کرادی۔

۱۵ اپریل ۱۹۹۰ء

معاف کیجیے.......... میں بہت دنوں تک ڈائری نہیں لکھ سکا۔ اصل میں ادھر میری طبیعت بھی خراب رہی۔ کبھی بخار، کبھی کھانسی، کبھی معدے کی شکایت۔ کیا کروں عمر ہی ایسی ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی سے طبیعت خراب ہو جاتی ہے۔ پھر امی میرا خیال بھی تو بہت کم رکھتی ہیں۔ حالاں کہ جب میں بیمار پڑتا ہوں تو انہیں کو پریشانی اٹھانی پڑتی ہے لیکن اس کے باوجود پتا نہیں کیوں وہ مجھے گرم کپڑے پہنانا بھول جاتی ہیں یا بوتل گرم پانی میں دھوئے بغیر اس میں مجھے دودھ دیتی ہیں۔ جس کے بعد میں بیمار پڑجاتا ہوں۔ ہاں میں یہ بات تو کہنا ہی بھول گیا۔ اب میں فرش پر تھوڑا تھوڑا رینگنے لگا ہوں۔ میں اپنے دونوں ہاتھ فرش پر رکھ کر جب رینگتا ہوں، آگے بڑھتا ہوں تو ابّو بہت خوش ہوتے ہیں وہ تالی بجا بجا کر مجھے اپنی طرف بلاتے ہیں.......... میری اس حرکت کو خاندان میں بہت شہرت مل گئی ہے.......... کل ہی کی بات ہے۔ امی کی بہن آئیں تو انہوں نے پوچھا

"اور منے میاں کرالنگ کرنے لگے؟"

"اف توبہ" امی بولیں "بس مت پوچھو۔ سارا دن کمرے میں بھاگ دوڑ مچائے رہتا ہے۔"

"ماشاء اللہ، ماشاء اللہ۔" خالہ بولیں۔

میں کونے میں بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ اور خوش ہو رہا تھا۔ کسی کے منہ سے اپنی تعریف سنتے ہوئے کتنا مزا آتا تھا۔

۱۱ ستمبر ۹۰ء

پھر وہی ہوا، میں کافی عرصہ تک ڈائری نہ لکھ سکا۔ وجہ وہی پرانی یعنی طبیعت کی خرابی۔ امی جان کی مسلسل بے احتیاطی کی وجہ سے میں مستقل بیمار رہنے لگا ہوں۔ اسی وجہ سے بدن میں سستی اور مزاج میں چڑ چڑا پن پیدا ہو گیا ہے۔ ہر وقت روتے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ کافی دُبلا بھی ہو گیا ہوں میری کمزوری کی وجہ امی جان میرے دانتوں کا نکلنا بتاتی ہیں۔ لیکن اصل وجہ وہی ہے جو میں نے بتائی ہے۔ خیر ایک اس عادت کے علاوہ امی جان بہت اچھی ہیں۔ ہر وقت مجھے سینے سے لگائے رہتی ہیں۔ خود میرا دل بھی ان سے الگ ہونے کو نہیں چاہتا۔ کبھی اگر وہ مجھے زمین پر چھوڑ بھی دیں تو میں غصے سے رونے لگتا ہوں اور وہ مجھے پھر گود میں اٹھالیتی ہیں۔ اب تو یہ حالت ہے کہ وہ اپنے اکثر کام مجھے گود میں اٹھائے اٹھائے کرتی ہیں۔

میں حالاں کہ ایک سال کا ہو گیا ہوں مگر ابھی تک چلنا نہیں سیکھا۔ سیکھوں بھی کیسے۔ گود سے اتروں تو چلوں ناں! ارے ایک سال کے ذکر پر یاد آیا، کل تو میری سالگرہ ہے۔

ہوں، جبھی تو آج ابو دفتر، اور بھیا، باجی اسکول نہیں گئے۔ مگر وہ لوگ تو کہہ رہے تھے کہ آج تو دادا کا یوم وفات ہے۔ اس لئے چھٹی ہے........ میں ان دادا کو جانتا ہوں۔ ہمارے گھر میں ان کی ایک بڑی سی تصویر لگی ہے۔ ایک دن ننھے بھیا اپنی توتلی زبان میں ان کے بارے میں امی جان سے پوچھ رہے تھے تو امی جان نے بتایا تھا کہ دادا بہت بڑے آدمی تھے۔ میں نے سوچا میں بھی بہت بڑا آدمی بنوں گا۔ اور بہت اچھا بھی۔ نہ جانے کیوں اچھا بننا مجھے اچھا لگتا ہے۔ جب کبھی امی جان میرے رونے سے تنگ آکر مجھے چپ کرانے کے لیے بڑے خوشامدانہ انداز میں کہتی ہیں۔

"چپ ہو جا میرے لال۔ دیکھو اچھے بچے نہیں روتے۔ . . تم تو بہت اچھے ہو ناں. . ... بہت پیارے . . . ہوں. . . شاباش چپ ہو جاؤ۔"

تو میں چپ ہو جاتا ہوں اور میرا دل چاہتا ہے امی یونہی میری تعریف کرتی رہیں مگر اکثر ایسا نہیں ہوتا

جب میں تعریف سننے کے لیے دوبارہ رونے لگتا ہوں تو امی جان تنگ آکر ایک چانٹا مار دیتی ہیں...... لو جی سن لو تعریف۔

ہاں تو میں ذکر کر رہا تھا اپنی سالگرہ کا۔ شام کے وقت ابو سالگرہ کے لیے سامان خریدنے اور بھیا، باجی اپنے دوستوں کو دعوت دینے کے لیے گھر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ ننھے بھیا سو رہے تھے۔ اور امی جان باورچی خانے میں رات کا کھانا بنانے میں مصروف تھیں۔ میں اکیلا کمرے کے اندر جھولے میں پڑا تھا۔ اور بور ہو رہا تھا۔ آخر کار میں نے اونچی آواز میں رونا شروع کر دیا۔ امی جان فوراً سب کام چھوڑ چھاڑ کر بھاگیں اور مجھے گود میں اٹھا کر باورچی خانے کے پاس لے گئیں۔ وہ خاصی جلدی میں تھی۔ مجھے دروازے کے پاس بٹھا کر خود پھر کام مصروف ہو گئیں۔ البتہ جاتے جاتے چند رنگ برنگی شیشیاں میرے سامنے ڈال دیں تاکہ میرا دل بہلا رہے اور مجھے اچھا بچہ کہہ کر گویا کہ لازم کر دیا کہ میں کچھ دیر تو اپنی اچھائی کی لاج رکھوں۔

میں تھوڑی دیر شیشیوں سے کھیلتا رہا۔ امی جان اندر باورچی خانے سے ہی مجھ سے کبھی کبھی باتیں کر لیتیں تھیں جن کا جواب دینا میں ضروری نہیں سمجھتا تھا ایک ہرے رنگ کے دودھ والی شیشی مجھے اچھی لگی۔ سوچا ذرا آج ہرا دودھ پی کر دیکھنا چاہیے۔ سفید دودھ بھی مجھے بے حد مرغوب ہے۔ مگر ذائقہ بدلنے میں کیا حرج تھا۔

امی جان میری طرف دیکھے بغیر مجھ سے باتیں کر رہی تھیں............ یا شاید خود سے............ میں اپنے کام میں مگن اس ہرے دودھ کی بوتل کا ڈھکنا کھولنے میں مصروف تھا۔ مگر ڈھکنا نہیں کھلا۔ مجھے غصہ آگیا۔ دھڑام سے وہ بوتل فرش پر دے ماری۔ کانچ کی بوتل کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھر گئے اور دودھ نکل کر میری طرف بہنے لگا۔ میں نے جلدی سے دونوں ہاتھوں سے اس کو سمیٹا اور چاٹنے لگا۔ امی جان، جو دھماکے کی آواز سن کر میری طرف متوجہ ہوئی تھیں فوراً لپکیں اور "ہائے میں مرگئی۔" کہتی ہوئیں میرے پاس آئیں۔ میرے ہاتھوں کو دیکھا منہ کو سونگھا تو پریشان ہو گئیں۔ میں ان کی پریشانی سے بے فکر اپنا ہاتھ چاٹنے کی فکر میں تھا۔ مگر امی نے اسے مضبوطی سے پکڑا اور جلدی سے اپنے ڈوپٹے سے صاف کر دیا۔ میں نے اس زیادتی پر احتجاج کرنے کے لیے رونا چاہا اور رونے کے لیے منہ کھولا۔ مگر اس سے پہلے کہ میرے حلق سے آواز نکلتی، امی جان کی انگلی میرے حلق میں گھس چکی تھی۔ وہ برابر تالو پر مساج کر رہی تھیں۔ ایک عجیب طرح کی گدگدی سی پہلے تالو، پھر حلق اور پھر معدے میں محسوس ہوئی اور مجھے فوراً قے ہوگئی۔ امی جان نے اللہ کا شکر ادا کیا اور مجھے فوراً غسل خانے میں لے جا کر کلیاں کروائیں۔ یہ سب کچھ ایسا آناً فاناً ہوا کہ میں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔ البتہ جب

ذرا حواس درست ہوئے تو میں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ بلکہ اچھی خاصی بلند کی۔ امی جان نے مجھے بستر پر لٹایا، جھولا جھلایا، لوری سنائی، لیکن میں نے بھی قسم کھائی تھی کہ آج چپ نہیں ہوں گا۔

کچھ دیر بعد امی جان دودھ کی بوتل لے آئیں۔ سفید سفید میٹھا دودھ۔ دیکھتے ہی منہ میں پانی بھر نے لگا۔ قے کرنے اور دیر تک رونے کی وجہ سے ویسے بھی مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ اب دودھ کو سامنے دیکھا تو اور طبیعت مچل گئی.......... توبہ ہے صاحب.......... یہ پیٹ بھی کیا بُری چیز ہے۔ اچھے بھلے آدمی کی ناک کٹوا دیتا ہے۔ ساری کی ساری خودداری دھری کی دھری رہ جاتی ہے۔ میں نے بھی رونے والی قسم کی طرف سے آنکھ بند کی اور فیڈر کو دیکھنے لگا۔ میٹھے دودھ کا پہلا گھونٹ حلق سے اتارتے ہی میرے خیالات میں تبدیلی آنے لگی.......... سوچا اتنا غصہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ہرا دودھ نہ ملا نہ سہی۔ سفید تو مل رہا ہے۔ اب امی جان بھی اچھی اچھی لگنے لگیں۔ کیوں کہ وہ بھی پیار سے میرے بالوں میں انگلیاں پھیر اور نظروں سے میری بلائیں لے رہی تھیں۔

جب انسان کے پیٹ میں غذا اور سر پر پیار کا سایہ ہو تو نیند بڑے مزے کی آتی ہے۔

رات میں اچانک میری آنکھ کھلی تو دیکھا ابو میرے اوپر جھکے ہوئے مجھے پیار کر رہے ہیں۔ امی جان کی آواز بھی کان میں آئی۔ کہہ رہی تھیں۔

"آج تو مُنّا اللہ کے ہاں سے لوٹا ہے۔ اماں جان کے کھانے کے بعد کے شربت کی شیشی پتا نہیں کس طرح اس کے ہاتھ لگ گئی اور اس نے اسے توڑ کر اچھی خاصی دوا چاٹ لی۔ وہ تو میں نے دیکھ لیا اور فوراً الٹی کروادی ورنہ..........!"

ابو جان نے یہ سن کر مجھے ڈاکٹر کو دکھانے کی رائے دی۔ جانے یہ ڈاکٹر لوگ کون ہوتے ہیں جو ہر کسی کو بس دیکھتے ہی رہتے ہیں۔ امی جان برابر کہے جا رہے تھیں۔

"آج تو اللہ نے خیر کردی.......... میرا مُنّا اللہ کے ہاں سے لوٹ آیا۔"

ابھی کچھ ہی دن پہلے امی جان کہہ رہی تھیں کہ میں اللہ میاں کے ہاں سے آیا ہوں۔

پھر ایک دن امی بتا رہی تھیں کہ دادا اللہ میاں کے ہاں چلے گئے ہیں۔ دادا اللہ میاں کے ہاں کیوں چلے گئے؟ میری طرح اللہ کے ہاں سے لوٹ کیوں نہ آئے۔ امی جان نے انہیں بھی الٹی کروادی ہوتی۔ خیر چھوڑیئے اس بحث کو۔ میں سونے کی تیاری کرتا ہوں۔ کل میری سالگرہ ہے۔ آپ سب مجھ کو مبارک باد دیجیے، کہیے۔

ہیپی برتھ ڈے ٹو یو مُنّا!

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کی اہم پیش کش
بچوں کے بزرگ ادیبوں کا سوانحی سلسلہ
بابائے اردو
مولوی
عبدالحق
ڈاکٹر خلیق انجم
قیمت ۵۰/۴
مرزا
غالب
اسلم
فرخی
مولانا
شبلی
نعمانی
ڈاکٹر اسلم فرخی
بچوں کے
بزرگ
ادیبوں کا
سوانحی
سلسلے
ڈاکٹر اسلم فرخی
بچوں کے
رنگارنگ
خسرو
(سوانح)
محمد حسین آزاد
(سوانح)
اسلم فرخی
قیمت ۴/-
ڈاکٹر عابد حسین
ڈاکٹر صغرا مہدی
قیمت ۴/-
صالحہ عابد حسین
ڈاکٹر صغرا مہدی
ڈپٹی نذیر احمد
(سوانح)
ڈاکٹر
اسلم فرخی
بچوں کے
اسماعیل میرٹھی
(سوانح)
حکیم نعیم الدین زبیری

میرے پسندیدہ اشعار

پھول سجائے دامن میں اور زخموں کی پہچان نہیں
جو کسی کا دکھ نہ بانٹے پتھر ہے انسان نہیں

نذرانہ بانو کوکنی رتنا گیری۔ جہارا شٹر

مصیبت بھی ٹھکانہ ڈھونڈتی ہے
شریفوں کا گھرانہ ڈھونڈتی ہے!

محمد نہال راہی۔ شاہ پور گھونی ہستی یوپی

نسبت ہے محبت ہے جنہیں رحمت کل سے
بے خوف گزر جائیں گے وہ حشر میں پل سے

مینا بھارتی مدرسہ ضیاء العلوم پہاڑپور کوٹھی
پوسٹ ڈیہول مظفر پور (بہار)

ہے قول محمد قول خدا فرمان نہ بدلا جائے گا
بدلے گا زمانہ لاکھ مگر ایمان نہ بدلا جائے گا

یاسمین احمد بیگ صوبیدار بستی وارڈ ۲
شری رام پور ضلع احمد نگر

وفا کا نام کوئی بھول کر نہیں لیتا
ترے سلوک نے چونکا دیا زمانے کو

ہر پھول کی قسمت میں کہاں نازِ عروساں
کچھ پھول تو ہوتے ہیں مزاروں کے لیے بھی

ہلاوہ مشتاق کھیڈ۔ رتنا گیری

ہمیں دنیا سے کیا مطلب مدرسہ ہے وطن اپنا
مریں گے ہم کتابوں میں ورق ہوگا کفن اپنا

عبدالرحمن بن حکیم عبدالرقیب محلہ پورہ صوفی
پوسٹ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ ۲۷۶۴۰۴

یہ فیضانِ نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے ابراہیم کو آدابِ فرزندی

تُندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب
یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اٹھانے کے لیے

گل کے پھول چُن اے مرنے والے باغِ دنیا سے
کہ بخشش ہو نہیں سکتی کبھی پھولوں کی چادر سے

سید عرفان احمد معرفت جناب عبدالوحید صاحب
محلہ قاضیان چوک مالیر کوٹلہ پنجاب

کچھ دن کے بعد دیکھنا سائنس کی دین سے
جنت کو بھیجے جائیں گے مُردے پلین سے

مدثر نظر ۱۴/۴ شاستری نگر شولا پور ۳

اسلام ابھی تک زندہ ہے قرآن کی عظمت باقی ہے
دستورِ شریعت باقی ہے عرفان حقیقت باقی ہے
اربابِ وفا کے سینوں میں ایماں کی حرارت باقی ہے
توحید پرستوں میں اب تک اسلاف کی جرأت باقی ہے

عرفان احمد عبدالرشید ۱۴۳ کمال پورہ مالیگاؤں

ہزار ہاتھ ملاؤ، گلے ملو سب سے
دلوں کے بیچ مگر فاصلہ تو نکلے گا

اقبال اختر نادان کمال پور، بیرول ضلع
دربھنگہ بہار

گلشنِ ہستی کو پھر سے تازگی مل جائے گی
چل مدینے چل تجھے بھی زندگی مل جائے گی
اے دلِ مغموم نہ مایوس ہو کچھ مانگ لے
اس درِ اقدس سے تجھ کو ہر خوشی مل جائے گی
تو غلامِ احمدِ مختار کے لائق تو بن
شمس تجھ کو بھی یقیناً برتری مل جائیگی

جبین احمد بیگ صوبیدار بستی وارڈ نمبر ۲
شری رام پور ضلع احمد نگر

کیا یہی توحید ہے؟

لب پہ تو اللہ کی تعریف ہے تمجید ہے
اور عمل دیکھیں تو خود ایمان کی تردید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
جن کو وردِ سورۂ اخلاص کی تاکید ہے
ان کو بھی کفار ہی سے خوف اور امید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
خود ہوائے نفس کی ہے بے تکلف پیروی
اور خدائے پاک کے احکام پر تنقید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
جا رہی ہے یک قلم تعلیمِ قرآں کے خلاف
آیتِ قرآں سے جس تقدیر کی تمہید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
مشرکانہ رنگ میں ہوتا ہے اس کا اہتمام
خواہ وہ تقریبِ غم ہے خواہ جشنِ عید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
تو ہے کوشاں دینِ حق کی سربلندی کے لیے
اور باطل قوتوں سے طالبِ تائید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
زندہ مردانِ خدا سے بے نیازی کا سلوک
اور مردوں سے تجھے اولاد کی امید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
سجدہ قبروں پہ نظر دینا پہ، دل نذرِ بتاں
دین کی تنقیص ہیں اغیار کی تقلید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
کعبۂ دل میں بسائے جا رہے ہیں بت نئے
جاہلیت کے پرانے دور کی تجدید ہے
کیا یہی توحید ہے
اب مسلماں کو نہیں لا تقنطوا کا بھی یقیں
کفر سے مرعوب ہے اسلام سے نومید ہے
کیا یہی توحید ہے؟
وحدتِ ملت ہوئی ہے منتشر !!!
انتشارِ فکر کی سو طرح سے تائید ہے
کیا یہی توحید ہے؟

مدثر شیخ نذیر احمد ۲۲ تھانہ روڈ
بھیونڈی۔ ضلع تھانہ مہاراشٹر

محنت

انظر، اکرم، عبید اور بابو
دیکھو اب محنت کا جادو
سارے بچے پاس آجائیں
محنت کیا ہے ہم بتلائیں
محنت اک ایسی چابی ہے
جس سے قسمت کھل جاتی ہے
محنت سے سب ڈگری پائیں
محنت سے ہی نام کمائیں
محنت سے جو کام کرے گا
دنیا میں وہ نام کرے گا

عبید الرحمٰن محلہ ملکیانہ پھلواری شریف۔ پٹنہ

فطرت کو ناپسند ہے سختی زبان میں
پیدا ہوئی نہ اس لیے ہڈی زبان میں

شیخ اصغر شیخ غلام قادری شاہ بابا کی درگاہ
قاضی نگر بھنڈارہ ۴۴۱۹۰۴

رات معصوم ہے گناہوں کو چھپا لیتی ہے
دل ستم پیشہ ہے رازوں کو اگل دیتا ہے

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئی صبح و شام پیدا کر

محمد مجاہد الاسلام رد پولوی دار العلوم
احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ بہار

بارش کا ایک دن

ٹپ ٹپ کرکے بوندی آئی
بارش نے بھی زور لگایا
ممی نے بستر اٹھوایا
پاپا نے کوڑا پھنکوایا
مجّو بارش میں نہایا
میں نے سوچا میں کیا کروں ؟
بیٹھے بیٹھے کیوں دیکھوں
میں بھی مستی میں جھوموں
جاؤں باغ میں اور گھوموں
شوبی نے کھانا کھایا
شہناز کو ممی نے بلوایا
مجّو نے بھی کپڑے بدلے

عمرا افروز دختر مشہور علی خاں درجہ سوم
سینٹ میری اسکول سہارن پور

نور کی کرن پھوٹی آپ کے گھرانے سے
دو جہاں ہوئے روشن آپ ہی کے آنے سے

محمد عارف سلیم نالہ روڈ ڈرا وڑ کیلا۔

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

عبد القیوم موضع بھٹیا پوسٹ مروٹیا بازار
ضلع سدھارتھ نگر۔ یوپی

اپنے کرم کا صدقہ روزِ حساب یارب
عاصی ہے نام میرا آموزگار تیرا

محمد امین اماموری پاتے پور ویشالی

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا !

محمد معز الدین عامر ضلع کریم نگر (اے۔ پی)

سہانی رات تھی اور پُر سکوں زمانہ تھا
اثر میں ڈوبا ہوا جذبِ عاشقانہ تھا
انھیں تو عرش پہ محبوب کو بلانا تھا
طلب تھی دید کی معراج کا بہانہ تھا

حلیم احمد گلزار گلی مجرا موسن پورہ بالاپور۔ آکولہ

اے خالقِ دو عالم آمرزگار تو ہے
شاہ و گدا کا بے شک پروردگار ہے
اک لفظ کن سے سارا عالم بنایا تو نے
عظمت تری نرالی باختیار تو ہے

مرسلہ:- فوزان احمد اقراء ماڈل اسکول
(مرکز التوحید)، کرشنا نگر نیپال

جب تک مرد مسلم پہلے فنا ہوتی ہے
تب کسی قوم کی شوکت پہ زوال آتا ہے

ماسٹر اعجاز احمد منگرول پیر آکولہ

علم

علم انسان کو جینا بھی سکھا دیتا ہے
علم نادان کو دانا بھی بنا دیتا ہے
علم سے ہوتا ہے ایمان کا جذبہ پیدا
علم ایمان کی حقیقت بھی بتا دیتا ہے
علم سے ہوتا ہے بندہ کی دعاؤں میں اثر
علم ایام مصیبت بھی گھٹا دیتا ہے

عذرا تبسم ہاشمی مومن پورہ ملکاپور سٹی۔ ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

خوبیاں بھی اس میں کچھ ہوں گی ضرور
کیوں کسی کے عیب ہی دیکھا کروں

محمد فرقان این۔آر۔آر روڈ آسنسول

وہ میرے لمحات جو گزرے خدا کی یاد میں
بس وہی لمحات میری زیست کا حاصل رہے

سید احمد علی ولد سید منصور علی تلیہ سنیج ایم پی

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

انیس شاہ ولد یونس شاہ۔ برھوارہ انجن گاؤں سورجی، ضلع امراوتی

کوشش رزق میں جانا ہے بہت دور مجھے
اے خدا بھول سے بچوں کی حفاظت کرنا

عبداللہ ہلال کمال پورہ مالیگاؤں۔ ایم ایس

قرآن پاک

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں
جزدان حریر و ریشم کے اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے خوشبو میں بسایا جاتا ہوں
جس طرح سے طوطا مینا کو کچھ بول سکھائے جاتے ہیں
اس طرح پڑھایا جاتا ہوں اس طرح سکھایا جاتا ہوں
جب قول قسم لینے کے لیے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں
دل سوز سے خالی رہتے ہیں آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسے میں پڑھ پڑھ کر سنایا جاتا ہوں
نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے سچائی سے بڑھ کر دھوکا ہے
اک بار ہنسایا جاتا ہوں سو بار رلایا جاتا ہوں

شاہدہ نظیر شاہ، اورنگ آباد بہار

گن گا رہے ہیں ہر دم اہل جہاں اُسی کا
محتاج جو ہوا نہ ہرگز کبھی کسی کا
جو اسوۂ نبیؐ کا عامل ہے جنتی ہے
ایماں ہے نام میرے آقا کی پیروی کا

جہاد زیست میں اعمال صالح ڈھال ہیں اپنے
سپاہی ہم ہیں یا قول نبیؐ سالار لشکر ہیں
محمد مصطفےٰ ہیں ناخدا کشتی امت
ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ اس کے لنگر ہیں

امتیاز احمد دیپالک ابراہیم پور اعظم گڑھ یوپی

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط اتنی ہے کہ سلیقے سے تراشا جائے

سکینہ نور سید انوار مانک چوک ضلع بلڈانہ

ہمت والے

عزم مصمم والے ہیں ہم
جو کہتے ہیں کرتے ہیں ہم
آندھی آئے یا پھر طوفاں
نہیں راہ میں رُکتے ہیں ہم
رستے میں کانٹے بھر جائیں
پھر بھی نہیں گھبراتے ہیں ہم
ہر ایک قدم ہے اگلا قدم
بڑھ کر منزل پاتے ہیں ہم

اشہر شباب اعظمی کمراواں اعظم گڑھ یو پی

تیرے کرم کا طالب تیری نظر کا خواہاں
کوتاہیوں پہ اپنی شرما گیا ہوں یارب
دل زخم زخم میرا ہر لمحہ داغ داغ
غم کی کڑی تپش سے کمھلا گیا ہوں یارب

عابد علی خاں شیروانی، مالیرکوٹلہ پنجاب

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

★

بلند رکھنا خیال اپنا، نگاہ اپنی، مزاج اپنا
نہ ڈگمگائیں قدم تمہارے کچھ ایسا رکھنا وقار اپنا

سعدیہ فخر الدین دلشکر، بائیکلہ اردو دیان میونسپل بلڈنگ بمبئی

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

★

یہی ہے عبادت، یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

انصاری رمضان امین انصار نگر ضلع دھولیہ مہاراشٹر

بچپن

ابھی تو ہے میرا بچپن
مری دنیا ایک گلشن
جگ مگ کرتا گھر آنگن
کیسا غم! کیسی اُلجھن
ابھی تو ہے میرا بچپن

کیا ہے ابّو کی زحمت
امّی کی کیسی دقت
میری قسمت میں رحمت
کیا ہے نعمت، کیسا دھن
ابھی تو ہے میرا بچپن

روز کہانی سنتا ہوں
اپنا دل بہلاتا ہوں
دودھ ملائی کھاتا ہوں
بھاشن کیا، کیسا راشن
ابھی تو ہے میرا بچپن

گڈّو سے میں لڑتا ہوں
منّی سے بھی جھگڑتا ہوں
لیکن پھر پچھتاتا ہوں
کیسا حسد اور کیسی جلن
ابھی تو ہے میرا بچپن

دن بھر جو کچھ دیکھتا ہوں
جو کچھ بھی میں کرتا ہوں
بات وہی میں کہتا ہوں
بالکل صاف ہے میرا من
ابھی تو ہے میرا بچپن

مرسلہ
نازش اعظمی

سائنسی موضوعات پر
مکتبہ پیام تعلیم کی فخریہ پیش کش
کمپیوٹر
کیا ہے
ڈاکٹر محمد اسلم پرویز
قیمت ۸/-
سائنس کی دنیا
فرید الدین احمد
قیمت 8/-
یہ کیسا بخار ہے؟
قیمت ۲/۵۰
گندا پانی
قیمت ۲/۵۰
کیوں اور کیسے
محمد ابراہیم شاہ
قیمت 6/-
آپ
کا
جسم
علی ناصر زیدی
قیمت ۶/-
عجائب گھر
قاسم صدیقی
قیمت 10/-

نام۔ محمد ارمان علی تعلیم۔ چوتھی جماعت
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا، دوستی کرنا
پتا۔ معرفت مظفر حسین، ایچ، این، ایس،
۱۲ رام لوچن ملک اسٹریٹ کلکتہ

نام۔ صائمہ عرف شیریں بنت عبدالمالک
تعلیم۔ آئی ایس سی
مشغلہ۔ بہنوں کے خطوں کا جواب دینا
پتا۔ معرفت عبدالمالک ایڈوکیٹ، بلوا گنج، لبریا سرائے
دربھنگہ، بہار

نام۔ سید نازیہ علی
تعلیم۔ نویں جماعت
مشغلہ۔ اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا۔ معرفت محبوب علی کنڈکٹر، کاغذی پورہ
وارڈ نمبر ۱۲، بالاپور ضلع آکولہ

نام۔ سراج الدین عمر ۱۵ سال
تعلیم۔ نویں جماعت
مشغلہ۔ کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا
پتا۔ جامعہ محمدیہ منصورہ، پوسٹ بکس ۴۴، مالیگاؤں
ضلع ناسک، مہاراشٹر
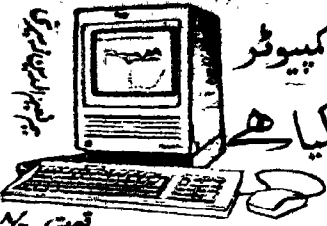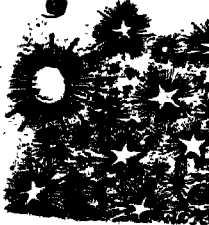
نام۔ شیخ امجد شیخ محمد عبدالرؤف
تعلیم۔ ایس ایس سی
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا۔ محبوب گنج ہیرالال چوک بیڑ، مہاراشٹر

نام۔ شمس تبریز نوری پورلوی عمر ۱۸ سال
تعلیم۔ حافظ قرآن
مشغلہ۔ پیام تعلیم اور اردو کی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا۔ حیدر نگر بالسر قصبہ پورنیہ۔ بہار

نام۔ شمس الدین الیاسی عمر ۲۰ سال
تعلیم۔ عربی
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا۔ مدرسہ انوار العلوم مجگواں، قصبہ پورنیہ بہار

نام۔ محمد عطاء اللہ مظفر پوری
تعلیم۔ عربی چہارم
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا۔ مدرسہ اسلامیہ جھپت مئو، شاخ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

نام۔ عزیز احمد شیروانی
تعلیم۔ عربی اوّل
مشغلہ۔ پیام تعلیم کے قلم کار دوستوں سے خط کتابت کرنا
پتا۔ معرفت عزرا احمد اصلاحی شیرزان پوسٹ سرائے میر
اعظم گڑھ یوپی

نام۔ نزہت پروین
تعلیم۔ چھٹی جماعت
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا۔ معرفت محمد یونس، بہاء الدین پور، کاذر
پوسٹ درگاہ بیلا، ضلع ویشالی بہار

نام:۔ شاہدہ تغلیر شاہ
تعلیم:۔ نویں جماعت
مشغلہ:۔ بہنوں سے قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ انگلوار دو اسکول وارڈ نمبر شری رام پور احمد نگر

نام:۔ شبنم سلمان شاہ
تعلیم:۔ ساتویں جماعت
مشغلہ:۔ فٹ بال کھیلنا، پیاری پیاری باتیں کرنا
پتا:۔ سلیمان شاہ وارڈ نمبر ۲ شری رام پور ضلع احمد نگر۔

نام:۔ محفوظ
تعلیم:۔ بارھویں پاس
مشغلہ:۔ پابندی سے نماز پڑھنا، کشیدہ کاری اچھے اچھے پکوان بنانا۔
پتا:۔ عبدالرؤف پانڈے گھر نمبر ۵۴ بندر روڈ کلیان۔ ضلع تھانہ ۴۲۱۳۰۱

نام:۔ محمد نادر ابن گلاب۔ عمر ۱۰ سال
تعلیم:۔ دوسری جماعت
مشغلہ:۔ سبق یاد کرنا
پتا:۔ مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور۔ ضلع احمد نگر

نام:۔ محمد سید علی
تعلیم:۔ میٹرک
مشغلہ:۔ پیام تعلیم اور G.K پڑھنا۔ ٹی۔ وی دیکھنا۔
پتا:۔ معرفت محمد اسرائیل اعظم اسٹریٹ ایس آر۔ آر روڈ۔ آسنسول ۲

نام:۔ محمد اعظم عمر ۱۴ سال
تعلیم:۔ بارھویں جماعت
مشغلہ:۔ سیر و تفریح کرنا، چھوٹے بچوں کو کہانی سنانا۔
پتا:۔ محمد اعظم شیخ، ناخدا محلہ سرا خوگرھ کاروار۔ کرناٹک ۵۸۱۳۰۲

نام:۔ سہیل پانڈے عمر: ۱۹ سال
تعلیم:۔ ڈپلومہ پہلا سال
مشغلہ:۔ صرف کالج کی پڑھائی پڑھنا۔ نماز پابندی سے پڑھنا
پتا:۔ جی، یم خان، جوسف لائن، سپر سائیکل اسٹور کے سامنے نیو بستی سابرہ ناگپور

نام:۔ محمد امتیاز عمر: ۱۴ سال
تعلیم:۔ درجہ نہم
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا
پتا:۔ محلہ قصاب مکان نمبر بی ۶۰۔ ۲۶۵ مالیر کوٹلہ ۱۴۸۰۲۳ (پنجاب)

نام:۔ محمد شاہنواز عالم، عمر: ۱۵ سال
تعلیم:۔ میٹرک
مشغلہ:۔ قلمی دوستی، کیرم کھیلنا اور کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ محمد شاہنواز عالم کیر آف عبدالرشید، دھوبی سائیکل مستری ریل پار آسنسول بنگال

نام:۔ امجد اختر عبدالرؤف عمر ۱۴ سال
تعلیم:۔ میٹرک
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا اور کرکٹ کھیلنا
پتا:۔ ہیرالال چوک بیڑ (مہاراشٹر)

نام:۔ اختیار احمد عمر: ۱۲ سال
تعلیم:۔ عربی دوم
مشغلہ:۔ نماز کی پابندی اور اساتذہ کی خدمت
پتا:۔ جامعہ عربیہ عین الاسلام نواده مبارکپور اعظم گڑھ۔ یوپی۔

نام:۔ مزمل احمد مستی پور عمر: ۱۸ سال
تعلیم:۔ بی۔ اے آنرس
مشغلہ:۔ مصیبت زدہ سے ہمدردی کرنا قلمی دوستی
پتا:۔ اے۔ ایس عربک کالج لہریا سرائے دربھنگہ بہار

نام:۔ سمیع الرحمٰن عمر: ۱۳ سال
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ دین کا داعی بننا کرکٹ کھیلنا اکراٹے کرنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا۔
پتا:۔ اسلامیہ عربک کالج منصورہ الور ہاسن کرناٹک

نام:۔ عرفان احمد عمر: ۱۴ سال
تعلیم:۔ کلاس VIII
مشغلہ:۔ دینی کتابیں پڑھنا اور معلوماتی کوئز میں حصہ لینا۔
پتا:۔ عرفان احمد قاضی عبدالوحید محلہ قاضیاں چوہٹہ، مالیر کوٹلہ (پنجاب)

نام:۔ محمد شمشاد انور صدیقی عمر: ۱۲ سال
تعلیم:۔ آئی۔ اے سی
مشغلہ:۔ کتابوں کا مطالعہ کرنا۔
پتا:۔ محمد شمشاد انور صدیقی درام پور شمس پور۔ بیلا گنج۔ گیا (بہار)
پن:۔ ۸۰۴۳۴۰۳

نام:۔ محمد عمر
مشغلہ:۔ شور مچانا، کہانی سننا
پتا:۔ محمد اعظم شیخ، ناخدا محلہ سداشوگڑھ کاروار، کرناٹک ۵۸۱۳۵۲

نام:۔ مسعود اختر حمید عمر: ۱۱ سال
تعلیم:۔ جماعت اولیٰ (عربی)
مشغلہ:۔ پیام تعلیم کا بیتابی سے مطالعہ کرنا اور امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہونے کی جدوجہد۔
پتا:۔ سارک انٹرپرائزز، کرشنا نگر ضلع کپلوستو، نیپال۔

نام:۔ عاصم شبیر۔ عمر: ۹ سال
تعلیم:۔ دوسری جماعت۔
مشغلہ:۔ اچھی کتاب پڑھنا
پتا:۔ معرفت مولانا شفیق الرحمٰن صاحب ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

نام:۔ رومی شبیر عمر: ۵ سال
تعلیم اول اوّل
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ مولانا شبیر عالم ندوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء پوسٹ بکس ۹۳ لکھنؤ

نام:۔ ایس ایس جاوید عمر: ۱۴ سال
تعلیم:۔ نویں جماعت۔
مشغلہ:۔ غریبوں کی مدد کرنا اور تمام اخبار و رسائل کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ مدرسہ اسلامیہ پوسٹ رفیع گنج ضلع اورنگ آباد۔ بہار ۸۲۴۱۲۵

نام:۔ قمر الہدیٰ سمیلوی

تعلیم:۔ جاری
مشغلہ:۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا اور دوستی کرنا۔
پتا:۔ اے۔ایس عربک کالج، دربھنگہ۔بہار

نام:۔ محمد ابرار احمد عمر: ۱۴ سال
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا۔
پتا:۔ انسان اسکول کشن گنج (بہار)

نام:۔ ایم نصرالحق عمر: ۱۴ سال
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، دوستی کرنا
پتا:۔ انسان اسکول، کشن گنج (بہار)

نام:۔ محمد اظہر عبدالرزاق شیخ۔
تعلیم:۔ میٹرک
مشغلہ:۔ پیام تعلیم اور دیگر اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔
پتا:۔ مومن پورہ، سلوڑ۔ مہاراشٹر

نام:۔ محمد آصف انور علی عمر: ۱۵ سال
تعلیم:۔ نویں جماعت
مشغلہ:۔ قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ گھر گیاری، ضلع ارریہ (بہار)

نام:۔ آصف۔
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا
پتا:۔ جمالی ہاؤس ہونذر کری بھٹکل۔کرناٹک

نام:۔ ابرار
تعلیم:۔ ساتویں جماعت
مشغلہ:۔ ریسلنگ دکھانا
پتا:۔ جمالی ہاؤس ہونذرکری۔ بھٹکل

نام:۔ نثار احمد منّا
تعلیم:۔ نویں کلاس
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا
پتا:۔ الطاف منیشن مین روڈ، بھٹکل

نام:۔ محمد وسیم عمر: ۱۵ سال
تعلیم:۔ نویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم اور دوسرے رسالے پڑھنا
پتا:۔ انجمن روس، مین روڈ بھٹکل (کرناٹک)

نام:۔ جہاں گیر: عمر ۱۰ سال
تعلیم:۔ ایل۔کے جی
مشغلہ:۔ انگریزی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ عبداللہ پور نیمتھی، بہیری، دربھنگہ

نام:۔ عالمگیر عمر ۱۲ سال
تعلیم:۔ درجہ چہارم
مشغلہ:۔ امنگ اور پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ سلفیہ جونیر اسکول لہریاسرائے، دربھنگہ

نام۔ عابد حسین عمر ۱۲ سال
تعلیم۔ چوتھی جماعت
مشغلہ۔ کرکٹ کھیلنا
پتا۔ معرفت محمد اسلم بہاءالدین پور، کاوا پوسٹ درگاہ بیلا، ضلع ویشالی بہار

۱۔ دنیا میں کرکٹ کا سب سے پہلا میچ ۱۷۵۲ء کو کھیلا گیا۔
۲۔ ٹیسٹ میچ میں سب سے زیادہ رن برائن لارا کے ۳۷۵ رن ہیں۔ یہ ویسٹ انڈیز کا کھلاڑی ہے۔
۳۔ کرکٹ کا آغاز انگلینڈ سے ہوا۔

محمد سالک جمیل مالیر کوٹلہ محلہ امانپورہ پنجاب

۱۔ سب سے موٹا آدمی امریکہ کا رو برٹ لیہوزش ہے جس کا وزن ۴۸۵ کلو ہے۔
۲۔ سب سے لمبا آدمی پاکستان کا عالم چنّا جس کی لمبائی ۸ فٹ ۵ر انچ ہے۔
۳۔ سب سے چھوٹا آدمی ہندستان میں پرانی دلّی کا گل محمد ہے جس کی لمبائی صرف ۲۳ر انچ ہے۔
۴۔ دنیا کی سب سے چھوٹی عورت ہالینڈ کے ویسٹ میڈ لینڈ کی مس جلیجسیر فورڈ جس کی لمبائی صرف ۱۱ر انچ ہے۔

سہیل احمد رفیق احمد سورت یا زار بردوان مغربی بنگال

۲۶ر جنوری تاریخ کے آئینہ میں

۱۔ بابر کی وفات ۲۶ر جنوری ۱۵۳۰ء کو ہوئی۔
۲۔ شیر شاہ سوری نے ۲۶ر جنوری ۱۵۳۵ء میں ہمایوں کو شکست دی۔
۳۔ مغل بادشاہ جہانگیر ۲۶ر جنوری کے دن پیدا ہوا۔
۴۔ ٹیپو سلطان اور انگریزوں کے درمیان لڑائی کا آغاز ۲۶ جنوری ۱۷۹۲ء سے ہوا۔
۵۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۲۶ر جنوری ۱۸۱۴ء کو کلکتہ میں معاہدہ امن کیا تھا۔

سلمان فاروق بیگ اسفیان فاروق بیگ نئی ڈاکپور المعروف نگر

۱۔ بلگام کا اجتماع ۴-۳-۲ دسمبر کو ہوا۔
۲۔ بلگام اجتماع کے لیے ۲۰۰ ایکڑ جگہ لی گئی تھی۔
۳۔ بلگام اجتماع میں ۱۰ ہزار ٹیوب لائٹ لیے گئے تھے۔
۴۔ بلگام اجتماع میں ۵۵ طعام گھر تھے۔
۵۔ بلگام اجتماع میں ۱۰۰۰ دکان تھیں۔
۶۔ بلگام اجتماع میں ۴ جنریٹر لیے گئے تھے
۷۔ بلگام اجتماع میں لوگوں کی شرکت ۵۰ لاکھ تھی۔

غلام دستگیر ملاّ انکلی۔

۱۔ عظیم رب ۔ اللّٰہ
۲۔ عظیم نبی ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
۳۔ عظیم مسجد ۔ مسجد نبوی
۴۔ عظیم دعوت ۔ اذان
۵۔ عظیم کتاب ۔ قرآن مجید
۶۔ عظیم زبان عربی
۷۔ عظیم بزرگ غوث پاکؒ
۸۔ عظیم مذہب اسلام

محمد قمر عالم رحیم آباد دسمستی پور دبہار

* اردو کی پہلی یونی ورسٹی کا نام جامعہ عثمانیہ ہے۔
* عثمانیہ یونی ورسٹی ۸ر اگست ۱۹۱۹ء کو قائم ہوئی۔
* بانگ درا اقبال میں ۲۴۶۵ اشعار ہیں۔
* علم ریاضی میں "صفر" کا استعمال سب سے پہلے محمد ابن موسیٰ الخوارزمی (عرب) نے کیا تھا۔
* بھارت کے پہلے مسلم راشٹر پتی کا نام ڈاکٹر ذاکر حسین تھا۔

شیخ اصغر شیخ غلام قادری شاہ بابا کی درگاہ قاضی نگر بھنڈارہ۔ مہاراشٹر

بھارت میں

سب سے بڑی جھیل بولر جھیل (کشمیر)
سب سے اونچا پل چنبل پل
سب سے لمبا پل۔ مہاتما گاندھی سیتو بہار
سب سے لمبی سرنگ۔ جواہر سرنگ ۲½ کلو میٹر کشمیر
سب سے اونچا دروازہ۔ بلند دروازہ ۱۷۶ فٹ فتح پور سیکری۔

عقیل احمد "پرنس" رانی پور سیوان

۱۔ حضور کی دادی کا نام فاطمہ تھا۔
۲۔ ابولہب کا اصلی نام عبدالعزیٰ تھا۔
۳۔ اردو کے پہلے شاعر امیر خسرو دہلوی تھے۔
۴۔ اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ تھے۔
۵۔ غار حرا مکہ مکرمہ سے تقریباً ۳ میل دور ہے۔
۶۔ غار ثور مکہ مکرمہ سے تقریباً ۹ میل دور ہے۔

طیب حسین راہی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ

۱۔ قرآن پاک کے سب سے پہلے حافظ حضرت عثمان غنیؓ تھے۔
۲۔ جنت کے داروغہ کا نام رضوان ہے اور دوزخ کے داروغہ کا نام مالک ہے۔
۳۔ قرآن پاک کا سب سے پہلے ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا تھا۔
۴۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام طارق تھا۔
۵۔ قربانی اور جہاد کا حکم ۲ھ میں ہوا تھا۔
۶۔ آیت الکرسی کو تمام آیتوں کا سردار کہا جاتا ہے۔

محمد صادق سہیل راجیو نگر پٹنہ ۲۳

* میں اس تلوار کو کسی طرح میان میں نہیں ڈال سکتا جسے اللہ نے کافروں پر مسلط کیا ہو۔
یہ الفاظ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کے لیے کہے تھے۔
* حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے ملک کو صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم کیا تھا۔

مسعود اختر حمید کرشنا نگر۔ نیپال

۱۔ یکم رمضان ۴۷۱ھ کو حضرت عبدالقادر جیلانیؒ پیدا ہوئے۔
۲۔ ۲ر رمضان ۱۳۵۲ھ کو مولوی عبدالباریؒ فرنگی محلی نے وفات پائی۔
۳۔ ۳ر رمضان ۲۶۵ھ کو گیلان میں سید ابو عبداللہ کی پیدائش ہوئی۔
۴۔ ۳ر رمضان ۷۲۴ھ کو شیخ بوعلی شاہ قلندرؒ نے وفات پائی۔

طلحہ نقشبندی القادری بالاپور ضلع آکولہ

اقوالِ زریں

تحفہ

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں وعظ فرما رہے تھے کہ تم لوگ ایک دوسرے کو تحائف دیتے رہا کرو۔ ایک شخص نے پوچھا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی کے پاس تحفہ نہ ہو تو؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کسی کو اپنی مسکراہٹ بھی نہیں دے سکتے؟

خوش خُلقی اور بد خُلقی

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خُلقی گناہوں کو اس طرح پگھلا دیتی ہے جس طرح پانی نمک کو پگھلا دیتا ہے اور بد خُلقی عبادت کو اس طرح خراب کر دیتی ہے جس طرح سرکہ شہد کو خراب کر دیتا ہے۔

سعدیہ فخر الدین دیشمکھ سیوری۔ بمبئی

- بچوں کو تمیز سکھانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کو تمیز سے پکارا جائے۔
- لگن اور اعتماد انسان کو کامیابی سے ہمکنار کر دیتے ہیں۔ (ہٹلر)
- انسان بیوقوف ہے کہ وہ ایک پتنگا یا ایک چیونٹی تک نہیں بنا سکتا مگر سیکڑوں خدا بنا لیتا ہے۔
- علم یہ ہے کہ اچھی بات سنو، لکھ لو، جو سیکھو اسے حفظ کر لو اور پھر اسے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرو۔ (یحییٰ برمکی)
- [illegible] کی طرح [illegible] سورج کی طرح شفیق اور زمین کی طرح نرم ہونا چاہیے۔

محمد ثاقب اعظمی بینا پارہ اعظم گڑھ

دوستی کے قابل کون ہے

جو احسان کر کے بھول جائے۔
جو دوسروں کا عیب چھپائے۔
جو کبھی جھوٹ نہ بولے۔
جو ماں باپ کا فرماں بردار ہو۔
جو عقلمند ہو اور عقل و حکمت کی بات کرے۔

فضل الرحمٰن، کاکٹ پور، پوری، اڑیسہ

علم مال سے بہتر ہے

: اس لیے کہ مال کی حفاظت تجھے کرنی پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کرتا ہے۔
: اس لیے کہ مال فرعون و ہامان کا ترکہ ہے اور علم انبیاء کی میراث ہے۔
: اس لیے کہ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے اور علم ترقی کرتا ہے۔
: اس لیے کہ مال دیر تک رکھنے سے فرسودہ ہو جاتا ہے مگر علم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔
: اس لیے کہ مال کا ہر وقت چوری کا خطرہ ہے علم کا نہیں ہے۔
: اس لیے کہ صاحبِ مال کبھی بخیل بھی کہلاتا ہے مگر صاحبِ علم کریم ہی کہلاتا ہے۔
: اس لیے کہ مال سے تیرا دل تیرہ و تار ہو جاتا ہے اور علم سے دل کو روشنی ملتی ہے۔
: اس لیے کہ مال سے دشمن پیدا ہوتے ہیں مگر علم سے ہر دل عزیزی حاصل ہوتی ہے۔
: اس لیے کہ مال کا قیامت کے دن حساب ہوگا مگر علم پر کوئی حساب نہ ہوگا۔

[illegible]

• [illegible] پاکیزہ جذبہ ہے جس سے [illegible] کو تسکین ہوتی ہے۔
• غم ایک ایسا احساس ہے جس کے اثرات وقت کے ساتھ کم ہوتے جاتے ہیں۔
• دوستی ایک نعمت ہے اس کی ہمیشہ قدر کیجیے۔
• ماں جیسا پیار دنیا کی کوئی ہستی نہیں دے سکتی۔
• ماں کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔
• موت ایک بے خبر ساتھی ہے۔
• مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔
• دوستی پر شبہ زہر ہے۔

نوشاد عالم راہی، گلی یعقوب والی، چاندنی چوک دہلی

نماز

• نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔
• نماز برے کاموں سے روکتی ہے۔
• نماز انسان کو اچھا راستہ دکھاتی ہے۔
• نماز مومن کی معراج ہے۔
• نماز ایمان کی روح ہے۔

سید کلیم رہبر امراپور ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

وقت

• وقت کی قدر کیجیے۔ وقت بڑی نعمت ہے۔
• وقت گزر جائے تو دوبارہ نہیں آتا۔
• وقت کو ضائع کرنے سے پہلے یہ بھی خیال کیجیے کہ آپ اپنے آپ کو ضائع کر رہے ہیں۔
• وقت کو پہچاننے میں غلطی نہ کیجیے۔
• وقت بھی ایک بڑی آزمائش ہے۔

شمائلہ تحسین پربھنی

حضرت [illegible] سے روایت ہے کہ رسول [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دس باتیں فطرت کے مطابق ہیں۔
• بڑی مونچھیں کترنا • داڑھی رکھنا • مسواک کرنا۔
• ناک کو پانی سے صاف کرنا • ناخن تراشنا
• اعضا اور جوڑ دھونا • بغل کے بال صاف کرنا۔
• ناف کے بال صاف کرنا • پانی سے استنجا کرنا۔
راوی کہتا ہے کہ دسویں بات میں بھول گیا جو میرا خیال ہے کہ شاید وہ کلی کرنا ہے۔

محمد توصیف محمد شبیر موہن پورہ، ملکاپور

• اگر خوش رہنا چاہتے ہو تو محنت کرو۔
• پھولوں کی مہک سے لطف اندوز ہونے کے لیے کانٹوں کی چبھن کو برداشت کرنا پڑتا ہے۔
• نفرت جرم سے کرنی چاہیے نہ کہ مجرم سے۔
• بہادر آدمی زندگی میں صرف ایک بار مرتا ہے لیکن بزدل انسان ہر روز مرا کرتا ہے۔
• لوگ بیماری کے ڈر سے غذا چھوڑ دیتے ہیں مگر عذاب کے ڈر سے گناہ نہیں چھوڑتے۔

محمد ساجد، نظامی اسٹور، جگتیال، کریم نگر اے پی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ بولنے کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔" (جامع ترمذی)

دردانہ تسنیم ملکی ملوجی بہار

• زندگی ایک موقع ہے اسے مت کھوئیے۔
• زندگی ایک خواب ہے اسے پورا کیجیے۔

[illegible]

• میں "پیام تعلیم" میں پہلی مرتبہ خط لکھ رہی ہوں۔ پیام تعلیم کا مطالعہ بچپن سے کر رہی ہوں۔ مجھے سب رسالوں میں یہ رسالہ بے حد پسند ہے۔ میں ہر ماہ اس کا بے چینی سے انتظار کرتی ہوں۔ میں اس رسالے میں اقوال زریں بھیج رہی ہوں۔ مہربانی فرما کر شائع کر دیں۔

آمنۃ الصبور ثمین۔ برکت پورہ۔ نظام آباد۔

• سال رواں کے جنوری مہینہ کے شمارے میں "قلمی دوستی" میں آپ نے میرا نام، پتا اور مشغلہ شائع کیا ہے۔ اس کے لیے آپ کا بہت شکریہ!
"پیام تعلیم" حقیقی معنوں میں بچوں کا بہت ہی پسندیدہ اور معلوماتی شمارہ ہے۔ آپ کے حسنِ اخلاق کا قائل ہوں اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کا پرچہ رہتی دنیا تک قائم و دائم رہے۔ آمین

خرم اقبال، نزد مسجد نور، راوڑ کیلا (اڑیسہ)

• ماہ جنوری کا شمارہ باصرہ نواز ہوا، اس رسالے کا میں کافی عرصے سے نہایت پابندی سے مطالعہ کر رہی ہوں اور ہر ماہ اس کا بے چینی سے انتظار کرتی ہوں۔ میں اس رسالے میں پہلی بار شرکت کر رہی ہوں۔ مجھے مایوس نہ کیجیے گا۔ میری دلی تمنا ہے کہ یہ رسالہ اور بھی زیادہ ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔ تمام مضامین پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ "بچوں کی کوششیں" اور "گدگدیاں" دلچسپ تھیں۔

نور الہما قریشی بنت عبدالخالق قریشی، بڑھئی پورہ منگروڈ پیر

• جنوری کا پیام تعلیم اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ جس میں "صدر اور نائب صدر" کافی معلوماتی تھا۔ اور "جب چاند کا داغ چمک اٹھا" اور دیگر مستقل کالم وغیرہ بے حد پسند آئے۔ "بچوں کی کوششیں" کا کالم بہت دلچسپ رہا۔

محمد نفیس انصاری، بالاپور، آکولہ، مہاراشٹر

• میں پیام تعلیم کے ذریعے جنید اختر محمد مرتضیٰ صاحب (مالیگاؤں) کو یہ اطلاع دیتا ہوں کہ میں نے انھیں پانچ سال پہلے ایک خط رجسٹری سے لکھا تھا۔ دوستی کرنے کے لیے لیکن وہ خط واپس آ گیا۔ لہٰذا میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنا مکمل پتا بھیج دیں۔

مجاہد عبدالسمیع، میر شکار ٹولہ پٹنہ ۸۰۰۰۰۷ بہار

• 'پیام تعلیم' میں پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ میرا خط شائع کریں گے یا ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیں گے۔ خیر جنوری کے شمارے میں مجھے خاص طور پر "ماموں لیمو"، "سدا بہار قصے"، اژدھا کہانی، بہت پسند آئی اور گدگدیاں نے تو مجھے گدگدا ہی دیا۔

محمد شیخ سکندر عبدالغنی منزل، رحمت نگر، برہانپور

• جنوری کا پیام تعلیم ستارے کی طرح چمکتا ہوا موصول ہوا۔ چندن کا جنگل، صدر اور نائب صدر

جہاں خصوصی طور پر پسند آئے۔ مضمون نگاروں کو مبارکباد۔ میں ہر ماہ پیام تعلیم کا بے چینی سے انتظار کرتا ہوں۔ اس کو پاکر بہت مسرت ہوتی ہے۔

محمد توصیف، موہن پورہ، ملکاپور ضلع بلڈانہ

● ماہ جنوری کا پیام تعلیم موصول ہوا۔ تمام مضامین قابل تعریف ہیں۔ تمام پیامیوں کو نیا سال مبارک۔

قریشی نعیم اختر عبدالوہاب اسلام پورہ، مالیگاؤں

● جنوری کا پیام تعلیم بہت پسند آیا۔ خاص طور سے دینی مضمون، چھپکلیاں۔ ماموں لیمو، اژدہا کہانی عقابوں کی کہانی، جاگو جگاؤ، اور "پانی زندگی ہے" بہت پسند آئے۔ پسندیدہ اشعار میں اپنا بھیجا ہوا شعر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، اور اس بات کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔

مجاہد علی خاں شیروانی، مالیر کوٹلہ پنجاب

● نئے سال کا پیام تعلیم بہت ہی خوب ہے۔ میں اپنی تحریر دیکھ کر بہت ہی خوش ہوا۔ اور گھر میں سبھی لوگ میری تحریر دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ پھر چاند نکلا، سدا بہار قصے، ماموں لیمو، چندن کا جنگل پھول پھول خوشبو، اور بچوں کی کوششیں، میں جو کہانیاں تھیں وہ بھی بہت پسند آئیں۔ پیام تعلیم کو اللہ تعالیٰ دن دونی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے آمین

عبدالرحمٰن حکیم عبدالرقیب، محلہ پورہ صوفی، مبارک پور

● جنوری کے پیام تعلیم میں جب اپنا نام دیکھا تو میرا دل باغ باغ ہو گیا۔ میں پیام تعلیم کا مطالعہ تقریباً دو سال سے کر رہا ہوں۔ میں اپنے بھائی اور اپنے دوست کا شکر گزار ہوں کہ اس نے پیام تعلیم میں حصہ لینے کا شوق دلایا۔

محمد قمر عالم رحیم آباد۔ سمستی پور بہار

● ماہ جنوری کا [illegible] کا میرا پسندیدہ [illegible] پیام تعلیم میں پڑھ کر خوشی ہوئی۔ تمام مضامین معیاری ہیں میرا ایک ناچیز مشورہ یہ ہے کہ آپ پیام تعلیم میں حیرت انگیز خبریں بھی شائع کیا کریں۔ اس کے ساتھ ہی میں آپ کو اور تمام پیامی بھائیوں کو نئے سال کی مبارک باد دیتا ہوں۔

محمد راغب ظفر، تلیہ کالیٹ اسکول، اررید، بہار

● ماہ جنوری کا "پیام تعلیم" میرے ہاتھ میں ہے۔ اپنا نام "میرے پسندیدہ اشعار" کالم میں دیکھ کر خوشی تو ہوئی مگر میرے پسندیدہ اشعار کے دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے میں آپ نے مدینہ کی جگہ صرف طیبہ شائع کر دیا ہے جو کہ میں نے نہیں لکھا۔ ویسے ساری کہانیاں و مضامین پسند آئے۔

فاروق اعظم حلیم کالج عظیم آباد کالونی شاہ گنج پٹنہ

● ماہ جنوری کا شمارہ دستیاب ہوا۔ یعنی نئے سال کا خوشیوں سے بھرا پیام لے کر پیام تعلیم حاضر ہوا۔ جس میں تمام مضامین قابل تعریف ہیں۔

محمد رضوان قمر، محلہ بھجو، بہار شریف، نالندہ

● جنوری کے پیام تعلیم کا مطالعہ کیا۔ نئے سال میں پیام تعلیم نیا انداز لے کر ہم لوگوں کے پاس آیا۔ سبھی مضامین اچھے تھے۔ اشعار اور لطیفے کا تو کیا کہنا۔ پڑھ کر خوشیوں سے دل باغ باغ ہو اٹھا۔

محمد ماہر حسین آزاد مقام پوسٹ گیاری ضلع اررید بہار

● دسمبر کے پیام تعلیم میں مجھے اشعار، اقوال زریں، کہانیاں نغمے اور لطیفے وغیرہ بہت پسند آئے۔

خدا راتہ پروین محمد رفیق، محلہ اسلام پورہ، [illegible]

● محترم! پیام تعلیم اپنی تمام تر رعنائیوں اور آب و تاب سمیت جلوہ افروز ہوا۔ سبھی مضامین بے حد پسند آئے۔ قلمی دوستی میں اپنا نام دیکھ کر ہونٹوں پہ بے اختیار مسکراہٹ کی لہر رقص کرنے لگی۔ میں پیام تعلیم کے حق میں یہی دعا کروں گی کہ یہ رسالہ چاند تاروں کی روشنی کی طرح چمکتا، پھولوں کی خوشبو کی طرح مہکتا، کلیوں کی طرح کھلتا اور رنگین بہاروں کی طرح سدا بہار رہے اور آپ کا سایہ اس پر ہمیشہ لگی رہے۔ آمین ثم آمین

انیسہ ناز شیخ ساندو، کا سودہ، اسلام پورہ جلگاؤں

● ماہ دسمبر کے شمارہ میں کہانی اور لطیفے بہت پسند آئے۔ میں اپنے سبھی دوستوں اور سبھی قلم کاروں کو نئے سال کے موقع پر مبارک دیتا ہوں۔

محمد نہال راہی۔ شاہ پور بگھونی، سمستی پور، بہار

● ماہ جنوری کے تمام مضامین بہت اچھے لگے۔ اس میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ انعامی مقابلہ (اگر میں اڈیٹر ہوتا) کے اچھے مضامین پیام تعلیم کے آئندہ شماروں میں ضرور شائع کریں۔ میری دعا ہے کہ یہ رسالہ دن دوگنی، رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین

محمد جاوید اقبال، آزاد ہائی اسکول چاکند ضلع گیا

● ۳۰ جنوری کو ہی ماہ فروری کا شمارہ موصول ہوا۔ اس شمارے کے کالم "معلومات" میں میری تحریر شائع ہوئی جس کے لیے میں آپ کا بہت بہت مشکریہ ادا کرتا ہوں۔ اس شمارہ میں تمام مضامین اچھے تھے خاص کر بچوں کی کوششیں، میں مضامین "ڈاک ٹکٹ"، "ایکشن" اور کہانی "نانی کی نصیحت" بہت پسند آئیں

شیخ محمد عمران، محمد علی روڈ۔ بمبئی

ایک پیامی کو سخت صدمہ

یہ اطلاع دیتے ہوئے دل خون ہو رہا ہے کہ میرا چھوٹا بھائی ظفر دانش جس کی عمر تقریباً ۸ سال ہوگی، شدید علالت کے بعد ۳۰ جنوری ۹۵ء کو اللہ کو پیارا ہو گیا۔ مرحوم پیام تعلیم پڑھنے کا نہایت شوقین تھا اور بہت سی خوبیوں کا حامل بھی تھا۔

مبتلائے غم
محمد جاوید اقبال

موضع ڈبو، ڈاک خانہ بالا، چاکند ضلع گیا بہار۔

● پیام تعلیم برادری اور مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے سبھی ساتھی اس دل ہلا دینے والے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس سے نوازے اور والدین اور دیگر عزیزوں کو صبر و سکون عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

ظفر دانش کی یاد میں

چھوٹا بھائی میرا پیارا
بچہ وہ جنت کو سدھارا
نو برس کا لگ بھگ ہوگا
پڑھنے کا شوقین بہت تھا
یاد آتی ہیں باتیں اس کی
پیاری پیاری بھولی بھالی
نام ظفر دانش تھا بچو
وہ آیا وہ آیا دیکھو
بستہ دبائے بغل میں اپنی
مدرسہ جانا اس کی خوشی تھی
رونا دھونا چھوڑو بھائی
جان اور دل سے کرو پڑھائی
اپنے پرائے سب کو بھائے
یاد نہ اس کی کیسے آئے

بچوں کی نئی دلچسپ کتابیں

ننھے منے بچوں کے لیے

کتاب	قیمت
بتاشے	۷/۵۰
جاں نثار دوست	۵/:
چاند کی بیٹی (با تصویر)	۹/-
دم کٹی لومڑی "	۷/۵۰
جادو کی ہنڈیا "	۶/-
شیر اور بکری "	۷/۵۰
کوے کا خواب "	۷/۵۰
بھیڑیے کا گانا "	۷/۵۰
چالاک بلی "	۷/۵۰
گدھے نے بجائی بانسری	۷/۵۰

بڑے بچوں کے لیے

کتاب	قیمت
نرودلی کا آدم خور	۶/-
عجیب لکڑ ہارے کی کہانی	۶/-
خلائی مسافر	۶/-
ہمت کے کرشمے	۶/-
مونٹی کرسٹو کا نواب	۹/:
ہمارے عظیم سائنس داں	۹/-
سام پر کیا گزری	۳/۵۰
غذا کی کہانی	۳/-
زیور	۶/-
شہنشاہ نے کہا میں مفلس ہوں	۶/-
ایک غوطہ خور کی آپ بیتی	۶/-
سنہرے اصول	۵/-
نرالے گویے	۴/۵۰
باگونی کچھوا	۴/۵۰
بدر شہزادی	۶/-

کتاب	قیمت
مولانا آزاد کی کہانی	۱۸/:
ننھا سیاح	۷/-
ابو خاں کی بکری	۱۵/-
پرواز کی کہانی	۴/۵۰
سمندری طوفان اور تین لڑکے	۶/-
خالی ہاتھ	۹/:
حاجی بابا کی ڈائری	۷/۵۰
بہادر علی	۷/۵۰
کھلونا نگر	۸/۵۰
ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی	۶/:
قصہ اژدھا پکڑنے کا	۵/:
ننھا سراغ رساں	۵/:
ابو علی کا جوتا	۶/-
چند مشہور طبیب اور سائنس داں	۹/-
چور پکڑو	۳/۵۰
چالاک خرگوش کے کارنامے	۹/-
جادو کی سارنگی	۳/-
جادو کا چھلا	۳/-
پانچ جاسوس	۱۰/-
جنگل کی ایک رات	۷/۵۰
ہرن کا دل	۳/-
اچھی کہانیاں	۳/-
دریا کی رانی	۳/-
گوہر شہزادی	۴/۵۰
تین اناڑی	۶/:
چوری کی عادت	۳/۵۰
شرارت	۳ :
ولی کی شادی	۶/-
گاندھی جی دکنی افریقہ میں	۲/:
بندر اور نانی	۴/۵۰
رنگوں کی بستی	۵/-

کتاب	قیمت
پراسرار غار	۹/-
عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں	۷/۵۰
بچوں کے ذاکر صاحب	۷/-
ننھا منو	۲/-
آؤ ڈراما کریں	۳/:
سلامِ صمصام	۵/:
مچھیرا اور اس کی بیوی	۳/۵۰
ایک کھلا راز	۳/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۷/۵۰
صحت کی الف بے	۵/:
لومڑی کا گھر	۳/۵۰
بچوں کی کہانیاں	۳/۵۰
بابا نامے	۳/:
بار کی تلاش	۶/:
سرخ جوتے	۴/۵۰
اندرا گاندھی	۶/:
ننھا فرشتہ	۶/-
جوہر قابل	۳/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۳/:
ننھا جمرو	۲/۵۰
پلک نہ مارو	۶/:
بچوں کے انسر	۶/:
بشر بر شیرا	۳/۵۰
پری رانی	۱/:
خطرناک سفر	۳/۵۰
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
لوٹتے کھلونے	۵/-
اندھے کا بیٹا	۹/۵۰
پانچ بونے	۳/۵۰
بچوں کے چار عظیم دوست	۳/۵۰
سہانے ترانے	۴/۵۰

"بیگم صاحبہ" فقیر نے ایک رحم دل خاتون کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ اگر آپ نے آج پانچ روپے نہ دیے تو مجھے ایک ایسے عمل کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جس کے تصور سے میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جسم کانپنے لگتا ہے۔

خاتون نے پانچ روپے کا نوٹ گداگر کو دیتے ہوئے ازراہ تجسس اس سے پوچھا۔ خدا تم پر رحم کرے کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ میں نے تمھیں کس حادثے سے بچایا ہے؟

گداگر نے شکر و اطمینان کی ایک نگاہ نیک دل خاتون پر ڈالی اور کہا۔ "کام کرنے سے . . .!"

محمد مجیب پاشا — ۱۱۹ بی بنگالی بازار، کلکتہ ۷۰۰۰۲۴

ایک سیاح ایک گائیڈ کے ساتھ چڑیا گھر کی سیر کر رہا تھا کہ وہ ایک ایسے پنجرے کے پاس پہنچا جس میں شیر اور بکری بندھے ہوئے تھے۔

سیاح حیرت کے ساتھ بولا۔ "واہ واہ! پُر امن بقائے باہمی کی ایک شاندار مثال، آخر یہ کس طرح ممکن ہوا؟"

"اس طرح جناب" گائیڈ بولا "کہ ہم ہر روز اس پنجرے میں ایک نئی بکری ڈال دیتے ہیں۔"

ایک آدمی الٹا ہیٹ پہنے جا رہا تھا ایک شخص نے پوچھا آپ نے ہیٹ کیوں الٹا پہنا ہے؟

اس آدمی نے کہا:

"تاکہ کسی کو یہ نہ پتا چلے کہ میں آ رہا ہوں یا جا رہا ہوں۔"

رضوان سارش — ۲۷۷ نیا پورہ گلی نمبر ۹ مالیگاؤں (ناسک)

ایک شخص نے اپنے نابینا لڑکے کی آنکھوں کا علاج کرا کے اُسے گھر لایا۔ مگر لڑکا تمام چیزوں کو چھوڑ کر صرف کرسی کو دیکھنے لگا اس شخص نے بہت کوشش کی کہ لڑکا دوسری چیزوں کو بھی دیکھے لیکن لڑکا صرف کرسی کو تکنے لگا۔ پریشان ہو کر وہ شخص ڈاکٹر کے پاس پہنچا اور کہنے لگا۔ ڈاکٹر صاحب میرا لڑکا جس کے ابھی آپ نے آنکھیں لگائی ہیں صرف کرسی کو دیکھتا ہے دوسری چیزوں کو نہیں، ایسا کیوں؟ ڈاکٹر نے بڑے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر: دراصل بات یہ ہے کہ میں نے جس آدمی کی آنکھیں آپ کے لڑکے کو لگائی ہیں وہ ایک بیناکی تھیں

انیس شاہ یونس شاہ — سوری انجنگاؤں امراوتی

میاں بیوی میں ایک عرصے تک بات چیت بند تھی بیوی پریشان تھی اُسے احساس ہو رہا تھا کہ میاں کا آخری وقت قریب ہے اس لیے بات چیت میں پہل کر لینی چاہیے وہ اپنے بیمار شوہر کے پاس گئی اور بات شروع کرتے ہوئے بولی "آپ کہاں دفن ہونا پسند کریں گے"

"تمھاری قبر کے برابر میں" میاں نے جل کر جواب دیا۔

ماجد انور ابراہیم، مکان نمبر ۲۴۴ مالیگاؤں مہاراشٹر

پہلا دوست: (دوسرے دوست سے) یار یہ جو شادی کارڈ وغیرہ پر لکھا ہوتا ہے مع اہل و عیال اس کا مطلب کیا ہوتا ہے۔

دوسرا دوست: "بچوں سمیت تشریف لائیے"

اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

شکیل احمد وارث پورہ، کامٹی۔ ناگپور

مالک مکان نے نئے کرایہ دار سے پوچھا "آپ کے بچے بھی ہیں" ان صاحب نے جواب دیا۔ "جی ہاں چھ، سب کے سب قبرستان میں ہیں"
مالک مکان نے یہ سن کر افسوس کرتے ہوئے کرایہ نامے پر دستخط کر دیے اور مکان کی چابی کرایہ دار کو تھما دی۔ ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ چھے کے چھے بچے قبرستان سے واپس آگئے جہاں وہ کھیلنے کے لیے گئے تھے لیکن اب کرایہ نامہ منسوخ نہیں ہو سکتا تھا۔

ریحان احمد کھریواں سرائے میر اعظم گڑھ

کسی آدمی نے لائبریرین کو آدھی رات کو فون کیا کہ لائبریری کتنے بجے کھلتی ہے۔
لائبریرین۔۔۔ ساتھ بجے صبح لیکن آدھی رات کو فون کرنے کا مقصد؟
آدمی ساتھ بجے سے پہلے نہیں کھل سکتی؟
لائبریرین۔۔۔ لیکن آپ اس سے پہلے کیوں لائبریری میں جانا چاہتے ہیں؟
آدمی۔۔۔ (جھنجلا کر) لائبریری میں کون کمبخت جانا چاہتا ہے۔ "مجھے تو لائبریری سے باہر آنا ہے"۔

محمد نفیس انصاری ــ بڑا مومن پورہ، بالاپور، اکولہ

"خبردار بیگم جو تم نے آیندہ مجھے کسی شادی میں بھیجا۔ غضب خدا کا نکاح کا ٹائم ۷ بجے لکھا تھا اور رخصتی ہوئی گیارہ بجے۔"
بیوی: "کیوں کیا کھانا دیر سے ملا؟"
شوہر: "نہیں، قاضی صاحب بہکلے تھے۔"

محمد صدام الدین ــ بردا ہا کمتول۔ دربھنگہ

سپاہی (ڈرائیور سے) "جب میں نے تمھیں رکنے کا اشارہ کیا تو تم رکے کیوں نہیں؟"
ڈرائیور: "جناب میں سمجھا آپ مجھے سلام کر رہے ہیں۔"

سید اعجاز علی ــ گلزار پورہ، بورگاؤں منجو، اکولہ

ڈاکٹر (مریض سے) "آپ اچھے ہو جائیں گے بشرطیکہ آپ مجمع میں جانے سے پرہیز کریں۔"
مریض۔ "جناب میں اپنے پیشے سے مجبور ہوں۔"
ڈاکٹر: "آپ کا پیشہ کیا ہے؟"
مریض۔ "جیب تراشی۔"

گاہک: جناب یہ مرغی تو لنگڑی ہے۔
دکاندار: آپ کو اسے پکا کر کھانا ہے یا اس سے ڈانس کرانا ہے۔

محمد رضوان قمر۔ محلہ منجو بہار شریف (نالندہ)

ایک خاتون (فقیر کو دس پیسے دیتے ہوئے)
"یہ لو اور میری صحت کے لیے دعا کرو۔"
فقیر (سوچتے ہوئے) "محترمہ! آپ کے چہرے کی زردی دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ دس پیسے کی دعا آپ کے لیے کافی نہیں ہوگی۔"

محمد شعیب محمد عمر ــ بجرڈیہہ۔ وارانسی، یوپی

ایک رسالے کے ایڈیٹر نے کہانی لکھنے والے کو فون کیا اور کہا۔
"بھئی تمھارے لیے ایک اچھی اور ایک بری خبر ہے۔"
کہانی نویس نے کہا۔ "پہلے اچھی خبر سناؤ۔"
"اچھی خبر یہ ہے کہ تمھاری کہانی ہمارے مالک کو اتنی پسند آئی کہ وہ اُسے ہضم کر گیا۔"

کہانی نویس نے کہا: "اونگی خبر کیا ہے؟"
اڈیٹر نے جواب دیا: "بڑی خبر یہ ہے کہ پیراماؤنٹ میرے کتے کا نام ہے۔"

واجد علی سید محلہ درگاہ علی چوپڑا مالگاؤں،

ایک گپی دوسرے گپی سے

پہلا گپی: "ارے یار میرے دادا جی اتنے بڑے کھلاڑی تھے کہ ایک بار فٹ بال کو مارتے تو تین دن بعد بال زمین پر گرتا۔"
دوسرا گپی: "ارے یار میرے دادا جی اتنے بڑے تیراک تھے کہ ایک بار ندی میں تیرنے کے لیے گئے تو وہ ابھی تک باہر نہیں آئے۔"

ارشد جمال کلکتہ (ویسٹ بنگال)

ایک سخت مزاج میجر جنگی مشق کے دوران ایک دریا میں جا گرا۔
ایک سپاہی اس کے پیچھے دریا میں کودا اور بڑی مشکل سے اسے کنارے پر لے آیا۔ میجر نے دریا سے باہر آکر کہا: "تم نے اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر میری جان بچائی ہے۔ بتاؤ تمہارے اس احسان کا بدلہ کس طرح اتاروں؟"
"سر" سپاہی نے جواب دیا۔ "آپ مجھ پر اتنا احسان کیجیے گا کہ کمپنی کے جوانوں میں سے کسی کو پتا نہ چلے کہ میں نے آپ کو ڈوبنے سے بچایا ہے۔"

وسیم احمد۔ ابوالفضل انکلیو نئی دہلی ۲۵

ڈاکٹر نے ایک مریض کو دیکھتے ہوئے اس کے رشتہ داروں سے کہا: "یہ ختم ہو چکا ہے۔"
مریض زندہ تھا فوراً بول اٹھا: "نہیں جناب میں زندہ ہوں مرا نہیں۔"

ڈاکٹر نے جاہل سے کہا: "چپ رہو، میں ڈاکٹر ہوں تم سے بہتر جانتا ہوں۔"

ظہیر احمد عبداللطیف۔ بھیونڈی۔ تھانہ

ایک آدمی نے دکان دار سے کہا کہ مجھے بجلی کا بلب چاہیے۔ دکان دار نے کہا: "کون سا ہنڈ والا یا ساٹھ والا؟"
گاہک بولا: "دس بارہ والا دے دو، میں بہت غریب ہوں۔"

رشید علی۔ غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

ایک چیونٹی اور ہاتھی میں گہری دوستی تھی اور ہاتھی کا ایک بڑا بھائی تھا۔ ہاتھی کے بڑے بھائی نے ہاتھی سے کہا کہ تم چیونٹی کے ساتھ نہ رہا کرو۔ یہ واقعہ ہاتھی نے چیونٹی کو بتا دیا۔ ایک دن اتفاقاً ہاتھی اور چیونٹی جا رہے تھے کہ ادھر سے ہاتھی کا بڑا بھائی آگیا۔ چیونٹی نے دیکھ لیا۔ چیونٹی نے ہاتھی سے کہا کہ تمہارا بڑا بھائی آرہا ہے۔ آؤ میرے پیچھے چھپ جاؤ۔

محمد اعظم شیخ۔ کاروار (کرناٹک)

ایک آدمی: (قریبی دکاندار سے) آپ کے پاس ایسا کوٹ ہے جسے دیکھ کر کوئی آدمی بیہوش ہو جائے۔
دکاندار: معاف کیجیے! ابھی آپ کی بیوی ایسا کوٹ لے گئی ہے۔

محمد یحییٰ۔ عیدگاہ روڈ، بھیونڈی (تھانہ)

ایک نو عمر لڑکا ایک گدھے کو کھینچتا ہوا پولس اسٹیشن کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ ایک سپاہی نے کہا: "اے میاں تم اپنے بھائی کو کھینچ کر کیوں لے جا رہے ہو؟"
"مجھے ڈر ہے کہ یہ کہیں پولس میں بھرتی نہ ہو جائے۔"
لڑکے نے جواب دیا۔

محمد شاہ نواز۔ علی نگر۔ مبارک پور۔ اعظم گڑھ

استاد شاگرد سے بتاؤ انگریزی کے کہتے ہیں۔ شاگرد نے جواب دیا انگریز کی بیوی کو۔ استاد غصہ میں ہو کر دوسرے لڑکے سے تم بتاؤ لطیفہ کسے کہتے ہیں۔ شاگرد لطیف کی بیوی کو۔

محمد شاہ نواز — محلہ علی نگر پوسٹ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ

دو دوست تھے دونوں کاہل اور سست تھے۔ اتفاق سے ایک روز بارش ہو رہی تھی۔ پہلے دوست (دوسرے سے) یار باہر دیکھ کر بارش ہو رہی ہے یا نہیں۔ دوسرے نے جواب دیا "ہاں ہو رہی ہے"۔ پہلے نے کہا "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ بارش ہو رہی ہے"۔ دوسرے نے کہا: "میں نے دیکھا ہے کہ کچن میں ایک بھیگی ہوئی بلی آئی ہے"۔

مطلوب رضا۔ ابو الفضل انکلیو، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

• دو بیوقوف چلے جا رہے تھے۔ راستے میں ایک بڑا سا مکان دیکھا، دیوار کے نیچے بیٹھ گئے۔ ایک نے کہا یار اس مکان کو دھکیل کر اگر ہم اپنے گاؤں لے جائیں تو کیسا رہے گا۔ دوسرا بولا "ٹھیک ہے چلو زور لگائیں"۔ دونوں نے زور لگایا مگر وہ نہیں سرکا۔ پھر اپنے کپڑے اُتار کر زور لگایا یہاں تک کہ پسینے میں شرابور ہو گئے۔ پیچھے ہٹ کر دیکھا کپڑے جوتے غائب ہیں۔ دونوں نے سوچا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم مکان کو سرکا کر بہت دور لے آئے۔ ہمارے کپڑے جوتے پیچھے رہ گئے۔

مہر النساء پروین، سنت کبیر وارڈ۔ بھنڈارہ

• ایک لڑکے نے اپنی امی سے کہا۔ امی امی اِس بوتل میں کس چیز کا تیل ہے۔ اس کی امی نے جواب دیا اس میں گوند ہے۔ تو اس کے لڑکے نے کہا "اسی لیے میرے سر سے ٹوپی نہیں اُتر رہی ہے"۔

سمیع اللہ انصاری مدرسہ عربیہ بدریہ نگرام، لکھنؤ۔ یوپی

• ایک آدمی حج کر کے آیا تو لوگوں نے پوچھا۔ "وہاں کے لوگ کیسے تھے؟" "بہت ہی نیک اور پرہیزگار"۔ اس نے کہا، "وہ کیسے؟" لوگوں نے پوچھا۔ "جب میں سمندری جہاز پر واپس آ رہا تھا تو دو عربی ہمارے ساتھ تھے۔ وہ آپس میں لڑ پڑے لیکن لڑنے کے دوران بھی وہ قرآن کی آیتیں پڑھ رہے تھے"۔

فیروز احمد لال چوک، مبارک پور اعظم گڑھ

• ایک بار ملا نصیر الدین کو جج بنا دیا گیا۔ ایک مقدمہ ان کے سامنے پیش ہوا۔ پہلے فریق نے اپنا بیان دیا اور کہا، "میں بے گناہ ہوں"۔
ملا نصیر الدین نے کہا "تم سچے ہو"۔
دوسرے فریق نے احتجاج کرتے ہوئے اپنے دلائل پیش کیے تو۔
ملا نے کہا "تم بھی سچے ہو"۔
ایک شخص نے جو وہاں موجود تھا کہا، "جناب دونوں فریق کیسے سچے ہو سکتے ہیں!"
"ملا نے کہا، تم بھی سچے ہو"۔

محمد خالد اعظمی، کھرلواں۔ سرائے میر اعظم گڑھ

طاقتور کون؟

ایک بزرگ ندی کے کنارے بیٹھے خدا کی یاد میں معروف تھے کہ ایک اُڑتے ہوئے کوّے کی چونچ سے چھوٹ کر ایک چوہے کا بچہ ان کے پاؤں پر آگرا۔ انھوں نے اسے اپنے کرتے کے دامن میں لپیٹ لیا اور پھر اپنے گھر چل دیے۔ راستے میں انھیں خیال آیا کہ شاید اس چوہیا کی وجہ سے گھر والوں کو کوئی تکلیف ہو۔ اس لیے خدا سے دعا کی کہ کسی طرح سے لڑکی بنا دے۔ پھر کیا تھا، دعا قبول ہوگئی اور دیکھتے دیکھتے بیچ میں چوہے کے بچہ کی جگہ ایک لڑکی کھڑی ہے۔ فقیر نے اس لڑکی کو اپنے ایک شاگرد کے حوالے کر دیا۔

لڑکی جب بڑی ہوگئی تو بزرگ نے لڑکی سے کہا، "تم خدا کی مخلوق میں سے اپنے لیے دولہا چن لو تاکہ میرا فرض پورا ہو جائے۔" لڑکی نے کہا "مجھے ایسا دولہا چاہیے جو دنیا میں سب سے طاقتور ہو۔" بزرگ نے کہا "ایسا تو صرف سورج ہے۔" لڑکی نے کہا "تو ٹھیک ہے میں سورج سے ہی شادی کروں گی۔" دوسرے دن بزرگ نے سورج سے کہا، "میری ایک لڑکی ہے وہ کہتی ہے میں دنیا میں سب سے طاقتور سے شادی کروں گی تم سے اپنی دلہن بنا لو کیونکہ تم جیسا طاقتور کوئی نہیں ہے۔" سورج نے کہا "مجھ میں کیا خاک طاقت ہے۔ مجھ سے زیادہ طاقت تو بادل میں ہے جو میری روشنی چھپا لیتا ہے۔" بزرگ نے بادل سے بھی یہی سوال کیا تو بادل نے کہا، "مجھ سے طاقتور تو ہوا ہے جو جہاں چاہے مجھ کو لے اُڑتی ہے۔" بزرگ نے ہوا سے بھی یہی سوال کیا۔ ہوا نے کہا "مجھ سے زیادہ طاقتور تو پہاڑ ہے جس پر میں لاکھ سر پٹختی ہوں پر وہ ٹس سے مس تک نہیں ہوتا۔" بزرگ نے یہ سوال پہاڑ سے بھی کیا۔ پہاڑ نے کہا، "مجھ سے زیادہ طاقتور تو وہ چوہا ہے جو مجھے

حجاج بن یوسف کے سامنے ایک خارجی کو لایا گیا۔ حجاج نے فوراً اس کی گردن مار دینے کا حکم دے دیا۔ سپاہی جب اُسے کھینچ کر لے جانے لگے تو خارجی نے کہا "میری درخواست ہے کہ مجھے آج کے بجائے کل قتل کر دیا جائے۔" حجاج نے خارجی کی التجا سن کر کہا، "جب قتل تیرا مقدر بن چکا ہے تو پھر ایک دن کی تاخیر سے کیا فائدہ؟" خارجی نے جواب دیا "امیر فطری طور پر رحم دل ہیں۔ یہ ایک اتفاقی بات ہے کہ امیر کے رحم پر قہر غالب آگیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ رات گزرتے ہی امیر کا فطری جذبہ لوٹ آئے گا۔ آئینے پر گرد و غبار زیادہ دیر تک نہیں ٹھہر سکتا۔" خارجی کا جواب سن کر حجاج سناٹے میں آگیا اور پھر یہ کہہ کر خارجی کو آزاد کر دیا۔ "تیرے حسن کلام نے تجھے بچا لیا۔"

ادھر ادھر سے چھیدتا رہتا ہے اور میں اس کا کچھ بھی نہ بگاڑ پاتا۔

بزرگ نے چوہے سے بھی یہی سوال کیا تو چوہے نے کہا مجھے خود ایک بیوی کی تلاش ہے مگر کوئی چوہیا ہونی چاہیے۔

بزرگ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے پھر کیا دیکھتا ہے کہ لڑکی کے بجائے چوہیا ہو گئی تھی۔ اسے چوہے کے حوالے کیا اور پھر یہ سوچتا ہوا گھر لوٹا کہ دوستی یا محبت اسی چیز سے ہوتی ہے جو اپنی نسل یا رنگ کا ہو۔

(مرسلہ) شیخ محمد عمران مشتاق۔ محمد علی روڈ بمبئی

بے خبر ہے۔ ہر ایک اپنی محفلوں اور زندگی میں مست ہے اور جس طرح زندگی گزارنی چاہیے اس طرح نہیں بلکہ غلط اور وحشیانہ طریقے سے زندگی گزاری جاتی ہے انسان زندگی نہیں گزار رہا ہے بلکہ زندگی انسان کو گزار رہی ہے اور انسان قرآن کریم سے فائدہ حاصل کرنے کے بجائے اس پر ظلم کر رہے ہیں اور قرآن انسان سے فریاد کر رہا ہے کہ

"اے لوگو! مجھ پر ظلم نہ کرو!"

ہما تحسین۔ پربھنی۔ بہار

مجھ پر ظلم نہ کرو!

کیا کبھی آپ نے فریاد سنی ہے؟ یہ فریاد قرآن کریم کی ہے۔ آج دنیا میں برائیاں ہوا کی مانند پھیل رہی ہیں۔ قرآن پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ اسے طاقوں میں سجا کر چومنے لڑکی کی جہیز میں دینے، مریضوں کو تعویذ بنا کر دھو دھو کر پلانے، توتے مینا کی طرح پڑھنے اور پڑھانے، قول و قسم لینے اور جلسوں میں پڑھانے کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے۔

ایسا کیوں؟ کیا قرآن کریم کو سمجھ کر نہیں پڑھنا ہے؟ کیا اس پر عمل نہیں کرنا ہے؟

قرآن تو ہر انسان کے لیے زندگی گزارنے کا اللہ کی طرف سے بہترین پیغام ہے جس سے ہم صالح زندگی گزار سکیں اور فائدہ حاصل کر سکیں۔ لیکن ہمیں اسے با ترجمہ پڑھنا ضروری ہے تاکہ ہم آیت کا مطلب سمجھ سکیں۔

لیکن افسوس آج کی دنیا اس سے

پہلی اور آخری بھول

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ دانش اپنی امی کو لے کر بیتیا شہر سے لکھنؤ آ رہا تھا راستے میں ململ بس اسٹاپ پر بس رکی تو بس ڈرائیور چائے پینے چلا گیا اور وہاں کچھ لڑکے لاٹری کھیل رہے تھے دانش لاٹری کھیلنے میں لگ گیا۔ اس کے پاس پچاس روپے تھے وہ اس نے لاٹری کھیلنے میں لگا دیے تو لڑکوں نے اس پر یہ ظاہر کیا کہ وہ جیت رہا ہے لیکن مکمل جیت کے لیے اسے کچھ روپے اور چاہیے تو دانش اپنی امی کے پاس گیا اور ان سے دو سو روپے مانگنے لگا۔ دانش کی امی پوچھتی رہیں کس لیے بیٹے؟ لیکن وہ یہی کہتا رہا امی جلدی دیجیے ایک کام ہے آ کر بتاؤں گا۔ دانش کی امی نے اس کو دو سو روپے دے دیے وہ بھی اس نے لاٹری کھیلنے میں لگا دیے آخر میں وہ ہار گیا تو وہ رونے

چوتے اپنی امّی کے پاس گیا اور ان کو سب کچھ بتا کر ان کی گود میں سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تو اس کی امّی نے اس کو سمجھایا کہ بیٹے نہ رو۔ اس واقعے سے سبق لو یہ تمھاری پہلی غلطی ہے وعدہ کرو کہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کروگے ایسے غلط کھیلوں میں نہیں لگوگے۔ آج بھی دانش کو جب وہ واقعہ یاد آتا ہے تو اس کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو آجاتے ہیں۔

ثروت شفیق معرفت مولانا شفیق الرحمان صاحب ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

بڑا بول

ایک تھے نواب صاحب اور ایک تھا ان کا نوکر جمّن۔ ایک مرتبہ جمّن گیا بازار میں سودا سلف لانے۔ ایک دکان سے سودا لے رہا تھا کہ سامنے کسی دوسری دکان والے نے دیکھا کہ جمّن اس کی دکان پر سودا نہیں لیتا۔ جب جمّن سامنے والی دکان پر سے سودا لے کر لوٹ رہا تھا تو اس دکان والے نے اسے روکا اور کہا۔ بیٹا جمّن کل سے تم سودا میری دکان سے خریدنا میں تمھیں روپے میں ایک آنہ کمیشن دوں گا۔ پھر کیا تھا بھائی جمّن روزانہ تین چار روپے کا سامان خریدنے لگے اور روزانہ ان کو تین چار آنے کی آمدنی ہونے لگی۔ اب جمّن بھائی سوچنے لگے کہ یہ پیسے رکھوں کہاں؟ جمّن کو ایک قبرستان یاد آیا جو بالکل سنسان تھا وہاں کوئی پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا تھا کیوں کہ وہاں نواب صاحب کے دادا پر دادا دفن ہوئے تھے جمّن میاں جا پہنچے قبرستان، وہاں ایک چھوٹا سا گڑھا کھودا ایک مٹکے میں پیسے ڈالے اور گڑھے میں رکھا اور اوپر سے گھاس ڈال دی اور وہاں سے نکل آئے۔ راستے میں ایک فقیر نے اس سے کہا "جمّن اللہ کے نام پر کچھ دے دے" اس پر جمّن بھائی اکڑ کر کہنے لگے "اسے جمّن کس کو بولا؟" میاں جمّن کہو" "اچھا میاں جمّن کچھ دے کر جاؤ" اس پر میاں جمّن نے جیب سے کچھ نکال کر فقیر کو دے دیا۔ دن گزرتے گئے۔ میاں جمّن کے پاس دن بدن پیسے بڑھتے گئے اور اسی کے ساتھ اکڑ بھی آتی گئی۔ ایک دن میاں جمّن قبرستان میں پیسے جمع کرکے

ایک غریب مگر شعلہ بیان مقرر نے ایک امیر کی محفل میں سرمایہ داری کے خلاف بڑی اثر انگیز تقریر کی۔ ایک ایک لفظ پر اہل مجلس جوش جذبات میں چیخ اُٹھتے تھے اور اس کے ساتھ ہی امیر کا چہرہ زرد ہو جاتا تھا۔ دوسرے دن اُسی امیر نے شعلہ بیان واعظ کو بہت سی نقد رقم اور دیگر قیمتی تحائف بھیجے جب ملازم واپس آیا تو امیر نے اس سے پوچھا "تحائف وصول کرنے کے بعد واعظِ محترم کے کیا جذبات تھے؟"

"انھوں نے آپ کی تعریف و توصیف کے بعد اس غریب نوازی پر بے حد شکریہ ادا کیا ہے" ملازم نے بتایا۔

"ہم سب شکاری ہیں مگر جال مختلف ہیں" امیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رف رہے تھے کہ راستے میں پھر اسی فقیر نے پکڑا اور کہا "میاں جمن اللہ کے نام پر کچھ دے کر جاؤ" اس پر میاں جمن برس پڑے اور کہا "اے میاں جمن کسے کہتا ہے "جناب میاں جمن کہو" "اچھا جناب جمن میاں کچھ دے کر جاؤ" اس جناب جمن میاں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو چار آنے نکلے۔ جمن میاں کچھ دیے بغیر ہی وہاں سے چل دیے۔ اب تو جمن میاں کے پاس کافی رقم جمع ہوگئی تھی اور جمن میاں کے ٹھاٹ باٹ دن بہ دن بڑھتے ہی جا رہے تھے۔ ایک دن پھر اسی فقیر نے جناب جمن میاں کو پکڑا اور کہا "جناب جمن میاں اللہ کے نام پر کچھ دے کر جاؤ" اس بار جناب جمن کا پارہ چڑھ گیا اور کہنے لگے "ابے اے جناب جمن میاں مت کہو" "جناب جمن میاں صاحب کہو" فقیر نے کہا "اچھا جناب جمن میاں صاحب کچھ تو دو" جمن میاں نے کہا "معاف کرو" اور آگے نکل گئے۔ اس پر فقیر کو بہت برا لگا اور سوچنے لگا کہ جمن جو کل تک کبھی کسی کو دھتکارتا نہ تھا آج اسے کیا ہوگیا۔ یہ جاننے کے لیے فقیر صاحب جمن کے پیچھے پیچھے چلنے لگے جمن اسی قبرستان میں پہنچے اور گھاس ہٹا کر مٹکا نکالا پھر اس میں جمع کیے ہوئے پیسے ڈالے اور مٹکے کو اپنی جگہ رکھ کر وہاں سے چل دیے۔ وہ فقیر ایک پیڑ کی آڑ سے یہ سب تماشا دیکھ رہا تھا۔ جمن کے جاتے ہی فقیر نے سب پیسے اپنے جھولے میں ڈالے مٹکی وہیں پھینکی اور کہا "آج سے بھیک مانگنا بند" دوسرے دن جمن قبرستان میں پیسے رکھنے گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہاں خالی مٹکی اور گھاس کے سوا کچھ نہیں تھا۔ بیچارے جناب جمن میاں صاحب منہ لٹکائے حویلی کی طرف چل دیے راستے میں فقیر نے دیکھا کہ جناب جمن میاں صاحب اپنا چھوٹا سا منہ لیے آ رہے ہیں اس نے سوچا چلو جمن کی خبر لیتے ہیں اور اس نے اپنا کٹورا ہاتھ میں لیا اور جمن کے سامنے کھڑے ہو کر کہا "اے جناب جمن میاں صاحب اللہ کے نام پر کچھ دے کر جاؤ" "ارے کہاں کے جناب کیسے میاں اور کیسے صاحب" جمن تو پھر سے وہی جمن رہ گیا۔ جمن نے کہا اب میں سمجھ گیا ہوں روپے پیسے سے کوئی آدمی بڑا نہیں بنتا۔ آدمی تو صرف اپنے کردار سے بڑا ہوتا ہے۔ یہ کہہ کر جمن نے جیب میں ہاتھ ڈالا اور جتنے پیسے تھے سب کے سب فقیر کے کٹورے میں ڈال دیے اور توبہ کی کہ آج کے بعد کبھی اکڑ کر نہیں چلوں گا۔ کبھی بڑا بول نہیں بولوں گا اور کبھی گھمنڈ نہیں کروں گا۔ اللہ سب کو ایسی برائیوں سے بچائے آمین

محمد آصف ابن محمد ہارون
ڈونٹیلر کراس اسٹریٹ۔ کھڑک۔ بمبئی نمبر ۹

حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ جس کسی کے لیے بہتری چاہتا ہے اسے دوست عطا فرماتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کو اگر وہ فراموش کرنے لگے تو دوست یاد دلا دے اور اگر وہ

اللہ تعالیٰ کی یاد کرے تو دوست اس کا ساتھی بنے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ میری دوستی ان لوگوں کا حق ہے جو میری خاطر آپس میں ملتے جلتے ہیں اور فرمایا۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا " وہ کہاں ہیں جنھوں نے میرے لیے ایک دوسرے کو دوست بنایا تھا۔ آج جب کہ کہیں پناہ نہیں ہے۔ میں انھیں اپنی رحمت کے سایے میں پناہ دوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لیے دوستی کرنا ایمان کی مضبوطی کی علامت ہے

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے لیے دوستی کرنے والوں کے چہرے بہشت میں اس قدر چمکیں گے کہ چہروں کا نور اہل بہشت پر پڑے گا اور ان کی پیشانی پر لکھا ہوگا " یہ اللہ کے لیے دوستی کرنے والے ہیں"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ تین باتوں سے دوستی مستحکم ہوتی ہے۔ اول دوست کا نام تمیز سے لیا جائے۔ دوم دوست کو سلام کرنے میں پہل کی جائے۔ سوم۔ بیٹھنے میں دوست کے احترام کا دھیان رکھا جائے اور اسے فائق جگہ بٹھایا جائے۔

حمیدہ خانم خالد خان جامع مسجد چوک سوڑ یم ایس

ایک آدمی جعلی نوٹ چھاپا کرتا تھا۔ ایک دفعہ اس سے غلطی سے پندرہ روپے کا ایک نوٹ چھپ گیا۔ . . . بڑا پریشان ہوا۔ آخر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ اس نے سوچا کہ دیہات کے لوگ بڑے سادہ لوح ہوتے ہیں کیوں نہ وہاں چل کر بے وقوف بنایا جائے۔ دیہات پہنچ کر اس نے کسی سے پندرہ روپے کا کھلا مانگا۔ اس نے کہا پندرہ تو نہیں چودہ روپے مل سکتے ہیں۔ اس نے کہا چلو چودہ ہی دے دو اس نے سات سات کے دو نوٹ اس کو تھما دیے"

یا خدا صرف تیرا ہی سہارا

یہ بات تو روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اس دنیا میں رب ذوالجلال کے سہارے کے علاوہ تمام سہارے فانی ہیں جو لوگ اس دائمی سہارے کو اختیار کرنے والے ہیں جس کی پناہ تمام پناہوں سے نجات دلاتی ہے وہی لوگ حقیقت میں کامیاب و کامران ہیں برخلاف ان لوگوں کے جنھوں نے اس دائمی سہارے کو اختیار نہیں کیا۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے رب ذوالجلال کے اس سہارے کو جس مضبوطی سے تھاما تھا اس کی ایک مختصر سی مثال ملاحظہ فرمائیں۔

تین پاکیزہ جانیں (۱) حضرت ابوسلمہؓ (مرد) (۲) حضرت ام سلمہؓ (عورت) (۳) حضرت سلمہؓ (بچہ) مکے کو الوداع کہہ کر مدینہ کی طرف کوچ کر رہے تھے۔ ہر انسان کو اپنے آبائی وطن کی ہر شے عزیز ہوتی ہے وطن کو ترک کرنے کے وقت ایک طرف تو کاروبار اور معاشی وسائل میں دل اٹکا رہتا ہے

جب کہ دوسری طرف وطن عزیز کی یاد ستاتی ہے لیکن ان تمام چیزوں سے بے پروا یہ لوگ ویران ریگستان کی جانب چلے جا رہے تھے۔ ان کی منزل ریگستان کے اُس پار محبوب بستی مدینہ تھی جہاں سے انھیں اپنی نئی زندگی کا آغاز کرنا تھا لیکن یہ حضرات بلا وجہ اتنی تکلیفیں سہنے پر کیوں رضا مند ہو گئے تھے؟ کیا ان کو کسی چیز کا لالچ تھا؟ کیا ان کو کوئی مجبوری تھی؟ یا کوئی زبردستی انھیں سفر پر مجبور کر رہا تھا؟ کیا یہ دیوانے تھے؟ (نعوذ باللہ) نہیں ہرگز نہیں یہ لوگ تو حقیقت میں اللہ کے فرماں بردار اور مطیع بندے تھے جو دنیا کو ایک سفر گاہ سمجھتے تھے اور ایک راہ گیر کی حیثیت سے زندگی گزارتے تھے۔ یہی بات ان کو ان کے محبوب خدا اور رسول امینؐ نے بتائی تھی جس پر وہ یقین رکھتے تھے اور اسی یقین کے ساتھ وہ گھر سے نکلے بھی تھے لیکن صرف یہ یقین کرنا ان کے لیے آفت جان بن چکا تھا۔ تمام کفار و مشرکین اور قبیلہ والے ان پر ناراض تھے اور کہتے تھے کہ یا تو بتوں کی پوجا شروع کر دو ورنہ ہم تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔ اب ان کی یہ قربانی دیکھ کر جو جہاد سے کم نہیں، کیونکہ انسان ہجرت کے وقت اپنے نفس اور خواہشات کے ساتھ بہت زبردست جہاد کرتا ہے۔ وہ آگ بگولہ ہو گئے چنانچہ حضرت ابو سلمہؓ کے قبیلہ بنی اسد اور حضرت امّ سلمہؓ کے قبیلہ بنی مغیرہ نے اُن جاں نثاروں اور وفاداروں پر حملہ بول دیا اور بنی مغیرہ کے لوگوں نے اپنی لڑکی حضرت امّ سلمہؓ کو شوہر کے ساتھ نہیں جانے دیا اور زبردستی کھینچ کر لے آئے۔ یہ بات جب حضرت ابو سلمہؓ کے قبیلہ بنی اسد کو معلوم ہوئی تو انھوں نے کہا کہ جب تم نے حضرت ابو سلمہؓ کے ساتھ اپنی بیٹی کو نہیں جانے دیا تو ہم بچے کو تمھارے پاس نہیں رہنے دیں گے۔ بچہ ہمارا ہے اور بچہ کو ماں کی گود سے چھین لے گئے۔ اسی وحشت ناک چھینا جھپٹی میں معصوم بچے کا ہاتھ اُتر گیا۔ بچے کی چیخیں فضا میں بلند ہوئیں لیکن وہ ماں مجبوراً ایک خاموش تماشائی بنی دیکھتی رہی۔ بنی اسد والے روتے بلکتے بچے کو لے کر چلے گئے، تڑپتا ہوا بچہ اپنی ماں کی طرف دیکھتا جو دوسری طرف لے جائی جا رہی تھی۔ ماں بھی بیچاری سسک سسک کر رہ جاتی۔ کر بھی کیا سکتی تھی لیکن وہ مرد مجاہد ان حالات سے بے خبر مدینہ کی راہ پر چلتا رہا کیونکہ اُسے یقین تھا کہ جو بات محبوب خدا رسول امینؐ نے کہی وہ حق ہے اور بے شک حق ہی راہ نجات ہے۔ اسے اب بھی یہ یقین تھا کہ یہ شدید پریشانی بھی ایک ایمانی آزمایش ہے جس کا انجام مظلوموں کے حق میں ہو گا کیونکہ خدا کے یہاں دیر تو ہو سکتی ہے لیکن اندھیر نہیں۔ اتنا مضبوط ہے خدا کا سہارا۔ بد بخت اور بد نصیب ہیں وہ لوگ جو اس سہارے سے محروم ہیں۔ اور دوسرے سہارے کو تلاش کرتے ہیں اور اسی محرومی کی حالت میں مر بھی جاتے ہیں مگر ان تینوں کے پاس یہ مضبوط سہارا موجود تھا جو ان کے لیے کافی تھا اور انھیں یہ بھی یقین تھا کہ وہ سہارے والا انھیں اپنے مقصد میں ضرور کامیاب کرے گا چنانچہ ایک سال تک کی زبردست آزمایش کی حالت میں حضرت ابو سلمہؓ اور حضرت امّ سلمہؓ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرتے رہے لیکن انھوں نے صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور ساتھ ہی ایک جانب تو حضرت امّ سلمہؓ چپکے چپکے صحرا میں جا کر اللہ کے حضور میں گڑگڑاتی رہیں اور آنسوؤں سے زمین کو تر کرتی رہیں کیونکہ ایک یہی وقت تھا جب ان کو کچھ سکون ملتا تھا اور دوسری جانب

حضرت ابو سلمہؓ مدینہ میں اپنی شریک حیات اور لخت جگر سے دور رہ کر خوب دعائیں کرتے رہے لیکن ان لوگوں کو یہ اطمینان تھا کہ یہ ظالم دنیا میں ہمارا سب کچھ لوٹ لینے کے بعد بھی ہمارا ایمان نہیں لوٹ سکتے کیونکہ ایمان پر ہاتھ ڈالنا ان کے بس سے باہر ہے خواہ ساری دنیا ہم سے خفا ہو جائے لیکن ہمارا اللہ تو ہم سے راضی رہے گا۔ چنانچہ ایک سال کی طویل مدت کے بعد آزمائش کی گھڑی ختم ہوتی ہے جو ہمیشہ جاری نہیں رہ سکتی کیونکہ یہ فانی ہے دکھ درد آتے اور جاتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کافروں کے دلوں کو پھیرتا ہے اور بنی مغیرہ والے اس وفادار بندی کو آزاد کرتے ہیں ساتھ ہی بنی اسد والے اس معصوم بچے کو ماں کی گود میں لاکر ڈال دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ دونوں درندوں کے چنگل سے نکل کر تیسرے مرد مجاہد سے جا ملتے ہیں اور تینوں کی آنکھیں خوشی اور مسرت کے آنسوؤں سے چھلکنے لگتی ہیں اور بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں کہ اے رب ذوالجلال تو نے ہمیں اس شدید آزمائش پر صبر کے ساتھ ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یا اللہ تو ہمیشہ ہم پر انعام و اکرام کی بارش فرماتا رہے۔ کتنے پیارے اور سچے تھے وہ لوگ جو اتنی شدید آزمائش میں کھرے اترے، اور ایک ہم ہیں کہ ہم سے شکر و عافیت کا حق بھی کسی درجہ میں ادا نہیں ہوتا۔ یا اللہ تو ہمیں بھی انھی صحابہ کرامؓ کی طرح دین پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرما اور ہماری خطاؤں کو معاف فرما آمین

محمد عثمان منصور پوری، مدنی منزل دیوبند

اخلاق کی طاقت

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اللہ رب العزت اچھے اخلاق کو پسند فرماتا ہے۔ اور ہمارے پیارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی بہت زیادہ تعریف و توصیف بیان کی ہے۔ چنانچہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ اعمال کی ترازو میں خوش اخلاقی سے زیادہ بھاری وزنی کوئی شے نہیں ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ تم میں سے سب سے اچھے وہ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہوں۔

تمام اولیاء کرام اور خدا کے دوسرے نیک بندے بھی ہمیشہ دوسرے کے دلوں کو موہ لینے کی کوشش کرتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کلمۂ حق بلند کیا تو تمام کے تمام آپ کے جانی دشمن ہوگئے اور آپ کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ آپ پر آواز کسنا، آپ کے راہ مبارک میں کانٹوں کا بچھانا کفار مکہ کا روزمرہ کا معمول بن چکا تھا لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کریمانہ

ایک بچے نے آٹھویں میں پورے صوبے میں ٹاپ کیا اور پھر دسویں میں پورے صوبے میں ٹاپ کیا، اخبار نویس اس کا انٹرویو لینے گئے اور اس سے سوال پوچھا:

"تم بڑے ہوکر کیا بنوگے؟"

لڑکا خاموش رہا جب سوال دہرایا گیا تو وہ پھر خاموش رہا۔ باپ نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا۔

"بیٹا شرماتے کیوں ہو۔ بتادو تم بڑے ہوکر کیا بنوگے۔"

لڑکے نے شرماتے ہوئے کہا "میں بڑا ہوکر دولھا بنوں گا۔"

تو دیکھیے کہ ذرہ بھر بھی آپ کی جبین ناز پر شکن نہ آئی اور نہ طیش آیا۔ بلکہ ان کے ساتھ محبت و شفقت سے پیش آئے۔ اگر کوئی بیمار ہوتا تو ان کی مزاج پرسی فرماتے۔ مکے میں جب آپ تھے تو مستقل طور پر ایک گھر سے آپ پر خس و خاشاک کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا۔ ایک روز اس معمول میں فرق پیدا ہوگیا تو آپ نے دریافت فرمایا معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً مزاج پرسی فرمائی۔

عمر بن وہب حضور کا جانی دشمن تھا مقتولین بدر کا انتقام لینے کے لیے جب سردار قریش اُٹھ کھڑا ہوا تو وہ بھی ایک انعام کے حرص طمع میں اپنی تلوار کو بجھا کر مدینہ منورہ پہنچا کہ آج حضور کا کام تمام کر دیا جائے لیکن خدا کی شان کہ اس کا راز فاش ہوگیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس کے ساتھ سختی کرنی چاہی۔ مگر حضور نے منع فرمادیا اور اپنے قریب بٹھا کر اس کی دل جوئی کی اور کوئی تعریض نہیں فرمایا۔ حضور کے اس عمل نے اس کا دل جیت لیا اور وہ شخص جو برا ارادہ لے کر نکلا تھا محسن انسانیت کے پاکیزہ اخلاق، نرمئ مزاج اور پیکر عفو و کرم کو دیکھ کر حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔

دیکھا آپ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار کو، کہ دوسروں کی کس قدر دل جوئی کیا کرتے تھے آپ کی ساری زندگی اچھے اخلاق کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی۔ کفار مکہ آپ کے دشمن تھے۔ آپ کو طرح طرح کی ایذائیں دے چکے تھے۔ آپ کے خلاف سنگین سزائیں تجویز کر رہے تھے۔ اگر آپ کو منظور ہوتا تو ان سے بدلہ فتح ہی کے دن لے سکتے تھے۔ آپ کو مکمل اقتدار تھا لیکن حضور کا اخلاق کریمانہ اور اوصاف عظیمہ تھا کہ

آپ نے سب کو معاف کر دیا۔ آج [illegible] کہ آپ کا یہ عمل کتنا کامیاب ثابت [illegible] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی [illegible] تلقین کی کہ عفو و درگزر سے کا[illegible] اچھے اخلاق سے پیش آؤ، ہر [illegible] دل صاف رکھو ہمیشہ [illegible] استعمال کرو۔

میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہم [illegible] اخلاق جیسی نعمت اور شیریں زبانی عطا فرمائے آمین

محمود اختر۔ امجدی لائبریری۔ گھوسی۔ مئو۔

بھیڑیے اور ایک رکھوالا کتا

بھیڑیوں نے ایک رکھوالے کتے سے کہا کہ ہم تم سے ہر معاملے میں مشابہ ہیں صرف اتنا فرق ہے کہ ہم بالکل آزاد ہیں اور تم حضرت انسان کے غلام ہو۔ وہ تم کو مار مار کر اپنی خدمت لیتا ہے۔ تم سے اپنی بکریوں کی دیکھ ریکھ کا کام لیتا ہے۔ خود تو وہ گوشت کھاتا ہے اور تمھارے سامنے ہڈی ڈالتا ہے۔ بھلا بتاؤ تم اس پر کیسے راضی ہو۔ اگر تم اس انسان کو چھوڑ دو تو پھر ہم تم انتہائی چین و خوشی کی زندگی بسر کریں گے اور اس کی بکریاں ہماری اور تمھاری خوراک بن جائیں گی۔ خوب جی بھر کر کھائیں گے۔ آخر کار رکھوالا کتا ان کے فریب میں آگیا اور ان کے ساتھ ہولیا۔ پھر اس کے بعد بھیڑیوں نے اسے اپنی خوراک بنالیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے اس کا انجام بخوبی سمجھ لینا چاہیے۔

(عربی سے ترجمہ)

محمد صابر اعظمی مقام و پوسٹ راجاپور سکرور اعظم گڑھ

دو ٹھگ

کسی گاؤں میں دو ٹھگ رہتے تھے ایک کا نام تھا ٹھگو اور دوسرے کا نام پگو۔ ٹھگو، پگو سے زیادہ چالاک اور بڑا ٹھگ تھا۔ ٹھگو پگو سے زیادہ کماتا تھا۔ ویسے تو وہ کسان تھے۔ لیکن وہ لوگ کھیتوں پر کام کرنے کے ساتھ ساتھ اجنبی اور سیدھے سادے آدمیوں کو ٹھگنے کا کام کرتے تھے۔ ٹھگو، پگو سے جلتا تھا لیکن ٹھگو پگو سے دکھاوٹی پیار کرتا تھا۔

ایک بار ٹھگو ایک گھوڑا خرید کر گھر لے گیا۔ گھوڑے کو ٹھگو نے تقریباً پانچ سو روپے کے سکے کھلادیے تھے۔ ٹھگو نے اپنے گھوڑے کو پگو کے پاس لے جا کر کہا "دیکھو پگو یہ گھوڑا ہنہناتا ہے تو اس کے منہ سے روپے جھڑتے ہیں"۔ اتفاق سے گھوڑا پگو کے سامنے ہنہنانے لگا اور منہ سے روپے جھڑنے لگے۔ یہ دیکھ کر جھٹ پگو نے ایک ہزار روپے دے کر گھوڑا خرید لیا۔ گھر پر پگو نے اسی طرح گھوڑے کے منہ سے روپے جھڑتے دیکھے، لیکن پھر بعد میں روپے نکلنے بند ہو گئے۔ پگو سمجھ گیا کہ وہ ٹھگا گیا۔ ٹھگو اِدھر روپے لینے کے بعد سوچتا ہے کہ پگو کو جب ٹھگے جانے کا احساس ہو گا تو وہ سیدھا میرے پاس آئے گا۔ اس لیے اس نے دو توتے خریدے کیونکہ ٹھگو پھر پگو کو چکما دینے کی ترکیب سوچ رہا تھا۔ گھر پر آنے کے بعد ٹھگو اپنی بیوی سے کہتا ہے کہ تم جلدی سے کھانا تیار کرو اور ایک توتا اپنے پاس رکھ لو۔ میں ایک مہمان کو لے کر آؤں گا تم اس کے کھانے کے لیے کھانا نکال دینا اور توتا اس کے سامنے رکھ دینا۔ ٹھگو نے جیسا سوچا تھا ویسا ہی ہوا۔ پگو، ٹھگو کے کھیت میں جاتا ہے تو اس سے کہتا ہے کہ تم نے مجھے ٹھگا، ٹھگو چپ رہتا ہے اور معافی مانگتا ہے تو پگو اسے معاف کر دیتا ہے، پھر ٹھگو نے ایک توتا پگو کو دکھاتے ہوئے کہا "یہ توتا میرا ہر حکم مانتا ہے ابھی میں اس توتے کو ایک کام دیتا ہوں۔" ٹھگو توتے کے پاس جا کر کہتا ہے جاؤ اور میری بیوی سے کھانا تیار کرنے

ایک تھانیدار صاحب کا مرغ گم ہو گیا۔ کسی میراثی نے مرغ پکڑا۔ اور ذبح کر کے کھالیا۔ اور مرغ کی کھال دیوار پر لٹکا دی۔ جب تھانیدار کو مرغ نہ ملا۔ تو وہ بڑے رعب سے میراثی کے گھر چھاپہ مارنے گیا۔ اور بڑے رعب سے پوچھا کہ ہمارا مرغ تو اِدھر نہیں آیا۔

میراثی کہنے لگا۔

"جناب آپ کا مرغ یہاں ضرور آیا تھا مگر یہ وردی اتار کر معلوم نہیں کہاں چلا گیا۔"

بادشاہ ..... (مسخرے سے) اچھا تم آ گئے۔ اس وقت میرا دل کسی مسخرے سے گفتگو کرنے کو چاہ رہا تھا۔

مسخرہ...... میں بھی یہی سوچ کر آپ کے پاس آیا تھا

باپ...... (بیٹے سے) "تم کب خوش ہوتے ہو؟"

بیٹا...... جب امی مٹھائی والی الماری کو تالا لگانا بھول جاتی ہیں"

کو کہو۔ توتا اڑ کر چلا گیا۔ جب ہگو، ٹھگو کے
گھر پہنچتا ہے تو دنگ رہ گیا کھانا تیار تھا اور
ایک توتا آنگن میں دانا چگ رہا تھا۔ ہگو سمجھا کہ یہ
کھیت والا توتا ہی ہے اس لیے ٹھگو سے وہ توتا
خرید لیتا ہے۔ کھیت پر جا کر ہگو نے توتے
کو حکم دیا جاؤ اور گھر میں میری بیوی سے کہنا
کہ میرے لیے کھانا تیار رکھے۔ توتا کیا خاک
ہگو کا حکم مانتا۔ توتا جنگل کی طرف بھاگ گیا،
گھر میں جا کر ہگو دیکھتا ہے تو کھانا تیار نہیں
تھا۔ اسے غصہ آیا اس نے بیوی سے پوچھا کیا
کوئی توتا یہاں آیا تھا؟" بیوی بولی نہیں" وہ
دوڑا دوڑا ٹھگو کے پاس گیا اور پوری بات سناتا
ہے تو ٹھگو اسے ایک کمرے میں بند کر کے
خوب مارتا ہے تو ہگو ادھ مرا ہو جاتا ہے، ٹھگو،
ہگو کو ایک بوری میں باندھ کر ندی میں پھینک
دیتا ہے۔ جب ہگو بورے میں بندھ چکا تھا تو
ہگو کو ہوش آچکا تھا۔ اس ندی میں جس میں ہگو
کو پھینکا گیا تھا چرواہے آکر اپنے مویشیوں
کو غسل کراتے تھے جب ان لوگوں کو وہ بورا
ملا جس میں ہگو تھا اسے چرواہوں نے اٹھا کر
کھولا اور ہگو کی مالش کی تو ہگو نے اٹھ کر سب
کو مار کر بھگا دیا اور مویشیوں کو لے کر اپنے گھر
چلا آیا۔ جب ٹھگو کو معلوم ہوا تو وہ ہگو کے
پاس آکر پوچھنے لگا "یہ سب کیسے ہوا، تمھیں یہ
کہاں سے ملے؟" ہگو پوری کہانی سناتا ہے تو
ٹھگو ہگو سے کہتا ہے کہ تم مجھے بھی بیچ ندی
میں بورے میں رکھ کر پھینک دو۔ ہگو نے ٹھگو
کو بورے میں باندھ کر اس میں ایک بھاری لوہا
بھی رکھ دیا تاکہ ٹھگو ڈوب کر مر جائے اور ہگو
ہتھیا لے لے۔ ہگو نے بورے کو بیچ ندی
میں چھوڑ دیا۔ وزنی لوہے نے بورے
کو ڈبو دیا اور ٹھگو مر گیا۔ پھر ہگو مزے سے
اپنی زندگی بسر کرنے لگا۔ ٹھگو کا پورا مال اس
نے لے لیا اور ٹھگو کی بیوی بچوں کو خود
پالنے لگا۔ سبھی مل جل کر رہنے لگے۔

محمد افتخار حسن — کشن گنج بہار

وفاداری

ایک بادشاہ تھا۔ اس کا وزیر بڑا رحم
دل اور غریب پرور تھا۔ بادشاہ کسی وجہ سے
وزیر سے ناراض ہو گیا اور اسے جیل میں ڈال
دیا مگر وزیر کو جیل میں کوئی تکلیف نہ تھی
کیونکہ جیل کے سارے ملازمین وزیر کے زیر
احسان تھے، اس لیے ملازمین نے وزیر کے
آرام کا بڑا خیال رکھا۔

بادشاہ کے ایک دشمن نے اسے
کمزور کرنے کا موقع غنیمت جانا اور اس مضمون
کا خط ایک آدمی کو دے کر خفیہ طور پر جیل کے
اندر وزیر کو بھیجا کہ اے نیک وزیر مجھے معلوم
ہوا ہے کہ تمھارے بادشاہ نے تمھارے اوپر بڑا
ظلم کیا ہے اور بغیر کسی خاص وجہ کے جیل میں
ڈال کر تمھاری بے حرمتی کی ہے۔ تم میرے
یہاں آجانے کا ارادہ کرو، میں تمھاری ہر طرح
خاطر کروں گا۔ وزیر نے جھٹ جواب لکھ کر خط
لانے والے کے حوالے کیا۔ اس نے لکھا کہ

میں نے بادشاہ کا نمک کھایا ہے۔ اگر کسی وجہ سے وہ مجھ پر ناراض ہو گیا ہے تو میں اس کے ساتھ نمک حرامی نہیں کر سکتا۔ وہ میرا محسن ہے اس لیے تم مجھ سے ایسی امید مت رکھنا۔

بادشاہ کو اس خط کتابت کا علم ہوا تو وہ وزیر سے بہت خوش ہوا اور اسے جیل سے رہا کر کے اسے اس کے پرانے عہدے پر بحال کر دیا۔

شمائلہ منظور۔ معرفت ڈاکٹر منظور احمد۔ رفیع گنج (اورنگ آباد)۔ بہار

چھوٹی بہن سے انٹرویو

س : آپ کا نام کیا ہے؟
ج : جی میرا نام رخسانہ بانو عرف بیلی ہے۔
س : آپ کے والد محترم کا نام؟
ج : میرے اور آپ کے دونوں کے والد کا نام محمد حسان ہے۔
س : آپ کہاں کی رہنے والی ہیں؟
ج : میں آسنسول این۔ آر۔ روڈ کی رہنے والی ہوں۔
س : آپ کس اسکول اور کس درجہ میں پڑھتی ہیں؟
ج : میں حاجی قدم رسول کے چھٹے درجے میں ہوں۔
س : آپ کو کس چیز سے دلچسپی ہے؟
ج : مجھے کورس کی کتابوں سے اور سنگیت سے دلچسپی ہے۔
س : آپ کو کون سا کھیل پسند ہے؟
ج : مجھے بیڈ منٹن اور ہاکی پسند ہے۔
س : آپ کو کون سا رسالہ اچھا لگتا ہے؟
ج : مجھے سب سے زیادہ پیام تعلیم اور امنگ پسند ہے۔
س : آپ بڑی ہو کر کیا بنیں گی؟
ج : میں بڑی ہو کر انسپکٹر بنوں گی۔
س : آپ گھر کا کتنا کام کرتی ہیں؟
ج : جتنا کام آپ کرتی ہیں اتنا کام میں کرتی ہوں۔
س : پیامی بھائیوں اور بہنوں کو کوئی پیغام دینا چاہیں گی؟
ج : میں پیامیوں سے یہی کہوں گی کہ وہ پیام تعلیم کو کبھی نہ چھوڑیں اور ہمیشہ دوسروں کی بھلائی کریں۔
س : آپ اپنا پتا بتا دیں تا کہ پیامی آپ سے رابطہ قائم کر سکیں۔
ج : میرا پتا، رخسانہ بانو محمد حسان محمد فرقان، این۔ آر۔ روڈ۔ ریل پار، آسنسول (بنگال)

شبانہ بانو آسنسول مغربی بنگال

عقلمند لڑکی

کئی سال پہلے کی بات ہے الجیریا اور ایک دوسرے ملک کے درمیان لڑائی چھڑ گئی۔ الجیریا کے لوگ باہر نہیں نکل پا رہے تھے کیونکہ دشمن نے شہر کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

لوگ کئی مہینے سے شہر کے اندر ہی بند تھے۔ ان کا غلہ اناج ختم ہونے کے قریب تھا۔ آخر کار وہاں کے حاکم نے تنگ آ کر کہا کہ ہم بہت دنوں سے جنگ کر رہے ہیں اب ہم اور زیادہ دنوں تک نہیں لڑ سکتے کیونکہ ہمارے پاس غلہ ختم ہو چکا ہے۔ شہر سے باہر جا کر بھی کوئی غلہ نہیں لا سکتا۔ دشمن نے شہر کا محاصرہ کر رکھا ہے۔ ہمارے تمام جانور مر چکے ہیں اس لیے دودھ بھی میسر نہیں۔ ہم غذا اور دودھ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ ہم دشمنوں کے آگے ہتھیار ڈال دیں۔

لوگ بہت رنجیدہ ہوئے اور کہا کہ دشمن ہمیں قید کر لیں گے یا مار ڈالیں گے۔ حاکم نے کہا، لیکن ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہماری ہمت جواب دے چکی ہے اور غذا کے بغیر ہم یوں بھی زندہ نہیں رہ سکتے، ہم مر جائیں گے یا دشمن کے رحم و کرم پر ہوں گے۔ وہاں پر ایک چھوٹی سی لڑکی بھی تھی جس کا نام نیلوفا تھا۔ وہ تقریباً بارہ سال کی تھی۔ اس نے افسر سے پوچھا، کیا ہمارے تمام جانور مر چکے ہیں۔ کیا آپ مجھے ایک چھوٹا سا گائے کا بچھڑا نہیں دے سکتے؟ افسر نے لوگوں کو بچھڑا تلاش کرنے کو کہا۔ آخر ایک سفید بچھڑا مل گیا۔ بچھڑے کو انھوں نے نیلوفا کے حوالے کیا اور پوچھا کہ بیٹی تم اس کا کیا کرو گی؟ نیلوفا نے جواب دینے کے بجائے کہا کہ مجھے تھوڑے سے چاول اور گیہوں چاہییں۔ افسر نے لوگوں کو جب یہ چیزیں لانے کو کہا تو انھوں نے فریاد کی کہ گیہوں چاول کہیں بھی نہیں ہیں۔

افسر نے کہا کہیں سے بھی ہو تلاش کر کے لے آؤ۔ لوگوں نے تھوڑے سے چاول گیہوں لا کر افسر کو دیے۔ افسر نے وہ غلہ نیلوفا کو دیا اور پوچھا، کیا کریں گی آپ ان کا؟ نیلوفا نے کہا چاول گیہوں بچھڑے کو کھلا دیا جائے۔ لوگوں نے کہا ہم نے سارا شہر چھان مارا تب یہ ملے۔ لوگوں کے کھانے کو غلہ نہیں ہم سب بھوکے ہیں، تم کہہ رہی ہو بچھڑے کو کھلا دیں ہم ایسا نہیں کریں گے۔ "کیا آپ لوگ اپنے ملک کو دشمنوں سے اور اپنے آپ کو غلامی سے بچانا چاہتے ہیں؟" نیلوفا نے پوچھا۔ سب نے کہا "کیوں نہیں بچانا چاہتے، مگر یہ مٹھی بھر گیہوں ہمیں دشمنوں سے کیا بچائیں گے۔"

"بے شک بچائیں گے۔" نیلوفا نے کہا۔ نیلوفا کے کہنے پر انھوں نے گیہوں اور چاول بچھڑے کو کھلا دیے اور پوچھا اب کیا کریں۔ نیلوفا نے کہا شہر کا بڑا دروازہ کھول کر بچھڑے کو باہر کھیتوں میں ہانک دو۔ دشمن پکڑ لیں گے۔ سب لوگوں نے کہا ہاں پکڑ لیں گے۔ نیلوفا نے جواب دیتے ہوئے کہا "لیکن دوسرے دن تمام لوگ واپس چلے جائیں گے۔"

لوگوں نے گیٹ کھول کر سفید بچھڑے کو باہر کر دیا اور پھر گیٹ بند کر لیا۔ بچھڑا باہر آ کر ہری ہری گھاس کھانے لگا۔ لوگ فصیل پر چڑھ کر بچھڑے کو دیکھنے لگے۔ انھوں نے دیکھا کہ دشمن بچھڑے کو پکڑ لے

گئے۔ دوسرے دن صبح لوگوں نے شہر کی دیواروں پر چڑھ کر دیکھا تو دشمن واقعی واپس جا رہے تھے۔

افسر نے نیلو فا سے دشمن کے چلے جانے کی وجہ دریافت کرنا چاہی تو شہر کے لوگوں نے کہا کہ اس چھوٹی سی لڑکی نے سفید بچھڑے کو کھیتوں میں بھجوایا تو دشمن کے فوجیوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ الجیریا کے لوگ ہماری طرح بھوکے نہیں ہیں۔ ان کے بچھڑے تک گیہوں چاول کھا رہے ہیں۔ دیکھو بچھڑے کے گوبر میں چاول اور گیہوں نکل رہے ہیں تو دشمن کے افسروں نے سوچا کہ شہر کے لوگ بھوکے نہیں ہیں ان کے پاس کھانے کو چاول اور گیہوں موجود ہیں ہم ان سے جنگ نہیں جیت سکتے اس لیے انہوں نے محاصرہ اٹھالیا اور واپس چلے گئے۔

اس طرح چھوٹی سی نیلو فا کی چالاکی اور عقلمندی سے ملک دشمن کے حملے سے بچ گیا۔

(انگریزی سے ترجمہ)

شیخ شفیق احمد عبدالرؤف۔ ۹۰ تیسرا نظام پورہ گول بلڈنگ۔ بھیونڈی (تھانہ) مہاراشٹر

نیکی کا پھل

نام تو اس کا راجا تھا مگر ہم اسے راجو کہتے تھے۔ وہ پچھلے سال سے بھیک مانگ رہا تھا۔ وہ بھیک مانگنا تو نہیں چاہتا تھا مگر اس کا باپ اس سے بھیک منگواتا تھا۔ اس کی ماں اس دنیا میں نہیں تھی اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے باپ کے لیے بھیک مانگنی پڑتی۔ ایک دن راجو بھیک مانگتے مانگتے ایک سیٹھ کی گاڑی کے پاس پہنچا۔ سیٹھ کو اس پر ترس آگیا۔ اس نے راجو سے پوچھا "تم بھیک کیوں مانگتے ہو" تو راجو نے ساری بات بتادی۔

سیٹھ نے راجو سے پوچھا تم رہتے کہاں ہو؟

راجو نے اپنے گھر کا پتا بتایا۔ قریب ہی جھونپڑیاں ہیں جن میں سے ایک اس کی ہے۔ تب سیٹھ راجو کے بابا سے ملے اور کہا "آپ راجو سے بھیک منگوانے کے بجائے مزدوری کرایئے ورنہ آپ تو نشہ کرتے کرتے مرجائیں گے اور راجو چور اچکا بن جائے گا یا اسی طرح بھیک مانگتے مانگتے مر جائے گا۔

سیٹھ کی باتوں کا راجو کے بابا پر

حلوائی کی دکان پر گاہکوں کی بھیڑ تھی۔ ایک چھوٹا سا بچہ آکر بولا۔ "میری ماں نے ویسی ہی مٹھائی مانگی ہے جیسی تم نے پچھلے ہفتے دی تھی۔

حلوائی بہت خوش ہوا اور لوگوں سے کہنے لگا اچھی چیز کی ہمیشہ قدر ہوتی ہے اس لیے لوگ دوبارہ میری دکان پر آتے ہیں۔

اسی وقت بچے نے حلوائی کو ٹوکا۔ مٹھائی پچھلی جیسی ہی رہے۔ ہمارے یہاں کچھ مہمان آئے ہیں ماں نہیں چاہتی کہ وہ دوبارہ آئیں۔

بہت اثر ہوا اور انھوں نے راجو کو تعلیم دلانے کا فیصلہ کر لیا۔ جب اس نے نشے سے بھی توبہ کر لی تو سیٹھ صاحب نے راجو کے والد کو اپنے گھر نوکر رکھ لیا اور راجو کو پڑھانے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی اور اسے اسکول میں داخل کرادیا۔

اسکول میں سیٹھ صاحب کا لڑکا نہال بڑی مشکل سے پاس ہوتا جبکہ راجو بڑی محنت سے پڑھتا۔ اس کی محنت رنگ لائی اور بڑا ہو کر ایک اعلا افسر بن گیا۔ ادھر سیٹھ صاحب نے اپنی ساری جائداد اپنے بیٹے نہال کے نام کردی۔ لیکن پڑھائی کی طرح نہال کاروبار میں بھی ناکام رہا۔ وہ کاروبار نہ سنبھال سکا اور تباہ ہو گیا۔ صدمے سے سیٹھ صاحب کی حالت بتر ہوگئی۔ راجو احسان فراموش نہیں تھا۔ وہ انھیں اپنے گھر لے آیا اور باپ سمجھ کر ان کی خدمت کرنے لگا۔ اس طرح سیٹھ صاحب کو اپنی نیکی کا پھل مل گیا۔

محمد نصیب الہدیٰ، ہدیٰ منزل۔ شاہ پور بکھونی۔ سمستی پور (بہار)

ماں کی نصیحت

بہت پرانے زمانے میں ایک راجا تھا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ ایک روز اپنے گھر میں بیٹھا اللہ پاک سے دعا کر رہا تھا۔ اللہ پاک نے راجا کی دعا قبول فرمائی اور دو سال بعد رانی کے دو بیٹے ہوئے۔ راجا نے ان کا نام محمد ایوب اور دوسرے کا محمد شاہد رکھا۔ راجا رانی ان دونوں بیٹوں کو بہت پیار کرتے۔ جب لڑکے بڑے ہو گئے تو دونوں بھائیوں کو شکار کھیلنے کا شوق ہوا۔ محمد ایوب نے محمد شاہد سے کہا چلو ابو اور اماں سے پوچھیں۔ جب محمد ایوب نے راجا سے کہا ہم دونوں بھائیوں نے سوچا ہے کہ ہم دونوں شکار کھیلنے جائیں۔ تب راجا نے غصے میں آکر کہا آج تک ہم نے شکار نہیں کھیلا، باپ سے پہلے بیٹا کیسے شکار کھیلے گا۔ تب محمد ایوب نے کہا کہ ہم دونوں بھائی شکار کھیلنے ضرور جائیں گے۔

ان کی ماں دروازے پر بیٹھی سب باتیں سن رہی تھی۔ ماں نے کہا بچو، تلوار چلانا سیکھو، جنگ میں دشمن کا مقابلہ کرنا سیکھو تا کہ تمھاری بہادری ملک کے کام آئے اور تمھارا نام روشن ہو۔

محمد عمران، اسلام پور حیدر گنج، بنارس

ایک سیار اور اس کی بیوی اور اس کے تین بچے تھے۔ سیارن بہت چالاک اور نڈر تھی اور سیار بہت ڈرپوک تھا۔ یہ بات سیارن جانتی تھی۔ ایک دن سیار اور سیارن کہیں جارہے تھے۔ ان کو ایک شیر ملا۔ شیر نے کہا اے سیارن تیرے تین بچے ہیں، میں کل انھیں کھاؤں گا۔ یہ سن کر دونوں گھر پہنچے۔ اب دونوں بہت پریشان تھے۔ سیارن نے کہا ترکیب سوچو۔ سیار نے بہانا بنایا ڈر کے مارے کی وجہ سے کچھ بھی نہیں سوجھ رہا۔ سیارن نے کہا میں نے ترکیب سوچ لی ہے۔ دوسرے دن سیارن نے سیار کو سب سمجھایا۔ سیار اپنے غار کے باہر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ادھر شیر

آیا تھا۔ سیار نے کہا ارے بچے کیوں رو رہے ہیں۔ سیان نے کہا ضد کر رہے ہیں کہ شیر کا گوشت کھائیں گے۔ اب میں کہاں سے لاؤں شیر کا گوشت؟ یہ سن کر شیر بھاگ گیا۔
دیکھا تم نے سیان کی سمجھداری سے اس کے تینوں بچے بچ گئے۔

حنا کوثر۔ روڑکیا سندر گوہ۔

دل کی بات

زندگی کے قافلے سے تین قسم کے عناصر تعلق رکھتے ہیں۔ ایک ہوتا ہے رہرو۔ مسافر صرف اپنی منزل مقصود کے لیے قطع مسافت کرتا ہے۔ ایک ہوتا ہے رہبر۔ وہ خود راہ سفر بھی طے کرتا ہے اور دوسروں کو بھی راہ راست دکھاتا ہے۔ ایک ہوتا ہے غول بیابانی۔ اسے نہ سفر کرنا ہوتا ہے اور نہ کوئی منزل حاصل کرنی ہوتی ہے۔ وہ دوسروں کو بھٹکا کر خوش ہوتا ہے۔ ایک ہوتا ہے رہزن۔ اسے بھی نہ منزل کی فکر ہوتی ہے نہ سفر کا جذبہ۔ یہ قافلے والوں پر حملہ کرکے لوٹ مار کرتا رہتا ہے۔ کیا ہم میں سے ہر ایک اپنا جائزہ لے کر بتا سکتا ہے کہ وہ کس دستے یا ٹولی قافلے میں ہے۔ ان چاروں اقسام میں سے وہ کس میں شامل ہے۔

فصیحی تسیم اختر محمد الیاس۔ جسر نگر مالے گاؤں (مہاراشٹر)

موٹا آدمی (تانگے والے سے) کیوں بھائی کیا مجھے اسٹیشن تک لے چلو گے؟
تانگے والا (اسے سر سے پاؤں تک دیکھ کر) جی ہاں لے چلوں گا مگر دو پھیرے لگانا پڑیں گے۔

بحیرۂ مُردار

بحیرہ مردار ایک جھیل نما سمندر کا نام ہے۔ یہ جھیل اردن میں واقع ہے۔ اس کا پانی بہت زیادہ کھاری ہے۔ اسے بحیرہ نمک، بحیرہ میدان، بحیرہ مشرق بھی کہتے ہیں۔ بحیرہ مردار معدنی ذخائر سے بھرا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا پانی بھاری ہے۔ اس سمندر کا پانی بھاری ہونے کی ایک اہم وجہ وہ چٹانیں ہیں جو سمندر کی تہ میں موجود ہیں اور سمندر کے پانی میں حل ہو جاتی ہیں۔ اس سمندر کی بہت اہم اور خاص بات یہ ہے کہ کوئی چیز کتنی ہی وزنی یا بڑے حجم والی کیوں نہ ہو اس میں ڈوب نہیں سکتی۔ اگر سمندر کے سارے نمک کو نکال لیا جائے تو اس سے ۱۰۰ میل لمبی اور ایک میل موٹی دیوار بنائی جا سکتی ہے۔ سمندر کے ایک لٹر پانی میں ۳۰ گرام نمک ہوتا ہے۔ اس سمندر کی لمبائی ۴۲ میل اور چوڑائی ۹ میل ہے۔ بحیرہ مردار کے پانی میں سات فیصد سوڈیم کلورائیڈ، ایک فیصد پوٹاشیم کلورائیڈ اور گیارہ فیصد میگنیشیم کلورائیڈ شامل ہیں۔ اس سمندر کے جنوبی حصے میں جبل اُزدم کے مقام پر

نمک کے ذخائر ملے ہیں۔ اس کے مغربی حصے پر نہانے والوں کے لیے تالاب ہے جس میں لوگ ڈوب نہیں سکتے۔

(ماخوذ)

محمد یحییٰ ۔ محمد سعید مومن ۔ عید گاہ روڈ ۔ بھیونڈی (تھانہ مہاراشٹر)

ایمانداری

یہ ایک ایسی بستی کا واقعہ ہے جو دریا کے کنارے آباد تھی۔ اس بستی میں ایک بہت ہی مالدار آدمی رہتا تھا۔ وہ بہت کنجوس تھا۔ عمر بھی اس کی ساٹھ سے اوپر تھی مگر پھر بھی اس کی ہوس کا یہ عالم تھا کہ سب کا روپیہ اپنے ہی گھر میں جمع کرلیتا۔ اگر وہ عقل مند ہوتا تو اتنی دولت ملنے پر اللہ کا شکر ادا کرتا، اپنے اوپر بھی خرچ کرتا اور مخلوق خدا کو بھی اس مال سے فیض پہنچاتا۔ دنیا بھی آرام سے گزرتی اور راہ خدا میں خرچ کرکے وہ آخرت کے لیے بھی سامان کرسکتا تھا۔

وہ اپنے روپیوں کو گن گن کر رکھتا اور بار بار انھیں الٹتا پلٹتا۔ پہلے زمانے میں نوٹ توتے نہیں۔ سونے چاندی کے سکے ہوتے تھے۔ جب وہ اپنے ہزاروں لاکھوں سکوں کو گنتا تھا تو کافی دیر لگتی تھی اور گنتے وقت سکوں کے الٹنے پلٹنے سے کافی کھنکھناہٹ بھی ہوتی تھی۔ اسے خوف تھا کہ کہیں کسی پڑوسی کو اس کی دولت کا بھید نہ معلوم ہوجائے۔ اس لیے کپڑے میں سکوں کو باندھ لیتا اور کشتی کے ذریعے دریا پار کرکے دوسری طرف جا کر ایک سنسان گوشے میں انھیں گنتا ــــــ ایک دن جب وہ کشتی کے ذریعے لوٹ رہا تھا تو دریا میں طغیانی آگئی اور کشتی الٹ گئی۔ جان بچانے کی جدوجہد میں وہ تھیلی ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں گرگئی۔ اس کی جان تو بچ گئی مگر مال ڈوبنے کا اسے بہت غم تھا۔ اس نے اعلان کردیا کہ اگر کوئی وہ تھیلی ڈھونڈ کر لادے تو میں آدھی اشرفیاں اسے انعام میں دے دوں گا۔

اس بستی میں ایک غریب گھرانا تھا۔ بچوں کے باپ کا انتقال ہوچکا تھا۔ ماں محنت کرکے بچوں کو پالتی۔ کچھ دنوں بعد جا لوکا اس قابل ہوا کہ اسکول سے آنے کے بعد محنت میں ماں کا ہاتھ بٹائے۔ بستی کے لوگ مچھلیاں پکڑنے کا کام زیادہ کرتے تھے۔ یہ لوکا بھی اسکول سے آکر مچھلیاں پکڑنے کا سامان لے کر دریا پر پہنچ جاتا۔ شام تک جو مچھلیاں ہاتھ آتیں وہ بازار لے جا کر فروخت کردیتا اور اگر کسی دن کوئی مچھلی فروخت ہونے سے رہ جاتی تو وہ گھر میں پکالی جاتی۔

ایک روز مچھلیاں پکڑتے وقت اس کا کانٹا بھاری محسوس ہوا۔ اسے خیال ہوا کہ یا تو بہت بڑی مچھلی کانٹے میں پھنس گئی ہے یا کوئی اور دریائی جانور ہے۔ اللہ کا نام لے کر اس نے آہستہ آہستہ کھینچنا شروع کیا۔ دیکھتا کیا ہے کہ کپڑے کی بندھی ہوئی ایک تھیلی

ہے۔اس نے سوچا کہ کانٹے کو جھٹک کر اس
تھیلی کو دریا ہی میں پھینک دے۔ مگر پھر
اسے خیال ہوا کہ اس میں اتنا وزن کیوں ہے۔
دیکھنا چاہیے۔ گٹھری کھولی تو اس میں جگ
مگ جگ مگ کرتی ہوئی اشرفیاں نکلیں۔ لڑکا
تو تھا غریب مگر بے ایمان نہیں تھا۔ تعلیم
کے دوران اسے نیکی اور خوف خدا کی تعلیم دی
گئی تھی۔ اسے یقین تھا کہ یہ بات کسی کو
معلوم ہو یا نہ ہو، مگر خدا کو معلوم ہو گا ہی۔

شیطان نے اسے لالچ بھی دیا اور
اس کے دل میں طرح طرح کے فائدوں کے
خیالات ڈالے۔ مگر اسے یقین تھا کہ حساب
کے دن یہ بات چھپ نہ سکے گی۔ آج کوئی
دیکھ نہیں رہا ہے مگر کل حشر کے دن پوری
مخلوق کے سامنے رسوائی ہو گی۔ بس پھر کیا
تھا وہ اٹھا اور گھر جانے کے بجائے قاضی شہر
کے یہاں چلا گیا اور پورا مال جوں کا توں
حوالے کر دیا۔ قاضی صاحب لڑکے کی
ایمانداری سے بہت خوش ہوئے۔ اسے
مبارک باد دی۔ لڑکا اپنا فرض ادا کر کے جب
جانے لگا تو قاضی صاحب نے اسے روک لیا
اور کہا کہ ٹھہرو۔ جس شخص کا یہ مال ہے اسے
بلواتا ہوں۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ مال لانے
والے کو آدھی اشرفیاں انعام میں دے گا۔
چنانچہ آدمی بھیج کر اس بوڑھے کنجوس کو بلوایا
گیا۔

کہتے ہیں کہ اتنے دنوں میں بوڑھا
کافی کمزور ہو گیا تھا۔ اسے اپنے مال کے چلے
جانے کا غم دن بہ دن کھائے جاتا تھا۔ قاضی
صاحب کے دربار میں آ کر اس نے اپنا مال
بحفاظت دیکھا تو خوشی سے اس کا چہرہ کھل
گیا۔ قاضی صاحب نے ایماندار لڑکے کی
تعریف کی اور کہا کہ دیکھو اس لڑکے کی وجہ
سے تمہارا مال ملا ہے۔ اب اپنے وعدے کے
مطابق آدھا مال اسے دے دو۔

یہ سنتے ہی کنجوس کا چہرہ پھر کملا
گیا، مگر انکار کیسے کرتا۔ کہنے لگا قاضی صاحب
ذرا میں مال کی گنتی کر لوں۔ قاضی صاحب نے
اجازت دے دی۔ گنتی میں اشرفیاں پوری
تھیں کیونکہ پہلے ہی وہ اپنی اشرفیوں کی تعداد
قاضی صاحب کے رجسٹر میں درج کرا چکا تھا۔
وہ سوچ رہا تھا کہ ایک آدھ اشرفی بھی کم نکلے
تو لڑکے کو بے ایمان قرار دے کر اسے انعام
کی رقم دینے سے انکار کر دے۔ مگر اب کیا
کرے؟ اتنے میں اسے ایک بہانا سوجھا۔

بولا، قاضی صاحب میں بتانا بھول گیا
تھا ان اشرفیوں کے ساتھ اس تھیلی میں میرے
دو بہت قیمتی ہیرے بھی تھے۔ وہ اس میں
موجود نہیں ہیں۔ قاضی صاحب اور دوسرے

بس میں سوار ایک کنجوس کرایہ کم ادا کرنے پر
مصر تھا۔ اور جھگڑتا جا رہا تھا۔ کنڈکٹر کو جو غصہ
آگیا تو وہ کنجوس کا ٹرنک اٹھا کر باہر پھینکنے لگا۔
کنجوس نے طیش میں آ کر کہا۔ ایک تو تم مجھ سے
زیادہ کرایہ نکالنے کی فکر میں ہو اور دوسرا ستم یہ کہ
میرے بچے کو بھی زخمی کرنا چاہتے ہو۔"

وکیل۔ (ڈاکٹر سے) آپ کی ذرا سی غلطی
آدمی کو چھ فٹ نیچے دفن کر سکتی ہے۔
ڈاکٹر (وکیل سے) اور آپ کی ذرا سی
غلطی آدمی کو چھ فٹ اوپر لٹکا سکتی ہے۔

لوگ بوڑھے کی بدنیتی کو پہچان گئے۔ قاضی صاحب نے وہ اشرفیاں لے لیں اور کپڑے میں باندھ کر ساری کی ساری اس لڑکے کو دے دیں اور کہا۔

"لو میاں یہ لے جاؤ، یہ سب تمہاری ہیں۔ یہ ان بڑے میاں کی گٹھری نہیں ہے۔

ان کی گٹھری میں تو ہیرے بھی ہیں۔" پھر قاضی جی نے بڑے میاں سے کہا، آپ جا سکتے ہیں۔ جب آپ کی گٹھری ملے گی جس میں ہیرے بھی ہیں تو آپ کو بلوا لیا جائے گا۔

ساجد پرویز۔	سیوان (بہار)

ندامت

آدمی کتنا خود غرض ہے یہ تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں۔ ہر شخص اپنے آپ کو دوسرے پر برتر ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے یہ نہیں معلوم کہ ہر عروج کے بعد زوال لازم ہے۔ یہی کچھ افضل کے ساتھ ہوا، افضل جو ایک معزز مالدار گھرانے کا چشم و چراغ تھا، جسے اپنے باپ کے اعلیٰ عہدے اور گھر میں دولت کی بہتی گنگا پر غرور تھا۔ عیش و عشرت اس کی زندگی کا جزو بن گیا تھا وہ کسی کو بھی اپنی خاطر میں نہ لاتا۔ بچپن سے باپ کی محبت اور ماں کے لاڈ پیار نے اسے بگاڑ دیا تھا۔ افضل برے دوستوں کی صحبت میں اور بگڑ گیا۔

اس کے والدین اپنے بچے کو فرماں بردار اور اچھی خوبیوں کا مالک دیکھنا چاہتے تھے۔ مگر جب وہ ان کے کہنے میں نہیں رہا تو اسے گھر سے نکال دیا گیا۔ افضل کے پاس جب پیسے نہ رہے تو اسے فکر لاحق ہوئی۔ اس نے دوستوں کا سہارا لینا چاہا لیکن دوستوں نے بھی اس سے اپنا دامن چھڑا لیا اور اسے اندھیرے میں بھٹکنے کے لیے چھوڑ دیا۔

افضل کو اب پتا چلا کہ اس کے دوست اس کی دولت کی وجہ سے قریب تھے اور جب برا وقت آ گیا تو سب نے ساتھ چھوڑ دیا۔

افضل دوسرے شہر میں ایک معمولی سی نوکری پر لگ گیا۔ اب اسے احساس ہوا تھا کہ نوکری کیا چیز ہے۔ کن کن لوگوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ اس کے گھر میں بھی کئی نوکر ہیں۔ وہ بھی رنگیلا زندگی گزارتا، مگر اپنی بری عادتوں پر پابندی لگا لیتا۔ اب اسے گھر کی یاد آ رہی تھی۔ سوچ رہا تھا، میں نے والدین کو بہت تکالیف دی ہیں مجھے وہ کبھی معاف نہیں کریں گے۔ لیکن اس کے ضمیر نے آواز دی "نہیں، ماں باپ ہمیشہ محبت و خلوص کے پیکر ہوتے ہیں، وہ تجھے ضرور معاف کر دیں گے۔ تو واپس گھر جا... گھر جا... گھر جا...."

اس کشمکش میں افضل جذبات سے مغلوب ہو کر لڑکھڑاتے قدموں سے گھر کی جانب چل پڑا۔ جب گھر کی ڈیوڑھی پر پہنچا تو سب سے پہلے اس کی نظر ماں پر پڑی۔ افضل کو دیکھ کر وہ دوسری طرف منہ پھیر کر چل

پڑی۔ افضل کا دل تڑپ اٹھا، لیکن ہمت کر کے آگے بڑھا اور ماں کے قدموں میں گر گیا۔ ماں سے رو رو کر معافی مانگی اور ان تمام کاموں سے توبہ کی جن کی وجہ سے اسے نادم ہونا پڑا تھا۔ اس کی آنکھوں سے ندامت کے آنسوں بہنے لگے۔ ماں نے اسے معاف کر دیا۔ باپ نے بھی معاف کر دیا اور دونوں نے اسے گلے لگالیا۔

مسعود احمد قریشی منگرول پیر

فقیر کی بددُعا

باسط بہت ہی شریر لڑکا تھا۔ امیر ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ بہت ہی ضدی اور گھمنڈی ہو گیا تھا۔ آئے دن نئی نئی شرارتیں کرتا۔ روز کسی نہ کسی کو ستاتے ہی رہتا۔ نیا آدمی تو اس کی شرارتوں کا شکار ہوئے بنا رہتا ہی نہ تھا۔

ایک دن ایک اندھا فقیر اس کے محلے میں بھیک مانگنے کے لیے آیا۔ فقیر گھر گھر صدا لگا رہا تھا۔ "اللہ کے نام پر کھانے کے لیے کچھ دے دو"۔ جب فقیر باسط کے بنگلے پر خیرات مانگنے پہنچا تو اس نے فقیر کے برتن میں بہت سارا مرچ پاؤڈر ڈال دیا۔ فقیر اندھا تھا اس لیے اسے کچھ نظر نہیں آیا۔ باسط گیٹ کی آڑ میں کھڑا شرارت بھری نظروں سے فقیر کو

ایک صاحب سڑک پر اکیلے ٹہل رہے تھے ادھر سے ایک ڈاکو ان کے پاس آ گیا ڈاکو نے نہایت ہی سادگی سے پوچھا۔

"صاحب جی، آپ نے یہاں کسی پولیس والے کو تو نہیں دیکھا" اس نے نفی میں جواب دیا پھر ڈاکو نے پوچھا

"کسی اور شخص کو تو نہیں دیکھا"

جواب ملا

"ارے بھائی تمہارے سوا اور کسی کو نہیں دیکھا"

ڈاکو پستول نکالتے ہوئے بولا "پھر جو کچھ تمہارے پاس ہے نکال دو"

دیکھ رہا تھا۔ فقیر گیٹ کے ایک بازو میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگا۔ فقیر نے جیسے ہی لقمہ منہ میں ڈالا، اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ وہ ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکا۔ ایک دم اس کے منہ سے یہ بد دعا نکلی "جس نے بھی میرے کھانے کا ستیاناس کیا، اللہ کبھی اس کا بھلا نہیں کرے گا۔"

دوسرے دن باسط کرکٹ کھیلنے گیا تو ایک ساتھی کی گیند منہ پر اتنی زور سے لگی کہ اس کے سامنے کے دو تین دانت ٹوٹ گئے اور زبان بھی بری طرح چھل گئی اور منہ خون سے لہو لہان ہو گیا۔ ایک دم اسے فقیر کے ساتھ کی ہوئی شرارت یاد آ گئی اور فقیر کی بد دعا بھی۔

اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اس نے توبہ کی کہ اب میں کسی کو نہیں ستاؤں گا اور ہر ایک کے ساتھ اچھا سلوک

کروں گا۔ اس کے بعد باسط نے شرارتیں کرنا اور لوگوں کو ستانا چھوڑ دیا اور نیک لڑکا بن گیا۔ دیکھا بچو، کسی کو ستانے کا کتنا برا انجام ہوتا ہے۔

شفیق الرحمن، وارڈ نمبر ۱۳۔ جرمی پورہ، منگرول پیر ۲۰ کولہ (مہاراشٹر)

قدرت خدا

ایک مرتبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالی سے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھے یہ دکھلا دیجیے کہ تو مردوں کو قیامت میں کس طرح زندہ کرے گا۔ حق تعالی نے ارشاد فرمایا کہ کیا اس پر یقین نہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ یقین تو ہے، لیکن اس لیے تاکہ میرے قلب کو مشاہدہ کرنے سے سکون واطمینان حاصل ہو۔ ارشاد ہوا اچھا تو تم چار پرندے لو، ان سب کو ذبح کرو اور ان کا قیمہ سا کرکے اس کے کئی حصے کرو اور الگ الگ پہاڑوں پر رکھ دو اور چاروں کے سر اپنے ہاتھ میں پکڑو۔ پھر ان کو نام بنام بلاؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ایک کو پکارا، اس کا دھڑ اڑ کر ہوا میں کھڑا ہوا، پھر پاؤں ملے۔ پھر پر لگے اور وہ دوڑتا ہوا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف آیا اور سر سے مل گیا۔ اس طرح چاروں پرندے زندہ ہو گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عین الیقین حاصل ہوا اور سکون ملی۔

اعجاز احمد گیاوی متعلم، عین الاسلام نوادہ، مبارکپور، اعظم گڑھ۔ یو۔ پی۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی

تامی ایک دیہات کا رہنے والا لڑکا تھا وہ بہت مغرور تھا۔ گانو میں اسکول نہ تھا اس لیے تامی کو شہر کے اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ مہینے میں دو مرتبہ سبھی بچے اپنے اپنے گھر جا کر اپنے والدین سے مل کر آتے تھے۔ تامی کو اس کی ماں کے لاڈ پیار نے بگاڑ دیا تھا۔ وہ پڑھائی میں بہت کمزور تھا۔ وہ اپنے آپ کو نواب زادہ سمجھتا تھا۔ اس کی کلاس میں موہن پڑھتا تھا۔ وہ بہت ذہین اور عقلمند تھا۔ اس کے والد پیشے سے حجام تھے۔ استاد اور دوسرے لڑکے اس کو بہت چاہتے۔ تامی استادوں اور ساتھیوں کی چاہت دیکھ کر موہن سے رشک کرنے لگا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی غریب کے لڑکے کو اتنی عزت ملے حالانکہ اس کے سارے ساتھی امیر ہیں اور پھر وہ خود بھی امیر ہے۔

تامی سوچنے لگا ضرور کچھ کرنا ہوگا۔ آپ نے سنا ہوگا کہ خالی دماغ شیطان کا گھر ہوتا ہے۔ تامی اور اس کے چند ساتھی ترکیبیں سوچنے لگے۔ تامی کو ایک ترکیب سوجھی۔ اکثر موہن کا گزر بس اسٹینڈ کے قریب سے ہوتا تھا۔ تامی کے ساتھی تامی سے

جیسے ہی بس اسٹینڈ پر پہنچ گئے ۔ ٹامی کے ساتھیوں نے اسے موہن سمجھ کر دھکیل دیا جیسے ہی انھوں نے ٹامی کو دھکیلا اس کی بس سے ٹکر ہو گئی اور ٹامی منہ کے بل اوندھا گر پڑا۔ اس کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا اور سیدھی ٹانگ میں گہری چوٹ لگی تھی۔ وہ سڑک پر پڑا درد سے تڑپ رہا تھا۔ ٹامی کے ساتھی اسے دھکیل کر بہت خوش ہوئے کیونکہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئے تھے ٹامی کے ساتھی اسے موہن اس لیے سمجھ رہے تھے کہ ٹامی جب سڑک پر سے گزر رہا تھا تو اس کی نظر ایک کتے پر پڑی اور اسے شرارت سوجھی اور اس نے پتھر اٹھایا اور کتے کو مار دیا۔ کتے کو غصہ آیا اور اس نے ٹامی پر حملہ کر دیا۔ ٹامی اپنی جان بچا کر بھاگ آیا۔ حملے کے دوران ٹامی کی شرٹ پھٹ گئی۔ اس وجہ سے ٹامی کے ساتھیوں نے اس کے پھٹے کپڑے دیکھ کر، موہن سمجھ کر دھکیل دیا۔

ادھر ٹامی کے چاروں طرف ہجوم جمع ہو گیا اور شدید چوٹ لگنے کی وجہ سے ٹامی بے ہوش ہو گیا تھا۔ اچانک موہن کی نظر ہجوم پر پڑی خوبصورت لوگوں کی مدد کرنا ہی موہن کا فرض تھا اور مرم تھا۔ موہن جیسے ہی ہجوم کی طرف لپکا اس نے دیکھا کہ سڑک پر بے ہوش لڑکا پڑا ہے جو کوئی اور نہیں بلکہ اپنے ہی کلاس کا ساتھی ٹامی تھا۔

اگر موہن چاہتا تو اسے وہیں چھوڑ دیتا مگر اس نے ایسا نہیں کیا۔ وہ ہجوم کے لوگوں کو دھکیلتا ہوا آگے بڑھ گیا اور ٹامی کو لیکر ہسپتال پہنچا۔ خدا کا شکر ہوا کہ پیر کی ہڈی کو چوٹ کم لگی تھی ورنہ وہ زندگی بھر کے لیے اپاہج ہو جاتا۔ جب ٹامی کو ہوش آیا تو اسکے سامنے موہن کھڑا تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا کہ موہن نے ہی اسکی جان بچائی ہے تو وہ شرم کے مارے پانی پانی ہو گیا کیونکہ ٹامی ہر قدم پر موہن کو نیچا دکھانے کی کوشش کرتا تھا۔ ٹامی نے موہن کا شکریہ ادا کیا اور اس دن سے ٹامی اور موہن میں گہری دوستی ہو گئی اور ٹامی کے ساتھیوں کو بھی شرمندگی اٹھانی پڑی کیونکہ انھوں نے جس بھلے لڑکے کی برائی چاہی تھی خود ان کے ساتھی کا برا ہوا۔ اس دن سے ٹامی اور اسکے ساتھیوں نے توبہ کر لی کہ وہ آئندہ سے کسی کا برا نہیں چاہیں گے۔

دیکھا بچو ۔ کس طرح سے

ایک شخص نے قسطوں پر ریڈیو خریدا۔ مگر کچھ عرصہ تک قسط کا روپیہ ادا نہ کر سکا۔ اس پر اسے کمپنی والوں کی طرف سے ایک خط آیا جس میں لکھا تھا۔

"اگر ہم ریڈیو واپس لے جائیں تو آپ کی بڑی بے عزتی ہو گی۔ اور اس کے متعلق آپ کے ہمسائے کیا سوچیں گے۔

چند دن بعد اس شخص نے جواب دیا۔

"میں نے اپنے ہمسایوں سے دریافت کر لیا ہے۔ وہ اطمینان کا سانس لیں گے۔

کسی نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

"جناب موت کا آپ کس طرح پتہ لگاتے ہیں

مرد کی دھڑکن دیکھ کر اور عورت کی زبان"۔
ڈاکٹر نے جواب دیا۔

دوسروں کا برا چاہا، اپنا ہی برا ہوا۔
اس لیے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔
"جیسی کرنی ویسی بھرنی"

کوثر نظیر احمد : بیجاپور

سائنس اور ہم

اللہ تعالی نے انسان کو دنیا میں اشرف المخلوقات کا درجہ دیا اور اسے عقل جیسی دولت سے نوازا۔ انسان نے آج اسی عقل کی بدولت نئی نئی ایجادات کیں اور آسمان کی بلندی کو بھی ناپنے میں کامیاب ہو گیا۔ سائنسی میدان میں کی گئیں ایجادات ایسی حیرت انگیز ہیں کہ ہماری عقل حیران اور نظر پریشان ہے۔
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی
آج سائنس نے بہت ترقی حاصل کرلی ہے اور سائنس داں نئی نئی ایجادیں کر رہے ہیں۔ جن کا شمار مشکل ہے۔ سائنس نے نئی نئی ایجادات کر کے ہمیں بے شمار آسائشیں مہیا کردی ہیں۔ ٹیلی وژن بھی ایک سائنسی ایجاد ہے۔ اس سے ہمیں بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ گھر بیٹھے دنیا بھر کی خبریں حاصل ہوتی ہیں۔ معلوماتی پروگراموں سے ہم باخبر ہوتے ہیں۔ ہماری تفریح بھی ہوتی ہے۔ ریڈیو بھی ایک اہم چیز ہے جس سے ہمیں دنیا بھر کی خبریں حاصل ہوتی ہیں۔ ریڈیو سے اعلانات نشر کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی کام لیے جاتے ہیں۔ ریڈیو بھی گھر بیٹھے ہماری تفریح کا ذریعہ ہے اور بھی کئی چیزیں مثال کے طور پر ٹیلی فون، ہوائی جہاز، مختلف سواریاں، ٹیلی گراف، ٹیلی پرنٹر، پریس مشین، برقی پنکھا، گیس کا چولھا، برقی چولھا، فریج، استری وغیرہ بھی ہمارے بہت کام آتے ہیں۔ غرض کہ سائنس کی ایجادات ہمارے بڑے کام کی ہیں۔

سائنس کے فائدوں کے ساتھ ساتھ ہمیں بہت سے نقصانات بھی ہوتے ہیں۔ جیسے ٹی۔وی کا اثر لوگوں کی آنکھوں پر پڑتا ہے۔ بچوں کے عینک لگ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ٹی۔وی پر خراب پروگرام دیکھ کر ان کا اثر بچوں کے کردار اور اخلاق پر بھی پڑتا ہے۔ بچے آوارہ اور بد تمیز ہو جاتے ہیں۔ سائنس دانوں نے مشین گن، Atom Bomb جنگی طیارے وغیرہ جیسی خطرناک چیزیں ایجاد کیں۔ ایٹم بم تو بہت خطرناک چیز ہے۔ آپ کو ایٹم بم کے بارے میں پتہ ہو گا کہ جب ناگاساکی اور ہیروشیما پر بم گرائے گئے تھے تو وہاں سب کچھ نیست و نابود ہو گیا تھا۔
مختلف مشینیں بھی سائنس کی ایجاد ہیں۔ اب ہر کام مشینوں کی مدد سے ہوتا ہے۔ مہینوں اور سالوں میں ختم ہونے والا کام گھنٹوں میں ختم ہو جاتا ہے۔ کارخانوں میں

مشینوں کے استعمال سے بے کاری اور بے روز گاری بڑھتی جارہی ہے۔ لوگ غریب سے غریب تر ہوتے جارہے ہیں کیونکہ سو مزدوروں کا کام صرف ایک مشین پورا کرتی ہے۔اس لیے کارخانوں میں مزدوروں کی تعداد گھٹتی جارہی ہے۔

سائنس ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بہت سے فائدوں کے ساتھ مختلف نقصانات بھی پہنچاتی ہے اور انسان کی تباہی وبربادی کا ذریعہ بنتی جارہی ہے۔ سائنس داں ہمیشہ نئی نئی چیزیں ایجاد کرتے ہیں لیکن وہ یہ نہیں سوچتے کہ انسان کو ان چیزوں سے کیا نقصان ہوسکتا ہے ان چیزوں کا استعمال تعمیری کاموں میں کرتا ہے یا تخریبی کاموں میں۔ سائنس ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ ہم ان نقصانات سے کس طرح بچیں اور انسان بھی بلاتوقف بنا سوچے سمجھے سائنسی ایجادات کا مختلف طریقوں سے استعمال کررہا ہے چاہے وہ غلط استعمال ہو یا صحیح۔ انسان اپنے نفع و نقصان کو بھول چکا ہے۔ سائنس کی وجہ سے ہماری دنیا بہت بدل گئی ہے۔

سعدیہ فخرالدین دیش مکھ۔ روم نمبر ۲۵۔ منی ہال بلڈنگ۔ پی ٹی اوڈیان۔ بمبئی

فارم IV حسب قاعدہ 8

بابت پیام تعلیم - نئی دہلی ۲۵

۱۔ مقام اشاعت: جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔۔۱۱
۲۔ وقفۂ اشاعت: ماہنامہ
۳۔ پرنٹر کا نام: سید وسیم کوثر ہندستانی پتا جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵-۱۱
۴۔ پبلشر کا نام: ،، ،،
۵۔ اڈیٹر کا نام: شاہد علی خاں ،، ،،
مالکان کا نام اور پتے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۲۵-۱۱

چیرمین: ڈاکٹر سید ظہور قاسم اے-۵ ڈیفنس کالونی نئی دہلی
۱۔ ڈائرکٹر: نواب اقبال محمد خاں۔ کف پریڈ کولابہ بمبئی ۵
۲۔ ،، سید مجتبیٰ حسین زیدی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔۔۱۱
۳۔ ،، ضیاء الحسن فاروقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔۔۱۱
۴۔ ،، بشیر الدین احمد وائس چانسلر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی ۲۵
۵۔ ،، خواجہ محمد شاہد۔ ڈی ۱۱/۲۔ قدوائی نگر (ویسٹ) نئی دہلی
۶۔ ،، صدیق الرحمن قدوائی۔ باغ شفیق جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

کمپنی کے سرمایے کے ایک فیصد سے زیادہ کے حصے دار جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵۔ اسلامی یتیم خانہ کینڈی سی فیس بمبئی،

میں سید وسیم کوثر تصدیق کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا اطلاعات میرے علم و یقین کے مطابق درست ہیں۔

دستخط
سید وسیم کوثر
۲ر مارچ ۱۹۹۵ء

"چاہئے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لاالٰہ الا اللہ" — سرسید احمد خاں

ماہنامہ
پیام تعلیم
نئی دہلی

اپریل ۱۹۹۵ء   جلد ۳۲   شمارہ ۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں سے باتیں

یہ شمارہ جب آپ کے ہاتھ میں ہوگا تو آپ امتحانات کی تیاری میں لگے ہوں گے۔ اِدھر اُدھر کی بیکار باتوں میں اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کیجیے بلکہ خوب دل لگا کر پڑھیے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ انشاء اللہ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔ عابد علی خاں تحریری مقابلے کے تمام انعامات بھجوا دیے گئے ہیں امید ہے تمام پیامیوں کو مل گئے ہوں گے۔ جس پیامی کو اب تک نہ ملے ہوں ان کو چاہیے کہ فوراً اپنے ڈاکخانے کو شکایتی خط لکھیں اور یہاں اس کی نقل بھجوائیں تاکہ ہم بھی اپنے ڈاکخانے سے پوچھ تاچھ کر سکیں۔

کاغذ اور طباعت کے اخراجات ناقابل برداشت حد تک بڑھ گئے ہیں۔ بیشتر سرکاری اور غیر سرکاری اداروں نے اپنے اپنے رسائل کی قیمتوں میں اضافہ کر دیا ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے پیام تعلیم کے سالانہ زر تعاون میں اضافہ نہ کیا جائے تو پھر اپنے اسکول اور دوست احباب کو اس کا خریدار بنائیے اور اس کی اطلاع ہم کو بھی دیجیے تاکہ ہم آپ کا شکریہ بھی ادا کر سکیں۔

آپ کی خواہش کے احترام میں ہم نے اس ماہ سے ایک قسط وار کہانی شروع کر دی ہے اس کے بارے میں اپنی رائے لکھیے۔

فی پرچہ 4/50   سالانہ =/40
سرکاری اداروں سے =/55 روپے
رجسٹری سے منگانے کی صورت میں مزید ۱۸ روپے خرچ آئے گا
غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) =/320 روپے

ایڈیٹر: **شاہد علی خاں**

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار، دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲

پرنٹر و پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

قرآن کی تلاوت

عتیق الرحمٰن صدیقی

قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے جو پوری کائنات کے لیے ہدایت اور نجات کا ذریعہ ہے۔ یہ تلاوت کرنے کے لیے بھی ہے اور غور و فکر کرکے عمل کرنے کے لیے بھی۔ اس کتاب سے ہمارا تعلق جتنا مضبوط ہوگا ہم انفرادی طور پر اور اجتماعی لحاظ سے بھی اتنے ہی توانا اور مضبوط ہوں گے اور اگر ہم اس سے رشتہ کم زور کرلیں گے تو ہم انتشار کا شکار ہو جائیں گے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد کے مطابق اللہ کی کتاب ہی اللہ کی رسّی ہے جو آسمان سے زمین تک اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان تنی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسّی کو مضبوط پکڑنے کا حکم دیا ہے۔ یہ ایک طرف ہمارا تعلق اللہ سے قائم کرتی ہے اور دوسری طرف تمام ایمان والوں کو آپس میں ملا کر ایک جماعت بناتی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اے قرآن کے ماننے والو! قرآن کو تکیہ نہ بنانا (اس سے غافل نہ ہونا) اور رات دن کے اوقات میں اس کی ٹھیک ٹھیک تلاوت کرنا اور اس کے پڑھنے پڑھانے کو رواج دینا اور اس کے الفاظ کو صحیح طریقے سے پڑھنا اور جو کچھ قرآن میں بیان ہوا ہے ہدایت حاصل کرنے کی غرض سے اس پر غور و فکر کرنا تاکہ تم کام یاب ہو اور اس کے ذریعہ دنیاوی نتیجہ کی خواہش نہ کرنا بلکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے اسے پڑھنا۔" (مشکوٰۃ)

آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ دل کو بھی زنگ لگتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی سے زنگ لگتا ہے۔ پوچھا گیا کہ دلوں کے زنگ کو دور کرنے والی کیا چیز ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ دل کا زنگ اس طرح دور ہوتا ہے کہ آدمی موت کو بہت یاد کرے اور دوسرے یہ کہ قرآن کی تلاوت کرے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے لیے پہلی ضروری بات یہ ہے کہ ہم پاک اور صاف ہوں یعنی ہم وضو کرکے قرآن مجید کو ہاتھ لگائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اس کو وہی ہاتھ لگاتے ہیں جو نہایت پاک ہوں۔" (القرآن)

تلاوت شروع کرتے وقت اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھیں اور اپنی نیت کو خالص کرنے کا پورا پورا اہتمام کریں۔ ہمارا مقصد اللہ کی خوش نودی حاصل کرنا ہو نہ کہ ہم شہرت چاہتے ہوں اور اپنی خوش الحانی اور دین داری کی دھاک بٹھانا ہمارا مطلب ہو۔ اگر ہماری خواہش یہ ہو کہ لوگ ہماری تعریف کریں تو شاید ہمیں یہ مقصد حاصل ہو جائے' مگر ہم اللہ کی کتاب سے رہ نمائی اور ہدایت نہیں پاسکیں گے۔

یہ تلاوت پوری پابندی کے ساتھ ہو اور بلا ناغہ ہو۔ بہتر یہ ہے کہ ہم صبح کے وقت قرآن مجید کی تلاوت کو معمول بنائیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو قرآن کی تلاوت اور ذکر کا پابند بنالو تو اللہ تمھیں آسمان پر یاد کرے گا اور زندگی کے اندھیروں میں تمھارے لیے روشنی کا کام دے گا۔ یہ تلاوت ذوق و شوق اور خوش الحانی سے ٹھیر ٹھیر کر کی جانی چاہیے تاکہ اس کا اثر پڑھنے والے کے دل پر ہو اور سننے والے میں عمل کا جذبہ بیدار ہو۔ بے دلی کے ساتھ جلدی جلدی پڑھنا اور حروف کی صحت کا خیال نہ رکھنا اچھا نہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون کے ساتھ ایک ایک حرف کو واضح اور ایک ایک آیت کو الگ الگ کر کے پڑھا کرتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص خوش الحانی سے قرآن کی تلاوت نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں۔" مطلب یہ ہے کہ قاری فطری انداز میں سادگی کے ساتھ پڑھے۔ راگ اور گیت کا سا انداز نہ اپنائے' تاکہ اس کا دل اللہ کی طرف متوجہ رہے۔ پڑھتے ہوئے اس کی آواز نہ تو زیادہ بلند ہو اور نہ زیادہ پست ہو بلکہ اعتدال کی درمیانی آواز سے پڑھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"اور اپنی نماز میں نہ تو زیادہ زور سے پڑھیے اور نہ بالکل ہی دھیرے دھیرے بلکہ دونوں کے درمیان کا انداز اختیار کیجیے۔"

قرآن مجید کو خوب سوچ سمجھ کر پڑھنا چاہیے اور اس جذبے کے ساتھ پڑھنا چاہیے کہ اس کے احکام پر عمل کرنا اور منع کی گئی باتوں سے بچنا ہے۔ صحابہ کرامؓ قرآن مجید کو نہایت غور سے پڑھتے تھے بعض صحابۂ کرام نے اپنے بارے میں خود فرمایا کہ انھوں نے سورۂ بقرہ پڑھنے اور اس پر غور کرنے میں پورے آٹھ سال لگا دیے۔

حضرت حسن بصریؒ جو ایک مشہور عالم' حافظ اور بزرگ گزرے ہیں' فرماتے ہیں:

[illegible]

[illegible] نازشِ ارض و سما ہیں [illegible] مکرم بعد از خدا ہیں
خدا ہے سب سے اونچی شان والا خدا کے بعد احمدؐ مجتبےٰ ہیں
خدا ہے خالقِ رحمت جہاں کا [illegible] رحمتِ خلق خدا ہیں
خدا ہے منزلِ مقصود مومن [illegible] ہادیِ منزل نما ہیں
خدا دے گا انھیں اذنِ شفاعت [illegible] شافعِ روزِ جزا ہیں
ہوئی ختم رسالت ان کی بعثت رسالت کے وہی فرماں روا ہیں

شاعر : محمد نیاز عادل فاروقی، انگلینڈ

مرسلہ : حافظہ رابعہ فاروقی

"بزرگوں کو پورا پورا یقین تھا کہ قرآن مجید اللہ کا فرمان ہے اور اسی کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ چناں چہ وہ راتوں کو غور و فکر کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے اور دن کو اس کے احکام پر عمل کرتے۔ تم لوگوں کا حال یہ ہے کہ بس اس کے الفاظ پڑھتے ہو، اس کے حروف کے زیر و زبر صحیح کرتے ہو اور رہا عمل تو اس میں نہایت سست اور کوتاہ ہو۔"

صحابہ کرامؓ اور بزرگوں کا یہ عمل اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے بندوں کو اس کتاب کے احکام پر بار بار غور و فکر کرنے کی دعوت دی ہے۔ فرمایا:

"کتاب جو ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے بڑی برکت والی ہے تاکہ وہ اس کی آیات پر غور و فکر کریں اور عقل مند اس سے نصیحت حاصل کریں۔"

جو لوگ قرآن کی آیات پر غور نہیں کرتے ان کے بارے میں فرمایا:

"کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے یا دلوں پر تالے چڑھے ہوئے ہیں۔" (القرآن)

قرآن مجید کے الفاظ کی تلاوت کرنا اور اس کے معنوں کی طرف دھیان نہ کرنا صحابۂ کرام کا طریقہ نہ تھا۔ ہم جہاں اس سے برکت حاصل کرتے ہیں اور مُردوں کو ثواب پہنچانے کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو پھر ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اس کتاب کو اپنا حقیقی رہ نما سمجھیں۔

آج کی کہانی

یہ ہاکی کا فیصلہ تھا کہ اُسے کھیل کے میدان میں رہنا چاہیئے

طاہر مسعود

لڑکے پوری قوت سے نعرے لگا رہے تھے۔ کالج کے در و دیوار ان نعروں سے گونج رہے تھے بلکہ دہل رہے تھے۔ فضیل نے لائبریری میں پڑھتے پڑھتے ایک لمحے کے لیے کتاب سے نظریں ہٹا کر ان نعروں کو سُننے کی کوشش کی اور پھر مطالعے میں ڈوب گیا۔ فضیل کتاب پر جھکا ہُوا تھا اور بوڑھا لائبریرین اسے دیکھ کر سوچ رہا تھا یہ لڑکا بھی کتنا عجیب اور دوسروں سے مختلف ہے۔ سارا کالج نعرے بازی اور ہنگاموں میں لگا ہے اور اسے جیسے دنیا کے کسی کام سے کوئی مطلب ہی نہیں، فضیل کے ہاتھوں میں اُس وقت تاریخ کی کوئی کتاب تھی۔ اُسے تاریخ سے شروع ہی سے دلچسپی تھی۔ اور جب وہ تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرتا تو ذہنی طور پر وہ ماضی میں پہنچ جاتا۔ اُسے ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ پچھلا دور دوبارہ جی اُٹھا ہے اور وہ ان بادشاہوں کو زندہ حالت میں دیکھ سکتا ہے جنہیں مرے ہوئے بھی اب صدیاں بیت چکی ہیں۔

وہ اُن شہروں اور جنگوں کا حال اُسی طرح جانتا ہے جیسے یہ سب کچھ اُس کے سامنے ہی سے تو گزرا ہے۔ اس لمحے بھی جب کالج میں ہلڑ بازی ہو رہی تھی وہ اسپین کی تاریخ پڑھ رہا تھا۔ اسپین جو مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت تھی۔ جہاں مسلمان سلاطین نے علم و فضل کے چراغوں سے دنیا کو منور کیا۔ وہ اسپین کی سلطنت بالآخر مسلمانوں کے ہاتھوں سے کتنی آسانی سے نکل گئی۔ آخر

سو سالہ حکومت کو زوال آگیا۔ ایک عجیب سی بات تھی جو فضیل نے تاریخ کی کتاب پڑھتے ہوئے محسوس کی۔ اُس نے کچھ ایسا احساس کیا کہ وہ تاریخ کا جوں جوں مطالعہ کرتا جاتا ہے۔ وہ حال کی زندگی کو پہلے سے بہتر طریقے سے سمجھ سکتا ہے۔ ماضی اور حال میں کوئی خاص فرق تو نہیں۔ زندگی کا دھارا یکساں طریقے سے بہتا رہتا ہے۔

فضیل ابھی پڑھ ہی رہا تھا کہ یکایک چیخ و پکار کی آوازیں آنے لگیں۔ شاید لڑائی ہوگئی تھی۔ لڑائی جھگڑا تو کالج کی زندگی کا معمول تھا۔ لڑکوں کی مختلف ٹولیاں مل کر پہلے سیاسی نعرے بازی کرتیں اور پھر آپس میں اُلجھ جاتیں۔ خوب مار پیٹ ہوتی، کسی کا سر پھٹتا، کسی کا ہاتھ ٹوٹتا، سب زخمی حالت میں اسپتال پہنچتے اور دونوں گروہوں کے زخمی لڑکے ایک ہی وارڈ میں داخل کر دیے جاتے۔ فضیل کو ان تفصیلات کا علم اخبار ہی سے ہوتا۔ کیونکہ وہ ان معاملوں سے لاتعلق ہی رہتا تھا۔

بھاگنے دوڑنے والوں کے قدموں کی چاپ نزدیک آتی گئی اور تھوڑی دیر بعد لائبریری میں دو لڑکے گھس آئے۔ دونوں زخمی تھے اور شاید پناہ لینے لائبریری میں آگئے تھے۔ اُن میں سے ایک کا چہرہ سوجا ہوا تھا اور دوسرا بُری طرح لنگڑا رہا تھا۔ دونوں نے آتے ہی لائبریری کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کی۔ فضیل اُن میں سے ایک لڑکے کو جو لنگڑا رہا تھا، پہچانتا تھا۔ وہ اُس کے محلے ہی میں رہتا تھا۔ اُس کا نام عبدالرحمٰن تھا اور اُس کے والد بینک میں اوسط درجے کے ملازم تھے۔ عبدالرحمٰن نے بھی فضیل کو پہچان لیا۔

"کیا ہوا عبدالرحمٰن! تم تو مجھے زخمی دکھائی دے رہے ہو۔" فضیل نے اُس کے نزدیک آکر قدرے پریشانی سے پوچھا۔

"انھوں نے مجھے مارا ہے۔ وہ میرا پیچھا کر رہے ہیں، مجھے کہیں چھُپا دو۔" عبدالرحمٰن سخت گھبرایا ہوا تھا۔ اُس نے فضیل کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی، جیسے فضیل کوئی سیسہ پلائی دیوار ہو۔

"گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ لائبریری ہے۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔" فضیل نے مسکرا کر کہا۔ "یہاں صرف وہی آتے ہیں جنھیں پناہ کی ضرورت ہو۔" اُس نے رُک کر جملہ مکمل کیا۔ بوڑھا لائبریرین اس صورت حال سے سخت ہراساں ہو رہا تھا۔

"بیٹی دیکھو... یہاں دھینگا مُشتی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ لائبریری ہے۔ بہتر یہی ہوگا کہ تم

لوگ یہاں سے چلے جاؤ" لائبریرین کو غالباً کتابوں کی فکر کھائے جا رہی تھی - ابھی باہر شور و ہنگامہ جاری تھا۔

"بابا... آپ چوکیدار سے کہہ کر گیٹ اندر سے بند کرا دیجیے" فضیل نے تجویز پیش کی۔ اور یہ بات لائبریرین کی سمجھ میں فوراً آ گئی، وہ بھاگا بھاگا گیا اور اس نے لائبریری کے مرکزی گیٹ پر تالا ڈال دیا۔

اس عرصہ میں فضیل نے دونوں لڑکوں کو میز پر لٹا کر اُن کی جو کچھ دیکھ بھال کر سکتا تھا کرنے لگا۔

"جھگڑا ہوا کیوں؟" فضیل نے ابتدائی مرہم پٹی کے بعد پوچھا۔

"ہمارا گروپ نعرے لگا رہا تھا کہ دوسرے گروپ کے لڑکے آ گئے۔ ہمارے درمیان نعرے بازی کا مقابلہ شروع ہو گیا۔ اور معاملہ پھر لڑائی بھڑائی تک جا پہنچا۔ پہلے اُن کے لڑکے نے ہمارے ایک ساتھی کو پیچھے دھکیلا جس پر ہمارے لڑکے مشتعل ہو گئے اور انہوں نے جواباً ان کو دھکا دیا اور یوں مار پیٹ ہو گئی"

عبدالرحمٰن نے جھگڑے کی تفصیل بیان کی۔

"ہاں مگر تم لوگ نعرے لگاتے ہی کیوں ہو؟ کیونکہ سارا جھگڑا تو نعروں سے شروع ہوا ہے نا نہ نعرے لگتے نہ جھگڑے ہوتے" فضیل نے جرح کی۔

"نعروں سے تو ہم پہچانے جاتے ہیں ہم نعروں سے ہی بتاتے ہیں کہ ہم کتنے مضبوط ہیں۔ کتنے لڑکے ہمارے ساتھ ہیں" دوسرے لڑکے نے کہا جس کا چہرہ سُوجا ہوا تھا۔

"ہاں مگر اب تم اپنے نعروں سے نہیں اپنے سُوجے ہوئے چہرے اور اپنی لنگڑی ٹانگ سے پہچانے جاؤ گے۔ کم از کم ایک ڈیڑھ ہفتے تک" فضیل نے کہا۔

فضیل نے یہ بات کچھ اس انداز میں کہی جس کا دونوں لڑکوں پر اچھا اثر ہوا اور وہ تھوڑی دیر کے لیے چُپ رہے۔ بلکہ عبدالرحمٰن نے تو جیسے پشیمانی سے دانتوں سے اپنا ناخن کُترنا شروع کر دیا...

"دیکھو رحمٰن" فضیل نے کہا "جب ہم چیخ چیخ کر نعرے لگاتے ہیں تو اس کا صرف ایک مطلب ہوتا ہے کہ ہمارے نعرے بہت مضبوط ہیں۔ ہماری آواز بہت اُونچی ہے۔ نعروں سے یہ پتا نہیں چلتا کہ نعرے لگانے والے کے پاس عقل بھی ہے"

"ہاں مگر نعروں کے بغیر تو کوئی پارٹی چل ہی نہیں سکتی" رحمٰن کے دوست نے مداخلت کی۔
"اور کوئی پارٹی صرف نعرے لگا کر بھی نہیں چل سکتی" فضیل نے کہا "نعرے لگانے چاہئیں لیکن اُن کا بھی موقع محل ہوتا ہے، بلکہ نعرے ہی کیا جلسے جلوس سبھی کچھ ہونا چاہئے، لیکن ہر وقت اور ہر روز نہیں۔ کبھی کبھار وہ بھی ضرورت کے تحت۔ ہم لوگ جلوس نکالتے ہیں اور نعرے لگاتے ہیں۔ نتیجے میں جھگڑا ہوتا ہے، خون بہتا ہے۔ یہ کون سی اچھی بات ہے۔ ہماری غیر ذمے داری کتنے گھروں کے چراغ گل کر دیتی ہے۔ کیا کبھی تم نے سوچا ہے؟"
"باتیں تمہاری ساری ٹھیک ہیں، لیکن ہم ایک اعلا مقصد کے لیے جدّو جہد کر رہے ہیں، اور اس میں سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے" رحمٰن نے کہا۔
"یہ بڑی دلچسپ صورتحال ہے۔ یہ بتاؤ کہ کیا میں ایک غریب آدمی کی مدد کرنے کے لیے چوری کر سکتا ہوں۔"
"بالکل نہیں۔۔۔"
"کیوں۔۔۔؟"
"اس لیے کہ غریب آدمی کی مدد کرنا ایک اچھا کام ہے، لیکن چوری کرنا نہایت بُری بات ہے"
"گویا ایک نیک کام کرنے کے لیے غلط راستہ اختیار نہیں کیا جا سکتا؟" فضیل نے پوچھا۔
"بالکل یہی بات ہے۔"
"تو پھر تم لوگوں کی یہ دلیل تو غلط ثابت ہوئی نا کہ اعلا مقصد کے لیے سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے۔"
عبدالرحمٰن اور اس کا دوست چُپ ہو گئے، لیکن ایسا لگ رہا تھا کہ وہ لاجواب تو ہو گئے ہیں لیکن دل سے قائل نہیں ہوئے ہیں۔ فضیل نے مزید کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔
تھوڑی دیر بعد جب باہر کا شور و غل گھٹا تو دونوں لڑکے ——— لائبریری سے نکل گئے۔

بوڑھے لائبریرین نے کہا
"فضیل بیٹا۔ تم بھی کسے سمجھا رہے تھے۔ ان پر کیا اثر ہونا ہے۔"
"نہیں بابا۔ اُن کا قصور نہیں ہے۔ یہ بے گناہ اور معصوم لڑکے ہیں۔ ساری ذمّے داری اور کوتاہی ان کے والدین اور سرپرستوں کی ہے۔"

یہ کہہ کر فضیل اپنی کتاب میں کھو گیا۔

اگلے دن جب فضیل دوپہر کے وقت لائبریری کی طرف آرہا تھا تو اُس نے دیکھا کہ عمارت کے پیچھے رحمٰن اور اُس کے دو تین دوست، ہاکیاں اور لاٹھیاں وغیرہ سنبھالے کھڑے ہیں۔ اُن کے چہرے بتا رہے تھے کہ عزائم خطرناک ہیں۔ فضیل سمجھ گیا کہ یہ لوگ کل کی لڑائی کا بدلہ چکانا چاہتے ہیں۔ اُس نے ایک لمحے میں فیصلہ کیا کہ اُنہیں اس سے باز رکھنا چاہیے۔ فضیل ان کے نزدیک گیا "رحمٰن کیا بات ہے، کیا آج ہاکی میچ کھیلنے کی تیاری ہے؟"

"تم بیچ میں مت آؤ، اپنا راستہ لو۔ کیا سمجھے؟" ایک موٹے سے لڑکے نے غرّا کر کہا۔

"تم لوگ تو آج لڑنے کے مُوڈ میں نظر آرہے ہو؟" فضیل خوش دلی سے مُسکرایا۔

"ہاں آج ہم ان کی تکّا بوٹی کر ڈالیں گے۔" دوسرے لڑکے نے ہاکی لہراتے ہوئے کہا۔

"مگر کس کی؟" فضیل نے پوچھا۔

"اوئے فلسفی۔ میں نے کہا نا کہ راستہ ناپو۔ سُنائی نہیں دیتا ہے کیا؟" اُسی لڑکے نے بدتمیزی سے کہا

رحمٰن چونکہ فضیل کی عزت کرتا تھا اس لیے وہ آگے بڑھا اور اُس نے موٹے لڑکے کو ڈانٹ پلائی اور پھر فضیل سے کہا "فضیل بھائی آپ یہاں سے چلے جائیں۔ کیونکہ جھگڑا ہونے والا ہے"۔

"رحمٰن ..." فضیل نے بلند آواز میں کہا "جس ہاکی سے ہم نے اٹلی کو ہرایا ہے، مغربی جرمنی کو ہرایا ہے، اسپین اور ہالینڈ کو ہرایا ہے کیا تم اس ہاکی کو اپنے ہی دوستوں پر برساؤ گے۔ اپنے ہی کالج کے طالب علموں کو اس کا نشانہ بناؤ گے۔ جس ہاکی نے ہمیں دنیا میں عزت دلائی ہے۔ اس کا تم لوگ یہ استعمال کرو گے؟"

رحمٰن کی نظریں خود بخود جھک گئیں، لیکن موٹے لڑکے نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کس زمانے کی بات کر رہے ہو تم... ہاکی میں اب ہم مار کھا چکے ہیں۔"

"اور کیا ہم عالمی میچ ہار چکے ہیں۔" دوسرے نے تائید کی۔

فضیل طنز سے ہنسا "لیکن تم لوگوں نے غور نہیں کیا کہ ایسا کیوں ہُوا۔ اس لیے کہ اب ہاکی سے ہم لوگ کھیلنے کے بجائے آپس میں لڑتے ہیں۔ ایک دوسرے کو زخمی کرتے ہیں۔ ہاکی کا احترام ہم نے مجروح کر دیا ہے۔ اور جب ہم کسی کھیل یا پیشے کی عزت کرنا چھوڑ دیتے ہیں تو پھر ہم خود بھی اس عزت سے محروم ہو جاتے ہیں جو اس کھیل کی وجہ سے ہمیں حاصل ہوتی ہے۔

کیوں، کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟

رحمٰن کے سارے دوست چُپ تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ فضیل کے الفاظ اور خیالات نے اُن پر جادو کر دیا ہے۔ وہ کتنے ہی بُرے تھے لیکن سچائی کو پہچانتے کی صلاحیت سے محروم نہ تھے۔ فضیل نے دیکھا کہ سب سے پہلے رحمٰن نے ہاکی پھینکی اور پھر باری باری دوسرے لڑکوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

"اسے پھینکنے کی ضرورت نہیں ہے" فضیل نے کہا "آؤ اسے لے کر گراؤنڈ میں چلتے ہیں"

تھوڑی دیر بعد کالج کا گراؤنڈ تالیوں کے شور سے گونج رہا تھا۔

شکیل صدیقی
پہلا ٹکڑا
ہم شکل، ہم راز
ایک دل چسپ اور حیرت انگیز کہانی
سلطان احمد کی زبانی

میری آنکھ اچانک کھل گئی۔

میں نے تپائی کی طرف رکھی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ ساڑھے تین بجے تھے۔ میں فجر کے وقت اٹھتا ہوں اور دوڑ لگانے قریبی پارک میں جاتا ہوں۔ آج وقت سے پہلے آنکھ کھلنے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔

خواب گاہ کا ایر کنڈیشنر ہلکی آواز سے چل رہا تھا اور سوئچ بورڈ پر لگا ہوا چھوٹا سا بلب روشن تھا۔ خواب گاہ میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی' اس لیے کوئی چیز واضح انداز میں دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ کھڑکیوں پر پردے پڑے تھے۔ لہٰذا باہر کا منظر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"سو جاؤ میاں سلطان' کوئی خاص بات نہیں ہے۔" میں نے کہا اور کروٹ بدل لی۔

"کھٹ۔۔۔ کھٹ۔۔۔ کھٹ۔۔۔"

"گھر۔۔۔ گھر۔۔۔ گھر۔۔۔"

ایک عجیب سے آواز آئی اور میں چونک گیا۔ غالباً اسی آواز سے میری آنکھ کھلی تھی' مگر گہری نیند میں ہونے کی وجہ سے میں اس سے واقف نہیں ہو سکا تھا۔

وہی آواز پھر ابھری تو میں نے انداز لگایا کہ کوئی شخص راہ داری میں چل رہا ہے اور یہ اس کے قدموں کی آواز ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کے ایک پاؤں میں تکلیف ہے' اس لیے وہ ٹانگ گھسیٹ کر چل رہا ہے۔ میں اٹھ بیٹھا۔ اتنی رات کو میری خواب گاہ کی طرف کون آسکتا تھا؟ تھوڑی دیر بعد قدموں کی آواز خواب گاہ کے دروازے پر آکر ختم ہوگئی اور پھر دروازے کا ہینڈل گھومنا شروع ہوا۔ میں نے چوں کہ بٹن دبا کر اسے اندر سے لاک کر رکھا تھا اس لیے وہ کھل نہ سکا۔ باہر کھڑے ہوئے آدمی نے دو تین بار دروازہ کھولنے کی کوشش کی' لیکن اس میں ناکام رہا۔ قدموں کی چاپ پھر بائیں طرف والی کھڑکی کی طرف جانے لگی۔ اس کھڑکی میں شیشے کے پٹ تھے' اس لیے شیشہ توڑ کر وہ شخص اندر آسکتا تھا۔ مجھے اس وقت بہت ڈر لگنے لگا۔

میرے سرہانے بجلی کی گھنٹی کا بٹن لگا ہوا تھا جسے دبا کر میں کسی ملازم کو بلا سکتا ہوں۔ ملازموں کے کوارٹر حویلی کے احاطے ہی میں ہیں اور عمارت سے ان کا فاصلہ زیادہ نہیں ہے۔ انھیں سونے کے کمرے تک پہنچنے میں دو منٹ لگتے۔ بہر حال دو منٹ بہت زیادہ ہوتے ہیں اور

اتنی دیر میں بہت کچھ ہو سکتا تھا۔ میں نے فرش پر کھڑے ہو کر شب خوابی کے لباس کی ڈوریاں کسیں اور چپل پہن کر دائیں کھڑکی کی طرف گیا۔ پردہ ہٹا کر میں نے ملازموں کے کوارٹر کی طرف دیکھا۔ وہاں سناٹا اور اندھیرا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ گھنٹی کی آواز وہاں تک پہنچ تو گئی، مگر ملازم گہری نیند سو رہے تھے یا پھر کسی نے گھنٹی کا تار کاٹ دیا تھا۔

یکایک ایک ہلکا سا چھناکا ہوا اور بائیں طرف کی کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی شخص میرے کمرے میں داخل ہونا چاہتا ہے اور اس طرح سے چوری چھپے داخل ہونا یہ ظاہر کر رہا تھا کہ اس کے ارادے نیک نہیں تھے۔ اب مجھے ہر قیمت پر اپنی جان بچانی تھی۔

میرا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ میں نے اپنی پیشانی پسینے سے چپچپاتی محسوس کی۔ پیشانی پر ہاتھ پھیر کر میں نے خود کو دلاسا دیا اور بٹن دبا کر تالا کھول لیا۔ اس دوران ایک اور چھناکا ہوا اور کھڑکی کا دوسرا شیشہ ٹوٹ گیا۔ پھر ایک ہاتھ اندر آیا اور اس نے چٹخنی گرا دی۔ تیز ہوا کا ایک جھونکا اندر آیا اور پردہ اڑ کر ایک طرف کو ہو گیا۔ اوپری چھجوں پر چوں کہ تیز روشنی کا بلب لگا ہوا تھا اور کھڑکی کے قریب کی سب چیزیں واضح طور پر نظر آ رہی تھیں، اس لیے مجھے وہ آدمی صاف دکھائی دیا جس کے ایک ہاتھ میں خنجر تھا۔ وہ مجھے قتل کرنے کے ارادے سے اندر آنا چاہتا تھا۔

وہ لمبا، مضبوط جسم اور ڈراؤنے چہرے والا تھا۔ اس کے جسم پر معمولی سی شلوار قمیص تھی۔ چہرے پر نمایاں چیز اس کی مونچھیں تھیں جنھیں اس نے راج پوتوں کی طرح کونوں سے بل دے کر اٹھا رکھا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ میں اس وقت بد حواس تھا اور میری حالت خراب ہو رہی تھی، لیکن اس کے باجود میں نے اس کی کلائی پر زخم کا ایک لمبا سا نشان دیکھ لیا۔ وہ اسی ہاتھ کی کلائی تھی جس میں اس نے خنجر پکڑ رکھا تھا۔

اس شخص نے جیسے ہی اپنا پیر کھڑکی کی چوکھٹ پر رکھا اور کمرے میں آنا چاہا میں نے دروازہ کھولا اور راہ داری میں چلا گیا۔ میں دو قدم بڑھا تو مجھے اپنی چپلوں کی سٹر پٹر، سٹر پٹر سنائی دی۔ یہ آواز سن کر کوئی بھی میری طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔ پھر میرے جلاد صفت ماموں گلزار احمد کا کمرا تو نزدیک ہی تھا۔ آواز سن کر وہ بھی جاگ سکتے اور میری خبر لے سکتے تھے، اس لیے میں نے چپلیں وہیں اتاریں اور دوڑ لگا دی۔

راہ داری کے دوسرے سرے پر پہنچ کر میں نے چکر دار زینے اترنے شروع کر دیے۔ زینے کشادہ تھے اور دائیں طرف ریلنگ بھی لگی تھی۔ میں جب نیچے پہنچا تو میں نے اوپری راہ داری سے "دَھپ۔دَھپ... دَھپ..." کی آوازیں آتی سنیں۔ میرا کمرا خالی پا کر شاید وہ آدمی میرے پیچھے آرہا تھا۔ میں نے نچلی راہ داری میں پہنچ کر اس دروازے کی طرف دوڑ لگا دی جو دالان میں کھلتا تھا۔ وہاں اندھیرے کا راج تھا مگر میں اندازے سے دوسرے دروازے کی طرف بڑھا۔ لکڑی کی وزنی کُنڈی ہٹا کر میں نے دروازہ کھولا اور صحن میں چلا گیا۔ وہاں ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے میرا استقبال کیا۔ صحن میں گھاس تھی جس پر شبنم پڑ چکی تھی۔ میں ننگے پاؤں تھا اس لیے گھاس کی ٹھنڈک میرے جسم میں جذب ہونے لگی۔ مجھے بے اختیار چھینک آگئی۔ لگاتار دو بار چھینکنے کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ اس شخص سے پیچھا نہیں چھڑا سکوں گا جو مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے، مگر پھر مجھے اپنے پیارے اور وفادار رنگی کا خیال آیا۔ رنگی ہی مجھے اس مصیبت سے بچا سکتا بلکہ اس کی تکا بوٹی کر سکتا تھا۔

"رنگی... رنگی۔" میں نے دائیں طرف منھ کر کے اسے آواز دی۔

جواب میں "غاؤں، غاؤں" کی سی بھاری آواز آئی، مگر پھر خاموشی چھا گئی۔ مجھے حیرت ہوئی کہ رنگی میرے پاس کیوں نہیں آرہا ہے؟ وہ رات بھر بہت مستعد اور چاق چوبند رہتا ہے۔ میرے اور حویلی کے مخصوص لوگوں کے علاوہ کسی کو وہاں داخل نہیں ہونے دیتا۔ وہ جرمن نسل کا شیفرڈ ہے۔ میں نے کئی بار اسے خرگوشوں اور بلیوں پر جھپٹتے اور انھیں چیرتے پھاڑتے دیکھا ہے۔ وہ حقیقت میں میرا محافظ تھا۔

"رنگی، رنگی... یہاں آؤ"۔ میں نے انگریزی میں کہا۔

میں اپنے کتے سے انگریزی میں باتیں کرتا تھا۔ وہ میری باتوں کا جواب اسی زبان میں نہیں دے پاتا البتہ بھوں بھوں اور کوں کوں کر کے اپنے جذبات کا اظہار کر دیا کرتا تھا، لیکن اس وقت وہ درد ناک آوازیں نکال رہا تھا۔ دوسری بار بھی جب اس نے "غاؤں، غاؤں" کر کے اپنی تکلیف کا اظہار کیا تو میں دوڑ کر اس کی طرف گیا۔ رنگی میرا پیارا رنگی کروٹن کے ایک پودے کے قریب لیٹا تھا اور اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور اس سے خون ٹپک رہا تھا۔ احاطے پر جو تیز قوت والی روشنیاں لگی تھیں ان کی وجہ سے لان کا وہ حصّہ

روشن تھا۔ مجھے رنگی کے منہ کے قریب بہت سارا خون پڑا دکھائی دیا! ایک لمحے کے لیے تو میں سناٹے میں رہ گیا۔ پھر میرا دل چاہا کہ میں دھاڑیں مار کر رونے لگوں۔ رنگی میرا پانچ سال کا دوست تھا۔ میرا ہم درد، میرا رفیق اور غم گسار سب ہی کچھ وہی تھا۔ میں نے اپنی سسکیوں کو منہ پر ہاتھ رکھ کر روک لیا، مگر آنکھوں پر بھلا کیسے پہرا بٹھاتا؟ میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو ٹپکنے لگے اور رنگی پر گرنے لگے۔ مجھے معلوم تھا کہ رنگی کو زہر دیا گیا اور اب اسے دنیا کی کوئی طاقت مرنے سے نہیں بچا سکتی۔ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا تھا کہ قاتل حویلی میں داخل ہو تو اسے رنگی کے نوکیلے دانتوں اور تیز دھار پنجوں کا مقابلہ نہ کرنا پڑے۔

یہ مجھ پر تیسرا قاتلانہ حملہ تھا۔ میں اس صورت میں وہاں کیسے رک سکتا تھا جب اس حویلی کے درو دیوار میرے دشمن ہو رہے تھے؟ ضروری تو نہیں تھا کہ قاتل چوتھی بار بھی ناکام رہتا۔ آئندہ وہ کام یاب ہو جاتا تو میں دنیا سے کوچ کر جاتا۔

دالان کا دروازہ چرچرایا تو میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ یقیناً قاتل وہاں تک پہنچ چکا تھا۔ میں نے رنگی کو دم توڑتی حالت میں چھوڑا اور پھاٹک کی طرف بھاگا۔ بڑا پھاٹک بند تھا۔ پھاٹک اسی وقت کھلتا تھا جب کاریں اندر آتی یا باہر جاتی تھیں۔ پھاٹک پر متعین دربان فجر کے وقت مجھے مستعد ملتا تھا اور جب میری کار پھاٹک کے قریب پہنچتی تھی تو میں پھاٹک کھولتا تھا۔ ڈرائیور ملازمین کے کوارٹر میں رہتا تھا اور منہ اندھیرے مجھے لارنس گارڈن تک پہنچایا کرتا تھا جہاں میں صبح کی دوڑ لگاتا اور ہلکی ورزش کیا کرتا تھا، مگر آج تو میں اپنے وقت سے آدھ گھنٹہ پہلے وہاں پہنچ گیا تھا اس لیے دربان جاگتا کیسے ملتا؟

میں نے اس کے کیبن میں جھانک کر دیکھا تو وہ اپنے اسٹول پر لڑھکا ہوا دکھائی دیا۔ اس کی بندوق ایک کونے میں پڑی تھی اور وہ کیبن کی دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے پڑا تھا۔ اس کی ٹانگیں پھیلی ہوئی تھیں۔ وہ گہری نیند میں تھا اور خراٹے لے رہا تھا۔

میں نے اسے آوازیں دیں اور ہلایا جلایا، لیکن اس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔ مجبوراً میں نے اس کی جیبیں ٹٹولیں۔ چابیوں کا گچھا مجھے اس کے پتلون کی دائیں جیب سے مل گیا۔ جس سے نہ صرف یہ کہ میں نے بغلی دروازہ کھول لیا بلکہ اسے باہر سے مقفل بھی کر دیا۔ جب میں حویلی سے دور ہو رہا تھا تو مجھے دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں، لیکن اس میں

گھسٹتے ہوئے پاؤں کی "گھر۔ گھر۔ گھر" بھی شامل تھی۔ قاتل کے پاؤں سلامت ہوتے تو میں اس سے بچ نہ پاتا اور اس کے قابو میں آجاتا۔ میری جان اس لیے محفوظ رہ سکی تھی کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر مہربان تھا اور اسے میری موت منظور نہیں تھی۔ دوسرے یہ کہ قاتل لنگڑا تھا اور بھاگ کر مجھے نہیں پکڑ سکتا تھا۔

حویلی سے سڑک تک پہنچا تو مجھے احساس ہوا کہ میری اجڑی ہوئی حالت اور میرے جسم پر شب خوابی کا لبادہ دیکھ کر ہر شخص شبہ میں پڑ سکتا ہے۔ خیال آیا کہ اس علاقے اور پھر اندرونِ شہر میں میرے سیکڑوں دوست ہیں۔ میں انھیں اپنا واقعہ سنا کر مدد لے سکتا ہوں' مگر پھر بات ماموں گلزار کے کانوں تک کسی نہ کسی طرح سے پہنچ جاتی اور میں دوبارہ کسی نہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔

یہ بات مجھے الجھن میں ڈال رہی تھی کہ اگر میں نے اس حالت میں سفر کیا تو میرا راز کھل جائے گا' اس لیے مجھے کسی دوست کی مدد لینی چاہیے۔ میرے قریبی دوست وحید کا بنگلہ تھوڑے فاصلے پر تھا مگر میں وہاں جا کر سب کو چونکانا نہیں چاہتا تھا۔

وحید بھی میری طرح صبح کی دوڑ کا شوقین تھا' اس لیے میں اس پارک کی طرف چلا گیا جہاں وہ دوڑ لگانے آتا تھا۔ میں اس حصّے میں ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہوگیا جہاں کاریں پارک کی جاتی تھیں۔ وحید پندرہ منٹ بعد وہاں آیا۔ جب وہ کار سے اتر کر پارک کی طرف بڑھنے لگا تو میں نے سیٹی بجا کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر اشارے سے اسے قریب بلایا۔ وہ نڈر اور بے خوف لڑکا تھا۔ میرے قریب چلا آیا پھر حیرت سے پلکیں جھپکا کر بولا:

"ارے سلطان تم! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"

"بس بھائی! کچھ نہ پوچھو آج جوگنگ کے لیے کچھ جلدی اٹھ گیا تھا۔"

"پھر شب خوابی کے لباس میں یہاں کیوں چلے آئے؟ ویسے بھی تم یہاں نہیں آتے۔ تم تو لارنس گارڈن جاتے ہو؟"

"میں ذرا جلدی میں تھا۔" میں نے کہا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے سامنے کیا بہانہ بناؤں؟ وہ میرا ہم درد بھی تھا' اس لیے اس سے باتیں کرتے وقت میری آواز بھرا رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے حلق میں کچھ پھنس گیا ہو!

"تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو؟" اس نے سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لے کر کہا۔
میں نے ہار ماننے والے انداز میں کہا: "او کے! میں بعد میں بتا دوں گا۔ پہلے میرے لیے ایک جوڑا کپڑے اور کچھ رقم کا بندوبست کر دو۔ میں ..."
وہ بولا: "ہاں، کہو خاموش کیوں ہو گئے؟ تم کافی پُراسرار لگ رہے ہو دوست۔"
وحید کو سائنس سے بہت دل چسپی تھی۔ شاید اس لیے اس کی سوچ بھی گہری تھی۔ ہم دونوں مل کر انسان کے غائب ہونے پر تجربات کر رہے تھے۔ اسکول کی سائنس لیبارٹری میں اور وحید کے بنگلے کے تہ خانے میں بھی۔ ہم لوگوں کو ضمنی طور پر کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔
میں نے کہا: "میں بعد میں بتاؤں گا۔ تم گاڑی لے کر اپنے گھر جاؤ اور جو چیزیں میں نے مانگی ہیں انھیں لے کر یہیں آجاؤ۔"
"اوہ! اتنا پُراسرار معاملہ ہے؟"
"جاؤ بھی اللہ کے لیے مجھے پریشان نہ کرو۔ ہر معاملے میں تمھارا ٹانگ اڑانا ضروری نہیں ہے۔"
"یہ تم کہہ رہے ہو سلطان؟" اس نے یقین نہ کرنے والے لہجے میں کہا۔
"ہاں میں کہہ رہا ہوں۔ اب یہاں سے دفع بھی ہو جاؤ۔" میں نے پریشانی میں اسے کار کی طرف دھکیلا:
"اور سنو ایک جوڑی جوتے بھی لیتے آنا۔ تمھارے جوتے میرے آجائیں گے۔"
اس نے اپنے شانے ہلائے اور مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے میرے سر کے پچھلے حصّے پر دو سینگ نکل آئے ہوں۔ پھر اس نے سر ہلایا اور اپنی کار میں بیٹھ کر چلا گیا۔
وہ دس پندرہ منٹ میں میرے لیے سب چیزیں لے آیا۔ یہ اور بات ہے کہ مجھ پر گھبراہٹ طاری تھی، اس لیے مجھے وہ وقفہ طویل معلوم ہوا۔ وحید کے کپڑے مجھے کچھ ڈھیلے معلوم ہوئے مگر اس میں کوئی ہرج نہیں تھا۔ میں نے کپڑے پہننے کے بعد وحید کے گال تھپ تھپائے اور محبت سے کہا:
"اچھا میرے دوست! اب میں چلتا ہوں۔ تمھارا شکریہ۔"
"کہاں جا رہے ہو؟ چلو میں پہنچا دوں۔"

"کسی خاص جگہ نہیں جارہا ہوں۔ آج اسکول میں ملاقات ہوگی۔"

"یقین نہیں آتا۔" اس نے کہا۔

اس نے مجھے ایک ہزار روپے دیے جو میں نے قبول کر لیے۔ میں اسے حیران' پریشان' سوالیہ نشان چھوڑ کر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ آگے جاکر میں نے کئی بار مڑ کر دیکھا کہ کہیں وحید میرا پیچھا تو نہیں کر رہا ہے لیکن اس نے ایسی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔

زمین مجھ پر تنگ اور آسماں مجھ پر نامہربان تھا' اس لیے اس شہر' اس ملک یا پھر اس دنیا سے کہیں دور چلا جانا چاہتا تھا' کسی ایسی جگہ جہاں میرا کوئی جاننے والا نہ ہو۔ کوئی رفیق' کوئی عزیز' کوئی ہمدرد نہ ہو۔

مدراس اور بمبئی کے درمیان کئی سو میل کا فاصلہ ہے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اتنی دور چلا جاؤں تو ممکن ہے میں اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کر لوں۔ اپنی پریشانیوں سے چھٹکارا پانے کا یہ کوئی اچھا حل نہیں تھا۔ یہ صرف ایک فرار تھا' وقتی نجات تھی' لیکن اس وقت مجھ میں اتنی عقل ہی نہیں تھی کہ میں کوئی مناسب فیصلہ کر لیتا۔ میں ایک کم زور اور بے حوصلہ لڑکا ہوں۔ اچھی کتابیں اور اچھی تعلیم بھی مجھ میں حوصلہ اور ہمت نہیں پیدا کر سکی' اس لیے کہ میرا ماحول بہت خوف ناک سا ہے۔ ماحول کا بھی انسان پر گہرا اثر پڑتا ہے۔

بمبئی پہنچنے کے لیے ہوائی سفر کرنا تھا یا پھر ریل کے ذریعہ سے جانا تھا۔ میں ایر پورٹ نہیں جانا چاہتا تھا' اس لیے کہ وہاں بہت سے لوگ مجھے جانتے تھے اور ریلوے اسٹیشن پر بھی مجھے چھپ چھپا کر رہنا تھا۔ میں نے کتابوں کی ایک دکان پر جاکر تازہ اخبار اٹھایا اور اس میں ریلوے کے اوقات دیکھے۔ ایک ٹرین کو چھے بجے صبح روانہ ہونا تھا۔ ریلوے اسٹیشن پہنچ کر میں نے تیسرے درجے کا ٹکٹ لیا اور ریل کے آنے پر اس میں سوار ہوگیا۔ دھکم پیل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور مجھے ایک سیٹ مل گئی۔ میں نے اخبار کھول کر اپنے سامنے کر لیا تاکہ اگر میری تلاش میں حویلی سے آدمی روانہ ہو چکے ہوں تو انھیں نظر نہ آؤں۔ میری گھبراہٹ میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی اور ہر گزرنے والا لمحہ مجھے ڈس رہا تھا۔ ذہن میں اس وقت انتشار تھا' خیالات کی یلغار تھی۔ اگر ریل تھوڑی دیر بعد نہ چل پڑی ہوتی تو شاید میں اتر پڑتا۔

"چھک ۔۔ چھک ۔۔ چھک ۔۔ چھکا چھک ۔۔" ریل کے پہیے پٹڑی پر دوڑنے لگے اور پلیٹ فارم پر موجود تمام چیزیں تیزی سے پیچھے جانے لگیں۔ میرا پیارا شہر لاڑکانہ مجھ سے بچھڑ رہا تھا۔ میری امی، میرے ماموں، میرے چچا اور میرے دوست میرے چاہنے والے اور مجھ سے نفرت کرنے والے سب ہی مجھ سے جدا ہو رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ اس جدائی پر خوب آنسو بہاؤں اور چیخ چیخ کر روؤں، مگر میں نے ضبط کر لیا، دل کو سمجھا لیا۔

میں سلطان احمد، حشمت احمد مرحوم کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ میرے باپ نے میری پرورش بالکل شاہ زادوں کی طرح کی تھی۔ ایک روز حادثے میں وہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ ان کی کار جب قریب کے ایک پل کو طے کر رہی تو اچانک دائیں طرف مڑ کر ریلنگ سے ٹکرائی اور پھر دریا میں جا گری۔ اتنی بلندی سے گرنے پر ابا جی کو بہت چوٹیں آئیں اور انھوں نے ہسپتال جا کر دم توڑ دیا۔

کافی عرصے بعد کسی نے، شاید چچا رحمت نے یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ وہ حادثاتی موت نہیں مرے بلکہ کسی سازش کا شکار ہوئے ہیں۔ کسی بد خواہ نے جان بوجھ کر ان کی کار کا بریک ڈھیلا کر دیا تھا تاکہ جب وہ کسی بھری پری سڑک پر سے گزرتے ہوئے سامنے آنے والی کسی گاڑی سے بچنے کے لیے بریک لگائیں تو کار نہ رُکے اور وہ کسی تیز رفتار گاڑی سے ٹکرا کر ہلاک ہو جائیں۔

حادثہ اس طرح پیش نہیں آیا جیسے کہ ان کے دشمنوں نے سوچ رکھا تھا لیکن بہر حال وہ حادثے سے دو چار ہو گئے اور یوں میری دنیا اندھیری ہو گئی۔

ابا جی مجھ سے بہت پیار کرتے تھے۔ یہ کہنا بہتر ہو گا کہ وہ مجھ پر جان چھڑکتے تھے۔ کہتے تھے:

"سلطان! میں تمھیں بہت بڑا آدمی بنانا چاہتا ہوں، تاکہ تم اپنے وطن کے آسمان پر جگمگاؤ اور علم کی روشنی پھیلاؤ۔ انجینئر، ڈاکٹر یا صنعت کار تو اپنے بچوں کو سب ہی والدین بنانا چاہتے ہیں، مگر میں تمھیں سائنس داں بنانا چاہتا ہوں میرے لعل! تم میری یہ خواہش پوری کرو گے کیا؟"

"ہاں ابا ضرور۔ میں ڈاکٹر عبدالسلام یا سلیم الزماں صدیقی بنوں گا اور اپنے وطن کا نام روشن

کروں گا۔" میں ان کے گلے میں بانہیں ڈال کر جواب دیتا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ساتوں کلاس میں پڑھتا تھا۔ اس وقت تو بچوں کو ابتدائی سائنس پڑھائی جاتی ہے اور تجربے گاہ میں نہیں لے جایا جاتا، مگر مجھ میں سائنس سے دل چسپی پیدا کرنے کے لیے ابا نے بہت سی باتصویر سائنسی کتابیں خرید دی تھیں۔ مسلمان سائنس دانوں کی بہت سی کتابیں اور تصویریں لا کر دی تھیں جنھوں نے دنیا میں نام پیدا کیا تھا اور لوگوں کی سوچ کا رخ تبدیل کر دیا تھا۔ جیسے ابن باجہ، ابن الہیثم، جابر بن حیان، الکندی اور البیرونی وغیرہ۔ ابا جی مغرب کی موجودہ ترقی کو مانتے تھے اور اس کے سائنسی کارناموں کا کھلے دل سے اعتراف بھی کرتے، مگر ان کا کہنا یہ تھا کہ یہ عروج انھیں مسلمانوں ہی کی بدولت حاصل ہوا ہے۔ مسلمانوں نے اگر بے راہ روی نہ اپنائی ہوتی اور تین سو سال سے ایک لمبی نیند میں مصروف نہ ہوتے تو آج ترقی، کام یابی اور خوش حالی کا پرچم ان ہی کے ہاتھوں میں ہوتا۔

ابا جی یہ اور ایسی بہت سی باتیں کیا کرتے تھے، جن میں سے بہت کم میری سمجھ آتی تھیں۔ اِس وقت جب کہ میری عمر تیرہ سال ہے اور میں نویں جماعت میں ہوں مجھے کچھ کچھ اندازہ ہے کہ وہ میرا شعور بیدار کرنے کے لیے کتنی کوشش کیا کرتے تھے۔

وہ اس زمانے میں میرے لیے بہت سے الیکٹرونک کھلونے لائے تھے اور انھوں نے امّی سے یہ وعدہ بھی کیا تھا کہ جب میں ساتویں کا امتحان امتیازی نمبروں سے پاس کر لوں گا تو وہ مجھے کمپیوٹر خرید دیں گے، مگر وہ اس سے پہلے ہی چل بسے۔ اس زمانے میں ابا جی نے مجھے بہت سے الیکٹرونک کٹس بھی لا کر دیے تھے۔ پلاسٹک کی تھیلی میں سے چھوٹے چھوٹے پرزے نکالتے جاؤ اور انھیں جوڑ کر کوئی نہ کوئی چیز تیار کر لو۔

"کھٹا کھٹ ... کھٹ کھٹا کھٹ ..." ٹرین کا بھاری انجن پٹڑیوں پر دوڑ رہا تھا اور پٹڑیاں شور مچا رہی تھیں۔ منظر پیچھے بھاگ رہا تھا مگر یادیں آگے آ رہی تھیں۔ میرا ماضی میرے سامنے گھوم رہا تھا۔ ابا جی کی موت کے بعد امّی غم سے نڈھال ہوگئیں۔ انھوں نے رو رو کر اپنی آنکھیں تباہ کر ڈالیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابا جی کی جدائی سے امی کے دل میں کوئی ناسور پیدا ہوگیا ہے جو پھر کبھی نہ بھر سکے گا۔

ابا جی کی موت کے بعد چچا جان نے ہم لوگوں کو سہارا دیا اور اکیلے ہونے کا احساس نہ

ہونے دیا مگر ماموں گلزار کا رویہ بالکل بدل گیا۔ ظاہر میں تو وہ اسی طرح سے محبت سے پیش آتے تھے مگر ان کے دل کا چور نہیں چھپتا تھا۔ چچا ہمارے ساتھ ہی رہتے تھے۔ ماموں گلزار اپنے خاندان کے ساتھ بڑے گیٹ کے پیچھے رہتے تھے' مگر ابا جی کے بعد انھوں نے امیّ سے معلوم نہیں کیا کہہ سن کر حویلی ہی میں جگہ بنا لی اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ آکر رہنے لگے۔ ان کے خاندان میں ممانی کے علاوہ میری دو ماموں زاد بہنیں اور ایک بھائی شامل تھا۔

شروع میں تو سب ٹھیک تھے اور ان کا رویہ میرے ساتھ دوستانہ تھا' لیکن پھر نہ جانے کیا ہوا کہ وہ سب مجھے آنکھیں دکھانے لگے۔ میرا ماموں زاد بھائی احمد تو کبھی کبھار ہاتھا پائی پر بھی اتر آتا تھا۔

ریل ایک جھٹکے سے رُک گئی۔ لوگ چڑھنے اترنے لگے' قلی سامان کندھوں پر اٹھائے دوڑ رہے تھے اور پلیٹ فارم کی طرف سے بھانت بھانت کی آوازیں آرہی تھیں۔

چائے والا ۔۔ چائے والا' ناشتا لے لو باؤ جی۔" ایک چائے والا میری کھڑکی کے قریب آکر چیخا۔

" ڈبل روٹی' مکھن۔"

ناشتے کا وقت ہو گیا تھا اور بھوک سے میرے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے' اس لیے میں نے ناشتے کی ٹرے چائے والے سے لے لی۔ بن مکھن اور گڑ کی چائے مجھے خراب معلوم ہوتی رہی اور جی متلاتا رہا' مگر میں خود پر قابو پائے رہا۔ میں نے اپنے دل کو سمجھایا کہ آگے جا کر ان سے زیادہ خراب حالات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ ناشتا حلق سے اتار کر میں نے ٹرے ایک طرف رکھ دی۔ تھوڑی دیر بعد چائے والا آگیا اور اس نے برتن واپس مانگے۔ میں نے کھڑکی سے ٹرے اسے لوٹا دی۔ پھر جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکالے اور اس سے پوچھا "کتنے پیسے ہوئے؟"

"پندرہ رپے باؤ جی!" وہ بولا۔

میں نے نوٹوں کے بنڈل میں سے پندرہ رپے نکال کر اس کے حوالے کر دیے۔ پھر انھیں واپس جیب میں رکھ لیا۔ اس وقت میرے برابر میں بیٹھے ہوئے آدمی کی نظریں میری جیب پر جمی ہوئی تھیں۔ میرے جسم میں سنسنی پھیل گئی۔ کیا وہ جیب کترا تھا؟ اگر یہ حقیقت تھی تو

مجھے اس کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہیے تھا' کیوں کہ یہی ہزار رُپے جو مجھے وحید نے دیے تھے میرا کل اثاثہ اور پونجی تھے۔ میں بمبئی پہنچ کر اپنے بارے میں کسی کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا اور نہ کسی سے مدد لینا چاہتا تھا۔ میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ گم نامی کی پرسکون زندگی بسر کروں گا۔ ایسے لوگوں کو اپنی زندگی سے کوئی خوف نہیں ہوتا جو سادگی سے رہتے ہیں۔

میں چوں کہ صبح ہی صبح اٹھ گیا تھا اور رات کا آخری حصّہ میں نے دھماچوکڑی میں گزارا تھا' اس لیے اب نیند مجھے ستا رہی تھی۔ میں اخبار کے اندرونی صفحات پڑھ رہا تھا' مگر میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ رہے تھے۔ اس لیے میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ تھوڑی دیر بعد میں گرد و پیش سے بے خبر ہو چکا تھا۔ میں چوں کہ کھڑکی کے قریب بیٹھا تھا اس لیے مجھے اچھی ٹیک ملی ہوئی تھی۔ کھڑکی سے آنے والے ہوا کے جھونکے خوش گوار لگ رہے تھے۔

دوپہر کے وقت میری آنکھ کھلی تو میں نے اپنی جگہ سے چہل قدمی کی اور جب ایک اسٹیشن آیا تو پلیٹ فارم پر اتر پڑا۔ ———— مجھے بھوک لگ رہی تھی اور حلوے کی خوش بُو بھی پریشان کر رہی تھی' اس لیے میں ایک ٹھیلے کی طرف لپکا۔ میں نے ٹھیلے والے سے پوچھا: "کیا حساب ہے؟"

اس نے جواب دیا: "پینتیس رپے کلو جناب عالی! ایک ایک چھٹانک کے پیکٹوں میں' خود کھاؤ اور دوسروں کو بھی پیش کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ ایک کلو دے دو۔" میں نے کہا۔

اس نے ایک کلو کا پیکٹ میری طرف بڑھا دیا جس میں سولہ چھوٹے چھوٹے پیکٹ رکھے تھے۔ ادائی کے لیے میں نے جیب میں ہاتھ ڈالا تو انگلیاں پتلون کی خالی جیب سے ٹکرائیں۔ مجھے چکر سا آگیا اور دل بے ترتیبی سے دھڑکنے لگا۔ خیال آیا کہ ممکن ہے میں نے غلط جیب میں ہاتھ ڈال دیا ہو اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تیزی سے میں نے دوسری جیبوں میں ہاتھ ڈالا مگر نوٹوں کا وہ بنڈل کہیں نہ ملا جو میں نے جیب میں ڈالا تھا۔

"کی ہویا باؤ جی؟ تُسی کڑے واسدے پریشان ہو؟" ٹھیلے والے نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ کچھ نہیں' کسی نے جیب کاٹ لی ہے۔" میں نے گھبرا کر کہا۔ پھر پلٹ کر اپنے ڈبے

کی طرف بھاگا، اس خیال سے کہ نوٹ جیب میں رکھتے وقت بے دھیانی میں گر گئے ہوں۔ اپنی بنچ کے اوپر نیچے اور دائیں بائیں دیکھنے پر وہ رقم مجھے نہیں ملی۔

ریل نے دوبارہ سیٹی بجائی۔ پھر وہ جھٹکے سے چل پڑی۔ میں اپنی نشست پر سمٹ کر بیٹھ گیا۔ میرے برابر والی جگہ خالی رہی اور وہاں کوئی نہیں آیا۔ اس وقت مجھے یاد آیا کہ جب صبح کے وقت میں چائے کے پیسے دے رہا تھا تو اس شخص کی نگاہیں میرے نوٹوں پر جمی ہوئی تھیں جو برابر میں بیٹھا تھا۔ بات صاف ہوگئی تھی کہ مجھے نیند میں دیکھ کر اس نے رقم اڑا لی۔

بمبئی تک سفر اونگھتے ہوئے کٹ گیا۔ درمیان میں آنکھ اس وقت کھلی تھی جب ریل ایک پل پر سے گزری تھی۔ لوہے کے اس عظیم الشان پل کے نیچے سے دریا بے پر سکون انداز میں بہ رہا تھا، مگر یہی دریا جب اپنا غیظ و غضب دکھاتا ہے تو آبادیوں کی آبادیاں اجاڑ کر رکھ دیتا ہے۔

سٹی اسٹیشن پر اترنے کے بعد میں عمارت سے باہر آیا تو کوئی بھی چیز نئی نہیں معلوم ہوئی۔

بسوں کے اڈے پر ایک آدمی رکشے کے نزدیک کھڑا "صدر۔ صدر۔ صدر۔" کی آوازیں لگا رہا تھا۔ میں اس رکشے میں بیٹھ گیا۔ میں نے سن رکھا تھا کہ صدر شہر کا مشہور علاقہ ہے اور زیب النسا اسٹریٹ رنگ و نور سے جگمگاتا بازار۔ اس سڑک کو دیکھنے کے اشتیاق میں، میں یہ بھی بھول گیا کہ میری جیب میں پیسے نہیں ہیں اور میں دو وقت کا بھوکا ہوں۔ رکشے والے نے ایک بھرے پُرے بازار میں تھوڑی دیر بعد اتار دیا۔ وہ آدمی جو آوازیں لگا رہا تھا اس نے لوگوں سے کرایہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ اس وقت میری تو سٹی گم ہوگئی جب اس نے میری طرف ہاتھ بڑھا دیا "نکالو شاباش دو روپیہ۔"

میں نے عاجزی سے کہا: "خان صاحب! اس وقت میری جیب خالی ہے۔ جیب کٹ چکی ہے کبھی اور دے دوں گا۔"

اس نے ہاتھ ہلا کر کہا: "کبھی دے دے گا!" پیسہ نہیں ہے تو رکشہ میں کیوں بیٹھتا ہے؟"

میری عاجزی دیکھ کر اس نے بات نہیں بڑھائی اور بڑبڑا کر خاموش ہوگیا۔ میں نے ایک

گہرا سانس لیا اور وہاں سے چل پڑا۔ دو چار آدمی جو وہاں جمع ہو گئے تھے مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے' کیوں کہ میرے جسم پر معقول لباس تھا اور میں کوئی گرا پڑا لڑکا نظر نہیں آتا تھا۔

زیب النسا اسٹریٹ کی سیر کرکے میں سیدھا چل پڑا۔ مشہر کی یہ سڑک ہمارے مال روڈ سے ملتی جلتی ہے۔ ویسے ہی لوگ' ویسی ہی دکانیں اور ویسی ہی جلتی بجھتی روشنیاں۔

بھوک پھر ستانے لگی۔ بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ مجھ پر نقاہت طاری ہونے لگی۔ میں کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانا چاہتا تھا' اس لیے بھوک برداشت کر رہا تھا مگر بھوک بھلا کب تک برداشت ہوتی!

پیدل چلتے ہوئے ایم۔ اے۔ جوہر روڈ پر آگیا۔ وہاں مجھے ریڈیو کی پرانی اور باوقار عمارت نظر آئی۔ میں تھوڑی دیر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر سڑک پار کرکے دوسری طرف فٹ پاتھ پر چلا گیا۔ اس وقت زیادہ چہل پہل نہیں تھی۔ ایک دو آدمی گزر رہے تھے۔ اورنگ زیب مارکیٹ کے سامنے ایک بن کباب والا کھڑا توے پر کباب سینک رہا تھا اور چار آدمی اس کے ٹھیلے کے قریب کھڑے تھے۔ میں نے سوچا کہ اگر میں اس سے مانگوں گا تو یہ بھکاری سمجھ کر دھتکار دے گا اور بے عزتی بھی کرے گا' اس لیے ہاتھ کی صفائی دکھاتے ہوئے اس کے شوکیس میں سے ایک بن چُرالوں تو کھانے کا انتظام ہو سکتا ہے۔ سوچنا آسان ہے اور اس پر عمل کرنا مشکل۔ جب میں نے زندگی میں پہلی بار چوری کرنے کی نیت سے ہاتھ بڑھایا تو میرا ہاتھ کانپنے لگا۔ میں ایک ہاتھ سے گلاس تھامے اسے مٹکے میں ڈال رہا تھا جیسے وہاں صرف پانی پینے کی نیت سے رک گیا ہوں' لیکن میرا دوسرا ہاتھ بن کو چھو رہا تھا۔

یکایک وہ لڑکا کراری آواز میں بولا: "واہ بیٹا' استادوں سے استادی! رکھ کر ایسا تھپڑ دوں گا کہ منہ گھوم جائے گا۔" پھر اس نے میری کلائی پکڑلی۔ اس کی گرفت کافی مضبوط تھی۔

میں نے گھبرا کے اس کی طرف دیکھا اور پھر دیکھتے کا دیکھتا رہ گیا۔ اس لڑکے کی آنکھیں' ناک' ہونٹ اور سر کے بال بالکل میرے جیسے تھے۔ مجھے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے میں خود کو آئینے میں دیکھ رہا ہوں۔

اس نے جب مجھے غور سے دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی چلی گئیں۔ (جاری)
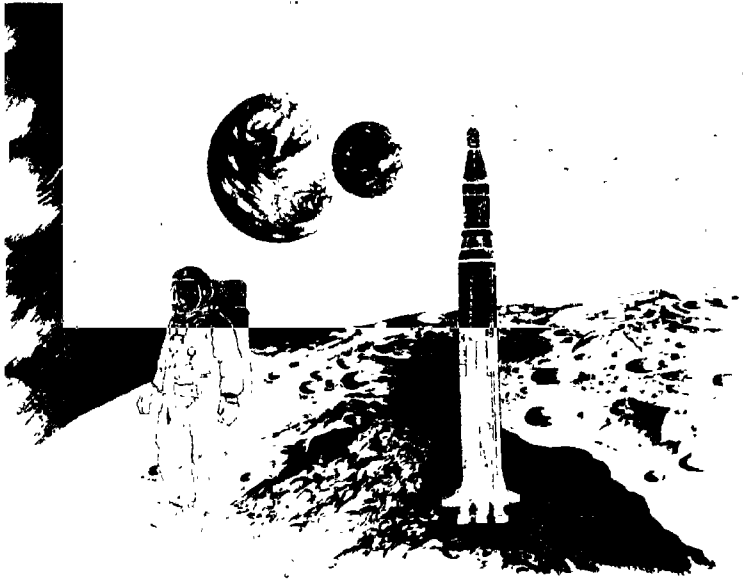
کائنات میں خوبصورت چیزیں ہمیشہ انسان کو اپنی طرف متوجہ کرتی آئی ہیں۔ چاند اور اس کی دلفریب روشنی نے بھی انسان کو متاثر کیا اور انسان چاند پر پہنچنے کے خواب دیکھتا رہا لیکن یہ خواب ۱۹۶۹ء میں حقیقت کا روپ دھار گیا جب حضرت انسان نے پہلی مرتبہ چاند پر قدم رکھا۔ آیئے اب ہم آپ کو چاند کے اس پہلے سفر کی کہانی سناتے ہیں۔

چاند ہماری زمین سے قریباً اڑھائی لاکھ میل دور ہے۔ اب جناب اڑھائی لاکھ میل کا فاصلہ کچھ اتنا بڑا فاصلہ نہیں، آج کل کے تیز رفتار جیٹ جہاز اسے دس دن میں طے کر سکتے

ہیں۔ اگر چاند کے سفر میں راستے کی طوالت ہی ایک مشکل ہوتی تو یہ کبھی کی حل ہو چکی ہوتی لیکن یہاں کچھ اور قسم کی مشکلات بھی تھیں جنہوں نے چاند تک کے سفر کا راستہ روکا ہوا تھا۔

ان میں ایک مشکل تو یہ تھی کہ زمین کی کشش کے دائرے سے باہر نکلنے کے لیے تقریباً پچیس ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے، اس سے کم رفتار پر کوئی بھی چیز زمین کی کشش کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتی۔ پھر زمین کی فضا سے آگے خلا ہے جس میں سانس لینے کے لیے ہوا موجود ہے نہ جسموں کو سنبھالنے والی زمینی کشش۔ پھر آگے چاند کی اپنی کشش کا ایک دائرہ آجاتا ہے جس کی کیفیت اچھی طرح معلوم نہیں۔ ان مقامات کے طبعی حالات یعنی گرمی سردی، کشش اور تابکاری وغیرہ کا تھوڑا بہت علم تو سائنس دانوں کو ضرور تھا لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ حالات انسان برداشت بھی کر سکے گا یا نہیں۔

پہلی مشکل، یعنی پچیس ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار تک پہنچنے کی مشکل، راکٹ سے حل ہو گئی۔ راکٹ ایک طرح کی ہوائی ہوتی ہے جس میں مائع ایندھن کے جلنے سے گیسیں بڑے زور کے ساتھ ایک سمت سے باہر نکلتی ہیں اور راکٹ تیزی سے مخالف سمت میں اُڑنے لگتا ہے۔ پچھلے دس پندرہ سالوں میں جو راکٹ زمین سے اُڑائے گئے، ان میں فضا اور خلا کی سردی گرمی، دباؤ اور تابکاری وغیرہ ناپنے کے آلات تو ہوتے ہی تھے مگر آخری تجربوں میں کچھ جانور مثلاً کتے اور بندر بھی ان کے ساتھ رکھے گئے تاکہ معلوم ہو کہ وہ نئے ماحول سے کس طرح متاثر ہوتے ہیں۔ ان راکٹوں کی اُڑان، ان کی سمت اور ان کی زمین پر واپسی زیادہ تر زمینی آلات، مثلاً ریڈار سے کنٹرول میں رکھی جاتی تھی۔

جب یہ دیکھ لیا گیا کہ جانور خلا میں سینکڑوں، ہزاروں میل اور کئی کئی دن کے سفر کے بعد زمین پر صحیح سلامت واپس آسکتے ہیں تو لوگوں کا حوصلہ بڑھا اور انہوں نے بھی زمین سے کئی کئی سو میل کے فاصلے پر خلا میں کئی دن کے سفر کیے۔ پھر ایک راکٹ مئی ۱۹۶۹ء میں تین خلا بازوں کو لے کر اُڑا اور دو لاکھ میل سے زیادہ سفر طے کر کے چاند کے مدار میں داخل ہوا۔ راکٹ نے چاند کے گرد بہت سے چکر لگائے لیکن اس پر اُترا نہیں تاہم خلا نوردوں نے چاند کی سطح کا بڑے قریب سے، یعنی نو دس میل سے معائنہ کیا اور کیمروں کی مدد سے اس کی تصویروں کا ریکارڈ بھی رکھا تاکہ آئندہ کی اُڑانوں میں کام آئے۔ اس تجربے کی کامیابی کے بعد اُمید بندھ گئی کہ راکٹ انسانوں کو چاند تک لے جا سکے گا اور پھر وہاں سے واپس بھی لا سکے گا۔

چنانچہ جولائی ۱۹۶۹ء میں ایک راکٹ زمین سے اُڑایا گیا جس نے خلا بازوں کو کامیابی سے چاند کی سطح پر اتارا اور پھر انہیں واپس زمین پر لے بھی آیا۔ مناسب ہو گا کہ اس راکٹ کے سفر اور طریقِ سفر کا

ایک مختصر سا خاکہ یہاں پیش کیا جائے۔

یہ راکٹ ایک لمبی پنسل جیسی شکل رکھتا تھا۔ اس کی لمبائی کوئی سوا سو گز، چوڑائی تقریباً دس گز اور وزن اسی ہزار من کے لگ بھگ تھا۔ اصلی ہوائی جہاز کے علاوہ اس راکٹ کی تین منزلیں تھیں جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پورے راکٹ کی حیثیت رکھتی تھی۔ ہر منزل میں ضرورت کے مطابق مائع ایندھن موجود تھا اور ایسا انتظام کیا گیا تھا کہ پہلے ایک منزل کا ایندھن جل کر خرچ ہوتا تھا، پھر دوسری کا اور پھر تیسری کا۔ ہر منزل اپنا کام ختم کر چکنے کے بعد نیچے گر جاتی تھی۔

سفر شروع ہوا تو پہلی منزل کا ایندھن راکٹ کو چھ ہزار میل کی رفتار اور ۳۸ میل کی اونچائی تک لے گیا پھر خود بخود دوسری منزل کا ایندھن جلنے لگا اور اس نے راکٹ کو زمین سے ۱۱۵ میل کے فاصلے اور چودہ ہزار میل کی رفتار تک پہنچا دیا پھر دوسری منزل کا کام ختم ہو گیا تو وہ راکٹ سے الگ کر دی گئی۔

اتنے سفر میں جب کسی قسم کی کوئی خرابی ظاہر نہ ہوئی اور تسلی ہو گئی کہ اب پیچھے ہٹنے کی ضرورت نہ ہوگی تو ایک حفاظتی گاڑی کو بھی (جو اس لیے ساتھ رکھی گئی تھی کہ خطرے کی صورت میں خلا بازوں کو واپس زمین پر لے آئے) علیحدہ کر دیا گیا اور وہ زمین پر آ رہی۔

تیسری منزل میں اتنا ایندھن موجود تھا کہ وہ راکٹ کی رفتار میں زبردست اضافہ کرتا اور اسے زمین کی کشش سے آزاد کرا دیتا لیکن احتیاط سے یہ ضروری سمجھا گیا کہ پہلے چند چکر زمین کے گرد ہی لگائے جائیں تا کہ خلا میں داخل ہونے سے پہلے زمینی لیبارٹری کی مدد سے راکٹ کے تمام آلات اور حالات کا ایک دفعہ پھر معائنہ کر لیا جائے۔ جب ہر چیز کے متعلق تسلی ہو گئی کہ وہ ٹھیک ہے تو زمینی لیبارٹری نے راکٹ کو چاند کی طرف پیش قدمی کرنے کی اجازت دے دی لہٰذا اب راکٹ کا رُخ خلا میں اس طرف پھیر دیا گیا جہاں حساب کے مطابق چاند کو تین دن بعد ہونا تھا۔ تیسری منزل کا باقی ماندہ ایندھن جلا کر راکٹ کی رفتار کو پچیس ہزار میل فی گھنٹے تک بڑھا دیا گیا۔ یہ وہ رفتار ہے جس پر کوئی مادی جسم زمین کی کشش سے آزاد ہو سکتا ہے۔ پس راکٹ نے زمین کی کشش کو شکست دی اور چاند کی طرف چل پڑا۔

جوں جوں راکٹ کا فاصلہ زمین سے بڑھتا گیا اس پر ارضی کشش کا اثر کم ہوتا گیا، یہاں تک وہ اتنا کم رہ گیا کہ راکٹ مزید ایندھن جلائے بغیر اپنی پہلی قوت ہی سے منزلِ مقصود کی طرف بڑھنے لگا۔ دراصل قوت وہیں لگائی جاتی ہے جہاں کوئی شے حرکت میں مزاحم ہو، لیکن یہاں تو کوئی شے راکٹ کی حرکت کو نہیں روک رہی تھی۔ اس جگہ ہوا کی مزاحمت اور زمین کی کشش دونوں ہی نہ ہونے کے برابر تھیں۔

حفاظتی گاڑی کے الگ ہو جانے کے بعد راکٹ میں صرف تین حصے کام کے رہ گئے یعنی قمری گاڑی

(چاند گاڑی) کمک گاڑی اور کمانڈ گاڑی۔ بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر ابتدا میں، یعنی زمین پر، ان کی ترتیب وہ نہیں رکھی جا سکتی تھی جو چاند پر اُترتے وقت ہونی چاہئے تھی۔ ترتیب کی روشنی کے بعد تیسری منزل اور قمری گاڑی کے خول کی ضرورت باقی نہ رہی، لہٰذا زمینی کنٹرول سے انہیں علیحدہ کر کے راستے سے ہٹا دیا گیا۔ یہ سب کچھ سفر کے پہلے پانچ گھنٹے میں ہو گیا۔

اب راکٹ کو سوائے چاند کی طرف سیدھے تیرتے چلے جانے کے...... جس میں وقت کے استعمال کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی، کوئی کام نہ رہا تھا۔ تین دن تک خلا نورد وائرلیس کے ذریعے اپنے بال بچوں کی خیر خیریت معلوم کرتے رہے اور معمول کے مطابق کھاتے پیتے اور سوتے رہے۔ وہ کبھی کبھی خلائی جہاز کی کھڑکیوں سے زمین پر بھی نظر ڈال لیتے، جو دور سے چاند کی طرح گول، روشن اور خوبصورت دکھائی دیتی تھی۔ یونہی قریباً دو لاکھ میل تک ایندھن خرچ کئے بغیر تیرتے چلے جانے کے بعد راکٹ کی رفتار پچیس ہزار سے دو ہزار میل فی گھنٹے تک گر گئی۔ یہ اس طرح ہوا جیسے کرکٹ کی گیند ہٹ لگنے پر زنّاٹے سے نکلتی ہے لیکن باؤنڈری تک پہنچتے پہنچتے اس کی رفتار بہت کم رہ جاتی ہے۔ اب راکٹ پر ایک نئی قوت، یعنی چاند کی کشش نے اثر ڈالنا شروع کر دیا تھا۔ چاند کی کشش سے راکٹ میں اسراع پیدا ہوا اور اسکی رفتار بڑھ کر پانچ ہزار میل فی گھنٹے تک جا پہنچی۔ اس رفتار کو طبعی طریقے سے بڑھنے دیا جاتا تو راکٹ چاند پر دھم سے گرتا اور پاش پاش ہو جاتا لیکن انجنوں کے اُلٹے رُخ چلانے سے گویا بریک لگائی گئی اور اس کی رفتار کو مناسب حد تک کم کر دیا گیا۔ پھر راکٹ ایک خاص رفتار پر چاند کے گرد چکر کاٹنے لگا۔ چکّر کے حلقوں کو بتدریج کم کیا گیا۔ آخر جب راکٹ چاند سے صرف ستّر میل کے فاصلے پر گھومنے لگا تو تین خلا بازوں میں سے دو قمری گاڑی (لیونر موڈیول) میں اتر گئے اور ایک کمک گاڑی (سروس موڈیول) میں بیٹھا رہا جو قمری گاڑی سے الگ ہو گئی تھی۔

قمری گاڑی نے اپنے حلقے کا گھیرا تنگ کرتے ہوئے چاند کی طرف اُترنا شروع کر دیا۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ گاڑی کی رفتار کو جلتی ہوئی گیسوں کے اخراج کی سمت اور مقدار سے کنٹرول کیا جاتا ہے۔ جدھر سے گیسیں نکلتی ہیں، گاڑی اس کے اُلٹے رُخ چلنے لگتی ہے۔ قمری گاڑی کی عام شکل و صورت ایک اونچے اور لمبے پایوں والے اسٹول کی سی تھی۔ پایوں کے نیچے اونٹ کے پاؤں جیسے چوڑے گدے لگے ہوئے تھے۔ یہ انوکھا ڈیزائن اس لئے اختیار کیا گیا تھا کہ چاند کی سطح کے متعلق خیال تھا کہ وہ ریتیلی سی ہوگی اور ڈر تھا کہ کسی دوسری قسم کی گاڑی اس میں دھنس کر رہ جائے گی قمری گاڑی پچھتر فٹ کی بلندی سے بہت آہستہ آہستہ نیچے اُتری، کیونکہ اب اس کی رفتار پر خلا بازوں کا اپنا کنٹرول تھا۔ انہوں نے سطحِ قمر پر ایک ہموار جگہ کا انتخاب کیا اور گاڑی کو ہولے سے وہاں اُتار لیا۔

مہم کا قائد نیل آرم اسٹرونگ گاڑی کی سیڑھی سے نیچے اتر آیا اور یوں پہلی دفعہ انسان کے پاؤں چاند کی سطح سے مس ہوئے۔ یہ جولائی کی ۲۱ تاریخ تھی۔ گاڑی کے باہر دن کے وقت چاند کا درجۂ حرارت ۲۵۰ ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے اور رات کو پارہ صفر سے اتنا ہی نیچے گر جاتا ہے۔ اتنی گرمی سردی انسان کے لئے مہلک ہوتی ہے پھر سانس لینے کے لئے چاند پر ہوا بالکل موجود نہیں، ظاہر ہے کہ جب ہوا موجود نہیں تو اس کا دباؤ بھی صفر ہوگا۔ اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے خلا بازوں نے سردی، گرمی روکنے والے خلائی سوٹ پہنے اور اپنی پیٹھ پر آکسیجن کے سلنڈر اٹھائے تھے۔ ریڈیائی مواصلات کا بھی اسی لباس میں انتظام کرنا ضروری تھا کیونکہ دونوں خلا باز ایک دوسرے کے قریب ہونے کے باوجود نہ ایک دوسرے کی آواز سن سکتے تھے اور نہ زمینی لیبارٹری کا کوئی پیغام ان تک پہنچ سکتا تھا۔ خلائی سوٹ اور سلنڈروں کا وزن اگرچہ سوا دو من کے قریب تھا۔ تاہم چاند کی کششِ ثقل کے نسبتاً کم ہونے کی وجہ سے ان کا بوجھ کوئی پندرہ کلو جتنا محسوس ہوتا تھا۔ خلا بازوں نے کچھ مواصلاتی آلات وہاں نصب کر دیئے کہ چاند کی خبریں زمین تک پہنچاتے رہیں۔ کنکر مٹی اور پتھروں کا زمین پر لا کر جب معائنہ کیا گیا تو ثابت ہوا کہ چاند ا قطعاً بنجر کرہ ہے جس پر زندگی نہیں حتیٰ کہ بیکٹیریا اور وائرس جیسے کوئی جاندار بھی وہاں موجود نہیں ہیں۔ چاند پر چند گھنٹے ٹھہرنے کے بعد واپسی کے سفر کی تیاری شروع کر دی گئی۔

قمری گاڑی کے دو حصے تھے ایک حصہ "ڈیسنٹ اسٹیج" نچلا تھا جس کی لمبی لمبی ٹانگیں تھیں اور جس کا مقصد قمری گاڑی کو چاند کی سطح پر جملانا تھا جبکہ دوسرا حصہ خلا بازوں کو واپس لانے کے لئے تھا اسے "ایسینٹ اسٹیج" کہتے ہیں اور یہ پہلے حصے کے اوپر جما ہوا تھا۔ دونوں خلانورد اب ایسینٹ اسٹیج میں بیٹھ گئے۔ جب انجن چلائے گئے تو وہ نچلے حصے سے الگ ہو کر اوپر اٹھنے لگا اور لمبی ٹانگوں والے حصے کو چاند پر چھوڑ چلا۔ ستر میل کی بلندی پر کمک گاڑی (جو اب تک [illegible]یت چاند کے گرد چکر کاٹ رہی [illegible]ں سے آملی۔ تینوں خلا باز کمک گاڑی [illegible] ہو گئے اور اب چونکہ قمری گاڑی اپنا کام پورا کر چکی تھی اس لئے اسے الگ کر کے پیچھے ہی خلا میں چھوڑ دیا گیا۔

جس طرح زمین کی کشش سے آزاد ہونے کے لئے پچیس ہزار میل کی رفتار درکار تھی اسی طرح کمک گاڑی کو اب چاند کی کشش کے دائرے سے باہر نکلنے کے لئے ساڑھے پانچ ہزار میل فی گھنٹے کی رفتار چاہئے تھی۔ یہ رفتار کمک گاڑی کے طاقتور انجنوں سے حاصل کی گئی اور کمک گاڑی مدارِ قمر سے نکل کر زمین کی طرف چل پڑی۔

جس طرح جسم کا زمین کی کشش سے آزاد ہونا مشکل ہوتا ہے اسی طرح باہر سے آنے

جسم کا زمین کے دائرۂ کشش میں داخل ہونا مشکل ہوتا ہے۔ کمک گاڑی کی رفتار کو پچیس ہزار میل فی گھنٹے تک بڑھایا گیا تو وہ زمین کے مدار میں داخل ہوئی۔ وہ اپنا کام مکمل کر چکی تھی اس لئے اسے بھی الگ کر دیا گیا۔ اب صرف مخروطی کمانڈ گاڑی جو گیارہ فٹ اونچی تیرہ فٹ چوڑی، اور ڈیڑھ دو سو من [illegible]ی تھی۔ تینوں خلا بازوں کو لے کر زمین پر اترنے لگی جو اس وقت کل اسّی میل، ور رہ گئی تھی اور جس پر ہوا کی نہیں اتنی کثیف تھیں کی محسوس کی جا سکتی تھیں۔

کمانڈ گاڑی ایک خاص زاویئے کی قوس بناتی ہوئی اس تیز رفتاری سے زمین کی طرف بڑھنے لگی کہ ہوا کی رگڑ سے اس کی بیرونی سطح شعلے کی طرح بھڑک اٹھی لیکن [illegible] ہوئے مسافر بالکل محفوظ رہے کیونکہ ان کے کمرے کی تپش معمول سے زیادہ نہ بڑھی تھی۔ آگے چل کر کمانڈ گاڑی کی رفتار اپنے پیراشوٹوں کے کھل جانے سے کم ہونے لگی۔ آخر جب اس کی رفتار بیس میل فی گھنٹہ رہ گئی تو وہ بحرالکاہل میں ایک پہلے سے مُقرر شدہ جگہ پر پہنچ کر آہستہ سے پانی کی سطح پر آٹھہری۔ خلا باز اب باہر آگئے اور ہیلی کاپٹر انہیں اٹھا کر "کوارنٹین" میں لے گیا۔ یہاں انہیں اتنی دیر ٹھہرایا گیا کہ ڈاکٹروں کی تسلّی ہو گئی کہ وہ اپنے ساتھ چاند سے کسی قسم کے جراثیم نہیں لائے۔

یہ چاند کے پہلے سفر کی کہانی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۶۹ء ہی میں ایک اور سفر چاند کا ہوا اور توقع ہے کہ آئندہ اور بھی ایسے بہت سے سفر ہوں گے۔

اسکول کا زمانہ

امان اللہ نسیر شوکت

اسکول سے آنے والے بتا — اسکول کی حالت کیسی ہے
اتنا ہی بتا دے تو مجھ کو — اُستاد کی شفقت کیسی ہے
لڑکے بھی نئے آئے ہوں گے — اب اُن میں محبت کیسی ہے

اسکول کے چھوٹے حصے میں — اِک باغ لگایا تھا ہم نے
ہر پھول کے بیج لگائے تھے — پھولوں سے سجایا تھا ہم نے
وہ باغ ہمارا کیسا ہے — جو باغ لگایا تھا ہم نے

انگریزی کے گھنٹے میں اب بھی — کیا مُرغا بنایا جاتا ہے
اور مُرغا بنا کر پھر اُس پر — لڑکوں کو بٹھایا جاتا ہے
آنکھیں بھی دکھائی جاتی ہیں — ڈنڈا بھی چلایا جاتا ہے

کیا اب بھی شرارت کے پُتلے — ویسے ہی شرارت کرتے ہیں
اور اُن کو شرارت پر اب بھی — اس طرح ہی ڈنڈے پڑتے ہیں
کیا کھیل کے رسیا اب بھی وہاں — دیواروں کے اُوپر چڑھتے ہیں

کمرے ہیں وہی چھوٹے چھوٹے — یا پھر سے بنایا ہے اُن کو
ہیں فرش وہی میلے میلے — یا پھر سے دُھلایا ہے اُن کو
تصویریں وہی آویزاں ہیں — یا پھر سے سجایا ہے اُن کو

کیا ہوتا ہے ذکر تیرا بھی — احباب کی محفل میں کیا ہے
کیا یاد بھی کروٹ لیتی ہے — ماحول کی منزل میں کیا ہے
اور ہُوک سی اُٹھتی ہے کہ نہیں — اے دوست ترے دل میں کیا ہے

منے۔ مجھے بتاؤ وہ لڑکا کون ہے جس نے تمھاری ٹانگیں توڑنے کی دھمکی دی ہے۔
امی! وہ تو مجھے بڑے زور کی دھمکی دیتا، مگر میں نے اس کا موقع نہیں دیا۔ یہ دیکھیے اس کی جرسی!
ماشاء اللہ تم صحت مند ہو، میرے گھر کی صفائی کر دیا کرو ......
نہیں بیگم صاحبہ، میں جیب کی صفائی کرکے ہی سزا بھگت چکا ہوں، اب گھر کی صفائی میں کیا ملے گا؟

پطرس بخاری

ایک محفل میں بچپن کی خواہشات کا تذکرہ ہو رہا تھا۔ ایک مشہور وکیل نے کہا: میری خواہش تھی کہ میں بڑے ہو کر لیٹرا بنوں۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا۔
"آپ بڑے خوش قسمت ہیں، ورنہ ہر شخص کی بچپن کی خواہش پوری نہیں ہوتی!"

کاغذی روپیا

خواجہ علی احمد شہر کے بڑے سوداگر تھے۔ لاکھوں کا کاروبار چلتا تھا۔ لوگوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ بچہ بچہ اُن کی دیانت داری سے واقف تھا اور ہر شخص جانتا تھا کہ خواجہ علی احمد قول کے سچے اور بات کے پکے ہیں۔

ایک دن انھوں نے اپنے ایک آدمی کو جوتے والے کی دُکان سے جوتا خریدنے بھیجا۔ جوتے کی قیمت بیس روپے تھی لیکن بجائے اس کے کہ خواجہ احمد اپنے نوکر کو بیس روپے دے کر بھیجتے انھوں نے نوکر کے ہاتھ کریم خاں جوتے والے کے نام یہ رقعہ لکھ بھیجا۔

"میاں کریم خاں! مہربانی کر کے ہمارے آدمی کو بیس روپے کا ایک جوتا دے دو۔ جلالیہ رقعہ اپنے پاس سنبھال کے رکھ چھوڑو۔ جب تمھارا دل چاہے یہ رقعہ لے کے ہم کو یا ہمارے منشی کو دکھا دینا اور بیس روپے لے جانا۔ یہ رقعہ اگر تم کسی اور شخص کو دینا چاہو تو بے شک دے دو۔ جو ہمارے پاس لائے گا ہم اس کو بیس روپے دے دیں گے۔ راقم خواجہ علی احمد۔"

دُکان دار نے جب رقعے کے نیچے خواجہ علی احمد کے دستخط دیکھے تو اُسے اطمینان ہوا۔ جانتا تھا کہ خواجہ صاحب مُکرنے والے آدمی نہیں اور پھر لاکھوں کے آدمی ہیں۔ روپے نہیں بھیجے تو نہ سہی یہ رقعہ کیا روپوں سے کم ہے؟ جب چاہوں گا رقعہ جا کر دے دُوں گا اور روپیا لے لوں گا۔ چنانچہ اس نے بغیر تامّل کے جوتا بیچ دیا۔

تھوڑی دیر بعد کریم خاں دُکان دار کے پاس عبداللہ حلوائی آیا اور کہنے لگا:

"میاں کریم خاں! میرے تمھاری طرف پچیس روپے نکلتے ہیں، ادا کر دو تو تمھاری بڑی مہربانی ہوگی"

کریم خاں نے کہا "ابھی لو۔ یہ پانچ تو نقد لے لو۔ باقی بیس روپے مجھے خواجہ علی احمد سے لینے ہیں۔ یہ دیکھو، ان کا رقعہ، ذرا ٹھہر جاؤ، تو میں جا کے ان سے بیس روپے لے آؤں"

عبد اللہ بھی خواجہ علی احمد کو اچھی طرح جانتا تھا، کیوں کہ شہر بھر میں خواجہ صاحب کی ساکھ قائم تھی۔ کہنے لگا "تم یہ رقعہ مجھے ہی کیوں نہ دے دو، میں ان سے بیس روپے لے آؤں گا، کیوں کہ اس میں لکھا ہے کہ جو شخص یہ رقعہ لائے گا اس کو بیس روپے دے دیے جائیں گے"

کریم خاں نے کہا "یونہی سہی" چنانچہ عبد اللہ حلوائی نے بیس روپے کے بدلے وہ رقعہ قبول کر لیا۔

کئی دنوں تک یہ رقعہ یونہی ایک سے دوسرے کے ہاتھ میں پہنچ کر شہر بھر میں گھومتا رہا۔ خواجہ علی احمد پر لوگوں کو اس قدر اعتبار تھا کہ ہر ایک اسی رقعے کو بیس روپے کے بجائے لے لیتا قبول کر لیتا، کیوں کہ ہر ایک شخص جانتا تھا کہ جب چاہوں گا اسے خواجہ صاحب کے منشی کے پاس لے جاؤں گا اور وہاں سے بیس روپے وصول کر لوں گا۔

ہوتے ہوتے یہ رقعہ ایک ایسے شخص کے پاس پہنچ گیا۔ جس کا بھائی کسی دوسرے شہر میں رہتا تھا۔ یہ شخص اپنے بھائی کو منی آرڈر کے ذریعہ سے بیس روپے بھیجنا

چاہتا تھا۔ ڈاک خانے والوں نے اس رقعے کو بیس روپے کے عوض میں لینا قبول نہ کیا۔ چنانچہ وہ شخص سیدھا خواجہ احمد کی کوٹھی پر پہنچا۔ رقعہ منشی کو دیا۔ منشی نے بیس روپے کھن کھن گن دیے۔ اس نے روپے جاکر ڈاک خانے والوں کو دیے اور انھوں نے آگے اس کے بھائی کو بھیج دیے۔

اس مثال سے یہ ظاہر ہوا کہ محض ایک کاغذ کا پرزہ کتنی مدّت تک روپے کا کام دیتا رہا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کاغذ کے نیچے ایک ایسے شخص کے دستخط تھے جس کی دولت کا سب کو علم تھا۔ سب جانتے تھے کہ یہ شخص جب چاہے بیس روپے ادا کر سکتا ہے اور قول کا اتنا پکّا ہے کہ کبھی ادا کرنے سے انکار نہ کرے گا۔ شاید اس طرح کاغذ کا نوٹ وجود میں آیا۔ جس کی ادائیگی کی حکومت ذمّہ دار ہوتی ہے۔

محمد قیوم اعتصامی

کرۂ ارض

باپ جو نہایت کنجوس تھا اپنے بیٹے کو آئس کریم دیتے ہوئے "لو بیٹا ایک اور آئس کریم کھاؤ۔"
"بیٹا۔ ڈیڈی یہ تو پہلی ہے۔"
باپ۔ "بیٹے یاد رکھا کرو پچھلے سال بھی تو ایک آئس کریم کھلائی تھی"

"[illegible] زمین پر روزانہ ... ٹن خلائی ملبہ گرتا ہے مگر اس کی عام لوگوں کو کوئی خبر نہیں ہوتی"

خلائی مہم جوئی کے بارے میں ایک عام آدمی کو اس کے فائدے نقصان کا اتنا علم نہیں ہوتا جس سے سائنس داں آگاہ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے جن چیزوں اور امور کا علم نہ تھا وہ خلائی مہم جوئی کے بعد حاصل ہو گیا ہے۔ بطور مثال سائنس دان

کہتے ہیں کہ ایک سال میں اس زمین پر ایسی اشیا معدنیات پتھر دھاتیں گرد و غبار مٹی ریت جیسے ذرات کی صورت میں بیس ہزار ٹن آ گرتی ہیں مگر عام لوگوں کو اس کا علم نہیں ہوتا اور نہ وہ اس پر یقین کرتے ہیں۔

خلائی مہم جوئی جو اسپیس شٹل کے خلائی سفر، دور دراز سیاروں کی طرف

روانہ کیے گئے خلائی جہاز اور سیٹلائٹ سفر کی صورت میں کی جا رہی ہے، کے بعد نہ صرف خلا سے زمین پر گرنے والی ان اشیا کی تصدیق کی گئی ہے بلکہ اس کی صحیح صحیح پیمائش کا اندازہ بھی مقرر کیا گیا ہے۔ ان اشیا کو خلائی ملبے کا نام دیا جاتا ہے۔ اسے ملبے کا نام اس لیے دیا جاتا ہے کہ ہم جانتے ہیں جو چیزیں بیکار ہوتی ہیں ہم اسے ملبے کا نام دیتے ہیں حالانکہ خلائی ملبہ کاٹھ کباڑ یا بیکار نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا زیادہ تر حصہ ایسی معدنیات پر مشتمل ہوتا ہے جن سے زمین پر ان کا ذخیرہ جمع ہوتا رہتا ہے کو بھی معدنیات کسی نہ کسی روز ہماری دریافت کا باعث بن کر کارآمد ہو جاتی ہیں۔ ثابت ہوا ہے کہ خلائی ملبہ جن اجزا پر مشتمل ہوتا ہے اس کا زیادہ تر حصہ شہاب ثاقبوں کی شکل میں زمین پر گرا ہوتا ہے۔

اس خلائی ملبے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ اس میں انسان کی دلچسپی اور اس پر حیرت بھی بڑھ جاتی ہے کہ زمین پر سالانہ بیس ہزار ٹن خلائی ملبہ خلا سے آگرتا ہے اور وہ ہماری زمین کے فضائی ماحول میں اتر آتا ہے۔ سائنس داں یہ وضاحت اس لیے کرتے ہیں کیونکہ اس ملبے کا زمین پر بظاہر کوئی وجود آسانی سے نہیں ملتا اس لیے انھوں نے اس ملبے کے گرنے اور ماحول میں اترنے کے فرق کو بیان کیا ہے۔ اور یہ ثابت ہوا کہ یہ خلائی ملبہ شہاب ثاقب کے اجزا پتھر لوہے اور نکل پر مشتمل ہوتا ہے جس پر اسے سائنس "میٹی اور رائٹ میٹریل" کا نام دیتی ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ زمین کے ماحول میں اس ملبے کے اترنے یا گرنے کی شرح ۵۰ ٹن روزانہ ہے چونکہ وہ انتہائی چھوٹے چھوٹے ذرات اور ٹکڑیوں پر مشتمل ہوتا ہے اس لیے وہ عام آدمی کو نظر نہیں آتا مگر سائنس داں اس کی خبر رکھتے ہیں اس ملبے میں مٹی اور شہاب ثاقب بڑا اور چھوٹا بھی ہوتا ہے چھوٹا تو نظر بھی نہیں آتا اور بڑے کا حال یہ ہے مثلاً ایک بڑا شہاب ثاقب جس کا قطر (گھیر) سات میل لمبا اور چوڑا ہو وہ زمین پر ہر ۶۵ سے ۱۰۰ ملین سال بعد گرتا ہے کہ چھوٹے ہر روز گرتے ہیں۔ بعض کا پتا چل جاتا ہے اور بعض کا پتا نہیں چلتا۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موجودہ دور میں بھی کوئی شہاب ثاقب زمین پر گرا

جی ہاں ۱۹۷۰ء میں امریکی ریاست اوکلاہاما کے شہر لاسٹ سٹی ... شہاب ثاقب کو زمین پر گرتے دیکھنے کی شہادت ...

METEORITE MATERIAL

پہاڑ یا سمندر میں گرتا ہے تو اس کا پتا چلانا بھی مشکل ہوتا ہے زمین پر کسی آبادی کے قریب گرنے کی صورت میں اس کا پتا چلانا مشکل نہیں ہوتا۔

سائنس دانوں کی ایک جماعت جس نے ۱۹۷۰ء میں ایک بڑے شہاب ثاقب کو گرتے دیکھا تھا وہ مسلسل دس برس تک طاقتور دوربینوں کے ذریعے آسمان کی وسعتوں پر گہری نظر گاڑے بیٹھے رہتے تھے تب دس سال بعد جا کر کہیں ایک شہاب ثاقب گرتا نظر آیا جس کے زمین پر گرنے کی تصویر بھی کھینچ لی گئی تھی۔ اکثر شہاب ثاقب جو زمین پر گرتے ہیں ان سے انسان کی جان اور مال کو بہت کم نقصان پہنچتا ہے انھیں گرتے دیکھنے کا موقع بہت کم لوگوں کو میسّر آتا ہے بلکہ لاکھوں کروڑوں افراد میں سے کسی ایک کو۔ حاصل ہوتا ہے یہ بات بھی قابل ذکر ہے بڑی جسامت کے زمین پر گرنے کے واقعات بہت تھوڑی تعداد میں رونما ہوتے ہیں مگر خلائی ملبے میں بدل جانے کی وجہ سے ان کا بھی پتا نہیں ملتا۔ مسلسل مشاہدہ کرنے کے بعد سائنس دانوں نے خیال ظاہر کیا ہے نصف اونس ایک ٹن اور ایک ہزار ٹن وزن کے شہاب ثاقب بھی ہوتے ہیں اور زمین پر گرتے ہیں مگر یہ روز روزانہ زمین پر نہیں گرتے اور نہ ان کے گرنے کا کوئی خاص وقت مقرر ہے اور نہ کسی سائنس داں کو یہ پتا ہے کہ کوئی چھوٹا یا بڑا شہاب ثاقب کب زمین پر آ گرے گا مگر اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نہیں گرتے۔ خلائی ملبے کے اجزا اتنے چھوٹے چھوٹے ذرات میں بدل جاتے ہیں کہ انھیں مجسّم صورت نہیں دی جا سکی۔ البتہ یہ ثابت ہوا ہے کہ ایک یا بہت سے شہاب ثاقب کی تحلیل ہی خلائی ملبے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

خلائی ملبہ جو خلا سے زمین پر گرتا ہے اگر وہ بڑے شہاب ثاقب کی شکل میں ہو تو اس سے زمین پر گڑھا بن جاتا ہے۔

۱۹۰۱ سے لے کر ۱۹۵۴ء تک صرف ایک ایسا واقعہ رونما ہوا تھا۔ امریکی ریاست الباما کے ایک دیہات "سائیلا کاگا" سے تعلق رکھتا ہے۔ گھر والے سو رہے تھے کہ ساڑھے آٹھ پونڈ وزن کا ایک شہاب ثاقب چھت میں چھید (سوراخ) کرتے ہوئے خاتونِ خانہ کی پشت پر آ گرا جس سے وہ شدید طور پر زخمی ہو گئی تھی۔ اسی طرح کا دوسرا واقعہ ۱۹۷۱ء میں رونما ہوا کہ ٹھیک اسی وزن کا ایک شہاب ثاقب امریکی ریاست کنکی کٹ

دیہات ودر فیلڈ کے ایک مکان کی چھت پر آ گرا تھا اور یہ ۱۹۸۲ء کا واقعہ ہے مگر اتفاق سے ۱۹۷۱ء اور ۱۹۸۲ء کے ان شہابی حادثات سے کوئی بھی زخمی نہیں ہوا تھا۔ سوال یہ ہے کہ دنیا میں اری زونا کریٹر کے علاوہ کوئی اور جگہ بھی ہے جہاں شہاب ثاقب گرا اور وہ مجسم صورت میں موجود ہے۔ سائنس دانوں نے دنیا میں سات ایسی جگہوں (مقامات) کا سراغ لگایا ہے جہاں پر شہاب ثاقب گرے تھے۔ ان میں چلی، کینیڈا، امریکا افریقہ انٹارکٹک کے کچھ مقامات ہیں ان شہاب ثاقبوں کا تجزیہ کرنے پر پتا چلا کہ ان سب میں تین اجزا کی تھوڑی بہت کمی بیشی ضرور دیکھی گئی۔ ایک امریکی باشندے ولیم موران جو ریاست میری لینڈ کے ایک شہر مڈل ٹاؤن میں رہتا ہے چاقو چھریاں بنانے کا کام کرتا ہے اس کے پاس ایک ایسا چاقو ہے جس کا پھل (بلیڈ) اس نے شہاب ثاقب کے لوہے سے تیار کیا تھا۔ اس کا کہنا ہے پھل بنانے کے لیے اس نے شہابی لوہے کو عام خام لوہے کے برعکس دس گنا زیادہ آنچ پر تیار کیا تھا۔ تب کہیں جاکر وہ پھل بنانے کے قابل بنا اور یہ اتنا تیز دھار چاقو ہے کہ مسلسل استعمال کے باوجود اسے دوبارہ سان پر چڑھانے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی۔ ●●

ایک لمحہ میں پچپن ہزار فارن ہائٹ کا درجہ حرارت

جب بجلی لمحہ بھر میں ایک بار زمین پر لپکتی ہے تو اس کے ذریعے لاکھوں ہزاروں وولٹ بجلی کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ آسمانی بجلی لپکنے کے اس عمل کا نام لائٹنگ فلیش ہے۔ صرف ایک بار ہی لائٹنگ فلیش سے جو توانائی پیدا ہوتی ہے اگر کوئی ایسا ذریعہ (وسیلہ) ہوتا تو اس توانائی کو استعمال کر کے ایک لاکھ میگاواٹ تک وہ بجلی (قوت) پیدا کی جا سکتی جو ہم گھروں اور کارخانوں میں استعمال کرتے ہیں۔

ایک بار کی لپک کی پیمائش سے جو حرارت خارج ہوتی ہے اس سے ۵۵۰۰۰ فارن ہائٹ تک درجہ حرارت پیدا ہوتا ہے۔ حرارت کے اخراج کا وقفہ ایک سیکنڈ کے لاکھوں حصے کے برابر ہوتا ہے۔ ظاہر ہے وہ نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے۔ حرارت کے اخراج کا وقفہ اگر ایک منٹ تک قرار پالے تو زمین پر موجود ہر شے جل بھن کر بھسم ہو جائے۔

ایک طرف ایک بار کی لپک سے بے پناہ درجہ حرارت اور توانائی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری طرف اس کی بے مائیگی جو ایک لمحہ کے لاکھوں حصے کے برابر ہے اس سے اگر نقصان پہنچے یا وہ نقصان کا باعث بن جائے اور وہ کسی قسم کے کپڑے پر گرے تو اسے صرف اس حد تک جلائے گی ایک معمولی سا سیاہ دھبا بنا نظر آئے گا۔

منظر مظفر پوری
پیغمبر پور کلہوا، مظفر پور ۳

ڈیڈی سے کہہ دیں گے

استاد بابر سے: "آپ کے ابو کیا کرتے ہیں؟"
بابر: "میرے ابو وکیل ہیں۔"
استاد عامر سے: "آپ کے ابو کیا کرتے ہیں؟"
عامر: "میرے ابو ڈاکٹر ہیں۔"
استاد اکبر سے: اور بھئی آپ کے ابو کیا کرتے ہیں؟
اکبر: میرے ابو وہی کرتے ہیں جو میری امی کہتی ہیں۔

صبح ہوتے ہی میں ڈیڈی کی جیب سے ایک روپیا بڑی آسانی سے غائب کر دیتا تھا۔ کبھی ایک سکہ، کبھی دو اٹھنی، تو کبھی ایک کا نوٹ۔ یہ میرا روز کا معمول تھا۔ کیونکہ اسی ایک روپے سے میں لوز وز چچا کے ہوٹل سے گرما گرم کچری اور پکلیاں خرید کر ناشتا کیا کرتا تھا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی کہ مجھے گھر پر ناشتا نہیں ملتا تھا۔ بلکہ سچائی تو یہ ہے کہ ممی جتنا میری صحت کا خیال رکھتی تھیں اتنا شاید کسی کا نہیں۔ حتیٰ کہ ڈیڈی کا بھی نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میں اوّل درجے کا دُبلا پتلا تھا۔ جس کا ذمّے دار میرا جہنّمی پیٹ اور چٹورا پن تھا۔ حالانکہ یہ بات میں اپنی نصابی کتاب میں کئی بار پڑھ چکا تھا کہ انسان کو جینے کے لیے کھانا چاہیے نہ کہ کھانے کے لیے جینا چاہیے۔

میں ڈیڈی کی جیب میں اکثر اس وقت ہاتھ ڈالتا جب وہ بیت الخلا میں ہوتے اور ممی باورچی خانے میں۔ اب رہی بات آمنہ اور سنجر کی تو یہ دونوں بھائی بہن اکثر اس وقت اپنے بستروں پر محوِ نیند ہوتے۔ ان دونوں میں سے اگر کبھی کوئی جاگ بھی جاتا تو میں اسے رشوت کی لالچ دے کر خاموش کر لیتا تھا۔ اس طرح یہ دونوں بھائی بہن میرے ہمراز بن چکے تھے لیکن جب کبھی یہ ہمراز میرا بھانڈا پھوڑنے کی دھمکی دیتے تو میں از سر تا پیر کانپ جاتا تھا۔ "ڈیڈی سے کہہ دیں گے" ان کا ایک یہی جملہ میرے ہوش اُڑانے کے لیے

کافی تھا۔ کبھی کبھی تو میں انھیں اپنے بس میں کرنے کے لیے پوری کی پوری گجری اور چھلکیاں انھیں کی نذر کر دیا کرتا تھا۔ مگر یہ سلسلہ آخر کب تک چلتا۔ ایک نہ ایک دن تو بھانڈا پھوٹنا ہی تھا۔ سو ایک روز پھوٹ گیا ـــــ اس روز ڈیڈی کی جیب بالکل خالی پڑی تھی۔ صرف ایک روپے کا واحد سکہ ایک کونے میں دبکا پڑا تھا۔ دل تو بہی کہہ رہا تھا کہ اس اکلوتے سکے کو جیب میں ہی پڑا رہنے دوں۔ مگر جب آمنہ و سنجر کا خیال آیا تو دل کی پروا کیے بغیر میں نے فوراً وہ سکہ جیب سے نکال لیا۔ اور آمنہ و سنجر کو ساتھ لے کر چل پڑا نورو چچا کے ہوٹل کی طرف۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ یہ دونوں بھائی بہن مجھے بلیک میل کرنے لگے ہیں۔ اس لیے میں نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے حکم کی تعمیل کرنے کے لیے مجبور تھا۔ کیا مجال کہ یہ میری ایک بھی نافرمانی برداشت کر جائیں۔

چٹورا پن کے معاملے میں یہ دونوں بھائی بہن اب تو مجھ سے بھی دو قدم آگے نکل چکے تھے جس کی وجہ سے ان کی بھی صحتیں خراب ہونے لگی تھیں ـــــ ہوٹل بازی سے فارغ ہونے کے بعد جب ہم لوگ گھر پہنچے تو ڈیڈی کا تمتمایا ہوا چہرہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔

"کس گستاخ نے میری جیب میں ہاتھ ڈالنے کی جرأت کی ہے؟" ڈیڈی کے اس سوال پر میں پے در پے آمنہ، سنجر اور ممی کی طرف امداد طلب نگاہ سے دیکھنے لگا۔ مگر اپنے تئیں ہر کسی کی آنکھوں کو ہمدردی سے عاری پا کر میں خود کو اور بھی بے سہارا محسوس کرنے لگا۔

"میں صرف ایک گھنٹے کی مہلت دے رہا ہوں۔ اس دوران تم تینوں میں سے اگر کسی نے اقبال جرم نہیں کیا تو میں کسی کو نہیں بخشوں گا" اتنا بول کر ڈیڈی صحن میں چلے گئے اور کرسی پر بیٹھ کر اخبار پڑھنے میں منہمک ہو گئے۔ ممی بھی چپ چاپ باورچی خانے کی طرف چلی گئی تھیں۔

"میں تو ڈیڈی سے کہہ دوں گا کہ چوری تم نے کی ہے"

"میں تو یہ بھی کہہ دوں گی کہ یہ چوری تم بہت دنوں سے کرتے آ رہے ہو"

دونوں کی دھمکیوں سے صاف ظاہر تھا کہ یہ آج خاموش نہیں رہنے

والے۔

"اگر تم لوگوں نے میرا بھانڈا پھوڑنے کی کوشش کی تو میں بھی ڈیڈی سے کہہ دوں گا کہ میرے جرم میں تم دونوں بھی برابر کے شریک ہو۔" میری دھمکی سن کر دونوں بھائی بہن ڈیڈی کی چھڑی کا تصور کر کے خوف سے تھر تھر کانپنے لگے تھے۔

"اب جاؤ تم دونوں اپنا اپنا کام کرو۔" کمرے سے دونوں کو ٹرخانے کے بعد میں ایک ایسے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے میں منہمک ہو جاتا ہوں جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ میں بے گناہ ہوں۔ سب سے پہلے تو میں ممی کے پرس سے ایک روپے کا ایک سکہ غائب کرتا ہوں پھر اس کے بعد ہینگر سے لٹکے کرتے کی اس جیب کے ایک کونے کو دانت سے کتر دیتا ہوں جس میں سے میں نے سکہ چرایا تھا۔ اب ممی والے سکے کو دانتوں سے کھرچنے لگتا ہوں جس کی وجہ سے میرا ایک دودھ کا دانت ٹوٹ جاتا ہے۔ درد کی شدت، پٹائی کا خوف اور بے عزتی کا خیال، ان تینوں احساسات سے دوچار ہو کر میں جس بے نام کیفیت میں مبتلا تھا اسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بہرکیف اپنے ٹوٹے ہوئے دانت کو بائیں مٹھی میں بھینچ کر میں اپنے غیر مکمل منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہوئے سکے کو دیوار کی جڑ سے سٹے ایک کونے میں چوہے کے بل کے قریب رکھ دیتا ہوں اور کمرے سے باہر نکلنے سے قبل ایک سرسری نگاہ باورچی خانہ اور صحن کی طرف دوڑا لیتا ہوں کہ کہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ تبھی باورچی خانے والی کھڑکی سے جھانکتی دو آنکھوں پر نظر پڑتے ہی میں بڑے زور سے کانپ جاتا ہوں "یا خدا ممی نے تو سب کچھ دیکھ لیا۔ اب کیا ہو گا؟" میں زیر لب بڑبڑاتے ہوئے غیر ارادی طور پر کمرے سے باہر نکل گیا اور باغیچے میں جا کر آب پاشی کرنے لگا۔

ایک گھنٹہ پورا ہوتے ہی ڈیڈی نے آواز دے کر ہم لوگوں کو اپنے پاس بلایا اور بڑے سخت لہجے میں بولے "چلو جلدی بتاؤ۔ کس نے سکہ چرایا؟"

"میں نے نہیں چرایا"

"میں نے بھی نہیں"

"میں نے بھی نہیں ڈیڈی"۔ ہم تینوں کے انکار کرنے پر ڈیڈی غصّے سے اور بھی بے قابو ہو گئے۔

"تو کیا جن اُٹھا کر لے گیا؟"

"نہیں جی!" معاً ممّی کی آواز نے ہم سبھی کو ان کی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ چوہے کے بل کے پاس پڑے ایک سکّے کو اُٹھا کر مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھیں: "آپ کا سکہ جن یا کسی بچّے نے نہیں چرایا بلکہ یہ گستاخی چوہے نے کی ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ سکہ چوہے کے بل کے پاس سے برآمد ہوا ہے۔ سب سے بڑھ کر اس سکّے پر لگا خون کا دھبّا اس سچائی کی کھلی غمازی کر رہا ہے کہ چوہے نے اس سکّے کو کترنے کی ناکام کوششوں میں اپنا منہ لہولہان کر لیا ہے اور آخر میں جب اُسے یقین ہو گیا کہ یہ اس کے کھانے کی چیز نہیں ہے تب اُس نے اس سکّے کو اپنے بل میں لے جانے کے بجائے باہر ہی چھوڑ دیا۔ مجھے تو لگتا ہے اُس چوہے کے بچّے نے ضرور آپ کی جیب بھی کتر ڈالی ہوگی۔"

"نہیں، میں نے دیکھ لیا ہے" ڈیڈی نے پورے وثوق سے کہا لیکن ممّی نے یہ کہتی ہوئی کہ "ٹھہرئیے ایک بار میں بھی چیک کر لیتی ہوں" ہینگر سے ٹنگے متعلقہ کُرتے کے پاس پہنچ کر اس کی جیبوں کا معائنہ کرنے لگیں۔

"میں نا کہتی تھی کہ اس چوہے کے بچّے نے ضرور جیب بھی کتر ڈالی ہوگی۔ آپ خود ہی اپنی آنکھوں سے دیکھ لیجیے" ممّی کی بات سنتے ہی ڈیڈی فوراً آگے بڑھ کر اس کتری ہوئی جیب کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھنے لگے۔

"اوہ!" — اچانک ممّی ایک درد بھری آواز کے ساتھ اپنا دایاں پیر پکڑ کر زمین پر بیٹھ گئیں اور ایڑی میں گڑی کسی چیز کو نکالنے لگیں "ارے یہ تو دانت ہے" ممّی کے منہ سے لفظ "دانت" سنتے ہی میں اُچھل پڑا تھا۔ "اب کون بچائے گا مجھ کمبخت کو؟" میں دل ہی دل میں خود کو ملامت کرنے لگا تھا۔ ڈیڈی، ممّی کے ہاتھ سے وہ دانت لے کر اسے حیران نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے "اس دانت کی لمبائی چوڑائی سے تو صاف ظاہر ہے کہ

وہ چوہا ضرور انوز میاں کے برابر کا رہا ہوگا۔،، ڈیڈی کے لہجے میں طنز اور پھیکی مسکراہٹ کی جو آمیزش تھی اُسے میں خوب سمجھ رہا تھا۔

میں حیران ہوں کہ ممّی میری ساری حرکتوں سے واقف ہوتے ہوئے بھی انجان کیوں بنی رہیں؟ اور ان کے ساتھ ساتھ ڈیڈی بھی سب کچھ جان لینے کے باوجود ممّی کی ناقابلِ یقین باتوں سے اتفاق کس بنا پر کرتے رہے؟ شاید اس کی بنیادی وجہ یہ رہی ہو کہ میں اپنے بھائی بہن میں عمر میں سب سے بڑا تھا۔ اس وجہ سے انھوں نے سوچا ہوگا کہ میرا اپنے چھوٹے چھوٹے بھائی بہن کی نظروں میں گر جانا غیر مناسب ہوگا ـــــ مگر یہ بات اب میں ممّی ڈیڈی سے کیسے کہوں کہ آمنہ اور سنجر کی نظروں میں کب کا گر چکا ہوں۔

اگر ممّی ڈیڈی میری غلطیوں کی سزا کے تحت مجھے پیٹ پیٹ کر میرے جسم کی چمڑی بھی اُدھیڑ ڈالتے تو اتنا دُکھ نہیں ہوتا جتنی تکلیفیں گھر کے تمام افراد کے اس برتاؤ سے ہوتی ہیں جس میں میرے تئیں عدم اعتمادی اور بیزاری بھرے جذبے کا دخل ہوتا ہے۔

حکیم محمد سعید

سوال و جواب

طب کی روشنی میں

ہچکی

س: ہچکی کیوں آتی ہے؟ اور یہ بات کہاں تک درست ہے کہ کسی کے یاد کرنے سے ہچکی آتی ہے۔ میں نے یہ بھی سنا ہے کہ چھوٹے بچوں کو ہچکی آنے سے آنتیں بڑھتی ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟ نوزیہ تبسم

ج: ہچکی عام معنی میں معدے کا احتجاج (پروٹسٹ) ہے۔ معدے کی ساخت نازک ہے۔ جب ہم اس نازک معدے میں خوب مرچیں ڈالتے ہیں تو معدے کو اذیت ہوتی ہے اور وہ احتجاج کرتا ہے۔ جو لوگ مزے اور ذائقے کے لیے مرچیں کھاتے ہیں ان کو وارننگ (تنبیہ) تو زبان دے دیتی ہے لیکن غافل لوگ اس وارننگ کی پروا نہیں کرتے۔ ہچکی کا سبب نفسیاتی بھی ہو سکتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو کسی محبوب کا نام لینے سے توجہ ادھر چلی جاتی ہے اور ہچکی بند ہو جاتی ہے۔ یہ آنتیں وانتیں بڑھنے کا خیال شاعری ہے۔

شکر کی بیماری

س: عمر ۱۸ سال ہے۔ مجھے شکر کی بیماری ہے جس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ عبدالوحید شیخ

ج: بہت افسوس ہوا ہے کہ آپ کو ایک ایسا مرض لگا ہے جس کا اب تک کوئی شافی علاج معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ مجھے آپ سے پوری ہمدردی ہے اور میں آپ کو یہی مشورہ دوں گا کہ آپ کو غذائی پرہیز سے اس مرض کی خرابیوں پر قابو پانا چاہیے۔ انسانی جسم میں جگر گوشے میں ایک غدہ ہوتا ہے جس کا نام "بانقراس" ہے۔ انگریزوں نے اس کا نام "پانکریئس" رکھا ہے۔ جب اس بانقراس کا فعل خراب ہو جاتا ہے تو پھر یہ جسم میں شکر ہضم کرنے اور کنٹرول کرنے کا کام نہیں کر سکتا۔ اس مرض کا اکثر و بیشتر سبب غذائی بے اعتدالیاں ہوا کرتی ہیں۔ مگر یہ مرض پیدائشی (موروثی) بھی ہو سکتا ہے۔ ماں باپ کو ہو تو اولاد کو کسی بھی عمر میں ہو سکتا ہے۔ شکر بالکل چھوڑ دینی چاہیے۔ ان نشاستہ والی غذاؤں سے بھی جو آخر جسم میں شکر بن جاتی ہیں پرہیز کرنا ہی ہوگا۔ پروٹین دار غذائیں زیادہ اچھی رہتی ہیں۔

بھولنے کی عادت

س: میں امتحان کے لیے جو کچھ یاد کرتا ہوں اکثر امتحان دیتے وقت سب ذہن سے نکل جاتا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے؟
شہزاد اقبال

ج: اس صورتِ حال کی کئی وجہیں ہوسکتی ہیں، مگر سب سے بڑا سبب "خوف" ہے۔ ان جانا خوف۔ اور خوف اس لیے غالب آتا ہے کہ انسان کو خود پر اعتماد نہیں ہوتا۔ اگر آپ کو یہ اعتماد ہو کہ جو آپ نے پڑھا ہے وہ آپ کا ہے تو جو چیز آپ کی ہوگئی وہ آپ سے باہر کیسے جاسکتی ہے۔
جب ہم کالج میں پڑھتے تھے تو ہمارے ایک دوست چوتھے سال میں پانچ سال فیل ہوتے رہے۔ خوب سمجھ دار انسان تھے۔ اب بھی دہلی میں زندہ ہیں۔ کہا کرتے تھے کہ اگر پاس ہوگیا تو کالج پھر کیسے آؤں گا۔ یہاں کام آ پھر کہاں آئے گا۔ تو دیکھ لیا آپ نے! یہ بھی ایک سبب ہے۔

فلو

س: فلو کس بیماری کو کہتے ہیں اور یہ کس طرح واقع ہوتی ہے اور اس سے کس طرح بچا جاسکتا ہے۔
عبدالرزاق انصاری

ج: ایسا نزلہ زکام (حار) جس میں ناک بند ہوجائے یا بہ نکلے اس کا جدید نام انفلوئنزا ہے جو وبائی بھی ہوسکتا ہے۔ لوگوں نے الفاظ کی کفایت کی خاطر انفلوئنزا کو فلو کہنا شروع کر دیا ہے اور اب تو یہ ہوگیا ہے کہ جہاں نزلہ، زکام ہوا بس فلو کہا جانے لگا۔ یہ تو ظاہر ہے کہ نزلہ، زکام میں جراثیم کا اثر ہوتا ہے۔ اگر یہ جراثیم مضبوط قسم کے ہوں تو ایک سے دوسرے کو بھی لگ جاتے ہیں، وبا بھی پھیل جاتی ہے۔

سرطان

س: کینسر کیسے ہوتا ہے۔ اس کی کیا علامات ہیں؟
سجاد حبیب

ج: اوہو، آپ بچے تو بڑے بڑوں کو امتحان میں ڈال دیتے ہیں۔ اب یہ سرطان یا کینسر تو رہا نہیں ہے۔ جگہ جگہ کا کینسر اپنا اپنا الگ مقام رکھتا ہے اور ہر مقام کے سرطان کی الگ الگ علامت ہوتی ہے۔ مختصراً یہ بات سمجھ لینا کافی ہے کہ نامعلوم اسباب کی وجہ سے جسم کے خلیات (سیلز) کا نظام گڑ بڑ ہوجاتا ہے اور خلیات کی تباہی، بربادی کو روکنے کا فن انسان کو معلوم نہیں ہے۔ اس لیے اب تک یہ موذی ناقابلِ علاج ہے۔

سینے میں درد

س: میری عمر ۱۱ سال ہے۔ میں بہت کمزور ہوں۔ تھوڑا سا چل پھر لوں تو سانس پھول جاتا ہے۔ سینے میں اکثر بائیں طرف درد رہتا ہے۔ ازراہِ کرم علاج بتائیے۔

ارشاد احمد

س: میری عمر ۱۲ سال ہے۔ میں تھوڑا سا دوڑتا ہوں تو میرا سانس پھولنے لگتا ہے اور کام کرنے سے بھی یہی کیفیت ہوتی ہے۔ کوئی علاج بتائیں۔

امتیاز احمد خاں

ج: کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ بچپن (ابتدائی عمر) میں موتی جھرا ہوا ہو اور اس کا صحیح علاج نہ ہوا ہو اور دل میں کوئی ڈوری (صمام) کمزور پڑ گئی ہو۔ ممکن ہے کہ جوڑوں کا درد ہو گیا ہو۔ اس سے بھی قلب کو نقصان پہنچتا ہے۔

یہ سانس پھولنا کمزور قلب کی علامت ہے۔ اچھے معالج سے رجوع کرنا چاہیے تاکہ تشخیص صحیح ہو سکے۔

تنویر پھول

ہمارا وطن

وطن کے لیے ہم لٹائیں گے جاں
وطن کو بنائیں گے اک گلستاں

ہمارے دلوں کا سہارا وطن
ہمیں جان و دل سے ہے پیارا وطن

جہالت کی ظلمت مٹائیں گے ہم
دیے علم و فن کے جلائیں گے ہم

بنے گا درخشاں ستارا وطن
ہمیں جان و دل سے ہے پیارا وطن

بنیں گے جو ہم دیس کے راہبر
بڑھائیں گے علم اور کٹائیں گے سر

ہماری نگاہوں کا تارا وطن
ہمیں جان و دل سے ہے پیارا وطن

سنو پھول! میرا یہ ایقان ہے
خدا خود ہی اِس کا نگہبان ہے

اندھیرے میں روشن منارا وطن
ہمیں جان و دل سے ہے پیارا وطن

صبا جمیل

جو جی چاہے لے لو

ہم نے اپنے دوستوں کے گھروں میں اس بات پر فساد ہوتے دیکھا ہے کہ بیگم پوچھتی ہے کہ سبزی والا کھڑا ہے آج کیا پکایا جائے؟
"جو جی چاہے لے لو" وہ نہایت بے نیازی سے جواب دیتے ہیں لیکن جب میاں کے سامنے دوپہر کا کھانا آتا ہے تو وہ بھڑک اٹھتے ہیں: "روز بینگن، روز بینگن، آخر تم نے مجھے کیا سمجھ رکھا ہے۔"
"آلو لے لوں؟"
"قبض کرتا ہے"
"گوبھی؟"
"بادی ہے"
"کریلے؟"
"کڑوے ہوتے ہیں"
"شلجم؟"
"اونہہ، پھیکے پھیکے"
"دال؟"
"بیگم مارے ڈالتی ہو۔ تم جانتی ہو کہ مجھے پہلے ہی گیس کی شکایت رہتی ہے۔"
"اچھا تو خالی گوشت ہی پکا لیتی ہوں؟"
"نہ بابا، تمہیں پتا نہیں کہ خالی گوشت فشار خون پیدا کرتا ہے۔ سبزی بھی کوئی ہونی چاہیے۔"
"آخر کون سی سبزی لوں؟"
"کہہ جو دیا، جو جی چاہے لے لو۔"

سعدالدین انصاری
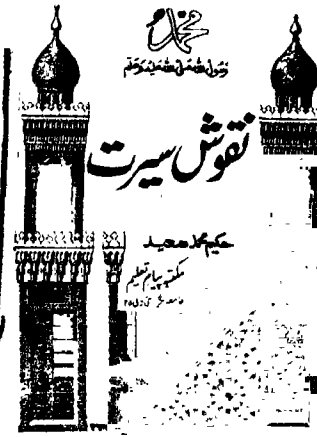
بدگمانی نہ کرو

اِجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ　　بدگمانی سے بہت بچو، بعض بدگمانی گناہ ہوتی ہے۔

تفسیر

دوسروں کی نسبت ہمیشہ اپنا خیال اچھا رکھو۔ بدگمانی اکثر جھوٹ ثابت ہوتی ہے اور پھر اس کی وجہ سے آدمی سخت گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے "بدگمانی سے بچو، بدگمانی نہایت جھوٹ بات ہے" اگر دلوں کو فتح کرنا چاہتے ہو تو جہاں تک بنے دوسروں کی نسبت اچھا ہی خیال رکھو۔

بچوں کی نئی دلچسپ کتابیں

ننھے منے بچوں کے لیے

کتاب	قیمت
بتاشے	۷/۵۰
جاں نثار دوست	۵ :
چاند کی بیٹی (باتصویر)	۶ -
دم کٹی لومڑی	۷ :
جادو کی ہنڈیا	۶ /-
شیر اور بکری "	۷/۵۰
کوے کا خواب "	۷/۵۰
بھیڑیے کا گانا "	۷/۵۰
چالاک بلی "	۷/۵۰
گدھے نے بجائی بانسری	۷/۵۰

بڑے بچوں کے لیے

کتاب	قیمت
نردونی کا آدم خور	۶/-
غریب لکڑ ہارے کی کہانی	۶/-
خلائی مسافر	۶/-
ہمت کے کرشمے	۶ -
مونٹی کرسٹو کا نواب	۹/:
ہمارے عظیم سائنس داں	۹/:
سام پہ کیا گزری	۳/۵۰
غذا کی کہانی	۳/-
زیور	۶/-
شہنشاہ نے کہا میں مفلس ہوں	۶/-
ایک خوطہ خور کی آپ بیتی	۶/-
سنہرے اصول	۵/-
نرالے گویّے	۴/۵۰
بالونی کچھوا	۴/۵۰
بدر شہزادی	۶/-
مولانا آزاد کی کہانی	۱۸/:
تنہا سیاح	۷/-
ابوخاں کی بکری	۱۵/-
پرواز کی کہانی	۴/۵۰
سمندری طوفان اور تین لڑکے	۶/-
خالی ہاتھ	۹/:
حاجی بابا کی ڈائری	۷/۵۰
بہادر علی	۷/۵۰
کھلونا نگر	۸/۵۰
ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی	۶/:
قصہ اژدہا پکڑنے کا	۵/:
ننھا سراغ رساں	۵/:
ابو علی کا جوتا	۶/-
چند مشہور طبیب اور سائنس داں	۹/-
چور پکڑو	۳/۵۰
چالاک خرگوش کے کارنامے	۹/-
جادو کی سارنگی	۳/-
جادو کا جھلا	۲/-
پانچ جاسوس	۱۰/-
جنگل کی ایک رات	۷/۵۰
ہرن کا دل	۳/-
اچھی کہانیاں	۳/-
دریا کی رانی	۳/-
گوہر شہزادی	۴/۵۰
تین اناڑی	۶/:
چوری کی عادت	۳/۵۰
شرارت	۳ :
دلی کی شادی	۴/-
گاندھی جی دکنی افریقہ میں	۲/:
بندر اور نائی	۴/۵۰
رنگوں کی بستی	۵/-
پراسرار غار	۹/-
عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں	۷/۵۰
بچوں کے ذاکر صاحب	۷/-
ننھا شنو	۲/-
آؤ ڈراما کریں	۳/:
سلامہ صمصامہ	۵/:
مچھیرا اور اس کی بیوی	۳/۵۰
ایک کھلا راز	۳/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۷/۵۰
صحت کی الف بے	۵/:
لومڑی کا گھر	۳/۵۰
بچوں کی کہانیاں	۲/۵۰
بابا نامع	۳/:
ہار کی تلاش	۶/:
سرخ جوتے	۴/۵۰
اندرا گاندھی	۶/:
ننھا فرشتہ	۶/-
جوہر قابل	۲/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۳/:
ننھا جبرو	۳/۵۰
پلک نہ مارو	۶/:
بچوں کے انسر	۶/:
ببر شیر شیرا	۳/۵۰
پری رانی	/:
خطرناک سفر	۳/۵۰
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
ٹوٹے کھلونے	۵/-
اندھے کا بیٹا	۶/۵۰
پانچ بونے	۳/۵۰
بچوں کے چار بزرگ دوست	۳/۵۰
سہانے ترانے	۴/۵۰

میرے پسندیدہ اشعار

اپنا تو کام ہے کہ جلائے چلو چراغ
رستے میں خواہ دوست یا دشمن کا گھر ملے

طلحہ نقشبندی القادری بالاپور ضلع آکولہ

آرہی تھی آسمانوں سے فرشتوں کی صدا
کیا سہانا وقت تھا صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ

عابد علی خاں شیروانی، مالیرکوٹلہ پنجاب

جس نے توڑے ہیں محبت کی شریعت کے اصول
وہ گنہ گار بھی ہے قابلِ تعزیر بھی ہے

خورشید عالم قلندریہ اردو ہائی اسکول منگرول پیر

اللہ نے چاہا تو اللہ کے یہ بندے
بن جائیں گے باطل کے لیے موت کے پھندے

اسد اللہ شاہد، سلفیہ جونیر ہائی اسکول، دربھنگہ بہار

یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجیے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے

عبد اللہ شاہد، سلفیہ جونیر اسکول، دربھنگہ۔ بہار

اللہ اگر توفیق نہ دے انسان کے بس کا کام نہیں
فیضانِ محبت عام تو ہے عرفانِ محبت عام نہیں

ذوالفقار، سلفیہ جونیر اسکول، دربھنگہ بہار

فاصلہ ہو تو نظر آتے ہیں پھولوں کی طرح
جانے کیوں نزدیک آکر خار بن جاتے ہیں لوگ

شبانہ آفریں، اولڈ اسٹیشن روڈ، راوڑ کیلا

تقدیر کے لکھے کو مٹانا ہوگا
پھر قوتِ بازو سے کمانا ہوگا
دنیا میں اگر رہنا ہے دوست میرے
لوہے کے چنے کو بھی چبانا ہوگا

حمید الزماں، جھکا۔ مغربی چمپارن بہار

جس سینے میں کینہ ہو وہ سینہ نہیں اچھا
انسان کو انسان سے کینہ نہیں اچھا

محمد اسمٰعیل حیدر۔ ارریہ۔ بہار

رسائی منزلِ مقصود تک ہو جائے گی ہمدم
امیرِ کارواں جب نقشِ پائے مصطفٰے ہوگا

★

نظر پڑی جو کہیں بارگاہِ سلطانی
دماغ و دل نے کہا لا اِلٰہ اِلاّ اللہ

محمد صبغۃ اللہ عارفی، ہرسنگھ پور

حیات و موت کو آسان کر لیا میں نے
بنا کے راہ نما لا اِلٰہ اِلاّ اللہ

★

ڈرا رہے ہیں مجھے سرکشوں کے ہنگامے
مگر ہے میری نوا لا اِلٰہ اِلاّ اللہ

محمد صفت اللہ عارفی۔ ہرسنگھ پور

حمد کے قابل ہے ذاتِ کبریا
جس نے قرآں خلق پر نازل کیا

محمد ہدایت اللہ عارفی ۔ ہرسنگھ پور

نعت کے شایاں ہیں احمد مجتبیٰ
جن کے باعث ہم نے پہچانا خدا

محمد امانت اللہ عارفی، ہرسنگھ پور

مبارک ہو کہ ختم المرسلین تشریف لے آئے
جناب رحمت اللعالمین تشریف لے آئے

محمد رحمت اللہ عارفی ۔ ہرسنگھ پور

کس قدر تم پہ گراں صبح کی بیداری ہے
ہم سے کب پیار ہے ہاں نیند تمھیں پیاری ہے

محمد عارف اعجاز قریشی، بدھوارہ انجن گاؤں سورجی

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر، یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے غرض نہیں، تیری رہبری کا سوال ہے

سراج الدین ۔ منصورہ ۔ مالیگاؤں، ناسک

کم سے کم اتنا معطر تو ہو انسان کا خلوص
گھر سے نکلے تو پڑوسی کو بھی خوشبو آئے

احسان دانش، قلعہ گھاٹ چوک، دربھنگہ، بہار

تم کو ہزار شرم سہی، مجھ کو لاکھ ضبط
الفت وہ راز ہے جو چھپایا نہ جائے گا

صالحہ الرحمٰن ۔ سرائے میر، اعظم گڑھ

جن کے دامن میں دعاؤں کے سوا کچھ بھی نہیں
ان غریبوں کی دعاؤں میں اثر ہوتا ہے

شیخ عمران مشتاق ۔ محمد علی روڈ بمبئی

ماں مجھے دیکھ کر ناراض نہ ہو جائے کہیں
سر پہ آنچل نہیں ہوتا ہے تو ڈر لگتا ہے

نکہت پروین ۔ جل پورہ، منگرول پیر آکولہ

شہر کے قانون میں یہ مد بھی لکھی جائے گی
زندہ رہنا ہے تو قاتل کی سفارش چاہیے

انیسہ محبوب باغبان ۔ شری رام پور

اس بے خبر حیات کا کیا اعتبار ہے
ہر وقت موت سر پہ بشر کے سوار ہے

مطلوب رضا، ابوالفضل انکلیو جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

چہرے پہ سو نقاب شرافت کے ڈال کے
پھر آ گئی صلیب مقابل ہلال کے

عبدالصبور جھنڈا نگری، کرشنا نگر، نیپال

قدم پیچھے ہٹانا عزم کی توہین ہے ہمدم
بلا سے راستے میں زندگی کی شام ہو جائے

عبیدالرحمٰن ۔ منگراواں ۔ اعظم گڑھ یو۔پی

یہ دنیا درد دیتی ہے شریک غم نہیں ہوتی
کسی کے زور دینے سے محبت کم نہیں ہوتی

محمد رحمت اللہ، باڑھ سمیلا۔ دربھنگہ بہار

کوئی انسان کسی انسان کو کیا دیتا ہے
آدمی تو ایک بہانہ ہے خدا دیتا ہے

محمد راشد حسین سلفیہ جونیر اسکول، دربھنگہ بہار

بندوں کو بندگی کا سلیقہ سکھا دیا
دنیا کو آگے ایک خدا کے جھکا دیا

محمد راشد، باڑھ سمیلا۔ ضلع دربھنگہ بہار

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مرد ناداں پر کلام نرم ونازک بے اثر

محمد نفیس اقبال، کھیڑی بانکا، مدھوبنی بہار

قسمت کا لکھا تو مجھے مل جائے گا آقا
وہ دیجیے جو میرے مقدر میں نہیں ہے

اقبال احمد نادان ۔ جال پور، دربھنگہ، بہار

مل بھی جاتے ہیں تو کترا کے نکل جاتے ہیں
ہائے موسم کی طرح دوست بدل جاتے ہیں

شوکت علی۔ مدرسہ دارالعلوم امدادیہ۔ بمبئی

نہ سیاہی کے ہیں دشمن نہ سفیدی کے ہیں دوست
ہم کو آئینہ دکھانا ہے دکھا دیتے ہیں

محمد نوشاد عالم۔ چکنوٹہ، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

مقدر کی جو سختی تھی وہ مرکر بھی نہیں نکلی
لحد کھودی گئی میری تو پتھر کی زمیں نکلی

محمد خلیل پینٹر صیقل پورہ، ناندورہ ضلع بلڈانہ

کاش! ایسی بھی محبت ہو کبھی اس دیس میں
میرے گھر اُپواس ہو جب تیرے گھر رمضان ہو

عزیزالرحمٰن عبدالغفار انصاری، غیبی نگر بھیونڈی

ہم پر نوازشیں ہیں یہ رب کریم کی
فرشِ زمیں کو خلق کا بستر بنا دیا

محمد ثروت حسین، جامعہ امجدیہ رضویہ۔ گھوسی

دیارِ عشق میں اپنا مقام پیدا کر
نیا زمانہ نئے صبح و شام پیدا کر

محمد منظر امام سب رنگ کتاب گھر، جھریا

ایمان کی دولت کھو بیٹھے اسلام کی عظمت بھول گئے
غیروں کے فسانے یاد رہے اور اپنی حقیقت بھول گئے

ذوالفقار، سلفیہ جونیر اسکول دربھنگہ۔ بہار

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّو بیاں

دلارے ر۔ شمراؤں دربھنگہ۔ بہار

نہ مروت نہ شرافت نہ محبت نہ خلوص
میں تو شرمندہ ہوں اس دور کا انساں ہو کر

جاوید عالم۔ شمراؤں ضلع دربھنگہ۔ بہار

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

امتیاز شمراؤں ضلع دربھنگہ بہار

شبِ گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

محمد پرویز اختر پرواز شمشیر نگر، جھریا دھنباد

شک نہیں، قرآں خدا کی ہے کتاب
برکتیں اس میں بھری ہیں بے حساب

شیخ ندیم احمد۔ محلہ محبوب گنج، بیڑ

ہر ایک سرور میں پنہاں ہیں تلخیاں کتنی
ڈسے ہے سانپ کی صورت خیالِ عیش و طرب

محمود اختر۔ امجدی لائبریری۔ گھوسی، مئو

ہمیشہ قدم راہِ حق پر اٹھانا
کبھی جھوٹ اپنی زباں پر نہ لانا

احمد بن شمعون، سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے

وہ محمد مصطفےٰ ہیں سیدِ ابرار ہیں
تاجدارِ انبیاء ہیں احمدِ مختار ہیں

محفوظ اختر، سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے بہار

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سلام الدین۔ برداہا، کمتول، دربھنگہ، بہار

مکتبہ پیام تعلیم کی اہم پیش کش
بچوں کے بزرگ ادیبوں کا سوانحی سلسلہ
مرزا غالب
اسلم فرخی
بابائے اردو
مولوی
عبدالحق
ڈاکٹر خلیق انجم
قیمت ۴٫۵۰
بچوں کے بزرگ ادیبوں کا سوانحی سلسلہ
مولانا
شبلی
نعمانی
بچوں کے
رنگارنگ
خسرو
محمد حسین آزاد
اسلم فرخی
قیمت ۲/-
ڈاکٹر عابد حسین
ڈاکٹر صغرا مہدی
قیمت ۲/-
صالحہ عابد حسین
ڈاکٹر صغرا مہدی
ڈپٹی نذیر احمد
بچوں کے
اسماعیل میرٹھی
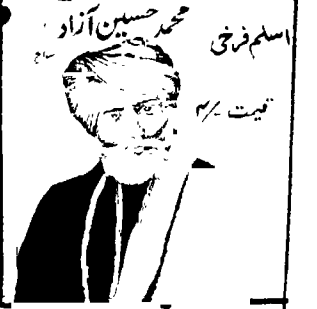
نام۔ محمد اقلیم محمد حلیم خاں عمر: ۱۰ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: ہر جماعت میں اوّل آنا۔ پیام تعلیم پڑھنا۔
پتا: کناک بندر، روم نمبر ۲۷۔ عمارت کا نام پریکے۔ بمبئی!

نام: محمد علی عرف (علی) عمر: ۱۴ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: اقرا اسکول لائبریری میں بہترین کتب پڑھنا
پتا: اعظم اسٹور۔ مکھوں محلہ۔ این۔ آر۔ آر۔ روڈ
آسنسول (مغربی بنگال)

نام: شہزادہ پرویز سبقت عمر: ۲۲ سال
تعلیم: انٹر
مشغلہ: بڑوں کی عزت کرنا۔ پیام تعلیم پڑھنا۔
پتا: سبقت محل، پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۰۴۔ پوسٹ
سی آر ایونیو۔ کلکتہ ۷۳

نام: انصاری صائمہ محمد اسمٰعیل
تعلیم: جماعت نہم
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا۔ کراٹے سیکھنا
پتا: آرسی والی چال، روم نمبر ۲۲۔ دوسرا منزلہ، اسٹیشن روڈ
۵۸۱، کرلا، بمبئی ۷۰
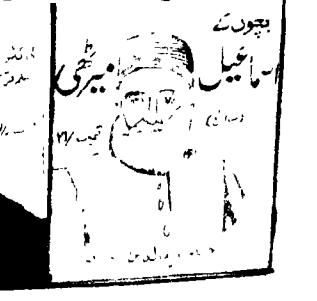
نام: زیبا فاطمہ
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: دینی کتب و رسائل کا مطالعہ کرنا
پتا: مقام درگاہ بیلا پوسٹ، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

نام: سرفراز احمد عمر ۱۵ سال
تعلیم: ہائی اسکول
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا۔ دوستی کرنا
پتا: نقاب اسٹور، سبزی منڈی، سرائے میر، اعظم گڑھ

نام: راغب علی عمر: ۱۵ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: ای ۸۵ غفّار منزل، جامعہ اسٹاف کوارٹر
جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

نام: رشید علی عمر: ۱۰ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: دل لگا کر پڑھنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: ای ۸۵ غفّار منزل، جامعہ اسٹاف کوارٹر
جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

نام: بی محمد اشرف
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: بخاری کالونی، مین روڈ سشیرور

نام: سید ناظم سید بشیر مستری عمر ۹ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: کھیلنا، پڑھنا لکھنا
پتا: مانک چوک امڑاپور ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

نام: یاسمین بانو سید بشیر مستری
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پڑھنا، لکھنا، کھیلنا
پتا: مانک چوک امڑا پور ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

نام: مدثر غیاث
تعلیم: گیارہویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: محلہ جھپانہ، قصبہ مئوآئمہ ضلع الہ آباد

نام: مرزا افضل بیگ عمر: ۱۰ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم، ہلال پڑھنا
پتا: معرفت مرزا انور بیگ، پوسٹ پرکٹ، تعلقہ آرمور ضلع نظام آباد اے، پی

نام: سنبل ظہیر
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: ۲۶۳، نور نگر، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

نام: شائستہ پروین
تعلیم: گیارہویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا، صرف بہنوں سے قلمی دوستی کرنا۔
پتا: معرفت عزیز الدین شیخ، راہوری ضلع تھانہ بمبئی

نام: روشنیا رفیق خاں
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: بھارت بیکری، نواسا روڈ، وارڈ نمبر ۶ شری رام پور احمد نگر

نام: ماجد انور محمد ابراہیم
تعلیم: ایس ایس سی
مشغلہ: دوستی کرنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: معرفت ماسٹر محمد ابراہیم، گھر نمبر ۲۴۴، اگلی نمبر ۱، اسلام پورہ، مالیگاؤں، ناسک

نام: محمد عادل محمد احمد
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، شرارت کرنا
پتا: گھر نمبر ۲۴۴-۱ اسلام پورہ، مالیگاؤں

نام: فہمیدہ امین
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: ڈرائونگ سیکھنا، کراٹے سیکھنا
پتا: ۲۳۰/۱۸ یونس بلڈنگ تکیہ وارڈ، جامع مسجد کے سامنے۔ کرلا۔ بمبئی ۷۰

نام: ارشاد احمد روحی عمر ۱۲ سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: اچھے دوستوں کی تلاش
پتا: معرفت ابو ظفر شاہ پور بگھونی، سمستی پور بہار

نام: غفران احمد رحیم خان پٹھان
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، فٹ بال کھیلنا
پتا: ۴۴۳ کمال پورہ سروے نمبر ۱۵ مالیگاؤں

نام: محمد تنویر شیخ ساندو عرف جمو عمر ۱۰ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: شرارتیں کرنا۔ کھیلنا کودنا
پتا: محلہ اسلام پورہ کاسودہ جلگاؤں

نام: عبدالکریم
تعلیم: عربی سوم
مشغلہ: عربی کتابیں پڑھنا
پتا: کاگل، جامع مسجد مین روڈ ضلع کولہاپور

نام: جنید احمد اجمل عمر: ۱۴ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، بڑوں کا ادب کرنا
پتا: جامعہ محمدیہ نصرت الاسلام شنکر نگر، گونڈہ

نام: مجاہد مشتاق سُروے
تعلیم: گیارھویں جماعت
مشغلہ: مطالعہ کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مقام پوسٹ کرجی، تعلقہ کھیڈ ضلع رتناگیری

نام: سید نور عمر ۱۸ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: رسائل پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: مانک چوک امرا پور ضلع بلڈانہ

نام: سید ثاقب
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت سید انور، امرا پور ضلع بلڈانہ

نام: محمد اصغر علی
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم اور جنرل نالج پڑھنا
پتا: معرفت بنگال بک ہاؤس، ساؤتھ بازار انڈال ضلع بردوان (مغربی بنگال)

نام: حافظ محمد فاروق ہاشم باغبان عمر ۱۵ سال
تعلیم: درجہ حفظ
مشغلہ: اچھی باتیں نوٹ کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: مدرسہ دارالعلوم نیپانی انعام آباد، ہیگرنی، تعلقہ چکوڑی ضلع بیلگام۔ کرناٹک

نام: محمد راشد صدیقی عمر: ۱۳ سال
تعلیم: عربی چہارم
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: کھریوان۔ سرائے میر اعظم گڑھ یو پی

نام: امتیاز احمد عمر: ۱۶ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: مقام و پوسٹ ہلدیاں (نزد عیدگاہ) ضلع سیوان بہار

نام: محمد شیخ سکندر
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: پڑھنا اور کرکٹ کھیلنا
پتا: عبدالغنی منزل، وارڈ نمبر ۳ رحمت نگر، برہانپور

نام: محمد توصیف عمر ۱۴ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم اور دیگر رسائل کا مطالعہ کرنا
پتا: محمد شبیر، موہن پورہ وارڈ نمبر ۲۷، ملکاپور

نام: محمد رخشاں قمر عمر: ۸ سال
تعلیم: پہلی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم سُننا
پتا: سرسید اکیڈمی، دھرم پور، سمستی پور، بہار

نام: محمد منت اللہ
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: مدرسۂ اسلامیہ شاہ پور بگھونی، سمستی پور۔ بہار

نام: محمد شمشاد احمد
تعلیم: پہلی جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، شرارت کرنا
پتا: مدرسۂ اسلامیہ شاہ پور بگھونی، سمستی پور۔ بہار

نام: اکبر علی
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: کود پھاند کرنا، مدرسہ جانا۔
پتا: مدرسۂ اسلامیہ شاہ پور بگھونی، سمستی پور۔ بہار

نام: قاضی یونس سلیم خلیق الدین عمر: ۱۰ سال
تعلیم: انٹر
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مارول تعلقہ یاول ضلع جلگاؤں

نام: جاوید اقبال
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: پڑھنا کھیلنا۔
پتا: سرسونا پوسٹ سرسونا ضلع سمستی پور۔ بہار

نام: حسین احمد
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، کھانا اور پڑھنا
پتا: مدرسۂ اسلامیہ شاہ پور بگھونی، سمستی پور۔ بہار

نام: منظور عالم عمر ۱۲ سال
تعلیم: درجہ حفظ
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا
پتا: مدرسۂ اسلامیہ شاہ پور بگھونی، سمستی پور۔ بہار

نام: گلفشاں شاہین
تعلیم: دوسری جماعت
مشغلہ: پڑھنا لکھنا اور کہانیاں سننا
پتا: معرفت مناظر حسن شاہین، موضع ڈبو، ڈاکخانہ بارا، وایا، چاکند ضلع گیا۔ بہار

نام: مجاہد اسلام عمر: ۱۲ سال
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: بنگال بک ہاؤس، ساؤتھ بازار، انڈال ضلع بردوان (مغربی بنگال)

نام: لال بابو
تعلیم: ا، ب
مشغلہ: دوڑنا، کودنا
پتا: معرفت محمد شہزادہ فروٹ مرچنٹ، نارتھ بازار، انڈال ضلع بردوان، مغربی بنگال

نام: محمد جاوید احمد پرویز عمر: ۱۴ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: معرفت ایم شفیع احمد پرویز، (وی، ایل، ڈبلیو) بہار شریف بلوک، محلہ شیخانہ خرد۔ بہار شریف۔ نالندہ

ایک افسانہ نگار کو اپنا افسانہ پڑھ کر سنانے کا بے حد شوق تھا۔ اگر افسانہ مکمل نہ ہوتا تو پلاٹ ہی سُنا دیتے۔ ایک دن وہ رشید احمد صدیقی کو اپنے افسانے کا پلاٹ سنا رہے تھے۔ ان کا تکیہ کلام تھا ”دیکھا آپ نے“۔ جسے وہ بار بار دُہراتے جا رہے تھے اور رشید احمد صاحب حسبِ معمول پان کھاتے ہوئے سر جھکائے کچھ لکھنے میں مشغول تھے اور یہ صاحب اپنا پلاٹ سنا رہے تھے۔ ”ایک سنسان بیابان تھا، سُنا آپ نے، رات کا سناٹا تھا، دیکھا آپ نے“ ہُو کا عالم تھا، اور اسی سناٹے میں ایک اُلّو اُڑا۔ ”دیکھا آپ نے“۔

رشید صاحب نے مسکراتے ہوئے سر اُٹھایا اور کہا، ہاں حضرت دیکھ رہا ہوں“۔

نکہت پروین محمد بشیر ماسٹر، چہل پورہ منگرول پیر

بادشاہ: (وزیر سے) ہمارے ملک میں کتنے بیوقوف ہیں؟

وزیر: اس کے لیے تو مجھے گنتی کرنی ہوگی، اگر اجازت ہو تو آپ سے شروع کروں۔

بادشاہ: (غصّے سے) یہ کیا بک رہے ہو؟

وزیر: گستاخی معاف حضور! ایسا سوال کوئی بیوقوف ہی کر سکتا ہے۔

محمد اکبر۔ لاٹ بسے پورہ، سمستی پور بہار

ماں نے کسی بات پر اپنے بچے کو کافی پیٹا۔ بچہ شکایت لے کر اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ اور روتے ہوئے بولا ”آج ممّی نے مجھے بہت مارا“۔ باپ نے ایک اور تھپڑ مارا اور کہا ”بیوقوف تو اتنا بڑا ہو گیا ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ جو سزا سپریم کورٹ دیتی ہے اس کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل نہیں کی جاتی“۔

سیّد خلیل احمد، مومن پورہ، اودگیر

مسافر:- (ہوٹل سے جاتے ہوئے) ”لڑکے دوڑ کر جاؤ، دیکھو میں اپنی گھڑی تو نہیں بھول آیا۔ گاڑی چھوٹنے میں صرف چھے منٹ باقی ہیں۔ جلدی کرو“۔

ہوٹل کا لڑکا:- (چار منٹ بعد دوڑتا ہوا واپس آیا) ”جناب بالکل درست ہے۔ آپ کی گھڑی وہاں موجود ہے۔ فرمائیے تو لے آؤں“۔

نازاں ضیاء الرحمٰن انصاری، نیا اسلام پورہ مالیگاؤں

ایک دیہاتی کو اس کے گدھے نے دو لاتیں رسید کیں۔ دیہاتی نے بھی غصّے میں آکر گدھے کے دو لاتیں ماریں اور بولا۔
”گدھے میاں کیا ہم تجھ سے کم ہیں“۔

عبدالرحمٰن ماہر، بیارہ قاضی ضلع سدھارتھ نگر

ایک مسافر نے کسی کاہل آدمی سے پوچھا ”کہو کیسی گزر رہی ہے؟“ اس نے جواب دیا ”بہت اچھی! درخت کاٹنے تھے طوفان آیا

اور سب گر پڑے، گھاس جلائی تھی، بجلی گری اور سب جل گئی۔" مسافر بولا "اب کیا ارادہ ہے؟" اس آدمی نے کہا "بس زلزلے کا انتظار ہے کہ نیچے کی زمین اوپر ہو جائے اور آلو اکھاڑنے کی زحمت سے بچ جاؤں۔"

محمد اشرف علی، سلفیہ جونیئر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

ایک تقریب میں بہت سارے لوگ دعوت کھانے میں مصروف تھے۔ جب سب لوگ خوب سیر ہو کر کھا چکے تو انھوں نے ہاتھ روک لیا لیکن ایک صاحب تھے کہ پنجے جھاڑ کر کھانے پر ڈٹے ہوئے تھے۔ کبھی پاپڑ کترتے، کبھی لڈو کھاتے تو کبھی برفی کا ٹکڑا منہ میں رکھتے۔ لوگوں نے تھوڑی دیر تو انتظار کیا لیکن جب ان کے کھانے کا سلسلہ جاری رہا۔ تو ایک صاحب نے بے صبری سے کہا۔ اب بس بھی کیجیے حضرت اتنا وقت تو ہو گیا ہے۔ ان صاحب نے ہڑبڑا کر کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی دیکھی اور بڑے اطمینان سے بولے "بھائی صاحب! ابھی تو پونے آٹھ ہی بجے ہیں۔ کارڈ میں تو سات بجے سے نو بجے تک کا ٹائم ہے۔"

شہباز احمد، چکجادو، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

ایک شرابی نشے کی حالت میں سڑک پر کھڑا تھا۔ ایک سپاہی نے اس سے کہا "تم یہاں کیوں کھڑے ہو؟"، شرابی نے کہا کہ "اس وقت سارا شہر میری آنکھوں کے سامنے گھوم رہا ہے۔ میں اپنا گھر آتے ہی گھس جاؤں گا۔"

محمد نصیر الدین، محلہ پورہ صوفی، مبارک پور

تین دوست رہتے ہیں۔ وہ تینوں شراب نوشی کے عادی ہیں۔ اور ایک دن ان تینوں نے خوب شراب پی لی تھی اور ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ان تینوں میں سے ایک دوست نے کہا۔ یار میں تیرے پورے ۳۲ دانت اکھاڑ کر پھینک دوں گا دوسرے دوست نے کہا۔ میں تیرے ۶۴ دانت اکھاڑ کر پھینک دوں گا۔ تیسرے دوست نے بڑی حیرت سے کہا۔ یار ۳۲ ہی تو دانت ہوتے ہیں اور تو نے ۶۴ دانت کہا۔ اس پر دوسرے دوست نے کہا۔ مجھے پتا تھا کہ تو بیچ میں ضرور بولے گا اس لیے میں نے تم دونوں کے دانت ملا کر ۶۴ دانت کہا تھا۔

سیما پروین ظہیر اللہ خاں، نار پورہ، ایوت محل

ایک شخص کی دو بیویاں آپس میں لڑ رہی تھیں۔ ایک کہہ رہی تھی کہ "آج بدھ ہے"، دوسری اڑی ہوئی تھی کہ "آج جمعرات ہے"
شوہر نے یہ تکرار سن کر غصے میں سر پیٹتے ہوئے کہا "کیا میں پاگل ہوں۔ جو جمعہ کی نماز پڑھ کر آ رہا ہوں۔"

محمد مزمل، گلزار گلی، بالا پور آکولہ

پہلا آدمی :۔ بتاؤ انسان اور جانور میں کیا فرق ہے؟
دوسرا آدمی :۔ انسان تمھارے سامنے کھڑا ہے اور جانور میرے سامنے کھڑا ہے۔

خوشنما بانو گونڈی شیواجی نگر بمبئی ۴۳

ایک صاحب جوس کی دکان پر گئے اور دکاندار سے کہا "سنترے کا جوس ملے گا؟" دکاندار نے جواب دیا "جوس تو نہیں ہے ہاں سنترے لے جائیے اور جوس بنا کر پی لیجیے۔"

ان صاحب نے سنتری سے لے کر کہا، "کتنے پیسے ہوئے؟" "پانچ روپے" دکاندار نے جواب دیا۔

ان صاحب نے ایک کاغذ دیتے ہوئے کہا، "یہ کاغذ لیجیے اور نوٹ بنا لیجیے۔"

پرویز اختر۔ نالہ روڈ۔ راوڑکیلا ضلع سندر گڑھ

ایک بار کسی بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔ اس کا جنازہ بڑی شان سے نکلا۔ اس کے منتری جنازہ دیکھ کر کھل اُٹھے، بولے "اگر حضور آج آپ زندہ ہوتے تو اپنے جنازہ کی شان و شوکت دیکھ کر کتنے خوش ہوتے۔"

راشد احمد۔ چکجا دو، درگاہ بیلا ویشالی بہار

ایک دوست نے دوسرے کو بتایا، "مجھے ڈاکٹر نے کہا، سگریٹ نوشی چھوڑ دو۔"
دوسرا بولا "پھر تم نے کیا کیا؟"
"انکار کر دیا۔"
"وہ کیوں؟"
اس لیے کہ سگریٹ تو چھوڑ سکتا ہوں، مگر نوشی نہیں، وہ میری بیوی ہے۔

غزالہ ہاشمی حلیم کالج پٹنہ ۶

ایک آدمی (نجومی) سے "میری قسمت میں اولاد ہے یا نہیں" نجومی (ہاتھ دیکھ کر) "کبھی اولاد تو آپ کی تقدیر میں نہیں ہے"
"البتہ تمہارے ہاتھ کی لکیر کہہ رہی ہے کہ تمہارے لڑکے کی اولاد ضرور ہوگی۔"

محمد عظیم۔ لال چوک، مبارک پور، اعظم گڑھ

ایک دن اکبر بادشاہ نے کسی ملازم سے ناراض ہوکر اسے پھانسی کی سزا دی۔ اسی وقت بیربل دربار میں حاضر ہوا۔ بادشاہ نے سوچا کہ وہ ملازم کو بچانے کی کچھ نہ کچھ ضرور کوشش کرے گا۔ اس لیے اس کے بولنے سے پہلے ہی کہا۔

"بیربل اس ملازم کو بچانے کے لیے کچھ مت کہو۔ جو کچھ کہوگے تو میں اس کے خلاف کروں گا۔"
بیربل نے کہا، "حضور! اس کو پھانسی دے دی جائے۔"
"بادشاہ نے اسے چھوڑ دیا۔"

نسیم الدین کریم الدین دلشمکھ اسلامپورہ کلمب

دو آدمی جھگڑا کر رہے تھے۔ پہلے آدمی نے کہا، "میں ابھی پولیس اسٹیشن فون کروں گا۔ پولیس آئے گی تمہاری کھٹیا کھڑی ہو جائے گی۔"
دوسرے نے کہا، "برائے کرم ایسا مت کرنا، نہیں تو میں رات کو اچھی طرح سو نہیں پاؤں گا۔"

گلشن غالب۔ اسلام نگر ارریہ بہار

ایک بوڑھا پروفیسر تھا۔ ان کو کسی کام کی وجہ سے دوسرے شہر جانا پڑا۔ ٹرین سے سفر کر رہے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ وہ گہری نیند سو گئے۔ کچھ دیر بعد ٹکٹ چیکر نے آکر جگایا۔ وہ ہڑبڑا کے اٹھے اور اپنی جیب ٹٹولنے لگے۔ ٹکٹ نہیں ملا تو اور پریشان ہوئے۔ انھیں پریشان دیکھ کر ٹکٹ چیکر نے کہا "گھبراؤ مت، تم جیسے لوگ ریلوے کمپنی کو دھوکا نہیں دیتے۔" یہ کہہ کر ٹکٹ چیکر جانے کے لیے مڑا تو انھوں نے کہا "آپ نے تو

مجھے معاف کر دیا لیکن میں بغیر ٹکٹ کے کیسے معلوم کر سکتا ہوں کہ مجھے کہاں اُترنا ہے؟"

معزّ الرحمٰن - لیبر کالونی - ناندیڑ

شوہر:- (اپنی چوتھی بیوی سے) میں نے اب تک جتنی عورتوں کو طلاق دی ان سب کے دوپٹے ٹنگے ہوئے ہیں۔ اور اب تمہارا نمبر ہے۔

بیوی:- "اب میرا دوپٹا نہیں بلکہ تمھاری ٹوپی ٹنگے گی۔"

محمد عارف اعجاز قریشی بدھوارہ انجن گاؤں سورجی

پاکٹ مارنے اپنے ساتھی کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر کہا "کیوں بھئی خیریت تو ہے۔ تمھارے ہاتھ میں تسبیح کیسے آگئی کیا تم نے اپنا دھندا بند کر دیا ہے؟"

پاکٹ مارنے جواب دیا "نہیں یار! ابھی ابھی ایک مولوی صاحب کی جیب کاٹی ہے!"

رئیس احمد، پورہ صوفی مسجد گلاب چمن مبارکپور

بے ہوش پڑے ہوئے ایک مریض کو دیکھ کر ڈاکٹر نے کہا "ارے یہ تو مر گیا"۔ یہ سن کر مریض نے فوراً ہوش میں آکر کہا "لیکن میں زندہ ہوں"۔

یہ سن کر مریض کی بیوی بولی "کچھ سوچ سمجھ کر بولا کرو جی۔ اتنے بڑے ڈاکٹر ہیں جھوٹ بولیں گے کیا؟"

حنیف خاں - شبیر نگر - مالیگاؤں

استاد:- (شاگرد سے) بتاؤ ٹیکہ کس نے ایجاد کیا؟

شاگرد (جلدی سے) "جناب مچھر نے"۔

جریر - نظام آباد - اے پی

دو بیوقوف ایک تالاب کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے۔

پہلا بیوقوف:- اگر اس تالاب کا پانی سوکھ جائے تو تو سب مچھلی بے موت مر جائیں گی۔

دوسرا بیوقوف:- ہاں یار یہ بات تو ہے۔ پاس میں کوئی درخت بھی نہیں ہے کہ مچھلی درخت پر گھونسلا بنا کر رہ سکے۔

جمال اختر خاں - نندواؤں - اعظم گڑھ

ایک مولوی صاحب کی طبیعت خراب ہو گئی تو ایک بہرہ ان کی تیمارداری کو پہنچا۔

بہرہ: السلام علیکم

مولوی صاحب: وعلیکم السلام

بہرہ: طبیعت کیسی ہے؟

مولوی صاحب: مر رہا ہوں۔

بہرہ: ماشاءاللہ

بہرہ: دوائی کون سی استعمال کر رہے ہیں۔

مولوی صاحب: زہر کھا رہا ہوں۔

بہرہ: کھاتے رہیے، بہت اچھی دوائی ہے۔

بہرہ: علاج کس ڈاکٹر کا چل رہا ہے؟

مولوی صاحب: ملک الموت کا۔

بہرہ: بہت اچھے ڈاکٹر ہیں۔

• آپ کا روانہ کردہ خط اور گرانقدر تحفہ پاکر دل باغ باغ ہوگیا۔ خلافِ توقع ایک چھوٹے سے پوسٹ کارڈ کا ردِ عمل اتنا گرانقدر ہوگا اِس کی اُمید نہیں تھی۔ ورنہ اردو رسالوں اور اخبار کے اڈیٹروں کی عدم توجہی کی شکایت عام ہے۔ ان بے بہا رسالوں، کتابوں اور فہرست کتب کا میں دل کی گہرائیوں سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ناچیز کے ساتھ صدر مدرس خان صاحب بھی کتابوں کو دیکھ کر خوش ہوئے۔ ہم نے کتابوں کا بغور مطالعہ کیا۔ ہر کتاب اپنے آپ میں مکمل اور لاثانی ہے جس سے یقیناً بچوں کے ساتھ ساتھ اساتذہ حضرات کو بھی کافی فائدہ حاصل ہوگا اور کردار کی تعمیر میں یہ کتابیں کافی سود مند ثابت ہوں گی۔

شیخ اشفاق احمد۔ آکرڈی۔ پونا

• ماہ فروری کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ یہ شمارہ مجھے بہت دیر سے موصول ہوا۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ دس بارہ چکر اخبار فروش کے پاس لگے تب جاکر پیام تعلیم ملا۔ خیر یہ سب باتیں کرکے کچھ فائدہ نہیں۔ فروری کے پیام تعلیم میں، مرغ سے شتر مرغ، یہ مضمون کسی لطیفے سے کم نہیں ہے اس کے علاوہ برکی کا دسترخوان پڑھ کر منہ میں پانی آگیا۔ ولیم شیکسپیر کی زندگی کے بارے میں جانکاری میں اضافہ ہوا۔ اور خلا کے بارے میں تفصیل سے جاننے کو ملا۔ سبق آموز کہانی، دادا ابا کی عینک بہت اچھی لگی۔ دینی اعتبار سے حق کی گواہی، نظم نماز بہت پسند آئی۔ اور تمام مستقل کالم خاص کر "میرے پسندیدہ اشعار" بہت اچھے لگے۔

نوٹ۔ نام اور پتا نہیں لکھا

• فروری کے پیام تعلیم میں میرے تحریر کردہ دو مضامین دیکھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ آپ نے مجھے ایک مضمون کے لیے انعام سے نوازا اس کے لیے بہت بہت شکریہ۔

آج ہی آپ کی ارسال کردہ ۱۶ انعام کی کتابیں موصول ہوئیں۔ کتابیں دیکھ کر بہت بہت بہت ... خوشی حاصل ہوئی۔ میں تہہ دل سے آپ کی شکر گزار ہوں۔ آپ کی ارسال کردہ تمام کتابیں بے حد پسند آئیں۔

سعدیہ دلشمکھ ۔ سیوری ۔ بمبئی ۱۵

• ماہنامہ پیام تعلیم کا جنوری کا شمارہ موصول ہو چکا ہے جس میں عابد علی خاں تحریری مقابلہ کا نتیجہ درج ہے۔ حوصلہ افزائی کا انعام پانے والوں کے تحت اپنا نام بھی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

محمد خالد سعید جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور

• ماہ جنوری کے پیام تعلیم کا مطالعہ کیا۔ دل خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ یہ رسالہ میرے گھر کے سبھی افراد کو بہت زیادہ پسند ہے۔ بچوں میں مطالعہ کی عادت ڈالنے کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی رسالہ نہیں۔

محمد ریحان عالم، مقام و پوسٹ گیاری ضلع ارریہ بہار

• فروری کا شمارہ ہاتھوں میں ہے۔ اپنا مضمون پڑھا۔ پڑھ کر دلی مسرت ہوئی۔ آئندہ بھی لکھنے کی امنگ کروٹیں لینے لگی۔ آپ کا تہ دل سے شکریہ۔ پہلی دفعہ کسی ادبی رسالے کی بزم میں شامل ہو رہا ہوں۔ اور یہ میری خوش نصیبی ہے کہ اس کی شروعات پیام تعلیم سے ہوئی ہے۔

شبیر نور الظفر۔ انسان اسکول، کشن گنج بہار

• ماہ فروری کا ارسال کردہ شمارہ اپنی تمام حسن و رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہوا۔ تمام مضامین قابل تعریف ہیں۔ "پیام تعلیم" کی پنہاں خوبیاں روز بروز عیاں ہوتی جا رہی ہیں۔ پیام تعلیم ہر دل کی دھڑکن بن چکا ہے۔ یہ رسالہ روز بروز کامرانی و ترقی کی جانب گامزن ہے۔ میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ پیام تعلیم روز افزوں ترقی کرے۔ آمین

محمد عارف اعجاز قریشی۔ بدھوارہ۔ انجن گاؤں

• ماہ فروری ۹۵ء کا پیام تعلیم نظر نواز ہوا۔ جس میں ہمارے دوست سید نور امرطاپوری کی کہانی "لالچ کا انجام"، بہت پسند آئی۔ جس پر سبھی دوست عبد الشفیق نذر، عبد الرفیق دلبر، محمد صادق انور انھیں مبارک باد پیش کرتے ہیں اور محمد صادق انور انھیں کہانی کی پسندیدگی پر فروری کا پیام تعلیم دے رہے ہیں اور عبد الشمیم خلل نے انھیں گیارہ روپے نقد پیش کیے ہیں۔ پیام تعلیم کے سبھی قارئین کو ہم سب دوستوں کی جانب سے نئے سال کی مبارکباد اور عید مبارک۔

سید کلیم رہبر، امرطاپور، ضلع بلڈانہ

• نیا سال ۱۹۹۵ء ادارہ "پیام تعلیم" کے سبھی کارکنوں کو اور سبھی پیامی بھائیوں کو مبارک ہو۔ خدا سے ہماری دعا ہے کہ ہم لوگوں کا پیارا ادارہ مکتبہ جامعہ اور پیام تعلیم دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔ ہم لوگوں کے یہاں پیام تعلیم کافی تاخیر سے بک اسٹال پر دستیاب ہوتا ہے۔ جس کے لیے ہم سبھی پیامی بھائی بہنوں کو کافی زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔

نعیم الحق فوٹوگرافر۔ باقر گنج پٹنہ، بہار

• فروری ۹۵ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس شمارے کے تمام مضامین دلچسپ اور سبق آموز ہیں۔ تمام مضامین بچوں کے معیار کے مطابق عمدہ ہیں۔ "کالم بچوں کی کوششیں" میں جناب شبیر نور الظفر کا مضمون "بلیک ڈیتھ طاعون" ہمیں بے حد پسند آیا۔ ہم ان کے شاندار مستقبل کے لیے دعا کرتے ہیں۔ مولانا شبلی نعمانی اور ولیم شیکسپیر کے بارے میں پڑھ کر میری معلومات میں اضافہ ہوا۔

آفتاب عالم جامعی انسان اسکول کشن گنج بہار

• ماہ فروری ۹۵ء کا پیام تعلیم ملا۔ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس میں گدگدیاں، اشعار، اقوال زریں پڑھ کر بہت خوشی محسوس ہوئی۔ باری باری سب نے پیام تعلیم کی تعریف کی۔ خواہش ہے کہ ماہنامہ پیام تعلیم کا ایک سالگرہ نمبر ضرور شائع کریں۔ اے اللہ پیام تعلیم کو دن دوگنی، رات چوگنی ترقی عطا کر۔ آمین

شمیتہ تحسین رعنا۔ آرمور۔ نظام آباد۔ اے پی

• نیا سال ۹۵ء کا تازہ شمارہ اپنے دامن میں خوشیوں کا انبار لے کر گھر کی زینت بنا۔ اقوال زریں، کالم میں اپنا نام دیکھ کر دل مسرت سے جھوم اٹھا۔ قلمی دوستی، پسندیدہ اشعار وغیرہ کافی قابل تعریف ہیں۔ اپنے چند دوستوں کے مضامین

دیکھ کر دل فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھا۔

عزیز الرحمٰن عبد الستار انصاری غنی نگر، بھیونڈی

● فروری کا شمارہ ملا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ ساری کہانیاں، نظمیں قابلِ تعریف ہیں۔ مضمون میں ولیم شیکسپیر بے حد پسند آیا اور ہماری معلومات میں اضافہ ہوا۔ مولانا شبلی نعمانی کا مضمون بھی قابلِ تعریف ہے۔ پیام تعلیم ایسا رسالہ جو ہمیں دین کا سبق بھی دیا کرتا ہے۔ سائنسی معلومات بھی دیا کرتا ہے اور اچھے اچھے مضامین بھی۔ ہم بچوں کے لیے اس سے بڑا تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے۔

محمد خالد البقا، مرزا پور دیاری ضلع ارریہ بہار

● خط لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ کچھ دن پہلے میں نے آپ کو خط لکھا تھا کہ پیام تعلیم فروری، خط ڈالنے کے دوسرے دن بعد ملا۔ اس لیے خط لکھ رہا ہوں کہ آپ ناراض نہ ہوں میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ میں نے صبر کرنے کے بجائے خط لکھنے کی غلطی کی لیکن پیام تعلیم جنوری کا نہیں آیا اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ نے رسالہ نہیں بھیجا۔ فروری کا پیام تعلیم پڑھ کر دل خوشی سے جھومنے لگا اس میں بہت سی کارآمد باتیں ہیں جو کہ بچے سیکھ سکتے ہیں، خاص کر بچوں سے باتیں، دادا ابا کی عینک، علم کی روشنی میں، اور بچوں کی کوششیں، اچھے ہیں۔ اور میرے پسندیدہ اشعار میں بہت سارے اشعار پسند آئے۔ ماہنامہ پیام تعلیم بچوں ہی کو نہیں بلکہ بڑوں کو بھی پسند ہے اور وہ اس کے طلب گار ہیں۔

محمد ایاس مومن۔ اتھنی۔ کرناٹک

● میں پیام تعلیم کا مطالعہ ایک سال سے لگاتار کر رہا ہوں۔ [illegible] کے پیام تعلیم میں آپ نے

میرے بھائی کا نام اور دو دوست کا نام شائع کیا ہے جس میں میرے دوست کی ایک کہانی شائع ہوئی ہے جس کا میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور میرے بھائی اور میرے دوست کے اقوالِ زریں شائع کیے۔ اس لیے بھی میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ پیام تعلیم کے سبھی قاریوں کو نئے سال کی خوشیاں اور عید مبارک۔

محمد صادق محمد رحمٰن، مانک چوک امرڑا پور بیلڈانہ

● ہمیں پیام تعلیم میں آدھی ملاقات، میرے پسندیدہ اشعار، اور کہانیاں بہت پسند آئیں۔ اور خصوصاً حافظ محمد اشفاق قادری کا شعر ہمارے دل و دماغ پر اثر کر گیا۔

فیروز سجنت دیوان پورہ۔ منگرول پیر

● میں پیام تعلیم کا نیا قاری ہوں ویسے تو مجھے پڑھائی سے کوئی لگاؤ نہ تھا لیکن میرا بڑا بھائی جو مجھ سے دو سال بڑا ہے پیام تعلیم کا مطالعہ کر رہا تھا جو مضمون وہ پڑھ رہا تھا مجھے بہت مزہ آیا لیکن کر کیا سکتا تھا میں پڑھ نہیں سکتا تھا۔ اس کے بعد قلمی دوستی میں نئے نئے لڑکوں کے نام سننے کو ملے جس کی وجہ سے اپنا نام بھی وہاں دیکھنا چاہتا تھا بس ابھی مجھے اپنا نام اور پتا لکھنا آتا ہے باقی کچھ نہیں۔ پیام تعلیم کے سبھی قاریوں کو میری جانب سے سلام۔

شیخ انیس شیخ مطلب مانک چوک امرڑا پور بیلڈانہ

سائنسی موضوعات پر
مکتبہ پیام تعلیم کی فخریہ پیش کش
کمپیوٹر
کیا ہے
قیمت ۸/-
سائنس کی دنیا
فریدالدین احمد
قیمت 8/-
یہ کیسا بخار ہے؟
قیمت ۲/۵۰
گندا پانی
قیمت ۲/۵۰
کیوں اور کیسے
محمد ابراہیم شاہ
قیمت ۶/-
آپ
کا
جسم
علی ناصر زیدی
قیمت ۶/-
عجائب گھر
قاسم صدیقی
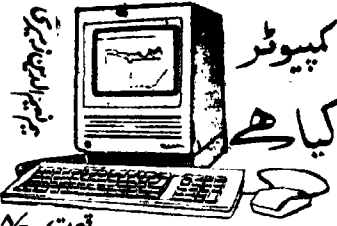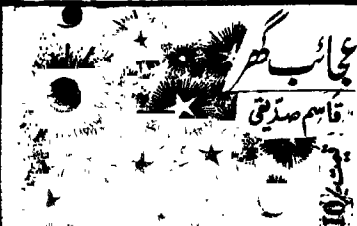
بچوں کی کوششیں

ایک چھوٹا مؤذن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کو نماز ادا کرنا سکھاتے تھے۔ اسی طرح ان کو اذان دینی بھی سکھاتے تھے۔ آپؐ نے ابو محذورہؓ کو مکہ شریف کا مؤذن مقرر کیا۔ ان کو اذان خود رسول کریمؐ نے سکھائی تھی۔

وہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم لوگ حضورؐ کے ساتھ سفر پر گئے۔ ابھی کچھ راستہ طے کیا تھا کہ آپؐ کے مؤذن نے اذان دینی شروع کی۔ ابو محذورہؓ ابھی بچے تھے اور ابھی نئے نئے مسلمان ہوئے تھے۔ انھوں نے اذان پہلی مرتبہ سنی تھی۔ ان کے ساتھ کچھ اور بچے بھی تھے۔ اب سب نے مل کر اذان کی نقل اتارنی شروع کردی۔ رسول کریمؐ کو خبر ہوئی تو آپؐ نے کسی کو ہمیں بلانے کے لیے بھیجا۔ ہم سب آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ کے سامنے بیٹھ گئے۔ آپؐ فرمانے لگے تم میں سے موذن کی اذان کی نقلیں کون اتار رہا تھا۔ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا اور مجھے آگے کرکے میرے گرد گھیرا باندھ کر بیٹھ گئے۔ حضورؐ کریم نے فرمایا کہ "اب اٹھ کر اذان دو۔ اس پر مجھ کو اپنی بات پر شرم آئی لیکن آپؐ نے مجھے بہت پیار سے اذان سکھائی۔ آپؐ ایک ایک لفظ کہے جاتے تھے اور میں ان الفاظ کو آپؐ کے ساتھ دہراتا جاتا تھا۔ پھر فرمایا کہ اب تم اس طرح اذان دیا کرو۔ اس کے بعد آپ نے مجھے ایک تھیلی دی جو چاندی سے بھری ہوئی تھی۔ آپؐ نے میرے حق میں دعا کی اور اپنے مبارک ہاتھ میرے سر پہ پیار سے پھیرے، پھر میرے سینے سے ناف تک پھیرے۔ چونکہ ہمارا قبیلہ نیا نیا مسلمان ہوا تھا اس لیے اب تک میرے دل میں آپؐ کی طرف سے برائی تھی۔ آپؐ کے ہاتھ پھیرنے ہی میرے دل سے برائی دور ہوگئی۔

سید جاوید سید نعیم بارہ دری ملکاپور، بلڈانہ

استاد طالب علموں کو سبق پڑھا رہا تھا "دِس اِز مائی ہیڈ۔ یہ میرا سر ہے۔" ایک طالب علم جب گھر پہنچا تو پڑھنے لگا۔

"دِس اِز مائی ہیڈ۔ یہ استاد کا سر ہے۔"

جب اس لڑکے کے باپ نے سنا تو کہنے لگا۔

"بیٹا دس از مائی ہیڈ کے معانی ہے یہ میرا سر ہے" لڑکا دوسرے دن اسکول پہنچا۔ استاد نے سبق پڑھنے کو کہا۔ وہ پڑھنے لگا "دس از مائی ہیڈ۔ یہ میرے ابو کا سر ہے۔"

استاد نے اس سے کہا "نہیں بیٹے اس کے معنی ہوں گے یہ میرا سر ہے۔" شاگرد نے معصومیت سے کہا "ابو کہتے ہیں یہ میرا سر ہے۔ آپ کہتے ہیں یہ میرا سر ہے۔ میں کس کی بات مانوں؟"

رضوانہ بیگم سرائے کوڑی۔ کشن گنج بہار

لالچی کتا

ایک کتا تھا وہ بہت بھوکا تھا۔ دوپہر تک وہ ادھر سے ادھر گھومتا رہا۔ اسے کھانے کو کچھ بھی نہیں ملا۔ آخر میں وہ ایک گھر کے سامنے آیا۔ گھر کے مالک نے کتے کو دیکھا۔ مالک رحم دل تھا۔ اس نے کتے کے سامنے ایک روٹی ڈالی۔ کتا منہ میں روٹی دبا کر بھاگا۔ راستے میں کتے نے سوچا کہیں دور جا کر آرام سے روٹی کھاؤں گا۔ کتا آگے بڑھا بیچ میں ایک چھوٹی ندی تھی۔ کتا ندی کے پل پر آیا۔ ندی کے پانی میں اس نے اپنی پرچھائی دیکھی اسے لگا کہ دوسرا کتا ہے اس کے منہ میں بھی روٹی ہے۔ کتے نے سوچا میں اس کی روٹی چھین لیتا ہوں پھر وہ اپنی ہی پرچھائی پر بھونکا۔ اس کا منہ کھلتے ہی روٹی پانی میں گر گئی۔

دو روٹیاں کھانے کے لالچ میں کتا بھوکا رہ گیا۔ مرسلہ:

نسیم بانو محمد اسمعیل خلجی ۔ کلب چوک ۔ ایوت محل

ایک انٹرویو

س: پہلے آپ اپنا پورا تعارف کروائیے

ج: میرا نام واجد خاں اور والد صاحب کا نام شمشیر خان ہے۔ میں نویں جماعت کا طالب علم ہوں۔

س: آپ مسلم بچوں کو دینِ اسلام کی طرف راغب کرتے ہیں؟

ج: جی ہاں۔

س: کس طرح؟

ج: میں ایس آئی او (سی، سی) کا کھرک پورہ سرکل کا صدر ہوں۔

س: آپ (سی سی)، ایس آئی او کا فُل نام بتلائیں؟

ج: (سی. سی) چلڈرن سرکل (بچوں کی تنظیم) کے معنی نکلتے ہیں اور ایس. آئی. او کے معنی اسٹوڈینٹس اسلامک آرگنائزیشن۔ یہ ایک تنظیم ہے۔

س: تو آپ صدر ہونے کے ناتے کیا کرتے ہیں؟

ج: میں بچوں کا ہر ہفتہ (اتوار) کو ایک اجتماع کرتا ہوں جس میں اچھی اچھی باتیں بتلاتا ہوں۔

س: اس کے علاوہ آپ کیا کرتے ہیں۔

ج: اس کے علاوہ یوم جمہوریہ (۲۶ جنوری) کو ہم نے ایک پروگرام کیا جس میں صحابیٔ رسول پر بچوں نے تقریریں کیں اور یکم جنوری ۱۹۹۵ء کو ہمارے ڈرامے ہوئے جس میں اچھی اچھی باتیں بتائی گئیں۔

س: آپ کوئی نصیحت پیامیوں کو کیجیے۔

ج: میں پیامیوں سے کہتا ہوں کہ وہ پنج وقتہ نماز پابندی سے پڑھیں۔ جھوٹ نہ بولیں اور اپنے ہفتے کا احتساب بنائیں۔

س: آپ اپنا پتا دیجیے تاکہ پیامی آپ سے رابطہ قائم کر سکے۔

ج: واجد خاں معرفت شمشیر خاں گھر نمبر ۵۵ بلاک نمبر ۲۲، لیبر کالونی ناندیڑ ۴۳۱۶۰۲

سید معیز الرحمٰن ــــــــ ناندیڑ

شہزادی گلنار

ایک ملک کا بادشاہ اور اس کی ملکہ بہت اُداس رہتے تھے۔ ان کے پاس سب کچھ تھا لیکن اولاد نہ تھی۔ بہت دعاؤں کے بعد آخر ان

کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ وہ دونوں بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اس شہزادی کا نام گلنار رکھا۔ اس خوشی میں بادشاہ نے بہت بڑی دعوت کرنے کا حکم دیا۔ دعوت میں سات پریوں کو بھی بُلایا لیکن بوڑھی پری کو بُلانا بھول گیا۔ یہ پری جادوگرنی تھی۔ جب اسے پتا چلا کہ بادشاہ نے اُسے دعوت میں نہیں بلایا تو اسے بے حد غصّہ آیا۔ دعوت میں بڑے بڑے لوگ آئے۔ سات پریاں بھی آئیں۔ جب شہزادی کو تحفے دینے کا وقت آیا تو ایک پری نے کہا "میں شہزادی کے لیے خوبصورتی کا تحفہ لائی ہوں۔" دوسری بولی "میں نغمے کا تحفہ دیتی ہوں۔" تیسری نے کہا "میں اچھّی عادتوں کا تحفہ پیش کرتی ہوں"۔ چوتھی بولی "میری طرف سے سچ کا تحفہ لیجیے"۔ پانچویں نے "صحت" کا تحفہ دیا۔ چھٹی نے "علم" کا تحفہ پیش کیا۔ ساتویں پری جو سب سے چھوٹی تھی، اس نے شہزادی کو "جان کی حفاظت" کا تحفہ دیا۔ اتنے میں بوڑھی پری بھی آگئی۔ وہ غصّے سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ وہ شہزادی کے پنگوڑے کے پاس آئی اور بولی ایک دن تکلے کی نوک شہزادی کو چُبھے گی اور وہ مر جائے گی۔ میرا تحفہ یہی ہے۔ یہ سن کر بادشاہ اور ملکہ بہت ڈر گئے۔ اتنے میں ایک ڈراؤنی آواز آئی اور پری غائب ہوگئی۔ بوڑھی پری کے جاتے ہی سب سے چھوٹی پری بولی۔ "بادشاہ سلامت گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ شہزادی کے تکلا ضرور چبھے گا مگر وہ مرے گی نہیں بلکہ گہری نیند سو جائے گی اور سَو سال تک سوتی رہے گی، اس کے بعد ایک شہزادہ آکر شہزادی کو جگائے گا۔ اس طرح سارا جادو ختم ہو جائے گا۔" ہوتے ہوتے شہزادی سولہ سال کی ہوگئی۔ ایک دفعہ بادشاہ اور ملکہ کسی دوسرے

> منیجر : (رات کو ہوٹل میں ٹھہرنے والے مسافر سے) امید ہے آپ کی رات سکون اور آرام سے کٹی ہوگی۔
> مسافر : جی ہاں، آپ کے مچھر مجھے اُڑا کر لے جاتے اگر بستر کے کھٹمل مجھے پکڑ کر نہ رکھتے۔

ملک کے بادشاہ سے ملنے گئے اور شہزادی کو محل ہی میں چھوڑ گئے۔ شہزادی اکیلے محل کی سیر کرنے نکلی۔ سیر کرتے کرتے وہ محل کے ایک ایسے حصّے میں گئی جہاں وہ پہلے کبھی نہیں گئی تھی۔ وہاں اس نے ایک بُڑھیا کو دیکھا۔ جو چرخہ کات رہی تھی۔ شہزادی نے چرخہ پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس نے بڑھیا سے پوچھا "بڑی بی یہ کیا چیز ہے"؟ بُڑھیا نے جواب دیا "گلنار بی بی اسے چرخہ کہتے ہیں"۔ شہزادی کا جی چاہا کہ میں چرخہ چلاؤں۔ اس نے بُڑھیا سے کہا "بڑی بی! مجھے چرخہ چلانے دو۔" بُڑھیا ہٹ گئی تو شہزادی چرخہ زور زور سے چلانے لگی۔ اچانک اس کے بائیں ہاتھ میں تکلے کی نوک چُبھ گئی۔ تکلے کی نوک چُبھتے ہی شہزادی بے ہوش ہوگئی۔ بادشاہ اور ملکہ واپس آئے تو انھیں شہزادی کے بارے میں بتایا گیا۔ وہ بہت گھبرائے۔ دیکھا تو شہزادی بے ہوش پڑی تھی۔

جادو کا اثر شروع ہو چکا تھا۔ اتنے میں چھوٹی پری آئی، اس نے سوچا کہ سو سال بعد تو شہزادی اکیلی رہ جائے گی، اس کے ماں باپ نہیں ہوں گے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے ہاتھ ہلا کر سارے محل پر جادو کر دیا۔ سب لوگ سو گئے۔ محل کی ہر چیز بے حس و

ایک صاحب کھانا کھا رہے تھے۔ اچانک وہ چلّا اُٹھے: "بیگم! کیا مصیبت ہے۔ یہ چوتھا پتھر نکال رہا ہوں۔ اللہ نے تمھیں دو آنکھیں دی ہیں۔ تم کھانا دیکھ کر نہیں پکاتیں"۔ بیگم نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

"اللہ نے تمھیں بھی تو بتّیس دانت دیے ہیں دو چار پتھر چبا نہیں سکتے"۔

حرکت ہو گئی۔ اس نے پھر ہاتھ ہلایا تو محل کے اردگرد جنگل اُگ آیا۔ پورا محل گھنی جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گیا۔ دن گزرتے گئے۔ سونے والی شہزادی کی خبر دور تک پہنچ گئی۔ کئی شہزادے اپنی قسمت آزمانے کے لیے آئے۔ انھوں نے چاہا کہ کانٹے دار جھاڑیوں سے گزر کر محل تک پہنچیں لیکن وہ ناکام رہے۔ جھاڑیاں اتنی گھنی اور کانٹے دار تھیں کہ کئی شہزادے ان جھاڑیوں میں پھنس گئے اور انھیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑا۔ اس طرح سو سال گزر گئے۔ اتفاق سے ایک شہزادہ شکار کھیلتا ہوا اُدھر آ نکلا۔ اس نے دور سے محل کے بُرج کو دیکھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے ان بُرجوں کا حال پوچھا لیکن ان میں سے کوئی بھی ان بُرجوں کا حال نہ بتا سکا۔ آخر ایک بوڑھے کسان نے شہزادے کو سوئے ہوئے محل کی کہانی سنائی۔ اس نے یہ کہانی اپنے بوڑھے باپ سے سنی تھی۔ اس نے بتایا کہ شہزادی اور محل پر کسی نے جادو کر رکھا ہے۔ اس جادو کا اثر سو سال تک رہے گا۔ اور سو سال بعد ایک شہزادہ آئے گا جو شہزادی کو جگائے گا۔

اس طریقہ سے جادو ٹوٹ جائے گا۔ یہ سُن کر شہزادہ محل کی طرف چل پڑا۔ کسان نے اسے بہت منع کیا لیکن وہ نہ مانا۔ جب شہزادہ ان کانٹے دار جھاڑیوں کے قریب پہنچا تو وہ پھولوں کی کیاریاں بن گئیں۔ شہزادے کے جانے کے لیے آپ ہی آپ راستہ بن گیا۔ ان کیاریوں سے آواز آئی "اے نیک دل شہزادے خوش آمدید۔ تم سب سے رحم دلی کا برتاؤ کرتے ہو، کیا غریب کیا امیر، سب سے اچھا برتاؤ کرتے ہو۔ کمزور کی مدد کرتے ہو۔ ہم تمھارے راستے میں کانٹوں کے بجائے پھول بچھاتے ہیں"۔

شہزادہ پھولوں کی کیاریوں سے ہوتا ہوا آگے بڑھا۔ آخر شہزادہ محل کے دروازے کے پاس پہنچ گیا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ گھوڑے اور شکاری کتے صحن میں سو رہے ہیں۔ اسی طرح چھت پر کبوتر اپنے پروں میں سر چھپائے سو رہے ہیں۔ شہزادہ محل کے اندر داخل ہوا تو وہاں عجیب حالت دیکھی۔ لوگوں کے ہاتھوں میں چائے کی پیالیاں تھیں مگر وہ سو رہے تھے۔ باورچی نے چمچہ دیگ میں ڈال رکھا تھا لیکن وہ سو رہا تھا۔ باورچن برتن دھوتے دھوتے سو گئی تھی۔ ایک بلّی چوہے کے بل میں مُنہ ڈالے سو رہی تھی۔ محل میں اتنی خاموشی تھی کہ وہ اپنی سانس خود سُن سکتا تھا۔ اب شہزادہ اوپر کی منزل میں گیا۔ چلتے چلتے وہ اس کمرے میں داخل ہوا جہاں شاہی تاج رکھا ہوا تھا۔ اس کمرے میں بادشاہ اور ملکہ بیٹھے بیٹھے سو رہے تھے۔ پھر وہ ایک کمرے میں گیا وہاں اس نے دیکھا کہ ایک شہزادی سو رہی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ وہی شہزادی ہے جس کو جادو

کے زور سے سُلا دیا گیا تھا۔ شہزادے نے فوراً اس شہزادی کے سر کو چھُوا۔ ہاتھ لگاتے ہی جادو ٹوٹ گیا اور شہزادی جاگ اٹھی شہزادی کے جاگتے ہی سارا محل جاگ اُٹھا۔ ہر طرف چہل پہل ہوگئی۔ بادشاہ اور ملکہ بھی جاگ اُٹھے۔ وہ شہزادی کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ شہزادے نے اُنھیں سوئے ہوئے محل کی ساری باتیں بتائیں۔ بادشاہ اور ملکہ نے شہزادے کو دعائیں دیں اور شہزادی گلنار کی شادی اس کے ساتھ کر دی۔ شہزادے کی نیکی کام آئی۔ سب ہنسی خوشی رہنے لگے۔

مسکین محمود منیار، مولانا ابوالکلام آزاد اردو اسکول شری رام پور

استاد اور شاگرد

آج زمانہ بدل چکا ہے۔ سائنس نے پورے معاشرے کو بدل کر رکھ دیا ہے اور اس بدلتی ہوئی زندگی اور بدلتے ہوئے معاشرے کو دیکھتے ہوئے انسان کو پڑھنا بھی نہایت لازمی ہوگیا ہے آج انسان کو پڑھ لکھ کر ایک اچھا انسان بننا بہت ضروری ہے۔ پڑھنے کے لیے ہر انسان یا ہر شاگرد کو ایک اچھے استاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بچوں کا خیال رکھنے والی گھر میں والدہ ہوتی ہیں جو کہ ایک بچے کی استاد بھی ہوتی ہیں۔ وہ بچوں کو صحیح راستہ بتاتی ہیں اور اچھی تعلیم دیتی ہیں۔ جب بچہ کچھ بڑا ہوتا ہے تو اس کا اسکول میں داخلہ کرا دیا جاتا ہے اور وہاں بچہ پڑھنا لکھنا اور رہن سہن کا کچھ طور طریقہ سیکھتا ہے جب اُسے اسکول میں اچھی تعلیم ملتی ہے تو ایک اچھا شاگرد بن جاتا ہے۔

لیکن آج زمانہ بالکل بدل چکا ہے۔ آج استاد، استاد نہیں رہ گئے اور وہ اپنی ذمّے داری نہیں سمجھ رہے ہیں کہ انھیں کیا کرنا چاہیے بلکہ ان کی تو صرف ایک ہی منشا ہے وہ ہے پیسے کمانا۔ آج ایک نیک اور اچھے استاد کی بہت کمی ہے۔ کچھ استاد تو ایسے ہیں کہ تھوڑی بات پر یا تھوڑی غلطی کرنے پر بچوں کو بڑی سے بڑی سزا دیتے ہیں اور انھیں ذلیل کرتے ہیں، ڈانٹتے، پھٹکارتے ہیں اور کچھ استاد ایسے ہیں کہ ذرا سا کچھ بھی ان کے خلاف کام ہو بس مارنا شروع کر دیتے ہیں اور ان کو بڑی بُری طرح سے پیٹتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شاگرد اپنے استاد کی عزت کرنا چھوڑ دیتا ہے اور وہ پڑھائی میں دل نہیں لگاتا۔ اس طرح بچوں کی تعلیم و تربیت پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ وہ غلط قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

ایک اچھے استاد میں یہ خوبی ہونی چاہیے کہ استاد نیک ہو اور ان میں دنیاداری اور دکھاوا بالکل نہ ہوں بلکہ خود پڑھ کر دوسروں کو پڑھانا اچھی تعلیم دینا ان کا اصل مقصد ہو۔ محبت سے بچوں کو جتنا اچھا بنایا جا سکتا ہے اتنا ڈانٹ مار کر نہیں۔ ایک اچھے استاد میں خوبی

نوجوان بیٹسمین میدان میں بیٹنگ کے لیے جا رہا تھا، مگر وہ بہت زیادہ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اتنے میں ایک تماشائی نے قریب جاکر اُسے مخاطب کیا:

"میں نے آپ پر شرط لگائی ہے"

"او وہ" بیٹسمین کا چہرہ تمتما اٹھا، مگر ایسا لگتا ہے کہ میں شاید صفر پر آؤٹ ہو جاؤں"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو، میں نے یہی تو شرط لگائی ہے"!

ایک صاحب اپنے گھر میں اسٹول پر کھڑے برش سے دیوار پر رنگ کر رہے تھے کہ ان کی بیگم آئیں اور کہنے لگیں :
" اجی، میں نے کہا برش کو مضبوطی سے پکڑ لیجیے۔ میں اسٹول دوسرے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔"

اور سادگی اور محبت کا ہونا نہایت لازمی ہے کیونکہ خلوص اور محبت سے بُرے سے بُرے انسان کو بھی اچھا و نیک بنایا جا سکتا ہے۔

میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج اچھے اور نیک استاد ہی نہیں ہیں بلکہ میں یہ کہتی ہوں کہ آج نیک اور اچھے استاد کی بہت کمی ہو گئی ہے۔ استاد سے متعلق کچھ باتیں میں آپ لوگوں کو اور بتا دینا چاہتی ہوں کہ کچھ اسکولوں اور کالجوں میں تو استاد جاتے ہیں اور آپس میں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں اور جب اسکول بند ہونے کا ٹائم ہوتا ہے تو وہ واپس چلے جاتے ہیں۔ یہ ایک استاد کی غیر ذمے داری نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی وجہ سے وہ طالب علم جو کہ علم حاصل کرنا چاہتے ہیں اور پڑھنا چاہتے ہیں وہ تعلیم سے محروم رہ جاتے ہیں۔

جو استاد ایسے ہیں وہ یہ نہ سمجھیں کہ میں ان کی بُرائی کر رہی ہوں یا انھیں نیچا دکھانا چاہتی ہوں، میرا منشا یہ ہرگز نہیں بلکہ میں ان سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ وہ اپنی ذمّے داری کو سمجھیں اور اپنے شاگردوں یعنی بچّوں کو اچھی تعلیم دینے کی پوری پوری کوشش کریں۔ تبھی ملک ترقی کر سکتا ہے۔

اور میں آخر میں یہ کہنا چاہوں گی کہ جو شاگرد اپنے استاد کی نافرمانی کرتے ہیں انھیں ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے اور استاد کو اپنے والدین سے بھی بڑھ کر سمجھیں، کیونکہ استاد ہی انھیں صحیح راستہ دکھاتا ہے اور اچھا بُرا بتاتا ہے۔ استاد جیسا کرنے کے لیے کہے ویسا ہی کرنا چاہیے۔ جو بچّے یا شاگرد اپنے استاد کا کہنا نہیں مانتے ہیں ان کی نافرمانی کرتے ہیں وہ آج سے یہ عہد کر لیں کہ وہ ایسا اب ہرگز نہیں کریں گے اور پڑھ لکھ کر ملک کی ترقی کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں گے۔

یاد رکھیے آج جو چھوٹے ہیں کل وہ ضرور ہی بڑے ہوں گے اور انھیں سے ملک کی ترقی ہو سکتی ہے۔

اس لیے پیارو! آپ لوگ دل لگا کر پڑھائی کیجیے اور ڈاکٹر محمد اقبال کی اس نظم کو شاہکار بنا لیجیے۔

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

شبنم پروین، یعقوب خان میموریل چشمۂ رحمت اسکول غازی پور

پردہ کی اہمیت

اللہ تبارک تعالیٰ نے انسانوں کو بے شمار نعمتیں دیں۔ انھی نعمتوں میں سے ایک نعمت پردہ بھی ہے۔ جو عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔ اسی لیے اللہ ربّ العزّت نے مردوں کو منع کیا ہے کہ وہ عورتوں سے کوئی چیز مانگیں تو بغیر پردہ کے نہ مانگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کل عین زانیۃ وان المرأۃ الخ یعنی ہر وہ آنکھ جو بد نگاہی یا شہوت کی غرض سے دیکھے وہ زانیہ ہے۔ اور عورت اگر خوشبو لگا کر کسی مجلس سے گزری ہے تو وہ عورت بھی ایسی ہے (یعنی زانیہ)

آج کی خواتین اسلام کو چاہیے کہ اس حدیث پاک سے سبق لیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بد نگاہی کا سے منع فرمایا ہے آج ہم مسلم خواتین اسلام کو دیکھتے ہیں کہ انھوں نے غیروں کی وضع قطع کو اپنا لیا ہے ان خواتین اسلام کے اندر پردہ نام کی کوئی چیز نہیں ہے مسلم عورتوں نے غیر قوموں کے لباس کو اپنا لیا ہے جس کا پہننا مذہب اسلام میں سراسر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ کہ دیجیے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔ پردہ کی اہمیت کا اندازہ حضرت امّ سلمہؓ کی اس روایت سے زیادہ ہوتا ہے جو ابوداؤد شریف کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ام سلمہؓ خود ہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں بیٹھی تھیں کہ اتنے میں ایک جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ ابن مکتوم رضی اللہ عنہ آگئے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام سلمہؓ اور حضرت میمونہؓ سے جو وہیں اس وقت موجود تھیں فرمایا تم دونوں پردہ کرلو۔ حضرت ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا عبداللہ ابن مکتوم نابینا نہیں ہیں۔ گویا وہ ہمیں دیکھ رہے ہیں؟ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم بھی اندھی ہو۔ کیا تم انھیں دیکھ نہیں رہی ہو؟ فرمان رسولؐ سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ عورتوں کو نابینا سے بھی پردہ کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر نابینا نہیں دیکھ سکتا تو وہ عورت تو دیکھ سکتی ہے جو نابینا نہیں ہے۔ آج اس حدیث پاک کے برخلاف ہو رہا ہے اور مسلم خواتین کا یہ حال ہے کہ وہ اجنبی لوگوں سے بھی بے پردگی سے کلام کرتی ہیں۔ مسلم خواتین نے اپنا مقام کھو دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو بھلا دیا ہے جو اللہ نے ان کو عطا کیا ہے۔

شہلا طیبہ بنت مظفر [illegible] مدرسۃ العلوم الدینیہ . بمبئی ۳

ایک کمپنی کے مالک نے اپنے دفتر کے تمام کمروں کی دیواروں پر یہ بات واضح طور پر لکھوادی۔

"جو کچھ کرنا ہے آج ہی کر ڈالو"

ایک مہینے کے بعد کمپنی کے مالک کی اپنے دوست سے ملاقات ہوئی تو دوست نے پوچھا کہ ملازموں پر اس نصیحت کا کیا اثر ہوا؟

مالک نے جواب دیا۔

"اسی دن خزانچی ایک لاکھ روپے لے کر بھاگ گیا۔ ہیڈ کلرک میرے اہم کاغذات لے اڑا۔ تین کلرکوں نے اپنی تنخواہوں میں اضافے کا مطالبہ کیا اور چپراسی نے تو حد ہی کر دی۔ اس نے ڈاکوؤں کے ایک گروہ سے ساز باز کر کے تجوری کے اہم راز اُگل دیے"

سمیع اللہ خاں سے انٹرویو

س : سب سے پہلے آپ اپنا تعارف پیامی بھائیوں سے کرائیے؟

ج : جی ہاں کیوں نہیں، میرا نام سمیع اللہ خاں ہے اور قبلہ والد صاحب کا نام راز دار خاں ہے۔

س : آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟

ج : میں بلڈانہ ضلع کے ایک گاؤں امرا پور کا رہنے والا ہوں۔ میری پیدائش بھی یہیں کی ہے۔

س : آپ کو پیام تعلیم سے لگاؤ کب سے ہے؟

ج : یہی کوئی دو تین سال سے۔

س : آپ کو کس زبان سے زیادہ لگاؤ ہے؟

ج : اردو، عربی اور انگریزی سے زیادہ لگاؤ ہے۔

س : آپ کے پسندیدہ شاعر کون سے ہیں؟

ج : جی، میرے پسندیدہ شاعر ڈاکٹر محمد اقبال

منا: (امی سے) امی، آج اسکول میں سب بچّے کہہ رہے تھے کہ میری ٹوپی گندی ہے۔
امی: نہیں بیٹا، وہ جھوٹ کہتے ہیں۔
دوسرے دن بیٹا پھر وہی شکایت لے کر آیا تو ماں نے اسے تسلی دی اور کہا،
"بیٹا، کہا نا، وہ جھوٹ بولتے ہیں! اچھا اب جلدی سے ٹوپی مجھے دے دو، تمھارے ابّو سبزی لانے کے لیے کب سے تھیلا مانگ رہے ہیں۔"

اور غالب ہیں۔
س: آپ کو کیا پسند ہے؟
ج: مجھے سلیقہ، سادگی اور خاموشی پسند ہے۔
س: آپ کے پسندیدہ رسالے کون سے ہیں؟
ج: پیام تعلیم، آج کی خاتون، خاتون مشرق،
س: آپ کے کتنے بھائی بہن ہیں؟
ج: ہم چار بھائی بہن ہیں۔
س: پیامی بھائیوں اور بہنوں کے لیے کوئی پیغام؟
ج: زندگی میں اچھے کام کریں، اچھے بنیں اور اچھوں کی صحبت میں رہیں۔
س: آپ کا پتا؟
ج: سمیع اللہ خاں راندار خاں مانک چوک امرڈاپور تعلقہ چکھلی ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر۔

محمد صادق محمد رحمٰن مانک چوک امرڈاپور بلڈانہ

بزرگ کی ترکیب

ایک گانو میں ایک بزرگ رہتے تھے۔ ان کی عمر ستّر سال کی تھی لیکن ابھی ہٹے کٹے تھے۔ پانچوں وقت کی نمازیں ادا کرتے تھے اور اس گانو کے سبھی بچّوں کو نماز پڑھنے کی ہدایت بھی کرتے تھے لیکن اس گانو کے سبھی بچّے بہت شرارتی تھے۔ ان سے مذاق بھی کرتے تھے۔ بزرگ صاحب کی خوراک زیادہ تھی۔ اس لیے بچّے کاغذ میں مٹی ڈال کر انھیں لاکر دیتے ہوئے کہتے کہ اس میں مٹھائیاں ہیں لیکن بزرگ صاحب ان باتوں کا بالکل بُرا نہیں مانتے تھے۔ وہ اس گانو کے امام بھی تھے۔ کسی طرح بچّوں کو اکٹھا کرتے اور نماز پڑھنے مسجد میں لے جاتے۔ ان کے سجدے میں جانے کی دیر ہوتی کہ بچّے مسجد سے بھاگ جاتے۔ ایک دو روز چھپتے رہتے اور پھر وہی حال رہتا لیکن بزرگ صاحب بھی بہت صبر والے تھے۔ انھوں نے ایک نئی ترکیب سوچی، ایک روز جب بچّے گلّی ڈنڈا کھیل رہے تھے تو بزرگ صاحب بھی ان کے ساتھ کھیلنے لگے۔ بزرگ صاحب کے کھیلنے سے بچّے بہت خوش ہوئے۔ باغیچے میں جب بچّے آم توڑتے تو بزرگ صاحب بھی وہاں پہنچ جاتے اور بچّوں کے ساتھ آم توڑنے میں لگ جاتے اور بچّوں کے ساتھ بیٹھ کر آم کھاتے۔ ان کی عادت بھی بچّوں جیسی ہوگئی تھی اور کرتے بھی کیا۔ بچّوں کو منانے کے لیے بچّہ ہی بننا پڑتا ہے۔ سبھی بچّے ان کو اپنا دوست سمجھنے لگے۔ پھر کیا تھا۔ بزرگ صاحب جو کہتے۔ بچّوں کو وہی کرنے میں مزا آتا۔ جب بزرگ صاحب نماز کے لیے مسجد جاتے تو سبھی بچّے اپنے اپنے گھر جا کر ٹوپی لاتے اور وضو بنا کر بزرگ صاحب کے ساتھ نماز پڑھنے میں مشغول ہو جاتے۔ جب تک بزرگ صاحب نماز پڑھتے بچّے بھی ان کے ساتھ نماز پڑھتے کیونکہ بچّوں کو اپنے دوست کے ساتھ نماز پڑھنے میں بھی مزا آتا تھا۔

عقیل احمد رانی پور بڑا ہریا، سیوان، بہار

ملا نصر الدین کی چالاکی

ملا نصر الدین کی بے روزگاری سے ان کی بیوی تنگ آچکی تھیں۔ وہ اکثر ملا کو کام نہ کرنے پر برا بھلا کہتیں۔ ملا کچھ نہ کہتے، ایک دن ان کی بیوی نے کچھ زیادہ ہی بک بک شروع کر دی۔ جب ملا بہت تنگ ہو گئے تو غصے کے عالم میں بیوی سے بولے۔ تم نے تو بلا وجہ مجھے پریشان کر رکھا ہے میں نوکری کر بھی کیسے سکتا ہوں۔ تم جانتی ہو میں قادرِ مطلق کا خدمت گار ہوں جو سب کو رزق دینے والا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ ایک وقت میں دو نوکریاں کیوں کر ہو سکتی ہیں؟

بیوی کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی۔ چلو مانا تم نے اللہ میاں کی نوکری کر رکھی ہے لیکن ہر مالک اپنے نوکر کو تنخواہ دیتا ہے آخر تمھیں تنخواہ کیوں نہیں ملتی؟ ملا کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ وہ بیوی سے مخاطب ہو کر بولے۔ میرا خیال ہے میں نے کبھی اللہ سے تنخواہ مانگی ہی نہیں اگر میں مانگتا تو وہ یقیناً دیتا۔ جب دنیا کے کنجوس مالک تنخواہ دے دیتے ہیں تو اللہ میاں تو سب مالکوں کا مالک ہے وہ کیوں نہیں دے گا؟ بیوی نے کہا۔ اب تم ہی سمجھو۔ جاؤ اپنی تنخواہ مانگ کر دیکھو۔ ملا بیوی کے پاس سے اٹھے اور سیدھے باغ میں پہنچے، وہاں جا کر پہلے تو نماز پڑھی، اس کے بعد کھڑے ہو کر ہاتھ بلند کر کے خوب زور زور سے دعا مانگنے لگے "میرے پروردگار! میں نے اپنی ساری زندگی تیری عبادت اور تیرے بندوں کی خدمت میں گزاری۔

اگر تو مجھے کچھ رقم عنایت کر دے تو میں تا زندگی تیرا شکر گزار رہوں گا۔ میرے اللہ میری دعا سن لے۔" باغ سے متصل ایک مکان تھا جس میں کوئی امیر آدمی رہتا تھا اس نے ملا کی یہ دعا سن لی۔ اس کو مذاق سوجھا، اس نے یہ سوچ کر کہ دو ایک دن کے بعد اپنی رقم واپس لے لوں گا۔ سو دینار ایک تھیلی میں ڈال کر تھیلی کھڑکی سے باہر پھینک دیا، وہ ملا کے قدموں میں آگری۔ ملا نے جو تھیلی دیکھی تو ان کا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ وہ بڑے رعب کے ساتھ کھڑے ہوئے اور تھیلی بغل میں دبا کر سیدھے بیوی کے پاس پہنچے اور بیوی سے بولے دیکھو! میں نہ کہتا تھا کہ میں بھی بڑا پہنچا ہوا فقیر ہوں جیسے ہی میں نے خدا سے اپنی پچھلی خدمات کا ذکر کیا۔ اس نے اسی وقت میرے قدموں میں یہ رقم ڈال دی۔ اب تو تم مانتی ہو مجھ کو؟

بیوی واقعی بہت متاثر ہوئیں۔ اس رقم کا ملنا تھا کہ ملا کے دن پھر گئے۔ خوب دل کھول کر پیسا خرچ کرنے لگے۔ گھر گرہستی کی ایک ایک چیز خریدی جانے لگی۔ ملا کی بیوی نے اپنے لیے بہت سے کپڑے خریدے، ہر قسم کا فرنیچر بھی خریدا۔ محلے بھر میں بات اڑ گئی کہ ملا کو کہیں سے بڑا پیسا ہاتھ لگ گیا ہے۔ جب اس امیر آدمی کو پتا لگا کہ ملا اس کی دی ہوئی رقم کو بے تحاشا

ایک دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا، کیا تمھاری شادی ہو گئی ہے؟"

دوسرے نے جواب دیا "جی ہاں، مگر جز وقتی (پارٹ ٹائم)"

پہلا "کیا مطلب؟"

دوسرا "وہ بھی ڈاکٹر ہے اور میں بھی ڈاکٹر ہوں۔ وہ بھی ملازم اور میں بھی ملازم۔ ہم دونوں کبھی کبھی اتفاقاً مل جاتے ہیں!"

ایک بدشکل کو راستے میں ایک آئینہ پڑا ملا۔ اُٹھا کر دیکھا تو اس میں اپنا بدصورت چہرہ نظر آیا۔ جھٹ دور پھینک کر بولا: اگر تو اس قدر بدنما نہ ہوتا تو تجھے کیوں کوئی اس طرح راستے میں پھینکتا۔ واقعی یہ تیرے اعمال کا پھل ہے۔"

خرچ کر رہا ہے تو اس کو بڑی تشویش ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اگر ملّا نے ساری رقم خرچ کر ڈالی تو اس سے واپس ملنا ناممکن ہے۔ اس لیے اس کے پاس جا کر سارا مذاق اس کو بتا دیا جائے اور اپنی رقم واپس لی جائے۔ یہ سوچ کر وہ بھاگا ہوا ملّا کے پاس آیا اور اس سے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ ملّا نے جواب دیا۔ جائیے اور اپنا کام کیجیے۔ کسی اور کو بیوقوف بنائیے۔ مجھے تو میرے خدا نے رقم دی ہے۔ آپ نے غالبًا میری دعا سن لی تھی اسی کو سن کر آپ نے یہ افسانہ تراشا ہے میں رقم آپ کو ہرگز نہ دوں گا۔ امیر آدمی نے کہا۔ میں بھی اتنی بڑی رقم آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں تمھیں عدالت میں لے جاؤں گا۔ دیکھیں وہاں کیسے بچتے ہو؟ یہ کہہ کر امیر آدمی وہاں سے جانے لگا تو ملّا نے اسے روک کر کہا۔ میں عدالت جانے کو تیار ہوں۔ اگر عدالت یہ کہتی ہے کہ یہ رقم تمھاری تھی تو میں پائی پائی ادا کرنے کی ہمت رکھتا ہوں۔ لیکن میری ایک شرط ہے میرے پاس نہ تو مناسب کپڑے ہیں اور نہ کوئی سواری۔ اگر میں موجودہ حالت میں گیا تو وہ یقینًا تمھاری شخصیت اور مال و دولت سے متاثر ہو کر تمھارے حق میں فیصلہ کرے گی۔ اس لیے مجھے عدالت سے اس وقت تک انصاف کی امید نہیں ہے جب تک میرا حلیہ بھی تمھارے جیسا نہ ہو جائے۔ امیر آدمی نے ملّا کو عدالت تک لے جانے کی غرض سے اپنا جبّہ اور گھوڑا انھیں دے دیا اور خود پیدل سادے کپڑوں میں چلنے لگا۔ اب ملّا کی شان ہی کچھ اور تھی۔

دونوں اسی طرح عدالت میں پہنچے۔ وہاں پہنچ کر امیر آدمی نے پورا واقعہ بیان کیا۔ اور قاضی سے التجا کی کہ اس کی رقم دلوائی جائے۔ قاضی نے ملّا سے پوچھا: "تمھیں اپنی صفائی میں کچھ کہنا ہے؟" ملّا نے جواب دیا: "حضور اس شخص کا دماغ خراب ہے۔ اس کی کوئی بات یقین کے قابل نہیں ہے۔" قاضی نے پوچھا۔ اس دعوے کا کوئی ثبوت تمھارے پاس ہے؟ ملّا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ اس کا ثبوت یہ شخص خود اپنی زبان سے دے گا۔ یہ جو چیز بھی دیکھتا ہے فورًا اپنی کہہ دیتا ہے۔ اگر آپ اس سے میرے گھوڑے کے بارے میں پوچھیں گے تو یہ کہے گا میرا ہے۔ اسی طرح میرے کپڑوں کے بارے میں سوال کریں تب بھی یہی کہے گا۔ یہ میرے ہیں۔ ایسے آدمی کی بات کا کیا اعتبار۔ جب ان چھوٹی چھوٹی چیزوں کو یہ اپنا کہہ بیٹھتا ہے تو سو دینار تو ایک بڑی رقم ہے۔ امیر آدمی نے ملّا کی یہ تقریر سنی تو فورًا چیخ پڑا "لیکن حضور یہ چیزیں تو واقعی میری ہیں۔" قاضی نے اسی وقت مقدمہ خارج کر کے ملّا کو باعزت طور پر بری کر دیا۔

عبدالرحمٰن محلہ پورہ صوفی، مبارک پور اعظم گڑھ

زندگی کے ساتھ

سیما جب پہلے دن کلاس میں آئی تو اس نے بڑی محنت سے پڑھنا شروع کیا اور چند ہی

دلوں میں ہر ٹیچر کے دل میں گھر کرلیا۔ وہ بہت غریب لڑکی تھی۔ بھولی بھالی اور عمدہ شخصیت کی مالک، لیکن غربت لوگوں کی نظر میں بہت بڑا جرم ہوتی ہے اسی لیے کلاس کی کوئی لڑکی سیما کو دوست بنانا پسند نہیں کرتی تھی۔ اسی کلاس میں ایک نسرین نام کی اونچے گھرانے کی لڑکی تھی۔ وہ نئے رِبن باندھے اُجلے کپڑوں میں ملبوس لڑکیوں کے دائرے میں بیٹھ کر قہقہے لگاتی اور سیما کا مذاق اڑاتی لیکن سیما بچاری چپ چاپ پڑھنے میں مصروف رہتی۔ نسرین کے مقابلے میں سیما بہت غریب تھی لیکن تھی اچھے ذہن کی مالک اور ہونہار۔

نسرین کلاس میں سیما کا یہ عروج دیکھ کر بے حد جلتی تھی اور تمام سہیلیاں جو کہ اس کی دولت کی دوست تھیں۔ ان کو نئی چوڑیاں وغیرہ لاکر دیتی۔ اسکول کے کینٹین سے پھل اور بسکٹ دلواتی اور ان سے سیما کے میلے اور گندے یونیفارم پر آوازیں اور قہقہے لگواتی۔ سیما بچاری قدرت کے ہاتھوں مجبور تھی۔ وہ کچھ بول بھی نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ بلند قہقہوں میں اس کی معمولی آواز گم ہوجاتی۔ لہذا وہ مجبور ہوکر رونے لگتی تو سب ہنسنے لگتیں۔

دن گزرتے رہے۔ ایک دن نسرین اسکول نہیں آئی۔ اس کے گھر کے ایک ملازم نے بتایا کہ کل اسکول سے جاتے وقت نسرین کی کار کا ایکسیڈنٹ ہوگیا، وہ زخمی ہوگئی اور اس کے والد کا اس حادثہ میں انتقال ہوگیا۔ سیما نے یہ سُنا تو سیدھی اسپتال گئی۔ نسرین کی خیریت دریافت کی۔ تو نسرین رونے لگی اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ سیما نے اسے معاف کردیا۔

نسرین کی کوئی سہیلی بھی بھول کر اسپتال نہیں آئی۔ کافی عرصے بعد نسرین صحت یاب ہونے کے بعد اسکول آئی۔ والد کے انتقال کے غم اور اپنی بیماری کی وجہ سے وہ بے حد کمزور ہوگئی تھی۔ تمام سہیلیوں نے بھی ساتھ چھوڑ دیا تھا لیکن سیما اس سے اچھی طرح خندہ پیشانی سے ملی، اس کی خیریت دریافت کی اور اس کے والد کی موت پر اظہار افسوس کیا تو نسرین رونے لگی اور سیما بولی، "پیاری نسرین روتی کیوں ہو؟ مجھے تم سے دلی ہمدردی ہے۔ میں بھی تو باپ کی عظیم شفقت سے محروم ہوں اور پھر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔ پیاری بہن صبر کرو۔ اس لیے کہ زندگی میں خوشی کے ساتھ ساتھ ہزاروں غم اور دکھ بھی ہیں۔ انسان وہی ہے جو ہر وقت صبر اور شکر کا دامن تھامے رہے اور ہمت نہ ہارے۔" ان الفاظ نے نسرین کے دل سے غم بھلا دیا۔ اس دن سے دونوں کی دوستی ایسی پکی ہوگئی کہ لوگ مثال دینے لگے کہ دوستی ہو تو ایسی۔

عبدالامر لواحدی امامی ٹیچر منگلور، کارنجہ اکولہ

کرنل: (فوجی ملازمت کے امیدوار سے) "تم سپاہی کیوں بننا چاہتے ہو؟"

امیدوار: تاکہ اپنی بہادری سے وطن کی خدمت اور حفاظت کرسکوں۔

کرنل: اچھا یہ لو چاقو، ذرا اپنی ایک انگلی تو کاٹ کر دکھاؤ۔

امیدوار: جناب میری انگلی کے کٹنے سے مجھے تکلیف پہنچے گی اور مجھے تکلیف میں دیکھ کر میرا وطن بھی دکھی ہوجائے گا، لہذا میں اپنے وطن کو انگلی کاٹ کر دکھ نہیں دے سکتا۔

ایک جگہ ایک امریکی، ایک جاپانی اور ایک ہندستانی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔
امریکی بولا: میرا بھائی اس قدر تیز ہے کہ بیٹھے بیٹھے تین گھنٹے میں امریکا سے ہندستان آسکتا ہے۔ ہندستانی اور جاپانی حیران ہوکر بولے "کیا صرف گھر میں بیٹھے بیٹھے؟"
امریکی: نہیں، جہاز میں بیٹھے بیٹھے۔
جاپانی بولا: میرا بھائی اتنا تیز ہے کہ بیٹھے بیٹھے ایک ملک سے دوسرے ملک کا نظارہ کرسکتا ہے۔ امریکی اور ہندستانی حیران ہوکر بولے: کیا صرف کرسی پر بیٹھے بیٹھے؟
نہیں، ٹی وی کے سامنے بیٹھے بیٹھے۔
ہندستانی بولا: "میرا بھائی اس قدر تیز ہے کہ بیٹھے بیٹھے پورے ملک کو تاریک کرسکتا ہے۔"
جاپانی اور امریکی حیران ہوکر بولے۔ کیا کمرے میں بیٹھے بیٹھے؟
ہندستانی۔ نہیں وزارت کی کرسی پر بیٹھے بیٹھے۔

ایسی دیوار کبھی نہیں بن سکتی

خلائی جہاز کے مسافروں کا کہنا ہے کہ جب وہ انتہائی بلندی پر پہنچ جاتے ہیں تو انھیں دنیا کی کوئی چیز نظر نہیں آتی سوائے دیوار چین کے۔ جب وہ خلا میں دو سو میل کی بلندی پر ہوتے ہیں تو دیوار چین کے علاوہ دنیا کی ہر شے ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔
دیوار چین بنانے والے شہنشاہ کا نام "چنگ شی ہوانگ شی" تھا۔ اس نے شی نام کے صوبہ کے ایک جاگیردار کو ختم کیا اس کے بعد ملک کے جاگیر دار اور راجاؤں کو ختم کرکے چین کو پھر سے متحد کیا۔ اس کے بعد اس نے چین میں بادشاہت قائم کی۔ اور اس طرح چین میں بادشاہت کا سلسلہ شروع ہوا۔ چین کو چین بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے پہلے بادشاہ کا نام چنگ تھا۔
دیوار چین بارہ سو میل لمبی ہے لیکن اگر اس کو ناپا جائے تو اس کی لمبائی پندرہ سو میل ہے کیونکہ یہ سیدھی نہیں ہے۔ یہ کسی جگہ بھی پندرہ فٹ سے کم بلند نہیں ہے لیکن بعض مقامات پر اس کی بلندی پچاس فٹ بھی ہے۔ اس کی چوڑائی کسی جگہ پندرہ فٹ، کسی جگہ پچیس فٹ ہے۔
۱۷۹۰ء میں ایک برطانوی سیاح نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ دیوار چین کے مسالے اور پتھروں سے آٹھ فٹ اونچی اور تین فٹ چوڑی دیوار ساری دنیا کے چاروں طرف بنائی جاسکتی ہے۔ اس سیاح نے ایک جگہ یہ بھی لکھا ہے کہ اگر اس دیوار کا ملبہ لندن میں پھیلایا جائے تو وہاں کی سطح زمین دس فٹ بلند ہو جائے گی۔
یہ دیوار حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے دو سو چودہ سال قبل بننا شروع ہوئی اور پندرہ سال میں مکمل ہوئی تھی۔
تعمیر میں چین کے صرف تین لاکھ سپاہیوں نے ہی حصّہ نہیں لیا تھا بلکہ چین کے لاکھوں عوام اور قیدی پندرہ سال تک کام کرتے رہے۔

رئیس احمد اقبال احمد، نیا پورہ مالیگاؤں

مغرور شاعر

ایک نہایت ذہین مدبر کا شاعر تھا لیکن

اسلم: آج مجھے علم ہوا تمہارا بیٹا گورکن ہے تم تو کہتے تھے کہ وہ ڈاکٹر ہے۔
اکرم: میں نے کبھی اسے ڈاکٹر نہیں کہا بلکہ ہمیشہ یہ کہا کہ میرے بیٹے کی روزی کا دارو مدار طبی پیشے کی مہارت پر ہے۔

تھا بہت مغرور۔ اس کی یاد داشت اتنی اچھی تھی کہ وہ جو بھی نئی نظم ہو یا لطیفہ سُن لینے کے بعد وہ زبانی دُہرا سکتا تھا اس کو اپنی عقل مندی پر بہت غرور تھا ایک دن اسی غرور کے نشے میں اس نے راجا سے اعلان کروایا کہ جو بھی دربار میں نئی نظم یا کوئی نیا لطیفہ راجا کو پیش کرے گا اس کو ایک ہزار اشرفیاں دی جائیں گی اور اسے درباری شاعر مقرر کیا جائے گا۔ اعلان سن کر بہت سے شاعر دربار میں جمع ہوئے اور نئی نظم اور نئے لطیفے سنانے لگے لیکن درباری شاعر انھیں غور سے سُن کر فوراً خود دہراتا اور کہتا کہ یہ نظم ہے یا لطیفہ میرا ہے۔ آخر کار ایک دن ایک نوجوان شاعر دربار میں آیا اور راجا سے ایک لطیفہ سنانے کی اجازت چاہی۔ راجا کی اجازت کے بعد نوجوان شاعر نے لطیفہ کہنا شروع کیا۔ نوجوان شاعر آدھا لطیفہ سنا کر درباری شاعر سے مخاطب ہوا۔ یہ آدھا لطیفہ ہے، اگر تمہارا ہے تو اس کو پورا کر دو۔ یہ سُن کر درباری شاعر اپنا سا منہ بنا کر رہ گیا کیونکہ اس کو باقی لطیفہ نہیں معلوم تھا۔ راجا نے اس نوجوان شاعر کو درباری شاعر مقرر کرتے ہوئے ایک ہزار اشرفیاں انعام میں دینے کا اعلان کیا۔

دیکھا پیارے بچو! غرور کا سر ہمیشہ نیچے ہوتا ہے اس لیے ہم کو کبھی بھی غرور نہیں کرنا چاہیے۔

مرسلہ ـــ سید [illegible]

ندامت کے آنسو

حضرت موسیٰؑ ایک اولوالعزم پیغمبر گزرے ہیں چونکہ آپ اللہ تعالیٰ سے براہ راست گفتگو فرماتے تھے اسی وجہ سے آپ کو کلیم اللہ بھی کہا جاتا ہے۔ ایک دن آپ نے اللہ سے فرمائش کی کہ اے اللہ تو مجھے اپنے ایسے بندے سے ملا تو تیرے نزدیک انتہائی گناہگار اور تیرا ناپسندیدہ بندہ ہو۔ اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو ایک علاقے کا نام بتایا کہ وہ شخص وہاں رہتا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے پتے پر وہاں پہنچے۔ آپ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ آدمی موجود نہ تھا البتہ اس کی بیوی موجود تھی حضرت موسیٰؑ نے اس عورت سے اس کے شوہر کے بارے میں پوچھا۔

عورت نے کہا کہ اے اللہ کے نبی آپ کیا پوچھتے ہیں وہ دنیا بھر کا جُواری ہے۔ سارے گناہوں کے کام وہ انجام دیتا ہے اور شراب کے نشے میں دُھت رہتا ہے۔ حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے واپس ہوئے۔

دوسرے دن آپ نے پھر اللہ تعالیٰ سے خواہش ظاہر کی "اے اللہ اب تو مجھے کسی ایسے بندے سے ملا جو تیرا بڑا محبوب ہو اور تو اس سے محبت کرتا ہو" اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو پتا بتایا۔ آپ جب چلے تو وہی گلیاں اور وہی علاقہ اور جس مکان کی نشان دہی اللہ تعالیٰ نے کی تھی وہ اسی گناہگار کا مکان تھا جس کے یہاں وہ کل تشریف لائے تھے۔ آپ بڑے حیران ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس کی بیوی باہر آئی تو آپ نے پوچھا کہ اے عورت تیرا شوہر کیسا ہے؟ اس نے عرض کیا اے اللہ کے نبی کل رات عجیب واقعہ ہوا۔ میرا شوہر شراب کے نشے میں دھت

ایک پریشان حال شخص ایک صاحب کے پاس شناختی کارڈ کا فارم پُر کروانے کے لیے گیا۔
انھوں نے پوچھا "تمھارا نام؟"
"نائب خان ولد شادی خان"
پوچھا کہ شناختی علامت؟
بولا کہ لکھ دیجیے: "چہرے پر پریشانی کے آثار"

رات گھر میں داخل ہوا اور بستر پر جاکر لیٹ گیا۔ اس نے مجھ سے سر دبانے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے اس کا سر دباتے ہوئے پوچھا کہ اے میرے سرتاج دنیا کی سب سے بڑی چیز کیا ہے تو میرے شوہر نے جواب دیا کہ دنیا کی سب سے بڑی چیز دنیا ہے۔ پھر میں نے اس سے پوچھا کہ کیا اس دنیا سے بڑھ کر کوئی چیز ہے؟ تو میرے شوہر نے کہا کہ ہاں آسمان دنیا سے بڑا ہے۔ پھر میں نے اس سے دوبارہ پوچھا کہ آسمان سے بڑی کون سی چیز ہے! تو میرے شوہر نے جواب دیا کہ میرے گناہ۔ پھر میں نے اس سے دوبارہ پوچھا۔ اے میرے سرتاج، یہ بتا کہ دنیا میں تیرے گناہوں سے بھی بڑھ کر کوئی چیز ہے؟ تو میرے شوہر نے جواب دیا۔ کہ ہاں میرے گناہوں سے بھی بڑھ کر ایک چیز ہے۔ اور وہ ہے اللہ کی رحمت۔ اور یہ کہتے ہوئے میرے شوہر کی آنکھ سے آنسو کا ایک قطرہ ٹپک گیا۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ اے عورت اس ندامت اور شرمندگی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے خوف سے گرنے والے آنسو نے اللہ تعالیٰ کے سارے غصّے کو رحمت اور محبّت میں بدل دیا اور کل کا مغضوب بندہ آج محبوب بندہ بن گیا ہے۔

ساجد عالم، تالاب روڈ، وارڈ کیسا، سندر گڑھ

معروف صحافی ٹیچر سے انٹرویو

س: آپ کا پورا نام کیا ہے؟
ج: میرا نام فیروز خان فیروز ہے۔
س: آپ کی کوئی کہانی اب تک چھپی ہے؟
ج: میں نے آج سے دو سال قبل سولہ سال کی عمر میں "قوس قزح" نامی منی افسانوں پر مبنی ایک کتاب شائع کی تھی۔ اس کے شائع ہونے پر ریاست مہاراشٹر کے اخبارات نے میری بہت حوصلہ افزائی کی۔
س: ماہنامہ "پیام تعلیم" میں آپ کی کوئی کہانی شائع ہوئی؟
ج: دو کہانیاں بھیجی تھیں دونوں شائع ہوگئیں۔ ایک کہانی مع تصویر کے شائع ہوئی "عزود کا تحفہ" نومبر ۱۹۸۹ء۔
س: آج تک کون کون سے اخبارات میں لکھ چکے ہیں؟
ج: روزنامہ "جلدو ٹائمز" ممبئی، روزنامہ "اخبار عالم" ہفت روزہ "سنگ میل" ناگپور، ہفت روزہ "انکشاف" ہند وغیرہ۔
س: آپ اتوار کے دن کیا کرتے ہیں۔
ج: مجھے شکار کا بہت شوق ہے۔ پیاالعموماً جنگلوں میں گھومتا ہوں۔
س: آپ کے پسندیدہ کھیل کون سے ہیں؟
ج: کرکٹ، ہاکی، فٹ بال، شطرنج، کیرم، ٹینس وغیرہ۔
س: آپ کی دلی خواہش کیا ہے؟

ج : وکیل بن کر غریبوں اور بے سہارا لوگوں کی دل و جان سے خدمت کرسکوں۔
س : آپ کی تعلیمی قابلیت کیا ہے؟
ج : بی اے بی ایڈ اور تاریخ میں ایم۔ اے کر رہا ہوں۔
س : پیام تعلیم کے بارے میں آپ کی رائے اور نونہالوں کے لیے کوئی پیغام۔
ج : پیام تعلیم قابل تعریف ہے، دینی و دنیاوی معلومات سے لبریز ہوتا ہے۔ شاہد بھائی ہر ایک کی حوصلہ افزائی کرکے انھیں قلم کار بنا دیتے ہیں۔ شاہد بھائی خادم اردو ہیں۔ معاشرہ کے نونہالوں کو اتنا ہی کہوں گا کہ خوب تعلیم حاصل کریں اور ایک اعلا مقام پر پہنچ کر قوم کی خدمت کریں۔ وطن کے لیے اپنی جان تک قربان کردیں۔ غریبوں اور بے بسوں کے کام آئیں۔ والدین، اساتذہ حضرات بزرگوں کی عزت کریں۔
س : شکریہ! بچوں کو اپنا پتا دیجیے اور کیا آپ ان کے خط کا جواب دیں گے؟
ج : انشاء اللہ میں ہر کسی کے خط کا جواب دوں گا۔ میرا پتا ہے۔ فیروز خاں فیروز، خان منزل، دلّی چوک ملکاپور ضلع بلڈانہ مہاراشٹر۔ ۴۴۳۱۰۱

آصف خاں، گورنمنٹ ہائی اسکول ملکاپور بلڈانہ

پتّوں سے علاج

پہلے زمانے میں لوگ چھوٹی موٹی بیماریوں کا علاج گھر پر کرلیتے تھے۔ آس پاس لگے پیڑ پودوں کی پتیاں، پھل، پھول اور چھال کی دوا بناکر استعمال کرتے تھے۔ کچھ پتّوں کے دوا کے طور پر استعمال کرنے کے طریقے درج ذیل ہیں۔

پان
پان کے تین پتّوں کو کچل کر ان کے عرق میں شہد ملادیں۔ کھانسی میں تین وقت روزانہ کھلائیں تین دن میں کھانسی ٹھیک ہوجائے گی۔

مہندی کی پتّیاں۔ گرمی سے ہاتھ پیروں میں اگر جلن ہو تو مہندی کی ہری پتّیوں کو پیروں کے تلوے میں لیپ کرلیں، ہاتھ اور پیروں کی جلن دور ہوجائے گی۔ ہفتے میں ایک بار لیپ کریں۔

انار کی پتّیاں۔ گرمی کی وجہ سے پیشاب رُک جائے یا پیشاب میں جلن ہوتی ہو تو انار کی پتّیوں کو سِل پر پیس کر ناف کے نیچے لیپ کرنے سے فوری طور پر فائدہ ہوتا ہے۔

اجوائن کی پتّیاں پیٹ میں درد ہو یا بدہضمی ہوجائے تو اجوائن کی دو چار پتّیاں چبانے سے آرام ملتا ہے۔

بتھوے کی پتّیاں سر میں خشکی ہو تو بتھوے کی پتّیوں کو اُبال کر ان کے پانی سے سر دھوئیں

> کسی گھڑی کی دکان میں تین مرتبہ چوری ہوئی اور پولیس چور کا سُراغ لگانے سے قاصر رہی۔ آخر دکان کے مالک نے خود ایک ترکیب آزمانے کا فیصلہ کیا۔ دکان میں ایک خود کار کیمرا لگادیا، جو ہر آنے والے کی تصویر اُتار لیتا اور چور کو ترغیب دلانے کی خاطر شوکیس میں نقلی گھڑیاں رکھ دیں۔ چور پھر چوری کی غرض سے آیا۔ اس نے گھڑیوں کی طرف آنکھ اٹھاکر بھی نہ دیکھا اور قیمتی خود کار کیمرا لے کر چلتا بنا۔"

نوکر : صاحب! فضلو آپ کو گدھے کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔
مالک : کیوں فضلو، تو ہمیں گدھے کے برابر بھی نہیں سمجھتا۔
فضلو : نہیں صاحب، یہ جھوٹ بولتا ہے میں تو سمجھتا ہوں۔

کچھ دن تک یہی عمل کرنے سے خشکی دور ہو جاتی ہے۔

نیم کی پتیاں جسم میں کھجلی یا پھوڑے نکل آئیں تو نیم کی پتیوں کو اُبال کر اس کے پانی سے دھونے سے ٹھیک ہو جاتے ہیں۔
برسات کے دنوں میں بکس میں نیم کے پتے ڈال کر کپڑے رکھیں، کپڑے کیڑوں سے محفوظ رہیں گے اور گیہوں یا چاول میں ڈالنے سے بھی کیڑے نہیں پڑیں گے۔

لہسن کی پتیاں کیسی بھی داد کھجلی ہو ان پتوں کو پیس کر داد پر لگانے سے داد ٹھیک ہو جاتا ہے۔

پیپرمنٹ کی پتیاں سردی، زکام یا سر درد میں پیپرمنٹ کے پتوں کو سونگھنے سے بیماریوں میں فائدہ ہوتا ہے۔

چراُتا کی پتیاں بخار میں چراُتا کا جوشاندہ بنا کر پینے سے فائدہ ہوتا ہے۔

ارنڈ کی پتیاں پیٹ میں درد ہو تو ارنڈ کے پتے گرم کرکے پیٹ پر رکھ کر باندھ دیں، پیٹ کا درد فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔

دھتورے کی پتیاں جوڑوں کا درد ہو یا موچ آنے پر درد ہو تو چار پانچ دھتورے کے پتے لے کر ان پر تیل لگا کر گرم کریں اور درد کی جگہ باندھ دیں درد فوراً ٹھیک ہو جائے گا۔

اے ۔ ایس کوثر انصاری مبارک پور اعظم گڑھ

اور مجھے ہنسی آگئی

ہم صرف دو بھائی ہیں۔ میں بڑا اور چھوٹا بھائی مجھ سے تقریباً تین سال چھوٹا ہے۔ پچھلے سال میں دسویں میں تھا اور میرا بھائی ساتویں میں۔ اس کے امتحانات ختم ہو چکے تھے اور میرے بورڈ کے پیپرس شروع ہو چکے تھے۔ ان ہی دنوں میرے بھائی کو اسکول سے ایک ٹور پر صبح پانچ بجے جانا تھا۔ چونکہ میں راتوں کو جاگتا تھا اور پڑھائی کرتا تھا۔ اس لیے میری امّی نے مجھے تاکید کی تھی کہ مجھے یعنی میری امّی کو اور بھائی کو جلد ہی جگا دینا۔ یہ ہدایت کرکے امّی اور بھائی اور ابّو سو گئے اور میں پڑھائی کرتا رہا۔
گھڑی میں جب ساڑھے چار بجے تو میں نے انھیں جگا دیا۔ میرا چھوٹا بھائی تیاری کرنے لگا۔ اور میری امّی اس کی مدد کرنے لگیں۔ میری امّی باورچی خانے میں تھیں۔ اچانک کہیں سے کھٹ کھٹ کی عجیب سی آواز آئی۔ میرا بھائی بُری طرح ڈر گیا اور زور سے چیخ پڑا۔ میری سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ میں ہونق بنا بیٹھا رہ گیا۔ چیخ کی آواز سن کر امّی باہر نکل آئیں اور وہ بھوت بھوت چلّاتا ہوا میری امّی سے لپٹ گیا۔ تبھی بیل بج اٹھی۔

میں نے جاکر دیکھا تو کچھ لڑکے کھڑے تھے پوچھنے پر پتا چلا کہ وہ میرے بھائی کے دوست ہیں۔ میں انھیں اندر لے آیا۔ انھوں نے بتایا کہ انھیں بیل دکھائی نہیں دی تھی۔ اس لیے انھوں نے بہت زور سے دروازہ کھٹکھٹایا اور آواز دی تھی۔ تب میری سمجھ میں آیا کہ میرا بھائی کیوں ڈرا تھا اور بات سمجھ میں آتے ہی میں ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوگیا۔

آصف شبیر احمد، اسلام پورہ مالیگاؤں ناسک

اخلاص

احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جو ہر وقت عبادت میں مشغول رہتا تھا۔ ایک جماعت اس کے پاس آئی اور کہا کہ یہاں ایک قوم ہے جو ایک درخت کو پوجتی ہے یہ سن کر اس کو غصہ آیا اور کلھاڑا کندھے پر رکھ کر اس کو کاٹنے کے لیے چل دیا۔ راستہ میں شیطان ایک پیر مرد کی صورت میں ملا۔ عابد سے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ اس نے کہا فلاں درخت کاٹنے جاتا ہوں۔ شیطان نے کہا تمھیں اس درخت سے کیا واسطہ، تم اپنی عبادت میں مشغول رہو۔ تم نے اپنی عبادت کو ایک مہمل کام کے واسطے چھوڑ دیا۔ عابد نے کہا یہ بھی عبادت ہے۔ شیطان نے کہا میں نہیں کاٹنے دوں گا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا۔ وہ عابد اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے اپنے کو عاجز دیکھ کر خوشامد کی اور کہا اچھا ایک بات سن لے۔ عابد نے اس کو چھوڑ دیا۔ شیطان نے کہا اللہ نے تجھ پر اس کو فرض تو کیا نہیں، تیرا اس سے کوئی نقصان نہیں، تو اس کی پرستش نہیں کرتا۔ اللہ کے بہت سے نبی ہیں اگر وہ چاہتا تو کسی نبی کے ذریعے سے اس کو کٹوا دیتا۔ عابد نے کہا میں ضرور کاٹوں گا۔ پھر مقابلہ ہوا، وہ عابد پھر اس کے سینے پر چڑھ گیا۔ شیطان نے کہا اچھا سن۔ ایک فیصلے والی بات تیرے نفع کی کہوں گا۔ اس نے کہا کہہ۔ شیطان نے کہا تو غریب ہے دنیا پر بوجھ بنا ہوا ہے تو اس کام سے باز آ، میں تجھے روزانہ تین دینار (اشرفی) دیا کروں گا جو روزانہ تیرے سرہانے رکھے ہوئے ملا کریں گے۔ تیری بھی ضرورتیں پوری ہو جائیں گی اپنے اعزہ پر بھی احسان کر سکے گا۔ فقیروں کی مدد کر سکے گا اور بہت سے ثواب کے کام کر سکے گا اس میں ایک ہی ثواب ہوگا۔ اور وہ بھی بے کار کہ وہ لوگ پھر دوسرا لگالیں گے۔ عابد کی سمجھ میں آگیا قبول کرلیا۔ دو دن تو دینار ملے تیسرے دن سے ندارد۔ عابد کو غصہ آیا اور کلھاڑی لے کر پھر چلا۔ راستے میں وہ بوڑھا ملا پوچھا کہاں جا رہا ہے۔ عابد نے بتایا کہ اسی درخت کو

ایک پروفیسر صاحب اپنے کسی دوست کے گھر رات کے کھانے پر گئے۔ انھوں نے لالٹین اپنے ساتھ اس خیال سے لے لی کہ اگر بجلی چلی گئی تو اندھیرے میں پریشانی نہیں ہوگی۔ رات کے دس بجے وہ دعوت سے فارغ ہو کر اپنے گھر واپس آگئے۔

دوسرے دن اس کو اپنے دوست کے ملازم کے ہاتھ ایک پرچہ ملا۔ اس میں لکھا تھا: "آپ کی لالٹین بھیج رہا ہوں۔ آپ میرے توتے کا پنجرہ بھجوا دیں"۔

ندیم: (نعیم سے) آج کل میں جو خواب دیکھتا ہوں وہ صحیح نکلتا ہے۔
نعیم: وہ کیسے؟
ندیم: کل میں کلاس میں سو گیا تھا۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ ماسٹر صاحب مجھے مار رہے ہیں۔ جب آنکھ کھلی تو واقعی ماسٹر صاحب مجھے مار رہے تھے۔

کاٹنے جا رہا ہوں۔ بوڑھے نے کہا تو اس کو نہیں کاٹ سکتا۔ دونوں میں مقابلہ ہوا۔ وہ بوڑھا غالب آگیا اور عابد کے سینہ پر چڑھ گیا۔ عابد کو بڑا تعجب ہوا۔ اس سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ تو اس مرتبہ غالب ہو گیا۔ اس بوڑھے نے کہا کہ پہلی مرتبہ تیرا غصہ خالص اللہ کے واسطے تھا اس لیے اللہ جل شانہٗ نے مجھے مغلوب کر دیا تھا۔ اس مرتبہ اس میں دیناروں کو دخل تھا اس لیے تو مغلوب ہوا۔ حق یہ ہے کہ جو کام خالص اللہ کے واسطے کیا جاتا ہے اس میں بڑی قوت ہوتی ہے۔

(نوٹ: حضرت مولانا زکریا صاحبؒ کی کتاب "فضائل اعمال" سے لیا گیا۔

محمد آصف محمد ہارون طیبانی شریف دیوجی اسٹریٹ ممبئی

عید الفطر

عید عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں وہ چیز جو بار بار آئے اور عید کو عید اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ بار بار آتی ہے ہر قوم میں کچھ یادگار دن ہوتے ہیں جسے اہل قوم بحیثیت تہوار مناتے ہیں۔ مسلمانوں میں بھی دو دن ایسے ہی ہیں جسے وہ بڑے جوش وخروش اور دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ ایک عیدالفطر دوسری عید قرباں۔ عیدالفطر، رمضان المبارک کے ختم پر شوال کی پہلی تاریخ کو منائی جاتی ہے۔

درحقیقت عیدالفطر میں اللہ تعالیٰ پوری دنیا کے مسلمانوں کی مہمان نوازی کرتا ہے اور یہ ایک واضح بات ہے کہ جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دعوت دیتا ہے تو اُسے بہت مسرت ہوتی ہے حالانکہ وہ مخلوق ہے۔ پروردگار عالم جو کہ خالق ہے اگر وہ دعوت کرے تو اسے کس قدر خوشی ہوسکتی ہے؟

عید کی تیاری تو رمضان ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ نئے کپڑے خرید کر درزی کو سلنے کے واسطے دے دیے جاتے ہیں۔ جوتے چپل بھی پہلے ہی خرید لیے جاتے ہیں اور دیگر ضروری اشیاء بھی رمضان ہی میں خرید کر رکھ لی جاتی ہیں تاکہ عید کے موقع پر پریشانی لاحق نہ ہو اور ۲۹ تاریخ کی شام کو آسمان پر لوگ چاند کی جستجو اور تلاش میں لگے رہتے ہیں اور جس کسی کو چاند نظر آگیا وہ بم پٹاخا چھوڑنا شروع کر دیتا ہے جس سے لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ چاند ہو گیا۔ آسمان صاف ہو تو سب لوگ چاند دیکھتے ہیں پھر جو شور وغل بھاگ دوڑ شروع ہوتی ہے، وہ دیکھنے کے قابل ہوتی ہے۔ کوئی بازار جا رہا ہے تو کوئی درزی کے پاس۔ کوئی سویاں لاتے، تو کوئی عطر کی دکان پر، غرض ہر جگہ وہی ماحول۔ امّی جان گھر کی صفائی، برتنوں کی صفائی میں لگی ہوتی ہیں۔ بھائی جان پریس کرنے میں مشغول ہیں۔ آپا جان دوپٹے میں لیس لگا رہی ہیں۔ رات کا اکثر حصہ اسی دھماچوکڑی میں گزر جاتا ہے۔

تھوڑی دیر سوئے کہ صبح ہو گئی۔ غسل خانے میں نمبر لگے ہوئے ہیں۔ ہر طرف جلدی کرو۔ جلدی کرو کی صدا گونج رہی ہے۔ غسل سے فارغ ہو کے نئے نئے کپڑے پہنے، عطر لگایا۔ تھوڑا کچھ کھایا اور تکبیر پڑھتے ہوئے چل پڑے عید گاہ کی طرف۔ عید گاہ میں بہت بھیڑ ہے۔ ہر جگہ ٹوپی ہی ٹوپی دکھائی دے رہی ہے۔ عطر کی خوشبو ماحول کو معطر کر رہی ہے۔ عید کی نماز میں کافی لطف آتا ہے۔ امام صاحب نے نماز سے پہلے اس کے طریقے بتائے اور اس کے بعد نماز شروع ہوئی۔ امام صاحب نے تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے دونوں ہاتھ باندھے۔ ثنا پڑھ کر تکبیر ہوئی تو بہت سے لوگ رکوع میں چلے گئے لیکن اگلی صف کو کھڑا دیکھ کر فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں اور جب دوسری تکبیر ہوئی تو بہت سے پھر چوک گئے اور دوبارہ رکوع میں چلے گئے لیکن اگلی صف اپنی پہلی حالت پر رہی۔ سچ ہے انسان ٹھوکر کھانے کے بعد ہی ہوش میں آتا ہے۔ مسلسل دو جھٹکے کھانے کے بعد یہ لوگ بھی سنبھلے اور اپنے جی میں کہا کہ اپنے ماحول دیکھ کام کرنا ہے۔ امام صاحب کی ہر تکبیر پر اب وہ اپنی کنکھیوں سے پہلے دائیں پھر بائیں اور آگے دیکھ کر بقیہ ارکان کو ادا کرتے رہے۔ نماز ختم ہوئی پھر لوگ آپس میں گلے ملے۔ سلام و معانقہ کیا، مبارکباد پیش کی۔ جنھوں نے صدقۂ فطر نہیں دیا تھا ادا کیا اور گھر لوٹے۔ سبھی نے مل جل کر خوب خوب خوشیاں منائیں۔

اعجاز احمد محلہ مراد پور میر صاحب علی لین، گیا، بہار

میں مجبور ہوں

روشن ایک خوبصورت لڑکی تھی۔ اس میں ایک خرابی تھی۔ وہ بہت لاپروا تھی اس کی لاپروائی سے جب کوئی نقصان ہو جاتا تو وہ فوراً کہہ اٹھتی "میں مجبور ہوں"

آہستہ آہستہ اس کی یہ عادت بڑھتی گئی۔ ایک دن ماں نے اسے پھول چننے کے لیے جنگل بھیجا۔ وہ تنہا جنگل کی طرف چل پڑی۔ جنگل بہت گھنا تھا۔ واپسی پر وہ گھر کا راستہ بھول گئی۔ ماں نے اس کو جاتے وقت نصیحت کی تھی کہ لوٹتے ہوئے بلوط کے درخت کے آگے مت جانا۔ مگر خوبصورت پھولوں کو چنتے ہوئے وہ ماں کی نصیحت کو بھول گئی۔ آخر گھبرا کر اس نے چاروں طرف دیکھا۔ اندھیرے نے جنگل کو ڈراؤنا کر رکھا تھا۔

جلد ہی وہ ایک موڑ پر پہنچی۔ موڑ پر اسے کوئی صحیح راستہ دکھائی نہیں دیا۔ چاروں طرف لمبے لمبے درخت کھڑے ہوئے تھے۔ اس کے لیے یہ طے کرنا مشکل ہو گیا کہ وہ کس راستے سے آگے بڑھے۔ روشن کو ایسا لگا کہ راستے کے تمام درخت اسے گھور رہے ہیں۔ ان کے بیچ سے سنسناتی ہوئی ہوا جیسے اسے چڑا رہی ہو

ایک گاہک نے ہوٹل کے بیرے سے حیران ہو کر پوچھا:

"سفید پلیٹوں کے سالن کی قیمت دس روپے ہے اور نیلی پلیٹوں کے سالن کی قیمت آٹھ روپے۔ کیا سفید پلیٹوں کا سالن زیادہ لذیذ اور عمدہ ہوتا ہے؟"

بیرا بولا: "جی نہیں، دونوں میں ایک ہی سالن ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سفید پلیٹیں دھوئی جاتی ہیں۔"

> ایک مینڈکی اور اس کی بیٹی تیر رہی تھیں کہ مینڈکی کی بیٹی نے پوچھا:
> "امی جان: یہ ملکہ کیسی ہوتی ہے؟"
> مینڈکی نے جواب دیا "چُپ رہو، لوگوں کو پہلے ہی مجھ پر شک ہے۔"

اور کہہ رہی ہو "میں مجبور ہوں"

اچانک اس کے پیر میں کانٹا چُبھ گیا۔ وہ درد سے چلّا اٹھی۔ اتنے میں پتّوں کی کھڑکھڑاہٹ سے سُنائی دیا کہ "معاف کرنا میں مجبور ہوں۔"

روشن بہت تھک گئی تھی۔ وہ پھر بھی چلتی رہی۔ چلتے چلتے اُسے ایک غار دکھائی دیا۔ وہ غار کے اندر گئی۔ اندر داخل ہوتے ہی بدبو اس کی ناک میں گھس گئی۔ اُسے چکر آنے لگا اور چکرا کر نیچے گر گئی۔ جب اسے ہوش آیا تو غار سے باہر آئی اور پھر اس نے چلنا شروع کر دیا۔

اس نے درختوں کی موٹی ڈنٹھل پر پاؤ روٹی جیسی کوئی چیز اُگی ہوئی دیکھی، درخت چھوٹے تھے حیرت سے روشن آگے بڑھی۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک روٹی توڑ لی، تبھی اس کی نظر زمین پر اُگے پودوں پر پڑی۔ ان کی چوڑی پتّیوں والے تنے کے سرے پر اس نے پنیر جیسی کوئی شے چپکی ہوئی دیکھی۔ وہ تعجب سے چلّا اٹھی۔ یہاں روٹی کی طرح پنیر بھی درخت پر اُگتے ہیں؟ کیسا نرالا ملک ہے؟

تبھی سارے درخت ایسے کھل اُٹھے جیسے ہنس رہے ہوں۔ ان میں سے کچھ پھل نیچے گر پڑے۔ روشن نے دوڑ کر ایک پھل اُٹھایا۔ پھل کا مزہ پنیر جیسا تھا۔ وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر پنیر اور روٹی مزے سے کھانے لگی۔ پیٹ بھر کھا لینے کے بعد اسے پیاس لگی۔ وہ بے چینی سے پانی کے چشمے ڈھونڈنے لگی۔ تھوڑی دور جانے پر اسے ایک چشمہ دکھائی دیا۔ چشمے کے پانی کا رنگ ہلکا ہرا تھا۔ اس نے ہاتھ پانی میں ڈالا۔ وہ گرم تھا۔ اسے شدّت کی پیاس لگی ہوئی تھی۔ اس نے آنچل میں بھر کر ایک گھونٹ پانی پی لیا اور بول اٹھی۔ واہ یہ تو بڑی مزے دار چائے ہے۔ ایسا نرالا ملک دنیا میں اور کہاں ہوگا۔ یہاں تو درختوں پر روٹی پنیر پھلتے ہیں۔ اسے گُم ہونے کا ذرا بھی احساس نہ تھا۔ بے فکری سے وہ آگے بڑھتی گئی۔

اب صبح ہو چکی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ ایک ندی کے نزدیک پہنچی۔ ان درختوں پر صابن کی خوشبودار ٹکیاں لٹک رہی تھیں، ایک ٹکیا صابن توڑ کر اس نے اپنا منہ ہاتھ دھویا۔ اس کے پیچھے ایک لمبے درخت پر اُسے کئی تولیے لٹکتے دکھائی دیے۔ ایک تولیے کو اُتار کر اس نے اپنا منہ ہاتھ پونچھا۔

روشن کچھ اور آگے بڑھی۔ آگے ایک پُل تھا جو کسی بھی وقت گر سکتا تھا۔ ایک آدمی اس کی مرمت کر رہا تھا۔ وہ پُرانی لکڑیوں کو ہٹائے بغیر لکڑی کے نئے نئے ٹکڑے ٹیڑھے میڑھے رکھتا ہوا جا رہا تھا۔ روشن نے اُسے ٹھیک سے پل بنانے کا مشورہ دیا۔ جواب میں وہ بولا۔ "میں مجبور ہوں"

روشن آرام سے پُل سے گزر کر دوسری طرف گئی۔ اس کی راستے میں ایک عورت سے ملاقات ہوئی۔ "اس ملک کا کیا نام ہے؟" روشن نے پوچھا۔ "میں مجبور ہوں" کہہ کر وہ عورت آگے بڑھتی گئی۔ آگے چل کر روشن "میں مجبور ہوں" گاؤں میں پہنچ گئی۔ گاؤں کوئی بڑا نہ تھا۔ بازار میں تھوڑی سی

دکانیں تھیں۔ وہاں ایک بڑی سی عمارت تھی جس میں گانا بجانا ہو رہا تھا۔ اندر سے گراموفون پر آواز آرہی تھیں "میں مجبور ہوں، میں مجبور ہوں"۔

مجبور ملک کے گھروں کی حالت دیکھتے ہی بنتی تھی وہ چاروں طرف سے جھکے ہوئے تھے۔ ان میں کئی درازیں تھیں جو کیچڑ سے بھر دی گئی تھیں۔ کھڑکیوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ سارے دروازے اپنے قبضے سے باہر تھے۔ کسی طرح انھیں رسّی سے باندھ دیا گیا تھا۔ روشن سوچنے لگی وہ کہاں جائے؟

سڑک کے موڑ پر اُسے ایک آم والا دکھائی دیا۔ اس کے بعد وہ گانو کے سرپنچ مسٹر ہل رول کے پاس پہنچی۔ مسٹر ہل رول نے اسے مکان کی صفائی کرنے کا حکم دیا۔ روشن نے جلد ہی اس کے حکم کی تعمیل کی اور مکانوں کو صاف کرنا شروع کر دیا مگر باورچی خانے کی بدبو سے اس کی ناک پھٹنے لگی۔ ناک دبا کر اس نے ٹوکری اٹھائی اور باغ کی طرف دوڑ پڑی۔ اس نے درختوں پر روٹی پنیر لٹکتے دیکھا۔ وہ آرام سے انھیں ٹوکری میں بھرنے لگی۔

جب وہ کمرے پر پہنچی تو مسٹر ہل رول نے پوچھا۔ اتنی دیر کہاں لگا دی؟ روشن نے ٹوکری اس کے سامنے رکھ دی۔ وہ جانور کی طرح اس پر ٹوٹ پڑا۔ کچھ ہی پل میں آدھی ٹوکری صاف کر دی اور بچی ہوئی چیزوں سے روشن کو مارنا شروع کر دیا۔ ایسا کیوں کرتے ہیں؟ روشن نے پوچھا۔

"کھانے کے لیے میں اس طرح اپنا من بہلاتا ہوں، یہ میری عادت ہے"۔ "میں مجبور ہوں"

"یہ بدتمیزی ہے یا مجبوری؟" روشن دکھ سے چلّا اٹھی۔

مسٹر ہل رول نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور روشن کو مارنا شروع کر دیا۔

> ماں : (بیٹے سے) میری خاطر دوا پی لو۔ دیکھو میں تمھاری خاطر ہر کام کرتی ہوں۔
> ننھا : ہر کام؟
> ماں : ہاں بیٹا ہر کام۔
> ننھا : تو یہ کام بھی میری خاطر کر دیجیے۔ یہ دوا آپ خود ہی پی لیں۔

"آپ میرے ساتھ ایسا بُرا برتاؤ کیوں کر رہے ہیں" درد سے تڑپ کر روشن نے پوچھا۔

"میں مجبور ہوں"، "میں اپنی خدمت کرنے والوں کو ایسا ہی انعام دیتا ہوں"۔ مسٹر ہل رول نے کہا۔

اس کے بعد اس نے پھر ڈنڈا اٹھایا۔ روشن جان بچانے کے لیے پیچھے بھاگی۔ وہ اپنے آپ سے کہتی جا رہی تھی۔ میں اس خطرناک جملے کا کیوں استعمال کرتی تھی۔ اس بیوقوفی کی وجہ سے میں اس خطرناک ملک میں آپھنسی۔ اگر یہ لوگ "میں مجبور ہوں" کہنا چھوڑ دے تو اچھے بن سکتے ہیں۔ روشن پاگلوں کی طرح دوڑتی گئی۔ یکایک وہ رک گئی اور خوشی سے چلّا اٹھی۔ ارے میرا ٹوٹا بلوط کا درخت وہ رہا۔ وہ دوڑ کر اس درخت کے نیچے پہنچی اور درخت کے تنے سے لپٹ گئی۔ اسے اپنا راستہ مل گیا تھا کچھ ہی پل میں وہ اپنے گھر پہنچ گئی۔ گھر پر ماں اس کا راستہ دیکھ رہی تھی۔ میری پیاری ماں کہتی ہوئی روشن ماں کے سینے سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنی ماں کو ساری کہانی سنائی پھر اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ ماں میں نے بڑا دکھ اٹھایا۔ مگر مجھے ایک بہت بڑی نصیحت بھی ہو گئی۔ اب میں کبھی بھی نہیں کہوں گی "میں مجبور ہوں"

اب میں سمجھ گئی مجبوری کوئی چیز نہیں ہے

ایک بد صورت آدمی اپنے دوست سے کہہ رہا تھا، میرا گھوڑا کسی چیز سے نہیں ڈرتا، خواہ وہ کتنی ہی ڈراؤنی کیوں نہ ہو۔"
دوست نے ہنستے ہوئے کہا، "تمہیں دیکھنے کا عادی ہوگیا ہے۔"

بلکہ یہ بیماری ہے اس کا علاج ڈاکٹر کے بغیر انسان خود کر سکتا ہے۔

محمد خورشید عالم، قلندریہ اردو ہائی اسکول سنگرول بیر

دوست دشمن کی پہچان

ایک شیر کو بھوک لگ رہی تھی۔ اُسے تین چار دن سے شکار نہیں ملا تھا اس نے سوچا کہ اگر دو ایک روز اور کھانے کو نہ ملا تو جان کی خیر نہیں۔ اتنے میں اسے ایک بکرا دکھائی دیا جو بہت کمزور تھا۔ پہاڑی بکرے تو ٹیلوں پر آسانی سے چڑھ سکتے ہیں مگر شیر نہیں چڑھ سکتا۔ شیر نے سوچا اگر میں اوپر نہیں جا سکتا تو بکرے کو نیچے بلانا چاہیے۔ وہ بولا "بکرے میاں سلام کہو بھوکے تو نہیں ہو؟" بکرے نے جواب دیا صاحب کیا پوچھتے ہو؟ میں تو بہت بھوکا ہوں۔ یہاں ٹیلے کی چوٹی پر گھاس تو ہے مگر سوکھی ہوئی۔ کھانے کا مزا نہیں آتا۔ شیر نے کہا، پھر نیچے کیوں نہیں آتے دیکھو۔ یہاں ہری ہری گھاس ہے آؤ اور خوب کھاؤ، آج سے ہم تمہارے دوست ہیں۔" بکرے نے سوچا کہ بھلا بکرے اور شیر کا کیا میل۔ وہ بولا، صاحب آپ کا بھلا ہو، آپ بڑے اچھے ہیں پر میرے لیے یہ خشک گھاس بھلی ہے۔ آپ کی سبز گھاس آپ کو مبارک ہو۔ میں نیچے اتر کر گھاس تو کیا کھاؤں گا ہاں آپ کا لقمہ ضرور بن جاؤں گا۔"

یہ سُن کر شیر اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

محمد افتخار ۔ ہائی اسکول ۔ جگتیال

سیدھے ہاتھ میں قرآن ہوگا بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ — سر سید احمد خاں

ماہنامہ

پیام تعلیم

نئی دہلی

مئی ۱۹۹۵ء جلد ۴۳ شمارہ ۵

فی پرچہ	4/50	سالانہ	40/-
سرکاری اداروں سے			55/- روپے

وی پی منگانے کی صورت میں مزید ۱۰ روپے خرچ آئے گا

غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/- روپے

اڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں سے باتیں

آپ سب کو عید قرباں مبارک

اس بار ہم آپ کے لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ پیش کر رہے ہیں۔ اسے آپ خود بھی پڑھیے اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بھی پڑھوائیے اس میں آپؐ نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کیجیے تاکہ آپ کی دنیا اور عاقبت سدھر سکے۔

اس بار ہم نے چند ناگزیر حالات کی وجہ سے آپ کا پیام تعلیم نہایت عجلت میں ترتیب دیا ہے۔ کئی اہم مضامین جو ہم شامل کرنا چاہتے تھے وہ بھی شامل نہیں کر سکے۔ انھیں آیندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں۔

آج کل ملک میں کاغذ کا قحط پڑا ہوا ہے جو مل رہا ہے اس کے نرخ آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ ہم نے پچھلے ماہ آپ سے درخواست کی تھی کہ اپنے دوستوں کو اس کا خریدار بنائیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہمارے چند پیامیوں نے ایک ایک دو دو خریدار بنائے۔ جبکہ دکنی کوٹہ دھرماپوری (تامل ناڈو) کے ایک اردو کے استاد جناب غوث خاں نے کئی خریدار فراہم کیے۔ ہم جناب غوث خاں صاحب کے شکر گزار ہیں۔ کاش ہم کو ایسے ہی چند اور اردو دوست مل جائیں۔

پبلشر [illegible] نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

حکیم نعیم الدین زبیری

سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ
منشورات انسانیت

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری حج کے موقع پر کم وبیش ایک لاکھ انسانوں کے درمیان مکہ سے متصل انبیاء کی مبارک سرزمین پر واقع میدانِ عرفات میں جبل رحمت پر استادہ ہو کر ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔

یہ خطبہ اسلام کے انفرادی اور اجتماعی اخلاقیات اور اصولِ شریعت کا ایک جامع ضابطہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ حقوقِ انسانی کے ایک عالمی منشور کی حیثیت رکھتا ہے جسے جاری کیے ہوئے اب چودہ سو سال ہو گئے، مگر اس سلسلے میں اس خطبے میں دی ہوئی ہدایات پر کوئی اضافہ نہیں کیا جا سکا، نہ آیندہ کیا جا سکے گا۔ اس لحاظ سے صاحب جوامع الکلم اور افصح العرب والعجم کے فرمائے ہوئے یہ الفاظ حرفِ آخر ہیں اور اس بنا پر اس خطبے کو ایک دائمی انسانی منشور (ہیومن چارٹر) قرار دینا چاہیے۔

ان تمام اسباب سے اس خطبے کی اشاعت ایک عظیم سعادت ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ہمیں یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ سرکارِ دوعالمؐ (فداہ ابی وامی) نے خود اس خطبے کے آخر میں ارشاد فرما دیا ہے کہ اس خطبے کو زیادہ سے زیادہ لوگوں کو پہنچایا جائے، حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل اسلام کی تخصیص بھی نہیں فرمائی۔ چناں چہ سارے عالم میں اس خطبے کی اشاعت کا فرض ہم پر عائد ہوتا ہے۔ ہم بارگاہِ رب العزت میں شکر گزار ہیں کہ اس حکم کی تعمیل کی توفیق بھی نصیب ہو رہی ہے۔ پڑھنے والوں سے درخواست ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچائیں۔

خطبہ حجۃ الوداع

حج کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرفات تشریف لائے اور آپ نے نمرہ میں قیام
فرمایا۔ جب سورج ڈھلنے لگا تو آپ نے قصوا (اپنی اونٹنی) کو لانے کا حکم فرمایا۔ اونٹنی
تیار کر کے حاضر کی گئی، تو آپ اس پر سوار ہو کر بطن وادی میں تشریف فرما ہوئے اور
اپنا وہ خطبہ ارشاد فرمایا، جس میں دین کے اہم امور بیان فرمائے۔

آپ نے خدا کی حمد و ثنا کرتے ہوئے خطبے کی یوں ابتدا فرمائی:
"خدا کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے، وہ یکتا ہے کوئی اس کا ساجھی نہیں۔ خدا
نے اپنا وعدہ پورا کیا اس نے اپنے بندے (رسولؐ) کی مدد فرمائی اور تنہا اسی کی
ذات نے باطل کی ساری مجتمع قوتوں کو زیر کیا۔

لوگو! میری بات سنو، میں نہیں سمجھتا کہ آئندہ کبھی ہم اس طرح کسی مجلس میں
یکجا ہو سکیں گے (اور غالباً اس سال کے بعد میں حج نہ کر سکوں گا۔)

لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "انسانو! ہم نے تم سب کو ایک ہی مرد و عورت
سے پیدا کیا ہے اور تمہیں جماعتوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا کہ تم الگ الگ پہچانے جا سکو۔
تم میں زیادہ عزت و کرامت والا خدا کی نظروں میں وہی ہے۔ جو خدا سے زیادہ ڈرنے
والا ہے" چنانچہ اس آیت کی روشنی میں نہ کسی عرب کو عجمی پر کوئی فوقیت حاصل ہے،
نہ کسی عجمی کو کسی عرب پر، نہ کالا گورے سے افضل ہے، نہ گورا کالے سے۔ ہاں بزرگی اور
فضیلت کا کوئی معیار ہے تو وہ تقوا ہے۔

انسان سارے ہی آدم کی اولاد ہیں اور آدم کی حقیقت اس کے سوا کیا ہے کہ وہ
مٹی سے بنائے گئے۔ اب فضیلت و برتری کے سارے دعوے، خون و مال کے سارے
مطالبے اور سارے انتقام میرے پاؤں تلے روندے جا چکے ہیں۔ بس بیت اللہ کی تولیت
اور حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمات علی حالہ باقی رہیں گی۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا۔

قریش کے لوگو! ایسا نہ ہو کہ خدا کے حضور میں تم اس طرح آؤ کہ تمہاری گردنوں پر تو
دنیا کا بوجھ لدا ہو اور دوسرے لوگ سامان آخرت لے کر پہنچیں، اور اگر ایسا ہوا تو
میں خدا کے سامنے تمہارے کام کچھ نہ آ سکوں گا۔

قریش کے لوگو! خدا نے تمہاری جھوٹی نخوت کو ختم کر ڈالا۔ اور باپ دادا کے کارناموں پر تمہارے فخر و مباہات کی کوئی گنجایش نہیں۔ لوگو! تمہارے خون و مال اور عزتیں ایک دوسرے پر قطعاً حرام کر دی گئیں، ہمیشہ کے لیے۔ ان چیزوں کی اہمیت ایسی ہی ہے جیسی تمہارے اس دن کی۔ اور اس مبارک (ذی الحجہ) کی خاص کر اس شہر میں ہے تم سب خدا کے آگے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس فرمائے گا۔

دیکھو کہیں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ آپس ہی میں کشت و خون کرنے لگو۔

اگر کسی کے پاس امانت رکھوائی جائے تو وہ اس بات کا پابند ہے کہ امانت رکھوانے والے کو امانت پہنچا دے۔

لوگو! ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور سارے مسلمان آپس میں بھائی ہیں۔ اپنے غلاموں کا خیال رکھو، انھیں وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو، ایسا ہی پہناؤ جیسا تم پہنتے ہو۔

دورِ جاہلیت کا سب کچھ میں نے اپنے پیروں سے روند دیا۔ زمانہ جاہلیت کے خون کے سارے انتقام اب کالعدم ہیں، پہلا انتقام جسے میں کالعدم قرار دیتا ہوں میرے اپنے خاندان کا ہے۔ ربیعۃ بن الحارث کے دودھ پیتے بیٹے کا خون جسے بنو ہذیل نے مار ڈالا تھا، اب میں معاف کرتا ہوں، دورِ جاہلیت کا سود اب کوئی حیثیت نہیں رکھتا، پہلا سود جسے میں چھوڑتا ہوں عباس بن عبد المطلب کے خاندان کا سود ہے، اب یہ ختم ہو گیا۔

لوگو! خدا نے ہر حقدار کو اُس کا حق خود دے دیا، اب کوئی کسی وارث کے لیے وصیت نہ کرے۔

بچہ اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا جس کے بستر پر وہ پیدا ہوا، جس پر حرام کاری ثابت ہو اس کی سزا پتھر ہے۔ حساب و کتاب خدا کے ہاں ہوگا۔

جو کوئی اپنا نسب بدلے گا یا کوئی غلام اپنے آقا کے مقابلے میں کسی اور کو اپنا آقا ظاہر کرے گا، اس پر خدا کی لعنت۔

قرض قابل ادائی ہے۔ عاریتاً لی ہوئی چیز واپس کرنی چاہیے، تحفے کا بدلہ دینا چاہیے اور جو کوئی کسی کا ضامن بنے وہ تاوان ادا کرے۔

کسی کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی سے کچھ لے، سوائے اس کے جس پر

اس کا بھائی راضی ہو اور خوشی خوشی دے۔ خود پر اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو۔

عورت کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے شوہر کا مال اس کی بغیر اجازت کسی کو دے۔

دیکھو! تمہارے اوپر تمہاری عورتوں کے کچھ حقوق ہیں۔ اسی طرح ان پر تمہارے حقوق واجب ہیں۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ اپنے پاس کسی ایسے شخص کو نہ لائیں جسے تم پسند نہیں کرتے اور وہ کوئی خیانت نہ کرے، کوئی کام کھلی بے حیائی کا نہ کریں اور اگر وہ ایسا کریں تو خدا کی جانب سے تمھیں اس کی اجازت ہے کہ تم انھیں معمولی جسمانی سزا دو اور وہ باز آجائیں تو انھیں اچھی طرح کھلاؤ پہناؤ

عورتوں سے بہتر سلوک کرو کیوں کہ وہ تو تمہاری پابند ہیں اور خود اپنے لیے وہ کچھ نہیں کرسکتیں، چناں چہ ان کے بارے میں خدا کا لحاظ رکھو کہ تم نے انھیں خدا کے نام پر حاصل کیا۔ اور اسی کے نام پر وہ تمہارے لیے حلال ہوئیں۔ لوگو! میری بات سمجھ لو، میں نے حق تبلیغ ادا کردیا۔

میں تمہارے درمیان دو ایسی چیزیں چھوڑ جاتا ہوں کہ تم کبھی گمراہ نہ ہوسکوگے اگر ان پر قائم رہے، اور وہ خدا کی کتاب اور میرے اہل بیت ہیں، اور ہاں دیکھو دینی معاملات میں غلو سے بچنا کہ تم سے پہلے کے لوگ انہی باتوں کے سبب ہلاک کردیے گئے۔

شیطان کو اب اس بات کی کوئی توقع نہیں رہ گئی ہے کہ اب اس کی اس شہر میں عبادت کی جائے گی۔ لیکن اس کا امکان ہے کہ ایسے معاملات میں جنھیں تم کم اہمیت دیتے ہو اس کی بات مان لی جائے اور وہ اسی پر راضی ہے اس لیے تم اس سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کرنا۔

لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو، پانچ وقت کی نماز ادا کرو۔ مہینے بھر کے روزے رکھو، اپنے مالوں کی زکوٰۃ خوش دلی کے ساتھ دیتے رہو، اپنے خدا کے گھر کا حج کرو، اور اپنے اہل امر کی اطاعت کرو تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہوجاؤ گے۔

اب مجرم خود ہی اپنے جرم کا ذمے دار ہوگا اور اب نہ باپ کے بدلے بیٹا پکڑا جائے گا، نہ بیٹے کا بدلہ باپ سے لیا جائے گا۔

سنو، جو لوگ یہاں موجود ہیں انھیں چاہیے کہ یہ احکام اور یہ باتیں ان لوگوں

کو بتا دیں جو یہاں نہیں ہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا ہو۔

اور لوگو! تم سے میرے بارے میں (خدا کے ہاں) سوال کیا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے جواب دیا کہ ہم اس بات کی شہادت دیں گے کہ آپ نے امانت (دین) پہنچا دی اور آپ نے حق رسالت ادا فرما دیا۔ اور ہماری خیر خواہی فرمائی۔

یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگشت شہادت آسمان کی جانب اٹھائی اور لوگوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تین مرتبہ فرمایا "خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا! خدایا گواہ رہنا!"

(مشکل الفاظ کے معنی)

لفظ	معنی
استادہ ہو کر	کھڑے ہو کر
جامع ضابطہ	مکمل قاعدہ، قانون
عالمی منشور	دنیا وی فرمان، اعلان
جوامع الکلم	جامع کی جمع جوامع۔ کلام کی جمع کلم یعنی اچھی اچھی باتوں کے جمع کرنے والے اور بولنے والے
افصح العرب والعجم	عرب اور دیگر ممالک میں سب سے زیادہ خوش گو اور بہترین زبان جاننے والے
حرف آخر	آخری بات
فداہ ابی وامی	آپ پر ماں باپ قربان
تخصیص	خصوصیت
مجتمع	اکٹھی
تولیت	حاکم۔ انتظام
علیٰ حالہ	اس کی حالت پر یعنی جس کے پاس جو انتظام ہے وہی کرے گا۔
نخوت	غرور
فخر و مباہات	ناز کرنا
بازپرس	پوچھ گچھ کرنا
کشت و خون	قتل و غارت گری
کالعدم	نہ ہونے کے برابر
عاریتاً لی ہوئی چیز	مانگے کی چیز
غلو	بڑھا چڑھا کر کہنا
اہل بیت	گھر والے حضورؐ کے نہایت قریبی رشتہ دار
اہل امر	حاکم
انگشت شہادت	سیدھے ہاتھ کی پہلی انگلی جسے نماز میں اٹھاتے ہیں اور توحید و رسالت کی گواہی دیتے ہیں

آنجہانی مدھوسدن واسودیو دیراشی
(مراٹھی سے اردو ترجمہ: ڈاکٹر عصمت جاوید)

ڈاکٹر ذاکر حسین کی تعلیمی خدمات

صدر جمہوریہ ہند ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر ذاکر حسین کا نام نامی اور اسم گرامی تاریخ ہند کے اوراق میں ہمیشہ کے لیے ثبت ہوگیا ہے۔ انھوں نے سیاست کو نہیں بلکہ سیاست نے انھیں قبول کرلیا تھا لیکن دراصل وہ بنیادی طور پر ایک معلم تھے۔ پیشے کے اعتبار سے بھی اور اپنی افتاد طبیعت کے باعث بھی، ان کی تعلیمی خدمات ان کی سیاست کا حصّہ نہیں ہے بلکہ سیاست ان کی تعلیمی خدمات کا حصّہ ہے۔ وہ مئی کی تین تاریخ کو ہم سے ہمیشہ کے لیے رخصت ہو گئے اور ہر سال اسی تاریخ کو ان کی برسی منائی جاتی ہے۔ ایسے موقع پر ان کی تعلیمی خدمات کا ذکر صحیح معنوں میں ان کی روح کو خراج عقیدت پیش کرنے کے مترادف ہوگا۔

ایک مرتبہ نائب صدر جمہوریہ کی حیثیت سے طلبہ کے ایک جلسے کو مخاطب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا تھا۔

"اگر میرا بس چلتا تو میں عمر بھر مدرسی کے پیشے کو اپنائے رکھتا۔"

۱۳ مئی ۱۹۶۷ء کو صدارت کا عہدہ سنبھالتے ہوئے انھوں نے اپنے دلی تاثرات ان الفاظ میں بیان کیے تھے۔

"اگر میں یہ کہوں تو غیر مناسب نہ ہوگا کہ یہ اعزاز ایک ایسے مدرس کو دیا جارہا ہے جس نے سینتالیس سال قبل یہ عزم کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کے پُربہار دن برادرانِ وطن کو قومی تعلیم دینے میں گزار دے گا۔ یہ اعزاز اس بات کی سند ہے کہ تعلیم اور قومی محاسن کے درمیان ایک اٹوٹ رشتہ ہے۔ میری ذاتی رائے

ہے کہ تعلیم قومی ترقی کا اعلاترین بنیادی ذریعہ ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے مجھے یہ اعزاز دے کر میری اس رائے کی تائید کی ہے،،

ڈاکٹر ذاکر حسین کو تعلیم سے دلی عقیدت تھی یہی نہیں بلکہ ان کا اصرار تھا کہ اسے ملکی حالات کے عین مطابق ہونا چاہیے۔ علی گڑھ کے اس وقت کے مغربی ماحول میں طالب علمی کے ماہ وسال گزارنے کے بعد بھی جب انسان میں اثر پذیری کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے، وہ غیر ملکی خیالات و تصورات کی چمک دمک سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔ ان کا یہ اعتقاد سا بن گیا تھا کہ ہندستان پر انگریزی تعلیم کے اثرات کو تسلیم کرنے کے باوجود، انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کا جوا گردن سے نکال پھینکنا چاہیے۔ انھیں اس بات کا صرف افسوس ہی نہیں تھا بلکہ چڑھ تھی کہ انگریزی داں حضرات ملک میں اپنا ایک خود غرض، تنگ نظر اور قومی دھارے سے کٹ کر زندگی گزارنے والا طبقہ پیدا کرنے کے خواہش مند ہیں۔

اسی لیے بنیادی طور پر روحانیت اور داخلی رجحانات کے حامل اس مدبر نے ۱۹۲۰ء میں مہاتما گاندھی کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے قومی تعلیم کے دھارے میں خود کو ڈال دیا تھا۔ وہ مسلم طلبہ کو قومی تعلیم دینے والے ادارہ جامعہ ملیہ اسلامیہ سے زندگی بھر کے لیے عقیدت مندی کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ ان کا اصرار تھا کہ قومی تعلیم کی نہ صرف ایک ثقافتی بنیاد ہونی چاہیے، نہ صرف اس کا روزمرہ کی زندگی سے گہرا تعلق ہونا چاہیے اور اس کے ذریعے "حرمت کار" کا تصور پیدا ہونا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ تعلیم کی بنیاد دنیا کے جدید ترین تصورات پر بھی قائم ہونی چاہیے۔ ان کے ذاتی مشاہدے نے انھیں یہ احساس دلایا تھا کہ ملک میں انگریزوں کا قائم کردہ نظام تعلیم اس نقطۂ نظر سے بالکل ناقص ہے۔

وہ صرف قومی تعلیم کی خواہش کو اپنے سینے سے لگائے خاموش بیٹھے نہیں رہے بلکہ اس کے نفاذ و شیوع کے لیے انھوں نے خود کو باقاعدگی سے تیار کیا اور مغرب کے ایک تعلیم یافتہ ملک میں تحقیقات کرکے پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کرنے کے ارادے سے انگلستان کی طرف روانہ ہونے والا یہ نوجوان اپنا رُخ بدل کر جرمنی میں داخل ہوگیا۔ وہاں محنت کرکے اس نے معاشیات میں

ریسرچ کی سند حاصل کی اور اس پر ماہرین سے خراج تحسین وصول کیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین کی شخصیت جرمنی کے تین سالہ قیام کے دوران کئی لحاظ سے پختہ تر ہوئی۔ وہاں کئی مغربی علما کی صحبت میں یورپی آرٹ، موسیقی، ادبیات اور سماجی افکار سے انھوں نے اثرات قبول کیے اور اس طرح تعلیم سے متعلق اپنے طرز فکر کو صحیح معنوں میں جدید بنایا۔ ان کا نقطۂ نظر "عقلی" Ration بنا اور ان کے خیالات میں ایک حیرت انگیز توازن پیدا ہوا۔

اس طرز فکر پر اپنی شخصیت کو شعوری طور پر ڈھالتے ہوئے ڈاکٹر ذاکر حسین نے اپنے وطن کی تعلیمی اور سماجی ذمّے داریوں کو کبھی فراموش نہیں کیا۔ جرمنی میں ان کا حلقۂ احباب وسیع تھا۔ اس میں مختلف موضوعات پر بحثیں ہوتیں جن میں کئی اور ہندستانی اور جرمن نوجوان بھی شریک ہوتے۔ ان سبھوں نے غیر شعوری اور غیر رسمی طور پر ڈاکٹر ذاکر حسین کو اپنا پیر و مرشد تسلیم کرلیا تھا۔ وہ اپنے اکثر مسلم اور جرمن دوستوں کو جامعہ ملیہ کی سرگرمیوں سے واقف کراتے رہتے اور انھیں قومی تعلیم کی ترویج میں سرگرم حصّہ لینے پر آمادہ کرتے۔ انھوں نے اسکینڈی نیویا کا سفر کرکے وہاں بھی اپنا حلقۂ احباب پیدا کیا اور رسالوں میں گاندھی جی پر مقالات لکھ کر اور اپنی سلسلۂ تقاریر کے ذریعے انھوں نے گاندھی جی کے تعلیمی نظریات کو شہرت دی اور اس طرح کئی علم دوست افراد کا تعاون حاصل کیا۔ اتنا ہی نہیں بلکہ جرمنی میں یتیم یہودی بچوں کی پرورش گاہ چلانے والی ایک سماجی خدمت گزار خاتون گیرڈا فلپس بارن تو اس قدر متاثر ہوئی کہ اس نے نہ صرف جرمنی میں جامعہ کے لیے کام کیا بلکہ بہ نفس نفیس ہندستان آکر وہ اس ادارے کی خدمت میں جٹ گئی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین جب تک جرمنی میں رہے ان کے دل میں یہی ایک عزم کارفرما تھا کہ انھیں جامعہ ملیہ کے ذریعے قومی تعلیم کے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ انھوں نے وہاں کے پروجیکٹ میتھڈ Project-method جیسے جدید تعلیمی تجربے کا قریب سے مشاہدہ کیا اور اپنے دل میں تعلیم سے متعلق کئی واضح تصورات اور خاکے بناکر ہندستان لوٹے اور اپنے محبوب تعلیمی ادارے

کے ساتھ ایک جان دو قالب ہو گئے۔

اعلا تعلیم سے آراستہ اور نئے نئے تجربوں سے پیراستہ اس وطن دوست نوجوان کا ہندستان میں پرجوش استقبال کیا گیا۔ جامعہ ملیہ میں "شیخ الجامعہ" کی حیثیت سے ان کا انتخاب عمل میں آیا۔ انھوں نے انتیس برس کی عمر ہی میں اور اسّی روپے ماہانہ قلیل مشاہرے پر یہ ذمے داری سنبھالی لیکن یہ کانٹوں کا تاج تھا۔ دو تین سال کے عرصے میں، جب ڈاکٹر صاحب جرمنی میں تھے اس ادارے کی حالت ہر اعتبار سے ناگفتہ بہ بن گئی تھی۔ یہ ادارہ بند ہی ہونے والا تھا لیکن گاندھی جی کے اصرار پر اسے جاری رکھا گیا تھا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے نہ صرف اس چیلنج کو قبول کیا بلکہ اپنی تیس سالہ بے لوث خدمات سے جامعہ کی قلب ماہیت کردی۔ پہلے یہ ادارہ علی گڑھ سے دہلی منتقل ہوا اور آخر میں اوکھلا کے قریب ڈاکٹر انصاری کی عطا کی ہوئی پچاس ایکڑ قطعہ آراضی پر "جامعہ نگر" آباد ہوا۔ وہاں تحتانی وسطانی اور فوقانی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ ۱۹۳۸ء میں اس ادارے میں بنیادی تعلیم کے کالج کا اضافہ کیا گیا اور ایک مطبع بھی قائم کیا گیا جس میں چھپائی کی جدید طرز کی مشین نصب تھی اور جہاں سے کئی کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آچکی ہیں۔ جلد ہی جامعہ کو یونی ورسٹی کا درجہ ملا جو آج بھی اس علم دوست "بھارت رتن" کی حقیقی اور ابدی یادگار کے طور پر قائم و دائم ہے۔

یہ سب کچھ آسانی سے نہیں ہوا۔ اس کے لیے ڈاکٹر صاحب اور ان کے عقیدت مند ساتھیوں کو بھی انتھک کوششوں اور قربانیوں سے کام لینا پڑا۔ ان کے کئی رفقائے کار انھیں کی طرح مغربی تعلیم سے آراستہ تھے پھر بھی عزت اور محبت جاہ سے منہ موڑ کر انھوں نے اس ادارے کے لیے اپنا سب کچھ وقف کر دیا تھا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے دیرینہ ثقافتی قدروں کی پاسداری کرتے ہوئے جدید طرز تعلیم پر مبنی "پروجیکٹ میتھڈ" جیسے کئی دلیرانہ تجربے یہاں کامیابی سے کیے اور صرف ہندستان ہی میں نہیں بلکہ غیر ملکوں میں اس ادارے کے چرچے ہونے لگے جہاں سے کئی طلبہ تعلیم حاصل کرنے کے لیے یہاں آنا شروع ہوئے۔ غیر ملکی ماہرین کی وہ جلد ہی زیارت گاہ بن گیا۔ ان ماہرین کے تجربوں اور علم سے اس ادارے نے کھلے دل سے استفادہ

گیا۔ ہندستان کے بڑے بڑے رہنما جامعہ کے والہ و شیدا ہو گئے۔ ڈاکٹر ذاکر حسین نے اگر ایک طرف اس ادارے کو سیاسیات سے دور رکھا تو دوسری طرف اس بات کا بھی بطورِ خاص خیال رکھا کہ یہیں سے آزادی کے سپاہی تیار ہوں۔

اس خادمِ قوم ماہرِ تعلیم کی صلاحیتیں صرف جامعہ تک کے لیے محدود رہ سکتی تھیں؟ مہاتما گاندھی کے ہمہ گیر فلسفے کی ان کے ذہن پر گرفت تو تھی ہی، ۱۹۳۸ء میں انھیں "ہندستانی تعلیمی سنگھ" کا صدر منتخب کیا گیا "واردھا منصوبہ" کے نام سے جو نظامِ تعلیم منظرِ عام پر آیا اس کا خاکہ ڈاکٹر ذاکر حسین ہی نے تیار کیا تھا اور اس کی قیادت بھی کی تھی۔ کسی پیشے کو علم کا دروازہ سمجھ کر اسے اختیار کرنا اور اسی کے توسط سے علم، روزگار اور تعلیم کا خرچ یہ تینوں مقاصد حاصل کرنا۔ یہ تھا اس منصوبے کا بنیادی مقصد۔

آزاد ہندستان میں ۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر صاحب کو ایک اور ذمے داری سونپی گئی۔ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر کی حیثیت سے ان کا تقرر عمل میں آیا۔ اس عہدے کو انھوں نے بڑی قابلیت سے سنبھالا۔ انھوں نے فرمایا تھا۔

"میرے خیال میں اس یونی ورسٹی کو ہندستان کی قومی زندگی کے ارتقا میں ایک بڑا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اگر یہ میری رائے نہ ہوتی تو میں جامعہ کے جس کام میں فکری اور جذباتی اعتبار سے غرق تھا، اس کام کو چھوڑ کر علی گڑھ آیا ہی نہ ہوتا۔" یہاں بھی انھوں نے اپنی مسلسل کوششوں سے اس یونی ورسٹی کی نہ صرف مالی حالت بہتر کی بلکہ اس میں کئی نئے علمی شعبوں کا اضافہ کیا۔ طلبہ و اساتذہ کے مابین تعلقات استوار کیے اور اپنی آٹھ سالہ کارکردگی میں سارے ماحول میں ایک نئی روح پھونک دی۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نے یونیسکو میں ہندستان کی نمایندگی کی۔ یونی ورسٹی گرانٹس کمیشن کی رکنیت پر فائز رہے اور کئی تعلیمی انجمنوں کی نمایندگی کرتے ہوئے انھوں نے ہندستان میں تعلیم کی بعض تعمیر کے سلسلے میں رہنمائی کا کام انجام دیا۔
ڈاکٹر ذاکر حسین کی خدمات کی قدر و قیمت کا پورا پورا اندازہ لگانے کے لیے صرف اتنا کچھ کہنا کافی نہیں ہوگا۔ وہ ایک مفکر اور ادیب بھی تھے۔ چھوٹے چھوٹے

بچوں کے لیے ان کی لکھی ہوئی دلچسپ اور اخلاق آموز کہانیاں مثلاً ابو خاں کی بکری وغیرہ ادب الاطفال میں بیش بہا اضافہ ہیں۔ انھوں نے چند یورپی ماہرین اقتصادیات کی کتابوں کے ترجمے اردو میں کیے ہیں اس سلسلے میں افلاطون کی 'ری پبلک' کا اردو ترجمہ خاصے کی چیز ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین نے تعلیم کے موضوع پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کی تعلیمی خدمات ہی کی طرح ہندستان کو ایک بہت بڑی عطا ہے۔ ان کا ایقان تھا کہ تعلیم جمہوری زندگی کی روح ہے۔ روایات کا عرفان، ان میں اچھے اور برے ہونے کا امتیاز اور مستقبل پر رکھ کر ان کو علمی جامہ پہنانے کی صلاحیت، یہ سب کچھ تعلیم ہی کے ذریعے ممکن ہے۔ وہ اس بات پر مصر تھے کہ تعلیم کو صرف کتابی علم تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ عملی تجربے پر اس کا زور ہو اور وہ ہمہ جہتی ہو۔ وہ یونی ورسٹیوں کو نت نئے تصورات کی آماجگاہ سمجھتے تھے جہاں قدم قدم پر ذوق تجسس اور چیلنج کی موجودگی ضروری ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ سماج کو یونی ورسٹی کے لیے ایسا آزادانہ ماحول مہیا کرنا چاہیے جس میں رائج الوقت تصورات کی کڑی چھان بین، تلاش حقیقت کی دھن اور صداقت، سمجھوتہ نہ کرنے کی ہمت ہمارے دل و دماغ میں سرایت کر جا۔

وہ تعلیم کو سیاست پر فوقیت دیتے تھے۔ وہ پُر زور الفاظ میں کہا کرتے۔
"قوم کی قسمت سیاست کے تنگ شگافوں سے طلوع نہیں ہوتی بلکہ تعلیم کے صدر دروازے سے داخل ہوتی ہے"

یہ ہیں وہ تعمیری، روشن اور زندۂ جاوید خیالات جو زندگی کے ہر موڑ پر رہنمائی کرتے رہیں گے۔

ترجمہ: محمود شاہد

کامیاب زندگی کا راز

علامہ جلال الدین سیوطی کی تصنیف... محمد عربی کی روشن باتیں

ایک مرتبہ جناب رسالت مآبؐ کی خدمت مبارک میں ایک سائل (شخص) حاضر ہوا۔ اس وقت آپ حمد و ثنا میں مصروف تھے۔ جب فارغ ہوئے تو ایک شخص کو اپنا انتظار کرتے ہوئے پایا۔

(پھر آنحضرت اور اس شخص کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی۔)

سائل..... اے محمدؐ آپ پر اللہ کی سلامتی ہو۔

آنحضرتؐ..... اے اللہ کے بندے! تم پر بھی اللہ کی سلامتی ہو (وقفے سے) کیا چاہتے ہو؟

سائل..... اے اللہ کے برحق نبیؐ! میں دنیا اور آخرت میں سرخرو ہونا چاہتا ہوں..... اس سلسلہ میں آپ کے نیک مشورے لینا چاہتا ہوں..... کیوں کہ آپ ہی دنیا کے کامل اور عظیم انسان ہیں۔

(ذرا توقف کے بعد)

کیا آپ کی اجازت ہے؟

آنحضرتؐ..... (نہایت نرمی سے) انشاء اللہ!

سائل..... جناب! میری خواہش ہے کہ ایک بڑا عالم بن جاؤں۔

آنحضرتؐ..... تو اللہ سے ڈرتا رہ، بس بڑا عالم بن جائے گا یعنی اللہ کا خوف اور اس کے حکموں پر عمل۔ اس سے علم و حکمت کے خزانے اللہ تمھیں خود ہی فراہم کر دے گا۔

سائل..... میں چاہتا ہوں کہ دولت مند بن جاؤں۔

آنحضرتؐ..... تو قناعت اختیار کر، مالدار ہو جائے گا۔

سائل..... میری خواہش ہے کہ سب سے بہتر شخص بن جاؤں۔

آنحضرتؐ..... تو سنو! سب سے بہتر اور اچھا وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔

سائل..... میں سب سے "عادل" بننا چاہتا ہوں تاکہ دنیا میں مجھ جیسا کوئی "عادل" نہ ہو۔

آنحضرتؐ..... اگر تو سب کے لیے وہی پسند کرے گا جو اپنے لیے پسند کرتا ہے تو سب سے زیادہ منصف اور عادل شخص بن جائے گا۔

سائل..... میں اللہ کے دربارِ عظیم میں "مقرب" (اللہ کے قریب) بننا چاہتا ہوں۔

آنحضرتؐ..... صدقِ دل سے ذکرِ الٰہی میں مصروف رہ تو تیری خواہش پوری ہو جائے گی۔

سائل..... میں محسنوں اور نیکوکاروں میں سے ہونا چاہتا ہوں... کیا حکم ہے؟

آنحضرتؐ..... اللہ کی اس طرح عبادت کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو (اس طرح کہ جیسے) وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

سائل..... میں چاہتا ہوں کہ میرا ایمان مکمل ہو جائے۔

آنحضرتؐ..... اپنے اخلاق درست کر لے۔ تیرا ایمان مکمل ہو جائے گا۔

سائل..... میں اطاعت گزاروں میں سے بننا چاہتا ہوں۔

آنحضرتؐ..... اپنے فرائض ادا کرتا رہ، مطیع افراد میں تیرا شمار ہوگا۔

سائل..... میں اللہ کے سامنے اس حال میں حاضر ہوں کہ تمام گناہوں سے پاک ہوں!

آنحضرتؐ..... تو جنابت سے غسل کیا کر، اس کی برکت سے روزِ جزا گناہوں سے پاک اٹھے گا۔

سائل..... میری خواہش ہے کہ حشر کے دن نور کے ساتھ اٹھایا جاؤں۔

آنحضرتؐ..... تو کسی پر ظلم نہ کر، یہاں تک کہ جانوروں پر بھی ہاتھ نہ اٹھا، قیامت کے دن نور میں اٹھے گا۔

سائل..... میں بزرگ بننا چاہتا ہوں.... کیا کروں؟
آنحضرتؐ..... مصیبت کے وقت لوگوں سے اللہ کی شکایت نہ کر، بزرگ ہوجائے گا۔
سائل.... اللہ کے غضب سے بچنا چاہتا ہوں۔
آنحضرتؐ.... کسی پر بے جا غصہ نہ کر، کیوں کہ غصہ حرام ہے.... اس سے اللہ کے غضب سے محفوظ رہے گا۔
سائل.... میں چاہتا ہوں کہ اللہ میرے عیب چھپائے۔
آنحضرتؐ.... تو اپنے بھائیوں کے عیب چھپا۔ اللہ تیرے عیب کی پردہ پوشی کرے گا۔
سائل..... میں چاہتا ہوں کہ میرے گناہ کم ہوں۔
آنحضرتؐ..... تو استغفار کثرت سے کر، تیرے گناہ کم ہوجائیں گے۔
سائل.... میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھ پر رحم فرمائے۔
آنحضرتؐ.... تو اپنی جان اور خلق خدا پر رحم کر، اللہ تجھ پر رحم کرے گا۔
سائل.... رزق میں برکت کیسے پیدا ہوتی ہے؟
آنحضرتؐ.... باطہارت رہنے سے رزق میں برکت پیدا ہوتی ہے۔
سائل.... میں اللہ کے دربار میں "مستجاب الدعوات" بننا چاہتا ہوں۔
آنحضرتؐ..... حرام چیزوں اور حرام باتوں سے بچ، پھر تیری یہ خواہش پوری ہوجائے گی۔
آنحضرت.... جو چیزیں اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہیں، ان کو پسند کر اور جن چیزوں سے اللہ ورسولؐ کو نفرت ہے، ان سے نفرت کر۔
سائل.... اللہ اور رسولؐ کا دوست بننے کے لیے کیا طریقہ اختیار کروں؟
سائل.... میری غلطیاں کیسے معاف ہوں گی؟
آنحضرتؐ.... خوف خدا سے رونے، خدا سے عاجزی کرنے اور بیماریوں سے۔
سائل.... کون سی نیکی اللہ کے نزدیک افضل ہے۔
آنحضرتؐ.... اچھے اخلاق، انکساری، مصیبتوں پر صبر اور اللہ کے فیصلوں پر خوشی کا اظہار۔

سائل..... اللہ کے نزدیک سب سے بڑی برائی کیا ہے؟

آنحضرتؐ..... بدترین اخلاق اور کنجوسی۔

سائل..... کون سا عمل اللہ کے غضب کو روکتا ہے؟

آنحضرتؐ..... پوشیدہ طور سے صدقہ دینا، قرابت داروں کا حق ادا کرنا، ان سے اچھے سلوک اور احسان سے پیش آنا۔

سائل..... اے محمدؐ! میرا آخری سوال یہ ہے کہ کون سی چیز جہنم کی آگ کو بجھائے گی؟

آنحضرتؐ..... نماز اور روزہ۔

سائل..... الحمد للہ! (اٹھتے ہوئے) آپ پر اللہ کی سلامتی، رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

آنحضرتؐ..... (چہرے مبارک پر مسکراہٹ سجا کر تم پر بھی اللہ کی سلامتی، اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

شکار کی ایک خوف ناک کہانی

ببون کا شکار

تحریر : الیگزینڈر لیک

ترجمہ : سیما سحر

ان دنوں میں روڈیشیا اور سالسبری کے درمیان سفر کرنے والی ایک ٹرانسپورٹ کمپنی میں شکاری کی حیثیت سے ملازم تھا۔ یہ ٹرانسپورٹ کمپنی صرف بیس گاڑیوں پر مشتمل تھی۔ ہم ایک جگہ سے سامان لاد کر روانہ ہوتے اور اجاڑ' بیابان علاقوں میں سفر کرتے ہوئے واپس چل دیتے۔ ہمارے مالکان بڑے کنجوس واقع ہوئے تھے۔ عملے کے ارکان کو خوراک دینے کے بجائے انھوں نے ایک شکاری رکھنا زیادہ مناسب خیال کیا تھا تاکہ وہ شکار کرکے ہمارے لیے خوراک کا انتظام کر دے۔

ہم دن بھر سفر کرتے اور شام ہوتے ہی رک جاتے۔ باقی لوگ تو ستانے لگتے اور میں اپنے ملازم چارلی کے ساتھ شکار کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا۔ میں اپنے اس کام سے مایوس ہو چکا تھا۔ آمدنی کا کوئی مستقل بندوبست نہ تھا۔ انہی دنوں مایوسیوں کے اندھیرے میں امید کی ایک کرن جگمگائی۔ حکومت نے اعلان کیا کہ جو شخص میکلز برگ کے علاقے میں گھومنے والے ببونوں کو ختم کرنے میں حکومت سے تعاون کرے گا اسے فی ببون پانچ شلنگ انعام دیا جائے گا۔ 'ببون' بندر کی ایک نسل کو کہتے ہیں۔ یہ اعلان سنتے ہی میں نے ملازمت چھوڑی اور اپنے ذاتی ملازم چارلی کو ساتھ لے کر ریاست ٹرانسوال کی طرف روانہ ہوگیا۔

اس علاقے میں ببون اس کثرت سے تھے کہ وہاں کے باشندوں کے لیے وبال جان بن چکے تھے۔ یہ ببون کئی کئی سو کے قبیلوں کی صورت میں پہاڑی ڈھلوانوں پر رہتے تھے۔ شروع میں تو صرف فصلوں کو تباہ کرتے تھے' لیکن آہستہ آہستہ دلیر ہوتے چلے گئے اور اب وہ دن دہاڑے انسانی آبادیوں میں چکر لگاتے تھے۔ گوشت خور بن جانے کی وجہ سے وہ کسانوں کی پالتو بھیڑوں اور مرغیوں پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے۔ چند مہینوں تک ان کا یہی معمول رہا اور پھر ان کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے کہ انھوں نے انسانوں پر حملے کرنے شروع کر دیے۔ علاقے کے کسان پہلے ہی خوف زدہ تھے ان کی اس حرکت سے تو اور گھبرا گئے' اس لیے انھوں نے حکومت سے مدد طلب کی تھی۔

یوں تو ببون افریقہ کے تمام علاقوں میں پایا جاتا ہے' لیکن وسطی افریقہ اور ایبی سینیا میں اس کی بہت کثرت ہے۔ اس کا چہرہ کتے کی طرح لمبوترا ہوتا ہے۔ دانت بہت تیز اور لمبے ہوتے ہیں۔ یہ گروہوں کی صورت میں رہتا ہے۔ اس کی سننے کی حس بہت تیز ہوتی ہے اور

نظر بھی بہت اچھی ہوتی ہے۔ شیر انھیں عام طور پر کچھ نہیں کہتے، لیکن چیتا ان کا جانی دشمن ہے۔ وہ اگر انھیں دیکھ لے تو شکار کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔

ٹرانسوال پہنچ کر ہم نے میکلز برگ کے ایک گاؤں میں قیام کیا۔ رات کو آرام کرنے کے بعد صبح سویرے میں نے چارلی کو ساتھ لیا اور ان پہاڑیوں کی طرف چل دیا جن پر ببون گروہوں کی صورت میں رہتے تھے۔ دس بجے کے قریب ہم پہاڑی کے دامن میں پہنچ چکے تھے۔ میں نے دوربین کی مدد سے چٹانوں کا جائزہ لیا۔ ببونوں کا غول بلندی پر تھا۔ وہ اچھل کود میں معروف تھے۔ ان کی تعداد کم و بیش ڈیڑھ سو کے قریب ہوگی۔ بالوں سے بھرے ہوئے گندے جسم، لمبے نوکیلے دانت اور خوف ناک صورتیں دیکھ کر ایک لمحے کے لیے میں خوف زدہ ہوگیا، لیکن بہت جلد میں نے اپنے آپ پر قابو پالیا اور اوپر چڑھنے کے لیے مناسب راستہ تلاش کرنے لگا۔ ببونوں کی چیخوں سے فضا میں شور مچا ہوا تھا۔ میں نے چٹان کے پیچھے سے اوپر چڑھنا شروع کر دیا۔ اب وہ جگہ جہاں ببونوں نے آفت مچا رکھی تھی لگ بھگ دو سو گز کے فاصلے پر تھی۔ میں بہت محتاط ہوگیا تھا اور دبے پاؤں چل رہا تھا۔ لمحہ بہ لمحہ ان کا شور بڑھتا جارہا تھا۔ اور پھر اچانک شور ختم ہوگیا۔ ایک لمحے کے لیے مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا، لیکن یہ حقیقت تھی۔ فضا میں مکمل خاموشی تھی۔ اتنی خاموشی کہ میں اپنے جوتوں کی چرچراہٹ سن رہا تھا۔ میں تیزی سے چٹان کے اوپری حصے کی طرف دوڑا۔ وہاں پہنچ کر میں نے دیکھا، دور دور تک کسی ببون کا نام و نشان تک نہ تھا۔ میں نے اپنی آنکھیں ملیں اور دوبارہ ہر طرف نظر دوڑائی، لیکن ڈھلوان خالی پڑی تھی۔ جانے وہ سب اچانک کہاں غائب ہوگئے تھے۔ میں دیر تک انھیں تلاش کرتا رہا، لیکن ان کا کوئی پتا نہ چلا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کبھی اس ڈھلوان پر تھے ہی نہیں۔

ڈیڑھ دو گھنٹے کی محنت کے بعد میں مایوس ہوگیا اور واپس جانے کے ارادے سے ڈھلوان سے اترنے لگا۔ نیچے چارلی میرا انتظار کر رہا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی بولا:

"کیوں جناب! کتنے شلنگ کما لیے؟"

میں خاموش رہا۔ میرا موڈ بہت خراب تھا۔ صبح سویرے ہی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا۔ میرا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر چارلی نے دوبارہ سوال نہ کیا اور ہم گاؤں کی طرف چل دیے۔

دوپہر کے کھانے سے فارغ ہو کر میں باہر نکل گیا اور کھیتوں میں گھومنے لگا۔ ایک جگہ چند کسان جمع تھے۔ میں بھی ان کے قریب چلا گیا۔ زمین پر بھیڑ کی کھائی ہوئی لاش پڑی تھی۔ مجھے دیکھ کر ایک کسان بولا:

"ان خبیث بندروں نے رات ہمارے ایک ساتھی کی بھیڑ پر ہاتھ صاف کر دیا۔ اس کے پاس کل تین بھیڑیں تھیں۔ دو وہ پہلے ہی چٹ کر چکے تھے۔ بھائی صاحب! ان کے تو دیدوں کا پانی ہی ڈھل گیا ہے۔ غضب اللہ کا! میں کل کھیت پر کام کر رہا تھا کہ تین چار بھون اچھلتے کودتے میرے سامنے آگئے۔ میں نے درانتی سے انھیں ڈرانا چاہا، لیکن وہ مجھے منہ چڑانے لگے۔ تنگ آکر میں نے ایک پتھر اٹھا کر ان کی طرف پھینکا، مگر وہ نہ مانے بلکہ اچھل کر انھوں نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں نے پوری طاقت سے درانتی حملہ کرنے والے بھون کے سر پر ماری، لیکن وہ اتنی دیر میں چھلانگیں لگا کر قریبی فصل میں گھس گئے۔ میں بال بال بچ گیا۔ پھر بھی میری گردن پر ان کے پنجوں کی خراشیں آگئیں۔" یہ کہہ کر اس نے ہمیں اپنی گردن دکھائی۔

قریب کھڑی ہوئی ایک عورت بولی: "آخر آپ انھیں ختم کیوں نہیں کر دیتے؟"

میں نے کہا: "ایک آدھ ہو تو اسے مار دیا جائے، مگر یہ تو ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ سارا علاقہ ان سے بھرا پڑا ہے۔"

"بس جی! ہم تو بہت ہوشیار ہو گئے ہیں۔ بچوں کو بھی اکیلے باہر نہیں جانے دیتے۔ جانے کب وہ چھلاوے کی طرح ٹپک پڑیں۔" عورت کافی خوف زدہ لہجے میں بول رہی تھی۔

وہ دن میں نے گاؤں میں گزارا۔ اگلے روز صبح سویرے میں دوبارہ شکار کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ سب چٹانیں خالی تھیں اور بھونوں کا نام و نشان تک نہ تھا۔ دیر تک چٹانوں پر گھومتا رہا۔ آخر میری نظر ایک گہرے کھڈ پر پڑی جس میں بھونوں کا ایک غول اچھل رہا تھا۔ نوکیلے پتھروں اور ابھری ہوئی چٹانوں کا سہارا لیتا ہوا میں نیچے اترنے لگا۔ چھپتا چھپاتا میں ان کے بالکل قریب جا پہنچا۔ میرا شکار مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر تھا۔ میں نے تصور میں بہت سے بندر تڑپتے ہوئے دیکھے اور دل ہی دل میں ان کے بدلے میں حاصل ہونے والی رقم کا اندازہ کرنے لگا۔ اب وہ پوری طرح میرے نشانے کی زد میں تھے۔ میں نے آہستگی سے رائفل اٹھائی اور نشانہ لے کر لبلبی دبانے ہی والا تھا کہ "واہو" کی ایک آواز سنائی دی۔ میں گھبرا کر آواز کی طرف مڑا۔

Tahir
94

مجھ سے کوئی دس گز کے فاصلے پر ایک خوف ناک بھون منہ کھولے بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ وہ مجھ پر لپکنے کے لیے تیار معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے پیچھے نظر ڈالی تو میری مایوسی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ سب بھون وہاں سے غائب ہو چکے تھے۔ نگراں بھون کی "واہو" نے انھیں چوکنا کر دیا تھا۔ میں نے دانت پیستے ہوئے اوپر دیکھا تو نگراں بھون بھی رفو چکر ہو چکا تھا۔ نوکیلے پتھروں پر چلتا ہوا اور کانٹے دار جھاڑیوں سے الجھتا ہوا میں آگے بڑھ گیا۔

اچانک بھونوں کا غول دوبارہ دکھائی دیا۔ وہ مجھ سے کوئی ہزار گز کے فاصلے پر تھے۔ میں اتنی دور سے نشانہ نہیں لے سکتا تھا۔ میں ان کی طرف بھاگا، لیکن میرے قریب پہنچنے سے پہلے ہی وہ غائب ہو گئے۔ ابھی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک پتھر میرے قریب آکر گرا۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو بھون پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ چکے تھے اور مجھے منہ چڑا رہے تھے۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ اندھا دھند ان پر فائر کرنے لگا۔ فائر کی آواز سن کر وہ سب چھلاوے کی طرح غائب ہو گئے۔ شام ہونے کو تھی۔ تھکن سے میرا برا حال ہو رہا تھا۔ میں ستانے کے لیے ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔

اچانک میری چھٹی حس نے خطرے کا احساس دلایا۔ میں رائفل ہاتھ میں لے کر چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ اس وقت پورے علاقے میں سناٹا تھا۔ صرف پہاڑی کے سیدھی طرف سے آبشار گرنے کی آواز آرہی تھی۔ اچانک میرے پیچھے کسی درخت کی شاخ ٹوٹی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ اف! میرے اللہ! آج بھی جب وہ منظر یاد آتا ہے تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجھ سے صرف ایک گز کے فاصلے پر ایک خوف ناک بھون منہ کھولے کھڑا تھا۔ اس کے لمبے اور نوکیلے دانت چمک رہے تھے۔ اس کے پیچھے بھونوں کا ایک گروہ میری طرف خوں خوار نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں فائر کرتا اگلے بھون نے میرے اوپر چھلانگ لگا دی۔ میں زمین پر گر پڑا اور ہم دونوں نیچے کی طرف لڑھکتے چلے گئے۔ آخر کانٹے دار جھاڑیوں نے ہمیں روک لیا ورنہ ہم ضرور کسی کھڈ میں جا گرتے۔ میں اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے آس پاس نظر دوڑائی، لیکن بھون کہیں دکھائی نہ دیا۔ حال آنکہ ایک لمحہ پہلے میں نے اسے اپنے ساتھ نیچے گرتے دیکھا تھا۔ گرتے وقت میری بندوق ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ میں اس کی تلاش میں دوبارہ اوپر چڑھنے ہی والا تھا کہ اچانک کچھ فاصلے پر بھونوں کی چیخیں سنائی دیں۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ

سب مل کر چلا رہے ہیں۔ میں فوراً سمجھ گیا کہ انھوں نے کسی بڑی جنگلی مخلوق کو دیکھ لیا ہے۔ میں نے جھاڑیوں کی اوٹ سے نیچے کی طرف دیکھا۔ کچھ فاصلے پر اونچے اونچے درختوں کا سلسلہ تھا۔ ان درختوں کی شاخیں چھتری کی طرح پھیلی ہوئی تھیں اور ان کے نیچے لونچی لونچی گھاس تھی۔ اس کے سامنے بونوں کا ایک غول کھڑا بری طرح چیخ رہا تھا۔ اچانک گھاس ہلنے لگی اور اگلے ہی لمحے ایک خوں خوار چیتے کا جسم گھاس سے باہر نکلتا دکھائی دیا۔ میں اپنی جگہ پر دبک گیا اور سامنے دیکھنے لگا۔ بندوق میرے پاس نہیں تھی ورنہ جس جگہ میں چھپا تھا وہاں سے چیتے پر بڑی آسانی سے گولی چلائی جاسکتی تھی۔

گھاس سے نکل کر چیتا ایک لمحے کے لیے رکا۔ لوھر بونوں کا خوف کے مارے برا حال تھا' لیکن وہ اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑے تھے۔ مجال ہے جو ان میں سے کسی نے بھاگنے کی کوشش کی ہو۔ اچانک چیتے نے اپنا جسم سمیٹا اور حملہ کرنے ہی والا تھا کہ بجلی کی سی تیزی سے چار موٹے تازے بون اس پر پل پڑے۔ ایک بون نے چیتے کی گردن میں دانت گاڑ دیے اور دو اس کے دونوں طرف چمٹ گئے اور چوتھے بون نے اپنے نوکیلے دانت اس کے نرم پیٹ میں گاڑ دیے۔ چیتا بری طرح اچھل کود کر رہا تھا' مگر بون ہار ماننے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے۔ چیتے نے پوری طاقت سے اس بون کا پیٹ پھاڑ ڈالا جس نے اس کی گردن پکڑ رکھی تھی۔ اس دوران باقی تین بون اپنا کام کر چکے تھے۔ چیتے کا سارا جسم بری طرح زخمی ہو چکا تھا اور اس کی آنتیں باہر نکل آئی تھیں' لیکن وہ ابھی تک دیوانہ وار گھوم رہا تھا۔ اچانک ایک بون نے اپنے پنجے سے اس کی ایک آنکھ نکال لی۔ چیتا کچھ دیر زور زور سے ہانپتا رہا۔ پھر وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔ بونوں کا غول اس کی لاش کے پاس جمع تھا۔ دو بون چیتے سے بچ نکلے تھے۔ ایک خاک و خون میں لتھڑا ہوا زمین پر پڑا تھا اور ایک کا بازو چیتے نے کاٹ کھایا تھا۔ کچھ دیر وہ اسی طرح خاموش کھڑے رہے جیسے اپنے ساتھی کی موت کا سوگ منا رہے ہوں پھر تین چار بونوں نے اپنے دوست کو اٹھایا اور چٹان کی چوٹی پر لے جا کر نیچے کی طرف دھکیل دیا۔

ان کے جانے کے بعد میں اٹھا اور مردہ چیتے کے قریب گیا۔ ایک لمحے کے لیے جی میں آئی کہ اس کی کھال اتار لوں۔ چاقو بھی میرے پاس تھا' لیکن دوسرے کے شکار پر ہاتھ صاف کرنا میں نے گوارا نہ کیا۔ سورج غروب ہو چکا تھا اور اس دہشت ناک جگہ پر رکنا خطرناک ہو سکتا

تھا۔ جلدی جلدی اپنی بندوق ڈھونڈنے لگا۔ قسمت اچھی تھی کہ بندوق مل گئی۔ میں نے تیزی سے گاؤں کی راہ لی۔

دوسرے دن بغیر کچھ کھائے پیئے خیمے سے نکل کھڑا ہوا۔ دو دن گزر چکے تھے اور اب تک میں ایک بھی بھون کو مارنے میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ اپنی ناکامی پر میں بہت جھنجلایا ہوا تھا اور یہ طے کر چکا تھا کہ اس وقت تک گاؤں نہ لوٹوں گا جب تک دو چار بھونوں کو ختم نہ کرلوں۔ بارہ بجے تک ان کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا' لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دیے۔ ہر بار جب ان کا غول نظر آتا ایک "واہو" کی آواز سنائی دیتی اور وہ سب غائب ہو جاتے۔

دراصل ہر غول میں چند نگراں ہوتے تھے۔ یہ نگراں بھون غول سے کچھ فاصلے پر درختوں کی شاخوں میں یا پتھروں کی اوٹ میں چھپے رہتے تھے۔ جونہی انھیں خطرہ محسوس ہوتا وہ اپنی مخصوص آواز میں "واہو" پکارتے۔ اس آواز کو سن کر سب بھون فرار ہو جاتے تھے۔ میں نے سب سے پہلے اس نگراں کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ پھر جونہی وہ ایک درخت پر دکھائی دیا میں نے نشانہ لے کر گولی چلا دی۔ اگلے ہی لمحے وہ بل کھاتا ہوا نیچے گر پڑا۔ میرا خیال تھا کہ اب میں غول تک پہنچ سکوں گا' لیکن گولی کی آواز سن کر وہ سب اس بری طرح بھاگے کہ میں ان کا نشانہ بھی نہ لے سکا۔

گرتا پڑتا میں ان کی طرف چلا۔ کچھ فاصلے کے بعد سامنے ایک سیدھی چٹان دکھائی دی۔ مجھے یقین تھا کہ وہ اتنی بلندی پر نہیں چڑھ سکتے۔ میں نے دونوں طرف دیکھا۔ سیدھی طرف بہت نیچے کسی خشک ندی کا نشان تھا جو کبھی بہتی ہوگی' مگر اب اس ندی کے دونوں طرف اونچے اونچے پتھر تھے۔ انہی پتھروں کے درمیان بھونوں کا غول سر جھکائے بیٹھا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ خفیہ میٹنگ کر رہے ہوں۔ اس جگہ سے نشانہ لینا ممکن نہ تھا۔ میں نے رائفل کندھے سے لٹکائی اور بڑی احتیاط سے نیچے اترنے لگا۔ آدھا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں نے رائفل سیدھی کی اور ان پر فائر کر دیا۔ فائر کی آواز سن کر وہ اپنی جگہ سے اچھلے اور اندھا دھند مشرق کی طرف دوڑنے لگے۔ میں بھاگتے بھونوں پر مسلسل فائر کرتا رہا۔ آخر جب وہ سب نظروں سے اوجھل ہوگئے تو میں نیچے اترا۔ پانچ بھون مر چکے تھے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا اور ان کی لاشیں ایک طرف جمع کر کے اسی طرف چل دیا جدھر بھون بھاگے تھے' لیکن وہ

گھنٹے کی مسلسل کوشش کے باوجود میں انھیں تلاش نہ کر سکا۔ مایوس ہو کر واپس گاؤں کی طرف چل دیا۔

اگلے روز میں بہت خوش تھا۔ صبح سویرے ناشتے سے فارغ ہو کر میں دوبارہ پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا۔ کوئی نو بجے کے قریب دوبارہ انہی چٹانوں پر پہنچا۔ ابھی تک ہرن جنگل کی طرف نہیں آئے تھے۔ میں ایک جھاڑی میں چھپ کر بیٹھ گیا اور ان کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔ دو گھنٹے گزر گئے' لیکن کوئی ہرن دکھائی نہ دیا۔ دوپہر ہو گئی۔ دھوپ کی شدت سے برا حال ہو رہا تھا۔ آخر اٹھ کر ندی کی طرف چلا۔ ندی کا گدلا پانی پی کر دوبارہ جھاڑیوں میں چھپ کر ان کا انتظار کرنے لگا۔

دوپہر ڈھل گئی اور شام کا جھٹ پٹا چاروں طرف پھیلنے لگا۔ دن بھر تیز دھوپ میں تپتی ہوئی پتھریلی زمین پر بیٹھے بیٹھے طبیعت بھی متلانے لگی تھی۔ تنگ آکر میں اپنی جگہ سے اٹھا۔ گاؤں واپس جانے کو جی نہ چاہتا تھا' اس لیے جنگل کی طرف ہولیا۔ شاید کسی نگراں ہرن نے میری آمد کی خبر صبح سویرے اپنے ساتھیوں کو دے کر انھیں چوکنا کر دیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انھوں نے دن بھر ادھر کا رخ نہ کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ رات کے وقت وہ یہیں آرام کرتے ہیں' اس لیے یہ سوچ کر کہ شاید کہیں ان کا غول آرام کرتا ہوا مل جائے گنجان درختوں میں گھس گیا۔ سورج کی روشنی کم زور ہو چکی تھی اور میرا ارادہ تھا کہ درختوں کے اس جھنڈ پر ایک نظر ڈال کر گاؤں واپس چلا جاؤں' لیکن دور سے آتی ہوئی ہرنوں کی آوازوں نے مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ میں دبے پاؤں آواز کی طرف بڑھتا چلا گیا۔ کوئی پانچ سو گز کا فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک چھوٹے سے جوہڑ کے کنارے پہنچا جہاں ایک بھیڑیا پانی پی رہا تھا۔ میں نے اس پر فائر کرنا چاہا' لیکن پھر یہ سوچ کر رک گیا کہ فائر کی آواز سے ہرن بھاگ جائیں گے۔ پانی پی کر بھیڑیا چپ چاپ ایک جھاڑی کے پیچھے غائب ہو گیا۔ جوہڑ کے چاروں طرف گھنے درخت تھے۔ میں نے کان لگا کر آواز کی سمت کا اندازہ کیا اور اس طرف جانے ہی والا تھا کہ ایک شیر کی خوف ناک دہاڑ نے مجھے گویا اپنی جگہ جما دیا۔ میرے پاس چھوٹی بندوق تھی اور اس سے شیر کا شکار کرنا ناممکن تھا' اس لیے میں نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک درخت کے کھوکھلے حصے میں گھس کر بیٹھ گیا۔ گھاس کی سرسراہٹ اور درخت کے خشک پتوں پر چلنے کی آواز صاف سنائی

دے رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک شیر جوہڑ کی طرف آتا دکھائی دیا۔ میں نے رائفل سیدھی کر لی تاکہ اگر ضرورت پڑے تو گولی چلا سکوں۔ شیر آس پاس سے بے خبر پانی پینے لگا۔ ڈوبتے سورج کی روشنی میں اس کا جسم بہت خوب صورت اور مضبوط معلوم ہو رہا تھا۔ کچھ دیر وہ جوہڑ کے کنارے کھڑا رہا۔ پھر باوقار انداز سے چلتا ہوا دوبارہ جھاڑیوں میں غائب ہو گیا۔ کوئی دس منٹ تک میں دم سادھے وہیں بیٹھا رہا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز تیز قدموں سے گاؤں کی طرف چل دیا۔

رات ساڑھے آٹھ بجے کے قریب خیمے میں پہنچا تو چارلی بے چینی سے میرا انتظار کر رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا کہ اگر آپ تھوڑی دیر اور نہ آتے تو میں گاؤں کے لوگوں کو جمع کر کے آپ کی تلاش میں نکلنے ہی والا تھا۔ دن بھر کی بھاگ دوڑ سے میں تھک چکا تھا' اس لیے کھانا کھاتے ہی سو گیا۔

چوتھے روز میں تیاری میں مصروف تھا کہ چارلی میرے قریب آیا اور بڑے ادب سے بولا:
"کل آپ نے کتنے بون مارے؟"
"کوئی نہیں۔" میں نے جواب دیا۔ اس کا منہ لٹک گیا اور وہ بڑی اداسی سے بولا:
"اس سے تو بہتر تھا کہ آپ ملازمت نہ چھوڑتے۔ دیکھیے نا' چار روز میں آپ نے صرف چھے بون مارے ہیں۔ گویا کل تیس شلنگ ہاتھ لگے۔"
"بکواس بند کرو اور میرے ساتھ چلو۔ مجھے دیکھتے ہی وہ سب چٹانوں سے اتر کر جنگل میں غائب ہو جاتے ہیں۔ آج میں کسی طرح چھپتا چھپاتا ان کی پیچھے اس جگہ پہنچنے کی کوشش کروں گا جہاں سے جنگل شروع ہوتا ہے۔ تم سیدھے راستے سے جانا اور انھیں ڈرا دھمکا کر جنگل کی طرف بھگانے کی کوشش کرنا۔ پھر دیکھوں گا کہ وہ میرے نشانے سے بچ کر کیسے نکلتے ہیں۔ ان شیطانوں نے میرا تو ناک میں دم کر دیا ہے۔ ادھر نشانہ لو اور ادھر وہ اپنی جگہ سے غائب۔ چلو اٹھو اور تیاری کرو۔"

ندی کے پاس پہنچ کر سیدھے راستے پر چلنے کے بجائے میں پانی میں گھس گیا اور چارلی کو ایک پرانی سی بندوق دے کر چٹانوں کی طرف بھیج دیا۔ گدلے پانی میں تیرتا ہوا میں دوسری طرف پہنچا اور کنارے کے ساتھ اگے ہوئے کالے سرکنڈوں کے جھنڈ میں سے ہوتا ہوا چٹانوں

کے پیچھے پہنچ گیا۔

یہ دیکھ کر خوشی سے میری آنکھیں چمک اٹھیں کہ کم از کم تین سو بھون وہاں اچھل کود میں مصروف تھے۔ ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر میں چارلی کے فائر کا انتظار کرنے لگا۔ اب تک اسے چٹانوں کے پاس پہنچ جانا چاہیے تھا۔ اس کا نشانہ تو اچھا نہیں، لیکن میں اسے سمجھا چکا تھا کہ بھونوں کے قریب پہنچ کر وہ اناڑی پن سے ہی ایک فائر کر دے تاکہ وہ خوف زدہ ہو کر میری طرف آجائیں، لیکن آدھا گھنٹہ گزرنے کے باوجود فائر کی آواز سنائی نہ دی تو مجھے الجھن ہونے لگی اور طرح طرح کے خوف دل میں پیدا ہونے لگے۔ چارلی لڑکا ہی تو تھا، کہیں بھونوں نے اسے گھیر نہ لیا ہو۔

جب مجھے وہاں بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا تو میں اپنی جگہ سے اٹھا اور چٹانوں کی طرف چل دیا۔ بھونوں کے غول میں سے گزرنے کی ہمت نہیں تھی، اس لیے کوئی ایک میل کا چکر کاٹ کر اس جگہ پہنچا جہاں میں نے چارلی کو چھوڑا تھا۔ دو ایک آوازیں بھی دیں، لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ ناچار اس کے قدموں کے نشانوں پر چل پڑا۔ چٹانوں سے کوئی دو سو گز ادھر میں رک گیا۔ سامنے بھونوں نے آفت مچا رکھی تھی۔ اس وقت تک وہ میری آمد سے بے خبر تھے۔ اگر میں چاہتا تو ان پر فائر کر سکتا تھا، لیکن مجھے چارلی کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ میں اس سے اپنے بھائیوں کی طرح پیار کرتا تھا۔ پتھریلی زمین پر آکر اس کے قدموں کے نشان بھی غائب ہو چکے تھے۔ دیر تک میں اسے ادھر ادھر دیکھتا رہا، لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دیا۔ آخر یہ سوچ کر کہ وہ ضرور ان منحوس بندروں کا نشانہ بن گیا ہے میں پہاڑی کی طرف ہو لیا۔ قریب پہنچ کر میں نے رائفل سے ایک کر کے پانچ فائر کیے۔ بھون چیختے چلاتے جنگل کی طرف بھاگے۔ دو تین راستے میں گر پڑے، لیکن مجھے ان کی پروا نہیں تھی۔

جب وہ سب بھاگ گئے تو میں نے چٹانوں کا چپا چپا چھان مارا، مگر کہیں چارلی کا پتا نہ تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انھوں نے اس کی لاش کہاں چھپا دی ہے۔ آخر ایک جگہ خون کے دھبے نظر آئے، لیکن لاش دکھائی نہ دی۔ دو گھنٹے کی مسلسل کوشش کے بعد میں مایوس ہو کر گاؤں کی طرف چل دیا تاکہ کسی کو ساتھ لے کر آؤں اور اس کی لاش ڈھونڈ سکوں۔ راستے میں ندی کے قریب چند بیر کے درخت تھے۔ یہاں سے گزرتے ہوئے مجھے کسی کے گنگنانے کی

آواز سنائی دی۔ میں جھنڈ میں گھس گیا اور یہ دیکھ کر میرے غصے کی کوئی انتہا نہ رہی کہ چارلی ایک بیری پر چڑھا ہوا ہے اور بیر توڑ توڑ کر اپنی جیبیں بھر رہا ہے۔

اگلے روز دوبارہ اسی طریقے پر عمل کیا۔ اس مرتبہ میں نے چارلی کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا' اس لیے اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔ میں نے بھاگتے ہوئے بونوں کا جی بھر کر شکار کیا اور صرف آدھے گھنٹے میں بتیس کے قریب بونے مار ڈالے۔ شام تک پانچ بونے اور مل گئے جو پہاڑی کی ایک کھوہ میں گھسے ہوئے تھے۔ اس شام گھر لوٹے تو ہم دونوں بہت خوش تھے۔

صبح کو دوبارہ چٹانوں کا رخ کیا۔ اپنی جگہ پہنچا ہی تھا کہ فائر کی آواز سنائی دی' لیکن اگلے ہی لمحے چارلی کی چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ میں اندھا دھند چٹانوں کی طرف بھاگا۔ یہ ایک ہزار گز کا فاصلہ میں نے کس طرح طے کیا میں ہی جانتا ہوں۔ قریب پہنچ کر میں نے دو تین فائر کیے۔ اچانک میری نظر چارلی پر پڑی جو دو بونوں سے گتھم گتھا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ بے ہوشی کی سی حالت میں جھومنے لگا۔ ایک بونا اس کی کمر سے چمٹا ہوا تھا اور دوسرے نے اس کے بازو میں دانت گاڑے ہوئے تھے۔ قریب ہی ایک بونا مردہ پڑا ہوا تھا۔ شاید چارلی نے اسے گولی مار دی تھی۔ مجھے اپنی طرف آتا دیکھ کر ایک بونا اپنی جگہ سے اچھلا اور اس سے پہلے کہ میں لبلبی دباتا وہ رائفل پر آن گرا۔ میں چاروں شانے چت پتھروں پر گر پڑا۔ بونا میرے اوپر تھا۔ اس کے تیز نوکیلے دانت میری گردن میں گڑنے ہی والے تھے کہ میں نے اسے زور کا دھکا دے کر پیچھے گرا دیا۔ پھر بھی گرتے گرتے اس نے میرے سینے میں اپنے پنجے گاڑ دیے۔ میں نے اس کے پیٹ میں تین چار گھونسے مارے۔ وہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر ہی رہا تھا کہ میں نے لپک کر رائفل اٹھالی اور لوہے کا کندا اس کے سر پر دے مارا۔ اس کی کھوپڑی ٹوٹ گئی اور وہ بے جان ہو کر زمین پر گر پڑا۔

اس دوران چارلی بری طرح چلا رہا تھا۔ ایک بونے نے اس کے کندھے کو اپنے نوکیلے دانتوں سے زخمی کر دیا تھا۔ نیم بے ہوشی کی حالت میں وہ اب تک اسے پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہا تھا' لیکن بونے کے دانت اس کے گوشت میں گھس چکے تھے اور وہ دونوں چکر کھا رہے تھے۔ میں نے بندوق اٹھائی اور قریب جا کر تین چار مرتبہ بونے کے سر پر ماری۔ اس کے سر سے خون بہنے لگا۔ جلد ہی چارلی کے کندھے پر اس کے دانتوں کی گرفت کم زور پڑ گئی۔ میں

نے اسے دھکا دے کر پیچھے گرا دیا اور بڑی مشکل سے چارلی کو سنبھالا۔

ہم دونوں خون میں نہا چکے تھے۔ چارلی بے ہوش ہو چکا تھا۔ میرے سینے پر بھی بھون نے پنجے مارے تھے۔ میری قمیص کا اگلا حصہ خون سے تر ہو رہا تھا۔ اس کے علاوہ کلائی سے لے کر کہنی تک میرے بازو کی کھال ادھڑ چکی تھی۔ چارلی کے سارے جسم پر بھونوں کے بھنبھوڑنے کی وجہ سے گہرے زخم آئے تھے اور کندھے کا گوشت تو غائب ہو چکا تھا۔ میں نے پانی کی بوتل نکالی اور تھوڑا سا پانی پیا اور کچھ پانی چارلی کے چہرے پر چھڑک دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس کے ہونٹ کانپے، لیکن اگلے ہی لمحے اس کا سر ڈھلک گیا۔ میں نے جھک کر اس کی نبض پر ہاتھ رکھ دیا۔ نبض ابھی تک چل رہی تھی۔

اسے اٹھا کر میں کس طرح گاؤں پہنچا یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ بہرحال خون میں لت پت ہم دونوں گاؤں پہنچتے ہی بے ہوش گئے۔ ہوش آیا تو ہم سالسبری کے ہسپتال میں تھے۔ دس روز تک ہسپتال میں رہنے کے بعد چھٹی ملی۔ چارلی کا ایک بازو کاٹ دیا گیا تھا اور گھٹنے کا جوڑ مل جانے کی وجہ سے وہ لنگڑا کر بھی چلنے لگا تھا۔ وہ دن اور آج کا دن میں نے دوبارہ بھون کا شکار نہیں کھیلا اور چارلی تو ان خوف ناک چہرے والے بندروں سے اس قدر خوف زدہ ہے کہ اکثر رات کو سوتے میں بھی ڈر جاتا ہے۔

مسکراہٹ

شبیر احمد شہیر، راولپنڈی

ننھے بچے کو کھڑکی سے باہر ایک روشن ستارا سا نظر آیا۔ اسے جستجو ہوئی۔ وہ باہر لپکا۔ برآمدے کی بتی جلائی تو دیکھا کہ جگنو چمک رہا ہے۔ وہ اسے پکڑنے دوڑا۔ ٹھنڈی اور خوش بو دار ہوا نے یہ صورت حال دیکھی تو اس سے نہ رہا گیا۔ وہ بچے کے بالوں سے اٹکھیلیاں کرتے ہوئے بولی:

"پیارے بچے! اسے مت پکڑو' اللہ نے اسے خوشیاں اور روشنیاں بکھیرنے کے لیے پیدا کیا ہے۔ اگر تم اسے پکڑو گے تو یہ خوب صورت قدرتی دیا بجھ جائے گا اور اللہ میاں ناراض ہو جائیں گے۔"

چھوٹے بچے کو اس پر یقین نہیں آیا تو ہوا نے کہا کہ دیکھو' میں ثابت کرتی ہوں کہ میری بات سچّی ہے۔ اس کے ساتھ ہی وہ تیزی سے چلنے لگی۔ تند و تیز ہوا کے رُخ کو دیکھتے ہوئے جگنو سہم کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ ننھے بچّے نے دیکھا کہ اب روشنی کہیں نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس کی نظر اس گڑھے پر پڑی جسے مالی نے کھود رکھا تھا۔ اگر وہ جگنو پکڑنے کی دھن میں تیزی سے آگے بڑھتا تو یقیناً اس میں گر پڑتا' لیکن ہوا کا جادو دیکھنے کے لیے وہ رُک گیا تھا' اس لیے بچ گیا۔

اس نے اب ہوا کی طرف دیکھا۔ ہوا مسکرانے لگی۔ اسے اس بات کی خوشی تھی کہ اس نے قدرت کے ایک شاہ کار کو بچانے میں مدد دی ہے۔ جگنو بھی مسکرانے لگا کہ اس کی جان بچ گئی اور اب وہ پھر فطرت کا حُسن دکھاتا پھرے گا۔ ساتھ ہی ننھا بچہ بھی مسکرانے لگا کہ اسے ایک اچھا سبق ملا ہے۔ اس نے طے کیا کہ آئندہ وہ کسی کو ہرگز نہیں ستائے گا۔ پھر تو ہر چیز مسکرا دی کہ محبت' نیکی اور ایثار کی روشنی ہر طرف پھیلنے کا ایک سبب یہ واقعہ بھی بنا۔

فوقیہ مشتاق

ہمسائے کا سایہ

نفنا جانی کے انتقال کی خبر ملتے ہی امی بڑے بھیا کے ساتھ حیدرآباد روانہ ہو گئیں اور ہمیں نوید بھائی کے پاس اس لیے چھوڑ گئیں کہ ان کے چار پانچ دن میں امتحان شروع ہونے والے تھے اور اُن کے جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ نوید بھائی صبح آٹھ بجے گھر سے نکلتے تو شام کو لوٹتے۔ اس کے بعد کمرہ بند کرکے پڑھتے رہتے۔ کھانا ہوٹل سے آتا تھا۔ اس کے علاوہ کھانے پینے کی چیزیں نوید بھائی نے فرج میں بھر دی تھیں۔

دوپہر کے بارہ بجے تھے کہ اطلاعی گھنٹی کی آواز آئی۔ دروازہ کھولا تو سامنے ایک دس بارہ سال کا بچہ کھڑا تھا۔

"کیا بات ہے پپو؟" ہم نے پوچھا۔

"میں پپو نہیں ہوں" وہ بُرا سا منہ بنا کر بولا۔

"اچھا تو گڈو؟" ہم نے اندازہ بتایا۔

"میں گڈو بھی نہیں ہوں" پھر منہ بنا کر کہا گیا۔

"اچھا چلو، چھوٹو؟" ہم نے اندازے کا اگلا تیر چھوڑا۔

"میں چھوٹو بھی نہیں ہوں" پھر وہی جواب ملا تو ہم جھلا گئے۔

"اُف... اُف... منو...؟"

"نہیں" اُسی شدت سے نفی میں سر ہلایا گیا۔

"بہرحال، تم جو کوئی بھی ہو، کام بتاؤ" ہم نام کے سلسلے میں اندازے کے مزید گھوڑے دوڑانے کا ارادہ ترک کرکے بولے۔

"ذرا سی ہلدی دے دیجیے" بڑی معصومیت سے کہا گیا۔

"ہلدی...! یہ کوئی پرچون کی دکان تو نہیں ہے"

"امی نے کہا ہے، ذرا سی ہلدی دے دیں، واپس کر دیں گے" اُس نے وضاحت کی۔

"نہیں، نہیں واپس کرنے کی کیا بات ہے۔ اچھا ٹھہرو، میں دیکھتی ہوں" ہم نے کچن میں جا کر جائزہ لیا۔ نیچے تو ڈبوں میں کہیں ہلدی نظر نہ آئی تو ہم نے اوپر نظر دوڑائی مگر اتنی اونچائی تک ہمارا پہنچنا ممکن نہ تھا۔

"سنو، تم جو کوئی بھی ہو، ہلدی تو اُوپر رکھی ہوگی۔ اور وہاں ہمارا ہاتھ نہیں پہنچ رہا"

"مگر امی نے کہا تھا آپ کے یہاں سے مل جائے گی" یہ سُن کر ہم نے سوچا، ہو سکتا ہے امی سے یہ لوگ چیزیں لے جاتے ہوں۔ کیونکہ نہ تو ہماری محلے والوں سے اتنی جان پہچان ہے اور نہ ہی گھر اور کچن کے معاملات میں ہم نے کبھی دلچسپی لی۔

بہرحال، اس بچے کو ہلدی دینے کے لیے اُوپر بنی کارنس تک پہنچنا لازمی تھا لہٰذا سب سے پہلے میز، اُس کے اُوپر کرسی اور اُس پر لکڑی کا تختہ رکھا اور اللہ کا نام لے کر چڑھ گئے۔ ہاتھ تو پہنچ گیا مگر دائیں

سکتا کہ اب بھی ہم ٹھیک طرح سے اٹھ کر دیکھ نہیں سکتے تھے بہرحال اندازاً ہاتھ مارا تو تھوڑا اسے ڈبوں کا احساس ہوا۔ آگے آگے اور ایک کے اوپر ایک ترتیب سے۔ بڑے بڑے تھیلوں میں بند جانے کیا رکھا تھا ایک ڈبہ ہم نے اٹھایا تو خوشی میں ہماری چیخ نکل گئی "ہلدی۔۔" مگر اس کے ساتھ ہی کرسی ہلی تو ہماری جان ہی نکل گئی۔ گھبرا کے ہم نے ایک تھیلا پکڑنا چاہا، ایک تھیلے کا ہلنا تھا کہ باری باری کئی تھیلے اپنی جگہ چھوڑ گئے۔ سب سے پہلے چاولوں کی بارش ہوئی۔ پھر آٹا، بیسن، سوجی، چینی ہم نے گھبرا کر دوسرے تھیلے کا سہارا لیا، مگر وہ بھی اپنی جگہ سے ہلا۔ اس کا ہلنا تھا کہ قیامت ہو گئی۔ تیل کی بوتل ہمیں نہلاتی ہوئی دھماکے سے زمین پر جا گری۔ اس کے بعد آم کا اچار، مرچوں کا اچار، گاجر کا مربہ اور نہ جانے کیا کیا۔۔۔ ہم نے چیخ ماری اور کارنس پکڑ کے جھول گئے۔ مگر کارنس تیل کی وجہ سے چکنا ہو گیا تھا۔ لہٰذا ہمارا ہاتھ وہاں جم نہ سکا تو فوری طور پر دوسرے ہاتھ سے ہم نے ڈھیر سارے تھیلوں کا سہارا لینا چاہا مگر ناکامی۔۔۔! اور دوسرے لمحے ہم میز کرسی اور تختے سمیت زمین بوس ہو گئے۔ ہم نے گرتے گرتے صرف، مونگ، مسور، ارہر اور ماش کی دالوں کی بارش دیکھی اور اس کے بعد ہم بے ہوش ہو گئے۔

ہوش آیا تو دیکھا کہ وہی بچہ ہلدی کا ڈبہ لیے کھڑا ہے۔ ہم نے اوسان درست کرتے ہوئے پوچھا: "کیا ہے؟"

"جی وہ امی نے ہلدی نہیں، پسا ہوا دھنیا منگایا تھا، میں بھول سے ہلدی لے گیا۔" وہ مسکینی صورت بنا کر بولا۔

"اگر تم ان بکھری ہوئی چیزوں میں سے دھنیا تلاش کر سکو تو تلاش کر کے لے جاؤ۔" ہم نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ اس کی یہ بات سن کر ہمارا دل بال نوچنے کو چاہ رہا تھا۔۔۔ اس کے نہیں اپنے!

اب سب سے بڑا مسئلہ مہینے بھر کے راشن کو بھائی جان کی آمد سے پہلے ٹھکانے لگانے کا تھا۔ خیر صاحب ہم نے کمر کس کے کام شروع کر دیا اور بھائی جان کی آمد سے پہلے کام ختم کر کے نہا دھو کر اپنی اصلی حالت میں آ گئے۔

شام کو وہی بچہ پھر آ گیا: "اب کیا جان لینے آئے ہو؟" ہم نے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں باجی۔ جان نہیں استری چاہیے۔ ہماری استری کا چھوٹے بھائی گڈو نے فیوز اڑا دیا ہے۔" اس نے یہ جملہ اس طرح سے کہا گویا گڈو اس کے بجائے ہمارا بھائی ہو، خیر ہم نے اسے استری نکال کر دے دی۔

ایک دن جب ہم صبح کا ناشتہ کرنے میں مصروف تھے، ایک محترمہ تشریف لائیں معلوم ہوا کہ وہ اُس بچے کی والدہ ہیں جو ہم سے ہر روز کوئی نہ کوئی چیز لے کر جاتا ہے۔ وہ محترمہ ہم سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں "بیٹی آج ہمارے گھر میں قرآن خوانی ہے تمھارے یہاں اگر دری ہو تو دے دو۔ میں شام تک لوٹا دوں گی۔"

ہم نے امّی کے جہازی سائز صندوق سے دری نکال کر اُن کے حوالے کی۔ اس کے بعد اُن کے یہاں ہر روز کوئی نہ کوئی چیز ہمارے یہاں سے چلی جاتی اور ہم یہ سوچ کر چیزوں کی واپسی کا مطالبہ نہ کرتے کہ کہیں وہ لوگ یہ نہ سوچیں کہ ہم بے اعتباری کر رہے ہیں۔

ایک دن حد ہو گئی۔ اُن محترمہ نے ہم سے آکر امّی کا زیور مانگ لیا۔ بولیں: "بیٹی تم تو جانتی ہو ہم غریب لوگ ہیں، میری بیٹی کی شادی ہونے والی ہے۔ کل اُس کی مہندی ہے میرے پاس سونے کا زیور نہیں ہے تم ایک سیٹ دے دو میں واپس کر دوں گی۔"

"مگر... دیکھیں میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں۔ امّی سے پوچھے بغیر میں..."

ہمارے انکار پر وہ روتے ہوئے کہنے لگیں۔ "دیکھو، ایک پڑوسی کا دوسرے پڑوسی پر بڑا حق ہوتا ہے، صرف ایک دو دن کی تو بات ہے، اللہ نے تم لوگوں کو دیا ہے، تمھیں چاہیے کہ غریب پڑوسیوں کی مدد کرو، اُن کے آڑے وقت میں کام آؤ، اگر میں تمھاری امّی سے مانگتی تو شاید وہ انکار نہ کرتیں۔ آج ہماری عزت رکھو۔ پڑوسی کا حق ادا کرو، کل اللہ تمھاری مدد کرے گا۔"

ہم نے حق ہمسایہ کے بارے میں بہت کچھ پڑھا اور سُنا ہے اور ویسے بھی ہم ٹھہرے کمزور دل کے۔ ہم نے انھی کے سامنے سیف کھول کر امّی کا سب سے بھاری سونے کا سیٹ نکال کر انھیں دے دیا۔ صرف یہی نہیں، چار بابرکی اور چار کمخواب کی بھاری ساڑیاں، دو غرارہ سوٹ، دو بھرے دوپٹے اور دو جوڑی سینڈل، چار کانچ کی چوڑیوں کا سیٹ اور ایک درجن سونے کی چوڑیاں۔ اُس رات ہمارا دل پُرسکون تھا ہم نے کسی کی مدد کی تھی پڑوسی ہونے کا حق ادا کیا تھا۔ ہم نے سوچا جب وہ اپنی بیٹی کی مہندی سے فراغت پالیں گے تو ہم ساری چیزوں کی واپسی کا مطالبہ کریں گے کیوں کہ ہمارے گھر سے کافی چیزیں جا چکی تھیں۔ نوید بھائی سے تو کوئی ڈر نہیں تھا کیونکہ وہ اپنا چشمہ برابر کرتے، نوٹس اور کتابیں اُٹھائے گھر سے نکلتے اور اسی طرح گھر میں بنا اِدھر اُدھر دیکھے داخل ہوتے تھے۔ کھانا بھی اپنے کمرے میں کھاتے تھے۔ اور چائے بھی وہیں پیتے تھے اور امّی جان کو تو گئے ابھی دس روز ہی ہوئے تھے، جبکہ وہ بیس دن کے

لے گئی تھیں، لہٰذا ہمارا خیال تھا کہ امی کی واپسی سے پہلے پہلے ہم تمام چیزیں ان سے مانگ لیں گے۔
یوں پڑوسی ہونے کا حق ادا کرکے ثواب بھی حاصل کریں گے اور کسی کی مدد بھی ہو جائے گی۔

دو دن سکون سے گزر گئے تیسرے دن ہم دوپہر کا کھانا کھا رہے تھے کہ کسی نے بیل بجائی۔ ہم نے سوچا ہو سکتا ہے، وہی محترمہ چیزیں واپس کرنے آئی ہوں۔ ہم نے دروازہ کھولا... اور... ہمیں یوں لگا جیسے کسی نے ہمارا سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ سامنے امی جان کھڑی تھیں۔

"آ... آپ... آپ آگئیں؟ حیرت اور دہشت سے ہماری آنکھیں پھیل گئیں۔" ہٹو... راستہ تو دو۔"
ہماری امی بڑی تھکی تھکی سی لگ رہی تھیں، ہم نے راستہ دیا اور مرے مرے قدموں سے اندر آگئے۔

ہائیں... یہ... یہ...؟ انھوں نے ادھر ادھر گھوم کر ہمیں حیرت سے دیکھا۔

"کیا ہوا؟" ہم پریشانی سے بولے۔

"یہ...؟

اتنا کہہ کر ایک دم ہی انھوں نے کچن، ڈائننگ، ڈرائنگ روم میں جھانک ڈالا۔" کیا ہوا؟...
کیا خدانخواستہ چوری ہوگئی؟ وہ فکر مندی سے بولیں۔

"نہیں امی! وہ... دراصل...؟ ہمیں انھوں نے جملہ مکمل کرنے ہی نہیں دیا۔

"یہ کرسیاں، واشنگ مشین، ٹیبل فین، صوفہ سیٹ، قالین، ٹیپ ریکارڈر اور کچن کا سامان اور...
اور دیگر چیزیں، یہ سب کیا ہوئیں؟ امی اپنی ریشمی ساڑی سنبھالتی حیرت سے آنکھیں پھیلا کر بولیں۔

"نوید کہاں ہے؟ کچھ دیر بعد انھوں نے کڑک کر پوچھا اور ہم سمٹ کر خاموش ہی رہے۔ انھوں نے زور سے آواز دی تو نوید بھائی دوڑے چلے آئے۔ اپنا چشمہ برابر کیا اور پھر ایک دم حیرت سے چلائے۔
تو... ممّا! آپ آگئیں؟ پھر ان کی نظر ممّا کے چہرے پر پڑی تو ایک دم سنجیدہ ہو گئے۔

تم مجھے یہ بتاؤ، گھر کا سارا سامان کہاں گیا؟ امی نے بڑے غصے سے پوچھا۔

"جی... جی مجھے نہیں؟ نوید بھائی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"اپنے ارد گرد دیکھو۔ کوئی چیز بھی نظر آ رہی ہے تمہیں؟" ممّی کے توجہ دلانے پر نوید بھائی نے اپنا چشمہ برابر کیا اور چاروں طرف نظر دوڑاتے ہی حیران رہ گئے۔

"اوہ واقعی، آپ درست کہہ رہی تھیں ممّا!... کیا ڈاکہ پڑا تھا؟ بی بی؟ وہ ہم سے مخاطب ہوئے۔
نوید بھائی... ہم تو گھر کے بڑے تھے سب بی سے کیا پوچھ رہے ہو؟"

"تو ... [illegible] ! ہم تو سارا [illegible] جان کے پاس [illegible] یا پھر [illegible] ہیں۔ اگر ... چاہتا تھا [illegible] کرنا چاہیے تھا" فرید بھائی بوکھلا کر بولے۔

"جتنی بے وقوف بے بی ہے، اس سے زیادہ بے وقوف تم ہو۔ اُف اللہ! کیسے بے وقوف [illegible] سے پالا پڑا ہے میرا۔ کچھ بولو بے بی! میں پہلے ہی بڑی پریشان ہوں۔ بتاؤ، میرے احساس [illegible] کیا سامنے پیش آیا!"

"وہ دراصل ممی ... وہ فرسٹ فلور پر جو نائلہ آنٹی رہتی ہیں ... وہ ... دراصل اُن کو ضرورت تھی!" ہم نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔

"کیا؟" ممی حیرت سے چلائیں "میں تو تمہاری اُن نائلہ کو نہیں جانتی"

"انھوں نے کہا تھا، وہ جلد ہی واپس کر دیں گی" ہم نے رونی صورت بنا کر کہا۔

"کیا بکواس ہے، میری سمجھ میں نہیں آ رہا، تم کیا کہہ رہی ہو" ممی نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔

"ہم نے تو صرف اُن کی مدد کی ہے۔ میں بھی، آپ ان کو دیتی رہتی ہوں گی" ہم منمنائے۔

"اُف اے بے وقوف لڑکی، مدد اس طرح کی جاتی ہے کہ پورا گھر ہی لٹا دو۔ اگر دو چار چیزوں کی ہوتیں تو کوئی بات تھی۔ تم نے تو پورا گھر اُٹھا کر اُن کے حوالے کر دیا۔ جاؤ، ابھی جا کر اُن سے ساری چیزیں مانگ لاؤ۔ اُن سے کہو، ابھی اور اسی وقت سارا سامان اُوپر بھیجیں" ممی نے کھڑے ہو کر حکم دیا۔ اُن کا پارہ یقیناً آخری حد تک جا پہنچا تھا۔ ہم تھر تھر کانپتے نائلہ آنٹی کے گھر کی طرف جانے لگے۔ دستک کے جواب میں اندر سے ایک خاتون نکلیں۔ "وہ نائلہ آنٹی کہاں ہیں؟" ہم نے اُن سے پوچھا۔

"کون نائلہ آنٹی؟" انھوں نے اُلٹا ہم سے سوال کر ڈالا۔

"تو، ممی کی طرح آپ بھی نہیں جانتیں۔ وہی، جن کی لڑکی کی شادی ہونے والی ہے اور جن کا [illegible] سال کا ایک بچہ ہے اور ... اور جو ہمارے گھر کا سارا سامان اُٹھا لائی ہیں" ہم بڑے جذباتی انداز میں کہتے چلے گئے۔ ممی کی ڈانٹ سننے کے بعد ہمارا دل چاہ رہا تھا کہ خوب زور سے روئیں۔ اب ہمیں احساس ہو رہا تھا کہ ہم نے واقعی غلطی کی۔ انھوں نے تو سارا سامان خراب کر دیا ہوگا۔ اس صورتِ حال کے بعد ہمدردی اور ثواب کمانے کا شوق ہوا ہو گیا تھا۔

"یہاں تو ایسے کوئی لوگ نہیں رہتے" وہ خاتون بیزار ہونے لگیں۔

• آپ بھی کمال کرتی ہیں بالکل ٹھیک رہتے ۔ ہمیں غصہ آنے لگا
• اچھا اب سمجھ میں بات آ گئی۔ اصل میں یہ ہے کہ ہم لوگ خود کل ہی اس مکان میں شفٹ ہوئے ہیں۔ وہ لوگ ہم سے پہلے یہاں رہتے ہوں گے جن کا آپ ذکر کر رہی ہیں: شاید بم کے دھماکے کا ہمیں بھی اتنا شدید صدمہ نہ ہوتا جتنا اس بات کو سن کر ہم کو ہوا۔
• کہاں گئے وہ لوگ؟ ہم نے ڈوبتی آواز میں پوچھا۔
• ہمیں کیا معلوم۔ ہم نئے کرائے دار ہیں۔ ویسے شاید وہ کسی دوسرے شہر گئے ہوں گے۔ کیونکہ میں دس دن پہلے یہاں آیا تھا، مگر وہ لوگ اسی لیے خالی نہیں کر رہے تھے کہ انہیں دوسرے شہر جانے کے لیے سارے سامان کی اچھی طرح پیکنگ وغیرہ کرنی تھی۔" یہ سن کر تو ہمارے دیوتا ہی کوچ کر گئے۔ ڈوبتے دل کو سنبھالتے ہم اپنے فلیٹ میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ دو زینے چڑھے مگر پھر ہمت جواب دے گئی اور ہم وہیں سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ ہم سوچ رہے تھے "ابھی تو اسی کو بچے نقصان کا علم ہی نہیں ہوا۔ اپنے زیور اور کپڑوں کا اس کے علاوہ سیکڑوں چھوٹی چھوٹی چیزیں۔ یہ سوچتے ہوئے ہمیں چکر آنے لگا۔ ہم نے ہلتے ڈولتے اور چکراتے سر کے ساتھ آئندہ کے لیے پڑوسیوں کی مدد کرنے سے توبہ کر لی۔ ہو سکتا ہے آپ یہ کہیں کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں اور سارے پڑوسی ایک جیسے نہیں ہوتے مگر جناب آپ چاہیں کچھ کہیں اب تو ہمیں ہمسائے کا سایہ بھی جلا دینے والی دھوپ لگتا ہے۔

گنی چنی معلومات

• اولمپک پرچم میں پانچ دائرے پانچ برِاعظموں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ پانچ دائرے سرخ، سبز، سیاہ، زرد اور نیلے رنگوں پر مشتمل ہیں اور کہا جاتا ہے کہ دنیا کے ہر ملک کے پرچم پر ان رنگوں میں سے کم از کم ایک رنگ پایا جاتا ہے۔
• پانچ پیغمبروں نے عربی زبان میں تبلیغ کی۔ ان کے نام ہیں۔ حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت شعیبؑ اور محمد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔
• اسلام کے بنیادی ارکان اور بنیادی عقائد دونوں کی تعداد پانچ پانچ ہے۔
• قوتِ باصرہ (دیکھنا)، قوتِ سامعہ (سننا)، قوتِ شامہ (سونگھنا)، قوتِ لامسہ (چھونا) اور قوتِ ذائقہ (چکھنا) کو مجموعی طور پر حواسِ خمسہ کہا جاتا ہے۔

بیٹے! دیکھو تم اگر پہلی پوزیشن لاتے تو آج تمہاری تصویر بھی اخبار میں آتی
امی! میں اسی لیے تو پہلی پوزیشن نہیں لایا کہ کہیں تصویر نہ چھپ جائے، جو جائز نہیں ہے۔

انسپکٹر صاحب! میں ڈاکٹر ہوں، کسی کے گھر چوری میں میرا ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے
ڈاکٹر صاحب! نہ آپ تازہ ہوا کا مشورہ دیتے نہ یہ کھڑکی دروازے کھول کر سوتا۔

شکیل صدیقی

★

ہم شکل، ہم راز

★

ایک دلچسپ اور حیرت انگیز کہانی

سلطان احمد کی زبانی

دوسرا ٹکڑا

وہ ریڈیو اسٹیشن کی طرف سے سڑک پار کر کے میرے ٹھیلے کے قریب آگیا۔ پھر پانی پینے کے بہانے شوکیس میں ہاتھ ڈال کر ڈبل روٹی نکالنے لگا تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ میں اس کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کرنے والا تھا کہ میں نے اسے اپنی طرف گھورتے پایا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ مجھے ایسا لگا کہ مجھے بجلی کا جھٹکا لگ گیا ہو۔ اس کا چہرہ' آنکھیں' ناک' کان سب کچھ میری طرح تھا' بالکل میری طرح۔ کوئی بھی تو فرق نہیں تھا۔ یا اللہ! یہ کیا ماجرا ہے؟ کہیں میں آئینہ تو نہیں دیکھ رہا ہوں۔

"یہ کیا کھیلا ہے؟ تم کون ہو اور یہاں کیسے آگئے؟"

اس نے رو دینے والی آواز میں کہا "مجھے سلطان احمد کہتے ہیں اور میں مردان سے آیا ہوں۔ دو وقت سے بھوکا ہوں اس لیے میں نے روٹی کی طرف ہاتھ بڑھایا تھا ورنہ میں چور نہیں ہوں بھائی۔"

"بھائی!" اس کا یہ لفظ مجھے بہت اچھا لگا۔ وہ مجھے بھائیوں جیسا ہی لگ رہا تھا اور میرا دل نہ جانے کیوں اس کی طرف کھنچ رہا تھا۔ میں نے اپنے اسٹول کی طرف اشارہ کیا۔ "اچھا ادھر بیٹھ جا۔ تجھے بند کباب کھلاؤں گا مفت۔ فکر نہ کر۔ اپن بھی دوستوں کے دوست ہیں۔"

وہ بھیگی بلی کی طرح اسٹول پر بیٹھ گیا اور میری طرف معصومیت سے دیکھنے لگا۔ سلطان مجھے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے آنکھوں کے راستے میرے دل میں اترا چلا جا رہا ہو۔ وہ قیمتی کپڑے پہنے تھا اور بھوک کی کمزوری کے باوجود اس کا چہرہ دمک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک دار اور ہونٹ گلاب کی طرح سرخ تھے۔

میں نے دل میں سوچا' واہ اللہ میاں! تم نے چہرہ تو ہم لوگوں کا ایک جیسا بنایا ہے' مگر قسمت میں کتنا فرق ہے۔ میں نالے پر رہنے والا میلا کچیلا لڑکا اور وہ صاف ستھرا چمک دار۔ یقیناً کسی اچھے اور مال دار گھرانے سے تعلق رکھتا ہوگا۔

میں نے ہلکی چٹنی اور ہلکی مرچ کا ایک بند کباب بنایا اور پلیٹ میں رکھ کر اس کی طرف بڑھا دیا' جسے اس نے شکریے کے ساتھ قبول کیا۔

اس کا "شکریہ" کہنا مجھے بہت بھلا معلوم ہوا' اس لیے کہ ہمارے محلے میں تو کوئی شکریہ وغیرہ نہیں بولتا۔ سب غلط سلط طرح سے اب تب کر کے بولتے ہیں' زبان ٹیڑھی کر کے کوئی

اب ملا نہیں کرتے۔

وہ کھانا بھی اچھے طریقے سے باقاعدہ نفاست مہذب انداز سے۔ وہ چبا کر کھا رہا تھا۔ جب اس نے کھانے کے بعد خالی پلیٹ میری طرف بڑھائی تو میں نے ایک گلاس دھو کر اسے پانی پیش کیا۔ پانی بھی اس نے شکریے کے ساتھ قبول کیا۔

"تمہاری قسمت کتنی اچھی ہے۔ تم بالکل بے فکر اور آزاد ہو۔" اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

میں نے کہا: "اپنی اپنی سوچ ہے۔ مجھے تمہاری قسمت اچھی لگتی ہے۔ تم ملتان میں کہاں رہتے ہو؟ اور کیا کرتے ہو؟"

"میں گلبرگ میں رہتا ہوں اور ابھی پڑھتا ہوں، دسویں جماعت میں۔ میرے والد صاحب کا بہت بڑا کاروبار تھا۔ اب میں اس کا مالک ہوں۔"

"اوہو! تمہارے تو مزے آ گئے۔ بہت عیش سے گزر رہی ہوگی؟"

"ہاں بہت، اگر تم چاہو تو یہ عیش تم بھی اٹھا سکتے ہو۔" اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس وقت ٹھیلے کے پاس کوئی نہیں تھا اور جو گاہک تھوڑی دیر پہلے وہاں کھڑے تھے بند کباب کھا کر جا چکے تھے۔

"وہ کیسے؟" میں نے حیرت سے کہا۔

اس نے ترکیب بتائی: "میری جگہ لے کر۔ میں اپنی زندگی سے پریشان ہو گیا ہوں۔"

میں نے تعجب سے کہا: "اتنے مال دار ہو کر بھی پریشان ہو! ساری پریشانیاں تو غریب لوگوں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔ سب مصیبتیں انہی لوگوں کے لیے ہیں۔"

"نہیں، ایسی بات نہیں ہے میرے بھائی! ہم جیسے لوگ بھی پریشان ہوتے ہیں۔ تم مجھے ہی دیکھ لو۔" سلطان احمد نے کہا۔

"کیوں؟ تمہارے ساتھ کیا ہوا؟"

اس پر سلطان نے اپنی کہانی سنائی۔ پھر بولا: "اب بتاؤ ایسی حالت میں، میں وہاں کیسے رہ سکتا تھا۔ اگر رہتا تو میری بھی جان چلی جاتی۔ اپنی جان بچانے کا ایک ہی طریقہ تھا کہ میں وہاں سے بھاگ آؤں اور کسی ایسی جگہ پر رہوں جہاں مجھے نہ کوئی جانتا ہو، نہ پہچانتا ہو۔ ایسی جگہ

میرے لیے بمبئی ہی ہو سکتی ہے۔ باقی جگہوں پر ایک آدھ جان پہچان والا مل جاتا ہے۔"
"اوہ! تو تم اتنے مشہور لڑکے ہو؟" میری حیرت کسی طرح سے دور ہی نہیں ہو رہی تھی۔
سلطان نے جواب دیا: "میں اتنا مشہور نہیں ہوں' مگر میرا خاندان نام والا ہے اور ہم باعزت لوگ ہیں۔ میں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں' کیوں کہ عزت اور ذلت سب اسی کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جسے چاہے سرفراز کر دے۔ جسے چاہے نواز دے۔"
"ہاں بھئی! یہ بات تو ہے۔" میں نے اعتراف کیا۔ اس کی باتیں مجھے متاثر کر رہی تھیں۔
"تو پھر کیا کہتے ہو؟ میری جگہ لینے پر تیار ہو؟" سلطان نے پوچھا۔
"صحیح بات بتاؤں؟"
"ہاں' کیا؟"
"مجھے ڈر لگتا ہے۔"
سلطان کھل کھلا کر ہنسا: "دیکھنے میں تو تم بہادر لگتے ہو' مگر تمھارا دل چڑیا جیسا ہے۔"
میں نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا: "اپنا دل بھی بڑا ہے' مگر معلوم نہیں وہاں میرے ساتھ لوگ کیا سلوک کریں۔ تیری جگہ میں بے موت مارا نہ جاؤں۔"
"میں تو بزدل اور کم زور ہوں اس لیے بھاگ کر چلا آیا۔ تم تو بہادر ہو بھائی! تم ان لوگوں سے بدلا لینا اور انھیں سیدھا کر دینا۔ پھر ہم دونوں مل کر رہیں گے' بھائیوں کی طرح۔ میرا کوئی بھائی یا بہن نہیں ہے۔ میں اس دنیا میں تنہا اور اکیلا ہوں۔"
"بالکل اکیلے؟"
"نہیں ماں جی ہیں' میں ان کے بارے میں تو تمھیں بتا چکا ہوں' اس کے علاوہ رشتے کے بھائی بہن ہیں۔"
"ہاں یاد آیا۔ ابھی تو تم نے بتایا تھا کہ انھیں بھولنے کا مرض بھی ہے' مگر وہ تم سے بہت محبت کرتی ہیں اور تم جب سامنے جاتے ہو تو انھیں سب کچھ یاد آجاتا ہے۔ اور ہاں انھیں دکھائی بھی نہیں دیتا۔"
سلطان احمد نے سر ہلایا: "بھائی پرویز! میں سوچ رہا ہوں کہ میں کہاں رہوں گا میرے ٹھکانے کا بھی تو مسئلہ ہے۔"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جیسے میں تمہاری جگہ رہوں گا اسی طرح تم میری جگہ رہو۔ یہاں تمہاری جان کو کوئی خوف نہیں ہوگا۔ مستانوں کی سی زندگی ہے۔ ہم تو آزاد پنچھی ہیں۔ کام کرنا اور اس کے بعد گھومنا پھرنا' مزے کرنا۔"

سلطان نے کہا: "اچھی طرح سوچ لو۔ وہاں بھی مزے ہوں گے' مگر مختلف قسم کے۔ تم ایسی آزادی سے نہیں گھوم پھر سکو گے۔ زندگی وہاں بہت پابند ہے۔ شان و شوکت میں جکڑی ہوئی۔ تم مست ملنگ انداز میں نہیں گھوم سکتے۔ کہیں جانے سے پہلے اچھی طرح تیار ہونا' خود کو چمکیلا بنانا اور پھر سینٹ' پرفیوم چھڑک کر جانا پڑتا ہے۔ گاڑی میں بیٹھ کر۔"

"ٹھیک ہے' میں تیار ہوں۔" میں نے کہا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری رگوں میں سنسناہٹ دوڑ رہی ہے۔ دوسرے شہر جا کر چچا' ماموں کو چکر دینا اور سلطان کا کردار ادا کرنا کیسی حیرت انگیز اور عجیب سی بات تھی۔ ایسی چیزیں میں نے فلموں میں ہی دیکھی تھیں' مگر یہ حقیقی زندگی کی بات تھی اور راز کھلنے پر اس میں جان کا خطرہ بھی تھا۔

"او نو! دیکھا جائے گا۔" میں نے سوچا۔ پھر میں نے کرید کرید کر سلطان سے سوالات کیے تاکہ میں کہیں مار نہ کھاؤں۔ مجھے ابھی سے محسوس ہو رہا تھا کہ میں حویلی میں سب کو چکر دے دوں گا' لیکن اسکول میں تو بہت مشکل پیش آئے گی جہاں ہر جگہ اور ہر ایک لڑکے سے مجھے انگریزی بولنی پڑے گی۔

میں نے سوچا کہ میں زیادہ تر خاموش رہوں گا۔ ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے۔

میں نے اس سے کہا: "اب میں تمھیں اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔ آج جمعہ ہے اس لیے میں نے بند کباب کا ٹھیلا لگا لیا ورنہ میں برابر والی گلی میں موٹر سائیکل کے ورکشاپ پر کام کرتا ہوں۔ گھر ادھر نالے کے سامنے ہے۔ میری سات بہنیں ہیں اور۔۔۔"

"سات بہنیں!" سلطان نے میری بات کاٹ کر گہرا سانس لیا اور آنکھیں پھاڑ دیں۔

"ہاں! اور سب کی سب ایک نمبر کی چڑیلیں ہیں۔ میں چوں کہ سب سے چھوٹا ہوں اس لیے وہ مجھ پر خوب حکم چلاتی ہیں۔ پرویز یہ کر دو۔۔۔ پرویز وہ کر دو۔ ان سب سے۔۔۔"

"کس سے باتیں کر رہا ہے مستانے؟" ٹھیلے کے سامنے سے اچانک فیقہ نے کہا۔ میں گھبرا گیا کہ سلطان اچانک کہاں چلا گیا اور فیقہ کہاں سے آگیا۔ حقیقت تھوڑی دیر میں سمجھ میں آئی

تو مجھے ہنسی آنے لگی۔ فیقہ کو سامنے سے آتا دیکھ کے سلطان جلدی سے نیچے بیٹھ گیا تھا۔ اس نے ہوشیاری سے کام لیا تھا ورنہ ہم دونوں مصیبت میں پڑ جاتے اور وہ بھوت بھوت چیختا ہوا بھاگ جاتا۔

میں نے ناک سکیڑ کر کہا: "باتیں؟ نہیں جی باتیں کہاں کر رہا تھا۔ اپنی قسمت کو کوس رہا تھا۔ سات بج گئے ہیں اور بکری پچیس روپے کی ہو گئی ہے۔ گھر کیا جواب دوں گا۔"

"گھر دینا لوگوں نے بند کباب کھانا چھوڑ دیے ہیں اور تکّے بوٹیاں کھانا شروع کر دی ہیں۔" اس نے پان میں رچے ہوئے اپنے لال دانتوں کی نمائش کی اور چلا گیا۔

فیقہ ورک شاپ میں مستری تھا اور میرے ساتھ ہی کام کرتا تھا۔ اسے اچھے پیسے مل جاتے تھے۔ اس کا اصل نام رفیق تھا جو بگڑ کر فیقہ رہ گیا۔ اس کے جانے کے بعد سلطان پھر اسٹول پر بیٹھ گیا اور اطمینان کا سانس لے کر بولا:

"میرا خیال ہے کہ اس طرح تو ہم مصیبت میں پھنس جائیں گے۔ کہیں اور چل کر باتیں کریں، کسی ایسی جگہ پر جہاں ہمیں کوئی نہ دیکھ سکے۔"

میں نے کہا: "یہ تو ٹھیلا بند کرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے اور میرا خیال ہے کہ وقت ہو گیا ہے۔ تم یہیں رکو میں آتا ہوں۔"

میں ٹھیلا دھکیلتا ہوا نالے کی طرف چلا گیا۔ وہاں پانچویں جگی جاری تھی۔ میں نے ٹھیلا آنگن میں کھڑا کیا۔ پھر گھڑونچی کے پاس جا کر بیچ والے گھڑے سے دو کٹورے پانی نکال کر منہ دھویا اور الگنی پر پڑے ہوئے تولیے سے خشک کر کے جھونپڑی پر آخری نظر ڈالی اور دروازے کی طرف مڑا تو آپا ذکیہ کی سخت آواز سنائی دی: "تو آ گیا۔ روز کے مجھے چھالیہ تو لانے آئے گی۔ اور ہاں تھوڑا سا چونا بھی لیتا آئیو۔"

"میں نہیں لا رہا۔ مجھے بہت سے کام ہیں۔"

آپا نے منہ ٹیڑھا کر کے کہا: "اوہو لاٹ صاحب کا بچہ۔ اسے کام ہے۔ ذرا سی چھالیہ لانے سے دم نکلا جا رہا ہے۔"

"درخشاں سے منگوا لینا آپا! میں ایک گھنٹے میں آؤں گا۔" میں نے کہا اور تیزی سے وہاں سے باہر نکل گیا۔

مجھے سلطان کے پاس جانے کی جلدی ہو رہی تھی اور لوگ بیچ میں کام بتا رہے تھے۔
سلطان مجھے وہاں کھڑا ہوا مل گیا۔ پہلے تو میں اسے اپنی دکان پر لے گیا جو اورنگ زیب مارکیٹ کے نیچے تھی۔ پھر میں اسے جگی کی طرف لے گیا اور میں نے اشارے سے اپنی جگی دکھائی اور کہا "اب تمھیں یہاں رہنا ہوگا۔"
"ٹھیک ہے۔" سلطان نے سر ہلا کر رضامندی ظاہر کی۔
ریڈیو اسٹیشن کے برابر جانوروں کا اسپتال تھا جو شام ہونے کے بعد بند ہو جاتا تھا۔ اس کا احاطہ سنسان پڑا رہتا تھا۔ ہم لوگ وہاں کرکٹ کھیلا کرتے یا دنیا بھر کی باتیں کرتے رہتے تھے۔ میں وہیں چلا گیا۔ پچھلا حصہ سنسان تھا اور وہاں پیلی روشنی والا ایک بلب جل رہا تھا۔ میں برآمدے کے زینوں پر بیٹھ گیا اور میں نے سلطان کو اپنے برابر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس کے بعد میں نے سلطان کو اپنی زندگی کی ساری کہانی سنا دی اور اپنے سب دوستوں کے بارے میں بھی بتا دیا۔ دماغ پر زور ڈال ڈال کر سب رشتے داروں کے بارے میں سوچا اور سلطان کو بتا دیا تاکہ اسے اپنا کردار ادا کرنے میں آسانی رہے۔
سلطان احمد نے بھی مجھے سب کچھ بتا دیا۔ پھر ہم نے اپنے کپڑے بدلے ایک دوسرے سے گلے ملے۔ یہ طے کیا کہ ہم ٹھیک ایک سال بعد یہیں ملیں گے۔ اس کے بعد ہم جدا ہو گئے۔
وہ رات میں نے اسٹیشن پر گزاری۔ صبح میں میل میں سوار ہو گیا۔ ریل میں بیٹھ کر میں سوچنے لگا کہ میری قسمت کیسی عجیب اور دلچسپ ہے۔ میں جو ایک موٹر سائکل کے شاپ میں کام کرتا اور اس کے بعد سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا اچانک اتنے عروج پر پہنچ گیا تھا جس کے لیے کچھ والا تھا۔
مستند مجھے لوگوں نے اس لیے کتا شروع کر دیا تھا میں مست تھا۔ مجھے کسی بات کی پروا نہیں رہتی تھی۔ تعلیم میں نے برائے نام ہی حاصل کی تھی۔ اسکول جانے کو صبح صاف ستھرے کپڑے پہننا مجھے اچھا لگتا تھا، لیکن ابا کی آمدنی اتنی نہیں تھی۔ بڑی آپا ذکیہ اور باجی فرزانہ نے بڑی ہمت تعلیم حاصل کر لی تھی ورنہ باقی بہنیں میری طرح کوری تھیں۔
محلے والوں کے کچھ لوگ کہتے تھے کہ وقار قریشی میرے اصلی ابا نہیں ہیں اور مجھے سڑک سے اٹھا کر گھر لے آئے ہیں۔ میں نے جب بھی اس بات کو سنا ہنسی مذاق میں ٹال دیا، مگر کبھی

کبھی یہ سوچنے لگتا تھا کہ وہ کہیں صحیح نہ کہہ رہے ہوں۔

میں مکینک تھا۔ ایک مکینک کی زندگی ہی کیا ہوتی ہے؟ دن رات استاد کی جھڑکیاں اور گالیاں سننا پھر شام کو روکھی سوکھی کھا کر سو رہنا۔ اگلے دن پھر کام پر پہنچ جانا۔ ابا کہتے تھے کہ اب میں کام سیکھ جاؤں گا تو پھر مجھے دکان کھلوا دیں گے۔ میں کاؤنٹر پر بیٹھوں گا' رقم وصول کروں گا۔ بہت سے لوگ میرے نیچے کام کریں گے' پھر ایک یاماہا موٹر سائیکل لے لوں گا' اب گھوموں گا۔ یہ سوچتے سوچتے معلوم نہیں کب مجھے نیند آگئی اور میں خواب میں یاماہا چلانے اور سیر کرنے لگا۔

صبح منہ ہاتھ دھونے کے بعد میں نے ٹرین میں ناشتا کیا۔ ناشتا بہت لذیذ تھا۔ کڑک چائے اور پراٹھا۔ مزے ہی آگئے۔ ویسے تو میں ایک پراٹھا کھاتا ہوں' مگر اس روز دو کھا گیا۔ دوپہر تک یہی سوچتا رہا کہ صاف ستھرے اور مہذب لوگوں میں اٹھوں بیٹھوں گا اور ان لوگوں سے مصافحہ کروں گا تو کیسا لگوں گا۔ میری ٹانگیں تو نہیں کانپنے لگیں گی!

اسٹیشن آنے سے پہلے ڈبے میں بہت سے لوگ اچانک گھس آئے۔ جگہ تو تھی نہیں اس لیے کچھ تو دھکم پیل کرنے لگے اور چند ایک فرش پر بیٹھ گئے۔ میں کھڑکی کے قریب ایک چھوٹی سیٹ پر بیٹھا تھا جس پر ایک وقت میں ایک ہی آدمی بیٹھ سکتا تھا۔ ایک شائستہ اور معقول سا آدمی جب فرش پر بیٹھ گیا تو مجھے شرم سی آنے لگی۔

"بھائی میاں! یہاں بیٹھ جاؤ!" میں نے کہا۔

"تم آرام سے بیٹھے رہو، مجھے تو اُترنا ہے۔" وہ بے پروائی سے بولا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" میں نے سوال کیا۔

"بس اگلے اسٹیشن تک ہی۔" اس نے جواب دیا۔ پھر مجھے گھورنے لگا۔ جیسے کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

"کہاں جا رہے ہو؟" میں نے بھویں سکیڑیں۔

"بس۔ سفر کیسا رہا؟ تم بمبئی گئے تھے نا؟" اس نے پوچھا۔

مجھے حیرت ہوئی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ میں کب بمبئی گیا تھا؟ میں تو بمبئی سے آرہا تھا۔

میں چند لمحوں خاموش رہا۔ کوئی بات کہہ کر میں اسے شبہ میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

"میں تمھاری برابر والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔" اس نے جیسے مجھے یاد دلانے کی کوشش کی۔

"ہاں، ہاں پھر؟" میں نے دماغ پر زور ڈالنے کی کوشش کی۔ اس وقت مجھے یاد آیا کہ سلطان نے ٹرین میں جیب کٹنے کا واقعہ سنایا تھا۔ ممکن ہے یہ شخص اس بارے میں کچھ جانتا ہو؟ اسی نے وہ واردات کی ہو۔

"ہاں میری جیب کٹ گئی تھی۔" میں نے کہا۔

"جیب نہیں کٹ گئی تھی بلکہ تم نے پسینا پونچھنے کے لیے رومال جیب سے نکالا تھا تو تمھارے نوٹ سیٹ پر گر گئے تھے۔ میرے دل میں بے ایمانی آگئی اس لیے میں نے وہ رقم اٹھالی اور ڈبے سے اتر گیا۔ بعد میں میں نے جسے بھی یہ واقعہ بتایا اس نے لعنت ملامت کی۔ میں جب سے پریشان تھا کہ تمھیں کہاں اور کیسے تلاش کروں؟ شکر ہے کہ تم دوبارہ مل گئے۔"

میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ مجھے سلطان احمد سمجھ رہا ہے جب کہ میں پرویز مستانہ ہوں۔

"اچھا تو مال نکالو۔ اگر تمھیں غلطی کا احساس ہوگیا ہے تو میری رقم واپس کرو۔ غلطی کا احساس ہو جانا بھی اچھی بات ہے۔"

اس آدمی نے نو سو روپے کے قریب رقم واپس کی۔ میں سوچنے لگا کہ سلطان احمد کا روپ دھارنا میرے حق میں مفید ثابت ہوا۔ شروع ہی میں مجھ پر دولت کی دیوی مہربان ہو گئی۔

"کیا اچھے آدمی کا سایہ پڑنے سے بھی قسمت بدل جاتی ہے؟"

جیسے جیسے ریل گاڑی مدراس کی طرف بڑھ رہی تھی ویسے ویسے میرے دل کی دھڑکنیں تیز ہوتی جارہی تھیں۔ مجھے یہ خیال پریشان کر رہا تھا کہ جب میں تین روز بعد حویلی میں قدم رکھوں گا تو وہاں رہنے والوں کو کیا بتاؤں گا؟ اپنی غیر حاضری کا کیا بہانہ پیش کروں گا۔ میں نے سوچا کوئی ایسی بات کرنی چاہیے کہ سب لوگ دہل کر رہ جائیں اور انھیں سوچنے کا موقع نہ ملے۔ میں نے ذہن پر زور دیا تو ایک ترکیب سمجھ میں آگئی۔

شام [illegible] بجے جب ریل گاڑی مدراس اسٹیشن کے قریب پہنچی تو سگنل کلیئر نہ ہونے کی وجہ سے کچھ دیر کے لیے رک گئی۔ عموماً ریل گاڑی وہاں نہیں رکتی۔ میں اس موقع کا منتظر تھا اس لیے فوراً ہی گاڑی سے اتر گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں اسٹیشن کی عمارت سے باہر تھا۔ (جاری)

آداب وسلام

اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا

جب تمھیں آداب وسلام کیا جائے تو اس سے بہتر آداب بجالاؤ یا اس کو لوٹا دو۔

تفسیر

آداب وسلام کا بجالانا محبت اور تعلق کی پہچان ہے جس قدر اس میں کثرت ہوگی اسی قدر دلوں کی محبت بڑھے گی، جو اس محبت اور تعلق کے اظہار میں پیش قدمی کرے ہم کو اس کا جواب اور بڑھ کر نہایت تپاک سے دینا چاہیے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ "کیا میں تم کو وہ بات نہ بتاؤں جس کے کرنے سے تم آپس میں خوب محبت کرنے لگو، سلام کی آپس میں خوب کثرت کرو" اسی طرح آپ نے فرمایا ہے "مسلمان کے حق، مسلمان پر پانچ ہیں، (۱) سلام کا جواب۔ (۲) بیمار کی عیادت۔ (۳) جنازے کے ساتھ ہونا۔ (۴) دعوت کا قبول کرنا۔ (۵) اور چھینکنے والے کا جواب دینا"

آداب واحترام کے جو الفاظ ہماری زبان پر آتے ہیں ان کا تعلق ہمارے دل سے بھی ہونا چاہیے۔ ورنہ صرف الفاظ میں کوئی خیر وبرکت نہیں ہے یہ کیسی عجیب بات ہے کہ تم کسی کو ہر گھڑی سلامتی کی دعائیں دو، اور تمھارا دل اس کی محبت سے خالی ہو۔ یقین کرو یہ سلام نہیں نفاق ہے۔

خوب صورت گیٹ اپ کے ساتھ مکتبہ پیامِ تعلیم کی دیدہ زیب کتابیں
جھیل کا راز
ثریا فرخ
قیمت 6/
ٹھگ نے ٹھگا ٹھگ کو
البصار عبدالعلی
قیمت 4/50
پیار کا پنچھی
فرخندہ لودھی
چوں چوں بیگم
شفیقہ فرحت
قیمت 4/50
گلی ور کے کتین
حیرت انگیز سفر
قیمت 6/
گدھا کہانی
میرزا ادیب
قیمت 9/
تابنیل خاں
حسین حسان جامعی
قیمت 3/

حسن فرخ

ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

انسان کی شروع سے ہی خواہش رہی ہے وہ سورج اور رات کو نظر آنے والے چاند ستاروں کے بارے میں جان سکے کہ وہ کیا ہیں اور کس لیے ہیں اور یہ کہ وہ خود ان تک پہنچے اور انھیں دیکھے یہ ایک بہت ہی مشکل کام تھا۔ انسان خلا کے بارے میں بہت کچھ جان چکا تھا۔ مثال کے طور پر چاند کیا ہے اور یہ کس طرح وجود میں آیا، ستارے کیا ہیں اور ان کے علاوہ وہ سیاروں کے بارے میں بھی بہت کچھ جان چکا تھا لیکن یہ سب کچھ اس نے دوربینوں اور خوردبینوں سے معلوم کیا تھا۔ اب اس کی خواہش تھی کہ وہ ان تک پہنچے اور انھیں خود اپنی آنکھ سے دیکھے لیکن ظاہر ہے اس کے لیے کوشش اور ہمت کی اشد ضرورت تھی۔ آخر کار وہ دن بھی آگیا۔

۴ / اکتوبر ۱۹۵۷ء کو دنیا کا پہلا راکٹ اڑا جسے روس نے تیار کیا تھا یہ صرف ۵۸ سینٹی میٹر کا ایک گولا سا تھا، جس کے اوپر المونیم پوش کیا گیا تھا۔ اس کے اندر جدید ریڈیو سسٹم لگائے گئے تھے۔ اس کا نام سپوتنک اوّل SPUTNIK تھا۔ یہ تقریباً ۳۰ ہزار کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے زمین کے گرد چکر لگاتا رہا تھا۔ اس کے اندر کوئی نہیں تھا، بلکہ اس کے اندر صرف ریڈیو سسٹم اور کیمرے تھے جو کہ زمین پر موجود اسٹیشن پر مسلسل سگنل بھیج رہے تھے۔

یہ دنیا کا سب سے پہلا مصنوعی سیارہ SATELLITE تھا جس کا وزن صرف چوراسی (۸۴) کلوگرام تھا۔ یہ سائنس دانوں کا پہلا تجربہ تھا جو کامیاب رہا اور اس سے سائنس دانوں کو بہت سی نئی معلومات حاصل ہوئیں۔ تقریباً ایک ماہ تک اپنا کام کرنے کے بعد اس نے بیٹری ختم ہو جانے کی وجہ سے اپنا کام کرنا بند کر دیا۔

خلا میں جاندار

سپوتنک اوّل کے بعد روس نے ایک اور مصنوعی سیارہ چھوڑا جس کا نام "سپوتنک۔ دوم" SPUTNIK-2

تھا۔ یہ سپوتنک۔ اول سے اس طرح مختلف تھا کہ اس میں ریڈیو سسٹم کے علاوہ ایک جاندار بھی تھا جی ہاں! یہ جاندار ایک کُتیا تھی جس کا نام لائکا LAIKA تھا۔ لائکا کو ایک چھوٹے سے کیبن میں بٹھایا گیا تھا جو راکٹ کے سب سے اوپر والے حصے میں تھا۔ لائکا کو کھانے پینے کی اشیاء دینے کے لیے کیبن میں ایک خودکار مشین لگائی گئی تھی جسے لائکا خود استعمال کر سکتی تھی۔ کیبن میں موجود کیمرے لائکا کی تصاویر زمین پر بھیج رہے تھے، جن کی مدد سے سائنس دانوں کو بہت مدد ملی۔ مثال کے طور پر انھیں اس سے یہ پتا چلا کہ خلا میں پہنچ کر ہر چیز کا وزن بہت کم ہو جاتا ہے۔ اتنا کم کہ ہر چیز اڑنے لگتی ہے۔ ان تجربات سے روسی سائنس دانوں کو یہ پتا چل گیا کہ اگر انسان کو خلا میں بھیجا جائے تو اس کے ساتھ کیا حالات پیش آئیں گے۔

اور ہاں آپ کو یہ سن کر شاید افسوس ہو کہ لائکا واپس زمین پر نہیں آسکی تھی۔

راکٹ

خلا تک پہنچنے کے لیے پہلے زمین کی کششِ ثقل سے باہر نکلنا ہوتا ہے، جس کے لیے بہت زیادہ طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب سائنس دانوں کو ایک ایسی مشین یا جہاز بنانا تھا، جس میں اتنی طاقت ہو کہ وہ آسانی سے کششِ ثقل سے باہر نکل سکے اور وہ مشین تھی "راکٹ"، کششِ ثقل سے نکلنے کے لیے بہت بڑے جیٹ انجن کی ضرورت ہوتی ہے جس کی کم از کم رفتار چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) کلو میٹر فی گھنٹہ ہونی چاہیے۔ یہ جیٹ انجن بہت زیادہ پٹرول خرچ کرتے ہیں۔

ملٹی اسٹیج راکٹ

ملٹی اسٹیج راکٹ Multi Stage سے مراد ایسا راکٹ ہے جس کے انجن کو تقسیم کر دیا جائے یعنی ایک ہی بڑا انجن بنانے کے بجائے تین چھوٹے انجن لگائے جائیں۔ یہ انجن زیادہ چھوٹے بھی نہیں ہوتے۔ اس راکٹ میں یہ سسٹم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سب سے پہلا انجن چلتا ہے۔ ایک خاص وقت کے بعد جب اس میں پٹرول ختم ہوتا ہے تو وہ گر جاتا ہے اور دوسرا انجن اسٹارٹ ہو جاتا ہے اور اس کے بعد تیسرا۔ عام طور پر ہر راکٹ میں زیادہ سے زیادہ تین انجن ہوتے ہیں۔ ملٹی اسٹیج راکٹ کا سب سے پہلا تجربہ ۱۹۴۹ء میں امریکا کی فوج نے وی ٹو کے ذریعے کیا۔ اس راکٹ کے اوپر انھوں نے اپنا ایک میزائل نصب کیا، جسے W.A.C کہا جاتا ہے۔ جب یہ راکٹ اپنی اس اونچائی پر پہنچا جو اس کی سب سے اونچائی تھی، تو راکٹ کے اوپر لگا ہوا W.A.C میزائل فائر ہو گیا اس طرح وہ چار سو (۴۰۰) کلو میٹر کی بلندی تک چلا گیا۔

نام:۔ شیخ محمد فاروق عبداللہ
تعلیم:۔ ساتویں جماعت
شغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، دوستی کرنا۔
پتا:۔ گلشن چشت نالا روڈ راوڑکیلا، اڑیسہ

نام:۔ رفعت بانو
عمر:۔ گیارہ سال
تعلیم:۔ عربی اول
شغلہ:۔ دوستی کرنا، بہنوں سے، خاص طور سے پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا۔
پتا:۔ افتخار احمد، کمرلواں، اعظم گڑھ (یوپی)

نام:۔ محمد فیض یزدانی
عمر:۔ چودہ سال درجہ دہم
شغلہ:۔ پیام تعلیم اور دوسرے رسالوں کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ گھر دلام پور، شمس پور اوایا بیلا گنج، گیا (بہار)

نام:۔ شگفتہ یاسمین
عمر:۔ سات سال
تعلیم:۔ درجہ اول
شغلہ:۔ بھائی بہنوں کے ساتھ کھیلنا

پتا:۔ گھر دلام پور، شمس پور اوایا بیلا گنج گیا (بہار)

نام:۔ ابوذر
عمر:۔ بارہ سال
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا:۔ مبارک پور ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

نام:۔ دائمی سید منہاج
تعلیم:۔ جماعت چہارم
شغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا:۔ دکن پرائمری اسکول مومن پورہ، اودگیر

نام:۔ رئیس احمد
عمر:۔ ۱۸ سال
تعلیم:۔ انٹر
مشغلہ:۔ دینی باتیں سننا، کرکٹ کھیلنا
پتا:۔ محلہ علی نگر پوسٹ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

نام:۔ محمد فہد داعودی
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ سینگ دیکھنا
پتا:۔ ابو ہاؤس سلطان اسٹریٹ، بھٹکل

نام:۔ دائمی سید فصیح الدین بہار الدین
تعلیم:۔ ہشتم جماعت
شغلہ:۔ حافظہ کرنا، کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ دائمی فصیح مومن پورہ، کمار گلی، اودگیر

نام:۔ کفیل احمد
تعلیم:۔ پانچویں جماعت

مشغلہ:۔ کورس کی کتاب کا مطالعہ کرنا اور پیام تعلیم پڑھنا۔
پتا:۔ چھتون وچیریا قاضی ٹولہ، دربھنگا

نام:۔ شکیل احمد
تعلیم:۔ ساتویں جماعت
مشغلہ:۔ حدیث پڑھنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا:۔ چھتون وچیریا قاضی ٹولہ، دربھنگا

نام:۔
نام:۔ محمد حنیف ملاّ
عمر:۔ ۱۸ سال
مشغلہ:۔ قرآن شریف کی تلاوت کرنا، پیام تعلیم اور بزرگوں کی مدد کرنا۔
پتا:۔ مدرسہ مصباح العلوم مصباح نگر، جیلان آباد، گلبرگہ

نام:۔ مرزا صمد بیگ
عمر:۔ تیرہ سال
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا:۔ بشیر گنج بیڑ (مہاراشٹر)

نام:۔ نجم الدین محمد نعمانی
عمر:۔ سولہ سال
تعلیم:۔ گیارہویں جماعت
مشغلہ:۔ سائنس کے تجربے کرنا
پتا:۔ بشیر گنج، انگلش اسکول لائن بیڑ ۴۳۱۱۲۲

نام:۔ فوزیہ عثمانی
تعلیم:۔ میٹرک
مشغلہ:۔ اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا، بیڈمنٹن کھیلنا
پتا:۔ النسان اسکول، کشن گنج (بہار)

نام:۔ فہد عثمانی
تعلیم:۔ چوتھی جماعت
مشغلہ:۔ کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا:۔ النسان اسکول، کشن گنج (بہار)

نام:۔ عبدالرشید وانی
تعلیم:۔ بی۔ ایس۔ سی
مشغلہ:۔ شاعری، ہمدردی کرنا ضعیفوں سے
پتا:۔ نادی ہل بانڈی پورہ، بارہمولہ، کشمیر

نام:۔ جمیل احمد
عمر:۔ آٹھ سال
تعلیم:۔ درجہ چہارم
مشغلہ:۔ پیام تعلیم پڑھنا، دوستی کرنا
پتا:۔ رانی چوک ہنگل واری، بیں واشم

نام:۔ ضمران ہاشم
تعلیم:۔ دوسری جماعت عمر ۸ سال
مشغلہ:۔ دوستی کرنا
پتا:۔ لال چوک، مبارکپور ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

نام:۔ سید نور
عمر:۔ ۱۸ سال
تعلیم:۔ دسویں جماعت
مشغلہ:۔ رسالے پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا:۔ مانک چوک امتراپور تعلقہ چکھلی، بلڈانہ

نام:۔ احمد مفتی طاہر نعمانی
تعلیم:۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ:۔ پڑھنا، لکھنا اور غریبوں کی مدد کرنا
پتا:۔ بشیر گنج، انگلش اسکول لائن، بیڑ (مہاراشٹر)

نام: عمران حسین مُلّا
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا
پتا: محسن منزل، مین روڈ بھٹکل

نام: ناظم علی سخاوت علی
عمر: چودہ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: نوگزی پلاٹ آکوٹ، بالمقابل ہائی اسکول کے پاس، آکولہ

نام: ابوبکر صدیق عمر: پندرہ سال
تعلیم: ایس۔ ایس۔ سی
مشغلہ: ڈاک ٹکٹ جمع کرنا، دوستی کرنا
پتا: اسلام پورہ ۸۰۰، ۱۱ انصار روڈ، مالیگاؤں، مہاراشٹر

نام: ضیا رخاں عمر: ۱۳ سال
تعلیم: ہائی اسکول، اے۔ ایم۔ یو۔ علی گڑھ
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قوم کی خدمت کرنا
پتا: محلہ بھوکی سرائے، جے گنج شہر، علی گڑھ

نام: محمد ظفر حسین
تعلیم: یازدہم (کامرس)
مشغلہ: دوست نوازی کرنا، موسیقی سننا
پتا: ۱۲ رام لوچن ملک اسٹریٹ، ایچ این ایس، کلکتہ

نام: اعجاز احمد
تعلیم: جونیر ہائی اسکول
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: محلہ علی نگر، پوسٹ مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ

نام: عبدالرحمان شاکر
تعلیم: جماعت چہارم عربی
مشغلہ: حضرت تھانویؒ کی کتابوں کا مطالعہ اور مدرسے کے قوانین کی پابندی اور پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: دارالعلوم سبیل الرشاد عربی کالج، بنگلور

نام: نعیمہ بدین
تعلیم: دسویں
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا اور دوسروں کی مدد کرنا
پتا: معرفت ماسٹر قادر، پوسٹ گیاری ضلع ارریہ (بہار)

نام: ناظمہ
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، پانچ وقت کی نمازیں پڑھنا
پتا: عبدالرحمن سنگولی، ہلی، کرناٹک

نام: ثاقب گلزار عمر: ۱۵ سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا
پتا: کمراواں آشیانہ، سرداں، اعظم گڑھ

نام: درانی جاوید خاں
تعلیم: ہفتم
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: اورنگ پورہ، اودگیر ضلع لاتور

نام: نوشاد رحمانی
تعلیم: درجہ چہارم
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول، پلوا گنج، دربھنگہ (بہار)

نام :۔ محمد علی
تعلیم :۔ پہلی جماعت
مشغلہ :۔ بھائی بہنوں کے ساتھ کھیلنا
پتا :۔ بالا پور پوسٹ ریلی، بیلاگنج ضلع گیا (بہار)

نام :۔ ابوذر صدیقی
تعلیم :۔ تیسری جماعت
مشغلہ :۔ پابندی کے ساتھ اسکول جانا
پتا :۔ درام پور، شمش پور وایا بیلاگنج ضلع گیا (بہار)

نام :۔ نوشاد وزین الدین پرکار
مشغلہ :۔ کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا :۔ آمشیب (کرجی) تعلقہ کھیڈ، رتناگیری

نام :۔ صبیحہ خاتون
مشغلہ :۔ اچھی لڑکیوں سے دوستی کرنا
پتا :۔ شاہ منزل، ریل۔پار، او۔کے روڈ آسنسول

نام :۔ مدثر نظر عبدالرزاق شیخ
تعلیم :۔ گیارھویں
مشغلہ :۔ تقریری، تحریری اور دیگر مقابلوں میں حصّہ لینا، کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا
پتا :۔ ۱۴۔ الیف نمبر ۱۳ شاستری نگر، شولاپور، مہاراشٹر

نام :۔ محمد صادق
تعلیم :۔ دسویں جماعت
مشغلہ :۔ قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا :۔ مانک چوک امڑاپور، چکھلی ضلع بلڈانہ، مہاراشٹر

نام :۔ نشاط
تعلیم :۔ تیسری جماعت
مشغلہ :۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا :۔ کے۔بی فیاضیہ اسمی شریف، پٹنہ سٹی

نام :۔ محمد راشد حسین عمر : دس سال
تعلیم :۔ پنجم
مشغلہ :۔ استاد کی خدمت کرنا
پتا :۔ سلفیہ جونیئر اسکول لہریا سرائے، دربھنگہ (بہار)

نام :۔ فیصل حسن
تعلیم :۔ اردو، فارسی
مشغلہ :۔ کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا :۔ اودنی پچلا ٹولا، اودنی بھنگوان، کیونٹی ضلع دربھنگہ

نام :۔ منشی محمد فیاض منشی تقی
تعلیم :۔ ہفتم
مشغلہ :۔ فٹ بال کھیلنا، کرکٹ کھیلنا، عام معلومات حاصل کرنا
پتا :۔ دکن اردو پرائمری اسکول سوجن پیٹھ، اودگیر

نام :۔ زیبا
تعلیم :۔ ساتویں جماعت
مشغلہ :۔ پیام تعلیم پڑھنا، دوستی کرنا
پتا :۔ کے۔بی۔فیاضیہ، سمی شریف، پٹنہ سٹی

نام : نرگس
تعلیم پانچویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، والدین سے محبت کرنا اور عام معلومات حاصل کرنا
پتا :۔ ای ۱۸ ابوالفضل انکلیو پارٹ II جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

اقوالِ زریں

نصیحت کی بات چاہے کڑوی ہو پیو۔
ماں باپ کا حکم چاہے ناگوار ہو قبول کرو۔

تبسم جہاں، تاج مارکیٹ، مراوڑ کیلا

ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔
سب سے خوبصورت اور شیریں ماں کا پیار ہے۔
ماں ہی خدا کی سب سے اچھی مخلوق ہے۔
ماں کے بغیر گھر قبرستان لگتا ہے۔
میں نے سب سے پہلے ماں کی آنکھوں میں محبت کا رنگ دیکھا
اس بات سے ہمیشہ ڈرو کہ ماں نفرت سے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھائے۔

محمد ثاقب، پوسٹ گوکاک، ضلع بلگام

دوستی ظاہری طور پر چار لفظوں پر مشتمل ایک چھوٹا سا لفظ ہے۔ لیکن اس کا پھیلاؤ لامحدود اور گہرائی، گہرے سمندر سے کئی گنا زیادہ ہے اس لامحدود وسعت کی سیر کرنا اور گہرے سمندر میں اتر جانا سب کے بس کی بات نہیں۔

انیس شاہ یونس شاہ، بدھوارہ انجمن گانوسری امراوتی

انسان کی سب سے بڑی خوبی گرنے میں نہیں، بلکہ گر کر اُٹھنے میں ہے۔
جس نے وقت ضائع کر دیا اس نے سب کچھ ضائع کر دیا۔

اللہ کے بندوں میں سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔
نماز کے بعد سب سے اچھا کام والدین کی اطاعت ہے۔
جو شخص تمہاری خامیوں سے تمہیں مطلع کرتا ہے وہ اس شخص سے بہتر ہے جو غلط تعریف کرکے تمہارا دماغ خراب کر دے۔
ماں کے دل کی دعا سے انسان کی تقدیر بدل جاتی ہے۔

ایس۔ایم رضا شاہ انجمن اسلام اردو اسکول تریمبلی

شیطان میں اگر کوئی خوبی ہو سکتی ہے تو یہی کہ وہ کاہل نہیں ہے اور ہمیشہ مصروف رہتا ہے۔
خوف اور بے رحمی ایک ہی ماں کے دو ذلیل بیٹے ہیں۔
مومن کے دروازے پر سائل خدا کا بھیجا ہوا تحفہ ہے۔

انیسہ بانو، شیخ سانشد محلہ اسلام پورہ، کھمروہ، بلگاؤں

سخی خدا کا دوست ہے خواہ وہ فاسق ہو اور بخیل اللہ کا دشمن ہے خواہ وہ زاہد ہو (عمر فاروقؓ)
قرآن وحدانیت کا سب سے بڑا نقیب ہے۔

والدین کے چہروں پر محبت کی نظر کرنا بھی اللہ کی خوشنودی کا موجب ہے۔ (چشتیؒ)
جانور اپنے مالک کو پہچانتا ہے لیکن انسان اپنے خدا کو نہیں پہچانتا۔ (حضرت عثمان غنیؓ)
خدا کے دشمنوں کے ساتھ دوستی کرنا اللہ کے ساتھ دشمنی ہے۔ (مجدد الف ثانیؒ)

محمد شاکر فرخ متعلم مدرسہ اسلامیہ بیت العلوم، گھوٹی

پڑوسی کے افلاس پر خوش ہونا ایمانی کمزوری ہے۔
صاحب حکمت وہ ہے جو قدرت و اختیار کے باوجود انتقام نہ لے۔
دشمن کے حسن سلوک پر بھروسا مت کرو۔

محمد صادق، مانک چوک اٹرا پور تعلقہ چکھلی، بلڈانہ

خوش رہنا چاہتے ہو تو دوسروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرو۔
جو لوگ میانہ روی اختیار کرتے ہیں۔ وہ کسی کے محتاج نہیں ہوتے۔
بچپن کا علم پتھر کی لکیر ہوتا ہے۔

کاشف رضا انصاری، شہنشاہ نگر بیٹر ۲۲ ۱۱۳۱م

سب سے اچھا ناصح	اپنا ضمیر
سب سے بڑی نعمت	تندرستی
سب سے بڑا خزانہ	قناعت
سب سے بڑی دولت	علم
سب سے بڑی قربانی	زکوٰۃ
سب سے بڑا جادو	خوش اخلاقی

نشاط شہ وار۔ نل گنڈا

سب سے بہتر وہ شخص ہے جو موت سے پہلے موت کی تیاری کرے۔
انسان کی دولت دنیا کی حد تک محدود رہ جاتی ہے آخرت میں صرف اپنے اعمال ہی ساتھ رہتے ہیں۔
جوانی کا ایک سجدہ بوڑھاپے کے ستر سجدوں سے افضل ہے۔

محمد افروز خاں، فورٹ ہائی اسکول، بگتیال

ہر منزل میں کوئی نہ کوئی کانٹا ضرور رہتا ہے۔
ہر کانٹا اپنے اندر کوئی نہ کوئی راز پوشیدہ رکھتا ہے۔
ہر راز میں کوئی نہ کوئی تجربہ ضرور ہوتا ہے
ہر تجربے سے کوئی نہ کوئی سبق ضرور حاصل ہوتا ہے۔
ہر سبق میں ایک جستجو کروٹ لیتی ہے۔
ہر جستجو کی کوئی نہ کوئی ابتدا ہوتی ہے۔
ہر ابتدا سے چند مسائل جنم لیتے ہیں۔
ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے۔

انجم آرا عبدالمنان اسلام پورہ، کاموڈہ

اللہ کے خوف سے رویا کرو اور اگر رونا نہ آئے تو رونے کی کوشش کیا کرو۔
(حضرت ابوبکر صدیقؓ)
کم کھانا صحت ہے کم بولنا حکمت۔ کم سونا عبادت میں داخل ہے۔ (حضرت عمر فاروقؓ)

عاصمہ بہادر خاں، شری رامپور، ضلع احمد نگر

حقوق اللہ تعالیٰ

سب سے اول بندہ کے ذمہ اللہ جل شانہٗ کا حق ہے جس نے طرح طرح کی نعمتیں ایجاد و ابقا کی عنایت فرمائیں۔ گمراہی سے نکال کر ہدایت کی طرف لائے ہدایت پر عمل کرنے کے صلہ میں طرح طرح کی نعمتوں کی امید دلائی۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق بندوں کے ذمہ یہ ہیں۔
(۱) ذات و صفات کے متعلق موافق قرآن۔ حدیث کے اپنا اعتقاد رکھے (۲) عقائد اعمال معاملات، اخلاق میں جو ان کی مرضی کے موافق ہو

اختیار کرے اور جو ان کے نزدیک ناپسندیدہ ہو اس ترک کرے۔ (۳) اللہ تعالیٰ کی رضا و محبت کو سب کی رضا و محبت پر مقدم رکھے (۴) جس سے محبت یا بغض رکھے یا کسی کے ساتھ احسان یا دریغ کرے سب اللہ کے واسطے کرے۔

شمشاد پروین گلشن چشت تالاروڈ راؤرکیلا، اڑیسہ

یاد رکھ

رات کو سوتے وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگ شاید یہ تیری زندگی کی آخری رات ہو۔

ہر کام شروع کرنے سے پہلے اپنے ضمیر کی آواز سن کیوں کہ یہ تیرا سچا رہبر ہے۔

سچائی ایمان کی نشانی ہے۔

جوانی میں قدم سنبھال کر رکھ کہیں بڑھاپا تیرا دشمن نہ بن جائے۔

سلمان شاہد پورہ صوفی مسجد گلاب چمن مبارکپور اعظم گڈھ

علم دوستی ہے اسے نبھائیے۔
علم بندگی ہے اسے ادا کیجیے۔
علم زندگی ہے اس کی قدر کیجیے۔
علم انسانیت ہے اسے اپنائیے۔
علم خزانہ ہے اسے ڈھونڈیئے۔
علم دین ہے اسے سیکھیے
علم طاقت ہے اسے بڑھائیے۔
علم دولت ہے اسے حاصل کیجیے۔
علم روشنی ہے اسے پھیلائیے

محمد عارف اعجاز قریشی بدھوارہ، انجنگاؤں سورجی

اگر سننا چاہو تو.... خدا کی تعریف اور مظلوموں کی پکار سنو۔

اگر دیکھنا چاہو تو.... حق اور ناحق کے فرق کو دیکھو۔

اگر پہننا چاہو تو.... نیکی کا لباس پہنو۔

اگر توبہ کرنا چاہتے ہو تو.... اپنے گناہوں اور ظلم سے توبہ کرو۔

کہکشاں پروین۔ اولڈ اسٹیشن روڈ، راؤرکیلا سندرگڑھ اڑیسہ

اعتبار نہیں

ابر کے ــــ سایہ کا۔

تندرستی اور ــــ زندگی کا۔

جواری کی ــــ مالداری کا۔

طلحہ نقشبندی القادری بالاپور ضلع آکولہ

غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔

اچھی بات چاہے کسی سے بھی ہو غور سے سنو۔

خاموشی [illegible] کا سب سے بہتر طریقہ ہے۔

اچھی صورت کے مقابلے میں اچھی سیرت کا رتبہ بلند ہے۔

سلمہ موسیٰ الشیخ، شری رامپور، احمد نگر

کامل ایمان ان کا ہے جن کے اخلاق اچھے ہیں۔

جس کو کسی مسلمان کا غم نہ ہو وہ میری امت میں نہیں۔

بات کرنے سے پہلے سلام کرو۔

سادگی ایمان کی علامت ہے۔

انسان کی حفاظت اس کی زبان میں ہے۔

خودکشی بہت بڑا گناہ ہے۔

امتیاز مومن، ساتپے محمد انتی ضلع بیلگام کرناٹک

انسان کی قابلیت زبان میں پوشیدہ ہے۔

انسان کو زبان کا قلم استعمال کرتے وقت

اپنے دل کی سیاہی میں ڈوبو لینا چاہیے۔

انسان کے دل میں علم کی مثال ایسی ہے جیسے اندھیرے گھر میں چراغ۔

اخلاق وہ پھول ہے جس کی خوشبو سب کو اچھی لگتی ہے۔

امداد اللہ۔ الخنی، بیلگام

مت چلا

بڑوں کے سامنے زبان۔
جان کر کھوٹا سکہ۔
محلے اور بازار میں تیز سواری۔
کسی کو غلط راستے پر۔

نازیہ بشیر شیخ، شری رامپور ضلع احمد نگر

سونے کی سنتیں

باوضو سوئے۔ تین مرتبہ بستر جھاڑ کر سوئے۔
کلمہ شریف پڑھ کر سوئے۔
تسبیح فاطمہ پڑھ کر سوتے۔
تینوں قل پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک کر سارے بدن پر پھیرے۔
سورۃ ملک الم سجدہ پڑھ کر سوئے۔
داہنی کروٹ لیٹ کر ہاتھ رخسار کے نیچے رکھے۔
دعا پڑھ کر سوتے۔

ثمینہ حسین شاہ، شری رامپور، احمد نگر

اقوال حیدر علی

توپ اور بندوق کی آواز آہنگ سرود سے زیادہ مزہ دیتی ہے!

لڑائی فتح کر لینے میں جو خوشی حاصل ہوتی وہ کسی جشن میں نہیں!

اگر مجھے مجھ جیسا ایک آدمی اور مل جائے تو میں خدا کی تائید سے ہفت اقلیم فتح کرلوں اور دنیا کو فتوحات عمرؓ کا نقشا دکھادوں!

میرا پیغمبر بھی اُمّی اور میں بھی اُمّی یہ خدا کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ مجھ ایسے جاہل سے ایسے کارہائے نمایاں ظہور پذیر ہوں جو ہزاروں عالموں سے وقوع میں نہ آئیں!

عبدالرحمن ماہر، بہارہ قاضی ضلع سدھارتھ نگر

مہکتی باتیں

زیادہ مذاق کرنے سے دلوں میں جدائی اور کینہ پیدا ہو جاتا ہے اور دشمنی بڑھ جاتی ہے۔

زبان ایک ایسی ترازو ہے کہ عقلمندی سے اس کے پلڑے بھاری اور نادانی سے ہلکے ہوجاتے ہیں۔

دلوں کو فتح کرنے والوں کے لیے تیر اور تلوار کی نہیں بلکہ شیریں زبان کی ضرورت ہوتی ہے۔

انجم آرا عبدلمناف کاسودہ

جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ تعالیٰ بھی رحم نہیں کرتا۔

جھوٹی قسم نیکی کو برباد کر دیتی ہے۔

نماز کے بعد سب سے اچھے کاموں سے بڑھ کر اچھا کام والدین کی اطاعت ہے۔

نزہت انجم قریشی محلہ برھئی پورہ ھنگرول، آکولہ

جھوٹ دوسروں کو خوش کرنے کے لیے بھی نہ بولو۔

شکر سب سے بڑی حکمت ہے شکر گزاری پورے دین کا خلاصہ ہے۔

صبر اور شکر سے بڑھ کر کوئی چیز میٹھی نہیں ہوتی۔

رعنا بتول، آرمور ضلع نظام آباد۔

میرے پسندیدہ اشعار

جو ہم نہ ہوں تو زمانے کی سانس رک جائے
قتیل وقت کے سینے میں ہم دھڑکتے ہیں

ظفر اقبال، یونائیٹڈ اسٹورس مین روڈ، راؤرکیلا

ہوگا طلوع کوہ کے پیچھے سے آفتاب
شب مستقل رہے گی کبھی یہ نہ سوچیے

محمد صدام الدین، برواہا، کٹول۔ دربھنگہ (بہار)

خدا کو یاد کر بندے بنا جنت میں گھر اپنا
مؤذن کی اذاں سن کر اٹھا تکیے سے سر اپنا

محی الدین پیرزادہ منصوری، ہاسن (کرناٹک)

خاموش زندگی کو آواز دے رہے ہو
ٹوٹے ہوئے ہاتھوں میں تم ساز دے رہے ہو

معین الدین شاہ۔ آسنسول

جب جب اسے سوچا ہے دل تھام لیا میں نے
احسان کے ہاتھوں سے انسان پہ کیا گزری

ترنم نثار خاں، شری رامپور (احمد نگر)

قبر کے جو کتبے خالی ہیں انھیں مت بھولو
جانے کب کون سی تصویر لگا دی جائے

عامر حسین آزاد، گیاری گاؤں، اررریہ (بہار)

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

محمد نصیر اختر، رحمت نگر، برہان پور

تو ہی دیتا ہے نشہ اپنے مظلوموں کو جینے کا
ہر اک ظالم کا نشہ توڑنے والا فقط تو ہے

نفیس، سوجی، انجن گاؤں، ضلع امراوتی ۴۴۴۷۲۰

مری روح کی حقیقت مرے آنسوؤں سے پوچھو
مرا مجلسی تبسم مرا ترجماں نہیں ہے

محمد عقیل شیخ نعل، شری رامپور، ضلع احمد نگر

اے غم عشق مری آنکھ کو پتھر کر دے
ہیں مرے سر پہ ترے اور بھی احسان بہت

سید احمد غلام رسول، ۲۱۴ اسلام پورہ، مالیگاؤں

پھولوں کا بکھرنا تو مقدر ہی تھا لیکن
کچھ اس میں ہواؤں کی سیاست بھی بہت تھی

محمد فیصل حسن۔ ادنسی بچپلا ٹولہ، مدھوبنی

میرا تو جو بھی قدم ہے وہ تیری راہ میں ہے
کہ تو کہیں بھی رہے تو میری نگاہ میں ہے

محمد ظہیر الدین۔ بذیرہ بھولجی، ناندورہ، بلڈانہ مہاراشٹر

یہ چمن چھوڑ کر ہم لوگ کدھر جائیں گے
اپنے ماحول سے بچھڑیں گے تو مر جائیں گے

محمد نصر، سلفیہ جونیئر اسکول، دربھنگہ (بہار)

روتے ہیں دل کے زخم تو ہنستا نہیں کوئی
اتنا تو فائدہ مجھے تنہائیوں سے ہے

محمد مشتاق۔ کاغذی پورہ ۱۹ امیر نڈول

میری غربت نے اڑایا ہے مرے فن کا مذاق
تیری دولت نے ترے عیب چھپا رکھے ہیں

محمد فیض رضا، دوام پور، فرس پور، بیلا گنج، گیا (بہار)

ہمیشہ مل کے رہنے کے نتیجے نیک ہوتے ہیں
وہیں کچھ لطف آتا ہے جہاں دل ایک ہوتے ہیں

مرزا فضل اللہ بیگ۔ گورنمنٹ ہائی اسکول

مانا کہ اس زمیں کو نہ گلزار کر سکے ہم
کچھ خار کم تو کر گئے گزرے جدھر سے ہم

محمد زاہد حسنی سلفیہ جونیر اسکول ہریا سرائے

الٰہی آبرو رکھنا بڑا نازک زمانہ ہے
دلوں میں بغض رکھتے ہیں بظاہر دوستانہ ہے

رئیس الرحمٰن۔ شیواجی نگر گوونڈی، بمبئی ۴۳

یہ جنت مبارک رہے زاہدوں کو
کہ میں آپ کا سامنا چاہتا ہوں

ظہور اکرمی۔ شا[illegible] اسٹریٹ، بھٹکل

لباس پارسائی سے بزرگی آ نہیں سکتی
شرافت نفس میں ہوگی تو انساں پارسا ہوگا

عبدالحی عمری جھنجھار پور مدھوبنی۔ بہار

قسمت کی خوبی دیکھیے ٹوٹی کہاں کمند
دو چار ہاتھ جب کہ لب بام رہ گیا

مجاہد بن عبدالسمیع محلہ میر شکار ٹولہ، پٹنہ

ضمیر لالہ میں روشن چراغ آرزو کردے
چمن کے ذرّے ذرّے کو شہید جستجو کردے

سیمیں عذار۔ حلیم کالج عظیم آباد کالونی شاہ گنج پٹنہ

ملاوٹ کرنے والوں نے کیا ہے فیصلہ مل کر
جو گلشن ہم نے سینچا ہے اسے پامال کردیں گے

انیس الدین زبیری۔ پوسٹ رچھا، بریلی یوپی

لائی حیات آئی قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

سائرہ چاند۔ سری رامپور۔ احمد نگر

کترا کے نکل جاتی ہیں اب تیز ہوائیں
شاید وہ سمجھتی ہیں کہ مفلس کا دیا ہے

ذوالفقار احمد۔ ۱۹۸۸ اسلام پورہ، مالیگاؤں

ماہ رمضان میں ہر سمت یہی عالم ہے
در و دیوار و مساجد کہیں خالی نہ رہے

عید کے بعد جو دیکھا تو یوں منظر پایا
مسجدیں نوحہ کناں ہیں کہ نمازی نہ رہے

ظہیر قدسی۔ عبداللہ ہال ۴۴۔ اب کمال پورہ۔ مالیگاؤں

اظہار حقیقت بھی کہیں جرم نہ ٹھہرے
اس شہر میں سچ بات کا دستور نہیں ہے

عرفان احمد۔ اکیلا۔ مالیگاؤں

یہ اک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تنزیلہ صلاح کمراواں۔ اعظم گڑھ

دیکھنا وار کہیں پشت کی جانب سے نہ ہو
راستہ اپنے بچاؤ کا نکالے رکھنا

خالد اختر عبدالعزیز۔ ۴۴ موتی تالاب۔ مالیگاؤں

باطل کے آگے تم نہ سپر ڈالنا کبھی
یہ درس دے گئی ہے ہمیں کربلا کی جنگ

رئیس احمد اسلام پورہ محمد علی روڈ۔ مالیگاؤں

دکر تقدیر سے شکوہ مقدر آزماتا چل
نہ ڈر منزل کی دوری سے قدم آگے بڑھاتا چل

حافظ محمد ربانی۔ گنتور ۱۰۰ ۲۲ ۵ (اے پی)

معلوم بھی ہے مالی خوں اپنا پلاتا ہے
یوں ہی نہیں کھل جاتی گلشن میں کلی کوئی

ابوسلیم صدیقی۔ سطر نجی پورہ، بالاپور

چار دن کی زندگی ہے کاٹ دو ہنس بول کر
دل لگا لو پھر قفس بھی آشیاں ہو جائے گا

کاشف رضا انصاری۔ شہنشاہ نگر نیو جامع مسجد بیڑ

ہے شرط بلندی کے لئے جہد مسلسل
پستی کے لئے تھوڑا بہک جانا بہت ہے

مظفر حسین رام لوچن ملک اسٹریٹ، کلکتہ

مر کے بھی زندہ رہتے ہیں اللہ کے ولی
لیتے ہیں لوگ اس لیے بوسے مزار کے

فاروق اعظم۔ عظیم آباد کالونی، شاہ گنج۔ پٹنہ

زندگی تو بے وفا ہے ایک دن ٹھکرائے گی
موت محبوبہ ہے اپنے ساتھ لے کر جائے گی

شگفتہ خاتون ــــــ چکیا دو

اے دل جو ہو سکے تو یوں لطف غم اٹھائے
تنہائیوں میں روئے محفل میں مسکرائے

اختری خانم۔ اختیار پور، سری، پورنیہ

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں پر

مقصود احمد رحمت جمک دائم، اکولہ

پھر کی زندگی میں ایک دن وہ شام آتی ہے
نہ تقوی کام آتا ہے نہ تو یہ کام آتی ہے

شیخ اصغر نہاوی۔ تعلقہ بیاول، جلگاؤں

گزارے زندگی اب قوم اپنی ان فضاؤں میں
مسرت ناچتی ہو رات دن جن کی ہواؤں میں

رحمت اللہ۔ باڑھ سیلا (دربھنگہ) بہار

اے ظفر قائم رہے گی جب تلک اقلیم ہند
اختر اقبال اس گل کا چمکتا جائے گا

محمد راشد حسین۔ لہریا سرائے دربھنگہ (بہار)

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمیں بھی نہ ملی کوئے یار میں

ارشد باڑھ سمیلہ، دربھنگہ (بہار)

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

محمد ناظر تامبٹری۔ ہلیی (کرناٹک)

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

پس مردن لب جاں بخش کی تاثیر دیکھیں گے
لحد میں جی اٹھیں گے جب تری تصویر دیکھیں گے

بیگم قمر النساء گلشن چشت نالا روڈ راؤرکیلا اڑیسہ

تمام خلق کی دولت سمیٹ لے انساں
سکون قلب کی دولت نہیں تو کچھ بھی نہیں

محمد اسحاق۔ کالونی میگٹ روڈ، کھنڈوا

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ
پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

عطاء الرحمن عطا اعظم پوری، مئو آئمہ ضلع الٰہ آباد

نہ کر برباد اپنی زندگی بوتل کے پانی میں
وہی کاٹے گا بڑھاپے میں جو بوئے گا جوانی میں

شکیل احمد خاں نیمی، محمد پورہ، برکاتی منزل، بھیونڈی

جہنم اور جنت کی بکنگ آفس ہے یہ دنیا
عمل دے کر ٹکٹ لے لو جہاں جانے کی خواہش ہو

نکہت پروین۔ چپلی پورہ، جگروا پیر

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

راغب علی۔ غفار منزل جامعہ نگر، نئی دہلی

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن
خوف سے ہر کلیجہ دہل جائے گا
اوڑھ کر کالی کملی وہ آ جائیں گے
حشر کا سارا نقشا بدل جائے گا

ساجد اعظمی۔ چک جادو، درگاہ بیلا، ویشالی

ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

نزاکت علی۔ اکوٹ، مہاراشٹر، اکولا

بہت مشکل ہے ہر چہرے سے دل کا راز پڑھ لینا
جو گہرے لوگ ہیں کم بخت پہچانے نہیں جاتے

یوسف خاں۔ قمیر نگر، مالیگاؤں

کوئی انسان کسی انسان کو کیا دیتا ہے
آدمی ایک بہانہ ہے خدا دیتا ہے

محمد فیض یزدانی۔ رام پور شمس پور، گیا بہار

درد جس دل میں ہو اس دل کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں

ریاض احمد صدیقی۔ اونسی بجلا ٹولہ [illegible]

مکاں جب کوئی تعمیر ہوتا ہے احمد
تو اینٹ اینٹ عمارت کی چوٹ کھاتی ہے

محمد شاکر فرخ۔ مدرسہ اسلامیہ بیت مئو، لکھنؤ

جانے کیوں بھائی کا بھائی کھل کے دشمن ہو گیا
گھر میں دیواریں اٹھانا اب تو فیشن ہو گیا

عبد الجلیل خاں کنڈہ کلاں، بھگوان پور، بہرائچ

یارب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے

محمد ارمان علی۔ رام لوچن ملک اسٹریٹ، کلکتہ

تیرے ہی حسن سے یہ کائنات ہے روشن
ترا ہی نور چمکتا ہے مقدر میں

رضوان احمد اعظمی۔ کرولی سرائے میر، اعظم گڑھ

دولت علم عطا کی ہے عمل بھی دینا
میرے اللہ مری تعلیم کا پھل بھی دینا

محمد خمیر۔ ودھیا نگر، بیڑ (مہاراشٹر)

صدا دے رہا ہوں سدا کے لیے
کرو ہر عبادت خدا کے لیے

محمد بدر الدین۔ تاکلی کر، ضلع پربھنی

طلبہ جماعت میں پڑھ رہے تھے کہ ایک طالب علم کھڑا ہوا اور بولا۔

"استاد جی! ابھی میرے پاس شیطان آیا تھا۔ کہہ رہا تھا کہ سب لڑکوں کو مارو۔"

"استاد نے کہا" شیطان کی بات نہیں ماننی چاہیے، طالب علم بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد پھر کھڑا ہوا اور بولا۔

"شیطان پھر آیا تھا کہہ رہا تھا کہ سب لڑکوں کو سبق پڑھنے سے منع کرو۔"

استاد نے کہا کہ "ہمیں شیطان کی بات نہیں ماننی چاہیے۔" طالب علم بیٹھ گیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر کھڑا ہوا اور کہنے لگا "شیطان پھر آیا تھا کہہ رہا تھا کہ ماسٹر صاحب کے لیے دیسی گھی کے پراٹھے اور بھنا ہوا مرغ لاؤ۔"

کبھی کبھی شیطان کی بات بھی ماننی چاہیے۔" ماسٹر صاحب نے کھنکھارتے ہوئے طالب علم سے کہا۔

انیس احمد، اسلام پورہ، مالیگاؤں

باپ نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا، محنت دنیا میں اپنا انعام ضرور دیتی ہے۔ اب تم یہی دیکھو کہ میں جس دکان کا مالک ہوں اس پر دس روپے ماہوار پر ملازم ہوا تھا، مگر انتھک محنت سے آج اس کا مالک ہوں۔"

بیٹے نے جواب دیا "درست ہے ابو مگر اب وہ دور نہیں رہا۔ اب تو دکاندار ایک ایک پیسے کا حساب رکھنے لگے ہیں۔"

محمد شارق اقبال: بڑا مومن پورہ، بالاپور ضلع اکولہ

استاد: (انور سے) "اگر تم مغرب کی طرف منہ کرکے کھڑے ہو جاؤ تو تمھارے بائیں ہاتھ پر کیا ہوگا؟"

انور: "جناب! چار انگلیاں اور ایک انگوٹھا۔"

عبدالسلام: ۸/۲ ۱۱ نزد مسجد بہرنپور، بردوان

امریکہ کے چند نامور سائنس دانوں نے ایک ایسی سلاخ تیار کی جو صرف خوردبین کے ذریعے نظر آتی تھی۔ انھوں نے یہ سلاخ جاپان بھجوائی تاکہ وہاں کے ماہرین اس کے بارے میں اپنی رائے دے سکیں۔ یہ سلاخ ۶ ماہ بعد جاپان سے آگئی۔ جب امریکہ کے ماہرین نے اس کا معائنہ کیا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں ایک سوراخ ہو چکا تھا۔ پھر انھوں نے اس سلاخ کو یہ سوچ کر ہندستان بھیجا کہ دیکھو وہاں کے ماہرین اس بارے میں کیا رائے دیتے ہیں۔ سلاخ ایک ہفتہ میں واپس آگئی۔ جب ماہرین نے اس کا معائنہ کیا تو وہ سب بے ہوش ہو گئے۔

ایک سائنس دان کو بڑی مشکلوں سے ہوش میں لایا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے سلاخ میں کیا دیکھا۔ ماہر یہ کہتا ہوا پھر بے ہوش ہو گیا کہ انھوں نے سلاخ پر Made in India لکھ دیا ہے

محمد نفیس انصاری بھٹواڑگلی، مومن پورہ، بالاپور، اکولہ

ندیم (نوید سے) "نوید تم نے یہ ٹائی کتنے کی لی ہے؟"

نوید "جب یہ ٹائی میں نے لی تھی تو اُس وقت دکاندار دکان پر نہیں تھا۔"

ساجد پرویز : کربلا بازار

ایک پارک میں دو بچیوں میں انتہائی خفیہ گفتگو ہو رہی تھی۔

ایک نے دوسری سے کہا "تم یہ بات صرف نبیلہ، شکیلہ، شاذیہ، انجم، شمائلہ اور نادیہ کو بتانا اور کسی کو نہیں۔"

شبینہ ترنم نظیر احمد کمار پورہ، ناگپور روڈ، ایوت محل

ایک دوست (دوسرے سے) : بھئی، تمھاری چوری شدہ کار میں نے ایک گیراج میں کھڑی دیکھی ہے۔

دوسرا : دیکھی تو میں نے بھی ہے مگر میں فی الحال پولیس میں رپورٹ نہیں کرنا چاہتا۔

پہلا : وہ کیوں؟

دوسرا : دراصل میں چاہتا ہوں کہ وہ لوگ اس کا خراب ٹائر بدل لیں تب پولیس کو اطلاع دو۔

انوار، پربھنی

بچی (اپنی ماں سے) ماں ماں! میں ایک سطر کا لطیفہ سناؤں؟

ماں : سناؤ۔

بچی : ایک بڑھیا بچپن میں مرگئی!

احسان احمد: محلہ قاضیان چوہٹہ، پنجاب

(ایک دوست دوسرے دوست سے) یار یہ بتاؤ کہ قوال قوالی گاتے وقت اپنا ایک ہاتھ کان پر کیوں رکھتے ہیں؟

دوسرا دوست: تاکہ اپنی بھدی آواز نہ سن سکیں۔

امتیاز احمد : [illegible]

علیہ (سعدیہ سے) "اس دفعہ میں ایسی چیز بھیج رہی ہوں جسے رسالے کا اڈیٹر ہر حال میں قبول کرے گا۔"

سعدیہ : "وہ کیا چیز ہے؟"

علیہ : "سالانہ خریداری کے لیے ۴۴ روپے کا چیک!"

مسرت پروین : برنپور، بردوان (ویسٹ بنگال)

ٹیچر (بچوں سے) "ترقی یافتہ ممالک میں بچے پندرہ سال کی عمر میں ہی اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے ہیں۔"

حنیف (حیرت سے) "اس میں بھلا ترقی یافتہ ہونے کی کون سی بات ہے، ہمارے ہندستان میں تو ایک سال کا بچہ دوڑنے لگتا ہے۔"

محمد شعبان معروفی - پتہ نہیں لکھا

ایک شخص نے دوسرے سے کہا، معاف کیجیے میں بہرا ہوں آپ مجھ سے ایک گھنٹے سے مسلسل بات کر رہے ہیں اور میں آپ کی بات سُن نہیں سکتا۔ دوسرے نے کہا آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں آپ سے بات نہیں کر رہا تھا بلکہ چیونگم کھا رہا تھا۔

عبدالودود : بیٹیا، مروٹیا بازار، [illegible] (یوپی)

ایک لمبی داڑھی والے بزرگ سائیکل سے جا رہے تھے کہ ایک خاتون سے ٹکرا گئے۔ وہ خاتون بولیں۔

واہ صاحب اتنی لمبی داڑھی رکھے ہوئے ہیں اور دوسروں سے ٹکراتے پھر رہے ہیں شرم نہیں آتی آپ کو۔ وہ صاحب بولے بیٹی معاف کرنا یہ داڑھی ہے بریک نہیں۔

شاداب عالم : سینٹرل اسکول کشن گنج

متعلقہ شخص کھلاڑی سے: "آپ نے کتنے عرصے ہاکی کھیلی ہے"

کھلاڑی: "جناب پچھلے دس برس سے ہاکی کھیل رہا ہوں"

افسر: "ماشاء اللہ، آپ کی بہترین کارکردگی میرا مطلب ہے ایک میچ میں کتنے گول کیے"

کھلاڑی: "سر کوئی نہیں!"

افسر: "تو پھر آپ کے سفارشی ہونے میں شک نہیں۔"

کھلاڑی: "نو سر! میں گول کیپر ہوں!"

شرف عالم: مدرسہ اسلامیہ شاہ پور بگھونی سمستی پور بہار

دو افیمی آپس میں باتیں کر رہے تھے کہ ایک نے دوسرے سے کہا کہ "آؤ الہ آباد چلیں، دوسرے نے کہا، ہم کیسے جائیں گے،" پہلے نے کہا کہ لیٹر بکس میں سر پھنسا دیتے ہیں ڈاکیا آکر لے جائے گا۔ دونوں نے ایسا ہی کیا جب ڈاکیہ آیا تو اس نے دونوں کو دو دو جوتے لگائے۔

پہلا افیمی! یہ کیا ہو رہا ہے۔

دوسرا! یہ الہ آباد کی مہر لگ رہی ہیں۔

صابر خاں۔ برن پور۔ بردوان

"جناب! ایک ٹیلی گرام لایا ہوں،" باہر سے آواز آئی۔

"ٹھیک ہے! دروازے کے نیچے سے اندر ڈال دو،" مسافر نے بستر پر بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔

"ناممکن ہے جناب! ٹیلی گرام ٹرے میں رکھا ہے" باہر سے آواز آئی۔

محمد شمیم اختر: اولڈ اسٹیشن روڈ اسندر گڑھ (اڑیسہ)

مٹی کے تیل کی دکان بند تھی مگر اس پر رش بہت تھا۔ ہر شخص پہلے تیل حاصل کرنا چاہتا تھا اس دھکم پیل میں ایک بوڑھا جتنا آگے بڑھنے کی کوشش کرتا لوگ اسے اتنا ہی پیچھے ہٹا دیتے۔ آخر تنگ آکر اس نے کہا۔

"اگر تم لوگ مجھے آگے نہیں جانے دوگے تو میں دکان نہیں کھولوں گا!"

محمد مصباح انجم: بہار شریف (نالندہ)

ایک شخص کی بیوی بہت کالی تھی۔ ایک روز اس نے لال گہرے رنگ کی ساڑی پہنی اور اپنے شوہر سے پوچھنے لگی۔

بیوی: اجی دیکھیے، ذرا ادھر اور بتایئے میں کیسی لگ رہی ہوں۔

شوہر نے بیوی کی طرف دیکھا اور کہا بتاؤں تم کیسی لگ رہی ہو! بتاؤ نا بیوی نے کہا۔ شوہر: تم ایسی لگ رہی ہو جیسے کوئلے کی کان میں آگ لگ گئی ہو۔

انیس شاہ یونس شاہ: بدھوارہ اسود جی انجی گاؤں

معلومات

جانور	اوسط عمریں
ریچھ	۵۰ سال
مگرمچھ	۳۰۰ یا ۴۰۰ سال
کتا	۲۰ سال
بکری	۱۵ سال
گھوڑا	۵۰ سال
کچھوا	۱۰۰ سال
بلی	۱۵ سال
سانپ	۱۰ سال
ہاتھی	۱۰۰ سال
چوہا	۲ یا ۳ سال

سلمان ضیاء احمد سلوتری، فلیٹ
جو گیشوری (مغرب) بمبئی ۴۰۰۱۰۲

☆ خانہ کعبہ کی عمارت کی بلندی ۴۴ فٹ ۶۵ء۲ انچ ہے۔
☆ خانہ کعبہ کی مشرقی دیوار کی بلندی ۳۸ فٹ ۱۸ انچ ہے۔
☆ خانہ کعبہ کی شمالی دیوار کی لمبائی ۳۳ فٹ ۶۵ء۱ انچ ہے۔
☆ خانہ کعبہ کی کرسی کی بلندی ۴ فٹ ۶۵ء۲ انچ ہے۔
☆ خانہ کعبہ کے دروازے کی چوڑائی ۶۵ء۳ فٹ ہے۔
☆ حجر اسود خانہ کعبہ کے جنوب مشرق کی سمت میں ہے۔
☆ حجر اسود کی زمین سے بلندی ۴ فٹ ۷ انچ ہے۔
☆ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا مبارک نام ۲۶۹۸ بار آیا ہے۔

سید ابوالکلام آزاد سید شجاع الدین،
بیاعلہ، بہرتہ کھولی۔

ہاتھی کے دماغ کا وزن ۵ کلو ۲۰۰ گرام
کتے کے دماغ کا وزن ۳۰ گرام
گھوڑے کے دماغ کا وزن ۶۵۰ گرام
بلی کے دماغ کا وزن ۳۰ گرام
گینڈا کے دماغ کا وزن ۶۰۰ گرام
چوہے کے دماغ کا وزن ۰.۴۳ گرام

نعیم اختر لال چوک، مبارکپور ضلع اعظم گڑھ (یوپی)

کسے کیا کہتے ہیں؟

بہار کا غم	کوسی ندی
بنگال کا غم	دامودر ندی
جھیلوں کا دیس	شاخین لینڈ
موتی کا جزیرہ	بحرین
دنیا کی چھت	پامیر کا پلیٹو
چینی کا پیالہ	کیوبا
دریائے نیل کا تحفہ	مصر
سات پہاڑوں کا شہر	روم
چین کا غم	ہوانگ ہو
دنیا کی جنت	کشمیر
ہندستان کا سوئزرلینڈ	سری نگر
سونے کا گیٹ	سان فرانسسکو

محمد اصغر علی، ساوتھ بازار، اڈال (بردوان)

۱۔ حضور نے فرمایا کہ کوئی شخص سو کر اٹھے تو جب تک تین بار ہاتھ نہ دھولے اس کو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالنا چاہیے
۲۔ دانتوں کی صفائی کے لیے فرمایا یہ اگر میری امت پر بوجھ نہ ہوتا تو ہر نماز کے وقت مسواک کرنے کا حکم دیتا
۳۔ عام راستوں اور درختوں کے سلسلے میں پاخانہ نہ کرنا چاہیے۔
۴۔ غسل خانہ کی زمین میں پیشاب نہ کرنا چاہیے۔
۵۔ استنجا بائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے اور پانی کے ساتھ مٹی بھی استعمال کرنا چاہیے۔
۶۔ ہفتہ میں ایک دن مسلمان کے لیے غسل کرنا، کپڑے بدلنا، خوشبو لگانا اچھا سمجھا گیا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے۔

محمد رضوان عیدوسہ، اسلامیہ اینگلو اردو ہائی اسکول۔ مشکل

شہنشاہ اکبر کی وفات ۱۶۰۵ء میں ہوئی
صدیق اکبرؓ کی وفات ۱۳ھ میں ہوئی
امام محمد باقر کی وفات ۱۱۴ھ میں ہوئی
امام شافعیؒ کی وفات ۲۰۴ھ میں ہوئی
علامہ اقبال کی وفات ۱۹۳۸ء میں ہوئی

محمد شاکر فرخ، مدرسہ اسلامیہ، مہیت مئو، لکھنؤ

مغلیہ خاندان کا آخری بادشاہ (بہادر شاہ ظفر)
مصر کا آخری بادشاہ (شاہ فاروق)
اسپین کا آخری بادشاہ (ابو عبداللہ بن حسین)
افغانستان کا آخری بادشاہ (ظاہر شاہ)
ایران کا آخری بادشاہ (رضا شاہ پہلوی)
لیبیا کا آخری بادشاہ (شاہ ادریس)
عراق کا آخری بادشاہ (امیر شاہ فاروق)
تغلق خاندان کا آخری بادشاہ (محمد شاہ تغلق)

محمد جاوید اقبال، کمسو محلہ، این۔ آر۔ آر۔ روڈ آسنسول (مغربی بنگال)

اونٹ ایک ایسا جانور ہے جو پانی میں تیر نہیں سکتا۔
۲۔ دنیا میں زرافہ سب سے لمبا جانور ہے۔ بھلے ہی اس کے دشمن کم ہوں مگر وہ اپنی لمبی ٹانگوں اور بھاری کھروں سے شیر کو بھی مار سکتا ہے۔
۳۔ دنیا میں سب سے لمبی سرنگ روس میں ہے۔
۴۔ انڈونیشیا کا پورا نام جزائر شرق الہند تھا
۵۔ مشین گن ایک منٹ میں ایک ہزار گولیاں چھوڑتی ہے۔
۶۔ کتا ایک ایسا جانور ہے جو لگ بھگ ہر ملک میں پایا جاتا ہے۔

انصاری جمیل احمد راجہ، حبیب احمد صاحب، نیو شہنشاہ نگر بیڑ (مہاراشٹر)

☆ دنیا میں ایک منٹ میں ۲۴۸ اموات ہوتی ہیں۔
☆ پرندوں میں صرف توتا ہی جمائی لیتا ہے۔
☆ انسان کے جسم کی بناوٹ میں ۲۰ لاکھ سے زیادہ سوراخ ہوتے ہیں۔
☆ ایک عام صحت مند آدمی ایک منٹ میں ۱۶ مرتبہ سانس لیتا ہے۔
☆ پرندوں کا درجہ حرارت ۱۰۰ سے ۱۱۲ تک ہوتا ہے۔

محمد خورشید عالم، کلواڈیہہ، درگاہ بیلا، ویشالی

۱۔ سولھویں صدی کے آخر میں اسپین کے ایک شخص جوزف نے گیہوں کے ایک دانہ کی گاڑی تیار کی تھی، خورد بین سے دیکھنے پر گاڑی کے اندر کی کرسیاں بھی نظر آسکتی تھیں۔
۲۔ سویڈن کے ایک شخص مورنجالیس نے ہاتھی دانت کی ۱۲ قابیں ایسی چھوٹی چھوٹی تیار کی تھیں جو سیاہ مرچ کے اندر آسکتی تھیں۔
۳۔ ۱۹۵۳ء میں مصر کی زرعی نمائش میں مرغی کا ایک انڈا پیش کیا گیا جس پر سلطنت عثمانیہ کی پوری تاریخ لکھی ہوئی تھی۔
۴۔ سولھویں صدی عیسوی میں ایک لوہار نے ملکہ الزبتھ کو سونے کی ایک زنجیر بنا کر پیش کی تھی جس میں پچاس کڑیاں تھیں۔ یہ زنجیر اتنی باریک اور ہلکی تھی کہ مکھی کے پاؤں میں باندھی گئی تو وہ اسے بہ آسانی لے اڑی۔

فیروز احمد، اردو ہائی اسکول، زاوڑ کیلا

☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ۱۱ھ تک تھا۔
☆ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا زمانہ ۱۰۰ھ تک تھا۔ آخری صحابی ابو طفیل ہیں۔
☆ تابعین کا زمانہ ۱۸۰ھ تک تھا۔
☆ تبع تابعی کا زمانہ ۲۲۰ھ تک تھا۔
☆ قرآن مجید کی کل سات منزلیں ہیں اور ایک سو چودہ سورتیں ہیں، ۵۴۰ رکوع ہیں۔ ۶۳۴۲ آیات ہیں، ۷۷۴۳۹ الفاظ ہیں اور ۳۴۰۷۴۰ حروف ہیں۔

فرید احمد، کرشنا نگر، کپل وستو (نیپال)۔

۱۔ ڈاک نظام سب سے پہلے حضرت عمر نے جاری کیا۔
۲۔ آئینہ کی ایجاد بادشاہ سکندر نے کی تھی۔
۳۔ کرسی کی ایجاد فرعون نے کی۔
۴۔ دنیا میں سب سے زیادہ جھونپڑیاں برازیل میں ہیں۔
۵۔ دنیا کا سب سے لمبا ڈیم ہیرا کنڈ ڈیم ہے جو مہاندی پر واقع ہے۔
۶۔ دنیا میں سب سے زیادہ بارش ہندستان کے چراپونجی کے مقام پر ہوتی ہے۔
۷۔ دنیا میں سب سے زیادہ ٹسٹ وکٹ لینے والا گیند باز کپل دیو ہے۔
۸۔ دنیا کا سب سے غریب ملک بھوٹان ہے۔
۹۔ دنیا کا سب سے مالدار ملک کویت ہے۔

محمد انوار الدین انلوی۔ کمرہ مدرسہ اسلامیہ، ہیبت مئو، کاکوری، ضلع لکھنؤ ۲۲۶۱۰۱ (یوپی)

قدیم زمانے کی سلطنتوں کا خاتمہ

۱۔ غلام خاندان کا خاتمہ ۱۲۸۹ء
۲۔ خلجی خاندان کا خاتمہ ۱۳۲۵ء
۳۔ خاندان تغلق کا خاتمہ ۱۴۱۳ء
۴۔ سید خاندان کا خاتمہ ۱۴۵۱ء
۵۔ لودھی خاندان کا خاتمہ ۱۵۲۶ء
۶۔ خاندان سوری کا خاتمہ ۱۵۵۵ء
۷۔ مغل سلطنت کا خاتمہ ۱۸۵۷ء

شبانہ پروین قریشی بنت عبد الصمد ماسٹر قریشی، محلہ مدر تکیہ، منگرول پیر،

۱۔ ام الصبر بہ کس خاتون کو کہا جاتا ہے۔
۲۔ اس خاتون کا نام کیا ہے؟ جس کا ذکر قرآن مجید میں اس کے نام کے ساتھ آیا ہے۔
۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ حضرت آمنہ رضی اللہ عنہا کا تعلق کس قبیلے سے تھا؟
۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کون سی پھوپھی تھیں جو شاعرہ بھی تھیں؟
۵۔ دنیا کی پہلی خاتون سرجن کا نام کیا تھا؟
۶۔ دنیا کی پہلی خاتون صدر کا نام کیا

تھا اور ان کا تعلق کس ملک سے تھا؟
۷۔ خوشبو کس شاعر کا مجموعہ کلام ہے؟

(۱) حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا (۲) حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۳) بی بی زہرہ (۴) حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (۵) الزبتھ ویل (۶) مسز سروجنی (ارجنٹائن) (۷) پروین شاکر۔

اسماء تبسم، پرکٹ اسلام پورہ تعلقہ آرمور

۱۔ اگر کپڑے میں گھی تیل اچار کا داغ لگ جائے تو کپڑے کو رات بھر ٹھنڈے پانی میں بھگو دیں صبح کو گرم پانی اور صابن سے صاف کرلیں۔
۲۔ اگر کپڑے پر سیاہی کا داغ لگ جائے تو کٹا ہوا ٹماٹر اور نمک مل کر ٹھنڈے پانی سے صاف کریں۔
۳۔ اگر کپڑے پر دودھ کا دھبہ لگ جائے تو داغ کو سوکھنے سے قبل ٹھنڈے پانی سے صاف کریں۔
۴۔ اگر کپڑے میں چائے کافی کا دھبہ لگ جائے تو ایک گھنٹہ تک پانی میں بھگو دیں اس کے بعد صابن سے صاف کرلیں۔
۵۔ اگر کپڑے میں رنگ کے دھبے لگ جائیں تو نمک اور لیمو کا رس ملا کر سکھا دیں بعد میں اسے پانی سے دھولیں۔
۶۔ اگر کپڑے میں کسی پھل کے رس کا دھبہ لگ جائے تو کپڑے پر پسا ہوا نمک لگائیں، تھوڑی دیر اسی طرح رہنے دیں پھر گرم پانی لوٹے میں بھر کر اونچائی سے گرائیں، دھبہ دور ہوجائے گا۔ مگر عزت پر دھبہ آنے نہ دیجیے یہ کسی چیز سے نہیں چھوٹتا۔

محمد اسجد علی دلکش۔ موضع نرائن پور سکری ضلع دربھنگہ (بہار)

خاص ملکوں کی راجدھانی اور ان کے سکے

ملکوں کے نام = راجدھانی = سکے
۱۔ امریکہ۔ واشنگٹن۔ ڈالر
۲۔ انگلینڈ۔ لندن۔ پونڈ
۳۔ اٹلی۔ روم۔ لیرا
۴۔ ایران۔ تہران۔ ریال
۵۔ کویت۔ کویت۔ دینار
۶۔ تھائی لینڈ۔ بنکاک۔ بھات

ناہید تبسم قریشی، محلہ مدار تکیہ منگرول پیر

۱۔ یکم رمضان ۴۷۱ھ کو عبدالقادر جیلانی پیدا ہوئے۔
۲۔ ۱۵ رمضان ۳ھ کو مدینہ منورہ میں حضرت حسن کی پیدائش ہوئی۔
۳۔ ۱۷ رمضان ۲ھ کو غزوہ بدر کا معرکہ پیش آیا۔
۴۔ ۲۰ رمضان ۸ھ کو مسلمانوں نے مکہ فتح کیا۔
۵۔ ۲۰ رمضان ۴۰ھ کو سیدنا حضرت علی نے شہادت پائی۔
۶۔ ۲۲ رمضان ۲ھ کو سرور کائنات میدان بدر سے مدینہ منورہ تشریف لائے۔
۷۔ ۲۵ رمضان ۴۴ھ کو محدث امام رازی پیدا ہوئے۔
۸۔ ۱۸ رمضان ۱ھ کو ہمارے نبی پر پہلی وحی کا نزول ہوا۔

محمد صابر شاداب عبدالرزاق ماسٹر، مومن پورہ ملکاپور ۴۴۳۱۰۱

☆ امریکہ میں ایک ایسی مادہ چڑیا ہے جو ہوا میں اڑتے وقت انڈا دیتی ہے اور انڈا ہوا ہی میں پھٹ جاتا ہے اور اس میں سے بچہ نکل کر اڑنے لگتا ہے۔
☆ میکسیکو میں ۲۰ دن کا مہینہ اور ۱۸ مہینہ کا سال ہوتا ہے۔
☆ اسپین میں کپڑے کا اخبار نکلتا ہے۔
☆ انگریز قبر کو گینی کہتے ہیں۔
☆ فرانس میں مچھر نہیں ہوتے ہیں۔
☆ ملیشیا میں ایک ایسا درخت ہے جس سے آگ برستی ہے۔
☆ دنیا کا سب سے لمبا آدمی پاکستان کا عالم چنا ہے جو ۸ فٹ ۶ انچ لمبا ہے۔
☆ پاگونی علی آسٹریلیا کا باشندہ جس کی غذا صرف اور صرف سانپ ہے۔
☆ دنیا کا سب سے امیر آدمی تھاؤلین فورڈ ہے۔
☆ دنیا کا سب سے قیمتی اور خرچیلا شہر ٹوکیو ہے۔
☆ ہندستان کا سب سے بڑا پھاٹک بلند دروازہ فتح پور سیکری ہے۔
☆ ہندستان کا سب سے پہلا ڈاک ٹکٹ ۱۷۶۵ء میں سندھ میں شروع ہوا۔

زاہد ساگر، زاہد منزل ۳۶ موتی تالاب، مالیگاؤں ۴۲۳۲۰۳

☆ ہمایوں کا پورا نام نصیرالدین ہمایوں تھا۔
☆ شیر شاہ سوری کے بچپن کا نام فرید خاں تھا۔
☆ شیر شاہ سوری کے والد کا نام حسن خاں تھا۔
☆ شیر شاہ سوری کی وفات ۱۵۵۵ء میں ہوئی۔
☆ اکبر کا پورا نام جلال الدین محمد اکبر تھا۔
☆ جلال الدین محمد اکبر ۱۵۴۲ء کو امر کوٹ میں پیدا ہوا۔
☆ اکبر کی ماں کا نام حمیدہ بانو اور والد کا نام ہمایوں تھا۔
☆ شاہ جہاں کا جنم ۵ فروری ۱۵۹۲ء کو لاہور میں ہوا۔
☆ شاہ جہاں کے بچپن کا نام خرم تھا۔

خالد جمیل عبدالسعید، کاغذی پورہ، بالاپور ضلع آکولہ (مہاراشٹر)

☆ ہندستان ١٥ اگست ١٩٤٧ء کو آزاد ہوا۔
☆ کویت ١٩ جولائی ١٩٦١ء کو آزاد ہوا۔
☆ ١٦٠٥ء میں جہانگیر ملک کے تخت پر بیٹھا۔
☆ ١٦٢٨ء میں شاہ جہاں ملک کے تخت پر بیٹھا۔
☆ ١٦٥٨ء میں اورنگ زیب تخت پر بیٹھا۔
☆ ١٧٣٩ء میں نادر شاہ نے دلی کو لوٹا اور قتل عام کیا۔
☆ ١٥٩٥ء میں اکبر اور حکمراں چاند بی بی میں احمد نگر میں زبردست مقابلہ ہوا۔
☆ ١٥٢٦ء میں پانی پت کی پہلی لڑائی ہوئی۔

محمد اکبر، لاٹ بسے پورہ ۔ سمستی پور (بہار)

پہیلیاں

١۔ مٹی کا جانور، لال ہے زبان، پیتا ہے تیل، بوجھو تو نام؟
٢۔ آپ جلے مجھے بھی جلادے، اس کا جلنا میرے من بھائے۔
٣۔ میں اس کا بھائی ہوں لیکن وہ میرا بھائی نہیں۔
٤۔ ایک کھیتی کا دیکھا حال۔ کوئی نہ پتا کوئی نہ ڈال۔ ڈالیں بیج نہ جوتیں ہل۔ آئے نہ اس میں کوئی پھل۔
٥۔ وہ میری بہن ہے۔ میں اس کی بہن نہیں ہوں۔

حل :۔ (١) دیا (٢) جلیبی (٣) بہن (٤) بال (٥) بھائی

پرنس جاوید اختر عرف راشد۔ کمر ولی۔ دربھنگہ

١۔ آگ برسانے والا پیڑ کہاں ہے؟
جواب : ملیشیا۔
٢۔ کون سا جانور ہے جو سب سے زیادہ جیتا ہے؟
جواب : کچھوا، تین سو سال۔
٣۔ کھٹا شہد کہاں پایا جاتا ہے؟
جواب : برازیل کے جنگل میں۔
٤۔ وہ کون سا ملک ہے جہاں سنیما گھر نہیں؟
جواب : یمن
٥۔ سال کا سب سے چھوٹا دن کون سا ہے؟
جواب : ٢٢ دسمبر۔
٦۔ بچے کس مہینے میں کم روتے ہیں؟
جواب : فروری میں۔

ادریس بیگ، بھنتا اردو ہائی اسکول، بارسی ٹاکلی (مہاراشٹر)

قرآن کریم میں کل آیات ٦٦٦٦ ہیں۔
٢۔ رکوع ٥٥٧ ہیں۔
٣۔ مکی سورتیں ٨٦ ہیں۔
٤۔ مدنی سورتیں ٢٨ ہیں۔
٥۔ نماز کا ذکر ٧٠٠ بار آیا ہے۔
٦۔ خیرات کا ذکر ١٥٠ بار آیا ہے۔
٧۔ زیادہ حرف 'الف' ہے۔
٨۔ کم حرف 'ظ' ہے۔
٩۔ سورہ قریش میں ایک 'ج' ہے۔
١٠۔ سورہ قدر میں ایک 'خ' ہے۔
١١۔ سورہ فیل میں ایک 'د' ہے۔
١٢۔ سورہ اخلاص میں ایک 'ص' ہے۔
١٣۔ سورہ فلق میں ایک 'ح' ہے۔
١٤۔ پہلے حافظ حضرت عثمان غنی تھے۔

نور محمد نور محمدی۔ لال چوک، مبارک پور۔ (اعظم گڑھ)

☆ دنیا میں سب سے چھوٹا پرندہ ہیومنگ ہے، یہ پرندہ کیوبا میں پایا جاتا ہے۔
☆ دنیا میں بی ٹرن ایک ایسا پرندہ ہے جو شیر کی طرح بولتا ہے، یہ جنوبی امریکہ میں پایا جاتا ہے۔
☆ دنیا میں چھا ایک ایسا پرندہ ہے جس کے پر کے "نو" رنگ ہوتے ہیں۔
☆ کیوی ایک ایسا پرندہ ہے جو بغیر کچھ کھائے چھ مہینوں تک زندہ رہ سکتا ہے۔
☆ ہریل ایک ایسا پرندہ ہے جو زمین پر پیر نہیں رکھتا۔

شیخ رہنما اسماعیل، شری رامپور (مہاراشٹر)

☆ تین چیزیں انسان کو زندگی میں ایک بار ملتی ہیں۔
والدین، محسن، جوانی
☆ تین چیزیں کسی کا انتظار نہیں کرتیں۔
وقت، موت، گاہک
☆ تین چیزیں یاد رکھنا چاہیں۔
سچائی، فرائض، موت
☆ تین چیزیں کوئی دوسرا نہیں چرا سکتا۔
عقل، علم، ہنر
☆ تین چیزیں خلوص دل سے کرنی چاہیں
رحم، کرم، دعا

محمد قمر عالم۔ امّوری۔ پاتے پور ویشالی ٨٤٣٢١٠

تعمیر	تعمیر کردہ	ملک
دیوار چین	شی ہوانگتی	چین
کعبہ شریف	ابراہیمؑ	عرب
اہرام	فرعون	مصر
چار مینار	قطب علی شاہ	ہندستان
قطب مینار	قطب الدین ایبک	"
سانٹ صوفیہ	کسٹن ٹائن	اٹلی

محمد اصغر علی تنزو بنگال اسپورٹنگ کلب، ساؤتھ بازار، اڑال

● فروری کا پیام تعلیم اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ سبھی مضامین پسند آئے۔ میں لگ بھگ چار مہینے سے اس کا مطالعہ کر رہا ہوں یہ رسالہ مجھے بہت پسند ہے۔ فروری کے پیام تعلیم میں مجھے سب سے زیادہ ورنگی کا دسترخوان اور ولیم شکسپیر بہت بہت پسند آئے۔

محمد اکبر، لاٹ بھیے پورہ، بستی پور، بہار

● میں پیام تعلیم کی ایک نئی قاری ہوں۔ مجھے پیام تعلیم میں سبھی عنوان اچھے لگے۔ خاص طور پر بچوں کی کوششیں، لطیفے اور شعر، قلمی دوستی، آدھی ملاقات عنوان اچھے لگے۔ آخر میں یہی دعا کرتی ہوں کہ یہ رسالہ ہر گھر کی زینت بنے۔

سفینہ انجم شیخ رحمن، مانک چوک، جڑا پور، تعلقہ چکھلی ضلع بلڈانہ

● اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ اور اپنے اندر علوم و فنون کا گوہر سموئے ہوئے مارچ کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ دیکھتے ہی دل کی کلی کھل گئی اور خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ پوسٹ کارڈ کی کہانی، کافی دلچسپ اور معلوماتی مضمون ہے اور شہد کی مکھی بھی کوئی معمولی مضمون نہیں بلکہ کافی اہمیت کا حامل ہے۔

محمد اشرف علی، سلفیہ جونیر اسکول ماریا سرائے، دربھنگہ

● میری طرف سے آپ سب لوگوں کو بہت بہت عید مبارک۔ اس ماہ کے پیام تعلیم میں ٹھیک سے بچے کہانی چیا کو چیکا اور انعام کا حق، مجھے بہت پسند آئے

پیام تعلیم پڑھنے میں بہت مزہ آتا ہے۔ اور بہت پسند بھی ہے۔

ندرینہ، مرکب ہائی اسکول گنگل

● مارچ کا رسالہ پڑھ کر مجھے پیام تعلیم کے لیے خط لکھنا ہی پڑا۔ اس شمارہ میں ٹھیک جا نچے کہانی بہت اچھی لگی۔

انجم بانو عبدالرشید ٹیلر مقام تاچی کیمرا، ضلع جلگاؤں

● ماہ مارچ کے پیام تعلیم میں اپنا نام دیکھ کر میری خوشی کی انتہا ہی نہیں رہی اور اس سے میری آپ نے حوصلہ افزائی کی ہے۔

حنا کوثر راؤ، کیلا ڈیلی مارکیٹ، سندر گڑھ، اڑیسہ

● مارچ کا پیام تعلیم نظر نواز ہوا۔ پیام تعلیم میں اپنی تحریر دیکھ کر دل درختوں کی ٹہنیوں کی مانند جھوم اٹھا۔ عیدی، ٹھیک جانچے، پوسٹ کارڈ کی کہانی، رشوت منے کی ڈائری اور بچوں کی کوشش ذہن میں ایک یادگار نقش چھوڑ گئے

انیسہ ناز شیخ ساندو، کاسوڈ، اسلام پور، جلگاؤں

● مجھے آپ کی طرف سے ارسال کیا ہوا انعام کتابوں کی شکل میں موصول ہوا اس کے لیے بہت بہت شکریہ۔ کچھ دن پہلے میرے چھوٹے بھائی عمران کو بھی منظور انعام مل گیا۔ میں اس کی طرف سے آپ کا بے حد شکر گذار ہوں۔ ہم کو پیام تعلیم بہت پسند ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم آگے بھی پیام تعلیم کے لئے کچھ نہ کچھ لکھتے رہیں گے۔

سید عرفان احمد ولد الطاف حسین، ملیر کوٹلہ ضلع سنگرور، پنجاب

● ماہنامہ پیام تعلیم کا مطالعہ کرتے کرتے تقریباً

ایک سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔ ماہنامہ پیام تعلیم تمام نقائص سے بالاتر ہے تاہم اس میں ایک نقص جو مجھے نظر آرہا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں بچوں کی فرہنگ نہیں ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بچوں کا فرہنگ ہونا اشد ضروری ہے۔

ندیم احمد فخرالدین، کاغذی پورہ ارنڈول، جلگاؤں

● پیام تعلیم کے پڑھنے والوں کو عید مبارک خاص طور پر میرے دوست انس انصاری (بالاپور) رحمت اللہ مخلص (مسیلی کرتانگ) خواجہ حسین (مالیگاؤں) ناظم الدین (دیولگھاٹ، بلڈانہ) کو عید مبارک قبول ہو۔

محمد ناصر حسین شیرازی، وارڈ ۲۷ مومن پورہ، بلڈانہ

● پیام تعلیم اردو کا ایک مشہور رسالہ ہے۔ میں نہ صرف اس کو پڑھتا ہوں بلکہ اسے دوسروں تک پہنچاتا ہوں۔

احمد مفتی طاہر نعمانی، شیر گنج، بیدر، مہاراشٹر

● مقابلہ عابد علی خاں کا انعام ۵۰ روپے موصول ہوئے۔ انعام کے لئے بہت بہت شکریہ! میں پہلے تو سمجھ ہی نہ سکا کہ یہ کس بات کا انعام ہے۔ مگر منی آرڈر فارم کے نیچے لگی خبر سے میں پھولا نہ سمایا۔ چونکہ ہمارے یہاں پیام تعلیم کسی بھی کتب خانے سے نہیں ملتا اس لئے میں اسے پا نہ سکا۔

عمران احمد، مالیر کوٹلہ، پنجاب

● پیام تعلیم میں اچھی اور عمدہ کہانیاں، گدگدیاں، اشعار، اقوال زریں، قلمی دوستی اور بچوں کی کوششیں پسند آئیں اور ڈاکٹر عظمت جاوید کا برمی کا دسترخوان قابل تعریف ہے۔ انہیں ہماری طرف سے مبارکباد۔

سجاد احمد شیخ منصور ماسٹر، لونار ضلع بلڈانہ

● سب سے پہلے تو میں ادارہ پیام تعلیم کا شکر گذار ہوں کہ "اگر میں اڈیٹر ہوتا" کے انعامی مقابلہ میں مجھے انعام اول کا مستحق قرار دیا گیا۔ "پیام تعلیم" ہماری امنگوں کا مرکز اور آرزوں کا محور ہے اس مردم گر شخصیت آفریں ماہنامے نے نہ جانے میرے جیسے کتنے نوگوں کو کچھ بننے کا حوصلہ عطا کیا ہے اور اپنے پیام سے کتنے دلوں میں علوم و فنون کا شوق و ذوق پیدا کیا ہے کہ آج وہ آسمان صحافت کے درخشاں ستارے ہیں۔ انشاء اللہ العزیز میں بھی ایک دن "ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے" کا نعرہ مستانہ لگاتا ہوا صحافت کی پرخار وادی میں قدم رکھوں گا لیکن اس عزم کے ساتھ کہ

حق گوئی و بے باکی آئین جواں مرداں
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

عبدالرزاق گریڈیھوی مدرسہ منبع العلوم خیرآباد، مئو

● پیام تعلیم واحد رسالہ ہے۔ جس کا انتظار ہم بچے شدت سے کرتے ہیں۔ آپ بچوں کی نفسیات کو مدنظر رکھتے ہوئے جس محنت اور لگن سے رسالے کو ترتیب دیتے ہیں اس کے لئے دلی مبارک باد قبول فرمایئے۔ حکیم محمد سعید صاحب کے مضامین اور طبی نسخے بڑے کارآمد ہوتے ہیں۔ اس سلسلے کو جاری رکھیے۔ طلبہ کے نصاب کو مدنظر رکھتے ہوئے سائنسی سوالات مختلف ممالک کے بارے میں معلوماتی مضامین بھی شائع کیجیے۔ میرے پسندیدہ اشعار کالم میں شاعر کا نام بھی ہو تو بہتر رہے گا۔

محمد شمشاد عالم مقام و پوسٹ لکشمی پور ضلع گیا۔

● پیام تعلیم میں باگی کی سائیکل، توبہ توبہ، خرگوش والا اور موسم نظم بہت پسند آئی گدگدیاں میں اپنا نام پڑھا تو بہت خوشی ہوئی۔ آپ کا بہت

بہت شکریہ ۔

شمیم سلطانہ عذرا، نظام آباد

● میں آپ کا بہت ہی مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے کبھی بھی مایوسی کا سامنا نہ کرنے دیا۔ آپ نے اب تک مجھ ناچیز کو پاکیزہ رسالہ پیام تعلیم میں کئی بار جگہ دی۔ مثلاً انٹرویو، اہم معلومات، پسندیدہ اشعار اور قلمی دوستی وغیرہ میں مجھے آپ نے شریک کیا۔ ایک بار پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

ماہنامہ پیام تعلیم کی تعریف لفظوں یا جملوں میں سمونا اتنا ہی ناممکن ہے جتنا کہ سمندر کو کوزے میں سمونا۔ مختصر طور پہ ماہنامہ اسم با مسمیٰ کا کردار ادا کرتا ہے۔ طلبہ کے لیے ایک مفید رسالہ ہے۔ سوال و جواب کالم کا اضافہ کر دیں تو ماہنامے میں چار چاند لگ جائیں گے۔

محمد مبشر حسین خالد، علی گڑھ

● فی الوقت جامعہ کے بچوں کے بیچ دسمبر کا پیام تعلیم زیر مطالعہ ہے مضامین کافی دلچسپ ہیں اور عبرت آموز ہیں۔

محمود اختر القادری، امجدی لائبریری اعظم گڑھ

● اس پیارے پرچہ کو شروع تا آخر پڑھا اس کے تمام مضامین دل کی عمیق گہرائیوں میں اتر جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ پرچہ ہمیشہ ہمیشہ ترقی کی منزل کو طے کرتا رہے۔

منزل احمد مستی پوری، لہریا سرائے، دربھنگہ

● میں پیام تعلیم کا بڑی شوق سے مطالعہ کرتی ہوں۔ یہ رسالہ ہمارے گھر میں سب کا پسندیدہ رسالہ ہے۔ گھر کے سبھی افراد چھپنے کی پہلی تاریخ کو اس رسالہ کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتے ہیں۔ میری اور میرے گھر والوں کی خواہش ہے کہ یہ رسالہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرے آمین ثم آمین۔

زرینہ قرین محمد سعید پاشا۔ ایوت محل

● میں آپ کی بہت شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے رسالہ میں جگہ دی۔ اپنا نام رسالہ میں دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے میری اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ یہ رسالہ بڑی ترقی کرے۔ آمین۔

سیما پروین محمد سعید پاشا، ایوت محل

● تقریباً تین ماہ سے پیام تعلیم کے سبھی کہانی اور معلومات سے بہت جانکاری حاصل ہوئی ہے۔ میں پیام تعلیم بہت سکون کے ساتھ پڑھتا ہوں۔ اس رسالے کو پڑھنے میں مجھے بہت لطف آتا ہے۔ پیام تعلیم کے سب قلم کاروں کو مبارکباد۔

سید نور مانک چوک امراپور تعلقہ چکھلی ضلع بلڈانہ

● میں پیام تعلیم کی کئی سال سے مستقل قاریہ ہوں اس کے تمام مضامین قابل تعریف ہوتے ہیں آپ نے اس کو کمپیوٹر سے کتابت کرانا شروع کیا ہے یہ بہت زیادہ پیامیوں کے لئے قابل تعریف ہے اور پیام تعلیم کی ترقی میں چار چاند لگانے کے برابر ہے۔ براہ کرم آپ انعامی مقابلہ دوبارہ شروع کر دیں۔ جس سے پیامی بھائی بہنوں میں مقابلہ کرنے میں حوصلہ بڑھے گا۔

زیبا رانی، جامعہ مڈل اسکول جامعہ نگر نئی دہلی

● ہم آپ کو اس بات سے واقف کراتے ہوئے از حد مسرت و شادمانی محسوس کرتے ہیں کہ ماہ مارچ ۱۹۹۵ء کا ماہنامہ پیام تعلیم مورخہ ۱۹۹۵-۲-۱۴ کو

موصول ہوا اور ہمارے معاونین حضرات نے اسے پڑھ کر
بہت پسند فرمایا اور اپنے پڑھے مضامین دوسرے بچوں
کو بھی سنائے گئے۔ اس کے آتے ہی ایک نیا جوش
وولولہ پیدا ہو گیا ہے۔ مگر ایک چھوٹی سی شکایت یہ
رہی کہ ماہ فروری ۱۹۹۵ء کا شمارہ کیوں نہیں آیا جس
کی خبر آپ کو ایک خط سے دے چکے ہیں۔ امید ہے واپسی
ڈاک سے روانہ فرمائیں گے۔ نوازش ہوگی

ہیڈ ماسٹر، چکوڑی، بیلگام۔

● ماہ فروری کے پیام تعلیم میں اپنی کہانی دیکھ
کر بہت خوشی محسوس ہوئی۔ اس شمارے میں سبھی
چیزیں قابل تعریف ہیں۔ تمام قارئین پیام تعلیم کو
شاہین فورس مالیگاؤں کی طرف سے عید کی دلی
مبارک باد

عرفان احمد ممبر شاہین فورس کمال پورہ مالیگاؤں

آپ کا گراں قدر تحفہ (چند عمدہ کتابیں) مع
اعتراف نامہ (سند) کے موصول ہوا۔ ہم آپ کے
اور ادارے کے بہت بہت شکر گزار ہیں۔

محمد نسیم فریدی

● مارچ کا شمارہ موصول ہوا۔ بچوں کی کوششیں
کالم میں میری کہانی "طاقتور کون ؟" شائع ہوئی اور
آدھی ملاقات میں بھی میرا خط شائع ہوا جس کے لیے
میں آپ کا بہت بہت شکر گزار ہوں۔ اس کے علاوہ
"پوسٹ کارڈ کا کہانی" اور "ٹھیک چار بجے" پسند
آئیں۔ بچوں کی کوشش کالم میں "برا یول"، "اخلاق کی
طاقت"، "دو ٹھگ"، ایمان داری اور سائنس اور ہم
بہت پسند آئیں۔

شیخ محمد عمران، محمد علی روڈ، بمبئی ۳

● عابد علی خاں تحریری مقابلہ میں مجھے تیسرا انعام
سے نوازا۔ میں اپنی بے پناہ مسرت اور خوشی کا اظہار
کرتی ہوں۔ آپ کا اور ڈاکٹر محمود خالد صاحب کا دل
سے شکریہ ادا کرتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ آئندہ بھی
پیام تعلیم کی ہر محفل میں شرکت کا موقع عنایت فرمائیں گے۔
میں گزارش کرتی ہوں کہ مجھے انعامی رقم کے بجائے
مختلف کہانیوں کی کتابیں ارسال فرمائیں۔

قرۃ العین دارالعلوم محمدیہ۔ بنگلور

● اس ماہ کی کہانی "جب چاند کا داغ چمک
اٹھا" سید عبدالودود شاہ کی اور سعیدہ احسان کی
کہانی "اسے سعید چھپڑی نے بھلائی کا راستہ دکھایا
پڑھا۔ بے حد پسند آیا۔ دونوں قلم کاروں کو میری
طرف سے مبارکباد پیش کریں۔

شاہد سلام، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ بہار

● پہلے تو میں پیام تعلیم کو جانتا بھی نہ تھا۔ مگر
ایک بار سفر کر رہا تھا کہ ایک جگہ پیام تعلیم نظر آیا۔
میں نے اسے دیکھا مجھے بہت پسند آیا جب ورق
پلٹ کر دیکھا تو میرا دل خوش ہو گیا میں نے پیام تعلیم
اپنے گھر لاکر دکھایا گھر میں بھی سب کو پسند آیا میرے
چھوٹے بھائی شاداب داؤدی و عبدالرحیم، چھوٹی
بہن نوشین ارم و زینت افشاں داؤدی نے پیام تعلیم
کو دیکھا تو بڑی حیرت سے پوچھا۔ بھائی جان اتنا
پیارا رسالہ آپ کو کہاں مل گیا۔ ماہنامہ پیام تعلیم
برابر آرہا ہے۔ اللہ تعالیٰ پیام تعلیم کو دن دونی
رات چوگنی ترقی دے۔ آمین۔

فہیم احمد قاسمی میڈیکل ہال بندرا باز اعظم گڑھ

بچوں کی کوششیں

بقرعید کا پیغام

پیا میو! ملت ابراہیمی کی حقیقت اسلام ہے اور اسلام کا مطلب خود کو اللہ کے سپرد کردینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور عبادت کی خاطر خود کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں پوری طرح جھکا دینا ہے۔ مسلمان وہ کہلاتا ہے جو اللہ ہی کو اپنا مالک حقیقی جانے اور اس کے رسولؐ کی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی بسر کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اللہ تعالیٰ ہی کی پیروی ہے۔ اسلام کی یہ حقیقت واضح طور پر حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں دیکھی جاسکتی ہے اور ان کی زندگی مختلف قربانیوں اور ایثار سے بھری ہوئی ہے۔

حضرت ابراہیم کی اس عظیم قربانی کی آج ہم یادگار منا رہے ہیں۔ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کرنی چاہی لیکن اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کی دوستی کا امتحان مقصود تھا اور اسی کو یہ بھی دیکھنا مقصود تھا کہ آیا حضرت ابراہیمؑ کو ہماری دوستی زیادہ محبوب ہے یا بیٹےؑ کی محبت غالب آگئی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اس امتحان میں پوری طرح کامیاب ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیلؑ کو حکم دیا کہ جنت سے ایک مینڈھا لے کر جاؤ تاکہ حضرت ابراہیمؑ اسماعیلؑ کو نہ ذبح کرپائیں اسماعیلؑ کے بدلے اس مینڈھے کی قربانی کردیں۔

قرآن مجید کے بارے میں

مستند معلومات

ساجد کمالوی

عمومی تقسیم

پاروں کی تعداد : ۳۰
منزلوں کی تعداد : ۷
سورتوں کی تعداد : ۱۱۴
رکوعوں کی تعداد : ۵۵۸
آیات کی تعداد : ۳۶

منازل کی تقسیم

پہلی منزل : سورۂ فاتحہ تا سورۂ نساء
دوسری منزل : سورۂ مائدہ تا سورۂ توبہ
تیسری منزل : سورۂ یونس تا سورۂ نحل
چوتھی منزل : سورۂ بنی اسرائیل تا سورۂ فرقان
پانچویں منزل : سورۂ شعراء تا سورۂ یٰسین
چھٹی منزل : سورۂ والصّٰفّٰت تا سورۂ حجرات
ساتویں منزل : سورۂ ق تا سورۂ الناس

قرآن مجید کی مدت نزول

تقریباً ۲۲ سال ۵ ماہ ۱۴ دن

بلکہ اس سے قبل بھی حضرت ابراہیمؑ کی زندگی میں ایثار و صبر کی بہترین مثالیں ملتی ہیں کہ خدا کی محبت سے سرشار ہو کر بے خوف و خطر آتشِ نمرود میں کود گئے۔ انھوں نے اپنے عقیدے اور خدا پر ایمان کے سبب اپنے عزیز رشتے دار اور سب کو چھوڑ کر وطن عزیز کو خیرباد کہہ دیا۔

پیامی دوستو! آج ہم قربانی اور ایثار کے اسی جذبۂ عظیم کی یاد منا رہے ہیں لیکن محض ہم اسے ایک تیوہار کی حیثیت سے مناتے ہیں۔ جبکہ یہ بقرعید اپنے دامن میں حضرت ابراہیمؑ کی ان بے شمار قربانیوں کی یاد تازہ کرنے آتی ہے جو وہ اپنی پوری زندگی میں دیتے رہے۔

جانور کی قربانی کا حکم دے کر دراصل اسلام نے بندے کو محبت کا ادا شناس بننے کی تربیت دی ہے اور عید اضحیٰ کی یہ قربانی کی یہ رسم، محبت کا عملی ثبوت فراہم کرنے کا اہم کردار ہے جو انسان کی ولولہ انگیزی و جذبات کی صحیح نشاندہی بھی کرتی ہے۔

محمد خالد اختر ہاشمی، نزد نالہ حسین آباد، لکھنؤ

سرکارِ دو عالمؐ کا حلیہ شریف

حلیہ شریف:- سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن بے مثال اور جمال باکمال کا یہ حال تھا کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں، میں نے کوئی چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہ دیکھی گویا نور آفتاب آپؐ کے چہرے پر برستا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور پاکؐ کا حسن تام اس وجہ سے ظاہر نہ فرمایا کہ ہماری آنکھیں دیکھنے کی تاب نہ لا سکیں گی۔

قدِ مبارک:- قدِ مبارک درمیانہ تھا جس سے یہ معجزہ ظاہر ہوتا کہ آپؐ لوگوں کے درمیان چلتے تو ہر طویل قد و قامت کے آدمی آپؐ کے مقابلے میں پست نظر آتے اور جب آپؐ تنہا ہوتے تو درمیانہ قد معلوم ہوتے۔ جب آپؐ لوگوں کے درمیان بیٹھتے تو آپؐ کے مونڈھے سب سے بلند ہوتے۔ قدِ مبارک کا سایہ زمین پر نہ پڑتا تھا۔ ؎

دنیا نے بہت ڈھونڈا محمدؐ کا جواب
ثانی تو بڑی چیز ہے سایہ نہ ملا

سرِ مبارک:- سرِ مبارک بڑا تھا۔ قامت معتدل پر نہایت موزوں اور خوشنما، سر کے بال سیاہ، گھونگھریالے تھے۔

پیشانی:- پیشانی کشادہ اور نورانی تھی۔ اگر رات کو اپنے بال آپؐ پیشانی سے ہٹا لیتے تو معلوم ہوتا ایک روشن چراغ جل رہا ہے۔

بھویں:- نہایت خوبصورت کمان کی طرح خم دار اور دراز تھیں۔ دور سے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا جیسے دونوں گوشہ ابرو ملے ہوئے ہیں۔ مگر قریب سے دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ ہر ایک گوشہ جدا ہے۔

آنکھیں:- بڑی اور خوشنما تھیں۔ آنکھوں کی پتلی بہت سیاہ تھی۔ بغیر سرمہ لگائے معلوم ہوتا کہ گویا سرمہ لگا ہے۔ آنکھوں کی سفیدی میں سرخ ڈورے بھی معلوم ہوتے۔

کان:- آپؐ کے کان دونوں زلفوں کے بیچ میں نکلے ہوئے اس طرح چمکتے تھے اور یوں معلوم ہوتا تھا کہ کوئی ستارہ چمک رہا ہے۔

ناک:- آلائش سے پاک، پتلی اور دراز، خوشنما تھی۔

لب:- لب بھی خوبصورت تھے حضورؐ کے

لب مبارک اللہ کے تمام بندوں سے اچھے تھے۔
زبان :۔ زبان نہایت ہی فصیح و شیریں تھی۔ جو کوئی آپؐ کا کلام سنتا شیدا ہو جاتا۔ آپؐ نے کسی درس گاہ میں تعلیم حاصل نہ فرمائی۔ مگر زبان میں وہ تاثیر تھی کہ عرب دنگ رہ گئے۔ شیریں کلامی اور حسنِ اخلاق سے ہزاروں جانی دشمن، جان نثار مسلمان بن گئے۔

آواز :۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو حضورؐ سے زیادہ خوش آواز نہ دیکھا۔ آپؐ کی آواز میں اثر آفرینی اور ایک دل نشیں بلندی تھی جو ہر بڑے مجمع میں سب کو یکساں پہنچتی تھی۔

دانت :۔ موتیوں کی طرح چمک دار اور سفید تھے۔

رخسار :۔ آپؐ کے رخسار میں سونے کا پانی چھلکتا۔

چہرہ :۔ گولائی کے ساتھ کسی قدر طویل بھی تھا چہرے کا رنگ نورانی اور سفید تھا جس میں سرخی کی دمک تھی بدن باقی رنگ بھی نورانی اور سفید تھا۔

گردن :۔ خوشنما صراحی دار تھی۔

سینہ :۔ کشادہ اور فراخ تھا۔

پشت :۔ صاف اور سفید رنگ کی تھی جس پر مہر نبوت تھی۔

مونڈھے :۔ نہایت مضبوط اور قوی تھے۔

ہتھیلیاں :۔ فراخ اور ملائم تھیں ہتھیلیوں میں ٹھنڈک تھی۔ آپؐ جس شخص سے مصافحہ کرتے اس کے ہاتھ خوشبو سے مہک جاتے۔

پنڈلیاں :۔ نیچے سے پتلی، نازک اور خوبصورت تھیں۔

انگلیاں :۔ سیدھی اور خوشنما تھیں۔

شاعر لکھنوی

اسکول کے بچّوں کی دُعاء

خدایا، یہ ہے تجھ سے اپنی دُعا
ہمیں دولتِ علم کر دے عطا
بُرائی سے ہو جائے نفرت ہمیں
ہو اچھائیوں سے محبت ہمیں
نہ محنت سے جھجکیں نہ گھبرائیں ہم
پڑھائی میں آگے نکل جائیں ہم
جو استاد ہیں ان کی عزت کریں
جو ساتھی ہیں ان سے محبت کریں
جو بے بس ہوں ان کا سہارا بنیں
حمایت نہ ہرگز کریں جھوٹ کی
جو سچ بات ہو منہ سے نکلے وہی
وہ حاصل ہو ہم کو ہنر میں کمال
زمانے میں قائم کریں اک مثال
کریں وقف خود کو وطن کے لیے
بنیں پھول، مہکیں چمن کے لیے
ہر اک سانس میں علم کا دم بھریں
زمانے میں ہم نام روشن کریں

قدم :- ہموار تھے۔ اگر ان پر پانی پڑتا تو ڈھل جاتا۔ حضورؐ کا تلوا مبارک اونچا تھا۔ چلنے میں زمین سے نہ لگتا تھا۔ قدم مبارکؐ کا یہ اعجاز تھا کہ پتھر اس کے نیچے موم ہو جاتے اور اس کا نشان پتھر پر بن جاتا۔ چنانچہ آج بھی بہت سے مقاما پر قدم مبارک کا نشان موجود ہے جس سے مسلمان آج بھی برکتیں حاصل کرتے ہیں۔

انصاری صائمہ ۔ کرلا ۔ بمبئی

پہرے دار

بہت پرانے زمانے کی بات ہے۔ کسی گاؤں میں ایک شخص رہتا تھا۔ اس کا نام کریم تھا۔

ایک مرتبہ نوکری کی تلاش میں بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اسے نوکری مل گئی۔ نوکری کی خوشی میں وہ گھر کی طرف چلا۔

راستے میں اسے سانپ نظر آیا۔ کریم بولا "ٹکر ٹکر دیکھتا ہے" اور کریم آگے بڑھا۔ پھر اسے خرگوش نظر آیا جو زمین کھود رہا تھا۔ کریم بولا "کورود کورود کھودت ہے" پھر کریم آگے بڑھا تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ ایک چوہا دوڑ رہا ہے۔ کریم پھر بولا "ٹھینگت ٹھینگت دوڑت ہے"

کریم اپنے گھر پہنچا، پھر اپنی بیوی اور بچوں کو لے کر دربار میں آیا۔ اسے پہرے دار کی نوکری مل گئی۔

اندھیری رات تھی۔ کریم دروازے پر پہرہ دے رہا تھا۔ اتنے میں چور آئے اور کریم کی آنکھ لگ گئی اور وہ نیند میں بڑبڑانے لگا ٹکر ٹکر دیکھت ہے۔ جبکہ کریم سو رہا تھا اور چور اسے دیکھ رہے ہے۔ چور کہنے لگے کہ کوئی جاگ رہا ہے۔ چور نے زمین کو کھودنا شروع کیا تاکہ دربار میں چوری کرنے کے لیے جا سکے کریم پھر بڑبڑانے لگا۔ کورود کورود کھودت ہے۔ چور بولے بھاگو یہاں سے، کوئی دیکھ رہا ہے۔ پھر کریم نیند ہی میں کہہ رہا تھا ٹھینگت ٹھینگت بھاگت ہے۔

چور اپنے سردار کے پاس گئے اور بولے سردار ہمیں بادشاہ کے پاس جا کر معافی مانگنی چاہیے کہ اب ہم چوری نہیں کریں گے۔ صبح ہی چور بادشاہ کے پاس آئے اور کہنے لگے "بادشاہ سلامت ہمیں معاف کر دیجیے"

بادشاہ بولا "لیکن کیوں بھئی؟" چور بولے۔ اس لیے کہ ہم لوگ آپ کے یہاں بہت بڑی چوری کرنے آئے تھے لیکن آپ کے پہرے دار نے ہمیں دیکھ لیا اور ہم چوری نہیں کر سکے، ہمیں معاف کر دیجیے۔

بادشاہ نے چوروں کو معاف کر دیا۔ اور کریم کو انعام واکرام سے نوازا۔

فضل الرحمٰن، اسٹریٹ روڈ، قلابہ، بمبئی ٥

حج

جس نے ایک حج ادا کیا اس نے اپنا فرض پورا کیا۔ جس نے دو حج ادا کیے، اس نے اللہ تعالیٰ کو قرض دیا اور جس نے تین حج ادا کیے اللہ تعالیٰ اس کی کھال اور بال کو آگ پر حرام کر دیتا ہے۔

- حاجی کی سفارش چار سو گھرانوں میں قبول ہوتی ہے۔
- حاجی گناہوں سے اس طرح پاک ہوتا ہے جیسے پیدائش کے دن تھا۔
- عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کا جہاد حج ہے۔
- حج اور عمرہ کی کثرت سے انسان غنی ہوتا ہے۔

• حج کرنے میں جلدی کرنا چاہیے۔
• حاجی کی دعا قبول کی جاتی ہے۔
• کوئی شخص حج کرنے جائے اور راستے میں اس کا انتقال ہو جائے اس کے لیے قیامت تک حج کا ثواب ملتا ہے۔
• حج نکاح سے مقدم ہے۔
• حج ادا کرنا بیس مرتبہ جہاد کرنے سے بڑھا ہوا ہے

شیخ محمد عمران، محمد علی روڈ۔ بمبئی ۳

ایک دوست دوسرے سے: "بتاؤ پرچہ کیسا کر کے آئے ہو؟"
دوسرا دوست: "خالی پرچہ دے آیا ہوں" تم بتاؤ، پرچہ کیسا ہوا؟
پہلا دوست: "میں بھی خالی دے آیا ہوں"
دوسرا دوست: "پھر تو غضب ہو گیا۔ وہ یہ سمجھیں گے کہ ہم نے ایک دوسرے کی نقل کی ہے۔"

محبت کا کرشمہ

انسان اپنا پیٹ بھرنے کے لیے ہی چوریاں اور ڈاکے مارتا ہے۔ اسی طرح ایک لڑکا تھا جس کے ماں باپ بچپن میں انتقال کر گئے۔ ایک روز اسے بہت تیز بھوک لگی تھی کہ ایک پاؤ روٹی ایک ہوٹل سے اڑا لے گیا۔ اس کی زندگی کی یہ پہلی چوری تھی اگلے دن پھر روٹی اڑانے کی کوشش کی لیکن دکاندار نے اسے پکڑلیا اور اسے بہت مارا پیٹا۔ اس کے بعد تو وہ بڑی بڑی چوریاں کرنے لگا اور جلد ہی بڑے چور کے نام سے مشہور ہو گیا۔ ایک بار پھر ایک چوری میں رنگے ہاتھ پکڑا گیا۔ اسے بیس سال کی سزا ہو گئی۔ ۲۰ سال کے بعد جب جیل سے باہر آیا اسے پھر وہی بھوک ستانے لگی۔ کچھ دور چلنے کے بعد ایک مکان کے پاس رک گیا، دروازے کو دھکا مارا، دروازہ کھل گیا، وہ اندر داخل ہو گیا۔ وہاں پیٹ بھرنے کے لیے کوئی چیز موجود نہیں تھی، ایک کونے میں کچھ چادریں رکھی ہوئی تھیں جنہیں وہ جلدی جلدی باندھنے لگا لیکن بھوک سے نڈھال ہو رہا تھا اور پسینے میں نہایا ہوا تھا کہ ایک بزرگ گلاس میں دودھ لیے کھڑے تھے، بولے "بیٹا تمھیں بھوک لگی ہے یہ دودھ پی لو، بھوک میں کچھ کمی ہو جائے تو چادر باندھنا۔" اس نے دودھ پیا، کچھ دیر بعد ساری سستی دور ہو گئی اور چادر باندھنے لگا۔ بزرگ بولے چادریں زیادہ ہیں دو جگہ باندھ لو، ایک میں لے چلوں گا اور ایک تم۔ چور بولا لیکن بدلے میں تمھیں کچھ نہیں دوں گا۔ بزرگ بولے مجھے منظور ہے۔ دو جگہ چادریں باندھی گئیں ایک بزرگ نے اٹھائی اور دوسری چور نے۔ منزل کی طرف چل دیے کچھ دور چلنے کے بعد بزرگ بولے "تمھارا مکان کہاں ہے؟ چور بولا، زیادہ دور نہیں ہے۔ بزرگ بالکل تھک گئے تھے کہ ایک جگہ گر گئے۔ چور بولا جب گرانا تھا تو تم نے اٹھایا کیوں؟ بزرگ نے چادر کو پھر سر پہ اٹھایا، چور نے ایک مکان کی طرف اشارہ کر کے کہا اسی میں چادر رکھ دو اور جاؤ۔ بزرگ نے ایسا ہی کیا، چادر رکھنے کے بعد مکان سے نکلنے لگے۔ چور ہکا بکا رہ گیا، کیونکہ وہ سوچ رہا تھا کہ بڈھا اپنا حصّہ ضرور مانگے گا لیکن بزرگ نے نہ حصّہ مانگا اور نہ مزدوری مانگی۔ چور کے دل میں رحم کا جذبہ جاگ

ایک صاحب پہلی بار کرکٹ کھیل رہے تھے۔ باؤلر نے ان کو پہلی ہی گیند باؤنسر پھینکی۔ گیند ان کے سر کے پاس سے زن کر کے نکل گئی۔ یہ دیکھ کر وہ صاحب پویلین کی طرف چل پڑے۔

امپائر نے ان سے کہا "میں نے تمھیں آؤٹ نہیں دیا۔" ان صاحب نے جواب دیا "عقلمند کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔"

عامر عبّاسی، غفار منزل، اوکھلا نئی دہلی ۲۵

گیا وہ صرف بزرگ کے بارے میں سوچ رہا تھا نہ اُسے بھوک کا پتا تھا نہ نیند کا پتا، چادر وہیں چھوڑ کر رات کے دو بجے بزرگ کی تلاش میں نکل گیا اور جلد ہی ان سے ملاقات ہو گئی۔ وہ ان کے پیر پر گر کر رونے لگا۔ بزرگ بولے "کیوں رو رہے ہو بیٹا۔" چور بولا میں دو دن سے بھوکا تھا آپ نے ایک گلاس دودھ پلایا جس میں اتنی طاقت تھی کہ ابھی تک مجھے بھوک محسوس نہیں ہو رہی ہے یقیناً آپ کوئی بزرگ ہیں۔ بزرگ بولے۔ بیٹا وہ میری ہی چادریں ہیں۔ جسے میں تمھارے گھر پہنچا آیا کیونکہ مجھے امید تھی جو بیس سال جیل میں رہنے کے بعد بھی انسان نہیں بن سکا وہ میرے اس عمل سے ضرور ایک شریف انسان بن جائے گا۔

رئیس احمد سلمان شاہد، پورہ صوفی مبارک پور

بشریٰ سے ایک ملاقات

س :- آپ اپنا پورا نام بتائیں ؟
ج :- میرا نام بشریٰ صدف خان ہے۔
س :- آپ کے والد محترم کا کیا نام ہے ؟
ج :- ان کا نام عبدالسلام خاں قاسمی ہے۔
س :- آپ کہاں کی رہنے والی ہیں ؟
ج :- میں نوابوں کے شہر فیض آباد کی رہنے والی ہوں۔
س :- آپ کہاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں اور اور کس درجہ میں ہیں ؟
ج :- میں باپو بالکا انٹر کالج کی آٹھویں جماعت میں تعلیم حاصل کر رہی ہوں۔
س :- آپ کے شوق کیا ہیں ؟
ج :- مطالعہ کرنا اور بیڈمنٹن کھیلنا پسند ہے
س :- آپ کا پسندیدہ کھلاڑی کون سا ہے ؟
ج :- محمد اظہر الدین
س :- آپ کے پسندیدہ شاعر کون سے ہیں ؟
ج :- علّامہ اقبال اور مرزا غالب۔
س :- آپ کا پسندیدہ رسالہ کون سا ہے ؟
ج :- پیام تعلیم۔
س :- پسندیدہ مضمون ؟
ج :- انگلش، اردو
س :- آپ مستقبل میں کیا بننا پسند کریں گے۔ ؟
ج :- میں جرنلسٹ بن کر برائی کے خلاف لڑنا چاہتی ہوں۔
س :- آپ کا مکمل پتا ؟
ج :- بشریٰ خان معرفت عبدالرشید خان وزیر گنج ضبطی، فیض آباد۔ یوپی ۲۲۴۰۰۱

فضل خاں منٹو، وزیر گنج ضبطی، فیض آباد یوپی

اگلے دو کام

ایک صاحب دل کے تو کوئی [illegible] لیکن تھے بڑے چڑچڑے۔ [illegible]

رکھا رہتا تھا۔ ان کی بیوی بھی بڑی نازک دل تھیں ظاہر ہے تنک سے تنک کھایا نہیں جا سکتا اس لیے ان سے تو بولتے نہ تھے اور سارا غصہ نوکر کی پتلی گردن پر اتارتے تھے۔ چاہتے یہ تھے کہ وہ ننا مزاج شناس ہو جائے کہ ان کے بغیر کہے ان کے دل کی بات سمجھ لے اور اسی کے مطابق کام کرنے لگے۔ مثال کے طور پر جیسے انھوں نے جاڑوں کے زمانے میں چارپائی پر لیٹے ہی لیٹے بانگ لگائی کہ بقرعیدی پانی گرم کر دو۔ اس مختصر سے جملے کا ان کے نزدیک بقرعیدی کو یہ مطلب سمجھنا چاہیے کہ وہ غسل خانے میں گرم پانی، تولیہ اور صابن رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کے لیے چائے بھی تیار رکھے۔ ظاہر ہے بقرعیدی اتنا سمجھ دار نہیں تھا۔ وہ بس پانی گرم کر کے غسل خانے میں رکھ دیتا۔ ایک دن جب یہ غسل کے بعد باہر نکلے اور چائے تیار نہ پائی تو ہتھے سے اکھڑ گئے اور بقرعیدی کی وہ لے دے کی کہ پورا گھر دوڑ پڑا۔ اس لیے کہ اگر بقرعیدی جیسا سیدھا سادھا نوکر ہاتھ سے نکل جاتا تو دوسرا نوکر ڈھونڈے نہ ملتا۔ تھوڑی دیر میں جب چڑچڑے صاحب کے غصے کا پارہ اترا اور کچھ ٹھنڈے پڑے تو بقرعیدی کو مونگ پھلی کھانے کے لیے ایک روپیا دیا (کیونکہ بقرعیدی مونگ پھلی کے بڑے رسیا تھے) اور سمجھاتے ہوئے کہا کہ بقرعیدی آج تم یہ بات گرہ میں باندھ لو کہ جب میں کوئی کام کہوں تو تم اگلے دو کام اپنی سمجھ سے خود کر لیا کرو۔ بقرعیدی نیک بھی تھا اور مالک کا وفادار بھی۔ اس نے اپنے مالک کی بات واقعی گرہ میں باندھ لی۔ مالک جیسے ہی دفتر جانے سے پہلے کھانے کو کہتے تو وہ کھانا میز پر لگانے کے بعد ان کا پرس وغیرہ نکال کر سامنے رکھ دیتا اور ساتھ ہی سائیکل بھی باہر لا کر کھڑی کر دیتا۔

بقرعیدی کی اس مستعدی سے چڑچڑے مالک کافی خوش رہنے لگے۔ اللہ کی کرنی ایسی کہ ایک دن ان کے پیٹ میں سخت درد اٹھا تھوڑی دیر تک تو انھوں نے صبر کیا۔ جب برداشت سے باہر ہو گیا تو پلنگ پر ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے اور ہائے واویلا مچائی کہ سارا گھر اکٹھا ہو گیا۔ بقرعیدی اپنی سمجھ سے کام لیتے ہوئے پیٹ گرم کپڑے سے سینکنے لگا۔ ان کے جب ہوش ٹھکانے ہوئے تو انھوں نے کہا کہ سینکتے ہی رہو گے کہ ڈاکٹر کو بھی لاؤ گے میرا تو دم نکلا جا رہا ہے۔ تم لوگ منہ پھیلائے کھڑے ہو۔ یہ سنتے ہی بقرعیدی دوڑا ہوا ڈاکٹر کے پاس گیا جب وہ ان کے ساتھ گھر آ رہا تھا تو اسے فوراً یاد آ گیا کہ مالک نے ہدایت کی تھی کہ آگے کے دو کام اپنی سمجھ سے کر لیا کرو چنانچہ اس نے ڈاکٹر کو تو گھر پہنچا دیا اور خود بھاگا ہوا قبرستان گیا اور قبر کھودنے کا انتظام کرنے کے بعد بازار سے کفن کا کپڑا خرید کر گھر واپس آیا۔ اتنی دیر کے بعد واپسی پر چڑچڑے مالک

ایک صاحب دعوت میں بے تحاشا کھائے جا رہے تھے۔ ان کے برابر بیٹھے ہوئے ایک آدمی سے ضبط نہ ہو سکا اور بولا، "جناب کھانے کے درمیان پانی بھی پی لیا کرتے ہیں۔"

وہ صاحب اطمینان سے بولے۔

"ٹھیک ہے بھئی، جب درمیان آئے گا تو پانی بھی پی لیں گے۔"

ایک دکان کے باہر بورڈ لگا ہوا تھا:
"قیمتوں میں حیرت انگیز کمی"
ایک خاتون نے دکان میں داخل ہوکر سیلزمین سے پوچھا کہ آپ نے قیمتوں میں کتنے فی صد کمی ہے۔
سیلزمین نے جواب دیا "دو فی صد"
خاتون نے حیرت سے کہا "مگر آپ نے بورڈ پر تو حیرت انگیز کمی لکھا ہے"
سیلزمین نے جواب دیا "تو کیا آپ کو حیرت محسوس نہیں ہوئی"

آپے سے باہر ہوگئے اور اس پر بے طرح برس پڑے۔ بقرعیدی خاموش سنتا رہا، اس کے بعد اس نے کہا حضور آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اگلے دو کام اپنی سمجھ سے کرلیا کرو۔ اس کے ساتھ ساتھ مالک کی نظر بقرعیدی کی بغل میں دبے ہوئے کفن پر پڑی اور وہ بیماری میں بھی اپنی ہنسی روک نہ سکے اور کہا قبر بھی کھودی جارہی ہوگی؟ اچھا اب آؤ، میرا گلا بھی دبادو تاکہ پیسے نہ برباد ہوں۔

فہیم احمد اعظمی، قاسمی میڈیکل ہال، بندریا بازار اعظم گڑھ

ماں کے حقوق

اولاد کی پرورش کے لیے ماں باپ دونوں ہی کا اہم رول ہے۔ دونوں ہی سکون و آرام کی قربانی دے کر اولاد کو بلندی پر چڑھاتے ہیں۔ باپ اپنے خون کا پسینہ بناکر اولاد پر نچھاور کرتا ہے اور ماں اپنا خون جگر پلاکر اس کی پرورش کرتی ہے اور دونوں کی محنت اور مشقت سے بچہ عروج کی طرف قدم بڑھاتا ہے اس لیے قرآن وسنت میں دونوں ہی کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے۔

مگر یہ بھی ایک واضح حقیقت ہے کہ اولاد کو پروان چڑھانے میں سب سے زیادہ تکلیفیں ماں ہی کو اٹھانی پڑتی ہے۔ ماں جس طرح اپنی ہستی کو بھلاکر بچہ کو پالتی ہے جس محبت سے اپنا خون جگر پلاتی ہے اور بچہ کی خاطر اپنے دن کا سکون و آرام اور رات کی نیند مسلسل قربان کرتی ہے اس قربانی کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی اسی لیے قرآن کریم نے ماں باپ دونوں کے ساتھ نیک سلوک کی تاکید کرتے ہوئے ماں کی زحمتوں اور تکلیفوں کا نقشہ بڑے ہی اثر انگیز طریقے پر کھینچا ہے اور اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ باپ کے مقابلے میں جاں نثار ماں تمھاری خدمت و اطاعت اور سلوک کی زیادہ مستحق ہے اور اسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کیا۔

ایک مرتبہ ایک آدمی حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور شکایت کی کہ یارسول اللہؐ میری ماں بدمزاج ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا۔
"نو مہینے تک مسلسل جب یہ تجھے پیٹ میں لیے لیے پھری اس وقت تو یہ بدمزاج نہ تھی؟"
وہ شخص بولا "حضرت میں سچ کہتا ہوں وہ بدمزاج ہی ہے"
حضورؐ نے فرمایا "جب یہ رات رات بھر تیری خاطر جاگتی تھی اور اپنا دودھ تجھے پلاتی تھی اس وقت تو یہ بدمزاج نہ تھی"
"میں اپنی ماں کو ان سب باتوں کا بدلا دے چکا ہوں"
حضورؐ نے پوچھا "تو کیا بدلا دے چکا ہے بھلا"

اس نے کہا "میں نے اپنے کاندھوں پر بٹھا کر اسے حج کرایا ہے۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کن جواب دیتے ہوئے فرمایا "کیا تو اسے دردِ زہ کی تکلیف کا بدلا بھی دے سکتا ہے جو تیری پیدائش کے وقت اس نے اٹھایا ہے۔"

حضرت محمد ابن سیرینؒ مشہور تابعی بزرگ ہیں فقہ و حدیث کے امام مانے جاتے ہیں۔ آپ کی والدہ محترمہ حجاز کی رہنے والی تھیں، حضرت والدہ کے ادب و احترام اور شوق کا انتہائی خیال رکھتے تھے۔ جب کبھی والدہ کا کپڑا خریدتے تو کپڑے کی نرمی اور خوبصورتی پر نگاہ رہتی۔ عید کے لیے تو اپنے ہاتھ سے والدہ کے لیے کپڑے رنگتے۔

ماں کے ادب و احترام کا یہ حال تھا کہ کبھی ماں کے سامنے اونچی آواز میں نہ بولتے، اس طرح ماں سے گفتگو کرتے کہ جیسے کوئی راز کی بات کر رہے ہوں۔

ایس۔ ایم رضا شاہ، انجمن اسلام اردو اسکول ترمبے BOMBAY

بیربل کا انصاف

مغلیہ سلطنت کے زمانے کی بات ہے، شہنشاہ اکبر کے محل کے باہر ایک گھنٹہ بندھا ہوا تھا۔ فریادی انصاف پانے کے لیے اس گھنٹے کو بجاتے تھے اور بادشاہ اکبر ان کی فریاد سنتے تھے۔ ایک دن دوپہر کے وقت اچانک گھنٹہ بجنے لگا۔ شاہی نوکر گھنٹے کی آواز سن کر فریادی کو دربار میں حاضر کرنے کے لیے دوڑ پڑے۔ نوکروں نے دیکھا کہ گھنٹے سے بندھی رسّی کو ایک بیل چبا رہا ہے اور اسے بار بار کھینچ رہا ہے۔ شاہی نوکروں نے بیل کو بھگا دیا۔

کچھ دیر بعد پھر گھنٹہ بجنے لگا۔ شہنشاہ اکبر نے خود جھجے پر آ کر دیکھا اور بیل کو دربار میں لانے کا حکم دیا۔

بادشاہ نے بیل کو بہت غور سے دیکھا لیکن کچھ سمجھ نہیں پائے کہ بیل کیا کہنا چاہتا ہے۔ آخر کار انھوں نے اس کے بارے میں کئی لوگوں سے پوچھا لیکن کوئی بھی صحیح بات نہ بتا سکا۔ تب اکبر نے بیربل سے دریافت کیا۔ بیربل نے بیل کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا "حضور بیل انصاف مانگ رہا ہے۔ اس کو کئی دنوں سے چارہ نہیں ملا ہے۔ بیل بوڑھا ہو گیا ہے، شاید اسی لیے اس کے مالک نے اسے نکال دیا ہے۔ بیچارے کے ساتھ بہت ناانصافی ہوئی ہے۔" بادشاہ نے کہا "اس کے ساتھ تم خود انصاف کرو۔"

"جو حکم جہاں پناہ"، بیربل کی صلاح پر بادشاہ نے بیل کے مالک کو فوراً دربار میں بلوا لیا۔ "کیا یہ تمہارا بیل ہے؟" بیربل نے پوچھا۔

مالک "ہاں حضور، یہ بوڑھا بیل ہمارا ہی ہے اب یہ کام نہیں کرتا ہے اس لیے ہم نے اسے نکال دیا ہے۔ آخر آپ ہی بتائیے کہ ہم خرچ کہاں

ریل گاڑی میں نیچے والی برتھ پر بیٹھے ہوئے ایک شخص نے نئے آنے والے مسافر سے کہا۔

"بھئی! آپ اتنا بڑا صندوق اوپر نہ رکھیں۔ ہو سکتا ہے میرے اوپر آ گرے۔"

"فکر کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس میں ٹوٹنے والی کوئی چیز نہیں ہے۔" نئے مسافر نے جواب دیا۔

نعیم احمد ایجنٹی چورہا سنبھل

ایک مولوی صاحب کسی کپڑے کی دکان پر گئے اور دکان دار سے ایک ٹوپی کی قیمت پوچھی۔ دکان دار نے جواب دیا "ایک سو روپے"
مولوی صاحب نے غصّے میں کہا۔ "لاحول ولا قوۃ"، کچھ دیر بعد مولوی صاحب نے دوسری ٹوپی کی قیمت پوچھی۔ دکان دار نے جواب دیا۔ "دو لاحول ولا قوۃ"،

اس کا پیٹ کب تک بھرتے رہیں گے۔ پھر میرے پاس تو کئی چوپائے ہیں ان کا ہی پیٹ بھرنا مشکل ہے۔"

بیربل نے کسان کی بات دھیان سے سُنی کسان کی حالت اتنی خراب نہ تھی جتنی وہ بتا رہا تھا۔ دراصل بیل کے بوڑھے ہو جانے کی وجہ سے کسان نے اسے بیکار سمجھ کر نکال دیا تھا بیربل نے پوچھا، اگر تمھارے خاندان میں کوئی بوڑھا اور کمزور ہو جائے تو کیا تم اس کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کروگے ؟"

"نہیں حضور، بھلا اپنوں کے ساتھ بھی کوئی ایسا برتاؤ کر سکتا ہے۔ اس کی خدمت کرنا تو ہمارا فرض ہے۔" کسان بولا۔

تو جس بیل نے زندگی بھر تمھارا ساتھ دیا اسے تم نے اسی لیے نکال دیا کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے؟ آخر اس نے زندگی بھر تمھاری مدد کی ہے۔ اس نے اپنا خون پسینا ایک کر کے تمھارا کام کیا ہے۔ تم نے اس بیل کو نکال کر ایک گناہ کیا ہے۔ تم کو اس بیل کو اپنے ساتھ اس وقت تک رکھنا ہوگا جب تک یہ زندہ ہے

اور اس کی خدمت کرنی ہوگی۔ ساتھ ہی تمھیں پچاس کوڑے بھی لگائے جائیں گے" بیربل نے اپنا فیصلہ سُنایا۔

بیربل کا فیصلہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور اسے بہت انعام سے نوازا۔

جاوید اقبال خسرو، رانی پور، ڈرہریا، سیوان بہار

استاد کا ادب

استاد کی قدر باپ سے بھی بڑھ کر ہے۔ باپ بچّے کو آسمان سے زمین پر لاتا ہے اور استاد بچّے کو زمین سے آسمان پر پہنچاتا ہے، یعنی بچّے کا ذہن بنا کر خوب ترقی دلاتا ہے۔

سکندر اعظم کے اُستاد کا نام ارسطو تھا۔ سکندر بادشاہ اپنے دربار میں ارسطو کے احترام میں اُٹھ کھڑا ہوتا۔ دنیا میں جتنے بھی بڑے بڑے لوگ گزرے ہیں یہ سب استاد کی مہربانی سے ہی علم حاصل کر کے بڑے مرتبے پر پہنچے۔ اسی لیے ہم کو چاہیے کہ استاد کی خوب قدر کریں۔ اُن کا دل نہ دُکھائے، ان کی خدمت کا اگر موقع ملے تو اسے غنیمت سمجھیں۔ ہر آدمی کے تین باپ ہوا کرتے ہیں ایک اپنا باپ، ایک بیوی کا باپ، اور ایک اُستاد۔ ان تینوں میں اُستاد ہی بہت اہم ہے کیونکہ انسان کو بچپن سے لے کر موت تک کی زندگی کے سارے آداب اور طریقے اُستاد ہی سے ملتے ہیں۔ ہر آدمی کو علم حاصل کرنے کے لیے تین چیزوں کا ادب لازم ہے ایک استاد کا ادب، جس سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ دوسرے کتاب کا ادب، جس سے علم حاصل کیا جاتا ہے تیسرا جگہ کا ادب، جہاں پر علم حاصل کیا جاتا ہے۔ ٹیچر کے لفظی معنیٰ ہیں سکھانے والا مضمون

سکھانے والا۔

ہمارے مدرسے کے جو اساتذہ ہیں وہ اپنے اپنے مضمون ہم کو سکھاتے ہیں۔ ان کا اور ہمارا تعلق صرف مضمون کی حد تک ہے اگر ہمارے مضمون اچھے ہیں تو ہماری قدر کرتے ہیں اگر کسی شاگرد کے مضامین اچھے نہیں ہیں تو استاد کی نظر میں شاگرد کی قدر نہیں ہوتی۔ اس طرح اگلے زمانے میں اور اب بھی چند مقامات ایسے ہیں جہاں سے علم حاصل ہوتا ہے اخلاق بنتے ہیں۔ تربیت ہوتی ہے۔ روحانی امراض چلے جاتے ہیں استاد اور شاگرد میں خوب جوڑ ہوتا ہے۔ ایسے مقامات کو خانقاہ کہتے ہیں۔ شاگرد طالب علم بن کر روحانی استاد یعنی شیخ کے پاس چلا جاتا ہے۔ ان کی صحبت میں برسوں برس رہتا ہے

مگر افسوس کہ ایسے مدرسے بہت کم ہیں اس لیے حکومت ہمارے نصاب میں اخلاقی تعلیم پر زور دے کر اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ شاگرد کو چاہیے کہ استاد سے دل لگاؤ قائم کریں جس سے علم اور عمل میں بڑھوتری نصیب ہوگی۔ استاد کے سامنے ادب سے رہیں اور ان کی خامیوں کو نظر انداز کریں، ان کی توہین نہ کریں۔ ان کی اچھائیوں کو اپنا لیں۔

امداد اللہ نگر دیکر، مدنی منزل اتھنی ضلع بلگام

امید کی کرن

منظر ایک مجبور، بے بس لڑکا ایسے گھرانے میں پیدا ہوا جہاں غربت، افلاس کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ اس کے بوڑھے والدین کے علاوہ اس کی تین بڑی بہنیں بھی تھیں۔ کل چھ افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا خاندان تھا۔ جب منظر سات برس کا ہوا تو اس کے والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ گھر کی تمام ذمے داریاں بہنوں پر آ گئیں۔ بڑی بہنیں چاہتی تھیں کہ ان کا بھائی پڑھ لکھ کر لائق بنے۔ جس کے لیے تمام بہنیں دن رات محنت و مزدوری کرتی تھیں۔ منظر روزانہ اسکول جانے لگا۔ زینہ بہ زینہ کامیابی کی منزلیں طے کرتا گیا۔

منظر اعلا تعلیم کے لیے شہر چلا گیا۔ کچھ ہی دنوں میں وہ شہر کی رنگ رلیوں میں گم ہو گیا ماں، بہنوں کو بھول کر اپنے دوستوں کے ساتھ مگن رہنے لگا۔ ان پانچ سالوں میں اسے گھر کی یاد نہیں آئی۔ جب خود غرض دوستوں نے منظر سے اپنا دامن چھڑا لیا تو اس وقت منظر کے ہوش ٹھکانے آ گئے، پھر اسے اپنا گھر، ماں اور بہنیں یاد آنے لگیں۔

جب منظر اپنے وطن پہنچا تو وقت کے ہاتھوں سب کچھ لٹ چکا تھا۔ گھر کی دیواریں اس کی بے بسی پر پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ جیسے کہہ رہی ہوں وہ کیا لینے آیا اس گھر سے جبکہ ماں اور بہنیں اس کی بے رخی دیکھ کر

ایک دیہاتی جسے بس میں سفر کرنے کا بے حد شوق تھا ایک دن نئے کپڑے پہن کر "بس" کے اڈے پر پہنچا اور ایک "بس" میں سوار ہو کر سفر کرنے لگا۔ بس تھوڑی ہی دور جا کر ایک درخت سے ٹکرا گئی۔ مسافروں کو خاصی چوٹیں آئیں۔ دیہاتی کے بھی چوٹ آئی۔ دیہاتی اٹھا اور ڈرائیور سے پوچھنے لگا "جناب! جہاں درخت نہیں ہوتے وہاں بس کیسے روکتے ہیں؟"

ایک خاتون (دوسری سے) "آپ کی عمر کتنی ہے؟"
دوسری (مسکرا کر) "۳۰ سال۔ ویسے لگتی نہیں ہوں؟"
پہلی (جل کر) "ہاں ۲۰ سال پہلے لگتی تھیں"
مبشرہ بیگم (منی) بجنڈی پورہ سنبھل

گھاتو چھوڑ کر در در کی خاک چھاننے نکل گئی تھیں۔ منظر اپنے گھر کے سامنے لکڑیوں کے جال میں الٹا پڑا تھا۔ ہاتھ پر سر دھرے اپنی قسمت کو رو رہا تھا۔

منظر کے قدم نامعلوم منزل کی طرف بڑھنے لگے۔ ہر جگہ تلاش کرنے پر بھی ماں اور بہنوں کا پتا نہ چل سکا۔ مجبور لاچار، در در کی ٹھوکریں کھاتا رہا۔ جہاں کہیں بوڑھی عورت دکھائی دیتی وہ اس کی طرف لپک کر جاتا۔ دیکھتا کہ کہیں وہ عورت اس کی ماں تو نہیں ہے۔ جہاں کہیں بھی نوجوان لڑکیاں نظر آتیں اس کے قدم ان کی جانب اٹھ جاتے اور دیکھتا کہ کہیں اس کی بہنیں تو نہیں ہیں۔ اس کی اس حرکت پر لوگوں کو اس کے پاگل ہونے کا گمان ہونے لگا۔ اس حرکت پر بعض لوگوں نے اسے برا بھلا کہا۔ بے جان منظر تمام تکلیفیں سہتا رہا۔ ماں اور بہنوں کو ڈھونڈنے کے لیے اس نے زمانے بھر کی خاک چھانی مگر سب بے کار، بے سود۔ آخر تھک ہار کر منظر ایک پیڑ کے سایہ میں بیٹھ گیا۔ اپنے زخموں کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اب اسے اپنی زندگی بوجھ معلوم ہونے لگی۔ اب وہ جینا نہیں چاہتا تھا۔ وہ زندگی سے ہار چکا تھا۔ پیڑ سے اٹھا اور تیز قدموں سے انجان راہوں پر چل پڑا۔

چلتے چلتے وہ بہت دور نکل آیا اس نے ایک نظر چاروں طرف گھمائی، درختوں اور پتھروں سے مخاطب ہو کر زور زور سے چلا کر کہنے لگا: "آؤ! مجھے مار ڈالو! خاموش کیوں ہو؟ کچھ تو جواب دو! مار ڈالو مجھے۔ میں جینا نہیں چاہتا۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔" اس طرح وہ بڑبڑاتا ہوا دریا کی طرف نکل پڑا۔ دریا میں چھلانگ لگانے والا ہی تھا کہ کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا "بیٹا! کیا ہوا؟" منظر نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور کہا "بابا! مجھے مت روکو۔ مجھے مر جانے دو، میں زندہ نہیں رہنا چاہتا۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں رہا سب گم ہو گئے ہیں۔ مجھے مر جانے دو۔ میں مر جاؤں گا۔" بابا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا "بیٹا! زندگی سے اتنی جلدی ہار نہیں ماننا چاہیے۔ خدا کے نزدیک دیر ہے اندھیر نہیں۔ وہ سب کو ملاتا ہے۔" بابا نے حوصلہ دلاتے ہوئے منظر سے کہا ؎

مل ہی جائے گی ڈھونڈنے والے کو بہار
ہر گلستاں میں خزاں ہو یہ ضروری تو نہیں

بابا کی پدرانہ شفقت میں منظر کو امید کی ایک کرن نظر آئی۔ پھر کبھی اس نے مرنے کا نام نہیں لیا۔

مسعود احمد قریشی، محلہ مدار تکیہ، منگر ول پیر اکول

براہِ کرم ہر مضمون الگ الگ صفحے پر ایک سطر چھوڑ کر لکھیے۔ مضمون کے آخر میں اپنا نام اور پورا پتا ضرور لکھیں۔

ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ" — سر سید احمد خاں

ماہنامہ

پیام تعلیم

نئی دہلی ۲۵

جون ۱۹۹۵ء جلد ۴۳ شمارہ ۶

فی پرچہ	4/50	سالانہ	40/=
سرکاری اداروں سے	55/= روپے		

وی پی کی ڈی منگانے کی صورت میں مزید ۱۰/ روپے خرچ آئے گا
غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/= روپے

ایڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵
شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار، دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونیورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲

بچوں سے باتیں

وہ جو کہتے ہیں نا چراغ تلے اندھیرا، تو پچھلے مہینے ہم نے بچوں سے باتیں کے کالم میں اس کا ثبوت بھی دیدیا۔ ہم نے پیام تعلیم کے خریدار بنانے کے لیے جناب غوث خان کا شکریہ ادا کیا کہ یہ ہمارا فرض تھا لیکن آپ کی پیاری زبان "اردو" اور آپ کے پیام تعلیم کے بے لوث خدمت گزار اور ہمدرد جناب ظفر علی بیگ کا شکریہ ادا کرنا ہی بھول گئے۔ بیگ صاحب پیام تعلیم کے خریدار بنانے کے لیے رات و دن کوشش کرتے رہتے ہیں۔ آپ کو یہ سن کر خوشی بھی ہوگی اور حیرت بھی کہ بیگ صاحب اب تک پیام تعلیم کے ۱۲۵ سے زیادہ خریدار بنا چکے ہیں۔ یہی نہیں ان میں اکثر کے چندے بھی موصوف نے اپنی جیب خاص سے ادا کیے ہیں۔ ہے نا خوشی کی بات؟ بیگ صاحب محکمہ ہاؤس ٹیکس میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں سرکاری ملازم ہیں لیکن نیک نام ہیں۔ آپ کے پیام تعلیم کا ایک ایک لفظ پڑھتے ہیں غلطیوں کی نشاندہی بڑے خلوص سے کرتے ہیں اور جو تحریر پسند آتی ہے اس کی تعریف میں کمی کبھی نہیں کرتے ہم اپنی طرف سے اور آپ کی طرف سے ان کا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں اور ان کی صحت اور سلامتی کے لیے دعا گو ہیں۔

پرنٹر پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

جاگو جگاؤ

قرآن حکیم کی سورہ توبہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :
" اے ایمان والو ! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ ۔"
اس فرمان میں صدق یعنی سچائی کی تعلیم بڑی خوبصورتی سے دی گئی ہے اور یہ فرمایا گیا ہے کہ سچّوں کے ساتھ ہو جاؤ ۔ گویا سچے لوگ ایک جماعت ہوتے ہیں ۔ اصل میں اسلام لانے کا سب سے بڑا تقاضا سچّائی اختیار کرنا ہے اور مسلمان صرف سچّوں کی جماعت میں ہی شامل ہو سکتا ہے ۔
سچ بولنے میں بعض وقت بڑی مشکلات پیش آتی ہیں ، لیکن سچے لوگ کسی مشکل ، کسی خطرے کی پروا نہیں کرتے ، بلکہ اپنی جان کی بھی پروا نہیں کرتے ۔ مگر ایسے لوگ معمولی لوگ نہیں ہوتے ۔ بہت بڑے ، بہت عظمت والے لوگ ہوتے ہیں ۔ صحیح معنیٰ میں روشنی کا مینار یہی لوگ ہوتے ہیں ۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سچائی اور حق کا اجالا پھیلانے کے لیے جان قربان کرنے والی اعلا مثال ہیں ۔ آپ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ مسلمان کبھی غلط بات قبول نہیں کرتا ، کبھی بے جا دباؤ میں نہیں آتا ، کبھی سچّائی کے اظہار سے نہیں چوکتا ۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے عمل سے گواہی دی کہ اسلامی حکومت کا سربراہ صرف سچّا ، پاک باز ، ایمان دار اور اہل انسان ہی ہو سکتا ہے ۔ اسی گواہی کو شہادت کہتے ہیں ۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت نے اسلامی تاریخ کا رُخ موڑ دیا اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں کو صحیح طریقہ حکومت بتا دیا ۔
اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو ۔

تمھارا دوست اور ہمدرد
حکیم محمد سعید

شگوفے ہی شگوفے

"پروفیسر صاحب سنا ہے۔ جھوٹ پکڑنے والا کوئی آلہ ایجاد ہوگیا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا ہے" شاگرد نے سوال کیا۔
پروفیسر نے جواب دیا۔ "میں نے دیکھا ہی نہیں بلکہ میرے پاس موجود بھی ہے۔ میں اس سے شادی کرچکا ہوں۔"

مصطفٰے چاند

سو برس کی نانی

گرمی سے سب کا برا حال تھا۔ کاشف چھت پر بیٹھا تھا۔ وقار بھی موجود تھا۔ حسن کبوتروں کی کابک کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ یہ وقت تو پتنگ اڑانے کا تھا، لیکن دھوپ اس قدر تیز تھی کہ کسی کی بھی پتنگ اڑانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ اور نیچے وہ اس لیے نہیں جانا چاہتے تھے کہ کہیں امی یا دادی انہیں کمرے میں سُلا نہ دیں۔
ابھی انھیں اوپر بیٹھے کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ اچانک بادل چھا گئے۔
"ارے یہ کیا ہوا؟" کاشف نے حیرانی سے کہا۔ سب آسمان کو گھورنے لگے۔ چاروں طرف سے کالے کالے بادل امنڈتے چلے آرہے تھے۔
"حسن لگتا ہے بارش ہونے والی ہے؛" وقار نے چاروں طرف گردن گھماتے ہوئے کہا۔ "بارش شروع" حسن نے اپنے ہاتھ پر پڑنے والی پہلی بوند سب کو دکھائی۔
ابھی وقار اور کاشف اس کے ہاتھ پر گرنے والی بوند دیکھ ہی رہے تھے۔ کہ چھما چھم بارش ہونے لگی۔ آس پاس کی چھتوں پر بھی بچے ناچنے لگے۔ کاشف، حسن اور وقار بھی ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے بارش میں گا رہے تھے۔

اللہ میاں پانی دے سو برس کی نانی دے
بات ہماری مان لے پانی دے یا نانی دے

جوں جوں وہ گاتے جاتے بارش کی تیزی میں اضافہ ہوتا جاتا۔ اچانک کاشف چلایا: "ارے وہ دیکھو، وہ کیا ہے؟" وقار اور حسن کاشف کی انگلی کی سیدھ میں دیکھنے

گئے۔ بارش کی شفاف بوندوں کے بیچ ایک عجیب سی چیز تیزی سے نیچے کی طرف آرہی تھی۔ اس کا رُخ پہلے دائیں طرف تھا پھر اچانک ہی اس کا رُخ بدلا اور وہ تیزی سے کاشف کی چھت کی طرف آنے لگی۔ "دیکھو حسن! یہ تو ہماری چھت پر ہی آرہی ہے" وقار نے حیران نظروں سے دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ دیکھ کر وہ کبوتروں کی کابک کے پیچھے چھپ گئے۔ اسی وقت وہ چیز اُن کی چھت پر دھپ کی آواز کے ساتھ گری۔ تینوں نے دیکھا وہ کوئی رُوئی کے گولے جیسی چیز تھی جو تھوڑی دیر تک یوں ہی پڑی رہی اور پھر اس نے حرکت کی۔ کاشف کی تو جان ہی نکل گئی۔ حسن بھی تھر تھر کانپنے لگا۔ پھر وہ چیز اٹھ گئی۔

اسی وقت وقار ہمت کر کے اٹھا اور کابک کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔

"کاشف یہ تو نانی لگتی ہے" وقار نے اس کے قریب جاکر کہا۔ حسن اور کاشف بھی اٹھ کر آگے بڑھے۔

"سچ مچ کی نانی؟" حسن نے خوشی سے کہا۔

"سچ مچ کی نہیں، یہ سَو برس کی نانی ہے" وقار نے عالمانہ انداز میں کہا اور نانی کو قریب سے جاکر دیکھنے لگا۔ وہ ایک چھوٹی سی بڑھیا تھی جس کے بال رُوئی کی طرح تھے۔ اس کا رنگ بالکل سفید تھا۔ اور ننھے منے ہاتھ گڑیا کی طرح لگتے تھے وہ ٹکر ٹکر تینوں کو دیکھ رہی تھی۔ کاشف نے اس سے کہا "نانی تم کیوں آئی ہو؟"

نانی نے بہت میٹھے لہجے میں کہا، "بیٹا! بڑوں کو "تم" نہیں، "آپ" کہہ کر مخاطب کرتے ہیں" کاشف نے فوراً معافی مانگی۔ "اچھا نانی آپ کیوں آئی ہیں؟ کاشف نے دوبارہ کہا۔

"مجھے تم لوگوں نے بلایا تھا" نانی یہ کہہ کر ہنسیں تو ان کے دانت موتیوں کی طرح چمکنے لگے۔ وقار دل میں سوچنے لگا کہ یہ کیسی نانی ہیں جو سَو برس کی ہیں مگر ان کے دانت ابھی تک ہیں۔

کاشف نے اُن سے پوچھا "نانی آپ کہاں رہتی ہیں؟"

نانی نے اُوپر کی طرف اشارہ کیا، "آسمانوں میں"

وقار نے نانی کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا "آپ سے ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں ضرور": نانی نے جلدی سے کہا۔

تب وقار نے کہا، "نانی آپ تو سو برس کی ہیں نا! اتنی عمر میں تو لوگ مر جاتے ہیں۔ آپ کیوں نہیں مریں؟" وقار کی اس بات پر کاشف اور حسن نے اسے غصّے سے گھورا۔ ان کا خیال تھا کہ کہیں نانی ناراض نہ ہو جائیں لیکن نانی نے اس کی بات کا بالکل بُرا نہیں مانا۔

انھوں نے ہنس کر کہا؟ "بیٹا! انسان مٹّی سے بنا ہے۔ اس کے اندر رُوح ہے۔ پتا ہے میں کس سے بنی ہوں؟" نانی کے سوال پر تینوں بوکھلا گئے۔

"نہیں! ہمیں نہیں معلوم"

"اچھا تو سنو! میں نیکی سے بنی ہوں اور نیکی کبھی نہیں مرتی": نانی کی اس بات پر کاشف دنگ رہ گیا۔ یہی حال وقار اور حسن کا بھی تھا۔ نانی نے انکے پریشان چہروں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "شاید تم سمجھے نہیں": وقار نے پوچھا، "نانی! تو کیا آپ کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بنایا؟" وقار کے اس سوال پر نانی آہستہ سے مسکرائیں اور بولیں، "نہیں بیٹا! اس دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اللہ نے نہ بنائی ہو۔ انسان کے جسم میں مٹّی کے جتنے بھی ذرّے ہیں اتنے ہی مجھ میں تھے۔ پھر جوں جوں میں نیکیاں کرتی گئی، مٹّی کے ذرّے نیکیوں میں بدلتے گئے۔ میری تمام عمر نیکیوں میں گزر گئی۔ آج میرا پورا جسم نیکیوں سے بدل چکا ہے۔"

نانی کی اس بات پر کاشف، وقار اور حسن بے وقوفوں کی طرح ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ نانی کا جسم دیکھتے ہی دیکھتے بڑھنے لگا۔

کاشف بہت دیر بعد بولا "نانی! اب آپ کہیں جائیں گی تو نہیں"

"نہیں کاشف میاں! ہم تو آئے ہی آپ کے پاس ہیں" نانی نے کاشف کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

اسی وقت سیڑھیوں پر دوڑتے قدموں کی آوازیں آئیں محلے بھر کے بچے نانی کو دیکھنے کو بھاگے چلے آرہے تھے۔

"اے نادیہ! نانی کتنی پیاری سی ہیں"

"ہاں اور دیکھو! یہ تو بالکل جوان بھی لگتی ہیں۔ نانی آپ کی عمر کتنی ہے؟ نادیہ نے پوچھا۔

گڈو نے شازی سے کہا، "تم تو بالکل احمق ہو۔ جانتی نہیں ہو یہ سو برس کی نانی ہیں۔ ان کا جسم نیکی سے بنا ہے۔"

کمیشن

ایک ٹرین کو راستے میں ڈاکوؤں نے گھیر لیا۔ وہ ہر ڈبّے میں جاتے اور مسافروں کی جامہ تلاشی لیتے اور ساری نقدی چھین لیتے۔ مسافروں میں ایک یہودی کمیشن ایجنٹ بھی سفر کر رہا تھا۔ اس نے جیب سے دو سو ڈالر نکالے اور ڈاکوؤں کے سامنے رکھ دیے۔ پھر اچانک اس میں سے چار ڈالر نکال کر جیب میں رکھ لیے "یہ کیا حرکت ہے رکھو ساری رقم۔" ایک ڈاکو نے ریوالور تانتے ہوئے کہا "جناب عالی! اس نقد لین دین پر دو فیصد کے حساب سے کمیشن لینا تو میرا حق ہے۔" یہودی نے جواب دیا۔

ایک اور بچے نے کہا، "ہاں! اور نانی نے یہ بھی بتایا ہے کہ نیکی نہ تو کبھی پرانی ہوتی ہے نہ بوڑھی۔ بس، نانی بھی جوان ہیں۔ مگر ہم تو انھیں سو برس کی نانی ہی کہیں گے۔"

"لیکن ہم تو انھیں آنٹی کہیں گے۔ دیکھو تو بھلا کیا یہ نانی لگتی ہیں۔"

"ہرگز نہیں بالکل ہماری امّی جیسی ہیں۔"

اسی بحث کے دوران بچوں میں لڑائی شروع ہو گئی۔ نانی جلدی سے بولیں:

اگر آپ لوگ یوں لڑنے لگے پھر تو تم سب بہت جلد بوڑھے ہو جاؤ گے۔ پتا ہے لڑنے والے بچے بہت کم دن زندہ رہتے ہیں۔"

"اُف! یہ کیا ہو گیا۔" نادیہ سر تھام کر یوں بیٹھ گئی جیسے وہ اگلے ہی لمحے بوڑھی ہو جائے گی۔

نانی سب سے کہنے لگیں، "اب کوئی نہیں لڑے گا۔" تمام بچوں نے اقرار میں گردن گھمائی۔

پھر تو گویا گلی میں انقلاب آ گیا۔ مٹی میں کیچڑ کھیلتے بچے نہ معلوم کہاں غائب ہو گئے۔ شریر لڑکوں کی ٹولیوں نے درختوں سے پرندوں کے انڈے چرانے بند کر دیے۔ مدرسوں میں حاضری بڑھ گئی۔ ہر طرف گندگی کے جو ڈھیر تھے وہ غائب ہو گئے، ہر جگہ صاف ستھری رہنے لگی۔ نانی ہر روز بچوں کو اچھی اچھی باتیں بتاتیں۔ لمبی عمر اور جوان رہنے کا گُر بتاتیں۔ ان کا کہنا تھا کہ نیکیاں انسان کو ہمیشہ جوان رکھتی ہیں۔ ہر بچہ نیکی کرنے کے چکر میں لگا رہتا تھا۔

ارشد اکثر نانی سے پوچھتا " نانی! کیا میں بھی آپ کی طرح بن سکتا ہوں ؟"
نانی جواب میں کہتیں، " ہاں کیوں نہیں؟ یہ کون سا مشکل کام ہے۔ جو عہد کرو اسے پورا کرو۔ بزرگوں کی خدمت کرو۔ دیانت سے کام لو۔ پھر دیکھنا تم بھی ایک دن میری طرح بن جاؤگے۔"

نانی نے سب سے وعدہ کیا تھا کہ وہ باری باری سب کے پاس رہیں گی، اس لیے سب بے چینی سے نانی کا انتظار کرتے تھے۔

پہلا ہفتہ تو نانی نے گڈو اور جمیل کے یہاں گزارا۔ اب نانی ثمینہ کے گھر پر تھیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہاں کسی دوسرے بچے کا داخلہ بند ہو بلکہ سب بچے گھر کا اور مدرسے کا کام کرنے کے بعد نانی کے پاس آجاتے۔ کبھی نانی کہانی سناتیں کبھی لطیفے، وہ باتیں اتنی اچھی کرتیں تھیں کہ کوئی بھی نہ اکتاتا تھا۔

نانی جب تک ثمینہ کے یہاں رہیں ثمینہ نے ان کی خوب خدمت کی۔ اچھے اچھے کھانے کھلائے۔ ان کے لیے وضو کا پانی رکھا۔ کپڑے استری کیے۔ رات کو ٹانگیں دبائیں۔ پھر نانی ثمینہ کو دعائیں دیتی ہوئی اس کے گھر سے نکلیں اور احتشام کے گھر پہنچیں۔

جس روز احتشام کے گھر نانی کا آخری دن تھا۔ اسی دن نانی نے جس نئے گھر کا انتخاب کیا وہ ارشد کا تھا۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ارشد خوشی سے جھوم جھوم جاتا مگر ارشد کے قدموں سے تو زمین ہی نکل گئی۔ یہ بات نہیں تھی کہ اسے نانی بری لگتی تھیں یا وہ ان سے تنگ آیا ہوا تھا بلکہ ارشد یہ سوچ رہا تھا کہ اب تک نانی جن جن گھروں میں رکی ہیں وہاں ان کی خوب خاطر مدارات کی گئی، عمدہ اور لذیذ کھانے، اچھے کپڑے اور بہترین رہائش کا انتظام کیا گیا مگر ارشد کے پاس تو سوائے چھوٹے

دعا

اگر ریڈیو کی سوئی رات کی تاریکی میں ہزاروں میل کی آواز ہم تک پہنچا سکتی ہے اور اگر سارنگی کے میٹھے سُر سمندروں، پہاڑوں، صحراؤں، دریاؤں اور پُر شور شہروں سے پرے پہنچ سکتے ہیں تو پھر ہمیں یہ یقین کیوں نہیں ہو جاتا کہ خدا بھی ہماری دعائیں سن رہا ہے یا سننے والا ہے

سے معمولی گھر کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اسے یہ فکر تھی کہ کہیں نانی اس کی غربت سے تنگ نہ آ جائیں۔

نانی کے اس اعلان کے بعد ارشد منہ سے کچھ نہ بولا اور چُپ چاپ نانی کو لے کر گھر کی طرف چل پڑا۔

ارشد کے گھر نانی کے آتے ہی بچوں نے بھی اس کے گھر پر ہلّا بول دیا، وہ بظاہر خوش نظر آنے کی کوشش کرتا مگر اندر ہی اندر پریشان رہتا تھا۔ صادق ارشد کی پریشانی کو سمجھ گیا تھا مگر اس کی وجہ کو وہ بھی معلوم نہ کر سکا تھا۔

ایک دن صادق نے سوچا کہ جب ارشد شام کو گھر پر اکیلا ہوگا تب اس کی پریشانی کے بارے میں ضرور پوچھوں گا۔ مگر ارشد کے چہرے پر پھیلی ہوئی پریشانی ختم ہو چکی تھی آج وہ عام بچوں کی طرح خوب قہقہے لگا رہا تھا۔

اگلے روز نانی ارشد کے صحن میں بیٹھی کہانی سنا رہی تھی:

"پھر جیسے ہی سانپ نے سر اٹھایا اسی وقت ....!" نانی کا جملہ مکمل نہ ہوا۔ اچانک ناصر کی چیخ نکل گئی۔

"اگر تمہیں اتنا ہی ڈر لگتا ہے تو کہانی کے وقت یہاں سے اٹھ کر جایا کرو۔" خاور نے غصے سے کہا۔

ناصر نے نانی کی کلائی کو گھورتے ہوئے کہا، "میں کہانی سے نہیں ڈرا۔ وہ دیکھو.. ....!" سب کے سب نانی کی کلائی کی طرف دیکھنے لگے۔ کلائی کے آگے سے نانی کا ہاتھ یوں غائب تھا جیسے کبھی تھا ہی نہیں۔

"نانی ..... نانی ....!" سب انھیں جھنجھوڑنے لگے۔ نانی نے کچھ نہ کہا۔ وہ خاموش رہیں پھر انھوں نے دوبارہ کہانی شروع کر دی، بچے کچھ دیر پریشان رہے اور پھر دوبارہ کہانی میں کھو گئے۔

ارشد نے رات کو سوچا کہ نانی کا ہاتھ آخر کہاں گیا.......؟ مگر وہ کچھ نہ سمجھ سکا۔

اگلے روز پھر نانی بچوں کے گھیرے میں بیٹھی کہانی سنا رہی تھی۔ کہانی ابھی چل رہی تھی کہ وقار زور سے چیخا۔ اس بار نانی کا پاؤں غائب تھا۔

سارے حیران رہ گئے نانی آج بھی خاموش رہیں۔ سب کو اچھی طرح یاد تھا کہ نانی جب چھت پر اتریں تھیں تو ان کے جسم کے تمام حصے پورے تھے۔ مگر......؟

"نانی بتائیں نا کیا ہوا؟" سب بچے پوچھنے لگے۔

"پہلے کہانی سن لو پھر کوئی سوال کرنا۔" نانی نے آہستہ سے کہا۔ پھر کہانی ختم ہوئی تو نانی نے انھیں یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ رات بہت ہو چکی ہے۔

وہ رات ارشد کے گھر میں نانی کی آخری رات تھی۔ اس رات نانی نے ایک چور کی کہانی سنائی۔ وہ کہانی بہت دل چسپ تھی۔

"پھر اچانک ہی چور پکڑا گیا۔" نانی کے اس جملے پر سب نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔ ارشد جھینپ کر پیچھے ہٹ گیا جیسے وہی چور ہو۔

فہیم نے جلدی سے کہا، "نانی! پھر تو چور کے ہاتھ کاٹ دیے گئے ہوں گے وہ بادشاہ تو بہت انصاف پسند تھا نا.......!"

"ہاں! مگر چور نے سچے دل سے معافی مانگی تو بادشاہ نے اسے معاف کر دیا۔"

آج شازیہ سب سے پہلے چیخی۔ نانی کے کندھے سے پورا بازو غائب تھا۔ آج بھی نانی خاموش رہیں۔ پھر بچوں کی طرح رونے لگیں۔ تمام بچے حیران رہ گئے۔

"نانی! کیا بہت تکلیف ہو رہی ہے؟" ننھے عدیل نے پوچھا۔

"میرے بچو! تم نے مجھ سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔" نانی کہنے لگیں، "میری محنت شاید بے کار گئی۔"

"نانی! کیا ہوا نانی؟ ہم نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔ ہم نے تو آپ کا بازو نہیں توڑا...... ہم نے تو آپ کا پیر نہیں کاٹا.......!" سب بچے روتے ہوئے بولنے لگے۔ نانی نے کچھ نہ کہا۔ انھوں نے سب کو جانے کا اشارہ کیا۔ بچے اٹھنا نہیں چاہتے تھے۔ مگر نانی کا حکم نہیں ٹال سکتے تھے۔ آخر سب چلے گئے۔

ارشد کچھ دیر بیٹھا رہا پھر روتے روتے وہ بھی لیٹ گیا۔ صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو نانی اپنے بستر سے غائب تھیں۔ اس نے پورا گھر چھان مارا مگر نانی کہیں دکھائی نہ دیں۔ اچانک اس کی نظر تکیے کے کونے پر پڑی۔ وہاں ایک

چھوٹا سا کاغذ پڑا تھا۔ ارشد نے لپک کر کاغذ اٹھا لیا۔ لکھا تھا:

بچو!

میں جا رہی ہوں وہاں جہاں سے آئی تھی۔ میں نے تم سے شروع میں کہا تھا کہ میرا وجود نیکی سے بنا ہے۔ مگر ارشد میاں! تم نے اپنی غربت چھپانے کے لیے پہلے تو حسن کے گھر سے گھڑی چرائی۔ اور پھر اسے بیچ کر میرے لیے اچھے اچھے کھانے پکوائے۔ نیکی میں جب برائی شامل ہو جائے تو پھر نیکی نیکی نہیں رہتی۔ تم نے دیکھ لیا ہو گا کہ چوری کے پیسے سے پکوائے گئے کھانے سے میرا وجود ختم ہونے لگا تھا۔ میں نہیں چاہتی کہ نیکی بالکل ہی ختم ہو جائے۔ میں جا رہی ہوں۔ ہاں میری ایک بات یاد رکھنا۔ چوری کبھی نہ کرنا۔ یاد ہے تم نے مجھ سے ایک بار پوچھا تھا کہ میں بھی نیکیوں سے اپنے وجود کے ہر ذرّے کو نیک بنانا چاہتا ہوں تاکہ ہمیشہ جوان رہوں۔ بس اپنی پہلی چوری پر اللہ تعالیٰ سے سچّے دل سے معافی مانگو اور نیک کام کرتے رہو۔ تمہارا وجود بھی نیکیوں سے بن جائے گا۔ اور ہاں سب خوب دل لگا کر پڑھتے رہو۔ جب میں دیکھوں گی کہ تم سب لوگ میری نصیحتوں پر عمل کرتے رہے ہو تو برسات کے موسم میں کسی دن میں پھر تمہاری چھت پر آؤں گی۔ میرا انتظار کرنا۔

تمہاری ۔ سَو برس کی نانی

ارشد پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نانی کو اس کی چوری کا علم ہو جائے گا۔ اس رات ارشد نے سچّے دل سے اللہ کے حضور معافی مانگی اور نیکی کی تلاش میں لگ گیا۔

وہ گل پور، جو کبھی چھوٹے چھوٹے گھروں پر مشتمل تھا۔ اب وہاں اونچی اونچی عمارتیں کھڑی ہیں۔ اسی بستی میں ایک بوڑھا اب بھی رہتا ہے۔ لوگ حیران ہو کر پوچھتے ہیں کہ اتنی عمر گزرنے کے باوجود بھی وہ بوڑھا کیوں نہیں لگتا۔ تب وہ کہتا ہے کہ نیکی کبھی بوڑھی نہیں ہوتی۔
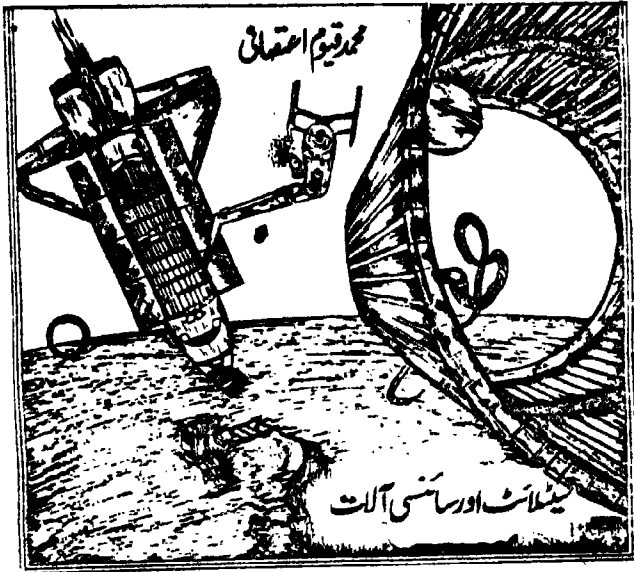
ابتدا میں جب خلا میں سیٹلائٹ اور خلائی جہازوں کو صرف خلا کی تھوڑی بہت حقیقت معلوم کرنے کے لیے بھیجا جاتا رہا ہے یہ ۷۴-۱۹۷۲ء کا ذکر ہے تب کسی سائنس دان کو یہ معلوم نہ تھا خراب اور ناکارہ ہو جانے والے سیٹلائٹ کوئی خطرہ بھی بن سکتے ہیں اور ان دنوں خراب ناکارہ یا آوارہ ہو جانے کی کوئی صحیح اطلاع یا خبر معلوم کرنے کا کوئی ترقی یافتہ ذریعہ بھی نہیں تھا اور جو ذریعہ موجود تھا وہ سیٹلائٹ ریسونگ سنٹر ہوا کرتا تھا اور اس کے ذریعے یقینی طور پر یہ پتا نہیں چلتا تھا کہ خراب بیکار ہونے والے سیٹلائٹ کے "خطرہ" بننے کا امکان بھی ہے کیوں کہ یہ نظریہ قائم ہی نہیں کیا گیا تھا کہ خراب سیٹلائٹ سے کوئی خرابی بھی پیدا ہوگی بلکہ یہ نظریہ خیال قائم کیا گیا تھا کہ اگر سیٹلائٹ خراب ہو جائے تو جل کر راکھ بن جائے گا اور راکھ سے کوئی خطرہ نہیں ہو سکتا۔ مگر اب ۹۲-۱۹۹۰ء میں پتا چلا ہے کہ اب تک سیکڑوں کی تعداد میں سیٹلائٹ ناکارہ ہو چکے ہیں انھیں مال فنکشن سیٹلائٹ کہا جاتا ہے یعنی وہ سیٹلائٹ جو صحیح طور پر کار آمد نہ رہے ہوں، اور خراب سیٹلائٹس جو ریزوں کی صورت میں بٹ کر بکھر چکے ہیں ان کی وجہ سے خلا میں کار آمد محوِ گردش یعنی صحیح کام کرنے والے سیٹلائٹ کو

خطرہ پیدا ہو چکا ہے۔

مگر ۸۲-۱۹۸۰ء میں جب سیٹلائٹ ٹیکنالوجی بہت ترقی یافتہ ہو گئی تھی اس قسم کے سیٹلائٹ بھی ایجاد کر لیے گئے جو مواصلاتی اور معلوماتی مقاصد کو پورا کرنے میں مفید ثابت ہو سکتے تھے کیوں کہ ۱۹۸۰ء سے پہلے صرف ایسے سیٹلائٹ تیار کیے جاتے تھے جو تحقیقی مقاصد کے لیے خلا میں بھیجے جاتے تھے یعنی یہ صرف خلائی وسعتوں اور وہاں کے ماحول کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے مخصوص تھے اور جب مواصلاتی اور معلوماتی مقاصد پر پورا اترنے والے سیٹلائٹ وجود میں آ گئے جنھیں کمیونی کیشن اور ریموٹ سنسنگ سیٹلائٹ کہا جاتا ہے تو سیٹلائٹ کی اس قسم کی ایجاد نے پوری دنیا کے ذرائع مواصلات اور ذرائع معلومات میں ایک حیرت انگیز تبدیلی پیدا کر دی انہی کی بدولت ہم دور دراز ممالک کی ٹی وی نشریات دیکھتے ہیں اور لمحہ بھر میں جہاں کہیں چاہیں ٹیلی فون کال کر اور سن سکتے ہیں۔

جب تک کوئی چیز کار آمد رہتی ہے اس کے بارے میں یہ خیال نہیں کیا جاتا کہ وہ خراب بھی ہوگی تو اپنے ساتھ کئی دوسری خرابیاں کو بھی لائے گی ناکارہ سیٹلائٹ نے بھی بہت سی خرابیاں پیدا کر دی ہیں سپیس سائنس کی زبان میں ان خرابیوں کے نام ہمارے سامنے اس طرح آتے ہیں۔

(۱) راکٹ کے خول (۲) راکٹ بوسٹر کے ٹکڑے (۳) راکٹ کے ناکارہ حصے (۴) ناکارہ سیٹلائٹ جو جل کر مختلف ٹکڑوں میں بکھر جاتے ہیں۔ سیٹلائٹ اور راکٹ میں نصب مختلف قسم کے آلات، جن پرزوں کو جوڑ کر سیٹلائٹ کو تیار کیا گیا ہوتا ہے ان میں سیکڑوں قسم کی اشیاء جن میں مختلف قسم کی دھاتیں استعمال کی گئی ہوتی ہیں۔ یہ سب خلا میں بکھر کر ایک "بادل" کی صورت میں چھائی رہتی ہیں کیوں کہ وہ نیچے نہیں گر سکتیں اوپر بھی نہیں اُٹھ سکتی ہیں فضا میں "تیرتے" رہنے کی حالت میں معلق رہتی ہیں ان کی وجہ سے خلا میں نئے پرانے سیٹلائٹ کی گردش کے متاثر ہونے کا خطرہ اُمڈ آیا ہے۔

خلا میں اس نئے خطرے کا دوسرا پہلو یہ بھی ہے کہ سیٹلائٹ خلا کی جس بلندی پر گردش کے لیے چھوڑے جاتے ہیں ان کے مطلوبہ مقاصد حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان سے کوئی چیز بھی ٹکرانے والی نہ ہو۔ بصورت دیگر ان کے کام میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے مگر یہ اندیشہ جو پہلے پہل تو موجود نہیں تھا اب اس کا سامنا ہے

بہر حال اس خطرے کو انسان کا پیدا کردہ خطرہ کہا جاتا ہے جب کہ خلا میں ایک قدرتی خطرہ پہلے ہی سے موجود ہے جسے "ان ٹرکیڈ میٹی اورائیڈ" کہا جاتا ہے خلا میں چھتری کی طرح تنے ہوئے گھیرے میں موجود ہے۔ برطانوی سائنس داں نکولس جانسن نے کہا کہ ۱۹۸۴ء تک خلا میں تیرنے والے ان ٹوٹے پھوٹے سیٹلائٹ کے ٹکڑوں کی تعداد ڈھائی ہزار تھی جو اب دس سال بعد ۱۹۹۴ء میں بارہ ہزار سے زیادہ ہو چکی ہے اور ان سے چھٹکارے کا کوئی حل اب تک قابل عمل نہیں جب کہ اس کے بارے میں تجویزیں ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔

تنہائی اور سکوت کا یہ عالم تھا کہ کسی چیز میں ذرہ سی حرکت نہ تھی۔ چاند کی اس تنہائی ویرانی اور خاموش فضا سے متاثر ہو کر اس نے یہ جملہ کہا۔

چاند پر گیارہ مہ نورد اتارے گئے پہلے اپالو-۱۱ مشن، اپالو ۱۲ مشن، اپالو ۱۴ مشن اپالو ۱۵ مشن، اپالو ۱۶ مشن، اپالو ۱۷ مشن، اپالو ۱۳ مشن کے مہ نوردوں کو بھی چاند پر بھیجا گیا تھا۔

دوران سفر ان کے راکٹ میں خرابیاں پیدا ہو گئیں جن کی وجہ سے انھیں واپس اتار لیا گیا تھا۔ چاند پر پہلا اپالو ۱۱ مشن جولائی ۱۹۶۹ء کو گیا تھا۔ دوسرا اپالو ۱۲ مشن نومبر ۱۹۶۹ء میں گیا تھا۔ اس کے مہ نوردوں کے نام چارلیس کونارڈ اور ایلن بین ہیں ان کے ذمہ یہ کام لگایا گیا تھا کہ ۱۹۶۷ء میں ایک سیٹلائٹ سرویئر تھرڈ چاند کی سطح کے جائزہ کے لیے بھیجا گیا تھا اس کی کارکردگی کو جانچنا تھا اس سیٹلائٹ سرویئر تھرڈ میں کوئی انسان سوار نہیں تھا یہ خودکار خلائی جہاز تھا سرویئر سلسلہ کے پہلے دو سیٹلائٹ جو ایک طرح کے خلائی جہاز ہی تھے ان کے نمبر ۱ اور نمبر ۲ ذریعہ شناخت تھے وہ انسان کو چاند پر اتارنے سے پہلے وہاں کے ماحول کا جائزہ لینے کی غرض سے بھیجے گئے تھے ان کی بھیجی گئی ڈیٹا رپورٹیں اتنی درست تھیں کہ بعد ازاں بھیجے گئے مہ نوردوں کو کوئی مشکل پیش نہ آئی تھی۔

عام خریدار اور

پیام تعلیم کے ایجنٹ حضرات متوجہ ہوں۔

پیام تعلیم کے عام شمارے کی قیمت 4/50 تھی۔ لیکن ہر خریدار کو پچاس پیسے واپس کرنا ایجنٹ حضرات کے لیے پریشان کن تھا اس لیے جولائی ۹۵ء سے عام شمارے کی قیمت 5/- روپے کر دی گئی ہے۔ لیکن اس ہوش ربا گرانی کے باوجود سالانہ زرِ تعاون 40/- روپے ہی رہے گا۔ (منیجر)

مجیب الرحمٰن آگرہ

اسلام کے مشہور سپہ سالار

حضرت خالد بن ولیدؓ

جواہراتِ قرآن

زمین پر چلنے والا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے رزق کی ذمّے داری اللہ پر نہ ہو، (ہود)

• رہی یہ دنیا تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے، (العمران ۱۸۵)

حضرت خالد بن ولیدؓ قبیلہ قریش کے عظیم فرزند تھے۔ آپؓ کو ابتدا سے عرب کے قاعدہ کے مطابق فوجی تربیت ملی تھی۔ غزوۂ اُحد کے وقت آپؓ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس لیے اس جنگ میں مسلمانوں کے خلاف بڑے جوش سے لڑے بلکہ آپؓ ہی کی شجاعت سے کافروں کے قدم دوبارہ جمے تھے۔ فتح مکہ سے کچھ دن پہلے اسلام قبول کرنے کے لیے مدینہ روانہ ہوئے اور قبولِ اسلام کے بعد مدینے کو اپنا وطن بنالیا۔ کئی غزوات میں شریک رہے۔ آپ جانتے ہیں کہ غزوات ان اسلامی جنگوں یا جہادوں کو کہتے ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ ذاتِ خود شریک ہوئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے دور میں نبوّت کے مدّعیوں کو ختم کرنے کے سلسلے میں آپؓ نے وہ شاندار یادگار خدمات سرانجام دیں، جسے اسلامی دنیا کبھی فراموش نہیں کرسکتی۔ مُسلمہ کذّاب کی بے پناہ قوت کو توڑنا آپؓ ہی کے دست و بازو کا لاثانی کرشمہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے زمانے میں کچھ مسلمان اسلام سے پھرنے لگے تھے۔ یہ ایک بہت بڑا فتنہ تھا۔ اس کو فتنۂ ارتداد کہتے ہیں۔ طبری نے لکھا ہے کہ "فتنۂ ارتداد کے طوفان میں جتنی فتوحات ہوئیں وہ حضرت خالد بن ولیدؓ وغیرہ ہی کا کارنامہ ہے"۔ اس فتنے کو ختم کرکے حضرت صدیق اکبرؓ کے حکم سے آپؓ عراق کی طرف بڑھے۔ بڑی بڑی خونریز جنگیں لڑیں اور عراقی مہمات میں کامیاب ہوئے اور محاذِ شام پر پہنچے اور پہنچتے ہی جنگ کا نقشا بدل کر رکھ دیا۔ بہت سی مشہور جنگیں لڑیں اور دشمنوں کو تباہ کن شکست دے کر عالم گیر شہرت

حاصل کی۔ اگر حضرت خالد بن ولیدؓ ایک غیر مسلم مغربی فاتح ہوتے تو یورپی مورخ آج ان کو سکندر اعظم سے بڑا سپہ سالار ثابت کرتے۔

۱۷ھ میں حضرت فاروق اعظم رضؓ نے آپؓ کو معزول کر دیا۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ آپ جو کام چاہتے تھے اپنی مرضی سے کر گزرتے تھے۔ شاعروں کو بڑے بڑے انعام دے ڈالتے تھے۔ دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ عام مسلمانوں میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اسلامی فتوحات کا دارومدار حضرت خالدؓ کے دست و بازو پر ہے۔

چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ کو اطلاع پہنچی کہ آپؓ نے ایک شاعر اشعث بن قیس کو دس ہزار کی بڑی رقم یکمشت انعام میں دے دی، تو انھوں نے حضرت ابو عبیدہؓ کو حکم بھیجا کہ خالدؓ سے دریافت کیجیے کہ انھوں نے یہ روپیا کس مد سے دیا۔ بیت المال سے دیا تو خیانت کی اور اپنی جیب سے دیا تو اسراف ہے۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔ اس جواب میں دنیا کے اس نامور اور بہترین جرنیل نے کیا تو صرف یہ کہا "میں نے فرمان سنا"، عین میدانِ جنگ میں حکم پہنچا اور وہیں آپؓ کو فرمان سنا کر علامت معزولی کے طور پر آپؓ کے سر سے کلاہ اتار کر عمامہ گلے میں ڈال دیا گیا۔ البتہ مدینہ منورہ آکر عرض کیا کہ "آپؓ نے میرے معاملے میں زیادتی کی۔" حضرت فاروق اعظمؓ نے پوچھا "تمھارے پاس اتنی دولت کہاں سے آگئی؟" فرمایا "مالِ غنیمت کے حصول سے میرے پاس ساٹھ ہزار سے زیادہ نکلے تو بے تکلف آپؓ لے لیں"۔ حساب پر بیس ہزار زیادہ نکلے، وہ بیت المال میں داخل کر لیے گئے اور اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا "خالدؓ! اب بھی میرے دل میں تمھاری وہی عزت و محبت ہے۔" ساتھ ہی اعلان کر دیا کہ خالدؓ کسی خیانت کی وجہ سے معزول نہیں ہوئے بلکہ انھیں اس لیے ہٹایا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ فتوحات کا دارومدار حضرت خالدؓ کی قوت پر نہیں بلکہ اسلام اور مسلمانوں کے برحق ہونے پر ہے۔ اس کے بعد بھی آپؓ رضاکارانہ طور پر جہاد میں شامل ہوتے رہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ بڑے جوہر شناس تھے۔ کچھ ہی مدت بعد آپؓ کو ایک علاقے کا گورنر مقرر کر دیا، لیکن ایک سال کے بعد آپؓ نے استعفا دے دیا۔

مسلم اور غیر مسلم سبھی کے نزدیک جنگی میدان میں آپ کا آج تک کوئی ثانی پیدا نہیں ہوا۔ وقت پر ایسی جنگی چال چل جاتے کہ دشمن دیکھتا ہی رہ جاتا۔ جنگ موتہ، میں تین ہزار کو ایک لاکھ سے لڑا کر سلامت نکال لائے۔ ترتیب ہر بار ایسی مقرر کرتے کہ آپ کا لشکر دشمن کے لشکر سے دوگنا اور چوگنا نظر آتا تھا۔ مخالفوں کو ہر بار دھوکے میں ڈال دینا آپ کا ایک ادنا کرشمہ تھا۔ بہادری اور جنگی تدبیروں میں جواب نہیں رکھتے تھے۔ ترقی یافتہ اور تجربے کار ایرانیوں اور رومیوں نے انتہائی چالاکیوں اور شجاعت سے کام لیا مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

آپؓ نے کم و بیش سوا سو جنگیں لڑیں۔ ہر جنگ میں کامیاب ہوئے اور دشمن کو حیران و پریشان کر دیا۔ جسم کا بالشت بھر ٹکڑا بھی ایسا نہ تھا جو تلواروں اور تیروں کے زخموں سے چھلنی ہونے سے محفوظ رہا ہو۔ جب آخری وقت آیا تو فرمایا "افسوس ساری زندگی میدانِ جنگ میں گزری۔ اب بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دے رہا ہوں" اکثر فرمایا کرتے تھے "میدانِ جنگ کی سخت رات مجھے شادی کی رات سے بھی زیادہ مرغوب و محبوب ہے"

مدینہ میں بیمار ہوئے اور ۲۲ ہجری میں عالمِ بقا کو تشریف لے گئے۔ مدینہ میں عام طور پر اور بنی عندہ میں خاص طور پر بہت ماتم ہوا۔ کہرام مچ گیا۔ آپؓ نے کئی صاحبزادے چھوڑے، جو بڑے شیر دل تھے۔ حضرت خالدؓ بن ولید اسلام کے نامور ترین جرنیل ہیں۔ دنیا آج تک ایسا عظیم جرنیل اور نامور سپہ سالار پیدا نہیں کر سکی۔

فرمانِ رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ میرے رب نے مجھے مندرجہ ذیل باتوں کا حکم دیا ہے، (۱) کھلے اور چھپے ہر حال میں خدا سے ڈروں۔ (۲) کسی پر مہربان ہوں یا کسی کے خلاف غصہ میں ہوں، دونوں حالتوں میں انصاف ہی کی بات کہوں، (۳) چاہے امیر ہوں یا فقیر راستی و اعتدال پر قائم رہوں، (۴) جو مجھ سے کٹے میں اس سے جڑوں (۵) جو مجھے محروم کرے میں اسے دوں، (۶) جو مجھ پر زیادتی کرے میں اسے معاف کروں (۷) میری خاموشی غور و فکر کی خاموشی ہو، (۸) میری نگاہ عبادت کی نگاہ ہو (۹) میری گفتگو ذکرِ الٰہی کی گفتگو ہو۔

امیاں کہنا نہیں مانتیں

بدر بخاری

جس طرح والدین کو شکایت ہوتی ہے کہ ان کی اولاد ان کا کہنا نہیں مانتی کچھ اسی طرح بعض بچوں کو شکایت ہوتی ہے کہ والدین بھی ان کی درخواست نہیں مانتے' خاص طور پر امیاں تو بالکل کان نہیں دھرتیں۔ اس کی کئی مثالیں آپ کو اپنے ارد گرد ضرور نظر آئیں گی مثلاً میری دوستوں کو اور مجھے بھی شکایت ہے کہ امی ہماری بات کو اہم نہیں سمجھتیں۔ یہ بات میں کیوں کہہ رہی ہوں' چند مثالوں سے میری بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے گی۔

میری ایک دوست ہما ہے۔ ماشاء اللہ اس کی نو بہنیں ہیں۔ ان کی امی بھی ماشاء اللہ بہت ہمت والی ہیں۔ اکثر کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتی ہیں۔ بے کار بیٹھے ہوئے انھیں کبھی نہیں دیکھا۔ اس کا مطلب، یہ نہیں کہ میری دوست اور اس کی بہنیں گھر کا کوئی کام نہیں کرتیں۔ وہ بھی کرتی ہیں اور بہت اچھا کرتی ہیں۔ پھر بھی ان کی امی ہر وقت مصروف' آرام اس وقت تک نہیں کریں گی جب تک بیماری ان کو زبردستی آرام کرنے پر مجبور نہ کرے۔ جہاں تھوڑا افاقہ ہوا پھر سے اپنے مشغلے شروع کر دیے۔ ان کی بیٹیاں لاکھ کہیں کہ آرام کریں' کام ہو جائیں گے' آپ فکر نہ کریں' لیکن انھوں نے جیسے قسم کھا رکھی ہے کہ اپنی بات پر قائم رہیں گی۔ جب بیماری پھر سے حملہ کرتی ہے تو پھر مجبوراً کچھ آرام کرتی ہیں۔

اسی طرح میری ایک دوست نائلہ ہیں جن کی امی کو کمر کی تکلیف ہے' لیکن بازار جائیں گی تو سارا سودا خود اٹھا کر لائیں گی۔ رکشا' ٹیکسی نہیں کریں گی۔ گھر میں بھی بیٹھ کر سلائی کرنا ضروری ہے۔ کئی بار کہا : "آرام کریں۔" تو جواب یہی ملا کہ آرام ہم سے نہیں ہوتا۔ نتیجے کے طور پر بیماری بڑھ گئی' مگر اس بیماری میں بھی جہاں ذرا طبیعت سنبھلی اپنا طریقہ اختیار کر لیا۔

میری والدہ کا بھی حال کچھ مختلف نہیں ہے۔ انھوں نے بے آرامی کے ذریعہ سے کئی بیماریوں کو اپنا مہمان بنالیا ہے۔ جب بیماری شدت کے ساتھ حملہ کرتی تو بستر سے لگ گئیں' لیکن جہاں بیماری میں کچھ کمی ہوئی آرام کو چھوڑ کے کام کاج میں مصروف ہو گئیں۔ لاکھ خوشامد

گی کہ برا بھلا ہم کرلیں گے' آپ فکر نہ کریں' لیکن بات مان کر نہیں دیتیں۔

اور دوسری طرف یہ حال ہے کہ ہم میں سے کسی کی معمولی سی طبیعت خراب ہو جائے تو فوراً آرام کرنے کا حکم دیتی ہیں۔ ہم لاکھ کہیں کہ معمولی سا بخار ہے یا نزلہ ہے' آپ فکر نہ کریں تو فوراً ڈانٹ دیا جاتا ہے کہ کسی بیماری کو معمولی نہ سمجھا کرو۔ اپنی تکلیف بھلا کر فوراً ہماری خدمت میں لگ جاتی ہیں۔

یہ تو چند مثالیں ہیں' ورنہ اس طرح تو تقریباً ہر گھر میں ہوتا ہے' لیکن یہاں ایک بات لکھنی ضروری ہے کہ ہم اپنی امیوں کا کہنا اس لیے نہیں مانتے کہ ہم تجربات کرنا چاہتے ہیں اور تجربے سے سیکھنا چاہتے ہیں اور بعض اوقات نافرمانی کے باعث بھی اپنی سی کرنی چاہتے ہیں' لیکن امیوں کے کہنا نہ ماننے کی وجہ بالکل مختلف بھی ہے اور بہت پیاری بھی۔ وہ ہمارا کہنا اس لیے نہیں سنتیں کہ وہ اپنی مامتا اور محبت کے جذبے سے مجبور ہیں۔ وہ ہمیں ذرا سی بھی تکلیف دینا نہیں چاہتیں۔ ہر وقت خوش دیکھنا چاہتی ہیں۔ خود کو بے آرام کرکے ہمیں آرام دینا چاہتی ہیں۔ پھر بھی میری تمام امیوں سے گزارش ہے کہ وہ تھوڑا بہت آرام ضرور کریں اور اس سلسلے میں اپنے بچوں کی بات مان لیا کریں۔ اس سے ان کو خوشی ہوگی اور ان میں اعتماد بھی پیدا ہوگا۔

مہنگائی

عظمیٰ محمد اسلم' کراچی

تم کو ملی ہے ہر ایک قدم پر جاں لیوا پسپائی
جیت گئی مہنگائی لوگو! جیت گئی مہنگائی
آٹا دال خرید کے لاتا جوئے شیر کا لانا
دن بھر محنت کی لیکن کب پیٹ کی آگ بجھائی
انڈا مکھن گوشت نہیں بس روکھی سوکھی روٹی
کیسے پاپڑ بیلے لیکن کس کو ملی ہے بھائی
جیت گئی مہنگائی لوگو! جیت گئی مہنگائی

کمپیوٹر کی کہانی

آصف علی خاں

اب کمپیوٹر ہمارے ملک میں بھی عام ہو گیا ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے یہ مضمون غور
سے پڑھیے۔ اس کے بعض الفاظ یا بعض باتیں پورا مضمون پڑھنے کے بعد سمجھ میں
آئیں گی' اس لیے مضمون کو دوبارہ پڑھ لینا بہتر ہو گا۔

کمپیوٹر کی تاریخ بہت طویل ہے۔ اس کی دریافت سے لے کر آج تک اس میں بہت سی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں۔ آج کے کمپیوٹر اور پچھلے دور کے کمپیوٹر میں شکل' حجم اور رفتار کے اعتبار سے بہت فرق ہو گیا ہے۔

جدید دور کی جدید مشین بیسویں صدی کی سب سے اہم ایجاد ہے۔ یہ اپنے حیران کر دینے والے کاموں کی وجہ سے دنیا بھر میں مقبول ہے۔ کمپیوٹر پر کام کرنے والوں کو اس مشین کی بدولت بے انتہا سہولت مل رہی ہے۔ اس کے کام کی صلاحیت سے ایسا لگتا ہے جیسے یہ کوئی جادوئی مشین ہے۔

یہ مشین اصل میں بجلی کی ایک نہایت حساس اور تیز رفتار لہروں کی مکمل ترتیب پر مشتمل ہے۔ دنیا میں مختلف قسم کے کمپیوٹر مختلف قسم کے کاموں میں استعمال ہو رہے ہیں' لیکن بنیادی اصول سب کے لیے ایک جیسا ہے۔ اس کے کام کرنے کا عمل درج ذیل ترتیب پر منحصر ہوتا ہے۔

ان پٹ ← پروسس ← آؤٹ پٹ

اس ترتیب کی وضاحت سے پہلے پرسنل کمپیوٹر (Personal Computer) کے اہم حصوں اور اس میں استعمال ہونے والی اہم چیزوں کا جاننا بہت ضروری ہے۔
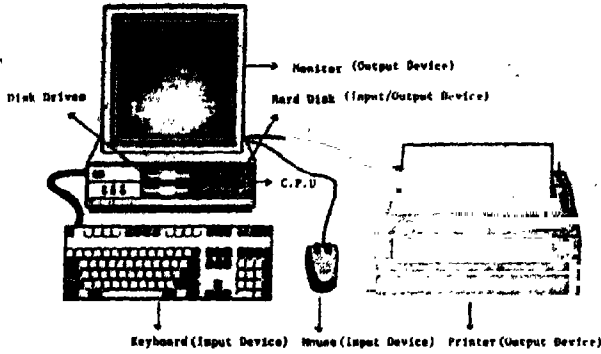
جب ہم کمپیوٹر میں کچھ لکھتے ہیں تو ہمیں "کی بورڈ" کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اس طریقے کو اِن پُٹ کرنا کہا جاتا ہے۔ ڈیزائننگ وغیرہ کے لیے ہمیں ماؤس (Mouse) استعمال کرنا پڑتا ہے۔ اس کی مدد سے بھی اِن پٹ کا عمل ہوتا ہے۔

ہمارا اِن پُٹ کیا ہوا کام سی پی یو (سنٹرل پروسیسنگ یونٹ) میں جاتا ہے اور یہاں پروسیسنگ کا عمل ہوتا ہے۔ سی پی یو کمپیوٹر کا سب سے اہم حصہ ہوتا ہے اور اس حصے کو کمپیوٹر کا دل بھی کہتے ہیں۔ پروسیسنگ مکمل ہونے کے بعد ہمارا کام اسکرین پر دِکھائی دیتا ہے۔ اس طرح سے ہمیں اسکرین پر آؤٹ پُٹ مل جاتا ہے۔ ضرورت پڑنے پر یہ آؤٹ پُٹ پرنٹر کی مدد سے کاغذ پر بھی حاصل کیا جاسکتا ہے۔

اِن پُٹ، پروسس اور آؤٹ پُٹ کے عمل کے ساتھ ساتھ ہمارا ٹائپ شدہ کام کمپیوٹر کی عارضی میموری میں بھی محفوظ رہتا ہے۔ اگر کمپیوٹر کام کرنے کے دوران بجلی جانے یا کسی اور وجہ سے یکایک بند ہوجائے تو ہمارا کام ضائع نہیں ہوتا ہے۔ اس مشکل سے بچنے کے لیے ہم کام کے دوران اپنے ٹائپ شدہ کام کو مستقل میموری میں محفوظ رکھنے کی ہدایت دیتے رہتے ہیں۔ کام کو مستقل طور پر محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں ڈسک استعمال کرنی پڑتی ہے، اس لیے اسے مستقل میموری بھی کہا جاتا ہے۔ ہم اپنے غیر ضروری کام کو ڈسک سے بہت آسانی سے ضائع بھی کرسکتے ہیں۔ ڈسک میں کام کو محفوظ رکھنے کا عمل اِن پٹ کہلاتا ہے۔ ضرورت پڑنے

پر ہم اپنے کسی بھی اِن پٹ کیے ہوئے کام کو ڈسک سے بہ آسانی اسکرین یا پرنٹر پر حاصل کرسکتے ہیں اور یہ عمل آؤٹ پٹ کہلاتا ہے۔ ڈسک ہمیں اِن پٹ اور آؤٹ پٹ دونوں سہولتیں فراہم کرتی ہے۔

ڈسک کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے تصویر دی جارہی ہے۔
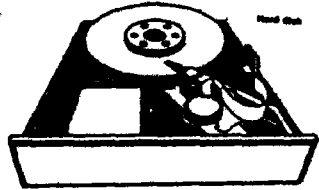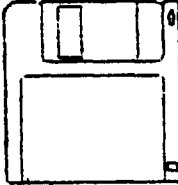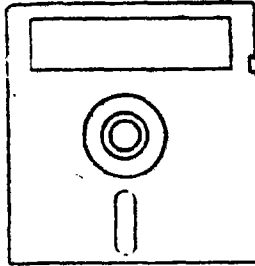
Size	Density	Capacity
5.25"	Double	360 kilobytes
5.25"	High	1.2 megabytes
3.5"	Double	720 kilobytes
3.5"	High	1.44 megabytes

فلاپی ڈسک (Floppy Disk) کی جو ترتیب آپ دیکھ رہے ہیں بالکل یہی ترتیب فلاپی ڈسک ڈرائیو (Floppy Disk Drive) کی بھی ہے۔ فلاپی ڈسک ہر کام محفوظ کرنے کے لیے ڈسک ڈرائیور میں لگی ہوئی چاہیے۔ عام طور پر اوپر والی ڈرائیو "اے" (Drive"A") اور نیچے والی ڈرائیو "بی" (Drive"B") کہلاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہارڈ ڈسک (Hard Disk) جو کہ سی پی یو کے اندر لگی ہوتی ہے ڈرائیو "سی" (Drive"C") کہلاتی ہے۔ اسے ہم فکسڈ ڈسک (Fixed Disk) بھی کہتے ہیں۔ گنجایش کے اعتبار سے ہارڈ ڈسک فلاپی ڈسک سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ عارضی اور مستقل میموری کی گنجایش کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل ترتیب استعمال کی جاتی ہے۔

8 Bits = 1 Byte

1024 Bytes = 1 Kilo Byte (KB)

1024 Kilo Bytes = 1 Mega Byte (MB)

یاد رکھیے جب بھی ہم کمپیوٹر میں ایک لفظ یا خالی جگہ ان پٹ کریں گے' کمپیوٹر اسے ایک بائٹ (1 Byte) تصور کرے گا یعنی ایک لفظ برابر ہے ایک بائٹ کے۔ اسی ترتیب سے میموری بائیٹ کی شکل میں بھرتی جاتی ہے۔

ان پٹ' پروسس اور آوٹ پٹ کا طریقہ کار سمجھنے کے بعد آپ لوگ یقیناً یہ سمجھ رہے ہوں گے کہ یہ سارا اہم کام کمپیوٹر بذات خود سرانجام دیتا ہے۔ ایسا بالکل نہیں۔ اس الیکٹرانک مشین کو چلانے کے لیے پروگرام کی ضرورت پیش آتی ہے جو کمپیوٹر کو چلانے میں مدد دیتے ہیں۔ یہ پروگرام ڈسک پر رکارڈ کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایسے پروگرام جو کمپیوٹر کو چلانے میں مدد دیتے ہیں سسٹم سوفٹ ویئر کہلاتے ہیں۔ یہ سوفٹ ویئر ہمیں کمپیوٹر کو چلانے کی سہولت فراہم کرتے ہیں۔ پرسنل کمپیوٹر کو چلانے کے لیے جو سسٹم سوفٹ ویئر استعمال ہوتا ہے اس کو (ڈوس) ڈسک آپریٹنگ سسٹم کا نام دیا ہے۔

ڈسک پر رکارڈ کیے ہوئے ہر نوعیت کے پروگرام سوفٹ ویئر کہلاتے ہیں اور مشینری ہارڈ ویئر کہلاتی ہے۔ اس کی تعریف ہم اس طرح کرسکتے ہیں کہ وہ ساری چیزیں جنھیں ہم دیکھ سکتے ہیں' چھو سکتے ہیں ہارڈ ویئر کہلاتی ہیں اور وہ چیزیں جنھیں ہم دیکھ اور چھو نہیں سکتے سوفٹ ویئر کہلاتی ہیں۔

ان تمام بنیادی ضروری معلومات حاصل کرنے کے بعد کمپیوٹر پر کام کرنا آسان ہوجائے گا۔ دنیا میں ترقی کرنے کے لیے اس الیکٹرونک مشین (کمپیوٹر) کا علم حاصل کرنا بہت ضروری ہوگیا ہے۔ آپ لوگ اپنی بھرپور محنت اور کوششوں سے بہت جلد اس مشین پر عبور حاصل کرسکتے ہیں۔ بغیر محنت کے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی۔

بھرپور محنت اور کوششوں کی بدولت یہ مشین ایک سائنس داں جس کا نام بلیز پاسکل تھا نے دریافت کی۔ بعد میں ایک اور سائنس داں نے جس کا نام چارلس بابج تھا اس مشین کو مزید جدید بنانے کے بعد کمپیوٹر کی شکل میں دنیا میں متعارف کروایا۔ چارلس بابج کو باباے کمپیوٹر بھی کہا جاتا ہے۔

ایک بہت پرانی کہانی

پودنے کی جیت

سیما سحر

ایک گھنے جنگل میں دو ننھے سے پودنا اور پودنی رہتے تھے۔ سرسبز جنگل میں ہر طرف پھول ہی پھول، میٹھے میٹھے رس بھرے پھل اور ٹھنڈے پانی کے چشمے، غرض پودنا پودنی کے لیے یہ جگہ جنت تھی۔

اس جنگل میں ایک روز بادشاہ شکار کرنے آیا۔ دن بھر شکار کی تلاش میں رہا لیکن

کوئی بھی جانور اُس کے ہاتھ نہ آیا۔ شام ڈھلے وہ واپس روانہ ہوا تو راستے میں اس کی نظر پودنی پر پڑی جو بڑے مزے سے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں چن کر اپنے ننھے سے جھونپڑے میں لے جا رہی تھی۔ بادشاہ اُسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اتنی چھوٹی سی پودنی اُس نے پہلی بار دیکھی تھی۔ وہ جھٹ گھوڑے سے اُترا اور پودنی کو پکڑ لیا۔ پودنی بہت چیخی چلائی لیکن بادشاہ کو تو ایسا شکار زندگی میں پہلی بار ملا تھا۔ اُس نے پودنی کو اپنی جیب میں ڈالا اور محل کی طرف چل دیا۔ پودنی کی چیخ و پکار سُن کر پودنا دوڑا دوڑا وہاں پہنچا لیکن وہاں تو پودنی کا نام و نشان تک نہ تھا۔ پودنا اُسے آوازیں دیتا ہوا اِدھر اُدھر جنگل میں ڈھونڈنے لگا۔

"ارے پودنے بھائی، اب کہاں ڈھونڈو گے آپ پودنی کو۔ اُسے تو وہ بادشاہ اُٹھا کر لے گیا جو آج صبح شکار کرنے جنگل میں آیا تھا۔" میاں خرگوش نے ایسی خبر سنائی کہ پودنے کو چکر آ گیا۔

"کیا؟ کیا کہا تم نے؟ تم ٹھیک کہہ رہے ہو؟" پودنے کو اب بھی یقین نہ آتا تھا۔

"ارے، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ بے چاری پودنی نے بہت شور مچایا لیکن ظالم بادشاہ نے اُس کی ایک نہ سُنی۔" خرگوش افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"میں اس بادشاہ کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" پودنا غصے سے مُکا ہوا میں لہراتا ہوا بولا۔

"ارے بھائی، اب تو تم صبر کرو۔ کہاں بادشاہ اور کہاں تم!" خرگوش ہنستا ہوا اپنے گھر کی طرف چلا گیا۔

رات بھر بے چارہ پودنا غصے میں پیچ و تاب کھاتا رہا۔ صبح ہوتے ہی وہ پودنی کی تلاش میں نکل پڑا۔ راستے میں اُسے بلیوں کا قافلہ آتا دکھائی دیا۔

"ارے ارے پودنے بھائی، اتنے غصے میں کہاں چل دیے؟" قافلے کی سردار بلّی پودنے سے بولی۔

"میں بادشاہ سے جنگ کرنے جا رہا ہوں۔ وہ میری پودنی کو اُٹھا کر لے گیا ہے۔"

"اچھا! ایسا ظالم بادشاہ ہے! چلو، ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔ شاید ہم تمھارے کسی کام آ جائیں۔" سردار بلّی ہمدردی سے بولی۔

"ویسے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں لیکن اگر تم اصرار کرتی ہو تو پھر چلو۔ گُھس گُھس میرے کان میں

گھس ہ پھر کیا تھا دیکھتے ہی دیکھتے ساری بلیاں پودنے کے کان میں گھس گئیں۔ اب پودنے صاحب آگے چل پڑے۔ ابھی تھوڑی ہی دور چلے ہوں گے کہ چیونٹیوں کی ایک لمبی قطار آتی دکھائی دی۔

"ارے بھائی پودنے، کہاں کے ارادے ہیں ؟" ایک چیونٹی بولی۔

"جنگ کرنے چلا ہوں ظالم بادشاہ سے۔ اُس نے میری پودنی کو پکڑ لیا ہے" پودنے نے اپنی کہانی سُنائی۔

"کیا۔ تو۔ تم۔ ہی ہی" ساری چیونٹیاں ہنسنے لگیں۔

"کیوں ؟ کیا میں اپنے حق کی خاطر نہیں لڑ سکتا ؟" پودنے کو اُن کے ہنسنے پر غصہ آ گیا۔

" اچھا تو پھر ہمیں بھی ساتھ لے چلو۔ شاید تمھارے کام آئیں " چیونٹیوں نے پیش کش کی۔
" ویسے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں لیکن اگر تم سب بھی ساتھ چلنا چاہتی ہو تو آجاؤ گھس گھس میرے کان میں گھس " تمام چیونٹیاں پودنے کے کان میں داخل ہو گئیں۔ چلتے چلتے دوپہر ہو گئی اور راستے میں پیاس ستانے لگی۔ پودنا دریا کے کنارے پانی پینے رُکا۔ ابھی وہ پانی پی ہی رہا تھا کہ دریا بولا:

" کہاں کی جلدی ہے پودنے، شام ہونے کو ہے "

" میں بادشاہ سے جنگ کرنے جا رہا ہوں " پودنے نے جواب دیا۔

" جنگ اور تم، کیوں مذاق کرتے ہو مجھ بے مزہ اور بے رنگ چیز سے " دریا ہنستے ہوئے بولا۔

" دریا بھائی، بادشاہ میری پودنی کو لے گیا۔ میں اُسے چھڑانے جا رہا ہوں "

" اچھا تو مجھے بھی ساتھ لے لو " دریا بولا

" ویسے تو میں اکیلا ہی کافی تھا لیکن تمھارا دل بھی توڑنا نہیں چاہتا۔ چل گھس گھس کان میں گھس " پل بھر میں سارا دریا پودنے کے کان میں جا گھسا۔ سارا دن ساری رات سفر کرنے کے بعد پودنے صاحب بادشاہ کے محل جا پہنچے اور بھرے دربار میں بادشاہ کو للکارا:

" اے ظالم بادشاہ! تو میری پودنی کو جنگل سے اٹھا لایا۔ میں تجھ سے جنگ کرنے آیا ہوں۔ ہمت ہے تو میدان میں آ " پودنے کی بات سن کر بادشاہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گیا۔

" تو میرے ساتھ جنگ کرے گا۔ ہا، ہا، ہا تیرے لیے تو میری پالتو مرغیاں ہی کافی ہیں، سپاہیو! اِس گستاخ کو مرغیوں کے دڑبے میں ڈال دو۔ وہ ٹھونگیں مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیں گی " بادشاہ کا حکم سنتے ہی سپاہی پودنے کو اٹھا کر مرغیوں کے دڑبے میں پھینک گئے۔ خوں خوار بڑی بڑی مرغیاں اپنی تیز اور نوکیلی چونچیں لے کر پودنے کی طرف بڑھیں۔ پودنے کو یاد آیا کہ اس کے ساتھ بلیاں بھی آئی تھیں، جھٹ کان کو ہلاتے ہوئے بولا:

" اس جنگ میں ہو گی جیت ہماری، چل ری بلی تیری باری "

بس بھئی بلیوں کی فوج کے تو مزے آ گئے۔ پل بھر میں ساری مرغیاں چٹ کر گئیں۔

اگلی صبح بادشاہ نے دربانوں سے کہا کہ جاؤ اور اُس پودنے کی لاش اٹھا لاؤ۔ بہت شور کرتا تھا۔

" ہم بھی تو دیکھیں ہماری مرغیوں نے اُس کا کیا حشر کیا۔ لیکن جب دربان دڑبے کے پاس پہنچے تو

چیخیں مارتے واپس آئے۔

" حضور، غضب ہوگیا۔ ساری مرغیاں مرگئیں اور بونا بڑے مزے سے ڈربے میں بیٹھا ہنس رہا ہے۔"

" اچھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تم ایسا کرو کہ اب اُس کم بخت کو ہمارے ہاتھیوں کے اصطبل میں ڈال دو۔ وہ اپنے بھاری بھاری پاؤں تلے اس کا کچومر نکال دیں گے۔" جب بونے میاں ہاتھیوں کے اصطبل میں پہنچے تو ان کے تو ہوش اُڑ گئے۔ لیکن پھر انھیں خیال آیا اُس بھاری بھرکم چیز کو صرف ایک ننھی سی چیونٹی مار سکتی ہے۔ اُس نے اپنا کان ہلایا اور بولا: " اِس جنگ میں ہوگی جیت ہماری، چلو ری چیونٹیو! تمھاری باری " ساری چیونٹیاں ہاتھیوں کی سونڈوں میں

جا گھسیں اور سارے ہاتھی سر پٹخ پٹخ کر مر گئے۔ صبح جب دربان اصطبل میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پودنے صاحب ایک مُردہ ہاتھی پر بیٹھے مسکرا رہے ہیں۔ دربان بھاگے بھاگے بادشاہ کے حضور پہنچے اور بولے:

"لگتا ہے بادشاہ سلامت وہ کوئی جادوگر ہے۔ سارے ہاتھی مر گئے اور وہ زندہ ہے۔"

"ناممکن، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ایسا کرو کہ اُس پودنے کو ہمارے تخت کے پائے سے باندھ دو۔ ہم اُسے اپنی تلوار سے خود ہلاک کریں گے۔" پودنے میاں تو اِس موقع کی تلاش میں تھے۔ انھوں نے اپنا کان ہلایا اور بولے:

"اِس جنگ میں ہو گی جیت ہماری۔ چل رے دریا تیری باری۔" اور چاروں طرف پانی ہی

پانی ہوگیا۔ بادشاہ اور اُس کے درباری ڈوبنے لگے۔

"اللہ کے لیے پودنے میاں، اس پانی کو روکو۔ نہیں تو ہم سب ڈوب کر مرجائیں گے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمھاری پودنی تم کو واپس دے دوں گا۔" بادشاہ چیختے ہوئے بولا اور پھر پودنے کے کہنے پر سارا پانی واپس اُس کے کان میں چلا گیا۔ بادشاہ نے جلدی سے پودنی کو اُس کے حوالے کیا اور میاں پودنے فاتحانہ انداز میں بادشاہ کے محل سے یہ کہتے ہوئے رخصت ہوئے:

"کبھی کسی کم زور پر ظلم نہ کرنا۔ نہ جانے کب وہ تم سے بڑی طاقت بن جائے۔"

نعت

حماد خالد فیاضی

قسمت سے مل گئی ہے قیادت حضورؐ کی
اللہ کا کرم ہے، عنایت حضورؐ کی

دو لفظ میں خلاصہ ہے پیغامِ دین کا
وحدانیت خدا کی، رسالت حضورؐ کی

ہر ایک کو مراد یہاں آکے مل گئی
نگری رہے ہمیشہ سلامت حضورؐ کی

ربِ کریم، شانِ کریمی کا واسطہ
جنت میں ہو نصیب رفاقت حضورؐ کی

یہ معجزہ ہے آپؐ کا، ہر دور میں یہاں
ہوتی ہے آشکار صداقت حضورؐ کی

ہم کو خدا نصیب کرے اپنے فضل سے
الفت کے ساتھ ساتھ اطاعت حضورؐ کی

خالد درودِ پاک سے سرشار کیوں نہ ہو
مس ہو گئی ہے اس سے فصاحت حضورؐ کی

منے! آخر میزبان کیا سوچیں گے تم نے چھٹی بار یہ آئسکریم لی ہے۔
ابو! لی تو آٹھویں بار ہے، لیکن آپ کے اور امی کے نام سے۔
ڈاکٹر صاحب! کیا ایسا خطرناک مرض تھا کہ تین دن گزر جاتے تو اپریشن نہیں ہو سکتا تھا۔
یہ بات نہیں ہے۔ تین دن گزر جاتے تو مریض خود بخود صحت یاب ہو جاتا۔
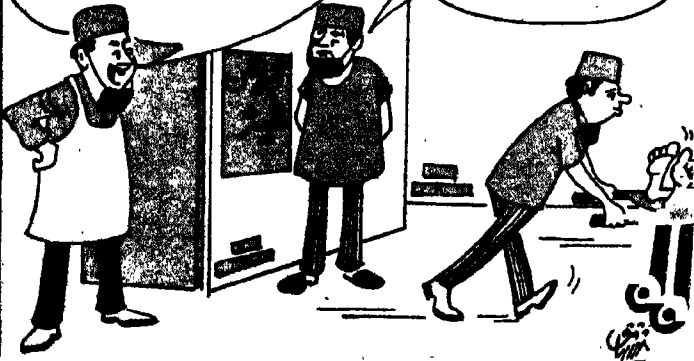
آیئے قدم بڑھائیں

محمد ادریس

"چانڈیو ' چانڈیو !" چانڈیو کی ماں نے چانڈیو کو آواز دی۔ چانڈیو جو باہر گلی میں کھیل رہا تھا آواز سن کر بھاگ کر آیا اور بولا : "ماں ! کیا بات ہے ؟"

"یہ لو' اور باہر پھینک آؤ۔" ماں نے اسے گھر کا کوڑا ایک لفافے میں ڈال کر دیا۔ چانڈیو نے وہ لفافہ لیا اور باہر چلا گیا اور ایک گھر کے سامنے ڈال دیا۔ اتفاق سے اسی وقت اس گھر سے ایک آدمی نکل رہا تھا۔ اس نے جب چانڈیو کو کوڑا ڈالتے دیکھا تو غصے سے بولا :

"کیوں ڈال رہے ہو یہاں ؟ فوراً اٹھاؤ !"

چانڈیو نے جلدی سے لفافہ اٹھایا اور وہاں سے بھاگم بھاگ واپس اپنے گھر پہنچا۔ ماں نے جب اس کے ہاتھ میں کچرے کا لفافہ دیکھا تو بولیں :

"کیوں چانڈیو ؟ کیوں واپس لے آیا ہے اسے ؟"

چانڈیو نے پوری بات بتائی تو اس کی ماں کو غصہ آگیا۔ اس نے لفافہ اٹھایا اور اسی گھر کے سامنے ڈال دیا۔ اس دفعہ گھر کی ایک عورت نے اسے دیکھ لیا۔ وہ بھی بہت ناراض ہوئی اور آستینیں چڑھا کر باہر نکل آئی۔ پھر تو جھگڑا شروع ہو گیا۔ گلی کے تمام مرد اپنے اپنے کاموں پر گئے ہوئے تھے۔ صرف بچے تھے جو باہر کھیل رہے تھے۔ انہوں نے جب یہ تماشا دیکھا تو ان دونوں کے پاس جمع ہونے لگے۔

"ارے! یہ آوازیں کیسی ہیں !" بخت جمال نے سوچا۔ آج اس کی چھٹی تھی اور وہ

سکول کا کام کر رہا تھا۔ وہ جلدی سے باہر نکلا اور ان دونوں کے پاس جا کر بولا :

"آپ کیوں لڑ رہی ہیں ؟"

"یہ دیکھو !" اس عورت نے بخت جمال کو وہ لفافہ دکھایا :

"یہ اس نے میرے گھر کے سامنے پھینک دیا۔"

بخت جمال نے چاندنی کی ماں سے کہا : "آپ نے یہ لفافہ یہاں کیوں پھینکا ؟"

چاندنی کی ماں حیران ہو کر بولی : "سبھی یہاں ڈالتے ہیں۔ پھر میں کیوں نہ ڈالوں !"

"یہ گلی کس کی ہے ؟ یہاں جو گھر ہیں وہ کس کے ہیں ؟"

"تمہارے بھی ہیں اور دوسروں کے بھی ہیں۔"

"یہاں جو بازار ہے اس میں کون کام کرتے ہیں ؟ اسی گلی کے لوگ نا۔ اگر یہ بازار بند ہو جائے تو آپ کو شہر جانا پڑتا ہے۔ اسی طرح یہاں اگر کوئی اس محلے میں بیمار ہو جائے تو کیا آپ کو دکھ نہیں ہوگا؟"

"ہاں ہاں' دکھ ہوگا کیوں نہیں۔"

"مگر آپ لوگوں کو اس کی پروا کب ہے۔ یہ گندگی آپ سب پھیلا رہے ہیں۔ اسی کی وجہ سے تو لوگ بیمار ہو جاتے ہیں۔"

"تو پھر ہم اسے کہاں ڈالیں ؟"

"گلی کے باہر میدان میں!"

"لیکن وہ تو بہت دور ہے؟"

"مجھے بلا لیا کریں۔ میں آپ کی مدد کروں گا۔" یہ کہہ کر بخت جمال اپنے گھر گیا۔ وہاں سے اس نے ہاتھ گاڑی نکالی اور چند لڑکوں کو بلایا۔ پھر سب لڑکے مل کر کوڑے کا ڈھیر گاڑی میں ڈالنے لگے۔ اسے انھوں نے لے جا کر باہر میدان میں پھینک دیا۔ چند گھنٹوں میں گلی صاف ہو گئی۔ اس دن کے بعد پھر کسی نے اس گلی میں کوڑا نہیں پھینکا۔

اگر اسی طرح ہم بھی گلی گلی' محلے محلے اور شہر شہر کو صاف رکھیں تو ہمارے پیارے ملک کا ماحول پاکیزہ ہو جائے۔ آیئے قدم بڑھائیں۔

شکیل صدیقی

★

ہم شکل، ہم راز

★

ایک دل چسپ اور حیرت انگیز کہانی
سلطان احمد کی زبانی

تیسرا ٹکڑا

یہ ایک صنعتی علاقہ ہے۔ یہاں بہت سی ملیں اور کارخانے ہیں۔ بہت سے کارخانے ایسے بھی ہیں جو ابھی تعمیر ہو رہے ہیں۔ اس سے ملا ہوا ٹاؤن شپ کا علاقہ ہے۔ میں مزدوروں کی کالونی کے قریب سے گزر رہا تھا کہ مجھے اپنی عمر کا ایک لڑکا دکھائی دیا۔ میں نے سلام کر کے اس سے مصافحہ کیا پھر پوچھا: "میرا ایک کام کر دو گے دوست؟"

"ہاں کہو۔"

"میرے گھر فون کر کے کہہ دو کہ سلطان احمد یہاں پڑا ہے۔"

اس نے حیرت سے کہا: "یہاں پڑا ہے سے تمہارا کیا مطلب؟ تم تو زمین پر سیدھے کھڑے ہو؟"

میں نے کہا: "میں زخمی بن کر چوہدری عبد الجبار ملز کے قریب زمین پر پڑا رہنا چاہتا ہوں۔ ذرا گھر والوں سے شرارت کرنا چاہتا ہوں۔"

"اپنے والدین کو پریشان کرو گے۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔" اس لڑکے نے کہا۔ وہ کوئی بااخلاق اور نیک لڑکا تھا اس لیے اسے میری باتیں پسند نہیں آرہی تھیں۔

میں نے مجبوراً جھوٹ بولا: "میرے والدین اس دنیا میں نہیں ہیں۔ اس شرارت سے صرف بھائی بہن پریشان ہوں گے۔" میں نے اسے اطمینان دلایا، مگر پھر بھی وہ ہچکچایا۔ تو میں نے اسے سو روپے دینے کا وعدہ کیا۔ وہ تھوڑی دیر بعد اس پر تیار ہو گیا۔ ایک دکان پر جا کر اس نے میرے سامنے حویلی والوں سے بات کی اور یہ خبر پہنچا دی۔ دوسری طرف سے بہت کچھ پوچھا گیا، مگر اس نے بات ختم کر دی۔

"اب تم جاؤ، تمہارا کام ہو گیا۔" میں نے کہا۔ وہ سر جھکا کر چلا گیا۔

وہاں ایک کارخانہ تعمیر ہو رہا تھا اس لیے وہاں بے ترتیبی سے تمام چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ میں نے اس جگہ کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ وہ جگہ سنسان پڑی تھی اور وہاں کوئی نہیں تھا۔ میں نے اپنے ہاتھ اور چہرے پر خراشیں ڈالیں۔ پھر ہاتھ پاؤں پھیلا کر ایک مشین کے پاس لیٹ گیا اور حلق سے بے تکی آوازیں نکالنے لگا جیسے مجھے وہاں کسی نے زخمی کر کے ڈال دیا ہے۔ توقع کے مطابق حویلی والے ڈیڑھ گھنٹے میں آگئے۔

"سلطان، سلطان، بابو سلطان! آپ کہاں ہیں؟" کسی نے پوچھا۔ پھر روشنی کا ایک دائرہ

رینگتا ہوا مختلف جگہوں پر گیا۔

"آہ۔ آہ۔ آہ۔" میں آواز کے ساتھ کراہا۔

روشنی کا دائرہ میری طرف گھوما۔ پھر بہت سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ "ارے چھوٹے صاحب تو یہاں پڑے ہیں۔" کسی نے گھبراہٹ سے کہا اور پھر سہارا دے کر میرا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور میری کنپٹیاں تھپ تھپانے لگا۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ میرے قریب تین آدمی کھڑے تھے۔ میں نے اندازہ لگایا کر اس میں ایک ماموں ہوں گے' ایک چچا اور تیسرا آدمی یقیناً ڈرائیور ہوگا' وہ بوڑھا مگر صحت مند آدمی تھا۔ اسے یقیناً سلطان احمد سے بہت محبت رہی ہوگی اس لیے وہ مجھے بھینچ بھینچ کر پیار کر رہا تھا۔ "سلطان ـــ بابو سلطان ہوش میں آ۔

"آہ۔ پانی پانی۔" میں نے دردناک آواز نکالی۔

"وقت ضائع نہ کرو حمیدے! اسے اٹھا کر گاڑی تک لے چلو۔ پتا نہیں کیا معاملہ ہے۔ ایک آدمی نے گونج دار آواز میں کہا' جس کا لہجہ حاکمانہ تھا۔ ان کی گھنی اور اٹھی ہوئی مونچھوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ ماموں گلزار ہوں گے۔ سلطان احمد نے مجھے ان کا جو حلیہ بتایا وہ اس پر پورے اترے تھے۔

ڈرائیور نے مجھے گود میں اٹھا لیا اور کارخانے سے باہر لے جا کر کار کی پچھلی نشست پر ڈال دیا۔ ماموں برابر ہی میں بیٹھ گئے اور چچا آگے۔ کار اسٹارٹ ہو کر چلنے لگی تو ماموں نے مجھ سے سوالات کرنے شروع کر دیے۔ میں نے سوچ سمجھ کر اچھی طرح سے جوابات دیے اور انھیں بتایا کہ مجھے اغوا برائے تاوان والوں نے پکڑ لیا تھا۔ وہاں سے بڑی مشکل سے جان چھڑا کر بھاگا ہوں۔

معلوم نہیں انھیں میری کہانی پر یقین آیا یا نہیں۔ وہ ہوں' ہاں' کر کے رہ گئے۔ پھر چچا نے بہت سے سوالات کیے۔ اس کے بعد ماموں سے کہا کہ اس واقعے کی رپورٹ پولیس میں کرنی چاہیے' لیکن ماموں تیار نہیں ہوئے کہ اس سے خاندان کی بدنامی ہوگی۔

ڈیڑھ گھنٹے بعد' رات دس بجے جب میں نے حویلی میں قدم رکھا تو بہت سے بچوں نے میرا استقبال کیا۔ پھر اپنے بے تکے سوالات سے میرا ناک میں دم کر دیا۔ ماموں نے منع کر دیا تھا کہ

میں بچوں کو اغوا والی بات نہ بتاؤں کوئی اور بہانہ کر دوں۔
میں نے الٹے سیدھے بہانے بنا دیے۔
"امی کے پاس چلیں بھائی جان۔" ایک لڑکی نے میرا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا تو سوچتا رہ گیا کہ وہ میری کون سی بہن ہو سکتی ہے۔ وہ سب ایک جیسی لگ رہی تھیں۔ سلطان نے مجھے تفصیل سے ان کے نام اور ناک نقشے سے آگاہ کر دیا تھا' مگر وہ سب اس وقت ذہن میں گڈ مڈ ہو گیا تھا۔ راحیلہ کی ناک لمبی تھی' فوزیہ کی آنکھیں چھوٹی بڑی تھیں اور ثوبیہ کے بال سنہری تھے اور دانت ترچھے یا راحیلہ کی گردن لمبی تھی اور ثوبیہ ناک سے بولتی تھی اور بھائی جان کے بجائے "بھا۔ بجان" کہتی تھی۔
میں نے سوچا اس وقت نام یاد کرنے اور ان کی شناخت کرنے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ سلطان کی امی سے ملنا ضروری تھا۔ وہ دوسری منزل کے بیچ والے کمرے میں رہتی تھیں۔ میں اپنی اس ماموں یا چچا زاد بہن کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ راہ داری میں ماموں شامل رہے تھے۔ وہ بھی ہمارے ساتھ ہو لیے۔ میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں نے سوچا کہ میں نے ان سب کو تو دھوکا دے دیا ہے' لیکن ایک ماں کو دھوکا دینا مشکل ہے۔ میرا بھانڈا پھوٹنے والا ہے!
وہ ایک صاف ستھرا کمرہ تھا جہاں بائیں طرف جاء نماز کی چوکی اور دائیں طرف ایک چھوٹی سے میز اور دو کرسیاں پڑی تھیں جب کہ بیچ میں ایک بیڈ تھا۔ ایک بوڑھی مگر باوقار خاتون جن کے چہرے پر بہت سی جھریاں پڑی تھیں اس پر بیٹھی تھیں۔ ان کا چہرہ نرم ملائم اور رنگت کھلی ہوئی تھی۔ بال بالکل سفید تھے۔ ان کے چہرے سے نور برس رہا تھا۔ ہاتھ میں موٹے دانوں کی تسبیح تھی جسے وہ گھما رہی تھیں۔
جب میں ان کے قریب پہنچا تو انھیں دیکھ کر مجھے رنج ہوا' اس لیے کہ ان کی آنکھیں بے نور تھیں۔ میں ان کے قریب بیٹھ گیا تو اسی لڑکی نے کہا: "بھائی جان آگئے۔"
"اللہ تیرا شکر ہے۔" انھوں نے بے ساختہ کہا پھر مجھے اپنی آغوش میں بھر لیا۔ اس وقت وہ مجھے سلطان کی نہیں بلکہ اپنی امی محسوس ہوئیں۔ ان کے سینے سے لگنے کے بعد میں نے محسوس کیا کہ دنیا کی سب مائیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔ محبت کرنے والی اور اپنی آغوش میں پناہ دینے والی۔

"کہاں چلا گیا تھا سلطان؟ کیا مجھ سے ناراض ہے؟" انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ پھر ان کی پلکیں بھیگ گئیں اور رخساروں پر آنسو پھسلنے لگے۔

"میں کہیں نہیں گیا تھا امی! بس ذرا یونہی ۔۔" میں نے گول مول بات کرنی چاہی مگر میرا حلق رندھنے لگا۔

وہ لڑکی اور ماموں مطمئن ہو کر چلے گئے۔ میں نے بھی اطمینان کا سانس لیا کہ بات بن گئی۔ سلطان کی امی چوں کہ نابینا ہیں اس لیے مجھے اپنا بیٹا سمجھ رہی ہیں۔ کمرے میں سناٹا ہو گیا تو انھوں نے میرا چہرہ اوپر کیا اور پھر اسے انگلیوں سے ٹٹولنے لگیں۔ جیسے اپنی انگلیوں سے اسے پڑھ رہی ہوں۔

"ناک، کان، آنکھیں اور ہونٹ سب کچھ تو ویسے ہی ہیں، مگر تو سلطان نہیں ہے۔ سچ سچ بتا دے تو کون ہے اور میرا بیٹا کہاں ہے؟" وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہی تھیں۔

"ڈھب ۔۔ ڈھب ۔۔ ڈھب۔" میرا دل اتنی آواز کے ساتھ دھڑکنے لگا کہ اس کی دھمک مجھے اپنے کانوں میں سنائی دینے لگی۔

جس طرح سکے کے دو رخ ہوتے ہیں اسی طرح زندگی کے بھی دو رخ ہوتے ہیں، حقیقی اور مصنوعی، ظاہری اور باطنی۔ میں سلطان احمد جب جانوروں کے ہسپتال سے پرویز مستانہ کے گھر کی طرف جا رہا تھا تو مجھے خیال آ رہا تھا کہ اب میں حقیقی زندگی میں قدم رکھ رہا ہوں جہاں ذہنی سکون کے ساتھ جسمانی تکلیفیں بھی ہیں۔ ایک طرف گندے نالے کی بُو پریشان کرتی ہے تو دوسری طرف بارش، گرمی اور سردی مصیبت میں ڈال دیتی ہے۔ میں دوراکلہ میں جس حویلی میں رہتا تھا اس پر موسم کا اثر نہ ہوتا تھا۔ تقریباً آدھی حویلی ایر کنڈیشنڈ تھی۔ اس وجہ سے اندر کا موسم ایک جیسا رہتا تھا۔ ہمیشہ ایک خوش گوار سی ٹھنڈک محسوس ہوتی رہتی تھی، مگر یہاں بمبئی کی اس جھگی میں مجھے صبر و شکر کے ساتھ تمام حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ زندگی کے بے حد تلخ، ترش اور بے ذائقہ رخ کو بھی ہنس کر گزارنا ہے۔

میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ زندگی ایک بے لگام اور منہ زور گھوڑا ہے، دوڑتا ہے تو سرپٹ دوڑتا ہے اور جب کہیں اڑ جاتا ہے تو سوار کو زمین پر پٹخ دیتا ہے۔ اب مجھے بہرحال اس بے لگام گھوڑے پر بیٹھنا تھا!

میں گھر کے دروازے پر پڑا ہوا ٹاٹ کا پردہ ہٹا کر اندر گیا تو میں نے دیکھا کہ صحن میں ہلکی روشنی ہو رہی تھی اور وہاں ایک بڑی عمر کی لڑکی کھڑی تھی :

"اے لو' اب آئے ہیں شہزادے صاحب۔" اس نے دوسری لڑکی سے کہا جو کمرے کے دروازے پر کھڑی تھی : "کیوں رے! چھالیا لایا میرے لیے یا یونہی ہاتھ ہلاتا چلا آرہا ہے؟"

"چھالیہ ؟ آپ نے چھالیہ لانے کو کب کہا تھا؟" میں نے چونک کر کہا۔

"دیکھ رہی ہو فرزانہ بہن! لاٹ صاحب کا دماغ!" اس نے دوسری لڑکی کو مخاطب کر کے

کہا۔ پھر میری طرف پلٹ کر بولی : "جب تو آئینے کے سامنے کھڑا اپنی زلفیں سنوار رہا تھا اس وقت میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ شاہی سپاری کا ایک پیکٹ لیتا آئیو؟"

ایک لمحے میں مجھے یاد آگیا کہ میں سلطان احمد نہیں پرویز مستانہ ہوں۔ اب مجھے اس کا پارٹ ادا کرنا ہے۔ اس کی بول چال، رنگ ڈھنگ کی میں کافی مشق کرچکا تھا اور اب مجھے ویسا ہی کرکے بتانا تھا۔ یقیناً جب پرویز مجھ سے ملنے آیا ہوگا تو اس کی بڑی بہن آپا ذکیہ نے اسے چھالیہ لانے کو کہا ہوگا۔ میں نے کہا : "ٹھیریے، ابھی لاکر دیتا ہوں، میں بھول گیا تھا۔"

"اے لو ہم ٹھیریے ہوگئے۔ اتنی شریفانہ زبان۔ مستانے! کن لوگوں میں اٹھ بیٹھ رہا ہے؟ تو شریف زادہ کیسے ہوگیا؟" انھوں نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوگیا۔ خیال آیا کہ اگر میں نے نہایت شریفانہ اور مہذبانہ زبان استعمال کی تو یہ لوگ اجنبیت محسوس کریں گے اور چونک جائیں گے۔ ممکن ہے مجھ پر شبہ بھی کرنے لگیں، اس لیے مجھے جیسا دیس ویسا بھیس کے مطابق کھڑی زبان میں بات کرنی پڑے گی۔

بہرحال اس وقت تو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لہٰذا میں پلٹا اور جھگی سے نکل آیا۔ پھر تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا نالے کے دائیں جانب گیا۔ پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر لکڑی کا ایک کیبن تھا، جو دور ہی سے نظر آتا تھا۔ میں اس کے نزدیک گیا تو میں نے اسے بند پایا۔ ذہن پریشان سا ہوگیا کہ اس وقت شاہی سپاری کہاں تلاش کروں؟

اللہ کا نام لے کر آگے بڑھ گیا۔ جہاں نالا ختم ہوتا اور ایک سڑک اسے کاٹتی تھی وہاں بائیں طرف مجھے روشنی دکھائی دی اور چند بچے کھیلتے نظر آئے۔ میں اس طرف چلا گیا۔ وہ پان سگرٹ کی ایک دکان تھی۔ میں نے اس سے چھالیہ کا پیکٹ مانگا تو اس نے ڈبے میں سے ایک پیکٹ نکال کر میرے سامنے پھینک دیا۔ میں نے پیسے دیے اور وہاں سے واپس ہوا۔

دکان پر دو لڑکے کھڑے تھے۔ میرا اندازہ تھا کہ عمر میں مجھ سے بڑے ہوں گے۔ ان میں سے ایک مجھے بُری طرح گھورنے لگا۔ اس کے اس طرح گھورنے پر مجھے گھبراہٹ سی ہونے لگی، مگر میں نے ظاہر نہیں ہونے دیا اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھتا رہا۔ وہ لڑکا لمبے قدموں سے چلتا ہوا میرے قریب آیا اور اس نے بے تکلفی سے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک اندھیری گلی

میں کھینچ لیا۔

"مت ۔۔۔ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"واہ بیٹا! اپنے باپ کو بھول گیا۔ اب ہم کون ہونے لگے؟ آنکھیں کھول کر دیکھ ہم راجو دادا ہیں۔ اس محلے کے راجا۔ یہاں ہماری حکومت ہے۔"

"اچھا تو مجھ سے کیا چاہیے؟" میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"لاؤ کمیشن نکالو۔ دادا ٹیکس۔" اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"کیسا کمیشن؟" میں نے پوچھا۔

"خوب انجان بن رہے ہو۔" اس نے ناک سکیڑ کر کہا : "مگر ہاتھ تو تم نے بہت اونچی جلہ مارا ہے۔ نیشنل کا جاپانی ٹرانزسٹر تو چور بازار میں کافی مہنگے داموں میں گیا ہوگا؟"

"ٹرانزسٹر؟ کیسا ٹرانزسٹر؟" میں نے ہونقوں کی طرح کہا۔

اس نے کہا : "وہ جو تم نے دو روز پہلے آپا فاطمہ کے ہاں سے اڑایا تھا۔ رمضانی کہہ رہا تھا کہ پانچ بینڈ کا ٹرانزسٹر تھا۔ چور بازار میں آسانی سے ڈیڑھ ہزار کا گیا ہوگا۔ لاؤ پانچ سو مجھے دو ورنہ میں سب کو بتا دوں گا۔"

معلوم نہیں کیا قصہ تھا۔ اگر اس لڑکے کا نام راجو تھا اور وہ مجھ پر چوری کا الزام لگا رہا تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ چوری دو روز پہلے پرویز مستانہ نے کی تھی۔ میں چوں کہ اس کا ہم شکل تھا اور اس کی جگہ لے چکا تھا اس لیے وہ میری گردن داب رہا تھا۔

میرے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہونے لگے۔ پرویز مستانہ کیا چور تھا؟ کیا میں نے انجانے میں غلط لڑکے پر بھروسا کرکے کوئی عذاب مول لے لیا ہے؟ ڈوبتے دل کے ساتھ بہت سے سوالات میرے دماغ میں چکرانے لگے۔

فی الحال تو اس غنڈے سے مجھے اپنی جان چھڑانی تھی۔ میں نے چند لمحوں تک غور کیا تو ایک ترکیب سوجھی۔ میں نے کہا : "تم نے رمضانی کی بات پر اعتبار کیوں کرلیا؟ وہ جھوٹ بک رہا ہے۔ میں نے کوئی چیز نہیں چرائی' میں تو آپا فاطمہ کے گھر کے پاس سے بھی نہیں گزرا۔"

"استادوں کو چکما دے رہا ہے۔" اس نے ناگواری سے کہا۔

وہ تیرہ چودہ سال کا لڑکا تھا' مگر اتنے پختہ انداز میں بات کر رہا تھا جیسے ۲۵' ۳۰ سال کا ہو۔

"جھکے کی بات نہیں ہے۔ اگر بات ثابت ہو جائے تو میں کمیشن دینے کو تیار ہوں۔" میں نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آج تو تجھے چھوڑے دے رہا ہوں' بعد میں دیکھ لوں گا۔ پچ کے کہا جائے گا۔ محلہ تو چھوڑنے سے رہا۔" وہ بولا۔ پھر سیٹی بجاتا ہوا دوسری طرف چلا گیا۔

میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ مصیبت تھوڑی دیر کے لیے ٹل گئی تھی' مگر مجھے اس کا کوئی مستقل حل سوچنا تھا۔ شاہی سپاری لے کر گھر پہنچا تو آپا ذکیہ نے دو چار باتیں اور سناویں۔

میں سمجھا تھا کہ مصیبت ختم ہو گئی اور اب میں سکون سے سو سکوں گا' لیکن توبہ کیجیے ذکیہ آپا سے فرصت ملی تو فرزانہ باجی نے آواز دی : "اے نکھٹو بھیا! ہماری بھی سن لے۔"

"ہاں جی فرماؤ۔" میں نے کہا۔

"فرمانا ورمانا کیا۔ میں خوشامد کر رہی ہوں کہ میرا سر دبا دے۔ درد سے پھٹا جا رہا ہے۔"

"ابھی لو جی۔" میں نے مستعدی سے کہا اور ان کے نزدیک جا کر ان کا سر دبانے لگا۔ باقی بہنیں یا شیطان کی خالائیں آنکھیں پھاڑ کر مجھے دیکھنے لگیں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مستانہ لعل تو ان کے ہاتھ نہیں آتا ہوگا اور اگر آتا بھی ہوگا تو ان کا حکم اتنی آسانی سے نہیں مانتا ہوگا۔ میں تو اس کا پارٹ ادا کر رہا تھا اس لیے ڈر رہا تھا۔ پرویز نے مجھے اپنے بارے میں سب ہی کچھ بتا دیا تھا' لیکن وقت پر تمام باتیں کہاں یاد آتی ہیں۔ میں تو اپنی ذہانت سے پرویز بنا ہوا تھا اور کسی کو مجھ پر شبہ بھی نہیں ہو رہا تھا۔

وہ دو کمروں کا چھوٹا سا مکان تھا۔ باورچی خانہ وغیرہ بھی تھا۔ دو کمروں میں سے ایک میں اماں ابا اور دوسرے میں سب بہنیں رہتی تھیں۔ رات کا وقت تھا اور سب سونے کی تیاری کر رہی تھیں اس لیے سکون تھا' مگر میں جانتا تھا کہ صبح سورج نکلنے کے بعد یہ سکون غارت ہو جائے گا اور جب وہ سب مل کر دھا چوکڑی مچائیں گی تو زلزلہ آ جائے گا۔

"ارے ذکیہ! یہ کس کی آواز ہے؟ کیا پرویز آگیا؟" دوسرے کمرے سے ایک کانپتی ہوئی آواز آئی۔

"ہاں ابا! تمہارا شہزادہ آگیا۔" آپا نے بیزاری سے کہا۔

'ذری دیر کے لیے اسے میرے پاس بھیج دے۔ آج میری ٹانگوں میں بہت درد ہو رہا ہے۔" ابا کی آواز آئی۔

یہ سنتے ہی میری تو روح فنا ہوگئی۔ کیا اب میں ساری رات ان لوگوں کے ہاتھ پاؤں دباتا اور سر کی مالش کرتا رہوں گا؟ مسلسل سفر سے میرا جسم خود بھی ہر جگہ سے دکھ رہا تھا۔ میں کس سے دبواتا؟ کرتا پڑتا نیند میں مدہوش دوسرے کمرے میں گیا تو میں نے انھیں ایک چوکی پر لیٹے دیکھا۔ وہ تن درست اور توانا تھے، لیکن بوڑھے ہوچکے تھے۔ ان کے چہرے پر جھریاں تھیں اور فکروں کا جال۔ ان کا چہرہ عام لوگوں کی طرح تھا۔ شاید سب غریبوں کے چہرے ایک جیسے ہی ہوتے ہیں۔ فکریں، پریشانیاں اور مصیبتیں۔ غم دکھ سکھ سب ہی چیزیں ایک جیسی ہوتی ہیں۔
میں ان کی چوکی کی طرف بڑھ ہی رہا تھا کہ دائیں طرف سے آواز آئی: "بیٹا مستانے! آگیا؟"

"ہاں... ہاں اماں۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

وہ ماں بھی عام ماؤں جیسی تھیں۔ شفیق اور مہربان۔ انھیں دیکھ کر مجھے اپنی اماں یاد آگئیں۔ معلوم نہیں کس حال میں ہوں گی؟ پرویز جب ان سے ملا ہوگا تو معلوم نہیں انھوں نے کیا سوچا ہوگا۔ ان کی یاد آئی تو میرا دل رونے لگا۔

"میرے پاس آ میرے بچے۔" انھوں نے ہاتھ پھیلا کر کہا۔

وہ پھول دار سوتی کپڑے پہنے تھیں اور سر پر سفید دوپٹا تھا۔ میں قریب گیا تو انھوں نے مجھے لپٹا لیا جیسے میں کوئی چھوٹا سا بچہ تھا۔ "تو نے کھانا کھا لیا میرے لعل؟" انھوں نے میرا چہرہ تھپ تھپا کر پوچھا۔ کمرے میں ایک چھوٹا بلب روشن تھا جس کی ہلکی روشنی وہاں پھیلی ہوئی تھی۔ غالباً اسی لیے انھیں مجھ پر شبہ نہیں ہوا اور انھوں نے مجھے اپنے بیٹے کی طرح قبول کرلیا۔

کہنے کو میری سات بہنیں تھیں، مگر مجھے دیکھتے ہی سب کے ہاتھوں پیروں میں درد شروع ہوگیا تھا اور کسی نے مجھ سے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ میں نے کیا کھایا اور کیا پیا؟ ماں تو ماں ہوتی ہے، سر سے پاؤں تک محبت۔

میں نے کہا: "ہاں کھا لیا ماں، جب ٹھیلا ختم کیا تھا تو ایک بند کباب میں نے بھی کھا لیا

تھا۔ تم فکر نہ کرو۔"

"میں فکر نہ کروں تو پھر اور کون فکر کرے گا۔"

"میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔" میں نے کہا اور ابا کی ٹانگیں دبانے لگا۔

"آج کتنے کی بکری ہوئی مستانے؟" انھوں نے سوال کیا۔

"ڈیڑھ سو کی۔" میں نے کہا اور جیب سے رپے نکال کر ان کے ہاتھ میں دے دیے۔ یہ رقم مجھے پرویز مستانہ نے دوراکس جانے سے پہلے دی تھی کہ میں اسے ابا کے حوالے کردوں۔

"اللہ تجھے جیتا رکھے۔" انھوں نے رپے جیب میں رکھتے ہوئے دعا دی :

'ہماری امیدوں کا چراغ تو ہی ہے مستانہ۔ تیرے ہی دم سے اس گھر میں روشنی ہے۔ مجھ سے کبھی جدا نہ ہونا۔ چاہے کوئی کچھ بھی کہے ہمیں چھوڑ کر نہ جانا۔"

میں نے حیرت ظاہر کی : "تم کیسی باتیں کر رہے ہو ابا! اچھے بچے بھی کہیں ماں باپ کو چھوڑ کر جاتے ہیں۔"

انھوں نے اٹھ کر مجھے بھینچ لیا : "ہاں' میں تو ایسے ہی کہہ رہا تھا۔ بس کبھی کبھی بہک جاتا ہوں۔ سچ بتا ہم تجھے کیسے لگتے۔"

"اے میں کہتی ہوں کیا باؤلے پن کی باتیں کر رہے ہو!" اماں نے دوسرے گوشے سے ڈانٹ کر کہا : "دن بھر ٹھیلا لگا کر تھکا ماندہ آیا ہے اور اب تم دیوانے پن کی باتیں کرکے اس کا دماغ خراب کر رہے ہو۔ اب چپ چاپ سوجاؤ۔" پھر وہ مجھ سے مخاطب ہوکر بولیں :

جا میرے بچے! تو بھی سوجا اب جاکر۔ ان کی ٹانگوں میں تو ہر روز ہی درد اٹھتا رہتا ہے۔"

ان کا اشارہ پاکر میں وہاں سے کھسک لیا اور دوسرے کمرے میں جاکر لیٹ گیا۔ دوراکس میں جب میں اپنی حویلی کی خواب گاہ میں لیٹا کرتا تھا تو سونے سے پہلے ٹیپ ریکارڈ پر مائیکل جیکسن کا کوئی ٹیپ لگا دیتا تھا' مگر یہاں یہ سب کہاں میسر تھا۔ لیٹتے ہی مجھے مچھروں کی خوف ناک بھن بھناہٹ سنائی دی اور چند لمحوں کے بعد احساس ہوا کہ نالے کی طرف سے ناگوار بُو آرہی ہے۔ میرا خیال تھا کہ میں سو نہیں سکوں گا اور یہ رات آنکھوں میں کٹے گی' لیکن خیال غلط ثابت ہوا اور تھوڑی دیر میں نیند کی آغوش میں پہنچ گیا۔

صبح آپا ذکیہ نے مجھے ٹھوکا دے کر جگایا اور حکم دیا کہ میں منہ ہاتھ دھوکر حلوا پوری لے

آؤں۔ میں نے ان کے حکم کی تعمیل کی۔ اس کے بعد میلے کچیلے اور داغ دار کپڑے پہن کر ورک شاپ کی طرف چل پڑا۔ یہ میرے لیے دوسرا امتحان تھا۔ پہلی امتحان گاہ گھر تھی جہاں مجھ پر کسی کو شبہ نہیں ہوا تھا۔ اب اگر ورک شاپ میں بھی کوئی میری باتوں اور حرکتوں پر نہ چونکا تو میں سمجھ لوں گا کہ میں مستانے کا کردار صحیح طرح سے ادا کر رہا ہوں۔

میں نے اسپیئر پارٹس والی گلی میں قدم رکھا ہی تھا کہ دائیں طرف فٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے ایک بھکاری نے آواز لگائی : "دیتا جا بچہ! جو دے گا اس کا بھی بھلا' جو نہیں دے گا اس کا بھی بھلا۔"

میرے دل میں کیا آئی کہ میں نے جیب میں ہاتھ ڈال کر دس کا نوٹ نکالا اور اسے دے دیا۔ دس کا نوٹ دیکھ کر وہ بھکاری بہت خوش ہوا : "ہا ہا ہا مستانے! آج تو تیرا دل بہت بڑا ہوگیا۔ قسم پروردگار کی قسم تونے دل خوش کردیا۔ ادھر آجا۔۔ ادھر آجا میرے پاس۔"

میں اس کے پاس چلا گیا۔

بھکاری نے اپنی موٹی گردن ہلا کر کہا : "میں بیس سال سے ادھر بیٹھ رہا ہوں۔ میں نے بہت کچھ دیکھا ہے۔ تو میری بات مانے گا؟"

"کیا' بولو۔" میں نے پوچھا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ ایک بھکاری کو مجھ سے کیا دل چسپی ہو سکتی ہے۔

"تو ادھر وقار کے پاس مفت میں اپنا ٹائم کھراب کر رہا ہے۔ اس کو چھوڑ دے۔۔ یہ تیرا اصلی باپ تو نہیں ہے۔" "ہاں ہاں!" میں نے بے دھیانی میں کہا۔

اگلے ہی لمحے مجھے احساس ہوا کہ یہ میں نے کیا کہہ دیا۔ وقار قریشی میرے اصلی والد نہیں ہیں' مگر مستانہ کے والد تو ہیں۔ میں چوں کہ مستانہ بنا ہوا ہوں' اس لیے مجھے "ہاں" نہیں کہنا چاہیے تھا۔ میں نے فوراً کہا :

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو بابا جی! قریشی صاحب تو میرے والد ہیں۔"

اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔ "نہیں۔ وہ تیرا والد کیسے ہو سکتا ہے بچہ۔ وہ تو تیرے کو خرید کر لایا تھا۔" یہ سنتے ہی میرے دل و دماغ میں بھونچال سا آگیا اور میں سلطان احمد وہاں کسی مجسمے کی طرح خاموش کھڑا رہ گیا۔ (جاری)

محنت کرو

امان اللہ نیر شوکت

کام یابی مل نہیں سکتی مشقت کے بغیر
نام ور ہوتا نہیں کوئی بھی محنت کے بغیر

جس نے کی محنت، ملی ہے عمر بھر اس کو خوشی
اک نمونہ بن گئی دنیا میں اس کی زندگی

دل لگایا جس نے محنت سے، کبھی ہارا نہیں
گردش حالات نے اس کو کبھی مارا نہیں

جس نے کی محنت، اسے رتبہ بہت اونچا ملا
میں نے دیکھا عمر بھر اس شخص کو ہنستا ہوا

جو سمجھتے ہیں کہ محنت کرکے کچھ حاصل نہیں
اصل میں وہ لوگ محنت کے مگر قائل نہیں

جی چرایا جس نے محنت سے وہ پچھتایا بہت
یاد اس کو اپنا ماضی عمر بھر آیا بہت

اس سے تم بچ کے رہو، ہے کاہلی سے جس کو پیار
مت کرو تم خود کو ایسے بد نصیبوں میں شمار

رائگاں جاتی نہیں محنت، یہ سچ ہے دوستو
کام یابی کے لیے دن رات تم محنت کرو

مفید گھریلو چٹکلے

رشید الدین احمد

* اکثر اوقات بخار کے بعد منہ آجاتا ہے جس کی وجہ سے بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ گرم اور نمکین غذائیں بری لگتی ہیں۔ ہونٹ اور منہ پک سے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک پیالی پانی میں چائے کا نصف چمچہ کھانے کا سوڈا (سوڈیم بائی کاربونیٹ) گھول کر کُلیاں کرنے سے بہت جلد آرام ہو جاتا ہے۔ یہ عمل دن میں ۲۔۳ بار کیا جاسکتا ہے۔

* ہم اپنی غذا سے ریشے خاص طور پر بھوسی کو بڑی تیزی سے خارج کر رہے ہیں۔ شہروں میں سفید آٹے کی روٹی کا رواج بڑھ رہا ہے۔ اس کی وجہ سے نت نئی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ آٹے کی بھوسی پیٹ کے لیے بے حد مفید ہوتی ہے اور قبض کی صورت میں آنتوں کے عمل کو تیز کر دیتی ہے، جس سے قبض کی شکایت دُور ہو جاتی ہے۔ عقل مندی کا تقاضا یہی ہے کہ بے چھنے آٹے کی روٹی کھائی جائے۔

* اگر آپ کے کان میں کوئی کیڑا یا بھنگا چلا جائے تو کان کا رُخ تیز روشنی کی طرف کر دیجیے۔ اکثر صورتوں میں کیڑا تیز روشنی کی طرف لپکتا ہے۔ وہ اس طرح آپ کا کان چھوڑ دے گا، بشرطے کہ وہ کان کے میل سے نہ چپک گیا ہو۔ ایسی صورت میں معالج سے مدد لیجیے۔

* اگر چچڑی آپ کی جلد سے چمٹ گئی ہو تو اُسے کھینچ کر نکالنے کی کوشش نہ کیجیے۔ اس سے نجات کی بہترین صورت یہ ہے کہ اس پر ناخنوں کی پالش یا ویزلین اچھی طرح لگا دیں، چچڑی تھوڑی دیر بعد چھوٹ جائے گی۔

* آپ کو اگر کسی کیڑے نے کاٹا ہو یا کسی زہریلے درخت کے رگڑے جانے سے جلد میں تکلیف ہو تو متاثرہ جگہ کو قابلِ برداشت گرم پانی سے دھار دیجیے یا گرم پانی میں بھگویا ہوا کپڑا رکھیے۔ اس عمل سے بہت جلد آرام آجائے گا۔

* نہانے یا تیرنے کے دوران اکثر اوقات کان میں پانی چلا جاتا ہے جس سے کان میں درد ہوتا ہے۔ بعض اوقات کان کا اندرونی حصہ سُوج بھی جاتا ہے۔ اس سلسلے میں سب سے پہلی تدبیر تو

یہ کیجیے کہ کسی صاف ستھرے کپڑے یا روئی وغیرہ سے کان کو خشک کر لیجیے، پھر صاف اُبلے ہوئے ٹھنڈے آدھی پیالی پانی میں ۲۰ قطرے سفید سرکے شامل کر کے کان میں دو بوندیں ڈالیے۔

* آپ نے اکثر محسوس کیا ہو گا کہ آپ آنکھ میں دوا ٹھیک طور پر نہیں ڈال پاتے ہیں۔ اکثر صورتوں میں دوا کے قطرے آنکھ کے بجائے گال اور ہونٹوں پر ٹپک جاتے ہیں۔ اس کی ایک بہترین صورت یہ ہے کہ آنکھ کی دوا کو ریفریجریٹر میں رکھا جائے۔ ٹھنڈے قطرے خود بتا دیں گے کہ آپ نے دوا ٹھیک طور پر ڈالی ہے یا نہیں۔

* اکثر لوگ شکایت کرتے ہیں کہ گولیاں اور کیپسول وغیرہ کے نگلنے میں انھیں تکلیف ہوتی ہے۔ کبھی کبھی کھانے کی نالی میں گولی پھنس بھی جاتی ہے۔ اس سے بچنے کی بہترین تدبیر یہ ہے کہ گولیاں اور کیپسول وغیرہ کھڑے ہو کر کھائے جائیں اور اوپر سے نصف پیالی پانی پی لیا جائے۔ انھیں نگلنے کے بعد تقریباً ڈیڑھ منٹ تک کھڑے رہیں۔ اس عرصے میں وہ معدے میں اُتر جائیں گی۔ لیٹنے یا بیٹھنے کی صورت میں ان کے غذا کی نالی میں پھنس جانے کا امکان زیادہ ہوتا ہے۔

* اگر آپ کے دانت میں درد ہو تو اوّلین تدبیر یہ ہے کہ دانت کو صاف کر لیا جائے۔ غذا کے ذرّات دانتوں کے درمیان پھنس کر درد پیدا کرتے ہیں۔ کسی مضبوط دھاگے سے دانت صاف کر کے نیم گرم پانی سے اچھی طرح کُلّی کر لیں۔ اکثر صورتوں میں صرف اسی تدبیر سے فائدہ ہو جاتا ہے۔

* اکثر لوگ ہوائی، سمندری اور کار اور بس کے سفر میں چکّر اور متلی کی شکایت کرتے ہیں۔ اس سے بچنے کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ باہر کی طرف نہ دیکھیں۔ اگر دیکھنا ہی ہو تو دُور دیکھیں۔ اس کے علاوہ سفر کے آغاز پر سونٹھ کا سفوف دو تین چٹکی پھانک لیں۔ امریکا اور برطانیہ وغیرہ میں یہ سفوف کیپسول میں بھی ملتا ہے۔ ان ملکوں کے ماہرین کے مطابق یہ قدرتی دوا تمام ڈاکٹری دواؤں سے کہیں زیادہ مفید ثابت ہوتی ہے۔

* کام کے دوران پیٹھ کے درد سے بچنے کے لیے اپنی کمر بالکل سیدھی رکھیے اور اپنی میز وغیرہ پر مت جُھکیے۔

* گلے کی خراش ایک خاصی عام شکایت ہے۔ اکثر لوگ اس کا علاج کھانسی کی گولیوں سے کرتے ہیں۔ پالتو جانور بھی اس کا ایک اہم سبب ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ کے گھر میں کتّے، بلّی یا پرندے پلے ہوں اور گھر والوں کو گلے کی خرابی کی شکایت رہتی ہو تو اپنے جانوروں کا معائنہ معالجِ حیوانات سے ضرور

کرجاتے ہیں۔ تازہ تحقیق کے مطابق ایسے گھروں میں گلے کی تکلیف کی چالیس فی صد وجہ پالتو جانور ہوتے ہیں۔ ان کا گلا ٹھیک رہے گا تو گھر والے بھی ٹھیک رہیں گے۔

* لائی سین (LYSINE) ایک عام غذائی جز ہے۔ یہ ایک اہم امینو ایسڈ ہے، جسم کی تعمیر میں یہ بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اس کی کمی سے چکر کے علاوہ خون کی کمی کی شکایت ہوتی ہے۔ یہ اہم غذائی جز منہ کے آبلوں کا بہترین علاج ہے ماہرین کے مطابق اسے روزانہ ۵۰۰ سے ۱۲۰۰ ملی گرام کی مقدار میں استعمال کرنے سے نملہ (HERPES) کو فائدہ ہوتا ہے اور بخار کی وجہ سے منہ پک جانے کی شکایت بھی دُور ہو جاتی ہے۔ یہ ان امراض کی دوا نہیں ہے بلکہ یہ صرف ان کے جراثیم کا زور توڑ دیتا ہے۔

* موچ اور چوٹ کی صورت میں زیادہ بہتر علاج یہ ہے کہ متاثرہ مقام کی پہلے ٹھنڈے پانی یا برف وغیرہ سے ٹکور کی جائے۔ اس کے بعد اس کی سِنکائی کی جاسکتی ہے۔ اس عمل سے درد اور ورم کم ہو جاتا ہے۔ متاثرہ حصے کے پٹھے ڈھیلے پڑ جاتے ہیں اور درد کی ٹیس کم ہو جاتی ہے۔

* چوٹ کے مقام کو سینکنے سے درد دُور ہو جاتا ہے، چوں کہ اس حصے میں حرارت کی وجہ سے دوران خون تیز ہو جاتا ہے، اس لیے جسم کی ٹوٹی پھوٹی بافتیں زیادہ تیزی سے جُڑ جاتی ہیں، مگر چوٹ لگنے کے فوری بعد سینکنا نہیں چاہیے۔ ایسی صورت میں ورم اور خون بہنے میں اضافے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

* اگر آپ کی جلد دھوپ سے جھلس گئی ہو اور آپ درد بھی محسوس کر رہے ہوں تو اس سے نجات کے لیے متاثرہ مقام پر چھے گھنٹے تک برف کے پانی کی گدیاں رکھنی چاہییں۔ درد سے نجات کے لیے آپ دوا بھی کھا سکتے ہیں۔

* اگر آپ بے خوابی کا شکار ہوں تو اس سے نجات کی ایک مفید اور بہترین صورت یہ ہے کہ اپنی غذا میں نمک کی مقدار گھٹا دیجیے۔ زیادہ نمک بے خوابی کا باعث ہوتا ہے۔

* ہچکی کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ تھوڑی پسی ہوئی سیاہ مرچ ناک میں چڑھا کر چھینکا جائے۔ چھینک سے ہچکی رُک جائے گی۔

* اگر آپ اپنے اعصاب کو کھنچا ہوا محسوس کر رہے ہوں تو کھلی ہوا میں کھڑے ہو کر اپنے کاندھوں کو اوپر اُٹھائیے اور چار پانچ گہرے سانس لے کر کاندھوں کو نیچے گرا دیجیے۔ اس سے آپ کے کاندھوں، گردن اور سر کے اعصاب کو بڑا سکون ملے گا۔

محمود احمد خان

حضرت امام حسنؓ اور ایک غلام

ایک دن حضرت امام حسنؓ کھجوروں کے ایک باغ سے گزر رہے تھے، کہ ان کی نظر ایک حبشی غلام پر پڑی جو ایک کونے میں بیٹھا روٹی کھا رہا تھا۔ پاس ہی ایک کتا بیٹھا تھا۔ غلام ایک لقمہ روٹی کا خود کھاتا اور ایک کتے کے سامنے پھینک دیتا۔ امام کو یہ منظر دیکھ کر تعجب ہوا۔ وہ غلام کے قریب آئے اور کہا :

کتا پاس بیٹھا ہے اسے بھگا کیوں نہیں دیتے۔"

غلام نے کہا :

" مجھے شرم آتی ہے میں خود روٹی کھاؤں اور اسے مار بھگاؤں"۔

غلام کی اس فراخ دلی کو دیکھ کر اور بھی متعجب ہوئے اور پوچھا :

" تمہارے مالک کا کیا نام ہے؟"

غلام نے اپنے آقا کا نام بتایا۔ امام نے کہا :

" ابھی یہاں ٹھہرو"

آپ فوراً غلام کے مالک کے پاس گئے اور اس سے غلام اور باغ دونوں خرید لیے۔ واپس آکر غلام سے مخاطب ہوئے :

" بھائی میں نے تمہیں اور اس باغ کو تمہارے مالک سے خرید لیا ہے۔ میں تمہیں آزاد کرتا ہوں اور یہ باغ بھی تمہارے حوالے کرتا ہوں"۔

غلام اس بات پر حیران تھا اور اسے یقین نہیں آتا تھا کہ کیسے آناً فاناً اس کی قسمت میں انقلاب آگیا۔ وہ اٹھا۔ امام کا شکریہ ادا کیا اور یوں گویا ہوا :

" حضرت میں اس باغ کو خدا کی راہ میں وقف کرتا ہوں کہ اس نے مجھے آزادی جیسی نعمت بخش دی "

حضرت امام حسنؓ اور ایک لونڈی

حضرت امام حسن رضؓ گھر میں تشریف فرما تھے۔ انھوں نے پانی طلب کیا۔ لونڈی پانی کا گلاس

لے کر آئی لیکن وہ گلاس لے کر یوں کھڑی تھی کہ گلاس امام کے سر پر تھا اتفاقیہ گلاس گر کر ٹوٹ گیا۔ اور امام کے کپڑے بھیگ گئے۔ امام نے غصے سے لونڈی کی جانب دیکھا۔ لونڈی نے جھٹ یہ آیت پڑھی، ترجمہ!

"اللہ ان لوگوں سے محبت رکھتا ہے جو غصہ میں ضبط اختیار کرتے ہیں اور درگذر کرتے ہیں۔"

امامؒ کا غصہ فرو ہوا اور فرمایا:

"جا! معاف کیا۔"

لونڈی پھر گویا ہوئی:

"اللہ ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو دوسروں سے نیکی کرتے ہیں۔"

امامؒ نے فرمایا:

"جا! میں نے تمہیں آزاد کیا۔"

میں رینا ابیکا مرہٹی برہمن طبقہ سے تعلق رکھتی ہوں۔ اُردو سے مجھے بہت لگاؤ ہے۔ اردو میں یہ میری پہلی غزل ہے امید ہے کہ ضرور شائع ہوگی۔ رینا ابیکا (دبیرپورہ)

غزل

گھر ہے گلشن، باپ ہے مالی
ماں کی ممتا ڈالی ڈالی

چاند اتر کر آجائے گا
پانی بھر کر رکھ دیں تھالی

بارش میں سب بھیگ رہے ہیں
بیر بوٹی اور ہریالی

بھارت دیش ہے سب سے نیارا
بھارت دیش کی شان نرالی

اپنے رب سے میں یہ مانگوں
دن ہوں عید تو رات دیوالی

شعر کہوں ابیکا ایسے
جیسے میرؔ، انیسؔ، حالیؔ

—— بشکریہ "سیاست" حیدرآباد

بچوں کی کوششیں

جادوئی پھول

باہر کھیلتی ہوئی روبینہ کو نانی نے آواز دی۔ بجھے دل سے روبینہ نانی کے پاس آئی۔ نانی نے روبینہ کے ہاتھ میں پیسے رکھتے ہوئے گوشت لانے کے لیے کہا۔ وہ بازار کی طرف چل پڑی۔ بازار میں چاروں طرف دیکھتے ہوئے وہ گوشت کی دکان پر پہنچی۔ اس نے پیسے دے کر گوشت لیا اور گھر کی طرف چل پڑی۔ اچانک اس کی نظر کھلونوں کی دکان پر پڑی۔ واہ اتنے سارے کھلونے، جھوم جھوم ڈمرو بجاتا ہوا بھالو، ناچتا ہوا بندر اور سنہری بالوں والی گڑیا۔ ان سب کو دیکھ کر وہ کھڑی ہوگئی۔ اچانک گلی کا ایک کتا اس کا گوشت لے کر بھاگ گیا۔ وہ غصے میں اس کے پیچھے بھاگی۔ ٹھہر جا ابھی بتاتی ہوں۔ روبینہ کتے کے پیچھے بھاگتے بھاگتے تھک گئی۔ وہ ایک جگہ پر کھڑی ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ شام ہو چکی تھی اور وہاں پر کتا بھی نہیں تھا۔ روبینہ کو اپنی نانی کی یاد آگئی اور رونے لگی۔ تبھی ایک سفید کپڑے پہنے ہوئے بڑھیا آئی اور پیار سے اس کے رونے کی وجہ پوچھی۔ روبینہ نے روتے ہوئے ساری بات بتادی

ساری باتیں سن کر بڑھیا نے روبینہ کو ایک پھول دیا جس میں پانچ پنکھڑیاں تھیں اور اسے بتایا کہ یہ بات کسی کو نہیں بتانا جب کسی چیز کی ضرورت پڑے تو اس پھول کی ایک پنکھڑی توڑ کر کہنا "پنکھڑی تو اڑتی جا۔ پریوں کے دیس کو جا

میری خواہش کو بتا

میں چاہتی ہوں میری خواہش پوری ہو۔ اتنا کہہ کر بڑھیا غائب ہوگئی۔ روبینہ پھر بازار میں اکیلی رہ گئی۔ اندھیرا اور گھنا ہوگیا تھا وہ اداس ہوکر ادھر ادھر دیکھنے لگی، اچانک اسے پھول کی بات یاد آگئی جو اس کے ہاتھ میں ستاروں کی طرح جگمگا رہے تھے اس نے ایک لال رنگ کی پنکھڑی کو توڑا اور گانے لگی

پنکھڑی تو اڑتی جا۔ پریوں کے دیس کو جا

میری خواہش کو بتا

میں چاہتی ہوں گوشت لیے ہوئے گھر پہنچ جاؤں

اتنا کہنا تھا کہ روبینہ اپنے گھر پہنچ گئی نانی نے باورچی خانہ سے ہی غصّے میں آواز دی، اتنی دیر سے آئی مر گئی تھی کیا؟ دور سے روبینہ نے نانی کو جلدی سے گوشت دیا اور اپنے کمرے میں بھاگی۔ اس نے پھول کو دیکھا۔ وہ ویسے ہی جگمگا رہا تھا۔ روبینہ ٹیبل پر چڑھ کر اسے گلدستہ میں رکھنے لگی کہ نانی پھر چلائی۔ روبینہ کے ہاتھ سے گلدستہ چھوٹ گیا دھڑام دھڑام۔ روبینہ ڈر سے کانپنے لگی اس نے جلدی سے پیلے رنگ کی پنکھڑی توڑی اور دھیرے دھیرے گانے لگی۔

پنکھڑی تو اڑتی جا — پریوں کے دیس کو جا

میری خواہش کو بتا

میں چاہتی ہوں نانی کا سارا گلدستہ پھر سے جڑ جائے۔ اتنا کہنا تھا کہ گلدان پھر سے نیا ہوگیا۔

جلدی جلدی کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں
جا بیٹھی۔ رات میں اسے نیند ہی نہیں آئی کیونکہ
پھول میں اب صرف تین ہی پنکھڑیاں بچی تھیں۔
صبح ہوتے ہی وہ اپنی سہیلی شبنم کے گھر
کی طرف چل دی۔ شبنم اپنی پیاری گڑیا کے
کپڑوں میں ستارے ٹانک رہی تھی۔ اس نے
روبینہ کو دیکھتے ہی کہا۔ تم میری گڑیا کو ہاتھ بھی مت
لگانا یہ ایسی ویسی گڑیا نہیں ہے۔ جاپانی گڑیا ہے
روبینہ کے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اسے پھول
کی بات یاد آئی، جلدی ہی ہرے رنگ کی پنکھڑی
توڑی اور اونچے لہجے میں گانا شروع کیا۔

پنکھڑی تو اڑتی ہوئی جا
پریوں کے دیش کو جا
میری خواہش کو بتا

میں چاہتی ہوں کہ میرے پاس ڈھیر سارے
کھلونے آ جائیں۔ اتنا کہنا تھا کہ کھلونوں کی برسات
ہونے لگی۔ پورے شہر میں گلیوں، چوراہوں،
چھت وغیرہ پر، ساری جگہ کھلونوں سے بھر گئی۔
اتنا کہہ کر روبینہ پھر سے اداس ہو گئی۔ جلدی
سے نیلے رنگ کی پنکھڑی توڑی اور گانے لگی۔

پنکھڑی تو اڑتی ہوئی جا
پریوں کے دیش کو جا
میری خواہش کو بتا

میں چاہتی ہوں سارے کھلونے واپس چلے جائیں
سارے کھلونے واپس چلے گئے۔ روبینہ اداس
من سے واپس گھر کی طرف چل پڑی۔ اس کے
جادوئی پھول میں ایک ہی پنکھڑی بچی تھی۔ اس لیے
کہ اس نے سب کو یوں ہی برباد کر دیا تھا۔
اچانک اس کی نظر ایک لڑکے پر پڑی وہ
چپ چاپ باغیچے میں ایک بینچ پر بیٹھا ہوا تھا۔
روبینہ اس کے پاس آ گئی۔ اسے دیکھا وہ لڑکا
بہت خوبصورت تھا اس کی آنکھیں نیلی تھیں
روبینہ نے اس کا نام پوچھا۔ لڑکے نے کہا "تنویر"
روبینہ بہت خوش ہوئی۔ اس نے تنویر سے کہا
چلو چور سپاہی کھیلتے ہیں۔ تنویر اداس ہو کر بولا
میں چل نہیں سکتا کیونکہ میرے پیر نہیں ہیں۔
روبینہ پھر سے اداس ہو گئی۔ تبھی اسے پھول کا دھیان
آ گیا۔ اس نے چہکتے ہوئے آخری پنکھڑی توڑی
اور زور زور سے گانے لگی۔

پنکھڑی تو اڑتی ہوئی جا
پریوں کے دیس کو جا
میری خواہش کو بتلا

میں چاہتی ہوں کہ میرے بھائی کا پیر ٹھیک
ہو جائے، اتنا کہنا تھا کہ تنویر اٹھ کر کھڑا ہو گیا
اور ادھر ادھر دوڑنے لگا وہ بہت خوش ہوا
روبینہ اسے پکڑنے کے لیے پیچھے دوڑی، پھر
دونوں چور سپاہی کھیلنے لگے۔ روبینہ بہت خوش
تھی کیونکہ اس کے پھول نے اسے ایک اچھا
بھائی کھیلنے کے لیے دے دیا تھا۔

پروین احمد بیگ، صوبیدار بستی وارڈ نمبر ۲، شری رام پور

ہائے ہائے

کسی گاؤں میں ایک تاجر رہتا تھا گھر کا کام
کاج کرنے اور دیکھ ریکھ کے لیے وہ لڑکوں کو
نوکر رکھتا تھا۔ ہوتا یہ تھا کہ جب کوئی لڑکا نوکری
کے لیے آتا تو وہ اس سے کہتا کہ بغیر میری خواہش
کے کوئی کام نہ کیا جائے اور ایک مہینے میں ایک
بھی اگر میری خواہش کے بغیر کوئی کام کیا تو اسے تنخواہ
نہ ملے گی، نوکری سے بھی نکال دیا جائے گا۔ ہر
لڑکا اس شرط کو خوشی خوشی مان لیتا۔ کیونکہ وہ
چالاک تاجر تنخواہ میں بہت زیادہ روپے دیتے

کا لالچ دیتا تھا۔

مہینہ بھر وہ لڑکوں سے خوب کام لیتا اور آخر ماہ میں لڑکوں کو بلا کر کہتا۔ جاؤ بازار سے تھوڑی "ہائے ہائے" خرید لاؤ۔ بیچارے لڑکے چکرا جاتے۔ مگر یہ سوچ کر کہ شاید اس نام کی کوئی چیز ہوتی ہو، وہ بازار جا کر خوب پریشان ہوتے اس نام کی کوئی چیز ہوتی تو ملتی۔ یہ اس چالاک تاجر کی ایک چال تھی۔ آخر کار ہر لڑکا شرط کے مطابق اپنی تنخواہ لیے بغیر کام چھوڑ کر چلا جاتا۔ تاجر اس سے بہت خوش تھا کہ بغیر ایک پیسا بھی خرچ کیے اس کے گھر کا کام بڑے مزے سے چل جاتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد تاجر کو ایک ایسا لڑکا ملا جو بہت پھرتیلا اور چالاک و چست تھا۔ اسے بھی دوسرے لڑکوں کی طرح ایک دکان سے دوسری دکان "ہائے ہائے" کی تلاش میں دوڑنا پڑا۔ ایک دکاندار نے اُسے بتایا کہ کچھ دن پہلے ہی ہائے ہائے کا اسٹاک ختم ہو گیا ہے۔ نیا اسٹاک آتے ہی وہ اسے فوراً خبر کرے گا۔ دوسرے نے یہ کہہ کر کہ اُس دکان پر مل جائے گا کافی دوڑایا۔ اس پر دکاندار مزے لے کر ہنستے رہے اور راہ گیر مسکراتے رہے۔ آخر لڑکے نے تھوڑی دیر غور کرنے کے بعد یہ سمجھ لیا کہ اس کا مالک اور یہ لوگ اس سے مذاق کر رہے ہیں آخر اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ دل ہی دل میں بڑا خوش ہوا۔ جیب سے پیسے نکال کر ایک دکان میں گیا۔ وہاں اس نے چوڑے منہ کی ایک رنگین بوتل خریدی اور موٹے کپڑے کا ایک بڑا سا کالا رومال۔ انھیں لے کر وہ ایک چھوٹے سے باغیچے میں پہنچا اور ایک درخت کی جڑ کے پاس بیٹھ گیا۔ وہاں اسے ایک پتھر کے پاس بچھو دکھائی دیا۔ اس کی آنکھ

ایک کسان کا لڑکا جب پڑھ لکھ کر کسی باہر کے ملک میں چلا گیا تو کچھ دن بعد وہاں سے خط لکھا کہ میری فیملی یہاں بھیج دو۔ کسان نے تمام گاؤں والوں سے خط پڑھوایا لیکن کوئی فیملی کا مطلب نہ سمجھا۔ آخر ایک آدمی نے اسے بتایا کہ فیملی رضائی کو کہتے ہیں تو کسان نے بیٹے کو جواب لکھا کہ بیٹا تمھاری فیملی کو چوہے کھا گئے ہیں۔ تم وہاں کوئی اور فیملی بنا لو۔

چمک اٹھی۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے بچھو کو بوتل میں بند کر لیا، اور بوتل کو اس کالے رومال سے ڈھک دیا۔ اس کے بعد وہ ہانپتا کانپتا تاجر کے پاس پہنچا۔

"تم ہائے ہائے لے آئے؟" تاجر نے پوچھا۔

"جی ہاں بڑی پریشانی اور کافی دوڑ دھوپ کے بعد ملا۔" لڑکے نے جواب دیا۔ اب تاجر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے لیکن اپنے دل کی بات اس نے لڑکے پر ظاہر نہ کی اور غرور کے ساتھ بولا۔ "لاؤ وہ چیز کہاں ہے؟"

"وہ چیز اس بوتل میں ہے۔" لڑکے نے بوتل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن آپ اسے دیکھ نہیں سکتے۔ اندر ہاتھ ڈال کر چھو کر دیکھیے، وہ "ہائے ہائے" ہی ہے نا؟" لڑکے نے مزید کہا۔ اب تاجر کو اور تعجب ہوا، آخر لڑکا کونسی چیز لے آیا۔ دیکھوں تو۔ وہ جانتا تھا کہ ہائے ہائے نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی، ایک مہینے کی تنخواہ پھر بچے گی۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ بوتل کے اندر ڈال دیا "ہائے ہائے"

تاجر چیخ اٹھا۔ بچھو کا ڈنک دہکتی ہوئی لال سوئی
کی طرح انگلی میں چبھ گیا تھا۔
"یہی ہے نا مالک آپ کی وہ چیز ہائے ہائے"
لڑکے نے بڑی ملائمیت سے پوچھا۔
تاجر درد سے بُری طرح تڑپ رہا تھا
لیکن وہ کچھ بول نہیں سکتا تھا۔ حقیقت میں
لڑکے نے اسے ایک اچھا سبق دیا تھا۔

ناہید اختر محمد شبراتی غوری، ایوت محل

کالی باندی

پُرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک بادشاہ
تھا جس کا نام عبدالرحیم تھا اس کے کوئی اولاد
نہیں تھی۔ اکثر وہ یہ سوچ کر اُداس ہو جاتا تھا۔ اسی
سوچ میں وہ ایک دن اُداس بیٹھا ہوا تھا کہ ادھر
سے ایک فقیر کا گزر ہوا۔ اس نے بادشاہ کو اُداس
دیکھا تو اس کی اُداسی کی وجہ پوچھی۔ بادشاہ نے
بتایا کہ وہ اولاد کی نعمت سے محروم ہے۔ یہ سن
کر بادشاہ کو فقیر نے ایک آم دیا اور کہا آدھا ملکہ کو
اور آدھا آپ کو کھانا ہے۔ انشاء اللہ آپ کی خالی
جھولی اولاد کی نعمت سے ضرور بھر جائے گی لیکن
میری ایک شرط ہے کہ آپ اپنے بچے کو بارہ سال
کا ہونے پر مجھے دے دیں گے۔ بادشاہ نے
فقیر کی شرط منظور کر لی۔ کچھ دنوں کے بعد ملکہ
کے ایک بہت ہی خوبصورت لڑکی پیدا ہوئی جس
کا نام بادشاہ نے حسین جہاں رکھا۔ اس خوشی
میں بادشاہ نے پوری رعایا کی دعوت کی۔ اسی
طرح دن گزرتے گئے اور شہزادی حسین جہاں
۱۲ سال کی ہو گئی۔ بادشاہ اتنا خوش تھا کہ وہ
اپنا فقیر سے کیا ہوا وعدہ بھول گیا۔
بادشاہ نے ہر سال کی طرح اس سال بھی
جب شہزادی بارہ سال کی ہو گئی تو جشن منایا اور
پورے ملک کی دعوت کی۔ بادشاہ اور عوام بہت
خوش تھے کہ اچانک وہ فقیر آیا اور اس نے
بادشاہ کو اس کا بارہ سال پُرانا وعدہ یاد دلایا۔
بادشاہ نے فقیر کی بڑی منتیں کیں لیکن فقیر نہ
مانا تو بادشاہ نے اگلے روز شہزادی کو فقیر کے سپرد
کرنے کا فیصلہ کر دیا۔

اگلے دن بادشاہ نے اپنی بیٹی کو خوب
ہیرے موتیوں سے سجوایا۔ اور ان سب پر کالا
خول پہنایا جس سے شہزادی کالی لگنے لگی۔ فقیر
شہزادی کو لے کر اس کے ملک سے روانہ ہوا
اور کئی دنوں کے سفر کے بعد وہ ایک جنگل بیابان
میں پہنچے۔ فقیر نے ساتھ آئے غلاموں کو واپس
بھیج دیا اور شہزادی کو جنگل میں بنے ایک کھنڈر
میں قید کر کے خود کہیں چلا گیا۔ شہزادی آتے
جاتے لوگوں کو مدد کے لیے پکارتی مگر اس
کی مدد کے لیے کوئی نہیں آتا تھا۔ کچھ عرصے
کے بعد ایک تجارتی قافلہ وہاں سے گزرا، اس
میں سے ایک نیک دل آدمی نے کمرے کا دروازہ
کھول دیا اور اسے ظالم فقیر کی قید سے آزاد
کرا دیا۔

شہزادی چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچی اور
گھر گھر کام مانگنے گئی اس نے کئی جگہ کام کیا
اور اسی طرح کام کرتے کرتے وہ اسی ملک
کے محل میں پہنچی۔ ملکہ نے اسے شہزادے کے
کمرے کی صفائی کے کام پر مقرر کیا۔ چونکہ وہ کالا
خول پہننے کے سبب کالی نظر آ رہی تھی اس لیے
ملکہ نے اس کا نام کالی باندی رکھا۔ کالی باندی
شہزادے کے کمرے میں گئی اور اس کے کمرے
کی صفائی کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد شہزادہ سو گیا۔
گرمیوں کا موسم تھا۔ کالی باندی کو گرمی بہت

لگی تو وہ شہزادے کے غسل خانہ میں جاکر نہا آئی اور پھر دوبارہ آکر صفائی کرنے لگی۔

اگلے روز صبح جب شہزادہ نہانے کے لیے اپنے غسل خانے میں گیا تو اس کا غسل خانہ گیلا تھا اور وہاں ایک موتی چمک رہا تھا جو صرف ملکہ اور شہزادیوں کے پاس ہوتا ہے۔ شہزادے نے اُسے اٹھا کر رکھ لیا اور اپنی امی سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ تمھارے غسل خانے میں تمھارے علاوہ کوئی نہیں نہاتا۔ یہ سن کر شہزادہ چپ ہو گیا۔ اگلے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ اسی طرح کئی روز ہو گئے تو شہزادے نے اس بارے میں جاننے کے لیے ایک رات سونے کا بہانا بنا کر جاگتا رہا۔ اس نے دیکھا کہ کالی باندی شہزادے کے غسل خانے میں گئی اور نہا کر واپس آکر پھر صفائی کرنے لگی اور اپنا خول دوبارہ پہن لیا۔ بغیر خول کے کالی باندی ایک بہت ہی خوبصورت پری لگ رہی تھی۔ اسے دیکھ کر شہزادے نے اس سے شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے دن صبح شہزادے نے اپنے ارادے کو اپنی امی سے کہا کہ میں ان باندیوں میں سے کسی ایک سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ملکہ نے شہزادے کو بہت سمجھایا اور منع کیا مگر شہزادہ اپنی ضد پر اڑا رہا۔ ملکہ کو شہزادے کی ضد کے سامنے ہاں کرنی پڑی۔

ملکہ کی ساری باندیاں خوب سج دھجیں لیکن کالی باندی روز کے معمول کے مطابق ہی رہی۔ شہزادے نے کالی باندی کو منتخب کیا۔ ملکہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہزادہ کالی باندی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اس نے شہزادے اور کالی باندی کو محل سے نکال دیا۔ شہزادہ کالی باندی کو اپنے ساتھ اپنے دوسرے محل میں لے گیا اور وہاں

اسکول میں تین بچے پڑھتے تھے جو کہ بھائی بھائی تھے۔ انسپکٹر نے معائنے کے دوران میں سب سے چھوٹے بھائی سے پوچھا۔

"تمھارے دوسرے بھائیوں کی تو مونچھیں نہیں ہیں۔ تمھاری کیوں ہیں؟ جبکہ تم دونوں سے چھوٹے بھی ہو؟"

چھوٹے بھائی نے جواب دیا: "جناب میری شکل میرے باپ پر ہے اور ان دونوں کی شکل ماں پر ہے۔"

شہزادے نے کالی باندی کو شہزادیوں کے کپڑے پہننے کے لیے دیے اور اس سے اس کا کالا خول اتروایا اور اس کی آپ بیتی سنی۔

اب ذرا آیئے شہزادے اور شہزادی کو چھوڑ کر ملکہ کا حال سنیے۔

ملکہ نے شہزادے اور کالی باندی کی جاسوسی کرنے کے لیے اپنے جاسوسوں کو بھیجا۔ جاسوسوں نے ملکہ کو بتایا کہ وہاں تو ایک بہت ہی خوبصورت پری جیسی لڑکی ہے۔ ملکہ کو اپنے جاسوسوں کی بات پر یقین نہ آیا تو وہ خود شہزادے کے محل گئی۔ ملکہ نے دیکھا کہ واقعی وہاں تو ایک پری بیٹھی ہے۔ ملکہ نے شہزادے سے اس پری جیسی لڑکی کے بارے میں پوچھا تو اس نے بتایا کہ وہی کالی باندی ہے۔ ملکہ شہزادی حسین جہاں کو دیکھتی ہی رہ گئی۔ پھر انھوں نے حسین جہاں کی آپ بیتی سنی اور اس کے ملک کا نام و پتا پوچھا۔

اگلے ہی دن صبح شہزادہ، شہزادی اور ملکہ سفر کے لیے روانہ ہوئے اور منزل در منزل طے کرتے ہوئے حسین جہاں کے ملک پہنچے۔ جب حسین جہاں کے والد بادشاہ کو شہزادے اور ملکہ

کے آنے کی خبر ہوئی تو وہ ان کے استقبال کے لیے آئے اور اپنی بیٹی حسین جہاں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اس خوشی میں پوری رعایا کی دعوت کی اور اپنی بیٹی سے اس ظالم فقیر کے بارے میں معلوم کیا۔ کچھ روز بعد وہی فقیر بادشاہ کے پاس آیا اور شہزادی کے بارے میں کہا کہ وہ مر گئی اور جھوٹی کہانی بیان کی۔ یہ سن کر بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور اس نے فقیر کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ مگر شہزادی حسین جہاں نے آکر بادشاہ سے اپنا حکم واپس لینے کو کہا اور اسے معاف کر دیا گیا۔

شہزادی کی شادی شہزادے سے کر دی گئی اور وہ خوشی خوشی زندگی بسر کرنے لگے اور اپنے ملک واپس لوٹ گئے۔

رخسانہ پروین، مکان نمبر ۹۴، چھپر والی مسجد نئی دہلی ۲۵

ترکیب نمبر گیارہ

خلیل ایک اچھا طالب علم تھا۔ وہ اسکول بڑی پابندی سے جاتا تھا۔ اس کے ماں باپ غریب تھے مگر اپنے بچے کا شوق دیکھ کر پڑھا رہے تھے۔ ان کی گزر بسر مشکل سے ہوتی تھی۔ خلیل کی کتابوں اور فیس کا خرچ ان پر بڑا بار ہوتا تھا لیکن خلیل کی تعلیم کے لیے اپنا پیٹ کاٹ کر پیسے بچاتے۔

خلیل شوقین ہی نہیں محنتی بھی تھا۔ اس کا خیال تھا کہ جلد سے جلد تعلیم مکمل کر کے کمانے لگے اور اپنے ماں باپ کی پریشانی دور کرے۔ اس کا اسکول گھر سے بہت دور تھا ایک طرف کا بس کا کرایہ ۵۰ پیسے تھا لیکن طالب علم ہونے کی وجہ سے اس کو صرف ۳۰ پیسے دینے پڑتے تھے۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ یہ پیسے بھی بچ جائیں۔ اس نے دو ایک بار پیدل اسکول سے آنے کی کوشش کی تھی لیکن دوری کی وجہ سے وہ تھک گیا، پھر وقت بھی بہت لگ گیا۔ اس نے سوچا کہ یہ وقت پڑھنے میں صرف کرتا تو زیادہ اچھا تھا۔

ایک دن اس کے دوست شاہد نے کہا کہ ہم تو بس کے پیسے بچا لیتے ہیں۔ خلیل نے حیران ہوکر پوچھا۔

"وہ کیسے؟"

شاہد نے بتایا کہ جب کنڈکٹر پاس آتا ہے تو ہم پیسے دینے کے بجائے چپکے کھڑے رہتے ہیں۔ وہ سمجھتا ہے کہ ٹکٹ ہو گیا۔ آگے بڑھ جاتا ہے۔ اگر کبھی کنڈکٹر نے پوچھ لیا تو ہم پیسے دے دیتے ہیں۔ خلیل نے پوچھا "ہم سے کیا مطلب؟"

شاہد نے بتایا کہ میں اور میرے کئی دوست ایسا کرتے ہیں۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔ کبھی ہفتے میں ایک دو موقعے ایسے آتے ہیں کہ ٹکٹ کے پیسے دینے پڑیں، ورنہ یوں ہی کام چلتا ہے۔ خلیل سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے سوچا کہ شاہد تو کھاتے پیتے گھرانے کا لڑکا ہے۔ میں تو غریب بھی ہوں۔ میں بھی اگر ایسا کر لوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔

ایک دن خلیل نے بھی ایسا ہی کیا۔ بس میں بھیڑ بہت تھی۔ کنڈکٹر آیا تو وہ چپ کھڑا رہا۔ اس نے اطمینان ظاہر کیا جیسے وہ ٹکٹ لے چکا ہو۔ کنڈکٹر آگے بڑھ گیا۔ اب تو خلیل کی ہمت بڑھ گئی۔ وہ اکثر ایسا ہی کرتا۔ وہ دل میں خوش تھا کہ پیسے بھی بچ جاتے ہیں اور اس کو پیدل بھی نہیں چلنا پڑتا۔ وہ آپس میں اس طریقے کو "ترکیب نمبر گیارہ" کہتے تھے۔

اس روز بھی خلیل نے ترکیب نمبر گیارہ استعمال کی تھی۔ تھوڑی دیر میں بس اسٹاپ آگیا خلیل کو وہاں اترنا تھا۔ وہ مسافروں کی بھیڑ کو چیرتا ہوا جلدی جلدی بس سے اتر پڑا۔ بس سے اتر کر وہ چلا ہی تھا کہ کنڈکٹر کی آواز آئی:

"او لڑکے، ادھر آؤ"

خلیل سمجھا کہ وہ شاید ٹکٹ چیک کرنا چاہتا ہے۔ بجائے واپس جانے کے خلیل اور تیزی سے آگے بڑھا وہ بس سے اور دور ہوگیا۔ کنڈکٹر چلاتا ہی رہ گیا۔ دراصل خلیل کی ایک کتاب پھسل کر بس میں گر گئی تھی۔ کنڈکٹر وہ کتاب دینے کے لیے خلیل کو بلا رہا تھا۔

بس کے ایک مسافر نے کتاب دیکھ کر کہا "بڑی قیمتی کتاب ہے، آج کل نایاب بھی ہے۔ بچارہ طالب علم"

سیدھی راہ کو چھوڑ کر خلیل واقعی "بچارا" ہوگیا تھا۔

روزینہ فرحین محمد سعید پاشا، ایوت محل

• باپ: کیوں بیٹے، امتحان میں سوالات تو مشکل نہ تھے۔
بیٹا: نہیں ابو، سوالات تو بڑے آسان تھے۔ بس جواب مشکل تھے۔

• باپ: کیوں بیٹے، پیدل چلیں یا بس پر؟
بیٹا: آپ کی مرضی، ویسے اگر پیدل چلنا ہے تو مجھے گود میں اٹھالیں۔

قصہ ملا نصیرالدین کا

ایک روز ملا نصیرالدین کھاٹ پر پڑے جمائیاں لے رہے تھے۔ بیوی نے کہا "اجی سنتے ہو، شہر میں نیا حاکم مقرر ہوا ہے" ملا ناک سکوڑ کر بولے "تو میں کیا کروں" بیوی بولی "اسے کچھ تحفہ وغیرہ دے کر خوش کرنا چاہیے۔ سنا ہے کہ اسے مرغ مسلم بہت پسند ہے" تب ملا فوراً ہی چونک کر بولے "ہاں ہاں! تم ٹھیک کہتی ہو" اور ملا نے جھٹ پٹ ایک مرغ مسلم تیار کروایا اور اسے خوبصورت خوان سے ڈھک کر محل کی جانب چل پڑے۔ ملا کو بھی مرغ مسلم بہت پسند تھا۔ راستے میں خوان سے اٹھتی ہوئی خوشبو کو برداشت نہیں کر سکے اور محل تک پہنچتے پہنچتے ایک ٹانگ چٹ کر گئے اور بڑے ادب سے حاکم کو مرغ مسلم پیش کیا۔ حاکم بہت خوش ہوا اور پل بھر میں پورا مرغ ڈکار گیا لیکن کھانے کے بعد اسے خیال آیا کہ مرغ کی تو صرف ایک ٹانگ تھی اس نے ملا سے معلومات چاہی۔ ملا پریشان ہو گئے، مگر ملا نے فوراً چالاکی سے کام لیتے ہوئے کہا "حضور ہمارے شہر میں مرغوں کی صرف ایک ٹانگ ہوتی ہے۔ حاکم نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا "وہ کیسے؟" ملا نے کہا "حضور ابھی دکھاتا ہوں" اور ملا اسے کھڑکی کے پاس لے گئے اور باہر کا منظر دکھایا۔ باہر میدان میں کچھ مرغیاں دوپہر کے کھانے کے بعد ایک ٹانگ پر کھڑی آرام کر رہی تھیں۔ حاکم کے سمجھ میں آگیا کہ مرغیاں آرام کر رہی ہیں۔ اس نے فوراً تالی بجائی۔ تو مرغیاں چونک گئیں اور آنکھیں کھول کر بھاگنے لگیں اور ان کی دونوں ٹانگیں نظر آنے لگیں۔ حاکم نے آنکھیں نکال کر

ملّا سے پوچھا "یہ کیا ہے؟ اب بولو!" تو ملّا نے آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے جواب دیا "پھر تو غلطی آپ ہی کی ہے حضور والا" حاکم نے حیران ہوکر پوچھا "وہ کیسے؟" ملّا نے کہا "آپ نے میرے پیش کیے ہوئے مرغ کے سامنے ایسے ہی تالی بجائی ہوتی تو دوسری ٹانگ حاضر ہو جاتی" اور خوان اٹھا کر تیزی سے باہر نکل گئے اور حاکم دروازے کی طرف احمقوں کی طرح تکتا رہ گیا۔

آمنہ شبیر احمد گھر نمبر ۹۰۴ اسلامپورہ مالیگاؤں ناسک

گستاخ پتّے

بعض لوگ سوچتے ہیں کہ درخت اور جانور کتنے بے جان اور فضول ہیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کو انھیں پیدا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ لیکن حقیقت میں درخت پر بھی ایک دنیا آباد ہے۔ درخت کے پتّوں اور تنے کی مثال بھی انسانوں جیسی ہے۔ جب تک تنا ہرا بھرا تر و تازہ اور پھولوں سے لدا ہوتا ہے اس وقت تک پتّے بھی اس کا ساتھ دیتے ہیں۔ لیکن جیسے ہی خزاں کا موسم آتا ہے تو پتّے اسے تنہا چھوڑ کر فرار ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اس کی سزا انھیں بہت سخت ملتی ہے۔ گستاخ پتّوں کو پیروں تلے روند دیا جاتا ہے۔

سائنسی ترقی

آج کا دور سائنس کا دور ہے۔ انسان اب ہر شے کو سائنسی نظر سے دیکھتا ہے مگر وہ خواہ کتنا ہی ترقی یافتہ ہو جائے قدرت کے کاموں میں دخل اندازی نہیں کر سکتا۔ ذرا سوچیے! انسان نے کتنی ترقی کی ہے۔ طیارے، میزائل اور ایٹمی ہتھیار تیار کر لیے ہیں، کئی خطرناک بیماریوں کے علاج دریافت کر لیا ہیں۔ انسان چاند پر قدم رکھ چکا ہے۔ سورج سے شمسی توانائی حاصل کرنے میں مصروف ہے۔ خلاؤں کو کھنگال رہا ہے، سمندروں میں کھوج لگا رہا ہے کتنے عظیم کام ہیں یہ! لیکن کیا انسان ایک درخت کی چھوٹی سی شاخ بنا سکتا ہے؟ کیا ٹوٹے ہوئے پتے کو دوبارہ جوڑ سکتا ہے؟ نہیں۔ نہیں انسان ابھی تک اتنی ترقی نہیں کر سکا کہ وہ قدرت کے کاموں میں دخل دینے لگے۔

ذاکرہ بنت عبدالرؤف عرب، گونڈی، بمبئی ۲۴

جہنّم کے طبقے

۱۔ ہاویہ ۔ اس طبقے میں منافقین۔ آل فرعون اور اصحاب مائدہ رکھے جائیں گے۔

۲۔ لظٰی ۔ اس طبقے میں مجوسی ابلیس اور اس کے پیروی کرنے والے رکھے جائیں گے۔

۳۔ حطمہ ۔ اس طبقے میں یہودی رکھے جائیں گے۔

۴۔ سقر ۔ اس طبقے میں نصاریٰ رکھے جائیں گے

۵۔ سعیر ۔ اس طبقے میں صابئین (ستارہ پرست) رکھے جائیں گے۔

۶۔ جحیم ۔ اس طبقے میں مشرکین رکھے جائیں گے

۷۔ جہنّم ۔ اس طبقے میں اُمّتِ مرحومہ کے مرتکبین کبائر چند دنوں کے رکھے جائیں گے۔

محمد کلیم الدین، عثمان بن عفان جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

طالب علم کا قصہ

ایک طالب علم جس کا نام لطیف تھا کسی دکان پر رات کے وقت چراغ کی روشنی میں دینی کتاب دیکھ رہا تھا کہ اتنے میں بادشاہ کا جلوس نکلا۔ جلوس میں مشعلیں روشن تھیں یہ طالب علم ان مشعلوں کے پیچھے پیچھے کتاب دیکھتے ہوئے چلے گئے۔ جب سواری شاہی محل کے نزدیک پہنچی تو یہ طالب علم بھی ساتھ ساتھ جانے لگے شاہی ملازموں نے چاہا کہ روک دیں لیکن بادشاہ نے اشارے سے منع کر دیا کہ دیکھوں تو سہی کہاں تک جاتا ہے۔ آخر کار یہ طالب علم مطالعہ کرتے کرتے ان مشعلوں کے پیچھے پیچھے محل کے اندر پہنچ گئے اور وہاں بھی برابر کتاب کا مطالعہ کرتے رہے جب مطالعہ ختم کر چکے تو نظر اٹھا کر دیکھا کہ میں شاہی محل کے اندر ہوں اور بادشاہ بھی موجود ہیں۔ بہت گھبرائے۔ دیکھیے اب کیا ہوتا ہے بلا اجازت شاہی محل میں گھس جانا کوئی معمولی بات نہیں یہ دیکھ کر بادشاہ نے کہا مولوی صاحب گھبرائیے نہیں بلکہ اگر آپ کا کوئی کام ہو تو بیان کیجیے جو کچھ آپ فرمائیں گے اس کو ہم پورا کریں گے۔ لطیف نے کہا کہ جناب مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں البتہ تیل نہ ہونے کی وجہ سے مطالعہ کرنے میں مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے بنیے کی دکان پر جا کر اس کے چراغ کی روشنی میں مطالعہ کر لیتا ہوں اور بعض دفعہ وہ جلدی دکان بند کر دیتا ہے اور میرا مطالعہ باقی رہ جاتا تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ آپ مہربانی فرما کر بنیے سے فرمائیں کہ وہ مجھے مطالعہ کے لیے تیل دے دیا کرے۔

وہ تھے پرانے زمانے کے طالب علم مگر آج کل کے طالب علموں کو دیکھا جائے بجائے دینی

"امی نے طاہر کو لیٹے دیکھ کر پوچھا، تمہارے امتحان شروع ہونے والے ہیں اور تم ہو کہ رات دن سوتے رہتے ہو۔"

طاہر نے جواب دیا: "امی! ماسٹر صاحب نے کہا تھا کہ تم اس وقت ہی پاس ہو سکتے ہو جب دن رات ایک کر دو۔"

کتابوں کے مطالعہ کرنے کے ناول، جیاسنک ، الزام اور دیگر کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور فلم دیکھنے میں سب سے آگے رہتے ہیں بھلا بتاؤ جب یہ ایسا کرتے ہیں تو ان کی قوم کیا کرے گی ان طالب علموں کو چاہیے کہ چلو بھر پانی میں ڈوب کر مریں

نسیم احمد خاں گرام تھکرا پوسٹ رام نگر سلطان نگر

دو اجنبی دوستوں کی ملاقات

س: آپ کس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں؟

ج: تبلیغی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں۔

س: آپ کیا کرتے ہیں اور کون سا کھیل کھیلتے ہیں؟

ج: دین کی تعلیم حاصل کرتا ہوں اور کرکٹ کھیلتا ہوں۔

س: آپ کس مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتے ہیں؟

ج: میں مدرسہ دارالعلوم نپانی ضلع بیگام میں تعلیم حاصل کرتا ہوں۔

س: آپ آگے چل کر کیا بننا چاہتے ہیں؟

ج: میں آگے چل کر دین کا داعی بننا چاہتا ہوں۔ دعا کریں۔

س: آپ کون سا کاروبار کرنا پسند کرتے ہیں؟

ج: میں تجارت کرنا پسند کرتا ہوں۔

س: کیا آپ انگریزی اور کوئی زبان جانتے ہیں؟

ج: بفضل تعالیٰ میں عربی۔ اردو۔ انگریزی اور کنڑی وغیرہ زبانیں جانتا ہوں۔

س: آپ کون سے صحابی جیسے زندگی گزارنا چاہتے ہیں؟

ج: میں حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔

س: آپ کس شہر کے رہنے والے ہیں اور آپ کے شہر کی کتنی آبادی ہے؟

ج: میں شہر ہبلی کرناٹک کا رہنے والا ہوں، جہاں کی آبادی ۲۵ لاکھ سے زائد ہے۔

س: آپ کن کن کی کتابوں کا اور کون کون سے رسالوں کا مطالعہ کرتے ہیں؟

ج: میں اکثر مولانا ابوالحسن ندوی، اور مولانا منظور احمد نعمانی کی کتابوں کا مطالعہ کرتا ہوں اور اکثر "پیام تعلیم" کا مطالعہ کرتا ہوں۔ کبھی کبھار نور، الفرقان رسالوں کا بھی مطالعہ کرتا ہوں۔

س: کیا آپ پاکستانی ٹیم کو زیادہ پسند کرتے ہیں یا ہندستانی ٹیم کو؟

ج: نہیں میں پاکستانی ٹیم کو زیادہ پسند نہیں کرتا۔ بلکہ ہندستانی ٹیم کے کپتان محمد اظہر الدین کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔

س: آپ کی جماعت میں کتنے ساتھی ہیں؟

ج: بس ایک درجن۔

س: آپ نے کن کن ریاستوں کا سفر کیا؟

ج: میں نے کرناٹک، مہاراشٹر، اترپردیش ہریانہ، دہلی، راجستھان، کیرالہ وغیرہ کا سفر کیا ہے۔

س: آپ نے دہلی میں کون کون سی عمارتوں کی سیر و تفریح کی؟

ج: میں نے قطب مینار، لال قلعہ، جامع مسجد مقبرہ ہمایوں وغیرہ کی سیر کی ہے۔

س: ہبلی میں ایسی کون سی چیز ہے جو دیکھی جاسکے؟

ج: خود ہبلی شہر ہی ایسی چیز ہے جو دیکھی جاسکے۔

س: میں آپ کا اسم گرامی تو پوچھنا ہی بھول گیا۔

ج: میرا نام فخر الدین ہے۔ مگر آپ بھی تو اپنا نام بتائیے اور یہ بتائیے کہ آپ کس شہر کے رہنے والے ہیں؟

ج: میرا نام بندہ نواز ہے۔ میں شہر بیجاپور کا رہنے والا ہوں جو کرناٹک میں بہت مشہور ہے۔

پتہ یہ ہے
فخر الدین ہبلی، مدرسہ دارالعلوم نپانی انعام آباد، بیلگام

چغل خوری

• چغل خوری سخت عیب ہے کبھی کبھی اس سے بڑا فتنہ فساد برپا ہوجاتا ہے۔ لوگوں کو ناحق تکلیف اور نقصان پہنچتا ہے۔ چغل خور کی قلعی کھل جاتی ہے تو اس کے بعد بہت ندامت اٹھانی پڑتی ہے۔

• چغل خوری یہ ہی نہیں کہ ایک کی بات دوسرے سے لگادی بلکہ کسی شخص کا کوئی کام ہو جس کو ظاہر کرنے سے دل کو تکلیف پہنچے اس کا ظاہر کرنا بھی چغل خوری ہے۔ ہاتھ یا آنکھ سے اشارے اور لکھنے سے بھی ہوسکتی ہے۔

• اگر آپ جانتے ہوں کہ فلاں شخص چغل خور ہے تو اس کا عیب اور لوگوں کے سامنے بیان مت کیجیے اگر آپ بیان کریں گے تو اس طرح آپ بھی چغل خور بن جائیں گے۔

عذرا تبسم ہاشمی، ملکاپور ستی، موہن پورہ، ضلع بلڈانہ

ہماری گوٹ

جیسا کہ عموماً ہمیں ہندستان کے مختلف حصوں میں دیکھنے کو ملتا ہے کہ جب کبھی بھی ہم عمر و ہم عصر لوگ آپس میں ملتے ہیں تو ان میں مل جل کر کھانے پینے کا پروگرام بن جاتا ہے۔ اسے ہی ہم گوٹ کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ گوٹ غربا و امرا سبھی میں ہوتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ ہم اپنے بزرگوں سے سنا کرتے ہیں کہ ساتھ بیٹھ کر کھانے پینے سے اخلاق و مروت و محبت میں اضافہ ہوتا ہے "بس یہ سوچ کر بھی کئی لوگ گوٹ کا اہتمام کرتے ہیں۔ گوٹیں گذشتہ وقت کی یاد دلاتی رہتی ہیں جس کے باعث لوگ اپنی گذشتہ زندگی کو یاد رکھتے ہیں۔

بڑے بوڑھوں سے سُنا ہے کہ "جب گیدڑ کی موت آتی ہے تو وہ شہر کی جانب بھاگتا ہے" بس یوں سمجھ لیجیے کہ جب ہماری شامت آئی تو ہم بھی پٹواری صاحب سے برسبیل تذکرہ کہہ بیٹھے کہ پٹواری صاحب! کئی مہینے ہو گئے آپ نے کوئی گوٹ کا پروگرام نہیں بنایا۔

پٹواری صاحب بھی شاید ہمارے کہنے کے ہی منتظر تھے، کہنے لگے "ارے تو بھئی کیجیے گا نا گوٹ، ہم نے کہاں آپ کو منع کر دیا۔ جلدی سے حساب لگائیے اور ہم سے روپے لیجیے" چنانچہ جناب ہم نے حساب لگایا اور اپنے حصّے میں آنے والے روپے جلدی سے پٹواری صاحب کی جانب بڑھا دیے۔ پٹواری صاحب نے روپے گنے، اور اپنی جانب سے ہمارے روپلوں کے مقابلے میں دو گنے زیادہ دیتے ہوئے ایک لسٹ (پرچہ) بھی ہمارے ہاتھوں میں تھما دی ہم نے کہا حضرت آپ نے زیادہ روپے کیوں دیے؟ کہنے لگے "جناب! ہم دو نہیں تین اشخاص ہیں۔ میرے بہت پوچھنے پر بھی فرمانے لگے کہ جناب یہ تیسرے شخص کو تو آپ موقع پر ہی دیکھ سکیں گے۔

غرض صاحب! میں پرچہ پر لکھی ہوئی اشیا خریدنے کے لیے چل دیا۔ دل مسرت کی چاشنی سے بھرا ہوا تھا۔ اس لیے جلدی کی وجہ سے میں نے سائکل ساتھ لے لی تھی۔ میں اپنی پرانی گوٹوں کی یادوں کو دل میں دہراتا چلا جا رہا تھا، جمعہ کا روز تھا، سفید پوشاک زیب تن کیے ہوئے تھا۔ راستے میں ہی ایک گھر میں شادی ہو رہی تھی، مجھے یقین تھا کہ وہاں ضرور بھیڑ بھاڑ ہوگی جس کے باعث مجھے سائکل کی رفتار کم کرنا پڑے گی لیکن دوسری طرف پٹواری صاحب کا خیال تھا جو بے صبری سے میرا انتظار کر رہے تھے۔ چنانچہ میں نے سائکل کی رفتار کو اور زیادہ بڑھا دیا اور جھوم جھوم کر سائکل چلانے لگا۔ یکایک میرے سامنے ایک لڑکا اپنے سر پر "اُپلے" کا بڑا سا تھال لیے ہوئے آیا۔ سائکل کی رفتار خاصا تیز تھی اور اس پر ایک دم قابو پانا ناممکن تھا لہٰذا سائکل کا اگلا پہیا بیچارے اس غریب کی دونوں ٹانگوں کے درمیان گھس گیا۔ میں نے سوچا کہ چلو جاتے جاتے ایک نیک کام کرتے چلیں، وہ غریب بھی جلد اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔

یکایک میرے خوابوں کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرا نصف بدن یعنی صرف گردن کو چھوڑ کر سارا بدن نالی کے اوپر ہے اور میری گردن نالی کے پاک و صاف پانی میں گندگی کو دھو رہی ہے۔ مجھ سے کم

ہی فاصلہ پر بہت سے لوگ کھڑے ہوئے میرے اس کارنامے کو دیکھ کر ہنس رہے ہیں اسی دوران شادی گھر کے کچھ لوگ جو مجھے اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے اب میری روح قبض کرنے والے ہیں۔ ہنسنے والوں میں سے کچھ لوگوں نے مجھے وہاں سے بھاگ جانے کو کہا۔ میں نے وہاں سے نکل جانے میں ہی عافیت سمجھی اور فوراً اپنی سائکل پر سوار ہو کر وہاں سے نکل لیا۔

بازار پہنچ کر تو مجھے عجیب حالات سے گزرنا پڑا۔ میں حلوائی کی دکان پر پہنچا اور جلدی سے اُسے ایک کلو ماوا دینے کا حکم دیا۔ حلوائی نے نہایت خوشی کے ساتھ ہمارے حکم کی تعمیل کی۔ جب ہمارے حکم تعداد سے زیادہ ہو گئے تو حلوائی جھنجھلا اٹھا اور اس نے ہمیں کچھ اس طرح دیکھا کہ جیسے وہ ہماری اصلیت کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس کی اس ہوشیاری کو دیکھ کر ہمارے ہوش اُڑنے لگے۔ ہمیں فوراً ابھی ابھی گزرے ہوئے حادثہ کی یاد آگئی اس لیے ہم وہاں سے سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور گھر آکر پٹواری صاحب کو دونوں حادثات گزرنے کا قصہ سنا دیا۔ پٹواری صاحب بھی ہم پر برس پڑے۔ ان کے جو الفاظ تھے وہ واقعی قابل ذکر تھے لیکن انھیں لکھنے کی ضرورت نہیں۔

زنفی صاحب! خالصے کے بکرے یعنی ہمارے بکرے کو گوٹ کے لیے چنا گیا اور ساری اشیا بکرے میں لے جائی گئیں۔ کھانے پکانے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ پٹواری صاحب جو کہ مٹھائیاں بنانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور خاص کر برفی بنانے میں انھیں بڑا ملکہ

حاصل تھا، اپنی پسندیدہ مٹھائی یعنی برفی تیار کرنے میں مشغول تھے۔ اسٹوو فراٹے کی آواز کے ساتھ جل رہا تھا لہٰذا حضرت نے ماوا اور شکر کو کڑھاؤ میں ڈال کر اسے اسٹوو کے اوپر رکھ دیا۔ میں غریب برفی بنانے کے متعلق کچھ نہیں جانتا تھا لہٰذا خاموش رہنا ہی ٹھیک سمجھا اور پٹواری صاحب کی کارکردگی کو دیکھتا رہا۔ اُن حضرت نے پاندان سے ایک پان نکالا اور بڑی شوخی کے انداز میں اسے اپنے کالے کالے دانتوں کے بیچ دبوچ لیا۔ ان کے پان کھانے کا انداز ایسا معلوم دیتا تھا جیسے جلتے ہوئے مُردے کو لاٹھیوں سے دبا رہے ہوں۔ آپ بڑی بے فکری کے ساتھ پاندان سے کھیلنے میں مصروف تھے۔ کڑھاؤ سے کچھ جلنے کی بو آرہی تھی۔ میں نے پوچھنا بھی چاہا لیکن نہ پوچھ سکا۔ مغرب کا وقت ہو گیا تھا لہٰذا میں نماز کے لیے چل دیا۔ میں نے سوچا کہ میں نماز پڑھ کر لوٹوں گا تو انشاء اللہ برفی تیار ہو چکی ہوگی۔ اگرچہ میں نماز پڑھنے جا رہا تھا لیکن میرا دل و دماغ گوٹ میں ہی مصروف تھا۔ الغرض بارالٰہی کے سامنے پیش ہوا اور نماز سے فارغ ہو کر گھر لوٹا تو دیکھتا کیا ہوں کہ بکرے میں کسی کے ہنسنے کا شور و غل سنائی دے رہا ہے۔ میں نے دیکھا کہ بکرے میں جناب محترم جاگیردار محمد علی خاں صاحب پٹھان تشریف رکھے ہوئے ہیں اور اس انداز میں ہنس رہے ہیں کہ جیسے کوئی گدھا اپنے بھائی کو دیکھ کر رینکتا ہے۔ میں جاگیردار صاحب کے ہنسنے کا سبب نہ جان سکا اچانک میری نگاہ کڑھاؤ میں رکھی ہوئی کتھئی (کالی) چیز پر پڑی۔

"حضرت! یہ کیا چیز ہے؟" میں نے دریافت کیا۔
"اجی حضرت! یہی تو برفی ہے۔ کبھی ہو تو جانو" پٹواری صاحب نے فرمایا۔ "میں نے برفی کھائی ہے اور دیکھی بھی ہے لیکن یہ تو عجیب سی برفی ہے" میں نے کہا۔ وہ کہنے لگے "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور ہوتے ہیں۔ ذرا کھا کر تو دیکھو برفی! انگلیاں چاٹتے رہ جاؤ گے"

ان کے کہنے پر میں نے ایک سیاہ ٹکڑا جو بقول پٹواری صاحب اعلا درجہ کی برفی بھی تھی کھالیا۔ اجی کیا کہوں! وہ برفی کیا تھی اچھا خاصا کتھا تھا جسے کھا کر پورا منہ کڑوا ہوگیا۔ جاگیر دار صاحب اب بھی ہنستے ہوئے پٹواری صاحب کا مذاق اڑا رہے تھے۔ میں کبھی پٹواری صاحب کو دیکھتا تو کبھی بگڑی ہوئی برفی کو۔ جاگیر دار صاحب کو ہنستا ہوا دیکھ کر مجھے پچھلی گوٹ یاد آگئی جب پٹواری صاحب ہنس رہے تھے۔

ہوا یوں کہ پچھلی گوٹ میں جاگیر دار صاحب نے جلیبیاں بنائی تھیں۔ اجی جلیبیاں کون کہے؟ وہ تو اے۔ بی روڈ کی مانند سیدھی بنائی گئی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لائنیں گھوڑوں کی دوڑ کے لیے بنائی گئی ہیں۔ جب انھیں تل کر باہر نکالا گیا تو وہ قابل دید تھیں یعنی اتنی کالی ہوگئی تھیں کہ انھیں دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا تھا یا پھر اگر کوئی بچہ انھیں دیکھ لیتا تو ڈر کر جان چھوڑ دیتا۔

خیر صاحب ہمارے ہی دل گردے تھے جو ان کو زبردستی دوزخ میں اُتارا۔ اُتار تو گلے سے نیچے رہے تھے لیکن وہ بچاریاں ہم گناہ گاروں سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا چاہتی تھیں۔ کافی جد و جہد کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ جو دوڑ کے لیے تیار کی ہوئی لائنیں یعنی جلیبیاں ہیں اس کے ایک ٹکڑے کو منہ میں رکھ کر روٹی کا ایک لقمہ لے لیا جائے یا پھر پانی کے ذریعہ سے جلیبی کے ٹکڑے کو گلے کے نیچے اُتار لیا جائے۔

خیر صاحب چھوڑیے جلیبی کے ذکر کو، اور اپنے اصل موضوع کی طرف آئیے۔ اب جب کہ برفی بگڑ چکی تھی تو اسے صحیح کرنا بھی ضروری تھا اس لیے ہر شخص اپنے اپنے مشورے سے نواز رہا تھا۔ ہزار منہ اور ہزار باتیں جب مشوروں کا سلسلہ اختتام پر پہنچا تو اس بات پر ہم سبھی متفق ہوئے کہ برفی کو باریک پیس لیا جائے اور اس میں تھوڑا سا دودھ ملا کر اس کی دوبارہ برفی تیار کی جائے۔ لہٰذا برفی کو سِل اور بٹے کی مدد سے باریک پیسا گیا اور اس میں دودھ ملا کر دوبارہ برفی تیار کرنے میں لگ گئے۔

خدا خدا کر کے برفی کے تیار ہونے کی خبر ملی لیکن اس مرتبہ برفی کو کچھ پتلا ہی بنایا کیونکہ اس سے پہلے جو برفی بنائی تھی وہ بہت زیادہ پک جانے کے سبب کالی اور کٹھور ہوگئی تھی۔ یوں تو وہ کہنے کو برفی تھی لیکن دیکھنے میں ایسی معلوم ہوتی تھی جیسے وہ لعوق سپستاں ہو۔ جب لعوق یعنی برفی تیار ہوگئی تو اسے چمچوں سے کھایا گیا۔ جناب کھایا کیا گیا، مجبوری میں اُتارا گیا۔ جب سیر ہو کر برفی کھا چکے تو اس کے حصے لگائے گئے۔ ہم نے اپنا حصہ ایک بڑی سی تھالی میں لے لیا اور جھٹوں کے بعد ہماری محفل اختتام پر پہنچی۔ گوٹ کی وہ رات ہمارے لیے کافی منحوس ثابت ہوئی کیونکہ اس رات ہماری بیگم صاحبہ نے ہمیں انواع و

۶۴
خوب صورت گیٹ اَپ کے ساتھ مکتبہ پیامِ تعلیم کی دیدہ زیب کتابیں
ٹھگ نے ٹھگا ٹھگ کو
الصار عبدالعلی
قیمت 4/50
جمیل کا راز
ثریا فرخ
قیمت 6/
پیار کا پنچھی
فرخندہ لودھی
قیمت 9/
چوں چوں بیگم
شفیقہ فرحت
قیمت 4/50
گلی ور کے کتین
حیرت انگیز سفر
قیمت 6/
گدھا کہانی
میرزا ادیب
قیمت 9/
تانبیل خاں
حسین حسان جامعی
قیمت 3/

س :۔ آپ کے والد کا کیا نام ہے؟
ج :۔ ان کا نام محمد مسعود صاحب ہے۔
س :۔ آپ کہاں کی رہنے والی ہیں؟
ج :۔ میں راوڑ کیلا (اڑیسہ) کی رہنے والی ہوں۔
س :۔ آپ کہاں تعلیم حاصل کر رہی ہیں؟
ج :۔ میں راوڑ کیلا ...... کالج میں زیر تعلیم ہوں۔
س :۔ آپ کے شوق کیا کیا ہیں؟
ج :۔ مجھے نئے نئے پکوان اور تعلیم حاصل کرنے کا شوق ہے۔
س :۔ آپ کے پسندیدہ رسالے اور اخبار کون کون سے ہیں؟
ج :۔ مجھے "پیام تعلیم" بہت پسند ہے اور اخبار میں "نئی دنیا" پسند ہے۔
س :۔ آپ کا پسندیدہ مضمون کون سا ہے؟
ج :۔ میرا پسندیدہ مضمون حساب اور اردو ہے۔
س :۔ آپ مستقبل میں کیا بننا چاہیں گی؟
ج :۔ میں ادیب بننا چاہتی ہوں۔
س :۔ آپ پیامی بھائی بہنوں سے کیا کہنا چاہیں گی؟
ج :۔ میں پیامی بھائی بہنوں سے یہ کہنا چاہوں گی کہ وہ پیام تعلیم کے ساتھ ساتھ تعلیم پر بھی توجہ دیں۔
س :۔ آپ کا مکمل پتا؟
ج :۔ شگفتہ یاسمین معرفت جناب محمد مسعود، نیر ایری فورغ ہوسپیٹل۔ بھٹی روڈ، راوڑ کیلا، ضلع سندر گڑھ، (اڑیسہ)

خیالی پلاؤ

شیخ چلی ایک مشہور آدمی گزرا ہے جس کی بیوقوفی کی کہانی بہت سے تم نے بھی سنی ہوں گی۔ ایک دن شیخ چلی بازار میں جا رہا تھا کسی سپاہی نے تیل کا کُپّا خریدا اور اسے بلا کر کہا "اے میاں یہ کُپّا یہاں سے اُٹھا کر میرے گھر تک لے چلو، دو آنے مزدوری دوں گا۔"

شیخ چلی نے "بہت اچھا" کہہ کر کپّا سر پہ اٹھا لیا اور خیالی پلاؤ پکانا شروع کر دیا کہ یہ دو آنے ملیں گے، تو ایک مرغی خریدوں گا اور پھر اس کے انڈوں سے بہت سے بچے نکلیں گے پھر انھیں بیچ کر ایک بکری لے لوں گا۔ اس کے بچے بڑھتے بڑھتے بہت بڑے ہو جائیں گے انھیں بیچ کر ایک بھینس لے لوں گا۔ بھینس کو بیچ کر کچھ زمین خرید لوں گا۔ اتنے میں شادی ہو جائے گی۔ اور بال بچے بھی پیدا ہو جائیں گے میں جب بھینس کے لیے چارہ لے کر کھیت سے آؤں گا تو بال بچے میرے ٹانگوں سے چمٹ جائیں گے کہ ابّا آئے! ابّا آئے! میں جھڑک کر "ہٹو ہٹو" کہتا ہوا گٹھا زمین پر پٹک دوں گا۔ یہ خیال آتے ہی شیخ نے تیل کے کپّے کو چارے کا گٹھا سمجھ کر زمین پر دے مارا، سارا تیل بکھر گیا۔

تیل کے مالک نے کہا "ارے نالائق کیا بھنگ پیے ہوئے ہو کہ دس روپے کا تیل گرا کر سب خاک میں ملا دیا۔"

شیخ نے جواب دیا۔ "تم تو دس ہی روپے

یہ اس زمانے کی بات ہے جب شہر میں دو منزلہ بسیں چلا کرتی تھیں۔ ایک شخص نیچے کی منزل پر سوار ہوا تو ڈرائیور نے کہا، نیچے جگہ نہیں ہے اوپر چلے جائیں۔ وہ شخص اوپر چلا گیا مگر تھوڑی دیر میں واپس آ کر نیچے ڈرائیور سے غصّے میں کہنے لگا "تم مجھے مروانا چاہتے ہو۔ اوپر تو کوئی ڈرائیور ہی نہیں ہے۔"

لڑکا : بابا، آپ ایک وقت میں کتنی روٹیاں کھا سکتے ہیں؟
بابا : میں ایک وقت میں پونے اکیس روٹیاں کھا سکتا ہوں۔
لڑکا : آپ پوری اکیس روٹیاں کیوں نہیں کھا سکتے؟
بابا : کیا تم نے مجھے بیٹو سمجھ رکھا ہے؟

کو روتے ہو، میرا تو سارا کنبہ کا کنبہ غارت ہوگیا۔

مطلوب رضا، ابوالفضل اینکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

آیت الکرسی کی فضیلت

رحمت اللعالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ آیت الکرسی تمام قرآنی آیتوں کی سردار ہے اور سورۂ بقر میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت، آیت الکرسی ہے۔ ایک بار پڑھنے سے ایک چوتھائی قرآن شریف پڑھنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس عظیم آیت کو پڑھنے سے شیاطین و جنات اور آسیب کے اثرات سے حفاظت، چوروں اور ڈاکوؤں سے نگہبانی، فقر و فاقہ سے نجات اور آتشزدگی سے بچاو ہوتا ہے۔

طلحہ نقشبندی القادری، بالاپور، ضلع آکولہ

گفتگو کا سلیقہ

ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید نے خواب میں دیکھا کہ میرے سارے دانت ٹوٹ کر گر گئے ہیں۔ صبح ہوئی تو عالموں کو بلا کر تعبیر معلوم کی۔ ایک عالم نے کہا کہ اکثر عزیز آپ کے سامنے انتقال فرما جائیں گے۔ یہ بات خلیفہ ہارون کو اتنی ناگوار گزری کہ اس شخص کو اسی وقت دربار سے نکلوا دیا پھر دوسرے سے پوچھا، اور جواب سے ناخوش ہوکر یہی سلوک کیا۔ آخر ایک موقع شناس درباری نے عرض کی، جہاں پناہ حضور کا خواب بہت مبارک ہے جس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اتنی لمبی عمر عطا فرمائے گا کہ آپ کے جیتے جی شاہی خاندان میں شادی اور غم کی اکثر رسمیں انجام پائیں گی۔

دانا کے اس جواب سے خوش ہوکر ہارون نے انعام دے کر فرمایا کہ میں خوب سمجھتا ہوں کہ مطلب سب کا ایک ہی ہے مگر بیان کرنے کا ڈھنگ جدا جدا ہے۔ آخری درباری کو گفتگو کرنے کا سلیقہ ہے جو پہلوں میں نہیں۔ اسی لیے وہ انعام سے محروم ہے۔

لالچ کا انجام

جمیل ایک لالچی آدمی تھا۔ ہر وقت یہ ہی سوچتا رہتا کہ دولت کس طرح ملے۔ وہ بہت ہی سست اور کاہل تھا۔

ایک مرتبہ وہ اپنے گھر کے آنگن میں بیٹھا تھا کہ ایک بڑھیا اُدھر سے گزری۔ جمیل کو دیکھ کر بڑھیا اس کے پاس آ گئی اور اس سے کہا۔ "بیٹا جمیل میں تم کو مالدار بنا دوں گی۔ یہ دیکھو جھولی اس میں کچھ بیش بہا ہیرے و جواہرات ہیں تم ان میں سے ایک ہیرا نکالو، مگر ایک شرط پر۔ جمیل نے کہا جلدی بتاؤ وہ شرط کیا ہے۔ بڑھیا نے کہا تم ایک ہی منٹ میں ہیرا نکالو گے۔ جمیل نے کہا مجھے منظور ہے۔ اب بڑھیا نے اپنی جھولی کھول کر

اس کے سامنے رکھ دی۔ جمیل نے جھولی میں
ہاتھ ڈالا تو ایک بہت ہی قیمتی و خوبصورت
ہیرا نکلا۔ جمیل نے دل ہی دل میں سوچا ابھی تو
دس سیکنڈ ہوئے ہیں اور پچاس سیکنڈ باقی ہے
اور بڑا لے لوں گا۔ پھر اس میں ہاتھ ڈالا تو اس
سے تھوڑا بڑا نکلا۔ جمیل کے دل میں لالچ پیدا ہوئی
اس نے اور بڑا نکالا، پھر اور بڑا۔ اسے پتا بھی
نہ چلا کہ ایک منٹ ہو چکا ہے۔ بڑھیا نے بڑھ
کر جھولی اٹھا لی اور کہا "بیٹا تم نے لالچ کی،
اس لیے تم کو ایک بھی ہیرا نہیں ملا، اگر تم پہلا
ہی ہیرا لے لیتے تو تم زندگی بھر آرام کرتے مگر
تم نے لالچ کی جس کی سزا تمھیں مل چکی ہے۔ یہ کہہ
کر بڑھیا غائب ہو گئی۔ جمیل کو بہت افسوس ہوا
اور بہت شرمندہ ہوا، اور اس نے عہد کیا کہ
کبھی لالچ نہیں کرے گا۔

عرفان احمد، کمال پورہ، مالیگاؤں۔

فیّاضی

ایک دن حضرت ابراہیم علیہ السلام راستے
سے گزر رہے تھے۔ معمول کے مطابق ساتھ
کھانا کھانے کے لیے ایک بھوکے شخص کو دعوت
دی اور اپنے گھر لے آئے۔ کھانے سے فارغ
ہوئے تو ان کو بہت غصہ آیا کہ اس شخص نے
خدا کا شکر ادا نہیں کیا اور انھوں نے فیصلہ
کیا کہ اس شخص کو کبھی کھانے کے لیے نہیں
بلائیں گے۔ کہ غیب سے اللہ تعالیٰ کی آواز
آئی۔ اے ابراہیم تم نے ایک بار کھانا کھلا کر
اس ناشکرے شخص کو کبھی کھانا نہ کھلانے کا
عہد کر لیا لیکن میری فیاضی تو دیکھ کہ اس
نے زندگی میں کبھی میرا شکر ادا نہ کیا لیکن
پھر بھی میں اسے ابھی تک رزق دے رہا ہوں۔

مشہود، شرفو کرانہ دکان، رابوڑی، تھانہ

ریل گاڑی کے ایک ڈبے میں بہت
رش تھا۔ ایک مسافر پلیٹ فارم پر ڈبے
کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے جگہ تلاش
کر رہا تھا، مگر جگہ کہاں ملتی، اندر قیامت
کا منظر تھا۔ مسافر بد دل ہوا اور اندر بیٹھے
ہوئے مسافروں پر طنز کرتے ہوئے پوچھا
"کیا جہنم میں سارے جانور ٹھونسے جا چکے
ہیں؟"
"جی ہاں، صرف ایک گدھے کی گنجائش
باقی ہے۔"

ذکر الٰہی کی فضیلت

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے
میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں،
جیسا گمان وہ میرے متعلق رکھتا ہے میں اس
کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا
ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں چنانچہ
اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی
اپنی تنہائی میں اسے یاد کرتا ہوں۔ اور اگر وہ کسی
مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں بھی اس کے
مجمع سے بہتر مجمع (فرشتوں کے مجمع میں) اس کا
ذکر کرتا ہوں۔

بلکہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اللہ
رب العزت کے کچھ فرشتے اس کام پر مامور
ہیں کہ راہوں میں گھوم کر اللہ کے ذکر کو تلاش
کرتے رہتے ہیں پس جب وہ کسی جماعت کو
اللہ جل شانہ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو

● ایک پاگل خانے میں نیا ڈاکٹر معائنہ کر رہا تھا۔ ایک پاگل بولا، ڈاکٹر صاحب، آپ پچھلے ڈاکٹر سے بھلے معلوم ہوتے ہیں.
ڈاکٹر: وہ کیوں ؟
پاگل: اس لیے کہ آپ بھی ہم جیسے ہیں۔

● دکان کے مالک نے نئے ملازم سے پوچھا "تمھیں منشی نے کام سمجھا دیا ہے نا ؟" نیا ملازم بولا "جی ہاں! انھوں نے کہا ہے کہ جب آپ کو آتا دیکھوں تو فوراً ان کو جگا دوں۔"

آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف آجاؤ۔ تو وہ سب فرشتے مل کر آسمانی د: ا تک ان ذکر کرنے والوں کو اپنے بازوؤں کے سایے میں لے لیتے ہیں۔

ایک اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس شخص کی مثال جو اپنے پروردگار کا ذکر کرتا ہے، اور اس شخص کی مثال جو اپنے پروردگار کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مُردہ کی سی ہے۔

اور ایک حدیث پاک میں آیا ہے کہ جس شخص نے فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر سورج کے طلوع ہونے تک وہیں بیٹھا ذکر الٰہی میں مشغول رہا، پھر دو رکعتیں اشراق کی پڑھیں۔ پھر مسجد سے واپس آیا۔ تو اس کو ایک حج اور ایک عمرہ کی مانند اجر و ثواب ملے گا۔

ایک اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، خدا کی قسم دنیا میں کچھ لوگ نرم و گداز بستروں پر لیٹ کر بھی سونے کے بجائے ذکر خدا کیا کرتے ہیں۔ انھیں اللہ تعالیٰ جنت کے اعلا درجات میں داخل فرمائے گا۔

بلکہ نبی کریمؐ نے عبادت الٰہی پر اتنا آمادہ کیا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ تم اتنی کثرت سے ذکر اللہ تعالیٰ کیا کرو کہ لوگ تمھیں دیوانہ کہنے لگیں۔ دعا ہے کہ اللہ ربّ العزت مسلمانوں کو ذکر الٰہی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

محمود اختر، تلسیاہی، دھنوسہ، نیپال

زکوٰۃ نہ دینے کا دردناک عذاب

زکوٰۃ نہ دینے والوں کا جو بُرا انجام قیامت میں ہونے والا ہے اور جو سزا ملنے والی ہے وہ اتنی سخت ہے کہ اس عذاب کو سننے سے ہمارے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل گھبرانے لگتا ہے۔

اور جو لوگ سونا چاندی (یعنی مال و دولت) جمع کر کے رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے اور جو زکوٰۃ فرض ہے اس کو ادا نہیں کرتے ہیں۔

"اے رسولؐ! تم انھیں عذاب کے متعلق خبر سنا دو جس دن کہ تپایا جائے گا اس مال و دولت کو جہنم کی آگ میں اور داغی جائیں گی ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں اور کہا جائے گا جس مال کو جمع کیا اس مال و دولت کا مزہ چکھو جس کو تم نے جوڑ کر رکھا ہے۔

اس سلسلے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے کہ جس شخص کے پاس سونا چاندی ہو اور زکوۃ وغیرہ ادا نہ کرتا ہو، تو قیامت کے دن اس کے لیے آگ کی تختیاں تیار کی جائیں گی، پھر اس مال کو تپا کر اس شخص کو داغا جائے گا اور روز قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا اور وہ

مدت پچاس ہزار سال کی ہوگی، تو وہ شخص پچاس ہزار سال تک اس عذاب میں مبتلا رہے گا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

محمد شمیم الدین بھاگلپوری متعلم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ

حضرت عمر فاروقؓ کی رحم دلی

عروہ بن زبیرؓ سے روایت ہے کہ ایک روز کلاب بن امیہ بن الاسکری نے حضرت عمرؓ سے فوج میں بھرتی ہونے کی درخواست کی، انھوں نے ایک پلٹن میں داخل کرلیا جو حضرت ابوموسیٰؓ کی سپہ سالاری میں عراق کے میدان کی طرف کوچ کر رہی تھی۔ کلابؓ کا باپ ایک کہن سالہ مرد بیمار تھا۔ چند دن ہوگئے تو باپ تاب مفارقت نہ لاسکا، وہ لکڑی ٹیکتا ہوا ایک آدمی کی رہنمائی میں حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ وہ اس وقت مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے۔ اس نے ایک دردانگیز قصیدہ پڑھا جس کے بعض شعروں کا مطلب یہ تھا۔ اے ملامت گر تو نے میری قدر پہچانے بغیر ملامت کی۔ تجھے معلوم نہیں کہ میں آج کل مصیبت میں مبتلا ہوں، اگر تو نے ملامت کی ٹھانی ہے تو خدارا میرے بچے کو عراق پہنچنے سے پہلے واپس کر دے۔

تجھے معلوم ہے میرا بیٹا کس قدر بہادر اور شجاع ہے۔ وہ ہر مصیبت کے وقت میرے کام آتا ہے۔ میرا اچھا خدمت گزار ہے۔ اس کی بہادری کا یہ عالم ہے کہ میدان جنگ میں ثبات بن کر دشمن سے لڑتا ہے۔ تمھارے باپ کی قسم، تم نے میرے غم کا اندازہ نہیں کیا اور تم کو معلوم ہے کہ مجھے تم سے کس قدر محبت اور

ایک خاتون بہت ہی پستہ قد تھیں اور انھیں اس کا شدید احساس تھا۔ ایک مرتبہ وہ ایک پارٹی میں شریک ہوئیں تو قد اونچا کرنے کے لیے اونچی ایڑی کے سینڈل پہنی اور بالوں کی چوٹی بھی اس انداز سے گوندھی کہ قد اونچا دکھائی دے۔ پارٹی میں ایک شوخ لڑکی نے ان کی اس کوشش کو بھانپ لیا اور ایک شریر مسکراہٹ کے ساتھ ان سے کہنے لگی: "محترمہ، آپ نے تو اپنا قد اونچا کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا ہے۔"

اشتیاق ہے۔

مجھ کو اپنے لخت جگر کے مفقود ہوجانے کا صدمہ اس قدر پہنچا ہے کہ اگر میرا جگر پھٹنے پر قادر ہوسکے تو پاش پاش ہوجائے۔ میں خدا کے سامنے عمر فاروقؓ کا دامن پکڑوں گا جس کے گھر بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے حاجی عرفات کے بساط نامی پہاڑ تک جاتے ہیں۔ میں خدا سے کہوں گا کہ فاروقؓ نے میرے جگر گوشے کو میدانِ جنگ سے واپس نہیں کیا اور ہمارے قبیلے کے ان دو شخصوں کے سامنے پیش نہیں کیا جن کے سردار زواق ہے۔

یہ قصیدہ سوزِ حرماں کی منہ بولتی تصویر تھا۔ حسرت، تمنا، بے چارگی اور مہجوری کا اظہار ہو رہا تھا۔ یہ قصیدہ سن کر خود حضرت عمر فاروقؓ پر گریہ طاری ہوگیا۔ امیہ کو دم دلاسا دلایا اور حضرت ابوموسیٰؓ کو حکم بھیجا کہ کلابؓ کو فوراً مدینہ بھیج دیا جائے۔ جب کلاب مدینے پہنچے، حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپؓ نے پوچھا کہ تم اپنے باپ کی کیا خدمت کرتے تھے؟

● تسنیم : یہ تمھارے رومال میں گرہ کیسی لگی ہوئی ہے؟
ندیم : میری امّی نے لگائی تھی تاکہ میں ان کا خط ڈاک خانے میں ڈالنا بھول نہ جاؤں۔
تسنیم : پھر خط ڈال دیا تم نے ؟
ندیم : نہیں، امّی مجھے خط دینا ہی بھول گئیں۔

● ایک شخص نے اپنے دوست سے ناراض ہوتے ہوئے کہا کہ تم نے میرے دشمن کو لمبی عمر کی دعا کیوں دی ؟
دوست نے کہا، تم احمق ہو، یہ بھی نہیں جانتے کہ لمبی چیز جلد ٹوٹ جاتی ہے۔

کلاب نے عرض کیا، میں ان کو کسی قسم کی تکلیف پہنچنے نہیں دیتا تھا۔ ان کو ہمیشہ راضی رکھنے کی کوشش کرتا تھا جس اونٹنی کا دودھ ان کو پلاتا تھا۔ پہلے اسے خوب کھلا پلا کر تیار کرتا۔ پھر اس کے تھن دھوتا۔ اس کے بعد دودھ نکالتا پھر ان کی خدمت میں پیش کرتا، بس یہی میری خدمت تھی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا جس طرح تم اپنے والد کو دودھ پلاتے تھے، اسی طرح آج ہمارے پاس لاؤ۔ کلاب نے اونٹنی کو خوب کھلایا پلایا اور دودھ نکالنے لگا۔ اُدھر حضرت عمرؓ نے امیہ کو بلا بھیجا۔ وہ آئے تو آپ نے مزاج پرسی کی اور کہا کوئی ضرورت ہو تو بتائیے۔

انھوں نے جواب دیا، امیر المومنین اب اگر دنیا میں میری کوئی آرزو باقی ہے تو صرف اتنی کہ ایک دفعہ مرنے سے قبل اپنے لختِ جگر سے بغل گیر ہو جاؤں۔ آپ نے نہایت نرم لہجے میں فرمایا ابو کلاب خدا نے چاہا تو تمھاری تمنا ضرور پوری ہوگی، پھر کلاب کے ہاتھ سے ٹھنڈے دودھ کا کٹورا لے کر اس کے باپ کو پیش کیا۔

امیہ نے کٹورا منہ کے پاس لے جاتے ہی کہا امیر المومنین خدا جھوٹ نہ بلائے اس برتن سے مجھے کلاب کی خوشبو آرہی ہے۔ یقیناً یہ دودھ اسی نے دوہا ہے۔ حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہو گئی۔ انھوں نے فرمایا ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔ یہ دودھ کلاب نے ہی دوہا ہے اور وہ تمھارے پاس موجود ہے۔ ہم نے اسے تمھاری خاطر واپس بلا لیا ہے۔

یہ سنتے ہی امیہ بیتاب ہو گئے۔ جلدی سے کلاب پر ٹوٹ پڑے۔ اسے سینہ سے لگا کر خوب پیار کیا۔ حاضرین بھی یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کلاب اب تم اپنے باپ کا دامن نہ چھوڑنا، یہی تمھارا جہاد ہے۔

پھر حضرت عمرؓ نے کلاب اور امیہ کے مصارف کے لیے بیت المال سے ایک رقم منظور کی اور جب تک امیہ زندہ رہا، کلاب دل و جان سے اپنے والد کی خدمت کرتا رہا۔

شمیم بانو، امرت نگر، دوار کا نمبر ۲ روم نمبر ۳۶ بمبئی ۸۶

• میں ہر ماہ آپ کا رسالہ "پیام تعلیم" کا مطالعہ کرتا ہوں۔ اس رسالہ میں کالم "میرے پسندیدہ اشعار، قلمی دوستی، آدھی ملاقات، بچوں کی کوششیں" اچھی لگیں کیونکہ اس میں بہت چھوٹی چھوٹی کہانیاں ہوتی ہیں۔ اس لیے میں بھی اس کالم میں ایک کہانی لکھنا چاہتا ہوں لیکن وہ کہانی تھوڑی بڑی ہے۔ اس لیے میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر میں وہ کہانی بھیجوں تو آپ[1] شائع کریں گے؟

[1] (نوٹ: ضرور بھجوائیے ـــ ادارہ)

محمد فیض یزدانی، بالاپور ہائی اسکول۔ درام پور، گیا بہار

• ماہِ اپریل کا شمارہ اپنی تمام خوبیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ تمام کالم پسند آئے خاص طور پر "پسندیدہ اشعار" اور اقوالِ زریں بہت پسند آئے۔ ساتھ ہی ساتھ کہانیاں بھی پسند آئیں۔

ابرار احمد قریشی، آکولہ۔

• مارچ ۹۵ء کا شمارہ اپنی پوری کرنوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ اندر پڑھا۔ تمام کہانیاں پسند آئیں۔ خاص طور پر "بچوں کی کوششیں"، "پسندیدہ اشعار"، "گُدگُدیاں"، وغیرہ بہت ہی پسند آئیں۔

عبدالصبور، جھنڈانگری، سارک انٹرپرائزز، کرشنانگر، کپلوستو، نیپال۔

• مارچ کا شمارہ ملا اس میں آدھی ملاقات میں میری پہلی بار بھیجی ہوئی تحریر کو آپ لوگوں نے شائع کیا ہے، یہ دیکھ کر خوشی سے دل جھوم اٹھا۔ امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ میری بھیجی ہوئی اور دوسروں کی بھیجی ہوئی تحریر کو شائع کرتے رہیں گے۔

محمد شیخ سکندر۔ ہرن پور ضلع (بردوان)

• عید کی خوشیوں کے ساتھ مارچ مہینے کا پیام تعلیم دستیاب ہوا۔ بچوں کی کوششیں" اور شہد کی مکھی کافی پسند آئے۔ مگر اقوالِ زریں میں اپنا نام نہ دیکھ کر کافی مایوسی ہوئی۔ میں نے کافی دن پہلے اقوالِ زریں" ارسال کیا تھا جو کہ آپ نے ابھی تک شائع نہیں کیا جس کا مجھے کافی افسوس ہے۔

فاروق آعظم عرف منا، حلیم کالج، شاہ گنج پٹنہ۔

• میں پیام تعلیم کی ایک نئی نئی قاری ہوں اس رسالہ میں مجھے سبھی عنوان پسند آئے خاص طور پر بچوں کی کوششیں، لطیفے، وغیرہ پسند آئے۔ آخر میں خدا سے یہی دعا کرتی ہوں کہ یہ رسالہ (پیام تعلیم) ہر شہر، ہر گاؤں ہر محلے اور ہر گھر میں چودھویں کے چاند کی طرح چمکے۔ آمین۔

فرزانہ انجم شیخ رحمٰن، مانک چوک، مہاراشٹر۔

• آپ کا ۲۸ فروری کا کارڈ یہاں ۱۵ مارچ کو ملا جب کہ ارسال کردہ انعامی کتب پہلے مل گئی ہیں، دلی شکریہ کتابیں بہت ہی اچھی ہیں۔

ایس فیضان الرحمٰن (کلمب)

● میں پیامِ تعلیم کا مطالعہ تقریباً دو سالوں سے کر رہی ہوں۔ میں اپنی بہن نسیم باجی کا نام دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ مجھے پیامِ تعلیم میں گدگدیاں۔ اقوالِ زریں، قلمی دوستی آدھی ملاقات اور عمدہ کہانیاں بہت پسند ہیں۔
اللہ تعالیٰ پیامِ تعلیم کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین
اشرف بانو محمد اسمٰعیل خلجی کھب چوک ایوت محل

● اپریل ۱۹۹۵ء کا شمارہ نظر نواز ہوا۔ سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس شمارہ میں خصوصاً "ڈیڈی سے کہہ دیں گے" اور لطیفے بہت پسند آئے۔
آپ نے قسط وار کہانی شروع کر کے بہت اچھا کیا۔
سمیعہ جہاں شیخ تاج الدین، ملت ہائی اسکول مہرون، جلگاؤں (مہاراشٹر)

● پیامِ تعلیم شدید انتظار کے بعد موصول ہوا۔ پیامِ تعلیم کو جس حسنِ تدبیر سے ترتیب دیا گیا ہے اس کے لیے آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ گھر میں بچے ماہنامے کو جب تک اول تا آخر پڑھ نہیں لیتے ہاتھ سے نہیں چھوڑتے ہیں۔ اس سے ماہنامہ کی مقبولیت اور جاذبیت کا پتہ چلتا ہے۔

شاہد احمد خان، قریش محلہ، املنیر مہاراشٹر

● "اگر میں اڈیٹر ہوتا" اس میں آپ نے مجھے تیسرے انعام سے نوازا۔ انعام میں آپ نے مجھے کتابیں، سند بھیجی، اور ساتھ ہی ساتھ نقد انعام بھی، آپ کا بہت بہت شکریہ۔ میں فروری کا پیامِ تعلیم خرید چکا ہوں۔ اس میں اپنا نام دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔

محمد نجیب پاشاہ۔ بی ۱۹ بنگالی بازار، کلکتہ۔

● مارچ کا تازہ شمارہ ملا۔ دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا خاص کر بچوں کی کوششیں۔ میں اپنی کہانی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

محمد نقیب الہدیٰ بگھونوی، نئی دہلی

● ماہ فروری کا پیامِ تعلیم موصول ہوا۔ "آدھی ملاقات" اور "میرے اشعارِ پسندیدہ" میں اپنا نام نہ دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی۔ دیگر کہانیاں پسند آئیں۔ انکل اس بار میرا دل نہ توڑیے گا۔

نجم الہدیٰ ثانی، ململ، مدھوبنی بہار

● ضروری یہ ہے کہ فروری کا ماہنامہ شدید انتظار کے بعد مارچ کے ۸ تاریخ کو جلوہ افروز ہوا تب جا کر کہیں اطمینان ہوا کہ چلو دیر سے ہی سہی۔ لیکن آتو گیا۔ ورنہ میں تو ناامید ہو چلا تھا۔ براہِ کرم اتنی دیر نہ کیا کریں۔ ممنون ہوں گا۔

مظفر حسین، کلکتہ ۔۷

● مارچ کے پیامِ تعلیم میں مجاہد عبدالسمیع صاحب کا پیام موصول ہوا کہ میں اپنا پورا پتا پیامِ تعلیم میں شائع کراؤں تاکہ قلمی دوستی میں سہولت ہو۔ تو میں اپنا پتا ارسال کر رہا ہوں۔

جنید اختر محمد مرتضیٰ مکان نمبر ۳۶۳ گلی نمبر ۱ نیا پورہ مدنی روڈ مالیگاؤں ۴۲۳۲۰۳

● میں آپ کا شکر گذار ہوں کہ آپ نے میرے مضامین اپنے رسالے پیامِ تعلیم میں شائع کیے۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس رسالے کو رہتی دنیا تک قائم رکھے آمین۔

ظہور اکرمی، شاذلی اسٹریٹ بھٹکل،

● مارچ ۹۵ء کا پیامِ تعلیم ستارے کی طرح چمکتا ہوا موصول ہوا۔ اپنا نام قلمی دوستی میں دیکھ کر خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آپنے میری ہمت افزائی کی میں آپ کا بہت بہت شکر گذار ہوں۔

محمد عارف سلیم۔ نالہ روڈ، راؤرکیلا،

● آپ کا ارسال کردہ مارچ ماہ کا پیامِ تعلیم ملا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ، پیامِ تعلیم میں "عیدی منے کی ڈائری،، بچوں کی کوششیں،، بہت اچھی لگیں، اس ماہ میں پہلی بار پیامِ تعلیم میں شرکت کر رہا ہوں۔

اشفاق احمد، ارشاد احمد، سلطانپور،

● پیامِ تعلیم پہلی بار اپنی بہن نسیم باجی کو پڑھتے ہوئے دیکھا۔ بہت خوشی ہوئی پڑھ کر دل میں یہ تمنا جاگ اٹھی کہ میں بھی پیامِ تعلیم کا خریدار بنوں مجھے پیامِ تعلیم میں گدگدیاں اور کہانیاں بہت پسند آئیں۔

محمد اظہر الدین خلجی ایوت محل،

● مارچ کا پیامِ تعلیم بہت انتظار کے بعد ملا اس کے سبھی مضامین نظم و دیگر تخلیقات بھی پسند آئیں۔ خاص کر منے کی ڈائری، اور پوسٹ کارڈ کی کہانی بے حد پسند آئیں،

محمد قمر الزماں۔ گیاری ارریہ۔ بہار،

● میں پیامِ تعلیم میں پہلی بار خط لکھ رہا ہوں۔ ماہ مارچ کا شمارہ ملا بے حد پسند آیا۔ خاص کر شہد کی مکھی،، "ٹھیک چار بجے"، اور بہادر جارج،، میں جناب قیصر سرمست،، سے درخواست کرتا ہوں کہ شہد کی مکھی کے بارے میں اور جانکاری حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا اسے پالتو بنایا جاسکتا ہے؟ کیسے؟ آپ اس کے بارے میں ضرور مضمون لکھیں

اظہر ربانی۔ میر بھیٹہ کشن گنج۔ بہار،

● مارچ کا ماہنامہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی۔ اس ماہنامہ میں ہمیں "عیدی" بہت پسند آیا۔

سیّد افضل نوید، منگرول پیر۔ آکولہ مہاراشٹر

● میں اور میرے دوست رحیم بکڈپو ملکاپور کے یہاں سے پیامِ تعلیم خریدتے ہیں۔ فروری کے ماہنامہ پیامِ تعلیم میں مرغ سے شتر مرغ تک، حمد باری، حق کی گواہی معلومات گدگدیاں، اقوالِ زریں وغیرہ بے حد پسند آئے ماہ دسمبر ۹۴ء میں قرآن پاک کا احترام اور ماہ فروری ۹۵ء میں دشمنوں کا ظلم اور مسلمانوں کی ہجرت شائع کرکے جو حوصلہ افزائی کی اس کا میں تہہ دل سے شکر گذار ہوں۔

سیّد عابد ملکاپور، ضلع بلڈانہ

● میں تقریباً چار سال سے پیام تعلیم کا مطالعہ کرتا آرہا ہوں۔ مارچ کا پیام تعلیم دیکھا فوراً خرید لیا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ تمام کہانیاں، اشعار، لطیفے اچھے تھے۔ خاص کر معلومات کچھ زیادہ پسند آئیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ پیام تعلیم دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین ثم آمین،

انصاری کاشف رضا،
شہنشاہ نگر، بیڑ (مہاراشٹر)

● ضروری تحریر یہ ہے کہ آج ہی اپریل کا پیام تعلیم ملا۔ کالم پسندیدہ اشعار، میں اپنا شعر دیکھ کر مسرت ہوئی۔ اس کے علاوہ "آدھی ملاقات" میں بھی اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی۔ "ہم شکل ہم راز"، کی پہلی قسط پڑھ کر بہت ہی مزہ آیا۔ اس کے علاوہ تمام مضامین بے حد دلکش ثابت ہوئے۔ اشعار تو دل میں خنجر کی طرح اتر گئے۔ لطائف بھی دل موہ لینے والے ثابت ہوئے۔ تمام قلمکار مبارک باد کے مستحق ہیں۔

عزیز الرحمٰن انصاری مکان نمبر ۵۵، روم ۲
غیبی نگر بھیونڈی ضلع تھانہ مہاراشٹر۔

● جتنے بھی پیام تعلیم پڑھنے والے لکھنے والے چھاپنے والے ہیں سب کو میری طرف سے نیا سال مبارک ہو،
حنا، منیار، کو لکی کی طرف سے بہت بہت نیا سال مبارک ہو۔

لکی۔ بردایا۔ کمتول، دربھنگہ۔

● ماہ فروری کا شمارہ ہم دست ہوا۔

ڈاکٹر عصمت جاوید کا ترجمہ کیا ہوا ترکی کا دسترخوان، سلیم جعفر کا ولیم شیکسپیر، انکھیاں بڑی نعمت ہے، بچو، شبلی نعمانی، وغیرہ مضامین بڑے معیاری اور سبق آموز ہیں۔ علاوہ ازیں دیگر تمام کالموں میں مضامین کا انتخاب انتہائی عمدہ ہے،

مجاہد مشتاق سروے،
ہائی اسکول، کھینڈ۔ رتناگیری، مہاراشٹر،

● ماہ اپریل کا پیام تعلیم اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ دستیاب ہوا۔ بڑی فرحت حاصل ہوئی۔ گھریلو الجھنوں کی وجہ سے مارچ میں پیام تعلیم نہ لے سکی، تو اب مارچ اپریل دونوں شمارے اکٹھا لے کر مطالعہ کر رہی ہوں، ہمارے لیے پیام تعلیم پرانا نہیں ہوتا۔

النظری خانم۔ اختیار پور سرسی پورنیہ بہار،

● میں اپنے محبوب رسالہ 'پیام تعلیم'، کا مطالعہ نہایت دلچسپی کے ساتھ کرتا ہوں۔ مضامین کی دلکشی و سجاوٹ نے رسالہ کو چار چاند لگا دیا اس وقت میرے پاس مارچ ۹۵ء کا شمارہ ہے۔ جناب منیر احمد راشد کی کہانی، "عیدی"، اور منے کی ڈائری، "نہایت ہی دلچسپ تھی، جہاں پورا رسالہ قابل تعریف ہے۔ وہیں ایک چیز کی کمی ہے۔ نعتیہ کلام ہوتا تو اور بھی بہتر ہوتا۔

محمد سعد اللہ اعظمی (امنت فیضی م)
مقام کھریوڈیہہ، کرہر باڑی۔ گریڈیہہ بہار،

انکل آپ سے گزارش ہے کہ رسالہ میں ہر ماہ ایک بڑی شخصیت کے بارے میں مضمون ضرور شامل کروائیں۔ ورحیرت اور معلومات عامہ کو مستقل کالم بنادیں۔

محمد فرحت عامر پانی باغ کشن گنج۔ بہار

• دسمبر کا رسالہ نظر نواز ہوا۔ پڑھ کر دل خوشیوں کا مسکن بن گیا اور دل میں قلم کاروں کی اہمیت بڑھ گئی۔ مجھے زبیدہ سلطانہ کا "بھوکا امیر" اور غزل خاں کا "نیا بادشاہ" بے حد پسند آیا یہ دونوں کہانیاں اپنے معیار پر پوری اتریں۔

عرفان احمد بزمی دیوان پورہ منگرول پیر آکولہ

• ماہ فروری ۹۵ء کا پیام تعلیم جلوہ افروز ہوا اپنا نام پاکر بے حد خوشی ہوئی۔ آپ نے ہم بچوں پر بہت بڑا احسان کیا جو اتنا اچھا رسالہ اردو زبان میں شائع کیا۔ پیام تعلیم بچوں کو ہی نہیں بلکہ بڑوں کو بھی دلچسپ معلومات دیتا ہے۔
"بچوں کی کوششیں"، میں "اُف یہ الیکشن"، "ہندو مسلم بھائی بھائی"، "فاطمہ بنت عبداللہ"، وغیرہ سبھی مضمون دلچسپ لگے۔

نازیہ کوثر، حافظ پورہ، منگرول پیر، آکولہ

• فروری ۹۵ء کا شمارہ موصول ہوا۔ ٹائٹل بہت پسند آیا۔ ولیم شیکسپیر۔ حق کی گواہی، اور مولانا شبلی نعمانی مضامین بہت پسند آئے۔ بچوں کی تخلیقات میں، ہندو مسلم بھائی بھائی، بسم اللہ کی برکت، اور دشمنوں کا ظلم، اور مسلمانوں کی ہجرت، قابل تعریف ہیں۔ بقیہ تمام کہانیاں نظمیں بہت پسند آئیں۔

پیام تعلیم کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے بس خدا کرے کہ اس میں مزید چار چاند لگ جائیں۔ اور خدا اس پیارے رسالے کو بلند ترین مقام عطا فرمائے آمین

نازاں ضیاء الرحمٰن انصاری نیا اسلام پورہ مالیگاؤں

• عابد علی خاں مرحوم انعام اوّل کی رقم مبلغ ۱۰۰/ روپے بذریعہ منی آرڈر موصول ہوئی۔ شکریہ۔

شعیب احمد فیصل۔ حیدرآباد نمبر ۸

• آپ کی روانہ کردہ رقم مبلغ ۵۰/ روپے بطور (انعام دوئم) مجھے کل ہی موصول ہوئی۔ ہمت افزائی کا بہت بہت شکریہ۔

سید امتیاز۔ رائچور۔ کرناٹک

• پیام تعلیم کا تازہ شمارہ نظروں سے گزرا۔ ہمیشہ کی طرح اچھا، اپنا، اپنا سا۔ چوہیا نے ہاتھی سے پاؤں دبوائے، اچھی کہانی تھی۔ میں انیس شاہ اور ریحانہ اعظمی کا بہت ممنون ہوں جنھوں نے ہماری کہانی "ندامت کے آنسو"، کو پسند فرمایا۔ ہمت افزائی کا بہت بہت شکریہ۔

راشد شیخ ٹیکسی مین کالونی، کرلا۔ بمبئی

• اس ماہ کا پیام تعلیم تو بہت اچھا اور قابلِ تعریف ہے۔ تمام مضامین قابل ستائش ہیں۔ خاص طور سے میرے پسندیدہ اشعار، گدگدیاں بہت پسند آئے۔ اس کالم کے ذریعے بچوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

یوسف خاں یعقوب خاں، شیر نگر مالیگاؤں

• عابد علی خاں تحریری مقابلہ میں مجھ ناچیز کے مضمون کو انعام اوّل کے مستحق قرار دینے کے لیے میں آپ کی رسمًا نہیں بلکہ صمیم قلب سے شکر گزار ہوں۔ حکم کی تعمیل میں انعام کی رقم کی رسید لکھ رہی ہوں۔

مس اختر شمیم، صدیق نگر، مشیر آباد، حیدر آباد اے پی

مارچ کا پیام تعلیم ملا۔ اپنی کہانی دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی میں آپ کی شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے پیام تعلیم میں جگہ دی۔
اپریل کا پیام تعلیم بھی دس روز بعد ملا مارچ کا تو پڑھ لیا تھا مگر امتحان کی وجہ سے اپریل کا نہ پڑھ سکی اب پڑھا ہے جس میں جو چیز پسند آئی "قلمی دوستی مردہ باد" بھی پڑھا خدا ایسی دوستی سے بچائے۔ سیریل قسط "وہ کیا راز تھا" بہت پسند آئی "عجیب و غریب ریاست" وغیرہ بھی پسند آئے۔ سائنس میں "اڑن تشتری کی حقیقت"، "سائنسداں حیران رہ گئے"، "ایڈز انسان کا قاتل"، "دنیا کی پہلی کشتی" وغیرہ بھی بہت پسند آئے۔

مومن شبینہ مختار احمد، مالیگاؤں، ناسک

ضروری تحریر یہ ہے کہ آپ کا روانہ کردہ انعام ۱۰۰ روپیے موصول ہوا۔ بہت بہت شکریہ۔
اس پرچے میں لکھا تھا تیسرا انعام ارسال ہے یہ دیکھ کر مجھے چونکنا پڑا کیوں کہ یہ دوسرا انعام ہے۔ اس سے پہلے ایک بار دادا نہرو مع سند ملی تھی اس کے بعد یہ دوسرے انعام کی شکل میں ۱۰۰ روپیے موصول ہوئے۔ یہ تیسرے انعام والی بات سمجھ میں نہیں آئی
یہ آپ کا دوسرا انعام ہے

مظفر حسین، رام لوچن اسٹریٹ، کلکتہ

اس ماہ کا پیام تعلیم بہت ہی اچھی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔ اس گلشن میں بہت ہی تازہ تازہ پھول کھلے تھے۔ تمام کہانیاں بہت پسند آئیں۔ خاص طور سے "وہ کیا راز تھا" بہت پسند آیا۔ ہر ماہ میرے بھائی مکتبہ جامعہ جاکر پیام تعلیم لاتے ہیں۔ کبھی کبھار تو دیر ہو جاتی ہے مگر جب پیام تعلیم آتا ہے تو گھر میں دھوم مچ جاتی ہے۔ پیام تعلیم تو اس چاند کی مانند ہے جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے

انصاری نازنین محمد قاسم، مدن پورہ، بمبئی

• میں نے آپ کے یہاں سے شائع ہونے والے 'پیام تعلیم' کے بہت سے شمارے پڑھے۔ یہ رسالہ مجھے بہت بہت ہی پسند ہے۔ یہ رسالہ مجھے ایک دوست نے تحفے کے طور پر پڑھنے کے لیے دیا تھا تب سے یہ رسالہ میرا پسندیدہ رسالہ بن گیا۔

پرویز لطیف۔ ڈاپولی رتنا گری

بھائی صاحب آپ کی کتابوں کی لکھائی
اور صفائی بہت اچھی لکھی ہے۔ مجھے بھی
ایک شعر یاد آیا۔

ادب سے آؤ یہاں یہ وہ مقام عظمت ہے
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

اللہ تعالیٰ لکھنے اور پڑھنے والوں
کو سلامت رکھے اور آپ کے پیام تعلیم
میں برکت عطا ہو۔ میں پنجم جماعت میں
ہوں میں اینگلو اردو ہائی اسکول میں
پڑھتا ہوں۔

نوید احمد رفیق کھوت تعلقہ کرجت رائے گڑھ

میں نے پیام تعلیم اکتوبر ۱۹۹۳ء
سے منگوانا شروع کیا ہمارے محلے میں
ایک جناب ہر ماہ پیام تعلیم لاتے ہیں
ایک دن میں نے ان سے پیام تعلیم
پڑھنے کے لیے لیا۔ پڑھتے ہی دل
خوشی سے جھوم اٹھا میں نے چاہا کہ
مجھے بھی پیام تعلیم پڑھنے کو ہر ماہ ملے
پھر میں نے ان سے یہ کہا کہ مہربانی سے
مجھے بھی پیام تعلیم لا دیا کیجیے اور جب
سے پیام تعلیم جاری ہو گیا ہے

سید جنید احمد مقام مارول ضلع جلگاؤں

ہم سب پیام تعلیم کا پابندی سے
مطالعہ کرتے ہیں یہ رسالہ ہمیں بہت
پسند ہے اور ہم اس رسالے کو ملتے
ہی پڑھ لیتے ہیں اللہ سے دعا ہے کہ اللہ
تعالیٰ آپ کے اس رسالے کو اور ترقی
دے۔

ہمارے بھائی شکیل احمد شکیل صاحب
(مالک اسلامی کتب خانہ کوثر نگر بنگلور)
کا عقد ہمشیرہ شاہدہ خاتون بنت جناب
شریف احمد صاحب کے ساتھ ۱۲/مارچ
۱۹۹۴ء کو بفضل خدا بخیر پایا۔ ہم اپنے بھائی
اور بھابی کو دلی مبارک باد دیتے ہیں
اور ان کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ
سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں
پُر مسرت ازدواجی زندگی گزارنے کی
توفیق دے۔ آمین۔

رشید احمد عمری، حافظ طفیل احمد، فرید احمد بنگلور

● ماہنامہ پیام تعلیم راقم الحروف کا یقیناً
محبوب رسالہ ہے جو ہر ماہ زیر نظر رہتا ہے
اردو صحافت کی دنیا میں آپ کا یہ رسالہ عظیم
ہے۔ راقم الحروف یوں تو اردو اخبارات و جرائد و رسائل
کا مستقل ایک قاری ہے ان میں آپ کا یہ
"پیام تعلیم" ہے۔ کافی دنوں سے دل میں یہ
تمنا تھی کہ چند سطور پر مشتمل ایک مراسلہ پیش
خدمت کروں۔ عدیم الفرصتی کی بنا پر تمنا
پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکی۔ ۱۹۹۴ء کا اختتام
۱۹۹۵ء کا آغاز ہو چکا ہے۔ سنہری موقع کو
دیکھتے ہوئے آج یہ مضمون پیش خدمت ہے
زیادہ کیا عرض کروں بندہ بصمیم قلب بارگاہ
ایزدی میں دعا گو ہے۔

**معین الدین جامعہ عربیہ مظاہر الاسلام، قصبہ
ہردواگنج، ضلع علی گڑھ۔ یوپی**

گُدگُدیا

● ایک بیوی نے اپنے شوہر سے کہا، میں کوڑا پھینکنے پچھلی گلی میں جارہی ہوں۔ ذرا میرے ساتھ آجاؤ۔ پڑوسیوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ ہم کبھی کبھی اکٹھے بھی نکلتے ہیں۔

پروین احمد بیگ صوبیدار بی۔ شری رام پور احمد نگر

● ایک فقیر دکاندار کو دس پیسے دیتے ہوئے کہتا ہے۔
فقیر : ایک ماچس دو۔
دکاندار : دس پیسے میں ماچس نہیں آتی۔
فقیر : باقی کے خیرات میں کاٹ لو۔

محمد صادق مانک چوک امرا پور ضلع بلڈانہ

● بچوں کی کلاس میں ایک مس نے پوچھا کہ ہندستان کی آبادی کتنی ہے؟ ایک چھوٹے سے بچے نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا اور کہا
دو ارب اور ایک

مس نے کہا کہ ۲ ارب تو ٹھیک ہے مگر ایک کا کیا مطلب ہے؟"
بچے نے معصومیت سے جواب دیا، مس میرا ایک چھوٹا بھائی آج ہی پیدا ہوا ہے۔

غلام دستگیر ملاں انگلی۔ بیلگام

● ایک گنجا ریل میں سفر کر رہا تھا۔ ریل میں کافی بھیڑ تھی۔ ایک نوجوان گنجے کی طرف بڑھا تو وہ گنجا بگڑ کر بولا، "کیا تم میرے سر پر بیٹھو گے۔"
نوجوان نے کہا، "نہیں جناب! کیا مجھے پھسل کر مرنا ہے۔"

ریشماں شیخ مصطفےٰ انجمن اسلام اردو اسکول نئی ممبئی

● ایک پٹھان : (گھڑی ساز سے) کیوں بھائی! اس گھڑی کی مرمت کا کیا لوگے؟
گھڑی ساز : جتنے میں یہ گھڑی تمھارے پاس آئی ہے اس سے آدھا لوں گا۔
پٹھان : منظور ہے۔ ہم نے ایک مردود کو چار گھونسے مار کر یہ گھڑی حاصل کی ہے۔ بولو دو گھونسے ابھی چاہیے یا گھڑی ٹھیک ہونے کے بعد؟

رحمانی سلیم احمد عبدالستار مالیگاؤں

● دو کاروباری حضرات آپس میں گفتگو کر رہے تھے۔
ایک نے کہا، "تمھیں معلوم ہے کہ اشتہار دینے کا نتیجہ کتنی جلدی ظاہر ہو جاتا ہے؟"
"معلوم ہے" دوسرے نے کہا۔
"پرسوں میں نے اخبار میں چوکیدار کی ضرورت کا اشتہار دیا تھا اور کل ہمارے گھر چوری ہو گئی۔"

کے رضوانہ بیگم گنتکل

● "میں نے فیصلہ کر رکھا ہے کہ مرنے کے بعد جب جنت میں جاؤں گا تو شیکسپیر سے ضرور ملوں گا اور اسے بتاؤں گا کہ دنیا میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ اس کے نام سے جو ڈرامے منسوب ہیں وہ اس نے نہیں لکھے۔"
"لیکن اگر شیکسپیر جنت میں نہ ہوا تو؟"
"اس صورت میں یہ بات تم اس تک پہنچا دینا۔"

ثاقب ظفر، غیاث نگر رانی پور، سیوان بہار

● ایک سیاح ایران آیا اور اپنے گائیڈ سے پوچھنے لگا۔ "ایرانی تابع مہمل کا استعمال اتنا زیادہ کیوں کرتے ہیں مثلاً پیرو ویرو اور شادی وادی وغیرہ۔"
گائیڈ نے نخوت سے جواب دیا۔
"ایسا تو صرف جاہل واہل کرتے ہیں"

محمد راشد ندیم ٹینکو محلہ چھپو، بہار شریف، نالندہ

● بچہ: (باپ سے) "ابو کیا ہم جہاز میں بیٹھ کر اللہ میاں کے پاس جا سکتے ہیں؟"
باپ: "ہاں بیٹا۔ بشرطیکہ ہمارا جہاز کسی دوسرے جہاز سے ٹکرا جائے۔"

محمد نوشاد عالم چکنوٹہ درگاہ بیلا، ویشالی

● دو سہیلیاں آپس میں بیٹھی خوشگوار موڈ میں باتیں کر رہی تھیں۔ ایک نے دوسری سے کہا "کاش میں وقت ہوتی؟" "بھئی دیکھو نا! تمام لوگ وقت کی کتنی قدر کرتے ہیں ہر کوئی وقت کا غلام ہوتا ہے اور وقت کسی کے ہاتھ نہیں آتا۔"
"ہونہہ" دوسری سہیلی نے منہ بنا کر کہا۔ "اگر تم وقت ہوتیں تو لوگ اپنے گھر کے دروازے بند کر لیتے۔"
"وہ کیوں بھئی؟" پہلی سہیلی نے پوچھا۔
"لوگ کہتے کہ ہٹ جاؤ بھئی دیکھو کتنا برا وقت آ رہا ہے" دوسری سہیلی نے جواب دیا۔

شبانہ بانو این آر آر روڈ آسنسول

● ایک صاحب انتقال کر گئے، رشتے داروں نے فیصلہ کیا کہ مرحوم کا ایک فوٹو بطور یادگار ہو جائے۔ چنانچہ فوٹو گرافر کو بلایا گیا۔ اس نے اپنا کیمرہ فٹ کیا۔ لاش کے چہرے سے کپڑا ہٹایا گیا فوٹو گرافر نے حسب عادت فوٹو کھینچنے سے پہلے کہا۔
"یس ریڈی پلیز۔۔۔۔ ذرا سا مسکرائیے۔"

فہد پاشا، بنگالی بازار، گارڈن ریچ کلکتہ

● ایک دفعہ ایک بوڑھا جنگل میں جا رہا تھا کہ اس کے سامنے ایک شیر آ گیا۔ شیر نے اس سے کہا۔
"آہاہاہا! میں تمھارا خون پی جاؤں گا"
بوڑھے نے جواب دیا۔ "میرا خون مت پیو۔ میرے پیچھے ایک جوان آدمی آ رہا ہے۔ اس کا خون گرم ہوگا تم اس کا خون پی لینا۔"
شیر نے جواب دیا۔ "نہیں! آج کولڈ ڈرنک پینے کا موڈ ہے۔"

جاوید اختر۔ نالہ روڈ۔ راوڑکیلا اڑیسہ

● ایک دن بیربل نے بادشاہ سے ایک گویے کی بہت تعریف کی اور کہا۔
"حضور! ایسا ستار بجانے والا آپ کی سلطنت میں دوسرا کوئی نہیں۔"
بادشاہ نے کہا۔
"ٹھیک ہے کل اسے حاضر کرو۔ کل اس کا کھانا نہیں ہوگا۔"

دوسرے دن دعوت کا انتظام تھا۔ بڑے بڑے شعراء آئے ہوئے تھے۔ بیربل بھی پہنچے۔ جب سب لوگ کھانا کھانے بیٹھے تو بادشاہ نے ستار والے کو سامنے آنے کو کہا۔

بیربل کے اشارے پر موسیقار سامنے آیا۔ خالی ہاتھ دیکھ کر بادشاہ نے کہا۔

"تمہارا ستار کہاں ہے لائے کیوں نہیں"

اس نے جواب دیا۔

حضور بیربل نے مجھے یہاں کھانے پر بلایا ہے۔ میرا ستار کھانا نہیں کھاتا۔ پھر وہ کھانے کے وقت کیوں ہوتا۔

شبانہ افروز نظام الدین دیشمکھ ایوت محل

● ایک آدمی بہت تیز بھاگا جا رہا ہے۔ اس کے پیچھے ایک دوسرا آدمی اس کو پکڑنے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ ایک راہ گیر نے دوسرے نمبر کے آدمی کو روک کر پوچھا "تم جس کو پکڑنے کے لیے بھاگ رہے ہو کیا وہ چور ہے؟" دوسرے نمبر کے آدمی نے کہا "نہیں میں اس کو اپنی غزل سنانا چاہتا ہوں"۔ اتنا سن کر راہ گیر بھی بھاگ کھڑا ہوا۔

بلال احمد سیوری اسٹریٹ۔ گوہ نور نمبر بری میل ضلع

● ایک کبابی مرغی کے کباب بیچا کرتا تھا ایک دن ایک آدمی عدالت میں گیا اور مقدمہ دائر کیا کہ کبابی مرغی کے خالص کباب نہیں بیچتا بلکہ اس میں بھینس کے گوشت کی ملاوٹ کرتا ہے۔ جج نے کبابی کو بلا کر پوچھا تم کبابوں میں کتنی ملاوٹ کرتے ہو؟ تو کبابی نے دیا کہ ففٹی ففٹی۔

جج نے پوچھا "ففٹی ففٹی سے کیا مراد ہے؟" کبابی نے جواب دیا کہ ففٹی ففٹی کا مطلب ہے کہ ایک بھینس اور ایک مرغی۔

عرفان احمد کمال پورہ، مالیگاؤں ناسک

● ایک گلوکار گانا سنانے لگا تو اس کے نقلی دانت گر گئے۔ اس نے دانت لگائے اور دوبارہ گانا شروع کر دیا۔ اس کے دانت پھر گر گئے کئی مرتبہ ایسا ہوا۔ آخر تنگ آکر لوگوں میں سے ایک نے کہا۔

"بتیسیاں ہی بدلتے رہوگے یا گانا بھی سناؤگے؟"

شاہینہ فاطمہ، چکنوٹہ، درگاہ بیلا ویشالی، بہار

● جب ننھی کی نانی ان کے ہاں آئی تو دوسرے دن ننھی نے پوچھا "نانی جان کیا آپ آرٹسٹ (فن کارہ) ہیں؟"

نانی اماں نے جواب دیا "نہیں بیٹی مگر تم یہ کیوں پوچھ رہی ہو؟"

ننھی بولی "ابو کہہ رہے تھے کہ اب بڑھیا آگئی ہے اور یہاں روز نیا ڈراما ہوا کرے گا"۔

رضوان حارث نیا پورہ مالیگاؤں ناسک

● ایک صاحب اپنے گاؤں کے میلے میں گھوم رہے تھے گھومتے گھومتے جب وہ درگاہ کی سیڑھیوں پر پہنچے تو سامنے ایک فقیر کو دیکھا۔ فقیر نے اس صاحب کو بلایا جو عمدہ کپڑے پہنے گھوم رہے تھے۔ فقیر نے کہا "میاں کچھ دو کچھ دو نا صاحب۔"

صاحب نے بڑے اچھے انداز میں مسکرا کر کہا "جناب جہاں آپ بیٹھے ہیں وہ میری جگہ ہے"۔

فرمان برزمی منگرول پیر

● ایک صاحب کافی عرصہ کے بعد اپنے گاؤں پہنچے راستے میں ان کو اپنا ملازم مل گیا۔ انھوں نے اپنے ملازم سے اپنے گھر کے حالات پوچھے تو ملازم نے جواب دیا "ویسے تو سب خیریت ہے بس آپ کا کتا مر گیا۔"

صاحب بولے "میرا کتا مر گیا؟" اسے کیا ہو گیا تھا" ملازم نے بتایا "حضور آپ کے مُردہ گھوڑے کا گوشت کھا کر کیسے زندہ رہ سکتا تھا؟" صاحب بولے "ارے میرا گھوڑا کیسے مر گیا؟" "جناب بھوک سے مر گیا" صاحب نے پوچھا "میں نے اس کے کھانے کے لیے جو پیسے بھیجے تھے، وہ کیا ہوئے؟" "وہ تو آپ کی والدہ کے کفن دفن پر خرچ ہو گئے۔" "کیا میری والدہ کا بھی انتقال ہو گیا؟"

"جی ہاں، وہ چند ماہ کے پوتے کی موت کا غم کیسے برداشت کرتیں۔" "تو کیا میرا بچہ بھی مر گیا؟" "جی سرکار! ماں کے بغیر شیر خوار بچہ کیسے زندہ رہتا۔" "تو کیا میری بیوی بھی چل بسی؟" "سرکار! جب مکان کی چھت ہی گر گئی تو وہ کیسے بچ سکتی تھی؟" "تو کیا میرے مکان کی چھت بھی گر گئی؟" "جی ہاں! باقی سب خیریت ہے۔"

رخسانہ قاسم بیگ، صوبیدار بتی وارڈ نمبر ۲ شری رام پور

● استاد: گدھے اور انسان میں کیا فرق ہے؟
شاگرد: انسان کو گدھا کہا جا سکتا ہے مگر گدھے کو انسان نہیں کہا جا سکتا۔

محمد صادق عبدالرحمٰن مانک چوک، امرداپور

● تین لڑکے آپس میں باتیں کر رہے تھے۔
پہلا لڑکا بولا: میرے ممی پاپا بہت امیر ہیں وہ مجھے دبئی سے خرید کر لائے ہیں۔
دوسرا بولا: میرے ممی پاپا بھی بہت امیر ہیں وہ مجھے بمبئی سے خرید کر لائے ہیں۔
تیسرا لڑکا خاموش رہا۔ ان دونوں کے پوچھنے پر معصومیت سے بولا: "میرے ممی پاپا بہت غریب ہیں اس لیے مجھے گھر پر ہی تیار کیا ہے!"

عبدالرحمٰن، اسلام پور ضلع بنارس، یوپی

● باپ (بیٹے سے) تم نے مرغی کے انڈے کیوں توڑے؟
بیٹا: میں نے سوچا کہ بچے دم گھٹنے سے نہ مر جائیں۔

محمد شارق اقبال خطیب پورہ، بالاپور اکولہ

● ایک صاحب قبرستان میں ایک قبر کے پاس کھڑے رو رو کر کہہ رہے تھے۔
"تم تو چلے گئے، مگر میری زندگی کو خزاں بنا گئے۔"
ایک راہ گیر نے ہمدردی سے ان سے پوچھا، "اس قبر میں آپ کا کوئی عزیز رشتے دار یا دوست دفن ہے؟"
ان صاحب نے جواب دیا "جی نہیں، یہ میری بیوی کے پہلے شوہر کی قبر ہے۔"

محمد آزاد عالم این، یو لائبریری، بوہتیا، کشن گنج بہار

● ایک دوست (دوسرے دوست سے) اگر تمھارا ایک لاکھ روپیا لاٹری میں نکل آئے تو تم کیا کرو گے؟
دوسرا دوست: اگر میرا ایک لاکھ روپیا نکل آیا تو میں خوشی سے پاگل ہو جاؤں گا اور وہ روپیا اپنے علاج پر لگاؤں گا۔

عتیق الرحمٰن چکنوٹہ، درگاہ بیلا ویشالی، بہار

ایک مالک کے تین نوکر تھے ایک کا نام تھا کھارا۔ دوسرے کا نام باسی۔ اور تیسرے کا نام مہنگا۔ ایک دن مالک کے گھر پر مہمان آئے تو گھر کے مالک نے مہمان سے پوچھا آپ پانی پئیں گے؟

مہمان:- جی ہاں۔

مالک:- (نوکر سے) کھارا، پانی لاؤ۔

مہمان:- نہیں نہیں شکریہ۔

مالک:- تو کھانا کھائیں گے؟

مہمان:- جی کھائیں گے۔

مالک:- (نوکر سے) باسی، کھانا لاؤ۔

مہمان:- نہیں نہیں، اب ہم چلتے ہیں۔

مالک:- (نوکر سے) اچھا مہنگا رکشا لاؤ۔

حافظ محمد حنیف ملا مکہ مسجد۔ سندگی

دو دوست ایک ساتھ کھڑے تھے۔

پہلا دوست: تمھیں کون سا جانور پسند ہے؟

دوسرا دوست: بلی۔

پہلا دوست: کیوں؟

دوسرا دوست: جب بلی میرا راستہ کاٹ جاتی ہے تو میری امی مجھے اسکول جانے سے منع کر دیتی ہیں۔

حیات عالم، ایف ۵ بٹلہ ہاؤس نئی دہلی ۲۵

راجو: مجھے رام کو خط بھیجنا ہے۔

رام: کہاں؟

راجو: خدا کے پاس۔

رام: تو مجھے دے دو میں آج ہی جا رہا ہوں۔

راجو: کیوں؟

رام: میں میٹرک میں فیل ہو گیا۔

فیصل انجم۔ انسان اسکول کشن گنج۔ بہار

بیٹا: ممی! پاپا ندی میں گر گئے ہیں۔

ممی: تو بیٹا اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے وہ کل صبح نل میں سے نکل آئیں گے۔

شمیم سلطانہ عذرا، لطیف بازار، نظام آباد

پہلا دوست: اگر آدھی رات کو آنکھ کھل جائے اور گھڑی بند ہو تو وقت کیسے معلوم کرو گے؟

دوسرا دوست: یہ بھی کوئی مشکل بات ہے؟ بس زور زور سے گانا شروع کر دو۔ چند ہی لمحوں میں گرجتی ہوئی آواز سنائی دے گی۔ کیا پاگل ہو گئے ہو؟ رات کے دو بجے گانے کا کون سا ٹائم ہے۔

محمد ارشد شیروانی گیٹ، مالیر کوٹلہ پنجاب

ایک شخص کی ناک بہت موٹی تھی، جبکہ اس کی مونچھیں بہت باریک اور پتلی سی تھیں جو اس کے چہرے پر بڑی عجیب سی لگتی تھیں۔ ایک صاحب نے ان سے پوچھا۔

"کیوں جناب آپ نے اتنی موٹی ناک کے نیچے اتنی باریک مونچھیں کیوں رکھی ہیں؟"

"میں اپنے استاد کی نصیحت پر عمل کرتا ہوں" اس شخص نے جواب دیا۔

ان صاحب نے بڑی حیرت سے پوچھا "کون سی نصیحت؟"

جواب ملا "استاد نے کہا تھا ہر اہم چیز کو انڈر لائن کر دیا کرو۔"

شفیق الرحمٰن کوپاگنجی۔ املو۔ مبارک پور، یو پی

اقوالِ زریں

خیالات کی جنگ میں کتابیں ہتھیار کا کام کرتی ہیں۔

کسی سے نیکی کرتے وقت بدلے کی توقع مت رکھو کیوں کہ اچھائی کا بدلہ انسان نہیں خدا دیتا ہے۔

کسی کو اپنا کہنے سے پہلے سوچ لو کیا تم اسے اپنائیت کا بھرپور احساس دلا سکو گے۔

زندگی ایک ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔

حکمت ایک درخت ہے جو دل میں اگتا ہے دماغ میں پروان چڑھتا ہے اور زبان پر پھل دیتا ہے۔

مصیبت میں گھبرانا ایک بڑی مصیبت ہے۔

آگ کی تپش جسم کو جلا دیتی ہے مگر غصہ روح کو جلا دیتا ہے۔

ناہید شیخ: واشی نئی بمبئی، سیکٹر ۲۵ بمبئی

۱۔ سب سے بڑی چیز..... خدا کا نام
۲۔ سب سے بڑا جادو..... موسیقی
۳۔ سب سے اچھا دوست..... ضمیر
۴۔ سب سے بڑا ہتھیار.... قلم
۵۔ سب سے بڑی مصیبت..... قرض
۶۔ سب سے بڑا خزانہ.... کفایت شعاری
۷۔ سب سے زیادہ خطرناک بات.... جھوٹ
۸۔ سب سے اچھی چیز... محنت
۹۔ سب سے بڑی کمزوری.... غصہ

شیخ امجد احمد: محبوب گنج ہیرالال چوک بیڑ (مہاراشٹر)

"بے بس ہے"

آنکھ	آنسو کے سامنے
دل	دماغ کے سامنے
زندگی	موت کے سامنے
انسان	قدرت کے سامنے
دن	رات کے سامنے
نفرت	محبت کے سامنے
جاہل	عالم کے سامنے

محمد ثاقب بلال احمد: بھیونڈی تھانہ، بمبئی

۱۔ دولت سے کتابیں خریدی جا سکتی ہیں لیکن دماغ نہیں۔
۲۔ دولت سے اچھی غذائیں تو مل سکتی ہیں لیکن بھوک اور خواہش نہیں۔
۳۔ دولت سے تو دوائیاں خریدی جا سکتی ہیں لیکن صحت نہیں۔

عبدالصبور انور: انسان اسکول کشن گنج (بہار)

۱۔ دنیا میں صرف انسان ہی اللہ کا ناشکر گزار ہے ورنہ ہر مرغ ایک ایک دانے کے لیے زمین پر سر جھکاتا ہے۔
۲۔ لوگ بیماری کے خوف سے غذا تو چھوڑ دیتے ہیں لیکن عذاب الٰہی کے خوف سے گناہ نہیں چھوڑتے۔
۳۔ با اخلاق لوگ گائے کے مانند ہوتے ہیں جو گھاس کھا کر دودھ دیتی ہے۔ لیکن بد اخلاق لوگ سانپ کے مانند ہوتے ہیں جو دودھ پلانے والے کو ہی ڈس لیتے ہیں۔

ظفر احمد: منگرول پیر - آکولہ

- ان تینوں کا احترام کریں۔
والدین، علماء، اساتذہ
ایک چیز جس پر ہمیشہ قابو رکھنا چاہیے۔
زبان
ایک چیز جو ہمیشہ ہماری رہنمائی کرتی ہے۔ علم
ایک چیز جو مرنے کے بعد آدمی کے ساتھ جائے گی
نیکی، بُرے اعمال
محبت قرآن کریم سے کرو جو اللہ تعالیٰ کی مقدس ترین کتاب ہے۔

ریشماں شیخ مصطفیٰ: انجمن اسلام اسکول، نئی بمبئی

- حضرت ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالمؐ نے فرمایا: چار چیزیں انبیاء اسلام کی سنت ہیں۔ (۱) حیا کرنا (۲) عطر لگانا (۳) نکاح کرنا (۴) مسواک کرنا۔

ارجمند خاتون محلہ حیدرآباد۔ آرمور

- ۱۔ مایوس شخص کے لیے ہر دن بُرا ہوتا ہے مگر خوش مزاج اور خوش دل کے لیے ہر دن عید کا دن ہوتا ہے۔
(حضرت سلیمان)
۲۔ بے وقوف کے ساتھ آزاد بیٹھنے سے بہتر ہے کہ عقل مند کے ساتھ قید خانے میں بیٹھا جائے۔
(ابوبکر بن داؤد)
۳۔ اپنے متعلق آپ کچھ نہ کہیے یہ کام آپ کے جانے کے بعد خود بخود ہو جائے گا۔ (ایڈیسن)
۴۔ جس نے قرآن سمجھا اس کے ہاتھ میں سارے علوم کی کنجی آگئی۔
۵۔ خدا تمہاری چیزوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔
۶۔ جو شخص اپنی ہستی کو پہچان لیتا ہے وہ خود بڑا عارف ہے۔

ایس۔ ایم رضا شاہ: انجمن اسلام اسکول اکبر پیر بھائی، نئی بمبئی

- مسکراہٹ زندگی کا دوسرا نام ہے۔
- مسکراہٹ دوستی کی کنجی ہے۔
- مسکراہٹ مایوس دلوں میں اُمید کی ایک کرن ہے۔
- مسکراہٹ روح کی غذا ہے۔
- مسکراہٹ دوستی اور بھائی چارگی کی علامت ہے۔
- مسکراہٹ خلوص و اخوت کے اظہار کا بہترین ذریعہ ہے۔

اصف کلاوگی: جامعہ نگر ہیون باگیواڑی، بیجاپور

- "تم اپنے بچوں کو وہ تعلیم نہ دینا جو تمہارے والدین نے بچپن میں تمہیں دی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان کے دور تک وہ حالات نہ رہیں جو تمہارے عہد میں ہیں۔ (حضرت علی کرم اللہ وجہہ)

رانی عاصمہ تبسم قریشی جنگرول پیر آکولہ (مہاراشٹر)

- ۱۔ دین کی دوستی دنیا کے نقصان کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔
۲۔ توبہ کرنا آسان ہے، لیکن گناہ چھوڑنا مشکل ہے۔
۳۔ ظالم مظلوم کی دنیا اُجاڑتا ہے اور اپنی آخرت۔
۴۔ مطالعہ مایوسی اور غم کا بہترین علاج ہے۔

محمد شاہد نواب: منظر منزل، او کے روڈ آسنسول

- کتاب جس کے پاس ہے وہ اکیلا نہیں ہے۔
- کتاب کا مطالعہ آدمی کے علم کو بڑھاتا ہے۔
- کتاب بہترین دعاؤں کا ریکارڈ ہے۔
- کتاب واقفیت کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔
- کتاب علم کا خزانہ ہے۔
- جس کا کوئی ساتھی نہیں کتاب اس کی بہترین ساتھی ہے۔

خالد حسین نیپالی: دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ

- جھوٹ رزق کو کھا جاتا ہے۔
- رشوت انصاف کو کھا جاتی ہے۔
- صدقہ بلا کو کھا جاتا ہے۔
- غیبت عمل کو کھا جاتا ہے۔
- تکبر علم کو کھا جاتا ہے۔
- توبہ گناہ کو کھا جاتی ہے۔
- غصہ عقل کو کھا جاتا ہے۔

انیس الدین زبیری : مکان نمبر ۲، رچھا، ضلع بریلی

- ۱۔ کسی کا دل توڑنا ایسا ہے جیسے کسی کو بغیر کسی وجہ کے قتل کر دیا جائے۔
- ۲۔ اگر تم کسی سے محبت نہیں کر سکتے تو کسی سے نفرت بھی مت کرو۔
- ۳۔ جانور اپنے مالک پہچانتا ہے لیکن انسان اپنے خدا کو نہیں پہچانتا۔
- ۴۔ دنیا کی عزت مال ہے اور آخرت کی عزت اعمال ہیں۔
- ۵۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے اور باپ جنت کا مرکزی دروازہ ہے۔
- ۶۔ کسی کو عیب جوئی کرتے ہوئے پاؤ تو اسے دوست مت سمجھو۔

شاذیہ بیگم : بڑا مومن پورہ ، بالا پور

- اندھیرا چاہے کتنا گہرا کیوں نہ ہو۔ روشنی کی ہلکی سی کرن اُسے فنا کر دیتی ہے۔
- جس کے دل میں برداشت کی قوت ہو وہ زندگی میں کبھی شکست سے دوچار نہیں ہوتا۔
- خوشی وہی حاصل کر سکتا ہے جو اپنی خواہشات پر قابو رکھ سکے۔
- علم، روپیا اور عہدہ سب بیکار ہیں اگر اخلاق نہ ہو۔

- ناکامی سے انسان کی قوتیں بیدار ہوتی ہیں۔
- عزت ایک انمول موتی ہے جو ایک بار ضائع ہونے کے بعد دوبارہ حاصل نہیں ہوتی۔
- دنیا کی عظیم دولت خدمتِ والدین ہے۔
- انسان کا کردار ایک ایسی مالا ہے جس کی گرہ کھل جانے سے تمام موتی بکھر جاتے ہیں۔
- تعلیم کے ساتھ عمل اور دولت کے ساتھ شرافت نہ ہو تو دونوں چیزیں بیکار ہیں۔
- آدمی تو اس دنیا سے چلا جاتا ہے لیکن جو کام وہ کر جاتا ہے وہ رہ جاتا ہے۔

محمد انصار الحق : دار العلوم احمدیہ سلفیہ ، دربھنگہ

- پڑوسی کی حد چالیس گھروں تک ہے۔
- حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔
- خاموشی بہت بڑی حکمت عملی ہے۔
- جو خود رحم نہ کرے وہ رحم کے قابل نہیں۔
- ہمیشہ سچی اور حق گو بات کہو اگرچہ ناخوشگوار اور کڑوی ہو۔

رخشندہ آفرین : آرمور، نظام آباد

ہمیشہ بچنا چاہیے

- ۱۔ جھوٹے سے، کیوں کہ وہ تم کو ہمیشہ فریب میں رکھے گا۔
- ۲۔ احمق سے جو تم کو فائدہ پہنچانے کی سعی کرے گا، مگر نقصان پہنچائے گا۔
- ۳۔ کنجوس سے جو اپنے تھوڑے نفع کی خاطر تمہارا بڑا نقصان کرے گا۔
- ۴۔ بزدل سے جو نازک وقت میں تمہیں ہلاکت میں چھوڑ دے گا۔

نفیس ایچ کرمدی نرائن پور۔ دھاروار

میرے پسندیدہ اشعار

ہوگیا جب سے آزاد یہ گلستاں
گھر کے چوہے بھی آنکھیں دکھانے لگے
ایسا بدلا چلن اس جہاں کا کہ بس
کالے کوّے بھی کاجل لگانے لگے

محمد مزمّل انصاری بڑا مومن پورہ۔ بالاپور

ہم کو مٹا سکے یہ زمانے میں دم نہیں
ہم سے زمانہ خود ہے زمانے سے ہم نہیں

ناظمہ بردایا، کمتول دربھنگہ بہار

نکھرے ہوئے گلشن میں ملاقات ہوئی تھی
تپتے ہوئے صحرا میں تجھے ڈھونڈ رہا ہوں

محمد صابر شاداب موہن پورہ ملکاپور بلڈانہ

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

احرار احمد' جھریا۔ دھنباد بہار

مجھے آتا ہے تالے ڈالنا سب کی زبانوں میں
میرا ہے رابطہ پختہ کچہری اور تھانوں میں
میری تم راہ میں آئے تو پھر یہ یاد رکھ لینا
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

نوشینہ انجم محمد اکبر۔ ایوت محل

زندگی کی راہوں میں غم بھی ساتھ چلتے ہیں
کوئی غم میں ہنستا ہے کوئی غم میں روتا ہے

صباحت زیبا قریشی، مدرتکیہ منگرول پیر آکولہ

نیند کہتی ہے بہت جاگ چکا سو بھی جا
کامرانی کا ہے اصرار کر آرام نہ کر

کفیل احمد کیفی، چھتون، کیوٹی رنوے دربھنگہ

پھر دلوں کو یاد آجائے گا پیغام سجود
پھر زمیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی

عرفان احمد کمال پورہ نشاط روڈ۔ مالیگاؤں

ڈوبی ہیں میری انگلیاں خود میرے لہو میں
یہ کانچ کے ٹکڑوں کو اٹھانے کا صلہ ہے

نکہت پروین محمد بشیر ماسٹر۔ منگرول پیر

وقت کی قدر کروگے تو سنبھل جاؤگے
وقت ہر شے سے زمانے میں بڑا ہوتا ہے

عذرا تبسم ہاشمی۔ موہن پورہ ملکاپور ستی

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا، لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

عمران احمد عتیق احمد کمال پورہ۔ مالیگاؤں

جو تو حق و صداقت کے لیے تیار ہو جائے
نگاہیں تیر بن جائیں زباں تلوار ہو جائے

ریحان احمد، کمال پورہ۔ مالیگاؤں

خدایا میری خواہشوں پر نہ جا
جو تیری رضا ہے وہی ہے بجا

نازیہ پروین، حافظ پورہ۔ منگرول پیر

خنجر جو لگا پشت میں دشمن کا تھا گماں
پیچھے پلٹ کے دیکھا تو میرا رفیق تھا

محمد جامع بصیر فاروقی جونا بازار بیڑ

جہاں ہر شخص ہو ہمدرد اور غم خوار دنیا کا
جہاں پھیلا ہوا ہو علم و فن کا ہر طرف چرچا

محمد اکبر حسین آزاد سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے

ملنہ ایمانی لگا جب بندۂ خاکی کے ہاتھ
کیوں نہ پہنچے آسمانِ ناز پر اس کا دماغ

محمد ارشد حسین سنگھرا، مدھوبنی بہار

چراغ بن کے جلے ہیں تمہاری محفل میں
وہ جن کے گھر میں کبھی روشنی نہیں ہوتی

ادریس بیگ بارسی ٹاکلی۔ ضلع آکولہ

مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے ناکامیوں پر اشک برسانا نہیں آتا

شیخ اصغر شیخ غلام قاضی نگر۔ بھنڈارہ

چار دن کی بات ہے کیا دوستی کیا دشمنی
کاٹ دو ان کو خوشی سے یار ہنستے بولتے

نزہت انجم قریشی مدارتکیہ منگرول پیر آکولہ

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام ترا دین ہے تو مصطفوی ہے

مجاہد علی خاں ۔ مالیر کوٹلہ پنجاب

دین دیا اسلام دیا
پڑھنے کو قرآن دیا

محمد شاہنواز محلہ علی نگر، مبارک پور اعظم گڑھ

جس میں موتی کی جگہ ہاتھ میں مٹی آئے
اتنی گہرائی میں جانے کی ضرورت کیا ہے
محمد اسمٰعیل مشتاق احمد۔ آزاد چوک۔ شہادہ

کوئی حسرت بھی نہیں ہوتی
کیا لے گا تجھے دعا دے کر

شہانہ پروین جگتیال

دنیا ہے چند روزہ مٹی میں ہے سمانا
سب عارضی مکاں ہیں سب کو ہے یاں سے جانا

محمد ارشد چلڈرن سرکل مالیر کوٹلہ پنجاب

جینا بھی وبال ہوگیا ہے
کیا دیش کا حال ہوگیا ہے
کس پر کرے اعتماد کوئی
پیدا یہ سوال ہوگیا ہے
تھا جس کا نام بھائی چارہ
ایک خواب و خیال ہوگیا ہے
ملنے کا دلوں کے اب طریقہ
شطرنج کی چال ہوگیا ہے
اب نیند حرام ہوگئی ہے
انسان حلال ہوگیا ہے

عشرت آر ملا ۔ بیلگام ۔ کرناٹک

ہم نے دیکھی ہے یہی رسم زمانہ اے بشیر
اینٹ پتھر سے نوازے گئے پھل دار درخت

شارب کوثر موہنیاں اررریہ بہار

جب میں نے فسادوں کی تاریخ کو دہرایا
رونق ملی آبادی، ہنستا ملا ویرانا

عبدالعلام موہنیاں پلاسی اررریہ بہار

اپنی نامرادی پر آندھیوں کو ہے حیرت
ایک چراغ بجھتا ہے سو چراغ جلتے ہیں
بختیار عالم مدرسہ فیض العلوم تھانہ طین رام پور یوپی

دنیا میں احترام کے قابل ہیں جتنے لوگ
میں سب کو مانتا ہوں مگر مصطفیٰ کے بعد
محمد سعد اللہ عظیمی، گرڈیہہ، بہار،

فقیرِ شہر کے تن پہ لباس باقی ہے
امیرِ شہر کے ارماں ابھی کہاں نکلے
محمد ثاقب آعظمی، آعظم گڈھ،

میں زخم زخم اس سے گلے مل کے کیوں ہوا
وہ دوست تھا تو صورتِ شمشیر کون تھا
غلام رسول، بالاپور،

تم ہنسو، مسکراؤ، سدا خوش رہو
ہے ہماری دعا، اس نئے سال میں
وحید الزماں، معتزل جبیاران،

یہ اہتمام چراغاں بجا سہی لیکن
سحر تو ہو نہیں سکتی دیئے جلانے سے
سہیل احمد، بھٹکل،

کیا تراشے کوئی چہروں سے حقیقت کے نقوش
لوگ افسانوی کردار لگا کرتے ہیں
عمران عالم، راور کیلا،

ادب کی بات ہے ورنہ منیرؔ سوچو تو
جو شخص سنتا ہے وہ بول بھی تو سکتا ہے
صادق جمال ارریہ (بہار)

اس لیے درد کو سینے میں چھپا رکھا ہے
جانے کس وقت کوئی غم کے فسانے مانگے
ناصح عالم ارریہ (بہار)

جدا ہوتے نہیں ایک پل بھی مجھ سے
غموں سے اس طرح کی دوستی ہے
محسن خان، بیڑ

وہ پھول تھا تو روز مہکتا تھا خواب میں
خوشبو بنا تو تیز ہوا میں بکھر گیا
حذیفہ فرزان، آکولہ

رخصت ہوا یہ سال تو محسوس یہ ہوا
ہر ماہ حسرتوں کا لہو چوستا رہا
محمد ساجد، خیار پور،

ویسے تو زندہ دل ہے مگر پھر بھی اے ندیم
ہوتا ہے ایک درد ہماری ہنسی کے ساتھ
محمد راشد آعظمی، خدا جلد پور،

دھوپ کو چھاؤں، اجالوں کو اندھیرا کہنا
ہم جو مر جائیں تو شوق سے ایسا کہنا
سرفراز (رضوان) بیلگام،

موت کی تو خبر نہیں لیکن
زندگی نے ہمیں ستایا بہت
محمد اسلم، ایوت محل،

آنسو میرے تھم جائیں تو پھر شوق سے کہنا
ایسے میں کہاں جاؤ گے برسات بہت ہے
محمد عرفان ایوت محل،

کامرانی میرے قدموں میں بچھی جاتی ہے
میرے ہمراہ کوئی ماں کی دعا ہو جیسے
شرف الدین کرانتی نگر،

کہتے ہیں ایک شخص نے کر لی ہے خودکشی
وہ انتقام لینے چلا تھا سماج سے
ایس، ایم، رضا شاہ، نئی ممبئی،

لوگ بے درد ہیں پھولوں کو مسل دیتے ہیں
ہم تو کانٹوں کو بھی نرمی سے چھوا کرتے ہیں
فیض عثمانی، النساء اسکول کشن گنج،

ڈوبی ہیں میری انگلیاں خود اپنے لہو میں
یہ کانچ کے ٹکڑوں کو اٹھانے کا صلہ ہے
عبید الرحمن، پھلواری شریف پٹنہ،

پتھر کا شہر اور تکلم کی آرزو
کس کو دکھائیں زخم، کوئی بولتا نہیں
عطیہ پروین، مبارکپور (یوپی)

نام۔ حنیف خاں یعقوب خاں
تعلیم۔ چوتھی جماعت
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا۔ دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا۔ شبیر نگر، گلی نمبر ۱ پلاٹ نمبر ۲۴ مالیگاؤں

نام۔ محمد عارف عمر ۱۸ سال
تعلیم۔ گیارھویں جماعت
مشغلہ۔ کراٹے سیکھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا۔ معرفت شیخ ہاشم، چھوٹا بازار، ملکاپور ضلع بلڈانہ

نام: کمال احمد اعظمی عمر ۱۳ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، اچھے لڑکوں سے دوستی کرنا
پتا: معرفت حکیم فیض الرحمٰن، کھریواں سرائے میر اعظم گڑھ

نام: محمد سرور عالم
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: اردو کے رسائل پڑھنا، بڑوں کی تواضع کرنا
پتا: کتابستان نیوز ایجنسی جس پور ضلع نینی تال یوپی

نام: مرزا عارف حسین عمر ۱۰ سال

تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: باندرہ پلاٹ جوگیشوری (ایسٹ) بمبئی ۶۰

نام: نوید اختر
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم دلچسپی سے پڑھنا
پتا: جامع مسجد کے پاس، ڈانگ پورہ، بیاول، جلگاؤں

نام: محمد منور عالم
مشغلہ: وقت کی قدر کرنا، وقت پر پڑھنا
پتا: معرفت محمد معین الدین شاہ، ریل پار، اوکے روڈ
آسنسول ضلع بردوان مغربی بنگال

نام: ناصح عالم عمر ۱۱ سال
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: السبیل اکیڈمی۔ الحرا بورڈنگ، ہاسپٹل روڈ
ارریہ بہار

نام: تنویر احمد انصاری عمر ۲۵ سال
تعلیم: بی ایس سی
مشغلہ: سائنسی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: مقام و پوسٹ جکھولی ضلع بارہ بنکی یوپی

نام: روشینا رفیق خاں
مشغلہ: پیام تعلیم اور اُمنگ پڑھنا
پتا: بھارت بیکری، واسا روڈ شری رام پور۔ احمد نگر

نام: عبدالرحمٰن عمر ۱۱ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا

پتا: چیریا قاضی ٹولہ ضلع مدھوبنی بہار

نام: ساجدہ تبسم - عمر آٹھ سال
تعلیم: دوسری جماعت
مشغلہ: والدین کی خدمت کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: چیریا قاضی ٹولہ ضلع مدھوبنی بہار

نام: عارفہ پروین
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: اپنے سے بڑوں کی عزت کرنا
پتا: چیریا قاضی ٹولہ ضلع مدھوبنی بہار

نام: محمد غوث عمر ۱۴ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: گھر نمبر ۲۳۲ فاروقی محلہ مین روڈ بھٹکل

نام: محمد دانش عمر ۱۰ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: بردی پور وستوارا ضلع دربھنگہ بہار

نام: زاہد عمر ۷ سال
تعلیم: دوسری جماعت
مشغلہ: ماں باپ کی خدمت کرنا
پتا: بردی پور وستوارا ضلع دربھنگہ بہار

نام: شمیہ تحسین رعنا
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت محمد فضل اللہ قریشی محلہ حسن آباد، آرمور

نام: محمد ارشاد گنگاولی عمر ۱۳ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، کبڈی کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: گھر نمبر ۵۹، شاذلی اسٹریٹ۔ بھٹکل

نام: محمد خالد رضا (ببلو)
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: جنرل نالج پڑھنا
پتا: معرفت غلام سبحانی، گھر پوسٹ مرزاپور دیاری
ضلع ارریہ۔ بہار

نام: جاوید انور عمر ۱۵ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: سماجی کام اور قلمی دوستی کرنا
پتا: ۱۱ نمبر کالونی بی/۲۹۰، انڈال، بردوان، مغربی بنگال

نام: عبداللہ مالکی عمر ۱۲ سال
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: الکتاب بک سیلر، ارریہ بہار

نام: محمد موسیٰ عمر ۱۳ سال
تعلیم: درجہ حفظ
مشغلہ: سبق یاد کرنا، آموختہ سنانا
پتا: مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور ضلع احمدنگر

نام: فصیح اظہر عمر ۱۵ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: اقبال اکیڈمی، رحمت نگر انڈال نمبر ۱۲
بردوان (مغربی بنگال)

نام: گلنار بیگم
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، نظمیں اور کہانیاں سننا
پتا: رحمت نگر، ناندیڑ

نام: مسرت بیگم
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: دین کے کاموں میں حصہ لینا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: قدیم گنج ناندیڑ

نام: عائشہ نازنین
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: درسی کتابوں کا مطالعہ کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: حیدر باغ۔ ناندیڑ

نام: رضوانہ بیگم
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: قرآن کی تلاوت کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: دیگلور ناکہ، سونی ویڈیو کے پیچھے ناندیڑ

نام: شیریں بیگم
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: رحمت نگر، ناندیڑ

نام: مہ جبیں
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: اچھی بہنوں کی تلاش، دین کی داعی
پتا: رحمت نگر۔ ناندیڑ

نام: فرحت بیگم
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: دینی معلومات حاصل کرنا، غریبوں کی مدد کرنا
پتا: قدیم گنج، ناندیڑ

نام: زینت پروین
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: فٹ بال اور کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: دیگلور ناکہ، قدوائی نگر، ٹائر بورڈ۔ ناندیڑ

نام: حفصہ طیبہ
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: صرافہ چوک، ناندیڑ

نام: محمد معروف
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: دارالخیر ۶۵ سلطان اسٹریٹ بھٹکل

نام: محمد راشد حسین عمر ۱۵ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، لوگوں کی خدمت کرنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول، دربھنگہ بہار

نام: محمد رحمت اللہ عمر ۱۵ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، غریبوں کی مدد کرنا
پتا: باڑھ سمیلا لال گنج، دربھنگہ بہار

نام: محمد ارشد حسین عمر ۸ سال
تعلیم: تیسری جماعت

مشغلہ: ماں باپ کی خدمت کرنا
پتا: باڑہ سمیلا، لال گنج دربھنگہ بہار

نام: شیخ انیس احمد شیخ مطلب عمر ۱۲ سال
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مانک چوک نمبر ۲ اپور، تعلقہ جکھلی ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

نام: صادق اختر
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: اچھے دوستوں کی تلاش
پتا: السبیل اکیڈمی، مین روڈ، ارریہ بہار

نام: شفیع اللہ عمر ۱۲ سال
تعلیم: ہائی اسکول
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: کھریواں، سرائے میر، اعظم گڑھ

نام: محمد نسیم اللہ خاں
مشغلہ: ہر شخص کو خوش دیکھنا
پتا: معرفت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل شاہ، ریل پار، او،کے روڈ، آسنسول، مغربی بنگال

نام: محمد جامعی
تعلیم: اطفال
مشغلہ: دل لگا کر پڑھنا
پتا: معرفت ایل اے سی ذکی احمد، بردی پور کنسی سمری، دربھنگہ بہار

نام: محمد راشد عمر ۱۲ سال
تعلیم: حفظ کرنا

مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، دینی کتابیں پڑھنا
پتا: مدرسہ بیت العلوم کھریواں سرائے میر، اعظم گڑھ

نام: محمد عادل عمر ۱۳ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت محمد حیدر رضا خاں، چوڑی پٹی روڈ کشن گنج بہار

نام: محمد الطاف کفیل
تعلیم: اطفال
مشغلہ: دل لگا کر پڑھنا
پتا: معرفت محمد کفیل احمد، کاوادیہہ، درگاہ بیلا۔ ویشالی، بہار

نام: امجد حسین عمر ۱۰ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول دربھنگہ بہار

نام: محمد ہدایت اللہ عارفی عمر ۔ سال
تعلیم: درجہ حفظ القرآن
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا
پتا: معرفت محمد صبغۃ اللہ عارفی ہرسنگھ پور دربھنگہ

نام: فیضان احمد عمر ۱۷ سال
تعلیم: انٹر
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا۔ خطوں کا جواب دینا
پتا: معرفت ماسٹر محمد ایثار موضع کھریواں، پوسٹ سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ یوپی

پیام تعلیم

نام: محمد فہیم الدین انصاری
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مومن پورہ، کمار گلی، اودگیر۔ لاتور

نام: ظفر رضا خاں عمر ۱۲ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت محمد حیدر رضا خاں چوڑی پٹی روڈ کشن گنج بہار

نام: محمد علیم الدین شاہ
مشغلہ: دوستی کرنا
پتا: ریل پار، او کے روڈ، آسنسول ضلع بردوان

نام: دائمی سید منہاج
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: کرکٹ، فٹ بال کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: کمار گلی، مومن پورہ اودگیر، لاتور

نام: ذوالفقار عالم عمر ۱۱ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے، دربھنگہ بہار

نام: جاوید عالم عمر ۱۰ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا۔ بڑوں کی عزّت کرنا
پتا: سمرا ؤں، دربھنگہ، بہار

نام: اقبال اختر ناداں
تعلیم: بی ایس سی۔ مشغلہ: افسانہ نگاری
پتا: جمال پور، بیرول، دربھنگہ، بہار

قرآن مجید کے بارے میں

مستند معلومات

ساجد کمالوی

عمومی تقسیم

پاروں کی تعداد : ۳۰
منزلوں کی تعداد : ۷
سورتوں کی تعداد : ۱۱۴
رکوعوں کی تعداد : ۵۵۸
آیات کی تعداد : ۶۲۳۶

منازل کی تقسیم

پہلی منزل : سورۂ فاتحہ تا سورۂ نساء
دوسری منزل : سورۂ مائدہ تا سورۂ توبہ
تیسری منزل : سورۂ یونس تا سورۂ نحل
چوتھی منزل : سورۂ بنی اسرائیل تا سورۂ فرقان
پانچویں منزل : سورۂ شعراء تا سورۂ یٰسین
چھٹی منزل : سورۂ والصّٰفّٰت تا سورۂ حجرات
ساتویں منزل : سورۂ ق تا سورۂ الناس

قرآن مجید کی مدت نزول

تقریباً ۲۲ سال ۵ ماہ ۱۴ دن

نام۔ وعظ الحق
مشغلہ۔ کرکٹ کھیلنا
پتا۔ معرفت محمد ادریس، بہاء الدین پور، پوسٹ درگاہ بیلا ضلع ویشالی۔ بہار

نام۔ گڈو　　عمر ۱۲ سال
تعلیم۔ پانچویں جماعت
مشغلہ۔ ماں باپ کی عزت کرنا بڑوں کا ادب کرنا۔

پتا۔ معرفت محمد اسرائیل، بہاء الدین پور، کاوا
پوسٹ درگاہ بیلا، ضلع ویشالی بہار

نام۔ رفعت پروین
تعلیم۔ تیسری جماعت۔ مشغلہ۔ کہانی سننا
پتا۔ معرفت ادریس، بہاء الدین پور، کاوا، پوسٹ
درگاہ بیلا ضلع ویشالی۔ بہار

نام: محمد خالد　　عمر: ۷ سال
تعلیم: ابتدائی
مشغلہ: تعلیم حاصل کرنا، کھیلنا کودنا

پتا: معرفت عبدالعزیز چھٹی بازار بڑھنی بازار
سدھارتھ نگر۔ یو۔ پی

نام: محمد ساجد　　عمر: ۵ سال
تعلیم: ابتدائی
مشغلہ: کھیلنا کودنا
پتا: معرفت عبدالعزیز چھٹی بازار، بڑھنی بازار
سدھارتھ نگر، یو۔ پی

نام: محمد رضوان قمر عرف شبن　　عمر: ۱۴ سال
تعلیم: آئی ایس سی
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، اچھی دوستی نبھانا
پتا: محلہ چھجو۔ بہار شریف، نالندہ۔ بہار

نام: محمد اسلم شیخ　　عمر: ۱۰ سال
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت محمد فاروق عطار نیکری پورہ منگرول بھیمر

نام: ابرار زبیر علی
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: تاریخی عمارتیں دیکھنا
پتا: خیالی ہاؤس، شاذلی اسٹریٹ بھٹکل

نام: محمد نعیم الدین دلکش　　عمر: ۱۴ سال
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: اچھے دوستوں کی تلاش
پتا: دارالعلوم احمدیہ سلفیہ لہریا سرائے دربھنگہ۔ بہار

نام: شمشاد عالم　　عمر: ۱۳ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: مڈل اسکول لکشمی پورہ وایا، چاکند ضلع گیا۔ بہار

نام: یاسمین خاتون
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: مڈل اسکول لکشمی پور، چاکند، گیا۔ بہار

نام: صبا پروین
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: اچھی کتابیں پڑھنا
پتا: معرفت محمد شہاب الدین، مقام و پوسٹ لکشمی پور
وایا چاکند ضلع گیا۔ بہار

نام: محمد خالد عمر: ۱۰ سال
مشغلہ: ادبی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: معرفت محمد معین الدین، محلہ بھان ٹولی
پوسٹ، سہسرام ضلع روہتاس۔ بہار

نام: ریاض احمد صدیقی
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول، لہریا سرائے دربھنگہ۔ بہار

نام: اشرف علی عمر: ۹ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: کمپیوٹر سیکھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول، لہریا سرائے دربھنگہ، بہار

"ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" ـــ سرسید احمد خاں

ماہنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دہلی ۲۵

جولائی ۱۹۹۵ء جلد ۴۳ شمارہ

بچّوں سے باتیں

پچھلے مہینے ہم نے ایک مضمون شائع کیا تھا "امّیاں کہنا نہیں مانتیں"، اس مضمون کو پڑھ کر ہماری بہت سی بیٹیوں نے لکھا۔ یہ مضمون نہیں، ہمارے دل کی آواز ہے، ہماری امّیاں بھی کہنا نہیں مانتیں۔ تیز بخار میں بھی باورچی خانے میں پہنچ جاتی ہیں اور ہمارے اسکول سے آنے سے پہلے ہی کھانا پکا کر رکھ لیتی ہیں۔ آرام کا لفظ تو جیسے ان کی لغت میں ہے ہی نہیں"، ہماری ایک بیٹی نے لکھا کہ جب ہم نے اپنی امّی کو یہ مضمون سنایا تو ہنس کر بولیں "پیام تعلیم کے اڈیٹر صاحب مرد ہیں ان کو کیا معلوم کہ گھر کے کام کاج بچّوں پر نہیں چھوڑے جاتے"۔ اب اڈیٹر انکل بتائیے میں دسویں درجے میں پڑھتی ہوں کیا اتنا بھی نہیں سمجھتی۔ اب ایک مضمون پیام تعلیم میں ہندستان کی تمام امّیوں کے خلاف لکھوائیے تاکہ کچھ تو انھیں اپنی صحت کا خیال آئے۔ آپ تو اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ امّی کا صحت مند رہنا ہمارے لیے کتنا ضروری ہے"۔ ہماری بیٹی کی بات باون تولہ، پاؤ رتّی۔ ہم واقعی اس پر غور کر رہے ہیں۔ ہماری قوم کا مستقبل ہماری پیاری بیٹیوں کے ہاتھ میں ہے ہم ہر طرح سے ان کے ساتھ ہیں مگر ماں کے قدموں کے نیچے جنّت بھی تو ہے اس کا بھی خیال رکھنا ہوگا۔

فی پرچہ 5 روپے سالانہ 40/ روپے
سرکاری اداروں سے 65/ روپے
وی پی منگانے کی صورت میں مزید ۱۰/ روپے خرچ آئے گا
غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/ روپے

اڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی ۲۵

شاخیں: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اُردو بازار، دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی ۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ۔ علی گڑھ ۲

پرنٹر، پبلشر سید ندیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

محمد انوار احمد

ننھّے میاں

کیسے پیارے ہمارے ہیں ننھّے میاں
سب کی آنکھوں کے تارے ہیں ننھّے میاں

سب کو اب تو لگے ہیں وہ پہچاننے
سب کی آواز سن کر انھیں جاننے

دور سے اب اشارے بھی کرتے ہیں وہ
کوئی دیکھے اگر اُن کو تو ہنستے ہیں وہ

یوں تو مانوس بس اپنی امّی سے ہیں
دوست لیکن فقط اپنی باجی کے ہیں

بھوک کا وقت آجائے اُن کا اگر
پھر تو رو رو کے سر پر اُٹھالیں گے گھر

چین اب تو نہ ہرگز اُنھیں آئے گا
پیٹ جب تک نہ بالکل ہی بھر جائے گا

پھر تو خود بھی ہنسیں گے ہنسائیں گے وہ
پیار سے گود میں چڑھ کے آئیں گے وہ

دیکھ کر اُن کو سب کو ہی پیار آئے گا
بن لیے کوئی ان کو نہ رہ پائے گا

اور کیا ہم دُعا اُن کے حق میں کریں
ہے دعا بس ہماری سدا خوش رہیں

کیسے پیارے ہمارے ہیں ننھّے میاں
سب کی آنکھوں کے تارے ہیں ننھّے میاں

عبداللہ خاور

امریکا میں اغوا کرنے والے گروہ نے ایک شخص کو پیغام بھیجا "اگر آپ نے دو دن میں تین ہزار ڈالر ادا نہیں کیے تو ہم آپ کی ساس کو چھوڑ جائیں گے۔

سائنسی کہانی

آدھے فرشتے، آدھے شیطان

یہ دلچسپ کہانی گویا آج سے دو ہزار سال بعد لکھی گئی ہے۔ کہانی لکھنے والے نے اپنے خیال کی اڑان کے مطابق دو ہزار سال بعد کسی سیارے کے لوگوں کی زمین کے باشندوں سے لڑائی بتائی ہے۔ اصل میں ہر انسان کا ذہن کبھی کبھی مستقبل میں ہونے والی تبدیلیوں اور ترقیوں کے بارے میں سوچتا ہے۔ بعض کہانی لکھنے والے اس سوچ کو کہانی کی شکل میں ڈھال دیتے ہیں اور ان کے خیال میں ہزاروں سال بعد دنیا کی جو شکل ہوگی اور جو حالات ہوں گے ان کا نقشا دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سائنس داں اپنے خیال کو عمل میں ڈھالتے ہیں اور تجربات کر کے نئی نئی ایجادیں اور دریافتیں کرتے ہیں۔ کہانی لکھنے والے اپنے خیالات کو لفظوں کا جامہ پہناتے ہیں خیال بہر حال ہر کام میں اہمیت رکھتا ہے۔

یہ کہانی جناب عبد اللہ خاور نے انگریزی سے بڑی خوب صورت اردو میں ترجمہ کی ہے۔

ایڈیٹر

وہ باغ میں تھے۔ زینیا نے اپنی نو برس کی بچی کو پکارا "یہاں آؤ زوئے! ادھر اُدھر پھدکتی نہ پھرو۔ پاپا تمھیں کہانی سنائیں گے۔"

زوئے جھولے میں آکر بیٹھ گئی۔

"پاپا، سچی کہانی سنائیں گے۔"

"میں تمھیں ٹھیک اسی طرح بتاؤں گا جس طرح واقعہ ہوا تھا۔ ہم لوگ بچوں

سے جھوٹ نہیں بولتے۔" ڈریک نے اس کے گلابی گال چھوتے ہوئے کہا:

" دو ہزار تیرہ سال پہلے، اس زمانے کے زمینی کیلنڈر کے حساب سے ۲۰۸۵ء میں سیارہ سیریس کے ایک قبیلے نے زمین پر حملہ کیا "

" پاپا، یہ مخلوق کیسی نظر آتی تھی؟ "

" بہت سی باتوں میں انسانوں کی طرح تھی۔ دو ہاتھ، دو ٹانگیں اور جسم کے دوسرے حصے بھی انسانوں جیسے۔"

" کیا انسانوں اور سیریس سیارے کی مخلوق میں کوئی فرق نہیں تھا؟ "

" تھا۔ تمام نئے آنے والوں کے دو دو بازو تھے جن میں شانوں سے جڑے ہوئے ہرے پَر لگے ہوئے تھے اور ان کی دُمیں بھی تھیں، لمبی اور سرخ "

" پاپا، وہ لوگ تعداد میں کتنے تھے؟ "

" ٹھیک تیس لاکھ اکتالیس مرد (۳۰۰۰۰۴۱) اور تین عورتیں۔ یہ مخلوق زمین پر پہلے جزیرہ سارڈینا میں ظاہر ہوئی لیکن پانچ ہفتوں کے اندر وہ تمام کرۂ ارض کی مالک بن گئی۔"

" پاپا، کیا زمین والے بالکل نہیں لڑے "

" کیوں نہیں، حملہ آوروں کے خلاف انسانوں نے جنگ کی۔ انھوں نے گولیاں، معمولی بم، سپر ایٹم بم اور سیکڑوں قسم کی گیس استعمال کی۔ "

" پاپا، یہ کیا چیزیں تھیں؟ "

" اب تو ان چیزوں کا وجود بھی نہیں رہا۔ بہت زمانے پہلے یہ چیزیں ہوتی تھیں اور ان کو "اسلحہ" کہتے تھے۔ انسان ان چیزوں سے آپس میں لڑا کرتے تھے۔"

" کیا وہ ہماری طرح 'خیالات' کے ذریعہ سے جنگ کرنا نہیں جانتے تھے؟ "

" نہیں، جیسا کہ میں نے تمھیں بتایا وہ بندوقوں سے لڑتے تھے، لیکن حملہ آور ان ہتھیاروں سے 'مامون' تھے! "

" 'مامون' کے کیا معنی ہیں پاپا! "

" نقصان یا تکلیف سے محفوظ۔ جب اسلحہ کارگر نہ ہوا تو انسانوں نے ستاروں کی مخلوق پر جراثیم آزمائے۔"

"وہ کیا چیزیں تھیں؟"

"بہت چھوٹے چھوٹے کیڑے جو نظر بھی نہیں آسکتے۔ انسانوں نے جراثیم کے انجکشن بندوقوں سے فائر کیے تاکہ سیریس کی مخلوق کے بدن جراثیم سے بیکار ہو جائیں اور وہ سب مر جائیں، لیکن ان پر جراثیم کا بھی کوئی اثر نہ ہوا۔"

"اوہ، پھر یہ مخلوق ساری زمین پر چھا گئی۔ پاپا، اس کے آگے کی کہانی سنائیے۔"

"تمھارے لیے یہ بھی جاننا ضروری ہے کہ نو وارد، اہل زمین سے کہیں زیادہ ذہین تھے۔ دراصل حملہ آور پورے نظام میں سب سے باکمال ریاضی داں تھے۔"

"نظام کسے کہتے ہیں؟ اور ریاضی داں کیا ہوتا ہے؟"

"ہم کہکشاں کو نظام کہتے ہیں۔ ریاضی داں اس کو کہتے ہیں جو ناپنے، تولنے، ضرب تقسیم وغیرہ میں ہوشیار ہوتا ہے۔"

"تو پاپا، کیا انھوں نے تمام زمین والوں کو مار ڈالا؟"

"سب کو تو نہیں، بہتوں کو مار ڈالا۔ دوسروں کو غلام بنالیا۔ جیسے انسان گھوڑوں اور مویشیوں کو استعمال کرتے تھے، اسی طرح نو واردوں نے انسانوں کو استعمال کیا۔ کچھ کو انھوں نے کام کے لیے رکھا اور باقی کو کھانے کے لیے ذبح کیا۔"

"پاپا، یہ نئے لوگ کیسی زبان بولتے تھے؟"

"بہت سادہ اور آسان زبان لیکن انسان اس زبان کو نہیں سیکھ سکے البتہ حملہ آور بڑے ذہین تھے۔ انھوں نے کرہ ارض کی تمام زبانیں سیکھ لیں۔"

"پاپا، حملہ آوروں کو انسان کیا کہتے تھے؟"

"فرطان، یعنی آدھے فرشتے آدھے شیطان۔"

"پھر کیا ہوا پاپا؟" "جب فرطانوں نے انسانوں کو غلام بنالیا تو کیا زمین پر جنگ ختم ہوگئی؟"

"ہاں، کچھ عرصے کے لیے۔ کچھ بہت جری انسان، ایک شخص ہمہ داں نامی کے اکسانے پر گرین لینڈ کے برفانی علاقوں میں چھپ گئے۔ ہمہ داں زمین کا سب سے بڑا ماہر نفسیات تھا۔"

"ماہر نفسیات کسے کہتے ہیں؟"

"خیالات کا تاجر۔"

"تب تو وہ بڑا دولت مند ہوگا۔"

"وہ سب سے زیادہ دولت مند تھا۔ اس نے گرین لینڈ کی برفانی پناہ گاہوں میں بیٹھ کر ایسی ترکیب سوچی جس سے زمین فرطانوں سے پاک ہوجائے۔"

"کیسے پاپا؟"

"اس نے ایک ایسا طریقہ ایجاد کیا جس سے فرطانوں میں انسانی جذبات پیدا ہوجائیں۔"

زبینیا نے مداخلت کی "شاید تمھاری باتیں بچّی کی سمجھ سے باہر ہوتی جارہی ہیں۔"

"نہیں امّی، پاپا جو کہہ رہے ہیں میں سمجھ رہی ہوں۔ اب نہ ٹوکیے گا۔"

"پھر ہمہ داں اور اس کے ساتھی فرطانوں میں خدمت گار بن کر پھیل گئے اور ان میں انسانی جذبات پیدا کر دیے مثلاً محبّت، نفرت، حسد، حوصلہ، رقابت، بدخواہی رشک، ناامیدی، خوف وغیرہ وغیرہ۔ اس کے نتیجے میں جلد ہی فرطان انسانوں کی طرح عمل کرنے لگے۔ چند دن کے اندر ان میں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور فرطانوں کی دو تہائی تعداد ختم ہوگئی۔"

"پھر بھی فرطان ایک دوسرے کو قتل کرتے رہے؟"

"ہاں، لیکن اس کے بعد فرطانوں میں ایک ولی صفت شخص اٹھا۔ اس کا نام ذلی بار تھا۔ اس نے فرطانوں میں اخوت اور بھائی چارے کی تبلیغ کی۔ اس کے نتیجے میں آپس کی جنگ رک گئی۔ زمین والے اور زیادہ سخت غلامی میں بندھ گئے۔"

"اوہ پاپا، پھر تو ہمہ داں اور اس کے ساتھی بڑے رنجیدہ ہوئے ہوں گے۔"
"کچھ عرصے تک۔ پھر ہمہ داں اپنا آخری حربہ لے کر آیا۔"
"حربہ کیا چیز ہے پاپا؟"
"ایسی چیز یا تدبیر جو کام کرے۔"
"میں سمجھ گئی پاپا، جیسے تاش میں ترپ۔"
"ہاں، ہمہ داں نے فرطانوں میں وطن لوٹنے کی بیماری پیدا کر دی۔"
"اچھا یہ بھی کوئی بیماری ہوتی ہے؟"
"ہاں، انسانوں میں ہوتی ہے جب کوئی ان میں سے دور دراز علاقوں میں سفر کرتا تھا تو کچھ عرصے کے بعد اپنے وطن لوٹنے کی شدید خواہش میں مبتلا ہو جاتا تھا اور اگر واپس نہ لوٹتا تو شدید بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا تھا۔"
"یہ ہمہ داں بڑا ہوشیار تھا۔ پھر یہ ہوا ہو گا کہ تمام فرطان سیارہ سیریس کو لوٹنے کے لیے بیتاب ہو گئے ہوں گے اور سب لوٹ گئے ہوں گے۔"
"ہاں، ایسا ہی ہوا۔ ایک دن تمام فرطان ایک زبردست فوج کی طرح شمالی امریکا کی سیاہ پہاڑیوں پر جمع ہوئے اور ایک مقررہ اشارے پر زمین سے اڑے اور رہا ہو گئے اہلِ زمین نے نعرے لگائے۔ ہم آزاد ہیں۔ آزاد۔ آزاد۔ . . ."
"پھر کیا سارے فرطان زمین سے اڑ گئے؟"
"سب نہیں، ان میں دو بچے بھی تھے۔ ایک لڑکا اور لڑکی۔ یہ زمین پر پیدا ہوئے تھے۔ وہ بھی سب کے ساتھ زمین سے اڑے، لیکن کرۂ ہوائی کی آخری حد پر پہنچے تو وہ جھجکے، انھوں نے رخ موڑا اور زمین پر واپس آ گئے۔ ان کے نام زی زو اور زی زا تھے۔

وہ بھی تمام فرطانوں کی طرح بڑے ریاضی داں تھے، لہٰذا انھوں نے اپنے آپ کو بڑھا لیا، ضرب دے لی اور ان کی تعداد بھی خاصی ہو گئی۔"
نزوئے ہنسی اور اپنے بازوؤں کو پروں کی طرح پھڑ پھڑا کر کہنے لگی "شکریہ پاپا، آپ نے اپنی آپ بیتی بڑے مزے سے بیان کی۔"

قیصر سرمست
شوکت مینشن حیدرآباد ۲۳
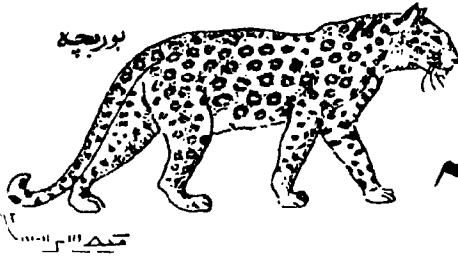
بوربچہ

چیتا اور بوربچّہ
کیا ایک ہی ہیں؟

چیتا
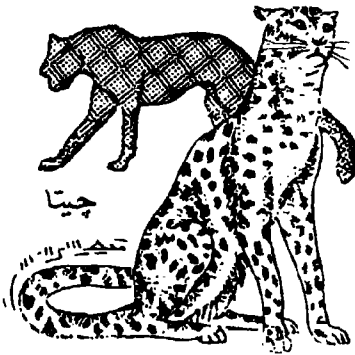
آج کل جانوروں پر بہت لکھا جانے لگا ہے کیونکہ باہر کے ممالک سے کتابیں بہت آنے لگی ہیں۔ بس کتاب پڑھ لی اور کر دیا ترجمہ۔ صرف ترجمہ کرنا ہی کافی نہیں ہوتا۔ جس موضوع پر بھی قلم اٹھانا ہو پہلے اس موضوع پر معلومات حاصل کر لینی چاہیے۔ پوری جانکاری نہ ہونے کی وجہ سے بچارے چیتا اور بوربچہ کی مٹی پلید ہو رہی ہے۔ ان جانوروں کی خصوصیات اور عادات سے ناواقفیت کی بنا پر اکثر حضرات ٹھوکریں کھاتے رہیں اور چیتا کو بوربچہ اور بوربچہ کو چیتا کہنے لگتے ہیں۔ اس لیے میں اُن حضرات کے لیے جو غلط فہمی کا شکار ہیں ان دونوں کے فرق کو واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، شیر TIGER (جو ہمارا قومی جانور ہے)، ببر LION بوربچہ، جیگور[1] اور پیوما[2] وغیرہ سب بلی کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، شیر اور ببر ایسے جانور ہیں جن

---

[1] [2] جیگور JAGUAR اور پیوما PUMA سوائے امریکا کے دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں پائے جاتے۔ امریکا والے پیوما کو امریکن شیر یا پہاڑی ببر MOUNTAIN LION کہہ کر خوش ہوتے ہیں۔ اس کا رنگ تقریباً شیر کے رنگ سے ملتا جلتا ہوتا ہے لیکن شیر کی طرح جسم پر دھاریاں نہیں ہوتیں۔ اسے گھوڑے اور کتے کا گوشت بے حد پسند ہے۔ انسانوں سے اس کی روح فنا ہوتی ہے۔ جیگور بڑی حد تک بوربچہ سے مشابہ ہوتا ہے یہ شمالی امریکا کے گرم حصوں میں اور جنوبی امریکا کے ہر حصے میں پایا جاتا ہے۔

کے متعلق لوگ بہت کچھ جانتے ہیں ۔ پھر بھی ترجمہ کرتے وقت شیر کو ببر اور ببر کو شیر لکھ جاتے ہیں، لیکن چیتا اور بور بچہ ہمیشہ سے موضوع بحث اور باعث غلط فہمی بنے رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں میں بڑی حد تک مشابہت پائی جاتی ہے لیکن مشابہت کے یہ معنیٰ نہیں کہ انھیں ایک ہی مان لیا جائے۔

چیتا کو عادتوں اور جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے بلّی اور کتّے کی خصوصیات کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ اس کی گول کھوپڑی، پتلی اور لمبی ٹانگیں بھی اسے بلّی کی جماعت سے الگ کرنے کے لیے کافی ہیں۔ شیر، ببر اور بور بچہ وغیرہ کی طرح اس کے ناخن پوری طرح اندر نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ ناخن گھس گھس کر کند ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس کے اوپری جبڑے کی قینچی نما داڑھ کی ساخت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کتّے کی جو نمایاں خصوصیات ہیں وہ بھی چیتے میں پائی جاتی ہیں یعنی اس کی دُم بھی سر کی طرف مڑی ہوتی ہے۔ بلّی کی جماعت کے کسی جانور کے ایسی دُم نہیں ہوتی۔ چیتا بآسانی پالا جا سکتا ہے اور اسے کتّے کی طرح اپنے مالک سے اُنس و محبت بھی ہو جاتی ہے۔ اس کے جسم کی ساخت بڑی ہی سبک اور چھریری ہوتی ہے۔ اس کی کمر اتنی پتلی ہوتی ہے کہ مثالیں دی جاتی ہیں۔ اس کے جسم کا رنگ اونٹ کا سا ہوتا ہے اور اس پر سیاہ دھبے ہوتے ہیں۔ یاد رہے کہ ان دھبوں اور بور بچہ کے جسم پر جو گل ہوتے ہیں ان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس کی دم بھی ان دھبوں سے خالی نہیں ہوتی۔ چیتے کا سر گول اور چہرے پر سیاہ دھاریاں ہوتی ہیں۔ پاؤں کے نیچے کی گدّیاں بہ نسبت بور بچہ اور شیر کے قدرے سخت ہوتی ہیں۔ اس کی دوڑ کی ہمسری دنیا کا کوئی دوسرا جانور نہیں کر سکتا۔ (محدود فاصلہ کی حد تک) یہ ستّر میل فی گھنٹہ سے زیادہ بھی دوڑ سکتا ہے۔ اپنی تیز رفتاری کے باعث یہ زمانۂ قدیم میں بادشاہوں کا منظورِ نظر رہ چکا ہے۔ اس سے مثل شکاری کتّوں کے ہرنوں کا شکار کیا جاتا ہے۔ شکار کے معاملہ میں قدرت نے اسے کافی سمجھ دار بنایا ہے۔ یہ ہوا کا رُخ دیکھ کر شکار کرتا ہے اور ہر ممکن حد تک خود کو چھپاتے ہوئے اور زمین کے نشیب و فراز سے فائدہ اٹھاتے ہوئے شکار کے قریب

پہنچ جاتا ہے۔ چیتے کا مزاج گرم و تر اور دوسرے جانوروں کے مزاج حیات کے موافق ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سارے جانور اس کی بو ناپسند نہیں کرتے اور اپنی صحت کے مناسب خیال کرتے ہیں۔ بلّی کی جماعت کے تمام جانور فطرتاً غیظ و غضب کے عادی ہوتے ہیں لیکن چیتے کی مادہ بہ نسبت نر کے زیادہ چست و چالاک اور چیر پھاڑ کی طرف مائل ہوتی ہے۔ چیتے کا بچہ تین مہینے تک ماں کے دودھ پر رہتا ہے، اس کے بعد ماں شکار کرتی ہے تو بچے اسی پر بسر کرتے ہیں۔ چھے ماہ بعد شکار کی تربیت شروع ہوتی ہے اور ایک سال بعد ماں سے علاحدہ ہو کر پہلے پہلے چھوٹے چھوٹے جانوروں کو تختۂ مشق بناتے ہیں اور جیسے جیسے اعضاء سخت اور مضبوط ہوتے جاتے ہیں اسی مناسبت سے بڑے جانور شکار کرتا ہے۔ چیتا انسانوں پر کبھی حملہ نہیں کرتا۔ اگر گھیر لیا جائے تو کچھ یوں ہی سے بے معنی حملے کرتا ہے۔ آج تک یہ نہیں سنا گیا کہ چیتا آدم خور ہو گیا ہے۔ چیتا بڑا سیدھا اور نیک نفس حیوان ہے اس کے برخلاف بور بچہ بڑا ہی کمینہ خصلت اور نقصان رساں درندہ ہے اس میں درندگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ بور بچہ ہوتا تو ہے چیتا کے مشابہ لیکن قد و قامت میں اس سے کم، پاؤں قدرے چھوٹے اور کمر موٹی ہوتی ہے۔ تیندوے کا رنگ (تیندوا بور بچہ ایک ہی ہے۔ ذرا بڑے بور بچہ کو تیندوا کہتے ہیں) مثل چیتا کے زرد ہوتا ہے، لیکن اس کے جسم پر سیاہ گل ہوتے ہیں۔ جن کے درمیان زردی بھی ہوتی ہے۔ جسم چھریرا نہیں بلکہ فربہی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ کھوپڑی گول اور بڑی حد تک بُل ڈاگ سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ بور بچی کے دو سے چار تک بچے ہوتے ہیں۔ بچوں کی نگہداشت ماں بڑی تندہی سے کرتی ہے۔ ماں، بچوں کی حفاظت کے لیے انسان یا بڑے جانور پر بھی حملہ کرنے سے نہیں چوکتی۔

آدم خور بور بچہ، آدم خور شیر سے زیادہ خطرناک ہوتا ہے کیونکہ شیر بڑا ہی سیدھا اور شریف جانور ہے اور یہ اتنا ہی مکّار، درختوں پر چڑھنے والا اور درختوں پر سے گھروں میں اتر آنا اس کے لیے معمولی بات ہے۔ اس کے علاوہ شیر اور ببر انھی لوگوں کے لیے خطرناک ہوتا ہے جنھیں جنگل میں جانے کی یا جنگل

میں رہنے کی ضرورت پیش آتی ہے لیکن یہ کمبخت تو بستیوں اور گاؤں میں آکر مصیبت ڈھاتا ہے۔ بور بچہ اگر آدم خور ہو جائے تو انسانوں کی خیر نہیں اور نہ ہی مرغ، مرغی، بھیڑ، بکری اور ہرن وغیرہ کی۔ بور بچہ بڑا ہی لالچی اور بلانوش درندہ ہے۔ اسے جو مل جائے کھا جاتا ہے۔ اپنے مارے ہوئے جانور کو تھوڑا سا کھا کر بچا ہوا حصہ کسی اونچے اور گھنے جھاڑ میں کسی محفوظ مقام پر رکھ دیتا ہے اور کئی دن تک یہی گوشت کھاتا ہے۔ سڑا گلا گوشت کھانے اور چیر پھاڑ کرنے کی وجہ سے اس کے ناخن اور دانت زہریلے ہو جاتے ہیں۔ اگر کسی انسان کو یہ زخمی کر دے اور فوراً اس کا علاج نہ ہو تو زخم سڑنے لگتا ہے۔ شیر کے چھپنے کا پتا انسان لگا سکتا ہے لیکن بور بچہ کا کوئی خاص ٹھکانہ نہیں، اس کا جسم اور شکل وغیرہ جنگل کے ماحول کے عین مطابق ہے اور حملہ میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ تھوڑے سے فاصلہ سے بھی اس کی موجودگی کا پتا نہیں چلتا۔ اس لیے یہ جانور انسان کے لیے بڑا خطرناک اور ایذا رساں ہے۔ شیر کی طاقت اور قوت اس میں نہیں آسکتی لیکن مکاری اور چالاکی سے بڑے بڑے معرکے سر کر لیتا ہے۔ بلی کی جماعت کا کوئی جانور چستی اور چالاکی میں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کی سننے کی قوت اور دیکھنے کی قوت بہت طاقتور ہوتی ہے۔ سونگھنے کی قوت بھی ایسی کوئی کمزور نہیں ہوتی۔ برداشت کرنے کی قوت اور خاموشی اس کی فطرت میں داخل ہے۔ انتہائی مصیبت اور تکلیف کے وقت بھی آواز نہیں نکالتا۔ اگر کسی جھنڈ کے اندر چھپ جائے تو کوئی طاقت اسے باہر نکلنے پر مجبور نہیں کر سکتی اور اگر درخت پر چڑھ جائے تو اس وقت تک نہیں اترتا جب تک اسے خطرہ ٹل جانے کا پورا یقین نہ ہو جائے۔ بور بچہ اس وقت تک بہادری یا بیوقوفی دکھاتا ہے جب تک کہ اسے تجربہ نہ ہو، ایک بار تجربہ اٹھانے کے بعد بڑی ہوشیاری سے کام لیتا ہے پھر بھی اس کے مزاج کا کوئی ٹھکانا نہیں۔ بڑا نر بور بچہ کبھی ایسے بڑے بھینسے کو بھی مار لیتا ہے جس پر حملہ کرنے کا شیرنی بھی خیال نہ کرے۔ جنگلی کتوں سے بہت ڈرتا ہے۔ چھوٹے جانوروں کو ہنستے کھیلتے مار لیتا ہے لیکن بڑے جانوروں کا گلا پکڑ کر لٹک جاتا ہے اور اس وقت تک نہیں چھوڑتا

جب تک کہ جانور مر نہ جائے۔ بوربچہ شاذونادر ہی پانی میں اترتا ہے۔ تیرنا تو رہا ایک طرف جسم بھگونا بھی اسے پسند نہیں۔ بلّی کے خاندان کے سبھی جانور رنگندھے COLOUR BLIND ہوتے ہیں۔ اس لیے رات میں شکار کرتے ہیں لیکن یہ موذی دن کے وقت بھی شکار کرنے سے نہیں چوکتا۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ سیاہ پینتھر BLACK PANTHER کوئی علاحدہ قسم نہیں بلکہ عام بوربچوں کے بچوں میں سے ایک سیاہ بچہ پیدا ہوجاتا ہے یہ PIGMENT کی زیادتی کی وجہ سے کالا ہوجاتا ہے۔

ہمالیہ میں نو ہزار فٹ کی بلندیوں پر اور کشمیر اور وسط ایشیا، کے پہاڑوں پر سفید بوربچے بھی پائے جاتے ہیں جن کو برف کا تیندوا SNOW LEOPARD کہتے ہیں۔ یہ بے انتہا خوش نما جانور ہوتا ہے۔ اس کے سفید بالوں سے بھرے جسم پر سیاہ دھبے ہوتے ہیں جن کے اطراف نیلے ابر نما حلقے ہوتے ہیں۔ یہ عام بوربچوں سے نسبتاً چھوٹے ہوتے ہیں۔ اس کی خوبصورت کھال بہت قیمتی ہوتی ہے۔ چیتا اور بوربچہ میں جو فرق ہے وہ اب آپ کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔ اس لیے آیندہ غلطی کا امکان نہیں۔

طالب ہاشمی

شہید زندہ ہیں

انصاف

جب مجھے معلوم ہوا کہ زمین پر سونے والوں اور مخمل کے بستروں پر سونے والوں کے خواب ایک جیسے ہوتے ہیں تو مجھے اللہ کے انصاف پر پورا یقین آگیا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بیٹے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت پیارے ساتھی تھے۔ وہ مدینہ کے رہنے والے تھے اور قبیلہ خزرج کی ایک شاخ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ دونوں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینے تشریف لانے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے۔ دونوں کو اپنے دین اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بے حد محبت تھی۔ ہجرت کے دوسرے سال بدر کی لڑائی پیش آئی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی نو یا دس بیٹیوں کے اکلوتے بھائی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ کو ان کی حفاظت کے لیے گھر پر چھوڑنا پڑا اور خود بڑے جوش اور جذبے کے ساتھ لڑائی میں شریک ہوئے۔ اس طرح وہ ان اونچے رتبے والے اصحاب میں شامل ہو گئے جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خوش خبری دی ہے کہ ان کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیے گئے۔

اگلے سال مکّے کے کافروں نے بدر کی ہار کا بدلہ لینے کے لیے بڑے جوش و خروش سے مدینے پر حملہ کیا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینے سے نکل کر تین میل دور اُحد نام کے پہاڑ کے پاس کافروں کا مقابلہ کیا۔ کافروں کی تعداد تین ہزار تھی جبکہ مسلمان صرف سات سو تھے۔ ان میں حضرت عبداللہ رضؓ بھی شامل تھے۔ جب وہ گھر سے چلنے لگے تو اپنے پیارے بیٹے حضرت جابرؓ کو بلایا اور ان سے کہا:

"بیٹے! میرا دل کہہ رہا ہے کہ اس لڑائی میں مجھے سب سے پہلے شہادت نصیب ہوگی۔ مجھے اپنی جان، مال اور بچوں ہر شے سے

بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیارے ہیں۔ آپؐ کے بعد تم
سب سے بڑھ کر پیارے ہو۔ میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ گھر پر رہ
کر اپنی بہنوں کی اچھی طرح دیکھ بھال کرنا اور مجھ پر جو قرض ہے
اس کو ادا کر دینا۔"

حضرت جابرؓ کا دل بھی لڑائی پر جانے کو بہت چاہتا تھا، لیکن والد کے حکم سے مجبور ہو کر گھر پر ٹھہر گئے، کیونکہ بہنوں میں سے چھ بہت چھوٹی تھیں۔ اگر وہ بھی لڑائی پر چلے جاتے تو گھر بالکل خالی ہو جاتا۔

لڑائی شروع ہوئی تو حضرت عبداللہؓ تلوار چلاتے ہوئے کافروں کی صفوں میں گھس گئے اور بڑی دیر تک نہایت بہادری سے لڑتے رہے۔ آخر ایک کافر نے تاک کر ان پر ایسا حملہ کیا کہ وہ شہید ہو گئے۔ ظالم کافروں نے ان کی لاش سے ناک، کان، اور ہونٹ کاٹ ڈالے۔ ان کی بہن نے لڑائی کے بعد میدان جنگ میں پہنچ کر بھائی کی لاش اس حالت میں دیکھی تو ان کی چیخ نکل گئی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

"بی بی! تم روؤ یا نہ روؤ، فرشتے اپنے پروں سے عبداللہؓ پر سایہ
کیے ہوئے ہیں۔"

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو والد کی وفات سے بے حد صدمہ پہنچا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سخت غمگین دیکھا تو ان سے فرمایا:

"جابرؓ! تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟"

انھوں نے عرض کیا:

"یارسول اللہؐ! والد شہید ہو گئے اور بہت سا قرض اور بچیاں چھوڑ
گئے۔ ان سب کا بوجھ مجھ پر آ پڑا ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"ایک خوش خبری سنو! اللہ تعالیٰ کسی سے بے پردہ گفتگو نہیں کرتا،
لیکن تیرے والد کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے بے پردہ
گفتگو فرمائی۔ اس نے تیرے باپ کو اپنے سامنے بلا کر فرمایا

"اے میرے بندے جو مانگنا ہو مانگو"۔ انھوں نے عرض کیا، "اے میرے پروردگار! مجھے پھر دنیا میں بھیج دے تاکہ میں پھر تیرے دشمنوں سے لڑوں اور شہادت پاؤں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: 'یہ میرا پکا فیصلہ ہے کہ جو دنیا سے آئے گا وہ واپس نہیں بھیجا جائے گا۔' عبداللہ نے عرض کیا "اے اللہ! تو پھر میرے حال کی خبر میرے پیچھے رہ جانے والوں کو پہنچا دے"۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا حکم نازل ہوا کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ان کو مُردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں"۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خوش خبری سُن کر حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم دور ہوگیا۔

اب سنو کہ حضرت عبداللہ رضؓ کے بہنوئی حضرت عمروؓ بن جموح اور اُن کے ایک بھانجے حضرت خلادؓ بھی اسی لڑائی میں شہید ہو گئے تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عبداللہؓ کی بہن حضرت ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے شوہر، بھائی اور بیٹے کی لاشوں کو ایک اونٹ پر لاد کر مدینہ کی طرف لے چلیں تاکہ ان کو اپنے خاندانی قبرستان میں دفن کریں لیکن اونٹ بیٹھ گیا۔ اس کو بہت ہانکا گیا، لیکن اس نے مدینے کی طرف ایک قدم بھی نہ بڑھایا۔ اُمّت کی ماں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی وہاں موجود تھیں۔ انھوں نے حضرت ہندؓ سے پوچھا کہ کیا ان میں سے کسی نے مدینے سے چلتے وقت کچھ کہا تھا؟ انھوں نے جواب دیا، جی ہاں، میرے شوہر عمروؓ بن جموح نے چلتے وقت دعا مانگی تھی کہ اے اللہ! مجھے اپنے بال بچّوں میں واپس نہ لانا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا "اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جب کسی بات پر قسم کھا بیٹھتے ہیں تو اللہ ان کی قسم پوری کر دیتا ہے۔ عمرو بن جموحؓ بھی ایسے ہی بندوں میں تھے۔ اب تم ان لاشوں کو واپس اُحد کے میدان میں لے جاؤ اور دوسرے شہیدوں کے ساتھ دفن کرو"۔

حضرت ہندؓ لاشوں کو واپس اُحد کے میدان میں لے گئیں۔ حضرت عبداللہؓ کو اپنے بہنوئی سے بہت محبّت تھی۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کرو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

چھے ماہ بعد حضرت جابرؓ نے انھیں اس قبر سے نکال کر دوسری قبر میں دفن کیا تو ان کا جسم بالکل اسی حالت میں تھا جس حالت میں وہ غزوۂ احد کے دن دفن کیے گئے تھے۔ اس واقعے کے ۴۶ برس بعد ایک سیلاب آیا جس سے ان کی قبر کھل گئی۔ لوگوں نے دیکھا تو اس وقت بھی لاش بالکل صحیح سالم تھی۔

سعد الدین انصاری

مسلمانوں کا امتیاز

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ

تم سب سے بہترین قوم ہو، اور دنیا جہان کے لوگوں کی رہنمائی کے لیے تمھیں بھیجا گیا ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام دنیا کے لیے رحمت تھے آپ کا کام سب کو سیدھی راہ دکھانا تھا۔ آپ نے اپنی زندگی میں یہ فرض بہت خوبی سے انجام دیا۔ اب یہ ہمارا کام ہے کہ اس رحمت کو دنیا میں عام کریں اور جو لوگ سیدھی راہ سے دور جا پڑے ہیں یا وہ اس راہ سے ناواقف ہیں اُن کی رہنمائی کریں۔ مسلمان سب قوموں سے ممتاز ہیں، کیوں کہ ان کا کام بھی سب سے ممتاز ہے۔ یہ جہاں کہیں برائی یا ظلم ہوتا دیکھتے ہیں، اس کو دور کرتے ہیں۔ یہ نیکی کرتے ہیں اور دوسروں کو نیکی کرنے کی ترغیب دیتے ہیں اور اللہ پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور اس کی بتائی ہوئی سیدھی راہ پر چلتے ہیں۔ مسلمان برائی ہوتی دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتا اور جہاں کہیں موقع ملے نیک کاموں کے کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

صحت مند رہنے کے لیے صفائی ضروری ہے۔ گندگی اور صحت ایک ساتھ نہیں
گندگی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ گندا ماحول انسان کو بیمار ڈال دیتا ہے، اس لیے سمجھ دار لوگ
صفائی پسند ہوتے ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے آپ کو، اپنے جسم کو، اپنے کپڑوں کو اور اپنے گھر کو
صاف رکھتے ہیں بلکہ اپنے محلے اور بستی کو بھی صاف ستھرا رکھنا چاہتے ہیں۔

محلے اور بستی کو صاف ستھرا رکھنا بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا اپنی ذات کو یا اپنے گھر کو
کیوں کہ جب محلہ صاف نہیں ہوگا اور آپ کی گلی میں کوڑا کچرا پھیلا ہوگا، آپ کا پڑوس گندا
ہوگا تو اس کا اثر آپ پر اور آپ کے گھر پر بھی پڑے گا۔ اگر کسی کچرے کے ڈھیر پر گلاب کے
چند پھول پڑے ہوں تو وہ کس کام کے؟

ہم مسلمان ہیں، ہم مہذب ہیں۔ اسلام ہمارا دین ہے۔ صفائی ہمارا آدھا
ایمان ہے ——— پاکیزگی ہماری زندگی ہے۔ ہماری تہذیب میں
صفائی داخل ہے، پھر ہمارے محلے، ہماری سڑکیں، ہماری بستیاں کیوں گندی ہیں؟ ذرا سوچیں!

آج سے فیصلہ کرلیں کہ نہ خود گندگی پھیلائیں گے اور نہ کسی دوسرے کو گندگی پھیلانے
دیں گے۔ اگر کوئی شخص کاغذ یا شاپنگ بیگ یا کوئی اور کچرا اپنے گھر کے باہر پھینکے تو اس کو
سمجھائیں اور اس کے سامنے خود وہ کوڑا اٹھا کر کوڑے دان میں ڈال دیں۔ اس طرح وہ
بھی سبق لے گا اور آہستہ آہستہ سارا محلہ صاف ستھرا ہو جائے گا اور لوگ کہیں گے کہ
محلے میں مہذب لوگ رہتے ہیں۔

محمد اویس [illegible]

مشوروں کی دکان

نجمہ خان

بہت سال کی بات ہے کہ ایک گاؤں نیشاپور میں ایک عجیب و غریب دکان تھی۔ وہ مشوروں کی دکان کہلاتی تھی۔ نظیر نامی ایک شخص اس دکان کا مالک تھا۔ وہ بے حد ذہین اور عقل مند تھا۔ اس نے مختلف پرچیوں پر مختلف مشورے لکھ رکھے تھے۔ جیسا گاہک آتا اسے وہ ویسے ہی مشورے کی پرچی تھما دیتا۔ لیکن مفت نہیں۔ اس کے ہر مشورے کی قیمت ہوتی تھی۔ عام طور پر وہ ایک مشورے کے سو روپے لیا کرتا تھا۔ چونکہ مشورے خریدنے والوں کو بہت فائدہ ہوتا تھا اس لیے اس کی دکان پر گاہکوں کا ہجوم بڑھنے لگا تھا۔ لیکن نہیں معلوم کیسے نظیر کے پاس مشوروں کی کبھی کمی نہیں ہو سکی۔ لوگ دور دور سے
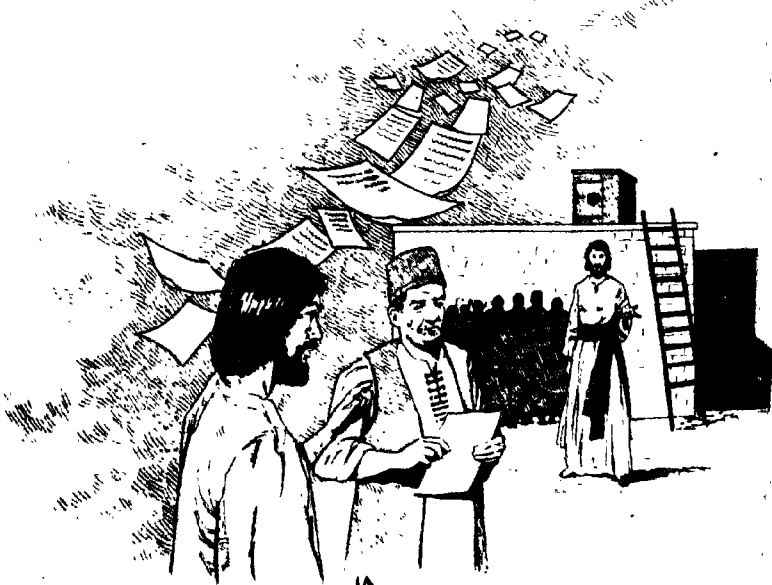
آتے اور مشورے لے کر نظیر کو دعائیں دیتے ہوئے جاتے اس لیے کہ انہیں یقین تھا کہ اس کے مشوروں کے نتیجے میں ان کے مسائل حل ہو جائیں گے۔

ایک دن نظیر کی دکان پر ایک سیٹھ آیا جو بہت امیر تھا۔ اس نے نظیر کی شہرت سن رکھی تھی۔ اس نے تین سو روپے دے کر تین مشورے خریدے۔ وہ مشورے یہ تھے۔

"سفر میں جاتے وقت بیوی کو وجہ نہیں بتانا چاہیے۔"

"راستے میں اگر کھانا کھانا ہو تو راستے سے ہٹ کر کسی سکون کی جگہ بیٹھ کر کھانا چاہیے۔"

"جلد بازی میں آکر کسی بکرے میں بھی شرط نہیں لگانا چاہیے۔"

ویسے تو سیٹھ کو ان مشوروں میں کوئی خاص نکتے کی بات نظر نہیں آئی لیکن پھر بھی ان مشوروں کو آزمانے کے لیے اس کا دل بے چین تھا۔ چنانچہ اپنی بیوی سے بغیر کچھ کہے اس نے نو تھیلیوں میں نو ہزار روپے بھر لیے اور گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں تجارت کرنے کی غرض سے گھر سے نکل گیا۔

سفر کے دوران اس کے کھانے کا وقت ہو گیا۔ راستے سے تھوڑے فاصلے پر اس کو ایک کنواں نظر آیا۔ وہ گھوڑے سے اترا اور کنویں کے پاس بیٹھ کر کھانا کھا کر پھر دوبارہ سفر پر روانہ ہو گیا۔ تھوڑی دور جانے کے بعد اس نے تھیلیاں گن کر دیکھیں تو نو کی جگہ صرف آٹھ ہی تھیلیاں اسے ملیں۔ وہ واپس کنویں کے پاس گیا اور اپنی تھیلی ڈھونڈی تو تھیلی اسے وہیں پڑی مل گئی۔ روپے دے کر اس نے جو مشورے خریدے تھے ان میں سے ایک مشورہ بالکل درست نکلا تھا کیونکہ اگر اس نے راستے میں کھانا کھایا ہوتا اور اس حالت میں روپوں کی تھیلی گری ہوتی تو راہ چلنے والے لوگ اس کی تھیلی لے جا چکے ہوتے۔

سیٹھ روپوں کی تھیلی لے کر گھوڑے کے قریب آرہا تھا کہ کوڑے میں پڑا ایک پھل اس کے پیر سے ٹکرا گیا۔ اس کے پیر میں ایک پرانا پھوڑا تھا جو بہت تکلیف دیا کرتا تھا۔ اس نے جھک کر اپنے پیر کو دیکھا تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔ کیونکہ پھوڑا حیرت انگیز طور پر غائب ہو گیا تھا۔ اور تکلیف بھی نہیں تھی۔ جیسے کسی نے جادو کر دیا ہو۔

سیٹھ نے سوچا کہ اس پھل میں ضرور کچھ اہم فائدے ہیں اس پھل کو واپسی میں ساتھ لے جانا چاہیے۔ اس سے دوسرے بھی فائدے حاصل کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس نے پھل کو کنویں کے کنارے ایک جگہ مٹی میں دبا دیا۔ اور شناخت کے لیے ایک نشان رکھ دیا۔ سیٹھ کی شہر میں تجارت خوب اچھی ہوئی۔ اس نے بہت سے روپے کمائے اس خوشی میں وہ واپسی میں اس پھل کو ساتھ لینا بھول گیا جسے وہ کنوئیں کے کنارے میں دبا آیا تھا۔ گاؤں میں پہنچتے ہی اسے اطلاع ملی کہ گاؤں کا چوہدری اپنے زخم کے ہاتھوں پریشان ہے جو اس کی ٹانگ پر پھوڑے کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ چوہدری نے اعلان کروایا ہے کہ جو اسے

تندرست کر دے گا وہ دس ہزار روپے کے انعام کا مستحق ہو گا۔ بہت سے حکیموں نے کوشش کر دیکھی لیکن ناکام رہے۔

یہ سنتے ہی سیٹھ کو یکایک پھل کا خیال آیا اس نے سوچا وہ پھل یقیناً چوہدری کا زہر بھرا پھوڑا ٹھیک کر سکتا ہے۔ جس کے بعد اسے دس ہزار روپے بیٹھے بٹھائے مفت میں مل جائیں گے۔ یہ سوچتے ہی وہ خوشی سے ناچ اٹھا اور اس خوشی میں وہ اپنے خریدے ہوئے مشورے بھی بھول گیا اور اس نے اپنی بیوی کو بلا کر جلدی جلدی پھل کے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ میں چوہدری کے پاس جا رہا ہوں تاکہ اس سے انعام دینے کا وعدہ لکھوا لوں بعد میں کہیں وہ مکر نہ جائے۔ کل صبح سویرے میں پھل لینے کے لیے روانہ ہو جاؤں گا۔

سیٹھ کے جانے کے بعد اس کی بیوی کے پیٹ میں کھلبلی مچنے لگی اور وہ کسی کو یہ بات بتانے کے لیے بے تاب ہو گئی۔ اس نے جلدی جلدی سارے کام سمیٹے اور پہلی فرصت میں جا کر اپنی پڑوسن سے سارا قصہ بیان کر دیا۔ پڑوسن نے یہ واقعہ اپنے شوہر کو بتایا۔

جب سیٹھ چوہدری کے گھر سے واپس آرہا تھا تو راستے میں اس کا پڑوسی چوہدری کے گھر جاتے ہوئے ملا۔ پڑوسی نے کہا۔

"سیٹھ تم کہاں سے آرہے ہوں۔"

سیٹھ نے کہا "میں چوہدری کے گھر سے آرہا ہوں میں کل اس کا پھوڑا ٹھیک کر دوں گا۔"

پڑوسی نے کہا۔ "تم کل اس کا پھوڑا ٹھیک کرو گے میں آج ہی جا کر چھو منتر کروں گا اور اس کا پھوڑا ٹھیک ہو جائے گا۔"

"مجھے لگتا ہے تم اپنے حواس میں نہیں ہو۔"

پڑوسی نے کہا۔ "اچھا لگاؤ شرط اگر پھوڑا ٹھیک ہو جائے تو کیا دو گے۔"

سیٹھ کو یقین تھا کہ اس کا پڑوسی خواہ مخواہ کی بڑ ہانک رہا ہے چنانچہ اس نے ترنگ میں آکر کہا۔ "جو تم مانگو گے وہ دوں گا۔"

پڑوسی نے کچھ سوچ کر سیٹھ سے کہا، "ٹھیک ہے تو پھر وعدہ کرو کہ اگر چوہدری میرے علاج سے ٹھیک ہو گیا تو تمہارے گھر آکر سب سے پہلے جس چیز کو چھوؤں گا وہ چیز میری ہو جائے گی۔"

سیٹھ نے جوش میں آکر چالاک پڑوسی کی شرط مان لی۔

پڑوسی بھاگم بھاگ کنوئیں کے پاس پہنچا اور کافی دیر کی تلاش کے بعد پھل کو ڈھونڈ نکالا۔ پھل کی

چوٹ پڑتے ہی چودھری کا پھوڑا ٹھیک ہو گیا اور سیٹھ کے پڑوسی کو دس ہزار روپے انعام مل گیا۔

ادھر سیٹھ اگلی صبح سفر پر روانہ ہونے کا منصوبہ بنا رہا تھا کہ اطلاع ملی کہ پڑوسی اپنی شرط جیت گیا ہے۔ سیٹھ یہ سن کر بے چین ہو گیا دس ہزار روپے تو ہاتھ سے نکلے ہی تھے وہ شرط بھی ہار چکا تھا۔ اب پریشانی یہ تھی کہ اگر پڑوسی نے اس کی تجوری سب سے پہلے چھولی تو وہ کنگال ہو جائے گا اب اسے خیال آیا کہ یہ سب عقل مند نظیر کے مشوروں پر عمل نہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ سیٹھ کو پھر مشوروں کی دکان یاد آ گئی۔ وہ دوڑ کر مشوروں کی دکان پر گیا اور اس نے عقل مند نظیر کو اپنی ساری رام کہانی سنائی۔

نظیر نے سارا ماجرا سن کر کہا "سنو! جو کچھ ہوا سو ہوا۔ اب تم گھر جا کر مچان بناؤ اور مچان کے اوپر اپنی تجوری رکھ دو۔ ہاں لیکن ایک سیڑھی مچان سے لگا کر ضرور کھڑی کر دینا میں بھی ٹھیک وقت پر وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

جب لوگوں کے کانوں تک یہ شرط والی بات پہنچی تو وہ سب تماشا دیکھنے سیٹھ کے مکان کے سامنے اکٹھے ہو گئے وقت مقررہ پر پڑوسی اپنے دس بارہ دوستوں کو لے کر سیٹھ کے گھر کے احاطے میں داخل ہوا۔ اس نے ادھر ادھر جھانک کر دیکھا لیکن تجوری کہیں نظر نہیں آئی تب اس کی نگاہ مچان پر رکھی تجوری پر پڑی اور سب سے پہلے تجوری کو چھونے کے خیال سے وہ سیڑھی کی طرف بڑھا تاکہ اوپر چڑھ سکے۔ ابھی وہ سیڑھی کو پکڑ کر اوپر چڑھنے بھی نہ پایا تھا کہ پیچھے سے آواز آئی۔

"تجوری کو چھونے کی جلدی نہ کیجیے۔" پڑوسی نے مڑ کر دیکھا تو مشوروں کی دکان والا عقل مند نظیر بھیڑ کو چیر کر آگے بڑھ آیا تھا۔ اس نے کہا۔

"سیٹھ جی آپ کے پڑوسی نے سب سے پہلے سیڑھی کو چھوا ہے۔ اب سیڑھی کے مالک آپ کے پڑوسی ہیں۔ برائے مہربانی سیڑھی آپ ان کے حوالے کر دیجیے۔"

عقل مند نظیر کی بات پر پڑوسی نے احتجاج کیا۔ مگر وہاں اکٹھے سب لوگوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔ "عقل مند نظیر کا کہنا ٹھیک ہے۔ تم نے سب سے پہلے سیڑھی کو چھوا ہے۔ شرط پوری ہو چکی ہے۔"

پڑوسی بے چارا کیا کرتا اپنا سامنہ لے کر وہاں سے چلا گیا۔ عقل مند نظیر کی دانش مندی سے سیٹھ ایک بڑے نقصان سے بچ گیا۔

سچ کہتے ہیں۔ "مشورہ ضرور کرنا چاہیے۔ اور جو اچھا مشورہ دے اسے ماننا بھی ضرور چاہیے۔ اچھے مشورے پر عمل کرکے آدمی پچھتانے سے بچ جاتا ہے۔

بچوں کی نئی دلچسپ کتابیں

ننھے منے بچوں کے لیے

کتاب	قیمت
بتاشے	۷/۵۰
جاں نثار دوست	۵/:
چاند کی بیٹی (باتصویر)	۶/-
دم کٹی لومڑی "	۷/۵۰
جادو کی ہنڈیا "	۶/-
شیر اور بکری "	۷/۵۰
کتے کا خواب "	۷/۵۰
بھیڑیے کا گانا "	۷/۵۰
چالاک بلی "	۷/۵۰
گدھے نے بجائی بانسری	۷/۵۰

بڑے بچوں کے لیے

کتاب	قیمت
نرمطی کا آدم خور	۶/-
خوب لکڑہارے کی کہانی	۶/-
خلائی مسافر	۶/-
ہمت کے کرشمے	۶/-
مونٹی کرسٹو کا نواب	۹/:
ہمارے عظیم سائنس داں	۹/-
سام پر کیا گزری	۲/۵۰
غذا کی کہانی	۳/-
زیور	۶/-
شہنشاہ نے کہا میں مفلس ہوں	۶/-
ایک غوطہ خور کی آپ بیتی	۶/-
سنہرے اصول	۵/-
نرالے گویّے	۴/۵۰
بالونی کچھیرا	۴/۵۰
بدر شہزادی	۶/-

کتاب	قیمت
مولانا آزاد کی کہانی	۱۸/:
ننھا سیاح	۷/-
ابو خاں کی بکری	۱۲/-
پرواز کی کہانی	۴/۵۰
سمندری طوفان اور تین لڑکے	۶/-
خالی ہاتھ	۹/:
حاجی بابا کی ڈائری	۷/۵۰
بہادر علی	۷/۵۰
کھلونا نگر	۸/۵۰
ایک وحشی لڑکے کی آپ بیتی	۹/:
قصہ اژدہا پکڑنے کا	۵/:
ننھا سراغ رساں	۵/:
ابو علی کا جوتا	۹/-
چند مشہور طبیب اور سائنس داں	۹/-
چور پکڑو	۲/۵۰
چالاک خرگوش کے کارنامے	۹/-
جادو کی سارنگی	۲/-
جادو کا پتا	۲/-
پانچ جاسوس	۱۰/-
جنگل کی ایک رات	۴/۵۰
ہرن کا دل	۲/-
اچھی کہانیاں	۲/-
دریا کی رانی	۲/-
گوہر شہزادی	۴/۵۰
تین اناڑی	۶/:
چوری کی عادت	۲/۵۰
شرارت	۲/:
ولی کی شادی	۶/-
گاندھی جی دکنی افریقہ میں	۲/:
بندر اور نانی	۴/۵۰
رنگوں کی بستی	۵/-

کتاب	قیمت
پراسرار غار	۹/-
عرب دیسوں کی عوامی کہانیاں	۷/۵۰
بچوں کے ڈاکٹر صاحب	۴/-
ننھا منّو	۳/-
آؤ ڈراما کریں	۲/:
سلاد مصالحہ	۵/:
مچھیرا اور اس کی بیوی	۲/۵۰
ایک کبوتر	۲/۵۰
بھوتوں کا جہاز	۴/۵۰
صحت کی الف بے	۵/:
لومڑی کا گھر	۲/۵۰
بچوں کی کہانیاں	۲/۵۰
بابا ناچ	۲/:
ہاری کی کاوش	۶/:
سرخ جوتے	۴/۵۰
اندرا گاندھی	۹/:
ننھا فرشتہ	۹/-
جوہر قابل	۲/۵۰
بھیڑیے کے بچے	۲/:
ننھا جبرو	۲/۵۰
پلک نہ مارو	۶/:
بچوں کے افسر	۹/:
بشری شیرا	۲/۵۰
پری رانی	۶/:
خطرناک سفر	۲/۵۰
پرندوں سے جانوروں تک	۴/۵۰
ٹوٹے کھلونے	۵/-
اندھے کا بیٹا	۹/۵۰
پانچ بونے	۲/۵۰
بچوں کے چار بزرگ دوست	۴/۵۰
صبا کے ترانے	۲/۵۰

اور غلیل ٹوٹ گئی

مہدی عنایت قائم خان،

نام تو اس کا جلیل تھا' مگر سب اس کو جولی کہہ کر پکارتے تھے۔ جولی کا گاؤں ایک دریا کے کنارے آباد تھا۔ گاؤں سے کچھ فاصلے پر جنگل تھا جس میں قسم قسم کے درخت تھے اور طرح طرح کے خوب صورت پرندے اور جانور وہاں رہتے تھے۔ جولی ایک دیہاتی لڑکا تھا۔ وہ اپنا زیادہ وقت سیر و تفریح میں گزارتا تھا۔ جولی کا باپ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتا اور پھر انھیں شہر لے جا کر بیچ دیتا۔ اسی سے گھر کا خرچ چلتا تھا۔ جولی گاؤں میں چرواہے کا کام کرتا تھا۔ وہ تمام گاؤں کے مویشیوں کو ہانکتا ہوا صبح کے وقت جنگل میں لے جاتا اور شام کو لوٹتا۔ اس دوران اپنے دوستوں کے ساتھ کھیل کود میں لگا رہتا تھا۔

ندیم' جولی کا بہت عزیز دوست تھا۔ یہ دنوں دوست جنگل میں گھومتے گھومتے کبھی کبھی

بہت دور تک چلے جاتے اور غلیل سے پرندوں کا شکار کرتے کبھی کبھی کوئی پرندہ ان کے ہاتھ لگ جاتا ورنہ عام طور پر پرندے زخمی ہو کر اڑنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ پرندوں کے شکار کے مشغلے کے علاوہ یہ دونوں دوست درختوں پر جھولے ڈال کر خوب مزے سے جھولتے تھے۔

جولی کو شہد بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ اکثر اس کی تلاش میں رہتا تھا کہ کہیں کوئی چھتا نظر آجائے۔ جیسے ہی کوئی چھتا نظر آتا وہ اسے توڑ کر شہد حاصل کر لیتا۔ جولی کو خاص طور پر صبح کے وقت جنگل کی سیر کرنا بہت اچھا لگتا تھا۔

ایک روز جولی اکیلا ہی جنگل کی سیر کر رہا تھا کہ اس کی نظر ایک گھونسلے پر پڑی۔ جولی کے دل میں شوق پیدا ہوا کہ کیوں نہ گھونسلے سے چڑیا کے بچے نکال لوں۔ جولی نے غلیل پھینکی اور درخت پر چڑھ کر گھونسلے تک پہنچ گیا۔ اس نے دیکھا کہ گھونسلے میں چڑیا کے انڈے رکھے ہیں۔ جولی نے ہاتھ بڑھا کہ چڑیا کے انڈے اٹھا لینے کا سوچا کہ اس کو اپنی ماں کی نصیحت یاد آگئی کہ چڑیا کے انڈوں کو اگر کوئی انسان ہاتھ لگا دے تو چڑیا ان انڈوں کو پھینک دیتی ہے۔ جولی کو رحم آگیا اور وہ درخت سے نیچے اتر آیا۔ اس نے دیکھا کہ چڑا اور چڑیا جو پہلے شور مچا رہے تھے اب مطمئن ہو گئے۔ بعد میں جولی نے اس کا ذکر اپنے دوست ندیم سے کیا۔ اب تو دونوں دوست بے چینی سے اس دن کا انتظار کرنے لگے جب انڈوں سے بچے نکلتے۔

یونہی دن گزرتے رہے۔ ایک روز جولی جنگل میں ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اچانک جولی کے کانوں میں کسی کے آہستہ آہستہ بولنے کی آواز سنائی دی۔ پھر اسے احساس ہوا کہ یہ کوئی اور نہیں بلکہ دو درخت آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ ایک وہ درخت جس سے جولی ٹیک لگائے بیٹھا تھا اور دوسرا وہ درخت جس پر چڑیا کا گھونسلا تھا یہ دونوں آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ جولی غور سے ان کی باتیں سننے لگا۔ ایک درخت کہہ رہا تھا:

"آہ! آخر کل اس بے چارے درخت کو بھی انسان نے کاٹ ہی ڈالا۔"

"ہاں بھئی، اور آج کل میں ہماری تمہاری بھی باری آنے والی ہے۔"
ایسا لگتا ہے کہ یہ انسان ہم کو کرہ ارض سے ختم کر کے ہی چھوڑے گا۔"
پہلے درخت نے کہا:

"اور پھر پچھتائے گا۔ اس کائنات کی ساری خوب صورتی تو ہمارے دم سے ہے۔ اگر درخت نہ ہوں تو پرندے بھی ختم ہو جائیں اس طرح نہ صرف انسان فطرت کے خوب صورت منظروں سے محروم ہو جائے گا بلکہ ہم سے انسان کو جو فائدے ملتے ہیں وہ بھی ختم ہو جائیں گے۔"

دوسرے درخت نے کہا: "ہم انسان کے بہترین دوست ہیں۔ انسان ہم سے جو لکڑی حاصل کرتا ہے اس سے اپنے گھروں کے لیے دروازے اور کھڑکیاں بناتا ہے۔ پھر اسے سجانے کے لیے فرنیچر تیار کرتا ہے۔ ہم انسان کو دھوپ سے سایہ فراہم کرتے ہیں۔ ہم ہی سے انسان ربر حاصل کرتا ہے۔ پھر بھی انسان ہماری قدر نہیں کرتا۔"

پہلے درخت نے کہا: "پھر یہ خوب صورت وادیاں ہوں یا باغ' یہ سب خوب صورت منظر درختوں اور پودوں ہی کے دم سے ہیں۔ پرندے جو اللہ تعالٰی کی معصوم مخلوق ہیں' وہ درختوں ہی پر گھونسلا بناتے ہیں۔ انسان ہم سے حاصل ہونے والی لکڑی سے کشتیاں اور بحری جہاز بنا کر سمندروں اور دریاؤں میں سفر کرتا ہے۔ اور پھر اسکول کے بچوں کے لیے مولا بخش بھی ہماری لکڑی ہی سے تیار ہوتا ہے۔"

"سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ ہم انسان کو ایک صاف ستھرا صحت مند ماحول فراہم کرتے ہیں۔ ہم درخت ہی ہیں جو کاربن ڈائی اوکسائڈ جذب کرتے ہیں اور انسان کے لیے تازہ اوکسی جن فراہم کرتے ہیں۔" دوسرے درخت نے کہا:

"ہاں بھئی' اور پھر ہم یہ تو نہیں کہتے کہ درختوں کو بالکل نہ کاٹا جائے۔ قدرت نے ہمیں انسان کی خدمت کے لیے پیدا کیا ہے۔ انسان کو اپنی جائز ضرورتوں کے لیے ہم سے ضرور کام لینا چاہیے' مگر ہماری حفاظت کرنا اور بلا وجہ ہمیں تکلیف نہ پہنچانا بھی انسان کا فرض ہے' کیوں کہ ہم بھی جان دار ہیں۔ مگر انسان کو یہ ساری باتیں کون سمجھائے؟ بس اب چند روز میں' میں اور تم اور یہ سارا جنگل کٹ جائے گا۔"

اچانک جولی کی آنکھ کھل گئی۔

"کیا یہ خواب تھا؟"

جولی نے سوچا کہ بے شک یہ ایک خواب تھا' مگر اس خواب نے جولی کو ایک حقیقت بتا دی۔ جولی نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ وہ گاؤں والوں کو منع کر دے گا کہ بلا وجہ درختوں کو نہ کاٹیں۔ جولی کو خیال آیا کہ وہ درخت جس پر چڑیا کا گھونسلا ہے اگر کٹ گیا تو ننھی چڑیا کے انڈے بھی ضائع ہو جائیں گے اور چڑیا کا گھر بھی تباہ ہو جائے گا۔ جولی جلدی جلدی جنگل سے اپنی مویشیوں کو اکٹھا کرنے لگا۔ کافی دیر بعد وہ گھر پہنچا تو اس نے اپنی ماں سے بابا کے متعلق پوچھا تو ماں نے بتایا کہ تیرا بابا ابھی ابھی جنگل کی طرف گیا ہے۔ جولی بے چین ہو گیا اور واپس جنگل کی طرف چل پڑا۔ ندیم بھی مل گیا۔ جولی نے ندیم کو اپنا خواب سنایا' ندیم بھی یہ سن پریشان ہو گیا۔

دنوں دوست جلدی جلدی جنگل میں پہنچے تو یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے کہ جولی کے بابا نے اس درخت کو جس پر چڑیا کا گھونسلا تھا تقریباً کاٹ دیا تھا۔ اب وہ درخت گرنے ہی کو تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے درخت گر گیا۔ جولی بھاگ کر درخت کے پاس پہنچا۔ چڑیا کا گھونسلا بکھر گیا تھا اور انڈے ٹوٹ گئے تھے۔ جولی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ چڑا اور چڑیا دوسرے درخت پر اداس بیٹھے تھے۔ جولی سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ گھر آ گیا اور کھانا کھائے بغیر سو گیا۔

دوسرے دن صبح ہی صبح ندیم نے اسے جھنجھوڑ کر اٹھایا اور اسے اپنے ساتھ آنے کے لیے کہا۔ جولی جب گھر سے باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے گھر کے سامنے ایک ننھا سا پودا ہوا میں لہرا رہا تھا۔

"یہ کس نے لگایا ہے؟" جولی نے پوچھا۔

"میرے دوست! یہ میں نے تمہارے لیے لگایا ہے۔ کل جب تم غم زدہ ہو کر گھر آ گئے تھے تو میں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ تمہارے لیے درخت لگاؤں گا۔ اب ہم دنوں اس پودے کی حفاظت کریں گے۔ اسے پانی دیں گے۔ جب یہ بڑا ہو جائے گا تو اس پر چڑیاں گھونسلے بنائیں گی اور یہ ہمارے لیے صاف ستھرا ماحول فراہم کرے گا۔ آئندہ ہم پرندوں کو بھی نہیں ستائیں گے۔" جولی نے خوشی سے ندیم کو گلے لگا لیا اور غلیل توڑ کر پھینک دی۔

اگر آپ کے پتے کے داہنی طرف لال سیاہی سے دائرہ بنا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کا چندہ ختم ہو گیا۔

ذیشان ہاشمی

وبالِ جان

فیض صاحب، سیدو میاں کے لیے الہ آباد سے بکری کیا لے آئے۔ سیدو میاں کے تو رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے۔ وہ سیدو میاں، جو جانور پالنے کے کبھی حق میں نہ رہے تھے۔ جب دیکھو، بکری کی خاطر مدارات میں لگے رہتے۔ کبھی اُس کو چنے کھلانے میں مصروف ہیں تو کبھی چارہ۔ یہاں تک کہ کام سے باہر جاتے وقت بھی بکری ساتھ لے کر جاتے۔ اس لیے تمام اہلِ محلّہ اس بکری سے بخوبی واقف ہو چکے تھے۔ سیدو میاں جب کبھی اپنی بکری لے کر محلّے کی گلیوں میں نکلتے، بچّوں کا ہجوم بکری کے گرد گھیرا ڈال دیتا اور تمام بچّے بکری کو پیار کرنا شروع کر دیتے۔

ہر شام کی طرح آج بھی جب سیدو میاں اپنی بکری کو ٹہلانے کے لیے باہر لے جانے لگے تو ان کی بیگم بولیں: "آج بکری کے لیے گھاس بھی کاٹ لائیے گا کیونکہ چارہ ختم ہو چکا ہے۔"

"چارہ ختم ہوچکا ہے۔" "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟" سیدو میاں نے حیرت سے پوچھا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہوں۔" بیگم سیدو نے جواب دیا۔

"لیکن میں کل ہی تو بازار سے لایا تھا، کہاں چلا گیا؟" سیدو میاں نے دریافت کیا۔

"مجھے کیا معلوم۔ ہو سکتا ہے، بکری کے ساتھ بیٹھے بیٹھے آپ نے بھی کھانا شروع کر دیا ہو۔" بیگم سیدو نے خیال ظاہر کیا۔

"کیا تم نے مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے؟ کبھی کسی انسان نے جانور کا چارہ بھی کھایا ہے؟" سیدو میاں بیگم کی بات سُن کر بُرا سا منہ بناتے ہوئے بولے۔

"یہ بات تو صحیح ہے کہ کوئی انسان بکری کا چارہ نہیں کھا سکتا۔ لیکن آپ کے بارے میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ جو شخص پورے دن میں آدھے وقت جانور کے ساتھ گزارے اُس سے تو ڈر ہی لگتا ہے کہ کب اُس کے سینگ نکل آئیں اور وہ حملہ کر بیٹھے۔" بیگم سیدو ایک ہی سانس میں بہت کچھ کہہ گئیں۔

"دیکھو، دیکھو، تم میری اور میری بکری کی توہین کر رہی ہو۔" سیدو میاں باقاعدہ غصّے میں آنے لگے۔

"مجھے تمھاری اور تمھاری بکری کی توہین کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے، لیکن جب تم دو پائے سے چار پائے والے ہو جاؤ تو مجھے مت کہنا۔ کیونکہ تم تو دن کے علاوہ اکثر راتوں کو بھی اُسے پانی پلانے کے لیے اُٹھتے ہو اور کبھی میں پانی مانگوں تو فوراً خراٹے لینے لگتے ہو۔" بیگم سیدو نے غصّے کے عالم میں کہا۔

"دیکھو بیگم، وہ بے زبان ہے اس لیے میں اکثر راتوں کو اُٹھ کر اُسے پانی وغیرہ دیتا ہوں۔" سیدو میاں نے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

"اس بے زبان کا بڑا خیال ہے اور میری بے زبانی کا ذرا بھی خیال نہیں۔ میں جو اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتی تو تم میری طرف دھیان بھی نہیں دیتے۔" بیگم سیدو شکایتی انداز میں بولیں۔

"اچھا اچھا فی الحال میں باہر جا رہا ہوں۔ سیدو میاں نے جان چھڑاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گئے۔ ابھی وہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک شخص نے سیدو میاں کو دیکھتے ہی چلّانا شروع کر دیا۔

"اچھن میاں... ارے او اچھن میاں! کیسے ہو بھئی! کتنی مدتیں ہو گئیں، تمھیں دیکھے ہوئے! تم کتنے بدل گئے ہو! پہلے تم موٹے تھے، اب دُبلے ہو۔ پہلے تمھارے سر پر بال تھے اب گنجے ہو۔ پہلے تم چشمہ نہیں لگاتے تھے اب لگاتے ہو۔ تم کس قدر بدل گئے ہو۔"

"میرا نام اچھن میاں نہیں، سیدو میاں ہے۔ سیدو میاں" سیدو میاں نے وضاحت کی۔
"واہ بھئی واہ۔ اب تم نے نام بھی بدل لیا" اجنبی نے سیدو میاں کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔
"آپ سے کہہ جو دیا کہ میں اچھن نہیں بلکہ سیدو میاں ہوں۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے" سیدو میاں غصے میں بولے اور بکری کی رسی کھینچتے ہوئے آگے چل پڑے۔۔۔ لیکن یہ کیا! بکری تو غائب تھی۔ صرف رسی سیدو میاں کے ہاتھ میں تھی۔ شاید کسی نے سیدو میاں اور اجنبی کی گفتگو کے دوران بکری کے گلے سے رسی کھول دی تھی۔ سیدو میاں کی تو حالت بڑی غیر ہونے لگی۔ جگہ جگہ بکری کی تلاش میں مارے مارے پھرنے لگے لیکن بکری نہ ملنی تھی، نہ ملی۔ آخر تھک ہار کر گھر واپس چل دیے۔ وہ اتنے پریشان تھے کہ جیسے ان کی بچی کھو گئی ہو۔ ابھی سیدو میاں نے بمشکل آدھا راستہ ہی طے کیا ہوگا کہ وہی اجنبی سامنے سے آتا دکھائی دیا۔
"کیا ڈھونڈ رہے ہو، سیدو میاں؟" اجنبی نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔
"گدھا!" سیدو میاں نے غصے میں جواب دیا۔
"وہ رہا آپ کا گدھا!" اجنبی نے قریب کھڑی ایک گاڑی کے شیشے کی طرف اشارہ کیا۔ سیدو میاں نے لاشعوری طور پر گاڑی کے شیشے پر نظر ڈالی اور اپنی شکل اس میں دیکھ کر غصے سے اجنبی کی طرف پلٹے، مگر وہ ہنستا ہوا بہت دور جا چکا تھا۔ بہرحال سیدو میاں ناکام شکاری کی طرح گھر کو چل دیے۔
گھر میں داخل ہوتے ہی سیدو میاں چارپائی پر پاؤں پھیلا کر لیٹ گئے۔
"آئیے جائیے، خیریت تو ہے۔ یہ کدو جیسی شکل کیوں بنائی ہوئی ہے؟ اور وہ تمھاری رازدار بکری کہاں گئی؟ جس سے تم ہر روز خفیہ میٹنگیں کرتے تھے" بیگم سیدو نے اُن کے چہرے پر پریشانی کے اثرات دیکھتے ہوئے طنز کیا۔
"کھو گئی" سیدو میاں نے مختصر سا جواب دیا۔
"کھو گئی! کھو گئی سے تمھاری کیا مراد ہے؟" بیگم سیدو حیرانی سے بولیں۔
"بھئی کھو گئی سے مطلب گم ہو گئی۔ تمھیں تو ایک ایک بات بتانی پڑتی ہے" سیدو میاں جھنجھلا گئے۔
"دیکھو، بکری کو جلد از جلد ڈھونڈ لینے میں ہی تمھاری خیر و عافیت ہے۔ ورنہ ہو سکتا ہے وہ تمھارے اہم راز فاش کر دے اور تمھارے خلاف محلے میں پروپیگنڈا شروع کر دے" بیگم سیدو نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔
"تمھارے ہوش تو ٹھکانے پر ہیں۔ کبھی جانور بھی ایسی حرکت کرتے ہیں؟" سیدو میاں جھنجھلا کر بولے۔

"تمھارے اور بکری کے ساتھ ساتھ رہنے سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا تھا، جیسے کسی خفیہ مسئلے پر غور کیا جا رہا ہو" بیگم سیدو نے وضاحت کی۔ "پھر بولیں "ویسے اچھا ہی ہوا۔ میرا گھر بھی صاف رہے گا اور دماغ بھی ہر وقت مَیں مَیں کا راگ الاپتی رہتی تھی" بیگم سیدو تو جیسے سیدو میاں کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئی تھیں۔

"ارے بڑی نیک تھی صرف تمھارے سوتے وقت ہی ممیاتی تھی" سیدو میاں نے بڑی معصومیت سے کہا۔

یکایک محلے کی بڑی آپا اندر داخل ہوئیں۔ ان کو محلے کا چلتا پھرتا اخبار کہا جاتا تھا۔ کوئی بھی خوشخبری یا بدخبری ان کے ذریعے محلے والوں تک پہنچتی تھی۔ اندر آتے ہی انھوں نے بیگم سیدو کو گلے لگا کر رونا شروع کر دیا

"اے بہن! یہ تو بہت بُرا ہُوا، میرا تو دل ہول رہا ہے۔ نہ جانے بے چاری کہاں ہوگی؟" بڑی آپا نے مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ پہلے پہل تو بیگم سیدو گھبرا گئیں کہ بڑی آپا کس کو رو رہی ہیں پھر جب انھیں معلوم ہُوا کہ بات بکری کی ہو رہی ہے تو دل ہی دل میں ہنس دیں۔ ابھی بڑی آپا بیٹھ بھی نہ پائی تھیں کہ بکری کی گم شدگی کی تعزیت کرنے محلے کی چھ سات مزید عورتیں آ گئیں۔

"بہن! بہت افسوس ہُوا، تمھاری بکری کی گمشدگی کا سُن کر پڑوسی ہونے کے ناتے میں تمھارا دل ہلکا کرنے آ گئی" ان عورتوں میں سے ایک نے اندر آتے ہوئے کہا۔

"مجھے جیسے ہی معلوم ہوا کہ بیگم سیدو کی بکری چوری ہو گئی ہے، میرے تو ہوش اُڑ گئے۔ ہاتھ میں موجود پلیٹیں ایک چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گئیں" ایک اور عورت رونے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"آپ لوگ بیٹھیں میں ابھی آئی" یہ کہہ کر بیگم سیدو ساتھ والے کمرے میں چلی گئیں، جہاں سیدو میاں دروازے سے کان لگائے، بڑے غور سے عورتوں کی باتیں سُن رہے تھے۔

"ہُوں! یہ کیا ہو رہا ہے"؟ بیگم سیدو نے کمر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"کک ... کچھ نہیں، اِن گپ باز عورتوں کی گفتگو سُننے کی کوشش کر رہا تھا" سیدو میاں نے جواب دیا۔

"اچھا اب جلدی سے مہمانوں کے لیے بوتلوں کا ایک کریٹ لے آئیے، ہو سکتا ہے، ابھی اور عورتیں بھی افسوس کرنے کے لیے آئیں"

"کیا کہا! بوتلوں کا کریٹ لے آؤں، مہمانوں کے لیے، تمھارا دماغ تو درست ہے! ہماری بکری کھوئی ہے کوئی ہم نے پارہ نہیں خریدا جو سب کو بوتلیں پلاتے پھریں۔ سیدھے سیدھے پانی پلاؤ اور ان گپ باز مہمانوں کو رُخصت کرو، سمجھیں" سیدو میاں غصے کی کیفیت میں بولے۔

"ارے آج کل تو پورے علاقے میں پانی بھی نہیں آ رہا۔ پرندے بھی پانی کی تلاش میں دیہات کا رُخ کر گیا

کھارہے ہیں، جس طرح نوجوان اپنی ڈگریاں لیے نوکری کی تلاش میں ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ علاقے کے سارے ملکے خاموش پڑے ہیں حتیٰ کہ گوالے بھی مجبوراً خالص دودھ دے رہے ہیں۔" بیگم سیدو نے بڑی صفائی سے پانی کا نایاب ہونا ثابت کیا۔ چارو ناچار سیدو میاں بوتلوں کا کریٹ لینے دُکان کی طرف چل دیے۔

سیدو میاں کی بکری کو گم ہوئے آج پانچواں روز تھا۔ بیگم سیدو باورچی خانے میں بیٹھی شام کی چائے بنا رہی تھیں اور سیدو میاں چارپائی پر بیٹھے نہ جانے کن کن سوچوں میں غرق تھے کہ اچانک [illegible] دروازے پر دستک ہوئی۔ ساتھ میں ممیانے کی آواز بھی آئی۔

"ارے، یہ تو اپنی بکری کی آواز لگتی ہے۔ راگ تو اپنی بکری جیسا ہی ہے، بے سُرا سا!" بیگم سیدو نے بُرا سا منہ بناتے ہوئے کہا اور سیدو میاں دروازے کی طرف دوڑ پڑے۔ دروازے پر وہی اجنبی شخص کھڑا تھا۔

"السلامُ علیکم گدھے!... وہ میرا مطلب ہے، سیدو میاں۔" اجنبی شخص نے سیدو میاں کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے یہ تو میری بکری ہے۔" سیدو میاں اجنبی کے سلام کا جواب دیے بغیر بکری کے کان پکڑتے ہوئے بولے۔ بیگم سیدو بھی دروازے پر آ کھڑی ہوئیں۔ "ہاں ہاں، بالکل ہماری ہی بکری تو ہے۔" انھوں نے اپنے میاں کی تائید کی۔

"تو میں نے کب کہا ہے کہ یہ آپ لوگوں کی بکری نہیں ہے۔" اجنبی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا اور بکری کی رسّی سیدو میاں کے ہاتھ میں تھما دی۔ سیدو میاں نے رسّی ہاتھ میں پکڑی اور بکری کو پیار کرنا چاہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے ہمسایوں کے خیال سے رسّی کو چھوڑ دیا۔

"نہیں نہیں، یہ ہماری بکری نہیں ہو سکتی۔" سیدو میاں گھبرا کر بولے۔

"ارے غور سے دیکھیے۔ یہ آپ ہی کی بکری ہے، جو آپ کچھ دن پہلے اس طرح ڈھونڈ رہے تھے جیسے آپ کی بکری نہیں، بچی گم ہو گئی ہو۔" اجنبی کے انداز میں طنز کے ساتھ حیرت بھی نمایاں تھی۔

"نن... نہیں یہ بکری لے جاؤ، یہ کسی اور کی ہے۔" سیدو میاں نے نہ چاہتے ہوئے بھی جھوٹ بولا۔

"یہ آپ ہی کی بکری ہے ذرا پھر غور سے دیکھیے ورنہ اپنی آنکھوں کا علاج کروا لیجیے، لگتا ہے، نظر کچھ کمزور ہو گئی ہے۔" اجنبی نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ارے بھائی، اِن کا علاج کروانا اور پھر چشمہ لگوانا بھی ایک مسئلہ ہے کیونکہ جب ڈاکٹر چشمہ لگا کر پڑھوائیں گے، تو یہ گونگے بن جائیں گے۔ اسی دن کے لیے تو بڑے بوڑھے پڑھواتے تھے کہ علم کبھی

مہمان ہیں بیچا آیا بلا ہیں بین ... ہیں ...

سید وغصّے میں بولیں اور اجنبی بکری کی رسّی دروازے کی کنڈی سے باندھ کر تو دو گیارہ ہو گیا۔

"لو آگئی تمھاری جاسوس۔ کرو اس سے راز و نیاز کی باتیں"۔ بیگم سید و جلے بھُنے انداز میں بولیں اور گھر کے کام پر جُٹ گئیں۔ ابھی تھوڑی ہی دیر گزری ہوگی کہ بڑی آپا چلی آئیں۔

"اے بہن! سُنا ہے، تمھاری بکری مل گئی ہے مُبارک ہو، ارے قسمت والوں کو کھوئی ہوئی چیزیں ملتی ہیں" ... آپا اپنی بتّیسی کی نمایش کرتے ہوئے بولیں۔

"اے آپا! یہ سب آپ کی دُعاؤں کا اثر ہے"۔ بیگم سید و بولیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد محلّے کی تمام عورتیں بیگم سید و کے گھر میں جمع تھیں۔

"میں نے بکری کے ملنے کی خبر سُنی تو خوشی کے مارے میرے آنسو نکل آئے"۔ بڑی آپا نے شوشا چھوڑا۔

"مگر میرے تو غم کے مارے آنسو نکل رہے ہیں"۔ سید و میاں اپنے کمرے سے مدھم آواز میں کراہے۔

"کیا کہا؟" بڑی آپا نے بیگم سید و سے پوچھا

"کہہ رہے ہیں اس خوشی کے موقع پر آپ کیا پسند کریں گی؟" بیگم سید و نے بات بنائی۔

"اے اس گرمی میں تو بوتلیں پلوا دو"۔ بڑی آپا سمیت تمام عورتیں بولیں۔

"میں ابھی منگواتی ہوں"۔ یہ کہہ کر بیگم سید و اٹھیں اور سید و میاں کے کمرے کی جانب چل دیں۔

تھوڑی دیر بعد سید و میاں کولڈ ڈرنک کی دُکان پر کھڑے بوتلوں کا کریٹ خریدتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ مہمان اللہ کی رحمت ہوتے ہیں یا---!

چھوٹی سی بات

عطا حسین ملک

"ٹکٹ ٹکٹ" کی آوازیں لگاتا ہوا کنڈیکٹر جب رمضان کے پاس آیا تو اس نے اپنی نگاہیں کھڑکی سے باہر سڑک کے کنارے ایک ٹھیلے والے پر گاڑ دیں اور یوں بن گیا جیسے اس نے کنڈیکٹر کی آواز سنی ہی نہ ہو۔ کنڈیکٹر کا ہاتھ کچھ دیر اس کے سامنے پھیلا رہا اور پھر وہ یہ خیال کر کے آگے بڑھ گیا کہ شاید ان صاحب کا ٹکٹ ہو چکا ہے۔

رمضان نے مسکرا کر اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص پر نظر ڈالی اور دل میں سوچنے لگا کہ واہ میری اداکاری کا جواب نہیں۔ کیسی شاندار اداکاری کرتا ہوں۔ کنڈیکٹر سوچ بھی نہیں سکتا کہ میرا ٹکٹ نہیں ہوا۔

وہ ایک گارمنٹ فیکٹری میں ملازم تھا اور سلائی کا کام کرتا تھا۔ اس کی آمدنی اتنی تھی کہ اس کا اور اس کے بچوں کا گزر بسر اچھی طرح ہو سکتا تھا۔ لیکن اسے ہاتھ کی صفائی دکھانے کا بہت شوق تھا۔ اکثر

دکان سے سامان خریدتے ہوئے وہ کوئی چھوٹی موٹی چیز اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیتا، کسی ہوٹل پر کھانا کھاتا اور پھر پیسے دیے بغیر باہر نکل آتا اور کبھی بن کباب کے ٹھیلے پر کھڑا ہوتا تو جتنی دیر میں کباب والا اس کے لیے بن کباب تیار کرتا وہ اس کی آنکھ بچا کر ایک آدھ کباب جیب میں منتقل کر چکا ہوتا۔ ایک بار تو اس نے خشک میوہ کے ٹھیلے پر سے خان صاحب کو چکما دے کر پستوں سے بھری ہوئی دو ڈھائی کلو کی تھیلی غائب کر دی تھی۔ یہ سارے کام وہ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر کرتا تھا۔ ایسے کام کر کے اس کے دل کو بڑا سکون ملتا اور پھر اس کے کچھ دوست ہوتے جو اس کی اڑائی ہوئی چیزوں میں حصہ بٹاتے اور اس کی جھوٹی تعریف کرتے جاتے جس سے رمضان کو اور حوصلہ ملتا اور وہ اپنی تعریف سن کر مزید پھول جاتا۔

دفعتاً رمضان کی نظر اپنے بیٹے عمران پر پڑی جو اسکول کا بیگ لٹکائے اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا اور کنڈیکٹر کو آواز دے کر اپنی جانب متوجہ کر رہا تھا لیکن کنڈیکٹر کو شاید عمران کی آواز سنائی نہ دی، اس لیے وہ اسے نظر انداز کر کے خواتین کے حصے میں پہنچ گیا۔ اتنی دیر میں بس کا آخری اسٹاپ آگیا۔ رمضان کا گھر آخری اسٹاپ کے قریب ہی تھا۔ سب لوگ ایک ایک کر کے بس سے اُترنے لگے۔

کنڈیکٹر بھی بس سے اتر کر قریب کے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ رمضان آواز دے کر اپنے بیٹے کو مخاطب کرنا چاہتا تھا لیکن پھر وہ کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

عمران بھی کنڈیکٹر کے پیچھے تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا ہوٹل میں داخل ہو گیا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے پیسے اسے دیتے ہوئے کہا،

"یہ لو مجھے ٹکٹ دو، تم بس میں میرا ٹکٹ لینا بھول گئے تھے۔"

کنڈیکٹر نے تعریفی نظروں سے عمران کو دیکھتے ہوئے اس سے پیسے لے لیے پھر اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر ٹکٹ اسے دے دیا۔

رمضان دور کھڑا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ عمران جب ہوٹل سے باہر نکلا تو اس کی نظر اپنے ابّو پر پڑی۔ وہ تیز تیز قدموں سے رمضان کے پاس پہنچ گیا۔ رمضان نے بیٹے سے پوچھا کہ کنڈیکٹر کیا کہہ رہا تھا۔

'کنڈیکٹر میری تعریف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ بیٹا تم کسی نیک اور شریف باپ کی اولاد معلوم ہوتے ہو جبھی اتنے ایماندار ہو۔' عمران نے جواب دیا۔ رمضان کو یوں معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کے منہ پر پوری طاقت سے طمانچہ مارا ہو اس نے ندامت سے نظریں جھکا لیں۔

بال کم ہیں

س : میری عمر ۱۲ سال ہے۔ بال کافی کم ہیں اور لمبے بھی نہیں ہوتے۔ آپ ان کو گھنے اور لمبے کرنے کی کوئی ترکیب بتائیں۔ مبین عمر

ج : اگر بال پیدائشی طور پر کم ہیں تو ان کا زیادہ ہونا مشکل ہے۔ اگر آپ گن کر بتا دیتیں کہ کتنے بال ہیں تو شاید میں زیادہ غور کرتا۔ بالوں کو صاف ستھرا رکھنا بھی ایک اچھی تدبیر ہے۔ روغن رتن جوت ۶ گرام اور روغن لبوب سبعہ ۶ گرام دونوں کو ملالیں اور یہ تیل لگانا شروع کریں۔

دل تیزی سے دھڑکتا ہے

س : عمر ۱۷ سال ہے۔ میرا دل کمزور ہے۔ جب کھیلتا ہوں، خصوصاً فٹ بال یا اور کوئی دوڑنے والا کھیل تو دل کی رفتار بہت تیز ہو جاتی ہے۔ تقریباً ایک منٹ میں اسی بار دھڑکتا ہے۔ جب کبھی بچپن میں کبھی کوئی ڈانٹ دیتا تھا تو بھی دل کی رفتار تیز ہو جاتی تھی۔ اقبال احمد خان،

ج : اب میں کیسے یقین کر لوں کہ ایک منٹ میں اسی بار دھڑکتا ہے۔ غالباً گننے میں کوئی غلطی ہے۔ اگر گننے میں غلطی نہیں ہے تو پھر دل زیادہ نہیں دھڑکتا۔ سانس پھول جانا اور پھر دل زیادہ دھڑکنا کوئی مرض نہیں ہے۔ پھر بھی میں یہ مشورہ دوں گا کہ کسی ماہر امراض قلب سے معائنہ کرالینا چاہیے۔

بال سفید ہو رہے ہیں

س : عمر ۱۶ سال۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرے سر کے بال تیزی سے سفید ہو رہے ہیں۔ دماغ میں

بھی اکثر درد رہتا ہے، حال آں کہ میرا ذہن اچھا ہے۔ میں ہر کلاس میں فرسٹ آتی ہوں۔ میرا دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا قد بہت چھوٹا ہے اور کچھ موٹی بھی ہوں۔ ورزش بھی کرتی ہوں لیکن قد نہیں بڑھ رہا ہے۔ ازراہِ کرم میرے دونوں مسئلوں کا حل بتلایئے۔
کوثر شیخ

ج: اب اللہ تعالیٰ آپ کو بزرگ بنا رہا ہے تو میں کیسے اس بزرگی کو روکنے کا مشورہ دوں! بالوں کا سفید ہونا ایک ایسا مسئلہ ہے کہ رنگ کی اس تبدیلی کا کوئی سبب سمجھ میں نہیں آتا ہے۔

بعض اوقات یہ کیفیت موروثی بھی ہوتی ہے۔ کوئی شدید حادثہ ہو جائے تو بال سفید ہو سکتے ہیں۔ بیٹی! اس کا کوئی یقینی علاج تو نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ آملہ اچھا ہوتا ہے۔ تو بس آپ آملے کا مربّا ایک دانہ (بڑا ہو تو ½ دانہ) صبح کو کئی سال تک کھانے کا فیصلہ کریں۔ ممکن ہے کہ بال سفید ہونے سے رُک جائیں۔ جو سفید ہو گئے ہیں وہ تو اب کالے نہیں ہو سکتے۔

اب جہاں تک قد بڑھانے کا سوال ہے تو یہ تو بھول جائیں البتہ علم و حکمت کے میدان میں اپنا قد بڑھائیں تو اچھا ہے۔

دماغ کمزور ہے

س: عمر ۱۷ سال ہے۔ میں فرسٹ ایر میں پڑھتا ہوں۔ میں روز بہ روز دُبلا ہوتا جا رہا ہوں۔ آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں اور ہر وقت نزلہ، زکام رہتا ہے۔ دماغ بھی بہت کمزور ہو گیا ہے۔ جو کچھ میں یاد کرتا ہوں وہ بھول جاتا ہوں اور یاد بھی مشکل سے ہوتا ہے۔ ازراہ کرم مجھے کوئی دوا یا مشورہ دیجیے۔
ندیم، حیدرآباد

ج: اگر جسمانی صحت خراب ہو تو ذہنی صحت لازماً خراب ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں یادداشت کمزور ہو جاتی ہے اور نزلہ زکام بھی اسی وجہ سے ہوتا ہے۔ نسخے کا سب سے پہلا جزو تو یہ ہے کہ آپ صحت مند ہونے کا قطعی فیصلہ کریں۔ جب تک فیصلہ اور عزم نہیں کریں گے آپ کی صحت ٹھیک ہونا ممکن نہیں ہوگا۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے طاقت سے نوازا ہے۔ اس طاقت کی پوری پوری حفاظت کرنی چاہیے۔ جو نوجوان اپنی طاقت کی حفاظت کرتے ہیں وہ کامیاب ہوتے ہیں۔ ان کے ارادے بلند ہو جاتے ہیں۔ اور اُن کی ہمتیں پست نہیں ہوتیں۔ آپ کو صبح مناسب ورزش کرنی چاہیے۔ سبزیاں کھایئے۔ ہفتے میں دو دن گوشت بھی کھانا چاہیے۔ کھانا اعتدال سے کھانا چاہیے۔ زیادہ کھانے سے صحت اچھی نہیں، خراب ہوتی ہے۔

آواز باریک

س : عمر ۱۲ سال ہے۔ آواز خراب ہے۔ بات کرتے وقت عجیب سی آواز نکلتی ہے۔ اسکول میں جب استاد سے بات کرتا ہوں تو بہت خوف آتا ہے۔ دل تیزی سے دھڑکنے لگتا ہے، آواز نہیں نکلتی اور کبھی کبھی تو آواز رُک رُک کر نکلتی ہے۔ اس کے علاوہ میری آواز باریک ہے۔ میں اپنی اس بیماری سے بڑا پریشان ہوں۔ سید عامر رضا

ج : میرا تو خیال ہے کہ آواز خود بہ خود ٹھیک ہو جائے گی، غالباً کوئی بیماری نہیں ہے۔ یہ آپ استاد سے ڈرتے کیوں ہیں جناب؟ ضرور سبق یاد نہیں کرتے ہوں گے۔ یہ بُری بات ہے۔ تعلیم پر سب سے زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔ تعلیم سے خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ خود اعتمادی کا اعلاترین نسخہ علم ہے۔

آنکھیں کم زور ہیں

س : عمر ۱۶ سال ہے۔ میری نظر کافی کم زور ہو گئی ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں پہلے کافی کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ اگر آپ کوئی ایسا نسخہ بتا دیں جس سے یا تو عینک کا نمبر اور نہ بڑھے یا نظر ٹھیک اور تیز ہو جائے۔ خالد ملک

ج : بھئی پڑھنے کو تو سب ہی پڑھتے ہیں۔ سب کی آنکھیں تو کم زور نہیں ہو جاتیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ کس طرح پڑھتے ہیں؟ اگر روشنی ناکافی ہے یا سورج کی بہت تیز روشنی ہے، ان دونوں میں کتابیں پڑھنے سے آنکھیں کم زور ہو سکتی ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ غذا اچھی نہ ہو، اس میں کافی حیاتین الف اور د نہ ہوں تو اس بھی آنکھوں پر خراب اثر پڑتا ہے۔ ہاں ایسا بھی ہوتا ہے کہ نوجوان اپنی طاقت ضائع کرتے رہتے ہیں۔ آنکھیں ایسا کرنے سے بھی کم زور ہو جاتی ہیں۔ اس سے تو عام صحت بھی تباہ ہو جاتی ہے۔ ذہن اور نظر کے لیے مغز بادام کو اعلا مقام حاصل ہے۔ ۱۲۔۱۵ مغز بادام رات کو بھگو دیں۔ صبح خوب چبا کر کھائیں اوپر سے دودھ پئیں۔

کینسر کا علاج

س : کینسر کیوں اور کیسے ہوتا ہے؟ کیا اس کا علاج دریافت کر لیا گیا ہے؟
نعمان ادریس،

ج : کیوں اور کیسے؟ یہ تو ایسا سوال ہے کہ میں ہزار صفحے بھی لکھ دوں تو جواب شافی تیار نہ ہو،

مختصر یہ کہ جسم انسانی کے خلیے تباہ ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ اس تباہی بربادی کا سبب اب تک معلوم نہیں ہو سکا ہے۔ اور اسی لیے علاج بھی دریافت نہیں ہو سکا ہے لیکن کوششیں جاری ہیں۔ ایک نہ ایک دن انشاء اللہ اس مرض کا علاج بھی دریافت ہو جائے گا۔

آنکھوں کے گرد حلقے

س : عمر ۱۴ سال ہے۔ میری آنکھوں کے گرد حلقے پیدا ہو گئے ہیں۔ ان کو کس طرح ختم کیا جا سکتا ہے؟

نازیہ قمر،

ج : اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ آپ کی صحت خراب ہو رہی ہے۔ تن درستی کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔ اگر جگر صحیح کام نہیں کر رہا ہے تو اُس کا علاج کروانا چاہیے۔ معمولات میں کوئی فرق ہے تو اس پر توجہ کرنی چاہیے۔ کینو، مالٹے زیادہ سے زیادہ کھائیے۔

نکسیر پھوٹ پڑتی ہے

س : میرا ایک دوست ہے۔ جس کی ہر ماہ ایک یا دو بار نکسیر پھوٹ پڑتی ہے۔ کسی دوست کے مشورے پر وہ رات کو دس گرام کھوپرا بھگو کر صبح نہار منہ چبا لیتا ہے۔ کیا یہ علاج مناسب ہے؟

پرنس افضل شاہین،

ج : میرا خیال ہے کہ کھوپرے سے تو شاید ہی نکسیر کا علاج ہو سکے۔ اگر آپ کے دوست یہ علاج کر رہے ہیں تو تجربہ کر لینے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ نکسیر کیوں پھوٹ رہی ہے! کیا ناک کے اندر کوئی زخم ہے یا کوئی شریان یا ورید نازک ہو گئی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ اُن کا خون پیدائشی پتلا ہو۔ نکسیر کے لیے میں اکثر و بیشتر یہ دوا دیتا ہوں:۔

حیاتین ج ۵۰۰ ملی گرام۔ ایک ٹکیا، قرص نفث الدم ایک ٹکیا، بیخ الجبار ۹ گرام کو پانی میں خوب جوش دیں، چھانیں اور اس جوشاندے کے ساتھ دونوں ٹکیاں کھالیں۔

صبح و شام ۱۵۔ ۲۰ دن کھا لینے سے مرض رفع ہو جاتا ہے۔

گھٹنوں میں درد

س : میری والدہ کی عمر تقریباً ۴۳ سال ہے۔ ان کے گھٹنوں میں کئی سالوں سے تکلیف ہے۔ تقریباً ہر ڈاکٹر اور ہر حکیم سے علاج کروالیا ہے مگر تکلیف روز بروز بڑھتی جا رہی ہے۔ براہِ کرم

کوئی موثر علاج بتلایئے؟ افتخار بن نیاز

ج: محترمہ والدہ صاحبہ کو صبح اور رات کافی دنوں تک معجون سورنجان ۶۔ ۶ گرام کھانا چاہیے۔ اس کے علاوہ ایک چھٹانک گلِ ٹیسو کو پانی میں خوب جوش دے کر اُس سے گھٹنوں کو سینکنا چاہیے۔ اور پھر تولیے سے پونچھ کر اوپر سے کوئی بام ملنی چاہیے اور پھر موٹی روئی باندھ کر سو جانا چاہیے۔ یہ عمل رات کو کرنا چاہیے۔

دانتوں اور مسوڑھوں کا علاج

س: دانتوں اور مسوڑھوں کے لیے سب سے بہترین علاج کیا ہے؟ واجد نگینوی،

ج: دانت زیادہ نہ پیسے جائیں، یعنی غصہ اگر آئے تو اُسے دبائیں اور دانت نہ پیسیں ورنہ دانت خراب ہوں گے۔ سب سے اچھا علاج یہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں کی صفائی کا خیال رکھا جائے۔ تو بہ ہے ان دنوں اکثر نونہال منہ میں ببل گم چباتے رہتے ہیں۔ یہ نہایت خراب چیز ہے اور خراب عادت ہے۔ ہر وقت مُنہ چلانا شائستگی نہیں ہے۔

بال جھڑتے ہیں

س: میری والدہ محترمہ جب بالوں میں کنگھا کرتی ہیں تو ان کے بال جھڑتے ہیں اور گچھے بن کر گرتے ہیں۔ یہ کیا بیماری ہے؟ عظمیٰ فرخ بنت محمد الیاس

ج: ہو سکتا ہے کہ والدۂ محترمہ کے سر میں خشکی (بفا = ڈینڈرف) ہو۔ اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے اور بال جھڑنے لگتے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو دواے خارش سفید ۶ گرام اور روغن کیلا ۶۰ گرام ہمدرد سے لے لیں۔ دونوں کو ملالیں۔ رات سر میں یہ تیل لگائیں۔ صبح سر دھولیں۔ دس بارہ دن میں بفا دور ہو جاتی ہے۔

دن رات کیسے بنتے ہیں؟

آپ اکثر پوچھتے ہیں یا سوچتے ہیں کہ رات کو اندھیرا کیوں ہو جاتا ہے اور دن رات کیسے بنتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہماری زمین یوں تو ٹھیری ہوئی نظر آتی ہے لیکن اصل میں وہ دو طرح کی گردش کرتی ہے۔ ایک تو وہ لٹو کی طرح اپنے محور پر گھومتی ہے اور دوسرے سورج کے چاروں طرف بھی گھومتی ہے۔ پہلی گردش سے دن رات وجود میں آتے ہیں اور دوسری گردش سے ہمارے موسم تبدیل ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر زمین ایک منٹ کے لیے بھی ٹھیر جائے تو وہ سیدھی سورج کے اندر جا گرے جو ہم سے پورے نو کروڑ تیس لاکھ میل دُور ہے۔ نظام شمسی میں سورج کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اور ہماری زمین اور اس کے علاوہ کئی دوسرے سیارے مختلف فاصلوں پر رہتے ہوئے سورج کے چاروں طرف گردش کرتے رہتے ہیں۔

زمین بہت بڑی ہے اور ہم بہت چھوٹے ہیں۔ اگر آپ ایک بڑی فٹ بال پر ایک چیونٹی کو بٹھا کر گیند کو گھمائیں تو بے چاری چیونٹی کو گیند کے گھومنے کا احساس نہیں ہوگا۔ اسی طرح ہمیں بھی زمین کی گردش کا پتا نہیں چلتا۔ وہ چوبیس گھنٹوں میں اپنی ایک گردش پوری کر لیتی ہے۔ یہ زمین کی روزانہ گردش کہلاتی ہے اور اسی سے دن رات بنتے ہیں۔

زمین خود نہیں چمکتی، بلکہ سورج سے روشنی اور گرمی حاصل کرتی ہے۔ آپ نے اپنے اسکول میں گلوب ضرور دیکھا ہوگا جس پر دنیا کا نقشہ چھپا ہوتا ہے۔ اگر آپ اس گلوب کو کسی لیمپ یا بلب کے سامنے گھمائیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس کے آدھے حصّے پر روشنی پڑ رہی ہے اور دوسرا آدھا حصّہ اندھیرے میں ہے۔ جیسے جیسے آپ گلوب کو گھمائیں گے زمین کے کچھ ملک روشنی میں آتے جائیں گے اور کچھ اندھیرے میں چلے جائیں گے۔ یہ گویا گلوب پر دن رات بن رہے ہیں۔ زمین بھی سورج کے سامنے اس گلوب کی طرح اپنے محور پر گھومتی ہے۔ اُس کے جتنے حصّے پر روشنی پڑتی ہے وہاں دن رہتا ہے اور جتنا حصّہ دوسری طرف ہوتا ہے جس پر روشنی نہیں پڑتی وہاں رات رہتی ہے۔ پھر وہ حصّہ سورج کے سامنے آجاتا ہے۔ وہاں دن ہو جاتا ہے اور پہلے حصّے پر رات آجاتی ہے اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا ہے۔

شکیل صدیقی

ہم شکل ہم راز

(چوتھی قسط)

"ڈھب... ڈھب... ڈھب..." میرا دل اتنی آواز کے ساتھ دھڑک رہا تھا کہ مجھے اس کی گونج اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

میں نے سوچا ماں کی ممتا کو دھوکا دینا بہت مشکل ہے۔ اماں نابینا تھی اور مجھے دیکھ نہیں پا رہی تھی، اس کے باوجود اس نے یہ جان لیا تھا کہ میں اس کا بیٹا نہیں ہوں۔ میں اسے اطمینان نہ دلاتا تو یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ شور مچادیتی اور مجھے کسی مصیبت میں گرفتار کرادیتی۔ ظاہر ہے کہ پھر وہ لوگ مجھے پکڑ لیتے اور سلطان احمد کے بارے میں پوچھتے، جس کی جگہ میں بمبئی سے آیا تھا۔

"تت... تم... آآآپ کو... کیسے معلوم ہوگیا اماں؟" میں نے پوچھا۔ خوف اور دہشت کی وجہ سے میں ہکلانے لگا۔

انھوں نے میرا چہرہ تھپ تھپا کر کہا: "خوش بُو میرے بیٹے، خوش بو! تجھ میں ایسی خوش بُو نہیں آرہی ہے جیسی کہ سلطان کی ہے۔ سچ سچ بتادے وہ کہاں گیا؟" وہ سرگوشی میں بول رہی تھیں جیسے کہ میرے راز کو راز ہی میں رکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اسی طرح سے اور اتنی ہی دھیمی آواز میں انھیں پوری کہانی سنادی۔

انھوں نے کہا: "ٹھیک ہے۔ تو تھوڑے دن یہیں رہ میرے پاس۔ اس گھر میں اور سلطان کے دشمنوں کا پتا لگا۔ میری اللہ پاک سے یہی دعا ہے کہ وہ جہاں رہے خوش رہے۔ اللہ اس کی حفاظت کرے۔"

میں ان کے پاس سے بھاری دل کے ساتھ اٹھ آیا۔ معلوم نہیں کیوں میرا دل چاہ رہا تھا کہ ہچکیوں کے ساتھ رونے لگوں۔ مجھے اپنی ماں یاد آرہی تھیں۔ وہ ساتوں بہنوں سے زیادہ مجھے چاہتی تھیں اور رات کو اگر میں باہر سے کھانا کھا کر نہ آیا ہوں تو مجھے خود اپنے ہاتھ سے کھانا کھلاتی تھیں۔

لمبے قد کی ایک لڑکی تھی جس کے اوپری دانت غیر معمولی طور پر بڑے تھے۔ مجھے اس کا اندازہ اس طرح سے ہوا کہ اس کے منہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ میں نے ذہن پر زور ڈالا تو یاد آیا کہ سلطان نے بتایا تھا کہ وہ ماموں زاد بہن راحیلہ ہے۔

اس نے شوخی سے کہا : "اللہ بھائی جان! کیا آپ کی آنکھیں بند ہیں؟ دیکھ کر کیوں نہیں چلتے؟"

"تم خود ہی کھجور کے درخت کی طرح میرے سامنے آگئیں راحیلہ' ورنہ میں تو ٹھیک جارہا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئی : " راحیلہ؟ کیا آپ کی آنکھیں واقعی بند ہیں! میں تو فوزیہ ہوں فوزیہ۔"

میں گڑبڑا گیا۔ میری یادداشت دھوکا کھا رہی تھی۔ سلطان نے اپنے بھائی بہنوں کے متعلق جو کچھ بتایا تھا وہ سب میرے دماغ میں گڈمڈ ہو گیا تھا۔

" اوہ ہاں' بھئی میرے منہ سے غلط نام نکل گیا۔ تم تو فوزیہ ہو کٹ کھنی مرغی۔" مجھے یاد آیا کہ سلطان نے اسے یہ خطاب دے رکھا تھا۔

اس بار تیر صحیح نشانے پر لگا۔

"اللہ بھائی جان آپ پھر مجھے ستا رہے ہیں۔" وہ پیچھے ہٹ کر منمنائی۔

"اچھا ہٹو میرے راستے سے۔ ایک طرف ہو جاؤ۔"

اس نے اچانک پوچھا : "آپ غائب کہاں ہو گئے تھے؟ سب لوگ پریشان تھے۔"

اغوا برائے تاوان والا بہانہ میں اس کے سامنے نہیں بنا سکتا تھا۔ اس کے سامنے کیا کسی کے سامنے بھی اس کا ذکر نہیں کرنا تھا' اس لیے کہ ماموں گلزار نے منع کردیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اس میں ہمارے خاندان کی بدنامی ہے۔ فوری طور پر سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کے سامنے کیا عذر پیش کروں۔

"مم۔ میں۔۔۔ یہ۔۔۔"

"کیا بکریوں کی طرح میں میں کر رہے ہیں۔ صاف آواز میں بولیے۔" اس نے بائیں ہاتھ کے لمبے ناخن میری گردن میں چبھو کر کہا۔

"مجھے پریاں اٹھا کر لے گئی تھیں۔ میں پرستان گیا ہوا تھا۔" میں نے جھٹ سے کہا۔
"پھر کالے دیو نے آپ کو دھکا دے کر ہماری دنیا میں واپس بھیج دیا۔ ہے نا؟" وہ لبے دانت نکال کر کھی کھی کھی کرکے ہنسی : "اور جب آپ کی آنکھیں کھلیں تو آپ کے ہاتھ پاؤں چارپائی کے بانوں میں پھنسے ہوئے تھے یا آپ بستر سے نیچے پڑے ہوں گے۔"
میں اس سے جان چھڑا کر اپنے کمرے کی طرف جانا چاہتا تھا تاکہ لباس بدل لوں، مگر یہ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میرا کمرا کہاں ہے اور مجھے کس طرف جانا چاہیے۔ اس فوزیہ کی بچی نے سب کچھ بھلا دیا تھا!
میں گم صم کھڑا تھا کہ اس نے میری گردن گھما کر مجھے دھکا دیا اور میری مصیبت خود ہی حل کردی۔
"جایئے اپنے ہاتھ پیر اور منہ دھویئے۔ کھانے کا وقت ہورہا ہے۔ اور یہ آپ کے ہاتھ اتنے کالے سے کیوں ہورہے ہیں؟ کیا پرستان میں پریوں نے آپ کو تارکول کے ڈرم میں ڈال دیا تھا؟" وہ مذاق سے اب بھی باز نہیں آرہی تھی۔
میں اس کی بات کا جواب دیے بغیر فوراً اس دروازے کی طرف بھاگا جدھر فوزیہ نے مجھے دھکا دیا تھا۔ وہ کمرا سب سے آخر میں تھا۔ میں نے دروازے کے لٹو پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمایا تو وہ کھل گیا۔ اندر پہنچ کر میں نے دروازہ بند کرلیا اور دائیں جانب لگے ہوئے سوئچ بورڈ پر انگلیاں ماریں تو بہت سی لائٹیں جل اٹھیں اور پنکھے چلنے لگے۔
میں نے سنبھل سنبھل کر سوئچ آف کیے اور دو لائٹیں جلتی رہنے دیں۔ کمرے کے بیچوں بیچ چھت میں لگا ہوا چھوٹا سا فانوس مجھے بہت اچھا لگا۔ میں دو قدم آگے بڑھا تو نرم و ملائم قالین میں میرے پاؤں دھنسنے لگے۔ بائیں جانب نہایت خوب صورت اور بڑی مسہری تھی اور دائیں جانب لکھنے پڑھنے کی میز۔
واہ مزے آگئے۔ میرا دل چاہا کہ خوب اچھلوں کودوں اور قالین پر لوٹیں لگاؤں۔ اللہ میاں نے کتنی مہربانی کی اور مجھے کیسی جنت میں بھیج دیا۔ ارادہ تھا کہ میں منہ ہاتھ دھولوں گا، مگر پھر میں نے سوچا کہ نہالینا چاہیے۔ غسل خانے میں جانے سے پہلے میں نے سوچا کہ لباس منتخب کرلینا چاہیے، مگر کپڑوں کی الماری کہیں نظر نہیں آئی۔ البتہ دائیں جانب دو دروازے لگے

دکھائی دیے۔

میں نے نزدیک جاکر انھیں کھولا تو میرے حلق سے چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اس میں اوپر سے نیچے تک کپڑے ہی کپڑے بھرے تھے۔ نہایت سلیقے سے تہ کیے ہوئے۔ میری تو عقل چکرا گئی کہ کیا پہنوں اور کیا نہ پہنوں۔ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ کس وقت کیا پہنا جاتا ہے؟

نائٹ گاؤن!

میرے ذہن میں جھماکا ہوا کہ رات کو لوگ نائٹ گاؤن پہنتے ہیں۔ میں نے فلموں میں دیکھا تھا اور سنا بھی تھا کہ بہت امیر لوگ رات کو یہی لباس پہنتے ہیں۔ میں نے دیوار میں دھنسی ہوئی اس الماری سے نائٹ گاؤن نکال لیا اور غسل خانے میں چلا گیا۔ وہاں عجیب عجیب چیزیں لگی ہوئی تھیں جنھیں سمجھنے میں کافی دیر لگی۔ بہت سی چیزیں سمجھ میں نہیں آئیں۔ بالٹی اور مگ کہیں دکھائی نہیں دیا۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ نہاؤں کیسے؟

بمبئی میں اپنے مکان پر ہوتا تو نلکے پر مگ اور بالٹی لے جاتا اور نیکر پہنے پہنے وہیں نہا لیتا۔ اللہ اللہ خیر صلا۔

بہر حال نہانا ضرور تھا اور ہاتھوں پیروں کی سیاہی چھڑانی تھی' اس لیے میں نے دیوار میں لگے ہوئے والو گھمانا شروع کردیے۔ ارے بھئی' پھر تو مزہ ہی آگیا۔ پانی فوارے کی طرح میرے جسم پر گرنے لگا۔ میں نے اچھی طرح سے غسل کیا اور خوش بو دار صابن کو اپنے جسم پر رگڑا تو مجھے بہت اچھا لگا۔

نہا دھو کر اور تمام نلکے بند کر کے میں نے نائٹ گاؤن پہنا اور غسل خانے میں لگے ہوئے آئینے کے سامنے جاکر کھڑا ہوگیا۔ اس کے دائیں طرف ایک سوئچ دبایا تو آئینے کے اوپر لگی ہوئی تیز روشنیاں جل اٹھیں اور میرا چہرہ روشن ہوگیا۔ میں نے کنگھا اٹھاکر گیلے بالوں میں کنگھا کیا اور تھوڑی سی کریم چہرے پر ملتا ہوا باہر آگیا۔

بالکل شہزادوں والا حساب کتاب تھا وہاں۔ میرے تو مزے آگئے۔ بہت زور سے بھوک لگ رہی تھی۔ میں نے مسہری کے سرہانے لگی ہوئی گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ نو بجنے والے تھے۔ معلوم نہیں یہ بڑے لوگ کھانا کس وقت کھاتے ہیں؟ رات کو کھاتے بھی ہیں یا نہیں؟ ایسا تو

نہیں کہ صرف دودھ پی کر سوجاتے ہوں؟

میں اپنے کمرے سے باہر نکل آیا۔ ٹھیک اسی وقت ہلکی آواز میں ایک گھنٹہ بجنے لگا۔ "ڈنگ ڈانگ۔۔۔ ڈنگ ڈانگ۔۔۔" مجھے یاد آیا کہ سلطان احمد نے بتایا تھا کہ کھانے سے پہلے حویلی میں ایسا گھنٹہ ضرور بجتا ہے۔ اور اس کی آواز سن کر سب لوگوں یعنی بچوں اور بڑوں کو کھانے کے کمرے میں پہنچنا ہوتا ہے۔ گلزار ماموں اس معاملے میں بہت سخت تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ کھانا وقت پر کھایا جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کھانے کا وقت ہوگیا ہے' مگر میں کہاں جاؤں؟ کھانے کا کمرہ کہاں ہے؟ ہاں یاد آیا' شاید نیچے ہے۔ سلطان نے یہی تو بتایا تھا؟

میں ٹہلنے والے انداز میں زینوں کی طرف بڑھنے لگا۔ حویلی اتنی خوب صورت تھی کہ ہر ایک چیز کو رک رک کر دیکھنے کو دل چاہتا تھا۔ میں نیچے پہنچ کر ایک طرف ہوگیا۔ سوچا کوئی آواز دے گا یا ہاتھ پکڑ کر کھینچے گا تو اس کے ساتھ ہولوں گا اور اس طرح سے کھانے کے کمرے میں پہنچ جاؤں گا۔

میں جہاں کھڑا تھا وہ ایک چھوٹا سا ہال تھا۔ سامنے آگے پیچھے بہت سے دروازے تھے۔ یا اللہ کہاں جاؤں! اچانک بائیں طرف کا ایک دروازہ کھلا۔ سفید کپڑے پہنے ہوئے ایک آدمی نکلا جو ٹرالی دھکیل رہا تھا۔ بے ساختہ جی چاہا کہ اس سے پوچھ لوں' بھائی صاحب کھانے کا کمرہ کہاں ہے؟ مہربانی ہوگی بتادیجیے۔ لیکن شکر ہے کہ عین وقت پر یاد آگیا کہ میں اس حویلی کا مالک سلطان احمد ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ میں تھا تو پرویز مستانہ' مگر سلطان احمد کی جگہ لیے ہوئے تھا اس لیے مجھے اسی جیسا بن کر رہنا چاہیے تھا۔

"بابو سلطان آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں؟" اس سفید لباس والے نے پوچھا۔

مجھے یاد آیا کہ ایسے سفید کپڑے والے اونچے ہوٹلوں میں ہوتے ہیں اور ویٹر کہلاتے ہیں۔ مگر وہ یہاں کیا کر رہا تھا؟

"بھئی مجھے کہاں ہونا چاہیے؟" میں نے سٹ پٹاتے ہوئے پوچھا۔

وہ سادگی سے بولا : "ڈائننگ روم میں۔ چلیے سب لوگ انتظار کر رہے ہیں آپ کا۔"

وہ ٹرالی دھکیلتا ہوا آگے بڑھنے لگا تو میں بھی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ یوں میں ڈائننگ روم کے بجائے کچن میں پہنچ گیا۔

"بابو آپ یہاں کیوں آگئے؟" اس نے حیرت سے پوچھا۔
دل چاہ رہا تھا کہ اس کے گال پر تمانچہ مار کر پوچھوں کہ مجھے کہاں جانا چاہیے اور وہ بتاتا کیوں نہیں کہ ڈائننگ ہال کہاں ہے، مگر میں نے خود پر قابو پالیا۔ اس لیے کہ پھر ڈراما غلط ہوجاتا اور میں پکڑ لیا جاتا۔ میں نے جھٹکے دار آواز میں کہا : "میری مرضی۔ تم کون ہوتے ہو پوچھنے والے۔" پھر میں وہاں سے پلٹ گیا۔
میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ ویٹر جہاں سے ٹرالی لے کر نکلا تھا ڈائننگ ہال وہی ہوگا۔ اس لیے کہ وہ خالی ٹرالی لے کر نکلا تھا۔ اس نے کچن سے کھانا لے جاکر وہاں رکھا ہوگا۔ اس دروازے پر پہنچ کر میں نے جب اس کا دروازہ کھولا تو چونک کر رہ گیا۔ وہاں ایک لمبی میز تھی جس کے چاروں طرف خاندان کے تمام لوگ بیٹھے تھے۔ میرے قدموں کی چاپ سن کر ان سب لوگوں نے میری طرف دیکھا۔ چند ایک لڑکے اور لڑکیوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر ایک لڑکی نے کہا : "بھائی جان! آپ نائٹ گاؤن پہن کر کھانا کھانے کیوں چلے آئے؟"
میں نے محسوس کیا کہ معاملہ غلط ہوگیا ہے، مگر صورت حال ایسی تھی کہ میں الٹے پاؤں واپس نہیں جاسکتا تھا۔ پھر کیا کرنا چاہیے؟ میں نے سوچا پھر بات بنائی :
"میں... میں فوراً ہی سوجاؤں گا۔ تھکا ہوا ہوں۔"
میرا جواب سن کر وہ اپنی پلیٹوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ بات بن گئی ہے، اس لیے میں قدم جما جما کر چلتا ہوا میز کے قریب پہنچا اور ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔
"آپ یہاں کیوں بیٹھ گئے؟" ایک لڑکے نے کہا۔ معلوم نہیں وہ کون تھا؟ احمد یا زاہد؟ چچا زاد یا ماموں زاد؟
"کیوں یہاں بیٹھنے میں کیا ہرج ہے؟" میں نے ناک سکیڑ کر کہا۔
"کچھ نہیں، میرا مطلب ہے کہ آپ کی کرسی تو وہ ہے۔ آپ کو وہاں بیٹھنا چاہیے۔" اس نے میز کے آخر میں رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ کرسی دوسری کرسیوں کے مقابلے میں خوب صورت تھی اور اس پر مخمل چڑھی ہوئی تھی۔ ایسی کرسیوں پر بڑے لوگ بیٹھتے ہیں۔ میں اپنی جگہ سے اٹھ کر وہاں جاتا تو کھیل بگڑ سکتا تھا، اس لیے میں نے ضدی بچوں کی

طرح کہا : "نہیں، آج میں یہیں بیٹھوں گا۔"

کسی نے کچھ نہیں کہا اور سب مجھے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگے۔

میں نے سب کی طرف سے نظریں ہٹا کر میز کی طرف دیکھا تو طبیعت خوش ہو گئی۔ وہاں قسم قسم کے نعمتیں بچی ہوئی تھیں۔ ایک سے ایک خوش نما کھانے تھے۔ میرا دل تو چاہ رہا تھا کہ ایک دم سے سب پر ٹوٹ پڑوں اور انھیں اپنے معدے میں اتار لوں، مگر میں نے صبر کیا۔

بریانی میری کم زوری ہے۔ وہی سب سے آگے رکھی تھی۔ میں نے اس کی قاب کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ٹھیک اسی وقت ایک عجیب سی آواز ابھری۔ جیسے کوئی راہ داری میں چل رہا ہو۔ کھٹ۔۔ کھٹ۔۔ گھر گھر گھر۔۔! وہ کوئی ایسا آدمی تھا جو پاؤں گھسیٹ کر چل رہا تھا۔

میرے ذہن میں دھماکے ہونے لگے۔ جیسے کوئی چیز یاد داشت کی نچلی تہ سے اوپر آنے کی کوشش کر رہی ہو۔ میں نے ذہن کو جھٹکا اور بریانی اپنی پلیٹ میں نکال لی۔ نزدیک ہی رائتہ رکھا تھا۔ میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو وہی آواز پھر سنائی دینے لگی۔ اس بار وہ اور صاف تھی۔ کھٹ۔۔ کھٹ۔۔ کھٹ۔۔ گھر گھر گھر۔

یکایک مجھے یاد آیا کہ ایسی آواز کے بارے میں مجھے سلطان احمد نے بتایا تھا۔ کہ۔۔۔ کہ۔۔ اسے تین دن پہلے رات کو کوئی لنگڑا قتل کرنے آیا تھا اور اس کے قدموں سے ایسی ہی آواز نکل رہی تھی۔ تو کیا وہی قاتل یہاں پھر آگیا ہے اور اب مجھے ہلاک کرنا چاہتا ہے؟

میرا جسم کانپنے لگا اور مجھے خوف کی ایک لہر نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

پھر دروازہ کھلا اور ایک ہیبت ناک آدمی ڈائننگ ہال میں آگیا۔ وہ ایک ٹانگ گھسیٹ کر چل رہا تھا۔ اس وقت میں ڈر گیا اور میرے ہاتھ میں دبا ہوا رائتے کا ڈونگا میرے ہاتھ سے پھسل کر میز پر گر گیا پھر لڑھک کر میری گود میں چلا گیا۔ میں رائتے میں لتھڑ گیا۔ میں نے اس خوف ناک آدمی کی طرف ہاتھ اٹھا کر کانپتی آواز میں کہا : "اس۔۔ سے۔۔ سے۔۔ گ۔۔۔ گرفتار کرلو۔۔ یہ۔۔ یہ۔۔ قا قاتل ہے۔"

کھانے کی میز پر بیٹھے ہوئے سب لوگ چونک کر حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے۔

(آیندہ ماہ سلطان احمد کی حیرت انگیز کہانی پڑھیے)
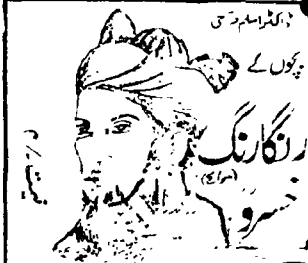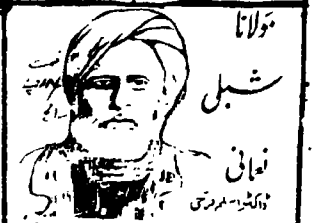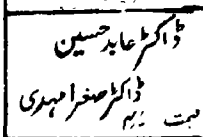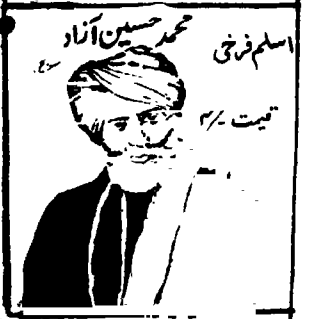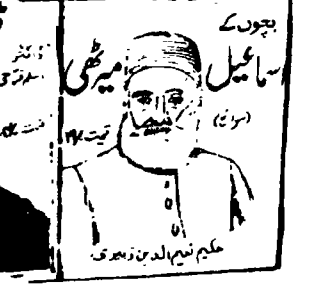
بچوں کی کوششیں

محبّت کا اثر

حضرت خواجہ باقی باللہ رح ایک بڑے صوفی بزرگ گزرے ہیں۔ آپ بڑے اللہ والے تھے۔ ہمیشہ اللہ کی عبادت اور اس کے ذکر میں مشغول رہتے۔ آپ کے ہمسایہ میں ایک بڑا شریر آدمی رہتا تھا۔ وہ اپنی بُری باتوں سے سارے محلہ کو بہت تنگ کرتا تھا اس کے ساتھ ساتھ آپ رح کو بھی بہت ستاتا تھا۔ آپ اس کی شرارتوں کو برداشت کرتے اور اسے کچھ نہ کہتے تھے۔ خواجہ باقی باللہ کے ایک مُرید خواجہ حسام الدین رح بھی تھے۔ ان سے یہ سب کچھ دیکھا نہ گیا۔ پہلے آپ نے اس شریر آدمی کو سمجھایا مگر شریر آدمی نے ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا۔ اور اپنی شرارتوں سے باز نہیں آیا۔ آخرکار خواجہ حسام الدین رح نے کوتوال سے شکایت کر دی۔ کوتوال نے اسے گرفتار کروا کر جیل خانہ میں بند کروا دیا۔ خواجہ باقی کو جب یہ سب معلوم ہوا تو ناراض ہوئے۔ خواجہ حسام الدین رح نے کہا، وہ آدمی بڑا شریر تھا۔ اس کی شرارت دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے اثر سے دوسرے لوگ بھی خراب ہو سکتے تھے۔" خواجہ باقی باللہ نے ایک سرد آہ بھری اور کہا، بھائی تم اپنے کو نیک اور اچھا آدمی سمجھتے ہو، وہ شخص تمھیں بدکار اور شریر معلوم ہوا ہم تو اپنے آپ کو کسی طرح بھی اس سے اچھا اور الگ نہیں پاتے۔ ہم بھلا کیسے اس کو نقصان پہنچائیں۔"

حضرت خواجہ باقی باللہ رح نے کوشش کر کے اپنے ہمسایہ کو آزاد کروا لیا۔ آپ کی شفقت اور دریا دلی سے اس نے بہت اچھا اثر قبول کیا۔ آپ رح کی صحبت میں رہ کر وہ شخص نیک اور دیندار آدمی بن گیا۔ جو لوگ کسی کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں ان

- موت میرے لیے شہد سے زیادہ شیریں ہے۔ یہ الفاظ حضرت قاسم رض کے تھے۔
- قافلہ حسینی پر پانی ۷ محرم ۶۱ ہجری کو بند کیا گیا تھا۔
- خاتون کربلا حضرت زینب رض کو کہتے ہیں۔
- حضرت امام حسین رض نے ۲۵ حج کیے تھے۔
- سانحہ کربلا ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ محرم کو پیش آیا۔
- ذلت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ یہ قول حضرت امام حسین رض کا ہے۔
- سانحۂ کربلا میں حضرت امام حسین رض کے سب سے معمر ساتھی حبیب ابن مظاہر تھے۔
- کرتے تھے کیوں رسولؐ محبت حسین رض سے عقدہ کھلا یہ معرکۂ کربلا کے بعد یہ شعر مولانا حسرت موہانی کا ہے۔
- بیمار عابد، زین العابدین، کو کہتے ہیں ان کا اصل نام حضرت علی بن حسین رض تھا۔

اس سے محبت سے پیش آتے ہیں تبھی
نصیحت کا اثر ہوتا ہے۔

عابد علی شیروانی، مالیر کوٹلہ، پنجاب

موت کب آجائے

مدراس سے میسور کی طرف زناٹے بھرتی ایک بس جارہی تھی، راستہ سنسان تھا، چاندنی رات تھی اتفاق سے ایک آدمی نے ہاتھ دے کر بس کو رکوانا چاہا، وہ آدمی سفید لباس پہنے ہوا تھا بس رکی تو کنڈکٹر نے دروازہ کھول دیا، جب بس میں کوئی داخل نہ ہوا تو کنڈکٹر نے اُتر کر اِدھر اُدھر دیکھا، پر کوئی نظر نہ آیا تو اس نے دروازہ بند کرکے سیٹی بجائی، بس نہ چلی تو پھر بجائی، اس طرح کئی بار سیٹی بجانے کے باوجود بس نہ چلی تو اس نے ڈرائیور کے پاس جاکر کہا کہ چل بھائی کوئی نہیں ہے۔ جب بالکل قریب گیا تو دیکھا کہ ڈرائیور سو رہا ہے اس کو جگانے پر معلوم ہوا کہ وہ مرچکا ہے۔ وہ آدمی، آدمی نہیں موت کا فرشتہ تھا جو کہ مقررہ وقت پر جان لینے آگیا تھا۔ اسی طرح ہمیں ہمیشہ چاق و چوبند رہنا چاہیے کیا پتا کب موت آجائے اور کہاں آجائے۔

عبدالسلام مدرسہ اسلامیہ تہبت مئو، کاکوری، لکھنؤ

عقلمند لڑکی

کہتے ہیں ایران کے ایک بادشاہ نے اپنے محل کے باہر ایک صندوق رکھوا دیا تھا جس کسی کو بھی کوئی شکایت ہوتی تو وہ عرضی لکھ کر اس صندوق میں ڈال دیتا تھا۔ بادشاہ ہفتہ میں ایک بار صندوق کھولتا اور عرضیاں پڑھ کر رعایا کی شکایتیں دور کرتا۔ ایک دن بادشاہ نے صندوق کھولا تو اس میں سے ایک ایسی عرضی نکلی جس میں نہایت اچھے شعروں میں بادشاہ کی تعریف کی گئی تھی۔ بادشاہ انھیں پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ جس نے یہ شعر لکھے ہیں اسے ہمارے سامنے پیش کیا جائے۔ بادشاہ کے حکم پر کارندوں نے تلاش کرنا شروع کردیا۔ اور پھر ایک دن ایک جوان لڑکی پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور منہ پر میلا کچیلا نقاب ڈالے بادشاہ کے دربار

ایک ٹرک ڈرائیور نے ایک ریستوراں کے قریب ٹرک روکا اور کھانا کھانے کے لیے اندر چلا گیا۔ ایک خالی میز پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنے لیے کافی، کریم رول اور سموسے طلب کیے۔ بیرے نے مطلوبہ اشیا اس کے سامنے لاکر رکھ دیں۔ اچانک تین سائکل سوار وہاں آئے۔ ایک نے سموسوں کی پلیٹ اٹھائی اور سموسے کھا گیا۔ دوسرے نے کافی پی اور تیسرے نے کریم رول کھالیے۔ ٹرک ڈرائیور نے ایک لفظ بھی نہ کہا اور کاؤنٹر پر جاکر چیزوں کی قیمت ادا کردی اور ٹرک اسٹارٹ کرکے وہاں سے چلا گیا۔ سائکل سواروں کے سرغنہ نے فلک شگاف نعرہ لگاکر کہا۔

"اس بزدل آدمی کو تو مردانگی چھو کر بھی نہیں گزری۔" "تم ٹھیک کہتے ہو"۔ ریستوراں کا مالک بولا۔ "اسے صحیح طور پر ڈرائیونگ بھی نہیں آتی۔ وہ بیوقوف تینوں سائکلوں کو کچلتا ہوا گیا ہے۔"

میں پیش کر دی گئی۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا تو کیا کہنا چاہتی ہے؟

لڑکی نے عرض کیا۔ بادشاہ سلامت! میں ایک شخص سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ مگر وہ انکار کرتا ہے۔ حضور! اس سے میری شادی کرا دیں۔ بادشاہ نے خیال کیا کہ یہ لڑکی ضرور بدشکل ہوگی۔ اسی وجہ سے وہ شادی سے انکار کرتا ہے۔ چنانچہ دیکھنے کے لیے اس نے لڑکی کو منہ سے نقاب اٹھانے کا حکم دیا۔ لڑکی نے نقاب اٹھا تو بادشاہ حیران رہ گیا کیونکہ لڑکی بے حد خوبصورت تھی۔ بادشاہ نے کہا کہ وہ کون بیوقوف ہے جو تجھ جیسی لڑکی سے شادی کرنے پر رضامند نہیں؟ تو بے فکر رہ، تو جس سے شادی کرنا چاہتی ہے اس سے تیری شادی کرا دی جائے گی۔

بادشاہ نے اس کا پتا دریافت کر کے اسے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا اور جب وہ حاضر ہوا تو اس سے پوچھا گیا کہ تم اس لڑکی سے شادی کیوں نہیں کرتے؟ اس شخص نے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔ بادشاہ سلامت! یہ میری سگی بہن ہے۔ میں اس سے شادی کیسے کر سکتا ہوں؟ بادشاہ نے کہا، تو جھوٹا ہے اگر تو اس لڑکی کا بھائی ہے تو سچا گواہ پیش کر۔ یہ سن کر وہ شخص فوراً اپنے محلے میں گیا اور دو بوڑھوں کو اپنے ساتھ لے آیا جنھوں نے قسم کھا کر کہا کہ بے شک یہ لڑکی اس کی سگی بہن ہے اور دونوں ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں۔ لڑکی نے بوڑھوں کی بات سن کر کہا۔ بادشاہ سلامت! میرے ماں باپ کے مرنے کے بعد جب اس بھائی نے مجھے جائداد کا حصہ دینے سے انکار کر دیا تھا تو یہی دونوں بے ایمان بوڑھے عدالت میں گواہی دینے گئے تھے کہ اس کی کوئی بہن نہیں ہے اس لیے یہ تمام جائداد کا اکیلا وارث ہے۔ ان کی گواہی اور میرے بھائی کے جھوٹ کی وجہ سے مجھے جائداد کے حصہ سے محروم کر دیا گیا تھا۔ میں نے ان کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لیے یہ بہانہ بنایا تھا۔ بادشاہ نے فوراً مقدمہ کی مثل منگوائی۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ واقعی لڑکی سچی ہے۔ یہ راز کھلنے پر دونوں بوڑھے اور نوجوان بھائی کے ہوش اڑ گئے۔ انھوں نے اپنا قصور تسلیم کر لیا اور معافی مانگنے لگے۔ بادشاہ اور درباری لڑکی کی عقلمندی کی تعریف کرنے لگے۔ اس نے کس طرح اور کس خوبی پر اپنا حق منوا لیا۔ بادشاہ نے لڑکی کے بھائی کو حکم دیا کہ فوراً اپنی بہن کا حصہ ادا کرے۔ لڑکی نے اپنا جائز حصہ پا لیا۔ دونوں بوڑھوں اور لڑکی کے بھائی کو جھوٹ بولنے پر سزا کا حکم دیا۔ لیکن بعد میں لڑکی کے کہنے پر انھیں چھوڑ دیا گیا۔

عبدالرحمٰن بن حکیم عبدالرقیب، محلہ پورہ صوفی مبارکپور

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسلمین عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں واقعہ ہجرت کے چھٹے سال بعد باقاعدہ طور پر سنہ ہجری جاری فرمایا۔ اس کی ابتدا محرم کے مہینے سے ہوئی ہے۔

اسلامی مہینوں کی کل تعداد بارہ ہیں جن کے نام یہ ہے۔

محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاول، جمادی الثانی، رجب، شعبان رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ۔

نیکی کا بدلہ

ایک چھوٹی سی چیونٹی اپنا کھانا جمع کرنے

زندگی کیا ہے

ستاروں نے کہا: زندگی نام ہے مختصر سی جھلملاہٹ کا۔

فلک نے کہا: زندگی نام ہے خاموش تماشائی بننے کا۔

فرشتوں نے کہا: زندگی نام ہے تسبیح اللہ اکبر کہنے کا۔

حیوانوں نے کہا۔ زندگی نام ہے کھانے پینے سانس لینے اور سونے کا۔

زندگی: ایک پھول ہے جس کے چاروں طرف کانٹے ہیں۔

زندگی: ایک ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔

زندگی: وہ ہے جسے تم جیسے چاہو گزار سکتے ہو۔

مرسلہ: مسعود الرحمٰن ۹/۷، جمال پورہ علی گڑھ

کی وجہ سے کافی تھک جاتے کے بعد پانی پینے اور آرام کرنے کے لیے نہر کی طرف گئی تو اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ پانی میں گر گئی۔ وہ تیرنا نہیں جانتی تھی قریب تھا کہ وہ ڈوب جائے کہ ایک سفید سندر سا کبوتر جو پانی میں ایک پتھر پر کھڑا تھا جب اس نے چیونٹی کی یہ حالت دیکھی تو اس کو اس پر رحم آگیا اور اس کو بچانے کی کوشش کرنے لگا۔ وہ خشکی کی طرف اڑا اور چونچ میں گھاس کے کچھ تنکے لے کر لوٹا اور اس نے پانی پر گھاس کو نہر کے کنارے تک پھیلا دیا۔ چیونٹی اس سوکھی گھاس پر بیٹھ گئی اور اس طرح نہر سے صحیح وسلامت باہر نکل گئی۔

اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد ہی وہی کبوتر پیڑ کی ڈال پر بیٹھا اس کے پتوں کی چھایا لے رہا تھا کہ ایک شکاری اُدھر سے گزرا اور اس نے کبوتر کو دیکھ لیا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور اس کو شکار کرنے کے لیے اپنی بندوق اس کی طرف سیدھی کرنے لگا۔ اس کبوتر نے شکاری کو نہیں دیکھا تھا لیکن اس چیونٹی نے جس کو اس کبوتر نے پانی میں ڈوبنے سے بچایا تھا، شکاری کو دیکھ لیا۔ یہ دیکھتے ہی وہ چیونٹی اس شکاری کے جسم پر چڑھ گئی جب اس نے بندوق چلانے کا ارادہ کیا تو اس چیونٹی نے شکاری کو زور سے کاٹ لیا۔ شکاری ہل گیا، گولی نشانے سے ہٹ گئی اور کبوتر بچ گیا۔ اس طرح کبوتر نے چیونٹی پر جو احسان کیا تھا اس کے بدلے میں اس کی جان بچ گئی۔ (عربی سے ترجمہ)

انیس الدین زبیری قصبہ رچھا ضلع بریلی یوپی

مشورہ

پیارے پیامیو! کیا تم جانتے کہ خداوندکریم نے تمھیں سب سے بڑی کونسی چیز عطا کی ہے؟ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ دولت ہے؟ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ حسن ہے؟ شاید تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ جسمانی طاقت ہے، لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔ خداوندکریم نے انسان کو جو سب سے بڑی چیز عطا کی ہے وہ اس کا دماغ یعنی ذہن ہے، جانتے ہو! ہر دماغ اپنے آپ میں ایک دنیا ہے۔ آج انسانی تہذیب نے جو بھی ترقی کی ہے اس کے پیچھے اس کا ذہن ہی ہے، تم ایسا کبھی نہ سمجھو کہ تم میں کوئی صلاحیت نہیں ہے، تم کبھی بھی اپنے آپ کو حقیر اور کمزور نہ سمجھو، تم میں

بے پناہ تخلیقی قوت چھپی ہوئی ہے تم اسے استعمال کرو، تم بھی سقراط اور ارسطو اور نیوٹن اور آئنسٹائن بن سکتے ہو، عزم کرو کہ تمھیں کوئی بڑا کام کرنا ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے لگ جاؤ، عظیم مقصد کے حصول میں تمھیں جیسے جیسے کامیابی حاصل ہوگی ویسے ویسے تم بھی اوپر اٹھتے جاؤ گے، دنیا کے سبھی بڑے لوگوں نے یہی کیا ہے تم بھی یہی کرو۔ اس سلسلے میں ایک بات اور جو بہت ضروری ہے اسے ہمیشہ یاد رکھو یعنی مطالعہ ہمیشہ جاری رکھو تمھاری کتابیں تمھارے لیے بنیادی علم کا کام کرتی ہیں۔ انھیں سمجھ کر بار بار پڑھو۔ اس کے علاوہ اخبار رسالوں کا بھی مطالعہ کرو، علم حاصل کیے بغیر تمھارے ذہن کو وسعت نہیں ملے گی، علم کی روشنی سے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو مالا مال کردو۔ یہ زندگی کا بڑا ہی پاکیزہ مقصد ہے اور اسی کے ذریعے تم بہت بلندی تک پہنچ سکتے ہو۔

ایم آفتاب عالم اسلامی، انسان اسکول کشن گنج بہار

غرور

شگفتہ کی طرح غرور کرنے والی لڑکی کم از کم میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ اس میں یہ غرور اس لیے تھا کہ وہ ہر سال فرسٹ آتی تھی۔ غرور سے ہمیشہ اکڑی ہوئی رہتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ کلاس کی تمام لڑکیوں کو اپنے سے کم تر سمجھتی تھی۔

پھر ایک لڑکی کلاس میں آئی جس کا نام نشاط تھا۔ اس کی ہم جماعت بنی۔ اب نشاط اور شگفتہ میں ہمیشہ مقابلہ رہتا کہ ٹسٹ میں کس کو زیادہ نمبر ملتے ہیں۔ وہ ہمیشہ برابر ہی رہتے۔ امتحان کے دن قریب آرہے تھے اور نشاط خوب محنت کررہی تھی اور وہ ہر ایک کو ترغیب دے رہی تھی کہ وہ بھی پڑھیں۔ اور شگفتہ اس اکڑ میں کہ وہ اس بار بھی فرسٹ آئے گی۔ ہر وقت نشاط پر طعنے کسنا اس کی عادت ہوگئی اور وہ کبھی کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی اور یہ کہتی کہ

"پڑھ لو جتنا پڑھنا ہے فرسٹ تو میں ہی آؤں گی،،

امتحان ہوگیا۔ ان دونوں یعنی نشاط اور شگفتہ کے پیپر اچھے ہوئے۔ لیکن شگفتہ ہر ایک سے یہ کہتی پھر رہی تھی کہ اس بار بھی میں فرسٹ آؤں گی۔

آخر وہ دن بھی آگیا جس کا سب کو بے چینی سے انتظار تھا۔ سب کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے سب یہ جاننے کے لیے بے چین تھے کہ شگفتہ کا سر نیچا ہوتا ہے یا نہیں۔

آخر وہ وقت آ ہی گیا۔ شگفتہ کے ہاتھ میں رپورٹ تھی جس پر بڑے بڑے حرفوں سے لکھا تھا

آنسو

- اگر باپ کی آنکھوں سے گریں تو سمجھ لو کہ اولاد جوان ہوگئی۔
- اگر ماں کی آنکھوں سے گریں تو سمجھ لو کہ بہو نکمی اور جھگڑالو ہے۔
- اگر بیٹے کی آنسو سے گریں تو سمجھ لو کہ غیرت جوان ہوگئی۔
- اگر بیٹی کی آنکھوں سے گریں تو سمجھ لو کہ میکہ بڑا اور سسرال چھوٹی ہے۔
- اگر بیوی کی آنکھوں سے گریں تو سمجھ لو کہ ساس ظالم اور شکی مزاج ہے۔

اقتباسات

• اس دُکھی دنیا کو جو مشکلات اور مصائب درپیش ہیں ان میں سب سے زیادہ مشکلات اور مصائب الفاظ ہی نے پیدا کیے ہیں۔

• نہ تو اس قدر سختی کرو کہ لوگ تم سے بیزار ہو جائیں، اور نہ اس قدر نرمی سے پیش آؤ کہ لوگ تمھیں بزدل اور بیوقوف خیال کریں۔

"سیکنڈ ڈویژن"

اس دن اس کا سارا غرور آنسو بن کے بہہ گیا۔

دوسرے دن شگفتہ اسکول آئی وہ پہلے سے مختلف تھی۔ سب حیران تھے کہ یہ کرشمہ کیسے ہوا اور خوش بھی تھے کہ غرور کا سر نیچا ہوا۔ اس لیے بچو! تم بھی کبھی غرور مت کرنا ورنہ تمھارا بھی وہی انجام ہوگا جو شگفتہ کا ہوا۔

عالمہ رخسانہ، اعلی محلہ، گلبرگہ، کرناٹک

قربانی کیا ہے؟

انسان قربانی کے ذریعے خدا تعالیٰ کا قرب ڈھونڈتا ہے اس لیے اس کو قربانی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی کے خون اور گوشت کا بھوکا نہیں، وہ تو سب کو کھلاتا ہے۔ ایسی عظیم الشان ہستی کھالوں اور گوشت کی محتاج نہیں بلکہ وہ سکھانا چاہتی ہے کہ اگر تم خدا کے دربار میں مقرب بننا چاہتے ہو تو اپنی قربانی کرو۔ اور یہ بھی تمھارا ہی قربان ہونا ہے کہ اپنے بدلے میں اپنا قیمتی پیارا جانور قربان کرو۔ قربانی عقل کے خلاف نہیں ہے تمام دنیا میں قربانی کا رواج ہے اور چھوٹی چیز کو بڑی چیز کے لیے قربان کیا جاتا ہے۔ کسی زمانہ میں اگر زہریلا سانپ کاٹ لیتا تو وہ انگلی ہی کاٹ کر الگ کر دی جاتی تاکہ پورے جسم میں زہر نہ پھیلے گویا کہ انگلی سارے بدن کی وجہ سے قربان کی گئی۔ اگر رشتہ دار، ملنے جلنے والے آجائیں تو ان کی خاطر داری میں کتنے روپے، قیمتی اشیا، مرغے مرغیاں بکرے قربان کیے جاتے ہیں۔ جو لوگ کسی جاندار کے قتل کو درست نہیں سمجھتے وہ بھی بدن کے زخموں کے سیکڑوں کیڑوں کو مار کر اپنی جان پر قربان کر دیتے ہیں۔ جب یہ تمام باتیں ہم کو منظور ہیں تو اگر انسان اپنے خدا کے قرب کے لیے اپنے بدلے اپنے جانوروں کو قربان کریں تو یہ خلاف عقل کیوں؟ خدا اقوام عالم کو عقلِ سلیم عطا کرے۔ آمین

انظری خانم۔ اختیار پور، سری، پورنیہ، بہار

بھوتوں کا گھر

اسپتال کے "مردہ خانہ" کو لوگ بھوتوں کا گھر کہتے ہیں۔ مُردہ خانہ اسپتال کا وہ حصّہ ہے جہاں پوسٹ مارٹم کے بعد لاشیں رکھی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ لاوارث لاشیں بھی یہاں زیادہ دیر تک رہتی ہیں۔

یہ کہانی ایک سرکاری اسپتال کی ہے جہاں رگھوناتھ اور اسلم ملازم تھے۔ ان کی ملازمت جنرل وارڈ میں تھی۔ انھیں وارڈ بوائے کہا جاتا ہے۔

ایک دن اسپتال میں کسی ایکسیڈنٹ کی وجہ سے مُردہ گھر میں بہت سی لاشیں آئیں۔ وہ دونوں نائٹ ڈیوٹی پر تھے۔ وارڈ کے باہر کہیں

بانگ مرے تھے۔ رگھوناتھ نے کہا آج مردہ
گھر میں دس لاشیں آئی ہیں۔ اسلم نے کہا۔ بارہ
لاشیں آئی ہیں۔ دس اور بارہ کی تعداد پر بحث
بڑھتی گئی۔ دونوں نے شرط لگائی کہ ان دونوں
میں سے جو بھی رات کے بارہ بجے مردہ گھر
میں جاکر لاشوں کی صحیح تعداد گن کر آئے گا، وہ
سو روپے انعام میں پائے گا۔ شرط یہ بھی تھی کہ
لاشوں کی تعداد گنتے ہوئے ہر لاش کے پاس ایک
پھول رکھنا ضروری ہے تاکہ اطمینان ہو جائے کہ
شرط جیتنے والا واقعی لاش کے قریب گیا تھا اور
اس نے اس لاش کو قریب سے دیکھا ہے۔
دونوں کی اس شرط میں ڈیوٹی کے ڈاکٹر بھی شامل
ہو گئے۔ ڈاکٹر نے کہا میں مردہ خانہ کا دروازہ
کھلوا آتا ہوں۔ دونوں اسپتال کے باغ سے پھول
لے آئے۔ رگھوناتھ گلاب کے پھول، اور اسلم
چنبیلی کے پھول۔ اسلم ٹھیک بارہ بجے جائے گا
اور رگھوناتھ ساڑھے بارہ بجے۔ اسلم کو پہلے
مردہ خانہ میں جانا تھا۔ وہ چلا گیا، ساڑھے
بارہ بجے رگھوناتھ کی باری تھی وہ اندر گیا۔
اس کے لیے مردہ خانہ جانا کوئی نئی بات
نہیں تھی ملازمت کے دوران اس نے ہزاروں
لاشیں بھی دیکھی تھیں لیکن نہ جانے کیوں
اس کا دل آج دھڑک رہا تھا۔ اس نے
ایک نظر دوڑا کر لاشیں گنیں، بارہ لاشیں تھیں۔
ہر لاش کے پاس چنبیلی کا پھول رکھا تھا۔
اس کا مطلب یہ تھا کہ اسلم پھول رکھ کر چلا
گیا تھا۔ مردہ خانے کے ڈراؤنے ماحول
میں وہ اکیلا تھا بارہ لاشیں چادروں میں
ڈھکی سامنے رکھی تھیں۔ اس کا دل دھڑکنے
لگا۔ اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر کوئی لاش
اٹھ کر کھڑی ہو جائے تو وہ کیا کرے گا؟

"میری امی ابو میرے لیے ایک چھوٹی
بہن لائے ہیں" ایک بچے نے اپنی کلاس
ٹیچر کو بتایا۔ "کیا وہ آپ کو اچھی لگتی ہے؟"
ٹیچر نے پوچھا۔ "ہاں اچھی تو لگتی ہے" بچہ
بولا۔ "لیکن اگر وہ لڑکا ہوتا تو زیادہ مزہ
آتا اور پھر میں اس کے ساتھ خوب کھیلتا"
"تو آپ اپنی امی ابو سے کہیں کہ وہ آپ
کی بہن کو بدل کر آپ کے لیے بھائی لے
آئیں" ٹیچر نے کہا۔ "اب بدلا نہیں جاسکتا"
بچے نے افسردگی سے کہا۔ "اب تو ہم اسے
چار دن استعمال کر چکے ہیں"

مردہ خانہ اسپتال سے دور ایک کونے میں ہے۔
اس کی چیخ سن کر کوئی بھی اس کی مدد کے
لیے نہیں آئے گا۔ وہ دھڑکتے دل سے ہر
لاش کے پاس گلاب کا پھول رکھنے لگا۔ ایک
..... دو..... تین..... چار..... پانچ
جوں ہی وہ لاش نمبر چھ کے پاس آیا
وہ لاش اپنی جگہ سے ہلنے لگی، پھر ایک آواز
آئی..... تھینک یو..... مسٹر رگھوناتھ
..... یہ سنتے ہی اس کی ٹانگیں ہلنے لگیں،
ایک دلخراش چیخ مار کر وہ بے ہوش ہو گیا۔
جب اسے ہوش آیا تو وہ اسپتال کے جنرل وارڈ
میں تھا۔ اس کے ارد گرد اسپتال کا اسٹاف،
ڈاکٹر سب جمع تھے۔ اسلم بھی سامنے کھڑا تھا۔
جب اس کی طبیعت سنبھلی تو اسلم نے کہا۔
تھینک یو مسٹر رگھوناتھ..... تم شرط ہار گئے۔
سو روپے نکالو۔
وہ چھٹے نمبر کی لاش؟ "جی ہاں، وہ
میں ہی تھا" اسلم نے کہا، لیکن مجھے یہ امید

ماں

• کسی نے پوچھا ماں کیا ہے کون ہے؟

۱۔ سمندر نے کہا: ماں ایک ایسی سیپی ہے جو اولاد کے لاکھوں راز سینے میں چھپا لیتی ہے۔

۲۔ بادل نے کہا: ماں ایک ایسی دھنک ہے جس میں ہر رنگ نمایاں ہوتا ہے۔

۳۔ شاعر نے کہا: ماں ایک ایسی غزل ہے جو ہر سننے والے کے دل میں اتر تی چلی جاتی ہے۔

۴۔ ساز نے کہا: ماں ایک ایسا گیت ہے جو ہر ایک کو متاثر کرتا ہے۔

۵۔ مالی نے کہا: ماں گلشن کا وہ دلکش پھول ہے جس سے خوبصورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

۶۔ اولاد نے کہا: ماں ممتا کی انمول داستان ہے جو ہر دل پر رقم ہے۔

۷۔ خدا نے کہا: میری طرف سے قیمتی اور نمایاں تحفہ ہے۔

نہ تھی کہ تم ڈر جاؤ گے، میں سفید چادر اوڑھے بیچ کی میز پر لیٹ گیا۔ یہ سن کر رگھو ناتھ شرم سے پانی پانی ہو گیا۔

سید احمد زکریا عوزی نلگنڈہ اے پی

ہر طرف اللہ ہی اللہ

• جب کسی صاحب سے کہا جائے کہ آپ ہمارے غریب خانے پر تشریف لائیے گا تو وہ صاحب جواب میں کہتے ہیں۔ انشاء اللہ

• ہر کام شروع کرتے وقت پڑھتے ہیں۔ بسم اللہ

• دکھ درد میں بے اختیار پکار اٹھتے ہیں۔ ہائے اللہ

• اگر کسی کی تعریف کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے۔ سبحان اللہ

• کسی اچھی چیز کو دیکھ کر کہتے ہیں۔ ماشاء اللہ

• پانی پلانے کے بعد کہتے ہیں۔ جزاک اللہ

• بوقت نکاح کہا جاتا ہے۔ آمنت باللہ

• کسی سے محبت ہو تو کہا جاتا ہے۔ لحُبّ اللہ

• جب کسی کو رخصت کرتے ہیں تو کہا جاتا ہے فی امان اللہ

• جب کسی کی خوبی دیکھتے ہیں تو کہا جاتا ہے ماشاء اللہ

غرضیکہ ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے۔

شمیم خانم خالد خان جامع مسجد چوک سلوڈ

بُری بات

ایک لڑکی تھی نغمہ اور ایک تھی ارم۔ دونوں بہنیں تھیں۔ ارم چھوٹی تھی اور نغمہ بڑی۔ دونوں بہت اچھی تھیں۔ اپنی امی کا کہنا مانتی تھیں۔ اپنی باجی سے محبت کرتی تھیں۔ ایک دن کی بات ہے باجی اپنے دوست کے گھر جا رہی تھیں۔ ارم نے کہا، باجی میں بھی آپ کے ساتھ چلوں گی"۔ نغمہ بولی" باجی مجھے بھی لیتی جائیے۔ میرا دل گھبرا رہا ہے"۔ باجی نے کہا "آج نہیں، پرسوں لے چلوں گی آج تو تمھارا اسکول ہے۔ پرسوں جمعہ ہے چھٹی ہو گی"۔ نغمہ نے باجی کا کہنا مان لیا۔ ارم ضدی لڑکی تھی وہ اپنی بات پر اڑ گئی۔ "نہیں میں ضرور چلوں گی آپ کے ساتھ"۔ امی نے ارم کو ڈانٹا "ارم! سنتی نہیں ہو بڑوں کی بات۔ آج کیا اسکول کی چھٹی کرو گی۔ چلو کتابیں لے کر بیٹھو"۔ اس کے بعد باجی اپنی دوست کے گھر چلی گئیں۔ ارم تو غصہ میں تھی ہی۔ وہ چپکے سے باجی کی الماری کے پاس گئی۔ الماری کھولی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی

دیکھ تو نہیں رہا ہے۔ سامنے کوئی نہیں تھا۔
ارم نے باجی کا اون اور سلائیاں نکال لیں اور چھپا کر کمرے میں لے گئی۔ نغمہ نے ارم کو دیکھ لیا وہ سمجھ گئی کہ ارم کوئی چیز چھپا کرلے جارہی ہے۔ وہ ارم سے کچھ نہیں بولی، مگر کھڑکی کی دراز میں سے جھانکنے لگی۔ ارم نے اون اور سلائیاں مسہری کی نواڑ میں چھپادیں۔ ارم، باجی سے خفا تھی اور انھیں پریشان کرنا چاہتی تھی۔ اس کے بعد ارم کمرے سے باہر آگئی اور کھیلنے لگی۔ نغمہ نے کمرے میں جاکر مسہری کی نواڑ میں دیکھا. اون اور سلائیاں نکلیں۔ اس نے انھیں باجی کی الماری میں لے جاکر رکھ دیا۔ جب باجی واپس آئیں تو ارم دل ہی دل میں خوش ہوئی کہ اب مزہ آئے گا۔ باجی تھوڑی دیر بعد الماری کے پاس گئیں اور الماری کھول کر اون اور سلائیاں نکال لائیں۔ ارم کو یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا۔ وہ جھٹ کمرے میں گئی اور مسہری کی نواڑ میں دیکھا مگر وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ کاپی کا ایک ورق تھا جس پر لکھا تھا۔

"چوری کرنا بہت بری بات ہے۔ اللہ میاں اس سے ناراض ہوتے ہیں اللہ سے توبہ کرو"

ارم یہ دیکھ کر بہت شرمندہ ہوئی۔ پھر اس نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی۔

عطیہ تزئین بنت سید اصغر علی، ایوت محل

سلام کی اہمیت

حضرت عطا بن یسار کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا میں اپنے گھر میں داخل ہونے کے لیے اپنی

شادی تو ایک قیامت ہے جس طرح زلزلے میں فلک بوس عمارتیں کھنڈر بن جاتی ہیں اور دریا ابھر کر پہاڑ بن جاتے ہیں اسی طرح شادیوں پر ہزاروں نئے رشتے ظہور میں آجاتے ہیں۔ شیر خوار بچیاں خالائیں بن جاتی ہیں، بھاوجیں نندوں میں تبدیل ہوجاتی ہیں۔ ممانیاں دیکھتے دیکھتے چچیاں ہونے کا مزہ لیتی ہیں اور اچھے بھلے شریف آدمی چشم زدن میں سالے بن جاتے ہیں۔

ماں سے بھی اجازت مانگوں۔
آپؐ نے فرمایا۔ ہاں۔
اس آدمی نے کہا "میں اپنی ماں کے ساتھ اسی گھر میں رہتا ہوں"
آپؐ نے ارشاد فرمایا "اجازت مانگو"
اس شخص نے کہا "میں اپنی ماں کا خادم ہوں" آپؐ نے ارشاد فرمایا "اجازت مانگو۔ کیا تم اپنی ماں کو ننگی دیکھنا چاہتے ہو"؟ اس نے کہا "نہیں" آپؐ نے فرمایا "تب اجازت مانگو"
(بروایت مالکؒ)
اس حدیث سے پتا چلا کہ گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگنا ضروری ہے۔ کیونکہ افراد خانہ نہ جانے کس حال میں ہوں۔ اس لیے اجازت مانگنا یعنی سلام کرنا ضروری ہے۔

عبداللہ ہلال، کمال پورہ، مالیگاؤں۔

وقت: ایک ظالم، ایک ہمدم

بہت دنوں کی بات ہے۔ ایک لڑکا کسی گاؤں میں رہتا تھا۔ اس کا نام عقیل تھا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رح

خلافت سے پہلے بڑے تکلف سے رہتے۔ خوش پوشاکی کا یہ عالم تھا کہ چار سو روپے کی قیمت کا کپڑا بھی سخت و کرخت معلوم ہوتا تھا۔ مزاج میں بڑی تمکنت تھی، خلافت کے ملتے ہی سراپا عجز و انکسار اور مساوات کا نمونہ بن گئے تھے۔ صرف ایک جوڑا بدن پر رہتا تھا۔ اسی کو دھو دھو کر پہنتے تھے۔ مرض الموت میں ایک قمیص کے علاوہ دوسری قمیص نہ تھی۔ آپ کے سالے مسلمہ بن عبد الملک نے اپنی بہن فاطمہ سے کہا، قمیص میلی ہو گئی ہے لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں، قمیص بدل دو۔ وہ خاموش رہیں۔ مسلمہ نے پھر کہا۔ فاطمہ نے جواب دیا، خدا کی قسم اس کے علاوہ دوسرا کپڑا نہیں ہے۔"

وہ محنتی، ایمان دار ہونے کے ساتھ ساتھ دلیر بھی تھا۔ وہ تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا بھی جانتا تھا لیکن جتنا مہذب تھا اتنا ہی غریب بھی۔ اس کے والدین بچپن میں ہی گزر گئے تھے۔ اس نے اپنا روز مرہ کا یہ معمول بنا لیا تھا کہ وہ جنگل میں لکڑی کاٹتا اور شہر میں بیچنے جاتا۔ اس سے جو روپے پیسے فراہم ہوتے اسی سے اپنی زندگی بسر کرتا۔

ایک دن وہ جنگل میں لکڑیاں کاٹ رہا تھا کہ اس نے سامنے سے بادشاہ کی سواری کو آتے دیکھا۔ جب بادشاہ سلامت قریب آئے تو اس نے مہذب انداز میں سلام کیا بادشاہ نے پیار سے سلام کا جواب دیا پھر بادشاہ نے اپنی سواری بھی روک دی اور اس سے پوچھنے لگا کہ تم کون ہو؟ اس لڑکے نے جواب دیا۔ میرا نام عقیل ہے۔ میں تھوڑا پڑھا لکھا ہوں۔ میرے والدین نہیں ہیں۔ نوکری نہ ملنے کی وجہ سے میں لکڑہارا بن گیا۔ پھر بادشاہ نے کہا "تم کل میرے دربار میں حاضر ہونا" عقیل نے حاضر ہونے کا وعدہ کیا۔

اگلے دن عقیل دربار میں پہنچا۔ جب وہ بادشاہ کے روبرو ہوا تو جھک کر سلام کیا۔ بادشاہ نے اس کے متعلق اپنے اطمینان کے لیے چند باتیں دریافت کیں، اور فرمایا کہ میرے دو شہزادے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ان کے ساتھ روزانہ کچھ وقت گزارو اور انھیں تہذیب سکھاؤ، یہ تمھاری ذمے داری ہے۔ بادشاہ نے اس کی تنخواہ بھی مقرر کر دی۔ عقیل بہت خوش ہوا۔ اس نے مسرت آمیز لہجے میں مودبانہ شکریہ ادا کیا۔ اگلے دن اسے دو سپاہیوں کی رہبری میں ایک عالی شان محل میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں اس نے دو پیارے پیارے شہزادوں کو پایا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی دونوں میرے طالب علم ہیں۔ پھر اس نے انھیں زندگی کے آداب سکھانا شروع کر دیے۔ کچھ ہی دنوں میں بادشاہ اس کی ذہانت سے واقف ہو گیا۔ ایک دن بادشاہ نے عقیل سے وزیر کی موجودگی میں کہا۔ تمھیں راستے میں آنے جانے میں کافی تکلیف ہوتی ہوگی۔ اس لیے اصطبل سے ایک گھوڑا لے لو۔ یہ میری طرف سے تحفہ ہے۔

عقیل روزانہ محل آتا اور پڑھا کر چلا جاتا۔ اسی دوران اس کا دربار میں آنا جانا بھی ہو گیا اور وہ بہت جلد اس بات سے واقف ہو گیا کہ دربار میں کون کیسا ہے؟ اور یہ بھی جان گیا کہ بادشاہ ایک خطرناک جال میں پھنسا ہے،

جس کی باگ ڈور وزیر خاص کے ہاتھ میں ہے۔ ایک دن عقیل کو دربار میں پہنچنے میں دیر ہوگئی۔ کیونکہ جب وہ گھوڑے پر سوار ہوکر جنگل سے گزر رہا تھا تو اس کے کانوں سے کچھ جانی پہچانی آوازیں ٹکرائیں۔ اسے بڑی پُراسراریت معلوم ہوئی۔ وہ گھوڑے سے اُترا اور اس نے جھاڑی میں چھپ کر دیکھا تو راجو، سلیم خاں اور میر صادق صاحب آپس میں کچھ منصوبے بنا رہے تھے۔ میر صادق بادشاہ کا وزیر خاص تھا۔ عقیل نے فوراً ہی دربار پہنچ کر بادشاہ کو ساری بات بتادی لیکن بادشاہ نے اس کو نظر انداز کر دیا۔ اس لیے اس کو اپنے وزیر خاص پر بہت بھروسا تھا۔ پھر بھی بادشاہ نے فوری طور پر سبھی درباریوں کو بلایا تو دیکھا کہ راجو، سلیم خاں اور میر صادق غائب ہیں۔ اس کا مطلب تھا کہ عقیل ٹھیک کہہ رہا ہے مگر بادشاہ پھر بھی خاموش رہا۔ اگلے دن پھر عقیل نے اسی جگہ ان تینوں کا منصوبہ سن لیا۔ یہ لوگ آپس میں کہہ رہے تھے کہ آج سلیم خاں شراب پلانے کے بہانے بادشاہ کو زہر پلا دے گا۔ جب بادشاہ مر جائے گا تو میر صادق بادشاہ بن جائے گا اور سلیم خاں وزیر خاص اور راجو سپاہیوں کا سردار۔ عقیل یہ سن کر سیدھا دربار میں پہنچا اور اس نے بادشاہ سے ایک ہی سانس میں ساری بات کہہ ڈالی۔ پھر لگ بھگ دو گھنٹے بعد عقیل نے دیکھا کہ سلیم خاں نے ایک خوبصورت سے پیالے میں شراب بادشاہ کو پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ چین کی سب سے اعلا قسم کی شراب ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ پہلے تم خود چکھ کر دیکھ لو۔ تو سلیم خاں صاف انکار کرنے لگا۔ تب بادشاہ نے ایک کتے

"میری بیوی انگریزی اور جرمن زبان سیکھنا چاہتی ہے۔"
"اس سے کہو کہ عورت کے لیے ایک ہی زبان کافی ہوتی ہے۔"

•

"میں تمھیں گھر میں نوکر رکھ لوں گا۔"
"تنخواہ کتنی دوگے صاحب جی؟"
"جتنی تمھاری قابلیت ہوگی۔"
"نہیں صاحب جی میں اتنی تھوڑی تنخواہ پر کام نہیں کروں گا۔"

کو وہ شراب پلادی تو دو منٹ کے اندر ہی کتا ختم ہوگیا۔ بادشاہ سمجھ گیا کہ اس میں زہر تھا۔ تب بادشاہ نے ان تینوں کو پھانسی دے دی۔ اور عقیل کو اپنا وزیر خاص بنالیا۔

محمد افتخار حسن، شعیب کالونی، پانی باغ کشن گنج

چار دوست

ایک وکیل، پولیس مین، لیڈر اور ڈاکو آپس میں بہت گہرے دوست تھے۔ ایک دن وہ آپس میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ انھیں یاد آیا کہ ان کے بیٹے جوان ہو چکے ہیں۔ وکیل نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کو وکیل ہی بناؤں گا کیونکہ اس میں سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بتاکر روپیا کمانا ہے۔

پولیس مین نے کہا۔ نہیں نہیں پولیس کے ڈنڈے میں سچ کو جھوٹ، اور جھوٹ کو سچ بنانے کی زیادہ طاقت ہوتی ہے۔ اس لیے میں اپنے بیٹے کو پولیس آفیسر ہی بناؤں گا۔

جواہرات قرآن

- انسان کو جب ہم نعمت دیتے ہیں تو وہ منہ پھیرتا ہے اور جب اسے کوئی آفت چھوتی ہے لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔
(حٰم۔ السجدہ ۵۱)
- زمین پر چلنے والا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے رزق کی ذمے داری اللہ پر نہ ہو۔
(ہود ۶)۔
- تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آئی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آئی ہے اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی گزر کر جاتا ہے۔
(الشوریٰ ۳۰)
- ایک میٹھا بول اور ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔ اللہ بے نیاز ہے اور بردباری اس کی صفت ہے۔
(البقرہ ۲۶۳)
- اور اللہ پر بھروسا کرلو، اللہ ہی اس کے لیے کافی ہے کہ آدمی اپنے معاملات اس کے سپرد کردے۔
(الاحزاب ۴۸)
- رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔
(آل عمران ۱۸۵)

لیڈر نے کہا: نہیں بھائی نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا۔ جھوٹے پر سچ کی آخری مہر لیڈر ہی لگاتا ہے، اس لیے میں اپنے بیٹے کو لیڈر ہی بناؤں گا۔

ڈاکو، جوان لوگوں کی گفتگو بہت دیر سے سن رہا تھا۔ کہنے لگا اگر آپ تینوں اپنے فیصلے پر قائم رہے تو میں اپنے بیٹے کو انسان ہی بناؤں گا تاکہ دنیا کچھ دن اور چل سکے۔

عرفان احمد کمال پورہ مالیگاؤں

نماز کا قصہ

ایک لڑکا نماز کے لیے جاتا ہے اور شیطان اس لڑکے کے کپڑوں پر چھینٹے ڈال دیتا ہے۔ بچّہ گھر جاتا ہے ماں کپڑے بدل دیتی ہے اور پھر بچّہ نماز کو جاتا ہے پھر شیطان چھینٹے ڈال دیتا ہے۔ بچّہ پھر گھر جاتا ہے اور ماں کپڑے بدل دیتی ہے۔ تیسری بار پھر بچّہ نماز کو جاتا ہے پھر شیطان چھینٹے ڈال دیتا ہے ماں کپڑے بدل دیتی ہے۔ چوتھی بار شیطان خود اسے مسجد تک چھوڑ آتا ہے، بچہ نماز پڑھتا ہے نماز ختم ہونے کے بعد بچّہ اس سے پوچھتا ہے آپ کون ہیں؟ وہ جواب دیتا ہے میں شیطان ہوں۔ بچّہ پوچھتا ہے کہ تم نے مجھے مسجد میں کیوں چھوڑا؟ شیطان کہتا ہے اس لیے کہ جب میں نے تمھیں پہلی بار ناپاک کیا تو تم کپڑے بدل کر پھر سے مسجد میں نماز پڑھنے آگئے پہلی بار تمھیں ناپاک کرنے سے اللہ نے تمھیں بخش دیا۔ اور جب دوسری بار ناپاک کیا تو تمھارے والدین کو بخش دیا گیا۔ اور تیسری بار تو اللہ نے تمھارے پورے خاندان کو بخش دیا۔ اور اگر میں چوتھی بار ناپاک کرتا تو اللہ تعالیٰ پوری امت کو بخش دیتا جو مجھ سے دیکھا نہ جاتا، اس لیے میں نے تمھیں مسجد تک چھوڑ دیا۔

محمد ذاکر حسین عید گاہ پلاٹ ملکاپور نہار اشٹر

ایک سوال کے دس جواب

کہتے ہیں کہ یونان میں ایک بادشاہ حکومت

کرتا تھا اس کا نام ظفر الدین تھا۔ وہ بڑا رحم دل اور نیک انسان تھا۔ ایک دن اس نے اپنی رعایا کے بچوں کا امتحان لینے کا فیصلہ کیا اور حکم جاری کیا کہ جو بچہ بادشاہ کے ایک سوال کے دس جواب دے گا اس کو دس ہزار اشرفیاں انعام میں دی جائیں گی۔ بادشاہ کا حکم سنتے ہی بہت سارے بچے دربار میں حاضر ہوئے مگر کسی بچے نے بھی بادشاہ کے سوال کا صحیح جواب نہیں دیا۔ مگر ایک لڑکا ایسا بھی تھا جو بڑا ہی عقلمند تھا وہ بھی دربار میں حاضر ہوا۔ اس کا نام حامد تھا۔ جب اس کی باری آئی تو بادشاہ نے سوال کیا۔ "انسان اچھا کس طرح کہلا سکتا ہے؟"

حامد نے فوراً جواب دیا۔

پہلا۔ جب وہ نیک کام کرے تو وہ اچھا انسان کہلا سکتا ہے۔

دوسرا:۔ جب وہ کسی اندھے کو کھانا کھلاتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

تیسرا:۔ جب وہ نماز پڑھتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

چوتھا:۔ جب کسی بے سہارا لڑکے کو اپنے گھر میں جگہ دیتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

پانچواں:۔ جب خدا کی راہ پر وہ دل کھول کر روپے خرچ کرتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

چھٹا:۔ جب وہ حج کرتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

ساتواں:۔ جب وہ اپنے دشمن سے بدلہ لینے کے بجائے معاف کر دیتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

آٹھواں:۔ جب وہ شیطان کی باتوں کو نہیں مانتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے یعنی پانچوں وقت کی نماز پابندی سے پڑھتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

نواں:۔ جب وہ دولت کے نشے میں مغرور نہیں ہوتا بلکہ دولت کو تجوری میں رکھنے کے بجائے غریبوں میں تقسیم کرتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

دسواں:۔ جب وہ پڑوسی کی موت پر آنسو بہاتا ہے اور خدا کی بارگاہ میں پڑوسی کی مغفرت کے لیے سچے دل سے دعا کرتا ہے تو وہ اچھا انسان کہلاتا ہے۔

اتنا سنتے ہی سارا دربار تالیوں سے گونج اٹھا اور بادشاہ ظفر الدین، لڑکے کی عقل مندی سے بہت متاثر ہوا اور اس نے آگے بڑھ کر لڑکے کو گلے سے لگا لیا اور اپنے وعدہ کے مطابق اسے دس ہزار اشرفیاں انعام میں دیں۔

محمد نجیب پاشا، بنگالی بازار گارڈن ریچ کلکتہ

"کیا تم نے اپنا ووٹ بیچا ہے؟"

"نہیں جناب۔ میں نے اس امیدوار کو ووٹ اس لیے دیا تھا کہ وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔"

"میرے پاس شہادت موجود ہے کہ تم نے اس سے پچاس روپے لے کر ووٹ دیا ہے۔"

"اگر آپ کو کوئی پچاس روپے دے تو کیا آپ کو وہ آدمی اچھا نہیں لگے گا۔"

دانائی کی باتیں

حکیم لقمان نے فرمایا۔

جب پہلی بار میرے پاس عقل آئی تو میں نے

ماں

آپ یقین کریں یا نہ کریں۔ خوش نصیبی صرف ماں ہونے میں نہیں۔ خوش بختی اس تربیت کی بدولت ملتی ہے جو اولاد کو دی جاتی ہے۔ ماں تو باکردار با اخلاق اور حق پر جان دینے والوں کی بھی ہوتی ہے اور بے حیا، بد اخلاق، بدکردار اور تخریب کاروں کی بھی ہوتی ہے۔

کیا ان دونوں کے لیے رتبہ ایک جیسا ہو سکتا ہے؟ جنّت تو اسی ماں کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے جو بنی نوع انسان کو جیتے ہوئے پھول عطا کرتی ہے اور جو ماں کانٹے عطا کرے.....؟

پوچھا تو کون ہے؟ جواب ملا۔ عقل۔ میں نے پوچھا کہاں رہتی ہو؟ کہا سر میں۔

اس کے بعد شرم آئی۔ میں نے پوچھا کہاں رہتی ہو؟

آنکھوں میں۔

اس کے بعد محبت آئی۔ میں نے کہا تم کون ہو؟ اس نے کہا "محبت"۔ میں نے کہا کہاں رہتی ہو؟ جواب ملا "دل میں"۔

محبت کے بعد تقدیر آئی۔ میں نے پوچھا تم کون ہو؟ "مجھے تقدیر کہتے ہیں"۔ اس نے جواب دیا۔ میں نے پوچھا۔ کہاں رہتی ہو؟ اس نے کہا "سر میں"۔

میں نے حیرت سے پوچھا۔ مگر سر میں تو عقل رہتی ہے؟ اس نے کہا، ہاں، جب میں آتی ہوں تو عقل رخصت ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد عشق آگیا۔

میں نے پوچھا کہاں رہتے ہو؟ اس نے کہا۔ میں عشق ہوں اور آنکھوں میں رہتا ہوں۔

میں نے کہا مگر وہاں شرم ہے۔ اس نے کہا "ہاں، جب میں آتا ہوں تو شرم نہیں رہتی"۔

سب کے آخر میں طمع آئی۔ میں نے پوچھا۔ آپ کا نام اور رہائش؟ اس نے کہا کہ میں طمع ہوں اور دل میں رہتی ہوں۔ میں نے بے زار ہو کر کہا۔ وہاں تو محبت کا مقام ہے؟ اس نے ادا سے جواب دیا، "بجا فرمایا، لیکن جب آتی ہوں تو محبت رخصت ہو جاتی ہے۔"

نیلوفر، جاسمین، شری رام پور، احمد نگر

صدقۃ الفطر قرآن کی روشنی

حضرت کثیر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تاجدار مدینہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ اس آیت مبارکہ کا تعلق کس سے ہے؟ تو جواب میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ قرآنی آیت صدقۃ الفطر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ (ابن خزیمہ)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ آقائے نامدار رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ صدقہ کرنے سے ہرگز مال کم نہیں ہوتا۔ صدقہ دینے والا جب صدقہ دیتا ہے تو وہ صدقہ سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاتھ میں پہنچ جاتا ہے۔ (طبرانی)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ہی ایک

اور روایت ہے کہ خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ صدقۂ فطر روزہ دار کی تمام کمزوریوں کا کفارہ ہوتا ہے۔ جس شخص نے نماز کی ادائیگی سے پہلے صدقۂ فطر ادا کر دیا تو یہ زکوٰۃ مقبولہ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو اس کی حیثیت محض ایک صدقہ کی ہے۔ (ابو داؤد)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ سید العرب والعجم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ ایک آدمی نے ابر کے ٹکڑے سے یہ آواز سنی کہ فلاں شخص کے باغ کو سیراب کر۔ اس آواز کے بعد وہ ابر وہاں سے چل کر ایک سنگلاخ زمین پر جاکر برسا۔ جہاں سے تمام پانی ایک نالے کے ذریعے ایک طرف بہنے لگا اور پھر اس نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے باغ کے پاس کھڑا ہوا یہ تمام پانی ایک بیلچے سے اپنے باغ میں پہنچا رہا ہے۔ انھوں نے اس شخص سے اس کا نام پوچھا تو اس شخص نے اپنا وہی نام بتلایا جو انھوں نے بادل کے ٹکڑے سے سنا تھا۔ پھر انھوں نے تمام واقعہ اس شخص سے بیان کیا۔ پھر دریافت کیا کہ تمہارا کون سا ایسا عمل ہے جس کی برکت سے بادل کو تمہارے باغ پر برسنے کا حکم ہوا!! اس شخص نے جواب دیا کہ میں اپنے باغ کی تمام پیداوار کو تین حصوں میں بانٹ دیتا ہوں۔ ایک حصہ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ دوسرا حصہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتا ہوں۔ تیسرا اور آخری لپٹے اس باغ کی حفاظت میں خرچ کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

مطلب یہ واضح ہوا کہ جو شخص اپنی حلال کمائی کا کچھ حصہ اللہ کی راہ میں صدقہ کرتا ہے تو بیشک اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی کمائی میں خیر و برکت عطا فرماتا ہے۔ اور اس کے کام میں ہر چند مدد فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو نیک کام کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

محمود اختر تلسیاپوری۔ امجدی لائبریری گھوسی۔ مئو

کرایے کے مکان کے باہر بورڈ لگا ہوا تھا کہ یہ مکان صرف ان لوگوں کو ملے گا جن کا کوئی بچہ نہیں ہوگا۔ بورڈ دیکھ کر ایک بچہ مالک مکان کے پاس آیا۔ کہنے لگا یہ مکان مجھے دے دیں۔ کیونکہ میرا کوئی بچہ نہیں، البتہ دو ماں باپ ہیں۔

اپنے دوست سے انٹرویو

س: سب سے پہلے اپنا تعارف پیامیوں سے کرائیے
ج: محمد خالد ارریاوی
س: آپ کس درجہ میں پڑھتے ہیں؟
ج: ثانویہ خامسہ میں زیر تعلیم ہوں (عربی چہارم)
س: آپ کس مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟
ج: میں مدرسہ اسلامیہ جیپٹ مئو (شاخ) دار العلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کرتا ہوں۔
س: آپ کا پسندیدہ مضمون کون سا ہے؟
ج: عربی، فارسی، اردو، انگریزی ہے۔
س: آپ کا پسندیدہ مشغلہ کیا ہے؟
ج: تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ہی ساتھ عمدہ عمدہ رسالوں کا مطالعہ کرنا ہے۔
س: آپ کے پسندیدہ مصنف کون ہیں؟
ج: شیخ سعدیؒ، حالی، علامہ شبلی نعمانی، سید سلیمان حسینی ندوی اور مفکر اسلام سید ابوالحسن علی میاں ندوی

پتے کی بات

حضرت نوح علیہ السّلام کی خدمت میں شیطان نے حاضری دی اور کہنے لگا "حضرت میں آپ کے ایک احسان کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں۔"

نوح علیہ السّلام نے پوچھا "کون سا احسان؟" شیطان نے فوراً کہا "آپ نے بددعا دے کر اپنی قوم کو غرق کر دیا مجھے بہت خوشی ہوئی، کیونکہ تباہی تو میرا کام تھا جسے آپ نے انجام دیا لیکن میں آپ کو احسان کے بدلے میں ایک پتے کی بات بتاتا ہوں۔"

حضرت نوح علیہ السّلام نے پوچھا۔ "وہ کیا؟" شیطان نے جواب دیا "اگر آپ مجھ سے واقعی بچنا چاہتے ہیں تو غصہ پی جایا کیجیے۔"

س : مستقبل میں آپ کیا بننا چاہتے ہیں؟
ج : دین کا داعی اور اسلام کا سپاہی۔
س : پیام تعلیم میں آپ کو کیا کیا پسند ہے؟
ج : بچوں سے باتیں، لطیفے، آدھی ملاقات، بچوں کی کوششیں، وغیرہ۔
س : آپ کا وطن کہاں ہے؟
ج : مقام و پوسٹ امونا، وایہ بھتنا، ضلع مدھوبنی بہار
س : کیا آپ کی کوئی تحریر پیام تعلیم میں شائع ہوئی ہے؟
ج : ابھی ابھی چند ماہ ہوئے میں نے پیام تعلیم کا مطالعہ شروع کیا ہے اور اس سے دلچسپی لی ہے جس کی طرف ہمارے ایک مشفق ساتھی جناب سہیل اختر امان اللہ نے رغبت دلائی ہے اور ابھی میری کوئی تحریر شائع نہیں ہوئی۔

خیر خالد بھائی آپ کا بہت بہت شکریہ!

سہیل اختر امان اللہ خان، مدرسہ اسلامیہ جہیپت نوسکا کوری

اپنے استاد سے انٹرویو

س : محترم استاد صاحب، پہلے تو آپ اپنا تعارف عزیز پیامیوں سے کرائیں۔
ج : عزیز پیامی بھائی بہنو! میرا نام فضل احمد ملور ہے اور تخلص فضل ہے۔
س : آپ کون سے مدرسے سے تعلیم حاصل کر چکے ہیں؟
ج : میں اسلامیہ ہائی اسکول بیلگام سے تعلیم حاصل کر چکا ہوں، اور زیادہ تعلیم کے لیے دوسرے مدارس سے بھی رابطہ تھا۔ اس وقت میں اسلامیہ ہائی اسکول ہی میں لڑکیوں کے شعبہ میں معلم کے فرائض انجام دے رہا ہوں۔
س : آپ کے پسندیدہ مشغلے کون سے ہیں؟
ج : پیام تعلیم کا بلا ناغہ ہر ماہ پڑھنا، معلوماتی کتابوں کا گہرا مطالعہ کرنا اور کثرت سے شعر و شاعری کرنا۔ ؎

اچھی صورت جو خدا دے تو یہ اوصاف بھی دے
حسن تقریر بھی ہو اور خوبی تحریر بھی ہو

س : آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد ہندستان کے بارے میں آپ کیا رائے رکھتے ہیں؟
ج : یہ سچ ہے کہ ہندستان سونے کی چڑیا کہلاتا تھا اور یہ تن کے گورے، من کے کالے انگریز ہندستان میں تاجر بن کر آئے، تاجدار بن گئے اور ہند کو تاراج کر گئے اور اب کے حکمراں بازی گر بن کر دو طرح کے کھیل اپنے ملک سے

کھیل رہے ہیں میری رائے میں...... ؟

جہاں کو پانا ہے آج بھی جو کا وطن میرا
بہت لٹ کر بھی اچھا ہے وطن میرا

س : آپ اپنے شاگردوں کو کیا بنانا چاہتے ہیں؟

ج : میں چاہتا ہوں میرے شاگرد استاد کا پیشہ اختیار کریں۔ کیونکہ استاد کے پیشہ کو "پیشۂ پیغمبری" کہا گیا ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد کو سمجھ سکیں مشکلات کو ہنس کر جھیلیں۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّوبیاں

س : عزیز پیامیوں کے لیے آپ کی کیا رائے ہے؟

ج : میری رائے میں پیام تعلیم ایک نایاب رسالہ ہے۔ یہ ہماری قوم کی کشتی کا ناخدا ہے، یہی ہماری کشتی کو بھنور سے نکال کر ہمیں پار لگائے گا۔ اس کے مطالعے سے ہمارے معلوماتی خزانے میں بڑا اضافہ ہوتا ہے۔ پیامیو! اس رسالے سے ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہنا۔ اس سے آپ کا مستقبل روشن ہو سکتا ہے۔

تقدیر کے دستِ نازنیں سے تدبیر درخشاں ہوتی ہے
قدرت بھی کرم فرماتی ہے جب کوششِ انساں ہوتی ہے

عشرت آر۔ ملا، کوتوال گلی، بیلگام۔ کرناٹک

جانے انجانے انٹرویو

(پیچھے سے آواز آتی ہے) سنیے! دائیں طرف دیکھیے، میں آپ سے ہی کہہ رہی ہوں۔ کیا آپ عروسہ کو جانتی ہیں؟

لڑکی : جی ہاں، اچھی طرح جانتی اور پہچانتی ہوں۔

عرفانہ : کیا آپ ہم کو ان سے ملوائیں گی؟

ایک سیاست داں اپنی بیوی کو ساتھ لے کر زچہ بچہ سنٹر گیا۔ تھوڑی دیر بعد نرس نے آکر مبارک باد دی اور کہا آپ کے دو بچے ہوئے ہیں۔
سیاست داں اپنے خیالات سے چونکا اور بولا "یہ کبھی بھی نہیں ہو سکتا دوبارہ گنتی کرائیے"

لڑکی : کیوں نہیں، لیکن اتنی بھی جلدی کیا ہے چلیے نا بیٹھتے ہیں۔

عرفانہ : دراصل میں نے ان کی بہت تعریف سن رکھی ہے اس لیے ان سے ملنے کی خواہش روز بروز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ آپ تو اسے جانتی ہیں اس کے بارے میں بتائیے نا چند باتیں۔

لڑکی : ان کے والد کا نام ڈاکٹر محمد صبیح سالم ہے جو بہادر گنج نہرو کالج میں لائبریرین ہیں، یہ کالج کشن گنج ضلع میں ہے۔ ان کی والدہ کا نام نوشابہ بیگم ہے۔

عرفانہ : وہ ابھی انسان اسکول میں دسویں جماعت کی طالبہ ہیں لیکن وہ انسان اسکول میں کب سے پڑھ رہی ہیں؟

لڑکی : ۱۹۸۶ء سے۔ شروع میں تو وہ بے حد رویا کرتی تھیں لیکن اب بہت مزے میں ہے۔

عرفانہ : اوہ...... میں تو آپ کا نام پوچھنا ہی بھول گئی۔

لڑکی : چھوڑیے نا، نپولین نے بھی تو کہا تھا "نام میں کیا رکھا ہے"

عرفانہ : اچھا یہ بتائیے کہ آپ کی کوئی سہیلی ہے؟

لڑکی : ناز عشرت۔ لیکن اچانک وہ مجھ سے بچھڑ گئی جس کا مجھے بے حد صدمہ ہے۔

حضرت عمر رضؓ

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
تنہا کہیں چلے جا رہے تھے۔ کسی اجنبی کو
جب ان کی حیثیت کا علم ہوا تو وہ بھاگ
کر ان کے قریب پہنچا اور ان سے سوال کیا
کہ آپ مسلمانوں کے امیر ہیں؟
حضرت عمر فاروق رضؓ نے جواب دیا "امیر
نہیں، محافظ کہو، میں ان کا محافظ ہوں"
اجنبی نے کہا "آپ اپنے ساتھ حفاظتی دستہ
نہیں رکھتے؟"
حضرت عمر رضؓ نے جواب دیا "عوام کا کام
یہ نہیں کہ وہ میری حفاظت کریں بلکہ یہ میرا
کام ہے کہ میں ان کی حفاظت کروں"

عرفانہ: آپ کے جینے کا کوئی مقصد؟
لڑکی: یہ ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا۔
عرفانہ: آپ کیسے لوگوں کو پسند کرتی ہیں؟
لڑکی: جو یاد خدا سے غافل نہ ہوں۔ ہر حال میں
خوش رہتے ہوں اور اوروں کو بھی خوش
رکھتے ہوں۔
عرفانہ: کیا آپ اس مسئلہ کو حل کریں گی کہ جو
اپنی ہمت ہار چکے ہوں اور اپنی زندگی سے
مایوس ہو چکے ہوں لیکن آپ انہیں جینے پر
مجبور کر دیں۔
لڑکی: یاد کریں اقبال کا وہ شعر

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

عرفانہ: کسی بچے کے مستقبل کو تابناک بنانے
کے لیے آپ کچھ نصیحت کر سکتی ہیں؟
لڑکی: وہ سب سے پہلے یہ کریں کہ خدا کو ہر لمحہ
حاضر و ناظر سمجھیں۔ والدین کو کسی طرح کی
تکلیف نہ دیں۔ وقت کی قدر کریں اور اچھی
اچھی کتابوں کا مطالعہ کریں اور اس پر عمل کریں
کیونکہ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے
علامہ اقبال

عرفانہ: کافی وقت ہو چکا ہے اب ہمیں عروسہ
سے ملا دیجیے، بڑی مہربانی ہوگی۔
لڑکی: بندی (عروسہ) آپ کے سامنے حاضر ہے۔
عرفانہ: (چونکتے ہوئے) کیا آپ ہی عروسہ
ہیں؟ واہ آپ نے اچھا ناٹک کیا میرے
ساتھ۔ اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ میں نے آپ
کی تعریف ٹھیک ہی سن رکھی ہے۔ (دونوں
قہقہہ لگا کر ہنسنے لگتی ہیں)

عرفانہ خاتون، انسان اسکول، کشن گنج بہار

وٹامن ڈی۔ صحت مند جسم کے لیے

غذا کے چھ Components میں وٹامن بھی
ہے۔ وٹامن کے اقسام میں 'وٹامن ڈی' ایک قسم
ہے جسے سائنسی زبان Scientific Language میں
کہتے ہیں۔ ہماری غذا میں ان کی کمی ہمیں کئی اقسام
کے امراض میں مبتلا کر سکتی ہے۔ اس لیے ضروری
ہے کہ ہمارے جسم میں ان کی صحیح مقدار موجود رہے۔
وٹامن ڈی، ہڈیوں کو صحت مند اور مضبوط
بناتا ہے اور صحت مند جسم کی یہ پکار ہے کہ
جسم کی ہڈیاں مضبوط ہوں۔ اس طرح ہماری
غذا میں 'وٹامن ڈی' کا موجود رہنا لازم ہو جاتا ہے۔
آئیے: آج ہم اس کے مختلف پہلوؤں
پر اپنی نظر ڈالیں۔

ہم جو کچھ بھی کھاتے ہیں۔ وٹامن ڈی ان
سے Calcium اور Phosphorus جذب
کرتا ہے اور ہڈیوں میں ان کے پہنچنے کی قوت
بڑھاتا ہے۔

اس کے ذرائع۔

وٹامن ڈی کا سب سے اچھا ذریعہ سورج
کی شعاعیں ہیں۔ ہر دن اگر چند منٹوں تک سورج
کی روشنی میں رہا جائے تو جسم میں اس کی کمی ہو ہی
نہیں سکتی۔ سورج کی روشنی سے سبھی مستفید
ہو سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ مچھلی کے Liver oil
مکھن، انڈے کی زردی میں بھی اس کی اچھی خاصی
مقدار رہتی ہے۔ اس لیے تاکید رہے کہ ہمارے
کھانے میں ان کی کمی نہ ہونے پائے۔
دودھ اور ملائی میں بھی اس کی مقدار موجود رہتی
ہے لیکن بہت کم۔

کمی سے بیماریاں:۔

وٹامن ڈی کی کمی جسم میں کئی بیماریوں کو جنم
دیتی ہے۔ اس کی کمی سے جسم کی ہڈیاں کمزور
ہو جاتی ہیں، چہرہ پژمردہ ہو جاتا ہے، جوڑوں
میں درد کی شکایت پیدا ہو جاتی ہے۔ وٹامن ڈی کی
کمی سے Anemia میں گراوٹ آنے لگتا ہے
Muscles میں اینٹھن اور قوت ہاضمہ کمزور ہو جاتی
ہے۔ جسم میں اس کی کافی مقدار موجود نہ رہنے
کے سبب وزن بھی کم ہونے لگتا ہے۔ اس
کی کمی سے بچوں میں Rickets نام کی بیماری
ہو جاتی ہے۔

وٹامن ڈی۔ زیادہ مقدار میں نہ لیں۔

سبھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ہر
شے کی کثرت خراب ہے۔
یہ بات وٹامن ڈی پر بھی لاگو ہوتی ہے اس
کی زیادہ مقدار جسم کے لیے نقصان دہ بھی ثابت
ہو سکتی ہے۔
وٹامن ڈی کی زیادہ مقدار کا دل پر
بڑا برا اثر پڑتا ہے۔ اگر چھوٹے بچوں کو وٹامن
ڈی کی بہت زیادہ مقدار دی جائے تو ان
کی ہڈیاں بڑھنا بند کر دیتی ہیں۔ بچوں کو ڈائریا
ہو جاتا ہے۔ وٹامن ڈی جسم میں زیادہ مقدار
میں پہنچ جائے تو گلا سوکھنے لگتا ہے، بار بار
پیاس لگتی ہے اور دماغ کی بالیدگی میں رکاوٹ
ثابت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اس کی
زیادہ مقدار انسان کو کند ذہن بنا ڈالتی ہے
اور بدصورتی لاتی ہے کیونکہ اس سے منہ اور
چہرے کی ہڈیوں میں بھی خرابی آجاتی ہے۔

صحیح مقدار سود مند ہے:۔

دھیان رہے کہ وٹامن ڈی ضرور لیں
پر صحیح مقدار میں۔ اس لیے ضروری ہے کہ
بچے، بوڑھے، جوان، عورت، مرد سبھی کچھ دیر
تک دھوپ میں ضرور بیٹھیں۔ اگر اس کی
صحیح مقدار جسم کو نہ ملے تو Calcium اور
Phosphorus ہڈیوں میں ٹھیک سے نہیں
پہنچ پائیں گے۔ جس کے نتیجے میں ہڈیوں میں درد
ہونے لگے گا اور وہ ٹیڑھی میڑھی ہونے لگیں گی

چرچل سے ایک خاتون رپورٹر نے
پوچھا۔ مسٹر چرچل آپ کو یقیناً خوشی ہوتی
ہوگی کہ آپ کی تقریر ہو تو جلسہ گاہ میں تل
دھرنے کی جگہ نہیں رہتی؟
"جی ہاں۔ لیکن یہ بات میرے ذہن
میں رہتی ہے کہ اگر مجھے پھانسی دی جا رہی
ہو تو ہجوم اس سے چار گنا ہوگا۔" چرچل
نے جواب دیا۔

کسی جنرل کے اعزاز میں تقریب ہو رہی تھی۔ جنرل نے تقریر کرتے ہوئے کہا "اگر میں جہنم اور بمبئی دونوں کا مالک ہوتا تو بمبئی کو کرایے پر دے دیتا اور جہنم میں رہنا پسند کرتا۔"
"بالکل درست فرمایا" بمبئی کے باشندے نے کہا۔
"ہر شخص اپنے وطن میں رہنا پسند کرتا ہے۔"

کمزور ہڈیوں میں Fracture بھی ہو سکتا ہے۔
بچوں، حاملہ عورتوں اور دودھ پلانے والی عورتوں کے جسم میں وٹامن ڈی، کی بہت ضرورت ہوتی ہے۔ تین سال سے اوپر کے بچوں کو 10 microgm کی مقدار میں وٹامن ڈی، دینا ضروری ہے۔
بڑی عمر کے لوگوں کو اپنے کھانے میں ان چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے جن سے وٹامن ڈی، حاصل کیا جا سکتا ہے۔ سب سے سستا اور آسان تو یہ ہے کہ روز کچھ دیر تک دھوپ میں بیٹھیں۔

احتیاط برتیں:۔

بہت تیز دھوپ Skin کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے اس لیے سورج کی طرف منہ کرکے نہ بیٹھیں۔ دھوپ میں بیٹھتے وقت پتلے کپڑے سے سر ڈھک لیا جائے تو بہتر ہے۔ اس سے آپ کو سورج کی شعاعوں سے سینک بھی پہنچے گی، ساتھ ہی سورج کی شعاعیں جلد کو نقصان بھی نہیں پہنچائیں گی۔ اس بات کا ہمیشہ خیال رکھیں کہ دھوپ سے اٹھنے کے بعد فوراً غسل نہ کریں۔ اس سے وٹامن ڈی، برباد ہو جاتی ہے۔
اس بات کا دھیان رکھیں کہ آپ کے جسم میں وٹامن ڈی، صحیح مقدار میں پہنچ رہا ہے۔ اس کی کمی نہ ہونے پائے کیونکہ وٹامن ڈی ہی آپ کے جسم کی ہڈیوں کو مضبوط و صحت مند بناتی ہے۔

نسرین حسن، انسان اسکول، گلشن گنج بہار

منوّر خاں کا انٹرویو

س : آپ اپنا مکمل تعارف کرائیں۔
ج : میرا نام منوّر خاں گلاب خاں ہے۔ میں کمال پورہ سولکس ماڈل اسکول کے پاس مکان نمبر ۱۶۰۴، مالیگاؤں میں سکونت پذیر ہوں۔
س : تعلیم کے بارے میں کچھ بتائیے؟
ج : نویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔ اے ٹی ٹی ہائی اسکول میں زیر تعلیم ہوں۔
س: پسندیدہ مضامین کون کون سے ہیں اور پسندیدہ ٹیچرس کا نام بھی بتائیے؟
ج : انگلش، ہندی، اردو۔ شفیق واسع سر
س : آپ کی پیدائش کب اور کہاں ہوئی؟
ج : مالیگاؤں میں ہی یکم جون ۱۹۹۱ء کو۔
س : پسندیدہ غذا، لباس، رنگ، پھل، پھول شاعر، اور لیڈر کا نام بتائیے؟
ج : پلاؤ، پینٹ شرٹ، سفید، آم، گلاب علامہ اقبال، رفیع احمد قدوائی۔
س: اپنے پسندیدہ شاعر کا کوئی شعر سنائیے؟
ج : لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری
(علامہ اقبال)

س : زندگی کا سب سے حسین لمحہ؟
ج : میں جماعت پنجم میں سیکنڈ آیا تھا وہ میری زندگی کا سب سے یادگار دن تھا۔
س : کوئی غم والا لمحہ؟
ج : دادا، دادی کو نہ دیکھنے کا غم
س : پسندیدہ رسالہ، اخبار؟
ج : "پیام تعلیم"، ہلال، اور اخبارات میں اردو ٹائمز، انقلاب، شامنامہ (مالیگاؤں)
س : پسندیدہ دوستوں کے نام ؟
ج : مستقیم احمد، الطاف عرف ببڑا بڑھاؤ، عبداللہ ہلال، شیخ الزوز۔
س : قارئین کو کوئی پیغام؟
ج : قومی و ملی اتحاد قائم کریں۔ فرقہ پرستی، ملک دشمن عناصر کو ختم کریں۔ تعلیم کو فروغ دیں اور اردو کو فروغ دیں۔ یہی میرا پیغام بھی ہے اور ارمان بھی۔

السلام علیکم
وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ برکاتہ'

الطاف حسین، کمال پورہ مالیگاؤں

پیامیوں سے درخواست

دوستو! اردو ہماری مادری زبان ہے اور اس کی ترقی و ترویج کا انحصار ہم پر ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنی زبان کی ترقی کے لیے کوشش کریں۔ ہمیں چاہیے کہ ہمارے اطراف رہنے والے غیر اردو داں لوگوں میں اردو کو متعارف کروائیں۔ اس کے علاوہ جو لوگ ناخواندہ ہیں انھیں اردو میں ابتدائی تعلیم دیں۔ اس سے ہمارا اخلاقی فرض بھی پورا ہوگا اور اردو کی ترقی بھی ہوگی۔ ہمیں چاہیے کہ خط صرف اردو میں لکھیں اور اپنے

ایک مشہور نجومی نے ایک صاحب کا ہاتھ دیکھتے ہوئے کہا۔
"اگر آپ اپنی پیدائش کے وقت سے کچھ دیر بعد پیدا ہوئے ہوتے تو آپ کا شمار بہت خوش قسمت اور بڑے عظیم آدمیوں میں ہوتا۔"
ان صاحب کی بیوی پاس ہی کھڑی تھیں۔ نجومی کی بات سننے کے بعد بولیں۔
"یہ تو ہر کام میں جلد بازی کرتے ہیں۔"

رشتہ داروں اور دوستوں کو بھی خط لکھنے کی تلقین کریں۔ اردو کے اخبارات و رسائل خرید کر پڑھیں۔ شادی اور سالگرہ وغیرہ کے کارڈ اردو میں چھپوائیں۔ اگر ہم نوجوان کوشش کریں تو اردو کی ترقی کے لیے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔

کفیل جیراجپوری، ملت نگر، اندھیری ویسٹ بمبئی

عظمت قرآن پاک

تمام کتابوں میں سب سے مقدس اور افضل ترین کتاب قرآن پاک ہے۔ قرآن پاک میں چار مسجدوں کا ذکر آیا ہے۔ مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ، مسجد ضرار، اور مسجد قبا۔
حضرت مریمؑ وہ واحد خاتون ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں ان کے نام سے آیا ہے۔ حضرت زید بن حارثؓ وہ خوش نصیب صحابی ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔
خلیفہ سوم، داماد رسولؐ شہید مظلوم سیدنا عثمان غنیؓ وہ خوش نصیب انسان ہیں جنھیں

ایک کنجوس کروڑپتی جب مرنے لگا تھا تو اس کے بیٹے اس کے پاس بیٹھے کہہ رہے تھے۔

پہلا بیٹا: اگر ڈیڈی مر گئے تو ہم ان کا جنازہ بڑی شان و شوکت کے ساتھ تین گاڑیوں میں لے جائیں گے۔

دوسرا بیٹا: ارے واہ کیوں اتنا خرچ کریں ہم ڈیڈی کا جنازہ صرف ایک گاڑی میں لے جائیں گے۔

باپ بولا: بیٹے تم ایسا کرنا مجھے کفن پہنا دینا۔ میں خود ہی سائکل پر قبرستان پہنچ جاؤں گا۔

قرآن پاک کا سب سے پہلا حافظ ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔

دنیا کی تقریباً ۱۰۳ زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

قرآن پاک میں ۲۶ نبیوں کا ذکر آیا ہے۔

پورا قرآن پاک ۲۲ سال ۵ ماہ ۱۴ دن میں نازل ہوا۔

قرآن کے لفظی معنی ہیں "بار بار تلاوت کیا گیا"

افسری نعیم، ڈنٹ مشن روڈ، خضر پور، کلکتہ

فطرت

ایک مرتبہ ایک بزرگ دریا میں نہا رہے تھے، اچانک ان کی نگاہ ایک ڈوبتے ہوئے بچھو پر پڑی، بزرگ کو اس بے جان پر بڑا ترس آیا۔ چنانچہ آپ نے اس کی زندگی بچانے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ بچھو تو بچھو ہی ہوتا ہے ڈنک سے بزرگ کی ضیافت کی آپ نے تلملا کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ مگر تھے تو بزرگ، بچھو کو ڈوبتا دیکھا تو فطری ہمدردی پھر پیدا ہوئی کہ خلق خدا کی جان بچائی جائے، تھوڑی دیر پہلے کی تکلیف بھول گئے۔

بچھو نے جب دوبارہ انسانی لمس محسوس کیا اس کی فطرت عود کر آئی اور اس نے زور دار ڈنک مارا اور نتیجہ میں پھر ڈوبنے لگا۔ تیسری بار بزرگ نے دریا کے کنارے پہنچ کر ہی دم لیا اور بچھو بدستور ڈنک مارتا رہا۔

دریا کے کنارے بیٹھا ایک شخص سارا منظر دیکھ رہا تھا، اس نے حیرت کو دور کرنے کے لیے بزرگ سے استفسار کیا کہ جب ایک بچھو آپ کی نیکی کے صلے میں ڈنک کا تحفہ دے رہا تھا پھر بھی آپ نے اسے کیوں بچالیا؟ ایسوں کا تو مر جانا ہی بہتر ہے خس کم جہاں پاک۔

بزرگ نے جواب دیا، ڈنک مارنا بچھو کی سرشت میں داخل ہے اور وہ اپنی فطرت سے اس وقت بھی باز نہ آیا جبکہ اس کی جان جارہی تھی پھر میں انسان ہو کر اپنی فطرت سے کیسے باز آسکتا ہوں جبکہ اللہ نے انسانوں کی فطرت میں ہمدردی رکھی ہے۔ سوال کرنے والا خاموش ہو چکا تھا۔ مگر میری حیرانی اب بھی باقی ہے کیا انسانوں کی فطرت میں واقعی ہمدردی ہے یا بزرگ کی بات غلط ہے۔

ظفر صادق زلفی، احمد گنج ضلع بیگوسرائے بہار

ایک دوست سے انٹرویو

س: سب سے پہلے آپ اپنا تعارف پیامی بھائیوں سے کرائیے۔

ج: میرا نام شکیل احمد عرف منٹو ہے۔

س: آپ کس درجے میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟

ج: میں اپنے قریب کے شہر تاج پور کالج میں بی ایس سی سیکنڈ ایر میں تعلیم پا رہا ہوں۔
س: آپ کا وطن کہاں ہے؟
ج: میرا وطن بہار ہے اور ضلع سمستی پور کے قریب ایک گاؤں شاہ پور بگھونی میں رہتا ہوں۔
س: آپ کا پسندیدہ رسالہ؟
ج: پیام تعلیم، ہلال، نہال۔
س: آپ کے مشاغل؟
ج: فٹ بال کے کھلاڑیوں کے فوٹو جمع کرنا اور فٹ بال کھیلنا۔
س: آپ کا پسندیدہ کھلاڑی کون ہے؟
ج: میراڈونا، رونیری یو، رویٹو بیجیو، الہرالدین برین لارا، سچن تیندولکر۔
س: آپ پڑھ لکھ کر کیا بننا چاہتے ہیں؟
ج: میں مستقبل قریب میں انجینیر بن کر ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔
س: آپ کے پسندیدہ مصنف کون کون سے ہیں؟
ج: مولانا حالی، آزاد، میر امن، شیخ سعدیؒ، غالب وغیرہ۔
س: پیامی بھائی بہن کے لیے کوئی پیغام؟
ج: جی ہاں! پیامی بھائی بہنوں کے نام میرا پیغام یہ ہے کہ اپنے اندر جذبہ بیداری پیدا کریں اور اپنے قیمتی وقت کو کبھی ضائع نہ ہونے دیں کیونکہ وقت کی قدر کیے بغیر انسان بلندی کو نہیں پہنچ سکتا۔
س: جاتے جاتے اپنا پتا بتائیں گے؟
ج: کیوں نہیں ضرور بتاؤں گا۔ شکیل احمد منڈو شاہ پور بگھونی، دینی، سمستی پور، بہار

محمد نصیب الہدیٰ، شاہ پور بگھونی، سمستی پور، بہار

بیٹا باپ سے پوچھ رہا تھا کہ، ابا جان ایفل ٹاور کہاں ہے؟"
"معلوم نہیں"
"دنیا کے کل کتنے عجوبے ہیں؟"
"مجھے کیا معلوم؟"
"ابا جان ..... ؟"
"ہاں ہاں بیٹا پوچھو گے نہیں تو تمھاری معلومات میں اضافہ کیسے ہوگا؟"

جیسا گھمنڈ ویسا انجام

کسی گاؤں میں ایک غریب کسان رہتا تھا۔ اس کی چار بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی کا نام گڈی تھا وہ بہت ہی ایمان دار اور نیک طبیعت تھی۔ اس کے گھر میں ایک بڑی سی گائے تھی جو کافی مقدار میں دودھ دیتی تھی۔ اسی دودھ کو بیچ کر کسان جو روپے لاتا اس سے اپنے بچوں کی پرورش کرتا تھا۔ ایک دن کی بات ہے کہ گڈی کی ماں کا انتقال ہوگیا۔ اب گھر کا سارا کام کاج گڈی کے سر پر پڑ گیا، مگر گڈی کو پڑھنے کا بھی بہت شوق تھا۔ اس کی ایک کلاس فیلو تھی جس کا نام گڑیا تھا، وہ بہت ہی گھمنڈی تھی اس کے ابا ڈاکٹر تھے اس لیے کافی شان سے رہتی تھی وہ کلاس میں ہمیشہ فضول باتیں کرتی تھیں۔ اس لیے استاد بھی اس سے ناراض رہتے تھے۔ گڈی غریب ضرور تھی مگر وہ پڑھنے میں بہت تیز تھی۔ کلاس میں ہمیشہ اوّل آتی تھی اس لیے استاد بھی اُسے کافی پیار کرتے تھے۔ ایک دن گڑیا

تین شخص بیٹھے باتیں کر رہے تھے
ایک بولا: "میں پانچ سال افریقہ کے جنگلوں میں رہا ہوں۔"
دوسرا بولا: "میں تین سال تک عرب کے صحرا میں رہا ہوں۔"
تیسرا بولا: (بڑی دردبھری آواز میں) "ارے میری بھی تو سنو، میں تو بیس سال سے بیوی کے ساتھ رہ رہا ہوں۔"

کلاس کی ساری لڑکیوں سے بولی، گڈی سے بات مت کرو، اس کے ابا ہل چلاتے ہیں اور دودھ بیچتے ہیں اور گڈی گائے کا گوبر صاف کرتی ہے اس کے کپڑے بھی اچھے نہیں ہیں اور جوتے بھی پھٹے ہوئے ہیں، ہمارے ابا تو ڈاکٹر ہیں میرے کپڑے بھی اچھے ہیں اور جوتے بھی نئے ہیں۔ اسی وقت گڈی نے گڑیا کو جواب دیا اللہ ہمیں بھی ایک نہ ایک دن ضرور دے گا۔ گڑیا بولی، تم تو ہمیشہ ہر بات میں اللہ دے گا اللہ دے گا کی رٹ لگاتی رہتی ہو۔ گڈی کچھ نہیں بولی۔ جب گڑیا تیرہ سال کی ہوئی تو اس کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اب گڑیا کی شان کچھ کم ہوئی۔ پھر بھی وہ کلاس میں ویسی ہی حرکت کیا کرتی تھی۔ پھر جب وہ سولہ سال کی ہوئی تو اس کے ابا کا انتقال ہو گیا۔ اب گڑیا کے لیے ماں باپ دونوں کا پیار ختم ہو گیا۔ اس کے باوجود وہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئی۔ جب وہ جوان ہو گئی تو اس کے ماموں اور چچا نے مل کر اس کی شادی ایک غریب لکڑہارے سے کر دی جس کا نام احمد تھا۔ اس کے پاس بھی ایک گائے تھی گائے کا نام ٹن ٹن تھا وہ اچھا خاصا دودھ دیتی تھی، اسی دودھ کو بیچ کر احمد اپنی بیگم گڑیا کی ضرورتوں کو پوری کرتا تھا۔ ادھر گڈی اپنی محنت اور لگن سے پڑھ کر ایک اچھی ڈاکٹر بن گئی جس کی وجہ سے گڈی کی شادی ایک اچھے آفیسر سے ہوئی جس کا نام اسلم تھا۔ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آدمی کو کبھی گھمنڈ اور تکبر نہیں کرنا چاہیے، اس کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔

شاذلی البشریٰ، انسان اسکول کشن گنج بہار

سجدہ شکر

فرشتہ موت نے حضرت نوحؑ کی روح قبض کرنے سے پہلے ان سے پوچھا کہ "آپؑ نے دنیا کو کیسے پایا؟" آپؑ نے جواب دیا "مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے دروازے سے نکل گیا۔" فرشتہ موت کو تعجب ہوا۔ اس نے کہا "اے اللہ کے نبیؑ آپؑ نے اتنی طویل عمر پائی، دینی و دنیاوی بادشاہت آپ کے پاس رہی اور آپؑ یہ فرما رہے ہیں۔ کیا آپؑ کو معلوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے آخری نبیؐ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو اُن کی اُمت کی عمریں ساٹھ ساٹھ برس کی ہوا کریں گی اور وہ اپنے رہنے کے لیے لوہے کے مکانات تعمیر کریں گے۔" حضرت نوحؑ نے بے اختیار کہا "خدا کی قسم میں ان آخری نبیؐ کی اُمت میں پیدا کیا جاؤں تو ساٹھ سال صرف ایک سجدۂ شکر میں گزار دوں۔"

شیخ محمد عمران محمد علی روڈ بمبئی ۳

میرے پسندیدہ اشعار

بہادو خون سڑکوں پر مگر اتنا ذرا سوچو
وطن جب خون مانگے گا تمہارے پاس کیا ہوگا

نبیل معاذ ۴۸۲۱، دوائی ٹولہ، بلیماران دہلی ۶

کہاں کہاں پہ لٹے ہو شمار مت کرنا
مگر کسی پر بھی اب اعتبار مت کرنا

محمد شمس الدین، اقبال نگر، پربھنی

میں تو سمجھ رہا تھا کہ مجھ پر ہے مہرباں
دیوار کی یہ چھاؤں تو سورج کے ساتھ تھی

راشد احمد شیخ، ٹیکسی مین کالونی، کرلا، بمبئی

آیا ہی تھا ابھی میرے لب پر وفا کا نام
کچھ دوستوں نے ہاتھ میں پتھر اٹھا لیے

رضوان حارث، نیا پورہ، مالیگاؤں ناسک

اک بار جو بچھڑ گیا وہ پھر نہ مل سکا
اے دوست ترے شہر میں کتنا ہجوم ہے

شیخ اصغر قاضی نگر بھنڈارہ

ہاتھوں میں ترے تھا جو کھلونا سا ایک شخص
اک روز گر کے ٹوٹ گیا رکھ رکھاؤ میں

محمد مشاد عالم مدرسہ فیض العلوم تھانہ بھین رام پور

کون بہتے ہوئے اشکوں پہ نظر رکھتا ہے
لوگ ہنستے ہوئے چہروں کو دعا دیتے ہیں

مریم نوری، اسلام نگر اررہ بہار

ہے دل کی دھڑکنوں میں شامل پیام تیرا
جو روح سن رہی ہے وہ ہے کلام تیرا

عمران حسین محمود انصاری، دھولیہ مہاراشٹر

کسی سے راز مت کہنا اگر رہنا ہو دنیا میں
ہے دنیا ایک نقارہ ہمیں بدنام کر دے گی

یوسف خاں، شبیر نگر مالیگاؤں

آتی نہیں صدائیں اس کی مرے قفس میں
ہوتی میری رہائی اے کاش میرے بس میں

فرزانہ صفیہ اعظمی ٹیونگا اعظم گڑھ

شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی
کلمہ پڑھتے تھے ہم چھاؤں میں تلواروں کی

نزہت انجم قریشی محلہ بڑھئی پورہ منگرول پیر

نہ جانے کیا کہا تھا ڈوبنے والوں نے لہروں سے
وہ لہریں آج بھی ساحل پہ اپنا سر پٹکتی ہیں

محمد اکمل سعید دیوان پورہ منگرول پیر

لائی نہ ایسے ویسوں کو خاطر میں آج تک
اونچی ہے کس قدر تیری نیچی نگاہ بھی

محمد توصیف محمد شبیر، موہن پورہ ملکاپور بلڈانہ

وہ آئے بھی گئے بھی غذا بانٹتے ہوئے
ہم رہ گئے دوات و قلم چاٹتے ہوئے

محمد افتخار علی مدرسہ گورنمنٹ ہائی اسکول جگتیال

محمد نبی ہے خدا مت کہو
مگر ان کو رب سے جدا مت کہو

رئیسہ بانو ممتاز ناقور دھولیہ مہاراشٹر

وہ اشک بن کے چشم تر میں رہتا ہے
عجیب شخص ہے پانی کے گھر میں رہتا ہے

عبدالقادر جیلانی، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ بہار

زندگی کی راہوں میں غم بھی ساتھ چلتے ہیں
کوئی غم میں ہنستا ہے کوئی غم میں روتا ہے

نزہت انجم عبدالعزیز قریشی، مدار تکیہ، منگرول پیر

اشک آنکھوں میں نہیں دل میں چھپانا سیکھو
دل کی آغوش میں زخموں کو سلانا سیکھو

محمد فرقان این آر بازار روڈ۔ آسنسول

غریبی توڑ دیتی ہے جو رشتہ خاص ہوتا ہے
پرائے اپنے ہو جاتے ہیں جو پیسہ پاس ہوتا ہے

انیسہ ناز، کاسودہ، اسلام پورہ

لب پہ تو اللہ کی تعریف ہے تمجید ہے
اور عمل دیکھیں تو خود ایمان کی تردید ہے

منظور عالم، کبئی بنگھرا ضلع سمستی پور بہار

یوں تو مرنے کے لیے زہر سب پیتے ہیں
زندگی تیرے لیے زہر پیا ہے ہم نے

شیخ چاند سہیل شیخ کالو قریشی، لونار بلڈانہ

دیکھو دامن پہ کہیں داغ جہالت نہ لگے
اپنے دامن کو جہالت سے بچاؤ بچو
تم بزرگوں کا ادب، چھوٹوں پہ شفقت کرکے
سکۂ اخلاق کا ہر دل پہ بٹھاؤ بچو

محمد شعیب باغبان۔ اتھنی ضلع بیلگام

گھٹاؤں میں تبدیل ہوگا دھواں
برسنے لگیں گے ستارے یہاں

حسن جابری آرمور نظام آباد

ہر حسین چیز پہ دنیا کی نظر رہتی ہے
زندگی پھول کی کانٹوں میں بسر ہوتی ہے

بدر عالم، معہد عثمان بن عفان، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

یہ شمس تاباں سے جاکے کہہ دو کہ اپنی کرنوں کو گن کے رکھ لیں
میں اپنے صحرا کے ذرّے ذرّے کو چمکنا سکھا رہا ہوں

شمیم سلطانہ قریشی، مدار تکیہ منگرول پیر آکولہ

لے دعا محتاج کی، افلاس کی، بیمار کی
درجہ اس دنیا میں بھی اعلا سے اعلا پائے گا

عبداللہ ہلال، کمال پورہ، مالیگاؤں مہاراشٹر

مل جل کر ہم گیت یہ گائیں
ایک بنیں گے، نیک بنیں گے

محمد نہال راہی، شاہ پور بگھونی، سمستی پور بہار

یہی ہے آرزو تعلیم قرآں عام ہو جائے
ہر ایک پرچم سے اونچا پرچم اسلام ہو جائے

مزمل احمد، محمد پور کرآری نرداره سمستی پور بہار

ایک سہانی شام تھی اور میں فقط تنہا نہ تھا
دوستوں کی بھیڑ میں لیکن کوئی اپنا نہ تھا

جمیل احمد نذیری، املو مبارکپور، اعظم گڑھ

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

طارق عزیز پھریہار اعظم گڑھ

قصر شاہی میں تو آج سوتا ہے تو
فرش مخمل پہ اترا کے چلتا ہے تو
تنہا سوئے گا کل قبر میں دیکھنا
ایسی دولت کا کوئی بھروسا نہیں

محمد قمر عالم، رحیم آباد، سمستی پور بہار

یہ کہہ کے دل نے میرے حوصلے بڑھائے ہیں
غموں کی دھوپ کے آگے خوشی کے سایے ہیں

قاضی محمد کاظم علی، فورٹ ہائی اسکول جگتیال

جھوٹی گواہی دے تو دوں اے دوست مگر
میں کیا کروں کہ روکے ہے اندر کا آدمی

اقبال اختر ناداں، جمال پور، دربھنگہ، بہار

مصائب میں الجھ کر مسکرانا میری فطرت ہے
مجھے دشواریوں میں اشک برسانا نہیں آتا

یاسمین بانو، درام پور، بیلا گنج ضلع گیا بہار

جاگ لے جاگ لے افلاک کے سایے تلے
حشر تک سوتا رہے گا خاک کے سایے تلے

انجم آرا عبدالمناف، کاسودہ، اسلام پورہ

میں اس کا دوست ہوں، وہ اعتراف کرتا ہے
مگر وہ باتیں بھی میرے خلاف کرتا ہے

محمد رضوان احسن، بارا استمرار جوکی ہاٹ ارریہ

ہر کشمکش کے بعد ہی آتا ہے انقلاب
ہر حادثہ کے بعد سنورتی ہے زندگی

آسیہ بانو، موہنیاں، پلاسی، ارریہ بہار

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مرد مسلمان
اللہ کرے تجھ کو عطا جدت کردار

ساجدہ یاسمین منگرول پیر آکولہ

ایک ہی خاک سے انسان ہوتے ہیں پیدا
ایک ہی خون ہے پھر خون بہاتے کیوں ہو

طلحہ نقشبندی القادری بالاپور آکولہ ایم ایس

مری بنیاد ہلا دے مجھے پسپا کر دے
اتنی طاقت تو نہیں گردش دوراں میں ابھی

•

وہی غرقاب ہوتے ہیں تلاطم سے جو ڈرتے ہیں
جواں ہمت ہلاکت خیز طوفاں میں ابھرتے ہیں

•

دیکھ پتھر سے نہ دینا کبھی پتھر کا جواب
ورنہ ٹکراؤ سے ہو جائے گا شعلہ پیدا

•

وہ قوم کی تقدیر بدلنے کو اٹھے ہیں
جو اپنے ہی بچوں کو نصیحت نہیں کرتے

محمد فاروق ڈاور کھتری کالونی کھنڈوہ

• محمد فاروق ڈاور میاں کو ان خوبصورت اشعار پر ۲۵ روپے کی کتابیں بطور انعام بھیجی جائیں گی

اندھیرے بانٹ لیتا ہے غموں کے
میرے گھر میں جو مٹی کا دیا ہے

عرفان احمد اکیلا، موتی تالاب، مالیگاؤں

اپنی منزل کا پتا خود ہی لگاؤ چل کر
پھوٹ کر روتے نہیں پاؤں کے چھالوں کی طرح

زبیدہ منظور ارائنی، رانی گڑھ، مہاراشٹر

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچوں کو صحبت زاغ

نجم الہدیٰ ثانی مدھوبنی، بہار ۲۹،۲۲۷۴۸

جنگل، پہاڑ چھوڑے میداں بسائے تو نے
اب اور ہی طرح کے نقشے جمائے تو نے

محمد ارمان سلفیہ جونیر اسکول، دربھنگہ بہار

گنگا بہائی ایسی کھیتوں کو بھر دیا ہے
پودوں کو جان دی ہے پھولوں کو زر دیا ہے

محمد منٹو سلفیہ جونیر اسکول، دربھنگہ بہار

جل ہے پوتر تیرا، مٹی بھی تیری پیاری
پاکیزگی کی دیوی، پاکیزہ ہے تو ساری

محمد عارف سلفیہ جونیر اسکول دربھنگہ بہار

اب کہاں ڈھونڈنے جائیں وہ کتابی چہرے
اب تو ہر راہ کو گھیرے ہوئے تنہائی ہے

زینت خاں جعفر آباد نوادہ بہار

اجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دو
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

نام ؟؟ ۸۰/۴ مشرقی اقبال روڈ مالیگاؤں

خیرات دینے والے تو نے کمی نہ کی!
دامن ہی تنگ تھا تو مقدر سے کیا گلہ

زرینہ شاہین مانک چوک امڑاپور

پھر تاج محل کوئی تعمیر نہیں ہوگا
ہر عہد کی شہزادی ممتاز نہیں ہوتی

فیروز بخت ایڈوکیٹ چہل پورہ منگرول پیر

اے دوست بُرے وقت سے مایوس نہ ہونا
ہر شام کے پہلو میں سحر کس کے لیے ہے

خالد اختر عبد العزیز ۴۳ مالیگاؤں ناسک

سب قیامت میں جڑی پگھل جائے گی!
بے نمازی کی صورت بدل جائے گی

شرافت حسین، بھٹیا، سدھارتھ نگر۔ یو پی

یہ بیسویں صدی کا نیا انقلاب ہے
برقع بدن پہ، چہرہ مگر بے نقاب ہے

جاوید اقبال دیوان پورہ منگرول پیر

آگاہ اپنی موت سے کوئی بشر نہیں
سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

عصر الامراء منگوارہ، کارنجہ آکولہ

ہمارے سر کی پھٹی ٹوپیوں پر طنز نہ کر
ہمارے تاج عجائب گھروں میں رکھے ہیں

نجم الدین محمد نعمانی، بشیر گنج بیڑ

تو نہیں ہے اس جہاں میں منہ چھپانے کے لیے
تو ہے دنیا بھر کے سوتوں کو جگانے کے لیے

محمد عبد اللہ پیامی، شری رام پور احمد نگر

بنو گے خسرو اقلیم دل شیریں زباں ہو کر
جہاں گیری کرے گی یہ ادا نور جہاں ہو کر

احمد ناز ھکی پرسونی ضلع مدھوبنی بہار

محبت ہی سے پائی ہے شفا بیمار قوموں نے
کیا ہے اپنے بخت خفتہ کو بیدار قوموں نے

محمد ثاقب محمد ذیشان، بنیا پارہ اعظم گڑھ

والد کا سایہ رحمتِ یزداں سے کم نہیں
ماؤں کی گود تختِ سلیماں سے کم نہیں

نغما کوثر محمد ضیاء الدین، حافظ پورہ منگرول پیر

نیکی کے سامنے نہ شرافت کے سامنے
باطل ہمیشہ جھکتا ہے طاقت کے سامنے

محمد فہد پاشا کلکتہ ۲۴

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
یہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار ہوتا ہے

سید اسماعیل ملا پورہ ناندورہ بلڈانہ

زباں سے کہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

حنیف خاں یعقوب خاں، شبیر نگر مالیگاؤں

کوئی بھی آئے تو اس سے ضرور پوچھیں گے
ہم اپنے گاؤں کی آب و ہوا کے بارے میں

عبد القیوم مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املو مبارک پور

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن۔

محمد عمر فاروقی محلہ کٹرہ، فتح پور بارہ بنکی

اے ساحل مری بگڑی کی طرف قدرت کا اشارہ ہو جاتا
طوفاں میں پھنسی کشتی کا میری منجدھار کنارہ ہو جاتا

جمیل احمد مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم املو مبارک پور

ضمیر لالہ میں روشن چراغِ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہیدِ جستجو کر دے

شبیر انوار الظفر النساں اسکول کشن گنج بہار

غافل بجھتک نہ در بدر سر کو جھکا نماز میں
ملتا ہے کیا نماز میں سجدہ میں جا کر دیکھ لے

انیس فاطمہ رحیم آباد تاجپور، سمستی پور بہار

ایک ہی وقت میں پتھراؤ بھی گل پوشی بھی
ایسے حالات میں اک جرم ہے خاموشی بھی

فریدہ اعجاز، چھٹ پور اڑیسہ بہار

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آدابِ فرزندی

محمد قمر عالم رحیم آباد، ضلع سمستی پور بہار

بدر اچھا ہے فلک پر نہ ہلال اچھا ہے
چشم بینا ہو تو دونوں سے بلالؓ اچھا ہے

ضیاء خاں، سٹی اسکول اے ایم یو علی گڑھ

کیوں بھلائی کی ہے تجھے امید
جب کیا ہی نہیں عمل اچھا
بیج بوئے گا جو برائی کا
پائے گا کس طرح وہ پھل اچھا

سید عابد سید اسمٰعیل پاریٹھ ملکاپور

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

سید افضل نوید، منگرول پیر۔ آکولہ

زمانے والو ہمیں اور کچھ نہیں آتا
فقط دلوں میں محبت کے بیج بوتے ہیں
خرید سکتے نہیں نیند بھی یہ راتوں کی!
یہ پیسے والے بھی کتنے غریب ہوتے ہیں

نشاط افروز موضع ڈبو، بار، چاکنڈ، اگیا، بہار

ایک دیہاتی چڑیا گھر میں ایک توتے کے پنجرہ کے پاس کھڑا اُسے چھیڑ رہا تھا۔ توتا باتیں کرنا جانتا تھا۔ اس نے چلا کر کہا "اے نالائق کیا کرتا ہے؟"

دیہاتی گھبرا کر بولا "معاف کرنا حضور! میں تو آپ کو جانور سمجھا تھا۔

عبدالرحمٰن حکیم عبدالرقیب، محلہ پورہ صوفی مبارکپور

● ایک جلسے میں ایک مقرر اپنی پارٹی لیڈر کی تعریف کرتے ہوئے کہہ رہا تھا "وہ سورج ہے، ہم اس کی کرنیں ہیں۔ وہ سمندر ہے، ہم اس کی لہریں ہیں۔ وہ پھول ہے، ہم اس کی خوشبو ہیں" اس تکرار سے تنگ آکر جلسہ گاہ میں بیٹھے ہوئے ایک نوجوان نے چلا کر کہا۔ "وہ ایک دیگ ہے۔ تم اس کے چمچے ہو"

جنید اختر محمد مرتضیٰ، نیاپورہ، مالیگاؤں

● کچھ لوگ میت گاڑی کو دھکا دیتے ہوئے قبرستان جا رہے تھے، ایک صاحب نے حیرت سے یہ منظر دیکھا تو کسی سے پوچھا "یہ کیا ہو رہا ہے؟"

جواب ملا "مرنے والے کی وصیت کا نفاذ ہے۔"

"کیا اس نے کہا تھا کہ میرے جنازے کو اس طرح دھکا دے کر قبرستان لے جایا جائے؟"

"نہیں اس نے پٹرول کی بچت کی وصیت کی تھی۔"

محمد اشرف علی، سلفیہ جونیر اسکول لبریا سرائے

ایک دیہاتی کے یہاں چوری ہو گئی وہ تھانے میں رپورٹ لکھانے گیا۔

انسپکٹر نے پوچھا "جب تمہارے یہاں چوری ہوئی تھی تو کتنا بجا تھا؟"

دیہاتی: "چار لٹھ ہمارے سر پر اور دو میرے بھائی پر بجا تھا"

انسپکٹر: "میں یہ پوچھتا ہوں کہ گھڑی میں کتنا بجا تھا؟"

دیہاتی: "گھڑی میں صرف ایک ہی لٹھ بجا تھا تبھی وہ ٹوٹ کر گر گئی تھی۔"

شیخ محمد عمران، ۲۷ بیگ محمد بلڈنگ، بمبئی

● بیٹا: (ماں سے) امی جان! ہمارے ڈیڈی کے سر پر بال کیوں نہیں ہے؟

ماں: اس لیے بیٹا کہ تمہارے ڈیڈی بہت عقل مند ہیں۔ اور صاحب فہم ہیں۔

بیٹا: اوہ امی! اب میں سمجھ گیا کہ آپ کے سر پر اتنے سارے بال کیوں ہیں....؟

انیسہ محبوب باغباں، شری رام پور، احمد نگر

● ایک دیہاتی شہر میں گیا۔ دوپہر کو جب اس کو بھوک لگی تو اس نے ایک شخص سے پوچھا کہ

ہوٹل کہاں ہے؟" اس شخص نے شرارت سے
کہا "وہ سامنے ہوٹل ہے۔"
وہ عدالت میں پہنچا تو جج کہہ رہا تھا
"آرڈر آرڈر" دیہاتی نے فوراً کہا "ایک
پلیٹ چاول۔"

رضوان حارث، نیاپورہ، مالیگاؤں

● ایک طویل آپریشن کے بعد مریض نے آنکھیں
کھولیں اور بولا۔
"ڈاکٹر صاحب میرا آپریشن کامیاب رہا نا؟"
"افسوس میں ڈاکٹر نہیں، جہنم کا داروغہ
ہوں۔" مریض کو جواب ملا۔

محمد تبریز اختر، بسرا ضلع سندرگڑھ اڑیسہ

● ہوائی اڈے پر اترتے ہوئے جہاز کے
پائلٹ سے ایک آدمی نے پوچھا۔
"کیوں بھئی جہاز میں پٹرول کافی مقدار
میں بھر لیا ہے نا؟"
پائلٹ نے کہا "ضرور" لیکن تم یہ سوال
کیوں پوچھ رہے ہو؟
آدمی: اس لیے کہ کہیں راستے میں پٹرول
ختم ہو گیا تو کہیں کہتے کہ امریکا تک تم لوگ
جہاز کو دھکے مارو۔

محمد شاکر تہذیبی، تہذیب پور، سنجر پور اعظم گڑھ

● نوکر: اس گھر میں کام کرتے ہوئے کئی سال
گزر گئے، بڑے سرکار کے وقت جو تنخواہ
مجھے ملتی تھی وہی آج بھی ہے۔ میری ایک
گزارش ہے کہ میری تنخواہ بڑھا دیں۔ دیکھیے نا
اب تو میرے بال بھی سفید ہو گئے۔
مالک: تو یہ دس روپے۔ خضاب لگا کر
سفید بالوں کو کالے کر آؤ۔

صباحت انجم، گگربار گلی، بالاپور، آکولہ

● ایک ہواباز اپنے دوست سے کہہ
رہا تھا، "تمہیں نہیں معلوم گذشتہ ہفتے
مجھے کس قدر وحشت ناک صورت حال
سے دوچار ہونا پڑا۔ جہاز کا انجن کام نہیں
تھا۔ آسمان پر گہرے بادل چھائے ہوئے
تھے۔ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ سب
سے اہم بات یہ تھی کہ جہاز میں ایک قطرہ
پٹرول نہیں تھا۔"
دوست نے حیران ہو کر کہا "گویا یہ معجزہ
ہی تھا کہ تم زندہ سلامت زمین پر اتر آئے۔"
ہواباز بولا "میں نے یہ کب کہا کہ جہاز
زمین سے بلند ہوا تھا۔"

محمد فہد پاشا، بنگالی بازار گارڈن ریچ، کلکتہ

● ایک شخص کے پاس ایک کتا اور ایک
مرغا تھا۔ دونوں میں بڑی گہری دوستی تھی
ایک دن کتے نے مرغ سے پوچھا کہ جب
مالک مجھے بلاتا ہے تو میں اس کے پاس جلدی
سے چلا جاتا ہوں لیکن جب تمہیں بلاتا ہے
تو تم بھاگتے ہو! اس کی کیا وجہ ہے؟"
مرغے نے جواب دیا کہ مالک کے پاس
جو میں نے دیکھا ہے وہ تم نے نہیں دیکھا۔
کتا بولا "کیا دیکھا ہے تم نے؟ مجھے بھی
تو کچھ بتاؤ۔"
مرغے نے جواب "بھنے بھنے مرغ۔"

شگفتہ رونق، این آر آر روڈ، آسنسول

● ایک بہت پرانی سائیکل کا سوار اپنی

سائکل مرمت کرانے کے لیے ایک دکان پر گیا۔ اس دکان پر نمایاں حروف میں لکھا ہوا تھا "بیمار سائکلوں کا اسپتال"۔ دکان دار نے سائکل کی حالت زار دیکھ کر کہا "جناب! اس سائکل کو کباڑی کے حوالے کر دیجیے دو چار روپے مل ہی جائیں گے۔" سائکل کے مالک نے بگڑ کر کہا "پھر تم نے یہ بیمار سائکلوں کا اسپتال والا بورڈ کیوں لگا رکھا ہے؟" دکان دار نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "یہ اسپتال ہے قبرستان نہیں ہے۔"

ابوالمجاہد خاں آکوٹ فیل آکولہ

- ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی تو ایک صاحب خالی ڈبے میں چڑھ گئے، اپنی ٹوپی اتار کر سامنے والی سیٹ پر رکھی اور بیٹھ کر باہر دیکھنے لگے۔ اگلے اسٹیشن پر اسی ڈبے میں ایک انگریز چڑھا۔ اس نے ہیٹ پہن رکھا تھا۔ وہ سیٹ پر بیٹھنے لگا تو اس کی نظر ٹوپی پر پڑی۔ اس نے بے پروائی سے ٹوپی باہر پھینک دی۔ ان صاحب کو غصہ تو بہت آیا مگر خاموش رہے۔ کچھ دیر بعد انگریز نے ہیٹ سیٹ پر رکھا اور باتھ روم چلا گیا۔ ان صاحب نے اس کا ہیٹ اٹھا کر باہر پھینک دیا۔ انگریز نے واپس آکر پوچھا "میرا ہیٹ کہاں ہے؟" ان صاحب نے جواب دیا "وہ میری ٹوپی تلاش کرنے گیا ہے۔"

محمد نجیب پاشا بنگالی بازار گارڈن ریچ، کلکتہ

- ایک بوڑھے شخص نے ایک دروازے پر دستک دی اندر سے ایک لڑکا باہر آیا ان دونوں کے درمیان کچھ یوں گفتگو ہوئی۔

بوڑھا: بیٹا! گھر پر تمہارے ابو ہیں۔"
بچہ: "جی نہیں وہ دفتر گئے ہیں۔"
بوڑھا: "اچھا تو امی ہوں گی۔"
بچہ: "جی وہ پڑوسن کے گھر گئی ہیں۔"
بوڑھا (کچھ غصے سے) "تو کوئی بڑا بھائی ہوگا"
بچہ: "جناب وہ کرکٹ کھیلنے گئے ہیں"
بوڑھا: (مزید غصے سے) "تو کوئی بڑی بہن بھی ہوگی؟"
بچہ: "جناب وہ اپنی سہیلی کے گھر گئی ہیں۔"
بوڑھا: "تو آخر تم گھر میں کیا کر رہے ہو؟"
بچہ: (معصومیت سے) "میں تو خود اپنے دوست کے گھر کیرم کھیلنے آیا ہوں۔"

محمد جاوید انور، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

گاہک (ہوٹل کے بیرے سے) میں تم سے صاف صاف کہہ رہا ہوں کہ میں اس کمرے میں ہرگز نہیں رہوں گا۔ کیا تم نے مجھے جانور سمجھ رکھا ہے؟ اس کبوتر خانے میں جہاں صرف ایک اسٹول رکھا ہے کوئی آدمی کیسے رہ سکتا ہے؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں پہلی بار گاؤں سے شہر آیا ہوں؟ مجھے بے وقوف بنانا چاہتے ہو؟"
بیرا (جھنجھلا کر) "صاحب! آپ اندر تو چلیں یہ آپ کا کمرہ نہیں 'لفٹ' ہے۔"

راشد جمال، ناصر جمال کلکتہ ۳۲

- دہلی کی سڑک پر بس سے ٹکرا کر ایک

آدمی بے ہوش ہو گیا۔ اس کے چاروں طرف بھیڑ اکٹھی ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہوش آنے پر اس شخص نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا "میں کہاں ہوں؟" فوراً ایک آدمی آگے بڑھا اور اس نے ایک چھوٹی سی کتاب اس آدمی کی طرف بڑھائی اور کہا۔ "یہ لیجیے دہلی گائیڈ! دہلی کی ہر جگہ کا نقشہ اس میں دیا ہوا ہے۔ قیمت صرف ایک روپیہ پچاس پیسے۔"

اسما پروین افتخار احمد، کمال پورہ، ایوت محل

● ایک شخص رات گئے سڑک پر گھوم رہا تھا۔ پولیس افسر نے اسے آوارہ گردی کے الزام میں گرفتار کرتے ہوئے پوچھا:
"رات کو دو بجے سڑکوں پر گھومنے کا کیا مطلب ہے؟"
اس شخص نے جواب دیا: "اگر میرے ذہن میں اس کا جواب ہوتا تو کبھی کا گھر پہنچ کر جواب بیوی کے سامنے پیش کر چکا ہوتا۔"

انصاری ثمینہ کوثر جمیل احمد، مولانا کیپاؤنڈ، مالیگاؤں

● عمران (استاد سے) "جناب! جو کام میں نے نہیں کیا، کیا اس کام پر آپ مجھے سزا دیں گے۔؟"
استاد "ہرگز نہیں۔"
عمران: "جناب! میں نے اسکول کا کام نہیں کیا۔"

وسیم احمد برائی جامع مسجد پھول پور، اعظم گڑھ

● اگر آپ سائکل چلائیں گے تو دو باتیں ہوں گی۔ یا تو آپ تیز چلائیں گے یا آہستہ چلائیں گے۔ اگر آپ آہستہ چلائیں گے تو ٹھیک۔ اگر تیز چلائیں گے تو دو باتیں ہوں گی۔
یا آپ گر پڑیں گے یا نہیں گریں گے۔ اگر آپ نہ گرے تو ٹھیک۔ اگر گر گئے تو دو باتیں ہوں گی۔
یا آپ کو چوٹیں لگیں گی یا نہیں آئیں گی۔ اگر آپ کو چوٹیں نہ آئیں تو ٹھیک۔ اگر چوٹیں آئیں تو دو باتیں ہوں گی۔
یا آپ مرہم پٹی کے لیے ہسپتال جائیں گے یا نہیں جائیں گے۔ اگر آپ مرہم پٹی کے لیے ہسپتال نہ گئے تو ٹھیک ہے۔ اگر گئے تو دو باتیں ہوں گی۔
یا آپ کو مرہم پٹی کے بعد فارغ کر دیا جائے گا یا آپ کو داخل کر لیا جائے گا۔ اگر آپ کو مرہم پٹی کے بعد فارغ کر دیا تو ٹھیک ہے۔ اگر داخل کر لیا گیا تو دو باتیں ہوں گی۔
یا آپ کا آپریشن ہو گا یا نہیں ہو گا۔ اگر آپ کا آپریشن نہ ہوا تو ٹھیک۔ اگر آپریشن ہوا تو دو باتیں ہوں گی۔
یا آپ زندہ رہیں گے یا مر جائیں گے۔ اگر آپ زندہ رہے تو ٹھیک۔ اگر مر گئے تو دو باتیں ہوں گی۔
یا آپ جہنم میں جائیں گے یا جنت میں۔
اس لیے سائکل چلانے سے پہلے سوچ لیا کریں کہ آپ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔

سیفی محمد احمد مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور، احمد نگر

• پیام تعلیم اپنا پورا حق ادا کر رہا ہے۔ ہر ماہ ہمیں اس کا انتظار رہتا ہے۔ ہمارے گھر کے تمام بچے اس رسالہ کو بہت دل لگا کر پڑھتے ہیں۔

اسامہ صدیقی، قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری

• ماہ اپریل کا ہر دلعزیز رسالہ "پیام تعلیم" اپنے پورے رنگ و بو کے ساتھ باصرہ نواز ہوا۔ سبھی مضامین قابل تعریف ہیں۔ اس رسالے کی سب سے بڑی اور اچھی خوبی یہ ہے کہ اپنے مقررہ وقت پر بک اسٹالوں پر دستیاب ہوجاتا ہے اور اس میں بے شمار کالم تو اور بھی چار چاند لگاتے ہیں۔

عبدالقادر جیلانی، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ، بہار

• مئی ۱۹۹۵ کے پیام تعلیم میں اپنا نام دیکھ کر اتنا خوشی ہوئی کہ آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔ علاوہ ازیں اس خوبصورت اور دلکش رسالہ پیام تعلیم میں میرے بھائی کی کہانی "امید کی کرن" نے میرا دل باغ باغ کر دیا۔

شبانہ پروین قریشی، مدار تکیہ ہنگرولی بیر آگولہ

• میں تہہ دل سے آپ کا ممنون و مشکور ہوں کہ آپ نے عابد علی خاں تحریری مقابلے کے تحت حوصلہ افزائی کے انعام پانے والے طلبہ میں مجھ نااہل کو شامل کیا مگر آپ کی ارسال کردہ کتب اور کارڈ تعطیل کلاں کے موقع پر میرے غائبانے میں مدرسے پہنچا۔ آنے پر صرف کتاب "بچوں کے عابد علی خاں" اور "چیزوں کی کہانی" جستجو اور تلاش کرنے پر ملی۔ بقیہ کتب اور کارڈ کا پتا نہ چل سکا۔

اعجاز احمد گیاوی محلہ مرار پور، پیر صاحب علی لین، گیا۔

• ماہ اپریل کا پیام تعلیم پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ تمام مضامین قابل تعریف ہیں۔ میرے پسندیدہ اشعار اور کہانیاں بہت پسند آئے، کاغذ کا معیار اور طب کی روشنی میں بہت اچھا لگا۔

حنیف خاں، شبیر نگر، مالیگاؤں ناسک

• پیام تعلیم ہر ماہ کا بہت اچھا آرہا ہے۔ ماہ اپریل کا رسالہ پڑھ کر بہت مسرت حاصل ہوئی اور دل باغ باغ ہوگیا۔ تمام کہانیاں قابل تعریف ہیں۔

ساجد عالم، نالہ روڈ، راوڑکیلا (اڑیسہ)

• کئی ماہ سے سوچ رہا تھا کہ "پیام تعلیم" کے لیے کوئی نظم یا کہانی لکھوں لیکن خوف تھا کہ آپ اسے شائع بھی کریں گے یا نہیں۔ بہرحال پیام تعلیم کے لیے آسان زبان میں ایک اچھی سی "نعت شریف" بھیج رہا ہوں۔ امید ہے آپ اسے "پیام تعلیم" کے کسی شمارے میں شائع کرکے میری حوصلہ افزائی کریں گے۔

محمد جاوید اقبال، موضع ڈبوا، پارا چاکند، گیا، بہار

• مئی کا شمارہ موصول ہوا۔ تمام مضامین پسند آئے خاص کر "سرکار دو عالم کا آخری خطبہ" اور "کامیاب زندگی کا راز" بہت پسند آئے۔

کہانی "ہم شکل ہم راز" کی دونوں قسطیں پسند آئیں۔ اس بار گدگدیاں کالم میں محمد سفیان کا لطیفہ بہت اچھا لگا اور معلومات کے کالم میں زاہد ساگر کی معلومات اچھی لگی۔ "بچوں کی کوششیں" کالم میں تمام کہانیاں اچھی تھیں۔ خاص کر "بقرعید کا پیغام"، "محبت کا کرشمہ"، "اگلے دو کام"، اور "امید کی کرن" کہانیاں اچھی لگیں۔

شیخ محمد عمران ، محمد علی روڈ بمبئی ۳

● آپ کے ادارے سے شائع ہونے والا ماہنامہ "پیام تعلیم" بچوں کے لیے ایک حسین تحفہ ہے۔

راشد جمال انصاری ، مئوناتھ بھنجن

● مجھے یہ رسالہ بہت پسند ہے میں اس کا مطالعہ تین سال سے کر رہی ہوں۔ میرے گھر میں امی پاپا سے لے کر ہم لوگ سارے بھائی بہن اسے پڑھتے ہیں۔ یہ رسالہ قابل تعریف ہے اگر اس رسالے کی تعریف کی جائے تو اس کے لیے ایسے ایسے سیکڑوں خطوں کی ضرورت پڑے گی۔

عصمت آرا صدیقی عرف نرگس، بوکارو اسٹیل سٹی، بہار

● ماہ اپریل کا شمارہ نظر نواز ہوا، اگر ایک طرف قسط وار کہانی "ہم شکل ہم راز" دیکھ کر خوشی ہوئی تو دوسری طرف "چاند کا حیرت انگیز سفر" جیسا معلوماتی مضمون پڑھ کر دل و دماغ مسرت سے سرشار ہو گئے۔ یہی وجہ ہے کہ پیام تعلیم سے جو اپنائیت اور لگاؤ ہے وہ کسی طور کم نہ ہوگا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ فزوں تر ہوگا۔

محمد اشرف علی، سلفیہ جونیر اسکول ہریا سرائے، بہار

● آپ نے ہم پیامی بھائی بہنوں کی خواہش کے احترام میں اس ماہ سے ایک قسط وار کہانی شروع کر دی ہے جسے دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ ابھی میں اسے دیکھ کر خوشی کا اظہار ہی کر رہی تھی کہ اچانک ایک قسط وار کہانی جس کا نام "وہ کیا راز تھا" یاد آ گئی کہ کہیں آپ اس کہانی کی طرح ہمیں دھوکہ نہ دے دیں۔

شگفتہ خاتون درگاہ بیلا ویشالی بہار

● اس ماہ کے تمام مضامین نہایت اچھے ہیں "ہم شکل ہم راز" تو بہت خوب ہے اور ساتھ ہی پسندیدہ اشعار، گدگدیاں بہت پسند آئیں۔

سلمان طاہر سہسادی مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ

● اپریل ۹۵ء کا شمارہ پیام تعلیم پڑھنے کو ملا۔ ایک دو کالموں کو چھوڑ کر ماشاء اللہ ہر کالم قابل تعریف ہے۔ آپ نے جو قسط وار کہانی شروع کی ہے اس کی مجھے بے حد خوشی ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ اس سے نہ ہی پیامیوں کی خواہش کا احترام ہوگا بلکہ میرے خیال سے پیام تعلیم کے خریداروں میں بھی اضافہ ہوگا کیونکہ میرے کچھ دوست دکانوں سے رسالہ خرید کر پڑھتے ہیں کبھی خرید لیتے ہیں اور کبھی نہیں خریدتے۔ مگر اب جبکہ انھیں ہر ماہ قسط وار کہانی پڑھنے کو ملے گی تو انشاء اللہ وہ ہر ماہ باقاعدگی سے رسالہ پڑھیں گے۔

عابد علی خان ، مالیر کوٹلہ، پنجاب

● پیام تعلیم سب سے پہلے میرے دوست آفتاب عالم جامعی نے مجھے لا کر دیا تھا، پڑھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس رسالے سے محروم رہ کر میں کتنے گھاٹے میں تھا۔ میں آفتاب صاحب

کا بہت ممنون ہوں۔ جب میں یہ رسالہ گھر لے گیا تو میری باجی نے بہت تعریف کی، اب جب کہ اس رسالہ کو پڑھتے ہوئے مجھے ڈیڑھ سال گزر چکے ہیں اس رسالے نے میرے پورے گاؤں میں دھوم مچادی ہے۔ مجھے پیام تعلیم پر فخر ہے۔

محمد امین آنا موری کار بازید پور، ویشالی بہار

• ہماری طرف سے آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ مئی کے پیام تعلیم میں انعامی مقابلہ ضرور رکھیں اور اس سلسلے کو ہمیشہ قائم رکھیں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری اس عاجزانہ درخواست کو آپ ضرور قبول فرمالیں گے۔ اور دوسری بات پیام تعلیم کی قیمت میں اضافہ کی، تو آپ جتنی چاہیں قیمت بڑھالیں۔

محمد الیاس، سید اپور، دھارواڑ، کرناٹک

• میں تقریباً چار مہینوں سے پیام تعلیم کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ اصل میں ہوا یوں کہ میں ایک اور رسالہ خریدنے جب بک اسٹال پر پہنچا تو میری نظر اچانک پیام تعلیم پر پڑی، میں نے اسے اٹھا کر اس پر سرسری نظر دوڑائی اور مجھے پیام تعلیم اتنا پسند آیا کہ میں نے اسے اپنا بہترین رفیق سمجھ لیا۔ اپریل کے شمارے میں شکیل صدیقی کی قسط وار کہانی "ہم شکل ہمراز" بہت پسند آرہی ہے بقیہ تمام مضامین عمدہ ہیں۔

عبید الرحمٰن باز، احمد عمر بلڈنگ ۱۴۱، روڈ ناکی بمبئی

• اپریل ماہ کی کہانی "یہ ہاکی کا فیصلہ تھا" بہت پسند آئی اور سبھی کہانیاں بھی اچھی لگیں۔

ملکہ بانو دانیال پور تنگھر وا بیگو سرائے بہار

• اپریل کا پیام تعلیم موصول ہوا۔ پڑھ کر موڈ فریش ہو گیا۔ خاص طور سے اس بات کی بھی خوشی ہوئی کہ میرے ہی اسکول کے ایک طالب علم کا لکھا ہوا شعر بھی شائع ہوا۔

اطہر البشر السبیل اکیڈمی ارریہ بہار

• میں نے بہت سے رسالے پڑھے لیکن پیام تعلیم پہلی مرتبہ پڑھا۔ تمام رسالوں میں پیام تعلیم مجھے بے حد پسند آیا۔ بہت ہی پرکشش اور جاذب نظر رسالہ ہے۔ اس کے تمام مضامین بہت ہی دلچسپ ہیں۔

ندیم احمد فخر الدین، کاغذی پورہ ضلع جلگاؤں

• مجھے پیام تعلیم بہت پسند ہے خاص طور پر "بچوں کی کوششیں"، لطیفے اور اقوال زریں، معلومات بھی بہت پسند ہے۔

فوزیہ ترنم، پولیس اسٹیشن واشم، آکولہ

• اپریل کا شمارہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ تمام کہانیاں اور نظمیں پسند آئیں۔ قسط وار کہانی شروع کرنے کے لیے آپ کا شکریہ۔

محمد صادق سہیل، پٹنہ (بہار)

• ماہ اپریل کا پیام تعلیم نظر نواز ہوا۔ آپ نے میری کہانی کو خلوص دل سے شائع کیا، اس کے لیے بے حد شکریہ۔ پیام تعلیم میرا عزیز ترین رسالہ ہے۔ اور مجھے برابر وقت پر دستیاب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔

عمر الامراء، منگلوارہ، کارنجہ، آکولہ، مہاراشٹر

نام : ریحانہ ناہید
تعلیم : آٹھویں جماعت
شغلہ : ہنر سیکھنا، تعلیم حاصل کرنا
پتا : نزد جامع مسجد کلب ضلع ایوت محل

نام : یاسمین سلطانہ
تعلیم : جماعت نہم
شغلہ : غریبوں کی مدد کرنا اور اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔
پتا : خالد خاں غوث خاں، جامع مسجد چوک، سلوڑ

نام : محمد لقمان
تعلیم : ساتویں جماعت
شغلہ : پیام تعلیم پڑھنا
پتا : محمد قاسم سلفی ہائی اسکول تاجپور سمستی پور

نام : مظفر ملیح عمر : ۱۵ سال
تعلیم : درجہ حفظ
مشغلہ : قلمی دوستی کرنا
پتا : سرجاپور بٹولیہ پوسٹ پچاری ضلع دربھنگہ (بہار)

نام : روبی بیگم
تعلیم : آٹھویں جماعت
شغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، کھیلنا
پتا : محمد بلال، گیاوی، اندریہ (بہار)

نام : سعد امین سید عمر : ۹ سال
تعلیم : جماعت چہارم
مشغلہ : اچھی اچھی کتابیں پڑھنا
پتا : واڈگی تعلقہ الہاس نگر، اکبر کی چال، مہاراشٹر

نام : عبدالقادر جیلانی عمر : ۱۸ سال
تعلیم : میٹرک
مشغلہ : قلمی دوستی
پتا : معرفت محمد یعقوب قلعہ گھاٹ، دربھنگہ (بہار)

نام : احمد امین سید عمر : ۱۱ سال
تعلیم : جماعت ششم
مشغلہ : لٹو گھمانا، کبڈی کھیلنا
پتا : واڈگی تعلقہ الہاس نگر، اکبر کی چال، مہاراشٹر

نام : محمد صلاح الدین عمر : ۱۲ سال
تعلیم : درجہ دہم
شغلہ : کرکٹ کھیلنا، دوستوں کے ساتھ دوستی نبھانا
پتا : معرفت محمد نواب حفیظ منزل آسنسول

نام : ابو سلیم صدیقی
شغلہ : تاریخی مقامات کی سیر کرنا، رسالے پڑھنا
پتا : سطرنجی پورہ قلعہ کے پاس بالاپور ضلع آکولہ

نام : ابو الطاہر عمر : ۱۶ سال
تعلیم : گیارہویں جماعت
شغلہ : کرکٹ دیکھنا، کراٹے سیکھنا
پتا : جنتا میڈیکل اسٹور منصور، فیض آباد (یوپی)

نام : انیسہ ناز شیخ ساجد
تعلیم : ایس. ایس. سی

مشغلہ : اقوال زریں جمع کرنا، پیام تعلیم کا بغور مطالعہ کرنا
پتا : محلہ اسلام پورہ کاسودہ ضلع جلگاؤں

نام : ریشما انجم
تعلیم : ایچ۔ ایس۔ سی
مشغلہ : کھانا بنانے سے پرہیز کرنا، اچھی کتابوں کا مطالعہ اور قلمی دوستی کرنا۔
پتا : ۹، رویسٹ انکار گارڈن، آسنول

نام : محمد شریف عمر: ۱۹سال
تعلیم : بارھویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا اور اچھے دوستوں کی صحبت میں رہنا۔
پتا : محمد عثمان قریشی وارڈ نمبر۲ ضلع بلڈانہ، نالندورہ

نام : محمد تنویر زکی
تعلیم : ایچ۔ اس۔ سی
مشغلہ : کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا
پتا : ریل پار اوکے روڈ آسنول (بردوان)

نام : گلنار
تعلیم : دسویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم اور دین کی کتابیں پڑھنا
پتا : محلہ بارہ امام دھارواڑ، کرناٹک

نام : اقبال طاہر
مشغلہ : کرکٹ کھیلنا، قلمی دوستی کرنا
پتا : مقام، پوسٹ دوگھرا ضلع دربھنگہ

نام : محمد صادق عمر: ۱۰سال
تعلیم : شعبۂ حفظ

مشغلہ : دل لگا کر پڑھنا
پتا : مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر۲ شری رامپور

نام : میثم آصف انصاری عمر: ۱۸سال
تعلیم : ہائی اسکول
مشغلہ : تعلیم حاصل کرنا اور گانا سننا
پتا : محمد انیس کنگن شو ہاؤس، مبارکپور، اعظم گڑھ

نام : مظفر جہاں
تعلیم : ششم الف
مشغلہ : اچھی بہنوں کی تلاش
پتا : مسرت نگر جالنہ روڈ، بیڑ

نام : کامران پرویز ناصر اصلاحی
تعلیم : ہائی اسکول
مشغلہ : کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا، ریکارڈ جمع کرنا۔
پتا : سید حا سلطان پور بنیاہ پارہ، اعظم گڑھ

نام : شیخ محمد عارف
تعلیم : چوتھی جماعت
مشغلہ : کبڈی کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا : گلشن چشت نالہ روڈ گیلا

نام : روشنیا رفیق خاں
تعلیم : آٹھویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا
پتا : بھارت بیکری شری رامپور، مہاراشٹر

نام : محمد ساجد
تعلیم : درجہ پنجم

مشغلہ: اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: پرانی بستی لال چوک لال کنواں مبارکپور، اعظم گڑھ

نام: سفینہ انجم
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مانک چوک امراپور تعلقہ چکھلی، بلڈانہ مہاراشٹر

نام: محمد حیدر علی عمر: ۱۸ سال
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: گھر گرول، پوشی، دربھنگہ (بہار)

نام: انیس الدین زبیری
تعلیم: ہائی اسکول
مشغلہ: دور دراز سے رسالے و کتابیں منگا کر پڑھنا
پتا: کلیم غلاور اینڈ مسٹر ڈ آئل اسٹور، رچھا، بریلی (یوپی)

نام: پروین صالحہ عمر: ۱۳ سال
مشغلہ: صرف بچیوں سے دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
دینی معلومات کے لیے اردو کتابوں کا مطالعہ
پتا: آشیانہ کراواں، سروان، ضلع اعظم گڑھ

نام: محمد فاروق عمر: ۱۵ سال
تعلیم: عربی اول
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا اور دینی معلومات حاصل کرنا
پتا: ڈرائیور چودھری گلی، بڑا مومن پورہ، اکولہ

نام: محمد محسن افضال عمر: ۱۲ سال
تعلیم: انٹر پاس
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا اور دینی معلومات حاصل کرنا
پتا: بڑا مومن پورہ بالاپور ضلع اکولہ

نام: محمد مشہود عالم عمر: ۱۵ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: اردو ہائی اسکول نالہ روڈ کیلا سعد گڑھ، اڑیسہ

نام: محمد ابوالحسن عمر: ۱۵ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، چھوٹے بچے سے پیار
پتا: امارت شرعیہ پلاٹ سائیڈ روڈ کیلا سندرگڑھ، اڑیسہ

نام: ثنا پروین
تعلیم: اول جماعت
مشغلہ: کہانی سننا، نماز پڑھنا
پتا: لطیف احمد کوریواں سرائے میر، اعظم گڑھ (یوپی)

نام: محمد جاوید دانش
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: سبھی رسالوں کا مطالعہ کرنا
پتا: آزاد ہائی اسکول، چاکند، گیا (بہار)

نام: شاہد نواب عمر: ۱۴ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: حفیظ منزل، اوکے روڈ، ایلیاپار، آسنسول

نام: نصرت جہاں تعلیم: درجہ پنجم
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: چکپا دو درگاہ بیلا ضلع ویشالی (بہار)

نام: اسد اللہ
تعلیم: آئی۔ ایس۔ سی

مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا اور اچھی کتابیں پڑھنا
پتا : سرت محمد تقی، پکھادو ضلع ویشالی (بہار)

نام : نہال احمد عمر : ۷ سال
تعلیم : دوسری جماعت
مشغلہ : کرکٹ کھیلنا اور اچھی کتابیں پڑھنا
پتا : ساؤتھ بازار انڈال، بردوان، مغربی بنگال

نام : آصف حسن
تعلیم : بی۔اے
مشغلہ : کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا : نیشنل میڈیکل اسٹور، مبارکپور، اعظم گڑھ

نام : شہناز بیگم میتار
تعلیم : دسویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم شوق سے پڑھنا اور گھر کے کام میں ماں کا ہاتھ بٹانا
پتا : شہناز بیگم میتار، دھارواڑ، کرناٹک

نام : محمد طارق انجم عمر : ۱۱ سال
تعلیم : چھٹی جماعت
مشغلہ : کرکٹ کھیلنا اور پیام تعلیم پڑھنا
پتا : جامع مسجد ساؤتھ بازار انڈال، بردوان، مغربی بنگال

نام : انتظار علی
تعلیم : درجہ سوم عربی
مشغلہ : دوستی کرنا اور اردو کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا : مدرسہ انجمن معاون الاسلام سنبھل، مرادآباد

نام : محسینی بانو
تعلیم : ساتویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا
پتا : ایم۔ایس سیقانی پورہ، بیلدارگلی، شہادہ

نام : محمد مظفر حسین عمر : ۱۸ سال
تعلیم : درجہ یازدہم (کامرس)
مشغلہ : معلوماتی رسالے پڑھنا، کیرم کھیلنا
پتا : ۳۲/اے، بلیک برن لین، کلکتہ

نام : یوسف صادق سروے عمر : ۱۷ سال
تعلیم : میٹرک
مشغلہ : ہنسی مذاق کرنا
پتا : مقام و پوسٹ سونس تعلقہ کھیڈ، ضلع رتناگیری

نام : ابرار احمد خال محمد
تعلیم : بی کام
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا اور کام کی تلاش
پتا : ۵۹۸ ملتان پورہ، الولہ ۴۴۳۱۰۱ ناسک مہاراشٹر

نام : توصیف احمد
تعلیم : جماعت پنجم
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا
پتا : رحمانیہ اسکول آرمول نظام آباد

نام : قطب احمد کامران
تعلیم : مڈل اسکول
مشغلہ : بیڈمنٹن کھیلنا
پتا : کرنیا بزرگ پوسٹ کرنیا بزرگ

نام : رضوان احمد تعلیم : عالمیت
مشغلہ : دینی رسالے کا بغور مطالعہ کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا : کوری سرائے میر، اعظم گڑھ (یوپی)

اقوالِ زرّیں

• گناہ اور سرکشی میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔ (المائدہ ۲)

• اور شرک چھوڑ دو۔ (المدثر ۵)

• نماز برائیوں اور بے حیائیوں سے روک دیتی ہے۔ (العنکبوت ۴۵)

حدیث پاک

• وہ شخص ایمان سے خالی ہے جو امانت دار نہیں، اور وہ شخص دین سے خالی ہے جو عہد کا پابند نہیں۔ (مشکوٰۃ شریف)

• مسلمان وہ ہے جس کی زبان و ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ (بخاری شریف)

• تم میں بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔ (بخاری و مسلم)

سید عمران احمد　مالیر کوٹلہ، پنجاب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رہبر ہیں۔
قرآن ہمارا دستور ہے۔
جہاد ہمارا راستہ ہے۔
شہادت ہماری آرزو ہے۔
(امام حسن رضؓ)

مستقیم احمد عبدالعزیز، مالیگاؤں ناسک

• ۲۰ صفر ۵۷ھ کو امام محمد باقر بن زین العابدین پیدا ہوئے۔

• ۸ ربیع الاول ۲۶۰ھ کو امام عسکری کی وفات ہوئی۔

• ماہ جمادی الثانی میں حضرت آمنہ خاتون کا نکاح حضرت عبداللہ سے ہوا۔

• ۶ رجب ۶۳۲ھ کو خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کا وصال ہوا۔

• ۵ رمضان ۳ھ کو حضرت امام حسینؓ کی پیدائش ہوئی۔

• ۳۰ رمضان ۱۱ھ کو حضرت فاطمہؓ نے وفات پائی بعمر ۲۸ سال۔

محمد نصیر الدین محلہ پورہ صوفی مبارک پور

• بچے کے لیے سب سے اچھی اور سب سے بہتر جگہ ماں کا دل ہے خواہ بچے کی عمر کتنی بھی ہو چکی ہو۔ (شیکسپیر)

• ماں، باپ سے زیادہ شفیق ہوتی ہے۔ (افلاطون)

• دنیا کی حسین ترین شے صرف ماں ہے۔

• دنیا کی کوئی شخصیت ماں سے بڑھ کر پیاری نہیں۔

• اگر مجھے میری ماں سے جدا کر دیا جائے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔ (حکیم لقمان)

محمد محفوظ عالم ساکن ڈیہو، چاکند، گیا، بہار

• دنیا کی تمام مسرتیں پیار سے "ماں" کہتے ہی مل جاتی ہیں۔ (نادر شاہ)

• میری ہر تکلیف اور غم میں میری ماں کا تصور فرشتۂ نجات بن کر آجاتا ہے۔ (ابوالفضل)

• میں زندگی میں صرف دو ہی ہستیوں کے سامنے جھکتا ہوں، ایک میرا خدا، دوسری میری ماں۔ (شیلے)

• میں نے زندگی میں ثابت قدمی کا درس اپنی ماں سے سیکھا ہے۔

شفیق الرحمٰن برھئی پورہ منگرول پیر

• بدخو اور حسد کرنے والا آدمی جنت میں داخل نہ ہوگا۔

• عالم وہ ہے جس کا کردار اس کی گفتار کی گواہی دے۔

• علم بغیر عقل کے لاحاصل، عقل بغیر علم کے خطرناک۔

• سچائی، کامیابی کا سبب اور جھوٹ، رسوائی کا سبب ہے۔

• اتنا کماؤ جتنا ہضم کرسکو۔ اتنا پڑھو جتنا جذب کرسکو۔

• دل ایک آئینہ ہے اگر بدی سے پاک ہے تو اس میں خدا نظر آتا ہے۔

ناہید شیخ سیکٹر ۲۵، واشی، نئی ممبئی

اعمال کی حقیقت

• حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے کہ مومن کا ایمان تشتری سے زیادہ چمک دار ہے لیکن موت تک اس پر قائم رہنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

• حضرت عمر فاروقؓ سے روایت ہے کہ حکومت چلانا شہد سے زیادہ میٹھا ہے لیکن عدل و انصاف کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

• حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ مہمان کا آنا بہت متبرک ہے اور مہمان نوازی کرنا شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہے لیکن مہمان کی خوشنودی حاصل کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

• حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے ارشاد فرمایا حیا عورت کا زیور ہے اور چہرے کو چھپانا بہت ضروری ہے لیکن غیر کی نظر سے بچنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

انجم آرا عبدالمناف، اسلام پورہ کاسودہ۔

• بے وفا دوست سے وفا طلب کرنا خشکی میں مچھلی تلاش کرنے کے برابر ہے۔

• کم ظرف اور مادیت پرست انسان کے سامنے اپنے ہنر اور علم کی قدر کی امید کرنا جہالت ہے۔

• جو نظر کی زبان نہ سمجھ سکے اس کے سامنے اپنی قیمتی زبان مت ہلاؤ۔

محمد اشرف علی سلفیہ جونیئر اسکول ملبریا سرائے

ماں کی عظمت

• ماں وہ پہلی درس گاہ ہے جہاں سے بچہ اپنی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔

• دنیا میں خدا اور رسولؐ کے بعد اگر کوئی محترم ہستی ہے تو وہ ماں ہے۔

• ماں کے بغیر گھر قبرستان ہے۔

• آسمان کا بہترین اور آخری تحفہ ماں ہے۔

• ماں اور پھول میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

• اس بات سے ہمیشہ ڈرو کہ ماں نفرت یا بددعا کے لئے ہاتھ اٹھائے۔

حافظ محمد شاہد، تاج پورہ ریڑھی سہارنپور

• اپنے سے زیادہ امیر شخص سے دوستی نہیں ہوسکتی یہ صرف مطلب کے یار ہوتے ہیں۔

• دوستی ہمیشہ برابری والے سے ہی کیجیے کیونکہ سرمایہ دار کسی کے دوست نہیں ہوتے۔

• آپ کا حقیقی دوست وہ ہی ہے جو آپ کو ہر وقت فائدہ پہنچانے کا خیال رکھتا ہو۔ جو آپ کو اپنے گھر کا فرد سمجھتا ہو۔ جو آپ کے اچھے برے میں ہمیشہ موجود رہتا ہو۔

فیروز اشرف خاں ملکاپور ضلع بلڈانہ

علم بہتر ہے یا مال

علم: اس لیے کہ مال کی تجھے حفاظت کرنی پڑتی ہے اور علم تیری حفاظت کرتا ہے۔

علم: اس لیے کہ مال فرعون وہامان کا ترکہ ہے اور علم انبیاء کی میراث ہے۔

علم: اس لیے کہ مال کو ہر وقت چور کا خطرہ ہے علم کو کوئی خطرہ نہیں۔

علم: اس لیے کہ مال سے تیرا دل تیرہ وتار ہو جاتا ہے اور علم سے دل کو روشنی ملتی ہے۔

علم: اس لیے کہ مال سے بے شمار دشمن پیدا ہو جاتے ہیں مگر علم سے ہر دلعزیزی حاصل ہوتی ہے۔

عزیز اللہ لگانوی، مانک مئو، سہارنپور یوپی

فضول باتوں سے احتراز کرو

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کرنے کے لیے انسان کو پیدا کیا۔ اس لیے نہیں کہ انسان خدا کو بھول کر بیکار اور فضول باتوں میں محو ہو جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بیکار اور فضول باتوں کو چھوڑنا اسلام کی بڑی خوبی ہے۔ اس لیے تم بیکار اور فضول باتوں سے احتراز کرو۔ ہو سکتا ہے ایسی باتوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہو۔

سلیم جاوید، اسلامی پورہ، کلگاؤں

مت بھول

• اے خوبصورت لباس کے حریص، کفن کو یاد رکھ۔

• بنگلہ نما مکان کے شیدائی قبر کا گڑھا مت بھول۔

• اے عمدہ غذا کے دلدادہ کیڑے مکوڑے کی خوراک بننا یاد رکھ۔

• ایمان کی دولت سے دنیا کی دولت کو بہتر سمجھنے والے یاد رکھ، موت کے وقت یہ چیز تجھ سے بالجبر چھین لی جائے گی۔

شفقت صدر الدین اعظمی، اعظم گڑھ یوپی

جانور اور انسان میں فرق

• جانور ذاتی گھونسلے میں رہتے ہیں۔ انسان کرایہ کے مکان میں رہتا ہے۔

• جانور رات کو سر شام سے ہی بسیرا کرتے ہیں۔ انسان آدھی آدھی رات تک چائے خانوں اور سنیماؤں میں آوارہ پھرتے ہیں۔

• ایک جانور دوسرے جانور کو گالی نہیں دیتا۔ مگر انسان اپنے جیسے انسانوں کو فحش سے فحش گالی دیتا ہے۔

درّانی دانش محمد خان، خواجہ پورہ، اورنگ آباد

• عقل مند وہ ہے جسے غصہ دیر سے آتا ہے۔

• جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ بدلہ نہیں لیتا۔

• صبر ایمان کی روشنی ہے۔

• رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

• جس نے علم کا راستہ اختیار کیا اس نے جنت کا راستہ اختیار کیا۔

محمد ثاقب اعظمی، صفیہ اعظمی، اعظم گڑھ

وقت، حکماء کی نظر میں

• مولانا رومؒ نے فرمایا کہ وقت ہمارے پاس وفادار دوست کی طرح تحفے تحائف لے کر آتا ہے جب ہم اس کا وفادار نہیں سمجھتے اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو

وہ چپ چاپ اپنے تحفوں کو لے کر واپس چلا جاتا ہے۔

• امام غزالیؒ نے فرمایا، وقت کو پیچھے سے مت پکڑو، اسے آگے سے روک کر اس پر قابو پانے کی کوشش کرو۔ وقت مسالہ کی طرح ہے جس سے جو چاہو بنا سکتے ہو۔

نوشاد عالم معہد التعلیم الاسلامی نئی دہلی ۲۵

• انسان خود عظیم نہیں ہوتا اس کا کردار اس کو عظیم بناتا ہے۔

• ہر تازہ سانس نئی حیات اور نئے صبر و استقلال کا وسیلہ ہے۔

• اللہ نے تجھے دو کان دیے اور ایک زبان۔ یعنی دو باتیں سُن اور ایک سے زیادہ نہ کہہ۔

محمد صادق محمد رحمن، مانک چوک امڑاپور

• حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص نماز کا اہتمام نہ کرے قیامت کے دن اس کا حشر فرعون، نمرود، ہامان جیسے دوزخیوں کے ساتھ ہوگا۔ (فضائل اعمال)

• حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جو شخص وضو کر کے نماز کو جائے وہ ایسا ہے جیسے کوئی آدمی اپنے گھر سے احرام باندھ کر حج کو جائے۔

ناظم احمد ناظم آباد (آندھرا پردیش)

• نفس بڑا دشمن ہے۔

• علم کی مجالس جنت کے باغات ہیں۔

• کمزوروں کا ہتھیار، شکایت ہے۔

آصف بیگ، بابر بیگ، اردواڑ، کولہاپور

پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو

• بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔
• موت سے پہلے زندگی کو۔
• بیماری سے پہلے تندرستی کو۔
• مصروفیت سے پہلے فراغت کو۔
• تنگدستی سے پہلے خوشحالی کو۔

شبانہ پروین قریشی مدار تکیہ منگرول پیر آکولہ

خطرناک غلطیاں

• راز کی بات دوسرے کو بتا کر، اس سے کسی اور کو نہ کہنے کی درخواست کرنا۔

• اپنی آمدنی سے بڑھ کر خرچ کرنا اور خوش حالی کی امید رکھنا۔

• مشکل وقت میں لوگوں کے کام نہ آنا اور ان سے ہمدردی کی امید رکھنا۔

شاذیہ، نازیہ اعظمی پڑنگا اعظم گڑھ یوپی

• غریب وہ نہیں جس کے پاس مکان نہیں بلکہ غریب تو وہ ہے جس کے پاس اخلاق نہیں۔

• نیک دل انسان صندل کی مانند ہے کیونکہ جو کلہاڑی اسے کاٹتی ہے وہ اسے بھی خوشبودار بنا دیتی ہے۔

• سچ کبھی جھوٹ سے شکست نہیں کھاتا۔

• زندگی ایک ایسا ہیرا ہے جسے تراشنا انسان کا کام ہے۔

• زبان کا قلم استعمال کرنے سے پہلے اسے اپنے دل کی سیاہی میں ڈبو لینا ضروری ہے۔

باری ناظم، الیاس نگر، تھانے، مہاراشٹر

معلومات

- انسانی دماغ کا وزن ۳ پونڈ چار اونس ہوتا ہے۔
- انسانی جسم میں ۲۰ لاکھ مسام ہوتے ہیں۔
- دنیا میں ۹۰۰۰ قسم کی مچھلیاں پائی جاتی ہیں۔
- ایک بالغ انسان کے دل کا وزن ½ پونڈ ہوتا ہے۔
- ہمارے اطراف ۲۵۰,۰۰۰ سے زیادہ نباتات نمو پاتے ہیں۔

سلمان سلوتری، جوگیشوری، بمبئی

- محمد اظہر الدین نے نیوزی لینڈ کے خلاف ونڈے میچ میں صرف ۶۲ گیندوں میں ۱۰۸ رن (ناٹ آؤٹ) بنائے دنیا میں یہ سب سے تیز سنچری ہے۔
- ایک روزہ میچ میں سب سے زیادہ وکٹیں لینے والے کھلاڑی وسیم اکرم ہیں۔ انھوں نے ۲۷۰ وکٹیں لی ہیں۔
- فرسٹ کلاس کرکٹ میں برائن لارا نے ۵۰۱ رن بنائے جو ایک اننگ میں سب سے زیادہ رن ہیں۔ اور ٹیسٹ میچ میں بھی سب سے زیادہ رن بنانے کا ریکارڈ لارا کے نام ہے ۳۷۵ رن۔
- ٹیسٹ کرکٹ میں سب سے زیادہ ٹیسٹ کھیلنے والے، سب سے زیادہ کیچ پکڑنے والے سب سے زیادہ ٹیسٹ اننگ کھیلنے والے اور ٹیسٹ میں سب سے زیادہ کپتانی کرنے والے کھلاڑی آسٹریلیا کے ایلن بارڈر ہیں جو کہ کرکٹ کی دنیا میں ایک ریکارڈ ہے۔
- ایک روزہ میچ میں پانچ کیچ پکڑنے والے جونٹی روڈس ساؤتھ افریقہ کے پہلے کھلاڑی ہیں۔

عبدالباسط حسین کھوت، عیدگاہ روڈ بھیونڈی

- زمین کا قطبی محیط بہ شمال جنوباً محیط ۳۹۹۴۰ کلو میٹر یعنی ۲۴۸۶۰ میل ہے۔
- زمین کو اپنے محور پر ایک چکر پورا کرنے کے لیے ۲۳ گھنٹے ۵۶ منٹ اور ۴ سیکنڈ لگتے ہیں۔
- زمین کا سایہ چاند پر گول پڑتا ہے۔
- دنیا کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ گہرا سمندر بحر الکاہل ہے۔

شیخ اصغر شیخ غلام، قاضی نگر، بھنڈارہ

دنیا کے مشہور پہاڑ

کوہ ہمالیہ	ہندستان
کوہ راکی	شمالی امریکا
کوہ انڈیز	جنوبی امریکا
کوہ اطلس	افریقہ
کوہ یورال	ایشا اور یورپ کے بیچ میں
کوہ التائی	ایشیا
کوہ البرز	ایران
کوہ آلپس	یورپ
گریٹ ڈوایڈنگ رینج	آسٹریلیا
کوہ سلیمان	افغانستان

عذرا فرحین ہما آرمور، نظام آباد

- کاغذ بنانے کا کام آج سے دو ہزار سال قبل چینیوں نے شروع کیا تھا۔ حضورؐ کی بعثت کے بعد عربوں نے چینیوں سے سیکھ کر علم کی طرح اسے ساری دنیا میں پھیلایا۔

یو ۱۹۰۱ء میں مارکونی نے ایجاد کیا۔

• سلائی مشین سو سال قبل امریکا میں ایجاد ہوئی۔

• دنیا کی سب سے پرانی گھڑی لندن میں ہے۔ اس کو سال میں صرف ایک بار چابی دی جاتی ہے۔

• کشمیر میں ریلوے لائن نہیں ہے۔

• دنیا کی سب سے اونچی عمارت امریکا کی ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ ہے اس کی اونچائی ۱۲۴۸ فٹ ہے۔

• دنیا میں سب سے بڑی قدیم یونیورسٹی مراکش میں ہے جو ایک مسلمان عالم نے قائم کی تھی۔

محمد ندیم احمد، محمد عبدالرؤف، محبوب گنج، بیڑ

• حضرت ابوبکر صدیقؓ ۵۷۳ء میں پیدا ہوئے اور وصال ۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ مطابق ۶۳۴ء مدینہ میں ہوا۔

• حضرت عمر فاروق رضؓ مکہ مکرمہ میں ۵۸۳ء میں پیدا ہوئے اور وصال ۲۴ھ یا، نومبر ۶۴۴ء کو ہوا۔

• حضرت عثمان غنیؓ ۵۷۵ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ حضورؐ کی دو صاحبزادیاں (حضرت رقیہؓ اور حضرت ام کلثوم رضؓ) ان کے عقد میں آئیں۔ ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ھ یا ۶۶۵ء کو شہید ہوئے، جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

• حضرت علیؓ، ابو طالب کے فرزند تھے وہ ۲۳ سال قبل ہجرت مکہ میں پیدا ہوئے۔

شیخ مختار، سید پورہ بالاپور آکولہ

• سب سے لمبے کیلے آندھرا پردیش میں بھاسکر راجو نام کے کسان کی کھیت میں ہوتے ہیں۔ کیلے کی لمبائی ۱۴ انچ ہے۔

• امریکا میں نورتھ کیرولینا کے کسان ایڈ وکیس نے ۲۰.۵ انچ لمبی مونگ پھلی اگائی تھی۔

• اگست ۱۹۷۴ء میں آسٹریلیا کے گلین ٹکرنے ۱۱ کلو کی مولی اگاکر ورلڈ ریکارڈ قائم کیا تھا۔

• آم کی کل ۶۰۰ قسمیں ہوتی ہیں سب سے بڑے آم کا وزن ۳ سے ۴ کلو گرام ہوتا ہے یہ آم صرف ہندوستان میں ہوتا ہے۔

• انگلینڈ کے وی تھروپ نامی کسان ۱۹۸۹ء میں ۵.۰۵ کلو گرام کی پیاز اگاکر ورلڈ ریکارڈ بنایا تھا جو آج تک حفاظت سے رکھا ہوا ہے۔

محمد اسماعیل ایچ قوم۔ چکلہ سورت

• نگاہ کے معاملے میں باز کا کبھی جواب نہیں ٹڈی جیسے ننھے سے جانور کو آدھے میل کی دوری سے دیکھ لینا اس کی عجیب نگاہ کا ہی کمال ہے

• مصیبت میں ہوں تو شتر مرغ اپنا سر ریت میں گڑوا لیتے ہیں۔ یہ بات تو سفید جھوٹ ہے ہاں بچاؤ کے لیے گردن اور پیروں کو آگے پھیلا کر جب وہ بیٹھ جاتا ہے تو دشمن کو اس کا پھولا ہوا جسم صرف جھاڑ جھنکاڑ نظر آتا ہے۔

• تیندوے کی نظر کا بھی جواب نہیں۔ آدمی کے پلک جھپکنے کو ۱۰۰ گز دور سے ہی دیکھ لیتا ہے۔

• رانی مدھو مکھی۔ ایک دن میں قریب ۱۵۰۰ انڈے دیتی ہے۔

امتیاز احمد، پرانی بستی بڑی ارجنٹی مبارکپور

• امریکا میں دو صدر ایسے ہوئے جن کی زندگی میں ایک ہی طرح کے اتفاقات ہوئے ہیں۔ ایک صدر لنکن تھے اور دوسرے صدر کینیڈی۔ ایک ساتھ کیا اتفاقات ہوئے تھے۔ آیئے ملاحظہ کریں ایک نظر میں۔

• صدر لنکن ۱۸۶۰ء میں صدر منتخب ہوئے۔

کینیڈی ۱۹۶۰ء میں صدر منتخب ہوئے۔

• صدر لنکن کی بیوی کے وہائٹ ہاؤس میں ایک مُردہ بچہ ہوا۔
صدر کینیڈی کی بیوی کے بھی وہائٹ ہاؤس میں ایک مردہ بچہ ہوا۔

• صدر لنکن کے سکریٹری نے انھیں تھیٹر میں جانے سے منع کیا تھا۔
صدر کینیڈی کے سکریٹری نے بھی انھیں ڈراما میں جانے سے منع کیا تھا۔

• صدر لنکن کا قتل جمعہ کے دن ہوا۔ صدر کینیڈی کا قتل بھی جمعہ کے دن ہوا۔

• صدر لنکن کے قتل کے وقت ان کی بیوی ان کے ساتھ تھیں۔ صدر کینیڈی کے قتل کے وقت بھی ان کی بیوی ساتھ تھیں۔

• صدر لنکن کو پیچھے سے سر میں گولی لگی۔ صدر کینیڈی کو بھی پیچھے سے سر میں گولی لگی۔

• صدر لنکن کا قاتل جنوبی علاقے کا تھا، صدر کینیڈی کا بھی قاتل جنوبی علاقے کا تھا۔

• صدر لنکن کا قاتل واٹکنس بوتھ کو اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ صدر کینیڈی کے قاتل لی ہاروے آسوئنڈ کو بھی اسی وقت قتل کر دیا گیا۔

• صدر لنکن کے قاتل کے نام میں ۱۵ حروف ہیں
صدر کینیڈی کے قاتل کے نام میں بھی ۱۵ حروف ہیں۔

سید ساجد معین عمر دراز لین لودی کٹرہ پٹنہ سٹی

• خواتین میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ نے اسلام قبول کیا۔

• مردوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اسلام قبول کیا۔

• بچوں میں سب سے پہلے حضرت علیؓ نے اسلام قبول کیا۔

• روئے زمین پر سب سے پہلی مسجد، مسجد حرام یعنی کعبہ ہے۔ جس کی تعمیر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے کی۔

• مسلمانوں کا قبلہ اول بیت المقدس ہے جس کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے کی۔

• دنیا میں سب سے پہلے جمعہ کی نماز مسجد نبوی (قبا) مدینہ منورہ میں ادا کی گئی۔

زبینت خان رلوڑکیلا اڑیسہ

اردو کا پہلا شاعر — امیر خسرو دہلوی
اردو کا پہلا ناول نگار — ڈپٹی نذیر احمد دہلوی
اردو کی پہلی ادبی کتاب — سب رس
اردو کی پہلی مذہبی کتاب — معراج العاشقین
اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر — محمد قلی قطب شاہ
اردو کی پہلی ظریفانہ کتاب — دریائے لطافت
اردو کا پہلا ڈراما — اندر سبھا
اردو کی پہلی یونی ورسٹی — جامعہ عثمانیہ حیدر آباد

ثاقب ظفر، غیاث نگر، رانی پور سیوان بہار

کچھ اولیائے کرام کے نام

• حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت داتا گنج بخش ابوالحسن علی رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت شیخ بہاء الدین رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت شیخ علاء الدین علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

• حضرت شیخ شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت شیخ محمد نصیر الدین رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت ابوالحسن امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت شیخ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت مولانا شہباز محمد رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت سرمد شہید رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت شیخ کلیم اللہ شاہجہاں آبادی رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت خواجہ محمد سلیمان رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ
• حضرت مولانا حاجی سید وارث علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ

مبین احمد شبیر احمد، اسلام پورہ، مالیگاؤں

• دنیا کا سب سے اونچا ٹاور ٹوکیو ٹاور ہے۔
• اسلامی دنیا میں سب سے بڑی اور پرانی یونیورسٹی جامعہ ازہر (مصر) ہے۔
• دنیا کی سب سے بڑی لائبریری لینن گراڈ (روس) میں ہے۔
• دنیا کی سب سے بلند چوٹی ماونٹ ایورسٹ ہے۔

صدیقی محمد پرویز محمد اعظم، مولانا آزاد روڈ بمبئی ۸

• ۱۶ جولائی ۶۲۲ میں سن ہجری شروع ہوا۔
• امریکا کے جاسوسی ادارے کا نام "سا" ہے
• خالص دودھ میں آٹھ فیصد پانی ہوتا ہے۔
• دنیا میں سب سے زیادہ آمدنی امریکا کے حکمراں کی ہے ان کو پیٹرول کی رائلٹی سے ہر ہفتہ تقریباً پانچ کروڑ روپیا ملتا ہے۔

عمران خان، رحیم خان پٹھان املنیر

• دنیا کی سب سے قدیم کتاب چین میں ہے۔

• دنیا میں سب سے بڑا آتش فشاں پہاڑ اٹلی میں ہے۔
• دنیا میں آدھی رات کا سورج ناروے میں نکلتا ہے۔

دائی سید ماجد مومن پورہ اور دیگر لاتور

کعبہ کی تعمیر

کعبہ شریف کی تعمیر آج سے تقریباً ساڑھے چار ہزار برس پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ تعمیر کا حکم اور جگہ کا تعین خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا تھا۔

شمیم سلطانہ منگرول پیر آکولہ

سب سے بڑا شاعر

اردو	علامہ اقبال
عربی	امرء القیس
فارسی	شیخ سعدی
انگریزی	ولیم شیکسپیر
ہندی	سوامی تلسی داس
سنسکرت	سورداس
بنگالی	رابندر ناتھ ٹیگور

نور عالم راوڑ کیلا اڑیسہ

• گھوڑے کے چالیس اور گھوڑی کے چھتیس دانت ہوتے ہیں۔
• اونٹ آنکھ بند کرنے پر بھی دیکھ سکتا ہے۔
• کوا باسٹھ کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑ سکتا ہے۔

محمد اسجد علی، نرائن پور، دربھنگہ بہار

محبوب راہی

آزاد ہیں ہم

ہنسو اور ہنساؤ کہ آزاد ہیں ہم
دکھوں کو بھلاؤ کہ آزاد ہیں ہم

وطن کی اور اہل وطن کی محبت
دلوں میں جگاؤ کہ آزاد ہیں ہم

ترنگا یہ بھارت کی عظمت کا پرچم
گگن میں اڑاؤ کہ آزاد ہیں ہم

تدبر کے گل، علم کے موتیوں سے
وطن کو سجاؤ کہ آزاد ہیں ہم

سبھی تفرقے بھول کر آج سب کو
گلے سے لگاؤ کہ آزاد ہیں ہم

غریبی کے بھوت اور جہالت کے شیطاں
یہاں سے بھگاؤ کہ آزاد ہیں ہم

فسانے بزرگوں کی قربانیوں کے
سبھی کو سناؤ کہ آزاد ہیں ہم

سبھی مشکلوں، ساری مجبوریوں کو
ہنسی میں اڑاؤ کہ آزاد ہیں ہم

سبق صلح کا، امن اور آشتی کا
جہاں کو سکھاؤ کہ آزاد ہیں ہم

بلندی پہ شہرت کے آکاش کی اب
سدا جگمگاؤ کہ آزاد ہیں ہم

ہماری زمیں، کھیتیاں ہیں ہماری
جو چاہو اگاؤ کہ آزاد ہیں ہم

یہ آزادی اک نعمتِ بے بہا ہے
سبھی کو بتاؤ کہ آزاد ہیں ہم

وطن کی محبت کے نغمات راہی
شب و روز گاؤ کہ آزاد ہیں ہم

سلیم الطبع

ہمت تیرے کی

محکمۂ ڈاک کا ایک افسر ریٹائر ہوا تو الوداعی تقریب کے خاتمے پر اس کے ماتحت نے پوچھا: "یہ بتایئے کہ ہمارے ساتھ رہ کر آپ نے کیا ذاتی تجربہ حاصل کیا؟"
افسر نے جواب: "تجربہ تو بہت حاصل ہوا ہے۔ مگر آپ سے گزارش ہے کہ میری پنشن کی رقم ڈاک سے مت بھجوایئے گا۔"

یہ مضمون اُس وقت مزہ دے گا جب آپ اسے پورا پڑھیں گے

ٹرن ..... ٹرن ..... ٹرررن
"ہیلو"
"ہیلو! کون بول رہا ہے؟"
"میں جمال بول رہا ہوں"
"ارے بھئی جمال! ثاقب بول رہا ہوں۔ کہو کیا حال چال ہیں؟"
"باہر کھیلنے جارہا ہوں۔ تم کہو کیسے فون کیا؟"
"یار آج تم اسکول گئے تھے۔ مجھے چوں کہ ہلکا سا بخار تھا اس لیے میں نہیں جاسکا۔"
"آج میں بھی اسکول نہیں گیا۔ دادی جان آگرے سے آرہی تھیں ان کو لینے اسٹیشن پر جانا پڑا۔"
"ارے بھئی آج تو گرمی بڑی سخت تھی۔ تم تو تیز دھوپ میں جل بھن کر کباب ہو گئے ہو گے۔"
"ہاں! لیکن دادی جان کے آنے کی خوشی میں مجھے گرمی بالکل محسوس نہیں ہوئی۔"
"پچھلے سال جب میرے چچا آنے والے تھے تو مجھے بھی اتنی خوشی ہوئی تھی کہ میں سردی کے موسم میں بغیر سوئٹر یا کوٹ پہنے اسٹیشن چلا گیا تھا۔ اور وہاں تو مجھے سردی نہیں لگی تم بتا سکتے ہو کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟"

"اصل میں یہ جو ہمارے ماموں، دادی اور پھوپھا وغیرہ باہر سے آتے ہیں۔ ہم لوگوں کے لیے اچھے تحفے لاتے ہیں۔ اس لیے ہمیں گرمی سردی اور موسم کا پتا نہیں چلتا۔ اب دیکھو نا میری دادی جان میرے لیے بہت خوب صورت سا قلم لائی ہیں۔ اور پھر ہماری دادی جان کہانیاں بہت اچھی اچھی سناتی ہیں۔"

"ارے بھئی واہ مزے آگئے۔ پھر تو میں بھی آؤں گا ان سے کہانی سننے۔"

"ضرور بلکہ چاہو تو ابھی آجاؤ۔"

"ارے نہیں ابھی تو وہ تھکی ہوئی ہوں گی۔"

"ارے یار میں تم کو ایک مزے کی بات بتاؤں، آج گلی میں ایک بندر والا آیا تھا۔"

"اس میں مزے کی بات کیا ہے۔ جہاں بندر رہتے ہوں گے۔ بندر والا وہیں جائے گا۔"

"خیر ہمیشہ تو اس طرح نہیں ہوتا۔ بس آج ہی وہ تمھاری گلی چھوڑ کر ہماری گلی میں آیا تھا۔"

"بھئی ہماری گلی میں تو وہ تماشا دکھانے آتا ہے اور تمھاری میں وہ بندر پکڑنے جاتا ہے۔"

"چلو تم یہی سمجھ کر خوش ہوتے رہو۔ لیکن وہ مزے کی بات سنو۔"

"ہاں کیا ہوا؟"

"ہوا یہ کہ جب مداری تماشا دکھا چکا تو اس نے بندر سے پوچھا کہ تو یہ تماشا کس لیے دکھاتا ہے۔ بندر نے پیٹ پہ ہاتھ مار مار کر اشارہ کیا کہ اس لیے۔ مداری نے پوچھا کہ تو نے یہ سب کہاں سے سیکھا، تو پتا ہے۔ بندر نے کیا کیا؟"

"کیا کیا؟"

"وہ تیزی سے وہاں سے بھاگا اور میری طرف آکر اس نے بڑی کلاس کی حرکت کی۔"

"آخر کیا حرکت کر دی۔ کیا تمھاری ناک پکڑ لی؟"

"ارے نہیں بھئی سنو تو۔ اس نے میرے ہاتھ سے اس ماہ کا پیام تعلیم چھین کر مداری کو دے دیا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ یہ سب حرکتیں اس سے سیکھی ہیں۔"

"ارے بے وقوف فون پر ایسی باتیں نہیں کرتے۔ اگر خدانخواستہ ان پیام تعلیم کے اڈیٹر صاحب سے مل گئی تو وہ آئیں گے اور ڈگڈگی بجاکر تمھیں اتنا نچائیں گے کہ ساری چوکڑیاں بھول جاؤگے۔"

"ارے ہاں پیام تعلیم پر یاد آیا کہ کل تم جب اسکول آنا تو میرا پیام تعلیم لے آنا۔ میں نے ابھی پورا نہیں پڑھا ہے۔"

"چلو پیام تعلیم تو میں لے آؤں گا۔ لیکن بھائی وہ تمھارا کب سے ہو گیا؟"

"کیا مطلب تم مجھ سے مانگ کر لے گئے تھے۔"

"گھاس کھانے ہو گیا؛ میں نے کب تم سے پیام تعلیم لیا تھا؟"

"اُف اللہ جمال اتنا جھوٹ تو مت بولو۔ کل ہی تو کلاس روم میں میں نے تم کو دیا تھا۔ اور جب تم اسے لے کر بھاگے تھے تو انگریزی کے سر نے ہم دونوں کو سزا کے طور پر مرغا بنایا تھا۔"

"بھئی واہ کہانی گھڑنا تو کوئی تم سے سیکھے تم ہی مرغا بنے ہوگے مجھے تو کسی نے مرغا نہیں بنایا اور ویسے بھی کل انگریزی کے سر اسکول نہیں آئے تھے۔

"کیا کہا۔ انگریزی کے سر اکرام کل اسکول نہیں آئے تھے؟"

"تم ہوش میں بھی ہو۔ اس نام کے تو کوئی ٹیچر ہی نہیں ہیں ہمارے اسکول میں۔"

"چلو چھٹی ہوئی ایک پیام تعلیم کے لیے اتنا جھوٹ تو نہ بولو۔ کل اسکول سے واپسی میں راستے بھر تمھارا بھائی کمال پیام تعلیم پڑھتا رہا ہے۔"

"کیا ہو گیا ہے۔ تمھیں کون کمال، کون سا بھائی میرا تو کوئی بھائی نہیں ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔ کیا تمھارا نام جمال اشرف نہیں ہے اور کیا تمھارا بھائی کمال اشرف بھی نہیں ہے۔ اور کیا تم جامعہ میں آٹھویں میں نہیں پڑھتے ہو۔"

"کیا کہا۔۔۔ کیا ہو گیا ہے بھئی میرا نام تو جمال محسن ہے اور میں انسان اسکول میں ساتویں جماعت میں پڑھتا ہوں۔"

"کیا کہا۔۔۔۔ کیا یہ ایٹ، فور، ون، سیون ڈبل تھری نہیں ہے۔"

"نہیں بھئی یہ تو ایٹ، فور، ون، سکس ڈبل تھری ہے۔"

"بہت گڑبڑ ہو گئی۔"

عناصر کیا ہے

چیزوں کی بناوٹ

آپ اپنے چاروں طرف طرح طرح کی بے شمار چیزیں دیکھتے ہیں جن کی بناوٹ ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ شاید آپ سوچتے ہوں کہ ان چیزوں کے اندر کیا ہوتا ہے۔ ان کے بنیادی اجزا کیا ہیں اور وہ ان اجزا سے کیسے بنتی ہیں۔ آپ ٹھیک سوچتے ہیں۔ ہم آپ کے تجسس کا جواب کیمیائی طریقے سے دیں گے اور آپ کو مطمئن کریں گے۔ اگر آپ پانی کے چند قطرے لیں اور انھیں برابر تقسیم کرتے چلے جائیں تو وہ چھوٹی چھوٹی بوندیں بنتے جائیں گے یہاں تک کہ وہ اتنے چھوٹے قطرے بن جائیں گے کہ انھیں مزید تقسیم کرنا ممکن نہ ہوگا۔ اگر اب آپ انھیں کاٹیں گے تو گویا جادو ہو جائے گا۔ پانی کے بجائے دو گیسوں کی شکل نظر آئے گی۔ ایک آکسیجن اور دوسری (مقدار میں دوگنی) ہائیڈروجن۔ پانی تو غائب ہو جائے گا۔ اس کی جگہ دو گیسیں نکل آئیں گی۔

پانی ہمارے عام استعمال کی چیز ہے۔ بظاہر بالکل معلوم نہیں ہوتا کہ وہ گیسوں سے مل کر بنا ہے لیکن حقیقت یہی ہے۔ اس طرح کی چیزیں مرکب یا "کمپاؤنڈ" کہلاتی ہیں۔ اُن میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں جنھیں سائنسی ذرائع سے توڑ کر ان اجزا میں تقسیم کیا جا سکتا ہے جن سے مل کر وہ بنے ہیں۔ لیکن بعض مادّے بالکل خالص ہوتے ہیں۔ انھیں توڑا جائے تب بھی وہی کے وہی رہتے ہیں۔ وہ خود بنیادی ہوتے ہیں۔ انھیں ہم عنصر (ELEMENT) کہتے ہیں۔ عنصر کی جمع 'عناصر' ہے۔ عناصر وہ بنیادی اجزا یا ٹکڑے ہیں جن سے مل کر تمام مرکبات بنے ہیں۔ پانی ایک مرکب ہے دو عناصر ہائیڈروجن اور آکسیجن کا۔ مکھن ایک کمپاؤنڈ ہے لیکن جن عناصر سے مل کر وہ بنا ہے وہ ہیں کاربن، ہائیڈروجن اور آکسیجن۔ یہی عناصر جب ایک خاص ترکیب سے آپس میں ملتے ہیں تو چکنائی وجود میں آتی ہے۔ یہ عناصر رفتہ رفتہ دریافت ہوئے۔ بہت عرصے تک ان کی تعداد ۹۲ پر رُکی رہی لیکن اب یہ تعداد زیادہ ہے۔ ان کی عام مثالیں ہائیڈروجن، آکسیجن، کاربن، لوہا اور گندھک ہیں اور ان کے مرکبات ہیں پانی، چکنائی، صابن اور پیرافین۔ دنیا کی تمام چیزیں مختلف عناصر کے ایک خاص طریقے، ایک خاص ترکیب سے ملنے سے بنی ہیں۔

علی اسد

ذہانت اور ظرافت کا بادشاہ — بیربل

بیربل کی ظرافت اور ذہانت نے صرف اکبر بادشاہ ہی کو اپنا گرویدہ نہیں بنالیا تھا بلکہ عام لوگوں کی اکثریت بھی اس کی شیدائی بن گئی تھی۔ وہ اُن چند خوش نصیب لوگوں میں سے تھا جن کو اپنی زندگی ہی میں بے انتہا مقبولیت حاصل ہو گئی ہو۔ وہ ایک بہادر سپاہی اور ایک اعلا منتظم تھا اور شاید اکبر کو اس کی جو بات سب سے زیادہ پسند تھی، وہ تھی اس کی ظرافت۔ بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہے کہ بیربل ایک اچھا شاعر بھی تھا۔ وہ "برہما" کے نام سے شعر کہتا تھا۔ بھرت پور (ہندستان) کے عجائب گھر میں اس کا ایک دیوان ابھی تک موجود ہے۔ یوں تو لوگ اس کو بیربل کے نام سے جانتے ہیں، مگر اس کا اصلی نام مہیش داس تھا۔ وہ ایک غریب برہمن کے گھر میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی جائے پیدائش دریائے جمنا کے کنارے ٹکاون پور بتائی جاتی ہے جس کا پرانا نام تریوکرم پور تھا۔

بیربل اپنی ذہانت کی بدولت ترقی کرتے کرتے اکبر اعظم کا وزیر بن گیا۔ اس کی حیرت انگیز ترقی کی وجہ سے بعض اس کے دشمن ہو گئے تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کی موت بھی اسی وجہ سے ہوئی۔ وہ ایک فوجی مہم کو لے کر افغانستان گیا تھا اور وہیں جنگ کے دوران مارا گیا۔ بہرحال مہم کامیاب رہی۔ اکبر کو بیربل کی موت کا بے حد صدمہ ہوا۔ بیربل اکبر کا سچا دوست تھا۔ آیئے اب بیربل کی ظرافت و ذہانت کے چند قصے پڑھیے۔

دس عظیم احمق

ایک دن اکبر نے بیربل سے کہا: "بیربل! شہنشاہ ہونے کی وجہ سے مجھے صرف عالم و فاضل لوگوں سے ملنے کا اتفاق ہوتا رہتا ہے۔ لیکن احمقوں سے میری ملاقات کبھی

نہیں ہوتی۔ لہٰذا تم مجھے شہر کے دس عظیم احمقوں سے ملواؤ۔" اکبر اکثر بیربل سے طرح طرح کی فرمائشیں کرتا رہتا تھا۔ مگر یہ فرمائش بالکل انوکھی تھی۔ اکبر نے کہا: "بیربل! میں تم کو ایک مہینے کی مہلت دیتا ہوں۔ اتنے عرصے میں تم احمقوں کو تلاش کر لو۔" بیربل نے کہا: "جہاں پناہ! مجھے اتنی مدت کی شاید ضرورت نہ ہو۔"

چناں چہ بیربل اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر احمقوں کی تلاش میں چل پڑا۔ تھوڑی ہی دور گیا تھا تو اسے ایک عجیب منظر دکھائی دیا۔ ایک شخص ایک مریل سے گھوڑے پر بیٹھا چلا جا رہا تھا اور اپنے سر پر لکڑیوں کا ایک بڑا سا گٹھر رکھے ہوئے تھا۔ بیربل نے بڑھ کر اس سے پوچھا: "تم لکڑیوں کے اس گٹھر کو اپنے سر پر کیوں رکھے ہوئے ہو؟ اپنے پیچھے گھوڑے کی پیٹھ پر کیوں نہیں رکھ لیتے؟"

یہ سن کر وہ شخص بولا: "حضور! میرا گھوڑا بہت بوڑھا اور کمزور

ہے۔ لکڑیوں کے بوجھ سے شاید وہ گر کر مر جاتے۔ اس لیے میں لکڑیوں کو اپنے سر پر رکھے ہوتے ہوں۔" بیربل سوچنے لگا کہ اس سے بڑا احمق شاید ہی کوئی اور ہو۔ چناں چہ بیربل نے اس آدمی سے کہا: "بھلے آدمی! آؤ تم میرے ساتھ چلو۔ اب تم کو لکڑیوں کا بوجھ پھر کبھی نہیں اٹھانا پڑے گا۔" وہ راضی ہو گیا اور دونوں چل پڑے۔ ابھی یہ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی زمین پر چت پڑا ہوا ہے اور اپنے دونوں بازو اوپر اٹھائے ہوتے ہے۔ بیربل نے اپنے ساتھی سے کہا: "تم یہاں ٹھہرو، خدایا اس

آدمی پر بیماری کا دورہ پڑ گیا ہے۔ میں اسے اٹھانے جاتا ہوں۔" مگر بیربل جب اس آدمی کے پاس پہنچا اور اس کے بازو پکڑنے لگا تو وہ چلایا: "میرے ہاتھوں کو نہ چھوئیے!" بیربل نے کہا: "معاف کرنا، کیا تمہارے ہاتھوں میں درد ہو رہا ہے؟" وہ آدمی بولا: "نہیں نہیں، میری بیوی نے مجھ سے اتنا بڑا پتیلا خریدنے کو کہا ہے۔ اگر میں اپنے ہاتھوں کو حرکت میں لے آؤں گا تو پھر پتیلا چھوٹا بڑا ہو جائے گا، اور میری بیوی مجھ کو زندگی بھر ڈانٹتی رہے گی۔" یہ سن کر بیربل نے سوچا کہ یہ آدمی بھی واقعی نہایت قیمتی احمق ہے۔ اس کو بھی ساتھ لے لینا چاہیے۔ چناں چہ بیربل نے اس کو اٹھایا، مگر اس کے ہاتھ اسی طرح ہوا میں بلند

رہے۔ بیربل نے اس سے کہا: "اب تم اپنے ہاتھ نیچے کر لو۔ میں تم کو طرح طرح کے نہایت خوب صورت پتیلے دلوا دوں گا۔ اس میں چھوٹے بھی ہوں گے اور بڑے بھی ہوں گے۔ تمہاری بیوی اتنی خوش ہو جائے گی کہ پھر تم کو کبھی نہیں ڈانٹے گی۔"

اس کے بعد بیربل اپنے گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے گھوما ہی تھا کہ ایک آدمی اس پر آگرا۔ بیربل گر پڑا۔ اس نے ناراض ہو کر اس آدمی سے کہا: "کیا تم کو دکھائی نہیں دیتا؟" وہ بولا: "حضور! معاف کیجیے گا۔ میں نے ابھی سامنے والی مسجد میں اذان دی تھی۔ میں یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ میری آواز کہاں تک جاتی ہے۔ اسی لیے میں اس کے پیچھے دوڑا تھا، مگر آپ بیچ میں آگئے اور سب گڑبڑ ہو گیا۔" بیربل یہ سن کر حیران رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ ایسے لوگ بھی شہر میں موجود ہیں۔ بیربل نے اس آدمی سے کہا: "اب آواز کو

بھول جاؤ۔ پھر کبھی اس کا پیچھا کر لینا۔ میرے ساتھ چلو۔ میں تم کو دو اشرفیاں دوں گا۔" اشرفیوں کا نام سن کر وہ آدمی خوش ہوگیا اور بیربل کے ساتھ ہولیا۔

بیربل ان تینوں احمقوں کو لے کر اپنے محل پہ پہنچا اور ان سے کہا تم یہاں ٹھہرو۔ میں ابھی آتا ہوں۔ پھر وہ مزید احمقوں کو تلاش کرنے نکل گیا۔

تھوڑی دور اس نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں گتھم گتھا ہو رہے ہیں۔ بیربل نے ان سے کہا: "تم کیوں لڑ رہے ہو؟" اس پر ایک بولا: "حضور! یہ مجھے دھمکی دیتا ہے کہ اپنے چیتے کو میری بھینس کے پیچھے چھوڑ دے گا۔" بیربل نے کہا: "مگر مجھے تو نہ چیتا دکھائی دے رہا ہے اور نہ بھینس۔" اس پر دوسرا بولا: "لیکن حضور! اگر اللہ ہمارے سامنے آ جاتا ہے اور ہم دونوں کو ایک ایک تحفہ دیے دیتا ہے تو پھر آپ کو بھی سب دکھائی دے جائے گا۔" یہ سن کر پہلا آدمی چلایا: "سنا آپ نے؟ اب یقین آ گیا آپ کو میری بات پر؟ یہ برابر یہی کہے جا رہا ہے کہ اگر میں اللہ سے بھینس مانگوں گا تو یہ چیتا مانگ لے گا تاکہ میری بھینس کو وہ کھا جائے۔" اور اس کے بعد وہ دونوں پھر لڑنے لگے۔

بیربل بیچ بچاؤ کروانے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر پریشان ہوگیا۔ اتنے میں ایک اور آدمی آ گیا جو سر پر تیل سے بھری مٹی کی ہنڈیا رکھے ہوئے تھا۔ وہ کہنے لگا: "حضور! آپ بھی کتنے بے وقوف ہیں جو ان بے وقوفوں کی باتوں میں آ گئے۔ اب اگر آپ بے وقوف نہیں ہیں تو پھر میری ہڈیاں چور چور ہو جائیں اور میرا خون اس طرح سے بہنے لگے۔" اتنا کہہ کر اس

نے تیل کی ہنڈیا کو زمین پر پٹخ دیا۔ ہنڈیا ٹوٹ گئی اور تیل زمین پر بہہ گیا۔

وہ ہنڈیا توڑ کر بولا: "ارے! یہ میں نے کیا کر ڈالا۔ اچھی خاصی ہنڈیا بھی توڑ ڈالی اور خالص تیل بھی برباد کر دیا!"

بیربل فوراً ان تینوں احمقوں کو لے کر اپنے محل چلا گیا اور انھیں ان پہلے تینوں احمقوں کے ساتھ ٹھہرا دیا۔ اب اندھیرا ہو چلا تھا۔ بیربل ذرا دیر آرام کرنے چلا گیا۔ چند گھنٹوں کے بعد جب بیربل تازہ دم ہو کر نکلا تو چاند نکل چکا تھا۔ بیربل چاند کی خوبصورتی کو دیکھنے لگا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ ایک آدمی میدان میں جھکا ہوا کچھ تلاش کر رہا ہے۔ بیربل نے اس سے پوچھا: "کیا ڈھونڈ رہے ہو؟" وہ بولا: "حضور! میں اپنی انگوٹھی تلاش کر رہا ہوں۔" بیربل نے پوچھا: "کیا انگوٹھی یہاں گری تھی؟" وہ بولا: "نہیں حضور! انگوٹھی تو اس درخت کے نیچے گری تھی، مگر یہاں چونکہ روشنی زیادہ ہے، اس لیے میں اسے یہاں تلاش کر رہا ہوں۔" بیربل نے اس سے کہا: آؤ! میرے ساتھ چلو۔ میں تم کو ایک نئی انگوٹھی دلوا دوں گا۔"

وہ آدمی بڑا خوش ہو گیا اور بیربل کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔

بیربل چاندنی سے لطف اندوز ہوتا چلا جا رہا تھا کہ اتنے میں وہ آدمی بولا: "حضور! وہ دیکھیے۔ ایک اور آدمی کچھ تلاش کر رہا ہے۔ چلیے اس کی مدد کریں۔" بیربل نے کہا: "ہاں ضرور۔" دونوں اس آدمی کے پاس پہنچ گئے جو زمین پر جھکا ہوا کچھ تلاش کر رہا تھا۔

تھا۔ بیربل کو دیکھ کر وہ بولا: "شاید آپ میری مدد کر سکتے ہیں۔ میں نے اپنی انگوٹھی حفاظت کی خاطر اس ریت میں چھپا دی تھی، مگر اب وہ نہیں مل رہی ہے۔" بیربل نے کہا: "تم نے اس جگہ پر کوئی نشان تو لگایا ہوگا؟" وہ بولا: "جی ہاں، میں کوئی بے وقوف تو نہیں۔ جس جگہ میں نے انگوٹھی چھپائی تھی اس کے اوپر بادل کا ایک ٹکڑا تھا۔ اب یہ دغاباز بادل چلا گیا ہے اور اسی کے ساتھ میری انگوٹھی بھی چلی گئی ہے!" پہلا بے وقوف بولا: "جی ہاں، یہ بے چارہ بھلا کیا جانتا تھا کہ بادل اس طرح سے دغابازی کرے گا۔" بیربل نے کہا: "خیر! چھوڑو بادل کو۔ میرے ساتھ چلو۔ میں تم کو دوسری انگوٹھی دلا دوں گا۔" وہ آدمی خوش ہو گیا۔ محل پہنچ کر بیربل سوچنے لگا کہ آٹھ آدمی تو میں نے جمع کر لیے ہیں۔ اب رہا نواں اور دسواں آدمی، خیر دیکھا جائے گا۔

دوسرے دن صبح بیربل آٹھ احمقوں کو لے کر دربار میں حاضر ہوا۔ اکبر نے حیران ہو کر کہا: "بیربل! تم اتنی جلدی آ گئے؟" بیربل بولا: "جہاں پناہ! اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ ہر شخص جانتا ہے کہ عقل مند آدمیوں کے مقابلے میں احمقوں کو تلاش کرنا آسان ہوتا ہے۔" پھر بیربل نے ہر احمق کے بارے میں اکبر کو سب کچھ بتا دیا۔

اکبر جب سب سن چکا تو بولا: "لیکن یہاں صرف آٹھ احمق ہیں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے تم سے دس احمقوں کی فرمائش کی تھی۔" بیربل نے کہا: "جہاں پناہ! گستاخی معاف ہو۔ یہاں دس احمق موجود ہیں۔ آٹھ تو یہ ہیں اور جہاں پناہ معاف فرمائیں تو عرض کروں کہ ہم دونوں بھی۔"

یہ سن کر اکبر حیران رہ گیا۔ بیربل نے کہا: "جی ہاں جہاں پناہ، میں اور آپ تو سب سے عظیم احمق ہیں۔ اس لیے کہ آپ نے مجھے ایسے کام کے لیے روانہ کیا اور میں آپ کا حکم بجا لایا۔"

یہ سن کر سارا دربار قہقہوں سے گونج اٹھا، مگر اکبر کے قہقہے سب سے زیادہ زوردار تھے۔

آگرے کے کوّے

ایک دن اکبر کے درباریوں نے اکبر سے پوچھا: "جہاں پناہ! آپ کو جب بھی کبھی

مسئلے کا سامنا ہوتا ہے تو آپ بیربل ہی سے مشورہ کیوں کرتے ہیں؟" اکبر نے کہا: "اس لیے کہ بیربل کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا ہے اور وہ ہر مسئلے کا حل تلاش کر لیا کرتا ہے۔"
اس پر ایک درباری بولا: "ہم لوگ بھی تو آپ کو مشورہ دیتے ہیں۔ مگر آپ ہم کو موقع ہی نہیں دیتے۔"

اتنے میں اکبر کو بیربل آتا دکھائی دے گیا۔ "لو بیربل بھی آگیا۔" اکبر نے کہا: "آج میں تم کو موقع دیتا ہوں۔" جب بیربل قریب آگیا تو اکبر نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا: "میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آگرے میں کتنے کوّے ہیں؟"

تمام درباری گھبرا کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ایک بولا: "بھلا ہم یہ کیسے بتا سکتے ہیں؟" دوسرا بولا: "اس میں ہم کو کئی برس لگ جائیں گے۔" تیسرا بولا: "جہاں پناہ! ان کو گننا تو بالکل ناممکن ہے۔ وہ ایک جگہ پر تو ٹھہرتے نہیں۔" چوتھا بولا: "اس بات کا جواب تو کوئی بھی نہیں دے سکتا۔"

یہ سُن کر اکبر نے بیربل کی طرف دیکھا۔ بیربل نے فوراً کہا: "تینتیس ہزار نو سو اکیس۔"

بیربل کا یہ جواب سُن کر اکبر بھی حیران رہ گیا۔ وہ بولا: "بیربل! تم اتنے یقین سے یہ کیسے کہہ رہے ہو۔ دیکھو، اگر تمھارا جواب غلط نکلا تو تم کو سخت سزا دی جائے گی۔"

"بیربل بولا: "جہاں پناہ! مجھے پورا یقین ہے کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔"

اکبر نے کہا: "اگر تمھاری بتائی ہوئی تعداد سے زیادہ کوّے نکلے؟"

اس پر بیربل بولا: "وہ باہر سے آتے ہوئے کوے ہوں گے جو اپنے عزیزوں اور رشتے داروں سے ملنے آئے ہوں گے۔ لہٰذا میں ان کو شامل نہیں کرتا کیوں کہ وہ تھوڑی دیر میں چلے جائیں گے۔"

اکبر نے کہا: "اور اگر تمھاری بتائی ہوئی تعداد سے کم نکلے؟"

اس پر بیربل بولا: "یہ تو بڑی آسان سی بات ہے۔ ہمارے آگرے کے بہت سے کوے اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ملنے دوسرے علاقوں میں گئے ہوں گے۔ اس لیے میں نے ان کو اپنی گنتی میں شامل کر لیا ہے۔"

تمام درباریوں پر سناٹا چھا گیا۔ اکبر نے فاتحانہ انداز میں ان سے کہا: "اسی لیے میں کہتا ہوں کہ بیربل کے پاس ہر بات کا جواب ہوتا ہے۔ اب تم لوگ مان گئے یا نہیں۔"

بیربل اور شاہ ایران

بیربل کی ذہانت اور ظرافت کی شہرت ایران تک پہنچ گئی تھی۔ چناں چہ شاہ ایران نے بیربل کو اپنے پاس بلوایا تاکہ خود یہ دیکھ سکے کہ وہ واقعی اتنا ہی عقل مند ہے جتنا کہ لوگ کہتے ہیں۔ چند مہینے بعد بیربل ایران پہنچ گیا۔ بیربل جب شاہ ایران کے دربار میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ کئی آدمی شاہی لباس پہنے سروں پر تاج سجائے تختوں پر بیٹھے ہیں۔ بیربل نے شاہ ایران کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ ان میں سے بادشاہ کون ہے۔ چند لمحوں تک وہ ساکت کھڑا رہا۔ اس نے تمام تختوں پر نظر دوڑائی۔ پھر بادشاہ کو مخاطب کر کے بولا: "بلاشبہ آپ ہی بادشاہ ہیں۔ ہمارے شہنشاہ نے آپ کو تحفے بھیجے ہیں جو آپ کے شاہی خزانے میں پہنچائے جا رہے ہیں۔" شاہ ایران حیران رہ گیا۔ اس نے کہا: "بیربل، تم نے تو مجھے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پھر تم نے مجھے کیسے پہچان لیا؟"

بیربل بولا: "حضور، یہ بالکل سیدھی سی بات ہے۔ میں جب حیران کھڑا سوچ رہا تھا تو اس وقت تمام دوسرے حضرات آپ کی جانب دیکھ رہے تھے تاکہ آپ کے تاثرات معلوم کر سکیں لیکن آپ سیدھے میری طرف دیکھ رہے تھے۔"

شاہ ایران نے کہا: "واقعی تم بڑے ہوشیار ہو۔ آج سے تم کو "بحر ذہانت" کے لقب سے پکارا جائے گا۔" پھر بیربل کو شاہ ایران نے نہایت قیمتی تحفے دے کر رخصت کیا۔

شاہی مہر

اکبر اکثر بھیس بدل کر شہر میں گھومتا رہتا تھا۔ بیربل کو اکبر کی یہ حرکت پسند نہ تھی کیوں کہ وہ اس کو خطرناک سمجھتا تھا۔ ایک دن اکبر نقلی ڈاڑھی لگا کر روانہ ہونے لگا تو بیربل سے کہا: "اچھا بیربل! اب میں چلتا ہوں۔" بیربل نے کہا: "جہاں پناہ! آپ کو یہ عادت چھوڑ دینا چاہیے۔ ایک شہنشاہ کی زندگی بڑی قیمتی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس کی حفاظت اچھی طرح کرنی چاہیے۔"

بہر حال تھوڑی دیر بعد جب اکبر ایک سڑک پر چلا جا رہا تھا تو اسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ چناں چہ اکبر رک گیا۔ جو شخص اکبر کا پیچھا کر رہا تھا وہ بھی رک گیا اور ایک دکان کی طرف دیکھنے لگا۔ اکبر نے جا کر اس شخص سے پوچھا: "تمھارا کیا نام ہے؟" وہ بولا: "سیلانی۔" اکبر نے پوچھا: "کیا کام کرتے ہو؟" وہ بولا: "بس گھومتا رہتا ہوں۔" اکبر نے پوچھا: "کہاں رہتے ہو؟" وہ بولا: "ہر جگہ۔" اکبر کو ان جوابات سے اتنا غصہ آیا کہ وہ بھول گیا کہ اس وقت وہ بھیس بدلے ہوئے ہے۔ اکبر نے کہا: "جانتے ہو میں کون ہوں؟" وہ آدمی بولا: "ایک انسان ہو جیسے کہ ہوتے ہیں۔" اکبر کو اور بھی طیش آگیا۔

چناں چہ اس نے اپنی شاہی مہر نکال لی اور اس آدمی کو دکھا کر بولا: "میں شہنشاہ ہوں۔ یہ دیکھو میری شاہی مہر۔" وہ آدمی بولا: "ذرا دیکھوں۔" اکبر نے مہر دے دی۔ اس آدمی نے اسے اپنے نیفے میں گھونس لیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اب اکبر کو خیال آیا کہ کیا حماقت کر بیٹھا ہے۔ وہ چلایا: "چور، چور، پکڑو، پکڑو!" لوگ اس آدمی کے پیچھے دوڑ پڑے اور آخر اسے پکڑ لیا۔ پکڑے جانے کے بعد وہ آدمی چلایا: "بے وقوفو! تم جانتے ہو میں کون ہوں۔ میں شہنشاہ ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے شاہی مہر نکال کر سب کو دکھائی اور بولا: "اب تم کو یقین آگیا ہوگا۔" سب لوگ بول اٹھے: "جہاں پناہ! معاف کیجیے۔ ہم لوگ ایک پاگل کے کہنے پر آپ کے پیچھے دوڑ پڑے اور آپ کو پکڑ لیا۔" یہ سن کر اکبر گھبرایا اور سوچنے لگا کہ بس اب محل واپس چلنا چاہیے ورنہ یہ لوگ مجھے مارنے لگیں گے۔ ا[illegible] ہی میری مدد کر سکتا ہے مگر وہ تو ہمیشہ مجھے اکیلے جانے سے منع کر

رہا ہے۔ اس کا سامنا کیسے کروں گا۔

چنانچہ ان ہی خیالات میں غرق اکبر اپنے محل میں پہنچ گیا۔ وہاں کیا دیکھتا ہے کہ ایک گٹھری رکھی ہوئی ہے۔ اس کو جو کھولا تو اس کے اندر شاہی مہر رکھی ہوئی تھی اور ایک خط بھی تھا۔ خط میں لکھا تھا: "کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ شہر میں اکیلے جانا آپ کے لیے خطرناک ہے۔ شاہی مہر کھو جانے سے بھی بدتر حادثات ہو سکتے ہیں۔ بیربل"

اکبر سمجھ گیا کہ وہ شخص جو شاہی مہر لے بھاگا تھا بیربل ہی تھا۔ اکبر نے دل میں کہا کہ اب میں نے سبق سیکھ لیا۔

سعالین انصاری

غیبت کی مذمت

وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ

کسی کی ٹوہ میں نہ رہو اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرے۔ بھلا تم میں کسی کو یہ پسند ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اور تم اس کو برا سمجھو۔

تفسیر

جو شخص ہمارے سامنے نہیں، اس کی عزت ہم پر واجب ہے۔ کون ہے جو اپنے بھائی کی لاش سے گوشت نوچ نوچ کر مزے سے کھائے گا۔ پھر کیسا نادان ہے انسان! جو آدمی ہماری محفل میں نہیں اس کی بے حرمتی کیا بے جان ایک لاش کی بے حرمتی نہیں؟ اس لیے کہ یہ دونوں ہماری باتوں کا جواب نہیں دے سکتے۔ یہ مثال اگرچہ سخت ہے۔ لیکن غیبت کی خباثت کو ظاہر کرنے کے لیے کلام الٰہی کا یہ ایسا نشتر ہے جو اخلاق کے کسی طبیب و ڈاکٹر کے پاس تم کو نہ ملے گا۔ حضورؐ نے فرمایا ہے "غیبت یہ ہے کہ کوئی اپنے بھائی کی نسبت ایسا ذکر کرے جو اس کو ناگوار گزرے" صحابہؓ نے دریافت فرمایا، اگر وہ بات اس میں موجود ہے؟ آپؐ نے فرمایا، جب ہی تو غیبت ہے، اگر نہیں ہے تو پھر وہ بہتان ہے

میرا وطن

خالد محمود

جس سرزمین میں انسان پیدا ہوتا ہے اور اپنی زندگی کے دن رات گزارتا ہے وہ اس کا وطن کہلاتا ہے۔ وہ جگہ جہاں کسی کے عزیز، رشتے دار بستے ہیں، جہاں اس کی پسندیدہ چیزیں ہوتی ہیں، جس جگہ کے در و دیوار کے ساتھ اس کی یادیں وابستہ ہوتی ہیں انھیں انسان کبھی نہیں بھلا سکتا۔ وہ ان یادوں کو اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ سمجھتا ہے۔ خالق کائنات نے انسان کو ایسا دل دیا ہے کہ وہ محبت کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ انسانی محبت کی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں وطن کی محبت کا جذبہ ہمیشہ باوقار سمجھا جاتا ہے۔ اس جذبے کی وجہ سے انسانوں نے کئی بار اپنی جان پر کھیل کر وطن کو دشمنوں سے بچایا ہے۔ اپنے وطن کے کانٹے پردیس کے خوب صورت پھولوں سے زیادہ دل کش ہوتے ہیں۔ جس گھر میں انسان چند روز رہے اس کے در و دیوار سے محبت ہو جاتی ہے۔ پرندے جس درخت پر گھونسلا بناتے ہیں اس سے دیوانہ وار پیار کرتے ہیں۔ کوئی آدمی کسی دوسرے ملک میں کتنا ہی خوش حال کیوں نہ ہو پھر بھی وطن کی یاد اسے ضرور ستاتی ہے۔ اسے اپنے وطن کی کچی گلیاں، ٹوکیو اور پیرس کی شان دار سڑکوں سے زیادہ دل فریب اور حسین معلوم ہوتی ہیں۔

وطن کی سرزمین سے بے شمار فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی پیداوار کھا کر ہم پرورش پاتے ہیں۔ اس کے دریاؤں، ندیوں، نہروں، سبزیوں، پھلوں اور پھولوں سے ہم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس کے درختوں کے سائے ہمیں آرام فراہم کرتے ہیں۔ اس کی دھوپ اور چاندنی ہمارے لیے زندگی کا پیغام بن کر آتی ہے۔ اس کی ہوائیں اور فضائیں ہمیں میٹھے میٹھے گیت سناتی ہیں اور اس کے اونچے برف پوش پہاڑ ہمیں تحفظ کا احساس دلاتے ہیں۔

وطن کی محبت بے غرض خدمت کا تقاضا کرتی ہے۔ اس لیے لوگ وطن کی عزت کے امین ہوتے ہیں اور اس امانت کا حق ادا کرتے ہیں۔ اپنے عیش و آرام کا ہر لمحہ وہ وطن کی نذر کرتے ہیں۔ جو لوگ وطن سے محبت نہیں کرتے انھیں کبھی اچھے لفظوں میں یاد نہیں کیا گیا اور وطن کی خاطر قربانیاں دینے والوں کی یادگاریں تعمیر کی جاتی ہیں۔

نظامِ شمسی کے سیارے

احمد خاں خلیل

تعارف

کائنات کا وہ حصہ جس میں سورج کے گرد نو سیارے گردش کرتے ہیں نظام شمسی کہلاتا ہے۔ سورج کی طرف سے پہلا سیارہ عطارد (MERCURY) ہے' دوسرا زہرہ (VENUS)' تیسرا زمین (EARTH)' چوتھا مریخ (MARS)' پانچواں مشتری (JUPITER)' چھٹا زحل (SATURN)' ساتواں یورانس (URANUS)' آٹھواں نیپچون (NEPTUNE) اور نواں پلوٹو (PLUTO)۔

اگر ایک بڑے گیند میں اوپر سے نیچے بالکل درمیان میں ایک کیل فرض کریں اور اس کیل کے گرد وہ گیند گھومے تو کیل کو محور کہتے ہیں اور اس کے گرد گردش کو محوری گردش کہتے ہیں۔ اس ایک گردش میں دن اور رات شامل ہوتے ہیں۔ ہر سیارہ اپنے محور پر گردش کرتا ہے اور اس کے دن رات کی لمبائی کو زمین کے دن اور رات کی نسبت سے بتایا جاتا ہے۔

محوری گردش کے علاوہ ایک اور گردش ہے۔ نو کے نو سیارے سورج سے مختلف فاصلوں پر واقع ہیں۔ جس جس جگہ وہ واقع ہیں وہاں سے ایک دائرے جیسے راستے پر سورج کے گرد چکر لگاتے ہیں۔ سورج کے گرد جس راستے پر چکر لگایا جاتا ہے اس کو مدار کہتے ہیں اور راستے پر پورا ایک چکر کاٹنے کو مداری گردش کہتے ہیں۔ زمین مداری گردش ایک سال میں پورا کرتی ہے۔ دوسرے سیاروں کی مداری گردش (یعنی ان کے سال کو) زمین کے سال کی نسبت سے بیان کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر مشتری کی محوری گردش زمین کی محوری گردش سے آدھے سے کم وقت میں پوری ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں مشتری کی محوری گردش زمین کے اعشاریہ ۴۱ دن (۰٫۴۱) کے برابر ہے اور اس کی (مشتری) کی مداری گردش زمین کے ۱۱٫۸۶۵ سالوں کے برابر ہے۔

دو خاکے
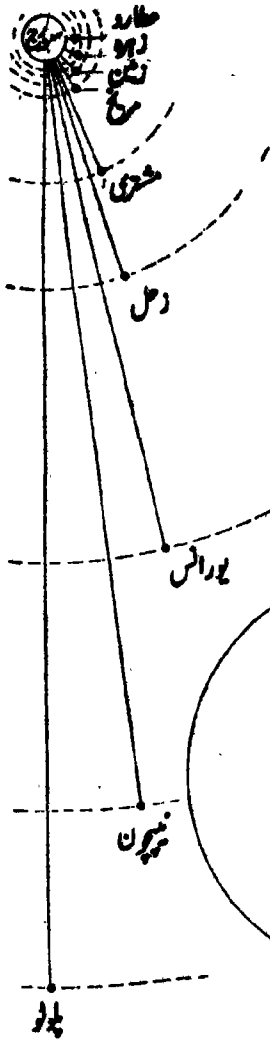
یہاں جو خاکہ دیا جا رہا ہے
اس سے ایک نظر میں سورج
سے ہر سیارے کے فاصلے کا
اندازہ ہو سکتا ہے۔
گول دائرے سے یہ ظاہر ہوتا
ہے کہ یہ سیارہ دوسرے
سیارے سے کتنا بڑا یا چھوٹا
ہے۔
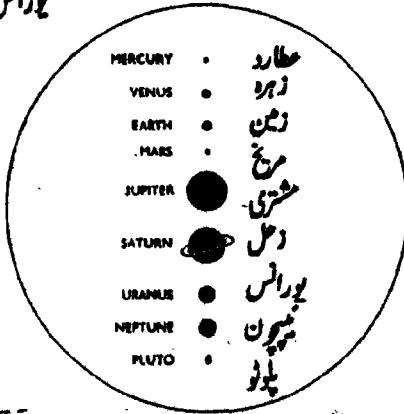
کسی چیز میں مادے کی جو مقدار ہوتی ہے اس کو کمیت (Mass) کہتے ہیں۔ زمین کی کمیت "ایک" فرض کی گئی ہے۔ مثال کے طور زمین کی کمیت "ایک" ہے اور زحل کی ۹۵ ہے۔ آسان زبان میں اس کا مطلب یہ ہے کہ زحل، زمین سے ۹۵ گنا بڑا ہے۔

نظام شمسی میں سورج کے گرد نو سیارے نو مختلف مداروں میں گھومتے رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ اپنے محور پر بھی گھومتے ہیں۔ یعنی ان کے اپنے دن رات بھی ہیں اور سال بھی ہیں۔

ہم ہر مہینے ایک سیارے کا بیان اور اس کی تصویر شائع کریں گے۔

ہر سیارے کے بیان میں اس کا سورج سے فاصلہ، دن اور سال کی پیائش، قطر، کمیت وغیرہ درج ہے۔ اس طرح اگر کسی سیارے کا کوئی چاند ہے جیسے زمین کا ایک چاند ہے، اس کو بھی بیان کر دیا گیا ہے۔

عُطارِد

سورج کی طرف سے پہلا سیارہ عطارد (MERCURY) ہے۔ اس کے بارے میں اہم معلومات یہ ہیں:

سورج سے اوسط فاصلہ	۹ء۵۷ ملین کلو میٹر
اس کا ایک دن زمین کے	۶ء۵۸ دنوں کے برابر ہے
اس کا ایک سال زمین کے	۲۴۰۸ء سال یا زمین کے ۹ء۸۷ دن کے برابر ہے۔
اس کا قطر	۴۸۷۸ کلو میٹر ہے۔
اس کی کمیت، زمین کی کمیت کا	۰۵۵۸ء ہے
اس کا چاند	کوئی نہیں

کسی زمانے میں لوگ یہ سمجھتے تھے کہ عطارد سب سے چھوٹا اور سب سے گرم سیارہ ہے اور اس کا ایک رخ ہمیشہ سورج کی طرف رہتا ہے۔ خلائی جہازوں، راڈار اور دوربینوں نے اس خیال کو غلط ثابت کر دیا ہے۔

عطارد کی یہ تصویر خلائی جہاز میرینر ۱۰ (MARINER 10) نے مارچ ۱۹۷۴ء میں لی تھی۔ اس تصویر میں عطارد کا قطب شمالی اوپر کی طرف ہے۔

پلوٹو سب سے چھوٹا سیارہ ہے اور زہرہ سب سے گرم ہے۔ عطارد البتہ سب سے زیادہ گنجان ہے۔ اس کے اندرونی حصے میں بہت زیادہ خام لوہا پایا جاتا ہے۔ اس کا یہ اندرونی حصہ یا قلب کسی قدر پگھلا ہوا ہے۔ یہ ڈائنمو کی طرح مقناطیسی میدان بناتا ہے' زمین کی طرح کا' مگر اس سے کچھ کم زور۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اگرچہ عطارد کی سطح پتلی سی ہے' لیکن اس سے حرارت نکل کر خلا میں نہیں گئی۔ عطارد کی مداری گردش کی رفتار خاصی سست ہے۔ (اس کا سال زمین کے تقریباً ۸۸ دنوں کے برابر ہے۔) اس لیے ڈائنمو کے عمل کی پیمائش مشکل کام ہے۔

ماضی میں سائنس دانوں کا یہ خیال تھا کہ عطارد تقریباً چاند جیسا ہے' لیکن یہ صحیح نہیں۔ اس کی سطح پر جو گڑھے ہیں' ان کے درمیانی میدان آہستہ آہستہ لڑھکتے رہتے ہیں' اس لیے

اس کی سطح کا عکس مختلف ہوتا ہے۔ خیال ہے کہ جب یہ سیارہ وجود میں آنے کے بعد ٹھنڈا ہوا تھا تو اس کی سطح سخت ناہموار (اونچی نیچی) ہو گئی تھی۔ اس کی سطح پر سورج کی طرف سے ہوا آتی ہے' شاید اس وجہ سے اس کی فضا پتلی ہے۔ بعض سائنس دان تو پہلے یہ سمجھتے تھے کہ اس کی کوئی فضا ہے ہی نہیں۔

زمین سے اس سیارے کی جھلک دیکھنی مشکل ہے۔ کیوں کہ سورج کی چمک دمک کی وجہ سے یہ صحیح طور پر نظر نہیں آتا' لیکن فنی لحاظ سے ایسے جدید اور ترقی یافتہ خلائی جہاز سے جو حرارت کی شدت کو برداشت کرنے کے قابل ہو' ایسی معلومات دست یاب ہو سکتی ہیں۔ (جاری)

ماماجی کے راکٹ پر ہم چاند کی سیر کو جائیں گے

جیمس اروِن نے چاند کی سطح پر بیٹری سے چلنے والی یہ "موون بگی،، ۲۷ کلومیٹر سے بھی زیادہ فاصلے تک چلائی۔ جیمس اروِن ۱۹۷۱ء میں "اپالو ۱۵،، پر بیٹھ کر چاند پر گئے تھے۔

یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب بندوق ایجاد نہیں ہوئی تھی اور لوگ تیر کمان سے شکار کھیلتے تھے۔ ایک دن کچھ شکاری شکار کی تلاش میں جنگل میں پھر رہے تھے کہ اچانک ان کی نظر ایک ہرن پر پڑی۔ وہ سب اس کے پیچھے ہو لیے۔ شکاری ہرن کو چاروں طرف سے گھیر رہے تھے اور ہرن اپنی جان بچانے کے لیے تیزی سے بھاگ رہا تھا۔ جب وہ بھاگتے بھاگتے تھک گیا تو ایک گھنی انگور کی بیل کے اندر جا چھپا۔ شکاریوں نے اسے بہت تلاش کیا' لیکن اس کا کچھ پتا نہ چلا۔ آخر مایوس ہو کر وہ وہاں سے لوٹنے لگے۔ جب کچھ وقت گزر گیا تو ہرن نے سوچا کہ اب خطرہ ٹل گیا ہے اور وہ بے فکر ہو کر مزے سے اسی انگور کی بیل کے پتے کھانے لگا' جس میں وہ چھپا ہوا تھا۔ ایک شکاری جو سب سے پیچھے تھا جب وہاں سے گزرا تو انگور کی بیل اور اس کے گچھوں کو ہلتے دیکھ کر سمجھا کہ یہاں ضرور کوئی جانور چھپا ہے۔ اس نے تاک کر کئی تیر مارے۔ اتفاق سے ایک تیر ہرن کے جا لگا اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ مرتے ہوئے ہرن نے اپنے دل میں کہا "اے بدبخت! تیری ناشکری کی یہی سزا ہے۔ مصیبت کے وقت جس نے تجھے پناہ دی تو نے اسی پر ظلم ڈھایا۔"

اتنے میں شکاری بھی وہاں پہنچ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی ہرن مرا پڑا ہے!
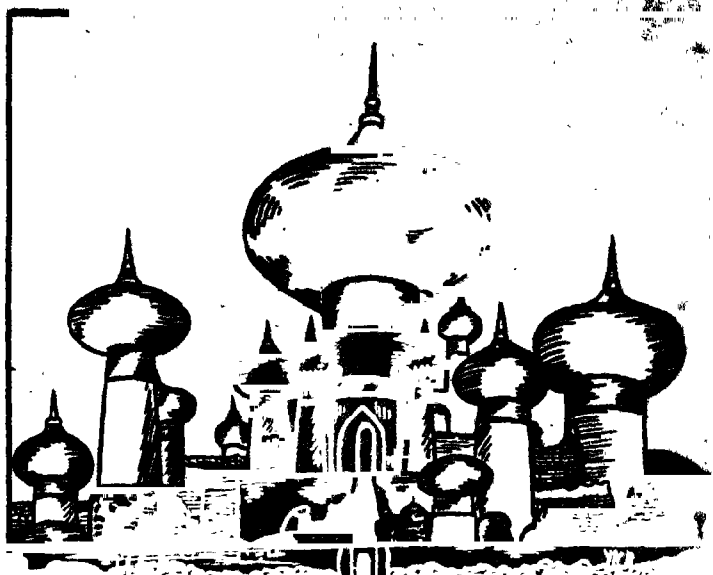
الہ دین اور چالیس دیو

شرجیل عباسی، دہران (سعودی عرب)

بہت عرصے پہلے کی بات ہے کہ ملک ا لکمونیہ میں ایک غریب اور یتیم لڑکا الہ دین اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک کتا تھا جس کا نام جیک تھا۔ الہ دین کی ماں دن بھر لوگوں کے گھر کام کرتی تھی۔ ان کا گزارا بڑی مشکل سے ہوتا تھا۔

ایک بار الہ دین کی ماں سخت بیمار پڑ گئی۔ نوبت فاقوں تک آپہنچی۔ گھر کے سارے برتن ایک ایک کرکے بک گئے۔ اب گھر میں صرف ایک گائے اور ایک بکرا بچا تھا۔ الہ دین کی ماں نے الہ دین سے کہا کہ گائے اور بکرے کو بیچ کر روٹی لے آؤ۔ باقی پیسے سنبھال کر لانا۔

الہ دین منڈی پہنچ گیا۔ اس کے ساتھ اس کا کتا جیک، گائے اور بکرا تھا۔ منڈی میں ایک بُری صورت والا بوڑھا اس سے کہنے لگا: "میرے پاس جادو کے بیج ہیں اور ایک جادوئی قالین

ہے جو رباب کے بجنے پر اڑتا ہے' مگر رباب تمھیں خود ڈھونڈنا ہوگا۔ اگر تمھیں یہ چیزیں چاہئیں تو مجھے اپنی گائے دے دو۔" الہ دین نے اپنی گائے دے کر اس سے بیج اور قالین لے لیے۔

تھوڑی دیر بعد ایک اور بوڑھا آیا اور اس نے الہ دین سے کہا :

"بیٹا! میں بوڑھا ہوگیا ہوں اور میرے پاس پیسے بھی ختم ہوگئے ہیں۔ میرے پاس یہ ایک سونے کا چراغ ہے۔ اگر تم مجھے اپنا بکرا دے دو تو میں تم کو یہ چراغ دے دوں گا۔ یہ تمھارے بہت کام آئے گا۔"

الہ دین نے سوچا کہ یہ سودا بھی بُرا نہیں۔ اس نے اپنا بکرا دے کر سونے کا چراغ لے لیا۔ پھر الہ دین اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

گھر پہنچا تو اس کی ماں نے اپنا سر پیٹ لیا۔ اس نے چراغ اور قالین کونے میں پھینک دیے اور بیج اپنے باغیچے میں پھینک دیے اور دونوں بھوکے ہی سوگئے۔

صبح جب الہ دین کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اس کے باغیچے میں ایک بہت بڑی بیل اُگ آئی ہے جس میں بڑی بڑی پھلیاں لگی ہوئی ہیں۔ پھلی کی یہ بیل آسمان تک جارہی تھی۔ الہ دین نے اپنی ماں کو بلا کر بیل دکھائی تو ماں بھی بڑی حیران ہوئی۔ پھر اسے یاد آیا کہ جہاں اس نے بیج پھینکے تھے' یہ بیل وہاں سے اُگی ہے۔ اب تو وہ بہت خوش ہوئی۔ اس نے جیک اور الہ دین سے کہا کہ جاؤ اور پھلیاں توڑ لاؤ۔ الہ دین اوپر چڑھا اور اس نے پھلیاں توڑ توڑ کر نیچے پھینکنی شروع کیں۔ اب وہ کافی اوپر تک آگیا۔ اس نے سوچا کہ دیکھوں آخر یہ بیل کہاں تک جارہی ہے۔ وہ چڑھتا چلا گیا۔ اب ہر طرف اسے بادل ہی بادل نظر آرہے تھے۔ سامنے ہی اسے ایک بہت بڑا محل نظر آیا۔ وہ سیدھا اس کے دروازے پر پہنچا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ ایک دیوزاد عورت نے دروازہ کھولا اور الہ دین سے پوچھا :

"اے لڑکے! تم یہاں کیسے آئے ہو؟ کیا تمھیں پتا نہیں کہ یہ جگہ خطرناک ہے۔ یہاں چالیس چور رہتے ہیں جو دیو ہیں۔"

الہ دین ڈرتے ڈرتے بولا : "میں بہت دور سے آیا ہوں۔ مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔ کچھ کھانے کو دے دیں۔"

دیوزاد عورت جس کا نام مونیکا تھا اسے اندر لے آئی اور کھانا لا کر اس کے آگے رکھ دیا۔
ابھی وہ کھانا کھا ہی رہا تھا کہ دھم دھم کی آواز آنے لگی۔ مونیکا گھبرا کر الہ دین کے پاس آئی اور بولی : "جلدی سے کہیں چھپ جاؤ۔ دیو آرہے ہیں۔ وہ تمھیں کھا جائیں گے۔"

الہ دین بھاگ کر ایک کمرے میں گھس گیا جہاں ہیرے جواہرات کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ دیو اندر آتے ہی چیخنے لگے : "آدم بو! آدم بو! یہاں کوئی آدم زاد آیا ہے۔"

مونیکا نے ان سے کہا : "میں نے آپ کے لیے جو کباب بنائے ہیں یہ ان کی خوش بو ہے۔"

ایک دیو نے کہا : "اچھا جلدی کھانا لاؤ۔ ہمیں بھوک لگ رہی ہے۔"
جب وہ سب چالیس دیو کھانا کھا چکے تو انھوں نے مونیکا سے کہا :
"جاؤ ہمارا رباب اور مرغی لاؤ۔"
مونیکا مرغی اور رباب لے کر آگئی تو دیو نے کہا :
"اے رباب! ہمیں اچھا سا گانا سناؤ!" رباب خود بخود بجنے لگا اور مرغی ناچنے لگی۔ ناچتے ناچتے اس نے ایک دم چالیس سونے کے انڈے دیے جو سردار نے اپنے ساتھیوں میں بانٹ

دیے۔ گانا سنتے سنتے ڈاکو سوگئے۔ الہ دین نے سونے چاندی کے کچھ زیورات ایک تھیلی میں بھر لیے۔ پھر اس کو یاد آیا کہ قالین کے لیے ایک جادوئی رباب کی ضرورت تھی لہٰذا کیوں نہ یہ بھی لے لوں۔ اس نے رباب اٹھا لیا اور آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اسی وقت وہ دروازے سے ٹکرا گیا۔ سب دیووں کی آنکھ کھل گئی۔ انھوں نے جب دیکھا کہ ان کا رباب غائب ہے تو وہ اسے ڈھونڈنے لگے۔ اتنے میں الہ دین بیل تک پہنچ گیا اور نیچے اترنے لگا۔ وہ جلدی جلدی اتر کر اپنی ماں کے پاس آیا اور ماں سے کہا : "دیکھو ماں ! میں کیا لایا ہوں۔"

الہ دین کی ماں نے جب سونے کی ڈھیروں چیزیں دیکھیں تو بہت خوش ہوئی۔ اس نے سوچا کہ کیوں نہ ان چیزوں کے ساتھ ساتھ چراغ کو بھی بیچ دیا جائے۔ یہ سوچ کر وہ چراغ اٹھا کر اسے صاف کرنے لگی۔ اچانک اس میں سے دھواں نکلنے لگا اور ایک جن نمودار ہوا۔ وہ زور سے دہاڑا : "کس نے مجھے آزاد کیا؟"

الہ دین اور اس کی ماں جن کو دیکھ کر پہلے تو بہت ڈرے اور پھر بولے : "ہم نے تمھیں آزاد کیا۔"

جن زور سے گرجا : "آقا! میں آپ کا غلام ہوگیا ہوں۔ میرا نام علی بابا جن ہے۔ میں آپ کی کوئی سی چار خواہشیں پوری کر سکتا ہوں اور اس کے بعد آزاد ہو جاؤں گا۔"

الٰہ دین نے اس سے کہا کہ ہمیں بھوک لگ رہی۔ ہمارے لیے کھانا لاؤ۔

جن نے کہا : "ابھی لو میرے آقا!"

پھر اس نے ایک پتیلی الٰہ دین کو دی اور اس سے کہا : "آقا! آپ کو جو چاہیے اس کی نیت کرکے ہاتھ اس پتیلی میں ڈال کر نکال لیں۔"

پھر الٰہ دین نے کہا : "اب ہمارے اس گھر کو ایک عالی شان حویلی میں تبدیل کردو۔"

یہ کہنے کی دیر تھی کہ دیکھتے ہی دیکھتے گھر ایک شان دار حویلی میں تبدیل ہوگیا۔ اب الٰہ

دین نے سوچا کہ کیوں نہ رباب کو آزما کر دیکھا جائے۔ اس نے رباب کو قالین پر رکھا اور خود بھی قالین پر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے رباب سے کہا :

"اے رباب ! مجھے گانا سناؤ۔" اس کا یہ کہنا تھا کہ رباب بجنے لگا۔ رباب بجنے کی دیر تھی کہ قالین اڑنے لگا۔ الٰہ دین یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔

دوسرے روز الٰہ دین نے سوچا کہ کیوں نہ دیوؤں کی سونے کے انڈے دینے والی مرغی محل سے لائی جائے۔ وہ قالین پر بیٹھا اور رباب کو بجنے کا حکم دیا۔ ساتھ ہی اس نے چراغ بھی رکھ لیا۔ قالین اوپر کی طرف جانے لگا۔

اوپر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہاں سخت پہرا لگا ہوا ہے۔ تمام دیو محل کے چاروں طرف گھوم رہے تھے۔ الٰہ دین چپکے چپکے آگے بڑھتا گیا۔ جب محل کے قریب پہنچا تو اسے اندر جانے کا کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ اس نے دیکھا کہ محل کے پیچھے سے ایک راستہ غار کے اندر جاتا ہے۔ وہ ادھر پہنچا اور غار کے اندر گھسنے کی کوشش کرنے لگا' مگر غار کا دروازہ کسی طرح نہیں کھل رہا تھا۔ اتنے میں اس نے دیکھا کہ دیوؤں کا سردار آرہا ہے۔ وہ بھاگ کر دور چلا گیا۔ دیو غار کے پاس آیا اور زور سے کہا : "کھل جا سم سم !" اور دروازہ کھل گیا۔ سردار اندر چلا گیا تو دروازہ پھر بند ہوگیا۔

تھوڑی دیر بعد سردار دیو محل کے اندر سے نکل کر باہر چلا گیا۔ اب الٰہ دین غار کے دروازے کے پاس آیا اور زور سے کہا : "کھل جا سم سم !" اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ اندر آکر اس نے دیکھا کہ وہ جس کمرے میں ہے وہاں بہت سارے زیورات ہیں اور وہیں مونیکا بھی بندھی پڑی ہے۔ الٰہ دین نے جلدی جلدی مونیکا کو کھولا۔ مونیکا نے آزاد ہوتے ہی الٰہ دین سے کہا : "یہاں سے بھاگ جاؤ ورنہ دیو تمھیں مار دیں گے۔"

الٰہ دین نے کہا : "آپ فکر نہ کریں۔"

پھر اس نے اپنے چراغ والے جن کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ بہت سے لذیذ کبابوں کے انتظام کرو' جن میں زہر ملا ہو۔ جن نے کہا : "ابھی لو میرے آقا !" اور دیکھتے ہی دیکھتے کبابوں کا ڈھیر اس کے سامنے حاضر ہوگیا۔ الٰہ دین نے مونیکا سے کہا کہ مرغی لاؤ۔ مونیکا مرغی لے آئی۔ پھر الٰہ دین نے چراغ والے جن سے کہا کہ سب کباب باہر رکھ دو۔ باہر آکر دیو

جلدی جلدی کباب کھانے لگے اور ایک ایک کر کے سب مر گئے۔ الہ دین نے مونیکا کو آزاد کر دیا اور جن کو حکم دیا کہ یہ سارا مال و دولت میرے گھر پہنچا دو۔ پھر وہ پچھلے دروازے پر آیا اور کہا : "کھل جا سم سم !" دروازہ کھل گیا۔ وہ باہر نکل کر بھاگنے لگا۔ اتنے میں سردار دیو واپس آگیا۔ اس نے اپنے محل کی جو یہ حالت دیکھی اور اپنے ساتھیوں کو مرے ہوئے دیکھا تو اس کو بہت غصہ آیا۔ اس نے دیکھا کہ دور کوئی اس کی مرغی کو لے کر بھاگ رہا ہے۔

ادھر الہ دین نے جب یہ دیکھا کہ سردار دیو اسے پکڑنے آرہا ہے تو وہ بھاگتا ہوا قالین پر بیٹھ گیا اور قالین اڑنے لگا۔ وہ جلدی جلدی نیچے آیا۔ اس کے پیچھے سردار دیو بھی تیزی سے نیچے آرہا تھا۔ الہ دین نے اپنی ماں سے کہا : "اماں، مجھے ایک کلہاڑی دو۔" اس کی ماں نے اسے کلہاڑی دی۔ الہ دین جلدی جلدی کلہاڑی سے بیل کاٹنے لگا۔ سردار دیو تیزی سے نیچے آرہا تھا۔ آخر بیل کٹ گئی اور ظالم دیو بلندی سے نیچے گر کر مر گیا۔ چراغ کے جن نے ساری دولت الہ دین کے گھر میں لا کر رکھ دی اور الہ دین نے جن کو آزاد کر دیا۔

دِل کی باتیں

مسعود احمد برکاتی

کہیں آپ یہ نہ سمجھ لیں کہ میں اس وقت آپ کا تعارف کسی شاعر سے کروا رہا ہوں جن کا تخلص دل ہے۔ جی نہیں، میری مُراد اُس دل سے ہے جو آپ کے سینے میں دھڑک رہا اور عمر بھر دھڑکتا رہے گا۔ دل کے اتنے قریب ہونے کے باوجود اور دل سے اتنی خدمت لینے کے بعد بھی بہت سے لوگ دل کے متعلق کم، بہت کم جانتے ہیں۔ اس لیے آیئے آج دل کے متعلق کچھ ضروری اور ابتدائی سوالات کر کے اپنی معلومات جانچیں۔

دل یا قلب ایک مکمل اور بہترین مشین ہے۔ ایک ایسی مشین جو خود بخود چلتی رہتی ہے اور مسلسل چلتی رہتی ہے۔ دل بہت مضبوط ہوتا ہے، اتنا مضبوط کہ پیدائش سے لے کر موت تک متواتر کام کرتا رہتا ہے، لیکن پھر بھی نہیں تھکتا۔ آیئے ان سوالات پر غور کریں :

۱۔ ایک بالغ آدمی کے دل کا وزن کتنا ہوتا ہے؟

ایک بالغ آدمی کے دل کا وزن صرف گیارہ اونس (ساڑھے پانچ چھٹانک) ہوتا ہے۔

۲۔ اگر ایک آدمی کی عمر ستّر سال ہو تو اُس کا دل کتنی بار حرکت کر چکا ہو گا؟

ذرا سنبھل کر جواب سنیئے : دو ارب پچاس کروڑ بار۔ جی ہاں، دل ایک دن میں ایک لاکھ بار کے قریب دھڑکتا یا حرکت کرتا ہے۔

۳۔ آپ کا دل ایک دن میں کتنے گیلن خون پمپ کرتا، یعنی جسم میں دوڑاتا ہے؟

دس بیس گیلن نہیں، سو دو سو، ہزار گیلن بھی نہیں، بلکہ پورے دو ہزار گیلن خون آپ کا یہ ننھا سا دل پمپ کرتا ہے۔ کہیئے ہے محنتی خادم؟ تو آپ بھی ذرا محنت کی عادت ڈالیں۔

۴۔ آپ کے جسم میں بہت سی رگیں ہیں۔ یہ رگیں جسم سے دل میں اور دل سے جسم میں خون لاتی لے جاتی ہیں۔ ان سب کو ملا کر اگر ان کی لمبائی ناپی جائے تو کتنی ہو گی؟

آپ کو یہ بتائے دیتے ہیں کہ یہ لمبائی گزوں میں نہیں ہے، تو پھر فرلانگوں میں ہو گی؟ جی

نہیں، میلوں میں ہے۔ ساٹھ ہزار میل ! یقین نہیں آرہا ہے، مگر یہ حقیقت ہے۔ آپ کو یقین کرنا پڑے گا۔ اچھا یہ بھی سمجھ لیجئے کہ جن رگوں کو سُرخ خون جاتا ہے وہ شریانیں یا شرائین کہلاتی ہیں۔ ایسی ایک رگ کو شریان کہیں گے۔ جن رگوں میں سیاہی مائل نیلے رنگ کا یعنی ناصاف خون گردش کرتا ہے ان کو وریدیں یا اَورِدَہ کہتے ہیں۔ اَورِدَہ جمع ہے وَرِید کی یعنی ایک رگ کو ورید کہیں گے۔ کچھ رگیں بال سے بھی زیادہ باریک ہوتی ہیں۔ ان کا جال گوشت کے اندر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ ان رگوں کو عُروقِ شَعْرِیَّہ کہتے ہیں۔ عُروق جمع ہے عِرق کی۔ عِرق کے معنی رگ۔ شعر کے معنی بال۔ شَعْرِیَّہ کے معنی ہوئے بال جیسی۔ عُروقِ شعریہ کا مطلب ہوا بال جیسی باریک رگیں۔

۵۔ ایک اوسط درجے کے آدمی کے جسم میں کتنا خون ہوتا ہے؟

بہت زیادہ نہیں صرف ساڑھے دس پائنٹ۔

۶۔ اگر ایک بالغ آدمی آرام کی حالت میں ہو تو اس کی نبض ایک منٹ میں کتنی بار حرکت کرے گی؟

اس کا جواب تو میرے خیال میں سبھی کو آتا ہوگا کہ آدمی اگر بیمار نہ ہو یا تھکا ہوا نہ ہو تو اس کی نبض ایک منٹ میں ۷۲ بار حرکت کرے گی۔

۷۔ دل عمر بھر آرام نہیں لیتا ! صحیح یا غلط؟

بہ ظاہر یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے، لیکن غلط ہے۔ دل دو دھڑکنوں (حرکات یا ضربات) کے درمیان آدھے سیکنڈ کے لیے آرام کرتا ہے۔

۸۔ دل سارے جسم میں خون کو دوڑاتا یا گردش دیتا ہے۔ اس کا مقصد کیا ہے؟ کیا اس کا مقصد جسم کی ساختوں تک آکسی جن اور غذا کو پہنچانا ہے یا ساختوں کے فضلات کو بہا کر لے جانا؟

جی ! اس گردش کے دونوں مقصد ہیں۔ آکسی جن اور غذا کو پہنچانا بھی اور کاربن ڈائی آکسائڈ کو خارج کرنا بھی۔

۹۔ اگر کوئی آدمی یکایک گر پڑے تو کیا آپ کو کسی معالج کو بلانے کے لیے دوڑ جانا چاہیے یا پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ وہ آدمی ہوش میں ہے یا بے ہوش ہوگیا ہے؟

معالج کو بلانے سے پہلے آپ کو یہ دیکھنا چاہیے کہ گرنے والا آدمی کہیں بے ہوش تو نہیں ہو گیا ہے۔ اگر وہ ہوش میں ہے تو ممکن ہے وہ قے کرنا شروع کر دے۔ اگر ایسا ہو تو اس کو پہلو کے بل لٹا دیجئے اور اس کے سر کو پیچھے کی طرف جھکا دیجئے۔ اگر وہ بے ہوش ہو گیا ہو تو اس کی سانس اور نبض کو دیکھتے رہیے۔ اگر وہ سانس نہ لے رہا ہو' لیکن اس کی نبض چل رہی ہو تو اس کے منہ سے اپنا منہ لگا کر اس کے پھیپھڑوں میں سانس بھر دیجئے۔ اگر سانس اور نبض دونوں غائب ہوں تو پھیپھڑوں میں سانس بھرنے کے ساتھ ساتھ اس کے دل پر بھی مالش کیجئے اور کسی دوسرے آدمی کو معالج کو بلانے کے لیے دوڑا دیجئے۔

۵۔ اگر کسی آدمی کو دل کا دورہ پڑ جائے تو آپ کو کیا کرنا چاہیے؟

دل کے دورے کے وقت ابتدائی طبی امداد (فرسٹ ایڈ) کا طریقہ یہ ہے کہ آپ مریض کے پاس ٹھہرے رہیں اور اُس کی حالت کو غور سے دیکھتے رہیں۔ اگر وہ بے ہوش ہونے لگے یا اُس کے حواس جواب دے چکے ہوں تو اُس کو پہلو کے بل لٹا دیجئے۔ ممکن ہے وہ قے کرے۔ اُس کے منہ سے منہ لگا کر اس کے سینے میں ہوا بھر دیجئے اور ضرورت ہو تو اُس کے دل پر مالش کریں۔ اسی کے ساتھ کسی معالج کو لانے کے لیے بھیج دیجئے۔ جس شخص پر دل کا دورہ پڑا ہو اس کو کوئی محنت کا کام نہ کرنے دیجئے۔ نہ زینہ چڑھنے دیجئے اور نہ نہانے دیجئے۔

اچھا اب دل کی حفاظت' یعنی دل کی مشین کو صحیح سلامت رکھنے اور اس سے زیادہ سے زیادہ دن تک کام لینے کے لیے چند باتیں سُن لیجئے :

۱۔ خوش رہیے۔ فکر اور پریشانی کی عادت نہ ڈالیے۔ کوئی بڑے سے بڑا نقصان ہو جائے ہنسی خوشی برداشت کیجئے۔ اگر آپ صحت مند رہے تو ہر نقصان کی تلافی کر لیں گے۔

۲۔ متوازن غذا کھائیے۔ چکنائی زیادہ نہ کھائیے۔ کھانا کم کھائیے۔ کچھ بھوک رکھ کر کھائیے۔ زیادہ کھانے سے بہت سی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ مٹاپا اور وزن بہت نقصان دہ ہے۔

۳۔ ورزش اور جسمانی محنت کو کسی حالت میں نہ چھوڑیے۔ ورزش سے بہتر صحت کا کوئی دوسرا نسخہ نہیں۔

۴۔ ضرورت سے زیادہ تھکن بھی اچھی نہیں۔ کام اور محنت کے بعد آرام بھی ضروری ہے۔ وقت پر کام اور آرام کیجئے۔

سوچ کی [illegible]
شور صحت کے لیے [illegible] ہے دوستو
کیسا بے ہنگم ٹریفک ہے بشر کے سامنے
شور نے اک زہر بھر ڈالا فضا کے درمیاں
مختلف بیماریوں کو سامنے لاتا ہے شور
آج کے بچوں سے اتنا عرض کرنا ہے ہمیں
منتخب کرنے ہیں تم کو آگہی کے راستے
خود بچو ! اوروں کو بھی محفوظ رکھو شور سے
اس کے نقصانات سے دامن بچانا ہے تمہیں
سارے اخبار و جرائد' سارے شاعر اور ادیب

اب یہاں کچھ شور کے بارے میں [illegible] ہے مجھے
گر تمہیں کچھ شک ہے [illegible] کر دیکھ لو
[illegible] ہے کس قیامت کا نظر کے سامنے
ہے خلا آباد اک ارض و سما کے درمیاں
زہر بن کر ذہن انساں میں اتر جاتا ہے شور
کچھ بھی ہو جینا اسی دھرتی پہ مرنا ہے ہمیں
نونہالان وطن ہو تم ہمارے واسطے
ہاتھ کسنے کا بھلا کیا فائدہ ہے زور سے
کام یہ ہر حال میں کرکے دکھانا ہے تمہیں
شور کے نقصاں لکھیں تو راحت جاں ہو نصیب

شور کے نقصاں کا حامد ! تم کو اندازہ نہیں
یہ اک ایسا گھر ہے جس میں کوئی دروازہ نہیں

اخوّت کا نغمہ

تنویر پھول

جہاں سے تعصب مٹاتے چلو تم
اخوت کا نغمہ سناتے چلو تم

کدورت کی ظلمت کرو دور یکسر
چراغ محبت جلاتے چلو تم

سکھا دو مروت سے رہنا سبھوں کو
لڑائی کی بنیاد ڈھاتے چلو تم

تعصب، حسد اور بغض و کدورت
سدا ان سے دامن بچاتے چلو تم

کھلیں جن کی شاخوں پہ گلہائے الفت
چمن میں وہ پودے اگاتے چلو تم

مٹاؤ کدورت کو بزم جہاں سے
محبت کی دنیا بساتے چلو تم

زمانے سے نفرت کو یکسر مٹا کر
اخوت کا پرچم اڑاتے چلو تم

یہی پھول کہتا ہے اب ساتھیوں سے
یہ پیغام سب کو سناتے چلو تم

سر کی خشکی

س : عمر ۱۵ سال ہے۔ میرے سر میں بہت خشکی ہے اور بال بہت پتلے ہوگئے ہیں۔ سر میں بہت خارش بھی ہوتی ہے۔ دھونے (شیمپو کرنے) اور کنگھی کرنے پر بال اترتے اور ٹوٹتے ہیں۔ ازرہ کرم کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ میمونہ فرید

ج : اکثر نونہال صفائی کی طرف سے غفلت برتتے ہیں' مثلاً دانتوں کی صفائی نہیں کرتے تو مسوڑے کم زور ہوجاتے ہیں۔ دانت ہل جاتے ہیں۔ ناک صاف نہیں کرتے۔ زکام ان کو زیادہ ہوتا ہے۔ ناخن نہیں تراشتے۔ ان میں میل جم جاتا ہے جو کھانے کے ساتھ منہ میں جاتا ہے اور امراض پیدا کرتا ہے۔ یہی حال سر کا ہے۔ اگر روز نہیں تو دوسرے تیسرے دن تو سر صاف کرنا چاہیے۔ صفائی نہ ہو تو میل جم جاتا ہے۔ پھر سر میں خارش شروع ہوجاتی ہے۔ پھر خشکی ہو کر کھال اترنے لگتی ہے۔ بال کم زور ہوجاتے ہیں۔

عظیم نونہالو ! صفائی کا بہت زیادہ خیال رکھا کرو۔ صفائی کو نصف ایمان کہا گیا ہے۔ ہاں تو میمونہ بیٹی ! اب آپ ایسا کریں کہ ہمدرد سے ایک شیشی "روغنِ" کی خرید لیں۔ رات اسے سر میں لگائیں۔ صبح سر دھولیں۔ غالباً ایک ہفتے میں سر کی خشکی اور خارش کو آرام آجائے

گا۔ پھر سر میں ڈالنے کے لیے میں ان دنوں روغن آملہ بنانے کے جتن کر رہا ہوں۔ دو سال سے تحقیق کر رہا ہوں۔ انشاء اللہ جلد یہ بھی مل جائے گا۔

تھکن اور اختلاج

س : عمر ۱۳ سال۔ کام کرتا ہوں تو بہت جلد تھک جاتا ہوں' دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔ چکر بھی آتے ہیں۔ تھوک بہت آتا ہے۔ عثمان شاہ

ج : میاں شاہ صاحب ! یہ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔ میں جب تیرہ سال کا تھا تو دہرہ دون سے مسوری پیدل جایا کرتا تھا۔ اس زمانے میں ایک روپے کے ایک سو انڈے ملا کرتے تھے۔ کوئی پچاس میل کا پہاڑوں کا سفر تھا۔ دو دن میں یہ انڈے ختم ہو جاتے تھے ! اور ہاں ایک بار تو یہ ہوا کہ میں شملے سے چلا تو تیرہ دن پہاڑوں پر چلتا چلتا مسوری پہنچ گیا۔ بیس میل روز چلا کرتا تھا پہاڑوں پر۔

اب آپ اپنا حال دیکھیے کہ ذرا چلے تو سانس پھول گیا۔ تھک گئے۔ اس کی بڑی وجہ سستی ہے۔ اس سستی نے پوری قوم کو ست بنا کر ڈال دیا ہے۔ سب بھول گئے کہ حرکت میں برکت ہے۔ آپ اپنا طبی معائنہ کرالیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو موتی جھرا (ٹائی فائڈ) ہوا ہو اور دل پر اثر ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر ورزش کریں۔ اور کسی پہاڑ پر چڑھنا شروع کریں۔

دل کا مرض

س : میرے چچا جان کی عمر ۵۶ سال ہے' خاصا موٹاپا ہے۔ جب کام کرتے ہیں تو سینے پر جلن محسوس ہوتی ہے۔ پسینا بہت آتا ہے۔ سانس پھول جاتا ہے۔ طبیعت بہت خراب ہو جاتی ہے۔ خصوصاً صبح کو ایسا ہوتا ہے۔ ہر وقت گھٹنوں میں درد بھی رہتا ہے۔ معالج نے کہا ہے کہ یہ دل کا مرض ہے۔ بلال حسین طور'

ج : میری رائے ہے کہ آپ کے محترم چچا جان کو دل کی کوئی تکلیف ہے۔ شاید ان کی خون کی رگیں سکڑ رہی ہیں۔ تنگ ہو رہی ہیں۔ ان کو اپنے دل کا معائنہ کرانا چاہیے۔ جب

تک معائنہ ہو ان کو صبح شام یہ نسخہ پینے کا انتظام کرنا چاہیے۔
بوزیدان ۲ قرص۔ پودینہ ۹ گرام، ادرک تازہ ۳ گرام۔ پان ایک، باریک کتر کے ان تینوں کو ایک کپ پانی میں جوش دیں۔ بوزیدان دو کھا کر اوپر سے یہ جوشاندہ پی لیں۔ مہینے بھر تک اسے جاری رکھیں۔

چہرے پر تل

س : عمر ۲۹ سال ہے۔ میرے چہرے پر تل ہیں جو نہ بڑھتے ہیں اور نہ گھٹتے ہیں۔ رنگ صاف ہونے کی وجہ سے یہ بہت واضح نظر آتے ہیں۔ بیسن سے بھی منھ دھو کر دیکھا، مگر کچھ حل نہ نکل سکا، میں بڑی پریشان ہوں۔ اسا گل

ج : اسا بٹی ! ایسا لگتا ہے کہ آپ نے تل بہت کھائے ہیں جس سے چہرے پر تل نکل آئے ! خیر یہ مسئلہ خاصا ٹیڑھا ہے۔ فی الحال ایسا کریں کہ نمک صافی کے کیپ سول ہمدرد سے لے لیں۔ ایک صبح کھائیں دوسرا شام کو۔ ایک مہینے بعد دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے۔ اللہ مالک ہے۔ لگانے کے لیے کسی اچھے کیمسٹ سے پٹرولیم جیلی وہائٹ لے لیں۔ رات نیم گرم پانی سے منھ دھو کر جیلی لگا کر سو جائیں۔ ایک مہینے تک ایسا کریں۔

چھوٹے گھنگریالے بال

س : عمر ۲۹ سال، میرے بال گھنگریالے ہیں اور بہت چھوٹے ہیں اور ایک بال میں سے دو منھ نکلے ہوئے ہیں۔ ہر طریقہ اپنایا پھر بھی بال سیدھے نہیں ہوتے۔ ثمرین

ج : ابھی چند ہی دنوں کی بات ہے کہ ایک نونہال بچی نے کہا : "انکل ! ایسی ترکیب بتائیں کہ میرے بال گھنگریالے ہو جائیں۔ مجھے وہ بال اچھے لگتے ہیں۔" اب ثمرین ستارہ فرماتی ہیں کہ گھنگریالے بال سیدھے ہو جائیں۔ کوئی ترکیب ہوتی تو میں دونوں کے بال بدل دیتا، مگر ابھی سرجری نے یہاں تک ترقی نہیں کی ہے ! یہ تو بالوں کی جڑ کا معاملہ ہے۔ پیدائشی بات ہے۔ یہ بال تو اب گھنگریالے ہی نکلیں گے۔ کوئی صورت نہیں ہے کہ یہ سیدھے نکلیں۔

میں سلطان احمد اس طرح بت بنا ہوا کھڑا تھا جیسے مجھے کسی نے پتھر کا بنادیا ہو! یہ انکشاف میرے لیے انتہائی سنسنی خیز تھا کہ پرویز مستانہ یعنی میرا ہم شکل جو اس وقت میری جگہ پر فدوکل میں، میری حویلی پر ہے اپنے والدین کا اصلی بیٹا نہیں ہے اور یہ لوگ اسے کہیں سے لائے ہیں۔ بھکاری نے کہا :

"جا چلا جا ادھر سے۔ ان لوگوں کی خدمت کر کے اپنا وقت کیوں برباد کرتا ہے۔ میں ٹھیک کہتا ہوں۔ یہ لوگ تجھے برباد کردیں گے۔ تُو ادھر سے جا اور اپنے ماں باپ کو تلاش کر۔"

میں وہاں سے آگے بڑھ گیا، لیکن میرے دماغ میں ہلچل سی مچ گئی۔ میرے قدم زمین پر صحیح نہیں پڑ رہے تھے اور میں لڑکھڑا رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے اپنے آپ پر قابو پالیا اور قدم جما کر چلتا ہوا ورک شاپ میں پہنچ گیا۔ وہاں استاد برکت کام میں مصروف تھا۔

جتنی تیزی سے اس کے ہاتھ چل رہے تھے اتنی ہی تیزی سے اس کی زبان بھی۔ ایک روز پہلے کسی نے ہنڈا ففٹی موٹر سائکل لا کر وہاں کھڑی کی تھی جس کے ٹائر اور ٹیوب تبدیل ہونے تھے۔ برکت کے ساتھ ایک لڑکا اور تھا جس کا نام فیقہ تھا۔ یہ وہی لڑکا تھا جو ایک روز پہلے ٹھیلے پر بھی آیا تھا اور اسے دیکھ کر میں ٹھیلے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

"مستانے' بڑی دیر لگادی تُو نے۔" فیقہ بولا۔

"ابا کی ٹانگوں میں درد تھا۔ ٹھیلا میں نے ہی تیار کر کے دیا ہے۔" میں نے بات بتائی۔

"ہاں یہ بیماریاں بڑی مصیبت ہوتی ہیں میرے بھائی۔ میرے ابا بھی بیمار ہیں۔ ہم دونوں بھائیوں پر ساری ذمے داری ہے اور تیری تو سات بہنیں ہیں۔ تیرا کنبہ تو بہت بڑا ہے۔" اس نے افسوس کے ساتھ کہا۔

"کنبہ بڑا ہے' لیکن مجھے فکر کسی بات کی نہیں ہے۔" میں نے ہاتھ ہلا کر پرویز مستانہ کے انداز میں کہا۔

"تیری اسی عادت کی وجہ سے تو لوگ تجھے مستانہ کہتے ہیں۔ تُو ہر وقت مست رہتا ہے' اپنی کھال میں خوش۔" فیقہ نے کہا۔

میں سر ہلا کر رہ گیا۔ اچانک سڑک کی طرف سے آواز آئی : "او مستانے! کیا آج کام نہیں کرے گا؟ چار نمبر کا پانا لے کر آجا اور یہ نٹ تو ڈھیلے کر دے۔"

یہ استاد رحمت کی آواز تھی اور مجھے اس کی مدد کرنی تھی' مگر میں چار نمبر کا پانا کہاں تلاش کرتا۔ میں سوالیہ نظروں سے فیقہ کی طرف دیکھنے لگا تو اس نے حیرت سے کہا : "تجھے کیا ہو گیا ہے مستانے؟ پانا ٹول بکس میں ہو گا۔ میری صورت کیا تک رہا ہے؟ ایک روز کی چھٹی میں سب کچھ بھول گیا؟ پرسوں تُو نے جہاں رکھا تھا وہیں ہو گا۔"

ٹول بکس کے بارے میں سن کر میری جان میں جان آئی۔ میں دیکھ چکا تھا کہ عموماً چھوٹے موٹے ورک شاپوں میں اوزار لکڑی کے بکس میں بند کر کے رکھ دیے جاتے ہیں۔ میں نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تو دُکان کے ایک کونے میں ایک کالا سا صندوق رکھا دکھائی دیا۔ میں نے جا کر اسے کھولا تو اندر بہت سے اوزار نظر آئے۔ مختلف سائز کے پانے' اسکریو ڈرائیور' ہتھوڑیاں اور پلاس وغیرہ۔

اگر صرف پانا اٹھانا ہوتا تو میں فوراً اٹھا لیتا' لیکن چار نمبر کا پانا کیسا ہوتا ہے یہ میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تھا۔ میں ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گیا اور میرا دل اندر ہی اندر کانپنے لگا کہ کہیں یہ راز نہ کھل جائے کہ میں نے مستانے کی جگہ لے رکھی ہے۔

فیقہ لوہے کی ایک سلاخ کو ہتھوڑی مار کر سیدھا کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے اس کی طرف پلٹ کر کہا : "چار نمبر کا پانا تو یہاں ہے ہی نہیں۔"

"کہاں ہے' یہاں سے کس نے نکالا؟" اس نے حیرت سے کہا۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر صندوق کے قریب آیا اور اس نے ہاتھ ڈال کر سب اوزار الٹے پلٹے۔ پھر میری طرف ایک بڑا سا پانا بڑھاتا ہوا بولا : "یہ کیا ہے؟ کیا تیری آنکھوں میں فتور پیدا ہو گیا ہے؟"

"معلوم نہیں کیا بات ہے مجھے کیوں نہیں مل رہا تھا۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔

"مجھے تو تُو آج کچھ بجھا بجھا سا اور بیمار لگ رہا ہے۔ رات زیادہ تو نہیں کھا لیا تھا؟" اس نے طنزیہ کہا۔

"بہت کہاں' ہماری قسمت میں تو کم بھی نہیں ہے۔" میں نے کہا اور پانا لے جا کر استاد کو دے دیا۔ اس نے نٹ ڈھیلے کر کے نکالنے کا حکم دیا تو مجھے پسینا آ گیا' کیوں کہ میں نے زندگی میں اس سے پہلے یہ کام کبھی کیا ہی نہیں تھا۔ دوسروں کی طرح دو ہاتھ پیر اور آنکھیں تو اللہ تعالیٰ نے دے رکھی تھیں' سمجھ بوجھ بھی عطا کی تھی' لیکن اس کے باوجود میں ایک دن میں موٹر سائیکل مکینک نہیں بن سکتا تھا۔ مستانہ نے بھی یہ ہنر برسوں میں سیکھا ہوگا۔

ایک چیز ہوتی ہے کامن سینس یعنی جو چیز سامنے ہے اسے کیوں اور کیسے کے اصولوں پر حل کیا جائے۔ میں نے اسی اصول کو سامنے رکھ کر نٹ کھولنے شروع کیے۔ مجھے اعتراف ہے کہ شروع میں مجھے بہت پریشانی اٹھانی پڑی۔ ہاتھ پیر گریس اور موبل آئل میں گندے ہوتے جا رہے تھے۔ اس سے الجھن ہو رہی تھی... پھر نٹ بولٹ ڈھیلے کرنے اور کسنے میں طاقت لگتی ہے جب کہ میں نے محنت اور مشقت کے کام اب تک کبھی نہیں کیے تھے۔ یہ بات نہیں کہ میں اس سے جی چراتا تھا بلکہ میرا اس سے واسطہ ہی نہیں پڑا تھا۔

میں کار ڈرائیونگ سے لے کر موٹر سائیکل ڈرائیونگ تک سب کچھ جانتا تھا' مگر اس کے کل پرزوں سے نمٹنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ اس کے علاوہ حویلی میں مجھے کوئی

ڈرائیونگ نہیں کرنے دیتا تھا۔ ماموں جان اور چچا جان کا سختی سے حکم تھا کہ میں جہاں بھی جاؤں ڈرائیور کو ساتھ رکھوں۔

موٹر سائیکل چلانے کا شوق مجھے اسکول میں پیدا ہوا تو میں نے ایک دوست لڑکے سے موٹر سائیکل لے کر سیکھ لی۔ آج اتفاق سے یہ کام آرہا تھا' اس لیے کہ استاد نے موٹر سائیکل کے ٹائر اور ٹیوب تبدیل کرنے کے بعد مجھے حکم دیا کہ میں اس پر ایک راؤنڈ لگا کر آؤں۔ میں دیکھ چکا تھا کہ مستری لڑکے موٹر سائیکل پر ایم اے روڈ اور اس کے اطراف میں راؤنڈ لگاتے پھرتے اور موٹر سائیکلوں کو ٹیسٹ کرتے رہتے ہیں۔

میں نے دو راؤنڈ لے کر گاڑی گاہک کے حوالے کردی اور استاد کی طرف دیکھ کر سر ہلایا کہ گاڑی ٹھیک چل رہی ہے۔ اس کے جانے کے بعد دوپہر تک اسی طرح ہاتھ کالے کرنے کا کام ہوتا رہا۔ اس دوران مجھ سے بہت سی غلطیاں ہوئیں' مگر میں ہوشیاری سے انھیں چھپاتا رہا۔ میں نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ میں اناڑی ہوں۔

دوپہر کا کھانا سب لوگ ایک جگہ بیٹھ کر کھاتے تھے۔ ہماری دُکان کے مستریوں کے علاوہ اس میں دوسرے لڑکے بھی آکر شامل ہوجاتے تھے' لیکن مستانہ نے بتایا کہ وہ اپنے والد کے ٹھیلے پر جاکر کھاتا تھا یا پھر اپنے گھر چلا جاتا' اس لیے مجھے بھی ان دونوں جگہوں میں سے کہیں جانا تھا۔

بن کباب کھانے سے مجھے کوئی دل چسپی نہیں تھی' لہٰذا میں گھر چلا گیا۔ اماں نے خاص طور پر میرے لیے نہاری بنائی تھی۔ فرش پر دسترخوان لگا تو سب نے کھانا شروع کیا۔ نہاری کھانے کا مجھے بہت شوق تھا اس لیے کہ مدراس میں وہ نصیب نہیں تھی۔ میں نے گرم گرم روٹی کے دو بڑے نوالے حلق سے اتارے تو اس وقت کچھ نہیں ہوا مگر تیسرے پر ہچکیاں بندھ گئیں۔ میری ناک اور آنکھوں سے پانی بہنے لگا۔

"لیجیے بھائی جان! پانی پی لیجیے" درخشاں نے مجھے ٹھنڈے پانی کا نقشین گلاس پیش کیا۔ میں نے غٹا غٹ کرکے گلاس خالی کردیا۔ چند لمحوں بعد کچھ سکون ہوا تو میں نے اٹھ کر تولیے سے ناک پونچھی :

"اماں! آج نہاری میں چینی ڈالنا بھول گئیں۔" درخشاں نے شوخی سے کہا۔

"بکواس بند کر بھینس کی خالہ۔ میرے لیے کوئی اور چیز لے کر آ۔" میں نے ناک سکیڑ کر زور سے کہا۔

دوسرے کمرے سے اماں کی آواز آئی : "کیوں؟ کیا نہاری نہیں کھائے گا؟ تجھے تو بہت شوق ہے ایسی چیزوں کا۔ باہر تو تو نہاری، حلیم اور پائے ٹھونس کر آتا ہے۔ اب یہاں کیا ہوا؟"

میری سٹی گم ہو گئی اور کوئی بہانہ نہیں سوجھا، مجبوراً میں نے اسی نہاری کو روٹی سے لگا لگا کر کھایا۔

"شہزادے! آج تو بہت تکلف سے کھا رہا ہے۔ اسے اپنا گھر سمجھ کر کھا۔" ذکیہ آپا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"ابھی اس لیے کم کھا رہے ہیں کہ شام کو ہماری دعوت کریں گے بھائی جان۔" نکہت آرا نے شوشہ چھوڑا۔

میں نے منہ بنا کر کہا : "چپ رہ سوکھی ککڑی۔ تیری زبان بہت چلتی ہے۔ نکہت آرا کے بجائے تیرا نام نکہت آری ہونا چاہیے تھا۔"

"بھئی دعوت کس چیز کی ہے؟" شائستہ بانو نے اچھل کر پوچھا۔

"بروٹ ... کیا کہتے ہیں، آج بھائی جان بروٹ کھلائیں گے۔" نکہت نے کہا۔

"بروسٹ کہتے ہیں احمق۔" فرزانہ نے اسے چپت رسید کی۔

"ہاں بروسٹ ٹھیک رہے گا۔ میں بازار سے جا کر لے آؤں گا۔" میں نے بے دھیانی میں کہا۔

آپا ذکیہ چونک گئیں : بازار ؟ بروسٹ لینے تم بازار جاؤ گے؟

مجھے اچانک یاد آیا کہ میں بمبئی میں کھڑا ہوں۔ میری دنیا اور میرا ماحول بدل چکا ہے۔ اب میں سلطان احمد کے بجائے پرویز مستانہ ہوں اور میرے سر پر ایک خاندان کا بوجھ ہے۔

"نہیں اتنی دور کیسے جاؤں گا۔" میں نے کہا۔ میری آواز بھرا گئی اس لیے کہ مجھے اماں یاد آنے لگی تھی۔ ان سے جدا ہوئے مجھے کافی دن ہو گئے تھے۔

"میں اتنی دور نہیں جا سکتا۔ وہاں تک کا تو میرے پاس کرایہ بھی نہیں ہے۔"

اس سے پہلے کہ حویلی کی یادیں اور لالی کی خوشبو مجھے پریشان کرتی اور میری آنکھیں بھیگ جاتیں، میں وہاں سے باہر نکل آیا۔ دُکان پر پہنچا تو میں نے لڑکوں کو خوش گپیاں کرتے دیکھا۔ کھانے کا وقفہ ابھی ختم نہیں ہوا تھا۔ مجھے وہ بات مسلسل پریشان کر رہی تھی جو صبح بھکاری بابا نے کہی تھی۔ میں نے فیقہ کو ایک طرف لے جا کر کہا : "بھائی رفیق! ایک بات بتانا۔ تم مجھے اس دُکان پر کب سے دیکھ رہے ہو؟"

اس نے حیرت سے کہا : "پانچ سال سے! کیوں؟ کیا تیری یادداشت میں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے؟"

میں نے کہا : "ایسی بات نہیں ہے۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے میں کہاں تھا؟"

اس نے سوچ کر کہا : "اپنے گھر میں ہوگا اور کہاں ہو سکتا ہے۔ ہم سب اپنے گھروں سے آتے ہیں۔ یہ تو کیسی باتیں کر رہا ہے آج؟"

"اپنے گھروں سے آتے ہیں، لیکن مجھے کسی نے بتایا ہے کہ میں جہاں رہتا ہوں وہ میرا گھر نہیں ہے۔ وقار قریشی میرے ابا نہیں ہیں۔ وہ مجھے کہیں سے لائے ہیں۔"

اس کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا : "یہ تو کیا کہہ رہا ہے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے! میں تو تجھے بہت پہلے سے یہاں دیکھ رہا ہوں۔ اچھا! یہ بات تجھے کس نے بتائی؟"

میں نے سر ہلا کر کہا : "کسی نے بھی بتائی ہو، مگر میں یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ حقیقت کیا ہے۔"

"اس کے بارے میں ... اس کے بارے میں تو تجھے بوا رحمن ہی صحیح بتا سکتی ہیں۔ وہ بہت عمر کی ہیں اور اس علاقے کی پوری معلومات رکھتی ہیں۔ تمام گھروں کا کچا چٹھا انھی کو معلوم ہے۔" میں نے بے ساختہ پوچھا : "وہ کہاں رہتی ہیں؟ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کل ... کل نہیں پرسوں میں تجھے ان کے ہاں لے چلوں گا۔" فیقہ نے وعدہ کیا۔

میں نے گہرا سانس لیا اور اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

شام کو کام ختم کر کے میں نالے کی طرف واپس آ رہا تھا کہ مجھے اچانک چار پانچ لڑکوں نے گھیر لیا۔ ان سب کے ہاتھوں میں چھوٹے بڑے ڈنڈے تھے اور ان کے تیور خطرناک نظر آتے

تھے۔ سب سے آگے قاسم دادا تھا۔ اس نے کہا : "یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ تو نے تین روز پہلے ٹرانزسٹر غائب کیا تھا۔ اب سیدھی طرح سے میرا کمیشن نکال دے ورنہ۔۔۔"
اس نے دھمکی آمیز انداز میں اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ خود کو اتنے لڑکوں میں گھرے دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے۔ میں نے تو آج تک چڑیا کا بچہ تک نہیں مارا تھا۔ میں ان مسٹنڈوں کا مقابلہ کیسے کرتا؟ میرے ہاتھ پیر ٹھنڈے ہونے لگے۔

اب پرویز ستانہ کی زبانی سُنیے

میں رائتے میں لت پت تھا اور میری زبان سے نکل رہا تھا : "اسے۔۔۔ اسے۔۔۔ پکڑ لو۔۔۔ یہ۔۔۔ قاتل ہے۔"
کھانے کی میز پر جتنے لوگ موجود تھے وہ سب حیرت سے میری طرف دیکھنے لگے۔ ان میں سے کوئی کچھ نہ بولا۔ شاید میں کرسی سے اٹھ جاتا اور ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ کھڑا ہوتا' لیکن میرے برابر بیٹھے ہوئے لڑکے نے کہا :
"بھائی جان! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ یہ تو اپنا مالی ہے' ونو۔ کھانے کے وقت پھول لا کر گل دان میں سجا دیتا ہے۔ اس وقت بھی پھول لے کر ہی آیا ہے۔"
اب جو میں نے دیکھا تو واقعی وہ پھول لے کر آیا تھا۔ میں حقیقت میں اس لیے ڈر گیا تھا کہ اس نے سلطان احمد پر حملہ کیا تھا یا شاید اس کے کمرے میں خنجر لے کر گھس آیا تھا اور سلطان کو اسی کی وجہ سے بھاگ کر جنگل جانا اور مجھے اس کی جگہ واپس آنا پڑا' مگر یہ بات تو سلطان کو یا پھر مجھے معلوم تھی۔ میں نے گھبراہٹ میں ایک انکشاف کر دیا تھا اور خود پر قابو نہیں رکھ سکا تھا۔
فوزیہ نے شوخی سے پوچھا : "آپ نے اسے قاتل کیسے کہہ دیا بھائی جان؟ یہ بے چارہ تو مکھی بھی نہیں مار سکتا۔"
میں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا : "شاید میں ابھی تک خواب دیکھ رہا ہوں اور پرستان سے واپس نہیں گیا۔"

ماموں گلزار چونکے: "پرستان؟ یہ پرستان کا کیا قصہ ہے؟"
میں نے بات بنائی: "تین روز سے میں دہیں تھا ماموں جان اور میں نے اس مالی کے بچے کو وہاں مکھیوں کا قتل عام کرتے دیکھا تھا۔ یہ ڈیڑھ لاکھ مکھیوں کا قاتل ہے۔"
"اُفوہ! آپ نے تو ڈرا ہی دیا تھا بھائی جان!" راحیلہ نے گہرا سانس لے کر کہا۔ اس کے بال لڑکوں جیسے تھے اور سلطان نے اس کی یہی شناخت بتائی تھی۔ "آپ نے تو رائتے کا برتن ہاتھ سے گرا کر ایسی اداکاری کی کہ میں تو بنو بابا کو واقعی قاتل سمجھ بیٹھی تھی۔"
سب لوگ پھر اپنی اپنی پلیٹوں کی طرف متوجہ ہوگئے۔ ایک ملازم نے صاف کپڑے سے میرا شب خوابی کا لبادہ صاف کردیا۔ مالی نے گل دان میں پھول سجائے اور مجھے عجیب و غریب نظروں سے دیکھتا اور اپنا ایک پاؤں گھسیٹتا ہوا وہاں سے لان کی طرف چلاگیا۔ معلوم نہیں وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں کو میری بات پر یقین آیا تھا یا نہیں۔ میری تو آنتیں قل ھو اللہ پڑھ رہی تھیں' اس لیے میں بریانی پر ٹوٹ پڑا۔ جب پیٹ کا ایک کونا اچھی طرح سے بھر گیا تو میں نے دوسری چیزوں کی طرف توجہ کی۔ مرغ روسٹ' چٹنی' دہی'کباب اور میٹھے میں زردہ' فیرنی سب ہی کچھ تو وہاں موجود تھا جسے میں اپنے معدے میں اتارنا چاہتا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ سب میری طرف دیکھ رہے اور میری تمام حرکتوں کو نوٹ کر رہے ہوں گے' اس لیے میں احتیاط سے کام لے رہا تھا' ورنہ اس وقت میز صاف کرنے سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ سلطان نے بتایا تھا کہ وہ موٹا ہونے سے ڈرتا تھا اس لیے کم کھاتا تھا' مگر اللہ تعالٰی نے مہینوں بعد ایسی نعمتیں میرے سامنے ڈھیر کردی تھیں میں انھیں کیسے چھوڑ دیتا۔ کھانے کے بعد میں نے پانی پی کر ایک لمبی سی ڈکار لی اور پھر فیرنی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایک پلیٹ تو چکھنے میں ختم ہوگئی۔ دوسری پر ذائقے کا صحیح اندازہ ہوا۔ تیسری میں نے مزے لے لے کر کھائی۔
"بھائی جان! فیرنی آپ کو آج کچھ زیادہ ہی پسند آگئی۔" سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے کہا۔ اس نے بالوں میں بہت سا تیل چپڑ رکھا تھا' بیچ سے مانگ نکال کر چٹیا باندھی ہوئی تھی اور موٹے شیشوں والا نظر کا چشمہ لگا رکھا تھا۔ مجھے یاد آگیا وہ چچا زاد بہن ثوبیہ تھی!
"کیا میرے فیرنی کھانے پر کوئی پابندی ہے ثوبیہ؟" میں نے چوتھی پلیٹ کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے پوچھا: "مجھے کھاتا دیکھ کر تمھیں خوشی نہیں ہورہی ہے؟"

"نن۔۔ نہیں تو۔" ثوبیہ ہکلائی اور جھینپ سی گئی۔
"اسے حیرت یوں ہو رہی ہے کہ میٹھا تو آپ دوسروں کے لیے چھوڑ دیتے ہیں۔" فوزیہ نے بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہوئے کہا۔
"اچھا ہاں، مگر کبھی کبھی دوسروں کا حصّہ بھی کھانے کو دل چاہتا ہے۔" میں نے کہا۔
کھانے کے دوران دلچسپ باتوں کا سلسلہ جاری رہا، مگر ماموں جان اور چچا جان سنجیدگی خاموشی سے مجھے گھورتے رہے۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر میں نے اس موقع پر ذرا بھی کم ری دکھائی تو میرا راز کھل جائے گا اور میں پکڑا جاؤں گا، اس لیے مجھے اپنے آپ میں خود ادی پیدا کرنی چاہیے۔ یہ خیال آتے ہی میں نے کھانے کے بعد تمام کام گردن اکڑا کر بارعب یقے سے کیے۔ کھانے کے کمرے میں واش بیسن لگا تھا جہاں ٹھنڈے اور گرم پانی کے نلکے تھے۔ میں حیران تھا کہ نلکے میں سے مسلسل گرم پانی کیسے گر رہا ہے؟ اس پانی کو کون گرم رہا ہے؟ بمبئی میں میں حمام میں نہا چکا تھا، مگر وہاں تو حمام والا بالٹی میں گرم پانی لاکر ڈال تھا۔ یہاں تو سب چیزوں کی بہت آسانی تھی!
اس رات میں نے اتنا کھالیا تھا کہ مجھ سے چلا نہیں جا رہا تھا۔ میں زینے چڑھ کر اوپر جانے تو فوزیہ اور راحیلہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کچھ اشارے کیے۔ پھر فوزیہ نے مجھ سے : "بھائی جان آج کھیلئے گا نہیں؟"
میں ایک لمحے کے لیے پریشان ہو گیا کہ سلطان احمدؔ کھانے کے بعد کیا کھیلتا ہوگا؟ کیرم، لوڈو، رنج؟ میں نے سوچا کہ فوراً ہی کوئی جواب نہیں دینا چاہیے ورنہ پول کھل جائے گی۔
"ایک سیٹ کھیل لیجیے۔ کھانا ہضم ہو جائے گا۔" وہ بولی۔
میرا ذہن اور چکرا گیا۔ سیٹ کھیل لیجیے، مگر کس چیز کا؟ میں زیادہ دیر تک وہاں ہونقوں کی ح منہ کھولے کھڑا رہتا تو اس صورت میں بھی وہ شبہے میں مبتلا ہو سکتی تھی، اس لیے میں نے : "ہاں تو ایک سیٹ کھیل لیتے ہیں۔"
میں مڑا اور زینہ اترنے لگا۔ فوزیہ نے پھر حیرت کا اظہار کیا، بولی : "کیا نائٹ گاؤن میں منٹن کھیلیں گے؟"
"بیڈ منٹن!" یہ لفظ سن کر میں نے خود کو شاباش دی کہ اس ترکیب سے یہ تو معلوم ہو گیا

کہ وہ اس وقت کیا کھیلنا چاہتی ہے۔ "اوہ ہاں' اچھا ابھی کپڑے بدل کر آتا ہوں۔" میں نے کہا پھر مڑ کر زینہ چڑھا اور راہ داری طے کر کے اپنے سونے کے کمرے میں پہنچ گیا۔ فوزیہ پلٹ کر نیچے چلی گئی۔

میں نے کمرے میں جاکر کپڑوں کی الماری کھولی تو انتخاب پھر دشوار ہو گیا۔ ذہن نے سوال لیا کہ اس وقت کیا پہننا مناسب رہے گا؟ میں خوب صورت سا پتلون اور جیکٹ پہننے والا تھا کہ اچانک میری نظر بائیں طرف گئی۔ وہاں سلطان احمد کی فریم شدہ تصویر لگی ہوئی تھی۔ وہ سفید پٹی دار پتلون اور آدھی آستین والی سفید قمیص پہنے کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بیڈ منٹن کا ریکٹ تھا اور وہ مسکرا رہا تھا۔

بالکل میری شکل' ہو بہو میرا عکس معلوم ہوتا تھا جیسے میں تصویر نہیں آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہا ہوں۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے کہا : "ہاں ٹھیرو' آ رہا ہوں۔" (جاری)

ڈاکٹر اعظم شاہ خاں
لیکچرر گورنمنٹ کالج ٹونک
راجستھان

خودکشی یا ناگہانی موت؟

آپ نے جب کبھی خودکشی کے بارے میں سُنا ہوگا تو یقیناً وہ انسان کے بارے میں ہوگا۔ آپ شاید جانوروں اور پرندوں کے بارے میں یہ سوچ بھی نہ پائیں کہ وہ بھی خودکشی کرتے ہیں۔ ایسے بہت سے واقعات دیکھنے میں آئے ہیں جب چند خاص قسم کے جانور کسی خاص وجہ کی بنا پر اپنے رہنے کی جگہ کو چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور زندگی کے آخری سفر پر نکل پڑتے ہیں۔ مثال کے طور پر لیمنگس (LE MMINGS) جو کہ چوہے کی طرح کا ایک چھوٹا سا جانور ہے اور مشرقی اسکینڈی نیویا Eastern Scanda Navia میں پایا جاتا ہے۔ جب اس کی آبادی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے تو ان کے جھنڈ کے جھنڈ اپنی آبادی کو چھوڑ کر مغرب کی جانب تیزی سے بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ گہری گھاٹیوں، نالوں، تپتی دھوپ اور بھوک و پیاس کی پرواہ کیے بغیر وہ تیزی سے اپنے راستے کی رکاوٹ کو پار کرتے ہوئے آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ اس دوران ان کی بہت بڑی تعداد لقمۂ اجل بھی بن جاتی ہے۔ اور ان بڑھتے ہوئے لیمنگس کے سفر کا اس وقت اختتام ہوتا ہے جب یہ سب کے سب مغرب میں واقع سمندر میں ڈوب کر اپنی جان دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ایل مچھلی Anguilla Vulgaris جو کہ عام طور پر ندیوں میں ملتی ہے۔ اپنے افزائش نسل کے موسم میں ندیوں سے سمندر کی طرف جانا شروع کر دیتی ہے۔ اس طرح ان کے جھنڈ کے جھنڈ ہزاروں کی تعداد میں سمندر میں پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں یہ انڈے بچے دیتے ہیں۔ اس کے بعد نر و مادہ (ایل مچھلیاں) مر جاتے ہیں اور ان کے بچے تھوڑے بڑے ہونے کے بعد واپس ندیوں کا رُخ کرتے ہیں اس پورے سلسلے کے مکمل ہونے میں تین سال کا وقت لگ جاتا ہے۔ اس طرح کی کئی اور مثالیں بھی ہیں جیسے ٹڈی دل کا خاص موسمی حالات اور افزائش نسل کے لیے ذمے دار ہارمونس کے زیر اثر کروڑوں کی تعداد میں اپنے رہنے کی جگہوں کو چھوڑ کر دوسرے علاقوں کی طرف بڑھنا اور آخر کار اپنی جان دے دینا۔ ہر سال لاکھوں کی تعداد میں ٹھنڈے ممالک سے گرم ممالک کی طرف پرندوں کا آنا اور آتے وقت یا لوٹتے وقت ان کی بڑی تعداد کا ختم ہو جانا۔ وغیرہ وغیرہ

پرندوں کے ذریعے سال دو سال مجموعی خودکشی کا باقاعدگی سے دہرایا جانے والا معاملہ خود ہمارے ہی ملک میں ایک پہیلی بنا ہوا ہے جس کے بارے میں شاید ہی کبھی آپ نے سُنا

ہو۔ آئیے آج اس عجیب و غریب قسم کی خودکشی یا ناگہانی موت کے بارے میں تفصیل جاننے کی کوشش کریں۔

پرندوں کے ذریعے مجموعی طور پر خودکشی کے واقعات کا سلسلہ ہمارے ہی ملک کی ریاست آسام کے شہر ہاف لونگ Haflong کے ایک چھوٹے سے گاؤں جتنگا میں سالہا سال سے پیش آرہا ہے۔ جہاں پر ہر سال اگست سے اکتوبر کے درمیان خصوصاً رات کے وقت جب چاند اپنے شباب پر ہو، پرندوں کے ٹولے کے ٹولے اس گاؤں کے ایک خاص حصے یعنی ریلوے اسٹیشن اور اسپتال کے درمیان آ آ کر مجموعی طور پر خودکشی کرتے ہیں۔ یہ پرندے کسی ایک خاص نسل کے نہیں ہوتے بلکہ الگ الگ قسم کے ہوتے ہیں۔ ابھی تک ۱۸ قسم کے پرندوں کو اس طرح خودکشی کرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ یہ پرندے رات کے وقت ٹولوں کی شکل میں تیزی سے اڑتے ہوئے آتے ہیں اور گاؤں کے اس مخصوص علاقے میں داخل ہونے کے بعد کسی بھی تیز روشنی کے آس پاس یا اس کے اوپر کچھ دیر منڈلانے کے بعد کسی بے جان سی شئے کی طرح تیزی سے آکر اس روشنی سے ٹکراتے ہیں۔ کچھ دیر پھڑپھڑاتے ہیں اور اس کے بعد مر جاتے ہیں۔

جتنگا تقریباً دو کلومیٹر کے رقبے میں پھیلا ہوا ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جس کی آبادی ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔ کیونکہ ہاف لونگ شہر خود ہی جینتیا Jayantia گھاٹی میں بسا ہوا ہے۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے جتنگا گاؤں بھی اسی گھاٹی کا ایک حصہ ہے۔ یہیں سے بریل پہاڑیوں کا سلسلہ بھی ہو کر گزرتا ہے۔ ۱۸۸۵ء سے پہلے یہ علاقہ غیر آباد تھا۔ اس کے بعد جینتیا نام کے قبائلی جینتیا پور سے آکر یہاں بس گئے اور نارنگی و انناس کی کھیتی کرنے لگے وہاں کے بزرگوں کے مطابق پرندوں کے ذریعے مجموعی خودکشی کا پہلا واقعہ ۱۹۰۵ء کی ستمبر کی ایک نم اور کہر آلود رات کو دیکھنے کو ملا۔ جب کہ گاؤں کے کچھ لوگ رات میں اپنی کھوئی ہوئی بھینس کی تلاش میں مشعلیں لے کر جنگل کی طرف نکلے۔ جنگل میں جیسے ہی وہ آگے بڑھے تو کچھ دیر بعد انھوں نے دیکھا کہ ان کے سروں پر مختلف قسم کے پرندے منڈلانے لگے ہیں۔ اس کے کچھ دیر بعد وہ پرندے مشعلوں کی طرف جھپٹنے لگے۔ لوگوں نے جب بچنے کی کوشش میں مشعلیں ادھر ادھر کیں تو وہ زمین پر زور زور سے جا کر گرنے لگے اور تڑپنے لگے۔ ان پرندوں کو گاؤں والوں نے قدرت کی طرف سے پہنچایا ہوا رزق سمجھا اور لکڑیوں سے مار مار کر آپس میں بانٹ لیا۔

اس کے بعد سے ہر سال اگست سے اکتوبر کے درمیان خاص موسمی حالات میں کسی بھی تیز روشنی کے آس پاس اس طرح پرندوں کا آنا۔ کچھ دیر منڈلاتے رہنا اور پھر خودکشی کرنے کا یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ وہاں کے باشندے ہر سال ان خاص مہینوں کا انتظار کرتے ہیں تاکہ مصنوعی تیز روشنی کی مدد سے وہ پرندوں کا شکار کرسکیں اور لطف اندوز ہوسکیں۔

عجب کی بات ہے کہ سالہا سال سے دہرائے جانے والے اس طرح پرندوں کے
ذریعہ خودکشی کے آن ہوتے واقعات کی حقیقت جاننے کی غرض سے ماہر حیوانیات یا دوسرے
سائنس دانوں کا دھیان بہت عرصے تک کیوں نہیں گیا۔ اس سلسلے میں پہل زولوجیکل سروے
آف انڈیا کے ایک ماہر حیوانیات ڈاکٹر سدھن سین گپتا نے اکتوبر ۱۹۷۷ء میں کی۔ اس کے بعد
انھوں نے تجربات اور تحقیقات کا سلسلہ جاری رکھا وہ کئی سال اگست سے اکتوبر کے درمیان
جتنگا گئے اور اپنی تحقیقات سے جو نتائج اخذ کیے وہ اس طرح ہیں:-

پرندوں کے ذریعے مجموعی خودکشی کے واقعات اگست اور اکتوبر کے درمیان ہی ہوتے
ہیں خاص طور سے جتنگا ریلوے اسٹیشن اور اسپتال کے علاقے کے درمیان، جن کے
بیچ کا فاصلہ ایک کلومیٹر ہے۔ یہ واقعات رات کو ہی ہوتے ہیں جب چاند اپنے پورے شباب
پر ہو۔ پرندوں کے جھنڈ کسی بھی تیز روشنی کے پاس آکر ایک بے جان سی شے کی
طرح ٹکراتے ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر سین نے تیز روشنی کے لیے گیس کی لالٹینوں کا استعمال بھی کیا
رات کے وقت موسم میں بہت زیادہ نمی کا پایا جانا، فضا میں کہرے کی گھنی چادر کا بن جانا، آسمان
پر گھنے بادلوں کی موجودگی اور شمال سے جنوب کی جانب ۴۰ سے ۸۰ کلومیٹر کی رفتار سے چلتی تیز
ہوائیں اس خودکشی کے لیے سازگار حالات پیدا کر دیتی ہیں۔

ڈاکٹر سین گپتا نے دیکھا کہ ان حالات میں پرندوں کے جھنڈ تیز روشنی کے پاس آکر
کسی بے جان سی شے کی طرح ٹکراتے ہیں۔ زمین پر گرنے کے بعد ان پر غشی سی طاری ہو جاتی
ہے۔ اگر ان کو پکڑنے کی کوشش کی جائے تو وہ اڑنے کی کوشش نہیں کرتے۔ بھلے ہی تھوڑا
بہت بچنے کی کوشش میں ادھر ادھر رینگتے ہوئے پھڑ پھڑانے کی کوشش کرلیں۔ اسی
بے سدھی کی حالت میں کچھ گھنٹے بنا کھائے پیے زندہ رہ کر مر جاتے ہیں۔

پرندوں کی اس طرح مجموعی خودکشی کے بارے میں ڈاکٹر سین گپتا کا خیال ہے کہ جتنگا
گاؤں کی جغرافیائی خصوصیات خاص طور سے اس علاقے کی زمین کی خصوصی مقناطیسی طاقت
Geomegnetic force اور تیز روشنی میں موجود الٹرا وائلیٹ کرنیں Ultra Voilet rays مجموعی
طور پر اس طرح کے حالات پیدا کر دیتی ہیں جن کی وجہ سے رات کو اڑنے والے پرندے
جتنگا کے اس خصوصی حصے میں داخل ہونے کے بعد اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتے ہیں اور کسی بے جان سی
شے کی طرح آسمان سے زمین کی طرف خاص طور سے تیز روشنی کے پاس آکر گرتے ہیں اور گرنے
کے بعد چوٹوں کی وجہ سے ان پر مزید مدہوشی اور بے حسی کی حالت طاری ہو جاتی ہے اور
اس کے کچھ دیر بعد وہ مر جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر مہر بھٹاچاریہ کا نظریہ بالکل مختلف ہے۔ ان کے خیال میں ڈاکٹر
سین گپتا کا یہ نظریہ کہ جتنگا کے مخصوص علاقے میں زمین کی مقناطیسی طاقت خاص طور سے
پرندوں کی خودکشی کی اہم وجہ ہے، صحیح نہیں مانا جا سکتا۔ کیونکہ اس طرح کی زمین کی مقناطیسی
طاقت اور ماحولیاتی خصوصیات صرف جتنگا کے اس خاص علاقے کے لیے ہی مخصوص نہیں

ہیں بلکہ اس طرح کی خصوصیات جنوب مشرقی علاقوں میں کئی جگہ پائی جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ان علاقوں میں جتنگا کی طرح پرندوں کے ذریعے مجموعی خودکشی کے واقعات کہیں بھی دیکھنے کو نہیں ملتے۔ ڈاکٹر بھٹا چاریہ کے مطابق پرندوں کے ذریعے اس طرح خودکشی کی وجہ ان کا دم گھٹنا ہو سکتا ہے کیونکہ جتنگا کے علاقے میں قدرتی گیسوں کا رساؤ خاص طور سے اگست سے اکتوبر کے مہینوں میں زیادہ ہوتا ہے جس کے لیے ڈاکٹر بھٹا چاریہ نے جو جواز پیش کیے وہ اس طرح ہیں :-

۱۔ جتنگا کے اس علاقے میں جو چٹانیں پائی جاتی ہیں وہ اویگوسین (Oligelene) سے مایوسین Mioeene دور کی ہیں۔ ان میں کافی مقدار میں ہائیڈروکاربن Hydro Carbon موجود ہیں۔ اگست سے اکتوبر مہینوں کے درمیان جب پرندے خودکشی کرتے ہیں۔ اس وقت تک اس علاقے میں کافی بارش ہو چکی ہوتی ہے جس کی مقدار کسی کسی سال ۲۰۰ سینٹی میٹر تک پہنچ جاتی ہے۔ جون، جولائی میں ہوئی بارش کی وجہ سے زمین کے اندر موجود پانی کی سطح دھیرے دھیرے بڑھتی ہے اور اگست ماہ تک یہ کافی اونچی ہو جاتی ہے۔ اس پانی کی سطح کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ کافی مقدار میں ہائیڈروکاربن گیسیں زمین کی اندرونی پرتوں سے خارج ہو کر فضا میں شامل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ جن کی مقدار اگست سے اکتوبر کے درمیان سب سے زیادہ ہوتی ہے۔ رات کے وقت ماحول میں کہرے کی موجودگی اور ہوا میں نمی کی زیادتی کی وجہ یہ زہریلی گیسیں اوپر فضا میں منتشر Diffused نہیں ہو پاتیں یا بہت دھیمی رفتار سے منتشر ہو پاتی ہیں اسی وجہ سے فضا میں ان گیسوں کی کافی مقدار بنی رہتی ہے۔ ان گیسوں کی مقدار اس وقت زیادہ ہو جاتی ہے جبکہ شمال سے جنوب کی طرف تیز رفتار ہوا چلتی ہے کیونکہ جب یہ ہوا شمال سے جنوب کی طرف بڑھتی ہے اس وقت شمال کی جانب موجود گیس اور دوسرے ہائیڈروکاربنس Hydro Carbons کی پائپ لائنوں کے جوڑوں پہ سے رستی گیسوں کی کافی مقدار بھی گاؤں کے جنوب کی طرف سے آتی ہے۔ کیونکہ جنوب کی طرف اونچی پہاڑیاں اور کچھ کھنڈرات موجود ہیں اس لیے اس علاقے میں ان گیسوں کی وجہ سے فضا میں گھٹن پیدا ہو جاتی ہے اور ہوا میں آکسیجن کی مقدار کافی کم ہو جاتی ہے۔ اس آکسیجن Oxygen کی کمی کی وجہ سے سب سے پہلے پتنگے یا حشرے Insects مرنا شروع ہو جاتے ہیں اور جب پرندے حشروں کو اپنی غذا بنانے کی غرض سے ان کی طرف جھپٹتے ہیں اور جیسے ہی وہ اس کم آکسیجن اور زیادہ زہریلی گیسوں والی فضا میں داخل ہوتے ہیں تب ان کا دم گھٹنا شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح اچانک دم گھٹنے کی وجہ سے وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پاتے اور پھڑپھڑاتے ہوئے بدحواسی کے عالم میں تیزی سے زمین سے آکر ٹکراتے ہیں۔ گرنے کے بعد دماغی چوٹوں اور جسمانی اعضاء کے مجروح ہونے کی وجہ سے ان پر مدہوشی طاری ہو جاتی ہے۔ تیز روشنی چاہے وہ گیس کی لالٹینیں ہوں یا تیز روشن بلب کی وجہ سے حشرے یا پتنگے پرندوں کو زیادہ مقدار میں دکھائی دیتے ہیں۔ اسی لیے پرندے

اُدھر زیادہ آتے ہیں۔ اس وجہ سے ان جگہوں پر جہاں کوئی تیز روشنی ہو خودکشی کے واقعات زیادہ تعداد میں ہوتے ہیں۔

جتنگا میں ان مجموعی خودکشی کے واقعات کے بارے میں ابھی بھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکی۔ ہوسکتا ہے اصلیت کچھ اور ہی ہو۔ اس سلسلے میں ابھی اور تحقیقات ہونا باقی ہیں۔ تب ہی ہم آخری رائے قائم کر سکتے ہیں کہ جتنگا میں پرندے خودکشی کرتے ہیں یا ناگہانی موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ●●

بچوں کے لیے مذہبی کتابیں

نقوشِ سیرت (پانچ حصے) حکیم محمد سعید - فی حصہ ۵/:

حضرت عمر فاروقؓ — افضال الرحمٰن — ۶/:

حضرت یحییٰ علیہ السلام — منورہ نوری خلیق — ۳/۲۵

حضرت آدم علیہ السلام — منورہ نوری خلیق — ۲/۷۵

رسالہ دینیات اول — محمد نعیم الدین زبیری — ۳/

رسالہ دینیات دوم — " — ۴/

رسالہ دینیات سوم — " — ۵/

رسالہ دینیات چہارم — " — ۵/

رسالہ دینیات پنجم — " — ۶/

بزرگانِ دین — محمود علی خاں جامعی — ۴/

امت کی مائیں — حسین حسنی — ۴/۵۰

اچھی باتیں — سعد الدین انصاری — ۴/۵۰

خوب سیرت اول — حکیم محمد سعید — ۶/

خوب سیرت دوم — // — ۴/۵۰

سلطان جیؒ — اسلم فرخی — ۴/

رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں — فضل قدیر ندوی — ۴/۵۰

رحمان کا جہان — رفیع الزمان زبیری — ۶/

کمسن صحابی — // — ۵/

اسلام کے جاں نثار — // — ۴/

سیرتِ پاک مختصر مختصر — احمد خاں خلیل — ۳/

نور کے پھول — حکیم محمد سعید — ۹/

سب سے بڑے انسان۔ رسول اللہؐ — // — ۴/۵۰

حضرت حمزہؓ — احتشام علی رحیم آبادی — ۳/

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ — // — ۳/

حضرت ابوہریرہؓ — // — ۴/

حضرت محبوب الٰہیؒ — مشیر الحق — ۲/

حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ — // — ۲/

حضرت فرید الدین گنج شکرؒ — // — ۲/

حضرت معین الدین چشتیؒ — // — ۲/

حضرت ابوبکر صدیقؓ — // — ۶/

حضرت طلحہؓ — // — ۳/

حضرت سلمان فارسیؓ — // — ۲/۵۰

حضرت عبداللہ بن عباسؓ — مشیر الحق — ۲/

نیک بیٹیاں — // — ۲/۵۰

اسلام کیسے پھیلا حصہ اول — عبدالواحد سندھی — ۷/۵۰

حصہ دوم — // — ۶/

قرآن پاک کیا ہے؟ — // — ۴/

اسلام کیسے شروع ہوا؟ — // — ۷/۵۰

اسلام کے مشہور سپہ سالار، اول، دوم — // فی حصہ — ۶/=

اسلام کے مشہور امیر البحر — // — ۹/

رسولِ پاکؐ — // — ۶/

دس جنتی — الیاس احمد مجیبی — ۵/۵۰

سرکار کا دربار — // — ۶/۵۰

چار یار — // — ۷/۵۰

آں حضرتؐ (اردو) — // — ۲/۵۰

اللہ کا گھر — خلیل احمد جامعی — ۴/۵۰

اللہ کے خلیل — // — ۳/۵۰

رسول پاک کے اخلاق — // — ۴/

اللہ کے صفی — // — ۲/۵۰

ہمارا دین حصہ اول — بیگم شہاب الدین دسنوی — ۸/۵۰

// دوم — // — ۷/۵۰

// سوم — // — ۸/۵۰

ارکانِ اسلام — مولانا اسلم جیراجپوری — ۲/۵۰

عقائدِ اسلام — // — ۴/۵۰

خلفائے اربعہ — خواجہ عبدالحئی فاروقی — ۹/

نبیوں کے قصے — // — ۶/۵۰

ہمارے رسولؐ — // — ۶/

پیارے رسولؐ — سلطانہ آصف فیضی — ۴/۵۰

حضرت نظام الدین اولیاءؒ — ادارہ — ۲/

مسلمان بیبیاں — اعجاز الحق قدوسی — ۷/

ہمارے نبیؐ — سید نواب علی رضوی — ۲/۵۰

سرکارِ دو عالمؐ — محمد حسین حسان — ۴/

قاعدہ یسرنا القرآن

قلمی دوستی

نام - ذاکر حسین حیدر گنڈ کتال عمر: ۱۲ سال
تعلیم - چھٹی جماعت -
مشغلہ - دل لگاکر پڑھائی کرنا - پیام تعلیم پڑھنا -
پتا - حیدر حسین گنڈ کتال، ڈون گاؤں، نتولاپور

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

نام - بی بی عائشہ بیگم -
تعلیم - آٹھویں جماعت
مشغلہ - پیام تعلیم پڑھنا - اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا - اے، ایس - مکاندار، لسون باگے واری، کرناٹک

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

نام - سرفراز عمر - ۱۴ سال
تعلیم - ہائی اسکول
مشغلہ - پیام تعلیم پڑھنا، راہوں سے پتھر ہٹانا
پتا - نقاب اسٹور، سرائے میر اعظم گڑھ

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

نام - محتشم ابن عبداللطیف،
تعلیم - گیارہویں جماعت -
مشغلہ - پیام تعلیم پڑھنا -
پتا - رحمت اللہ بلڈنگ ۲۱ ڈاکر میسٹری روڈ مدن پورہ - بمبئی ۸ء

نام - عابد حسین فیضی، عمر: ۲۰ سال
تعلیم - حافظ قرآن
مشغلہ - تلاوت کرنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا - ڈومریا، رانی گنج - ضلع اررریہ - بہار

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

نام - محمد اسرائیل محمد اسحٰق
تعلیم - میٹرک
مشغلہ - معلوماتی کتب مطالعہ کرنا
پتا - سروے ۲۱۳ پلاٹ توکل نگر مالیگاؤں

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

نام - نایاب بانو
تعلیم - آٹھویں جماعت -
مشغلہ - پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا - محمد ارشد چودرسنڈ - ضلع جونپور،

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

نام - عقیل احمد سالم
تعلیم، دورۂ حدیث شریف
مشغلہ - پیام تعلیم پڑھنا
پتا - گلشن آباد گلی ۱ مالیگاؤں - ناسک -

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

ایم - اے روف
تعلیم - دسویں -
مشغلہ - کتب بینی -
پتا - عقب شاہی مسجد، پربھنی مہاراشٹر

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

نام - عبدالقادر - عمر: ۱۵ سال
مشغلہ - پیام تعلیم پڑھنا - اور کرکٹ کھیلنا -
پتا - ولی پور جوشنا چک، ضلع کٹیہار، بہار

□◆□◆□◆□◆□◆□◆□◆□

نام - حافظ محمد الیاس،
مشغلہ - سائیکل سواری اور اسکوٹر چلانا -

پتا۔ نثار منزل۔ گلے روڈ۔ بھٹکل کرناٹک،

نام۔ انور اختر
تعلیم۔ بی۔ یو۔ ایم
مشغلہ۔ اچھے دوستوں کی تلاش
پتا۔ گھر ۳۹۲۔ نیا پورہ مالیگاؤں، ناسک

نام۔ عفران احمد
تعلیم۔ بی اے،
مشغلہ۔ قلمی دوستی کرنا
پتا۔ حکیم الدین مرحوم، کھریواں، اعظم گڑھ

نام۔ ابرار احمد عمر ۱۲ سال
تعلیم۔ چھٹی جماعت
مشغلہ۔ دینی کتب کا پڑھنا۔ قلمی دوستی کرنا۔
پتا۔ ابرار احمد نزد حیدری اکھاڑا ایوت محل

نام۔ محمد علی اصغر
تعلیم۔ درجہ دہم
مشغلہ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا۔
پتا۔ اشرف نگر اساؤ تھ بازار، بردوان

نام۔ محمد شکیل عبدالعزیز قریشی
تعلیم۔ بارھویں جماعت
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا۔ قریشی نگر، ملکہ پور، بلڈانہ مہاراشٹر

نام۔ اختر اقبال
تعلیم۔ میٹرک
مشغلہ۔ اچھے دوستوں کی تلاش
پتا۔ اے۔ ایس، عربک کالج لہریا سرائے دربھنگہ

نام۔ سید حفیظ دائمی،
تعلیم۔ ششم
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا۔ دیگلور ناکہ ناندیڑ مہاراشٹر

نام۔ محمد راشد صدیقی، عمر ۹ سال۔
تعلیم۔ چھٹی جماعت
مشغلہ۔ قلمی دوستی کرنا و شرارت کرنا۔
پتا۔ رامپور اوگن، وایہ موتی پور، مظفر پور

نام۔ محمد اشرف علی عمر ۱۱ سال
تعلیم۔ درجہ پنجم
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا۔
پتا سلفیہ جونیر اسکول، گرول، ضلع دربھنگہ

نام۔ عبید اللہ عمر ۱۳ سال
تعلیم۔ درجہ حفظ۔
مشغلہ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا۔ لوکہا۔ ضلع مدھوبنی۔ بہار۔

نام۔ سیما جابری فردوس
تعلیم۔ ششم جماعت،
مشغلہ۔ خوب محنت سے پڑھنا
پتا۔ سالم جابری۔ عروب گلی۔ نظام آباد

نام۔ غلام نبی ولد امیر خان، عمر ۱۸ سال۔
تعلیم۔ نویں جماعت،
مشغلہ۔ قلمی دوستی کرنا۔ پیام تعلیم پڑھنا۔
پتا۔ معرفت ناصر خان، مسلم نگر، مالیگاؤں

نام۔ شکیل احمد خان۔ عمر۔ ۱۲ سال۔

تعلیم ۔ ح گد بھد
مشغلہ ۔ قلمی دوستی کرنا ۔
پتا ۔ غلبی نگر، بھیونڈی ۔ ضلع تھانہ

نام ۔ محمد یامین ۔ عمر ۱۲ سال
تعلیم ۔ چھٹی ۔ جماعت
مشغلہ ۔ عربی پڑھنا ۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا ۔ محلہ بارہ امام دھارواڑ، کرناٹک

نام محمد عادل امان ۔ عمر ۱۲ سال
تعلیم ۔ ساتویں جماعت ۔
مشغلہ ۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا ۔ محمد ابرار ۔ کور نور سوسائٹی الیوت محل ،

نام ۔ فوزیہ ترنم ۔
تعلیم ۔ عربی کتابوں سے دلچسپی ،
مشغلہ ۔ پیام تعلیم پڑھنا ، اور اطاعتِ والدین
پتا ۔ مقصود خان ۔ پولس اسٹیشن ، اکولہ ۔

نام ۔ محمد مسعود رحمانی عمر ۱۳ سال
تعلیم ۔ آٹھویں جماعت
مشغلہ ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا ۔
پتا ۔ مقام محمد پور کواری ، سمستی پور ، بہار ۔

نام ۔ محمد عرفان مکرانی عمر ۱۳ سال
تعلیم ۔ دسویں جماعت ۔
مشغلہ ۔ ہر ماہ پرچہ پڑھنا ۔
پتا ۔ راجہ بوٹ ہاؤس ۔ ناندیڑ ۔

نام الطاف احمد غیاثی ۔
تعلیم ۔ ساتویں جماعت
مشغلہ ۔ کرکٹ کھیلنا
پتا شاہ پور بگھونی ۔ ضلع سمستی پور بہار

نام ۔ عرفان احمد
تعلیم ۔ آٹھویں جماعت ۔
مشغلہ ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا ۔
پتا ۔ گھر نمبر ۱۳۴ ۔ کمال پورہ مالیگاؤں

نام ۔ محمد شمشاد احمد
تعلیم ۔ بارھویں جماعت
مشغلہ ۔ قلمی دوستی کرنا
پتا ۔ مدرسہ اسلامیہ شاہ پور بگھو سمستی پور

نام ۔ فرزانہ انجم شیخ رحمٰن
تعلیم ۔ دوسری جماعت
مشغلہ ۔ پیام تعلیم پڑھنا ۔
پتا ۔ مانک چوک ۔ ضلع بلڈانہ ، مہاراشٹر

نام ۔ حنیف خان یعقوب خاں ۔ عمر ۱۰ سال
تعلیم ۔ چوتھی کلاس
مشغلہ ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا ، نماز کی دعوت دینا
پتا ، شبیر نگر ، مالیگاؤں ، ناسک

نام ۔ جیلانی امین تعلیم ۔ دسویں جماعت
مشغلہ ۔ کبڈی کھیلنا
پتا ، سلگروسی ، دوناگاؤں روڈ ، شولاپور

نام ۔ شیخ عمران تعلیم ۔ نویں جماعت
مشغلہ ۔ پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا ۔
پتا ۔ عزیز پورہ خندق روڈ بیڑ ، مہاراشٹر

نام۔ محمد عرفان عالم۔
تعلیم۔ پانچویں جماعت
مشغلہ۔ پڑھنا اور کرکٹ کھیلنا
پتا۔ بسرا ٹاؤن پرائمری اسکول، سندرگڑھ

نام۔ تاج الدین
تعلیم۔ دسویں جماعت
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا۔ دوستی کرنا
پتا۔ ڈمرانواں ۳ بدہ چک۔ نالندہ

نام۔ تنویر زکی انصاری
تعلیم۔ دوسری جماعت
مشغلہ۔ اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا۔ ولید پور۔ بھلہ پورہ۔ ضلع مئو۔

نام۔ دائمی سید منہاج بہاء الدین۔
تعلیم۔ چہارم جماعت۔
مشغلہ۔ پیام تعلیم کا پڑھنا۔ کرکٹ کھیلنا۔
پتا۔ مومن پورہ، کمار گلی اودگیر، لاتور۔

نام۔ شائستہ نسیم۔
مشغلہ۔ بہنوں سے قلمی دوستی کرنا
پتا۔ اسٹیشن روڈ ٹیٹاگڑھ۔ ۲۴ پرگنہ

نام۔ محمد تنزیل الرحمٰن ۱۳ سال۔
تعلیم۔ نویں جماعت
مشغلہ۔ ڈاک ٹکٹ جمع کرنا
پتا۔ ۴ رحبیب بلاکس، شنڈنے نگر، ایوت محل

نام۔ عبدالستار موسیٰ خان عمر ۱۷ سال
تعلیم۔ عربی پنجم
مشغلہ۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا۔ مدرسہ دارالعلوم نیانی، بلگام

نام۔ مدثر نظر شیخ عبدالرزاق۔ ۱۷ سال
تعلیم۔ گیارھویں جماعت
پتا۔ شاستری نگر شولاپور۔

نام۔ پرویز عالم ابن فخر الدین
تعلیم۔ عالم۔
مشغلہ۔ تاریخ کی کتابوں کا بغور مطالعہ کرنا
پتا۔ محمد پرویز مدرسہ مدینۃ العلوم شری رام پور، اوسنگر

تعلیم۔ نویں جماعت۔
مشغلہ۔ پیام تعلیم کا پڑھنا۔ دوستی کرنا
پتا۔ نور شیلرس۔ مہاجنی ٹولہ بسرا میراعظم گڑھ

● شوہر بیوی میں ہمیشہ لڑائی ہوا کرتی تھی۔ شوہر انتہائی دبلا تھا جبکہ بیوی بے انتہا موٹی۔ ایک مرتبہ پڑوسی نے شوہر کو سمجھایا کہ میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہوتے ہیں۔ آپس میں لڑنا نہیں چاہیے ورنہ گاڑی اچھی طرح نہیں چلے گی۔ شوہر نے کہا، گاڑی اچھی طرح چلے کیسے جبکہ اس میں ایک پہیا سائکل کا اور دوسرا پہیا ٹرک کا۔

لونشاد احمد بھوکی سرائے علی گڑھ۔

● ایک شوہر رات بھر گھر سے غائب رہا اور صبح کو آیا تو بیوی کو بہت غصّہ آیا وہ بھڑک کر بولی .... "آپ اس وقت بھی کیوں آئے ہیں....؟"
شوہر نے بھولا سا منہ بنا کر کہا، ناشتا کرنے "

روزینہ فرحین محمد سعید پاشا ایوت محل

● ایک سرکاری کلرک نے اپنے ساتھی سے پوچھا کیا بات ہے تم دفتر میں چائے کا وقفہ [illegible]

اس نے جواب دیا، میں تمھاری طرح بیوقوف نہیں کہ اپنی نیند میں خلل ڈالوں "

بدر الحق، محلہ پورہ رانی، مبارک پور اعظم گڑھ

● ایک صاحب: بھئی تمھاری بیوی ڈرائیونگ سیکھ رہی ہے کیا رفتار ہے آج کل۔
دوسرے صاحب: بیس آدمی فی کلومیٹر

معین الدین اعظمی پورہ رانی، مبارک پور اعظم گڑھ

● لڑکا: امی! اس فقیر کو پیسے مت دینا
ماں: کیوں؟
لڑکا: "اس لیے کہ یہ خدا کے نام پر مانگتا ہے اور خود کھا جاتا ہے۔"

ظہور اکرمی ـــــ پتا نہیں لکھا

● ایک آدمی: (ڈاکٹر سے) ڈاکٹر صاحب مجھے رات کو چین کے ساتھ نیند نہیں آتی ہے۔
ڈاکٹر: اس کا علاج صرف یہ ہے کہ آپ مجھے اپنے گلے میں سے سونے کی چین نکال کر دے دیں۔

شیخ محمد عمران ـ محمد علی روڈ بمبئی ۳

● ایک ماسٹر صاحب سے ایک لڑکا کہتا ہے کہ ماسٹر صاحب ہم ساری دنیا کو ایک ہاتھ میں کیوں نہیں اٹھا سکتے ہیں؟ ماسٹر صاحب جواب دیتے ہیں "بیٹا ساری دنیا کو اٹھانے کے لیے بہت طاقت ہونی چاہیے۔"
کچھ دیر میں ایک لڑکا فوراً اٹھ کر کہتا ہے کہ یہ دیکھیے ماسٹر صاحب میں نے ساری دنیا کو ہاتھ میں اٹھا لیا ہے۔"
گلوب دیکھ کر تم رہا ماسٹر صاحب [illegible]

کر کہا۔ بیٹا تم اس گلوب کو مت گرانا ورنہ ساری دنیا کے ٹکڑے ہو جائیں گے۔"

شیخ جاوید آر مور (اے پی)

دو چونٹیاں ایک ساتھ جا رہی تھیں راستے میں انھیں ایک ہاتھی دکھائی پڑا۔ پہلی چونٹی نے دوسری چونٹی سے کہا۔

"چلو! اس ہاتھی پر حملہ کیا جائے"

دوسری چونٹی نے جواب دیا۔ "رہنے دو! بیچارہ اکیلا ہے۔"

محمد ساجد، محلہ پرانی بستی، مبارک پور اعظم گڑھ

لڑکا اپنی ماں سے: "ماں آٹھ آنے دے دیجیے نہیں تو۔۔۔۔"

ماں غصّے سے: کیا کر لوگے؟

لڑکا: "ایک روپیا مانگوں گا۔"

احمد مفتی طاہر، انگلش اسکول، بیڑ

ڈاکٹر صاحب سے فون پر کسی نے دریافت کیا۔ "ڈاکٹر صاحب! میرے سر میں بیلن کی چوٹ سے خون بہہ رہا ہے بتائیے میں کیا کروں؟"

"بھئی میں تو ابھی کنوارہ ہوں مجھ سے بہتر مشورہ کوئی شادی شدہ ڈاکٹر ہی دے سکتا ہے۔"

شادی کے موقع پر جب دولہا دلھن کی مانگ میں سیندور بھرنے لگا تو ایک نے کہا۔

"یار یہ رسم الٹی ہونی چاہیے یعنی دلھن دولہا کی مانگ میں سیندور بھرے۔"

یہ سن کر دوسرے نے کہا

"اگر ایسا ہوا تو سارے گنجے کنوارے رہ جائیں گے۔"

انیسہ ناز شیخ سانڈو، کاسودہ جلگاؤں

ایک مرتبہ ملا نصر الدین رات کے وقت کہیں جا رہے تھے انھیں ایک کنواں نظر آیا۔ انھوں نے جھانکا تو اس میں چاند کا عکس دکھائی دیا۔ انھوں نے سوچا کہ چاند کنویں میں گر گیا ہے اسے نکالنا پڑے گا۔ یہ سوچ کر انھوں نے ڈول کنویں میں ڈالا۔ ڈول ایک پتھر سے اٹک کر رہ گیا۔ پھر وہ ڈول کو پوری طاقت سے کھینچنے لگے جس کی وجہ سے رسّی ٹوٹ گئی اور وہ پیٹھ کے بل گر گئے، اوپر انھیں چاند نظر آیا تو انھوں نے کہا "کتنی محنت سے نکالا ہے اس کو"

سید معیز الرحمٰن ـــــ پتا نہیں لکھا

ایک بار ایک چیونٹی دوڑتے ہوئے سڑک پار کر رہی تھی۔ اسی وقت وہ ایک دوسری چیونٹی سے ٹکرا گئی۔

تو دوسری چیونٹی نے پوچھا "تم اتنی تیزی سے کہاں جا رہی ہو؟"

پہلی چیونٹی نے جواب دیا۔ میرا دوست ہاتھی اسپتال میں بھرتی ہے۔ ڈاکٹر نے اسے خون چڑھانے کو کہا ہے۔ اور مجھے ہی اس کو خون دینا ہے اس لیے میں اپنا بلڈ گروپ چیک کرانے جا رہی ہوں۔۔

ظفر احمد انصاری، سریاں، مبارک پور۔ یو پی

ایک مسافر کھانا کھانے کے لیے ایک ہوٹل گیا۔ وہاں داخلے کے دو دروازے تھے۔ ایک پر لکھا تھا "اچھا کھانا"، دوسرے پر تحریر تھا

"بہت اچھا کھانا"۔ مسافر نے سوچا کہ کھانا ہی ہے تو بہت اچھا کیوں نہ کھالیں۔ اس لیے وہ اس دروازے سے داخل ہو گیا۔ وہاں دو اور دروازے تھے ایک پر "سستا کھانا" دوسرے پر "بہت سستا کھانا" لکھا ہوا تھا۔ مسافر بہت سستا کھانا والے دروازے سے اندر گھسا۔ یہاں بھی دو دروازے نظر آئے۔ ایک پر لکھا تھا کہ "نقد کھانا" اور دوسرے پر "ادھار کھانا"۔ مسافر نے سوچا کہ جب اُدھار ملتا ہے تو نقد کیوں خرچ کریں۔ لہٰذا وہ اُدھار کھانا والے دروازے سے اندر چلا گیا۔ تو اچانک اس نے خود کو روڈ پر کھڑا ہوا پایا۔ اس نے چاہا کہ واپس ہوٹل میں داخل ہو۔ پلٹ کر دیکھا تو اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ دروازے پر تحریر تھا "اندر آنا منع ہے"۔

محمد ایوب رحمانی دارالعلوم سعیدیہ۔ گڑیاتم

باپ: (بیٹے سے) بیٹا ایک بات بتاؤ ٹرک میں سب سے خطرناک پرزہ کون سا ہوتا ہے؟

بیٹا: "ٹرک ڈرائیور"۔

عصرالامراء شیخ عبادالرزاق، منگوارہ کارنجہ

گاہک (پینٹر سے) مجھے سائن بورڈ بنوانا ہے مضمون ہے "منیرالدین کتب فروش"۔

جب بورڈ بن کر آیا تو لکھا تھا "کتب الدین منیر فروش"۔

سعید احمد غلام رسول، اسلام پورہ، مالیگاؤں

ڈاکٹر: لو یہ دوا دن میں تین بار آنکھوں میں ڈالنا۔

مریض: کھانا کھانے سے پہلے ڈالوں یا کھانے کے بعد"۔

فرید احمد نیپالی، کرشنا نگر، کپلوستو نیپال

ایک دفعہ ڈیپارٹمینٹل اسٹور کا مالک اپنا اسٹور کا معائنہ کرنے گیا۔ معائنہ کرتے کرتے وہ پیکنگ روم میں گیا۔ وہاں دیکھا کہ ایک ملازم انتہائی لاپروائی سے دیوار سے ٹیک لگائے اونگھ رہا ہے۔ یہ دیکھ کر اسٹور کے مالک نے غصے سے نوکر سے پوچھا کہ تمھاری تنخواہ کیا ہوگی۔ نوکر نے جواب دیا "چار سو روپے"۔ مالک نے فوراً نوکر کو چار سو روپے ادا کیے اور کہا کہ اب جاؤ تمھاری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ روپے لے کر نوکر چلا گیا تو مالک نے مینجر کو بلا کر کہا کہ اب وہ واپس نہیں آئے گا۔ مینجر نے جواب دیا کہ ہاں سر! وہ اب کبھی نہیں آئے گا کیونکہ وہ نوکر کسی اور کا تھا اور وہ کسی پارسل کی پیکنگ کے انتظار میں تھا"۔

نرگس — مالیگاؤں — ناسک

دو دیہاتی پہلی بار ایک شہر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے اُن کی نظر ایک کار پر پڑی۔ پہلے دیہاتی نے دوسرے دیہاتی سے کہا۔ بھائی .... یہ کیسا جانور ہے؟

اسی وقت اُن کے قریب سے ایک اسکوٹر گزرا۔ تو دوسرے دیہاتی نے پہلے دیہاتی سے چلا کر کہا۔ "ارے وہ دیکھو۔ اس کا بچہ بھی اس کے پیچھے دوڑ رہا ہے"۔

شہباز احمد، چکھاروہ، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

ماں : [illegible] سے جاپان لا

بیٹا : اتنا بڑا ملک کہاں سے اٹھا کر لاؤں۔

انصاری کاشف رضا یوسف علی، بیڑ

● فرحانہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ ہال میں فلم دیکھ رہی تھی۔ فلم میں ساس کا بہت اچھا رول دیکھ کر فرحانہ نے اپنی سہیلیوں سے کہا کہ "کاش مجھے ایسی ہی ساس ملتی۔"

پیچھے والی سیٹ پر بیٹھے ایک صاحب نے لوٹ کر کہا "میری ماں بالکل ایسی ہی ہیں۔"

رحم آفتاب عالم اسلامی انسان اسکول کشن گنج

● ایک آدمی : یہاں سے ریلوے اسٹیشن جانے میں کتنی دیر لگتی ہے؟

دوسرا آدمی : ویسے تو آدھا گھنٹہ لگتا ہے لیکن میرے کتے نے تمھیں دیکھ لیا تو صرف دس منٹ ہی لگیں گے۔

● استاد : (راغب سے) جھونپڑی کو انگریزی میں کیا کہتے ہیں۔

راغب : جی، نہیں معلوم۔

استاد : کھڑے ہو جاؤ۔

تبھی راغب کی ناک پر ایک مکھی آ بیٹھتی ہے۔ راغب اسے اڑاتے ہوئے کہتا ہے "ہٹ"

استاد : ٹھیک ہے بیٹھ جاؤ۔

تابش احمد چکپادو، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

● استاد : تم نے نام کے ساتھ قلم آبا جان کیوں لکھا؟

شاگرد : کیونکہ میں نے آبا جان کے قلم سے لکھا ہے۔

عرفان احمد عبدالرشید، کمال پورہ، مالیگاؤں

● بچہ : (ماں سے) امی آپ مجھے اسکول کیوں بھیجتی ہیں؟

ماں : تم جیسے شریروں کو انسان بنانے کے لیے۔

بچہ : لیکن ماسٹر صاحب تو ہمیں مرغا بناتے ہیں۔

الطاف علی چوگلے، آشلی کھیڈ، رتنا گیری

● شوہر : (بیوی سے) تم اتنی موٹی روٹیاں بناتی ہو۔ میری ماں کی طرح پتلی روٹیاں بنایا کرو۔

بیوی : (جلدی سے) تو پھر تم بھی اپنے باپ کی طرح آٹا گوندھ کر دیا کرو۔

محمد صادق محمد رحمٰن، مانک چوک امرداپور

● ماسٹر : فرض کرو تمہارے والد نے تمھیں فیس کے لیے دس روپے دیے مگر تم نے سات روپے گرا دیے۔ بتاؤ پھر کیا رہ جائے گا۔

لڑکا : "پٹائی"

رحمانی سلیم احمد عبدالستار۔ مالیگاؤں

● استاد : (شاگرد سے) بتاؤ اللّٰہ تعالیٰ نے انسان کو کیوں پیدا کیا ہے؟

شاگرد : اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور کہنے لگا سر! میں تو دوسروں کے بارے میں نہیں بتا سکتا۔ "اللّٰہ تعالیٰ آپ کو میری پٹائی کرنے کے لیے ہی پیدا کیا ہے۔"

محمد اسحاق بنڈ پلی کورٹلہ، کریم نگر

اقوالِ زرّیں

زندگی

- ایک حقیقت ہے اسے تسلیم کرو۔
- حسین ہے اس سے پیار کرو۔
- خوبصورت ہے اس کی حفاظت کرو۔
- چیلنج ہے اس کا سامنا کرو۔
- سفر ہے اس کو مکمل کرو۔
- بہت تھوڑی ہے اسے ضائع نہ کرو۔

محمد تنویر شیخ ساانڈو، اسلام پورہ ضلع جلگاؤں

- اگر کوئی اپنی خوبیاں بیان کرے تو وہ ایک نالہ ہے اگر خاموش رہے تو سمندر ہے۔
- اگر روزی کا انحصار عقلمندی پر ہوتا تو بیوقوفوں سے زیادہ کوئی مفلس نہ ہوتا۔
- جو اپنے آپ کو عالم بتائے وہ جاہل ہے۔ جو اپنے آپ کو جنتی بتائے وہ دوزخی ہے۔

ممتاز اسمٰعیل شیخ، اردو ہائی اسکول، شری رام پور

قبول کریں

- نصیحت کی بات، چاہے کڑوی ہو۔
- بھائی کا عذر، چاہے دل نہ مانے۔
- غریب کی دعوت، چاہے تکلیف ہو۔
- ماں باپ کا حکم، چاہے ناگواری ہو۔
- اپنی غلطی، چاہے ذلت ہو۔

حنا کوثر نالہ روڈ ناوڑ کیلا سندر گڑھ

کون کیوں مشہور ہے

حضرت آدم علیہ السلام	شفارِ عمر میں
لقمان حکیم	حکمت میں
حضرت عثمان غنیؓ	حیا میں
حاتم طائی	سخاوت میں
حضرت ابراہیم علیہ السلام	رضا جوئی میں
فرعون	تکبر میں
قارون	دولت میں

محمد صابر شاداب موہن پورہ ملکاپور

حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم ادہمؒ سے لوگوں نے دریافت کیا ہم دعا کرتے ہیں مگر قبول نہیں ہوتی۔ انھوں نے فرمایا۔

- تم نے حضرت رسول خدا کو پہچانا اور ان کی سنّت کی پیروی نہ کی۔
- تم نے خدا کی نعمت کھائی اور اس کا شکریہ ادا نہ کیا۔
- تم نے شیطان کو پہچانا اور اس سے لڑائی نہ کی۔
- تم نے موت کو پہچانا اور اس کی تیاری نہ کی۔
- تم نے مُردوں کو زمین کے اندر دفن کیا اور ذرا بھی عبرت نہ حاصل کی۔
- تم نے اپنے عیب تو چھپائے دوسروں کے عیب جوئی کی۔
- تم نے قرآن شریف کو پڑھا اور اس پر عمل نہ کیا۔

تو پھر دعا کیسے قبول ہوگی۔

محمد ناظر محبوب سبحانی، تامبڑی، کرناٹک

- خدا کی یاد میں آنکھ سے نکلا ہوا ایک قطرہ ہی شاید ہماری نجات کا باعث بن جائے۔
- علم جنت کے راستوں کا نشان ہے۔

ہر مشکل انسان کا امتحان لیتی ہے۔
سچ بولنا نیکی کا راستہ ہے اور نیکی جنت میں لے جاتی ہے۔
جو جبین خدائے پاک کے آگے سجدہ ریز ہوتی ہے خدا کبھی بھی اسے کسی انسان کے آگے جھکنے نہیں دیتا۔

محمد عقیل احمد فورٹ ہائی اسکول، جگتیال

دنیا میں ماں کا درجہ سب سے افضل ہے۔
ماں کی نافرمانی کرنا خدا کی نافرمانی کرنے کے برابر ہے۔
ماں ایک مشعل ہے جو راستہ دکھاتی ہے

محمد فاروق ڈاور کھتری کالونی کھنڈوہ

نصیحت ایک ایسی چیز ہے جس کی عقلمندوں کو ضرورت نہیں اور بیوقوف اسے قبول نہیں کرتے۔
بچھو کی دم میں زہر ہوتا ہے، سانپ کے دانت میں اور مچھر کے سر میں لیکن برے آدمی کے پورے وجود میں زہر ہوتا ہے۔
کانچ کا نازک ٹکڑا ٹوٹ کر تیز دھار والا چھرا بن جاتا ہے۔ یہی کیفیت انسان کے ٹوٹے ہوئے دل کی ہوتی ہے۔
کسی کے چہرے پر مت جاؤ، ہر انسان بند کتاب ہے جس کا سرورق کچھ اور، اور اندرونی صفحات پر کچھ اور تحریر ہوتی ہے۔
مجھے اس دنیا کے بنائے ہوئے قانون سے سخت نفرت ہے جو قتل کرنے والوں کو سزا تو دیتے ہیں مگر جو روح کو کچل دیتے ہیں انھیں چھوڑ دیتے ہیں۔

انجم آرا عبد المناف اسلام پورہ، کاسودہ

جو بلندیوں پر کھڑا ہوتا ہے اس کو زیادہ طوفان اور آندھیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔
اعتماد ایک روح کی طرح ہوتا ہے جو ایک دفعہ چلے جانے سے واپس نہیں آتا۔
جو شخص اپنی ہستی کو پہچان لیتا ہے وہ خود بڑا عارف ہے۔
وقت ایک خاموش سمندر ہے جو انسان کی ہر خواہش کو ہضم کرتا ہے۔

شاہین گلاب شیخ، شری رام پور، احمد نگر

ماں کا درجہ

ماں، راحت و شادمانی کا نغمہ سنانے والی نسیم سحر ہے۔
ماں اپنے بچوں کی کشتیٔ حیات کی ناخدا ہے۔
ماں، اپنی اولاد کے حق میں سایۂ رحمت ہے۔
ماں اللہ رب العزت کی طرف سے ایک بے مثال نعمت ہے۔
ماں کی ہمیشہ قدر کرنی چاہیے کیونکہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔

نازنین شفیق ——— سنجر پور

سلام میں پہل کرنے والے کو ۹۰، اور جواب دینے والے کو ۱۰ نیکیاں ملتی ہیں۔ (حضرت عمرؓ)
دوستی ایک خود پیدا کردہ رشتہ ہے (علیؓ)
ناکامی، کامیابی کا زینہ ہے کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔
(بخاری و مسلم)

وسیم راجا، بھیتی روڈ، راوڑکیلا، سندرگڑھ

[illegible] گزرتا ہے مرے دل پر گزر جائے
اتنا ہوا چہرہ مری دھرتی کا نکھر جائے

محمد افتخار حسن پانی باغ شعیب کالونی کشن گنج

وہ تمناؤں سے جس اتنا گلہ ہے مجھ کو
ان کے ہونٹوں پہ جو باتیں ہیں وہ ذہنوں میں نہیں

راجو بخش انسان اسکول کشن گنج بہار

کیا ستم ہے رہی بے نام و نشاں رہتے ہیں
جن غریبوں کے پسینوں سے نکھرتی ہے زمیں

محمد سرفراز عالم، راج پور، روہتاس بہار

ہے آرزو کہ ابروئے پُر خم کو دیکھیے
اس حوصلے کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے

الطاف عبدالرشید قریشی، شری رام پور احمد نگر

جلا رہا ہوں خود اپنے لہو سے چراغ
نہ جانے کتنی محبت ہے روشنی سے مجھے

سائرہ خورشید کوا پور بازار ضلع گونڈہ یوپی

کچھ ایسے کم نصیب بھی ہیں اس جہان میں
پیاسے کھڑے ہوئے ہیں سمندر کے آس پاس

یوسف خان یعقوب خان، فیرنگر مالیگاؤں

اے مومنو سنو یہ کرامت نماز کی
جنت میں لے کے جائے گی عادت نماز کی

محمودہ پروین عبدالوحید انصاری شہادہ

چلتے چلتے تھک گیا ہوں پیر چکنا چور ہے
یاالٰہی تو بتا اے جنت کتنی دور ہے

محمد راشد ہاشمی کھرپان اعظم گڑھ

[illegible] اچھا ہے یہ کتنا پیارا
اس کو کھاتا راجہ دلارا
رنگ ہے اس کا پیلا اُجلا
کھانے میں لگتا ہے نیارا

محمد ظفر رضا خان، چوڑی پٹی روڈ کشن گنج

اسی خیال سے پوجا نہ چڑھتے سورج کو
کہ شام ہوتے ہی عارف اسے بھی ڈوبنا ہے

محمد امتیاز خان مشتاق، جہانگیری محلہ آسنسول

میں آئینہ ہوں تیرا تو آئینہ ہے میرا
تجھ میں ظہور میرا، مجھ میں ظہور تیرا

محمد امجد احمد پیرالال چوک محبوب گنج بیڑ

پھول دو چار جو چننے ہیں چمن سے چن لو
رنگ کی بات دگر، رنگ بکھر جاتا ہے

مبین احمد بیگ صوبیدار، شری رام پور احمد نگر

فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

شاکر حسین اسلامیہ عربک کالج منصورہ ہاسن

اچھی صورت کو سنورنے کی ضرورت کیا ہے
سادگی میں بھی قیامت کی ادا ہوتی ہے

جمیل الدین رفیع الدین۔ جلگاؤں

بناوٹ اور تکلف سے ہمیں فطری عداوت ہے
کہ ہم سادہ طبیعت سادگی کو پیار کرتے ہیں
بہت سنجیدگی کچھ ہم میں لگتی ہے لہو دل کا
اسی خاطر تو ہم زندہ دلی کو پیار کرتے ہیں

راشد احمد [illegible] [illegible] [illegible]

اس قدر ماتھے کو رگڑا آستانِ یار پر
مٹ گیا جو کچھ کہ لکھا تھا میری تقدیر کا

شبانہ اعظمی درگاہ بیلا۔ ویشالی۔ بہار

دین سب کو سکھاتے تھے پیارے نبیؐ
اچھی باتیں بتاتے تھے پیارے نبیؐ
بے کسوں کے لیے بے بسوں کے لیے
دکھ ہمیشہ اٹھاتے تھے پیارے نبیؐ
راہِ حق سے جو بھٹکے ہوئے تھے انھیں
سیدھا رستہ دکھاتے تھے پیارے نبیؐ
میٹھے لفظوں میں احکام، اللہ کے
ہر کسی کو سناتے تھے پیارے نبیؐ

شناء عبداللہ منگولی، بیجاپور کرناٹک

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

محمد شعیب ابن غلام محمد باغبان، اتھنی

پی تو لیں بس ایک دن جھوما کریں پھر عمر بھر
ہو کوئی ایسی تو لا ساقی جو میخانے میں ہے

صلاح الدین دیورا بندھولی دربھنگہ

انجمن میں تری بیٹھے تو کہاں بیٹھے ہم
جس طرف تو نے نظر انجمن آرا نہ کی

نصر الدین دیورا بندھولی دربھنگہ بہار

حقیقت میں سب کا خدا ایک ہے
خدا کو جو مانے وہی نیک ہے

سیف الدین دیورا بندھولی دربھنگہ

مجھ کو بھی صابروں کی طرح صبر کر عطا
چہرے سے میرے غم کی جھلک تک عیاں نہ ہو

رئیس احمد عبدالحق دھولیہ مہاراشٹر

دینے والے کسی کو غریبی نہ دے
موت دے، دے مگر بدنصیبی نہ دے

اسماء بتول سرائے میر اعظم گڑھ

سورج نکلا شان میں آکر تاریکی کو نور بنا کر
بولے یہ ہے سب سے بڑھ کر ہٰذا ربی ہٰذا اکبر

سرفراز عالم سلفیہ جونیئر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

جو اللہ کے بندوں کو تکلیفیں دے اور دکھ پہنچائے
ایسے ٹانگوں والے سے ہے لنگڑا اچھا اے بچو

افضل حسین سلفیہ جونیئر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

آگ ہے۔ اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

انتظار حسن شیو پور کلاں، مدھیہ پردیش

ہم پر کرم کیا ہے خدائے غیور نے
پورے ہوئے جو وعدے کیے تھے حضورؐ نے

محمد الیاس اسحاق حوشن، اتھنی کرناٹک

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

امتیاز احمد صدیقی الاحمدی بیلا [illegible] مدھوبنی

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

توصیف فضل دیورا بندھولی

[illegible] آپ کو خط لکھنے پر مجبور کر دیا۔

مجھے امید ہے کہ آپ مجھ جیسے نئے لکھاری کی پھیکی تحریر کو اپنے رسالے میں جگہ دے کر خوشی کا موقع دیں گے۔ سب لوگ کہتے ہیں کہ آپ نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔

میں آپ کا خریدار نہیں ہوں، یہ سمجھ کر آپ میری اس تحریر کو ردی کی ٹوکری کے حوالے نہ کر دیں۔ میں تو تین سال سے آپ کا خریدار ہوں اور ہر ماہ ہمارے ایجنٹ جناب عبداللہ صاحب ہمارے گھر "پیام تعلیم" ضرور لا کر دیتے ہیں۔ اس لیے میں سب سے پہلے "قلمی دوستی" کالم میں حصہ لینا چاہتا ہوں اور پھر اس کے بعد دیگر کالموں میں۔ مجھے امید ہے کہ آپ میری اس ٹوٹی پھوٹی تحریر کو ضرور شائع کریں گے۔

ایم اے یوسف، محتسب شاہی مسجد پرسینی باڑہ شریف

• آپ کی ارسال کردہ پانچ کتابیں "مرغا خود کی آپ بیتی"، "کہانی بھی معلومات بھی"، "چیونٹیوں کی کہانیاں"، "بچوں کے عابد علی خاں"، "حضور پاک کی سیرت مختصر مختصر" پہنچ گئی ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں جو آپ نے مجھ کو یہ انعام دیا۔ میں اپنے آپ کو اس قابل نہیں سمجھتی۔ آپ نے جو مجھے لائق قلم کار کا خطاب دیا انشاءاللہ اس خطاب کو اپنانے کی کوشش کرتی رہوں گی اور خدا سے دعا کرتی رہوں گی آپ کا اتنا بڑا خطاب خالی نہیں جانے پائے۔ آپ کو پتا ہے جب میں نے آپ کے بھیجے ہوئے کتابوں کا پیکٹ دیکھا تو خوشی سے پاگل ہو گئی۔ میرے پاؤں زمین پر ہی نہیں ٹک رہے تھے۔ [illegible] کوئی فرشتہ میری مدد کا ہے، اس دنیا میں ہے جو مجھ جیسی غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔

ناہید بنت [illegible] اولڈ پاور ہاؤس کریم نگر

• آپ کے اس رسالے میں میری تخلیقات ہر ماہ شائع ہوتی رہتی ہیں جس کی وجہ سے بہت سے بھائی بہن مجھے خط بھی لکھتے ہیں اور میں ان کے جواب بھی دیتا ہوں۔ میری آپ سے التجا ہے کہ آپ اسی طرح مجھے اپنے رسالے میں جگہ دیتے رہیں، نوازش ہوگی۔

سید کلیم رہبر، امراپور ضلع بلڈانہ

• فروری ۹۵ء کا پیام تعلیم ملا۔ پڑھتے پڑھتے جب صفحہ نمبر ۶۰ پر نظر پڑی تو اپنی کہانی "لالچ کا انجام" دیکھ کر میں پھولے نہ سمایا۔ یقین مانیے بہت خوشی ہوا اور دل میں پھر سے ایک کہانی لکھنے کی سوجھی۔ اس کہانی کو پڑھتے ہی ایک لڑکے نے مجھے پچاس روپے کا انعام دیا۔ انعام دینے والے لڑکے کا نام ہے عبدالشفیق ٹاکولی والا۔ ان کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے میری کہانی کو پسند کیا اور مجھے انعام سے نوازا۔

سید [illegible] ملک چوک امراپور ضلع بلڈانہ

• مارچ ۹۵ء کا پیام تعلیم اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ اس کے تمام مضامین بہت پسند آئے اور خاص طور پر چار ادیبوں کی تحریر "بیٹے کی ڈائری" بہت پسند آئی۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ میری ایک شکایت بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ کالم "میرے پسندیدہ اشعار"

خوب صورت کتب کے ساتھ مکتبہ پیام تعلیم کی دیدہ زیب کتابیں
پیار کا پنچھی
چوں چوں بیگم
شفیقہ فرحت
گدھا کہانی
میرزا ادیب

ایک آدمی کو موسیقی کا بہت شوق ہوا تو بازار سے ایک ستار خرید لایا اور رات کو ایک بجے مشق کرنے لگا۔ اس آدمی کے پڑوسی کو غصہ آگیا اور اس نے رات کو ہی اس موسیقار کی تمام کھڑکیوں کے شیشے توڑ ڈالے۔ بیچارا موسیقار اس وقت تو چپ ہو گیا مگر صبح کو اپنے پڑوسی سے کہنے لگا۔ "اگر آواز کم آ رہی تھی تو مجھے بتا دیا ہوتا۔ میں خود کھڑکیاں کھول دیتا۔"

چھاڑنے لگے۔ ساجد شیخی بگھار کر کہتا کہ اس کی کبھی نوبت نہیں آئے گی۔ اور کسی طرف چلا جاتا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کے باپ کے پاس اتنی دولت ہے کہ وہ زندگی بھر بیٹھ کر کھا سکتا ہے۔ جب بھی سلطان اس سے پڑھائی کی کوئی بات کرتا تو ساجد اس کی بات کو کاٹ کر کوئی اور ذکر لے بیٹھتا۔ اسے اپنی دولت پر گھمنڈ تھا۔

ایک دن سلطان اسکول کے پارک میں بیٹھا مطالعہ کر رہا تھا اور ساجد اسے کہیں لے جانے کی ضد کر رہا تھا۔ قریب میں کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ گیند آکر ساجد کے سر پر ہلکی سی لگی تو ساجد نے اٹھ کر اس کی اچھی خاصی دھنائی کر ڈالی۔ وہ لڑکا روتا ہوا گیا اور پرنسپل صاحب سے شکایت کر دی۔ جب پرنسپل صاحب نے ساجد کو بلا کر پوچھا تو اس نے کہا کہ پرنسپل صاحب اس لڑکے نے مجھے جان بوجھ کر گیند ماری ہے۔ سلطان یہ سب دیکھ رہا تھا اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ غلطی اس لڑکے کی نہیں ہے بلکہ ساجد کی ہے۔ اس لڑکے نے جان بوجھ کر گیند نہیں ماری ہے۔ پرنسپل صاحب نے ساجد کو کچھ سزا دے کر چھوڑ دیا۔ ساجد کو سلطان پر بہت غصہ آیا۔ اس کا خیال تھا کہ دوست ہونے کے ناتے سلطان اس کی طرفداری کرے گا۔ اس دن سے دونوں کی دشمنی ہو گئی۔ ساجد بدلہ لینے کے چکر میں رہتا دوسرے لڑکوں سے کہتا کہ سلطان فقیر کا بچہ ہے اس سے بات مت کرو وغیرہ۔

ایک دن اسے ایک ترکیب سوجھی۔ وہ گھر سے بہت روپے لایا اور سلطان کی کتابوں میں چپکے سے چھپا دیے۔ جب چھٹی ہوئی اور سلطان نے گھر جانے کے لیے کتابیں اٹھائیں تو سارے روپے نیچے گر پڑے۔ ماسٹر صاحب نے پوچھا کہ اتنے سارے روپے کہاں سے آئے۔ سلطان حیرت میں پڑ گیا اور کچھ بول نہیں پایا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ روپے آئے کہاں سے۔ پرنسپل صاحب نے اسے اسکول سے نکال دینے کا فیصلہ کیا۔ مگر ساجد کا یہ کارنامہ اسکول کا وہ لڑکا دیکھ رہا تھا جس کی ساجد نے پارک میں پٹائی کی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا کہ یہ سب کارنامہ ساجد کا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے ساجد کو سلطان کی کتابوں میں روپے رکھتے ہوئے دیکھا ہے۔ پرنسپل صاحب نے ساجد کو ہی اسکول سے نکال دیا لیکن ساجد کو کوئی افسوس نہیں تھا کیونکہ اب وہ پڑھنے لکھنے سے بالکل آزاد ہو گیا تھا۔ اب تو بس دن بھر آوارہ گردی کرنا ہی اس کا کام رہ گیا۔

اسی طرح سالوں سال گزرتے رہے اور سلطان بھی اول آتا رہا۔ آخری سال میں سلطان نے پورے اسکول میں ٹاپ کیا تو اسکول کے خرچ پر اسے باہر کے ملک میں تعلیم حاصل کرنے بھیج دیا گیا۔ اس کے کچھ سال بعد ساجد کی فیکٹری میں آگ لگی اور سب کچھ جل کر

راکھ ہو گیا۔ ساجد کے باپ نے بینک میں روپیہ جمع کر رکھے تھے انھوں نے سوچا کہ ان روپیوں کو لاکر پھر سے فیکٹری بنوائی جائے لیکن بینک سے واپسی کے وقت کچھ لٹیروں نے راستے میں گھیر کر انھیں زخمی کر دیا اور رقم لے کر چلتے بنے۔ اب تو ساجد کی زندگی میں اندھیرا چھا گیا۔ جو کچھ روپیہ بچا تھا تو ساجد کے باپ کے علاج میں صرف ہو گیا لیکن پھر بھی وہ بچ نہیں سکے اور اور ساجد کو ٹھوکریں کھانے کے لیے چھوڑ کر چل بسے۔ ساجد نوکری کی تلاش میں دربدر بھٹکنے پر مجبور ہو گیا لیکن وہ جہاں بھی جاتا ناکام ہو کر واپس لوٹ آتا کیونکہ اس نے اسکول کا سارا وقت کھیل کود، تماشا بینی اور آوارہ گردی کرنے میں گزار دیا تھا اس لیے انٹرویو میں ایک بھی جواب نہیں دے پاتا۔ آج اسے افسوس ہو رہا تھا کہ اس نے کیوں نہیں محنت سے پڑھا اور سلطان کی بات نہیں مانی۔ اس کے سارے دوست، رشتہ دار اس سے یوں دور ہو گئے کہ مہینوں ملاقات نہیں ہوتی تھی۔ وہ اپنے دوست رشتہ داروں کے پاس مدد مانگنے گیا تو سارے دوست رشتہ دار بہانہ بنانے لگے اور اس سے کوئی سیدھے منہ بات نہیں کرتا۔ وہ روزانہ اخباروں میں نوکری کے اشتہارات دیکھا کرتا۔ ایک روز ایک اشتہار تھا کہ شہر کے نئے جج صاحب کے لیے ایک چپراسی کی ضرورت ہے امیدوار حضرات جج صاحب کے بنگلے میں پہنچیں۔ ساجد کی حالت فاقہ کشی کی نوبت تک پہنچ گئی تھی۔ اس لیے ناچار اس نے نوکری کے لیے عرضی بھیج دی اور مقررہ دن انٹرویو کے لیے پہنچ گیا۔ ایک عالی شان فلیٹ کے اندر بیسیوں آدمی انٹرویو دینے کے لیے حاضر تھے جب

> ایک دولت مند ایک شخص سے نہایت عاجزی سے التجا کر رہا تھا، اگر آپ اپنی لڑکی کی شادی مجھ سے کر دیں تو میں آپ کو لڑکی کے وزن کے برابر سونا دوں گا۔"
> لڑکی کا باپ بولا، "مجھے کچھ وقت دو"
> ان صاحب نے بولا، "سوچنے کے لیے؟"
> جواب ملا، "نہیں، لڑکی کا وزن بڑھانے کے لیے۔"

ساجد کا نام پکارا گیا تو وہ اندر پہنچا بے انتہا خوبصورت آفس تھا اور آفس کے اندر ایک آرام دہ کرسی پر ایک ہٹا کٹا آدمی بیٹھا تھا۔ ساجد کو اس کا چہرہ کچھ جانا پہچانا لگا لیکن اسے یاد نہیں پڑا کہ اس کو کب اور کہاں دیکھا ہے۔ جج بھی اسے دیکھ کر چونکا اور کہا تم یہاں اس حالت میں کیسے اور تمھارے کاروبار کا کیا ہوا۔ ساجد نے اپنی آپ بیتی کہہ سنائی۔ صاحب خانہ نے اسے ایک پرچی دی اور کہا ٹھیک ہے تم کل سے ڈیوٹی پر آسکتے ہو۔ ساجد حیران ہوا کہ بغیر انٹرویو لیے اسے کیوں نوکری دی جا رہی ہے۔ صاحب خانہ اس کی حیرانی کو دیکھ کر مسکرایا اور کہا کیوں ساجد تم نے پہچانا نہیں میں وہی ہوں تمھارا دوست سلطان احمد۔۔۔ ساجد کو یوں لگا جیسے اسے اچانک کسی پہاڑ کی بلندی سے گہرائی کی طرف دھکیل دیا گیا ہو اور وہ چاہنے کے باوجود بھی اٹھ نہ پا رہا ہو۔ اس کا سر ندامت سے زمین میں گڑا جا رہا تھا۔

امین الدین احمد عثمان بن عفان جامعہ نگر دہلی ۲۵

ہمیشہ زندہ رکھنے والا پھل

کلدیپ کے راجا کے پاس کئی پالتو چڑیاں تھیں۔ ان چڑیوں میں ایک نہایت ہی حیرت انگیز توتا تھا جس کا نام ہیم شوکا تھا۔ وہ محل میں رہتا تھا۔ اور دوسرے پالتو چڑیوں کے مقابلے میں آزادی سے محل میں گھومتا رہتا تھا۔ بہت چالاک تھا۔ وہ نہ صرف باتیں کر سکتا تھا بلکہ کہانیاں بھی سناتا تھا۔ راجا کے درباریوں کے مقابلہ میں اس کی سوجھ بوجھ بڑھی چڑھی تھی۔ راجا اس پر فخر کرتا تھا۔ اور عقلمندی کی باتوں پر اس سے مشورہ لیتا تھا اس لیے راجا کا وزیراعظم اس سے نفرت کرتا تھا۔ ایک بار ہیم شوکا راجا کی اجازت سے جنگل میں اپنے والدین سے ملنے کے لیے گیا۔ اس کے والدین اپنے پیارے لڑکے سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ ہیم شوکا اپنے والدین کے ساتھ پندرہ دن تک رہا۔ "مجھے اب محل واپس جانا چاہیے" اس نے کہا۔ اس کے والدین یہ سن کر بہت غمگین ہو گئے۔ اس کا باپ دور کی ایک پہاڑی سے سنہرے رنگ کا ایک خوبصورت پھل لے آیا۔ اس نے وہ پھل ہیم شوکا کو دیتے ہوئے کہا "اسے لے جاؤ اور راجا کو تحفے کے طور پر دے دینا۔ اس پھل کے کھانے والے کو موت کبھی نہیں آتی وہ ہمیشہ جوان رہتا ہے۔ اس پھل کا نام ہمیشہ زندہ رکھنے والا پھل ہے"

شام کے وقت ہیم شوکا پھل لے کر راجا کے محل کی طرف چل دیا۔ سورج ڈوبنے لگا تھا۔ اس نے سوچا کہ رات کسی درخت پر بیٹھ کر گزاری جائے۔ اس نے درخت کے ایک شاخ میں سوراخ دیکھا۔ اس نے پھل اس سوراخ میں رکھ دیا اور قریب کی ایک شاخ پر بیٹھ گیا۔ اس سوراخ میں ایک نہایت ہی زہریلا سانپ رہتا تھا۔ سانپ جب اپنے بل میں واپس آیا تو اس نے سنہرا پھل دیکھا۔ اس نے پھل کو ڈس لیا لیکن چونکہ پھل کا مزہ اس کو پسند نہیں آیا وہ پھل کو اسی طرح چھوڑ کر بل میں چلا گیا لیکن پھل سانپ کے ڈسنے سے زہریلا ہو گیا تھا۔

صبح ہوتے ہی ہیم شوکا نے پھل اٹھایا اور محل کی طرف اڑ گیا۔ وہ راجا سے ملا اور اسے ہمیشہ زندہ رکھنے والا پھل تحفے کے طور پر پیش کیا۔

راجا اپنے تخت پر بیٹھا۔ اس نے اپنے درباریوں سے پھل کی خوبیاں بتائیں۔ اس نے ہیم شوکا کی طرف دیکھا اور پھل کھانے ہی جا رہا تھا کہ "ٹھہریے مہاراج" وزیراعظم نے کہا "پھل کھانے سے پہلے کسی جانور پر اس کی آزمائش کر لیجیے۔ یہ کام عقلمندی ہی کا نہیں بلکہ آپ کی جان کی حفاظت کے لیے بھی ہوگا" "اچھا مشورہ ہے" راجا نے کہا۔ راجا نے پھل کاٹا اور ایک کوّے کے سامنے ٹکڑا پھینک دیا۔ کوّے نے اسے مزے لے کر کھایا اور کھاتے ہی مر گیا۔ "مہاراج! آپ کی جان اتفاق سے بچ گئی۔ پھل زہریلا تھا۔ یہ ہمیشہ زندہ رکھنے والا پھل نہیں ہے بلکہ جان لینے والا پھل ہے" وزیراعظم نے کہا۔ وزیراعظم نے تھوڑی دیر سوچا۔ اس نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور کہا "مہاراج! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہیم شوکا آپ کو زہر دینا چاہتا تھا اس نے یہ پھل آپ کو کھانے کے لیے دیا تھا۔" راجا کو غصہ آیا۔ اس نے ہیم شوکا کو پکڑ کر اپنی تلوار سے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

اس کے بعد پھل شہر سے باہر لے جا کر

[illegible] ایک گڑھے میں گاڑ دیا گیا لیکن پھل کا بیج اُگ آیا اور چند برس میں ایک بڑا درخت ہو گیا جس میں سنہرے پھل آنے لگے۔

راجا نے جب پھل اور درخت کے بارے میں سُنا، اس کو بڑا صدمہ ہوا۔ اس نے اپنے سپاہیوں کو درخت کی نگرانی کا حکم دیا تاکہ کوئی درخت کے قریب نہ جا سکے۔

اسی شہر میں ایک بڈھا اور اس کی بوڑھی بیوی رہتی تھی۔ وہ بہت ہی غریب تھے اور اپنی زندگی سے عاجز آ گئے تھے اس لیے انھوں نے طے کر لیا کہ اس جان لیوا پھل کو کھا کر مصیبت کی زندگی سے چھٹکارا حاصل کر لیا جائے۔ بڈھا ایک پھل چرا کر لے آیا۔ دونوں نے پھل کھائے اور سو گئے۔

لیکن اگلی صبح کو جب یہ معمول کے مطابق جاگے تو انھیں یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ وہ نہ صرف زندہ ہیں بلکہ جوان تندرست ہو گئے ہیں۔

راجا کو پھل کی یہ کرامت سُن کر بڑی حیرت ہوئی۔ وہ ان دونوں کو دیکھنے کے لیے گیا اور پھل کے اثر کو دیکھ کر اسے بڑا تعجب ہوا لیکن راجا بہت رنجیدہ تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ پھل واقعی ہمیشہ زندہ رکھنے والا پھل تھا۔ اسے ہنسو کا کے مار ڈالنے پر شرمندگی ہوئی۔

مرسلہ محمد حسن نور اللہ، انجمن مفید الیتامیٰ اسلامیہ، مدنپورہ، بمبئی۔

حکایت

حضرت شیخ سعدیؒ کی تحریر کردہ حکایت ہے کہ ایک شخص محنت مزدوری کرنے کے لیے گھر سے روانہ ہوا۔ راستے میں ایک جنگل پڑتا۔ اس نے جنگل میں ایک بے دست و پا

> نیکی تو ایک سیدھی چٹان ہے جس پر چڑھنے کے لیے زبردست ہمت اور مضبوط ارادے کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ بدی ایسا ڈھلوانی راستہ ہے جس پر آسانی سے پھسلا جا سکتا ہے۔

لومڑی کو دیکھا۔ اس نے دیکھا کہ لومڑی بالکل اپاہج ہے۔ چلنے پھرنے کے لائق نہیں ہے لیکن پھر بھی موٹی تازی ہے۔ اسے بڑی حیرت ہوئی کہ یہ تو چل پھر نہیں سکتی، پھر یہ کھاتی پیتی کہاں سے ہے؟ وہ آدمی اسی خیال میں تھا کہ اس نے دیکھا وہاں ایک شیر نمودار ہوا جو ایک ہرن کو اپنے منہ میں دبائے اسی طرف آ رہا تھا۔ وہ شخص ڈر کے مارے ایک درخت پر چڑھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ شیر لومڑی کے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ کر ہرن کو کھانے لگا ہے اور جب شیر سیر ہو چکا تو باقی ہرن وہیں چھوڑ کر چلا گیا۔ اس کے بعد لومڑی کو اس نے دیکھا جو بیچاری صبح سے بھوکی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے گھسٹ گھسٹ کر اس مردہ ہرن کے پاس پہنچی اور خوب مزے سے ہرن کا گوشت کھانے لگی اور اس نے اپنا پیٹ بھر لیا۔ اس شخص نے یہ ماجرا دیکھا تو کہنے لگا: "اللہ تعالیٰ جب اس لومڑی کو بیٹھے بٹھائے رزق دیتا ہے تو مجھے گھر سے نکلنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں بھی واپس جاتا ہوں اور گھر میں آرام سے بیٹھتا ہوں۔ آخر میں بھی تو اللہ کی مخلوق ہوں۔ وہ جب ایک لومڑی کو بے محنت کے رزق دیتا ہے تو مجھ انسان کو بغیر محنت کے رزق کیوں نہیں دے گا؟" چنانچہ وہ گھر واپس آ گیا اور انتظار کرنے لگا کہ کوئی آدمی آئے اور مجھے کچھ دے جائے۔ اسی حالت میں دو تین دن گزر گئے مگر اسے کچھ نہ ملا آخر

دلچسپ بات ۔۔۔ سی کو یہ بتائیں کہ آسمان پر تین سو بلین ستارے ہیں تو وہ فوراً یقین کر لے گا لیکن اگر آپ اسے یہ بتائیں کہ کرسی پر ابھی ابھی روغن کیا گیا ہے تو وہ اس کرسی کو چھو کر ضرور دیکھے گا۔

تنگ آکر اس نے آسمان کی طرف منہ کیا اور کہا۔ "الٰہی ایک لومڑی کو تو نے بیٹھے بٹھائے رزق دے دیا اور مجھ انسان کو تو نے ابھی تک کچھ نہیں دیا۔"

اسے غیب سے ایک آواز سنائی دی کہ "او نادان! ہم نے تمھیں دو نمونے دکھائے ہیں۔ ایک اپاہج لومڑی کا نمونہ جو دوسرے کے مارے ہوئے شکار کی محتاج تھی۔ اور ایک شیر کا نمونہ جس نے شکار کر کے خود بھی کھایا اور محتاج کو بھی کھلایا۔ یہ دونوں نمونے تم نے دیکھے مگر تم نے اپاہج لومڑی بننے کی کوشش کی جو دوسروں کی محتاج تھی مگر بہادر شیر بننے کی کوشش نہیں کی جس نے اپنی محنت سے شکار کر کے اپنا پیٹ بھی بھرا اور محتاج کا پیٹ بھی۔ نادان! اٹھ چل شیر بن۔ لومڑی نہ بن۔"

یہ آواز سن کر وہ آدمی پھر برائے تلاش رزق گھر سے نکل پڑا۔ میرے پیارے دوستو! آپ اپنا فیصلہ خود کر لیں کہ آپ کیا بننا پسند کریں گے بہادر شیر یا اپاہج لومڑی؟ اللہ تعالیٰ آپ کو بہادر شیر بننے کی توفیق دے۔ آمین

امتیاز احمد مقام و پوسٹ بلدیاں ضلع سیوان

ماں کی دُعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ انھوں نے ایک دن اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! میں اس شخص کو دیکھنا چاہتا ہوں جو جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ اللہ ربّ العزت نے فرمایا اے موسیٰ! فلاں جگہ جاؤ وہاں ایک قسائی ہے وہ جنت میں تمھارے ساتھ ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام تلاش کرتے کرتے قصاب کی دکان پر پہنچے اور شام تک اس کی دکان کے باہر کھڑے ہو کر اس قصاب کے ہر عمل کو بڑے غور سے دیکھتے رہے کہ آخر اس شخص میں کون سی خوبی ہے جس کی وجہ سے اس کو یہ مقام ملا ہے کہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قصاب میں کوئی خاص بات یا خوبی نظر نہیں آئی۔ جب شام کو قصاب نے اپنی دکان بند کی اور اپنے گھر جانے لگا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اس کے ساتھ ساتھ چلے تاکہ یہ دیکھیں کہ یہ گھر جا کر کون سی عبادت کرتا ہے جس کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے یہ مقرر کیا۔ قسائی اپنے گھر پہنچا تو اس نے اپنی بیوی بچوں سے بات کرنے سے پہلے ایک بوڑھی عورت کو سلام کیا، اس کا ہاتھ منہ دھلایا اور ایک چمچے سے اس کو کھانا کھلایا۔ حضرت موسیٰ نے اس سے پوچھا یہ بوڑھی عورت کون ہے؟ قسائی نے جواب دیا میری ماں ہے۔ جب وہ بڑھیا بہت کھانا کھا چکی تو اس نے دونوں ہاتھ

تمھارا آپ نے بیٹے کے حق میں یہ دعا کرنی شروع کر دی کہ اے اللہ میرے اس بیٹے کو تو اس دنیا میں بھی خوش رکھیو اور آخرت میں بھی اس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جنت میں جگہ دیجیو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قصاب سے پوچھا تمھاری بوڑھی ماں جو تمھیں دعا دیتی ہے کیا یہ قبول ہوئی؟ قصائی بولا۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ میری ماں کی ایک دعا تو قبول ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دنیا میں ہر قسم کا آرام دیا ہے اب معلوم نہیں کہ میری ماں کی دوسری دعا کے اثر سے مجھے جنت میں جگہ مل جائے گی یا نہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ کے نیک بندے تو خوش ہو جا میں ہی موسیٰ ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے تیری ماں کی دعا قبول فرمالی ہے اور جنت میں میرے ساتھ ہی تیری جگہ مقرر فرمائی ہے۔

سعدیہ فردوس، جنتور روڈ، پربھنی، مہاراشٹر

شیطان کی فریاد

دوستو سنو! ایک دفعہ شیطان نے خدا سے کہا "خداوندا! تو نے اپنے بہت سارے رسول بھیجے ہیں کیا میرا پیغام پھیلانے والا کوئی نہیں؟"

جواب ملا "اے شیطان! تیرا پیغام پھیلانے والے نجومی، کاہن، پیش گوئی کرنے والے قسمت کا حال بتانے والے، ستارہ دیکھ کر پوشیدہ راز ظاہر کرنے والے ہیں۔"

شیطان نے کہا "خداوندا! تو نے اپنا کلام تو قرآن کی شکل میں نازل کیا تھا کیا میرا کوئی کلام نہیں؟"

نٹ پاتھ پر بیٹھے ہوئے فقیر کے پاس سے ایک شخص گزرا تو اس نے دیکھا کہ فقیر کا منہ بند ہے لیکن ایک روپے کی صدا برابر آرہی ہے۔ اس نے قریب جاکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ فقیر کی بغل میں ایک چھوٹا سا ٹیپ چل رہا ہے۔ حیرت پریشان ہو کر جب وہ ذرا آگے بڑھا تو ایک فقیر نے اپنے قریب بورڈ لگا رکھا تھا جس پر لکھا تھا:
"یہاں روٹی، بسکٹ اور چیک بھی لیے جاتے ہیں۔"

اسی وقت یہ جواب ملا۔ اے شیطان تیرا کلام بھی گانا اور غنا کی آواز ہے۔

دوستو، کلام الٰہی قرآن ہے اور کلام شیطانی گانا ہے۔ کیا تم نے کبھی یہ سوچا ہے کہ تمھاری زبان پر کلام الٰہی ہے یا کلام شیطانی؟ تم روزانہ کلام الٰہی سنتے ہو یا کلام شیطانی؟

تمھارا دل فرمان الٰہی سے خوش ہوتا ہے یا فرمان شیطانی سے؟ تمھاری ساری کیسٹیں اور کتابیں کلام الٰہی سے متعلق ہیں یا کلام شیطانی سے؟ کیا تم یہ سب کرنے کے بعد اس بات کا جواب دے سکتے ہو کہ تم اللہ کو مانتے ہو یا شیطان کو۔ سوچو.... جلدی سوچو.... وقت گزر رہا ہے۔

حافظ محمد عاصم خاں، زہرا باغ، علی گڑھ

خدا کی دین

ایک جزیرے میں ایک سرسبز کھیت تھا جس میں ایک گائے تھی۔ وہ گائے صبح کو چرنے کو نکلتی اور شام تک کھیت میں چرتی تھی۔

ایک آدمی غصے کی حالت میں پولیس اسٹیشن پہنچا اور کہنے لگا "صاحب مجھے آج کل دھمکی آمیز خط مل رہے ہیں"
انسپکٹر نے پوچھا "کون لکھتا ہے یہ دھمکی آمیز خط؟ اس طرح کے خط لکھنا تو جرم ہے" اس آدمی نے جواب دیا "کمبخت انکم ٹیکس والے"

وہ خوب تنومند اور فربہ ہو گئی۔ وہ گائے دن کو خوش اور رات کو فکر مند ہو جاتی مگر روز کھیت کو ہرا بھرا دیکھ کر ایک دن وہ سمجھ گئی کہ زمین میں کتنا بڑا خزانہ ہے اور گھاس پودوں میں بڑھنے کی کتنی قدرت ہے یہ سب خدا کی دین ہے۔ (ماخوذ)

محمد امجد علی اعظم اسٹوڈنٹ کھو محلہ ریلپار آسنسول

آدمی، آدمی

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں ایک بادشاہ تھا اس کے یہاں ایک بڑا حکیم تھا۔ ایک دن حکیم نے بادشاہ سے کہا کہ حضور سردی کے موسم میں اگر کوئی آدمی صبح سویرے نہا کر نہار منہ مولی کھائے تو آدمی مر جائے گا۔ بادشاہ نے یہ بات یاد رکھی۔

ایک روز کا ذکر ہے بادشاہ شکار کو گیا۔ شکارگاہ میں ڈیرے اور خیمے لگائے گئے۔ بادشاہ دو دن تک ادھر ادھر شکار کی تلاش میں پھرتا رہا مگر کوئی شکار ہاتھ نہ آیا۔ بادشاہ کو اپنی ناکامی پر بہت رنج تھا اور وہ بات بات پر اپنے امیروں اور وزیروں پر خفا ہوتا تھا۔

کسی شخص نے آکر اطلاع کی "حضور اگر نہار منہ اندھیرے میں فلاں مقام پر پہنچیں تو عمدہ شکار ملے گا۔ چنانچہ دوسرے دن بادشاہی ڈیرہ اس طرف روانہ ہوا۔ راستے میں بادشاہ نے دیکھا ایک آدمی اس جاڑے میں کھڑا نہا رہا ہے آدمی نے جلدی سے نہا دھو کر ایک بڑی سی ہری بھری مولی لے کر کھانی شروع کی۔ بادشاہ نے اسے بلا کر کہا "اے شخص یہ تو نے کیا غضب کیا کہ صبح صبح نہا کر نہار منہ تو نے مولی کھالی۔

اس گنوار نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ جہاں پناہ یہ تو ایک مولی ہے حکم ہو دس دفعہ نہا کر دس مولیاں کھالوں چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا اور اس نے بادشاہ کے دیکھتے دیکھتے دس دفعہ نہا کر دس مولیاں چٹ کر لیں۔

بادشاہ نے دیکھا کہ یہ ہٹا کٹا دیہاتی نوجوان جوں کا توں کھڑا ہے اور اس کا کچھ بھی نہیں بگڑا۔ بادشاہ اس کو اپنے ساتھ لے گیا اور جب شام تک اس پر مولی کھانے کا کوئی اثر نہ ہوا تو بادشاہ نے طیش میں آکر فوراً حکم دیا کہ سوار جلدی سے دوڑ کر جائیں اور فوراً اس جھوٹے اور نالائق حکیم کا سر کاٹ لائیں۔

حکم کی دیر تھی۔ فوراً سوار دوڑے گئے اور بیچارے حکیم کا سر کاٹ کر بادشاہ کے حضور میں حاضر کیا۔

اس حکیم کا ایک چودہ برس کا لڑکا تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح بے حد عقلمند تھا جب اس نے دیکھا کہ میرا باپ بے گناہ

مارا گیا ہے تو اس کو بادشاہ پر بہت غصہ آیا اور اسی غصہ میں جان پر کھیل کر بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔ آداب بجا لایا اور بالکل نڈر ہوکر عرض کیا، "جہاں پناہ کوئی گناہ تو بتایا جائے کہ میرے باپ کو اس وجہ سے قتل کیا گیا۔"

بادشاہ نے جواب دیا، "وہ جھوٹا تھا۔"

لڑکے نے کہا، "میرا باپ بڑا سچا آدمی تھا اور اس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

بادشاہ: تیرے باپ نے مجھ سے کہا کہ کوئی آدمی صبح نہار منہ نہا کر مولی کھائے تو مر جاتا ہے اور یہ جھوٹ ہے۔

لڑکا: جہاں پناہ، یہ بالکل سچ ہے اور میرے باپ کی جان حضور نے ناحق لی۔ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ میرے باپ نے بالکل سچ کہا تھا۔

بادشاہ: اچھا ثابت کرو۔ مگر یاد رکھو کہ اگر ثابت نہ کر سکے تو تم بھی مار ڈالے جاؤ گے۔

لڑکا: حضور والا۔ بہت خوب! مگر مجھے تین سال کی مہلت دی جائے اور مجھے وہ آدمی دیا جائے جس نے مولی کھا کر دکھائی تھی اور اس کے رہنے کے لیے ایک شاہی محل دیا جائے اور جو مانگوں وہ مہیا کیا جائے۔" بادشاہ کے حکم سے وہ آدمی حاضر کیا گیا اور حکیم کے لڑکے نے اس کو شاہی محل میں بالکل بادشاہوں کی طرح رکھوایا۔ دس پندرہ نوکر، نوکرانیاں خدمت کو دیں۔ اور حکم دیا کہ دنیا بھر کے میوے اور حلوے اور بادشاہی کھانے اس کو دیے جائیں۔ درجنوں نوکر ہر دم خدمت کو موجود رہیں جو اشاروں پر کام کریں اور عمدہ پہننے کو ریشم کے کپڑے اور ریشم کے کپڑے دیے جائیں اور دن بھر طرح طرح کے ناچ رنگ اس کے دل بہلانے کے لیے مہیا کیے جائیں۔

چنانچہ یہ سب سامان مہیا کر دیا گیا اور یہ گنوار بڑے ٹھاٹھ سے شاہی محل میں بادشاہوں کی سی زندگی بسر کرنے لگا۔ رات دن مزے سے تماشے دیکھتا۔ نفیس سے نفیس اور اعلا سے اعلا کھانے کھاتے کھاتے اس گنوار کا مزاج بھی شاہانہ ہو گیا اور نہایت آرام طلب بن گیا۔ پہلے وہ دریا میں نہاتا تھا اور اب گرم گرم حمام میں نوکر اس کو نہلاتے تھے۔ ایک برس کے اندر ہی اس کا یہ حال ہو گیا کہ اچھے اچھے کھانوں کی وجہ سے اور ضرورت سے زیادہ آرام کی زندگی بسر کرنے سے اس کا ہاضمہ بگڑ گیا اور ذرا سی چیز اس کو نقصان پہنچانے لگی۔ اس کو ذرا سا بھی کام ہوتا تو خدمت گار کرتے تھے۔ سردی کے زمانے میں وہ طرح طرح کے اونی کپڑے پہنے رہتا تھا۔

اس طرح دو سال پورے ہو گئے اور تیسرا سال آیا اب گنوار ایسا ہو گیا کہ اسے محل سے باہر بھی سردی کے موسم میں نکلنا دو بھر تھا۔ ثقیل اور ضرورت سے زیادہ نفیس غذاؤں

جنگل میں شکار کے لیے گئے ہوئے دو دوست ایک دوسرے سے لڑ پڑے۔ ایک شکاری نے شکوہ کیا۔

"تم نے دو بار گولی چلائی اور ہر بار میری بیوی مرتے مرتے بچی۔ تم کیسے شکاری ہو۔"

دوسرے شکاری نے معذرت کی اور کہا، "تم اجازت دو تو میں ایک تیسری کوشش اور کر کے دیکھوں۔"

تھا [illegible] کے لیٹا ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ ڈاکٹر جھنجھلاتا ہوا اٹھا اور بستر سے ہی بولا کون ہے؟

باہر سے آواز آئی "صاحب! دروازہ کھولیے۔ مجھے کتے نے کاٹ لیا ہے۔"

"کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ میرے آرام کا وقت ہے؟" ڈاکٹر نے کہا۔

"جی ہاں، مجھے تو اچھی طرح معلوم ہے، مگر کتے کو معلوم نہیں تھا۔" باہر سے آواز آئی۔

سے اس کا ہاضمہ بالکل خراب ہو چکا تھا۔

چنانچہ اب حکیم کا لڑکا بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ میرے باپ کے قول کی سچائی کا امتحان ہو جائے یعنی صبح ٹھنڈے پانی سے نہا کر مولی کھلائی جائے۔ اس گنوار نے جو سنا تو کہنے لگا مجھے دو روز سے ویسے ہی کچھ زیادہ سردی لگ رہی ہے میں صبح نہیں نہا سکتا۔ مگر بادشاہ کے حکم کے مطابق اس کو نہانا پڑا اور ایک مولی کھانی پڑی۔

مولی کھانے کے بعد اس کو سردی لگ گئی اور زکام ہو گیا۔ دوسرے ہی روز سے زکام بگڑنے کے آثار ہو گئے۔ دوا دارو کی گئی مگر اس کو کچھ فائدہ نہ ہوا، شام تک نمونیہ کا حملہ ہو گیا۔ ڈاکٹروں حکیموں نے بتایا کہ اب اس کے بچنے کی کوئی امید نہیں ہے چنانچہ اگلے ہی روز صبح وہ نمونیہ سے مر گیا۔

بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا مگر حکیم کے لڑکے نے اپنے باپ کی ایک کتاب کھول کر دکھائی جس میں لکھا تھا کہ نہار مولی کھانے سے آدمی مر جاتا ہے۔ اور آدمی سے مراد شہر میں رہنے والا آدمی جس کو ہر قسم کی آسائش مہیا ہو نہ کہ دیہاتی۔ لڑکے نے عرض کیا کہ یہاں پناہ وہ دیہاتی تھا میں نے تین سال میں اسے شہری بنایا تب جا کر میرے باپ کا قول صحیح ثابت ہوا۔

بادشاہ نے عقلمند لڑکے کی عقلمندی کی تعریف کی اور اس کو جاگیر اور انعام سے سرفراز کر کے باپ کا عہدہ دیا۔

عائشہ صدف عبدالرشید، مومن پورہ، ۲ کولہ

جھوٹ کے پانو

اکثر لوگ سوال کرتے ہیں کہ جھوٹ کے پاؤں ہوتے ہیں یا نہیں؟

ہم آپ کو اس کا جواب دیتے ہیں۔

جھوٹ کے پاؤں ہوتے ہیں۔ جبھی تو جھوٹی بات بعض دفعہ کہیں سے کہیں جا پہنچتی ہے۔ بعض لوگوں کا جھوٹ خوب چلتا ہے۔ وہ جھوٹ کے ذریعے سے وقتی طور پر اپنی ساکھ بچا لیتے ہیں، دوسروں کو اپنی ہمدردی کا یقین دلا دیتے ہیں اور دوسروں کو الو بنا کر اپنا الو سیدھا کرتے ہیں۔ سچے آدمی کی شرافت منہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں جلدی تھک جاتے ہیں۔ اس لیے اس کے ڈھول کا پول جلدی کھل جاتا ہے۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ جھوٹے کا حافظہ قوی نہیں ہوتا بلکہ تاریخی والے کہتے ہیں کہ جھوٹے کا حافظہ ہوتا ہی نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جھوٹے سے اس کے منہ سے ایسی بات نکل جاتی ہے جس سے اس کے اپنے بولے ہوئے جھوٹ کی تردید ہو جاتی ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ بات غلط ہے کہ جھوٹ کے پاؤں سرے سے ہوتے ہی نہیں اور خصوصاً مصلحت آمیز جھوٹ تو بڑا تیز رفتار چوپایہ ہے۔ (ماخوذ)

حنیف خاں یعقوب خاں، شیر نگر، مالیگاؤں

پڑیے گر بیمار

سنا ہے کہ شائستہ آدمی کی پہچان یہ ہے کہ اگر آپ اس سے کہیں کہ مجھے فلاں بیماری ہے تو وہ کوئی آزمودہ دوا نہ بتائے۔ شائستگی کا یہ سخت معیار صحیح تسلیم کر لیا جائے تو ہمارے ملک میں سوائے ڈاکٹروں کے کوئی اللہ کا بندہ شائستہ کہلانے کا مستحق نہ نکلے۔ یقین نہ آئے تو جھوٹ موٹ کسی سے کہہ دیجیے کہ مجھے زکام ہو گیا ہے۔ پھر دیکھیے کیسے کیسے مجرب نسخے، خاندانی چٹکلے اور فقیری ٹوٹکے آپ کو بتائے جاتے ہیں۔ میں آج تک یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ اس کی اصل وجہ طبی معلومات کی زیادتی ہے یا مذاقِ سلیم کی کمی۔ بیمار کو مشورہ دینا ہر تندرست آدمی اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ہے اور انصاف کی بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں ننانوے فی صد لوگ ایک دوسرے کو مشورے کے علاوہ دے بھی کیا سکتے ہیں؟ (ماخوذ)

ایک یہودی نے حضرت علیؓ سے پوچھا

"کیا آپ اللہ کو اپنا محافظ سمجھتے ہیں؟"

حضرت علیؓ نے فرمایا "بیشک"۔

یہودی کہنے لگا: "تو پھر آپ اونچے مکان کی چھت سے کود کر دکھائیے تاکہ ثابت ہو جائے کہ اللہ واقعی اپنے بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔"

حضرت علیؓ نے جواب دیا "بندے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اللہ کا امتحان لے۔ یہ تو ایسا ہی ہوگا کہ کنکر، پہاڑ کا امتحان لینے لگے۔"

بلال طاہر بیگ — شری رام پور احمد نگر

زلزلہ کی تباہ کاریاں

ابنِ آدم کو خدائے تعالیٰ نے عقلِ سلیم کی نعمت عطا کی ہے۔ اور دنیا میں اپنا خلیفہ اور اشرف المخلوقات بنا کر بھیجا ہے۔ اس نے اپنی عقلِ سلیم سے ایسی ایسی چیزیں ایجاد کی ہیں کہ ان کی مدد سے وہ چاند پر قدم رکھ چکا ہے اور دوسرے سیاروں اور ستاروں پر اپنی کمند ڈال رہا ہے۔ اس نے اپنی شان اور اپنے عیش و آرام کے لیے فلک بوس عمارتیں، دیو قامت قلعے زمین کے سینے میں بنا رکھے ہیں۔ دریاؤں کا پانی روک کر زمین کے سینے پر بہت بڑا بوجھ لاد دیا ہے۔ رکے ہوئے پانی سے بجلی پیدا کر رہا ہے اور اس بجلی کی مدد سے بھاری بھرکم مشینیں اور برق رفتار ریلیں چلا رہا ہے اور دندناتا ہوا جا رہا ہے۔ اپنی بھاری بھرکم مشینوں کی تنصیب کے لیے زمین کا سینہ چھلنی کر رہا ہے۔ بیچاری زمین بڑی صابر ہے۔ وہ ہر بوجھ کو سہتی آ رہی ہے۔ انسان کے دندنانے سے کبھی ناراض نہیں ہوتی لیکن انسان ہے کہ اسے زمین کی تکلیف کا احساس ہی نہیں۔ وہ اپنی دھن میں اپنی عقل اور سائنس کے گھمنڈ میں اڑا جا رہا ہے۔ اس نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ آسمان اس کی منزل ہے اس لیے زمین کو ہونے والی تکلیف کا ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہے۔ کہیں وہ زمین کے سینے کو چھلنی کر رہا ہے۔ کہیں بارِ گراں لاد رہا ہے۔ اس تکلیف سے کبھی کبھی بیچاری زمین کراہ اٹھتی ہے تو حضرت انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے کہ آناً فاناً میں یہ کیا ہوا؟

جی ہاں! زلزلہ بیچاری مظلوم زمین کی کراہ ہی تو ہے جس کی آواز سے عقلِ انسان کے کان کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ زمین

[illegible] نے کہا۔
"تم چاہو تو تمہارے کیس کی سماعت کرنے والا ... چاہو تو چند ممبروں کی جگہ ... لے۔"
ملزم نے کچھ دیر سوچ کر پوچھا "یہ ممبر کون ہیں؟"
"تمہاری طرح کے آدمی، تمہارے برابر کے۔" جج نے جواب دیا۔
ملزم نے کہا "چھوڑیں جناب! میں چوروں کے فیصلے سے اپنا فیصلہ نہیں کرانا چاہتا۔"

گراہ کر معمولی سی کروٹ بدلتی ہے تو انسانی ترقی ریت کے گھروندے کی طرح تہس نہس ہو جاتی ہے۔ لاکھوں انسان لقمۂ اجل بن جاتے ہیں۔ سیکڑوں فلک بوس عمارتیں پتوں کی طرح ہواؤں میں اڑنے لگتی ہیں۔
اس لیے اے شریف انسانو! تھوڑا سا غور کرو کہ تمہاری ترقی کا گھمنڈ تمہیں کہاں لیے جا رہا ہے۔ مولانا الطاف حسین حالی نے بہت پہلے وارننگ دے رکھی ہے کہ

تمنا آسمانوں کی نہ کیجیے
زمیں بھی ہاتھ سے جاتی رہے گی

محمد شرف نظر، اے رتاقی روشنی، شاستری نگر شولاپور

خزانہ

"بچو! پریوں، شہزادیوں اور خزانوں کی کہانیاں اب باقی نہیں رہیں لیکن ایک خزانہ آج کی دنیا میں ایسا بھی ہے جسے آج بھی آپ لوگ حاصل کر سکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح اس کہانی میں وقار میاں نے خزانہ حاصل کیا ہے۔ تو پھر پڑھیے کہانی اور خزانہ حاصل کرنے کی کوشش کیجیے۔"

ایک گاؤں میں دو بھائی تھے۔ بڑے کا نام سرفراز تھا اور چھوٹے کا وقار۔ ابھی دونوں پانچویں، چھٹی میں ہی تھے تو ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ بیوہ ماں کے پاس کچھ بھی نہ تھا اس لیے دونوں بھائی مزدوری کرنے لگے۔ بڑے بھائی سرفراز نے پڑھنا چھوڑ دیا اور سٹہ کھیلنے لگا۔ جبکہ چھوٹے بھائی وقار نے ایک اخبار کی ایجنسی لی اور اخبار تقسیم کرنے لگا۔ وہ اخبار بانٹتا اور اسکول جاتا۔ اس نے پڑھنا بند نہ کیا۔ سرفراز نے سٹے کے زور پر چند برسوں میں ہی خاصی دولت کمالی جبکہ وقار نے ان برسوں میں کچھ نہ کمایا صرف انجینیرنگ میں داخلہ لے لیا۔ سرفراز ہمیشہ ان کا مذاق اڑاتا کہ وہ کب تک اخبار بانٹتا پھرے گا۔ وہ بھی ان کا دھندا کیوں نہیں اپناتا۔ اس کے بزنس میں داخلہ اسے خزانہ دلا دے گا۔
لیکن وقار نے تعلیم جاری رکھی اور انجینیر بن گیا۔ اور پھر ملازمت ملنے پر اس نے اخبار بانٹنا ختم کر دیا اور مزید تعلیم جاری رکھی اور ایک دن سب سے بڑا انجینیر بن گیا۔ اب اس کے پاس بنگلہ، گاڑی، گھر، نوکر چاکر اور خاص کر عزت بھی تھی۔ جبکہ سرفراز سٹے میں دولت گنوا کر پھر سے دیوالیہ ہو گیا تھا اور اپنے بھائی وقار کے پاس آکر رہنے لگا تھا۔ اس کا سٹے کا خزانہ ختم ہو گیا لیکن وقار کا خزانہ علم تھا جو آج بھی اس کے پاس تھا جو نہ تو ختم ہوا اور نہ ہی چوری کا۔ بچے ہے علم سے بڑھ کر آج کوئی خزانہ نہیں۔ اسے تم بھی حاصل کر سکتے ہو، ہے نا؟

محمد یحییٰ خان، ظفر خان نانہ بیڑ

محنتی سلمہ

چندی گڑھ ایک قریہ تھا وہاں بہت سے لوگ رہتے تھے۔ انھیں میں رحیم چچا بھی تھے۔ ان کی تو بات ہی مختلف ہے کیونکہ رحیم چچا بہت شریف، نیک دل، خوش بخت اور نیک اخلاق والے شخص تھے۔ وہ ہر وقت لوگوں کی بھلائی کے بارے میں سوچتے رہتے۔ وہ بہت رحم دل انسان تھے۔ ان کا ایک بیٹا اور ایک ہی بیٹی تھی۔ آپ کی بیوی کا نام قمر النساء تھا۔ وہ بہت ہی پرانے خیالات کی عورت تھی۔ بیٹی کا سلمہ اور بیٹے کا نام سلیم تھا۔ گاؤں میں اسکول بہت کم تھے۔ گنے چنے تین چار اسکول تھے۔

رحیم چچا نے سلیم کو اسکول میں داخل کروا دیا۔ وہ بیٹی کو بھی اسکول میں داخل کروانا چاہتے تھے مگر اپنی بیوی کی وجہ سے انھوں نے اپنی بیٹی کو اسکول میں داخل نہیں کیا۔ چچی کا کہنا تھا کہ لڑکیوں کو پڑھانے سے لڑکیاں بے قابو، بے حیا، بے پردہ ہو جاتی ہیں کیونکہ وہ ابھی بھی پرانے خیالات کی مالکن تھی۔

حالانکہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ سلیم اسکول کا بہانہ بنا کر باغوں میں جا کر سیر گشتی کرتا پھرتا تھا۔ ادھر سلمہ خود ہی گھر میں بیٹھ کر کچھ کچھ سیکھنے لگی۔ چچی سلیم کو بہت لاڈ و پیار کرتی۔ سلمہ کو ہمیشہ سلیم کی خدمت کرنے کو کہتی حالانکہ سلمہ بڑی تھی اور سلیم چھوٹا تھا۔ چچی ہمیشہ بیٹا اور بیٹی میں فرق کرتیں مگر رحیم چچا ہمیشہ دونوں کو یکساں پیار کرتے۔

ایک دن کا واقعہ ہے اچانک چچا رحیم کے بیٹے کو شدید بخار تھا اور بخار دماغ پر چڑھ گیا اور اس کی حالت نازک ہونے لگی۔ چند

استاد: (شاگرد سے) "اس نے خودکشی کی اور اسے خودکشی کرنی پڑی۔ ان دونوں جملوں کی وضاحت کرو۔"
شاگرد: "جناب! پہلے جملے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ پڑھا لکھا بے روزگار تھا اور دوسرا جملہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ شادی شدہ تھا۔"

آدمی ڈاکٹر کو لینے گئے۔ ڈاکٹر کے پہنچنے سے پہلے ہی اس لڑکے نے دم توڑ دیا۔ اس واقعہ سے رحیم چچا کی آنکھیں کھل گئیں۔ رحیم چچا کی دلی آرزو تھی کہ سلمہ ڈاکٹر بنے اور وہ تھی بھی اس قابل۔ سلمہ واقعی بہت ذہین تھی اور سلمہ کی بھی آرزو تھی کہ وہ بہت بڑی ڈاکٹر بنے۔ وہ چاہتی تھی کہ لوگ اسے عزت کی نگاہ سے دیکھیں۔ سلمہ گھر بیٹھے ہی بہت کچھ سیکھ چکی تھی۔ سلمہ جتنا گھر بیٹھ کر سیکھ چکی تھی اتنا تو سلیم اسکول جا کر بھی نہیں سیکھ پایا تھا۔ رحیم چچا چچی سے لڑ کر سلمہ کو اسکول میں داخل کروا آئے۔ سلمہ بہت خوش تھی۔ سلمہ ڈاکٹر بننے کا دل میں مصمم ارادہ کر چکی تھی۔ وہ دن رات محنت کر کے جی جان سے پڑھتی تھی۔ چچی کو سلمہ کا پڑھنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ چچا بیٹی کی محنت دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے کیونکہ جو محنت وہ اپنے بیٹے سلیم میں دیکھنا چاہتے تھے وہ محنت اپنی بیٹی سلمہ میں دیکھ کر خوشی سے باغ باغ ہو جاتے۔ ان کے دل میں ایک آرزو تھی اپنے بچوں کو پڑھانے کی، جو آدھی [illegible] کی۔ کیونکہ وہ خود ان پڑھ تھے۔ علم کی اہمیت

"ہوٹل میں بیٹھے ہوئے ایک گاہک نے چیخ کر کہا: "کوئی بیرا میرا آرڈر لے گیا تھا اس کا کیا ہوا؟"
ایک بیرا جلدی سے قریب آیا اور بولا: "وہ مونچھوں والا بیرا تھا؟"
گاہک نے غصّے سے جواب دیا۔ "جب آرڈر لے گیا تھا جب تک تو اس کی مونچھیں نہیں تھیں لیکن اب تک یقیناً آچکی ہوں گی۔"

کو سمجھتے تھے۔ وہ بہت پچھتایا کرتے حالانکہ ان کے پاس دولت بہت تھی۔

سلمہ جب ساتویں جماعت میں تھی تو اس نے بہت محنت کی اور پورے گاؤں کے اسکولوں میں اس کے نمبر سب سے زیادہ تھے۔ وہ پورے گاؤں کے اسکولوں میں اوّل آئی تھی۔ گورنمنٹ نے سلمہ کے بہت زیادہ نمبروں کی وجہ سے اس کے لیے وظیفہ مقرر کیا اور اس کے ماں باپ کی اجازت سے شہر کے ہائی اسکول کے ہوسٹل میں داخلہ دیا اور سب تعلیم مفت دینے لگے۔ چچی سلمہ کے شہر جانے کے خلاف تھیں۔ وہ سمجھتی تھیں کہ شہر کی رنگینیوں اور چمک دمک میں کھو کر گاؤں کی تہذیب کو بھلا دے گی۔ مگر سلمہ نے یہ سب غلط ثابت کیا۔ اور دسویں جماعت (میٹرک) انتہائی اوّل نمبر سے پاس کیا۔ پورے ڈسٹرکٹ میں اوّل آئی۔ اور شہر کے ہر ایک اخبار میں سلمہ کی تصویر کو دیکھ کر رحیم چچا کے پیر تو زمین پر ٹک ہی نہیں رہے تھے۔ اور نفر النساء چچی بھی بہت ہی خوش تھیں۔

اس کے بعد سلمہ نے [illegible] میں بھی انتہائی اوّل درجہ حاصل کیا۔ اس کے بعد سلمہ نے M.B.Bs میں داخلہ لیا۔ پہلے تو سال میں دو مرتبہ گاؤں کو جایا کرتی تھی مگر اب بہت پڑھائی کی وجہ سے اس نے گاؤں جانا بند کر دیا۔ اس نے ارادہ کیا کہ جب تک وہ ڈاکٹر نہیں بن جاتی گاؤں کو نہیں جائے گی۔ اب تو رحیم چچا ہی سال میں دو تین مرتبہ شہر کو آجایا کرتے اور بیٹی سے مل لیتے۔

سلمہ کی سبھی سہیلیوں کی شادیاں ہو چکی تھیں۔ وہ سلمہ کو بہت خوش نصیب سمجھتے تھے۔ اب رحیم چچا کی گاؤں میں عزت بڑھنے لگی۔ گاؤں کے لوگ شہر والوں کا سلیقہ دیکھ کر اس کو فیشن کا نام دیتے تھے۔ سلمہ کی نظر میں یا دوسرے بھی پڑھے لکھے لوگوں کی نظر میں سلیقہ قطعی فیشن نہیں تھا۔ اگر لوگ پڑھے لکھے ہوں چاہے وہ گاؤں والے ہوں چاہے شہر والے سلیقہ تو خود بخود آجاتا ہے۔

ایک دن وہ بھی آیا جب ملک کے ہر اخبار میں سنہرے حرفوں میں ہیڈ لائنس میں سلمہ کا ان کے والد اور گاؤں کا نام مع تصویر کے آگیا تو سلمہ خوشی کے مارے پھولے نہیں سما رہی تھی بار بار اس کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو بہہ رہے تھے۔ یہی حالت رحیم چچا اور نفر النساء چچی کی تھی۔ سارا گاؤں خوشیاں منا رہا تھا ہر کوئی سلمہ کو مبارکباد پیش کر رہا تھا۔ رحیم کو اپنی بیٹی پر بہت ناز تھا، فخر تھا اس کی سہیلیاں تو اس کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں۔ ہر طرف خوشی منائی جا رہی تھی۔ صرف ایک شخص ایسا تھا جو چپ چاپ تنہا کشمکش بیٹھا رہا تھا، اپنی

قسمت کو کوس رہا تھا۔ کیا آپ اس کا نام نہیں جانیں گے؟

اس شخص کا نام ہے سلیم۔ جس نے اپنے بچپن کے سنہرے دور کو بہت لاپروائی سے بتا دیا تھا۔ وہ تو سمجھتا تھا کہ پڑھنے سے کچھ نہیں حاصل ہوتا۔ عزت، شہرت تو صرف پیسے سے کمائی جاتی ہے وہ تو میرے پاس موجود ہے مگر کیا ہوا پیسے اس کے پاس تھے کیا اس کو عزت ملی؟ شہرت ملی؟ نہیں۔ عزت شہرت تبھی حاصل ہوتی ہے جبکہ ہر کام کو محنت، لگن، دل کی سچائیوں سے کرے چاہے عزت شہرت پیسوں سے ہی کیوں نہ ملے۔

دیکھا پیا میو! سلمہ کتنی بہادر، نڈر، انتھک کوشش کرنے والی لڑکی نکلی۔ دیکھا تم نے کس طرح سے سلمہ نے محنت اور لگن اور انتھک کوششوں سے سب کے دلوں میں اپنا مقام پیدا کر لیا۔ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو گئی۔

اسی طرح آپ بھی اپنے دلوں میں یہ ارادہ کریں کہ ہم بھی ٹیچر، ڈاکٹر، انجینیر، پولیس آفیسر وغیرہ وغیرہ بنیں گے اور دیش میں، سماج میں اپنے والدین کا نام روشن کریں گے۔

کوثر جہاں، نظیر احمد، بیجاپور (دھارواڑ) کرناٹک

انسانی زندگی بلبلے کی طرح ہے پل میں ابھری پل میں ڈوبی۔ اس مختصر عرصے میں انسان چمک دار نگینہ بھی بن سکتا ہے اور بے نور کانچ کا ٹکڑا بھی۔ وہی بارش کا قطرہ جو سیپ میں بند رہنے سے کبھی موتی بن کر نکلتا ہے، دلدل میں گرے تو کیچڑ بھی بن سکتا ہے۔

سابق وزیر اعظم

مُرارجی ڈیسائی

مرارجی ڈیسائی ۲۹ فروری ۱۸۹۶ء میں سورت کے بدھوری گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ ۱۹۳۰ء میں انھوں نے جنگ آزادی میں حصہ لینا شروع کیا۔ ۱۹۳۷ء میں مسٹر ڈیسائی کانگریس کے ٹکٹ پر ممبئی اسمبلی کے لیے منتخب ہوئے۔ مسٹر کھیر وزارت میں وہ زراعت اور جنگلات کے وزیر بنے۔ ۱۹۳۹ء میں انھوں نے کانگریس وزارت سے استعفا دے دیا اور ۱۹۴۲ء میں نظر بند ہوئے۔ ۱۹۴۶ء کے چناؤ کے بعد جب مسٹر کھیر نے پھر وزارت بنائی تو مسٹر ڈیسائی وزیر داخلہ بنے۔ ۱۹۵۲ء میں انھوں نے بلساڑ سے چناؤ لڑا اور ہار گئے۔ بعد میں گھملنے بجانے پر انھوں نے اسی سال احمد آباد سے چناؤ لڑا اور کامیاب ہوئے۔ اس درمیان مسٹر کھیر نے سرگرم سیاست سے سنیاس لے لیا اور مسٹر ڈیسائی وزیر اعلا بن گئے۔ ۱۹۵۶ء تک وہ وزیر اعلا رہے۔ ۱۹۵۶ء میں جب ملک میں زبان کی بنیاد پر صوبے بنانے کی مانگ سے نعرہ بھرا تو ممبئی صوبے کو مہاراشٹر اور گجرات میں تقسیم کرنے کے لیے تحریک شروع ہو گئی۔ مسٹر ڈیسائی اس کے خلاف تھے۔ ممبئی میں انھوں نے مہاراشٹر آندولن کو سختی سے دبایا۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۵۸ء تک وہ مرکزی حکومت میں کامرس اور صنعت کے اور ۱۹۶۳ء تک خزانے کے وزیر رہے۔ چینی حملے کے وقت

ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ — سرسید احمد خاں

ماہنامہ

پیامِ تعلیم

نئی دہلی ۲۵

ستمبر ۱۹۹۵ء — جلد ۳۴ — شمارہ ۹

فی پرچہ صرف 5 روپے — سالانہ 40/-
سرکاری اداروں سے 65/- روپے
رجسٹری سے منگانے کی صورت میں مزید ۱۵ روپے خرچ آئے گا
غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/- روپے

ایڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

شاخیں:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنس بلڈنگ، بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں سے باتیں

لیجیے پھر کا پیامِ تعلیم حاضر ہے

اس بار آپ کو اپنے بزرگ ادیبوں میں ایک نیا نام نظر آئے گا۔ یہ ہے اختر سعید خاں کا۔ یہ نام آپ کے لیے تو نیا ہو سکتا ہے لیکن اردو شاعری کی دنیا میں نیا نہیں ہے۔ اختر سعید خاں صاحب کا شمار اردو کے ممتاز ترین شاعروں میں ہوتا ہے۔ آپ کے اختر سعید خاں صاحب پیامِ تعلیم میں اس زمانے میں لکھتے تھے جب آپ کے والد صاحب، آپ کی عمر کے ہوں گے۔ پچھلے کئی سالوں سے بیمار ہیں مگر پیامیوں کی محبت نے انھیں مضمون لکھنے پر مجبور کر دیا۔ ہماری آپ سے درخواست ہے کہ اختر سعید خاں صاحب کی صحت اور سلامتی کے لیے دعا کیجیے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے تمام بزرگ ادیبوں کے لیے بھی دعا کرتے رہیے کہ یہ بزرگ آپ کی زبان کا بہت قیمتی سرمایہ ہیں۔ یاد رکھیے، اللہ تعالیٰ بچوں کی دعا جلد قبول کرتا ہے۔ اس شمارے میں کئی اہم مضامین شامل ہیں۔ اس میں آپ کے پسندیدہ ادیب حکیم محمد سعید، عنایت علی خاں، رشید الدین، شان الحق حقی، ڈاکٹر رؤف پاریکھ، احمد خاں خلیل، تنویر پھول، ڈاکٹر اظفر شاہ خاں کے علاوہ نوجوان ادیب [illegible] اسلم جمشید پوری کی تخلیقات بھی [illegible]

[illegible]

اختر سعید خاں
بھوپال

آؤ بچّو ہنسیں

لوگ کہتے ہیں ہنسنا اور رونا کسے نہیں آتا۔ خاص طور پر بچّے تو بات بات پر کھل اٹھتے ہیں اور مینہ کی طرح برس پڑتے ہیں۔ مگر بچّوں کے معاملے میں ہمارا تجربہ کچھ مختلف ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے ایک محفل میں ہمیں بچّوں کے ساتھ ہنسنے ہنسانے کی باتیں کرنی تھیں، سوچا ذرا گھر سے ریہرسل کرتے چلیں۔ ہم نے اپنے بڑے بچّے کو بلا کر پوچھا "کیوں میاں تھوڑی دیر ہنسنا چاہتے ہو؟" بُرا سا منّہ بنا کر بولے "ابو کل سے امتحان شروع ہو رہا ہے مجھے بالکل فرصت نہیں ہے کہ آپ کے ساتھ بیٹھ کر ہنسوں،" ہم نے کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے کہا خیر کوئی بات نہیں ذرا منجھلے میاں کو بھیج دو، وہ ہمارا ساتھ دیں گے۔ منجھلے میاں تشریف لائے۔ ہم نے پوچھا "کچھ وقت دے سکتے ہو؟" بولے کس کام کے لیے ابو۔ ہم نے کہا بس یونہی ذرا ہنسنے ہنسانے کے لیے۔ فرمایا "ابو انڈیا اور آسٹریلیا کا بڑا سخت مقابلہ ہو رہا ہے آپ کو ہنسنے کی پڑی ہے، میں ریڈیو پر کمنٹری سُن رہا ہوں،" "مگر سنو تو" ہم نے کہا، "پلیز ابو آسٹریلیا کی ٹیم بڑی خطرناک ہے، اب تک اسکور نہ جانے کہاں تک پہنچا ہو گا،" اور منجھلے صاحب آسٹریلیا کی ٹیم کو آؤٹ کرنے چل دیے۔ اتنی دیر میں سب گھر والوں کو خبر ہو گئی کہ ہم بچّوں کو ہنسانے کے لیے بُلا رہے ہیں۔ دیکھتے کیا ہیں کہ چھوٹے میاں اپنی چار عدد چھوٹی موٹی بہنوں کے ریل گاڑی بنے کمرے میں آدھمکے چھک، چھک، چھک چھک، چُھک چُھک، تک، تک، تک، تی، ریل گاڑی رک گئی اور انجن صاحب جو چھوٹے میاں بنے ہوئے تھے ہمیں تسلی دیتے ہوئے بولے "ہمیں ہنسائیے ابو ہم ہنسیں گے" سب لڑکیوں نے نعرہ لگایا، "ہمیں ہنسائیے ابو ہم بھی ہنسیں گے،" ایک بولی مجھے میں

ہنسوں گی۔ دوسری نے کہا نہیں پہلے میں ہنسوں گی۔ تیسری بولی، نہیں سب سے پہلے میں ہنسوں گی۔ انجن صاحب نے پلٹ کر کہا "خبردار، سب سے پہلے میں ہنسوں گا۔" چوتھی کو بولنا ہی نہیں آتا تھا وہ رونے لگی اور قریب تھا کہ ریل گاڑی پٹری سے اُتر جائے اور ڈبے ایک دوسرے سے ٹکرا کر چکنا چور ہو جائیں، ہم نے ایک ہوشیار اسٹیشن ماسٹر کی طرح ریل کو دوسری پٹری پر ڈال دیا "ہاں ہاں بھائی ہم سب ہنسیں گے مگر پہلے منّی کو تو چپ کرو۔ سب مل کر منّی کو چپ کرنے کی کوشش میں اسے اور زیادہ رُلانے لگے۔ یہاں تک کہ ریل گاڑی کی والدہ چنگھاڑتی ہوئی کمرے میں آگئیں اور بولیں "اے میں کہتی ہوں یہ تم بچوں کو ہنسانے کے لیے بیٹھے ہو یا رُلانے کے لیے" "اب تم ہی بتاؤ منّی خود روئی تھی اس میں ہمارا کیا قصور؟" ہم نے بھی کہہ دیا۔ ہاں ہاں ہم تو تمھارے بچوں کے دشمن ہیں جو انھیں رُلا رہے ہیں۔ بولیں "ارے لو ایک تو ننھی سی جان بلک بلک کر رو رہی ہے اوپر سے آپ آنکھیں دکھا رہے ہیں۔" "چل بیٹی چپ ہو جا ہنس لینے دو ان ہی موذیوں کو۔" ریل گاڑی کی والدہ ایک ڈبہ اپنے ساتھ لے کر کمرے سے نکل گئیں اور سب بچوں نے مع ہمارے اطمینان کا سانس لیا۔ اور بچوں نے ایک آواز ہو کر اپنا مطالبہ دہرایا۔ "اب ہنسائیے نا ابو۔" ہم نے کہا ذرا دم لینے دو، کوئی ہنسی کی بات سوچیں تو پھر ہنسائیں "اتنی دیر میں جو آپ سامنے والی کرسی پر بیٹھ چکے تھے منہ پھلا کر بولے "مگر یہ تو بتائیے آپ ہمیں کیوں ہنسانا چاہتے ہیں؟" اب ہم انجن صاحب سے صاف صاف کیسے کہتے کہ تم کو ہنسا کر تو ہم صرف ریہرسل کر رہے ہیں۔ اصل میں تو ہمیں جلسے میں دوسرے بچوں کو ہنسانا ہے۔ ہم نے بات بنائی "بھئی اس لیے ہنسانا چاہتے ہیں کہ ہنسنے سے صحت اچھی رہتی ہے۔" "بالکل جھوٹ" بڑی لڑکی نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "ابھی کل ہی امّی کہہ رہی تھیں کہ خالص دودھ اور اصلی گھی سے صحت اچھی رہتی ہے۔" "ہاں ہاں خالص دودھ اور گھی سے تو صحت اچھی رہتی ہی ہے مگر" "مگر وگر کچھ نہیں ابو، آپ خالص دودھ اور اصلی گھی لا کر دیجیے" "اور مجھے مٹھائی" "اور مجھے چاکلیٹ" "مٹھائی چاکلیٹ" ایک دم بہت سی آوازیں گونجنے لگیں جیسے اسٹیشن پر ریل گاڑی کے رکتے ہی کتنی ملی جلی آوازوں کی بھن بھناہٹ شروع ہو جاتی ہے۔ چاکلیٹ

ٹھنڈا پانی ، دال سیوہ سوڈالیمن، پوری ساگ، کیلے سنترے، وغیرہ وغیرہ۔ ہم نے کانوں میں انگلیاں دے لیں اور زور زور سے پکارے آرڈر آرڈر۔ خدا خدا کر کے مٹھائی اور چاکلیٹ کا شور کم ہوا تو ہم نے بچّوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا "تم لوگ ہنسنے آئے ہو یا شور کرنے۔ ابّو اگر ہنسنے سے صحت اچھی رہتی ہے تو شور کرنے سے بھی اچھی رہتی ہوگی۔ انجن صاحب نے ہماری ہنسی اُڑائی۔ ہرگز نہیں، شور کرنے سے صحت پر بُرا اثر پڑتا ہے پہلے گلا خراب ہوتا ہے پھر دھیرے دھیرے پھیپھڑے خراب ہوجاتے ہیں، ہم نے ڈاکٹروں کے انداز میں کہا "اور ابّو مٹھائی سے" "مٹھائی سے کچھ نہیں ہوتا، ہم ذرا تیزی سے کہہ گئے مگر پھر سنبھل کر بولے۔ مٹھائی تو بہت بُری چیز ہے اس کے بدلے پھل کھانا چاہیئے" "تو پھر ابّو آپ ہمارے لیے پھل لادیجیے" بچّوں نے ہم سے تصفیہ کرنا چاہا۔ "مگر اس وقت پھلوں کا کیا ذکر ہے اس وقت تو ہم ہنسنے کے لیے بیٹھے ہیں" "مگر آپ ہنساتے بھی تو نہیں، انجن صاحب نے پھر سیٹی دی۔ ارے بھائی یہی تو میں کہہ رہا تھا، مگر تم سنتے تو ہو نہیں، اچھا سنو، ایک تھا بادشاہ، ہمارا تمھارا خدا بادشاہ،" "ابّو یہ کہانی ہم نے دادی سے سنی ہے اس میں بالکل ہنسی نہیں آتی۔ ایک لڑکی نے اعتراض کیا۔ "سنو تو دیکھتا ہوں کیسے نہیں آتی ہنسی۔ کہانی سُنی نہیں اور کہہ دیا اس سے ہنسی نہیں آتی" ہم نے کہا۔ "ارے ابّو ہمیں سب معلوم ہے،" انجن صاحب نے قابلیت جھاڑی۔ یہ اسی بادشاہ کی کہانی ہے جس کے ملک میں ایک بار سیلاب آنے کی وجہ سے روئی کی ساری فصل برباد ہوگئی۔ غریب کسان بادشاہ کے سامنے فریاد لے کر گئے کہ حضور دریا میں باڑھ آجانے کی وجہ سے ہم نے جو روئی کی فصل بوئی تھی وہ بالکل تباہ ہوگئی۔ ہماری مدد کیجیے۔ بادشاہ نے کہا تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ دریا میں باڑھ آتی رہتی ہے تمھیں روئی کی فصل بونے کی کیا ضرورت تھی۔ کسانوں نے کہا حضور پھر ہم آخر کیا بوتے۔ بادشاہ نے بڑی قابلیت جھاڑتے ہوئے جواب دیا، "بیوقوفو! تمھیں اون بونا چاہیے تھا۔"

ہم نے بچّوں سے کہا کہ ہم کوئی یہ کہانی تھوڑا ہی سُنا رہے تھے۔ بڑی لڑکی بولی تو پھر آپ ضرور اس ملکہ کی کہانی سنانے والے تھے جس کے ملک میں ایک سال بڑا قحط پڑا اور لوگ دانے دانے کو محتاج ہوگئے۔ ہزاروں بھوکے لوگ ...

کے محل کے آس پاس جمع ہوکر پکارنے لگے "ہمیں روٹی دو، ہمیں روٹی دو"۔ ملکہ نے محل میں آواز سُنی تو اپنی سہیلی سے پوچھا "یہ کیسا شور ہو رہا ہے؟" سہیلی نے کہا "ملکۂ عالم یہ لوگ بھوکے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں کھانے کو روٹی نہیں ملتی۔ ملکہ نے سہیلی سے کہا ان لوگوں سے کہہ دو روٹی نہیں ملتی تو کیک کھاؤ۔ اب تو ہمیں ان کہانیوں پر ہنسی نہیں آتی غصّہ آتا ہے۔ یہ لوگ کیسے بیوقوف تھے۔

ہم نے کہا ارے بھائی میں کب تمھیں یہ کہانیاں سُنانے جا رہا تھا۔ میں تو ایک بہت مزے دار کہانی سنانے والا تھا۔ "ہم بادشاہ کی کہانی نہیں سنیں گے"، بچوں نے نعرہ لگایا۔ اچھا اچھا مت سنو۔ آج تمھارا موڈ کچھ خراب معلوم ہوتا ہے کیا تم ہنسنا نہیں چاہتے؟ ہم نے پوچھا "نہیں نہیں، ہم ہنسنا چاہتے ہیں" بچے چلّائے مگر پہلے مٹھائی اور چاکلیٹ اور امّی نے خالص دودھ اور اصلی گھی کا بھی کہا ہے۔ اتنی دیر میں ریل پھر سے تیار ہوگئی۔ انجن صاحب نے سیٹی دی، ہمارا نعرہ، ڈبّے چلّائے "خالص دودھ، اصلی گھی"، ہماری مانگیں، ڈبّوں نے جواب دیا، مٹھائی اور چاکلیٹ"، تک، تک، تک، ریل کمرے سے باہر نکل گئی اور ہم ہنسنے کو اکیلے رہ گئے۔ ●

عنایت علی خاں

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بچو! آپ کو یہ تو معلوم ہی ہوگا کہ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو صحابی کہتے ہیں اور جن صحابیوں کو آپؐ کی جگہ حکومت کی ذمے داری دی گئی انھیں خلفائے راشدین کہتے ہیں۔ آج ہم تمھیں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک پیارے صحابی اور تیسرے خلیفہ راشد سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی باتیں بتائیں گے۔

جب ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکّے کے لوگوں کو مسلمان ہونے کی دعوت دی تو لوگ کافروں کے ڈر سے مسلمان نہیں ہوئے مگر جو لوگ ہمت والے تھے وہ مسلمان ہو گئے۔ سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریبی دوست تھے۔ ان کے کہنے سے ایمان لائے۔ ان کے چچا کو پتا چلا تو انھیں مارا پیٹا، لیکن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے یہ تکلیفیں خوشی سے برداشت کیں مگر اسلام سے منہ نہیں موڑا۔ اسلام قبول کرنے والوں میں آپ کا پانچواں نمبر ہے۔

جس خوبی کی وجہ سے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے محبت کرتے تھے وہ ان کی اسلام سے محبت، شرم وحیا اور سخاوت تھی۔ اسی وجہ سے آپؐ نے اپنی بیٹی کی شادی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے کی اور جب ان بیٹی کا انتقال ہوا تو دوسری بیٹی کی شادی کر دی۔ اسی لیے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین یعنی دو نور والے کہتے ہیں۔

اسلام کے لیے بہت زیادہ پیسا خرچ کرنے کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو "غنی" یعنی دولت مند کہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مدینے میں ایک کنواں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کرنے پر اور دوسری مرتبہ جہاد کے لیے بہت سا مال دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنتی ہونے کی بشارت دی۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی ایک فضیلت یعنی نمایاں خوبی یہ بھی ہے کہ انھوں نے اللہ کی راہ میں دو مرتبہ گھر بار چھوڑا یعنی ہجرت کی۔ ایک اور کام جس کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں کے دلوں میں بہت عزت ہے یہ ہے کہ انھوں نے قرآن شریف کی تلاوت کا ایک طریقہ مقرر کر دیا ورنہ ہر قبیلے اور علاقے کے لوگ اسے اپنے طریقے سے پڑھتے تھے۔ یہ ایسا ہی تھا جیسے بعض لوگ بازار کو بزار کہتے ہیں اور بعض بجار۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے قرآن کو اس طریقے سے لکھوایا جیسے ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے اور اس طرح لکھوا کر ملک کے مختلف حصوں میں رکھوا دیا کہ سب لوگ اسی طرح لکھیں اور پڑھیں۔ ایسا نہ ہوتا تو قرآن پڑھنے کے سیکڑوں طریقے ہو جاتے۔ کوئی کسی طرح پڑھتا، کوئی کسی طرح، سب ایک دوسرے کو غلط بتاتے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدبیر سے آج ساری دنیا میں ایک ہی طریقے سے قرآن شریف پڑھا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے دوسرے خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا گیا۔ آپ نے بارہ سال حکومت کی اور آپ کے زمانے میں اسلامی حکومت دور دور تک پھیل گئی۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طبیعت میں نرمی بہت تھی۔ ان کی اس نرمی سے ان لوگوں نے فائدہ اٹھایا جو ظاہر میں مسلمان ہو گئے تھے مگر تھے اسلام کے دشمن۔ وہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر غلط الزام لگانے لگے اور کہنے لگے کہ تم خلافت چھوڑ دو۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تمھیں اللہ ایک لباس پہنائے گا یعنی عزت کا عہدہ دے گا، تم لوگوں کے کہنے سے وہ لباس نہ اتارنا یعنی عہدہ نہ

چھوڑنا۔ اس وجہ سے انھوں نے منافقین کے کہنے پر عمل نہیں کیا اور خلافت نہیں چھوڑی۔

ایک موقع پر جب مدینے کے اکثر لوگ حج کے لیے مکّے گئے ہوئے تھے اسلام کے دشمنوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو گھیر لیا۔ کچھ لوگ ان کے پاس گئے کہ آپ کہیں تو ہم ان لوگوں سے لڑیں، لیکن آپ نے منع کر دیا اور کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے مسلمان آپس میں لڑیں۔ آخر ان برے لوگوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ اس وقت آپ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ قرآن شریف پر خون کے چھینٹے گرے۔ یہ قرآن شریف آج بھی موجود ہے۔ اسلام کی پوری تاریخ میں ایسی مثال نہیں ملتی کہ کوئی شخص حاکم ہوتے ہوئے ایسی مظلومیت سے اپنی جان دے دے، مگر مسلمانوں کو آپس میں نہ لڑنے دے۔ اپنی حیا، سخاوت، قرآن کی خدمت اور مظلوم شہادت کی وجہ سے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہمیشہ احترام سے لیا جائے گا۔

رشید الدین

ڈپٹی ڈائریکٹر (اردو) محکمۂ ترجمہ حکومت آندھرا پردیش

حیدرآباد-۱

بیوقوف بادشاہ

آج کا دور جمہوری دور ہے۔ یعنی اب عوام کے نمایندے الیکشن میں فتح حاصل کر کے اکثریت کی بنا پر حکومت تشکیل دیتے ہیں۔ آج کی حکومتیں عوام کے اعتماد پر منحصر ہوتی ہیں اور اگر ان کے نمایندے عوام کے اعتماد سے محروم ہوجائیں تو ایسی حکومت ٹوٹ جاتی ہے اور نئے سرے سے انتخابات منعقد کروا کر اکثریت کے نمایندوں کو حکومت تشکیل دینی ہوتی ہے۔ یہ انتخابات پارٹی کی بنیادوں پر منعقد ہوتے ہیں اور جو سیاسی پارٹی اکثریت حاصل کر لے وہی حکومت تشکیل دیتی ہے۔ ہمارا ملک ایک وفاقی ملک ہونے کی وجہ سے یہاں مرکز کے لیے الگ انتخابات ہوتے ہیں جو پارلیمنٹ کے انتخابات کہلاتے ہیں اور ریاستوں کے لیے الگ انتخابات منعقد ہوتے ہیں جو اسمبلیوں کے انتخابات کہلاتے ہیں۔

لیکن قدیم زمانہ میں یہ طریقہ رائج نہیں تھا اور بادشاہت کا دور ہوتا تھا جس میں ایک خاندان کی حکومت ایک لمبے عرصہ تک چلتی تھی اور موروثی ہوتی تھی یعنی باپ کے انتقال پر یقیناً اس کا بیٹا ہی بادشاہ بنتا تھا۔ یہ بادشاہ جنگیں جیت کر اپنی حکومتیں قائم کرتے تھے اور عوام کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ جو بادشاہ جنگ میں دوسرے بادشاہ کو ہرا دیتا، عوام بلا چون و چرا اس کی بادشاہت کو تسلیم کر لیتے تھے۔ اس میں سب سے بڑی برائی یہ تھی کہ اگر کسی بادشاہ کا بیٹا نااہل ہوتا تھا تو باپ کے بعد بادشاہ بن جاتا تھا۔ ایسے کمزور بادشاہوں کو ان کے وزیر اور مشیر خوب بیوقوف بناتے تھے۔

یہی وجہ ہے کہ قدیم زمانہ کے بہت سے بادشاہ اپنی بے وقوفیوں کے
لیے مشہور رہے ہیں اور ان کی بیوقوفیوں نے قصے کہانیوں کی شکل اختیار کرلی
کسی زمانہ میں ایک ملک پر ایسا ہی ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا اور اس کے وزیر اور
امراء اسے خوب بیوقوف بناتے تھے۔ پہلے زمانہ میں آبادی کم ہوتی تھی اور وسائل
زیادہ تھے اسی لیے آمدنی بھی خوب ہوتی تھی اور بادشاہوں کے خزانے بھرے
ہوتے تھے۔ پیسے ویسے کی انھیں کوئی کمی نہیں ہوتی تھی اور ان کے منہ سے نکلے
ہوئے الفاظ حکم کا درجہ رکھتے تھے جن کی فوری تعمیل کردی جاتی تھی۔

چنانچہ ایک بار یہ بادشاہ شکار کے لیے نکلا۔ ظاہر ہے شکار آبادی میں تو
نہیں بلکہ جنگل میں ملتے تھے کیونکہ جنگلی جانور وہیں پائے جاتے تھے اور اس زمانہ
میں بہت بڑی تعداد میں جنگلوں میں جنگلی جانور پائے جاتے تھے جن کا شکار آسانی
سے کرلیا جاتا تھا۔ بادشاہ کے ساتھ اس کا عملہ یعنی نوکر چاکر ساز و سامان اور وزیر
اعظم اور بعض درباری بھی موجود رہے۔ رات میں ٹھہرنے کے لیے خیموں کا انتظام
بھی تھا۔ جب شکار کھیلتے کھیلتے رات ہوگئی تو بادشاہ نے ایک جگہ خیمہ نصب
کرنے کا حکم دیا اور سب لوگ وہیں ٹھہر گئے۔ رات میں کھانا تیار ہوا اور تمام نے مل
کر کھانا کھایا اور سو گئے۔

جب رات زیادہ گزر گئی تو خیموں کے اطراف گیدڑوں کی ٹولیاں جمع ہونا شروع
ہوئیں تاکہ بچا کچا کھانا وغیرہ کھایا جاسکے۔ گیدڑ اپنی عادت کے مطابق خوشی سے
چیخ اور چلا رہے تھے۔ اس چیخ پکار کی آواز سن کر بادشاہ کی نیند کھل گئی اور
اس نے وزیر سے کہا کہ یہ کیسی چیخ پکار ہے۔ بادشاہ کی بیوقوفی، وزیراعظم اچھی
طرح جانتا تھا اور اس نے موقع سے فائدہ اٹھا کر اور سردی کے موسم کا سہارا
لے کر کہہ دیا کہ حضور جنگلی جانوروں کو آپ کی آمد کی اطلاع مل چکی ہے اور وہ لوگ
سردی سے بچنے کے لیے آپ سے فریاد کر رہے ہیں۔ بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ
ان جنگلی جانوروں کو سردی سے بچنے کے لیے گرم کپڑے مہیا کیے جائیں۔

وزیراعظم نے شہر جاکر ایک بڑی رقم سے ایک حویلی تعمیر کرلی اور شان
سے اس میں رہنے لگا۔ بادشاہ کو پتا بھی نہیں چلا۔ اور وزیراعظم نے اس سے

کہہ دیا کہ حضور آپ کے حکم کی تعمیل کر دی گئی اور آپ نے جو رقم منظور کی تھی اس سے تمام جنگلی جانوروں کو گرم لباس سلوا دیے گئے ہیں۔

جب گرما کا موسم آیا تو بادشاہ کو پھر شکار کی سوجھی اور وہ اپنے نوکر چاکر اور ساز و سامان کے ساتھ نکل پڑا۔ رات میں پھر خیمے نصب ہوئے۔ جب رات زیادہ ہوگئی تو پھر گیدڑ خیموں کے اطراف جمع ہونے لگے۔ بادشاہ کی آنکھ ان کی چیخ و پکار سے کھل گئی اور اس نے وزیر اعظم سے پوچھا۔ اب یہ جانور کیا کہہ رہے ہیں۔ چالاک وزیر اعظم نے جواب دیا کہ حضور یہ آپ کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔

تنویر پھول

نصیحت کے پھول

اے میرے پیارے بچو! کرتا ہوں یہ ہدایت
لازم ہے یہ کرو تم اللہ کی عبادت

تم جان و دل سے بچو! حکمِ رسولؐ مانو
دل میں رہے تمہارے پیارے نبیؐ کی الفت

سمجھو اسے خدارا اس پر کرو عمل بھی
صبح و مسا کرو تم قرآن کی تلاوت

استاد کا ادب تم کرتے رہو ہمیشہ
اور جان و دل سے بچو! ماں باپ کی ہو خدمت

سمجھاؤ ظالموں کو باز آئیں ظلم سے وہ
ہے فرض تم پہ بچو! مظلوم کی اعانت

دل صاف ہو تمہارا ایماں سے ہو منور
اس آئینے پہ ہرگز آنے نہ دو کدورت

ہر پھول اس کا بچو! دامن میں اپنے رکھ لو
ہے سامنے تمہارے اک گلشن نصیحت

اسلم جمشید پوری

احساس

شمیم آج بہت خوش تھا۔ اس نے کل جو لاٹری کا ٹکٹ خریدا تھا، آج اس پر دس روپے کا انعام نکلا تھا۔ وہ دوڑا دوڑا اپنے دوست ذاکر کے پاس پہنچا۔

"ارے ذاکر! آج تو کمال ہو گیا۔ میرے لاٹری ٹکٹ پر دس روپے کا انعام نکلا ہے۔" شمیم نے ذاکر کے کندھے ہلاتے ہوئے کہا۔ اور پھر اس نے جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر دکھایا۔

"تو پھر ہو جائے کچھ۔۔۔۔؟" ذاکر نے اپنے دوست کی خوشی میں شریک ہوتے ہوئے کہا۔

اور پھر دونوں پاس ہی کے ایک ہوٹل میں گئے۔ ہوٹل میں ایک کونے کی ٹیبل پر بیٹھتے ہوئے شمیم بولا۔

"دیکھ یار۔ صرف پانچ روپے ہی خرچ کروں گا۔ باقی پانچ روپے کے مجھے ٹکٹ خریدنے ہیں۔ ہاں۔" اور پھر شمیم نے بیرے کو پاس بلا کر آرڈر دیا۔ ہوٹل سے نکل کر دونوں لاٹری کی دکان پر پہنچے۔ شمیم نے ایک روپے والے پانچ ٹکٹ خریدے ٹکٹوں کو سنبھال کر پتلون کی اندرونی جیب میں رکھا اور دونوں واپس اپنے گھروں کو آ گئے۔

شمیم آٹھویں کلاس میں پڑھتا تھا۔ ذاکر اس کا واحد جگری دوست تھا۔ دونوں ہر وقت ایک ساتھ رہا کرتے تھے۔ شمیم ایک غریب گھرانے کا لڑکا تھا۔ اس کے والد مزدور تھے۔ گھر کا خرچ بمشکل چلتا تھا۔ شمیم کے اسکول کے راستے میں ایک لاٹری کی دکان تھی۔ جس پر ایک آدمی بیٹھا ہر وقت دلکش اور مزے دار تیلیوں میں

لاٹری کی تعریف کرتا رہتا تھا۔ شمیم ہر روز ان جملوں کو غور سے سنتا تھا۔ ایک روز اس نے اپنے جیب خرچ سے ایک روپے کا ایک ٹکٹ خرید لیا۔ اگلے روز جب اس کے ٹکٹ پر دس روپے کا انعام نکلا تو وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا اور پانچ روپے کے ٹکٹ خرید لیے۔

اس بار پھر شمیم کے ٹکٹوں پر کل ۲۵ روپے کا انعام نکلا تھا۔ دونوں دوستوں نے مل کر خوب مزے لوٹے۔ شمیم بہت ہی خوش تھا، اُسے اپنی قسمت پر ناز ہونے لگا۔ اب اس کا معمول یہ بن گیا کہ انعامی رقوم سے وہ مزید ٹکٹ خرید لیا کرتا۔ اس نے کئی بار ذاکر کو بھی اس طرف راغب کیا لیکن ذاکر نے اسے بتایا تھا کہ اس کے والد لاٹری کو پسند نہیں کرتے اگر انھیں پتا چل گیا تو اچھا نہیں ہوگا۔ اس پر شمیم اسے سمجھاتا کہ لاٹری تو دراصل اپنی قسمت آزمانے کا ذریعہ ہے۔ شمیم کے ساتھ اکثر یہ ہوتا کہ اس کے ٹکٹوں پر کبھی پانچ، کبھی دس اور کبھی پچاس روپے نکل ہی آتے۔

آج اسکول میں فیس جمع کرنے کا آخری دن تھا۔ شمیم کے پاس ۲۰ روپے تھے۔ وہ اسکول جارہا تھا۔ لاٹری کی دکان کے قریب اس کے کانوں میں عجیب قسم کے اعلان کی آواز پڑی۔

"لاٹری کی دنیا میں انقلاب"، "پانچ روپے کے ٹکٹ پر لاکھوں روپے کے انعامات"، پہلا انعام دو لاکھ روپے" "بھولیے نہیں۔ ایسا موقع نہ گنوائیں۔ آئیے۔ ٹکٹ بہت کم رہ گئے ہیں۔ ڈرا بھی آج ہی ہے"۔

شمیم کے قدم رُک گئے تھے۔ وہ کھڑا ہو گیا اور لاٹری کی دکان پر لگی لوگوں کی بھیڑ کو دیکھنے لگا۔ اس کے ذہن میں خیال آیا، ٹکٹ خرید لوں۔ ہوسکتا ہے دو لاکھ روپے میری ہی قسمت میں ہوں۔ اگر پہلا انعام مجھے مل گیا تو پھر گھر کی ساری غریبی دور ہو جائے گی۔ ابا کو مزدوری نہیں کرنا پڑے گی، ماں کی ہر وقت مرجھائی صورت پر گلاب کھل اٹھیں گے۔ میں پھر راجا کی طرح سائکل پر اسکول جایا کروں گا اور پھر مزے ہی مزے ہوں گے۔ اب گھر کتنی مشکلوں سے چلتا ہے۔ کبھی کبھی تو گھر میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہوتی۔ آج بھی ماں نے کتنی مشکل سے بیس روپے دیے تھے۔ نہیں۔ نہیں۔ تو ان روپوں کے ٹکٹ نہ خرید۔ اگر تو نے آج فیس جمع نہیں کی تو تیرا نام کٹ جائے گا

اور اس بات کی کیا ضمانت کہ کل تیری لاٹری نکل ہی آئے ۔" اس کے دماغ نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن شمیم دو لاکھ روپے کی حسین دنیا میں مگن لاٹری کی دکان کی طرف چل پڑا۔ اور اس نے پانچ روپے والے چار ٹکٹ خرید لیے۔ ٹکٹ خوب حفاظت سے رکھنے کے بعد وہ اسکول آگیا۔

کلاس میں جب فیس دینے کی اس کی باری آئی تو اس نے ماسٹر صاحب سے کہا۔

"سر! آج میں پیسے نہیں لاسکا۔ کچھ مجبوری ہے سر۔ میں کل آپ کو ضرور فیس دے دوں گا۔ آپ میری مدد کیجیے سر۔ صرف ایک دن کی بات ہے میں کل فیس دے دوں گا۔"

"ٹھیک ہے لیکن کل ضرور فیس لے آنا۔ ورنہ تمہارا نام خارج کر دیا جائے گا۔"
اسکول سے واپسی پر وہ سوچ رہا تھا۔ کل تو لاٹری نکل ہی آئے گی۔ ہو سکتا ہے پہلا انعام آجائے۔ پھر تو میں سال بھر کی فیس جمع کر دوں گا۔ چار ٹکٹ خریدے ہیں ایک آدھ تو لڑے گا ہی ــــ پھر تو میں اپنے کلاس کے لڑکوں کو دعوت دوں گا اور روز نیا لباس پہن کر آیا کروں گا تاکہ راجا بھی جان لے کہ شمیم بھی کوئی کم نہیں۔

رات بڑی بے چینی سے تارے گنتے ہوئے گزاری۔ نیند اس کی آنکھوں سے دور تھی۔ اسے پتا ہی نہ چلا کہ وہ کب سویا، اور کب صبح کی کرنوں نے اسے بیدار کیا۔ اس کا اسکول ۱۰ بجے صبح شروع ہوتا تھا۔ وہ جلدی جلدی تیار ہو کر بنا کچھ کھائے پیے اسکول کے لیے تیار ہو گیا۔ ماں نے اسے ناشتے کے لیے کہا تو اس نے بہانہ بنا دیا۔ ۷ بجے ہی گھر سے نکل پڑا۔ سیدھا ذاکر کے گھر پہنچا۔ اسے اپنے ساتھ لے کر بازار گیا۔ بازار کے باہر ہی اخبارات کی دکان تھی۔

"پنجاب کیسری ہے؟" اس نے دکاندار سے پوچھا۔

"نہیں ــــ ابھی آیا نہیں ہے۔ پتا نہیں آج کیوں لیٹ ہو گیا۔ ویسے آتا ہی ہو گا۔"

دونوں دوسری کتابیں دیکھنے لگے۔ شمیم کا ذہن ہر آہٹ پر لگا تھا۔ کوئی آتا تو شمیم نظر اٹھا کر دیکھتا۔ شاید اخبار لے کر کوئی آیا ہو۔ دو گھنٹے گزر گئے اور اخبار

نہیں آیا۔ شمیم بولا۔

"ذاکر! یار دیکھو آج ہی اخبار بھی نخرے دکھا رہا ہے۔ بہت دیر ہو گئی ہے مگر مجھے لگتا ہے 'دیر آئے درست آئے' والی بات ہونے والی ہے....." اس کی بات پوری بھی نہ ہو پائی تھی کہ اخبار آگیا۔ شمیم کا دل تیز دھڑکنے لگا۔ نگاہوں میں ماں کا مرجھایا چہرہ اور باپ کی پسینے میں تر صورت آگئی۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اخبار کھولا۔ لاٹری کے نتائج کو تلاش کیا۔ اور پھر اپنا نمبر تلاش کرنے لگا۔ پہلے انعام کے نمبر پر اس کی نظر جم گئی۔ بالکل وہی نمبر تھا۔ اس کے ایک ہاتھ میں اپنے ٹکٹ کے نمبر لکھے تھے۔ اس نے ایک ایک نمبر ملانا شروع کیا۔ اس کے دل کی دھڑکن اپنے عروج پر تھی۔ ایک ایک نمبر صحیح مل گیا تھا۔ وہ خوشی کے جذبے سے چیختا ہی چاہتا تھا کہ ذاکر نے اس سے اخبار لے کر نمبر دیکھا اور پھر اس کی ہتھیلی پر لکھا نمبر۔ اور بولا۔

"شمیم لاؤ ذرا اس نمبر کا اپنا ٹکٹ دکھاؤ۔" شمیم نے پتلون کی اندرونی جیب سے تہہ کیا ہوا ٹکٹ نکالا اور ذاکر کو دے دیا۔ شمیم نے نمبر ملایا۔ پورے نمبر مل رہے تھے مگر آخر کا ایک نمبر مختلف تھا۔ ریزلٹ میں آخری نمبر ۱۳ تھا جبکہ شمیم کے ٹکٹ کا نمبر ۱۹ تھا لیکن شمیم کی ہتھیلی پر ۱۳ ہی درج تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ شمیم نے ٹکٹ کے نمبر ہاتھ میں لکھتے وقت ۱۹ کے بجائے ۱۳ لکھ لیا تھا۔ ذاکر نے شمیم سے کہا۔

"شمیم تمہارا نمبر بس کچھ ہی نمبر سے رہ گیا۔ آؤ۔ اسکول چلیں۔ دیر ہو رہی ہے۔" شمیم کے کاٹو تو خون نہیں، وہ روہانسی صورت بنائے کھڑا تھا۔ ذاکر کے سمجھانے پر وہ افسردہ سا اسکول کی جانب چل پڑا۔

کلاس شروع ہوئی۔ حاضری لینے کے بعد ماسٹر صاحب نے شمیم کو پکارا اور کہا۔ "شمیم لاؤ۔ فیس جمع کرا دو۔ مجھے فیس کا حساب کرنا ہے۔ لاؤ جلدی کرو۔"

دوسری طرف شمیم کی حالت بری تھی۔ اس کا دل رو رہا تھا۔ اس کے حلق میں کانٹے اگ آئے تھے آواز اٹکیں کانٹوں میں پھنس گئی تھی وہ اپنی بنچ پر کھڑا ہو گیا اور رونے لگا۔ اس پر ماسٹر صاحب اس کے قریب آ گئے تھے۔ اس نے روتے روتے اپنی آپ بیتی سنا دی۔

"مجھے کچھ نہیں سننا مجھے تو فیس چاہیے۔ فیس نہیں ہے۔ میں تمہارا نام خارج

سے خارج کیے دیتا ہوں۔ جاؤ گھر جاؤ۔ اب تمھیں یہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"
ماسٹر صاحب بہت غصے میں تھے اور اُن پر شمیم کے رونے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ شمیم نے روتے روتے کتابیں اٹھائیں اور کلاس سے باہر آگیا۔ وہ روتا ہوا اور دل ہی دل میں خدا سے معافی مانگتا ہوا جا رہا تھا۔

"اے خدا تو مجھے اس بار معاف کر دے۔ پھر میں کبھی لاٹری کے چکر میں نہیں پڑوں گا۔ ایک بار تو کہیں سے مجھے ۲۰ روپے دے دے میں تیرا احسان مانوں گا۔ اور ذاکر کے ابو کی طرح مسجد میں جاکر پانچوں وقت نمازیں پڑھوں گا۔۔۔۔"
ابھی وہ کچھ ہی دور گیا تھا کہ اس کی سماعت سے اس کا نام ٹکرایا۔

"شمیم!"

اس نے مڑ کر دیکھا، اس کے کلاس ٹیچر چلے آرہے تھے۔ وہ جوں ہی قریب آئے شمیم ان سے لپٹ پڑا۔ "سر! مجھے معاف کر دیجیے۔ میری مدد کیجیے۔ سر مجھے ۲۰ روپے اُدھار دے دیجیے۔ میرے والدین بہت غریب ہیں سر۔"

"ٹھیک ہے بیٹا۔ کوئی بات نہیں۔ چُپ ہو جاؤ۔ میں تمھیں احساس دلانا چاہتا تھا۔ تمھیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ بس یہ ہی میری کامیابی ہے۔ فیس کی فکر نہ کرو۔ میں نے تمھاری فیس جمع کر دی ہے۔ تمھارا نام کٹا نہیں ہے۔ بس اب آنسو پونچھ لو۔ اور پڑھائی میں محنت کرو۔ تم نے اِدھر کئی مہینوں سے پڑھائی میں اپنی توجہ کم کر دی تھی۔ اور ہاں۔ پیسے ادھار مت سمجھنا۔ میرا ابھی تو کوئی بیٹا نہیں ہے میں تم سب کو اپنی اولاد سمجھتا ہوں۔"

شمیم کو لگا اللہ نے اس کی دُعا سن لی ہے اور ماسٹر صاحب کی شکل میں اپنا فرشتہ بھیج دیا ہے۔ اس نے دل ہی دل میں بُرے کاموں سے توبہ کی اور نئی امنگوں اور جوش کے ساتھ وہ ماسٹر صاحب کے ساتھ واپس اسکول کی طرف چل پڑا۔

بقیہ (بچوں سے باتیں) شامل ہیں جو دلچسپ بھی ہیں اور معلومات سے پُر بھی۔ خلائی سمیت کا مضمون ذرا مشکل تو ہے مگر ہے بہت اہم ضرور پڑھیے۔ سائنس کیا ہے اور رہبرہ تو معلومات کا خزانہ ہیں۔ پڑھیے اور اپنی رائے لکھیے۔

جاگو جگاؤ

خاص پیغام

میرے عظیم نونہالو !

قرآن حکیم میں ہے : "زیادتی کا ہم پلہ انتقام، مگر صبر کرنے والوں کے حق میں صبر کرنا بہتر ہے۔" (سورۃ نحل) اسی بات کو قرآن کریم میں ایک جگہ کہا گیا ہے : "برائی کو حسن کلام اور حسن سلوک سے دور کرو۔"

میرے نونہالو ! میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہارے ساتھ کوئی برائی کرے تو تم انتقام کی آگ میں کبھی نہ جلنا، بلکہ صبر کرکے معاف کر دینا۔ (ادفع بالتی ہی احسن السیئۃ) یہ بہت بڑائی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی تم سے غلط سلوک کرے تو تم اس کا جواب اچھے سلوک سے دینا۔ تم ہمیشہ غالب رہو گے۔

قرآن حکیم و کریم میں اللہ تعالیٰ نے قلم کی قسم کھائی ہے۔ (ن، والقلم وما یسطرون) اس لیے قلم مقدس ہے۔ قلم مبارک ہے۔ قلم عظیم ہے۔ قلم رفیع ہے۔ جب قلم تمہارے ہاتھ میں آئے تو تم اس سے ہمیشہ سچ لکھنا۔ یہ سچ تم کو جرات عطا کرے گا۔ تم کو بڑا انسان بنائے گا۔

علم و حکمت حاصل کرنے میں محنت سے کبھی جی نہ چرانا تاکہ تم جرات سے کہہ سکو کہ ناممکن میری لغت میں کوئی لفظ نہیں ہے۔ ۱۹۹۵ء میں اگر تم نے میرے ان تجربات پر عمل کر لیا تو عظمت اور رفعت تم کو سلام کریں گی۔

تمہارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

مسجد

عتیق الرحمٰن صدیقی

مسجد کے معنی سجدہ کرنے کی جگہ کے ہوتے ہیں، مگر جب ہم اپنے دین اسلام کی رو سے بات کر رہے ہوں تو اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کو ہم اپنے اللہ کی عبادت اور بندگی کے لیے خاص کر لیتے ہیں۔ مسلمان جہاں بھی بستے ہوں وہ اپنے لیے مسجد ضرور تعمیر کرتے ہیں، اس لیے مسجد اسلامی زندگی کا ایک ایسا مرکز ہے کہ جس کے گرد مسلمانوں کی پوری زندگی گھومتی ہے۔ وہ دن کے پانچوں اوقات میں یہاں اکٹھے ہو کر ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرتے ہیں۔ جمعے کے دن زیادہ تعداد میں جمع ہو کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ نیکی اور بھلائی کی باتیں سنتے ہیں اور یوں اللہ کا یہ گھر ان کی محبت، پیار اور ایک دوسرے کی غم خواری کا ذریعہ بنتا ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکّہ مکرمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو پہلا کام آپؐ نے یہ کیا کہ زمین خریدی اور مسجد کی تعمیر کا کام شروع کر دیا۔ آپؐ اپنے مبارک ہاتھوں سے اینٹ پتھر اٹھاتے رہے اور تعمیر کا کام مکمل فرمایا۔

مسجد تعمیر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ ہم صرف ایک عمارت کھڑی کر لیں بلکہ اس کا مقصد اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے:

"ان عمارتوں میں جن کے بارے میں اللہ کا یہ حکم ہے کہ ان کو اونچا اٹھایا جائے اور ان میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جائے۔" (القرآن)

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

"اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں۔" (القرآن)

اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم حقیقی طور پر اس کے گھر کو آباد کریں، اس لیے یہ ہدایت دی گئی: "اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو!"

آپؐ نے فرمایا:

"جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا اکیلے نماز پڑھنے کے مقابلے میں ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔"

وہ لوگ جن کا دل مسجد میں اٹکا ہو اور مسجد کی دیکھ بھال میں لگے رہتے ہوں اللہ کے ہاں ان کا بڑا مرتبہ ہے۔ حضورؐ نے فرمایا:

"وہ شخص عرش الٰہی کے سائے میں ہوگا جس کا دل مسجد میں لگا رہتا ہو۔"

آپؐ نے مسجد سے تعلق کو ایمان کی علامت قرار دیا ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "حضورؐ کا ارشاد ہے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ اس کو مسجد سے شغف ہے اور وہ اس کی دیکھ بھال میں لگا رہتا ہے تو گواہ رہو کہ وہ صاحبِ ایمان ہے۔" یہ بھی فرمایا کہ جو شخص گھر سے وضو کر کے مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے تو اس کے مسجد پہنچنے پر اللہ ایسے خوش ہوتا ہے جیسے کسی مسافر کی سفر سے واپسی پر گھر والے اس سے مل کر خوش ہوتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں آئے تو پہلے نبیؐ پر درود بھیجے اور پھر یہ دعا پڑھے: "اے اللہ! میرے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔ فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی مسجد میں جائے تو جب تک دو رکعت نماز نہ پڑھ لے نہ بیٹھے۔

مسجد کا ادب بجا لانا اور احترام کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ نمازی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسجد میں سکون اور عاجزی کے ساتھ بیٹھے۔ شور و غل نہ کرے اور ہنسی مذاق اور خرید و فروخت کی باتیں نہ کرے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ مسجد میں خالص دنیا کی باتیں کریں گے۔ تم ایسے لوگوں کی بات چیت میں شریک نہ ہونا۔ اللہ ایسے لوگوں کی نماز قبول نہیں فرماتا۔

مسجد کے احترام کا یہ تقاضا بھی ہے کہ جب آدمی مسجد میں داخل ہو تو جہاں جگہ ہے عاجزی سے بیٹھ جائے' لوگوں کے اوپر سے پھاند کر اور لوگوں کو ہٹا کر آگے جانے کی کوشش نہ کرے۔ کوئی بدبودار چیز کھا کر مسجد میں جانا بھی درست نہیں۔ آپؐ نے فرمایا:

"لہسن' پیاز کھا کر کوئی مسجد میں نہ آئے' اس لیے کہ جس چیز سے انسانوں کو تکلیف

پہنچتی ہے اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔"
اگر کوئی چیز گم ہو جائے تو مسجد میں اس کا اعلان بھی مناسب نہیں۔ آپؐ کے زمانے میں اگر کوئی اعلان کرتا تو آپؐ ناراض ہوتے اور فرماتے: "اللہ تجھ کو تیری گم شدہ چیز نہ دلوائے۔"
مسجد کو پاک صاف کرنا، اس میں خوشبو کا اہتمام کرنا بھی مسجد کا حق ہے۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا: "مسجد میں جھاڑ پونچھ کا اہتمام رکھنا، مسجد کو پاک صاف رکھنا، مسجد میں خوشبو کا انتظام کرنا خاص طور پر جمعے کے دن مسجد کو خوشبو میں بسانا یہ تمام کام جنت میں لے جانے والے ہیں۔"
مسجدوں کو صاف ستھرا رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا یقیناً بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے اور اس میں عمل میں کوتاہی درست نہیں، مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم مسجدوں کو اللہ کے ذکر سے آباد رکھیں۔ ایسی باتیں نہ کریں جن سے فتنہ و فساد رونما ہو اور ہم ایک دوسرے کے قریب ہونے کے بجائے دور ہوتے چلے جائیں۔ ہم لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف حکمت و دانائی اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلائیں۔ اگر تبادلہ خیال کریں بھی تو بھلے طریقے سے اور کسی پر تنقید کریں تو وہ بھی خوب صورت انداز سے کریں تاکہ اللہ کے یہ گھر امن و سلامتی اور محبت کے مرکز بن جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفیں سیدھی کرنے پر بہت زور دیتے تھے۔ فرماتے تھے:
"اللہ کے بندو! اپنی صفوں کو برابر سیدھا اور برابر کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ اس کے بدلے اللہ تمہارا رُخ ایک دوسرے کے خلاف کر دے۔"
کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کا مقصد ہی یہ ہے کہ ہماری صفیں سیدھی اور برابر ہوں۔ یوں ظاہر میں بھی کوئی ٹیڑھ دکھائی نہ دیے اور ہم آپس میں بھائی بھائی بن جائیں۔ اگر ہم اللہ کے گھر میں بھی ایک دوسرے کی جان کے درپے ہوں گے تو دوسرے لفظوں میں ہم اس گھر کو ویران کر رہے ہوں گے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:
"اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ کے گھروں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور اس کی ویرانی کے درپے ہو۔ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں۔ ان کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بہت بڑا عذاب ہے۔ (البقرہ)

سائنس کیا ہے؟ کیوں ہے؟

شان الحق حقی

عام طور پر سائنس کا نام کچھ گنے چنے علوم کو دیا جاتا ہے۔ جیسے فزکس (طبیعیات)، کیمسٹری (کیمیا)، بیالوجی (حیاتیات)، لیکن دراصل ہر علم سائنس کی تعریف میں شامل ہے۔ سائنس علم ہے اور علم سائنس۔ یہ لاطینی زبان کے لفظ Siere سے بنا ہے جس کے معنی ہیں جاننا۔ علم کے بھی یہی معنی ہیں۔

سائنس کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انسان دنیا میں رہنے کے لیے پیدا ہوا تھا، اس لیے ضروری تھا کہ دنیا کو جانے اور سمجھے۔ اس کے لیے اسے حواس دیے گئے تھے، یعنی دیکھنے، سننے، چکھنے، سونگھنے اور چھونے کے لیے آنکھیں، کان، زبان، ناک اور جسم۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ جو گرمی سردی، نرمی سختی وغیرہ کو محسوس کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ انسان نے ذہانت بھی پائی تھی۔ یعنی جو کچھ وہ دیکھتا اور جانتا ہے اس سے نتیجے نکالنا۔ مثلاً انسان نے دیکھا کہ زمین پر اگنے والے بعض ساگ پات پھل وغیرہ مزے دار ہیں اور کوئی نقصان نہیں پہنچاتے اور دوسرے کڑوے ہیں، بدمزہ یا زہریلے ہیں۔ یہ باتیں اس نے تجربے سے جانی تھیں۔ یہ اس کا ابتدائی علم تھا جس سے آگے چل کر نباتیات (پودوں کا علم) طب اور غذاؤں کے علم پیدا ہوئے۔

اسی طرح انسان نے دیکھا کہ سورج مشرق سے نکلتا ہے۔ مغرب میں ڈوب جاتا ہے، رات ہو جاتی ہے، تو چاند تارے آسمان پر دکھائی دینے لگتے ہیں اور وہ ٹھیرے ہوئے نہیں، چلتے رہتے ہیں۔ انسان نے ان کی حرکت کو غور سے دیکھا اور اپنی سمجھ سے کام لے کر کئی باتیں معلوم کیں۔ مثلاً یہ کہ قطب تارہ ایک ہی جگہ ٹھیرا رہتا ہے۔ کچھ ستارے تیز چلتے ہیں کچھ ذرا دھیمی رفتار سے چلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ چاند ایک رات غائب ہو جاتا ہے۔ پھر پتلا سا ہلال نکلتا ہے جو روز بڑھتا رہتا ہے۔ چودھویں رات کو پورا چاند بن جاتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع کر

رہا ہے۔ چاند کے اس پورے چکر کو اس نے ماہ یا مہینے کا نام دیا اور مشاہدات سے اس علم کی ابتدا ہوئی جسے فلکیات یا انگریزی میں (Astronomy) کہتے ہیں۔ اس ابتدا سے چل کر جیسے جیسے انسان کے مشاہدات اور علم میں اضافہ ہوا' دور بینیں وغیرہ ایجاد ہوئیں تو فلکیات کے علم نے اتنی ترقی کی کہ انسان چاند پر بھی پہنچ گیا اور آسمان اور کائنات کی بابت بہت سے پرانے تصورات بدل گئے۔

اب سے دو ڈھائی ہزار برس پہلے ہی آسمان کا مشاہدہ کرنے والے اب اس قابل ہو گئے تھے کہ بہت پہلے سے یہ بتادیں کہ سورج گرہن یا چاند گرہن کس دن اور کس وقت ہوگا۔ عام لوگ جو اس علم سے واقف نہیں تھے بڑی حیرت کرتے تھے کہ یہاں بیٹھے بیٹھے ان لوگوں کو آئندہ کی خبر کیسے ہو جاتی ہے۔ ستاروں کے علم (نجوم) کے ماہر وہ سارا حساب تو سمجھا نہیں سکتے تھے کہ کیوں کر معلوم کیا' انھوں نے لوگوں پر یہ رعب ڈالا کہ ہم آئندہ کی باتیں بتا سکتے ہیں۔ انسان کو اس بات کی بڑی خواہش ہوتی ہے کہ کسی طرح آئندہ کی باتیں معلوم ہو جائیں' اس لیے لوگ نجومیوں کی باتوں کو بڑے شوق سے سنتے تھے۔ کچھ اتفاق سے صحیح بھی ہو جاتی تھیں۔ سکہ سو بار اچھالو تو تقریباً پچاس دفعہ سیدھا اور پچاس دفعہ الٹا گرے گا۔ اسے ریاضی میں قانون اوسط کہتے ہیں۔ اسی طرح آدھی باتیں سچی نکلتی تھیں اور ان سے لوگ بڑا رعب کھاتے تھے' مگر قدرت کا منشا یہ نہیں ہے کہ آج ہی آئندہ کا حال کھل جائے۔ آدمی صرف اندازہ لگا سکتا ہے' قیاس کر سکتا ہے کہ جو بیج آج بویا ہے کتنے دن میں پھل دے گا' اور یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے۔ مگر کون کتنی عمر پائے گا' کس کی کب شادی ہوگی' کتنے بچے ہوں گے' قسمت کیسی رہے گی' قدرت کا منشا یہ نہیں کہ یہ سب باتیں آج ہی کھل جائیں۔ اس طرح زندگی نہیں چل سکتی۔ جیسا کہ قرآن میں ہے' غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ غیب اسے کہتے ہیں جو ظاہر نہیں ہوا۔ سائنس دلیل اور مشاہدے اور پورے ثبوت کے بغیر کسی بات کو نہیں مانتی۔ جب انسان کو بہت سا علم حاصل ہو گیا تو اس نے اس کو خانوں میں تقسیم کیا۔ بعض بنیادی شعبے ہیں جیسے طبیعیات جو مادے یا ٹھوس اشیا' روشنی و توانائی وغیرہ کو جانچتا پرکھتا ہے۔ اس جستجو میں انسان ایٹم تک پہنچ گیا۔ یعنی سب اشیا ایٹم سے بنی ہیں جو مادے کا چھوٹے سے چھوٹا ذرہ ہے اور اس میں بھی ایک مرکز کے گرد چھوٹے چھوٹے برقیرے ہوتے

ہیں۔ ایٹموں سے سالمے (Molecule) بنتے ہیں جن سے دھاتوں کی شناخت ہوتی ہے۔
ایک علم کیمسٹری ہے جو بنیادی عناصر یا دھاتوں کا مشاہدہ کرتی ہے کہ یہ آپس میں مل کر کیا کیا صورتیں اختیار کرتی ہیں۔ اب تک انسان نے ۹۲ عناصر یا مادے کے بنیادی اجزا دریافت کیے ہیں۔

پھر بعض ایسے علم ہیں جو کئی بنیادی سائنسوں کی مدد لیتے ہیں' مثلاً زراعت جو کیمیا سے بھی مدد لیتی ہے' حیاتیات سے بھی' یا طب جو کئی علموں پر مبنی ہے۔

سائنس بنیادی حقائق اور اصول دریافت کرتی ہے۔ ان کی مدد سے انسانی ضرورتوں کو پورا کرنا' زندگی کی سہولتیں پیدا کرنا' علم سے عملی کام لینا یہ اطلاقی علم یا ٹیکنالوجی ہے۔ مثلاً مختلف طرح کے گہرے یا ابھرواں شیشوں میں روشنی کے گزرنے سے چیزوں کے عکس کا بڑا یا چھوٹا ہو جانا' یہ سائنس کا مشاہدہ تھا۔ اس سے کام لے کر دوربین' خرد بین' کیمرا' عینک وغیرہ بنانا یہ تکنیکی کام ہے۔ سنکونا ایک کڑوا مادہ ہے جو ایک درخت سے حاصل ہوتا ہے اور ملیریا کے جراثیم کو مارتا ہے۔ اس سے کونین کی گولیاں بنانے کے لیے جو عمل یا مہارت چاہیے وہ تکنیک ہے۔

سائنس شوق' لگن اور ذہانت سے کام لے کر مادی دنیا کے حقائق معلوم کرنے کا نام ہے۔ سائنس کے نزدیک حقائق یا سیدھی سچی باتیں وہ ہیں جو منطقی طور پر درست کہی جا سکیں۔ منطق بات کو پرکھنے کے گر بتاتی ہے کہ کیا بات عقلی طور پر ماننے کے قابل ہے کیا نہیں۔ جیسے جیسے انسان کا علم بڑھا بہت سے وہم دور ہو گئے۔ پہلے انسان بجلی کے چمکنے اور بادلوں کے گرجنے کو آسمانی دیوتاؤں کا کرشمہ سمجھتا تھا۔ پھر اس نے سمجھ لیا کہ بجلی اور گرمی رگڑ سے پیدا ہوتے ہیں اور یہ فطرت کا ایک بنیادی اصول ہے۔ ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑو' گرم ہو جائیں گی۔ بگولوں کے اٹھنے کو سمجھتا تھا کہ بھوت ناچ رہے ہیں۔ دور سے فاسفورس کے ذروں کو چمکتا دیکھ کر سمجھتا تھا کہ "اگیا بتیاں" ہے' یعنی مرگھٹ کا بھوت۔ سائنس نے بہت سی باتیں عقلی طور پر سمجھا دیں۔

قدرت کے کارخانے میں ہر چیز کے ساتھ اس کی ضد یا الٹ یا مخالف چیز بھی ہوتی ہے۔ جیسے روشنی کے ساتھ اندھیرا' اسی طرح علم کے ساتھ جہل بھی دنیا میں موجود رہا ہے۔ اب بھی

بہت سے لوگ حقائق کو کچھ کا کچھ سمجھتے ہیں۔

اب سے کوئی ہزار برس پہلے تک مسلمانوں میں بعض خامیوں کے باوجود علم یا سائنس کا خاصا چرچا رہا۔ خاص طور پر سائنس کو مسلمانوں نے ترقی دی۔ پھر یہ ہوا کہ یورپ نے تو مسلمان سائنس دانوں کی دریافتوں سے بہت فائدہ اٹھایا اور انھیں آگے بڑھایا۔ مسلمانوں میں علم کا چرچا کم ہوگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہم ترقی کی دوڑ میں بہت پیچھے جا پڑے۔ یورپی قومیں ہم سے بہت آگے نکل گئیں یہ بڑے افسوس کی بات ہے۔ اب ہمیں کوشش کرکے علم کے میدان میں آگے آنا چاہیے۔ ابھی انسان کو بہت کچھ دریافت کرنا ہے۔ اس میں ہمارا حصہ دوسروں سے بڑھ کر ہو تب بات بنے گی۔

جدید نرسنگ کی بانی۔ فلورنس نائیٹ انگل
چراغ والی خاتون

فلورنس نائیٹ انگل ایک انگریز خاتون ہے جو ۱۸۲۰ء میں پیدا ہوئی۔ وہ امیر خاندان سے تعلق رکھتی تھی، لیکن اس نے نرسنگ یعنی بیماروں کی تیمارداری کا پیشہ اختیار کیا۔ اس نے اپنی بے لوث خدمت سے اس پیشے کو باعزت پیشہ بنوایا۔

۱۸۵۴ سے ۱۸۵۶ء تک ترکی کے قریب واقع بحیرۂ اسود کے ایک مقام کرائمیا میں روس اور انگلستان، فرانس اور ترکی میں جنگ شروع ہوئی تو حکومت انگلستان نے اسے اس جنگ کے زخمیوں کی نرسنگ کرنے کے لیے بھیجا۔ وہ ۳۸ نرسیں لے کر سکوتری گئی۔ انتہائی سخت سردی میں اور جنگ کے ماحول میں وہ رات کو ایک چراغ لے کر زخمیوں کی مرہم پٹی کے لیے نکلتی تھی اور اپنی جان کی پروا کیے بغیر یہ کام کرتی تھی۔ اسی زمانے میں اس نے زخمیوں کی صحت و صفائی کا نظام قائم کیا۔ وہ چراغ والی خاتون کے لقب سے مشہور ہوئی۔ وہ پہلی خاتون ہے جسے ۱۹۰۷ء میں "آرڈر آف میرٹ" کا اعزاز ملا۔ اس جنگ سے واپسی کے بعد ۱۸۶۰ء میں اس نے لندن کے سینٹ ٹامس ہسپتال میں نرسوں کو تربیت دی۔ ۱۹۱۰ء میں اس کا انتقال ہوا۔

تین بج کر دس منٹ پر

ڈاکٹر رؤف پاریکھ

جب انسپکٹر فرحان وہاں پہنچا تو لاش نہر سے نکالی جارہی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد غوطہ خوروں نے اطلاع دی کہ مرنے والے کی کار بھی نہر کے اندر موجود ہے۔ انسپکٹر نے کرین منگوائی اور اسے بھی نکالنے کی ہدایت کی۔

لاش ایک چارپائی پر رکھی گئی۔ انسپکٹر فرحان اسے غور سے دیکھنے لگا۔ مرنے والے کی عمر تیس اور پینتیس سال کے درمیان ہوگی۔ "غالباً یہی سیٹھ احمد کا بیٹا کامران ہے۔" فرحان نے سوچا۔ اسے دو دن قبل کامران کی گم شدگی کی اطلاع دی گئی تھی اور آج صبح اس کی لاش کسی نے نہر میں تیرتی ہوئی دیکھ کر پولیس کو اطلاع دی تھی۔ فرحان نے لاش کے بارے میں دو تین باتیں نوٹ کیں۔ ایک تو یہ کہ لاش کے سر کے پچھلے حصّے میں چوٹ کا واضح نشان تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کی کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا اور وہ تین بج کر دس منٹ پر بند ہوگئی تھی۔ کپڑوں کی تلاشی پر جیب سے جو بٹوا نکلا اس سے اس بات کی تصدیق ہوگئی کہ وہ لاش کامران ہی کی تھی۔ بٹوے میں کامران کا شناختی کارڈ اور دوسرے کاغذات تھے۔ اس میں کافی رقم بھی تھی۔ انسپکٹر نے گھڑی اور بٹوا ایک تھیلے میں محفوظ کرلیا۔ ایک سپاہی نے اسے ایک پیچ کس لاکر دیا جو وہاں پڑا ملا تھا۔ فرحان نے اسے بھی محفوظ کرلیا۔

اب انسپکٹر نے کامران کی کار کا جائزہ لینا شروع کیا۔ سڑک کے ساتھ ساتھ نہر گزرتی تھی اور نہر کے کنارے کوئی جنگلہ نہیں تھا۔ اس بات کا امکان تھا کہ رات کے وقت اندھیرے کی وجہ سے کامران راستے کا صحیح اندازہ نہیں کرسکا اور موڑ مڑتے ہوئے کار نہر میں جاگری۔ سڑک کے کنارے مٹی پر ٹائروں کے نشان تھے جو نہر کی طرف جاتے تھے، لیکن عجیب بات یہ تھی کہ ٹائر کے نشان سڑک کے ساتھ نہیں تھے بلکہ ایسے تھے جیسے گاڑی سڑک پر نہر کی طرف رخ کرکے کھڑی ہو اور پھر سیدھی چلتی ہوئی نہر میں جاگری ہو۔ کار کے چاروں دروازے بند تھے اور شیشے چڑھے ہوئے تھے۔ انسپکٹر نے اگلے دروازے کے ہینڈل پر رومال رکھ کر اسے کھولا اور

اندر کا جائزہ لیا۔ دروازہ ذرا سا پچک گیا تھا اور اسے کھولنے کے لیے کچھ زور لگانا پڑا۔

"سر! میرا خیال ہے کہ حادثہ رات کو تین بج کر دس منٹ پر ہوا ہے۔" انسپکٹر فرحان کے اسسٹنٹ جاوید نے کہا۔

"یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ کامران کی گھڑی تین بج کر دس منٹ پر بند ہوئی ہے۔"

"جی سر!"

"لیکن تم نے کوئی اور اہم بات بھی نوٹ کی؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی ہاں' مقتول کے سر پر پچھلے حصّے پر چوٹ لگی ہے۔ غالباً حادثہ ہونے کی وجہ سے اس کا سر گاڑی میں کسی چیز سے ٹکرایا تھا۔"

"ذرا گاڑی کے اندر کے حصّے کو غور سے دیکھو اور یہ بتاؤ کہ اس میں ایسی کون سی سخت چیز ہے جو اس کے سر پر اس بری طرح لگی ہو؟"

"ایسی تو کوئی چیز نہیں ہے۔"

"یہی عجیب بات ہے۔ گاڑی کے نہر میں گرنے سے سر کے پچھلے حصّے میں ایسی چوٹ آنی مشکل ہے۔ دوسری بات یہ کہ لاش کی بائیں کلائی پر کسی نوک دار چیز کا نشان ہے۔ گاڑی میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے جو نوک دار ہو اور جس سے ایسی چوٹ لگے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"آپ کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں کہنا چاہ رہا۔ ابھی تو میں صرف خاص خاص باتیں نوٹ کر رہا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک ایسی عجیب بات سامنے آئی ہے جس سے مجھے کچھ شبہ ہونے لگا ہے۔ لیکن جب تک کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ملتا کچھ کہنا بے کار ہوگا۔"

"وہ عجیب بات کیا ہے سر؟"

"ہمیں اطلاع ملی تھی کہ لاش پانی کی سطح پر تیر رہی ہے اور ہمارے آدمیوں نے بھی یہاں آکر یہی دیکھا' لیکن سوال یہ ہے کہ جب کار کے چاروں دروازے بند تھے تو لاش باہر کیسے آئی' جب کہ چاروں شیشے بھی چڑھے ہوئے تھے۔"

جاوید حیرانی سے انسپکٹر کی شکل دیکھتا رہ گیا اور انسپکٹر دوبارہ جھک کر کار کا جائزہ لینے لگا۔ اسے گاڑی کی چابی کی تلاش تھی جو اگنی شن میں لگی ہوئی نہیں تھی۔

انسپکٹر فرمان سیٹھ احمد کے گھر پہنچا۔ جوان بیٹے کی موت سے وہ بہت نڈھال تھے۔
"میں نے کامران سے کئی دفعہ کہا تھا کہ گاڑی احتیاط سے چلایا کرو' لیکن آج کے لڑکے بوڑھے ماں باپ کی بات کہاں سنتے ہیں۔" سیٹھ احمد غم زدہ لہجے میں کہہ رہے تھے۔
"میرا خیال ہے کہ یہ حادثہ نہیں تھا۔ مجھے شبہ ہے کامران کو قتل کیا گیا ہے۔"
"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" سیٹھ احمد حیرانی سے بولے۔
"جی سیٹھ صاحب! سچ کہہ رہا ہوں۔ میں نے کامران کے دوست سے بھی پوچھ گچھ کی ہے۔ آپ دیکھیے کہ کامران رات بارہ بجے اپنے دوست کے گھر سے دعوت ختم ہونے کے بعد نکلا' لیکن اس کی گھڑی تین بج کر دس منٹ پر بند ہوئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ تین گھنٹے تک وہ کہاں تھا اور کیا کرتا رہا؟ دوسری بات یہ کہ اس کی گاڑی کے چاروں دروازے بند نکلے اور غالباً اس نے گرمی کی وجہ سے گاڑی کا ایرکنڈیشنر بھی چلا رکھا تھا' کیوں کہ چاروں شیشے چڑھے ہوئے تھے تو لاش گاڑی سے باہر کیسے آئی؟ پھر اس کے سر کی چوٹ سے اندازہ ہوتا ہے کہ کسی نے اس کے سر کے پچھلے حصے پر کسی سخت چیز سے ضرب لگائی اور اسے بے ہوشی کے عالم میں پانی میں پھینک دیا اور بعد میں گاڑی بھی نہر میں دھکیل دی تاکہ اس قتل کو حادثے کا رنگ دیا جاسکے۔ میں نے ٹائروں کے جو نشان دیکھے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ گاڑی سڑک پر نہر کی طرف منہ کرکے کھڑی کی تھی۔ اگر چلتی گاڑی کا حادثہ ہوتا تو گاڑی نہر کے ساتھ ساتھ سڑک پر چلتی ہوئی آتی نہ کہ اس طرح۔" انسپکٹر نے وضاحت کی۔
سیٹھ احمد کچھ دیر تک حیرت سے انسپکٹر کو دیکھتے رہے پھر بولے: "یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی لٹیرے نے رات کے اندھیرے سے فائدہ اٹھا کر کامران کی گاڑی کو روک کر اسے لوٹنے کی کوشش کی ہو اور پھر اسے مار دیا ہو۔"
"یہ خیال مجھے بھی آیا تھا' لیکن کامران کا بٹوا دیکھیے اس میں اچھی خاصی رقم موجود ہے۔ پھر اس کی گھڑی بھی کلائی پر بندھی ہوئی تھی۔ کوئی لٹیرا نہ تو اس رقم کو چھوڑتا اور نہ اتنی قیمتی گھڑی کو۔" انسپکٹر نے سیٹھ صاحب کے خیال سے اتفاق نہیں کیا۔
"یہ سب باتیں پر اسرار ہیں۔ آخر کون اس کا دشمن ہو سکتا ہے؟" سیٹھ احمد نے کہا۔

"یہی معلوم کرنے کے لیے تو آپ کے پاس آیا ہوں۔" آپ مجھے بتائیں گے کہ اس کا کسی سے کوئی اختلاف یا کوئی دشمنی تو نہیں تھی۔"

"ارے بھئی' اس کی کس سے دشمنی ہو سکتی ہے۔ وہ ابھی حال ہی میں تو واپس آیا تھا تعلیم مکمل کرنے کے بعد۔ اور میرے اصرار پر دفتر کا انتظام سنبھال لیا تھا' کیوں کہ اب میں ایسا بوڑھا ہو گیا ہوں۔" سیٹھ احمد نے اُداسی سے کہا۔

"اس کے واپس آنے سے پہلے دفتر کا انتظام کس کے ہاتھ میں تھا؟" فرحان نے پوچھا۔

"ایک منیجر رکھا ہے ہم نے۔" سیٹھ احمد نے کہا۔

"اچھا تو پھر آپ کے ساتھ دفتر جانا پڑے گا۔ شاید وہاں سے کوئی کام کی بات معلوم ہو سکے۔" انسپکٹر فرحان نے کہا۔

"لیکن اس وقت شام کو؟" سیٹھ احمد نے پوچھا۔

فرحان نے اصرار کیا : "جی ہاں' اسی وقت۔"

دونوں دفتر پہنچے اور کامران کے کمرے میں جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں کسی نے اطلاع دی کہ سکندر صاحب دہلی سے آ گئے ہیں۔

"یہ سکندر کون ہے؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"یہ ہمارا منیجر ہے۔ کامران کے آنے سے پہلے دفتر کا زیادہ تر بوجھ میں نے اسی پر ڈال رکھا تھا۔" سیٹھ نے بتایا

فرحان نے سکندر کو بلوایا اور اس سے کچھ سوال کیے جس کے بعد سکندر نے کہا : "انسپکٹر صاحب ! اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے کامران صاحب کو قتل کیا ہے تو مجھے آپ پر حیرت ہے' کیوں کہ میں تو دفتر کے کام سے دہلی گیا ہوا تھا اور ابھی لوٹا ہوں۔ ایرپورٹ سے سیدھا دفتر آ رہا ہوں۔ مجھے تو دفتر پہنچ کر پتا چلا کہ کسی نے کامران صاحب کو ختم کر دیا ہے۔ اور پھر جس رات کامران صاحب قتل ہوئے اسی رات کی پرواز سے میں دہلی چلا گیا تھا۔ میرا جہاز دو بجے اُڑا تھا۔ اور کامران صاحب تین بج کر دس منٹ پر۔ میرا مطلب ہے' میں اس وقت جہاز میں تھا جس وقت یہ سب کچھ ہوا ہے۔ بھلا میں کس طرح۔۔۔؟

انسپکٹر نے گھور کر دیکھا اور کہا : " تمھیں کس طرح پتا چلا کہ کامران کی موت تین بج کر

دس منٹ پر ہوئی تھی؟"

"جی' میں ــــ میں نے کسی کو ابھی دفتر میں کہتے سنا تھا کہ ان کی گھڑی تین بج کر دس منٹ پر بند ہو گئی تھی۔" سکندر نے جواب دیا۔

انسپکٹر فرحان نے اسے کمرے سے باہر بھیج دیا اور سیٹھ احمد سے کہا :

"سکندر کو دہلی بھیجنے کا فیصلہ کب ہوا تھا؟"

سیٹھ صاحب نے جواب دیا : "میرا خیال ہے ایک ہفتے پہلے' لیکن بھلا اس بات کا اس ساری تفتیش سے کیا تعلق ہے؟"

انسپکٹر نے کہا : "بہت گہرا۔ آپ یہ بتایئے کہ کامران کے ملک واپس آنے سے پہلے کاروبار کی زیادہ ذمے داریاں سکندر ہی پر تھیں نا؟"

"جی ہاں' سب آپ کو بتا چکا ہوں۔"

"اچھا اور آج کل زیادہ تر کام کامران نے سنبھال لیا تھا؟" انسپکٹر نے پوچھا۔

"جی بالکل' یہی کوئی ایک مہینے سے۔"

"کامران کی دراز کی چابیاں اور الماری وغیرہ کی چابیاں کہاں ہیں؟"

سیٹھ احمد نے کہا : "کامران کی عادت تھی کہ وہ اپنی درازوں وغیرہ کی چابی اپنی کار کی چابیاں کے ساتھ ہی ایک چھلے میں رکھتا تھا' لیکن اس کی کار کے نہر میں ڈوب جانے سے شاید وہ چابیوں کا چھلا بھی ڈوب گیا' لیکن آپ یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

کیا گاڑی اور دفتر کی چابیاں ایک ہی چھلے میں تھیں؟"

"ہاں ہاں' لیکن اس بات کا سکندر سے کیا تعلق ہے؟"

"مجھے سکندر پر شبہ ہے۔" انسپکٹر نے جواب دیا۔

"سکندر پر ــــ ؟" سیٹھ احمد نے کہا۔

"ہاں' میں نے کامران کے دوست سے جب پوچھ گچھ کی تھی تو پتا چلا تھا کہ اس رات اس کے گھر سکندر کامران سے ملنے پہنچا تھا' لیکن اس نے ابھی جو ہم سے بات چیت کی اس میں اس بات کا ذکر نہیں کیا۔ کیوں؟ اگرچہ میں نے ایرپورٹ جا کر ریکارڈ چیک کیا تھا اور یہ سچ ہے کہ سکندر اسی رات دو بجے کی پرواز سے روانہ ہوا تھا' لیکن اس نے اپنی گفت گو میں خاص

طور پر تین بج کر دس منٹ پر کامران کی گھڑی بند ہونے کا ذکر کیا۔ اس سے میرا اس پر شک بڑھ گیا ہے پھر یہ کہ گاڑی کی چابی کے ساتھ دفتر کی چابی کا ہونا اور گاڑی سے چابی کا غائب ہونا کچھ معنی رکھتا ہے۔ دیکھیے نا' یہ ایرپورٹ سے سیدھا دفتر آیا ہے۔ اس کو معلوم نہیں تھا کہ آپ اس وقت دفتر میں ہوں گے' کیوں کہ آپ یہاں اچانک آئے ہیں۔"

"بھئی جب گاڑی پانی میں ڈوبی ہوگی تو چابی نکل کر کہیں گر گئی ہوگی۔" سیٹھ احمد نے کہا۔

فرحان نے بتایا : "نہیں جناب !کامران کی گاڑی کے اگنی شن کو میں نے غور سے دیکھا تھا۔ وہ کچھ اس طرح کا بنا ہوا ہے جیسا کہ آج کل کی جدید گاڑیوں میں ہوتا ہے' یعنی اس میں سے چابی اس وقت نہیں نکل سکتی جب گاڑی اسٹارٹ ہو۔ چابی نکالنے کے لیے پہلے انجن کو بند کرنا پڑتا ہے۔ گاڑی کا انجن رُکے گا تب ہی چابی نکلے گی۔"

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" سیٹھ احمد نے پوچھا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ گاڑی کو کسی نے بند کرکے چابی نکالی اور پھر دروازہ بند کرکے اسے پانی میں دھکیل دیا' کیوں کہ اس کو دفتر کی چابی کی ضرورت تھی جو کہ اسی چھلے میں لگی تھی جس میں گاڑی کی چابی تھی۔"

"لیکن کوئی دفتر کی چابیاں لے کر کیا کرے گا؟"

"اسی لیے تو میرا ذہن دفتر کے کسی آدمی مثلاً سکندر کی طرف جاتا ہے۔ بہرحال آپ گھر جائیے اور دفتر کی ساری چابیوں کی نقل (ڈپلیکیٹ) مجھے دے دیجئے اور ہاں چوکیدار کو چھٹی دے دیجئے۔ آدھے گھنٹے بعد سکندر کو گھر بھیج کر خود بھی چلے جائیے۔"

فرحان نے چابیاں لے کر اپنے پاس رکھ لیں اور مزے سے ٹہلتا ہوا دفتر سے باہر آگیا۔

تھوڑی دیر بعد سکندر دفتر سے نکلا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر روانہ ہوگیا۔ چوکیدار پہلے ہی جاچکا تھا۔ سیٹھ احمد باہر آئے۔ انھوں نے دفتر کے باہر کے دروازے کا تالا بند کیا اور چابی لے کر روانہ ہوگئے۔ پندرہ بیس منٹ بعد انسپکٹر فرحان اپنے اسسٹنٹ جاوید اور چند سپاہیوں کو لے کر دفتر پہنچا۔ فرحان نے سپاہیوں کو وہیں رکنے کی ہدایت کی اور جاوید کو لے کر دفتر کا دروازہ سیٹھ احمد کی دی ہوئی چابی سے کھولا اور دونوں اندر جاکر چھپ گئے۔

رات ہوچکی تھی۔ سپاہی بیزار ہوچکے تھے' لیکن ایک گاڑی کی روشنی دیکھ کر چونک گئے

ہو گئے۔ گاڑی سیٹھ احمد کے دفتر کے باہر رک گئی۔ اس میں سے ایک شخص نکلا جس نے چابی سے دفتر کا دروازہ کھولا اور آہستگی سے اندر داخل ہو گیا۔ اندر جا کر اس نے ٹارچ کی روشنی میں ایک الماری کو چابی لگائی اور اس میں سے کچھ فائلیں اور رجسٹر نکالے۔ ابھی وہ انھیں دیکھ ہی رہا تھا کہ کسی نے بتیاں روشن کر دیں۔ وہ شخص تیزی سے مڑا۔ انسپکٹر فرحان اور جاوید کھڑے تھے۔ وہ شخص کوئی اور نہیں سکندر تھا' لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پالیا۔

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس وقت یہاں کیا کر رہے ہیں سکندر صاحب !" انسپکٹر فرحان نے پوچھا۔

"میں دفتر کے کام سے آیا ہوں۔ میری غیر حاضری میں کام جمع ہو گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ رات میں بیٹھ کر کر ڈالوں۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"آپ نے اندھیرے ہی میں کام کرنے کی عادت ڈال رکھی ہے کیا؟"

"میرا خیال تھا کہ بجلی گئی ہوئی ہے۔"

"بتی جلائے بغیر ہی آپ نے یہ فرض کر لیا۔ جب کہ پورے علاقے میں روشنی ہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کے پاس دفتر کی چابی کہاں سے آئی؟"

فرحان نے اس کے ہاتھ سے چابیوں کا گچھا لے لیا اس میں سے ایک چابی الگ کر کے دکھائی اور کہا : "یہ چابی آپ کی ہے؟"

"جی۔۔۔؟ جی یہ چابی۔۔۔؟" سکندر پریشان ہو گیا۔

"کہہ دیجئے کہ آپ کی گاڑی کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ چابیاں کامران کی تھیں جو اس کی گاڑی کو پانی میں دھکیلنے سے پہلے آپ نے نکال لی تھی تاکہ اس گچھے میں موجود چابیوں کی مدد سے آپ دفتر کی فائلیں اور رجسٹر نکال کر ان کو غائب کر سکیں۔ غالباً آپ نے بہت بڑے گھپلے کیے ہوئے ہیں اور کامران کی وطن واپسی کے بعد اس نے کاروبار سنبھالا تو اسے احساس ہو گیا ہو گا کہ آپ نے کچھ گڑبڑ کی ہے' اسی لیے آپ نے اسے راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔"

سکندر پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا رہا' پھر بولا : "لیکن کامران تو تین بج کر دس منٹ پہ۔۔۔ میرا مطلب ہے میں تو دو بجے کی پرواز سے اسلام آباد جا چکا تھا۔"

"انسپکٹر فرحان نے مسکرا کر کہا : "یہی تو تمہارے منصوبے کا سب سے اہم حصہ تھا۔ اگر تم قتل کے وقت اپنی موجودگی کہیں اور ثابت کردو تو دنیا کی کوئی عدالت تمہیں اس قتل کا مجرم قرار نہیں دے سکتی۔ اصل میں تم نے یہ کیا کہ فرحان کی گاڑی کا پیچھا کیا۔ اسے راستے میں روک لیا۔ چوں کہ وہ تم سے واقف تھا' اس لیے رُک گیا۔ تم نے اس کے سر پر پیچھے کی طرف کسی وزنی چیز غالباً پستول کے دستے سے چوٹ لگائی۔ اس طرح وہ بے ہوش ہوگیا۔ پھر تم نے اس کی گھڑی میں تین بج کر دس منٹ بجادیے' حال آنکہ اس وقت بارہ بجے تھے۔ پھر تم نے پیچ کس سے اس کی گھڑی کا شیشہ توڑنا چاہا تاکہ وہ پانی میں بند ہوسکے' کیوں کہ تمہیں پتا تھا کہ اس کی گھڑی واٹر پروف ہے اور وہ پانی میں بند نہیں ہوگی' لیکن غلطی سے پیچ کس کامران کی کلائی پر لگ گیا۔ تم نے پیچ کس وہیں چھوڑ دیا جو ہمیں بعد میں مل گیا۔ اس پر کسی کی انگلیوں کے نشان نہیں ہیں' تم نے یقیناً دستانے پہن رکھے تھے۔ اس کے بعد تم نے اس کی کلائی سے گھڑی اتاری اور کسی چیز غالباً پتھر سے اس کا شیشہ تڑخادیا اور پھر بے ہوش کامران کو نہر میں پھینک دیا۔ اس کے بعد تم نے کامران کی گاڑی اسٹارٹ کی۔ اس وقت گاڑی کا منھ نہر کی طرف تھا۔ نہر کے بالکل قریب پہنچ کر تم نے گاڑی روکی' چابی نکالی اور گاڑی کا دروازہ بند کرکے پانی میں دھکیل دیا' لیکن تم نے یہ نہیں سوچا کہ شیشے اور دروازے بند ہیں۔ تمہیں پتا تھا کہ اس چھلے میں دفتر کی چابیاں بھی ہیں' اسی لیے تم دہلی سے واپسی کے بعد ایرپورٹ سے سیدھے دفتر پہنچے تاکہ یہ فائلیں اور رجسٹر غائب کرسکو۔ اس طرح تمہاری بے ایمانیوں کا سراغ ختم ہوجاتا' لیکن اس وقت اتفاقاً میں اور احمد صاحب دفتر میں موجود تھے' اس لیے تم چپ چاپ چلے گئے اور اب آئے ہو' رات کے وقت' کیوں کہ تمہیں پتا تھا کہ احمد صاحب نے چوکیدار کو چھٹی دے دی ہے' لیکن دراصل یہ مشورہ انھیں میں نے ہی دیا تھا۔ تمہیں دہلی بھیجنے کا فیصلہ ایک ہفتے پہلے ہوا تھا' لہٰذا تمہارے پاس اس منصوبے کے لیے کافی وقت تھا' اگر تم اچانک بھیجے جاتے تو شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ ویسے کامران کی گاڑی کی چابی تمہارے پاس سے نکلنا ہی کافی ثبوت ہے۔"

سکندر نے چپ چاپ سر جھکالیا اور جاوید نے اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دیں۔
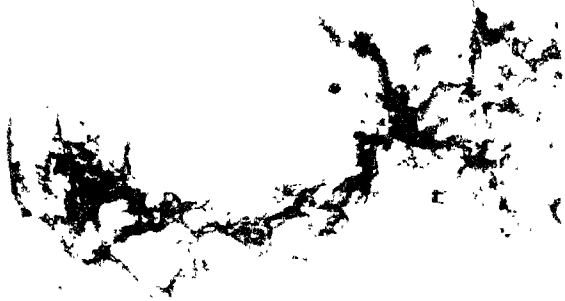
نظامِ شمسی کے سیّارے

زہرہ

احمد خاں خلیل

سورج کی طرف سے دوسرا سیارہ زہرہ (VENUS) ہے۔ اس کے بارے میں معلومات:

- ☆ سورج سے اوسط فاصلہ ۱۰۸٫۲ ملین کلو میٹر ہے۔
- ☆ اس کا ایک دن زمین کے ۲۴۳ دنوں کے برابر ہے۔
- ☆ اس کا ایک سال زمین کے ۲۲۵ دنوں کے برابر ہے۔
- ☆ اس کا قطر ۱۲۱۰۴ کلو میٹر ہے۔
- ☆ اس کی کمیت زمین کی کمیت کا ۰٫۸۱ ہے۔
- ☆ اس کا چاند کوئی نہیں۔

زہرہ زمین کے زیادہ قریب ہے سورج اور چاند کو چھوڑ کر یہ آسمان میں سب سے زیادہ چمکیلا ہے۔ جب سورج غروب ہونے کے بعد زمین سے زہرہ کو دیکھا جائے تو یہ مغرب میں چمکتا نظر آتا ہے اس لیے اس کو "شام کا ستارہ" بھی کہتے ہیں۔ اسی طرح سورج نکلنے سے پہلے اسے دیکھا جائے تو یہ مشرق میں چمکتا نظر آتا ہے اس وجہ سے اسے "صبح کا ستارہ" بھی کہتے ہیں۔ اپنے محور کے گرد اس کی گردش کی رفتار بہت سست ہے۔ اس کا ایک دن زمین کے ۲۴۳ دنوں کے برابر ہے۔ اس لحاظ سے اس کا دن اس کے سال سے بڑا ہے۔ یہ اپنے محور کے گرد دوسرے سیاروں کے خلاف مشرق سے مغرب کی طرف گھومتا ہے۔

اگرچہ زمین کے قریب بھی ہے اور اس کا سائز بھی تقریباً زمین کے برابر ہے، لیکن آب و ہوا کے لحاظ سے یہ زمین سے بالکل مختلف ہے۔ اس کی سطح کا درجہ حرارت [illegible] درجے فارن ہائیٹ ہے اور اس کی سطح کا فضائی دباؤ زمین سے ۹۰ گنا ہے۔

زہرہ کی فضا کاربن ڈائی آکسائڈ پر مشتمل ہے اور کثیف ہے۔ اس کے اوپر گندھک کے تیزاب ہیں۔ ان بادلوں کی وجہ سے اس کی فضا کے بارے میں معلومات حاصل کرنا مشکل ہے۔

زہرہ کی سطح کے قریب ہوا بہت کم، سست رفتار اور کثیف ہے، لیکن فضا کے اوپر کے حصے میں ۲۰۰ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جھکڑ چلتے ہیں جو زمین کے ہر چار دن کی مدت میں بادلوں کو زہرہ کے گرد ایک چکر دے دیتے ہیں۔ اس کی سطح پر سورج کی روشنی بس اتنی ہوتی ہے جتنی زمین کے شمالی حصے میں موسم سرما میں ہوتی ہے۔

زہرہ کی سطح چٹانی ہے۔ اس کے استوا پر ایک بلند میدان واقع ہے جو رقبے میں افریقہ کے برابر ہے اور شمال میں بلند پہاڑ ہیں۔ اس حصے کا رقبہ آسٹریلیا کے برابر ہے۔ کئی مقامات پر گڑھے بھی ہیں۔ زیادہ سے زیادہ گہرائی ڈھائی میل تک ہے۔ پہاڑی رقبہ زہرہ کی کل سطح کے ۱۰ فی صد کے برابر ہے اور گڑھوں کا رقبہ کل سطح کے ۲۰ فی صد کے برابر ہے۔

آسمان پر زہرہ چمک دار اس لیے نظر آتا ہے کہ سورج کی روشنی گہرے بادلوں کی وجہ سے منعکس ہو جاتی ہے۔ یہ بادل زہرہ کی سطح سے ۲۵ میل کی بلندی سے لے کر ۴۰ میل بلندی تک واقع ہیں۔ جو حرارت زہرہ کی سطح تک پہنچ جاتی ہے وہ کاربن ڈائی آکسائڈ اور گہرے بادلوں کی وجہ سے باہر کی طرف خارج نہیں ہو سکتی، اسی لیے زہرہ کا درجہ حرارت زیادہ ہے (جاری)

س: عمر ۱۸ سال ہے۔ میرے دانتوں میں درد ہے۔ ہلتے بھی ہیں اور کمزور بھی ہیں۔ مہربانی کر کے کوئی ایسا علاج بتائیں جس سے میرے دانت ہلنے بند ہو جائیں اور درد بھی ختم ہو جائے۔

ذوالفقار علی

ج: اکثر نونہال اور بہت سے نوجوان دانتوں کی صفائی سے غفلت برتتے ہیں۔ مثلاً رات کو کھانا کھایا اور دانت صاف کیے بغیر سو گئے۔ اب غذا کے ذرات' جو لازماً دانتوں کی ریخوں کے درمیان رہ جاتے ہیں' رات بھر سڑتے ہیں اور مسوڑوں اور دانتوں کی جڑوں کو نقصان پہنچاتے ہیں' نونہالوں اور نوجوانوں کو دانتوں اور منہ کی صفائی پر ہمیشہ توجہ کرنی چاہیے۔

آپ کو اب اپنی غذا میں گوشت کم کرکے سبزیوں پر توجہ کرنی چاہیے بڑے کا گوشت مسوڑوں کے لیے سخت مضر ہے۔ آپ کو اب وٹامن "سی" کی ضرورت ہے۔ یہ لیموں' سنگترے میں خوب ہوتا ہے۔ ویسے ہمدرد کی "وی سی" وٹامن سی کی ٹکیاں ہیں۔ ایک ٹکیا روز کھانی چاہیے کافی دنوں تک۔ نیم کے پتوں کو پانی میں جوش دے کر ذرا سا نمک ملا کر اس سے رات کو کلیاں کریں

سر اور کمر میں درد

س: عمر ۲۱ سال ہے۔ میرے سر اور کمر کے نچلے حصے میں درد رہتا ہے' چلا نہیں جاتا اور قبض بھی اکثر رہتا ہے۔ اس بیماری کو چار سال ہو گئے ہیں' میں نے بہت علاج کیا ہے لیکن فرق نہیں ہوا' ازرہ کرم کوئی علاج تجویز فرمائیں۔

بدر منیر

ج: آپ نے شاید ایکسرے کرایا ہوگا۔ اچھا تھا کہ آپ اس کی رپورٹ مجھے بتادیتے۔ چار سال سے کمر کا درد رہنا اچھی بات نہیں ہے۔ یقیناً یہ کمر کے مہروں کی تکلیف ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی چوٹ بھی لگی ہو۔ بہرحال آپ کو "میوزیدین" کا استعمال کرنا چاہیے۔ ۲ قرص ہمراہ عرق عنبر دو چائے والے چمچے گرم پانی میں ملا کر صبح و شام ایک ماہ تک روزانہ استعمال کریں۔ کمر پر ملنے کے لیے "روغن بلسان" ایک مفید کریم ہے

چہرے پر مہاسوں کے نشانات

س: عمر ۱۳ سال ہے۔ میرے چہرے پر مہاسوں کے نشانات ہیں' براہ کرم علاج تجویز کیجیے۔

غلام حسین

ج: غالباً آپ یہ کہنا چاہتے کہ چہرے پر سفید نشانات ہو گئے ہیں۔ اگر ہاں تو اس کی وجہ ہاضمے کی خرابی ہے۔ آپ کی بڑی آنت صاف نہیں ہے یا اس میں گندگی بھری رہتی ہے۔ آپ کو قبض دور کرنا چاہیے۔ "ملین" کے دو چمچے رات گرم پانی میں ملا کر ۱۰۔ ۱۵ دن پی لینے سے خون اور آنتیں صاف ہو جاتی ہیں۔ اپنی غذا میں زیادہ میٹھا کم کر دیں۔ الٹا پ شناپ کھانا اچھی بات نہیں ہے۔

س: عمر ۱۳ سال ہے۔ چند مہینے پہلے، میرے چھوٹے بھائی نے شرارت سے سوتے میں میرے چہرے پر بلیڈ پھیر دیا تھا اور اب داڑھی بھی نکل آئی ہے۔ میں چھٹی کلاس کا طالب علم ہوں، اسکول جاتا ہوں۔ دوست مذاق اڑاتے ہیں، بہت پریشان ہوں۔ ایسا علاج بتائیں کہ میرے چہرے پر بال نکلنے بند ہو جائیں۔

محمد آصف

ج: میرے عزیز! ایک بار بلیڈ پھیرنے سے تو داڑھی کے بال نہیں نکلتے، ضرور یہ کوئی ہارمونی تبدیلی ہے۔ آج کے حالات میں روزانہ ہارمونوں کا رساؤ قبل از وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اب لڑکے لڑکیاں قبل از وقت بالغ ہو رہے ہیں۔ میری رائے ہے کہ آپ اس صورت حال کو برداشت کیجئے۔ اس کا کوئی علاج نہیں۔ یہ قدرتی عمل ہے جو وقت سے پہلے ہو گیا ہے۔

س: میرے سر کے بال تقریباً چھ ماہ سے گرنے شروع ہوئے ہیں، حالانکہ میں سر میں تیل بھی روزانہ ڈالتا ہوں، ازراہ کرم اس کے لیے کوئی اچھا سا نسخہ تجویز فرمائیں۔

محمد اسحاق

ج: ایسا لگتا ہے کہ آپ کے سر میں خشکی (خفا) ہے جس کی وجہ سے بال گر رہے ہیں۔ اس کے لیے ہمدرد کی "سنیتی" آپ کے لیے فائدے مند ہو گی۔ رات کو سر میں یہ تیل لگائیں۔ صبح سر دھو لیں۔ چند دنوں میں فائدہ ہو جاتا ہے۔

لڈو کا سوال

محمد شاہد،

سوال: ایک حلوائی کے گھر میں چار مہمان آئے۔ حلوائی نے ان کی خاطر تواضع کرنے کے لیے ایک تھال میں کچھ لڈو رکھے اور تھال لے کر پہلے مہمان کے پاس گیا۔ اس کے سامنے تھال پیش کیا اور کہا لیجیے۔ مہمان نے اپنی مرضی سے لڈو اٹھا لیے اور تھال میں جتنے لڈو باقی رہ گئے انھیں حلوائی اندر لے گیا اور اتنے ہی لڈو تھال میں ڈال دیے۔ اب تھال لے کر دوسرے مہمان کے سامنے پیش کیا۔ دوسرے مہمان نے اپنی مرضی سے لڈو اٹھائے۔ تھال میں جتنے لڈو باقی رہ گئے انھیں حلوائی اندر لے گیا اور اتنے ہی لڈو تھال میں ڈال کر تیسرے مہمان کے سامنے تھال پیش کیا۔ تیسرے مہمان نے اپنی مرضی سے لڈو اٹھائے۔ تھال میں جتنے لڈو باقی رہ گئے حلوائی اندر لے گیا اور اتنے ہی لڈو تھال میں ڈال کر چوتھے مہمان کے سامنے تھال پیش کیا۔ چوتھے مہمان نے اپنی مرضی سے تھال میں سے تمام لڈو اٹھا لیے۔ تینوں مہمانوں نے یہ دیکھا تو انھوں نے اعتراض کیا کہ تم نے یہ کیا۔ چوتھے مہمان نے کہا: "میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ میں نے تمھارے جتنے لڈو اٹھائے ہیں۔ یقین نہیں تو گن لو۔" جب دیکھا گیا تو ہر ایک کے پاس برابر لڈو تھے۔ یہ بتائیں کہ گھر کا مالک حلوائی پہلی بار تھال میں کتنے لڈو لے کر گیا تھا اور چاروں مہمانوں نے کتنے کتنے لڈو اٹھائے تھے؟

جواب: پہلی مرتبہ حلوائی تھال میں پندرہ لڈو لے کر گیا تھا اور پہلے مہمان نے آٹھ (۸) لڈو اٹھائے تھے اور تھال میں سات لڈو باقی رہ گئے۔ حلوائی نے تھال میں سات (۷) لڈو اور ڈال دیے اور تھال دوسرے مہمان کے پاس لے گیا۔ اس نے بھی آٹھ (۸) لڈو اٹھا لیے۔ تھال میں چھ (۶) لڈو رہ گئے۔ حلوائی اندر گیا اور تھال میں چھے لڈو اور ڈال دیے۔ کل لڈو بارہ ہو گئے۔ پھر تھال تیسرے مہمان کے سامنے پیش کیا۔ اس نے بھی آٹھ لڈو اٹھائے اور تھال میں چار (۴) لڈو رہ گئے۔ حلوائی اندر گیا اور چار لڈو تھال میں ڈالے۔ کل آٹھ (۸) لڈو رہ گئے۔ چوتھے مہمان نے تھال میں سے تمام لڈو یعنی آٹھ لڈو اٹھا لیے۔ اس طرح ہر ایک کو برابر لڈو ملے۔

میں نے غسل خانے میں جاکر کپڑے بدلے اور سفید کرمچ کے جوتے پہن کر باہر آگیا۔ دروازے پر احمد کھڑا تھا۔ میری طرح کا لباس پہنے اور ہاتھ میں ریکٹ لیے ہوئے۔ خیال آیا کہ میں نے ریکٹ تو لیا ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ایک بار اور کمرے میں جانا پڑا۔

احمد اپنی دونوں بہنوں، راحیلہ اور فوزیہ سے چھوٹا تھا اور اس کی رنگت گندمی تھی۔ اس کی دائیں بھوں پر زخم کا ایک ترچھا نشان تھا۔ شکل و صورت سے وہ نرم طبیعت کا اور ذہین لگتا تھا۔ جب ہم راہ داری کو طے کر رہے تھے تو اس نے کہا :

"بھائی جان! میں کچھ عجیب سی بات محسوس کر رہا ہوں۔"

"وہ کیا؟" میں نے ریکٹ ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"آپ جب سے پرستان سے واپس آئے ہیں کچھ بدلے بدلے سے لگ رہے ہیں۔ ہیں تو آپ سلطان بھائی، مگر اس کے باوجود سلطان نہیں کچھ اور لگ رہے ہیں۔"

میں نے سنجیدگی سے کہا : "پرستان والی بات تو مذاق ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے کچھ لوگ اٹھا کر لے گئے تھے اور انھوں نے مجھ پر تشدد کیا تھا تاکہ ابو سے بھاری تاوان وصول کر سکیں۔ میں ان لوگوں کے پاس سے کسی نہ کسی طرح سے بھاگ آیا۔ جب سے میری [illegible] ایسا لگتا ہے کہ میں کچھ بھولتا جا رہا ہوں۔"

"تو! آپ نے پہلے کیوں نہیں۔" اس نے بے چین ہو کر کہنا چاہا۔
لیکن میں نے اسے جملہ مکمل نہیں کرنے دیا: "یہ ایک راز ہے جو میں نے تم کو بتایا ہے' اس لیے کہ میں تمہیں اپنا سمجھتا ہوں۔ اسے اپنے تک رکھنا۔"
"تعـــــــ لیکن۔" اس کی پریشانی دور نہیں ہوئی تھی' اس لیے اس کی زبان سے ٹوٹے پھوٹے لفظ ادا ہو رہے تھے۔
"بس میں جو کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔" میں نے ڈپٹ کر کہا۔
میری ڈانٹ کھا کر وہ خاموش ہو گیا۔
شکر ہے کہ وہ اس وقت ساتھ تھا ورنہ حویلی کا لان اور پھر بیڈ منٹن کورٹ تلاش کرنے میں وقت لگتا اور اس میں کوئی گڑبڑ بھی پیدا ہو سکتی تھی۔ جس جگہ بیڈ منٹن کھیلی جاتی تھی وہ بڑی جگہ تھی اور فرش پر سفید لکیریں پڑی تھیں۔ بیچ میں جال تنا ہوا تھا اور دو طرف کھمبوں پر تختے لگے تھے جن پر بہت سے بلب لگے تھے۔ ان بلبوں سے دودھیا روشنی پھوٹ رہی تھی اور فرش آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔
دائیں طرف کچھ فاصلے پر گردے کی شکل کا ایک سوئمنگ پول تھا جہاں سے شڑپ شڑپ کی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں جیسے کوئی تیر رہا ہو۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس وقت کون تیر رہا ہے؟
حیرت صرف اس بات پر نہیں بلکہ وہاں ہر بات پر حیرت ہو رہی تھی۔ بڑا شاندار اور فلمی سا ماحول تھا۔ ہر چیز جگمگاتی ہوئی۔ مجھے تو وہاں قدم رکھتے اور کسی چیز کو چھوتے ہوئے یہ اندیشہ رہتا تھا کہ میلی نہ ہو جائے۔
بہرحال کھیل شروع ہوا۔ بیڈ منٹن میں نے اس سے پہلے کبھی نہیں کھیلا تھا' اس لیے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں کیسی پریشانی سے دوچار تھا۔ زاہد' ثوبیہ ایک طرف تھے یعنی ہمارے مخالف اور دوسری طرف میں اور فوزیہ۔
ایک تو میں کھیل نہیں جانتا تھا دوسرے یہ کہ میں نے کھانا خوب ڈٹ کر کھایا تھا' اس لیے ہاتھ پاؤں ٹھیک طرح سے کام نہیں کر رہے تھے۔ کئی بار ایسا ہوا کہ میں نے شاٹ مارا مگر ریکٹ سے شٹل کاک کی ملاقات ہی نہیں ہوئی۔ اس پر خوب قہقہے بلند ہوئے۔ فوزیہ جھنجلا رہی تھی کہ مجھے کیا ہو گیا ہے۔ میں سلطان احمد جو کہ ایک بہترین کھلاڑی تھا آج ٹھیک طرح

سے شاٹ کیوں نہیں لگا رہا ہوں اور میں نے اپنے مخالفوں کے اتنے پوائنٹ کیوں ہو جانے دیے؟ اس بے چاری کو کیا معلوم کہ سلطان احمد تو بمبئی میں بیٹھا ہوا ہے اور اس کی جگہ اس کے ہم شکل پرویز مستانہ نے لے رکھی ہے۔

ایک بار جو چڑیا (شٹل کاک) پر شاٹ لگانے کے لیے میں نے ریکٹ چلایا تو وہ شائیں سے

فوزیہ کے سر پر سے گھوم گیا۔ فوزیہ نے بچنے کے لیے جھکنا چاہا تو مجھ سے ٹکرا گئی جب کہ چڑیا اس کی ناک پر گری۔ دھکا لگنے سے میں بھی گر گیا۔ پھر فوزیہ کے حلق سے ایک ہلکی سی چیخ نکلی۔ میں سنبھل کر اٹھا اور میں نے سہارا دے کر فوزیہ کو بھی اٹھایا۔

"یہ آپ کیسے ہاتھ چلا رہے ہیں؟ اگر میں جھک نہ جاتی تو میری کھوپڑی ہی اُڑ جاتی۔ جائیے میں نہیں کھیلتی آپ کے ساتھ۔" فوزیہ چیخ اٹھی۔

"بکواس نہ کرو۔ میں خود بھی تمہارے ساتھ کھیلنا نہیں چاہتا۔" میں نے مصنوعی غصے سے کہا اور ریکٹ ہلاتا ہوا سوئمنگ پول کی طرف چلا گیا۔ سارے بہن بھائی مجھے آوازیں دیتے رہ گئے۔

تیراکی کے تالاب میں چچا رحمت تیر رہے تھے بلکہ تیر چکے تھے۔ وہ تالاب سے باہر نکل آئے تھے اور ان کے جسم سے پانی ٹپک رہا تھا۔

"ریگی۔۔ ریگی۔۔ تولیا دینا۔" انھوں نے بلند آواز سے کہا۔

میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کسی ملازم کو حکم دے رہے ہیں، مگر اس وقت میری روح فنا ہو گئی جب میں نے ایک کتے کی غراہٹ سنی۔ پھر جب وہ نظر آیا تو حقیقت میں میرے ہوش و حواس جاتے رہے۔ وہ کتا اپنے منہ میں تولیا دبائے ہوئے تھا اور ملازموں کے کوارٹروں کی طرف سے آرہا تھا۔ اس کتے کے بارے میں سلطان احمد نے بتایا تھا کہ وہ مرچکا ہے، حالانکہ وہ زندہ تھا۔ وہ اچھلتا کودتا تالاب کے قریب آیا تو اتفاق سے میری طرف سے آیا۔ اس طرح سے میں اس

کے راستے میں آگیا۔ کتّا ایک لمحے کو ٹھٹکا پھر اس نے تولیا منہ سے گرادیا اور غراتے ہوئے مجھ پر چھلانگ لگادی۔ میں دھکا کھاکر گھاس پر گر گیا اور وہ میرے سینے پر سوار ہوگیا۔

"غاؤں۔۔۔غاؤں۔" وہ غرایا۔ اس کے دانت نوک دار اور پنجے دھار دار تھے۔ مجھے معلوم تھا کہ اگر اس نے مجھے کاٹ لیا تو میرے پیٹ میں چودہ لمبے انجکشن لگیں گے۔

میں خوف سے کانپنے لگا اور میں نے اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

اب سلطان احمد کا حال سنئے۔

میری زندگی ایک بار پھر آزمائش سے دو چار تھی!

میں یہ سوچ کر حیدرآباد سے بمبئی آیا تھا کہ یہاں مجھے کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا اور میں سکون سے زندگی گزاروں گا، مگر یہاں تو جان پر بن آئی تھی۔ قاسم دادا اور رمضانی کے علاوہ وہ تعداد میں تین تھے جنھوں نے مجھے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ قاسم دادا اور رمضانی اس طرح ایک طرف کھڑے تھے جیسے لڑائی بھڑائی میں حصّہ نہیں لینا چاہتے ہوں۔

پرویز مستانہ ایک نڈر اور بے خوف لڑکا تھا۔ اس نے اپنی زندگی میں بہت سختیاں جھیلی تھیں جب کہ میں نے ابھی تک زندگی کا ایک رُخ دیکھا تھا اور عیش میں وقت گزارا تھا۔ میں بھلا ان لڑکوں کا مقابلہ کیسے کرتا؟

پیچھے ہٹنا اور انھیں پیٹھ دکھانا بزدلی تھی۔ میرے ہم شکل پرویز مستانہ نے اس علاقے میں اپنی دھاک بٹھائی ہوئی تھی۔ اگر میں کم زوری دکھاتا تو وہاں کے لڑکے شیر ہو جاتے اور بات بات پر مجھے آنکھیں دکھاتے، لہٰذا بہتر یہی تھا کہ میں ان سے مقابلہ کرتا اور انھیں ایسا سبق دیتا کہ وہ آئندہ میرے مقابلے پر آنے کی کوشش نہ کرتے۔

وہ سب چوکنے تھے! میں نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ قریب ہی کیلے کا ایک چھلکا پڑا تھا۔ کسی نے کیلا کھا کر بد تمیزی سے چھلکا سڑک پر پھینک دیا تھا۔

پہلا لڑکا جوں ہی ڈنڈا گھماتا، حلق سے خوف ناک آوازیں نکالتا ہوا میری طرف بڑھا میں نے تیزی سے کیلے کا وہ چھلکا سڑک سے اٹھا کر اس کے پاؤں کے سامنے پھینک دیا۔ اس کے پاؤں چھلکے پر پڑا اور وہ بُری طرح پھسل گیا۔

بس پھر ایک ایسی آواز آئی: "ار۔ رڑ۔ دھم۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔ مر گیا"

وہ دھم سے سڑک پر گرا تھا اور "بچاؤ بچاؤ مر گیا" اس کے حلق سے نکلا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ اس کی پیٹھ اور کولھوں میں چوٹ لگی ہے۔

دوسرا لڑکا یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا، مگر داوا قاسم کے جوش دلانے پر آگے بڑھا تو میں پھرتی سے قریبی دُکان کی طرف چلا گیا۔ وہ دوڑتا ہوا اس طرف آیا اور اس نے اپنا ڈنڈا گھما کر میرے سر پر مارنا چاہا تو میں نے دُکان میں رکھے کھلے ڈبے میں سے ایک مٹھی پسی ہوئی مرچ اٹھالی اور اس لڑکے کی آنکھوں میں جھونک دی۔

"آئے ہائے مار ڈالا مستانہ کے بچے۔" اس نے حلق سے بلبلاتی آواز نکالی اور وہ ڈنڈا ایک طرف پھینک کر اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ آنکھیں ملنے سے مرچ اور تیز لگی، اس لیے وہ تیز آواز میں چیخنے چلانے لگا اور مجھے کوسنے لگا۔

تیسرا لڑکا کسی بھینسے کی طرح فوں فوں کرتا ہوا میری طرف آیا اور اس نے میری ٹھوڑی پر مُکّا مارنا چاہا، مگر بالکل آخری لمحے میں، میں ایک طرف ہوگیا اور میں نے اپنی ٹانگ اس کی ٹانگوں میں پھنسا دی اور وہ آواز کے ساتھ دُکان میں رکھے مٹی کے تیل کے ڈرم میں گر گیا۔ ڈرم کھلا ہوا تھا اور تیل اوپر تک بھرا ہوا تھا، اس لیے وہ اس میں غوطہ کھا گیا۔

وہ سنبھل کر ڈرم سے نکلا اور توبہ توبہ کرنے لگا۔ اس کی آنکھ، مُنھ اور ناک میں مٹّی کا تیل گھس گیا تھا اور وہ تیل کی کلیاں کر رہا تھا۔

دُکان والے نے جو اپنا تیل ضائع ہوتے دیکھا تو وہ اپنی جگہ سے لنگی سنبھالتا ہوا اٹھا اور اس نے کرخت آواز میں کہا: "بھاگو یہاں سے کم بختو، کیا اُدھم مچا رکھا ہے؟ شرفو! یہ تُو مٹی کے تیل میں کیوں نہا رہا ہے؟ اگر کسی نے ماچس کی تیلی جلا کر تجھ پر پھینک دی تو جل بھن کر کباب بن جائے گا۔"

وہ لڑکا شرفو یہ سن کر گھبرا گیا اور وہاں سے "اوع۔ اوع" کرتا ہوا بھاگ گیا۔ مٹی کا تیل منھ میں چلے جانے کی وجہ سے اس کی طبیعت متلا رہی تھی۔

اب رہ گئے تھے داوا قاسم اور رمضانی۔ رمضانی وہی لڑکا تھا جس نے مجھ پر چوری کا الزام لگایا تھا۔ میری جگہ مستانہ ہوتا تو جھٹ اس کا گریبان پکڑ لیتا اور گال پر دو تمانچے مار کر پوچھتا

کہ بتا تو نے مجھے چوری کرتے کب دیکھا ہے؟ لیکن میں صاف ستھرے ماحول میں رہا تھا اور میں نے اب تک کوئی ایسی حرکت نہیں کی تھی' اس لیے میں جھجک گیا۔ پھر بھی میں نے بے خوفی دکھاتے ہوئے اس کے سر کے بال پکڑ لیے اور اس کے سر کو جھٹکا دے کر گونج دار آواز میں کہا "کیوں' تجھ سے کس نے کہا تھا کہ میں نے ریڈیو چوری کیا ہے؟"

"مجھ سے تو فیاض کہہ رہا تھا اور قسمیں کھا رہا تھا' اس لیے میں نے دادا کو بتا دیا۔" اس نے مری مری سی آواز میں کہا۔

"دادا! اب تم کیا کہتے ہو؟" میں نے قاسم کی طرف مڑ کر کہا جو ایک خالی ٹھیلے سے ٹیک لگائے گھاس کا ایک تنکا چبا رہا تھا۔

"میں کیا کہوں' میں تو رمضانی کے بہکاوے میں آ گیا تھا۔ بہر حال چلو معاملہ ختم کرو!" اس نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"تم نے میری طرف سے اپنا دل صاف کر لیا نا؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے سر ہلا کر کہا' پھر رمضانی کے شانے پر ہاتھ مار کر بولا:

"چلو بھاگو یہاں سے' خواہ مخواہ ہنگامہ کرا دیا تم نے۔"

رمضانی مردہ دلی سے ایک طرف اور دادا دوسری طرف چلا گیا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا شکر ادا کیا کہ میری جان بچ گئی۔ اگر میں بزدلی دکھاتا تو وہ سب میرا پیچھا کر رہے ہوتے۔

میں اسی الجھن میں مبتلا تھا کہ پرویز مستانہ کس کا بیٹا ہے اور یہاں تک کیسے پہنچا۔ اپنی جھگی کی طرف جا رہا تھا کہ دائیں جانب سے ایک اول جلول قسم کا آدمی اچانک میرے سامنے آ گیا۔ وہ اس طرح سے سامنے آ کھڑا ہوا تھا کہ راستہ رک گیا تھا۔ وہ چند لمحوں تک مجھے غور سے دیکھتا رہا' پھر اس نے اپنائیت سے میرا چہرہ اپنی ہتھیلیوں میں لے لیا:

"تم۔ تم۔ مستانہ۔ پرویز مستانہ ہو نا؟"

"ہاں' لیکن تم کون ہو اور میرے آگے آ کر کیوں کھڑے ہو گئے ہو؟" میں نے پوچھا۔

اس آدمی کی عمر پچاس سال ہو گی۔ وہ پستہ قد اور بھاری بھرکم تھا۔ اس کے بائیں کان کی لو میں ایک بالا پڑا ہوا تھا اور ناک توتے کی چونچ کی طرح مڑی ہوئی تھی۔ اس کی رنگت چمکیلی سیاہ تھی اور آنکھیں بالکل سفید۔ اگر میں اسے رات کو دیکھ لیتا تو یقیناً ڈر جاتا۔

"ڈیوڈ مسیح۔" اس نے اپنے سفید دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کہا:
"میرا نام ڈیوڈ مسیح ہے۔ تُو مجھے نہیں جانتا، مگر میں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں۔ تُو بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے۔"

میں گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور میرے جسم میں چیونٹیاں سی رینگنے لگیں۔
کیا اس نے مجھے پہچان لیا تھا۔

"تیرا باپ بہت بڑا آدمی تھا، مگر اس نے میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لیا تو میں نے اس کے بیٹے کو اس سے چھین لیا۔ اس نے جھوٹا الزام لگا کر مجھے جیل بھجوا دیا۔ بس تو پھر۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اپنی گردن سہلانے لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ کسی سے ڈرا ہوا ہے۔

میں نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی تو مجھے مستانہ کے والد قریشی صاحب آتے دکھائی دیے۔ قریب آکر انھوں نے سر سے پاؤں تک میرا جائزہ لیا، پھر ٹٹول کر دیکھا اور پریشانی سے پوچھا:
"مستانہ! تجھے چوٹ تو نہیں آئی؟ گل بدن بتا رہی تھی کہ تیرا تین چار لڑکوں سے زبردست جھگڑا ہو گیا تھا؟"

"مجھے کچھ نہیں ہوا ابا۔" میں نے انھیں اطمینان دلایا۔

"یہ ۔۔۔ یہ کون ہے؟" وہ چونک کر ڈیوڈ مسیح کی طرف مڑے۔ اسے دیکھ کر وہ گھبرا سے گئے۔ پھر انھوں نے آنکھیں مسل کر غیر یقینی سے کہا:

"ک ۔۔۔ کیا۔ تم ڈیوڈ ہو، مگر تم تو جیل میں تھے۔ تمھیں تو سزا ہو گئی تھی؟"

"ہاں پورے چودہ سال کی قید کاٹ کر آیا ہوں۔" اس نے اطمینان سے کہا اور اپنی سفید جھالر دار مونچھوں پر انگلی پھیرنے لگا۔ پھر وہ بولا:
"اب میرا بیٹا مجھے واپس کر دے قریشی۔ میں کب سے اس کی جدائی میں تڑپ رہا ہوں۔"

"نن ۔۔ نن ۔۔۔ نہیں ۔۔۔ چلا جا یہاں سے ۔۔۔ چلا جا۔" ابا نے کانپتی آواز میں کہا اور مجھے اپنے سینے میں جذب کر لیا۔

میں حیرت سے سوچنے لگا کہ ڈیوڈ مسیح کا بیٹا قریشی صاحب نے کیوں لے لیا اور اب مجھے اتنی زور سے کیوں بھینچ رہے ہیں؟

اب پرویز مستانہ کی کہانی اسی کی زبانی سنیے۔
مر ریکی صاحب کے دانت نوکیلے اور پنجے دھار دار تھے۔ ان کی لمبی زبان لپلپا رہی تھی اور وہ پینترا بدل کر مجھ پر حملہ کرنے ہی والے تھے کہ چچا نے ڈانٹ کر کہا:
"اے ریکی! ہٹو' کیا بدتمیزی ہے۔ احمق کہیں کے تم سلطان احمد کو بھی نہیں پہچان رہے ہو۔"

حویلی کے لوگ دھوکا کھا چکے تھے کہ میں سلطان احمد ہوں مگر یہ دھوکا ریکی نے نہیں کھایا تھا۔ وہ جانور تھا اور دوست دشمن کی پہچان رکھتا تھا' اس لیے اس نے مجھے دبوچ لیا تھا۔
دوسری طرف سلطان احمد کے بھائی بہن بیڈ منٹن کھیل رہے تھے جب انھوں نے ریکی کو بے تحاشا بھونکتے اور میری خاطر تواضع کرتے دیکھا تو وہ شور غل مچاتے ہوئے وہاں آگئے۔ سب نے دھکا دے کر ریکی کو میرے اوپر سے ہٹایا۔ فوزیہ تو اس معاملے میں ریکی سے اتنی ناراض ہوگئی تھی کہ اپنے ریکٹ سے ریکی کی دھنائی کرنے والی تھی' مگر احمد نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:
"جانے دو فوزیہ! جانور ہے! بے چارہ نا سمجھ ہے۔ پھر دو روز پہلے تو ہسپتال سے آیا ہے۔"
"ہسپتال سے! وہ کیوں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔ سلطان احمد نے تو مجھے بتایا تھا کہ کسی شخص نے اس کے کتے ریکی کو کوئی زہریلی چیز کھلا کر مار ڈالا ہے۔
"ریکی نے کوئی خراب چیز کھا لی تھی۔ شاید باسی کلیجی وغیرہ سے اس کی طبیعت خراب ہوگئی تھی' اس لیے اسے ہسپتال لے جانا پڑا تھا۔ کلیجی کھانے سے اس کا منہ سرخ ہوگیا تھا۔ پہلے ہم لوگ یہ سمجھے کہ اس کے پیٹ سے خون نکل رہا ہے اور یہ بچ نہیں سکے گا' لیکن ہسپتال لے جانے پر معلوم ہوا کہ ہمیں غلط فہمی ہوئی ہے اور خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔" زاہد نے وضاحت کی۔
میں نے اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا:
"اس کی طبیعت کچھ زیادہ خراب ہوگئی ہے۔ اس کے دماغ پر بھی اثر ہوگیا ہے اور یہ مجھے بھی نہیں پہچان رہا ہے۔"
ریکی عف عف کرتا ایک طرف چلا گیا تو زاہد نے کہا:

"بھائی جان! آپ نے ہی اس کا دماغ خراب کر رکھا ہے۔ اسے ناشتے میں خالص دودھ اور کھانے میں دو کلو قیمہ کھلاتے ہیں۔ کل سے اسے بھوسی ٹکڑے کھلائیں گے تو خود ہی اس کا دماغ ٹھکانے آجائے گا۔ عمدہ اور روغنی کھانے کھا کر اس کی آنکھوں پر چربی چڑھ گئی ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں کوئی ترکیب سوچوں گا۔" میں نے سر جھٹک کر کہا۔

یہ بات میں نے ایسے ہی کہہ دی تھی۔ ورنہ حقیقت یہ تھی کہ اس خون خوار کتے کو اپنا دوست بنانے کی کوئی ترکیب میری سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ رات سونے سے پہلے میں اماں کے کمرے میں چلا گیا۔ اس وقت ان کے پاس کوئی نہیں تھا۔

وہ تھوڑی دیر پہلے عشا کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھیں اور اب تخت پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں۔ میرے قدموں کی چاپ سے انھوں نے سر اٹھایا اور گہرا سانس لینے کے بعد بولیں:

"اچھا، تو ہے۔ بیٹا آجا۔ آجا میرے لعل۔"

میں سیدھا ان کے قریب پہنچا تو انھوں نے مجھے آغوش میں لے لیا، پھر میری پیشانی کا بوسہ لے کر بولیں:

"اللہ میاں بھی بعض وقت بڑے دل چسپ امتحان لیتا ہے۔ اب دیکھو کہ پہلا نظروں کے سامنے تھا تو دوسرے کے لیے دل خون کے آنسو روتا تھا۔ دوسرے کو قدرت نے ملا دیا تو پہلے کو غائب کر دیا۔ اب اس کی یاد سے دل بے چین ہے۔ مالک کے کھیل بھی نرالے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں اماں! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"کسی اور وقت سمجھا دوں گی۔ ابھی تو میں خود بھی پوری طرح سمجھ نہیں پائی ہوں۔" انھوں نے ٹالنے والے انداز سے کہا: "تو بتا کیسے آگیا اس وقت، کیا کوئی الجھن اور دشواری پیش آگئی ہے؟"

"ہاں۔ وہ کتا ہے گیگی... نہیں وہ بیگی... کیا نام ہے اس کا..." میں اٹکنے اور دماغ پر زور ڈالنے لگا۔

"ریگی۔" انھوں نے یاد دلایا۔

"ہاں، ریگی میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔" میں نے اماں کے کان میں کہا۔

انھوں نے سر ہلایا: "ہوں! اس جانور کی حس بہت تیز ہوتی ہے۔ اس نے حقیقت جان لی

ہے" مگر فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔" انھوں نے میرے کان میں کہا:

"سلطان ایک خاص قسم کی خوش بُو لگا کر اس کے قریب جاتا تھا۔ وہ خوش بو ریگی کو بہت پسند ہے۔ اگر تو بھی وہ خوش بُو لگانا شروع کردے تو وہ تجھ سے قریب ہو جائے گا۔ پھر جب تو اُسے تینوں وقت اپنے ہاتھ سے کھانا دے گا تو وہ چند ہی دنوں میں تیرے سامنے دُم ہلانے لگے گا۔"

میں نے سر ہلایا: "اچھا ٹھیک ہے، مگر مجھے ڈر لگتا ہے۔"

وہ حیرت سے بولیں: "ڈر لگتا ہے! میں تو سمجھی تھی کہ تو بہت بہادر ہے، نڈر ہے اور ــــ"

"ہاں بہادر تو میں ہوں اماں۔" میں نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر کہا اور انھیں جملہ مکمل نہیں کرنے دیا: "میں نے محلّے میں اپنا سکّہ جمایا ہوا ہے۔"

میں نجی میں معلوم نہیں اور کیا کیا باتیں کرتا رہا، نیند میرے دماغ کو جکڑ رہی تھی۔

"میرے بچے! تجھے نیند آرہی ہے۔" انھوں نے میرا سر سہلا کر کہا: "جا اپنے کمرے میں جا کر سوجا۔ صبح تجھے اسکول بھی جانا ہے۔"

میں اماں کے کمرے سے نکل آیا اور لڑکھڑاتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ جب میں دروازہ بند کر رہا تھا تو یہ خیال پریشان کر رہا تھا بلکہ ہیجان میں مبتلا کر رہا تھا کہ یہ وہی جگہ ہے جہاں سلطان احمد پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ اگر میں چوکنا نہیں رہوں گا تو صبح حویلی والوں کو میری لاش ملے گی۔

میں نے دروازہ اور کھڑکیاں اچھی طرح سے بند کرلیں تو گھٹن محسوس ہونے لگی۔ اس وقت یاد آیا کہ وہ کمرا ایئر کنڈیشنڈ ہے۔ میں نے اسے چالو کر دیا۔ سلطان احمد نے بتایا تھا کہ اگر مجھے نیند نہ آئے تو میں گھنٹی بجا کر ملازم کو بلاؤں اور اپنے لیے گرم دودھ منگوا لوں یا پھر سرہانے رکھے ہوئے ٹیپ رکارڈر پر موسیقی کا ٹیپ لگا دوں، مگر اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی اور مجھے خوف اور دہشت کے باوجود نیند آگئی۔

صبح سویرے آنکھ کھلی تو میں نہایا اور شلوار قمیص پہن کر تیار ہوگیا۔ اس وقت یاد آیا کہ اماں نے ہدایت دی تھی کہ ریگی صاحب کو اپنے ہاتھ سے ناشتا کرانا ہے تاکہ ان سے دوستی ہو سکے۔ اور ہاں اماں نے ہدایت دی تھی کہ میں ریگی کی پسندیدہ خوش بُو بھی لگا لوں۔

میں نے ڈریسنگ ٹیبل کے قریب جا کر پرفیوم کی شیشی اٹھانا چاہی تو ٹھٹک کر رہ گیا۔

ڈاکٹر اعظم شاہ خاں
لیکچرر ان زولوجی، گورنمنٹ کالج
ٹونک (راجستھان)

غذائی سمیّت
FOOD POISONING

گرمی اور بارش کے موسم میں عام طور پر کھانے پینے کی اشیا بہت جلد خراب ہو جاتی ہیں یا اُن میں سے بُو آنے لگتی ہے اور مزہ بگڑ جاتا ہے۔ جبکہ سردی کے دنوں میں یا فریج وغیرہ میں رکھنے سے یہ چیزیں کافی عرصے تک خراب نہیں ہوتیں۔ آئیے ایک نظر ڈالیں کہ ایسا کیوں ہوتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ سبھی جاندار عضویہ (ORGANISMS) کو زندہ رہنے کے لیے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے چاہے وہ انسان ہو، جاندار ہو یا پیڑ پودے۔ بہت سے عضویہ اتنے چھوٹے ہوتے ہیں کہ وہ ہمیں آنکھ سے دکھائی نہیں دیتے۔ ایسے عضویہ کو "خرد جسیمہ" (MICRO ORGANISM) کہتے ہیں۔ مثلاً بیکٹیریا (BACTERIA)، وائرس (VIRUS) پروٹوزوا (PROTOZOA) اور کچھ قسم کی پھپھوندیں۔ یہ خرد جسیمہ (MICRO ORGANISM) اَن گنت تعداد میں ہر جگہ موجود رہتے ہیں خواہ وہ مٹی ہو، پانی ہو یا ہوا۔ جہاں بھی انھیں پنپنے کے لیے معقول ماحول، خوراک اور حرارت میسّر آجاتی ہے وہیں پر یہ تیزی سے پنپنا اور تقسیم ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور اپنی تعداد میں بہت کم وقت میں بہت زیادہ اضافہ کر لیتے ہیں۔ اسی دوران اپنے جسمانی تحوّل و حرکات (METABOLIC ACTIVITIES) کی وجہ سے مختلف قسم کے زہریلے مادّے جسم سے خارج کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جب یہ خرد جسیمہ یا ان کے ذریعے خارج کیے گئے زہریلے مادّے کھانے وغیرہ کے ساتھ انسانی جسم میں داخل ہوتے ہیں اور وہاں جاکر مختلف قسم کے زہریلے اثرات پھیلاتے ہیں تو اس عمل کو "غذائی سمیّت" یا "فوڈ پوائزننگ" کہا جاتا ہے۔

عام طور پر غذائی سمیّت کے لیے جو بیکٹیریا یا جراثیم ذمے دار ہیں ان میں "اسٹیفائیلو کوکس" (STAPHYLO COCCUS) "بیسی لس" (BACILLUS) "سوڈوموناس" (PSEUDOMONAS) "اسچیریچیا" (ESCHERICHIA) "انٹرو بیکٹر" (ENTERO BACTER) "پروٹیس" (PROTEUS) "کرومو بیکٹیریم" (CHROMO BACTERIUM) اور "مائیکرو کوکس" (MICROCOCCUS) وغیرہ بہت اہم ہیں۔ یہ جراثیم مختلف قسم کی غذائی اشیا جیسے اناج، دلیں، دالوں، پھلوں، سبزیوں، گوشت، گوشت سے بنی چیزوں، انڈوں، مچھلی، دودھ اور شکر وغیرہ پر پنپ کر انسانی جسم میں کھانے کے ساتھ داخل ہو جاتے ہیں اور جسم میں مختلف قسم کی بیماریاں پھیلاتے ہیں جن کی شروعات اکثر متلی، الٹی اور دست وغیرہ

سے ہوتی ہے۔

یہ جراثیم مختلف غذائی اشیا تک کئی ذرائع سے پہنچتے ہیں۔ جیسے کھانا پکانے والے کے ہاتھ وغیرہ صاف نہ ہوں۔ وہ برتن جن میں کھانا پکایا جارہا ہو یا کھلایا جارہا ہو گندے ہوں، گندہ پانی کام میں لیا جارہا ہو، کھانا تیار کرنے کے بعد اسے کھلا چھوڑ کر گندی جگہ رکھ دیا گیا ہو یا کھانا پکا کر اسے لمبے عرصے تک رکھ دیا جائے اور باسی کھایا جائے۔ خاص طور پر ایسے کھانوں پر جراثیم جلدی پہنچتے ہیں جن میں پروٹین (PROTEIN) کی مقدار زیادہ ہو جیسے گوشت، مچھلی اور دال وغیرہ۔ اس لیے ہر وہ احتیاط کی جانی چاہیے جس کی وجہ سے یہ زہریلے جراثیم کھانوں تک پہنچ ہی نہ سکیں یا اگر پہنچ گئے ہوں تو ان کی تعداد میں اضافہ نہ ہو۔ اس کے لیے سب سے مناسب تو یہی ہے کہ جو باسی کھانا گرم گرم کھایا جاتا ہے اس کو تازہ پکا کر اسی وقت کھا لیا جائے اور اگر اسی وقت نہ کھایا جاسکے تو پکا کر اسے ٹھنڈا ہونے پر فریج میں رکھ دیا جائے۔ اگر اسے ٹھنڈا کھایا جاتا ہے تو تیار کرکے فریج میں رکھ دیا جائے اور ضرورت کے وقت ٹھنڈا ٹھنڈا ہی کام میں لیا جائے۔ کیونکہ کم درجہ حرارت پر جراثیم یا دوسرے خرد جسیمہ (MICRO ORGANISMS) پنپ نہیں پاتے اور کھانا لمبے عرصے تک محفوظ رہتا ہے۔

عام طور پر جو جراثیم غذائی سمیت کے لیے ذمے دار ہیں ان کا ذکر ذیل میں مختصراً کیا جارہا ہے۔

اسٹے فائیلو کوکس (STAPHYLO COCCUS)

غذائی سمیت (FOOD POISONING) کے لیے یہ جراثیم ہی زیادہ تر ذمے دار ہوتے ہیں۔ خاص طور سے "اسٹے فائیلو کوکس ایریس" (S.AUREUS) قسم کے جراثیم جسم میں داخل ہونے کے چھے گھنٹوں کے اندر اندر آنتوں پر اپنے مضر اثرات ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔ جن کی وجہ سے الٹی، دست، پیٹ کا درد، جسم میں اینٹھن جیسی علامات رونما ہونے لگتی ہیں۔ اگر حملہ زوردار ہو تو بے ہوشی تک ہو سکتی ہے جو خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اکثر پکا کر لمبے عرصے تک رکھے ہوئے یا باسی کھانوں پر ان کا حملہ ہوتا ہے۔ ان کھانوں کو اگر گرم کرکے بھی کھایا جائے تب بھی یہ جراثیم زندہ رہتے ہیں اور غذائی نظام میں داخل ہو کر اپنے مضر اثرات پھیلانا شروع کر دیتے ہیں اکثر بیکری میں تیار شدہ غذائی اشیا، گوشت، گوشت سے بنی اشیا اور ڈبہ بند کھانوں پر ان کا حملہ زیادہ ہوتا ہے۔

سالمونیلا (SALMONELLA).

اس بیکٹیریا کے ذریعے "سالمونیلوسس" (SALMONELOSIS) نام کی بیماری ہوتی ہے۔ کھانے کے ساتھ جسم میں داخل ہونے کے ۶ سے ۳۶ گھنٹے کے درمیان ان کا زہر اپنا اثر دکھانا شروع کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے سر درد، پورے جسم میں درد، الٹی اور دست وغیرہ شروع ہو جاتے

ہیں۔ وقت پر اگر بیماری پر قابو نہ پایا جائے تو بیماری مہلک ثابت ہو سکتی ہے۔ زیادہ تر سالمونیلا پیسٹرائزڈ دودھ اور دودھ سے بنی اشیا پر ان کا حملہ تیزی سے ہوتا ہے۔

کلوسٹیریڈیم (CLOSTRIDIUM)

کلوسٹیریڈیم بیکٹیریا کی دو قسمیں غذائی سمیت کے لیے خاص طور پر ذمے دار ہیں۔ کلوسٹیریڈیم بوٹیولائنیم (C.BOTULINUM) اور کلوسٹیریڈیم پرفرنجنس (C.PERFRINGENS) ۔ ان میں کلوسٹیریڈیم بوٹیولائنیم (C.BOTULINUM) سے بہت خطرناک قسم کی غذائی سمیت (FOOD POISONING) ہو جاتی ہے۔ کیونکہ ان کے ذریعے پیدا کیا ہوا زہر سیدھے عصبی نظام (NERVOUS SYSTEM) پر اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ بیکٹیریا ۱۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر بھی زندہ رہ جاتے ہیں مگر ان کے ذریعے بنایا گیا زہر ۸۰ ڈگری پر اپنا اثر کھو دیتا ہے لیکن جسم میں اگر اس کی معمولی سی مقدار بھی داخل ہو جائے تو بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ اس کے زہر کی ایک مائیکرو گرام (MICRO GRAM) مقدار دس لاکھ لوگوں کی جان لے سکتی ہے۔ جسم میں داخل ہونے کے ۱۲ سے ۹۲ گھنٹے کے اندر اندر یہ بیکٹیریا اپنے مضر اثرات ڈالنا شروع کر دیتے ہیں۔ تیز سر درد، جسم میں بھاری پن، تھکاوٹ، چکر، بینائی پر برا اثر اور اوپر کا پپوٹوں کا لٹک جانا، آنکھوں کا باہر نکل آنا، گلے کا سوکھنا، بولنے اور نگلنے میں پریشانی اور گلے کے پٹھوں پر فالج جیسے اثرات دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ڈبّہ بند کھانے کی چیزیں، ہلکی تیزابیت والے کھانے، چقندر اور گوشت وغیرہ پر یہ تیزی سے حملہ آور ہوتے ہیں۔

کلوسٹیریڈیم (CLOSTRIDIUM) کی دوسری قسم جس کا نام کلوسٹیریڈیم پرفرنجنس (C.PERFRINGENS) ہے ۱۰۰ ڈگری سینٹی گریڈ پر بھی زندہ رہ جاتا ہے۔ انسانی جسم میں ۸ سے ۲۴ گھنٹوں میں اپنا اثر ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔ پیٹ میں درد، دست اور متلی وغیرہ عام علامات ہیں۔ باسی کھانے کو ٹھنڈا یا گرم کرنے کے بعد کھانے۔ پولٹری کی اشیاء، سوکھی نابیدہ (DEHYDRATED) کھانے کی اشیا پر اکثر یہ پنپ جاتے ہیں۔ ان اشیا تک بیکٹیریا کی پہنچ لیٹرن (LATRINE) کے بعد ہاتھ نہ دھونے یا فضلے پر سے مکھیوں کے بیٹھنے کے بعد کھانے پینے کی اشیا پر بیٹھنے سے ہوتی ہے۔

بیسیلس سرس (BACILLUS CEROS)

اناج، ابلے یا تلے ہوئے چاول، دودھ، دودھ سے بنی اشیا اور دوسری قسم کی پکاکر رکھی کھانے پینے کی اشیا پر یہ بیکٹیریا حملہ آور ہوتے ہیں۔ جسم میں داخل ہونے کے ۱۶ گھنٹے میں الٹی، دست، پیٹ درد اور مروڑ شروع کر دیتے ہیں۔ زمین پر گری چیزوں کو اٹھاکر کھا لینے، یا ادھ دھلی سبزیوں، پھلوں کو کھا لینے سے جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اسچیریچیا کولائی (ESCHERICHIA COLI)

عام طور پر یہ بیکٹیریا انسان اور جانوروں کی آنتوں میں پایا جاتا ہے۔ اگر گرمی اور بارش

کے جسم میں ان کی تعداد تیزی سے بڑھنا شروع ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان کے مضر اثرات تیزی سے پیٹ درد، مروڑ، الٹی، دست اور متلی وغیرہ کی شکل میں دکھائی دینے لگتے ہیں۔ دودھ، دودھ سے بنی اشیا، گندہ پانی جس میں فضلہ وغیرہ مل گیا ہو، ٹھیلوں پر کھلی رکھی کھانے پینے کی اشیا جن پر مکھیاں بیٹھ جاتی ہیں اور گندی جگہوں پر بنی سبیلوں سے پانی پینے پر یہ بڑی تعداد میں جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

سوڈومونس آروجینوسا (PSEUDOMONAS AURUGINOSA)

گیسٹرو انٹرائٹس (GASTRO ENTERITIS) کے مریضوں کے فضلے میں یہ بیکٹیریا بڑی تعداد میں پائے جاتے ہیں اور اکثر وہیں سے یہ مختلف کھانے پینے کی اشیا تک پہنچتے ہیں۔ اکثر اسپتال میں بھرتی مریضوں اور ان کی دیکھ بھال کرنے والوں پر ان کا حملہ تیزی سے ہوتا ہے۔

وبریو کولیری (VIBRIO CHOLERAE)

یہ بیکٹیریا ہیضہ پھیلانے کے لیے ذمے دار ہیں۔ جسم میں داخل ہونے کے بعد ۲۴ گھنٹوں کے اندر اندر ہیضے کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے لگاتار بہت زیادہ دست آنے لگتے ہیں جن پر قابو پانا مشکل ہو جاتا ہے۔ جسم میں داخل ہونے کے بعد یہ آنت کی کھائیوں میں جا کر چپک جاتے ہیں اور وہاں تیزی سے بڑھنا شروع کر دیتے ہیں۔ ساتھ ہی خطرناک قسم کا زہر چھوڑنا بھی شروع کر دیتے ہیں۔ زیادہ دست آنے کی وجہ سے جسم میں پانی اور نمکیات کی کمی ہو جاتی ہے۔ اگر بروقت ان دستوں پر قابو نہ پایا جائے تو موت تک واقع ہو سکتی ہے۔ گندا پانی، یا ایسی کھانے پینے کی اشیا جس پر مکھی بیٹھی ہو، اس کو کھانے سے یہ بیکٹیریا جسم میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ان بیکٹیریا کے علاوہ شیگلا (SHIGELLA) وبریو پیرا ہیمولائٹیکس (VIBRIO PARA HAEMOLYTICUS)، اسٹریپٹو کوکائی (STREPTO COCCI) گرام نیگیٹو بیسی لائی (GRAM NAGATIVE BACILLI)، سٹروبیکٹر (CITROBACTER) پروٹیس (PROTEUS) پرووڈینسیا (PROVIDENCIA) اور یرسینیا انٹیروکولیٹکا (YERSINIA ENTEROCOLITICA) وغیرہ۔ بیکٹیریا (BACTERIA) مختلف قسم کی کھانے پینے کی اشیا پر اپنے مضر اثرات ڈالتے ہیں۔ اور غذائی سمیت کے لیے ذمے دار ہیں۔

غذائی سمیت سے بچاؤ کے لیے ضروری احتیاط

۱۔ کھانا پکانے اور کھانے سے پہلے ہاتھوں کو صابن سے اچھی طرح دھو لینا چاہیے۔
۲۔ جن برتنوں میں کھانا پکانا ہو یا کھلانا ہو وہ بہت اچھی طرح صاف ہونا چاہیے۔
۳۔ سب سے بہتر یہ ہے کہ جب کھانا کھانا ہو تو تازہ پکا کر ہی کھایا جائے۔ اگر کچھ دیر بعد کھانا ہو

تو اسے صاف جگہ پر صاف برتن سے ڈھک کر رکھا جائے تاکہ مکھیاں وغیرہ اس تک نہ پہنچ سکیں۔ اگر ممکن ہو سکے تو گرم کھایا جانے والا کھانا جب تک نہ کھایا جائے تب تک گرم ہی رکھا جائے اور ٹھنڈا کھایا جانے والا کھانا فریج میں رہے۔ کیونکہ اونچے اور کم درجہ حرارت پر بیکٹیریا نہیں پنپ پاتے۔

۴۔ دودھ اور دودھ سے بنی اشیا تازہ ہی کھالی جائیں یا پھر انھیں فریج میں رکھا جائے۔

۵۔ ڈبہ بند کھانے کی اشیا یا گھر میں تیار شدہ چٹنی، مربے، اچار اور جام وغیرہ کو دھوپ دیتے رہنا چاہیے اور اگر ہو سکے تو ایک بار زیادہ داب پر بھاپ پر سے گزار دینا چاہیے تاکہ ان میں پنپنے والے جراثیم مر جائیں۔

۶۔ باسی کھانے یا لمبے عرصے سے رکھی کھانے پینے کی اشیا کو نہیں کھانا چاہیے

۷۔ پھل، سبزیاں اور سلاد وغیرہ کو اچھی طرح دھو کر ہی کھانا چاہیے۔

نفیسہ خان

آسمانی بجلی سے بچاؤ کا طریقہ

دو بادلوں کے درمیان پیدا ہونے والے برقی شرارے کو آسمانی بجلی کا نام دیتے ہیں۔ اس صورت میں جو آواز پیدا ہوتی ہے اسے بجلی کی کڑک کہتے ہیں۔ یہی بجلی کی کڑک جب دور دراز بادلوں سے آواز کی صورت میں ہم تک پہنچتی ہے تو یوں لگتا ہے گویا کہ بادل گرج رہے ہوں۔ آسمانی بجلی جب زمین کی طرف رخ کرتی ہے تو راہ میں حائل ہر چیز کو بھسم کر دیتی ہے۔ انسانوں، درختوں اور عمارتوں کو جلا کر کوئلہ بنا دیتی ہے۔ آسمانی بجلی سے بچاؤ کا ایک عمدہ طریقہ یہ ہے کہ عمارات کے ساتھ تانبے کی پتری لگا دی جاتی ہے۔ اس کا ایک سرا زمین کے اندر کافی گہرائی میں گاڑ دیا جاتا ہے جبکہ اوپر والا حصہ نوک دار بنا کر عمارت کے بلند ترین مقام پر لگا دیا جاتا ہے۔ اس کے باعث بادلوں کا چارج یا تو زائل ہو جاتا ہے یا وہ تانبے کی پتری میں سے ہوتا ہوا زمین میں چلا جاتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ جب کوئی منفی چارج والا بادل اس عمارت کے نزدیک سے گزرتا ہے تو پتری میں ردِ عمل ہوتا ہے جس کے باعث اس کے الیکٹران زمین کی طرف چلے جاتے ہیں اور اس سلاخ پر مثبت چارج رہ جاتا ہے۔ یہ مثبت چارج پتری کے نوک دار حصوں سے خارج ہونے لگتا ہے اور بادل کے منفی چارج کو نیوٹرل کرنے لگتا ہے۔ اس عمل کے نتیجے میں بادل آہستہ آہستہ اپنا چارج کھونے لگتا ہے اگر اس بادل کے الیکٹران اتنے زیادہ ہوں کہ سلاخ سے خارج ہونے والا مثبت چارج انھیں نیوٹرل نہ کر سکے تو یہ الیکٹران اس سلاخ کے راستے زمین میں چلے جاتے ہیں اور عمارت محفوظ رہتی ہے۔

نام : میمونہ نسرین انصاری سکندر
تعلیم : بارھویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا صرف بہنوں سے
پتا: ایم، ایچ، بی کالونی، روم نمبر۲، گلی نمبر۲، مالیگاؤں ناسک

نام : محمد علیم بن مولانا عبدالرحیم عمر : ۱۲ سال
تعلیم : درجہ حفظ
مشغلہ : قرآن پاک کی تلاوت کرنا، کبڈی کھیلنا
پتا: مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر۲ شری رام پور ۴۱۳۷۰۹

نام : شیخ ظہورالدین یعقوب لاڈلے عمر ۲۰ سال
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، کنٹری سننا
پتا: پلاٹ نمبر ۱۰ روم ۲، گیٹ نمبر ۵ مالونی ملاڈ بمبئی

نام : محمد اسلم ناگوری
تعلیم : نویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، دوستی کرنا
پتا: ۲۲ کیروانی ناگوری محلہ مہدپورا اجین

نام : محمد لقمان حکیم ناگوری
تعلیم : نویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: لقمان پان سنٹر ناگوری محلہ جامع مسجد مہدپورا اجین

نام : طارق انور
تعلیم : نویں جماعت
مشغلہ : کراٹے سیکھنا
پتا : السبیل اکیڈمی۔ ادریہ۔ بہار

نام : ابواسامہ انصاری عمر : ۱۵ سال
تعلیم : نویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: نور ٹیلرس حاجی ٹولہ سرائے میر اعظم گڑھ

نام : احمد ضحاک عمر : ۱۲ سال
تعلیم : آٹھویں جماعت
مشغلہ : فٹ بال کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: السبیل اسکول ادریہ بہار

نام : اشہر شباب اعظمی
تعلیم : نویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: نزد قادری پریس، باز بہادر، اعظم گڑھ۔

نام : اصغر شباب اعظمی
تعلیم : پانچویں جماعت
مشغلہ : انعامی مقابلہ میں حصہ لینا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت محمد ثاقب اعظمی نزد قادریہ پریس باز بہادر
اعظم گڑھ۔ یوپی

نام : نغمہ پروین
تعلیم : دسویں جماعت

مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، دوسروں کی مدد کرنا
پتا: معرفت ماسٹر نادر، پوسٹ گیتا بی ضلع اڑیہ بہار

نام: اطہر البشر　　عمر: ۱۲ سال
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، درسی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: السبیل اکیڈمی، ہاسپٹل روڈ، اڑیہ بہار

نام: راشد رضا　　عمر: ۹ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: معرفت شمی اشرف، نالا روڈ، راؤرکیلا، سندر گڑھ اڑیسہ

نام: میمن ابراہیم　　عمر: ۱۰ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت حاجی شفیع احمد اکھائی، ساگر بلڈنگ
فلیٹ نمبر ۱۰۶ بڑی مسجد، ستر نجی پورا، ناگپور

نام: محسن خان، منّان خاں
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کتابیں پڑھنا، فٹ بال کھیلنا
پتا: کاغذی دروازہ، قلعہ بیں بیڑ، مہاراشٹر

نام: محمد رفیع اللہ خاں
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا اور کرکٹ کھیلنا
پتا: محلہ نور خاں اکھاڑہ ضلع بیدر شریف، کرناٹک

نام: توصیف احمد شیخ
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: کوہ نور سوسائٹی، ہانڈر کوٹرا روڈ، ایوت محل

نام: وسیم شہباز انصاری
تعلیم: بارھویں جماعت
مشغلہ: کتابوں سے دوستی، قلمی دوستی کرنا
پتا: سروے نمبر ۲۸ پلاٹ نمبر ۲۹ عائشہ نگر روڈ بالیگاؤں

نام: محمد وسیم الحق　　عمر: ۱۶ سال
تعلیم: بارھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: معرفت ایم لئیق اکبر قریشی محلہ، آسنسول ۲

نام: ندیم اختر ادریاوی　　عمر: ۱۶ سال
تعلیم: عربی سوم
مشغلہ: کتب بینی، قلمی دوستی کرنا
پتا: جامعہ عربیہ عین الاسلام مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

نام: محمد خالد اعظمی　　عمر: ۱۴ سال
تعلیم: ہائی اسکول
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت ماسٹر محمد صادق، کھرپوان، سرائے میر اعظم گڑھ

نام: محمد شکیل خاں
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: معرفت محمد کیل خاں، ساؤتھ بازار نظیر آباد ضلع بھوپال

نام: محمد لقمان　　عمر: ۱۵ سال
تعلیم: بارھویں جماعت
مشغلہ: دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: مدرسہ انجمن معاون الاسلام علیمیا سرائے جھل مراد آباد

نام: احتشام پرویز عمر: ۱۲ سال
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: دینی کتب پڑھنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: معرفت محمد معین ساحر انٹرپرائز، اسلامپورہ الوت محل

نام: محمد اخلاق عثمانی
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: فاضل پور، پوسٹ شاہ پور بگھونی، ویئی ضلع سمستی پور بہار

نام: پرویز احمد عمر: ۱۵ سال
تعلیم: درجہ حفظ
مشغلہ: اخبار بینی، دینی وسماجی رسالے پڑھنا
پتا: مدرسہ بیت العلوم راجا بازار، ۱۵۲ اکیشب چندر سین لین
کلکتہ ۹

نام: الطاف علی چوگلے عمر: ۱۳ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پڑھائی کرنا، نماز پڑھنا
پتا: مقام و پوسٹ آسٹی تعلقہ کھیڈ ضلع رتناگیری

نام: محمد شاہد عمر: ۱۹ سال
تعلیم: بی۔ ایس۔ سی
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا۔ کٹنگ کرنا
پتا: این۔ کے ٹیلرس، ریلوے اسٹیشن روڈ سرائے میر
اعظم گڑھ۔ یوپی

نام: نازنین شفیق
تعلیم: بارھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھ کر کچھ حاصل کرنا۔
پتا: معرفت طارق شفیق سنجر پور ضلع اعظم گڑھ یوپی

نام: پیارے عمر: ۵ سال
تعلیم: درجہ اوّل
مشغلہ: روزانہ صبح سویرے اسکول جانا
پتا: گھر شکر پور، بھروارا، دربھنگہ۔ بہار

نام: تنویر نظام
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، علم سیکھنا
پتا: جہسول، سیتامڑھی بہار

نام: امجد اقبال عمر: ۱۳ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: السبیل اکیڈمی، الحرا بورڈنگ، مین روڈ، ارریہ بہار

نام: محمد عبد العلیم
تعلیم: درجہ حفظ
مشغلہ: سبق یاد کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت عبد العزیز پیش امام جامع مسجد
ست پلی ضلع کھمام اے، پی

نام: سیدہ ماریہ
تعلیم: گیارھویں جماعت
مشغلہ: ادبی کتابوں کا مطالعہ کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: صرافہ چوک ناندیڑ۔

نام: انصاری محمد مبین
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا، نظمیں اور کہانیاں سننا۔
پتا: تلی والی چال نمبر ۱، مسلم نگر، بھیونڈی ۔

نام : عبدالغفور قریشی عمر : ۲۱ سال
تعلیم : بی، اے
مشغلہ : کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا : اتوارہ گیٹ باہر پوسٹ برہان پور ضلع کھنڈوہ

نام : ناصر علی عمر : ۱۴ سال
تعلیم : آٹھویں جماعت
مشغلہ : دینی معلومات حاصل کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا : معرفت نزاکت علی، تیرہ بارود نا ۲ ئل مل، لوگری پلاٹ، آکوٹ، ضلع آکولہ۔

نام : طارق شفیق عمر : ۱۵ سال
تعلیم : ہائی اسکول
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، اچھے لوگوں سے دوستی کرنا
پتا : سنجرپور۔ اعظم گڑھ (یو، پی)

نام : محمد اسمٰعیل احمد شیخ عمر : ۲۰ سال
تعلیم : دسویں جماعت
مشغلہ : اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا : ناخدا محلہ، سدا شوگڑھ، کاروار

نام : جمال اختر خاں عمر : ۱۵ سال
تعلیم : نویں جماعت
مشغلہ : کہانیاں پڑھنا
پتا : مقام و پوسٹ، ننداؤں، سرائے میر اعظم گڑھ

نام : محمد ساجد عالم
تعلیم : بارھویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، اچھے دوست کی تلاش
پتا : مال بندی، بالاکھیا، سندرگڑھ، اڑیسہ

نام : عبدالعاشق
تعلیم : دسویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، والدین کی خدمت کرنا
پتا : مقام تومر الواں، پوسٹ عابد چک، نالندہ بہار

نام : انصاری کاشف رضا عمر : ۱۳ سال
تعلیم : نویں جماعت
مشغلہ : قرآن پاک پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا : نیو جامع مسجد شہنشاہ نگر۔ بیڑ

نام : ذیشان عابدی
تعلیم : درجہ اطفال
مشغلہ : دل لگا کر پڑھنا اور کھیلنا
پتا : معرفت محمد زین العابدین ابردی، پور، کنی سمری، دربھنگہ بہار

نام : محمد انور علی عمر : ۱۵ سال
تعلیم : دسویں جماعت
مشغلہ : کمپیوٹر سے دلچسپی لینا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا : نور محل، بلوا گنج، الہرپاسرائے دربھنگہ بہار

نام : محمد عمران ابن شیخ حسین عمر : ۱۱ سال
تعلیم : فارسی اوّل
مشغلہ : فارسی کتاب کا بغور مطالعہ کرنا
پتا : مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور احمد نگر

نام : نوشاد عالم اختر
تعلیم : بی، اے
مشغلہ : شاعری کرنا
پتا : معرفت امین الدین سنگھیا ٹولی پٹنہ کا چھاؤ ایس ایم رضا اسٹریٹ، پٹنہ سٹی ۸

نام: قسیم اختر
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت محمد علیم الدین شاہ ریل پار، لوکے روڈ آسنسول

نام: محمد اسرائیل محمد اسمعیل خلجی
تعلیم: پہلی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھوا کر سننا، کرکٹ کھیلنا
پتا: کلب چوک، ایلت محل

نام: امتیاز احمد صدیقی
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: اونسی بھلا ٹولہ اونسی بھنگواں، کوٹھی رنوے مدھوبنی

نام: محمد جاوید اختر عمر: ۱۲ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: اعظم اسٹور، سکھو محلہ، این آر آر روڈ آسنسول ۲

نام: عبد الستار
مشغلہ: بدمعاشوں کو مارنا پیٹنا
پتا: مدرسہ اسلامیہ شاہ پور بگھونی، سمستی پور، بہار

نام: نجم الہدیٰ ثانی
تعلیم: عربی دوم
مشغلہ: مختلف رسائل کا مطالعہ کرنا
پتا: ململ ـ کلواہی، مدھوبنی، بہار

نام: محمد اقبال اختر حسین عمر: ۱۲ سال
تعلیم: ہائی اسکول
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، دوستی کرنا
پتا: شاہ پور بگھونی، وینی، سمستی پور، بہار

نام: محمد صفی احمد
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: دوستی کرنا
پتا: اونسی بھلا ٹولہ اونسی بھنگواں مدھوبنی بہار

نام: محمد ذو الفقار عمر: ۱۱ سال
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے، دربھنگہ، بہار

نام: ابو عبیدہ انصاری عمر: ۱۴ سال
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: نیشنل میڈیکل اسٹور، مبارک پور اعظم گڑھ

نام: وقار یونس عمر: ۱۴ سال
تعلیم: ہائی اسکول
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: شاہ پور بگھونی، وینی، سمستی پور بہار

نام: محمد عامر حسین آزاد عمر ۱۴ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا، سفر کرنا
پتا: علیہ کالجیٹ اسکول ہاسٹل ضلع اڑیسہ بہار

نام: کاجو، پنٹو عمر: ۱۴ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت محمد شاہد نواب، ریل پار، لوکے روڈ آسنسول ضلع بردوان، مغربی بنگال

نام: ریاض الحسین عمر: ۱۴ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا
پتا: چیریا قاضی ٹولہ ضلع مدھوبنی بہار

نام: محمد عمر عمر: ۱۰ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، درسی کتابیں پڑھنا
پتا: چیریا قاضی ٹولہ ضلع مدھوبنی، بہار

نام: محمد انیس عمر: ۱۲ سال
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: بسنی پٹ، چیریا قاضی ٹولہ ضلع مدھوبنی بہار

نام: شہنواز عالم عمر: ۸ سال
تعلیم: دوسری جماعت
مشغلہ: اردو پڑھنا، کسرت کرنا
پتا: بسنی پٹ، چیریا قاضی ٹولہ ضلع مدھوبنی بہار

نام: محمد جاوید عالم عمر: ۱۲ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: اللہ کی عبادت کرنا، اساتذہ کی عزت کرنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ بہار

نام: کلام عمر: ۱۲ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے، دربھنگہ بہار

نام: پیام الحق عمر: ۱۰ سال

تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول، لہریا سرائے دربھنگہ بہار

نام: محمد غوث
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: ہاکی کھیلنا
پتا: کنڈور ہاؤس فاروقی اسٹریٹ، بھٹکل

نام: فیروز انجم عمر: ۱۱ سال
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: سلفیہ جونیر ہائی اسکول، لہریا سرائے دربھنگہ بہار

نام: شہباز رضا
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: جنرل نالج اور کورس کی کتابیں پڑھنا
پتا: السبیل اکیڈمی ارریہ بہار

نام: شاہ زماں راہی
تعلیم: بی اے
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، کورس کی کتابیں پڑھنا
پتا: ملیہ کالج ارریہ بہار

نام: معتز ارشد آرملیس
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: دار ارقم مین روڈ، موتیا مارکیٹ بھٹکل

چوری کرنے کے لیے جب چور دکان میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ تجوری پر لکھا ہوا تھا "بائیں طرف لال بٹن دبائیں۔ تجوری خود بخود کھل جائے گی"

چور نے ہدایت پر عمل کرتے ہوئے لال بٹن دبایا۔ اس کے ساتھ ہی کمرے میں لگی ہوئی گھنٹی بج اٹھی اور چور کو پکڑ لیا گیا۔ عدالت میں جب جج نے چور سے پوچھا کہ تم اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو چور نے بڑی اداسی سے کہا۔

"میں اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں کہ یہ دنیا بڑی دھوکے باز ہے"

آسی جھلجھلی، بہادر گنج کشن گنج بہار

ایک آدمی کسی کے یہاں مہمان بن کر گیا اسے وہاں ٹھہرے کئی دن ہو گئے۔ میزبان پریشان تھا۔ ایک دن میزبان نے غصے سے کہا۔ بھائی صاحب آپ اتنے دنوں سے ہمارے یہاں ہیں آپ کے گھر کے لوگ آپ کے لیے پریشان ہوں گے؟

مہمان: جی ہاں! میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔ کیوں نہ تار دے کر انھیں بھی یہیں بلوالوں۔

شاہین پروین محمد شبیر، موہن پور، ملکا پور

ایک دفعہ ایک اسکول میں پہلی مرتبہ ٹیلی فون لگا۔ اسکول میں ایک چپراسی تھا۔ چپراسی پڑھا لکھا نہیں تھا۔ آفس میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ آفس میں پرنسپل صاحب نہیں تھے۔ چپراسی نے آفس کے باہر سے کہا "پرنسپل صاحب نہیں ہیں" جب برابر گھنٹی بجتی رہی تو چپراسی غصے میں بولا "تم وہیں پر ٹرن ٹرن کرو، میں جا رہا ہوں"

سرفراز احمد ـــــــ پھولپور

ایک دوست (دوسرے سے) اچھا دوست اب میں چلتا ہوں، بہت دیر ہو گئی ہے، میری بیوی بھوکی ہو گی۔

دوسرا دوست: تم بہت خوش نصیب ہو کہ تمھارے بغیر تمھاری بیوی کھانا نہیں کھاتی۔

پہلا دوست: کھائے گی بھی کیسے؟ میں تو خود جا کر کھانا پکاتا ہوں۔

شفیق الرحمن، برھنی پورہ، منگرول پیر

کیلا: (طنزیہ انداز میں لیموں سے کہتا ہے) یار مجھے تجھ پر بڑا ترس آتا ہے۔

لیموں: کیوں؟

کیلا: کیونکہ لوگ تجھے نچوڑ نچوڑ کر کھاتے ہیں۔

لیموں: یار مجھے تو لوگ نچوڑ نچوڑ کر کھاتے ہیں مگر تجھے تو ننگا کر کے کھاتے ہیں۔

فصیح الحسن ـــ بیگام پور، کوٹک

● ایک انگریز ہندوستان گھومنے کے لیے گیا۔ اس انگریز نے ایک ڈرائیور سے کہا کہ مجھے ہندوستان کی مشہور جگہ گھما دیں تو ڈرائیور نے اسے لال قلعہ دکھایا۔ انگریز نے اس سے پوچھا کہ یہ کتنے دن میں بنا ہے۔ کار ڈرائیور نے کہا کہ یہ چالیس سال میں بنا ہے۔ انگریز نے کہا کہ یہ ہمارے ملک میں ۲۰ سال میں بن جائے گا۔ ڈرائیور خاموش ہوگیا۔ پھر جامع مسجد دکھانے لے گیا۔ انگریز نے ڈرائیور سے پوچھا کہ یہ کتنے دن میں بنی؟ ڈرائیور نے بتایا کہ یہ چالیس سال میں بنی۔ انگریز نے کہا کہ یہ ہمارے یہاں بیس سال میں بن جاتی۔ ڈرائیور خاموش ہوگیا۔ واپس ہوٹل آگیا۔ دوسرے دن انگریز کو قطب مینار دکھانے لے گیا۔ انگریز نے قطب مینار کو دیکھتے ہوئے کہا کہ اتنی بڑی مینار کتنے دن میں بنی ہے اور تم نے کل کیوں نہیں دکھائی۔ ڈرائیور نے فوراً کہا کہ صاحب یہ تو کل رات میں تیار ہوئی ہے۔ کل کیا آپ کو خاک دکھاتا۔

محمد تبریز اختر پوسٹ لیپا، ستدر گڑھ اڑیسہ

● ایک صاحب روزانہ سوتے میں یہ خواب دیکھتے تھے کہ وہ فٹ بال کھیل رہے ہیں اور اس دوران وہ بڑی طرح لاتیں چلاتے تھے۔ اس کی اس عادت سے تنگ آکر انھیں ان کی بیوی ماہر نفسیات کے پاس لے گئی۔ ماہر نفسیات نے چند گولیاں دے کر کہا۔ آج رات سونے سے پہلے ایک گولی کھا لیجیے آپ آج رات انشاء اللہ فٹ بال نہیں کھیلیں گے۔ آدھی رات وہ صاحب چلائے "دیں یہ گولیاں ہرگز نہیں کھاؤں گا کیونکہ آج رات تو فائنل میچ ہے۔"

زینت خان ـــ جعفرآباد ـــ نوادہ

● ایک مرتبہ ایک گاہک نے دودھ والے پر بگڑتے ہوئے کہا
"تم نے پھر دودھ میں پانی ملایا"
دودھ والے نے جواب دیا، "میں نے بالکل نہیں ملایا، ہاں تھوڑی سی برف ڈالی تھی گرمی بہت ہے نا، برف نہیں ڈالو تو دودھ پھٹ جاتا ہے۔

ابو طلحہ اعظمی ـــ سرائے میر اعظم گڑھ یوپی

● ایک افیمی کو ایک دن کھجور توڑنے کی سوجھی اور پیڑ پر چڑھ گیا۔ نیچے دیکھا تو اسے خدا یاد آگیا۔ بولا اگر میں خیریت سے نیچے اتر گیا تو بکرے کی قربانی کروں گا۔ ڈرتے ڈرتے کچھ نیچے آیا۔ بولا اگر میں زمین پر عافیت سے پہنچ گیا تو مرغا قربان کروں گا تبھی دھم سے نیچے زمین پر گر گیا اور لنگڑاتے ہوئے بولا "اے خدا جب سوچا نہیں پہنا تو ٹھوکر کیوں ماردی۔"

رئیس احمد سلطان شاہد پورہ صوفی مبارک پور

● استاد: چاند دور ہے یا دہلی؟
شاگرد: دہلی دور ہے
استاد: وہ کیسے؟
شاگرد: کیونکہ یہاں سے چاند نظر آتا ہے دہلی نہیں۔
استاد: غصے سے، گھر سے باہر جاؤ۔ دیکھیں ذرا۔
شاگرد: بڑی معصومیت سے، گھر کے اندر سے بھی نظر نہیں آتی۔

غلام احمد پیرا ـــ گاؤں بلگام

● (بہن دامہ سے) ارے امامہ تم نے مچھردانی کی تہہ کرکے چارپائی میں لگا رکھی ہے اور خالی چارپائی پر سوئی ہو؟ کیا بیوقوفی ہے؟
امامہ: ارے باجی ذرا آہستہ بولو۔ یہ تو میں نے مچھروں کو دھوکا دینے کے لیے ایسا کیا ہے تاکہ وہ مجھے مچھردانی میں سمجھ کر اسی کا گھیراؤ کریں اور میں ادھر ٹھاٹ سے خراٹے لوں۔

محمد طیب اعظمی، بمہور، مبارک پور اعظم گڑھ

● باپ (بیٹے سے) بیٹا آج تمھیں لڑکی والے دیکھنے آئیں گے۔ اگر وہ چاندی کی انگوٹھی دیں تو تم سونے کی مانگنا۔ اور وہ سونے کی دیں تو تم موٹر سائکل مانگنا۔ اور وہ موٹر سائکل دیں تو تم موٹر کار مانگنا۔
بیٹا (سن کر): ابا جی اگر وہ لڑکی دے تو میں کیا مانگوں؟

ارمان احمد، بردہا، کمتول، دربھنگہ

● ایک بھکاری ہاتھ میں تختی لیے بھیک مانگ رہا تھا جس پر لکھا تھا: "میں گونگا ہوں، اللہ کے نام پر میری مدد کیجیے۔" ایک راہ گیر نے اس سے پوچھا "بابا کب سے گونگے ہو؟"
بھکاری بے ساختہ بولا "پیدائشی گونگا ہوں۔"

محمد ارشد امام، محلہ چھجو، بہار شریف، نالندہ

● مالک: میرا اتنا بڑا مکان ہے کہ گھومتے گھومتے کئی سال لگ جاتے ہیں۔
نوکر: ہمارے پاس اتنا بڑا بانس ہے کہ جب پانی کی ضرورت پڑتی ہے تو آسمان میں سوراخ کر دیتا ہوں۔
مالک: اجی اتنا بڑا بانس کہاں رکھتے ہو؟
نوکر: آپ کے مکان میں۔

محمد نعیم الدین بھاگلپوری، مدرسہ عین الاسلام نوادہ

● استاد: (شاگرد سے) یہ بتاؤ کہ برسات کے دنوں میں بجلی پہلے کیوں دکھائی دیتی ہے اور آواز بعد میں کیوں آتی ہے؟
شاگرد: اس لیے کہ آنکھیں آگے اور کان پیچھے رہتے ہیں۔

شاہد جمال، پورہ رانی مبارک پور اعظم گڑھ

● جج: تم قبول کرتے ہو کہ تم نے کپڑے کی دکان میں تین دفعہ چوری کی۔ کیا چرایا تم نے؟
چور: ایک ساری چرایا حضور۔
جج: لیکن ایک ساری کے لیے تین دفعہ چوری کرنے کی کیا ضرورت تھی؟
چور: حضور دو بار ساری میری بیوی کو پسند نہیں آئی تھی۔

ابو سلیم صدیقی، شطرنجی پورہ، بالاپور، آکولہ

● حامد: چلو ہم سورج کی سیر کریں گے۔
راشد: مگر یار وہاں تو بہت گرمی ہوتی ہے۔
حامد: اسی لیے تو میں نے فیصلہ کیا کہ ہم رات میں چلیں گے۔

رضوان حارث مظفر حسین، نیاپورہ، مالیگاؤں

● ماں (بیٹے سے) بیٹا کھانا کھالو۔
بیٹا: ابو کے ساتھ کھاؤں گا۔
ماں: (گھورتے ہوئے) کیا اتو سالن ہیں جو ان کے ساتھ کھاؤ گے۔

انعام الحق سلیم، جونیئر اسکول لہریا سرائے

■ ایک آدمی اپنی بیوی کو ڈاکٹر کے پاس لے کر پہنچا۔ اس آدمی نے عرض کیا کہ ڈاکٹر صاحب میری بیوی زینے پر سے گر پڑی ہے اس کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا "اسے سینا پڑے گا"، اس آدمی نے فوراً کہا، ڈاکٹر صاحب، کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ اس کے دونوں ہونٹ سی دیں۔"

درانی دانش، خواجہ پورہ، اودگیر، لاتور

■ ایک بچے نے اپنے باپ سے پوچھا "ابو شادی کرنے میں کتنا خرچ آتا ہے؟" باپ نے جواب دیا "معلوم نہیں بیٹا، میں تو ابھی تک ادا ہی کر رہا ہوں۔"

شیخ اصغر شیخ غلام، قاضی نگر بھنڈارہ

■ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ مانگا۔ آپؐ نے فرمایا ہم اسے اونٹنی کا بچہ دیں گے۔ اس آدمی نے کہا میں اونٹنی کا بچہ کیا کروں گا مجھے سواری کی ضرورت ہے۔ مجھے تو اونٹ چاہیے تاکہ اس پر سوار ہو سکوں۔
رسول پاکؐ نے فرمایا:
"ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہوا کرتا ہے۔"

محمد سرفراز عالم، پہاڑ پور سکرا، مظفر پور بہار

■ شوہر بیوی میں کسی بات پر لڑائی ہو گئی اور آپس میں بات چیت بند کر دی۔ ایک روز شوہر نے ایک کاغذ پر لکھ دیا مجھے صبح سات بجے جگا دینا۔ صبح کو شوہر کی آنکھ دیر سے کھلی وہ گھبرا کے اٹھے تو بستر پر بیوی کا لکھا ہوا پرچہ ملا اس پر لکھا ہوا تھا "سات بج گئے ہیں اٹھ جائیے۔"

ابو سلیم صدیقی، سطر نجی پورہ۔ بالاپور آکولہ

■ قادر: یہ بسکٹ کتنے کا ہے۔
دکاندار: ایک روپے کا۔
قادر: اور یہ چاکلیٹ کتنے کا ہے۔
دکاندار: ایک روپے کا۔
قادر: اچھا یہ بسکٹ دے دو۔
دکاندار: یہ لو بسکٹ۔
قادر بسکٹ ہاتھ میں لے کر کچھ سوچ کر واپس کر دیتا ہے۔
قادر: یہ واپس لے لیجیے اور وہ چاکلیٹ ہی دیجیے۔
دکان دار، بسکٹ لے کر چاکلیٹ دیتا ہے۔
قادر چاکلیٹ لے کر جانے لگتا ہے۔
دکاندار: بھائی ذرا چاکلیٹ کے پیسے تو دیجیے۔
قادر: (حیرانی سے) وہ تو میں نے بسکٹ کے بدلے لیا تھا۔
دکاندار: تو بسکٹ کے پیسے دیجیے۔
قادر: بسکٹ تو میں نے لیا ہی نہیں تو اس کے پیسے کیوں دوں۔

مرتضیٰ خاں نیازی ـــــ امراوتی

■ سپاہی: جب چوری ہوئی تو کیا وقت تھا؟
سیٹھ جی: وقت ہی تو برا تھا تبھی تو میں لٹ گیا۔

عرفانہ جمیل منی، کھونلی کمتول، دربھنگہ

● ایک صاحب ایک سنسان سڑک پر رات کے وقت ٹہل رہے تھے کہ ایک آدمی ان کے پاس آکر ایک دم نرمی سے بولا۔
"صاحب! آپ کے پاس انگوٹھی، گھڑی روپے پیسے جو بھی ہے دے دیجیے، میں بہت غریب آدمی ہوں اور اس وقت میرے پاس اس بھری ہوئی پستول کے سوا کچھ نہیں ہے۔"

محمد یحییٰ محمد سعید، عیدگاہ روڈ، بھیونڈی

● ایک ڈاکٹر کو انشاءاللہ اور ماشاءاللہ بولنے کی عادت تھی ایک دن ایک مریض ان کے پاس آیا اور کہا۔
"ڈاکٹر صاحب مجھے بخار ہو گیا ہے"
ڈاکٹر: ماشاءاللہ
مریض: ڈاکٹر صاحب! کیا میں بہت ہی جلد مر جاؤں گا۔؟
ڈاکٹر: انشاءاللہ۔

محمد فیصل محمد ہاشم صدیقی، کلیان روڈ، بھیونڈی

● راشد، تم زمین کیوں کھود رہے ہو؟ پڑوسی نے راشد سے پوچھا۔
راشد: میرا کبوتر مر گیا تھا اسے دفن کر رہا ہوں۔
پڑوسی: لیکن یہ تو میری پالتو بلی ہے جسے تم گڑھے میں دبا رہے ہو؟
آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ راشد نے اطمینان سے جواب دیا۔ "دراصل میرا کبوتر اسی کے پیٹ میں ہے۔"

شاہین پروین محمد شبیر، موہن پورہ، ملکاپور

● ایک آدمی کو نیند نہ آنے اور خواب دیکھنے کی بیماری تھی۔ ڈاکٹر نے اسے ایک نئی دوا دی۔
دوسرے دن اس کے دوست نے پوچھا "کہو بھائی نئی دوا سے کچھ فائدہ ہوا، رات نیند آئی تھی کہ نہیں۔" اس نے جواب دیا، "یار نیند تو خوب آئی تھی لیکن فائدہ کچھ نہیں ہوا۔"
دوست چونک کر بولا "کیوں"
"میں نیند میں ساری رات یہ خواب دیکھتا رہا کہ مجھے نیند نہیں آ رہی ہے۔"

رضوی۔ عفان جیب اسٹور محلہ مجھو پھلواری شریف

● ایک دفعہ ایک آدمی ریل سے کہیں جا رہا تھا۔ ٹکٹ لینے کے بعد جب وہ ٹرین کے پاس گیا تو بہت بھیڑ تھی اور اس کے لیے بیٹھنے کی جگہ نہ تھی اس نے ایک تدبیر سوچی اور زور زور سے چلانے لگا "سانپ سانپ، ڈبے میں سانپ"، یہ سن کر سب لوگ ڈبے سے نیچے اتر گئے۔ اور وہ ایک سیٹ پر سو گیا۔ جب آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ گاڑی رکی ہوئی ہے۔ اس نے باہر جھانکا تو دیکھا کہ وہی اسٹیشن ہے اس نے وہاں ایک آدمی سے پوچھا کہ یہ وہی اسٹیشن ہے۔ اس آدمی نے کہا کہ آپ اس ڈبے میں کیا کر رہے ہیں۔ یہ ڈبا تو سانپ ہونے کی وجہ سے ریل سے الگ کر دیا گیا ہے۔

محمد صابر عبدالرشید پٹیل، ملت پرائمری اسکول جلگاؤں

● ایک اینچی۔ تم مانو یا نہ مانو میں بچپن میں ایک بار قطب مینار سے گر گیا تھا۔
دوسرا: "تو کیا مرے نہیں تھے؟
پہلا: بھئی یہ بات بہت پرانی ہے اس لیے مجھے یاد نہیں۔

اسمٰعیل ابراہیم شاہ، شری رام پور، احمدنگر

ایک بھولا بھالا دیہاتی سیر و سیاحت کی غرض سے شہر پہنچا۔ ایک ہوٹل میں قیام کے بعد اس نے بیرے سے پوچھا کہ اس ہوٹل میں کھانے کے کیا اوقات ہیں؟ بیرے نے جواب دیا۔

"یہاں صبح سات بجے سے لے کر گیارہ بجے تک ناشتہ ہوتا ہے۔ بارہ سے بجے سے ۳ بجے تک دوپہر کا کھانا ہوتا ہے اور پانچ بجے سے ۹ بجے رات کا کھانا ہوتا ہے۔"

دیہاتی نے الجھے ہوتے لہجے میں کہا "اگر دن بھر ناشتے اور کھانے میں گزر گیا تو میں شہر کی سیر کیسے کروں گا؟"

محمد شمس عالم، سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

ایک ہوا باز اپنے دوست سے کہہ رہا تھا "تمھیں نہیں معلوم کہ گزشتہ ہفتے مجھے کس قدر وحشت ناک صورت حال سے دوچار ہونا پڑا۔ جہاز کا انجن کام نہیں کر رہا تھا آسمان پر گھنے بادل چھائے ہوئے تھے۔ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ جہاز میں ایک قطرہ پٹرول بھی باقی نہ رہا تھا۔"

دوست نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ "تو یار یہ معجزہ ہی تھا کہ تم خیر و عافیت سے زمین پر اتر آئے۔"

ہوا باز مسکرا کر بولا۔

"میں تو زمین پر پیدل گھوم رہا تھا۔"

سہیل احمد، مسجد اسٹریٹ، بھٹکل

ننھے میاں اپنی چچی کے ہاں دعوت میں گئے۔ کھانا کھانے کے بعد خالہ نے ان سے کہا:

"بیٹا شرماؤ نہیں اور کچھ کھالو۔"

ننھے میاں بولے: "شکریہ چچی جان! اب تو پیٹ میں جگہ بھی نہ رہی۔ حلق تک بھر گیا ہے۔"

"اچھا تو یہ انگور جیب ہی میں رکھ لو" چچی جان نے پیار سے کہا۔

"نہیں چچی جان، جیبیں بھی اوپر تک بھری ہوئی ہیں۔"

ناظم علی سخاوت علی، اکوٹ مہاراشٹر

ایک محلے میں مسلسل چوریاں ہو رہی تھیں۔ ایک امیر گھرانے کو اس فکر نے پریشان کر رکھا تھا۔ گھر کے کسی فرد نے ایک دن ایک چھوٹا سا بورڈ دروازے پر لگا دیا اور اس پر ایک بلب بھی روشن کر دیا۔ بورڈ پر یہ عبارت لکھی تھی: "یہاں آنے کی تکلیف نہ کریں کیونکہ ہمارے پاس جو کچھ بھی تھا وہ ہم نے بینک میں جمع کرا دیا ہے۔" اگلے روز گھر والوں نے دیکھا کہ بورڈ پر ایک نیا فقرہ درج تھا۔ "مہربانی کر کے بینک کا نام بھی لکھ دیں۔"

محمد سیف اللہ، [illegible]

ایک ریلوے اسٹیشن کے باہر چھوٹی چھوٹی دکانیں تھیں ان میں سے ایک دکان کے باہر لکھا ہوا تھا۔

"ٹانگوں کی ضرورت ہے۔"

لوگوں کی نظر جب اس بورڈ پر پڑتی تو وہ کچھ حیرت اور دلچسپی سے اس کی طرف دیکھتے پھر آگے بڑھ کر دیکھیں اس کے نیچے کیا لکھا ہوا ہے موٹے حروف کے نیچے انھیں یہ عبارت نظر آئی۔

"ہماری سلی ہوئی پتلونوں میں ڈالنے کے لیے۔"

انیس الدین زبیر الدین قصبہ رچھا ضلع بریلی یوپی

ایک افیمی نے نئے جوتے خریدے اور پہن کر رات کو سڑک کے کنارے اس طرح سو گیا کہ اس کے پانو سڑک پر تھے۔ اتفاق سے کسی چور کا وہاں سے گزر ہوا۔ اس نے افیمی کے نئے جوتے اتار کر خود پہن لیے اور اپنے پھٹے پرانے جوتے اسے پہنا کر چلتا بنا۔ کچھ دیر کے بعد اس سڑک سے ایک اور گاڑی والے کا گزر ہوا۔ گاڑی والا نیچے اترا، کیوں کہ اس افیمی کی ٹانگوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ گاڑی والے نے افیمی کو جھنجھوڑ کر اٹھایا اور بولا:

"اپنے پانو سڑک پر سے ہٹا لو۔ مجھے اپنی گاڑی گزارنی ہے۔"

افیمی بڑبڑا کر اٹھا اس نے اپنے پیروں میں نئے جوتوں کی جگہ پھٹے پرانے جوتے دیکھے تو حیرت سے کچھ دیر سوچتا رہا پھر کہنے لگا:

"بے شک گزار دو اپنی گاڑی۔ یہ پھٹے پرانے جوتوں والے پیر میرے نہیں ہو سکتے۔" یہ کہہ کر پھر سو گیا۔

محمد مامون اختر، جامعہ اصلاحیہ سلفیہ پتھر کی مسجد پٹنہ

یاسر اور عرفان آپس میں باتیں کر رہے تھے یاسر نے کہا "میرے ابو نے ایک ایسا ایئر کنڈیشنر ایجاد کیا ہے جس کو اگر گھر میں چلا دیا جائے تو گھر میں برف جم جاتی ہے۔"

عرفان: اور میرے ابو نے ایک ایسا پنکھا ایجاد کیا ہے کہ جس کو اگر گھر میں چلا دیا جائے تو آندھی آجاتی ہے۔

یاسر: ایسا تو نہیں ہو سکتا!!!

عرفان: اگر تم برف پگھلاؤ تو میں آندھی بند کر دوں گا۔

پروین احمد بیگ، صوبیدار بستی، شری رام پور

دو شہری آپس میں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے کہ ایک دیہاتی ان کے درمیان آکر چلنے لگا۔ ان میں سے ایک شہری نے ازراہِ مذاق دیہاتی سے پوچھا "کیوں بھئی تم احمق ہو یا بے وقوف۔"

دیہاتی بولا "جی دونوں کے بیچ میں ہوں۔"

محمد نعیم لال چوک، مبارکپور، اعظم گڑھ

مائیکل فیراڈے نے اپنے زیر تربیت شاگرد کو تھوڑی سی بنانے کا حکم دیا۔

شاگرد کو کوئی اندازہ نہیں تھا کہ ہتھوڑی کس طرح بنائی جاتی ہے؟ اس نے استاد کی نظروں میں سرخرو ہونے کے لیے بازار سے ایک ہتھوڑی خرید کر استاد کی خدمت میں پیش کر دی۔

"بہت خوب" فیراڈے ہتھوڑی دیکھتے ہی سب کچھ سمجھ گیا۔ مسکرا کر بولا "ایسی ہی پچاس ہتھوڑیاں اور تیار کرو۔"

محمد شارق پاشا، الوت محل

ایک دن کہیں پر قوالی کا مقابلہ تھا اور ایک آخری قوال اپنی بے ڈھب آواز میں گا رہا تھا۔ سوائے ایک آدمی کے سب جا چکے تھے۔ قوالی ختم کرنے کے بعد قوال اس شخص کے پاس پہنچا ——— اور بولا۔ لگتا ہے آپ کو میری قوالی بہت اچھی لگی۔ اس شخص نے جھنجھلا کر کہا۔

چولھے میں جائے تیری قوالی میں تو اس چادر کے لیے بیٹھا ہوں جس پر تو بیٹھا تھا۔

عبداللہ هلال، کمال پورہ۔ مالیگاؤں۔

تجربات میں ہمہ وقت مصروف رہنے والے دو سائنس داں ایک روز فارغ ہوئے تو آپس میں گپ شپ لڑانے لگے۔ باتوں کے دوران ایک نے دوسرے سے پوچھا:

"ذرا یہ تو بتاؤ مچھر اور ہاتھی میں کیا فرق ہے؟"

"مچھر ہاتھی کو کاٹ سکتا ہے مگر ہاتھی مچھر کو نہیں کاٹ سکتا۔" دوسرے سائنس داں نے معصومیت سے جواب دیا۔

شائستہ خاتون، چکجادو، درگاہ بیلا ویشالی بہار

سارجنٹ: "تم نے میری بے عزتی کی ہے۔ تم نے مجھے جھوٹا کہا ہے؟"

موٹر سائیکل والا: جی ہاں جناب!"

"تم نے مجھے چھچھورا کہا تھا؟"

"جی ہاں۔"

"تم نے مجھے بھینگا، لنگڑا، احمق اور ناکارہ بھی کہا تھا؟"

ملزم نے سادگی سے جواب دیا: "جناب، یہ باتیں تو مجھے اس وقت یاد ہی نہیں آئی تھیں۔"

محمد مصطفےٰ سعید احمد، اسلام پورہ مالیگاؤں

ایک بہت مشہور سیاسی لیڈر کے انتقال کی غلط خبر چھپ گئی، تھوڑے دنوں کے بعد ایک غیر حاضر دماغ دوست کی ان سے قبرستان میں ملاقات ہوئی تو دوست نے کہا معاف کرنا بھائی۔ میں آپ کے جنازہ میں شامل نہ ہو سکا تھا مگر آج آپ کی خدمت میں آپ کی قبر پہ محبت کے پھول چڑھا دیے ہیں۔

خورشید نشاط، ایجیت راے گڑھ

اقوالِ زریں

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل ختم ہو جاتے ہیں۔ صرف تین طرح کے عمل باقی رہ جاتے ہیں۔
- صدقۂ جاریہ یعنی وہ نیک کام جس سے لوگ بہت زمانے تک فائدہ اٹھاتے رہیں۔
- ایسا علم جس سے فائدہ اٹھایا جاتا رہے۔
- ایسی نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔

۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کوئی ایسا علم سیکھا جس سے اللہ تعالیٰ کی خوشی حاصل کی جاتی ہے لیکن وہ اسے صرف اس لیے سیکھتا ہے کہ اس کے ذریعے دنیا کمائے یا دنیا کا سامان حاصل کرے تو وہ جنت کی خوشبو تک بھی نہ پا سکے گا۔

عطاء الرحمٰن انصاری، اعظم پور، مئو آئمہ، الہ آباد

تین چیزیں تین موقعوں پر پہچانی جاتی ہیں۔
- بہادری، میدان جنگ میں۔
- بردباری، غصے کے وقت۔
- دوست، ضرورت کے وقت۔
- بزدل انسان موت آنے سے پہلے ہی مر جاتا ہے لیکن بہادر ایک ہی بار۔
- مسلمان نہ طعنہ دیتا ہے نہ لعنت بھیجتا ہے نہ بدزبانی اور نہ فحش کلامی کرتا ہے (بخاری)

محمد صادق محمد رمضان، مانک چوک، احمد آباد

تین چیزیں نکل کر واپس نہیں آتیں۔
- تیر کمان سے • بات زبان سے • جان جسم سے

تین چیزیں بھائی کو بھائی کا دشمن بنا دیتی ہیں۔
- زن ◆ زر ◆ زمین

تین چیزوں کو پردہ چاہیے۔
- کھانا ◆ دولت ◆ عورت

تین چیزیں انسان کو ذلیل کرتی ہیں۔
- چوری ◆ چغلی ◆ جھوٹ

شہباز احمد، پچھادہ، ودگا ویلا، ویشالی

مومن کی نگاہوں میں
- علم اور بردباری سے بڑھ کر کوئی نفع بخش مال نہیں۔
- عقل سے بڑھ کر کوئی زیور نہیں۔
- علم سے بڑھ کر کوئی خزانہ نہیں۔
- صبر سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔

احمد ناز مکی، پرسونی، مدھوبنی، بہار

- جب تک انسان بات نہیں کرتا ہے اس کا عیب و ہنر چھپا رہتا ہے۔
- کسی شخص کو کچھ کہنا، اور پھر یہ کہنا کہ کسی سے مت کہہ، بیوقوفی ہے۔

شائستہ مشتاق شیخ، شری رام پور، احمد نگر

- شکستہ قبروں پر غور کرو کہ کیسے کیسے حسینوں کی مٹی خراب ہو رہی ہے۔
- جب تک تیرا اترانا اور غصہ کرنا باقی ہے اپنے آپ کو اہل علم میں شمار نہ کرنا۔
حضرت غوث اعظم

انیسہ بانو شیخ سانا، اسلام پورہ، ...

- جو عالم ہو اور اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ ایسا بیمار ہے جس کے پاس دوا تو ہے مگر علاج نہیں۔
- سردار بننے سے پہلے علم حاصل کرو۔
- پھول کی صحبت اچھی ہوتی ہے اگر کانٹے کی تشویش نہ ہو۔

رخشندہ آفرین، آرمور، نظام آباد اے پی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ آدمی اگر اپنے گھر پر نماز پڑھے تو صرف ایک نماز کا ثواب اس کو ملتا ہے اور محلہ کی مسجد میں پچیس گنا ثواب اس کو ملتا ہے اور جامع مسجد میں پانچ سو گنا ثواب ملتا ہے اور بیت المقدس کی مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے اور میری مسجد یعنی مدینہ پاک کی مسجد میں پچاس ہزار کا ثواب ہے اور مکہ مکرمہ کی مسجد میں ایک لاکھ نمازوں کا ثواب ملتا ہے۔

رما کوثر بنت محمد ضیاء الدین، منگرول پیر

انسان کے تین روپ

- انسان کا انسان بننا اس کی فتح ہے۔
- انسان کا عظیم بننا اس کا معجزہ ہے۔
- انسان کا شیطان بننا اس کی توہین ہے۔

سرفراز احمد قریشی مدار تکیہ منگرول پیر

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں

- سلام کا جواب دینا ● مریض کی بیماری پر مزاج پرسی کرنا ● جنازہ کے ساتھ چلنا ● اس کی دعوت قبول کرنا ● چھینک کا جواب یرحمک اللہ کہہ دینا۔

سلطان شاہد غزالی، [illegible] مبارک پورہ

چغلی

(بروایت عبداللہ بن مسعودؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میرے اصحاب میں سے کسی کے بارے میں مجھے کوئی بات نہ پہنچائے۔ اس لیے کہ میں چاہتا ہوں کہ میری ملاقات تم لوگوں سے اس حال میں ہو کہ میرا سینہ ہر ایک سے صاف ہو یعنی کسی کی طرف سے میرے دل میں کوئی کینہ یا رنجش موجود نہ ہو۔ (ماخوذ: انتخاب حدیث)

شیخ اصغر شیخ غلام، بھنڈارہ مہاراشٹر

- نماز جنت کی کنجی ہے۔
- نماز دین کا ستون ہے۔
- قیامت کے دن پہلے نماز کا حساب ہوگا
- جس نے نماز چھوڑی بلاشبہ اس نے کفر کیا۔

نصرت جہاں، چکبادو، درگاہ بیلا، ویشالی

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِهٖ وَسَلِّمْ تَسْلِیْمًا۔

جو شخص اس درود شریف کو جمعہ کی عصر کی نماز کے بعد اسّی مرتبہ پڑھے گا اس کے اسّی سال کے گناہ معاف ہو جائیں گے اور اسّی سال کی عبادت کا ثواب لکھا جائے گا۔

صائمہ جبیں، روشن پورہ، بلڈانہ

- کوئی بھی آدمی فنکار اس وقت تک پورا (مکمل) فنکار نہیں بن سکتا جب تک وہ صداقت اور سادگی سے کام نہ لے۔

محمد شکیل عبدالحمید، صیقل پورہ، ملکاپور، بلڈانہ

آدھی ملاقات

نیا شمارہ دیکھ کر خوشی ہوئی اس میں اپنا نام دیکھ کر ہم خوش ہو گئے۔ اس میں ہم کو گُدگُدیاں "اقوالِ زرّیں" "میرے پسندیدہ اشعار" اچھے لگے۔

محمد فہد پاشا۔ بی ۱۱۹۔ بنگالی بازار گارڈن ریچ، کلکتہ

جون کے پیام تعلیم کے سارے مضامین اور دیگر تخلیقات خاص طور پر "کمپیوٹر کی کہانی" "آیئے قدم بڑھائیں" اور دینا میکا کی غزل بے حد پسند آئیں۔

محمد سرفراز عالم ـ گیاری، اررِیہ ۸۵۴۳۱۱ (بہار)

ہم تقریباً چار سالوں سے پیام تعلیم کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ پیام تعلیم ہمارے گھر کے تمام افراد کو بے حد پسند ہے۔ خاص کر اس کے اقوالِ زرّیں ہمیں بہت پسند آتے ہیں امتحان کی مصروفیت کی وجہ سے پیام تعلیم کا پیسا وقت پر نہیں لگا سکی۔ بار بار (ہر سال) پیام تعلیم کا پیسا لگانے میں دقت پیش آتی ہے۔ اس لیے کیا ہم پانچ سال کا پیسا ایک ساتھ بھیج سکتے ہیں۔

جمیلہ خاتون ـ ۸.۱۱۸۸/۱ سیکٹر ۲۱ ترببے، بمبئی

"آدھی ملاقات" میں اپنا نام دیکھ کر خوشی ہوئی
آپ سے ایک گزارش ہے کہ آپ "پیام تعلیم" میں پیامی بھائیوں کی تصویر شائع کریں۔

محمد نجیب پاشا۔ بی ۱۱۹۔ بنگالی بازار گارڈن ریچ، کلکتہ

اس ماہ کا رسالہ "پیام تعلیم" تاخیر سے ملا۔ رسالہ ملتے ہی بے حد خوشی ہوئی۔ میں پیام تعلیم کا مطالعہ چھ ماہ سے کر رہا ہوں۔ آپ نے اچھے اشعار شائع کرکے ہم پر مہربانی کی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کالم "میرے پسندیدہ اشعار" میں ہر بار ۵۰ اشعار سے بھی زائد شائع کرکے شکریہ کا موقع دیں گے۔

محمد الیاس، محمد اسحاق مومن۔ اکتی ضلع بلگام کرناٹک

میں پچھلے ایک سال سے پیام تعلیم پڑھ رہا ہوں، مجھے اس رسالے میں سبھی عنوان اچھے لگتے ہیں۔ مجھے تو یہ رسالہ اسی دن محبوب ہو گیا تھا جس دن کہ مجھے نور الاسلام نام کے ایک دوست نے یہ پیارا رسالہ تحفہ کے طور پر پڑھنے کو دیا۔

شہزاد قیصر ـ السبیل اکیڈمی "الفرا بورڈنگ" اررِیہ

ماہ جولائی کا "پیام تعلیم" اپنی تمام تر رعنائیوں کے ہمراہ باصرہ نواز ہوا۔ ٹائیٹل دیکھ دل باغ باغ ہو گیا۔ "ہم شکل ہمراز" بہت ہی پسند آیا۔ پسندیدہ اشعار میں اپنا نام دیکھ دل خوش ہو گیا۔

نجم الہدیٰ ثاقب ـ ململ، مدھوبنی، بہار ۸۴۷۲۲۹

تازہ ماہ کا شمارہ ہاتھ میں ہے جو دھولیہ کے شبنم بک ڈپو سے خرید کر لایا ہوں۔ مجھے بہت پسند آیا ہے۔ تمام مضامین اپنی جگہ آپ ہیں بچوں کے حق میں ایک مفید ماہنامہ ہے۔

رئیس احمد عبدالحق دھولیہ

میں نے بہت سے رسالے پڑھے لیکن جب پہلی دفعہ پیام تعلیم پڑھا۔ سب رسالوں میں مجھے پیام تعلیم بے حد پسند آیا اور دل باغ باغ ہوگیا۔ اس میں سے خاص کر ہم شکل ہمراز بچوں کی کوششیں میرے پسندیدہ اشعار اور اقوال زریں پسند آئے۔

اکرام اللہ تکڑ یکر۔ اتھنی ضلع بلگام (کرناٹک)

پیام تعلیم میں کالم "طب کی روشنی میں" مجھے خاصا پسند ہے مگر جب کوئی ۱۷ یا ۱۸ برس کا لڑکا آپ سے کم زوری کا ذکر کرتے ہوئے دوا مانگتا ہے تو آپ بجائے دوا کے اس پر نصیحت کے انبار ڈال دیتے ہیں جبکہ کوئی مناسب (دوائی) علاج نہیں بتاتے۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ اس سلسلے میں کوئی مناسب دوائیوں کے نام بتلایا کیجیے۔

شکیل احمد خاں جراری خام گانو، بلڈانہ

ماہ مئی کا پیام تعلیم پڑھا بہت خوشی ہوئی واقعی بہت ہی اچھا رسالہ ہے خاص کر قلمی دوستی اور گدگدیاں، اشعار سبھی پسند آئے اور میری طرف سے تمام قلم کاروں کو مبارکباد۔

عبدالآخر خاں۔ نیا بھوجپور بکسر (بہار)

جون کا پیام تعلیم جلوہ افروز ہوا۔ سب مضامین لطیفے، کہانیاں پسند آئیں۔ مہربانی کرکے پیام تعلیم میں کوئی انعامی سلسلہ شروع کیجیے مثلاً بلا عنوان کہانی سب سے اچھا لطیفہ یا سب سے اچھا شعر۔ پر انعام رکھے جائیں تو قارئین میں لکھنے کی خواہش بڑھ جائے گی۔

[illegible]

ماہ جون کا پیام تعلیم موصول ہوا۔ سبھی مضامین اور کہانیاں بہت پسند آئیں۔ خاص کر "ہم شکل ہم راز" کہانی بہت ہی اچھی لگی۔

اطہر البشر۔ السبیل اکیڈمی، ارریہ (بہار)

جون کے پیام تعلیم میں میرا لطیفہ شائع ہوا جس کا میں بہت شکر گزار ہوں۔

محمد صادق ——— امڑاپور ضلع بلڈانہ (مہاراشٹرا)

جون ۱۹۹۵ء کے پیام تعلیم میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اس شمارے میں "پودے کی جیت" کہانی بہت اچھی لگی۔

ادریس بیگ۔ جنتا جونیر کالج، بارسی ٹاکلی، اکولہ

جون ۱۹۹۵ء کا شمارہ خریدا، سبھی کالم اچھے لگے۔ خاص طور پر "سو برس کی نانی، حضرت خالد بن ولیدؓ، پودے کی جیت" دل کو چھو گئے۔ شکیل صدیقی صاحب کا ہم شکل، ہم راز کا تو کوئی جواب ہی نہیں ہے۔

رئیس احمد۔ پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

جون کا "پیام تعلیم" علم خورشید کی کرنیں سمیٹے ہوئے باصرہ نواز ہوا۔ جس کے تمام مضامین بہت ہی عمدہ اور نفیس ہیں۔ اس میں ایسے بیش قیمت اور انمول موتی ہیں جس کو پڑھتے پڑھتے میں اپنے ذہن میں حیرتوں اور معلومات کی مالا پرو لیتی ہوں۔ ایسا دلکش، بچوں کا، اصلاحی اور سبق آموز رسالہ بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ اپنے نام کی طرح یہ تعلیم کا عظیم پیکر ہے۔ باقی مضامین کے مطالعے سے دل تو کیا روح کو بھی ایک تسکین ملتی ہے۔

[illegible]

میرے پسندیدہ اشعار

اسلام کی چیخیں سنتا ہوں، خاموش گزر جاتا ہوں
کہنے کو مسلماں میں بھی ہوں لیکن کہتے شرماتا ہوں

• شافیہ خاتون نلگنڈہ

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

• تحسین حسین چکجادو، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

آپ سے رنج و مصیبت کی نہ کچھ خوف کرو
موم کی طرح ہر اک سانچے میں ڈھلنا سیکھو

• محمد نہال راہی شاہ پور بگھونی، سمستی پور بہار

بچوں کو ہم مزاج بنانے کے واسطے
کاغذ کی ناؤ کو بھی سمندر میں لے چلو

• ابو سلیم صدیقی۔ شطرنجی پورہ، بالاپور (آکولہ)

یہ زمیں آسماں ترے صدقے
میں ہی کیا دو جہاں ترے صدقے

• مہر النساء پروین، سنت کبیر واڈ بھنڈارہ (مہاراشٹر)

ہر اس مکاں کی حفاظت پہ ایک سپاہی ہے
جس مکان پہ لکھا سات سو چھیاسی ہے

• عبد الجبار متوی محلہ منشی پورہ، مئو

اترو نہ آسماں سے فرشتوں وہیں رہو
اچھے نہیں زمین کے حالات ان دنوں

• علامہ نقشبندی القادری بالاپور ضلع آکولہ

سفینے وہ بہے جاتے ہیں موجوں کی روانی میں
جو طوفانوں سے کہتے تھے کہ تم ہو کتنے پانی میں

• محمد مقصود امجد گمر سوگونہ مدھوبنی (بہار)

گزر رہی کچھ اس طرح زندگی جیسے
اسے کسی کے سہارے کی آرزو بھی نہیں

• اقبال اختر نادان، جمال پور، بیرول، دربھنگہ (بہار)

شہرت کی بلندی بھی اک پل کا تماشا ہے
جس شاخ پہ بیٹھے ہو وہ ٹوٹ بھی سکتی ہے

• عرشی نیر بنت ایڈوکیٹ عبد اللطیف، دیوان پورہ منگرول پیر

میری عمر اتنی دراز ہے میری زندگی کا یہ راز ہے
کہ جو پیدا ہوا تو سنی اذاں جو مرا تو وقت نماز ہے

• انیسہ ناز شیخ ساٹھ وکاسودہ، اسلام پور، جلگاؤں

اے خدا مجھ سے نہ لے میرے گناہوں کا حساب
میری جھولی میں ندامت کے سوا کچھ بھی نہیں

یارب میرے دشمن کو صدا رکھنا سلامت
ورنہ میرے مرنے کی دعا کون کرے گا

• محمد ضیاء الرحمٰن آزاد، مغربی چمپارن (بہار)

جس سڑک پہ چل رہے ہو ملک کے دہشت گرد
اب جہنم میں تمھیں یہ راستہ لے جائے گا

• محمد سلیمان۔ محمد یونس مدرسہ عثمان بن عفان، نئی دہلی

نہ دیکھا جائے گا پھر بھی یہ منظر دیکھتے جاؤ
گلے پر بھائی کے بھائی کا خنجر دیکھتے جاؤ

• ضیاء الرحمٰن آزاد متعلم جامعہ سلفیہ بنارس (یوپی)

عزائم گر ہوں ہمدوش ثریا تو نہیں ڈر کچھ
ہزاروں بار دھرتی پہ دیا ہے امتحاں ہم نے
● بلال احمد اعظمی، پُھدواں، اعظم گڑھ (یوپی)

جب تم پہ کوئی آفت اے خاکِ وطن آئے
آواز ہمیں دینا ہر گام پہ ہم ہوں گے

اے وطن، خاکِ وطن وہ بھی تجھے دے دیں گے
بچ گیا ہے جو لہو اب کے فسادات کے بعد
● عزیز احمد شیروانی، شیروان، سرائے میر، اعظم گڑھ

جو اعلا ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانے
● سہیل اختر امان اللہ خاں، مدرسہ اسلامیہ جیت گولاکوری، لکھنؤ

مت سہل اسے جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

ضروری ہے کفن بردوش رہنا
وطن ہے کوچۂ قاتل ہمارا
● م، مظفر حسین، ۳۲ رائے بلیک برن لین، کلکتہ ۱۲

کتنا حقیر آج کا انسان ہو گیا
دولت پہ دل و جان سے قربان ہو گیا
● سید کلیم رہبر، ملک چک اعظم پور، بلڈانہ، مہاراشٹر

خدا تو ملتا ہے انسان ہی نہیں ملتا
یہ چیز وہ ہے جو دیکھی کہیں کہیں میں نے

ہم ہی سے رنگ گلستاں ہم ہی سے رنگ بہار
ہم ہی کو نظم گلستاں پہ اختیار نہیں
● [illegible]، مہاراشٹر

جو کچھ بھی عطا ہے ہمیں ماں باپ کے دم سے
یہ ان کی عطاؤں کا صلہ ہم کو ملا ہے
● عصر الاسرار احمدی امامی چھپرا منگلوارہ، کارنجہ، آکولہ

ہم نے بھی تو محفل کو زخموں سے سنوارا ہے
حق جتنا تمہارا ہے حق اتنا ہمارا ہے
● حبیب الرحمٰن فاروقی، قمر منزل ابو البرکات، دیوبند

جوانو! یہ آواز آتی ہے آبشاروں سے
چٹانیں چور ہو جاتی ہیں اگر ہو عزم سفر پیدا
● انصاری سعدیہ، ۱۰، بنگال پورہ بھیونڈی تھانہ مہاراشٹر

ہزاروں منزلیں ہوں گی ہزاروں کارواں ہوں گے
بہاریں ہم کو ڈھونڈیں گی نہ جانے ہم کہاں ہوں گے
● محمد خلیل پینٹر، صیقل پورہ ناندورہ، بلڈانہ، مہاراشٹر

یا رسول خدا آسرا دیجیے ورنہ اشکوں کے موتی بکھر جائیں گے
یا محمد کا نعرہ لگاتے ہوئے ہر کٹھن راستے سے گزر جائیں گے
● شمشاد عالم۔ لکشمی پور وایا چاکند، گیا (بہار)

دیکھا جو ان کا زخم تو آئی ہنسی مجھے
خود کو لگا جو زخم تو آنسو نکل پڑے
● اقبال اختر ناداں۔ جمال پور، بیرول، دربھنگہ

اس راز کو اک مرد فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
● محمد امان اللہ، کشن گنج (بہار)

آسماں سے شبنم گرے موتی بنے اور ٹوٹ جائے
دوستی ایسی نہ ہو کہ دل لگے اور چھوٹ جائے
● محمد ضیاء الہدیٰ، [illegible]، بہار شریف

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے
• محمد صدام الدین۔ پروایا، کشول، دربھنگہ

کافر ہو تو تلوار پہ کرتا ہے بھروسا
مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
• علوی نقشبندی القادری بالا پور آکولہ

ابھی تو سب ہیں بندھے ایک کچے دھاگے میں
لڑی جو ٹوٹی تو موتی بکھر بھی سکتے ہیں
• انیس احمد عبدالحق۔ دھولیہ، مہاراشٹر

مرا دل لبھاتی ہے میری کتاب
بہت مجھ کو بھاتی ہے میری کتاب
• محمد قمر عالم۔ رحیم آباد، سمستی پور، (بہار)

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے
• حفصہ حجازی۔ دریہی بیٹی، میناپور، مظفرپور

تیرا ملنا خوشی کی بات سہی
تجھ سے مل کر اداس رہتا ہوں
• حذیفہ نظیر احمد۔ شبستان سوسائٹی، پونا

جرأت ہو نمو کی تو فضا تنگ نہیں ہے
اے مردِ خدا ملکِ خدا تنگ نہیں ہے
• محمد عرفان عبدالرشید۔ کمالپورہ، مالیگاؤں

کیا شان دکھائی جاتی ہے کیا کھیل کھلایا جاتا ہے
مٹی سے بنا کر پھر ہم کو مٹی میں ملایا جاتا ہے
• سیدہ تحسین رانا۔ آرمور

تقدیر سنور جاتے پہ یہ بھول نہ جاتا
قسمت کے بگڑ جانے کو لمحہ ہی بہت ہے
• نغما کوثر۔ حافظ پورہ منگرول پیر، آکولہ

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے
زندگی سوزِ جگر ہے علم ہے سوزِ دماغ
• ارشاد احمد۔ چندوارہ، مظفرپور

طنز یہ فقرے ہمیں اچھے نہیں لگتے
کرداروں پہ حملے ہمیں اچھے نہیں لگتے
• شاذیہ یاسمین۔ برہمی پورہ، منگرول، آکولہ

دیکھیں ہمیں نصیب سے اب اپنے کیا ملے
اب تک تو جو بھی دوست ملے بے وفا ملے
• کمیل اشرف۔ مبارکپور (یوپی)

محمد مصطفیٰ محبوبِ داور سرورِ عالم
وہ جس کے دم سے مسجودِ ملائک بن گیا آدم
• صفیہ فاطمی۔ دریہی بیلی، میناپور، مظفرپور

مسجدیں چھوڑ دیں جا بیٹھے ہیں میخانوں میں
واہ کیا جوشِ ترقی ہے مسلمانوں میں
• مومن عبدالحکیم۔ ۹، اسلام پورہ، بھیونڈی، تھانہ

خوشی کے ساتھ دنیا میں ہزاروں غم بھی آتے ہیں
جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں
• آصف بیگ۔ اورواڑ، شرول، کولہاپور، مہاراشٹر

سر کسی کے لیے دل کسی کے لیے
ہر تمنا داغ ہے زندگی کے لیے
• متی بیگم۔ آرمور

ہم ننھے منے بچے ہیں
ناداں ہیں دل کے سچے ہیں
• زہرہ چشتی۔ وری پی، مظفر پور

شاخ سے ٹوٹے ہوئے پتوں کی کیا بساط
جس طرف چاہے گی جنگل کی ہوا لے جائے گی
• فرح شکیل۔ جامعہ سینئر سیکنڈری اسکول، نئی دہلی ۲۵

درد دل کے واسطے پیدا کیا انساں کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرو بیاں
• عرفان احمد۔ ۲۴۲ کمال پورہ، مالیگاؤں

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے
• محمد ارمان۔ برداہا، کمتول، دربھنگہ (بہار)

آنکھوں سے تو نے اپنی کتنے جنازے دیکھے
ہاتھوں سے تو نے اپنے دفنائے کتنے مردے
• اعزاز الرحمٰن مزمل۔ آکولہ

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے
• محمد نازش۔ بھیونڈی، تھانہ

ہم صلح و محبت کا جب ہاتھ بڑھا دیں گے
اک عمر کے روٹھوں کو آپس میں ملا دیں گے
• رخسانہ بانو۔ آسنسول

نور حق شمع الٰہی کو بجھا سکتا ہے کون
جس کا حامی ہو خدا اس کو مٹا سکتا ہے کون
• [illegible] مالیگاؤں

ہم نے کانٹوں کی طرف گھوم کے دیکھا ہی کہاں
ہم تو ہنستے ہوئے چلتے رہے حالات کے ساتھ
• عبداللہ ہلال۔ کمال پورہ، مالیگاؤں

سب ہیں ہم تم اس کے باسی اک رہے یاں سب کا بھیس
ہندو مسلم، سکھ عیسائی، سب کا ہے یہ اپنا دیس
• خرم اقبال۔ نزد نور مسجد، ساؤر کیلا (اڑیسہ)

کل تمہارا خاص پہریدار دھوکا دے گیا
اب نہیں ہم کو ضرورت کوئی پہریدار کی
• عبدالقدیر۔ مہند جگلہ، شاہجہانپور (یوپی)

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے
آساں نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا
• شیخ فرید۔ فورٹ ہائی اسکول، جگتیال (اے پی)

سادہ الفاظ بنا لیتے ہیں قیدی اپنا
سادہ لفظوں میں بھی زنجیر ہوا کرتی ہے
• عرفان احمد۔ ۲۴۲ کمال پورہ، مالیگاؤں

میرے دوستو زندگی اک سفر ہے
کہیں ٹھہر جانے کی کوشش نہ کرنا
• محمد مقصود عالم۔ مدرسہ اسلامیہ شاہ پور بگھونی، سمستی پور

نسیم صبح گلشن میں گلوں سے کھیلتی ہوگی
کسی کی آخری ہچکی کسی کی دل لگی ہوگی
• محمد تقی الدین۔ فورٹ ہائی اسکول، جگتیال (اے پی)

بھلا میں پھول سے پھول کی بات کیسے ٹالوں
ابھی حیات کی [illegible]
• عرفان احمد [illegible] مالیگاؤں

مُلّا جی کا گدھا

مُلّا نصرالدین کے گھر میں ایک انار کا درخت تھا۔ کسی سال اس میں انار آتے اور کسی سال نہیں آتے۔ مُلّا کے گھر میں تنگ دستی نے اپنا ڈیرا جما لیا تھا۔ مُلّا کی بیوی ہر وقت ان سے کہتی رہتی کہ جاؤ کچھ کما کر لاؤ لیکن مُلّا صاحب کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔ ایک سال اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ سارا درخت لال لال اناروں سے لد گیا۔ اتنے سارے پھل دیکھ کر مُلّا کی بیوی بہت خوش ہوئی اور مُلّا سے کہنے لگی کہ اتنے زیادہ پھل کا ہم کیا کریں گے۔ تھوڑے سے رکھ لیتے ہیں باقی بیچ دیتے ہیں اس سے مہینے بھر کا راشن آ جائے گا۔ یہ سن کر مُلّا بولے چلو اچھا ہوا کہ تمھارے روز روز کے طعنوں سے تو جان چھوٹے گی۔ مُلّا نے گدھے پر انار لادے بازار میں جا کر آواز لگانے لگے انار لو لال لال میٹھے میٹھے رس بھرے انار۔ سارا شہر مُلّا کو جانتا تھا۔ لوگوں نے انھیں انار بیچتے دیکھا تو مُلّا جی کے پیچھے آ کھڑے ہوئے۔ یہ دیکھ کر مُلّا نے زور زور سے آواز لگانی شروع کر دی، انار لے لو، لال لال، میٹھے۔ اب خدا جانے کہ مُلّا کے گدھے کے جی میں کیا آئی کہ اس نے بھی زور زور سے آواز لگائی۔ ڈھینچوں ڈھینچوں، ڈھینچوں۔ لوگ ہنسنے لگے۔ مُلّا جی نے ہنستے ہوئے لوگوں کی طرف دیکھا لیکن کچھ نہیں بولے جب گدھے کی ڈھینچوں ختم ہوئی تو انھوں نے پھر آواز لگائی کہ انار لے لو لال لال۔ ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ گدھے نے پھر ڈھینچوں ڈھینچوں کیا

دلی کے ایک انتہائی مہنگے پرائیوٹ کلینک میں شام کے مصروف وقت میں ایک ٹیلی فون آیا۔ دوسری طرف سے ایک خاتون تھیں جو گھبرائی ہوئی آواز میں اپنے شوہر کو دل کے ماہر ڈاکٹر کو دکھانے کے لیے وقت مانگ رہی تھیں۔ ڈاکٹر کی سکریٹری نے ڈائری دیکھ کر بتایا کہ آپ کو تین ہفتے بعد پیر کے دن شام چھ بجے کا وقت دیا جا سکتا ہے۔ خاتون نے یہ سن کر کہا۔

"یہ دل کے مریض کا معاملہ ہے۔ کیا اس سے پہلے ممکن نہیں ہو سکتا؟"

"جی نہیں! اس سے پہلے ڈاکٹر صاحب کے پاس وقت نہیں ہے۔" سکریٹری نے کہا۔

"لیکن مریض کی حالت تشویش ناک ہے۔ اس وقت تک خدانخواستہ انھیں کچھ ہو گیا تو؟" خاتون نے پریشان آواز میں پوچھا۔

"کوئی بات نہیں۔ آپ جب چاہیں اپائنٹمنٹ کینسل کرا سکتی ہیں۔" سکریٹری نے ریسیور رکھتے ہوئے کہا۔

خرچ کر دیا۔ لوگ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہوگئے۔ اب تو جناب ملا جی کا چہرہ مارے غصے کے اناروں سے بھی زیادہ لال ہوگیا۔ تھوڑی دیر تک تو وہ غضب ناک نظروں سے ہنستے ہوئے لوگوں کو اور کبھی گدھے کو دیکھتے رہے پھر یہ سوچ کر کہ اب وہ نہیں بولے گا پھر آواز لگائی انار لے لو انار میٹھے مگر بات ان کے منہ ہی میں تھی کہ گدھا پھر زور سے ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے لگا۔ اب ملا جی سے نہیں رہا گیا انھوں نے غصے سے گدھے کی تھوتھنی پکڑ کر اوپر اٹھائی اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے بتا کمبخت، انار تو بیچ رہا ہے کہ میں؟ یہ سن کر لوگوں کا ہنس ہنس کر برا حال ہوگیا۔ انھوں نے ملا کے سارے انار خرید لیے اور ملا جی جیبیں بھر کر راشن لے کر خوشی خوشی گھر کی جانب چل دیے۔

جی ایم مٹے والا، باد امام گلی، دھارواڑ

مولانا ابوالکلام آزادؒ

مولانا ابو الکلام آزاد ۱۸۸۸ء میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ ان کی مادری زبان عربی تھی۔ مولانا ابوالکلام کا اصل نام محی الدین احمد تھا۔ مولانا کی ادبی زندگی کا آغاز تقریباً گیارہ سال کی عمر سے ہوا۔ پہلے انھوں نے شاعری کی اس کے بعد نثر کی طرف توجہ دی اور رسالے میں مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے مشہور ہوئے۔ مولانا ایک وقت ایک بلند پایہ ادیب، بہترین انشاپرداز، جلیل القدر صحافی، سیاست داں، مفسر قرآن [illegible] مولانا ابوالکلام [illegible] کے مالک تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد قومی یکجہتی کے دلدادہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ہندوستان ایک گلشن کی مانند ہے جس میں ہر رنگ کے پھول ہیں۔ ہر طرح کے پھول سے یہ گلشن ہمیشہ لہلہاتا رہے۔ وہ اپنے وطن سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے اندر حب الوطنی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔

مولانا آزاد اردو زبان کے حامی تھے۔ وہ اردو سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ جب ہندوستان کے وزیر تعلیم بنے تو انھوں نے بھارت کو ایسی تعلیمی پالیسی دی جس سے ہمارا ملک ہندوستان سائنس میں بہت آگے ہے۔

ہندوستان میں تعلیمی نظام کا ڈھانچہ مولانا آزاد ہی کا بنایا ہوا ہے۔ مولانا کی ذہانت نے ملک کی سیاست میں انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ انھوں نے لوگوں میں سیاسی شعور پیدا کیا۔ ملک کی خاطر کئی بار جیل بھی گئے۔ آج بھی بلاشبہ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ مولانا آزاد صحافی پیدا ہوئے اور ہندوستانی سیاست میں بلند و محترم جگہ حاصل کر کے سفر زندگی کو اختتام تک پہنچایا۔

۲۲ فروری ۱۹۵۸ء کو مولانا ابوالکلام آزاد جیسے آزاد سورما نے دائمی اجل کو لبیک کہا۔
"حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"

ضیاء الرحمن [illegible]

بیوقوف گدھا

بہت دنوں کی بات ہے کہ [illegible]

... ہے اور بہت ... ہے

جنگل میں ایک گدھا بھی تھا۔ گدھا بہت [illegible] تھا ایک مرتبہ وہ کہیں جا رہا تھا کہ اس نے جھینگر کی آواز سنی اور اسے یہ آواز بہت اچھی لگی تو اس نے جھینگر سے پوچھا کہ تمہاری [illegible] کیا ہے۔ جھینگر نے جواب دیا ہماری خوراک شبنم ہے۔ بس گدھے نے تہیہ کر لیا کہ میں بھی شبنم کھاؤں گا تاکہ میری آواز بھی اچھی ہو جائے مگر شبنم سے غذا کیسے پوری ہوتی۔ گدھے کی آواز تو بہتر نہیں ہوئی۔ البتہ وہ موت کا شکار ہو گیا۔

اس طرح پیارے دوستو! کسی کی نقل نہ کرنا چاہیے اور اگر نقل کریں گے تو گدھے والا حال ہوگا۔

ناظر خاں اعظمی، سرائے میر، اعظم گڑھ

تفریح، تفریح، تفریح

تفریح کے نام پر — جی ہاں! تفریح کے نام پر ہی آپ اور ہم آئے دن دوستوں کے ساتھ محفلیں آراستہ کرتے ہیں۔ دل کھول کر قہقہے لگاتے ہیں۔ فحش اور بھونڈا مذاق کرتے ہیں اور اسی ہنسی مذاق میں نہ جانے کتنی ہی اخلاق سوز حرکتیں کرتے ہیں۔ بیجا رسم و رواج اور بے غیرتی و بے شرمی کے مظاہر [illegible] ہیں۔ کیوں؟ صرف تفریح کے نام پر۔ [illegible] تفریح ہی تفریح میں اپنے دوست [illegible] کرتے ہیں، طنز کرتے ہیں — ٹھیک ہے! اگر کچھ پل کے لیے مان بھی لیا [illegible] تفریح کے نام پر یہ ساری [illegible] ہیں اور ہم جہالت کے طفیل یہ سارے [illegible] انجام دیتے ہیں تو اس

ایک صاحب بڑی گہری نیند سو رہے تھے کہ آدھی رات کو اچانک ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ انھوں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے آواز آئی۔

"آپ کو جو تکلیف ہوئی، اس کی معافی چاہتا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میں آپ کے پڑوس میں رہتا ہوں اور آپ کا کتا ساری رات بھونکتا رہتا ہے جس سے مجھے نیند نہیں آتی، برائے مہربانی اس کا کچھ علاج کریں۔"

وہ صاحب اس وقت تو "شکریہ" کہہ کر سو گئے، مگر دوسری رات ٹھیک اسی وقت انھوں نے اپنے پڑوسی کو ٹیلی فون کیا اور کہا۔

"آپ کو جو تکلیف ہوئی، اس کی معافی چاہتا ہوں۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ کتا میرا نہیں ہے۔"

• زمانے کے ساتھ چلنا اچھی بات ہے لیکن سب سے اچھی بات یہ ہے کہ تم خود اس قابل بنو کہ زمانہ تمہارے ساتھ چلنے میں فخر محسوس کرے۔

بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ وقت گزاری کے لیے آج جو رجحان پڑھے لکھے طبقوں میں رائج ہے وہ بھی اس سے کچھ الگ نہیں ہے۔ فحش لٹریچر اور اخلاق و کردار کو بگاڑنے والے رومانی، جاسوسی اور فلمی و دیگر فحش ادب کا مطالعہ اور ان خرافات نے بے حیائی اور بے لگام آزادی کو بڑی سادگی سے تفریح کا نام دیا جا رہا ہے۔

[illegible]

ہیں تو وہ ہماری اکیلے پن کو دور کرتی ہے ایک ڈرائنگ DRAWING روم کو سجانے کے لیے ہم خوبصورت کرسیاں اور میز لگاتے ہیں اور رنگین پردے کھڑکی اور دروازے میں لگاتے ہیں لیکن اس کی خوبصورتی تب تک ادھوری رہتی ہے جب تک کہ اس میں کتابیں نہ رکھی ہوں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک گہنے (ہیرا یا سونا) سے کم اہمیت نہیں رکھتی ہے اس لیے ہم کو کتاب کی عزت اور اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔ کتاب ایک سچا اور وفادار دوست اور ساتھی ہے۔

منتصر احمد جیلانی، ملکیانہ پھلواری شریف پٹنہ

دوستی

ظاہر طور پر یہ پانچ لفظوں پر مشتمل ایک، چھوٹا سا لفظ ہے لیکن اس کا پھیلاؤ لامحدود اور گہرائی گہرے سمندر سے کئی گنا زیادہ ہے اس لامحدود وسعت کی سیر کرنا اور گہرے سمندر میں اتر جانا سب کے بس کی بات نہیں۔

انیس شاہ یونس شاہ، بدھوارہ، انجن گاؤں امراوتی

ساتھی محمد نفیس سے انٹرویو

س : سب سے پہلے آپ اپنا تعارف تمام پیامی بھائیوں سے کرائیے ؟

ج : میرا نام محمد نفیس ولد محمد یونس کرانہ مرچنٹ ہے۔

س : آپ کون سی جماعت میں پڑھتے ہیں؟

ج : ابھی میں نے دسویں جماعت کا سالانہ امتحان دیا ہے۔ انشاءاللہ پاس ہونے کی پوری امید ہے۔

س : آپ کو سب سے زیادہ کیا پسند ہے۔

ج : مجھے سب سے زیادہ نماز پڑھنا اور علم حاصل کرنا پسند ہے۔

س : آپ سب سے زیادہ گھر میں کس کو چاہتے ہیں۔

ج : اپنی چھوٹی بہن کو۔

س : آپ کو رنگ میں کون سا رنگ زیادہ پسند ہے؟

ج : مجھے سب سے زیادہ گہرا ہرا رنگ پسند ہے۔

س : آپ کون سے رسالہ کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ج : مجھے سب سے زیادہ پیام تعلیم پسند ہے اور اسی رسالہ کا مطالعہ کرتا ہوں۔

اچھا جی آپ نے ہمیں اپنا قیمتی وقت دیا۔ ہم آپ کا دل و جان سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

خالق الرحمٰن بڑا مومن پورہ بالاپور ضلع آکولہ

اپنے دوست سے انٹرویو

س : سب سے پہلے آپ اپنا نام بتائیں؟

ج : میرا نام انیس احمد بکیران ہے۔

س : آپ اپنے والد محترم کا نام بتلائیں؟

ج : میرے والد محترم کا نام عبدالرحیم ہے۔

س : پیام تعلیم کا مطالعہ آپ کب سے کر رہے ہیں اور آپ کو یہ رسالہ کیسا لگتا ہے۔

ج : میں پیام تعلیم کا مطالعہ تقریباً ایک سال سے کر رہا ہوں، یہ واحد رسالہ ہے جو رنگارنگ دلچسپیوں سے بھرپور ہے اسی لیے مجھے پسند ہے۔

س : آپ کا پسندیدہ مشغلہ کیا ہے؟

ج : انگریزی (انگلش) سیکھنا اور کرکٹ کھیلنا۔
س : آپ کس اسکول میں پڑھتے ہیں اور کون سی کلاس میں پڑھتے ہیں ؟
ج : میں آر، پی ہائی اسکول کی دسویں جماعت میں زیر تعلیم ہوں۔
س : آپ کو کون کون سے مضامین پسند ہیں ؟
ج : مجھے انگریزی اور اردو بے حد پسند ہے۔
س : آپ بڑے ہو کر کیا بننا چاہتے ہیں ؟
ج : میں ادیب بننا چاہتا ہوں۔
س : آپ کا پسندیدہ ادیب ؟
ج : میر امّن اور کرشن چندر۔
س : آپ پیامی بہن بھائیوں سے کچھ کہنا چاہتے ہیں ؟
ج : میں پیامی بھائی بہنوں سے صرف اتنا کہوں گا کہ دین اسلام کی خدمت کریں اور ساتھ ساتھ اپنے دوستوں سے پیام تعلیم کی خوبیاں بیان کریں تاکہ حلقہ احباب وسیع ہو اور پیام تعلیم میں ہمیشہ کی طرح چار چاند لگتے رہیں جو کبھی نہ ڈوبیں۔
س : آپ اپنا پتا بتلائیں گے ؟
ج : انیس احمد بکراں، چکنوٹہ، درگاہ بیلا، ویشالی

محمد نوشاد صدیقی، چکنوٹہ، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

تعارف

نام : ماجد ذکی

ولدیت : محمد زید ایوبی

پتا : مولانا کمپاؤنڈ، کمال پورہ، مالیگاؤں

اسکول : انجمن ترقی تعلیم ہائی اسکول (اے ٹی ٹی ہائی اسکول)

رنگ : سانولا قد : ۴ فٹ ۲ انچ

پسندیدہ استاد : تمام اساتذہ

پسندیدہ کھانا : بھنڈی، مرغا

پسندیدہ رسالہ اخبار : پیام تعلیم، ہلال، ملی ترجمان

پسندیدہ شخصیت : سنت اللہ اور سنت محمدؐ پر عمل کرنے والا انسان۔

دوست : انیس احمد

افراد خانہ : والدین کے علاوہ میرے بھائی ۲ بہن ۳ ہیں۔

پیغام : برائیوں کو ختم کرو، معاشرہ کو صالح بناؤ اور آنے والی نسل کے لیے دین و مذہب کی راہ ہموار کرو۔

عبید اللہ ہلال ۱۰۴، کمال پورہ، مالیگاؤں، مہاراشٹر

حاتم نے کہا میں نے چار علم اختیار کیے اور دنیا کے تمام علموں سے چھوٹ گیا۔" کسی نے پوچھا، بھلا وہ چار علم کون سے ہیں ؟"

حاتم نے جواب دیا، "ان میں سے ایک یہ ہے کہ میں نے سمجھ لیا کہ جو رزق میری قسمت میں لکھا ہوا ہے وہ نہ زیادہ ہوتا ہے اور نہ کم، اس لیے میں زیادہ کی طلب سے مطمئن ہو گیا۔ دوسرا یہ ہے کہ میں نے سمجھ لیا کہ اللہ کا جو مجھ پر حق ہے وہ میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا، اس لیے میں اس میں مشغول ہو گیا۔

تیسرے یہ کہ میں نے سمجھ لیا کہ ایک چیز مجھے ڈھونڈتی ہے، وہ ہے موت۔ اس سے میں بھاگ نہیں سکتا۔ میں نے اس کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا۔ چوتھے یہ کہ میں نے سمجھ لیا کہ میرا اللہ ایک ہے جو مجھ سے باخبر رہتا ہے۔ میں نے اس سے شرم رکھی اور برے کاموں سے ہاتھ اٹھا لیا۔"

(حکایات سعدی)

انوکھے رسم و رواج

"چارلس ادوڈ" نے آج سے دو ہزار سال قبل کہا تھا کہ "رسوم سے زیادہ عجیب و غریب کوئی شے نہیں ہوتی" اور آج ہزاروں سال بعد بھی یہ بات بالکل صحیح ثابت ہوتی ہے۔ وقت بدل جاتا ہے۔ نسلیں بدل جاتی ہیں لیکن رسم و رواج جوں کے توں بنے رہتے ہیں اور اس معاملے میں ہر ملک کا الگ الگ مزاج ہے جو کبھی بھی بدلنے کا نام نہیں لیتا۔ ذیل میں کئی ممالک اور ان کے خطوں میں ان عجیب و غریب رواجوں اور رسوم کا ذکر کیا جارہا ہے جو صدیوں سے رائج ہیں اور شاید قیامت تک رائج رہیں۔

"مڈگاسکر" کے کچھ علاقوں میں ابھی بھی یہ رسم موجود ہے کہ جب کسی شخص کی موت ہوجاتی ہے تو اس کا تابوت ایک بہت بڑے جلسے میں رکھا جاتا ہے جہاں سب خاص و عام خود اپنی حاضری کو بہت ضروری سمجھتے ہیں اس اجلاس میں مرنے والے کی زندگی کو دیکھ کر یا تو اس کی تعریف کی جاتی ہے یا پھر اس مُردے کو لعنت ملامت اور گالیوں اور طعنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے "نیوگنی" میں عورتوں کو اب بھی اپنے بچوں کو روز چاند کا دیدار کرانا پڑتا ہے تاکہ ان کی صحت بحال رہے۔ یہی حال افریقہ میں بھی ہے۔

انگلستان میں عورتوں کا نشان جھاڑو ہے اگر گھر کے باہر دروازے پر جھاڑو ٹنگی ہو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ عورت گھر میں نہیں ہے۔ اسی طرح بحری جہاز پر اگر جھنڈے کی جگہ جھاڑو لہرا دی ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ جہاز قابل فروخت ہے۔

ایک دوست دوسرے سے: تمہیں پتا ہے میرا دادا دس لاکھ روپے چھوڑ کر مرا تھا۔
دوسرا: میرا دادا تو ساری دنیا چھوڑ کر مرا تھا۔

ہالینڈ کے لوگ گھر میں داخل ہونے سے قبل اپنے جوتے باہر ہی اتار دیتے ہیں۔ اسی طرح بیک وقت کئی ہیٹ پہننے کا بھی رواج یہاں قائم ہے جو صدیوں پہلے ہی سے چلا آرہا ہے۔ لوگ اب بھی ایک ساتھ پانچ۔ پانچ چھے چھے ہیٹ سر پر لگائے رہتے ہیں۔ ٹانگانے لوگ کسی بھی حالت میں ہیٹ نہیں لگاتے۔ ان کا خیال ہے کہ ہیٹ لگانے والوں پر دیوتاؤں کا عذاب نازل ہوتا ہے چنانچہ ہیٹ پہننا تو درکنار اس کا وجود تک نہیں ہے۔ اس کے برعکس لیپ لینڈ میں ہیٹ بڑی کارآمد چیز ہے اسے نہ صرف لگایا جاتا ہے بلکہ وقت پڑنے پر گدی بنا کر اس پر بیٹھنے کا رواج بھی عام ہے۔ چین میں دوستوں اور رشتہ داروں کو بچے کی پیدائش کی اطلاع دینے کے لیے انڈوں سے بھری ہوئی ٹوکری دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ وہاں مریضوں کے علاوہ عام آدمیوں اور قیدیوں کو بھی انڈے سینا پڑتے ہیں۔ کوریا میں کوئی لڑکی اگر "گھوڑے کے سال" میں پیدا ہوجائے تو پھر اس کی شادی نہیں ہوپاتی کیونکہ یہ سال صرف لڑکوں کے لیے مبارک مانا جاتا ہے لڑکیوں کے لیے نہیں۔ روس میں "زار" کے وقتوں میں اونچے طبقے کے لوگوں میں یہ رواج عام تھا کہ جب انھیں

عات کے وقت کوئی بڑی دعوت کرنا ہوتی تھی تو باورچی کو بلا کر باورچی خانے میں اسے کئی کئی بار مبارکباد دی جاتی تھی لیکن اب یہ رسم روس سے "زار" کے ساتھ ساتھ ہی ختم ہوگئی۔ نواجو کے لوگ دودھ کو زہر سمجھ کر پھینک دیتے ہیں اس کا استعمال تو کجا صرف دودھ پینے کے تصور سے ہی انھیں بخار چڑھ جاتا ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر میں فرانس کی جیلوں میں بکرے یا دُنبے کی ایک ٹانگ کال کوٹھری میں پھینک دی جاتی تھی۔ یہ کچا گوشت ہی قیدیوں کا ناشتا اور کھانا ہوتا تھا۔ اس ٹانگ کو حاصل کرنے کے لیے انھیں ہر روز ایک دوسرے سے لڑنا پڑتا تھا۔ خوش قسمتی سے یہ رسم آج کے مہذب دور میں رائج نہیں ہے۔ "میلانیشن" جزیرے میں جو لوگ بوڑھے ہو جاتے ہیں انھیں زندہ ہی دفنا دیا جاتا ہے۔ کچھ افریقی قبیلے اپنے بوڑھوں کو جنگل یا پہاڑوں میں چھوڑ آتے ہیں۔ کچھ قبیلوں میں یہ رواج ہے کہ تہواروں کے دن بوڑھوں کو سرِ عام قتل کر دیا جاتا ہے۔ "تیرا ڈیل فیوگو" کے رہنے والے قحط کے زمانے میں اپنی بوڑھی عورتوں کو ہی کھا جاتے ہیں اور اس کے بعد کتّے ان کی غذا بنتے ہیں۔ سنگاپور کے ملیہ لوگ ہندو اور افریقی قبائلی ببر شیر کا گوشت اس امید پر کھاتے ہیں کہ انھیں ان کو جانوروں جیسی قوت نصیب ہوگی۔ بوزیو کے لوگ ہرن کے گوشت سے اس لیے پرہیز کرتے ہیں کہ کہیں وہ بھی ہرن جیسے بزدل نہ ہو جائیں۔

جنوبی ہندستان کے آدی باسیوں پر بارہ کے ہندسہ کا بڑا اثر ہے۔ سوبگا قبائلی پیدائش سے موت تک اس ہندسہ کا استعمال بڑے عجیب و غریب طریقوں سے کرتے ہیں شادی کے وقت دلہن کے بارہ رشتہ دار اسے گھر سے باہر لاتے ہیں۔ شادی کے پنڈال میں بھی بارہ بانس ہوتے ہیں اور جب کوئی مر جاتا ہے تو اس وقت بھی بارہ بانسوں کی ارتھی بنا کر بارہ رشتہ دار اس کی آخری رسوم ادا کرتے ہیں۔ بچّے کی پیدائش کے وقت بارہ آدمیوں کو کھانے پر بلایا جاتا ہے۔

چارلس اوڈونے دو ہزار سال قبل یہ بھی کہا تھا کہ رسم و رواج جتنے عجیب و غریب ہیں اتنی ہی یہ بات بھی عجیب ہے کہ ان کا خاتمہ صرف اسی وقت ہوگا جب ساری دنیا ہی فنا ہو جائے گی اور واقعی اس نے ٹھیک ہی کہا تھا۔

جعفری حبیب الرحمٰن جعفر علی، شیواجی نگر، بمبئی ۴۳

مدد

شاداب اور حامد دو دوست تھے۔ ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔ ایک دن دونوں دوست اپنے شہر سے کرکٹ کھیل کر گھر لوٹ رہے تھے۔ مغرب کا وقت ہو چکا تھا اور آسمان پر کالے بادل گھر آئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہلکی ہلکی بارش ہونے لگی۔ اب دونوں دوست سوچنے لگے کہ کہاں اپنے آپ کو چھپائیں گھر بھی کافی دوری پر تھا، گھر تو جا نہیں سکتے۔

اچانک شاداب کو سامنے والی عمارت کے بارے میں خیال آیا جو ایک پرانی سی عمارت تھی اور پھر شاداب نے جھٹ سے حامد سے کہا۔

"چلو یار ہم اپنے کو سامنے والی عمارت میں چھپالیں" اور دونوں دوست پرانی سی

عمارت میں چلے گئے۔ عمارت میں جانے کے بعد بارش کی رفتار اور تیز ہوگئی اور بجلی بھی بہت زور زور سے کڑکڑانے لگی۔ کافی انتظار کرنے پر لگ بھگ دو گھنٹے کے بعد بارش میں کچھ کمی آگئی اب دونوں دوست گھر چلنے کے بارے میں سوچنے لگے اتنے میں ہی ایک بوڑھے فقیر کی آواز ان کے کانوں سے ٹکرائی۔ دونوں دوست نے ادھر اُدھر نظر دوڑائی تو تھوڑی دور پہ ایک حجرے میں انھیں ایک چراغ ٹمٹماتا ہوا نظر آیا۔ بارش کی وجہ سے بچارے بوڑھے کے گھر کی ایک طرف کی دیوار گر چکی تھی اور بوڑھے فقیر کا آدھا جسم اسی میں دبا ہوا تھا اور بوڑھا برابر اپنی آواز بلند کیے جا رہا تھا۔ اس بوڑھے فقیر کی آواز سن کر شاداب کا دل بھر آیا اس نے اپنے دوست حامد سے کہا۔ "یار! چلو اس بوڑھے فقیر کی مدد کریں، اور اس کی جان بچائیں، اللہ ہمارے اس کام سے ضرور خوش ہوگا" یہ سن کر حامد نے جواب دیا "میں تو ایسی اندھیری رات میں یہاں سے ہلوں گا بھی نہیں چاہے جو ہو جائے"۔ شاداب نے اسے بہت سمجھایا، ثواب کا لالچ دیا مگر اس کا سمجھانا بے سود رہا۔ بوڑھا فقیر برابر چلائے جا رہا تھا آسمان پر تڑ تڑا بجلی اب بھی چمک رہی تھی۔ اس بوڑھے فقیر کی حالت شاداب سے نہ دیکھی گئی۔ وہ اکیلا ہی چل پڑا اور اس بوڑھے کے حجرے میں جلد ہی پہنچ گیا۔ پہنچتے ہی بوڑھے کے بدن سے اینٹیں ہٹانے لگا بجلی کوندتی تو شاداب کا دل دہل جاتا مگر وہ اینٹیں ہٹانے سے نہیں رکا اس لیے کہ اسے تو اپنے اللہ کو خوش کرنا تھا۔ جلد ہی اس نے اس بوڑھے فقیر کو نکال لیا اور وہ سوچنے لگا کہ اب کیا کرے۔ کہاں لے جائے کیسے لے جائے؟ اس نے حامد کو پکارا "یار اب تو آجاؤ، گھر تو چلنا ہی ہے آؤ اس بوڑھے کو اٹھا کر لے چلیں"۔ مگر اس کا پکارنا بے کار گیا وہ وہیں سے بولا، "تم ہی ثواب کماؤ میں یہاں سے اس وقت تک نہیں ہلوں گا جب تک کہ بادل نہ چھٹ جائیں"۔ حامد یہ کہہ ہی رہا تھا کہ یکایک زور سے بجلی کڑکی اور پرانی عمارت پر گر پڑی اور گرتے ہی حامد کی ایک آہ فضا میں بلند ہوئی اور اس کے بعد حامد کی آواز پھر نہیں سنائی دی۔ شاداب دوڑا دوڑا اس کے پاس گیا دیکھا تو حامد مر چکا تھا اور اس کا سارا جسم جھلس کر کالا ہو گیا تھا۔ اب شاداب ایک کے بدلے دو دو کو لے جانے کے بارے میں سوچنے لگا اور دل ہی دل میں کہتا جا رہا تھا۔ کیا اچھا ہوتا کہ حامد میرے ساتھ اس بوڑھے کی مدد کو آیا ہوتا"۔

پیارے دوستو! ہمیں ہمیشہ کسی بھی مفلس و غریب کی آہ سننے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ اللہ ہماری ہر ایسی کوشش کو رائیگاں نہیں

ایک شخص کی نظر کمزور تھی بدقسمتی سے اسکا ہیٹ تیز ہوا میں اڑ گیا۔ اب موصوف ہیٹ کے پیچھے دوڑ رہے تھے جو ہر بار ان کے ہاتھ سے ہوا کے دباؤ کی وجہ سے نکل جاتا۔ قریبی گھر سے ایک خاتون نے چلا کر پوچھا یہ تم کیا کر رہے ہو موصوف نے بھی چلا کر جواب دیا کہ میں اپنا گرا ہوا ہیٹ پکڑ رہا ہوں۔ تمہارا ہیٹ؟ تمہارا ہیٹ تو اس پتھر کی اوٹ میں پڑا ہے۔ اور تم جس کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ وہ تو ہماری مرغی ہے۔ عورت نے جواب دیا۔

کرے گا بلکہ ہمیں اس کا صلہ بہت ہی اچھا ہوے گا۔ اللہ ہمیں اچھے کام کرنے کی توفیق عنایت فرمائے (آمین)

امتیاز احمد، مقام و پوسٹ ، ہلدیاں، سیوان بہار

سات پریوں کی کہانی

ایک گاؤں میں ایک بڑھیا رہتی تھی اس کا ایک لڑکا تھا اس لڑکے کا نام راشد تھا۔ راشد بہت ہی بھولا بھی تھا اور چالاک بھی۔ وہ ایک دن کام کی تلاش میں شہر جانے کے لیے تیار ہوا تو ماں نے اس کو سات روٹیاں دیں تاکہ راستے میں بھوک لگے تو کھالے۔ راشد گھر سے نکلا اور بہت دور جانے کے بعد اس کو بھوک لگی۔ اِدھر اُدھر نظر دوڑانے کے بعد اس کو ایک کنواں دکھائی دیا اور وہ کنویں کے پاس بیٹھ کر روٹیاں نکال کر کہتا ہے کہ ایک کو کھاؤں یا دو کو کھاؤں یا ساتوں کو کھاؤں۔ اتفاق کی بات کہ اسی کنواں میں سات پریاں رہتی تھیں وہ یہ سن کر پریشان ہوگئیں اور یہ سمجھیں کہ وہ ہمیں ہی کھانے کی بات کر رہا ہے یہ سوچ کر وہ کنویں سے باہر آئیں اور بولیں تم ہمیں مت کھاؤ، ہم تمھیں کھانے کے لیے یہ دیگ دیتے ہیں جو یہ کہنے پر تمھیں کھانا دے گی کہ "اے دیگ مجھے کھانا دے" یہ کہتے ہی دیگ میں اچھے اچھے کھانے آجائیں گے۔ یہ سن کر راشد وہ دیگ لے کر وہاں سے گھر کی طرف چل پڑا۔ راستے میں شام ہونے کی وجہ سے اس نے ایک بڑھیا کے گھر میں رات گزارنے کی اجازت چاہی اس بڑھیا نے اس کو رہنے کے لیے اجازت دے دی۔ راشد رات میں سوتے وقت دیگ سے کہتا ہے کہ اے دیگ مجھے کھانا دے اور دیگ میں طرح طرح کے کھانے آجاتے۔ یہ دیکھ کر بڑھیا کی نیت بدل جاتی ہے اور رات میں چوری سے وہ اس دیگ کی جگہ دوسری دیگ رکھ دیتی ہے۔ صبح اٹھ کر راشد اپنے گھر جاتا ہے۔ گھر جاکر وہ ماں سے پورا واقعہ سناتا ہے اور دیگ نکال کر کہتا ہے کہ "اے دیگ مجھے کھانا دے، لیکن اس دیگ میں کھانا وغیرہ کچھ بھی نہیں آتا ہے۔ راشد پریشان ہوجاتا ہے۔ اور پھر دوسرے دن بھی سات روٹیاں لے کر اسی کنویں کے پاس جاکر پہلی مرتبہ کی طرح ہی کہتا ہے اور سات پریاں باہر آکر کہتی ہیں۔ ہمیں مت کھاؤ ہم تم کو ایک تھیلی دیتے ہیں جو یہ کہنے پر پیسے دیتی ہے کہ "اے تھیلی مجھے پیسے دے چھن چھن پیسے دے" یہ کہتے ہی تھیلی میں پیسے آجائیں گے۔ راشد تھیلی لے کر گھر کی طرف چل پڑتا ہے۔ شام ہونے کی وجہ سے راشد اسی بڑھیا کے گھر میں رُکتا ہے اور رات میں اسی طرح کہتا ہے۔ "اے تھیلی مجھے پیسے دے، چھن چھن پیسے دے" یہ کہتے ہی پیسے تھیلی میں آجاتے ہیں۔ یہ بڑھیا رات میں تھیلی بھی چُرا لیتی ہے۔ راشد صبح اٹھ کر گھر جاتا ہے اور ماں کے سامنے تھیلی نکالتا ہے اور کہتا ہے کہ "اے تھیلی مجھے پیسے دے چھن چھن پیسے دے" لیکن تھیلی میں پیسے نہیں آتے یہ دیکھ کر راشد بہت پریشان ہوجاتا ہے اور تیسرے دن پھر راشد سات روٹیاں لے کر اسی کنویں کے پاس جاتا ہے اور اسی طرح کہتا ہے اور سات پریاں کنویں سے باہر آتی ہیں۔ راشد ان پریوں کو دیگ اور تھیلی کے بارے میں بتاتا ہے یہ سن کر پریاں

نے راشد کو ایک ڈنڈا دیا اور کہا کہ تم یہ کہنا کہ
اے ڈنڈے ہوجا شروع اور جھوٹے کے منہ
سے سچ کہنے پر مجبور کر۔ راشد ڈنڈا لے کر گھر کی
طرف چلا۔ راستے میں بڑھیا کے گھر میں رکا۔ شام
میں جب بڑھیا آہستہ سے ڈنڈا لینے اٹھی تو یہ دیکھ
کر راشد نے کہا کہ اے ڈنڈے ہوجا شروع اور
جھوٹے کو سچ کہنے پر مجبور کر، اتنا کہتے ہی ڈنڈا
اڑ کر بڑھیا پر بارش کی طرح برسنے لگا اور آخر
بڑھیا نے معافی مانگ کر دیگ اور تھیلی راشد کے
حوالے کردیں۔ اور راشد خوشی خوشی گھر واپس
آگیا اور اپنی ماں کو پورا واقعہ سنایا۔ راشد اور
اس کی ماں خوشی خوشی رہنے لگے۔

مہ جبین سید آباد آرمور

ایک جگہ شادی ہو رہی تھی۔ انہوں
نے دیگ کے پاس اپنا رشتہ دار بیٹھا دیا
تاکہ وہ مہمانوں کو حساب سے کھانا دے۔
یہ آدمی اپنے رشتہ داروں کو دو بوٹیاں اور
ایک آلو دیتا تھا۔ ناواقف کو ایک آلو
اور شوربہ۔ شادی میں شامل ایک اجنبی
کھانا لینے گیا۔ تو اس کی پلیٹ میں آلو اور
شوربہ ڈال دیا گیا۔ وہ بوٹی کی امید لے کر
دو مرتبہ کھانا لینے گیا۔ لیکن ہر مرتبہ آلو اور
شوربہ ہی ملتا۔ جب وہ تیسری مرتبہ کھانا
لینے گیا تو ایک مرتبہ پھر شوربہ اور آلو ملا۔
اجنبی شخص بڑی معصومیت سے بولا "جی کوئی
بوٹی والا آلو نہیں ہے"

بدنصیب بادشاہ

ایک بادشاہ تھا اس کے دو بیٹے تھے۔
ایک کا نام شاہد تھا اور دوسرے کا ماجد جب
بادشاہ کے دونوں بیٹے جوان ہوئے تب بادشاہ
نے ان کی شادی کرنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں کی
شادی ہوئی۔ بہت سے مہمان آئے۔ رات
بھر جشن منایا گیا۔ مہمانوں میں ایک بادشاہ کا دشمن
بھی تھا۔ جب آدھی رات کے بعد دونوں شہزادے
سوگئے تو اس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ دونوں
شہزادوں کے منہ میں کپڑا ٹھونس کر لے چلو اور
دونوں کو ایک غار میں بند کردو۔ دونوں بھائی
میں جو بڑا تھا وہ کسی نہ کسی طرح اپنی جان بچا
کر بھاگا۔ جب سویرا ہوا تو بستر خالی دیکھ
کر بادشاہ اور سپاہی بہت حیران ہوئے۔
شاہد بھاگتے بھاگتے تھک گیا تھا اسی لیے
وہ ایک درخت کے نیچے سوگیا۔ اس درخت
پر دو پرندے رہتے تھے۔ ان پرندوں
کے ماں باپ بچوں کے لیے دانا لینے چلے
گئے تھے اور کسی وجہ سے رات کو نہیں آسکے
تھے اس جنگل کے پیچھے ایک بہت بڑا سمندر
تھا اسی سمندر کے کنارے ایک بہت بڑا
سانپ رہتا تھا وہ رات کو آتا اور آس پاس
کے درختوں پر سے پرندوں کے بچوں کو کھا جاتا۔
شہزادہ اسی درخت کے نیچے سویا تھا اسی
وقت سانپ آیا۔ سانپ جب درخت پر
چڑھنے لگا تب پرندے کے بچے شور مچانے
لگے تب شہزادے کی آنکھ کھل گئی۔ دیکھا سانپ
پرندے کے بچوں کو کھانے والا ہے۔ شاہد
نے فوراً تیر کو کمان میں رکھا اور نشانہ لگا کر تیر
چلا دیا، تیر سانپ کے پیٹ میں لگا اور سانپ
وہیں ڈھیر ہوگیا۔ شاہد پھر سوگیا۔ تھوڑی دیر
کے بعد بچوں کے ماں باپ آگئے۔ جب انہوں

نے دیکھا کہ درخت کے نیچے ایک خوبصورت
شہزادہ سویا ہوا ہے تو انھیں لگا کہ یہی شہزادہ
ہمارے ان بچوں کو اٹھائے جاتا ہے تب ان
پرندوں کے بچوں نے کہا کہ نہیں، انھوں نے
تو ہماری جان بچائی ہے وہ نیچے دیکھو سانپ۔
یہی سانپ ہم لوگوں کو کھانے آرہا تھا جب
ہم لوگوں نے شور مچانا شروع کیا تب اس کی
آنکھ کھلی اس نے فوراً تیر کمان میں رکھا اور نشانہ
لگاکر مارا، تیر سے سانپ کو ڈھیر کر دیا۔ تب
دونوں پرندوں نے کہا کہ ہمیں اس کی مدد کرنی
چاہیے۔ دونوں پرندے درخت کے نیچے
آئے اور پوچھا کہ تم کس مصیبت میں ہو؟ شہزادے
نے کہا کہ ہمارے ایک بھائی کو ایک دشمن
پکڑ کر لے گیا ہے اور اس کو ایک غار میں بند
کر دیا ہے۔ پرندوں نے اپنا ایک ایک پنکھ
توڑ کر دیا اور کہا کہ جب تم اس پنکھ کو جلاؤ گے
تو ہم تمھاری مدد کریں گے۔ شہزادہ بڑی تیزی
سے غار کے پاس گیا اور ایک پنکھ جلایا اسی
وقت دونوں پرندے شہزادے کے پاس
حاضر ہو گئے۔ اس وقت غار کے اندر اور باہر
جتنے پہرے دار تھے سب سو چکے تھے۔ شاہد
پرندوں کے سہارے غار کے اندر گیا اور
اپنے بھائی ماجد کو غار کے اندر سے باہر لے
آیا۔ اس نے دونوں پرندوں کا شکریہ ادا کیا اور
واپس اپنے محل میں آگئے۔ شاہد اور ماجد کو دیکھتے
ہی قلعے میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ شاہد نے
مصیبت بھری داستان سنائی تو بادشاہ نے
کہا بیٹے ہم بدنصیب تھے جو بادشاہ ہوتے
ہوئے بھی تم دونوں کو غار سے نہیں نکال سکے۔
ہم سے تو وہ دونوں پرندے اچھے ہیں جنھوں
نے تم دونوں کو بچایا۔ مگر یہ صلہ ہے ان
پرندوں کے بچوں کو بچانے کا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ
بعض نیکیوں کا بدلہ کتنی جلدی دے دیتے
ہیں۔

محمد عمران، اسلام پور، عیدگاہ۔ بنارس یوپی

عجیب و غریب وصیتیں

● اسپین کے ایک شہر میڈرڈ میں ایک غریب
کلرک کے مرنے پر جب اس کی وصیت پڑھی
گئی تو سبھی حیران رہ گئے۔ اس میں لکھا تھا۔
میرے مکان کے درمیانی کمرے میں کھدائی کی
جائے۔ گہری کھدائی کے بعد ایک صندوق ملے گا
اس صندوق میں جتنی دولت ہو اس سے غریبوں
کے لیے ایک اسپتال بنایا جائے لیکن یہ کام
یکم اپریل کو کیا جائے کیونکہ یہ میری سالگرہ کا
دن ہے۔ یکم اپریل کو جب کھدائی شروع ہوئی
تو ایک صندوق دستیاب ہوا لیکن اس صندوق
میں صرف ایک پرچہ تھا جس پر لکھا تھا۔
"اپریل فول"

● ایک صاحب جن کے دوستوں کا دائرہ بہت
وسیع تھا اور جائداد بھی خوب تھی انھیں یہ
نہیں پتا تھا کہ کون سا دوست خود غرض ہے
اور کون سا مخلص، جس کے نام جائداد کی جائے
اس لیے مرنے سے پہلے انھوں نے دو وصیت
نامے لکھے ایک لال کاغذ پر تھا اور دوسرا ہرے
کاغذ پر۔ اور اپنے وکیل کو ہدایت کر دی کہ
لال کاغذ کا وصیت نامہ میرے دفن ہونے سے
پہلے کھولا جائے اور ہرے کاغذ کا وصیت نامہ
میرے دفن ہونے کے بعد کھولا جائے۔ اس
کے مرنے کے بعد جب لال کاغذ کا وصیت نامہ
کھولا گیا تو ۔ ۔ ۔ ۔ دوستوں کو امید تھی کہ انھیں

کچھ نہ کچھ ضرور ملے گا لیکن اس میں صرف اتنا لکھا تھا کہ مجھے رات کے تین بجے دفن کیا جائے یہ سن کر دوستوں کا موڈ خراب ہو گیا۔ سردی کی شدت تھی طوفانی بارش تھمتی نہ تھی ایسے میں رات کے تین بجے قبرستان جانا ایک مصیبت سے کم نہ تھا چنانچہ ان میں سے کچھ دوست اظہارِ غم کر کے اپنے اپنے گھر چل دیے صرف دو ہی رہ گئے جنھوں نے سردی بارش اور اندھیرے کی کوئی پروا نہ کی۔ اور اپنے مرحوم دوست کی وصیت کے مطابق جب دوسرا وصیت نامہ کھولا گیا تو اس میں لکھا تھا "میری جائداد صرف ان دوستوں میں تقسیم کی جائے جو مجھے دفن کرنے رات کو قبرستان پہنچے تھے۔ اس شخص کی جائداد کی قیمت پچیس لاکھ ڈالر تھی۔"

شاکرہ شیریں، چوتھا منزلہ روم نمبر، بمبئی ۸

جادوئی آم

وکرم رام گڑھ کا بادشاہ تھا اس کی ایک خوبصورت بیٹی تھی اس کی بیٹی کا نام کنک تھا وہ دس سال کی تھی۔ وکرم اپنی بیٹی سے بہت پیار کرتا تھا۔

ایک مرتبہ کنک بیمار ہو گئی۔ وکرم نے بہت اچھے ڈاکٹر اور حکیموں کو دکھایا لیکن کنک اچھی نہیں ہوئی۔ بادشاہ بہت غمگین تھا۔ محل کے ایک عقلمند آدمی نے اس سے کہا کہ اگر وہ جادوئی آم کھائے گی تو اچھی ہو جائے گی۔

رام گڑھ میں ایک غریب برہمن اور اس کی بیوی رہتے تھے انھوں نے کنک کے بیمار ہونے کی داستان سنی، وہ بھی ان کی عیادت

ایک بھکاری کے گلے میں تختی لٹک رہی تھی "میں اندھا ہوں" ایک صاحب نے رحم کھا کر ایک روپیا بھکاری کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ اتفاق سے روپیا قریبی نالی میں گر گیا۔ وہ صاحب جھک کر روپیا نالی سے نکالنے لگے تو بھکاری نے آنکھیں کھول کر کہا آپ زحمت نہ کریں میں خود نکال لوں گا۔ وہ صاحب حیران ہوئے اور بولے تم تو اندھے بنے ہوئے تھے۔ بھکاری نے جواب دیا دراصل میں گونگا ہوں یہ تختی غلطی سے میرے ساتھی کی لگ گئی ہے۔"

کرنے آئے۔ انھوں نے بھی کہا کہ وہ اچھی ہو سکتی ہے اگر وہ جادوئی آم کھائے۔ ان کے پاس ایک پالتو توتا تھا برہمن اور اس کی بیوی توتے سے بہت پیار کرتے تھے اور اس کو بٹو کے نام سے مخاطب کرتے تھے توتا بہت خوبصورت تھا۔ برہمن اس کو روزانہ امرود اور مرچ دیتا تھا۔ بٹو آم بہت پسند کرتا تھا۔

برہمن نے بٹو سے کہا۔ بادشاہ کی لڑکی بیمار ہے۔ وہ اچھی ہو جائے گی اگر وہ جادوئی آم کھائے۔ کیا تم جادوئی آم جانتے ہو؟

بٹو نے کہا "نہیں نہیں جانتا"۔

ایک دن گرمی کی صبح میں توتوں کا ایک جھنڈ برہمن کی جھونپڑی کے اوپر سے گزرا۔ توتے خوشی سے آپس میں بات کر رہے تھے ہم جانتے ہیں کہ سب سے میٹھا آم کا درخت کہاں ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ جادوئی آم

کا درخت کہاں ہے۔

پٹو نے اوپر دیکھا اور تعجب سے پوچھا "جادوئی آم کا درخت؟"

توتوں نے جواب دیا "ہاں! جادوئی آم کا درخت۔ یہ جمنا ندی کے اس پار ہے۔" "اوہ! مجھے بتاؤ اس درخت کے بارے میں۔" پٹو نے کہا۔

توتوں نے کہا اس درخت پر جادوئی آم سونے کی طرح چمکتے ہیں ایک سنہری چڑیا اس درخت پر گاتی رہتی ہے۔

او اجنبی میرے پاس آ۔ او اجنبی میرے پاس آ۔
میرے گانے کو سن۔ آم کھا۔ آم کھا۔
اور لمبی زندگی قائم کر۔
او سنو میرے گانوں کو، اپنے مرنے سے
پہلے پھر ایک مرتبہ جادوئی آم چکھو۔

پٹو نے کہا۔ میں آموں سے محبت کرتا ہوں مجھے لے چلو جادوئی آم کے پاس۔ وہ ایک ساتھ جادوئی آم کے درخت کی طرف اڑے درخت کی چڑیا نے پٹو کو دیکھا اور گایا۔

اے اجنبی آؤ اور آم چکھو۔ لیکن تم ایک مرتبہ اپنے جانے سے پہلے وعدہ کرو، تم نہیں بتاؤ گے کہ کہاں ملتا ہے جادوئی آم۔

پٹو نے کہا۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا! چڑیا نے اسے آم دے دیا اور وہ برہمن کی جھونپڑی کی طرف واپس آیا! پٹو نے برہمن سے کہا! شہزادی اچھی ہو جائے گی اگر یہ جادوئی آم کھالے اسے اس کے پاس لے جاؤ۔

برہمن اور اس کی بیوی بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے پوچھا "جادوئی درخت کہاں ہے؟" پٹو نے کہا، مجھے معاف کر دو۔ میں کسی سے نہیں بتا سکتا کیونکہ میں نے سنہری چڑیا سے وعدہ کیا ہے۔

برہمن اور اس کی بیوی آم بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا جناب یہ شہزادی کے لیے جادوئی آم ہے بادشاہ نے اسے قبول نہیں کیا لیکن برہمن نے پھل شہزادی کو کھلا دیا۔ آم کھانے کے تھوڑی دیر بعد وہ اچھی ہو گئی۔

اس نے اپنے والد سے پوچھا ابا جان یہ آم کون شخص لایا ہے؟

بادشاہ نے کہا "ایک غریب برہمن اور اس کی بیوی نے"، شہزادی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس نے کہا ابا جان! برہمن کو بلوائیں اور ان کو انعام دیں۔ میں مر رہی تھی انھوں نے میری زندگی بچالی۔

برہمن اور اس کی بیوی توتے کے ساتھ آئے۔ بادشاہ ان کو محل کے اندر لے گیا اور انھیں بہت سا انعام دیا۔ کنک نے توتے کو دیکھا وہ اسے رکھنا چاہتی تھی۔ برہمن نے اسے توتا دے دیا۔

(انگریزی سے ترجمہ)

شاہ فیصل مخدومی، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

زندگی

رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ سڑک ویران تھی اور رامو اپنے گھر میں اداس بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔

ابھی چند دن پہلے اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا۔ اور آج سے تین سال قبل کی بات ہے۔ اس کے والد اپنے دفتر جا رہے

تھے کہ بس کی زد میں آکر ہلاک ہو گئے تھے۔ والد کے انتقال کے بعد رامو چپل، جوتا وغیرہ سیتا اور پالش کرتا۔ مگر اس کی اور اس کی والدہ کی اتنے میں گزر بسر نہیں ہوتی تھی۔ جتنا روپیا وہ دس دن میں کماتا وہ چار دن میں ہی ختم ہو جاتا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ والد کے انتقال کے بعد اس میں بہت سی بری عادتیں جمع ہو گئی تھیں روزانہ پکچر دیکھنا اور بیڑی پینا اس کا مشغلہ بن گیا تھا۔

سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں سے آنسو نکلنے لگے۔ روتے روتے اسے خود پتا نہیں چلا کہ وہ اپنے ٹاٹ کے بستر پر کب سو گیا۔

رامو آج دیر سے سو کر اٹھا اور اپنی دکان پر آکر بیٹھ گیا، اور گاہک کا انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد دو تین راہ گیروں نے اپنے جوتوں پر پالش کروائی۔

جب رامو کے پاس اتنا پیسا جمع ہو گیا کہ وہ ناشتا کر سکتا ہے اور ایک پکچر بھی دیکھ سکتا ہے تو اس نے اپنی دکان بند کی اور سامنے والے ہوٹل کا رخ کیا۔

جیسے ہی ہوٹل میں گھسا، سامنے دیوار پر ایک بورڈ آویزاں تھا جس پر لکھا تھا، "زندگی ایک ہیرا ہے اسے اپنی مرضی کے مطابق تراشنا انسان کا کام ہے۔" رامو نے یہ تحریر پڑھی تو اس کے دل پر اس کا بہت اثر ہوا۔ اسی وقت سے اس نے فیصلہ کیا کہ اب وہ نہ کبھی پکچر دیکھے گا اور نہ ہی بیڑی پیے گا بلکہ اپنی زندگی سنوارنے کی کوشش کرے گا۔

رخسانہ احمد اقبال احمد، نیا پورہ، مالیگاؤں

پہلا فقیر - بھئی کاش یہ پہاڑ واقعی سونے کا ہوتا اور میں اس کا مالک ہوتا۔
دوسرا فقیر - بھئی اگر ایسا ہوتا تو اس میں سے آدھا پہاڑ مجھے ضرور دے دینا اپنے دوست کو نہ بھول جانا۔
پہلا فقیر - تم بہت بے وقوف ہو جب صرف خواہش سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے تو تم اس کے لیے ایک الگ پہاڑ کیوں نہیں مانگ لیتے؟ میرے پہاڑ کو کیوں کم کرتے ہو!!

ایمانداری کا پھل

شام کا وقت تھا۔ بمبئی شہر کی سڑکوں پر بسوں اور آدمیوں کی کافی بھیڑ تھی۔ اسی وقت ابو سفیان سیٹھ اپنے آفس سے نکل کر گھر لوٹنے کے لیے اپنی کار میں بیٹھنے لگے۔ ان کا بٹوا جیب سے گر گیا اور ان کو پتا بھی نہیں چلا۔ وہ کار میں بیٹھ کر گھر چلے گئے۔ اس وقت نازش نام کا ایک غریب لڑکا اسکول سے اپنے گھر لوٹ رہا تھا۔ اس نے وہ پرس دیکھا فوراً اٹھا لیا۔ گھر پہنچ کر اس نے پرس کھولا تو دیکھا کہ اس میں دو ہزار روپے ہیں تھوڑی دیر کے لیے ریڈیو اور سائکل خریدنے اور موج اڑانے کا خیال اس کے دماغ میں آنے لگا پھر اس کا دل نہ مانا۔ ادھر سیٹھ جی نے گھر پہنچ کر پرس تلاش کیا مگر وہ نہ ملا۔

دوسرے دن نازش اسکول میں سیدھا ہیڈ ماسٹر صاحب سے ملا۔ اس نے سارا قصہ ہیڈ ماسٹر صاحب کو سنایا اور پرس انہیں دے دیا۔ ہیڈ ماسٹر بڑے خوش ہوئے انہوں

نے پرس کے بارے میں اخبار میں خبر دے دی۔ جب ابوسفیان سیٹھ نے اس خبر کو پڑھا تو اسکول جا کر ہیڈ ماسٹر سے ملاقات کی۔ ہیڈ ماسٹر نے انھیں پہچان کر انھیں سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اور پرس ان کے حوالے کر دیا۔ سیٹھ جی نازش کی ایمانداری سے بہت خوش ہوئے اور سارا روپیا اس کے ماں باپ کو دیتے ہوئے کہا کہ یہ اس بچے کی پڑھائی پر خرچ کرنا۔

نازش نے بھی خوب دل لگا کر پڑھائی کی اور جب اس نے اپنی تعلیم مکمل کی تو سیٹھ صاحب نے اسے اپنی کمپنی میں منیجر کی نوکری دی۔ نازش نے بھی محنت اور ایمانداری سے کام کیا اور خوب ترقی کی۔

سچ ہے محنت اور ایمانداری کا پھل ہمیشہ اچھا ہوتا ہے۔

نازش اعظمی (پتا نہیں لکھا)

ٹھگوں کا شہر

کسی شہر میں گھوڑوں کا ایک سوداگر رہتا تھا اس کا ایک لڑکا تھا جس کا نام تھا سلیم۔ جب سوداگر بوڑھا ہو گیا اور سوداگری کرنے سے معذور ہو گیا تو ایک دن اس نے اپنے بیٹے کو بلایا اور کہا بیٹا اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تم میرے کاروبار میں ہاتھ بٹانا شروع کر دو۔ پھر اسے اچھی نسل کے دو گھوڑے دیے اور کہا کہ دور پہاڑی کے بعد دو شہر ہیں۔ وہاں گھوڑوں کے اچھے دام ملتے ہیں ایک شہر پہاڑ کا کے دائیں طرف ہے دوسرا بائیں طرف۔ تم بائیں طرف کے شہر میں جانا اور دائیں طرف کے شہر میں مت جانا۔ وہاں کے لوگ ٹھگ اور بے ایمان ہیں۔ تمھارا ایک اور بھائی تھا جس کو لے کر میں ایک بار دائیں طرف کے شہر میں گیا تھا وہاں کے لوگوں نے مجھے ٹھگ کر میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا۔ معلوم نہیں تمھارا بھائی زندہ بھی ہے یا نہیں۔ یہ کہہ کر بوڑھا رونے لگا۔ سلیم نے کہا کہ ابا جان آپ روئیں نہیں۔ میں دائیں طرف کے شہر میں نہیں جاؤں گا۔ اور پھر سلیم دونوں گھوڑوں کو لے کر چل دیا۔ جب وہ پہاڑ کے اوپر پہنچا تو اسے دونوں طرف کے شہر نظر آئے۔ داہنی طرف والا شہر بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔ اس نے سوچا پتا نہیں یہ شہر اندر سے کیسا لگتا ہوگا چل کر دیکھنا چاہیے وہ اپنے باپ کی نصیحت بھول گیا اور دونوں گھوڑوں کو لے کر داہنی طرف کے شہر میں اترنے لگا۔ اچانک اس کا پیر پھسل گیا اور دونوں گھوڑوں سمیت لڑھک کر نیچے گرنے لگا۔ نیچے ایک بڑا سا مینڈک بیٹھا ہوا تھا سلیم اسی پر جا کر گرا اور مینڈک مر گیا تبھی ایک بوڑھا وہاں دوڑتا ہوا آیا۔ اس نے مرے ہوئے مینڈک کو دیکھا اور زور زور سے ہائے میرا مینڈک بیٹا کہہ کر رونے لگا۔ بوڑھا گلا پھاڑ کر چلا رہا تھا اور لوگ وہاں جمع ہو رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہاں اچھی خاصی بھیڑ لگ گئی۔ بوڑھا روئے جا رہا تھا۔ کسی نے پوچھا بھئی کیوں رو رہے ہو؟ بوڑھے نے کہا کہ میرا کوئی لڑکا نہیں تھا تب میں نے ایک مینڈک کو گود لے لیا تھا اور اس کو اس آدمی نے مار ڈالا۔ سلیم تعجب میں پڑ گیا اور وہاں سے بھاگنے لگا مگر لوگوں نے پکڑ لیا اور کہا کہ اس کا بیٹا واپس کرو

ورنہ بادشاہ سے کہہ کر تمھیں سزا دلاتے ہیں
سلیم نے کہا کہ مجھے جانے دو۔ بوڑھے نے کہا
کہ ہم تمھیں تبھی جانے دیں گے جب تم اپنا
ایک گھوڑا دے دو۔ کیا؟ ایک مینڈک
کی قیمت ایک گھوڑا؟ سلیم نے تعجب سے
کہا۔ بوڑھے نے کہا۔ کیا ایک بیٹے کی قیمت
ایک گھوڑے سے کم ہے؟ آخر مجبور ہو کر اسے
ایک گھوڑا بوڑھے کے حوالے کرنا پڑا اور دوسرا
گھوڑا لے کر روتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ جب
رات ہوئی تو اسے بھوک ستانے لگی۔ اس
نے ایک مکان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ اندر سے
ایک آدمی نکلا۔ اس کی ایک آنکھ پھوٹی ہوئی
تھی۔ سلیم نے کہا کہ میں مسافر ہوں مجھے کچھ
کھانے اور رات بھر ٹھہرنے کو جگہ دو۔ کانا
اسے اندر لے گیا اور کھانا کھلا کر سونے کے
لیے بستر لگا دیا۔ صبح کو چلتے وقت اس نے
پوچھا "بھئی تم کہاں کے رہنے والے ہو اور
کون ہو؟" سلیم نے بتایا کہ میں پہاڑی کے
دوسری طرف کے شہر میں رہنے والے فلاں
سوداگر کا لڑکا ہوں۔ کانا چونکتے ہوئے بولا
کہ اچھا تم اس سوداگر کے لڑکے ہو! ایک
بار میں تمھارے شہر میں گیا تھا، وہاں میرا سارا
روپیا پیسا چوری ہو گیا تھا۔ میں نے تمھارے
باپ سے روپے قرض مانگے تھے۔ تمھارے
باپ نے کہا تھا کہ کوئی چیز گروی رکھو تب
روپے ملیں گے، میرے پاس کچھ نہیں تھا۔ آخر
میں نے اپنی ایک آنکھ نکال کر تمھارے باپ
کو دی تھی اب جلدی سے تم میری آنکھ لوٹاؤ
ورنہ ابھی تمھیں بادشاہ کے پاس لے چلتا
ہوں۔ سلیم نے لاکھ احتجاج کیا لیکن وہ نہ مانا۔
کہا کہ میں تمھیں چھوڑے دیتا ہوں بدلے میں
تم مجھے اپنا گھوڑا دے دو۔ آخر مجبور ہو کر
اسے وہ گھوڑا بھی دینا پڑا اور روتا ہوا وہاں
سے چل دیا۔ راستے میں ایک نوجوان ملا،
اس نے پوچھا بھئی کیوں رو رہے ہو؟
سلیم نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ نوجوان نے کہا
کہ تم بادشاہ کے پاس چلو وہاں تمھیں انصاف
مل جائے گا۔ دونوں چل دیے، راستے میں
سلیم نے ایک مینڈک پکڑ کر اپنی پگڑی میں
رکھ لیا۔

بادشاہ کے پاس جا کر سلیم نے اپنی آپ بیتی
سنائی۔ تب بادشاہ نے کانے اور بوڑھے
کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ دونوں کو
حاضر کیا گیا اور مقدمہ شروع ہوا۔ سلیم نے اپنی پگڑی
سے مینڈک کو نکالا اور کہا کہ یہ میرا بیٹا ہے اس
کو میں وہیں رکھ دیتا ہوں جہاں وہ مینڈک پڑا
تھا اس بوڑھے سے کہیں کہ میری ہی طرح
پہاڑ سے پھسل کر گرے اور میرے بیٹے کو مار
ڈالے اور میرا گھوڑا واپس کرے۔ بوڑھا بھلا
اس کے لیے کیسے تیار ہوتا۔ جلدی سے گھوڑا
سلیم کے حوالے کیا اور وہاں سے نو دو گیارہ

"ایک گرم دن تھا کھیل بہت آہستہ
چل رہا تھا جس کی وجہ سے تماشائی بہت بور
ہو رہے تھے بیٹسمینوں نے گزشتہ گھنٹے
کے دوران صرف تین رن بنائے تھے دفعتاً
گراؤنڈ کے باہر سے کسی کار کے سائلنسر سے
ہونے والے دھماکے کی آواز سنائی دی۔
ایک تماشائی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور چیخا
اب ہمیں اپنے گھروں کی طرف چل دینا چاہیے
اسکورر نے خود کشی کر لی ہے"

ہوگیا۔ بادشاہ اور درباری اس کی عقلمندی پر واہ واہ کر اٹھے — پھر کانے کا مقدمہ شروع ہوا۔ تب سلیم نے کہا۔ بادشاہ سلامت! ہمارے گھر میں اس طرح سیکڑوں آنکھیں پڑی ہیں میں کیسے پہچانوں کہ اس کے آنکھ کی جوڑی کون سی ہے؟ کانے سے کہیں کہ مجھے اپنی یہ آنکھ دے دے تاکہ میں اس کے آنکھ کی جوڑ کا ملا کر لاسکوں۔ کانا بھلا اپنی بچی کچی اکلوتی آنکھ دینے کو کیوں تیار ہوتا؟ اس نے گھوڑا سلیم کے حوالے کر، بھاگنے میں ہی اپنی خیریت سمجھی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور سلیم کو بہت سارا انعام دے کر روانہ کیا۔ نوجوان نے کہا کہ چلو میں تمھیں شہر کے باہر تک چھوڑ آؤں ورنہ پھر تمھیں کوئی ٹھگ لے گا۔ دونوں جانے لگے باتوں ہی باتوں میں پتا چلا کہ یہ نوجوان اس کا بچھڑا بھائی ہی ہے، دونوں بہت خوش ہوئے، وہاں سے نکل کر دوسرے شہر میں گئے اور گھوڑوں کو اچھی خاصی قیمت میں بیچا اور خوشی خوشی اپنے گھر پہنچ گئے۔ بوڑھا سوداگر دونوں بیٹوں کو پاکر نہال ہوگیا۔

ایمن الدین، معہد عثمان بن عفان بجامعہ نگر نئی دہلی

بزرگوں کا ادب

ایک دن کی بات ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپؐ نے فرمایا: "وہ کون سا درخت ہے جو فضیلت میں مسلمان سے ملتا جلتا ہے ہر سال پھل دیتا ہے اور اس پر خزاں بھی نہیں آتی"۔

دونوں بزرگ یہ پہیلی نہ بوجھ سکے حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ بھی موجود تھے وہ اس پہیلی کو فوراً بوجھ گئے، دل میں آیا کہ کہہ دیں کہ وہ کھجور کا درخت ہے مگر چونکہ ان کے ابا میاں اور دوسرے بزرگ خاموش تھے اس لیے انھوں نے بولنا بے ادبی سمجھا اور بوجھ جانے پر بھی خاموش رہے۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو کہا "بیٹے! جب تمھیں معلوم تھا تو کیوں نہ بتایا، اگر اس وقت بتا دیتے تو میں تم سے بہت خوش ہوتا کہ جس پہیلی کو کوئی نہ سمجھ سکا اسے ہمارا منا بیٹا بوجھ گیا۔ حضرت عبداللہؓ بولے "ابو میاں جب آپؓ اور حضرت ابوبکرؓ نہیں بولے تو میں کیسے بول پڑتا بزرگوں کے درمیان بولنا بے ادبی ہوتی ہے اس لیے میں خاموش رہا۔ حضرت عمرؓ اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کے اس جواب سے بہت خوش ہوئے۔

عاصمہ شبیر عرشی معرفت مولانا شفیق الرحمٰن، ندوہ

عقلمند لڑکی

ایک گاؤں میں ایک شہد بیچنے والا اور ایک کسان رہتے تھے۔ ایک دن دونوں میں لڑائی چھڑ گئی۔ دونوں سرپنچ کے پاس گئے۔ ان کی شکایت سن کر سرپنچ نے کہا کہ تم دونوں میرے تین سوالوں کے جواب دو —

پہلا یہ کہ تم اس دنیا میں کیوں آئے؟

دوسرا: یہ کہ سب سے میٹھی چیز کیا ہے؟

آخری سوال یہ تھا کہ اگر تمھیں سونا مل جائے تو تم کیا کروگے؟

دونوں نے کہا کہ ہم اس کا جواب دے سکتے ہیں لیکن ہمیں مہلت دی جائے۔ سرپنچ نے کہا کہ میں ایک ہفتے کی مہلت دیتا ہوں۔

جاؤ اور ٹھیک ایک ہفتے کے بعد آنا سوالوں
کے جوابات کے ساتھ۔ آہستہ آہستہ دن گزرتے
گئے۔ کسان بہت پریشان تھا۔ اس کی ایک بیٹی
تھی۔ اس نے اپنے باپ کو پریشان دیکھا تو پوچھ
لیا کہ کیا بات ہے باپو۔ تم کچھ پریشان دکھائی
دیتے ہو۔ کسان نے ساری بات بیٹی کو بتائی۔
وہ بہت سمجھ دار تھی اس نے کچھ سوچا اور
اپنے باپ کے کان میں کچھ کہا جسے سُن کر کسان
بہت خوش ہوا۔ ایک ہفتہ گزر گیا کسان اور
شہد بیچنے والا سرپنچ کے پاس پہنچے۔ سرپنچ نے
ان دونوں سے پوچھا کیا تم میرے سوالات کے
جوابات ڈھونڈ لائے ہو؟ ان جوابات میں سے
جس کے جوابات بہت اچھے لگیں گے میں
اسے وہ زمین دے دوں گا۔ ذرا ٹھہریے۔
میں یہ بتانا تو بھول ہی گئی کہ ان دونوں میں لڑائی
کیوں ہوئی۔ دراصل بات یہ تھی کہ ایک دن
کسان شہد بیچنے والے کے پاس گیا اور کہا میرے
پاس پیسے نہیں ہے یہ میری زمین گروی رکھ لو۔
اور مجھے کچھ روپے دے دو۔ شہد بیچنے والے
نے چالاکی سے کہا کہ اچھا میں تمھیں سو روپے
دے دیتا ہوں لیکن اس کا سود نہیں لوں گا۔
ایک مہینے بعد دے دینا کیونکہ تم میرے پُرانے
دوست ہو۔ کسان روپے گھر لے گیا اور اس
سے اپنی ضرورت کو پوری کر لی۔ ایک مہینے بعد جب
کسان شہد بیچنے والے کے پاس گیا اور کہا کہ
تمھارا بہت بہت شکریہ۔ اگر تم مجھے پیسے نہ
دیتے تو میں کہیں کا نہیں رہتا۔ اب یہ پیسے لے لو
اور زمین واپس دے دو۔ تو شہد بیچنے والے
نے کہا کہ اب وہ زمین میری ہو گئی۔ اگر وہ زمین
تم لینا چاہتے ہو تو اس کے دو ہزار روپے دینا
پڑیں گے۔ کسان پریشان ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم
ایسا نہیں کر سکتے۔ میں نے تمھیں کیا سمجھا تھا
اور تم کیا نکلے۔ ٹھہرو میں ابھی پنچایت بٹھاتا
ہوں۔ دونوں سرپنچ کے پاس گئے۔ اب
سنیے ان دونوں سے سرپنچ کی بات چیت۔
سرپنچ نے پہلے شہد بیچنے والے سے کہا کہ
میرا پہلا سوال یہ ہے کہ تم اس دنیا میں کیوں
آئے؟

شہد بیچنے والے نے کہا کہ سرکار میں شہد
بیچتا ہوں۔ اس لیے ظاہر ہے میں شہد بیچنے
کے لیے ہی دنیا میں آیا ہوں۔ اس پر سرپنچ خاموش
رہا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا کہ میرا دوسرا
سوال یہ تھا کہ سب سے میٹھی چیز کیا ہے؟

"حضور سب سے میٹھی چیز تو میرے شہد
سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی۔"

"میرا تیسرا سوال یہ ہے اگر تمھیں سونا مل
جائے تو تم کیا کرو گے؟"

شہد بیچنے والے نے کہا۔ میں اسے

ایک آدمی کو یہ وہم ہو گیا کہ اس کے پیٹ
میں بلّی ہے۔ ڈاکٹروں کے سمجھانے کے
باوجود اس کے دل سے یہ وہم نہ نکلا۔
اتفاق سے کئی سال بعد اس کی آنت کا منہ
بڑھ گیا اور آپریشن کرانا پڑا۔ ڈاکٹروں نے
سوچا یہ موقع اچھا ہے۔ انھوں نے
آپریشن کر کے اس کو ایک کالی بلّی دکھا کر
کہا۔

"بھلا ہم نے تمھارے پیٹ سے
بلّی نکال دی۔"

مریض نے کہا۔ غلط، وہ سفید بلّی
تھی۔"

بیچ کر شہد خریدوں گا۔"

سرپنچ نے کسان سے کہا کہ اب تمھاری باری ہے میرا پہلا سوال یہ ہے کہ تم اس دنیا میں کیوں آئے؟

"جی میں کسان ہوں اور کسان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اناج اُگائے اور دوسروں کو مہیا کرکے انھیں سکھ اور آرام دے۔ بھگوان نے مجھے اس لیے پیدا کیا کہ میں دوسروں کو بھوکا پیاسا نہ چھوڑوں اس کے بھگتوں کی سیوا اُس کی سیوا ہوا کرتی ہے" سرپنچ نے کہا میرا دوسرا سوال ہے کہ سب سے میٹھی چیز کیا ہے؟ اس پر کسان نے جواب دیا "سب سے میٹھی چیز سچی بات ہوتی ہے۔" سرپنچ نے کہا "میرا تیسرا اور آخری سوال ہے کہ اگر تمھیں سونا مل جائے تو تم کیا کروگے؟" کسان نے کہا اگر مجھے مل جا تو میں اس سونے کو آپ کو دے دوں گا کیونکہ سونا میرے کام کا نہیں ہے آپ کے کام کا ہے۔"

سرپنچ ان جوابات سے بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ تم نے ایسے جوابات دیے جو صرف سمجھ دار لوگ ہی دے سکتے ہیں۔ سچ سچ بتاؤ کہ تمھیں یہ جوابات کس نے بتائے؟ کسان نے کہا کہ میری ایک بیٹی ہے اس نے مجھے یہ جوابات بتائے۔ سرپنچ نے حکم دیا کہ کوئی اس کی بیٹی کو بلا لائے۔ کسان کی بیٹی پنچایت میں پہنچی تو سرپنچ نے کہا کہ تم تو بہت عقلمند ہو۔ تمھارے باپ نے جو جوابات آج دیے ہیں اس سے میں بہت خوش ہوا۔ کسان کی بیٹی نے کہا لیکن سرپنچ جی آپ نے فیصلہ نہیں سنایا۔ آخر میں سرپنچ نے یہ فیصلہ سنایا کہ زمین کسان کو مل جانی چاہیے۔ اور حکم دیا کہ اس سمجھدار لڑکی کو پنچایت میں شامل کر لیا جائے۔ شہد بیچنے والا اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

لبنیٰ غزالہ، گلی نمبر ۵، ۹۲۲۵۰۵ نلگنڈہ

"ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا، بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ" — سر سید احمد خاں

ماہنامہ

پیام تعلیم

نئی دہلی ۲۵

اکتوبر ۱۹۹۵ء جلد ۴۳ شمارہ ۱۰

فی پرچہ 5 روپے سالانہ 40/=

سرکاری اداروں سے 65/= روپے

رجسٹری سے منگانے کی صورت میں مزید ۱۵ روپے خرچ آئے گا

غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/= روپے

اڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اُردو بازار، دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچّوں سے باتیں

لیجیے اکتوبر کا شمارہ حاضر ہے۔ اس مہینے میں گاندھی جینتی بھی ہے۔ دسہرہ بھی اور دیوالی بھی۔ آپ کے تو مزے ہو گئے چھٹیاں ہی چھٹیاں۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر آپ ان چھٹیوں میں اپنے پیام تعلیم کی اشاعت بڑھانے کے لیے اپنے اپنے شہر کے ایسے اسکولوں اور مدرسوں کے نام اور پتے لکھ کر ہم کو بھیج دیں جہاں آپ کی مادری زبان، اردو کی تعلیم دی جاتی ہو تاکہ ہم ان سے رابطہ قائم کر سکیں اس طرح نہ صرف پیام تعلیم کے خریدار بڑھیں گے بلکہ آپ کے حلقۂ احباب میں اضافہ ہوگا اور آپ کی نگارشات کے پڑھنے والوں کی تعداد بھی بڑھے گی۔ اس سلسلے میں ہم آپ کے خطوط کا بہت بے چینی سے انتظار کریں گے۔

ڈاک خانے والوں کی لاپروائی نے ہماری کمر توڑ کر رکھ دی ہے۔ ہر ماہ دو ڈھائی سو پرچے غائب ہو رہا ہے شکایتیں کرتے رہتے ہیں مگر اب سننے والا کوئی نہیں ہے۔ احمد خاں خلیل کا سائنسی مضمون بھی ڈاک خانے کی نذر ہو گیا۔ اسی لیے اب تک نہیں ملا ورنہ شائع کر دیا جاتا۔

پرنٹر، پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

معراج

پیکٹ کا راز

ایک خاتون نے دوسری عورت سے پوچھا کہ جنت میں مردوں کو حوریں ملیں گی تو عورتوں کو کیا ملے گا؟ دوسری عورت نے جواب دیا۔ اپنے اپنے خاوند ملیں گے۔ پہلی عورت نے کہا "دفع کرو۔ پھر کیا فائدہ ہوا مرنے کا؟

گرمیوں کے دن تھے۔ دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ میں بغداد کے ایک مصروف بازار سے گزر رہا تھا۔ کھانے کا وقفہ ہو چکا تھا، اس لیے دفتروں سے لوگ نکل رہے تھے اور کھانا کھانے کے لیے ہوٹلوں اور ریستورانوں کی طرف جا رہے تھے۔ نہ جانے میں کس خیال میں مگن تھا کہ میرا پاؤں پھسلا اور میں کیچڑ میں جا گرا۔ میرے ہاتھ پاؤں اور کپڑے کیچڑ میں لت پت ہو گئے۔ ذرا سی دیر میں میرے گرد لوگوں کا ایک ہجوم جمع ہو گیا۔ وہ میری حالت دیکھ کر ہنس رہے تھے اور میرا مذاق اڑا رہے تھے لیکن کسی کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ مجھے اٹھاتا۔ اتنے میں ایک لال کوٹ والی لڑکی مجمع کو چیرتی ہوئی آگے آئی اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے کیچڑ سے نکالا۔ اس نے بہت نرم اور میٹھی آواز میں کہا:

"تم ٹھیک تو ہو نا؟ بھائی، تمھیں کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟ سامنے پارک میں جا کر تم اپنا منہ ہاتھ دھو لو۔" میں نے اس مہربان لڑکی کا شکریہ ادا کیا اور پارک کی طرف بھاگا۔

میں نے سرکاری نل کے پانی سے ہاتھ منہ دھویا اور کپڑوں سے مٹی اور کیچڑ صاف کی۔ پھر مہندی کی باڑ کے

پیچھے ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور کپڑوں کے خشک ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد مہندی کی باڑ کی دوسری طرف بنچ پر ایک لڑکی آکر بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر بعد ایک مرد بھی وہاں آگیا۔

لڑکی نے بہت میٹھی اور نرم آواز میں کہا، "بھائی کاظم، تم نے مجھے یہاں آنے کے لیے کیوں کہا؟ تمھیں جو کچھ کہنا تھا وہ ٹیلی فون پر ہی کہہ ڈالتے۔" لڑکی کی آواز سنتے ہی میں پہچان گیا کہ یہ وہی لال کوٹ والی لڑکی ہے۔ مرد نے جواب میں کہا، "فرحانہ، ہر بات ٹیلی فون پر نہیں کہی جا سکتی۔ تم فوراً سلطانیہ محلہ کی دکان نمبر ۵ پر جاؤ اور جمی سے ملو۔ اُس سے کہنا کہ سکندر کی چیزیں دے دو۔"

فرحانہ حیران ہو کر بولی، "سکندر؟ یہ سکندر کون ہے بھائی جان؟"

کاظم بولا، "یہ میرا ایک دوست ہے۔"

فرحانہ بولی، "آپ یہ چیزیں اپنے دوست کو خود کیوں نہیں پہنچا دیتے؟" کاظم جھنجھلا کر بولا، "بیوقوف لڑکی، فضول قسم کے سوال مت کرو۔ جیسے میں کہتا ہوں، تمھیں ویسے ہی کرنا ہوگا۔"

شاید فرحانہ کاظم کو غصّے میں دیکھ کر ڈر گئی تھی۔ وہ بہت سہمی ہوئی آواز میں بولی، "بھائی جان، آپ ناراض نہ ہوں۔ آپ جو کچھ کہیں گے میں وہی کروں گی۔"

کاظم نے کہا، "پہلے تم محلہ سلطانیہ کی دکان نمبر پانچ پر جا کر جمی سے ملنا اور اس سے سکندر کی چیزیں طلب کرنا۔ وہ تمھیں ایک پیکٹ دے گا۔ تم یہ پیکٹ لے کر پانچ بجے عثمانیہ چوک پہنچ جانا تمھیں وہاں ایک لمبا سا شخص بجلی کے کھمبے کے پاس کھڑا ہوا ملے گا۔ اس نے سیاہ رنگ کا چُغہ پہن رکھا ہوگا۔ سر اور منہ پر دھاری دار رومال لپیٹ رکھا ہوگا۔ یہی شخص سکندر

ہے۔ تم یہ چیزیں اس کے حوالے کر دینا۔ خبردار، بہت احتیاط سے کام کرنا۔"
کچھ دیر بعد وہ دونوں پارک سے چلے گئے۔ میں بھی اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ ابھی میں کچھ دور ہی گیا تھا کہ میری نظر لال کوٹ والی لڑکی (فرحانہ) پر پڑی۔
وہ لڑکی مجھ سے چند قدم ہی آگے آگے جا رہی تھی۔ ایک جگہ اس نے سڑک پار کرنی چاہی۔ وہ دائیں بائیں دیکھے بغیر ہی چل پڑی۔ اچانک ایک کار کے بریک لگنے کی آواز سنائی دی۔ کسی راہ گیر نے زور سے چلا کر کہا "ارے مار ڈالا غریب کو!" اس کے ساتھ ہی لوگوں کا ایک مجمع لال کوٹ والی لڑکی کے گرد اکٹھا ہوگیا۔ وہ اب سڑک پر بیہوش پڑی ہوئی تھی۔
ڈرائیور کا چہرہ فق ہو رہا تھا۔ وہ ہکلاتے ہوئے بولا "بھائیو، اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ ان صاحبہ نے جلدی میں سڑک پار کرنی چاہی جس کی وجہ سے یہ حادثہ پیش آگیا۔"
ایک عورت نے ڈرائیور کی تائید کی اور کہا "بیچارا ڈرائیور بے قصور ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ لڑکی نے دیکھے بھالے بغیر سڑک پار کرنی چاہی تھی۔" عین اسی وقت پولیس انسپکٹر عبدل بھی ادھر آنکلے۔ انھوں نے رپورٹ تیار کی اور چشم دید گواہوں کے بیانات لکھے۔ پھر ایک ایمبولینس کے سائرن کی آواز سنائی دی۔ لوگوں نے بیہوش لڑکی کو ایمبولینس میں سوار کر دیا۔ پھر میں نے چچا عبدل سے پوچھا کہ کیا اس لڑکی کو بہت زیادہ چوٹ آئی ہے؟ وہ سر کھجا کر بولے "میرا خیال ہے کہ کار نے لڑکی کو چھوا تک نہیں ہے۔ یہ صرف صدمے سے اور دہشت سے بیہوش ہو کر گری ہے۔ سڑک پر گرنے سے اسے کافی چوٹ آئی ہے۔ ممکن ہے کہ اسے دو چار دن ہسپتال میں رہنا پڑے۔"
میں اپنے گھر کی طرف چلا۔ راستے میں میرا ذہن اسی واقعے میں الجھا رہا۔ میرے ذہن میں بار بار یہی جملہ گونجتا رہا "تم سلطانیہ محلے کی دکان نمبر پانچ میں جمی سے ملنا اور اس سے سکندر کی چیزیں طلب کرنا۔"
پتا نہیں وہ کیا چیزیں تھیں جو سکندر کو پہنچانی تھیں؟ بار بار میرے دل میں

یہ خیال آتا کہ اس لڑکی (یعنی فرحانہ) کے بجائے اب مجھے یہ کام کرنا چاہیے۔ اگر یہ چیزیں سکندر کو وقت پر نہ ملیں تو وہ کسی مشکل میں گرفتار ہو سکتا ہے۔ آخر میں نے فیصلہ کر لیا کہ مجھے اس دکان دار سے وہ پیکیٹ لے لینا چاہیے۔ میں نے ایک قریبی ٹیلی فون بوتھ سے اپنی دادی جان کو فون کیا کہ مجھے ایک ضروری پیغام ایک صاحب کو پہنچانا ہے نہ معلوم وہاں کتنی دیر لگ جائے، اس لیے آپ میرا انتظار نہ کیجیے گا۔"

دادی جان نے شفقت بھرے لہجے میں کہا "گڈو بیٹے ذرا خیال رکھنا سڑک احتیاط سے دیکھ بھال کر پار کرنا اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

اس کے بعد امی جان کی آواز سنائی دی۔ انھوں نے تیز لہجے میں کہا، "پتا نہیں اس لڑکے کو کیا ہو گیا ہے۔ ہر وقت آوارہ گردی میں لگا رہتا ہے۔" پھر انھوں نے مجھے ٹیلی فون پر بہت ڈانٹ پلائی اور کہا "فوراً گھر آجاؤ۔"

میں نے نرمی سے کہا "نہیں امی جان، مجھے افسوس ہے کہ میں گھر نہ آسکوں گا دراصل یہ پیغام بہت ضروری ہے۔ اچھا امی جان، مجھے دیر ہو رہی ہے۔ اللہ حافظ۔"

یہ کہہ کر میں نے ٹیلی فون بند کر دیا اور سلطانیہ محلے کی طرف دوڑا۔ آدھے گھنٹے بعد میں سلطانیہ محلے کی پانچویں دکان کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ ایک چھوٹی سی دکان تھی کچھ گاہک دکان کے سامنے کھڑے تھے۔ میں انھیں ہٹاتا ہوا دکان دار تک پہنچا اور اس سے آہستہ سے کہا "کیا میں جمّی سے مل سکتا ہوں؟" وہ شخص بولا۔

"جی فرمایئے، میں ہی جمّی ہوں۔"

میں نے آواز دبا کر آہستہ سے کہا "میں سکندر کا پیکیٹ لینے آیا ہوں۔"

جمّی پریشان ہو کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ پھر وہ مجھے ہاتھ پکڑ کر دکان کے اندر لے گیا۔ وہ بہت آہستہ سے بولا "مجھے تو کاظم نے بتایا تھا کہ پیکیٹ وصول کرنے کے لیے ایک لڑکی آئے گی۔"

میں نے کہا "جی ہاں! آپ نے درست فرمایا۔ یہ پیکیٹ وصول کرنے کے لیے آپا فرحانہ کو آنا تھا لیکن بد قسمتی سے انھیں ایک حادثے میں چوٹیں آئی ہیں اس وقت وہ سرکاری اسپتال میں ہیں۔ انھوں نے مجھے اس کام کے لیے بھیجا ہے اگر آپ چاہیں تو اسپتال ٹیلی فون کر کے تصدیق کر سکتے ہیں۔"

پتا نہیں میں نے اتنا جھوٹ کس طرح بول ڈالا تھا۔ جمی کو میری باتوں پر یقین آگیا۔ وہ بولا "اچھا تو یہ بات ہے، تم ذرا دیر ٹھہرو۔ میں ابھی سکندر کا سامان تمھیں لا دیتا ہوں،، وہ دروازہ کھول کر ایک کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک پیکٹ تھا۔ اس پر جگہ جگہ مہریں لگی ہوئی تھیں۔ وہ بولا۔ "اس پیکٹ کا خاص خیال رکھنا۔ خبردار یہ کسی اور کو مت دینا۔ تم یہ پیکٹ صرف سکندر ہی کو دو گے" جب میں چلنے لگا تو اس نے ایک مرتبہ پھر تاکید کی۔ جب میں وہاں سے چلا تو میرے دل میں دھکڑ پکڑ سی ہونے لگی۔
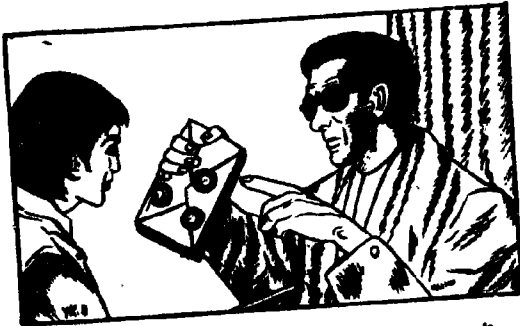
"آخر اس پیکٹ میں ایسی کیا چیز ہے جس کے لیے جمی نے بار بار تاکید کی کہ اس کا خاص خیال رکھوں۔ کیا اس میں کوئی مشکوک چیز تو نہیں ہے؟ چوری کا مال یا چرس افیون تو نہیں ہے؟ یا اللہ میں بیٹھے بٹھائے کس مصیبت میں پھنس گیا ہوں"

میں سوچنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیے؟ آخر ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح میرے ذہن میں لپکا۔ میں سیدھا چچا عبدل کے پاس تھانے پہنچا۔ خوش قسمتی سے وہ دفتر میں موجود تھے۔ میں نے انھیں سارا واقعہ سنایا۔ چچا عبدل بولے "دیکھو برخوردار تم کسی کام میں اکیلے ہاتھ مت ڈالنا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو جاتی تو تم مصیبت میں پھنس جاتے۔ یہ اچھا ہوا کہ تم سیدھے میرے پاس آگئے ہو۔ اب جیسا میں کہوں تم ویسا ہی کرنا"

میں نے کہا "جی فرمائیے،،

عبدل نے کہا "تم یہ سب واقعہ ڈی آئی جی کو بتا دینا"

یہ کہہ کر چچا عبدل نے ہیڈ آفس میں ڈی آئی جی صاحب کو ٹیلی فون کیا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی آگئے۔ چچا عبدل نے میرا تعارف کروایا۔

جب میں وہ واقعہ دُہرا رہا تھا تو میری زبان لڑکھڑا رہی تھی اور گھبراہٹ سے بُرا حال تھا۔ انسپکٹر صاحب ہنس کر بولے "میاں، تم گھبراؤ نہیں۔ تم تو پولیس کی مدد کر رہے ہو۔ اس لیے تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔"

میں نے ہکلاتے ہوئے کہا "مجھے یقین ہے کہ اس پیکٹ میں کوئی خراب چیز بند ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ آپ مجھے بھی ان لوگوں کا ساتھی نہ سمجھ لیں۔"

انسپکٹر صاحب نے پھر کہا "بیٹا میں یقین دلاتا ہوں کہ تمھیں کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اب تم ذرا دیر کے لیے پیکٹ مجھے دے دو تاکہ میں اس کا معائنہ کر کے بتا سکوں کہ اسے اس شخص تک پہنچانا چاہیے یا نہیں؟"

چچا عبدل بولے "میرا خیال ہے کہ تم نے کھانا بھی نہیں کھایا ہے۔" یہ کہہ کر انھوں نے ایک پولیس کانسٹبل کو آواز دی اور کھانا لانے کو کہا۔

چچا عبدل اور ڈی آئی جی صاحب تو ایک کمرے میں چلے گئے اور میں باہر پلاؤ اور مرغ قورمے سے لطف اندوز ہوتا رہا۔

کافی دیر بعد وہ دونوں کمرے سے برآمد ہوئے۔ میں نے چھوٹتے ہی پوچھا "اس پیکٹ میں کیا ہے؟ کیا چوری کا مال ہے یا چرس افیون وغیرہ؟"

ڈی آئی جی مسکرا کر بولے "نہیں بھئی، اس میں ایسی کوئی چیز بند نہیں ہے۔ اگر تم اس شخص کو کوئی شبہہ پیدا ہوئے بغیر یہ پیکٹ پہنچا دو تو تم پولیس کی بہت مدد کرو گے۔"

میں نے پیکٹ ہاتھ میں لیا۔ میں نے اچھی طرح دیکھا، پیکٹ بالکل بند تھا۔ اس پر لگی ہوئی مہریں بھی بالکل ویسی کی ویسی تھیں۔ میرے دل میں شبہہ ضرور تھا کہ پولیس والوں کو پیکٹ میں موجود چیزوں کا علم ضرور ہے۔

شاید چچا عبدل نے میرے دل کی بات بھانپ لی تھی۔ وہ بولے "ابھی تم کوئی بات نہ پوچھو، میں تمھیں کل پیکٹ میں موجود چیزوں کے بارے میں بتاؤں گا! اس کے علاوہ اور بھی بہت دلچسپ اور سنسنی خیز باتیں سناؤں گا۔"

ڈی آئی جی صاحب نے مسکرا کر کہا "میاں ذرا بتاؤ تو سہی کہ جب تم یہ پیکٹ سکندر کے پاس لے جاؤ گے تو اس سے کیا کہو گے؟"

میں جھٹ سے بولا، "میں کہوں گا کہ آپا فرحانہ کو حادثہ پیش آگیا ہے۔ انھوں نے یہ پیکٹ مجھے دیا ہے اور تاکید کی ہے کہ اسے فوراً تمھیں پہنچا دوں۔ میں یہ پیکٹ اسے دیتے ہی وہاں سے کھسک جاؤں گا تاکہ اسے سوال و جواب کا موقع نہ مل سکے۔"

انسپکٹر صاحب بولے، "واہ بھئی، تم تو میری توقع سے کہیں زیادہ ہوشیار اور سمجھ دار نکلے۔ تم سکندر سے بھی کچھ کہنا اور سنو، تم کوئی فکر بالکل نہ کرنا۔ میں اور میرے ساتھی تمھاری حفاظت کے لیے وہیں موجود رہیں گے۔"

چچا عبدل نے کہا، "اچھا اب تم چلو، زیادہ دیر مناسب نہیں۔ کچھ دیر کے لیے گھر ضرور ہوتے جانا۔ مجھے یقین ہے کہ تمھاری دادی اور امّی بہت فکر مند اور پریشان بیٹھی ہوں گی۔"

جب میں گھر میں داخل ہوا تو امّی مجھے دیکھتے ہی پھٹ پڑیں۔ انھوں نے مجھے خوب ڈانٹ پلائی۔ جب ان کا غصّہ ذرا کم ہوا تو بولیں، "ارے تم نے تو مجھے پریشان کر کے رکھ دیا ہے۔ اللہ جانے اس گرمی میں کہاں مارے مارے پھرتے رہے رہو۔"

میں نے آہستگی سے جواب دیا، "چچا عبدل کے ساتھ ڈاکوؤں کا سُراغ لگا رہا تھا۔"

امّی کا پارہ پھر چڑھ گیا۔ وہ بولیں، "کہاں ہے یہ عبدل؟ آئے تو سامنے، اس کی خوب خبر لوں گی۔"

میں نے چائے پی کر پیالی میز پر رکھی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے کہا، "امّی یقین مانیے کہ کام بے حد ضروری ہے۔ میں مغرب کے وقت تک گھر واپس آجاؤں گا۔ اچھا اب اجازت دیجیے۔" یہ کہہ کر میں باہر کی طرف بھاگا۔

پانچ بجے کے قریب جب میں عثمانیہ چوک پہنچا تو وہاں بہت بھیڑ تھی۔ میں بڑا پریشان ہوا کہ اس بھیڑ بھاڑ میں ایک شخص کا تلاش کرنا بے حد دشوار کام تھا پھر وہ مجھے اچانک ہی نظر آگیا۔ بجلی کے کھمبے کے پاس وہ سیاہ رنگ کا لمبا سا چغہ پہنے ہوئے کھڑا تھا۔ اس نے اپنا سر اور منہ ایک دھاری دار رومال سے ڈھک رکھا تھا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہی شخص سکندر ہے۔ میں اس کے پاس پہنچا اور

بہت آہستہ سے بولا، "بھائی، کیا آپ کا نام سکندر ہے؟"
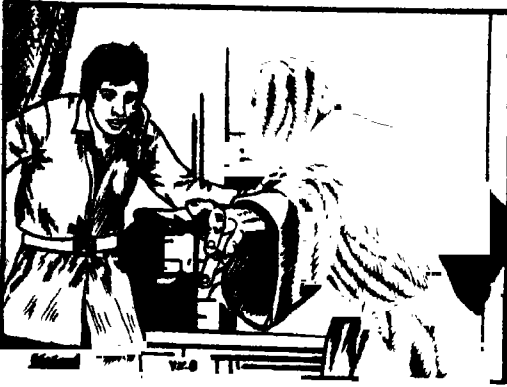
وہ شخص یوں اچھلا کہ جیسے اسے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا اور کہا، "تم کون ہو؟"

میں نے کہا، "میں آپا فرحانہ کا بھائی ہوں۔ دراصل آپ سے ملنے کے لیے وہ خود آنا چاہتی تھیں لیکن بدقسمتی سے اُن کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ وہ اسپتال میں داخل ہیں۔ انھوں نے یہ پیکٹ آپ کے لیے بھیجا ہے۔"

سکندر نے پوچھا، "کیا فرحانہ نے تمھیں بتایا ہے کہ اس پیکٹ میں کیا ہے؟"

میں نے کہا، "مجھے افسوس ہے کہ آپا فرحانہ نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اچھا صاحب، اب آپ مجھے اجازت دیجیے، مجھے لوکل ٹرین سے فوراً واپس جانا ہے۔"

میں نے جلدی سے اسے پیکٹ تھمایا اور سلام کر کے وہاں سے بھاگا۔ راستے میں ایک شخص نے مسکرا کر بہت دبی دبی آواز میں کہا، "تم نے اپنا کام خوش اسلوبی سے پورا کر دیا ہے۔"

میں سمجھ گیا کہ یہ کوئی پولیس کا آدمی تھا جو میری حفاظت کے لیے مامور کیا گیا تھا۔

میرے سر سے بلا ٹلی تو میں نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا۔ میں خوشی خوشی گھر پہنچا۔ شام کے وقت کھانے کی میز پر سب کچھ موجود تھا لیکن امی جان کی ڈانٹ ڈپٹ سُن کر ہی طبیعت سیر ہو چکی تھی۔ میں کچھ کھائے بغیر ہی بستر پر لیٹ گیا۔ دن بھر کا تھکا ہارا تھا، اس لیے ایسی زوردار نیند آئی کہ صبح تک سوتا رہا۔

جب میں ناشتا کر رہا تھا تو چچا عبدل بھی آدھمکے۔ انھوں نے ڈنڈے سے دروازہ کھٹکھٹایا۔ امّی جان جل کر بولیں "لیجیے صبح سویرے ہی پولیس والوں کی صورت نظر آگئی۔"

چچا عبدل بولے "بھابی، آپ تو ناحق ناراض ہو رہی ہیں۔ آپ کا بیٹا تو اپنے باپ دادا کا نام روشن کرے گا۔" امّی غصّے سے باورچی خانے میں چلی گئیں۔ پھر وہ چچا عبدل کے لیے چائے بنا کر لائیں۔ چچا عبدل نے کہا "آج کا اخبار پڑھا آپ نے؟ کل شام ایک خطرناک مجرم گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس کی گرفتاری میں آپ کے ہونہار بیٹے نے بہت کام کیا ہے۔"

امّی جان حیرت سے مجھے دیکھنے لگیں۔ چچا عبدل نے ایک تصویر میز پر رکھ دی اور بولے "دیکھو میاں، کیا یہ وہی شخص سکندر نہیں ہے جسے تم نے پیکٹ دیا تھا؟"

میں نے سرسری نظر سے تصویر دیکھی اور کہا "نہیں، یہ وہ شخص نہیں ہے۔"

چچا عبدل قہقہہ مار کر بولے "اسی لیے تو میں کہتا تھا کہ آنکھیں کھلی رکھنا۔ ذرا اس کی سیاہ داڑھی، چشمہ اور ہیٹ ہٹا کر تو دیکھو۔ کیا سمجھے؟"

میں بے اختیار بول اٹھا "اوہو، یہ تو وہی شخص لگ رہا ہے۔"

چچا عبدل نے کہا "جانتے ہو اس پیکٹ میں کیا تھا؟ اس پیکٹ میں غیر ملکی کرنسی (نوٹ)، ایک عدد پاسپورٹ اور دوسرے جعلی کاغذات تھے۔ وہ مجرم ان کاغذات کے ذریعے سے ملک سے فرار ہو جاتا لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

میں جھٹ سے بول اٹھا "الٹی ہو گئیں سب تدبیریں"

چچا عبدل میری کمر تھپک کر بولے "اگر تم وہ پیکٹ ہمیں نہ دکھاتے تو ہم سر پٹختے رہ جاتے اور مجرم ہمارے ہاتھ نہ آتا۔"

میں نے کہا "چچا عبدل ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی، آخر کاظم خود وہ پیکٹ لے کر سکندر کے پاس کیوں نہیں چلا گیا۔" عبدل چچا نے قہقہہ لگا کر کہا "چور کا بھائی گرہ کٹ، کاظم خود بھی تو بھگوڑا مجرم ہے۔ اس نے فرحانہ کے ہاتھ اس لیے پیکٹ بھیجنا چاہا تھا تاکہ وہ پولیس کی نظروں میں نہ آجائے۔ کبھی

کبھی زیادہ احتیاط بھی مروا دیتی ہے۔"

چچا عبدل نے کچھ دیر بعد پھر کہا، اب کاظم اور سکندر دونوں ہی جیل کی ہوا کھا رہے ہیں۔ فرحانہ بے قصور تھی اس لیے اسے چھوڑ دیا گیا۔"

چائے پی کر عبدل چچا اٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے کہا، "حکومت نے کاظم اور سکندر کی گرفتاری کے لیے انعام مقرر کیا تھا۔"

یہ کہہ کر چچا عبدل نے جیب سے نوٹوں کی گڈی نکالی اور کہا، "یہ ڈھائی ہزار کے نوٹ ہیں، اس کے علاوہ اور بہت سے انعامات۔ اللہ حافظ

دیپاولی

سعادت نظیر

جب برس بعد آتی ہے "دیپاولی"
شام میں ہوتی ہے گھر گھر روشنی
دور کر دیتی ہے یہ تاریکیاں
اس سے روشن ہوتا ہے سارا جہاں
ہر طرف جلتے ہیں چاہت کے دیئے
مسکراتے ہیں محبت کے دیئے
کیا سہانا ہے یہ دیوں کا سماں
ہر سڑک بن جاتی ہے اک کہکشاں
ہے پٹاخوں کا نیا عالم کہیں
قہقہوں میں کھو گیا ہے غم کہیں
ہر جگہ خوشیوں کا اک بازار ہے
کیا کہوں میں کیسا یہ تہوار ہے
فیصلہ کرتا ہے یہ تقدیر کا
زندگی کی اک نئی تعمیر کا
یہ بڑھا دیتا ہے مہمانوں کا دل
یہ ملا دیتا ہے انسانوں کا دل
تیری آشاؤں کا یہ سندر نشاں
ہو مبارک تجھ کو اے "ہندوستاں"
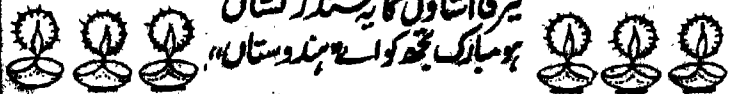
کیف احمد صدیقی

باپو

ہند والوں کی آن تھے باپو
سارے بھارت کی شان تھے باپو

مُفلس و تنگ دست لوگوں پر
دیش کے غم زدہ اچھوتوں پر
کس قدر مہربان تھے باپو
سارے بھارت کی شان تھے باپو

جو ہمیشہ مصیبتوں میں پلے
پھر بھی راہِ امید سے نہ ٹلے
عزم کی وہ چٹان تھے باپو
سارے بھارت کی شان تھے باپو

رات دن جور و ظلم سہتے تھے
بات جنتا کے دل کی کہتے تھے
قوم کے ترجمان تھے باپو
سارے بھارت کی شان تھے باپو

حق و انصاف و آدمیت کے
ملک کی باہمی محبت کے
کس قدر قدر دان تھے باپو
سارے بھارت کی شان تھے باپو

سب کے مذہب کی قدر کرتے تھے
حسنِ انسانیت پہ مرتے تھے
آدمیت کی جان تھے باپو
سارے بھارت کی شان تھے باپو

ہم سبھی کو دلا کے آزادی
جان دے دی برائے یکجہتی
ایکتا کے نشان تھے باپو
سارے بھارت کی شان تھے باپو

جو اہنسا پہ زور دیتے تھے
اور ہر دل کو جیت لیتے تھے
کیفؔ کتنے مہان تھے باپو

سارے بھارت کی شان تھے باپو
ہند والوں کی آن تھے باپو

ڈاکٹر محمد ثناء اللہ
حمدانی ہاسپٹل، ۱-۴ ۵۳/۱
بھولک پور، مشیر آباد، حیدر آباد

ہوائی جہاز کی کہانی

آئیے! ہم آپ کو ہوائی جہاز کی کہانی سُناتے ہیں۔ یہ بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ اس کہانی کو پڑھ کر آپ کو بڑا مزہ آئے گا۔ اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی معلومات میں اضافہ بھی ہوگا۔

اچھا! ایک بات بتائیے؟ کیا آپ کو کبھی ایر پورٹ جانے کا اتفاق ہوا ہے؟ کیا آپ نے کبھی ہوائی جہاز کو پرندوں کی طرح اُڑتے ہوئے دیکھا ہے؟ ہوائی جہاز کی زمین سے پرواز (جب وہ اُڑان بھرتے ہیں) اور جب وہ زمین (رن وے) پر اُترتے ہیں تو منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ دل مچلنے لگتا ہے۔ طبیعت میں گدگداہٹ سی محسوس ہوتی ہے اور جی چاہتا ہے کہ اگر خدا نے طاقت و ہمّت دی تو ایک بار ہوائی جہاز میں ضرور بیٹھیں۔ کیوں ہم نے ٹھیک کہا نا؟

اب آپ کا جی چاہتا ہوگا آخر یہ معلوم کریں کہ وہ کیسے انسان تھے، اُن کا کیسا اعلاء دماغ تھا جنھوں نے ایسی غیر معمولی چیز ایجاد کی۔

آپ کو یہ جان کر تعجب ہوگا کہ یہ دو بھائیوں کا کارنامہ ہے۔ ایک کا نام ولبر رائٹ WILBUR WRIGHT تھا اور دوسرے کا نام آروِلے رائٹ ORVILLE WRIGHT ولبر رائٹ WILBUR WRIGHT ۱۸۶۷ء میں مل وِلے انڈیانا MILVILLE INDIANA میں پیدا ہوا۔ اور دوسرا آروِلے رائٹ ORILLE WRIGHT نے ۱۸۷۱ء ڈیٹن اوہیو DAYTON, OHIO میں جنم لیا۔ اور حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کی تعلیم صرف ہائی اسکول تک ہوئی تھی لیکن دونوں نے قدرت سے غیر معمولی دماغ پایا تھا۔ ظاہر ہے کہ جب دو آدمی مل کر اپنی صلاحیتوں کو استعمال کرتے ہیں تو عظیم کام کر گزرتے ہیں

یہی کام ان دونوں نے کیا۔ ہم اس کو باہمی اتفاق کی برکت کا نتیجہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

ان کا باپ اڈیٹر تھا اور بعد میں "یونائیٹڈ برادرن چرچ" کا پادری بن گیا۔ اور ایک خاص بات یہ ہے کہ ان دونوں بھائیوں کو اس تحقیق میں یکساں دلچسپی تھی جبکہ ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ ہر بچہ ایک نیا رجحان، ایک نئی دلچسپی اور ایک نیا فن اختیار کرتا ہے مگر یہاں معاملہ کچھ اور تھا۔

۱۸۹۲ء میں انھوں نے سائکل ریپیر کی ایک دکان کھول رکھی تھی۔ جہاں سائکل ریپیر کی جاتیں، فروخت کی جاتیں اور تیار کی جاتیں۔ ان کی تحقیق میں معاشی ضروریات کی تکمیل کا یہی ایک ذریعہ تھا۔ اسی سے ان کی تمام ضروریات کی تکمیل ہو جاتی۔ آج ہم اس علم کو AERONANTICAL SCIENCE کہتے ہیں۔

ایسی بات نہ تھی کہ اس میدان میں کسی نے کوشش یا تحقیق کا آغاز نہ کیا ہو۔ کچھ لوگوں نے اس میدان میں اپنی تحقیق کو تحریری شکل دے رکھی تھی جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔ آٹو لیلنتھال، آکٹیو چینٹ، اور سامیول پی لینگلے۔

۱۸۹۹ء میں ان دونوں نے بذات خود اس فن میں دلچسپی لی اور چار سال کی محنت و مشقت کے بعد کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔ ان دونوں کے باہمی تعاون اور یک جہتی کا نتیجہ تھا کہ اس کا ثمر انھیں ملا اور کامیابی نصیب ہوئی۔

ہوائی جہاز بنانے سے قبل ان دونوں نے GLIDEARS گلائیڈرس کی مدد سے اڑنا سیکھا۔ یہ کام انھوں نے ۱۸۹۹ء میں شروع کیا۔

دن گزرتے گئے، گزرتے گئے۔ جب ہم کسی کام میں منہمک ہو جاتے ہیں تو پتا نہیں چلتا کہ وقت کس تیزی سے نکل رہا ہے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ ایک سال مکمل ہونے کو تھا کہ انھوں نے KITTY HAWK کٹی ہاک نامی گلائیڈر تیار کر لیا جو ایک آدمی کے لیے کافی تھا۔ اگرچہ یہ پوری طرح اطمینان بخش نہ تھا لیکن اس سے بہتر ۱۹۰۱ء میں، اور مزید بہتر ۱۹۰۲ء میں تیار کیا۔ اس میں انھیں بڑی حد تک کامیابی ملی۔ انھوں نے اس کے ذریعے بے شمار تجربات کیے۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ اس چھوٹی سی جہاز نما مشین سے انھوں نے کتنی

اڑانیں بھریں۔ ایک ہزار۔ بلکہ ایک ہزار سے بھی زیادہ۔ یہ دونوں بھائی دنیا کے بہترین GLIDER PILOTS تھے۔

آپ کو معلوم ہے کہ ان کے سامنے سب سے بڑا اور مشکل ترین مسئلہ کیا تھا؟ وہ تھا ہوائی جہاز کو ہوا میں کس طرح کنٹرول کیا جائے جبکہ وہ زمین و آسمان کے درمیان معلق رہتا ہے۔ ہاں! تو یہ کوئی آسان بات بھی نہ تھی کہ انسان ہوا میں معلق اپنا سفر طے کرتا چلا جائے، پرندے کی طرح اڑتا رہے اور اس اطمینان کے ساتھ کہ نہ اسے جان کا کوئی خوف ہو نہ کوئی خطرہ۔

بتلایئے! کیا یہ کوئی معمولی بات تھی؟ تھوڑی دیر کے لیے سوچیے، اگر مشین اچانک فیل ہو جائے یا اڑان بھرتے وقت یا زمین پر اترتے وقت جہاز کا توازن بگڑ جائے تو ان انسانوں کا کیا حال ہوگا جو اطمینان کے ساتھ اس میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہی تو ہے کمال؟

آج سائنس نے اتنی ترقی کرلی ہے کہ ایک نہیں بلکہ دو، تین اور بعض جہازوں میں چار انجن ہوتے ہیں اگر ایک فیل ہو جائے تو دوسرا AUTOMATICALLY کام کرنے لگتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ملک سے دوسرے ملک کو جانے کے لیے ہوائی جہاز کا سفر سب سے زیادہ محفوظ قرار دیا گیا ہے۔

فضا میں جہاز کو کس طرح قابو میں رکھا جائے اور Take off اور Landing کے وقت کس طرح کنٹرول کیا جائے۔ اس مسئلہ پر دونوں بھائیوں نے بہت بہت غور و فکر کیا۔ نئے نئے تجربات کیے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی کوششوں کو رائیگاں نہ ہونے دیا۔ اور وہ اپنی جد و جہد میں کامیاب ہو گئے۔ آپ نے سنا ہوگا، خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

ہوائی جہاز کے پروں کے Design کے سلسلہ میں انھوں نے بڑی کاوشیں کیں۔ اس لیے کہ یہی WINGS اڑان بھرنے اور اترنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

اچھا! تو پھر کیا ہوا؟ ۱۷ دسمبر ۱۹۰۳ء کو پہلی بار KITTY HAWK فضا میں اڑنے لگا۔ پہلی اڑان جس میں ORVILLE WRIGHT تھا ۱۲ سکنڈ رہی اور اس نے

۱۲۰ فٹ فاصلہ طے کیا۔ اس کے بھائی WILBUR WRIGHT کی آخری اڑان ۵۹ سکنڈ کے لیے تھی اور اس نے ۸۵۲ فٹ فاصلہ طے کیا۔

ان کا جہاز جس کا نام انھوں نے FLYER I رکھا جو آج KITTY HAWK کہلاتا ہے اس کی قیمت ایک ہزار ڈالر تھی اس کے پر ۴۰ فٹ اور جہاز کا وزن ۷۵۰ پاؤنڈ تھا۔ اس کا انجن ۱۲ ہارس پاور اور وزن ۱۷۰ پاؤنڈ تھا۔ آج بھی ان دونوں بھائیوں کا بنایا ہوا جہاز NATIONAL AEROSPACE MUSEUM واشنگٹن میں موجود ہے۔

اس کے بعد انھوں نے FLYER II بھی بنایا یہ سب سے بہتر اور عمدہ تھا۔ یہ خبر پھیلتی گئی۔ کچھ لوگوں نے یقین کیا اور بہت سوں نے اس کا مذاق اڑایا۔ لوگ اس بات کو تسلیم نہ کرتے کہ انسان نے فضاؤں میں اڑنا سیکھ لیا ہے۔ لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنے کے لیے انھوں نے فرانس میں Demonstration دیا۔ یعنی لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور اپنی کاریگری اور فن کا مظاہرہ کیا۔ لوگ انسان کو فضاؤں میں اڑتا ہوا دیکھ کر محو حیرت ہو گئے۔ Orville Wright امریکا میں اسی طرح اڑان بھر کر دکھا رہا تھا کہ ۱۷ ستمبر ۱۹۰۸ء کو اس کا جہاز زمین پر گر پڑا۔ ایک passenger ہلاک ہو گیا Orville کا ایک پیر ٹوٹا اور دونوں پسلیاں، لیکن وہ ٹھیک ہو گیا۔ اسی اثنا میں WILBUR WRIGHT ٹائی فائیڈ سے دوچار ہوا اور بالآخر ۱۹۱۲ء میں انتقال کر گیا۔ اس وقت اس کی عمر ۴۵ سال تھی۔

ہاں تو پیا میو! کیسی تھی ہوائی جہاز کی کہانی؟ تھی نا بڑی مزے دار اور دلچسپ؟ اچھا جب آپ بڑے ہوں گے اور اعلا جماعتوں میں جائیں گے تو آپ کو پتا چلے گا کہ ہوائی جہاز کس طرح اڑتا ہے اور اس کا Mechanical نظام کس طرح کام کرتا ہے۔

بُری بات

عتیق الرّحمٰن صدیقی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا : ”مومن تو ایک دوسرے کے بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان تعلقات کو درست کرو اور اللہ سے ڈرو۔ امید ہے کہ تم پر رحم کیا جائے گا۔“ (الحجرات)۔ حضرت جریر بن عبداللہ ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے تین باتوں پر بیعت لی تھی : ”ایک یہ کہ نماز قائم کروں گا، دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دیتا رہوں گا اور تیسرے یہ کہ ہر مسلمان کا خیر خواہ رہوں گا۔“ (الحدیث)

خیر خواہی یہ ہے کہ ہم ایک دوسرے کو اچھائی کی تلقین کریں، ذرا ذرا سی بات پر آپس میں نہ جھگڑیں، دوسروں کی ان کے پیٹھ پیچھے برائیاں نہ کریں، کسی کا مذاق نہ اڑائیں اور نہ کسی کو رسوا کریں۔ کوئی بھائی مشورہ طلب کرے تو اسے اچھا مشورہ دیں۔ زبان پر وہی کچھ لائیں جو ہمارے دل میں ہو۔ ہمارے حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان، مسلمان کا آئینہ ہے اور مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے۔ وہ اس کو بربادی سے بچاتا ہے اور پیچھے سے اس کی حفاظت کرتا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ جب دو آدمیوں یا دو گروہوں کے درمیان کسی مسئلے پر اختلاف پیدا ہوجاتا ہے یا کوئی رنجش ابھرتی ہے تو کچھ لوگ ان دو آدمیوں یا گروہوں کو ایک دوسرے کے قریب لانے کے بجائے انھیں دور کرنے کی کوششوں میں لگ جاتے ہیں۔ دونوں کے پاس پہنچتے ہیں اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور ایسی باتیں کرتے ہیں کہ دشمنی میں اضافہ ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو سامنے تو بڑی میٹھی میٹھی باتیں کرتے ہیں، بڑی چاہت اور محبت کا اظہار کرتے ہیں، مگر اس کے پیٹھ پیچھے اس کے عیب گننا شروع کردیتے ہیں۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جن کے پاس کوئی عہدہ یا منصب ہو لوگ ان کی بے جا تعریفیں کرتے ہیں۔ ان کی شان میں قصیدے پڑھتے ہیں، مگر ان کی غیر حاضری میں ان کی برائی کرتے ہیں۔

مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کے پوتے محمد بن زید کہتے ہیں کہ کچھ لوگ

میرے دادا عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے۔ انہوں نے کہا : "بادشاہ کی مجلس میں ہم کچھ اور کہتے ہیں اور وہاں سے ہٹنے کے بعد کچھ اور کہتے ہیں۔" حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جواب دیا : "ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے عہد مبارک میں اس کو منافقت کہتے تھے۔" نفاق کے معنی یہ ہیں کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پر کچھ گویا منافق جھوٹا بھی ہوتا ہے۔ اسی کو دو رُخا پن بھی کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے دو چہرے رکھنے والے کو بدترین آدمی کہا۔ فرمایا : "تم قیامت کے دن بدترین آدمی اس شخص کو پاؤ گے جو دنیا میں دو چہرے رکھتا تھا۔ کچھ لوگوں سے ایک چہرے کے ساتھ ملتا تھا اور دوسرے لوگوں سے دوسرے چہرے کے ساتھ۔" (الحدیث)
آپؐ نے یہ بھی فرمایا : "جو شخص دنیا میں دو رُخاپن اختیار کرے گا تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔"

ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے اطاعت گزار بندے بن کر رہیں۔ اپنے آپ کو اسی رنگ میں رنگ لیں جو اللہ کا رنگ ہے۔ اس سے زیادہ اچھا اور خوب صورت اور کسی کا رنگ نہیں۔ دو رنگی بہت ہی خراب عادت ہے،اس سے بچیں۔ اور پیارے نبی ﷺ کے طریقے کے مطابق زندگی گزاریں۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضور ﷺ نے کہا : "اے میرے پیارے بیٹے ! اگر تو اس طرح زندگی گزار سکے کہ تیرے دل میں کسی کی بدخواہی نہ ہو تو ایسی ہی زندگی بسر کر۔" پھر فرمایا : "اور یہی میرا طریقہ ہے (کہ میرے دل میں کسی کے لیے کھوٹ نہیں) اور جس نے میرے طریقے سے محبت کی تو بلاشبہ اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ رہے گا۔" (الحدیث)

دنیا میں سیکڑوں زہریلے جانور پائے جاتے ہیں، لیکن سائنس دانوں نے ایک مینڈک کو دنیا کا سب سے زہریلا جانور قرار دیا ہے۔ یہ مینڈک وسطی اور جنوبی امریکا کے جنگل میں پایا جاتا ہے۔ اس کی کھال کی اندرونی تہ میں زہر کے غدود ہوتے ہیں۔ یہ اتنا زہریلا ہوتا ہے کہ سانپ بھی اسے کھاتے ہوئے ڈرتا ہے۔ امریکا کے ریڈ انڈین ان مینڈکوں کا زہر اپنے تیروں پر لگاتے ہیں۔ جس جاندار کے یہ زہریلا تیر لگ جائے وہ چند منٹ میں تڑپ تڑپ کر مرجاتا ہے۔

مرسلہ : سید عامر علی بخاری
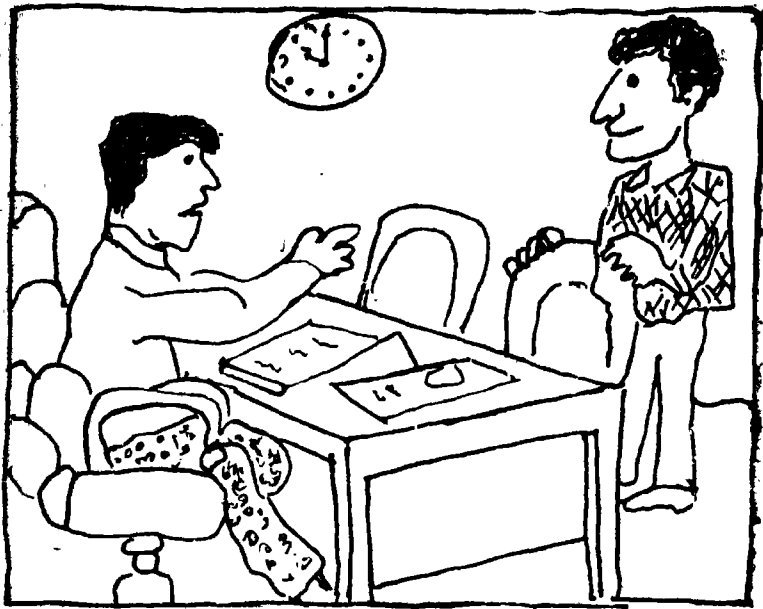
ایک خوبصورت مسکراتی تحریر

نیند بھی کیا چیز ہے!

یوسف ناظم

نیند ایک نعمت ہے اسی لیے اکثر لوگ سوتے ہیں تو بس سوتے ہی رہتے ہیں۔ بہتوں کو تو معلوم ہی نہیں ہے کہ صبح بھی کوئی چیز ہے۔ کسی دن غلطی سے سورج کو نکلتا دیکھ لیتے ہیں تو حیرت سے پوچھتے ہیں : "ہائیں یہ کیا ہو رہا ہے؟"

نیند کے متعلق عجیب عجیب باتیں بھی مشہور ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ نیند تو سولی پر بھی آجاتی ہے۔ اب یہ بھی کوئی مشہور کی جانے والی بات ہے بھلا۔ نیند کا سولی سے یا سولی کا نیند سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ سولی کی سزا کوئی ایسی ویسی سزا تو ہے نہیں کہ جسے چاہا سولی کی سزا سنادی۔ دس بیس لاکھ آدمیوں میں سے کوئی شخص ایسا ہوتا ہے جسے پھانسی کی سزا سنائی جاتی

ہے۔ وہ شخص سو کیسے سکے گا اور وہ بھی اسے دن جب اس سولی کے تختے پر چڑھایا جارہا ہو۔ محاورے بنانے والے بھی لوگ کیسی کیسی باتیں سوچا کرتے تھے۔ ہم سمجھتے ہیں ان کا مطلب یہ ہوگا کہ نیند کہیں بھی آسکتی ہے۔ اسے ہم مانتے ہیں' اسی لیے لوگ دفتروں' ریل گاڑیوں اور بسوں میں سوتے رہتے ہیں اور سوتے میں اپنے برابر بیٹھنے والے شخص کے کندھے پر اپنا سر بھی رکھ دیتے ہیں یا پھر دل لگاکر اس طرح اونگھتے ہیں کہ گرتے گرتے بچ جاتے ہیں۔

کچھ لوگ تو نیند میں چلنے کے بھی عادی ہوتے ہیں۔ انھیں پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ رات میں سوتے سوتے اٹھ کر سارے گھر کا چکر لگا آتے ہیں اور پھر سوجاتے ہیں۔ ان سے صبح پوچھو کہ بھائی صاحب ! آپ رات میں اتنی چہل قدمی کیوں کر رہے تھے تو انھیں یقین ہی نہیں آتا کہ وہ گھر میں ہر طرف گھوم رہے تھے جیسے کوئی چیز ڈھونڈ رہے ہوں۔

نیند میں چلنا ایک بیماری ہے اور مشکل بیماری یعنی اس کا علاج مشکل ہے اور خود ڈاکٹر کی بھی نیند اڑ جاتی ہے۔ نیند اتنی ضروری چیز ہے کہ مائیں بچوں کو ڈاکو آئے گا' تمھیں پکڑ لے جائے گا کہہ کر ڈراتی ہیں۔ بچہ سہم کر سوجاتا ہے۔ نرم دل مائیں البتہ بچوں کو لوری سنا کر سلاتی ہیں' لیکن ان کی لوری سن کر گھر کے دوسرے لوگ سوتے سے اٹھ جاتے ہیں۔ بچے جب سمجھ دار ہوجاتے ہیں یعنی ان میں تھوڑی سی بھی سمجھ آجاتی ہے تو وہ ماں سے کہہ دیتے ہیں : "امی ! اب لوری مت سنایئے' مجھے سونے دیجیے۔"

جن لوگوں کو نیند میں چلنے کی بیماری پسند نہیں ہے وہ سوتے میں خراٹے لیتے ہیں۔ کچھ لوگ تو اس کے ماہر ہوتے ہیں۔ ان کے خراٹوں کی آواز اتنی اونچی ہوتی ہے کہ گھر کے باہر بھی سنائی دیتی ہے اور محلے والے ان سے کہتے ہیں : "جناب ! آپ سوتے وقت لاؤڈ اسپیکر تو بند کردیا کریں۔" خراٹے لینے کی بھی کئی ترکیبیں ہیں۔ کچھ خراٹے ایسے ہوتے ہیں جیسے سو گز کی دوڑ ہورہی ہے۔ اس میں آدمی فراٹے بھرتا ہے۔ کچھ خراٹوں کے بیچ میں وقفہ ہوتا ہے۔ ایک لمبا خراٹا لیا سانس چھوڑی اور پھر پانچ منٹ بعد دوسرا خراٹا لیا۔ اس طرح کے خراٹوں کی باضابطہ مشق کرنی ہوتی ہے۔ خراٹے لینے کے چیمپئن جب ریل میں سفر کرتے ہیں تو ان کے ڈبے میں سفر کرنے والے دوسرے مسافر نہیں سوتے' صرف یہی سوتے ہیں اور صبح تازہ دم ہوکر اٹھتے ہیں۔ دوسرے مسافروں کے چہرے البتہ اترے ہوئے ہوتے ہیں۔ اپنی اپنی قسمت

ہے۔

جو لوگ نیند میں خراٹے لینا پسند نہیں کرتے وہ ہر رات کچھ نہ کچھ بولتے ضرور ہیں۔ رات بھر تو نہیں بول سکتے' لیکن ٹھیر ٹھیر کر پانچ دس منٹ ضرور بولتے ہیں۔ بیچ بیچ میں اس لیے ٹھیر جاتے ہیں کہ بغیر سوچے کیا بولیں۔ ان لوگوں کو اصل میں دن کے وقت گھر میں بولنے کا موقع ہی نہیں دیا جاتا۔ یہ دل کی بھڑاس سوتے میں نکالتے ہیں۔ اپنے افسر اعلا کو بری طرح ڈانٹ بھی دیتے ہیں۔ دفتر میں تو گھگھی بندھی ہوتی ہے' لیکن سوتے میں وہ انتقام لے لیتے ہیں۔ کبھی کبھی گھریلو باتیں بھی کرتے ہیں' لیکن یہ سب خفگی کی باتیں ہوتی ہیں۔ ہنسی خوشی کی کوئی بات ان کے ذہن میں ہی نہیں آتی۔ صبح کوئی ان سے پوچھے کہ جناب' رات میں آپ کس سے جھگڑ رہے تھے تو شرما کر ہوا خوری کے لیے گھر سے نکل جاتے ہیں۔ جاتے وقت اپنے پالتو کتے کو ساتھ لے لیتے ہیں۔ راستے بھر اسی سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ یہ جہاں رکتا ہے خود بھی رک جاتے ہیں۔

آدمی کے لیے صرف نیند کافی نہیں ہے۔ نیند پوری بھی ہونی چاہیے اور گہری بھی۔

کچھ لوگوں کی نیند وہ کتنا ہی سوئیں پوری نہیں ہوتی۔ وہ لطیفہ تو آپ نے سنا ہی ہوگا۔ بہت پرانا ہے، لیکن دوبارہ سننے میں کوئی مضائقہ نہیں اور یہ لطیفہ کہاں ہے واقعہ ہے۔

ایک صاحب اپنے دفتر بہت دیر سے پہنچے۔ صاحب نے دیر سے آنے کی وجہ پوچھی تو سر جھکا کر بولے : "صبح آنکھ دیر سے کھلی۔"

صاحب نے کہا : "اچھا، تو تم گھر پر بھی سوتے ہو۔" اب سچ پوچھو تو یہ لطیفہ اتنا پرانا ہوگیا ہے کہ کسی کو سنانے کو جی نہیں چاہتا، لیکن یہاں یہی لطیفہ مناسب تھا۔

گہری نیند کا مطلب ہوتا ہے کہ آدمی اس طرح سوئے کہ کوئی آواز دے کر بھی اٹھانا چاہے تو نہ اٹھے۔ ہلا ہلا کر اٹھایا جائے تب بھی نہ اٹھے، اس لیے گہری نیند سونے والوں کو بعض وقت پانی چھڑک کر اٹھایا جاتا ہے۔ گہری نیند سونے والوں کو خواب بھی نہیں دکھائی دیتے۔ سونے والا نیند میں اتنا ڈوبا ہوا ہوتا ہے کہ اسے خواب نظر ہی نہیں آسکتا۔ ہاں اتفاق سے یہ کسی دن دوپہر کا کھانا کھا کر سوجائیں تو انھیں ایک آدھ خواب نظر آجاتا ہے اور بس یہی ایک خواب لے کر وہ ہر کسی سے اس کی تعبیر پوچھتے رہتے ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ ان کے جاننے والے ان سے عاجز آجاتے ہیں۔ کینٹین میں دو چار دوست چائے پینے بیٹھے ہوں اور یہ صاحب آتے ہوئے نظر آجائیں تو کھلبلی مچ جاتی ہے اور دوست فوراً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں کہ چلو بھاگو یہاں سے، انھیں ان کے خواب کی تعبیر کون بتائے گا۔

اگر کسی کو گہری نیند سونا ہے تو اپنے گھر میں سونا چاہیے۔ کسی پارک میں جا کر سوئیں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ وہاں بھی سویا جاسکتا ہے۔ ہری ہری گھاس پر کسی درخت کے سائے میں لیٹا جائے تو نیند اچھی آتی ہے، لیکن پارک جاتے وقت بٹوا جیب میں نہیں رکھنا چاہیے۔ چوکیدار آپ دیکھ کر بہت خوش ہوگا۔ پہلے دیکھ لے گا کہ آپ گہری نیند میں ہیں یا نہیں۔ جب اسے یقین ہوجائے گا کہ آپ بالکل سوئے ہوئے ہیں تو آپ کا بٹوا آپ کی جیب سے اپنی جیب میں منتقل کرلے گا اور اگر اتفاق سے آپ جاگ گئے تو کہے گا کہ کب سے ہلا رہا ہوں۔ اٹھو یہاں سے، پارک میں سونا منع ہے۔ آپ اس سے نہیں پوچھ سکتے کہ جیب میں ہاتھ کیوں ڈال رہے تھے۔ وہ چوکیدار ہے کہیں بھی ہاتھ ڈال سکتا ہے۔

کچھ لوگ نیند کے لیے بے تاب، بے چین، بے قرار رہتے ہیں اور نیند آنے کا نام نہیں

لیتی۔ ایسے لوگوں کے لیے نیند کی گولیاں ایجاد کی گئی ہیں۔ ان گولیوں میں یہ خوبی ہوتی ہے کہ چند دن بعد ان کا اثر جاتا رہتا ہے اور آنے والی نیند بھی دور ہی سے بھاگ جاتی ہے۔

اب زندگی کا ڈھب بدل گیا ہے۔ راتیں دن میں بدل گئی ہیں اور دن رات ہو گئے ہیں۔ ہم میں سے کتنے ہیں جنھیں رات میں جاگ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ سوچو کہ وہ دن میں کیسے سوتے ہوں گے اور اس میں بھی مشکل یہ ہوتی ہے کہ ایک مہینے رات میں کام کرو تو دوسرے مہینے دن میں۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ یہی لوگ ہیں جن کی نیند ان کے قابو میں رہتی ہے۔ یہ جب ڈیوٹی پر ہوتے ہیں جھپکی تک نہیں لیتے اور جب سوتے ہیں تو خراٹے نہیں لیتے۔

ہر آدمی کے سونے کا انداز الگ ہوتا ہے۔ کوئی لمبی تان کر سوتا ہے تو کوئی پاؤں سکیڑ کر دونوں گھٹنے اپنے پیٹ سے لگالیتا ہے۔ اس کے بعد بھی اس کی توند نکل آتی ہے۔ کوئی بائیں کروٹ سوتا ہے تو کوئی دائیں کروٹ۔ اپنی اپنی مصلحت ہے۔ بعض لوگ تو اتنے خوش مزاج ہوتے ہیں کہ سوتے میں بھی مسکراتے ہیں گویا فوٹو کھنچوا رہے ہوں اور یہی لوگ جب فوٹو کھنچواتے ہیں تو بسورنے لگتے ہیں۔ کسی کی فرمائش پر مسکرانا کتنا مشکل ہے۔ کچھ لوگوں کو سونے کے لیے پتلا تکیہ چاہیے اور کسی کو دو تکیوں کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ بعض وقت تین کی۔ ایک تکیہ گھٹنے کے نیچے ہوتا ہے۔ تکیوں سے اتنی رغبت اچھی بات نہیں ہے۔ چھوٹے بچوں کو البتہ تین تکیے چاہییے ہیں۔ دونوں طرف دو اور سر کے نیچے ایک۔ یہ انتظام نہ ہو تو بچہ کھٹولے سے نیچے گر پڑے اور ماں غافل سوتی رہے۔

اچھے بچے وہ ہوتے ہیں جو وقت پر سوتے اور وقت پر اٹھتے ہیں' لیکن یہ ہوتے کہاں ہیں؟

سنہری باتیں — مرسلہ : رانا محمد شاہد

- اپنی زبان پھول کی پتیوں کی طرح نرم اور اپنا لہجہ شبنم کے قطروں کی طرح شگفتہ رکھو۔ کامیابی تمھارے قدم چومے گی۔
- پھول خوب صورت ہیں۔ پھولوں سے پیار کیجئے۔ ان کی نرم و نازک پتیاں آپ کو محبت کا پیغام دیتی ہیں۔
- علم انسان کے لیے اتنا ضروری ہے جتنا کنول کے لیے پانی۔

سائنس کی دنیا

مریخ زمین کا پڑوسی
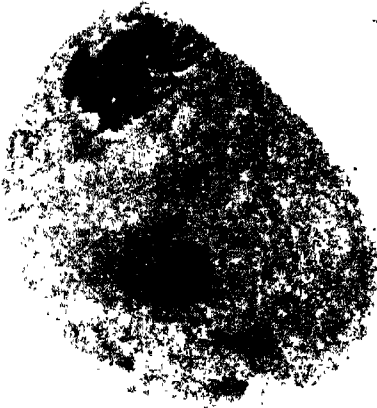
سید عرفان احمد

سورج کے گرد گردش کرنے والے اب تک ۹ سیارے دریافت ہوئے ہیں۔ ان میں سے صرف زمین پر زندگی موجود ہے جب کہ سائنس دانوں کا خیال ہے کہ زمین کے علاوہ اگر کسی اور سیارے پر زندگی ہوسکتی ہے تو وہ صرف مریخ ہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین اور مریخ میں کئی خصوصیات ایک جیسی ہیں۔ مثال کے طور پر زمین کی طرح مریخ پر بھی موسم بدلتے ہیں۔ وہاں بہار بھی ہے اور خزاں بھی۔

امریکی خلائی جہازوں نے مریخ کی سطح پر موجود مٹی کے جو نمونے حاصل کیے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مریخ کی مٹی میں جراثیم ہیں۔ سائنس داں یہ کہتے ہیں کہ مریخ پر زندگی نہایت سادہ شکل میں ہوگی، یعنی وہاں پر ہماری طرح کے انسان، جانور اور نباتات نہیں ہیں۔

مریخ سورج سے ۱۴۲،۰۰۰،۰۰۰ میل دور ہے۔ اس کا قطر ۴۲۲۰ میل ہے۔ مریخ سورج کے گرد ۶۸۶ دن میں ایک چکر پورا کرتا ہے، یعنی مریخ کا ایک سال ۶۸۶ دن کا ہوتا ہے۔ زمین کا ایک چاند ہے، لیکن مریخ کے دو چاند ہیں۔

آسمان پر مریخ سرخ رنگ کا دکھائی دیتا ہے۔ اس کے لئے رومیوں نے جنگ کے دیوتا مارس (Mars) کے نام پر اس سیارے کا نام رکھا ہے۔

مُنصف

(شیخ سعدیؒ کی ایک حکایت) انتخاب: وکیل احمد خاں

ایک توتا اور توتی اڑے چلے جارہے تھے کہ شام ہونے کو آئی۔ ایک جگہ ان کو ایک بستی نظر آئی۔ یہ بستی بالکل ویران اور اجڑ چکی تھی۔ چناں چہ انھوں نے ایک بڑا سا درخت منتخب کیا اور رات بسر کرنے کی نیت سے اس پر بسیرا کرلیا۔

رات کو دوران گفت گو توتی نے کہا: "دیکھو کتنی خوب صورت بستی ہے، لیکن بالکل ویران پڑی ہے جیسے کہ اس کے رہنے والوں پر کوئی مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو۔"

توتے نے یہ سن کر کہا: "بھلی مانس! ضرور یہیں کہیں کسی الّو کا بسیرا ہوگا تبھی تو یہ خصوب صورت بستی اجڑ گئی ہے۔"

پاس ہی کہیں ایک الّو رہتا تھا۔ وہ رات بھر ان دونوں کی باتیں سنتا رہا۔ صبح جب توتا اور توتی اپنی منزل کی طرف جانے والے تھے تو الّو پہنچا اور کہنے لگا:

"آپ کہاں سے آئے ہیں؟ اور کہاں جانے کا ارادہ ہے؟"

انھوں نے اپنا مدعا بیان کیا اور جانے کی اجازت چاہی، لیکن الّو نے اصرار کیا کہ آج رات آپ میرے مہمان ہوں گے، اس لیے میں آپ کو جانے نہ دوں گا۔ چناں چہ الّو کے اصرار پر وہ دونوں رات بسر کرنے کے لیے تیار ہوگئے۔ الّو نے بھی ان کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ دوسرے روز بھی ان کو مجبور کرکے رکھ لیا۔ اس طرح تین دن بیت گئے۔ اب تو وہ جانے کے لیے بالکل تیار ہوگئے اور باوجود اصرار کے انھوں نے اپنا ارادہ ترک نہ کیا تو الّو نے انھیں جانے کی اجازت دے دی۔ جب توتا اور توتی اڑنے لگے تو الّو نے توتے سے کہا:

"بھلے مانس! تم جاتے ہو تو جاؤ۔ میری بیوی کو ساتھ نہ لے جاؤ۔"

توتے نے کہا: "نہیں، یہ تو میری بیوی ہے۔" لیکن الّو اصرار کرتا رہا کہ یہ میری بیوی ہے۔ توتے نے ہزار منت سماجت کی کہ یہ میری بیوی ہے اور اس کی شکل و شباہت اور عادات و خصائل سب کچھ مجھ سے ملتے ہیں اور کسی صورت میں بھی تمھارے ساتھ اس کا میل نہیں،

کیوں کہ یہ میری جنس سے ہے اور اس کی ہر چیز میری طرح ہے' لیکن الّو نہ مانا اور اپنی ضد پر اڑا رہا۔ آخر الّو نے ایک راہ گزرتے آدمی کو پکڑ لیا اور کہا:
"اس سے فیصلہ کرالو۔"
توتا مان گیا اور اس آدمی کو منصف چن لیا گیا۔ جب اس راہ گیر نے دونوں کے بیان و دلائل سنے تو اس نے تھوڑی دیر کے بعد الّو کے حق میں فیصلہ دے دیا اور کہا:
"توتا غلط کہتا ہے۔ الّو ٹھیک کہتا ہے۔ یہ واقعی الّو کی مادہ ہے۔"
اب توتا اور توتی بہت پچھتائے' لیکن اب وہ کر ہی کیا سکتے تھے۔ کیوں کہ جس شخص کو انھوں نے متفقہ طور پر ثالث مقرر کیا تھا اس نے بھی ان کے خلاف فیصلہ دے دیا' چناں چہ وہ دونوں مل کر خوب روئے اور آخر توتے نے توتی کو الوداع کہا اور جانے کے لیے اڑا ہی تھا کہ الّو نے کہا: "اکیلے جارہے ہو؟ اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لے جاؤ گے؟"
توتے کا دل بھر آیا۔ اس نے روتے ہوئے کہا۔
"اب وہ میری بیوی نہیں آپ کی ہے۔ ثالث نے بھی میرے خلاف فیصلہ دے دیا۔" پھر الّو یوں بولا:
"میں نے تمھاری رات کی تمام باتیں سن لی تھیں۔ اس بستی کی تباہی کا ذمے دار تم مجھے ٹھیرا رہے تھے' لیکن میں تمھیں یہ بتانا چاہتا تھا کہ جس جگہ انصاف کا خون ہوتا ہے ہر کوئی بے انصافی' بے ایمانی اور منافقت کا شکار ہو اور غلط فیصلے کرتا ہو وہ بستی تو آخر اجڑے گی۔ اس میں بھلا الو کا کیا قصور؟ لیکن تم بغیر سوچے سمجھے بغیر کسی دلیل و منطق کے ہر اجڑی ہوئی بستی کا ذمے دار مجھے ٹھیراتے ہو۔ جس جگہ حاکم اور منصف ہی انصاف کا خون کریں اور انصاف کے نام پر بے انصافی کریں تو ایسی بستی کبھی نہ کبھی تو اجڑے گی ہی۔ اس کو اجڑنے سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یاد رکھو کہ آئندہ مجھے کسی اجڑی ہوئی بستی کا ذمے دار نہ ٹھیرانا۔"
توتا اور توتی کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح سما گئی اور وہ الّو سے اجازت لے کر منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔

حکیم صاحب کے مشورے

حکیم محمد سعید

اس صفحے کے لیے جو لوگ سوال بھیجتے ہیں وہ سوال بھیجتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں :
۱۔ بیماری کے حالات پورے اور صاف لکھیے۔
۲۔ اپنا پتا ہر حال میں ضرور' ضرور پورا لکھیے' جس خط میں پتا نہیں ہو گا اس کا جواب نہیں دیا جائے گا۔
۳۔ اگر بیماری ایسی ہو کہ رسالے میں شائع نہ کی جاسکتی ہو تو اس کا جواب ڈاک سے بھیجا جاسکتا ہے' اس لیے کوئی پتا ضرور لکھیں ورنہ جواب کی امید نہ رکھیں۔

سہیلی بہت کم زور ہے

س : عمر ۱۴ سال۔ میری دوست بہت کم زور ہے۔ کم زوری کی وجہ سے منہ بہت چھوٹا اور خود بہت لمبی لگتی ہے۔ بہت علاج کروایا ہے۔ فروٹ' سبزیاں وغیرہ بہت سی طاقت والی چیزیں کھاتی ہے' مگر موٹی نہیں ہوتی۔ مہوش محمد حنیف' نواب شاہ

ج : آپ اپنی پیاری دوست سے کہیے کہ غم کھانا چھوڑ دیں۔ بادام کشمش کھایا کریں ! مغز بادام ۱۲ دانے' کشمش دو تولے (۲۴ گرام) رات ان دونوں کو پانی میں بھگو دیں۔ صبح پانی پھینک دیں۔ بادام کشمش نوش جان کریں۔ اس سے وزن بڑھ جائے گا۔ دل چاہے تو کھانے کے بعد سنگترا کے تین تین چائے کے چمچے نوش جان کرلیا کریں۔

ہمیشہ بیمار

س : عمر ۱۰ سال۔ میں ہمیشہ بیمار رہتی ہوں۔ کھانسی بہت زیادہ ہے۔ نزلہ کم ہے۔ ڈاکٹر کے علاج سے افاقہ نہیں ہوا۔ کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔ عنبرین ثنا

ج : ہاں بھئی' بیمار رہنا اچھی بات نہیں ہے۔ اگر نونہال اور نوجوان بیمار ہوں گے تو پھر

ملک کیسے صحت مند رہے گا ! نونہالوں کی صحت ملک کی صحت ہے۔ آپ بیمار رہنے کو گناہ سمجھیں۔ فوراً توجہ کرکے صحت مند بنیں۔ آپ کو بہت آسان علاج بتاتا ہوں۔ گھر میں میتھی دانے (تخم میتھی) تو ہوں گے۔ ایک چمچہ بھر میتھی دانے ایک پیالی پانی میں ابالیں۔ اسے پھر چھان لیں۔ نوش جان کرلیں۔ یہ بڑی شان دار چائے ہے۔ اس چائے سے بے حد زیادہ مفید کہ جو ہم غیر ملکوں سے منگواتے ہیں۔ اس میتھی چائے سے آپ کا نزلہ زکام اور کھانسی بہت جلد دور ہوجائے گی اور ہاں' ورزش بھی تو کرنی چاہیے !

آنکھیں چھوٹی ہیں

س : عمر ۱۴ سال ہے۔ میری آنکھیں بہت چھوٹی ہیں۔ چھوٹے بچے بھی میرا مذاق اڑاتے ہیں ۔ اس وجہ سے میں بہت پریشان ہوں۔ اپنی آنکھوں میں کیا لگاؤں ؟ برائے مہربانی کوئی آسان سا علاج بتائیں۔ فرخ محمد سلیم' نواب شاہ

ج : مال مسالا اللہ میاں کی لیبورٹری میں کم پڑگیا ہوگا۔ بس آنکھیں چھوٹی رہ گئیں۔ بھئی اب تو جو ہونا تھا وہ ہوگیا۔ ہاں شاید ایک فائدہ آپ کو یہ ضرور ہوگا کہ آنکھوں کی بینائی تیز رہے گی۔ اگر یہ فائدہ ہوتا ہے تو چھوٹی آنکھوں کو برداشت کرلینا چاہیے۔ چھوٹی آنکھیں دور کی چیزیں زیادہ صاف دیکھتی ہیں۔ آپ کو ان سے مستقبل نظر آئے گا۔ آپ اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں ورنہ تو ملک کی پوری قوم کی آنکھیں اس قدر کم زور ہوگئی ہیں کہ ان کو اپنا نہایت تاریک مستقبل نظر نہیں آرہا۔

س : عمر ۱۸ سال ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ میرا پیشاب پیلا پیلا آتا ہے اور جریان بھی ہے۔ سانس بھی پھول جاتا ہے۔ محمد کامران شاہ

ج : جناب شاہ صاحب' یہ پیشاب پیلا آنا کون سا مرض ہے؟ بھئی پیشاب تو پیلا ہی

آنا چاہیے۔ اس میں جب زردی (صفرا) ملے گی تو سفیدی تو نہیں آئے گی۔ زرد تو زرد ہی رہے گا ! آپ کو اپنا قبض دور کرنا چاہیے۔ قبض کی وجہ سے آنتوں پر دباؤ پڑتا ہے اور غدۂ مذی (پروسٹیٹ گلینڈ) سے اس کی رطوبت آجاتی ہے۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میرے جوان شاہ نے اپنی خواہشات پر قابو نہیں پایا ہے۔ جو انسان یا جو قوم اپنی خواہشات پر قابو اور کنٹرول نہ کرسکے اسے کم زوریاں لاحق ہوجاتی ہیں اور پھر وہ خواہشات کی غلام ہوکر اپنی خودی کو فراموش کردیتی ہے۔ آپ کے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ اپنی خواہشات پر قابو حاصل کریں !

الرجی

س : میرے بچے کی عمر ساڑھے آٹھ سال ہے۔ اس کو الرجی ہے جس کی وجہ سے اس کو کھانسی رہتی ہے۔ یہ عموماً رات کو زیادہ ہوتی ہے۔ ناک بند رہتی ہے اور چھینکیں بہت آتی ہیں۔ زکام کی شکایت رہتی ہے۔ جسم تھوڑا سا پھولا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ وہ رات کو بستر پر پیشاب کردیتا ہے اور کبھی کبھی تو دو مرتبہ کرتا ہے۔ گیلا ہونے کے بعد بھی اس کی آنکھ نہیں کھلتی' ماشاء اللہ نماز پڑھتا ہے۔ اس عادت کی وجہ سے بہت پریشان ہے۔ ازرہ کرم کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ تاج بیگم'

ج : الرجی ویلرجی کچھ نہیں' اصل مسئلہ کم زوری صحت ہے۔ آپ نے اپنے بچے کی حفظ صحت کو فراموش کیا ہے اور اسے یجی رہ نمائی نہیں دی ہے۔ بنیادی طور پر یہ ذرائع ابلاغ کا قصور ہے کہ اس کہ اولیتوں میں صحت نہیں ہے۔ اسے اخلاق اور جسمانی صحت کے رکھ رکھاؤ کا سلیقہ دینے کی فرصت نہیں ہے۔ ان ذرائع کو تو حکومت کو سہارے دیتے رہنا ہے۔ چلیے چھوڑیے اس جھگڑے کو ! آپ اپنے بچے کو جوشاندہ میتھی پلانا شروع کردیں۔ ایک چائے کا چمچہ میتھی ایک پیالی پانی میں جوش دے کر چھان کر پلادیں۔ صبح و شب۔ اس سے الرجی ختم ہوجائے گی۔ کھانا کھانے کے بعد اسے شربت فولاد یا شربت اکسیر خاص کا ایک ایک چمچہ دیں۔ اسے فولاد کی ضرورت ہے۔

دُعا

پروفیسر افتخار اجمل شاہین

اے خدا مشکل کشا مشکلوں میں ہوں گھرا
لطف کر احسان کر مشکل مری آسان کر
مرکزِ رحمت ہے تو منبعِ شفقت ہے تو
تو ہے رحمٰن و رحیم تو کہ ہے سب سے عظیم
ہے تو ہی آمرز گار اے مرے پروردگار
کر مدد مولا مری زیست مشکل ہو گئی
ہے ترا ہی آسرا کون ہے تیرے سوا
تو ہی رازق ہے خدا تو ہی خالق ہے مرا
دست گیری کر مری ہے دعا تجھ سے یہی
جلوۂ حق پر چلا رہ نمائی کر خدا
بس تجھی پر ہے یقیں تجھ سے ہی دنیا و دیں
دولتِ ایمان دے مومنوں کی شان دے

میرا حامی ہو خدا
نیک نامی کر عطا

ہاتھ کٹا شیطان

عُظمیٰ یاسمین، لاہور

وہ ہاتھ کٹا شیطان کے نام سے مشہور تھا جب کہ اس کا اصل نام ابن سہاط تھا، لیکن بغداد کے لوگ اس کے اصل نام سے کم ہی واقف تھے اس کی حرکتوں کی وجہ سے لوگ تنگ تھے۔

جہاں شریف لوگ اپنی عزت کی خاطر خوف زدہ رہتے تھے وہاں امیر لوگ بھی اپنی دولت کی وجہ سے اس سے ڈرتے رہے تھے' کیوں کہ اس کا کام چوری کرنا اور ہیرے جواہرات لوٹنا تھا۔ اسی چوری کے جرم میں اس کا ایک ہاتھ کاٹا جاچکا تھا' لیکن اس کے باوجود وہ باز نہ آیا بلکہ پہلے سے بڑھ چڑھ کر چوریاں کرنی شروع کر دیں۔

دوسری مرتبہ پھر پکڑا گیا تو اس کو عمر قید کی سزا ہوئی۔ پوری عمر بھلا وہ جیل میں کیسے رہ سکتا تھا' جیل سے بھاگ نکلنے کی وہ برابر کوشش کرتا رہا اور آخر جیل سے فرار ہونے میں کام یاب ہو گیا۔ یہ آج سے پانچ سو سال پہلے کا ذکر ہے۔ جب لوگوں کو اس کے فرار ہونے کا پتا چلا تو وہ بے چارے کانپ کر رہ گئے' لیکن ابن سباط چوری کب چھوڑنے والا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے چوری اس کی گھٹی میں پڑی ہو۔

جیل سے فرار ہونے کے بعد رات کی تاریکی میں ہاتھ کٹا شیطان پھر چوری کی نیت سے نکل کھڑا ہوا۔ آخر وہ ایک گھر میں داخل ہونے میں کام یاب ہو گیا' لیکن جس کمرے میں اسے چوری کرنی تھی وہاں پہنچ کر اسے سخت مایوسی ہوئی' کیوں کہ وہاں ہیرے جواہرات کے بجائے کپڑوں کے تھان تھے۔ اس نے مکان کے مالک کو برا بھلا کہنا شروع کردیا کہ میں کپڑے کے ان تھانوں کو کہاں لیے پھروں گا! لیکن اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہ تھا' کیوں کہ صبح کا اجالا ہونے والا تھا اور اب اس کے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ چوری کے لیے وہ کسی اور گھر میں جاتا۔ وہ ابھی اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ اسے کمرے سے باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ ایک بار تو قدموں کی اس آواز سے وہ گھبرا گیا۔ چور چاہے کتنا ہی بہادر ہو بزدل ہی ہوتا ہے۔ چوری کرنا ہی بزدلوں کا کام ہے! دروازے پر دستک ہوئی تو ابن سباط نے دروازہ کھولا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ آنے والے شخص کے ہاتھ میں دودھ کا گلاس ہے۔ آنے والے نے کہا:

"گھبرائیں نہیں۔ مجھے اپنا دوست سمجھیں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو زحمت اٹھانی پڑی۔ آپ کافی تھکے ہوئے لگتے ہیں۔ یہ دودھ کا گلاس پی لیجیے۔"

ابن سباط نے جب یہ سنا تو اس کی جان میں جان آئی کہ چلو یہ تو اپنا چور ساتھی ہی ہے۔ ان دونوں نے مل کر سامان جمع کیا اور دو گٹھریاں بنا لیں ایک بڑی اور ایک چھوٹی۔ ابن سباط نے کہا: "بڑی گٹھری پر میرا حق ہے' کیوں کہ میں اس گھر میں پہلے آیا ہوں۔ لہٰذا اس کا لالچ نہ

کرنا۔ ہاں چھوٹا بنڈل تم اٹھا سکتے ہو۔"
کٹے ہوئے ہاتھ کی وجہ سے ابن سباط کو اپنے حصے کا سامان اٹھانے میں پریشانی ہو رہی تھی۔ دوسرے ساتھی نے کہا کہ آپ کا سامان میں اٹھاتا ہوں اور چھوٹے والا بنڈل آپ اٹھا لیں۔ چناں چہ ابن سباط نے چھوٹا بنڈل اٹھا لیا اور بڑا والا اجنبی نے اٹھایا اور ابن سباط کے ٹھکانے پر یہ بنڈل اتار کر رکھ دیا۔ اب ابن سباط نے کہا کہ چھوٹا بنڈل اٹھالو اور اپنی راہ لو۔ اجنبی یہ سن کر خاموش کھڑا رہا۔ صبح کا اجالا پھیل رہا تھا۔ ابن سباط اسے جلد فارغ کرنا چاہتا تھا۔ چناں چہ اس نے سختی سے کہا:
"بہتر ہے کہ تم یہ حصّہ لو اور اپنی راہ لو ورنہ مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا' اور ہاں یہ بھی یاد رکھنا کہ سارا بغداد مجھ سے واقف ہے اور لوگ میرا نام سن کر کانپتے ہیں۔"
لیکن اجنبی بڑے سکون سے کھڑا رہا اور انتہائی نرمی سے بولا:
"بھائی! ناراض نہ ہو۔ تمھیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں نہ چور ہوں اور نہ ڈاکو بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جس گھر میں تم چوری کرنے گئے تھے وہ میرا ہی گھر ہے۔ تم میرے مہمان تھے' اس لیے مجھ پر لازم ہوگیا کہ تمھیں کوئی تکلیف نہ ہونے دوں۔"
ابن سباط یہ سن کر حیران رہ گیا کہ یہ کیسا مالک ہے جس نے چوری میں چور کی مدد کی۔ ابن سباط کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ جہاں ایک طرف صبح کی روشنی پھیل رہی تھی وہاں دوسری طرف ابن سباط کے ذہن میں روشنی پھیل گئی۔
وہ سوچوں میں کھو گیا' تاریک ماضی اس کے سامنے تھا تمام چوریاں ڈاکے اور ظلم ایک ایک کر کے اس کی آنکھوں کے سامنے آگئے اور پھر اس پر کپکپی طاری ہوگئی نیکی اور بدی اس کے سامنے تھی۔ اجنبی نے پھر اس کو چونکا دیا اور کہا:
"میرے بھائی! میں اپنا فرض ادا کر چکا ہوں۔ جو چیزیں ہم اٹھا کے لائے ہیں وہ تمھاری ہیں۔ مجھے اپنے حصّے کی ضرورت نہیں۔ ہاں' جب کبھی تمھیں کسی چیز کی ضرورت پڑے بلا جھجک چلے آنا۔ مکان تم دیکھ ہی چکے ہو!"
اجنبی نے یہ کہا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا اور ابن سباط بے حس و حرکت دونوں گٹھریاں سامنے لیے کھڑا رہا۔ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ مکان کا مالک اپنی ہر چیز نہ صرف

یہ کہ خود اٹھا کر چور کے حوالے کرے بلکہ چور کو اس کے ٹھکانے پر بھی پہنچا آئے۔ بے قراری کے عالم میں وہ سوچتا رہا کہ کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ کیا دنیا میں ایسے فرشتہ صفت لوگ بھی ہیں۔ میں نے راستے میں اس کو ڈانٹا' لیکن وہ خاموش رہا۔ میں اس کے ساتھ وحشی کی طرح پیش آیا' مگر وہ محبت سے پیش آیا۔ ابن سباط کا ضمیر اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔ آخر نیکی بدی پر غالب آگئی۔ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہ دیوانوں کی طرح رات والے مکان کی طرف بڑھا۔ مکان کے نزدیک پہنچا' مگر اندر جانے کی ہمت نہ ہوئی قریب ہی بیٹھے ہوئے ایک لکڑ ہارے کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا: "کیا تم جانتے ہو اس مکان میں کون رہتا ہے؟"

لکڑہارا حیرت سے ابن سباط کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہا:

"کیا تمھیں یہ بھی پتا نہیں کہ یہاں کون رہتا ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تم یہاں نئے آئے ہو۔ بھلے آدمی! یہ گھر تو بغداد کے سب سے بڑے بزرگ کا ہے۔"

ابن سباط ان بزرگ کا نام سن چکا تھا اور ان کی عظمت سے بھی خوب واقف تھا۔ یہ وہی گھر تھا جس میں رات کے وقت ابن سباط بے دھڑک داخل ہوا تھا' لیکن دن کے اجالے میں اسی گھر کے اندر داخل ہوتے ہوئے اس کے پاؤں ڈگمگا رہے تھے۔ آخر آہستہ آہستہ وہ مکان کے اندر داخل ہوا۔ سامنے بزرگ کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ پھر بے تاب ہو کر آگے بڑھا اور ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر بچوں کی طرح رونے لگا۔ شیخ نے انتہائی شفقت اور پیار سے ہاتھ کٹے شیطان کو اٹھا کر سینے سے لگا لیا اور اس کے دل کی دنیا بدل کر رکھ دی۔ وہ شخص جو حکومت کی سنگین سزاؤں سے ٹس سے مس نہ ہوا گوشہ نشین فقیر نے اس کی دنیا بدل دی۔

سیدھی راہ

ڈاکٹر عبدالرب بھٹی، جیکب آباد

"اوہو امی، آج پھر آپ نے میرا قلم دان نیچے گرا دیا۔" محمود نے عادت کے مطابق اپنی امی سے غصے اور بے ادبی سے کہا۔

اس کی امی کو ہمیشہ اپنے بیٹے کے اس لہجے سے دکھ پہنچتا تھا، مگر وہ برا نہ مانتی تھیں اور پیار بھرے لہجے میں کہتیں:

"بیٹا! صفائی کرتے ہوئے میں تو خاص طور پر تمھاری میز کا خیال رکھتی ہوں کہ کوئی چیز نیچے نہ گر جائے۔ لیکن بیٹا تم بھی تو میز پر اپنی چیزوں کو اس طرح بکھیر کر نہ رکھا کرو۔"

"امی، ایک تو آپ اپنی غلطی نہیں مانتیں اور الٹا مجھے ہی قصور وار ٹھیرانے کی کوشش کرتی ہیں۔ اس دن بھی میری ایک کتاب آپ نے اِدھر اُدھر کر دی تھی صفائی کے دوران ... اور آج تک مجھے نہیں ملی۔ پتا نہیں آپ کو مجھ سے کیا دشمنی ہے۔ ہزار بار کہا ہے کہ مجھے اپنی چیزوں کے ساتھ یہ سلوک پسند نہیں ہے۔ مگر آپ کے کان پر توجوں تک نہیں رینگتی۔"

محمود نے اتنا کہا اور غصے سے پاؤں پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ اس کی امی دم بخود کھڑی اللہ تعالیٰ سے اس کی بھلائی اور بہتری کی دعا مانگتی رہیں:

"اے اللہ یہ بچہ ابھی نادان ہے۔ میں اسے معاف کرتی ہوں۔ تو بھی اسے معاف فرما اور اسے سیدھی راہ دکھا۔"

محمود یوں تو ایک اچھا بچہ تھا۔ پڑھائی میں بھی ہوشیار تھا اور اسکول کا کام بھی باقاعدگی اور شوق سے کرتا تھا، مگر اس کی ایک عادت بڑی خراب تھی کہ وہ بہت بے ادب تھا۔ اکثر چھوٹی چھوٹی باتوں پر اپنی امی کے ساتھ الجھتا بگڑتا رہتا اور ان سے بے ادبی سے پیش آتا تھا۔ وہ اپنے والدین کا اکلوتا تھا۔ اس کے ابو ایک کالج میں لیکچرار تھے۔ کالج اور ٹیوشن سے کم ہی فرصت ملتی تھی، لیکن جب بھی وہ محمود کا اپنی امی سے یہ رویہ دیکھتے تو انھیں بہت دکھ ہوتا۔ وہ اسے شفقت سے سمجھاتے:

"بیٹا! جو بچے ماں کی عزت اور ادب نہیں کرتے وہ زندگی میں کبھی کامیابی حاصل نہیں
کرپاتے۔ دنیا میں انھیں ذلت اور ٹھوکروں کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ اور جو لوگ اپنی ماں کا ادب
و احترام کرتے ہیں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں اعلا مقام پاتے ہیں۔ ماں کی دعاؤں میں بڑا اثر
ہوتا ہے۔ بیٹا' تمھیں پتا ہے کہ ماں کے پیروں تلے جنت ہوتی ہے۔ اس سے تم ماں کے مقام کا
اندازہ لگا سکتے ہو۔"

مگر ابو کے سمجھانے پر محمود الٹا اپنے ابوّ سے شکایت کرتے ہوئے کہتا:

"ابو! میں بُرا تو نہیں ہوں۔ اسکول جاتا ہوں۔ ہر سال اول آتا ہوں۔ آوارہ لڑکوں کے
ساتھ میری دوستی بھی نہیں ہے۔ رہی بات امّی کہ میں ان سے بے ادبی سے پیش آتا ہوں تو ابو
اگر آپ کی کوئی چیز توڑ دوں یا ادھر ادھر کردوں تو آپ کو غصہ آئے گا یا نہیں؟"

محمود کی باتیں سن کر اس کے ابو سمجھاتے ہوئے کہتے:

"بیٹا! تم میں اور امی میں بہت فرق ہے۔ اولاد کو ماں باپ کے سخت رویے اور ان کی
چھوٹی چھوٹی باتوں اور غلطیوں کا بُرا نہیں ماننا چاہیے۔ مانا کہ تم اچھے بچے ہو' مگر ماں کا احترام
اور ادب بھی لازم ہے۔" مگر محمود سر جھٹک دیتا گویا وہ ان باتوں کو کوئی اہمیت نہ دیتا ہو۔

ایک دن محمود نے بڑا عجیب خواب دیکھا۔ خواب میں اس نے اپنی امی کو دیکھا جو ایک ننھے
منے سے بچے کو اپنے سینے سے لگائے ہل ہل کر اسے لوریاں دے رہی تھیں۔ تاکہ وہ چپ ہو
جائے اور سکون سے سوجائے' مگر وہ بچہ تھا کہ روئے چلا جا رہا تھا۔ اس کی امی اسے بہت پیار کر
رہی تھیں۔ بہلانے کی کوشش کر رہی تھیں' مگر وہ بچہ انھیں برابر ستائے جا رہا تھا۔ محمود نے
یہ بھی دیکھا کہ اس ننھے منے بچے نے کئی بار اپنے کپڑے خراب کیے جس کی وجہ سے اس کی
امی کے کپڑے بھی خراب ہوئے' لیکن ان کی پیشانی پر غصے کے بجائے ممتا کے پھول بکھرے
ہوئے تھے۔ وہ ہر بار اس بچے کے گندے میلے کپڑوں کو بھی بدلتی رہیں۔ محمود نے یہ بھی دیکھا
کہ وہ ننھا منا بچہ سوتے سے ایک دم جاگ اٹھتا جس کی وجہ سے اس کی امی کی بھی نیند خراب
ہو جاتی' مگر اس کے باوجود وہ اس بچے پر اپنی ممتا نچھاور کرتی رہیں۔

اچانک محمود کی آنکھ کھل گئی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے یہ خواب بار بار ابھرتا رہا۔ اس
کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس خواب کا کیا مطلب ہے۔ مگر وہ خواب اسے بے چین کیے

دے رہا تھا۔ خیر اس نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ خواب اپنے ابو کو سنائے گا۔

چناں چہ محمود نے اپنا خواب ابو کو سنایا جسے سن کر اس کے ابو کے چہرے پر عجیب سی لیکن گہری مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ بہت خوش دکھائی دینے لگے۔ پھر انھوں نے پیار سے محمود کی پیشانی کو چوما اور شفقت سے بولے:

"بیٹا! اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تم سے اب بھی راضی ہے۔ اس نے تمھیں اس خواب کے ذریعہ سے سیدھی راہ دکھائی ہے۔ تمھارا فرض ہے کہ اس کی تعبیر کو غور سے سمجھو اور اس کی ہدایت پر عمل کرو۔"

"کیا مطلب ابو؟ آپ کچھ تو سمجھائیں مجھے۔ میں سمجھنے کی کوشش کروں گا۔"

"بیٹا! خواب میں دراصل تم نے اپنا بچپن دیکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خواب کے ذریعہ سے تمھیں بتایا ہے کہ تمھاری امی نے کتنی مشکلوں سے اور کتنی راتوں کو جاگ جاگ کر تمھیں پالا اور تمھارے لیے اپنا چین و سکون اور راتوں کی نیند گنوائی۔ آج تم بڑے ہوگئے ہو تو اپنی ماں کی ذرا سی بات یا کوئی غلطی برداشت نہیں کرتے۔ انھیں جھڑکتے ہو۔ بیٹا! اب بھی وقت ہے۔ جاؤ اور اپنی امی سے معافی مانگ لو۔ یاد رکھو اگر وقت نکل گیا تو تمھارے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہ رہے گا۔"

اس کے ابو اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے۔ یہ سب سن کر محمود کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور اسے امی سے کیے گئے اپنے غلط رویے کا احساس ہونے لگا۔ اسے شرمندگی اور ندامت بھی محسوس ہوئی۔ وہ جلدی سے اپنی امی کے پاس پہنچا اور ان کے قدموں میں گر کر اپنے پچھلے رویے کی سچے دل کے ساتھ معافی مانگی اور آئندہ ادب اور احترام کے ساتھ پیش آنے کا وعدہ کیا۔ امی نے محمود کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگا لیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے محمود کو سیدھی راہ دکھائی۔

☆ جب راز کھل جائے اور کوئی مہمان بن کر راز میں شریک ہو جائے تو پھر وہ راز نہیں رہتا بلکہ کسی مرحلے پر زبردست دھوکا بن سکتا ہے۔

قسط نمبر ۷
ہم شکل، ہم راز
شکیل صدیقی

بس بارہ قسم کی چھوٹی چھوٹی شیشیاں رکھی تھیں۔ دماغ چکرا کر رہ گیا کہ اس میں رنگی کو کون سی پسند ہے۔

جب کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو میں نے ایک شیشی اٹھائی اور کرتے پر اس کا اسپرے کرلیا۔ میرے جسم سے گلاب کی بھینی بھینی اور مسحور کن خوش بُو آنے لگی۔ مجھے یقین تھا کہ رنگی میاں بھی مست ہو جائیں گے۔

میں نے سوچا کہ رنگی کے سامنے یوں اکیلے جانا مناسب نہیں رہے گا۔ بہتر ہوگا کہ میں کسی بھائی بہن کو ساتھ لے لوں۔ میں فوزیہ کے کمرے کی طرف جانے لگا تو راہ داری میں ثوبیہ سے ٹکراؤ ہو گیا۔ اس کی ناک پر ٹکی ہوئی موٹے شیشوں کی عینک کی وجہ سے وہ لڑکی کم اور پروفیسر زیادہ لگ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک موٹی سی کتاب تھی۔ اس کتاب کی جلد اتنی سخت تھی کہ اگر کتاب کسی کے سر پر ماردی جاتی تو وہ زخمی ہو جاتا۔ میں نے سوچا ثوبیہ ہی کو ساتھ لے جانا مناسب رہے گا۔ وہ کتاب کو بہ طور ہتھیار استعمال کرلے گی اور رنگی میاں چوں نہیں کر سکیں گے۔ میں نے اس کے قریب جاکر پوچھا:

"تم اس وقت کیا پڑھ رہی ہو ثوبیہ؟ کیا تمھارا آج ٹسٹ ہے؟"

"نہیں بھائی جان میں کیٹس کی نظمیں پڑھ رہی ہوں۔ اس کے مطالعے سے دماغ تازہ ہو جاتا ہے اور نئے نئے خیالات اس طرح ذہن میں آنے ....."

"لان تک چلنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ صبح کی تازہ ہوا اور گھاس پر چہل قدمی سے بھی تمھارا دماغ جگمگانے لگے گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" اس نے رضا مندی ظاہر کی اور میرے ساتھ ہو گئی۔

جب وہ میرے ساتھ اوپری منزل سے نیچے گئی تو اس نے چونک کر میری طرف دیکھا اور کہا: "آپ رنگی کو ناشتا نہیں دیں گے؟"

"دیں گے کیوں نہیں۔"

"تو آیئے، اس طرف چلیے۔" اس نے میرا ہاتھ تھام کر باورچی خانے کی طرف کھینچا۔ میں نے اپنے کمرے سے باورچی خانے تک کا راستہ بھی یاد کرلیا۔ باورچی خانے میں جب باورچی سے ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ رات والے سے مختلف تھا۔ وہاں شاید رات اور دن میں

الگ الگ ڈیوٹیاں تھیں۔ اس باورچی نے بھی سفید کپڑے پہن رکھے تھے اور اونچی سفید ٹوپی لگائے ہوئے تھا۔ اس کا نام جہاں زیب تھا' مگر ثوبیہ نے اسے زیب کہہ کر مخاطب کیا:

"ریگی کا ناشتا لے چلو زیب۔" ثوبیہ نے حکم دیا۔

زیب نے ریگی کا جو ناشتا تیار کر رکھا تھا اسے دیکھ مجھے ریگی کی قسمت پر رشک آنے لگا۔ وہ خاص قسم کی غذا کھاتا تھا جو امریکا سے آتی تھی اور یہاں کی خاص دُکانوں پر ملتی تھی۔ اس کے علاوہ وہ جو کچھ کھاتا تھا وہ ہم جیسے غریبوں کو مہینوں میسر نہیں ہوتا تھا۔

ثوبیہ ایک باتونی لڑکی تھی جو موقع بے موقع فلسفہ بگھارتی رہتی تھی۔ اسی کی زبانی معلوم ہوا کہ وہ ریگی کی پسندیدہ غذا ہے۔ زیب نے ایک تسلے میں اس قسم کا چارا گھول رکھا تھا جیسے کہ ہم اپنی مرغیوں کے لیے تیار کرتے تھے۔ چارے سے بہت ناگوار بُو اٹھ رہی تھی جو یقیناً ریگی کے لیے خوش بُو ہوگی۔

ریگی لوہے کے جنگلے میں بند تھا۔ رات کو اسے آزاد چھوڑ دیا جاتا تھا۔ زیب نے جنگلے کا دروازہ کھولا اور تسلا میرے ہاتھ میں تھما دیا۔ میں نے نہایت خود اعتمادی کے ساتھ تسلا اس کے ہاتھ سے لیا اور جنگلے میں گھس گیا۔ تسلا میں نے فرش پر رکھ دیا' مگر ریگی نے اس کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے ایک خوف ناک غراہٹ کے ساتھ مجھ پر حملہ کر دیا۔

وہ شدید غصّے میں تھا اور میرے ٹکڑے ٹکڑے کر دینا چاہتا تھا۔ میں خوف زدہ ہونے کے ساتھ حیران تھا کہ اسے کیا ہو گیا ہے۔ میں نے تو خوش بو بھی لگا رکھی ہے پھر وہ مجھے پسند کیوں نہیں کر رہا ہے۔

"ریگی۔۔ ریگی۔۔ ہٹو۔ احمق۔۔ بے وقوف۔" ثوبیہ نے چیخ کر کہا اور جنگلے میں داخل ہو کر اس کے سر پر اپنی کتاب دے ماری۔ ریگی فوراً ایک طرف ہٹ گیا اور کوں کوں کرنے لگا۔

میں تیزی سے باہر نکل آیا۔ پھر ثوبیہ نے بھی باہر آکر جنگلے کا دروازہ بند کر دیا۔ ریگی چند لمحوں تک اچھل کود مچاتا رہا پھر ثوبیہ کے ڈانٹنے پر کھانے میں لگ گیا۔

"مجھے حیرت ہے کہ یہ آپ کے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے؟" ثوبیہ نے تعجب سے کہا۔ پھر اس نے گہرا سانس لیا اور سوں سوں کرنے لگی جیسے کچھ سونگھ رہی ہو۔

"یہ آپ نے کون سا پرفیوم لگا رکھا ہے؟ کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ۔۔۔"

"کک۔ کیا؟" میں نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ معلوم نہیں کیوں میں ہکلا گیا تھا۔
"گلاب کی خوش بُو رنگی کو سخت ناپسند ہے اور آپ نے اسے غصّہ دلانے کے لیے یہی خوش بُو لگالی' حالاں کہ اس سے پہلے جوائل لگا کر آتے تھے۔"
میں نے اپنے کپڑے جھاڑتے ہوئے کہا: "میں نے جلدی میں غلط پرفوم لگا لیا ہے۔"
"غلطی بھی کوئی ایسی ویسی نہیں بہت بھیانک ہے۔ لان کو غور سے دیکھیے! کیا یہاں گلاب کی کوئی کیاری نظر آرہی ہے؟ دیتو یہاں جب بھی گلاب کا کوئی پودا لگاتا ہے وہ رنگی رات کو کھود کر پھینک دیتا ہے' مگر آپ تو ایسے سن رہے ہیں جیسے کچھ جانتے ہی نہ ہوں۔"
میں نے کہا: "ہاں معلوم کیوں نہیں ہے۔ تم کنٹری کیوں کر رہی ہو؟"
ثوبیہ جھینپ کر خاموش ہوگی۔
رنگی خود ہی کھانے میں مصروف ہوگیا اور میں اس کے قریب ہونے کے بجائے اس سے کچھ اور دور ہو گیا تھا تاکہ اس کی ناپسندیدہ خوش بُو اس کی ناک میں نہ پہنچے۔
لان کی طرف واپس آکر میں نے سب کے ساتھ ناشتا کیا۔ ناشتے میں بہت اچھی اچھی چیزیں تھیں۔ میں تھوڑی سی کھا پایا۔ جی چاہ رہا تھا کہ جو کچھ بچ گیا ہے اسے جیب میں رکھ لوں۔ خاص طور پر فروٹ جیلی تو اتنی لذیذ تھی کہ پوری شیشی چٹ کرنے کو دل چاہ رہا تھا' مگر میں نے اس خیال سے ہاتھ روک لیا کہ انھیں مجھ پر شک نہ ہو جائے۔
میں اپنے کمرے کی طرف جارہا تھا تو میری نگاہ میں گیند بلا گھوم رہا تھا جو میں نے لکڑی کی الماری میں رکھا دیکھا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ تمام بھائی بہنوں کی ٹیم بنا کر لان میں کرکٹ کھیلوں' لیکن حمیدے نے پیچھے سے آکر کہا: "صاحب جی! گاڑی تیار ہے۔"
"کہاں جانا ہے؟"
"اسکول اور کہاں؟ کیا اسکول نہیں جائیں گے؟"
"اچھا' تم چلو میں آتا ہوں۔" میں نے کہا۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ انکار کر دوں' اس لیے نہیں کہ مجھے پڑھنے کا شوق نہیں تھا بلکہ اسکول میں سو طرح کے لڑکے ملیں گے اور نئی نئی باتیں کریں گے۔ اگر کوئی غلطی ہوگئی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ خیر دیکھا جائے گا۔ جب اوکھلی میں سر دے دیا تو موسل سے کیا ڈرنا؟

میں اسکول کی یونی فارم پہن کر باہر آگیا۔ ایک پریشانی یہ تھی کہ کتابیں نہیں مل رہی تھیں۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اپنی کتابوں کے بارے میں کس سے پوچھوں۔ میں راہ داری میں گیا تو دوسری طرف سے فوزیہ آتی دکھائی دی۔ اس کے ہاتھوں میں بہت سی کتابیں تھیں۔

"جلدی چلیے بھائی جان! دیر ہو رہی ہے۔ آپ کی کتابیں میں نے گاڑی میں پہنچا دی ہیں۔"

"شکریہ۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ اسکول میں میرے ساتھ جو انوکھی باتیں پیش آنے والی تھیں ان کے بارے میں سوچ کر میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ فوزیہ اچھلتی کودتی میرے قریب آرہی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں مڑ گیا۔ وہ لہرا کر دُہری ہو گئی اور اس کے ہاتھوں میں دبی ہوئی کتابیں فرش پر گر پڑیں۔ میں لپک کر آگے بڑھا اور میں نے اسے سہارا دیا۔

"کیسے چلتی ہو تم؟" میں نے اسے ڈانٹا۔ پھر اس کی کتابیں سمیٹنے لگا۔ اس کی کتابوں میں ایک البم بھی تھا، جس میں کیمرے سے کھینچی ہوئی بہت سی رنگین اور سیاہ و سفید تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ فرش پر گرنے سے البم کھل گیا تھا۔ ایک صفحہ میرے سامنے آگیا تھا۔ میں اسے بند کر کے اٹھانے ہی والا تھا کہ میری نظر اس میں لگی ہوئی تصویروں پر پڑی۔

ان تصویروں میں دو بچے تھے، جن کی عمر تین یا چار سال ہوں گی۔ دونوں کے قد ایک جیسے تھے، لباس بھی انھوں نے ایک جیسا ہی پہن رکھا تھا۔ دل چسپ اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان دونوں کی شکل و صورت بھی ایک جیسی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کی کاربن کاپی ہوں۔

"لائیے چھوٹے بھیے... یہ آپ کیا دیکھنے لگے۔" فوزیہ نے مجھ سے وہ البم جھپٹ لیا۔

"یہ کیسا البم ہے؟" میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"ہمارا خاندانی البم ہے۔ اس میں سب خاندان والوں کی تصویریں ہیں۔ امّی نے بڑی مشکل سے دیا ہے۔ میں اپنی ایک سہیلی کو یہ تصویریں دکھانا چاہتی ہوں۔"

"لیکن یہ دو بچے کون ہیں... بالکل ایک جیسے۔"

"آپ اسکول چلیے۔ بہت دیر ہو رہی ہے۔ اب تو تلاوت شروع ہو گئی ہوگی۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچا، مگر میں اپنی جگہ پر ساکت کھڑا رہ گیا۔

اب سلطان احمد کا حال سنئے۔

وہ نامعقول سا آدمی ڈیوڈ مسیح وہاں سے چلا گیا' مگر جاتے جاتے دھمکی دے گیا کہ وہ پھر گھیر آئے گا۔ ابّا مجھے گھر کی طرف لے جانے لگے۔ حالاں آنکہ میں چوپاٹی اور سمندر دیکھنا چاہتا تھا۔ سمندر کے بارے میں' میں نے ابھی تک کہانی قصّوں میں پڑھا تھا یا پھر فلموں میں دیکھا تھا۔ بمبئی آیا تو سمندر دیکھنے کی خواہش دل میں مچلنے لگی۔

"میں چوپاٹی جاؤں گا ابّا۔" میں اپنی خواہش زبان پر لے آیا۔

وہ حیرت سے بولے۔ "اس وقت رات کے وقت سمندر جاکر کیا کرے گا؟"

"میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے نا۔" میں نے بے دھیانی سے کہا۔

"مستانے! تجھے کیا ہوگیا ہے؟ ابھی دو دن پہلے تو تُو وہاں گیا تھا۔"

مجھے خیال آیا کہ میں سلطان احمد نہیں بلکہ پرویز مستانہ بنا ہوا ہوں۔ وہ بمبئی کا رہنے والا تھا۔ سیکڑوں بار چوپاٹی گیا ہوگا۔ وہ کتنا خوش نصیب تھا کہ آزادانہ زندگی گزار رہا تھا اور ایک میں ہوں کہ در بہ در کی ٹھوکریں کھا رہا ہوں اور میرے اپنے لوگ میری جان کے دشمن بنے ہوئے ہیں۔

"اوہ ہاں' آج پھر جانے کو دل چاہ رہا تھا۔ چلو بعد میں چلا جاؤں گا' مگر یہ پہلوان بچہ ڈیوڈ مسیح کون تھا اور کیا کہہ رہا تھا؟"

"وہ ــ وہ خراب آدمی تھا۔" انھوں نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "پھر کبھی دکھائی دے تو اس کے پاس نہ جانا۔ ڈانٹ کر کہہ دینا کہ میاں' چلتے بنو' ہم ایسے ویسے نہیں ہیں۔ ہماری بھی کوئی عزّت ہے۔"

"اچھا ابا! اب دکھائی دیا تو میں راستہ کاٹ کر دوسری طرف چلا جاؤں گا۔"

"شاباش میرے بچے!" انھوں نے میری پیٹھ ٹھونکی۔

اس وقت بات ٹل گئی اور میں بہ ظاہر مطمئن ہوگیا' لیکن مجھے رہ رہ کر خیال آرہا تھا کہ وہ کون سا چودھری تھا جس نے ڈیوڈ مسیح کا بیٹا مار دیا تھا اور اس نے انتقاماً ان کے بیٹے پرویز کو اغوا کرلیا تھا؟ پھر یہ پرویز' قریشی صاحب کے پاس کیسے آگیا؟

مجھے خیال آیا کہ پرویز آزادی سے تو زندگی بسر کر رہا ہے' لیکن اس کا ماضی کتنا پُراسرار اور الجھا ہوا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ انھی تاریک گلیوں میں پلا بڑھا اور یہی اس کا ٹھکانا ہے' لیکن

۴۴

اب انکشاف ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی کہیں اور سے شروع ہوئی تھی۔ وہ کسی امیر آدمی کا چشم وچراغ تھا۔

میں ابّا کے ساتھ گھر میں داخل ہوا تو درخشاں نے چینی کے پیالے میں گڑ کی چائے دی۔ پتّی بہت تیز تھی۔ چائے حلق سے اترتے ہی میرے تو کان بجنے لگے۔ میں نے اس وقت ضبط سے کام لیا ورنہ سارا راز کھل جاتا۔ مستانہ تو ایسی چائے کا عادی ہو گا اور اسے خوب مزے لے کر پیتا ہو گا۔

میں پیالا ایک طرف پھینک کر جگّی کے باہر جانے ہی والا تھا کہ صحن میں چارپائی پر بیٹھی ہوئی اماں نے کہا:

"اے کہاں جارہا ہے مستانے؟ ٹنکی' مٹکے سب خالی پڑے ہیں' نلکے سے پانی تو بھر کر لے آ میرے لعل۔"

"اچھا ابھی لو۔" میں نے مستعدی سے کہا اور آنگن کے دائیں طرف مڑا جہاں گھڑونچی پر مٹکے رکھے تھے اور ان کے قریب ہی بالٹیاں۔ میرا خیال تھا کہ مجھے دو تین بالٹیاں پانی لا کر رکھنا ہو گا' مگر جب آپا ذکیہ نے آدھے درجن مٹکے اور بالٹیاں مجھے تھما دیں تو میری روح فنا ہو گئی۔ میری ٹانگیں کانپنے لگیں کہ میں ان برتنوں کو نلکے سے بھر کر کیسے لاؤں گا؟۔

میں نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا: "مٹکوں کو یہیں رہنے دو۔ میں بالٹی سے پانی لا کر سب برتن بھر دوں گا۔"

"نمبر کافی دیر میں آئے گا۔ ایک ہی بار بھر کر لے آ۔"

میں نے دو چھوٹی بالٹیاں اٹھائیں اور وہاں سے باہر آگیا۔ یہ مجھے معلوم تھا کہ کارپوریشن کا نل کہاں ہے' اس لیے میں سیدھا اس طرف چلا گیا۔ پانی ابھی آیا نہیں تھا' اس لیے مٹکوں اور بالٹیوں کی لائن لگی ہوئی تھی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ وہ کوئی آدھی فرلانگ لمبی لائن ضرور ہوگی۔ میں جب سب سے آخر میں اپنی دو ننھی بالٹیاں رکھوں گا تو میرا نمبر کب آئے گا؟ یقیناً رات کو دس گیارہ بجے۔

اس کے بعد مجھے گھر کے سب برتن بھرنے تھے۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ سب کب بھریں گے؟ آپا ذکیہ صحیح کہہ رہی تھیں کہ مجھے سب برتن نل پر لے آنے چاہییے تھے۔ میں

نے وہ دو بالٹیاں تو وہاں سب سے آخر میں رکھ دیں اور دوبارہ اور پھر تیسری بار گھر گیا اور وہاں سے سب برتن لے آیا تاکہ ایک ہی بار میں تمام جھگڑا نمٹ جائے۔

جب میں وہاں پہنچا تو دو آدمی' ایک عورت اور چار لڑکے کھڑے تھے' مگر جب میں سب برتن لے آیا تو اس وقت نل پر سناٹا ہو گیا اور وہاں صرف ایک لڑکا دکھائی دیا۔ میں ایک طرف کھڑے ہو کر سوچنے لگا کہ ہم بڑے لوگ تو اپنے گھر میں والو گھما کر نہا دھو لیتے ہیں اور بالٹی میں پانی جمع کر لیتے ہیں' یہاں غریبوں کو ایک بالٹی پانی لینے کے لیے اتنی لمبی لائن لگانی پڑتی ہے۔

میری حویلی میں تو پانی کا کوئی مسئلہ نہیں تھا بلکہ پانی کا کیا شاید کوئی بھی مسئلہ نہیں تھا۔ ہمارے سوئمنگ پول میں اتنا پانی ہوتا ہے کہ یہ سب لوگ ایک ہفتے تک اپنی ضرورتیں پوری کر سکتے ہیں۔

وہ لڑکا ٹہلتا ہوا میرے نزدیک آ گیا اور بولا:

"آج تو بہت شرافت دکھا رہا ہے مستانے! کیا بات ہے۔ کیا تیرے نٹ بولٹ ڈھیلے پڑ گئے ہیں؟" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

میں نے ناگواری سے کہا:

"پیچھے ہٹو' مجھے ایسی بے تکلفی پسند نہیں ہے۔ تمھیں بات کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے۔"

"ایں! یہ تو کیا کہہ رہا ہے مستانے؟" اس نے آنکھیں پھاڑ کر حیرت سے کہا اور مجھے یوں دیکھنے لگا جیسے میرے سر پر سینگ نکل آئے ہوں۔ "کل تک تو ہم تیرے قریبی دوست تھے اور تیری بالٹی آگے لگا دیتے تھے تو تُو ہمیں کھانے کی چیزوں میں پتّی دیتا تھا' آج ہمارے سامنے شریف بن رہا ہے۔ ٹھیک ہے بھئی' دنیا بدل رہی ہے' اس لیے تم بھی بدل رہے ہو۔"

مجھے ایک لمحے میں ہوش آ گیا۔ میں بے دھیانی میں خود کو سلطان احمد سمجھ بیٹھا تھا اور میں نے اس جیسی حرکتیں شروع کر دی تھیں۔ میں نے خود کو سمجھایا کہ تم پرویز مستانہ کی جگہ ہو اور تمھیں اب اس کے مطابق زندگی بسر کرنی ہے۔ یہ لڑکا یقیناً مستانے کا قریبی اور گہرا دوست ہوگا اور نل سے پانی بھرتے وقت بالٹیاں آگے لگانے میں اس کی مدد کرتا ہوگا۔ مستانہ تو تیز طرار لڑکا ہے' محلّے پڑوس والوں کو کب خاطر میں لاتا ہوگا؟ تو پھر؟ میرے دماغ نے سوال کیا۔ پھر کیا اس کی دوستی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ میں نے اپنے دماغ کو جواب دیا۔

"ناراض کیوں ہو رہا ہے میرے دوست۔" میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا:
"میں تو مسخرا پن کر رہا تھا۔"

اس نے مسکرا کر کہا: "تو تو نرا مسخرا ہے۔ معلوم نہیں کیسے تیرے ساتھ دل مل گیا ہے۔
اچھا چھوڑ یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی۔ میں آگے کے برتن دُور کرتا ہوں' تو اپنے برتن سیٹ کر دے۔"

اس نے آگے کے برتن تھوڑے سے پیچھے کر دیئے اور میرے لیے جگہ بنا دی تو میں نے اپنے برتن وہاں لے جا کر رکھ دیئے۔ میں ڈر رہا تھا کہ اس دوران کوئی بڑا لڑکا نہ آجائے ورنہ لڑائی جھگڑا کھڑا ہو جاتا۔ شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔

پھر جب ایک گھنٹے کے بعد پانی آیا تو ایک ایک کر کے میں سب برتن گھر لے آیا۔ وزن اٹھانے کا مجھے کوئی تجربہ نہیں تھا۔ میں نے اب تک اتنی وزنی چیز کبھی نہیں اٹھائی تھی۔ پھر وہ تو پانی تھا' مٹکے میں بھرا ہوا' جو میرے کپڑوں اور جسم پر چھلک رہا تھا۔ میں پانی کیا بھر رہا تھا نہا رہا تھا۔

ایک نئے جوش اور جذبے سے میں نے یہ نیک کام کر ڈالا' جس سے مجھے روحانی خوشی حاصل ہوئی' مگر اس کے ساتھ ہی کمر میں چک آگئی۔ جب میں پانی بھر کر بستر پر گرا تو میرے منہ سے کراہیں نکل رہی تھیں۔

آپا ذکیہ نے ناک سکیڑ کر کہا:

"اے کیا ہو گیا شہزادے! تو نے تو لڑکیوں کو مات کر دیا۔ کیا کمر میں چک آگئی ہے؟"

"نہیں پاؤں میں پتھر لگ گیا تھا۔" میں نے بات بنائی۔ میں کمر والی بات بتا کر اپنی کمزوری ظاہر نہیں کرنا چاہتا تھا۔

رات کے کھانے سے پہلے میں نے گلی کا ایک چکر لگایا اور پھر ایک سنسان جگہ پر وہ ورزش کی جو اسکول میں کیا کرتا تھا۔ اس سے رگ اور پٹھوں کو اپنی جگہ پر آنے میں کافی مدد ملی۔ میں نے بہت سکون محسوس کیا۔ کمر کی تکلیف بڑی حد تک کم ہو گئی۔

رات کے کھانے میں مسور کی دال اور چپاتیاں تھیں۔ اس کے علاوہ رایتہ۔ مجھے یہ سادہ کھانا ذائقے دار اور لذیذ معلوم ہوا۔ روغنی اور پُر تکلف غذائیں کھاتے کھاتے طبیعت بھر گئی

تھی۔ ان نئے ذائقوں نے زبان کو ایک نیا لطف عطا کیا۔

کھانے کے بعد ٹہلنے کا عادی ہوں۔ سونے سے پہلے بیڈ منٹن کا بھی ایک آدھ سیٹ کھیل لیتا ہوں' اس لیے میں نے باہر نکلنے کے ارادے سے چپل پہنی اور اماں کو بتا کر دروازے کی طرف بڑھا۔ ٹھیک اسی وقت آواز آئی:

"قریشی صاحب ... قریشی صاحب!"

میں نے مڑ کر اماں کی طرف دیکھا تو انھوں نے کہا:

"اندر بلا لا۔ انصاری صاحب ہیں۔ منہ پھاڑے کیا دیکھ رہا ہے مجھے؟ کیا انھیں پہچانتا نہیں ہے؟"

"ہاں ' ہاں اچھا۔" میں نے سر ہلا کر کہا اور باہر گیا۔ باہر قمیص شلوار میں ایک بزرگ کھڑے تھے' جن کی عمر تقریباً پچاس برس ہوگی۔ چہرے پر نورانی داڑھی اور ہاتھ میں تسبیح۔ وہ بزرگ بولے:

"عشا کی نماز پڑھ کر نکلا تھا۔ سوچا تم لوگوں سے ملتا چلوں۔ خیریت تو ہے نا میاں پرویز؟"

میں نے ادب سے کہا: "جی اللہ کا کرم ہے۔ اندر آجایئے۔"

وہ اندر آگئے تو ابا کمرے سے نکل آئے۔ دونوں نے مصافحہ کیا۔ ایک دوسرے کی خیریت پوچھی اور رسمی باتیں ہوئیں۔ پھر اماں نے کہا:

"ارے ہاں بھائی صاحب! آپ کی بیسی نکلی ہے اس بار۔ پیسے لیتے جایئے۔"

"ارے جلدی کیا ہے بہن! پیسے آجائیں گے۔"

"نہیں' جب جمع ہوگئے ہیں تو لیتے جایئے۔ پرسوں ہی پرویز نے تمام گھروں سے پیسے جمع کر لیے تھے۔" پھر انھوں نے میری طرف مڑ کر کہا:

"پرویز! اپنے ٹرنک میں سے پیسے نکال کر لے آ۔ پورے دو ہزار ہیں۔ گن لینا۔"

میں نے کمرے میں جا کر پرویز مستانہ کا ٹین کا بکس کھولا اور اس میں رکھے ہوئے کپڑے الٹے پلٹے' مگر دو ہزار روپے کہیں نہیں ملے۔ مجھے گھبراہٹ ہونے لگی۔ معلوم نہیں پرویز نے رقم اپنے بکس میں رکھی تھی یا ساتھ ہی اوپر اُڑالے گیا تھا۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رقم نہ ملی تو کہاں سے لاؤں گا۔ اتنی جلدی دو ہزار کہاں سے آئیں گے؟

دل نے سمجھایا کہ پریشان کیوں ہوتے ہو' ہو سکتا ہے رقم بکس ہی میں ہو اور تم نے اچھی طرح دیکھا نہ ہو۔ میں نے بکس میں سے تمام کپڑے نکال کر دوبارہ ایک ایک کر کے دیکھے اور اس کا ایک ایک کونا چھان مارا۔ دو ہزار روپے کسی کونے میں نہیں تھے۔

باہر سے اماں کی آواز آئی:

"ارے کہاں مر گیا مستانے' جلدی سے پیسے لے آ بھائی صاحب جانے کو کہہ رہے ہیں۔"

میرا دماغ بھک سے اڑ گیا اور آنکھوں تلے اندھیرا چھانے لگا۔ جی چاہتا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور میں اس میں دفن ہو جاؤں۔

آنگن میں بیٹھی اماں سے ضبط نہیں ہوا تو وہ خود چپلیں گھسیٹتی ہوئی میری طرف آنے لگیں۔ (جاری)

بچوں کے لیے مذہبی کتابیں

نقوش سیرت (پانچ حصے) حکیم محمد سعید - فی حصہ 5/:

کتاب	مصنف	قیمت
حضرت عمر فاروقؓ	افضال الرحمٰن	6/:
حضرت یحییٰ علیہ السلام	منورہ نوری خلیق	3/:
حضرت آدم علیہ السلام	منورہ نوری خلیق	2/:
رسالہ دینیات اول	محمد نعیم الدین زبیری	3/
رسالہ دینیات دوم	"	4/
رسالہ دینیات سوم	"	5/
رسالہ دینیات چہارم	"	5/
رسالہ دینیات پنجم	"	6/
بزرگانِ دین	محمود علی خاں جامعی	4/
امت کی مائیں	حسین حسنی	4/50
اچھی باتیں	سعد الدین انصاری	2/50
خوب سیرت اول	حکیم محمد سعید	6/
خوب سیرت دوم	"	4/50
سلطان جی	اسلم فرخی	4/
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	فضل قدیر ندوی	4/50
رحمان کا مہمان	رفیع الزماں زبیری	6/
کمسن صحابی	"	5/
اسلام کے جاں نثار	"	4/
سیرت پاک مختصر مختصر	احمد خاں خلیل	3/
نور کے پھول	حکیم محمد سعید	9/
سب سے بڑے انسان۔ رسول اللہؐ	"	4/50
حضرت حمزہؓ	احتشام الدین مراد آبادی	2/
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	"	2/
حضرت ابوہریرہؓ	"	2/
حضرت محبوب الٰہیؒ	مشیر الحق	2/
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	"	2/
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ	"	2/
حضرت معین الدین چشتیؒ	"	2/
حضرت [illegible]	"	2/

کتاب	مصنف	قیمت
حضرت طلحہؓ	"	2/
حضرت سلمان فارسیؓ	"	2/50
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	مشیر الحق	3/
نیک بیٹیاں	"	2/50
اسلام کیسے پھیلا؟ حصہ اول	عبدالواحد سندھی	7/50
" حصہ دوم	"	6/
قرآن پاک کیا ہے؟	"	4/
اسلام کیسے شروع ہوا؟	"	7/50
اسلام کے مشہور سپہ سالار اول دوم	" فی حصہ	6/
اسلام کے مشہور امیر البحر	"	9/
رسول پاک	"	6/
دس جنتی	الیاس احمد مجیبی	5/50
سرکار کا دربار	"	6/50
چار یار	"	7/50
آں حضرتؐ (اردو)	"	2/50
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	4/50
اللہ کے خلیل	"	3/50
رسول پاک کے اخلاق	"	4/
اللہ کے صفی	"	2/50
ہمارا دین حصہ اول	سید شہاب الدین دسنوی	8/50
" دوم	"	7/50
" سوم	"	8/50
ارکان اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	3/50
عقائد اسلام	"	2/50
خلفائے اربعہ	خواجہ عبدالحی فاروقی	9/
نبیوں کے قصے	"	6/50
ہمارے رسولؐ	"	6/
پیارے رسولؐ	سلطانہ آصف فیضی	4/50
حضرت نظام الدین اولیاء	ادارہ	2/
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	4/
ہمارے نبیؐ	سید قطب الدین رضوی	2/50
سرکار دو عالم	محمد حسنی	[illegible]
قاعدہ یسرنا القرآن		

محمد قیوم اعتصامی

غزہ کے اہرام

اور ان کی بجھارتیں

مصر میں واقع یا دریافت کردہ (جب ان کا ایک ایک کر کے ماہرین آثار قدیمہ نے پتا چلا کر زمین کی تہہ کھود کر باہر نکالا) مصری فرعونی دنیا کے آثار قدیمہ کے ماہر ڈاکٹر زاہی حوس کہتے ہیں کہ اگر ہم دنیا زمین اور اس کے لوگوں اور ملکوں کا حال لکھنا شروع کریں تو ایسا کوئی تحریری جائزہ مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ مصر کے اہراموں کو نہ دیکھ لیا جائے کیونکہ ان کو دیکھ کر قدیم دنیا کی تاریخ شہریت جغرافیہ اور قدیم انسان کی ذہانت کا حال ہم پر کھل جاتا ہے کہ ہم پرانے زمانے کے لوگوں کو سادہ لوح سیدھے سادے اور جدید ترقی سے ناواقف سمجھتے چلے آرہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ ایسے علوم اور فنون سے آگاہ تھے جنھیں اِس وقت کا انسان اب تک نہیں جان سکا۔ انھوں نے جو چیزیں اور عمارتیں بنائیں یعنی قدیم دنیا کے ان عجائبات اور آثار نے موجودہ دور کے آدمی اور اس کے بچے کو حیران کر رکھا ہے۔ بچّے کی حیرت کی بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ اسے زیادہ سمجھ بوجھ نہیں ہوتی مگر آدمی کی حیرت کی بات سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ اسے پوری پوری عقل رکھنے کا دعوا بھی ہوتا ہے تو اسے عقل سے کورا بھی نہیں کہا جا سکتا۔

مصر میں اب تک جتنے اہرام دریافت ہو چکے ہیں ان کی تعداد اب تک تیس چالیس گنی جاتی رہی ہے ایک عام آدمی خواہ اس کا مصر سے تعلق بھی ہے اتنا ہی جانتا ہے۔ ڈاکٹر زاہی کہتے ہیں ان کی تعداد پچانوے (۹۵) ہے۔ ننانوے ہوتی تو اس میں ایک پھیر بھی ہو سکتا تھا آپ نے سنا ہوگا کہ جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے ننانوے کا پھیر کہا جاتا ہے۔

یہ ۹۵ اہرام مختلف حالتوں اور جسامتوں میں بنے ہوئے ہیں اور وہ مصر کے ان حصّوں میں واقع ہیں جو اب صحرا کا حصّہ ہیں مگر ان میں یہ بات یقینی ہے کہ یہ سب اہرام فرعونوں کے دورِ حکومت میں تعمیر ہوئے ہیں۔ فرعونوں کا عہدِ حکومت پچھے ہزار سال قدیم ہے اور وہ تین ادوار (عہدوں) میں بٹا ہوا ہے چار ہزار سال کا قبل مسیح سے تعلق ہے جبکہ دو ہزار سال کا بعد از مسیح موجودہ سن یعنی عیسوی سے ... چار ہزار سال قبل تعمیر کیے گئے اگر ہم ان کی تعمیر کا وقت شمار کریں تو ان پر ...

بن گئے تھے۔ یہ اہرام زیادہ تر وادی غزہ کی ہموار زمین پر تعمیر ہوئے تھے، ہموار زمین پر تعمیر کا ذکر اس لیے کرنا پڑتا ہے کہ وہاں کا رقبہ صحرائی ٹیلوں اور پتھریلی گھاٹیوں پر مشتمل ہے اور وادی غزہ جس طرح فرعونوں کے دور میں مختلف علاقوں اور آبادیوں میں تقسیم تھی۔ اس کے مختلف نام ہیں اور اب بھی ان (علاقوں) حصّوں کو قدیم ناموں سے یاد کیا جاتا ہے یہ حصّے ۴۲ میل کے رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۹۵ اہراموں میں سے پہلا اہرام وادی غزہ میں تعمیر ہوا اور اب دریافت ہوا۔ یہ موجودہ شہر قاہرہ سے دس میل کی مسافت پر واقع ہے ظاہر ہے فرعونی دور میں یہ جگہ آباد و شاداب تھی جبکہ اب صحرا ہے۔ پہلے اہرام کو ۲۶۵۰ سال قبل مسیح فرعون کھوفو نے تعمیر کرایا تھا مگر یونان کے تاریخ داں اس کا نام کھوفو کی بجائے چاپس لکھتے ہیں۔ مصری اسے کھوفو ہی کہتے ہیں کیونکہ اگر کسی فرعون کا نام بدل دیا جائے تو وہ فرعون ہی رہتا ہے ممکن ہے مصری ایسا ہی سمجھتے ہوں۔

اہرام تعمیر کرانے کا جو سلسلہ کھوفو نے شروع کیا تھا جب وہ مرا اس کا بیٹا چیفرن اور اس کے بعد اس کا بیٹا مائرتس فرعون بنا۔ دونوں نے اہرام بنانے کا کام جاری رکھا۔ مختلف فرعون جو مصر پر حکومت کرتے رہے اپنے آپ کو "آسمان کا دیوتا" قرار دیتے تھے مگر کھوفو نے اس بات کو تسلیم نہیں کیا تھا اور وہ اپنے آپ کو سورج کا دیوتا کہلاتا تھا اور اس نے اپنا دیومالائی لقب "رعی" قرار دیا تھا۔ رعی قدیم مصری زبان میں سورج کے بیٹے کو کہا جاتا تھا۔

اہرام تعمیر ہوتے رہے فرعون بادشاہوں کے بارے میں اسرار (عجیب وغریب باتیں) پھیلتے رہے اس وقت کے لوگ اسے غیبی قوتوں کے مالک سمجھتے تھے کیونکہ وہ اپنے آپ کو "خدا" سمجھتے تھے لوگوں سے اپنی پوجا کرایا کرتے تھے۔

قرآن حکیم کی سورۃ المومن آیات ۸۱-۸۲ پڑھ کر یہ بات سمجھی جا سکتی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ فرمان الٰہی ... سورۃ المومن۔

"اور وہ تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کو نہ مانوگے" (۸۱)
"کیا ان لوگوں نے زمین میں سیر نہیں کی تاکہ دیکھتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیسا ہوا (حالانکہ) وہ ان سے کہیں زیادہ طاقتور اور زمین میں نشانات (بنانے) کے اعتبار سے بہت بڑھ کر تھے، جو کچھ وہ کرتے تھے وہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔" (۸۲)

اس اہرام میں جو چٹانی پتھر استعمال کیا گیا ہے وہ بڑے بڑے بلاکس کی شکل میں ہے۔ ان کی تعداد ۲۳۰۰۰۰۰ ہے۔ یہ چار سمتی اہرام ہے ہر سمت کی چوڑائی ۷۵۶ فٹ ہے۔ اور وہ ۴۷۹ فٹ بلندی رکھتا تھا جب اسے دریافت کیا گیا تھا، چند برس پہلے ایک زلزلے سے اس کے ۲۰ بلاکس گر گئے تھے اور موجودہ بلندی ۴۵۰ فٹ ہے۔ اس کی کھدائی کے وقت سب سے پہلے اس کے اندر جانے والے دروازے کے راستہ پہنچی تھی جو اس اہرام سے ۵۰ فٹ کے فاصلے پر ہے اسے ۱۸۸۱ء میں برطانوی ماہر آثار قدیمہ اور ڈولی نے

کیا تھا مگر اسی سے اہرام کی موجودگی کا سراغ ملا اسے کھود نکالا گیا مگر کئی برس تک عام لوگوں کو اس کے اندر جانے کی اجازت نہ تھی پھر ۱۹۴۹ء میں اسے عام لوگوں اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے کھولا گیا تھا۔ یہاں یہ بات واضح کرنا ضروری ہے۔ مصر میں سب سے پہلے اہرام کی دریافت کا سن ۲۳ ۹۱ء مقرر کیا گیا ہے مگر ۱۸۸۱ء میں کھوفو کے اہرام کے اندر جانے کا دروازہ ملا تھا۔ اہرام نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ ۱۸۸۱ء کو دریافت کا سال نہیں گنا جاتا۔

میرے پسندیدہ اشعار

منزل کی تمنا ہے تو کر جہد مسلسل
خیرات میں تو چاند ستارے نہیں ملتے

نہاں رفیع۔ عبداللہ مارکیٹ پیپریا ہوشنگ آباد

زندگی سبھی مسافر کی طرح لگتی ہے
یہ کراچی میں مہاجر کی طرح لگتی ہے

جمیلہ اختری، زہرہ ہاسپٹل، بڑہل گنج گورکھپور

توہین خرد ہے رک جانا، تحقیر خودی ہے جھک جانا
ہر گام پر سجدہ کر لینا، خوددار جبیں کا کام نہیں

عفت انجم قریشی محلہ بڑھئی پورہ منگرول پیر

اے وقت مجھے کھوکھلی دیوار مت سمجھ
صدیوں سے زلزلوں کے مقابل رہا ہوں میں

عبید الرحمٰن باز سلطان پوری

دشمنوں سے تو نہیں کوئی شکایت ہم کو
دوست ہر روز نیا زخم لگا دیتے ہیں

محمد معز الدین، فورٹ ہائی اسکول جگتیال

سب کے ہونٹوں پہ تبسم تھا میرے قتل کے بعد
جانے کیا سوچ کے روتا رہا قاتل تنہا

جاوید اقبال، دیوان پورہ منگرول پیر، آکولہ

انصاف کی آنکھوں سے برسنے لگے آنسو
گمراہ جہاں قوم کا سردار ہوا ہے

رئیس احمد حافظ عبدالواحد، نکال پورہ مالیگاؤں

میں خود بھی نہیں اپنی حقیقت کا شناسا
گہرا ہے میرے بحر خیالات کا پانی

جاوید احمد۔ گاندھی نگر ——— ہبلی

نہیں پیتا مگر دنیا مجھے مخمور کہتی ہے
مری معصوم فطرت پر بڑا الزام ہے ساقی

محمد شاہد۔ منگرول پیر۔ مہاراشٹر

دنیا کے اے مسافر منزل تیری قبر ہے
طے کر رہا ہے جو تو دو دن کا یہ سفر ہے

ناظم محبوب۔ سید بلسی۔ کرناٹک

زندگی کا راستہ مجھ کو بتایا موت نے
ہم ہوئے تیار مرنے کو تو جینا آگیا

شاداں رحمٰن جولی، دلاور پور، مونگیر، بہار

قرباں میں ان کی بخشش پر مقصد بھی زباں پر لایا نہیں
بن مانگے دیا اور اتنا دیا دامن میں ہمارے سمایا نہیں

نعمان عبدالغفار، مشرقی اقبال روڈ، مالیگاؤں

بھولے ہیں رفتہ رفتہ انھیں مدتوں میں ہم
قسطوں میں خودکشی کا مزہ ہم سے پوچھیے

محمد عبید الرحمٰن قریشی، مدار تکیہ منگرول پیر

چمن میں گریۂ شبنم غلط سہی لیکن
سوال یہ ہے کہ پھولوں کو کیوں ہنسی آئی

محتشم عبداللطیف جنیکر، نور باغ ڈونگری بمبئی ۹

اگر ہو جستجو صادق تو ناکامی نہیں ہوتی
جو ہو منزل کا متوالا وہ منزل پا ہی لیتا ہے

محمد زاہد عابدی۔ اے ایم یو علی گڑھ

نکہتِ زلف پریشاں، داستانِ شامِ غم
صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو!

شیخ مختار، سید پورہ، بالاپور، ضلع آکولہ

پھول تو دو دن بہارِ جاں فزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

نجمہ نکہت عبدالمناف، اسلام پورہ، کاسودہ

ہو عمرِ خضر بھی تو کہیں گے بوقتِ مرگ
ہم کیا رہے یہاں ابھی آئے ابھی چلے

عبدالغفار صدیقی ساکن شہر پلسی، اورنگ آباد

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

سلطانہ جہاں عبدالمناف، اسلام پورہ، کاسودہ

حالات بدل دیتے ہیں ہاتھوں کی لکیریں
کیوں دست شناسوں کا پتہ پوچھ رہا ہے

محمد اجمل انصاری، محلہ پورہ دلھن، مبارک پور

پھر گھٹا چھا رہی ہے باطل کی
پھر ہمیں ذوقِ کربلا دیجیے

ماجد زکی محمد زبیر الیوبی، کمال پورہ، مالیگاؤں

جس راہ پہ پہلے چلتے تھے وہ راہ اپنی بھول گئے
اللہ کا دل میں خوف نہیں قرآن سے رشتہ ٹوٹ گیا

محمد شعیب شیخ باغباں، اتھنی، کرناٹک

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن
وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے

منہاج العابدین، علی صاحب محلہ، تندور، بار ایکسٹینشن

آتی ہے یاد تیری، اچھا ہے نام تیرا
اے دور رہنے والے تجھ کو سلام میرا

ارشد کمال تھیا، زرات موتی ہاری، بہار

قتلِ حسین اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

محمد شریف محمد عثمان قریشی، ناندورہ، بلڈانہ

خیالِ خاطرِ احباب چاہیے ہر دم
انیسؔ ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

انجم آرا محمد ذاکر، اسلام پورہ، کاسودہ -

جس پیڑ کی چھاؤں بھی لگے دھوپ کی مانند
اس پیڑ پہ پنچھی بھی بسیرا نہیں کرتے

محمد فہد پاشا، بنگالی بازار، گارڈن ریچ، کلکتہ

اے کشتیِ حیات کے ملاح غم نہ کر
ساحل پہ پھینک دیتا ہے طوفاں کبھی کبھی

مجاہد مشتاق - سروے، کیرلا

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں ہوتی
ہو جس کے جوانوں کی خودی صورتِ فولاد

نزہت انجم عبدالعزیز قریشی، بڑھئی پورہ، ہنگرول، ایسر

مغرب سے نہ رکھ روشنیِ طبع کی امید
سورج کبھی مغرب سے نکل ہی نہیں سکتا

انصاری اخلاق احمد سراج احمد، سنیار محلہ، تندور، بار

کسی کا راز رکھنے کو کبھی ایسا بھی ہوتا ہے
کہ آنسو جھلملا جاتے ہیں اور دامن نم نہیں ہوتا

محمد الطاف حسین، رانی پور، ضلع گڈا، بہار

ہمارے عزم پہ ایمان لا کو قافلے والو
قدم زخمی ہیں لیکن شوخی رفتار باقی ہے

ملا نقشبندی القادری، بالاپور ضلع آکولہ

ابھی آرام سے لیٹے رہو میں پھر بھی آؤں گی
سلادوں گی جہاں کو، خواب سے تم کو جگا دوں گی

صدف صلاح، تزئین فاطمہ کمراواں اعظم گڑھ

بے تکلف خندہ زن ہیں فکر سے آزاد ہیں
پھر اسی کھوئے ہوئے فردوس میں آباد ہیں

نوید احمد جھلجھلی، بہادر گنج۔ کشن گنج بہار

اپنے کعبے کی حفاظت تمھیں خود کرنی ہوگی
اب نہ آئے گا ابابیلوں کا لشکر کوئی

فیصل شعیب ——— بیارہ

دو دن کی زندگی ہے اس کو سنوار لے
توبہ کا در کھلا ہے خدا کو پکار لے

الطاف علی چوگلے ——— رتناگیری

عزت سے ہم بھی جینے کے حقدار ہیں یہاں
شامل ہمارا خون بھی قربانیوں میں ہے

عبداللہ ہلال، ۴۰۰، بی کمال پورہ، مالیگاؤں

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہے تھے کسی کی نگاہ میں

راشدہ بانو۔ سرائے میر ضلع اعظم گڑھ

تو جو بدلا تو زمانہ بھی بدل جائے گا
گھر جو سلگا تو پھر شہر بھی جل جائے گا

حافظ وہاج الدین قصبہ شاہ پور گھیم پور کھیری

کہاں تک ہم مسلسل ورغ بڑھتے جائیں کشتی کا
وہیں طوفان ابھرتا ہے جہاں ساحل سمجھتے ہیں

محمد نوشاد خاں کمال موضع ریتلی، لکھیم پور کھیری

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اصغر خان، مکتبہ اسلامی، بھیونڈی

کیا رفعت کی لذت سے نہ دل کو آشنا تو نے
گزاری عمر پستی میں مثال نقش پا تو نے

محمد باغبان۔ اتھنی۔ ضلع بیلگام

نشہ پلا کے گرانا تو سب کو آتا ہے
مزہ تو جب ہے کہ گرتوں کو تھام لے ساقی

محمد مقیم خاں ٹیگور نگر بمبئی

وہ پھول سر چڑھا جو چمن سے نکل گیا
عزت اسے ملی جو وطن سے نکل گیا

ممتاز پروین، سائکل پورہ، ناندورہ

اٹھ کر ذرا تو دیکھو، دنیا کا رنگ کیا ہے
رفتار کیا جہاں کی، قوموں کا ڈھنگ کیا ہے

خدیجہ بیگم، ڈاکٹر اقبال نگر، پربھنی، مہاراشٹر

شہ زور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے

مظفر نصیب صدیقی، مڈل اسکول کمٹی پیٹ گیا

گزارو زندگی اپنی ہمیشہ نیک کاموں میں
نہ جانے کون سا پل موت کا پیغام ہو جائے

فوزیہ کبریٰ، انصار گرلس ہائر سیکنڈری اسکول مبارکپور

جب بھی دیکھا ہے پرندوں کو اڑانیں بھرتے
میری پستی کو بلندی پہ ہنسی آتی ہے

ابو اسامہ بن مولانا محفوظ عالم شملیہ کاکی مدینا پور

کہتے ہیں فرشتے کہ دل آویز ہے مومن
حوروں کو شکایت ہے کم آمیز ہے مومن

محمد طلحہ چشمہ بی بی روڈ — حیدرآباد

بقا کی فکر کرو خود ہی زندگی کے لیے
زمانہ کچھ نہیں کرسکتا کبھی کسی کے لیے

س۔م عابد، دریا گنج، نئی دہلی ۲

ہم ضبط کی حدوں سے آگے نکل چکے ہیں
کب تک یہ آزمائش اے آسماں ہماری

یاسمین بانو نیشنل اردو ہائی اسکول سلوڑ

مصائب لاکھ بڑھ جائیں عزائم کم نہیں ہوتے
یہ سر وہ ہیں جو کٹ جاتے ہیں لیکن خم نہیں ہوتے

محمد عقیل خاں سروبجی لکھنؤ

سب لوگ کہہ رہے تھے جسے اب بھی زلزلہ
وہ زلزلہ نہیں تھا خدا کا عذاب تھا

ناظم علی سخاوت علی نوغازی پلاٹ، آکوٹ

سجدوں کے عوض فردوس ملے یہ بات مجھے منظور نہیں
بے لوث عبادت کرتا ہوں بندہ ہوں ترا مزدور نہیں

ماسٹر اعجاز احمد شیخ، منگرول پیر

اے خاکِ چمن، خون تجھے ہم نے دیا ہے
یہ کون ہیں خوشبو کے جو حقدار بنے ہیں

عبدالرحمٰن، الکتاب۔ اررییہ۔ بہار

تھے چاند میرے آقا اصحاب تھے ستارے
ہر سمت چاندنی تھی رحمت کے تھے اشارے

سیدہ شمامہ حسن، تکیہ کلاں رائے بریلی یوپی

میری زندگی کا مقصد تیرے دیں کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں میں اسی لیے نمازی

محمد ادریس عطار پوسد ایوت محل

جب شمع رسالت کی لو آپ نے روشن کی
دیوانے تو دیوانے پروانے چلے آئے

حافظ محمد حسن متعلم مدرسۃ اسلامیہ انوار العلوم الہو مبارکپور

سوکھے پیڑوں کا ذرا صبر تو دیکھو
پانی کے برسنے کی دعا بھی نہیں کرتے

ایس۔کے ضیاء الدین فیروز، ورنگل ۲

مصیبت میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
مگر ایماں کامل ہو تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

انیسہ ناز شیخ سانڈو، اسلام پورہ، کاسودہ

یا منزلِ عقبیٰ کے قریں ہو جاؤ
یا محفلِ دُنیا کے مکیں ہو جاؤ
ایک ساتھ اگر دونوں مزے چاہتے ہو
جاؤ کہیں سجادہ نشیں ہو جاؤ

مرزا معظم بیگ۔ کدورہ — جالون

ہوتا ہے جب الیکشن کٹتی ہے خوب دولت
نوٹوں پہ چل رہا ہے یہ کارواں ہمارا
حصولِ علم گر ہوتا بلا محنت زمانے میں
تو ایک جاہل بھی یہ ساری کتابیں دھو کے پی جاتا

حمیدہ خاتون نثار احمد خاں، تربھے، نئی بمبئی

اردو

اتحادی نشان ہے اردو
یک جہتی کی جان ہے اردو
دلیش کی آن بان ہے اردو
فخر ہندوستان ہے اردو
ہر زبان کو گلے لگاتی ہے
مادرِ مہربان ہے اردو
ساری دنیا سراہتی ہے اسے
کتنی پیاری زبان ہے اردو
اس کو کوئی مٹا نہیں سکتا
تاج بھارت کی جان ہے اردو

محمد افتخار علی، فورٹ ہائی اسکول، جگتیال

زبان سے کہہ دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و زبان مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ارشد احمد محمود احمد، جولی مسجد اسلامپورہ مالیگاؤں

پتھر کے جگر والو غم میں وہ روانی ہے
خود راہ بنالے گا بہتا ہوا پانی ہے

محمد امجد شاہ، بابو تالاب، آسنسول ۲

یوں نہ انسان کا برگشتہ مقدر ہو جائے
میں اگر پھول اٹھاؤں تو وہ پتھر ہو جائے

شگفتہ بانو عبدالوحید، قاضی پورہ، شہادہ

باتیں ہزار سچ ہوں مگر پھر بھی احتیاط
آہستہ گفتگو کر، زمانہ خراب ہے

اصغر امام نیورو پیر جمہی شیوہر بہار

قدم پیچھے ہٹانا عزم کی توہین ہے ہمدم
بلا سے راستے میں زندگی کی شام ہو جائے

محمد رضا عبدالحمید [illegible]

دوستوں سے اس قدر صدمے اٹھائے جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

زبیر احمد خاں، حافظ پورہ، منگرول پیر، آکولہ

میر و غالب کا ہنر مولی دگا جر ہو گیا
اب تو جمن بھی یہاں اردو کا لیڈر ہو گیا

مسرور شاہدی، مقام جھالا، کشن گنج، بہار

اب کھل کے کہو بات تو کچھ بات بنے گی
یہ دورِ اشارات و کنایات نہیں ہے

فاروق اعظم، حلیم کالج، عظیم آباد کالونی، پٹنہ

رگ رگ میں زمانے کی اتر کیوں نہیں جاتے
جب ٹوٹ گئے ہو تو بکھر کیوں نہیں جاتے

محمد سلمان نگبری، محلہ تکیہ بازار، نگہر ضلع بستی یوپی

کچھ دیر درختو! مجھے چھاتو میں چھپالو
سورج تو بہت خوش ہے مرا جسم جلا کر

محمد الیاس مومن، اتھنی ضلع بیلگام

الفاظ و معنی میں تفاوت نہیں لیکن
ملاّ کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور

ابرار احمد، ابرار ایجنسی، ایوت محل

ہے مملکت ہند میں بھی اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس مسلمان ہے آزاد

شفقت صدرالدین ٹیوننگا، اعظم گڑھ

اہلِ ایماں اور غیر اللہ کو سجدہ کریں
ہم کہاں تک یہ تماشا روز و شب دیکھا کریں

مولانا شفیق الرحمٰن ندوی، ندوۃ العلماء لکھنؤ

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

شیخ اصغر، شیخ غلام، قاضی نگر، بھنڈارہ

نکلنا خلد سے آدم کا سنتے آئے تھے لیکن
بہت بے آبرو ہوکر ترے کوچے سے ہم نکلے

عطیہ تبسم قریشی مدار تکیہ منگرول پیر آکولہ

نگاہ موت پہ رکھتا ہے مردِ دانشمند
حیات کیا ہے شبِ تاریک میں شرر کی نمود

سعود احمد قریشی محلہ مدار تکیہ منگرول پیر آکولہ

انسانیت سے دور ہے انسان آج کل
انسان سے شرمندہ ہے شیطان آج کل

ارمان احمد، برداہا، کنتول، مدھوبنی بہار

نفرت کا جہاں جب بھی طوفاں کوئی اٹھے
ہر دل میں محبت کی اک شمع جلا دینا

محمد اشرف علی، سلفیہ جونیر اسکول ہرپا سرائے

تیری انجمن میں ہم نے عجب احترام دیکھا ہے
کہیں رحمتوں کی بارش کہیں قتلِ عام دیکھا ہے

ساجد احمد خاں محمد خاں، بارہ دری ملکاپور

اے دوست ہم نے ترکِ تعلق کے باوجود
محسوس کی ہے تیری ضرورت کبھی کبھی

محمد مقصود عالم ساکن ڈبو، چاکند، گیا بہار

لو جان بیچ کر بھی جو علم و ہنر ملے
جس سے ملے جہاں سے ملے جس قدر ملے

عبدالمقیم، ڈولیا سوناپور ضلع اریہ بہار

تھے جو خود سر جہاں میں مشہور
خاک میں مل گیا سب ان کا غرور

محمد نصیب الہدیٰ، شاہ پور بگھونی سمستی پور بہار

مجھے زندگی سے سخت نفرت ہے
مگر مرنے کے لیے کہاں فرصت ہے

محمد انجم پرویز، موتی ہاری، مغربی چمپارن بہار

یا الٰہی میرا پیچھا دنیا کی محبت سے چھڑا دے
یا رب مجھے دیوانہ مدینہ کا بنا دے

محمد دلنواز انصاری، علی نگر، مبارک پور یوپی

وہ پھول تھا تو روز چہکتا تھا خواب میں
خوشبو بنا تو تیز ہوا میں بکھر گیا

قمر الدین خان، مدرستہ الاصلاح، سرائے میر

شاخ سے کٹنے کا غم ان کو بہت تھا لیکن
پھول مجبور تھے، ہنستے رہے گل دانوں میں

محمد صابر شاداب، موہن پورہ ملکاپور، بلڈانہ

بچوں نے میرے گھر کو دیا یوں جدید رنگ
قرآن اٹھا کے رحل سے ٹی وی سجا دیا

نزاکت علی سخاوت علی، لوگڑی پلاٹ آکوٹ

ساحل کے تماشائی ہر ڈوبنے والے پر
افسوس تو کرتے ہیں بچایا نہیں کرتے

شیخ محمد ندیم شیخ محمد عبدالرؤف، محبوب گنج بیڑ

ساحل پہ کھڑا دیکھ نہ یوں خالی صدف کو
موتی کی تمنا ہے تو دریا میں اُتر جا

غزالہ ہاشمی حلیم کالج، عظیم آباد کالونی، پٹنہ

حرف حرف دے سکے جس کا درسِ زندگی
مل سکے تو میں پڑھوں وہ کتاب آپ کی

طلعت پروین، شریف کالونی، پٹنہ ۸۰۰۰۰۶

احساس و عمل کی چنگاری جس دل میں فروزاں ہوتی ہے
اس لب کا تبسم ہیرا ہے اس آنکھ کا آنسو موتی ہے

عقیل احمد سالم ریاض احمد گلشن آباد مالیگاؤں

غم کی راہ پر لگا دیا تو نے
سبق اچھا سکھا دیا تو نے

غلام رسول بالاپور آکولہ مہاراشٹر

مبارک ہو زمیں والو زمیں پر مصطفےٰ آئے
جو تھے عرش معلّٰی پر وہ رب کے دلربا آئے

محمد اعجاز احمد کاظمی، موہن پور، مظفر پور، بہار

وہ شبنم کا سکوں ہو یا کہ پروانے کی بیتابی
اگر اٹھنے کی دھن ہوگی تو ہوں گے بال و پر پیدا

ایک ہی وقت میں پتھراؤ بھی گل پوشی بھی
ایسے حالات میں ایک جرم ہے خاموشی بھی

شفیق الرحمٰن ابن عبدالغفور، منگرول پیر، آکولہ

داغ دشمن سے بھی جھک کے ملیے
کچھ عجب چیز ملنساری ہے

ساجدہ یاسمین، برھنی پورہ، منگرول پیر آکولہ

کتنے گناہ ہم نے کیے ہیں کہ اے خدا
لیتے ہیں تیرا نام بڑی شرمندگی کے ساتھ

[illegible]

اس دور کے پھولوں میں کہاں پیار کی خوشبو
یہ دورِ محبت کا لہو چاٹ رہا ہے

عبدالمغنی اثری، جھنجھارپور، مدھوبنی (بہار)

مسجد تو بنالی دم بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے
من اپنا پرانا پاپی تھا برسوں میں نمازی بن نہ سکا

لباس پارسائی سے شرافت آ نہیں سکتی
شرافت نفس میں ہوگی تو انسان پارسا ہوگا

طارق شفیق۔ سنجرپور، اعظم گڑھ (یوپی)

اپنے کردار کو موسم سے بچا کے رکھنا
لوٹ کر پھول میں واپس نہیں آتی خوشبو

ارشاد احمد انصاری۔ دھورا سلطانپور (یوپی)

لوگ پتھر مارنے آئے تو وہ بھی ساتھ تھے
ہم خطائیں جن کی اپنے نام لکھواتے رہے

جولی — چاند ماری روڈ، آسنسول

وہ میرا دوست ہے سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے وہ کسی سے تو شرم آئے مجھے

محمد حنیف ننگارچی، بیجاپور (کرناٹک)

میرے دل کی راکھ کرید مت اسے مسکرا کے ہوا نہ دے
یہ چراغ پھر بھی چراغ ہے کہیں تیرا ہاتھ جلا نہ دے

ساجد عالم۔ حسن پور، رلو (کٹیہار)

میرے ساتھ چلنے والے، تیری جستجو کے صدقے
بڑی سخت منزلیں ہیں کہیں تھک کے رک نہ جانا

[illegible]

معلومات

پیغمبروں کے نام اور ان کی عمریں

حضرت آدم علیہ السلام	۹۵۰ یا ۱۰۰۰ سال
حضرت ادریس علیہ السلام	۳۶۰ سال
حضرت ہود علیہ السلام	۱۵۰ سال
حضرت لوط علیہ السلام	۱۷۵ سال
حضرت اسمٰعیل علیہ السلام	۱۳۴ یا ۱۷۰ سال
حضرت اسحاق علیہ السلام	۱۸۰ یا ۱۸۰ سال
حضرت یعقوب علیہ السلام	۱۴۷ سال
حضرت یوسف علیہ السلام	۱۱۰ سال
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم	۶۳ سال

رحما کوثر - حافظ پورہ - منگرول پیر - آکولہ

ایک روزہ کرکٹ میں ہندستان کی جیتی ہوئی ٹرافیاں

ٹرافی کا نام	کہاں	سال
تیسرا عالمی کپ	انگلینڈ	۱۹۸۳ء
ایشیا کپ	شارجہ	۱۹۸۴ء
راسٹمن ٹرافی	شارجہ	۱۹۸۵ء
شارجہ کپ	شارجہ	۱۹۸۸ء
ایشیا کپ	بنگلہ دیش	۱۹۸۸ء
ایشیا کپ	ہندستان	۱۹۹۰ء
ہیرو کپ	ہندستان	۱۹۹۳ء
سنگر کپ	سری لنکا	۱۹۹۴ء
ایشیا کپ	شارجہ	۱۹۹۵ء

قریشی نعیم اختر عبدالوہاب - اسلام پورہ - مالیگاؤں

• دنیا میں کل ۲۷۹۶ زبانیں بولی جاتی ہیں۔
• دنیا کا سب سے بڑا پھول کا نام رفلیشیا ہے۔
• دنیا میں سب سے زیادہ اسکول ... ہیں۔

• گھوڑا واحد جانور ہے جو کھڑے ہی کھڑے سو لیتا ہے۔

محمد سیف سعیدی - چندوارہ - مظفرپور - بہار

س: انگریزی کے کون سے مہینے میں عورتیں سب سے کم بولنے پر مجبور ہوتی ہیں؟
ج: فروری - کیونکہ اس کے دن کم ہوتے ہیں۔
س: تمھاری وہ کون سی چیز ہے جس کو تم سے زیادہ دوسرے استعمال کرتے ہیں؟
ج: نام۔
س: کیا چیز قمیص میں چار لگائی جاتی ہے، کرتے میں دو، اور شیروانی میں چھے؟
ج: نقطے۔
س: تمھاری خالہ کی بہن خالہ نہیں تو اور کون ہے؟
ج: ماں۔
س: تمھیں اپنے گھر میں ایک چراغ، ایک لالٹین اور ایک لیمپ جلانا ہو اور دیا سلائی کی صرف ایک تیلی ہو تو بتاؤ سب سے پہلے کس کو جلاؤ گے؟
ج: دیا سلائی جلانا ہوگی۔
س: بیماری سے کون خوش ہوتا ہے۔
ج: ڈاکٹر۔

سید عمران احمد سید مختار احمد - جونا بازار - بیڑ

دنیا کے عجائبات

• اہرام مصر: مصر میں واقع ہیں جو کہ آج سے چھے ہزار سال قبل تعمیر ہوئے۔
• تاج محل: سنگ مرمر کا تعمیر شدہ مقبرہ، آگرہ میں ہے۔ جس کو شاہجہاں نے سترھویں صدی میں بنوایا تھا۔
• بابل کے معلق باغات: اصل میں ۳۰۰ فٹ اونچے اور پچاس فٹ چوڑے تعمیر ۶۰۰ برس قبل از مسیح۔

وسیم راجا - بیمبئی روڈ - ...

مختلف ممالک کے سکے

امریکا	ڈالر
روس	روبل
انگلینڈ	پونڈ
ایران	دینار
عراق	دینار
جاپان	ین
جرمنی	مارک

محمد فرقان این آر آر روڈ، ریل پار، آسنسول

س : دنیا میں کون سا ملک ہے جس میں مچھر نہیں ہے۔
ج : فرانس۔
س : دنیا کی کون سی ایسی ندی ہے جس میں مچھلی نہیں ہے۔
ج : جارڈن ندی، فلسطین۔
س : دنیا کی کون سی مچھلی ہے جو بچے پیدا کرتی ہے اور بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔
ج : وہیل مچھلی۔
س : دنیا کی وہ کون سی مچھلی ہے جو پانی پر تیرتی ہے۔ زمین پر چلتی ہے۔ ہوا میں اڑتی ہے
ج : گرائی مچھلی۔

مرزا شاہین ——— بارسی ٹاکی

- چاندی : یہ سب سے زیادہ میکسیکو سے نکالی جاتی ہے۔
- تانبا : یہ سب سے زیادہ امریکا سے نکلتا ہے۔
- کوئلہ : یہ سب سے زیادہ امریکا سے نکلتا ہے۔
- نکل : یہ سب سے زیادہ کینڈا سے نکلتا ہے۔

محمد سالک عین براڈسٹ، مالیر کوٹلہ، پنجاب

س : حضور پاکؐ کو کل کتنی معراج ہوئیں؟
ج : ۳۲ معراج ہوئیں۔
س : حضرت ابوبکر صدیقؓ کی قبر کہاں پر ہے؟
ج : حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں۔
س : ہندستان میں سب سے پہلے مسلمان کون ہوئے؟
ج : بابا رتن۔

فیضان اشرف، پورہ صوفی، مبارک پور

ہندستانی وزرائے اعظم

نام	کب سے کب تک
جواہر لال نہرو	۱۹۴۷ء سے ۱۹۶۴ء تک
لال بہادر شاستری	۱۹۶۴ء سے ۱۹۶۶ء تک
اندرا گاندھی	۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۷ء تک
مرارجی ڈیسائی	۱۹۷۷ء سے ۱۹۷۹ء تک
چرن سنگھ	۱۹۷۹ء سے ۱۹۸۰ء تک
اندرا گاندھی	۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۴ء تک
راجیو گاندھی	۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۹ء تک
وی، پی سنگھ	۱۹۸۹ء سے ۱۹۹۰ء تک
چندر شیکھر	۱۹۹۰ء سے ۱۹۹۲ء تک
پی وی نرسمہا راؤ	۱۹۹۲ء سے ۔۔۔۔۔

محمد عقیل خاں سروجی، مدرسہ عالیہ فرقانیہ چوک لکھنؤ

- انسان چوبیس گھنٹے میں ۲۳۰۴۰ مرتبہ سانس لیتا ہے۔
- ایک بالغ انسان کے جسم میں کل ہڈیوں کی تعداد ۲۰۶ ہے۔
- انسان کی جلد میں ۲۰ لاکھ سے بھی زیادہ مسامات (سوراخ) ہوتے ہیں۔

شیخ محمد اقبال اسمٰعیل صوبیدار بستی، اشرف العلم پور

● [illegible] کا آغاز [illegible] میں ہوا تھا۔
● بابر کی پیدائش ۱۴۸۳ء میں ہوئی تھی۔
● بابر کی وفات ۱۵۳۰ء میں ہوئی تھی۔
● ہمایوں کی پیدائش ۱۵۰۸ء میں ہوئی تھی۔
● ہمایوں کی وفات ۱۵۵۶ء میں ہوئی تھی۔

شکیل احمد خان، سلطان پورہ جلگاؤں

● دنیا میں سب سے زیادہ تیز رفتار چلنے والا جہاز جیٹ ہے۔
● ہندوستان میں سب سے پہلی ریل گاڑی لارڈ ڈلہوزی نے تھانہ سے بمبئی تک چلائی تھی۔

نزہت انجم قریشی، مدار تکیہ، منگرول پیر اکولہ

● سب سے پہلا سائنس داں عبدالملک اصمعی (۷۳۹-۸۲۸ء) کو قرار دیا گیا جو اپنے وقت کا بہت بڑا ماہر حیاتیات (بیالوجسٹ) تھا۔
● دوران خون کا نظریہ سب سے پہلے ابن ماسویہ نے پیش کیا۔
● سب سے پہلے دوربین ابن سینا کے استاد ابوالحسن نے ایجاد کی۔
● بابائے کیمیا جابر بن حیان کو مانا جاتا ہے جس نے مادے کی تین حصوں میں درجہ بندی کی۔
نباتات۔ حیوانات۔ معدنیات۔

احمد کمال جاوید، اسلام پورہ۔ مالیگاؤں

ایجاد	موجد
جیٹ انجن	سر فرینک وٹل (۱۹۳۹ء)
ہوائی جہاز	رائٹ ولبر رائٹ اور اورول رائٹ ۱۹۰۳ء
[illegible]ٹوگرافی	جیمز کارتس (۱۹۲۶ء)
[illegible]	جان جے [illegible]

[illegible]

● دنیا میں سب سے زیادہ مسلمان [illegible] میں ہیں۔
● اسلامی سکہ عبدالملک بن مروان نے ایجاد کیا۔
● کاغذ حضرت یوسف علیہ السلام نے ایجاد کیا۔
● اسلامی تاریخ کی ابتدا حضرت عمر فاروقؓ نے کی۔
● رسول اکرمؐ کو آخری غسل حضرت علیؓ نے دیا۔

شاذیہ یاسمین قریشی، برھسئی پورہ، منگرول پیر

● سائکل چارلس گڈ ییر نے ایجاد کی تھی۔
● ہندوستان میں سب سے پہلا اخبار ۱۷۸۰ء میں شائع ہوا۔
● دنیا کا سب سے ٹھنڈا ملک تھنڈرا ہے۔
● دنیا کا سب سے گرم حصہ براعظم افریقہ ہے۔
● دمشق دنیا کا سب سے پرانا شہر ہے۔
● آبدوز ڈیوڈ بشنیل نے ایجاد کی۔

سید عرفان احمد، مالیر کوٹلہ، پنجاب

نام	سائنسی نام
ناریل	کوکس نیوسی فیرا
کیلا	موسا پیراڈائیسیکا
گائے	بوس انڈیکا
بندر	مکاکا میولاٹا
کبوتر	کولمبا لیویا
مور	پاوو کرس

شبانہ بانو، آسنسول ضلع بردوان

● ریاست کشمیر میں ریلوے لائن نہیں ہے۔
● بھاپ کا انجن جیمس واٹ نے ایجاد کیا۔
● دنیا میں تیز بڑھنے والا پودا بانس ہے۔

محمد [illegible]

نام: ابوبکر صدیق   عمر: ۱۵ سال
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا
پتا: معرفت بدرالزماں اسلام پورہ ۱۱۰۸ انصار نگر
مالیگاؤں ضلع ناسک

نام: محمد حسن نوراللہ   عمر: ۱۵
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، بڑوں کا ادب کرنا
پتا: انجمن مفید الیتمیٰ مدنپورہ بمبئی ۸

نام: ناصح عالم (گڈو)
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: کیرم کھیلنا
پتا: معرفت حاجی تسیر الدین مقام و پوسٹ،
ہلدی کھوڑا ضلع کشن گنج۔ بہار

نام: محمد سلیم ملک
تعلیم: جماعت ششم
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کراٹے کھیلنا
پتا: اسلامی عربک کالج منصورہ پاسٹ الور
کرناٹک۔

نام: محمد زاہد عابدی   عمر: ۱۵ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: خوب محنت سے پڑھنا۔
پتا: ۳۴ رڈی۔ آر۔ ایم ہال اے۔ ایم یو علی گڑھ

نام: محمد نوید اکرم   عمر: ۱۳ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: الشبلی اکیڈمی اندیہ۔ بہار

نام: نجمہ نکہت عبدالمناف
تعلیم: ایس ایس سی
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، بہنوں کے خطوط کا جواب دینا
پتا: معرفت عبدالمناف اسلام پورہ، کاسودہ

نام: سلطانہ جہاں عبدالمناف رضوی
تعلیم: ایس ایس سی
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قرآن شریف پڑھنا
پتا: معرفت عبداللطیف، اسلام پورہ کاسودہ

نام: تنویر اقبال   عمر: ۱۲ سال
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: معرفت ظفر صاحب ۵ سید صالح لین
کلکتہ ۷۳

نام: پیرزادہ سید عبدالہادی   عمر: ۱۸ سال
تعلیم: بارھویں جماعت
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا۔
پتا: چراغ علی محلہ، بڑی خانقاہ تعدر بار چھاؤنی

نام: جلیل اختر   عمر: ۱۲ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: املو مبارک پور ضلع اعظم گڑھ، یوپی

نام: عامر احمد ناہر
مشغلہ: کتابوں کا مطالعہ کرنا، ڈاک ٹکٹ جمع کرنا
پتا: محلہ احمدیہ پوسٹ قادیان تحصیل بٹالہ
ضلع گورداسپور — پنجاب

● ہم آپ کے بہت ممنون و شکر گزار ہیں کہ آپ نے خریداری ختم ہونے کے باوجود جولائی کا شمارہ روانہ کیا۔ دراصل یہاں کام والوں کی ہڑتال کی وجہ سے ہم لوگ چاہتے ہوئے بھی اسی وقت M.O نہیں کر سکے پھر اپنی پڑھائی وغیرہ کی وجہ سے دھیان ہی نہ رہا۔ آج ہی جولائی کا شمارہ ملا ہے۔ میں بہت جلد یعنی کہ آج ہی سالانہ زر تعاون ارسال کر رہا ہوں۔ آپ ہمارے نام رسالہ جاری رکھیے گا۔

احمد نشاط، منگوار پیٹھ۔ ہبلی۔ دھارواڑ

● میرے محلے میں "پیام تعلیم" پڑھنے والوں کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے کہ پیام تعلیم گھر میں رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ اسی وجہ سے میں ادھر ادھر جاتا ہوں تو پیام تعلیم ساتھ لے کر جاتا ہوں۔

سبحان احمد سراج احمد، گھر نمبر ۳۰۰ کمال پورہ مالیگاؤں

● پیام تعلیم میں گدگدیاں پڑھنے کی جیسے بچوں کی کوشش بھی خوب اچھی لگیں۔

محمد بوقلیم محمد عبدالعزیز، ناچا جامع مسجد، ستپالی

● جولائی کا پیام تعلیم موصول ہوا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ خاص طور سے اس بات کی بھی خوشی ہوئی کہ میرے ضلع کے ایک طالب علم کا لکھا ہوا شعر بھی شائع ہوا۔

محمد امجد اقبال، السبیل اکیڈمی، اررہ، بہار

● ماہ دسمبر کا شمارہ قابل تعریف ہے آپ نے "ماضی کی سائیکل" نامی کہانی شائع کی تھی وہ مجھے بے حد پسند آئی۔ باقی تمام کالم بھی قابل تعریف ہے خاص کر میرے پسندیدہ اشاعتیں "آدھی ملاقات" اور "بچوں کی کوششیں" وغیرہ۔

مجسم یاسمین، محلہ برھتی پورہ، منگرول پیر، آکولہ

● میں پیام تعلیم کا نیا قاری ہوں۔ مجھے یہ رسالہ بہت ہی پسند کیا۔ زیادہ تر لطیفے، اقوال زریں وغیرہ پسند آئے۔ بس خدا سے دعا کرتا ہوں یہ رسالہ (پیام تعلیم) ہر گھر میں پہنچے۔

انصاری محمد مبین۔ مدنپورہ۔ بمبئی

● سیٹلائٹ اور سائنسی آلات "اور کمپیوٹر کی کہانی" نے معلومات میں اضافہ کیا۔ "ہم شکل ہمراز" کی تیسری قسط بہت ہی جاندار ہے۔ "آدھی ملاقات" میں آپ نے میرا نام شامل کر کے میری شکایت دور کر دی ہے۔

نجم الہدیٰ ثانی، ململ، مدھوبنی، بہار

● پیام تعلیم پڑھنے کا پہلی بار اتفاق ہوا۔ واقعی یہ دلچسپ اور معلوماتی رسالہ ہے۔ کمپیوٹر کہانی بہت معلوماتی مضمون ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی کہانیاں پسند آئیں۔ خاص کر ہم شکل ہمراز تو بہت پسند آئی۔ بچوں کی کوششیں بھی۔

الشفیق احمد، کالا ناڈ ہبلی۔ کرناٹک

● جون کا پیام تعلیم بہت اچھا لگا۔ بچوں کی کوششیں میں صفحہ ۵ پر چھپی کہانی "بلبلاہٹ" شاید اختر احمد شیراز غوری نے بھیجی تھی۔ یہ کہانی محمد ارشاد عالم کے نام سے ستمبر ۱۹۹۴ء کے امنگ کے صفحہ اکتالیس پر چھپ چکی ہے۔ یہ کہانی امنگ سے ہو بہو نقل شدہ ہے۔ منع کرنے کے باوجود پیاری بھائی نقل شدہ کہانی بھیج دیتے ہیں۔ ثبوت فراہم کرنے کے لیے میرے پاس امنگ موجود ہے۔

محمد ارشاد عالم۔ چکنوٹا درگاہ بیلا۔ ویشالی (بہار)

● پیام تعلیم میں ایک سے ایک عمدہ کہانیاں اور پسندیدہ اشعار اور قلمی دوستی و گدگدیاں، اقوال زریں، آدمی ملاقات اور بچوں کی کوششیں پڑھ کر بہت خوشی حاصل ہوئی۔ ہماری طرف سے پیاری بھائیوں کو مبارک باد۔

محمد احتشام عالم۔ چوک احمد پور تعلقہ چکھلی، بلڈانہ

● میں پیام تعلیم کا ۱۹۹۰ء سے مطالعہ کر رہا ہوں۔ پیام تعلیم ہی ایک ایسا واحد شمارہ ہے جو مجھے بہت پسند ہے۔

آفتاب عالم، پرانی بستی کھجوا تالاب مبارک پور، اعظم گڑھ

● پیام تعلیم ملا۔ تمام مضامین اچھے تھے خاص طور سے اس میں گدگدیاں اور کمپیوٹر کی کہانی بہت پسند آئی۔

محمد صلاح الدین۔ ہندوستان کی کمپنی پربھنی، مہاراشٹر

● پیام تعلیم ہر ماہ پابندی سے موصول ہو رہا ہے اور روز بہ روز پیام تعلیم کی مقبولیت اور ترقی دیکھ کر دل بہت خوش ہو رہا ہے۔ چاچا اگر آپ پسندیدہ اشعار کے کالم میں ہر ماہ کوئی نیا عنوان دے کر اس پر اشعار کا انتخابی مقابلہ شروع کریں تو بہت بہتر ثابت ہوگا۔

طاہر نقشبندی القادری۔ بالاپور ضلع آکولہ

● میں ہر ماہ پیام تعلیم کا بہت پہلے ہی سے شیدائی ہوں اور ہمیشہ پڑھتا ہوں اور کچھ نہ کچھ ارسال کرتا ہوں مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ پیام تعلیم میں شائع نہیں ہوتا ہے۔

محمد خطیب عالم۔ لکشمی پور ضلع گیا (بہار)

● جون ۱۹۹۵ء کا شمارہ ہمدست ہوا۔ بچوں کے لیے بڑی ہی پیاری پیاری کہانیاں پڑھنے کو ملیں جو بڑوں کے لیے بھی پسندیدہ ہیں۔ مصطفےٰ چاند کی "سو برس کی نانی" بچوں کے لیے سبق آموز ہے جس میں نیکی کی تلقین کی گئی ہے اور جھوٹ اور چوری سے بچنے کے لیے بڑے اچھے انداز میں کہانی سنائی گئی ہے۔ دین کی باتیں اقوال زریں معلوماتی ہیں۔ میرے پسندیدہ اشعار قلمی دوستی، گدگدیاں جیسے کالم بچوں کے لیے بڑے ہی دلچسپ ہیں۔

ایس کے برہان الدین۔ لال بہادر نگر، ورنگل (اے پی)

● جولائی کا پیام تعلیم بہت اچھا لگا۔ پڑھ کر خوشی ہوئی۔ فروری ۱۹۹۵ء کے پیام تعلیم میں میری کہانی نانی کی نصیحت بچوں کی کوششوں میں چھپی ہے اس لیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔

ماہم شبیر عرشی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

● اس ماہ پیام تعلیم میں شامل کیے گئے تمام مضامین بہت پسند آئے۔ خصوصاً نفسی کہانی آدھے فرشتے، آدھے شیطان میں اور

پورنچھے، اوبال جان، کہانی اچھے ہیں۔ علاوہ ازیں اشعار، لطائف، انٹرویوز، اقوال زریں اور مختصر معلومات کا انتخاب قابلِ تعریف ہے۔

مجاہد مشتاق سوت۔ کرچی، کھیڈ، ضلع ستاگیری

● میں تقریباً ایک سال سے آپ کے پیام تعلیم کا مطالعہ کر رہی ہوں یہ رسالہ میری بڑی بہن نے جاری کرایا ہے میں نے پڑھا مجھے بہت پسند آیا اب ہر ماہ میں اس رسالہ کا بہت بیتابی سے انتظار کرتی ہوں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قصے بہت پسند آتے ہیں۔ آپ ہر ماہ ضرور شائع فرمایا کریں یہ جو ہم شکل ہم راز قسط چل رہا ہے اس کا تو جواب نہیں۔

سیدہ شاہدہ حسن۔ تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

● مئی کا "پیام تعلیم" دستیاب ہوا تمام کہانیاں اچھی لگیں، اور حکیم نعیم الدین زبیری صاحب کا مضمون "سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ" تو دل کو چھو گیا۔

محمد اشرف علی۔ سلفیہ جونیئر اسکول، ہیرا سرائے، دربھنگہ

● میں نے یہ رسالہ کچھ ماہ پہلے ہی لینا شروع کیا ہے جون ۱۹۹۵ء کا رسالہ ملا جس میں کمپیوٹر کی کہانی حد سے زیادہ پسند آئی اس کے علاوہ ہم شکل ہم راز کی تیسری قسط، بچوں کی کوششیں، آدھی ملاقات، گدگدیاں وغیرہ پسند آئیں آپ سے گزارش ہے کہ کمپیوٹر کے بارے میں اور زیادہ بتائیں۔ مجھے لکھنا صحیح نہیں آتی اس لیے غلطیوں کو معاف کریں میں پہلا خط لکھ رہا ہوں۔

وقار الحسن انصاری، محلہ چھپرہ، ضلع نینی تال (یوپی)

● میں ویسے تو بیشتر اطفال کے تمام رسالوں کا مطالعہ کرتی ہوں لیکن پیام تعلیم کی بہت پرانی قاریہ و شیدائی ہوں اس رسالے میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو قاری کو اپنا گرویدہ بنانے کے لیے کافی ہوتی ہیں۔ یہ رسالہ مجھے دل کی عمیق گہرائیوں سے پسند ہے۔ ہر بار قلم بے قرار ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ لکھ کر اس محبوب رسالے کی نذر کروں مگر مصروفیات اجازت ہی نہیں دیتیں۔

ماہ جون کا تازہ شمارہ زیر نظر ہے۔ سیٹلائٹ اور سائنسی آلات، اور کمپیوٹر کی کہانی، معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔ کہانی سو برس کی نانی، قارئین کو نیکی کی طرف راغب کرتی ہے۔ قسط وار کہانی ہم شکل ہم راز، بہت زیادہ دلچسپ ہے۔ میرے پسندیدہ اشعار، گدگدیاں وغیرہ بھی قابلِ تعریف ہیں۔

سیدہ ماریہ۔ صراف چوک، ناندیڑ (مہاراشٹر)

● میں جب آج اپنی مسلم لائبریری گیا تو وہاں پیام تعلیم پڑھنے کو ملا پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا کیوں کہ میں نے آج تک یہ رسالہ نہیں پڑھا تھا۔

توفیق عالم کیہاری، جامعہ رحمانیہ، ریوڑی تالاب، وارانسی

● جولائی کے پیام تعلیم نے اپنے دامن میں خوشیوں کا انبار لے کر گھر کی دہلیز پر قدم رکھا۔ ورق گردانی کرتے وقت سب سے پہلے ہم شکل ہم راز کو پڑھ ڈالا۔ مگر آخر میں لکھا تھا باقی آئندہ۔ موڈ خراب ہو گیا۔ یہ دلچسپ کہانی بہت پسند آئی۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک ہی بار میں پوری کہانی پڑھ ڈالوں۔ پورا رسالہ قابلِ تعریف ہے۔

عزیز الرحمٰن انصاری۔ بھیونڈی

کے
ساتھ
مکتبہ
پیام
تعلیم
کی
دیدہ
زیب
کتابیں
چوں چوں بیگم
شفیقہ فرحت
مرزا ادیب

● ایک بچے کے ابو کی ٹانگ لکڑی کی تھی۔ اس نے ڈاکٹر کو بتایا کہ اس کے ابو کی ٹانگ ٹوٹ گئی ہے اسے نئی ٹانگ دی جائے۔ فوراً ہی ہسپتال کے ڈاکٹر نے اسے سائز کے مطابق لکڑی کی ٹانگ دے دی۔

دوسرے ہفتے وہ بچہ ڈاکٹر کے پاس آیا اور بتایا کہ اس کے ابو سے وہ ٹانگ بھی ٹوٹ گئی ہے۔ ڈاکٹر نے نئی ٹانگ دے دی۔ تیسرے ہفتے بھی بچے نے یہی ڈراما کیا اور نئی ٹانگ لے گیا۔ جب چوتھی بار وہ ڈاکٹر کے پاس پہنچا تو ڈاکٹر نے حیرانی سے پوچھا "تم اپنے ابو کے لیے جو نئی ٹانگ لے جا رہے ہو، وہ کرتے کیا ہیں؟"

"وہ!" بچے نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "ڈائننگ ٹیبل بنا رہے ہیں۔"

ارشاد احمد، فردوس کتاب گھر، دھارواڑ

● ایک انگریز نے یہودی سے کہا "یہودی اتنا روپیہ کیسے کما لیتے ہیں۔ یہ تو بہت عقلمندی کی بات ہے۔" یہودی نے ذرا سوچ کے کہا "ہم ایک خاص مچھلی کھاتے ہیں۔ وہ مچھلی عقل کے لیے بہت مفید ہے۔ اگر تم چاہو تو میں تمھیں دے سکتا ہوں لیکن اس کی قیمت بیس ڈالر ہے۔" انگریز نے بیس ڈالر یہودی کے ہاتھ پر رکھے۔ یہودی نے اسے ایک چھوٹی سی مچھلی دے دی۔ انگریز نے مچھلی منہ میں رکھی اور چبایا۔ "اس پر ذائقہ مچھلی کے تم نے بیس ڈالر اینٹھ لیے۔ بیس ڈالر میں تو بیس مچھلیاں آجاتی ہیں۔"

"دیکھا مچھلی کی تاثیر، پہلا ہی کھاتے ہی تمھیں عقل آگئی۔" یہودی نے مکاری سے کہا۔

تسنیم اللہ، کھرولی، سرائے میر، اعظم گڑھ

● ایک صاحب ہوٹل میں کھانا کھا رہے تھے اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ ان کی سالن کی پلیٹ میں مری ہوئی مکھی پڑی ہے۔ وہ چیخ کر بولے:

"ویٹر! یہ دیکھو میری پلیٹ میں مکھی پڑی ہے۔"

ویٹر نے ان کے کان میں کہا۔ "آہستہ بولیے جناب! دوسرے گاہکوں نے سن لیا تو وہ بھی مانگیں گے۔ ہمارے پاس صرف ایک ہی تھی۔"

محمد ارشد، مین روڈ، ملاڈ گیلا بہار

● ڈائرکٹر دستکاری امیدوار سے: آپ کیا کام کر سکتے ہیں؟

امیدوار: کچھ بھی نہیں۔

ڈائرکٹر: معاف کیجیے [illegible] چاہتے ہیں ملازمت نہیں مل سکتی۔ [illegible]

[illegible]

سیدہ آصفہ [illegible]

● ایک بزرگ سعید صاحب نے غالب کو ایک خط لکھا۔ ان کی تحریر نہایت شکستہ تھی۔ اسے پڑھنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔ غالب نے خط پڑھا تو بڑے جز بز ہوئے۔ جواب میں لکھا "پیر و مرشد! خط ملا، چوما چاٹا، آنکھوں سے لگایا، آنکھیں پھوٹیں جو ایک حرف بھی پڑھا ہو۔ تعویذ بنا کر تکیے میں رکھ لیا ہے۔" فقط نجات کا طالب۔

غالبؔ

حافظ محمد اقبال عثمانی، جھاٹہ، ضلع فرید آباد، ہریانہ

● بس مسافروں سے کھچا کھچ بھر چکی تھی لیکن مزید سواریوں کے انتظار میں کھڑی تھی۔ ایک شخص کے پیچھے موٹی سی توند والا ایک بہت موٹا آدمی کھڑا تھا۔ جب وہ سانس لیتا تو اس کا موٹا سا پیٹ بار بار اس شخص کی پیٹھ سے ٹکراتا۔ وہ بے چارا بہت پریشان ہو رہا تھا آخر اس نے مڑ کر موٹے آدمی سے کہہ ہی دیا۔

"جناب آپ مجھے دھکے کیوں دے رہے ہیں؟"

"میں تو سانس لے رہا ہوں۔" موٹا آدمی گھبرا کر بولا۔

"یہی سانس اگر بس کے پیچھے لیں تو کتنوں کا بھلا ہو جائے؟"

"وہ کیسے؟"

"آپ کی سانسوں سے بس چل جو پڑے گی۔"

ان صاحب نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

اکرم سماجی مارکیٹ، اوکیرہ لاہور

ایک صاحب اپنی موٹر کار میں بیٹھے مزے سے چلے جا رہے تھے کہ سامنے سے ایک بہت موٹی عورت کو آتے دیکھ کر گھبرا گئے۔ سڑک تنگ تھی، اس لیے بچانے کے باوجود ان کی کار موٹی عورت سے ٹکرا گئی۔ عورت سڑک پر گرتے ہی اٹھی اور بولی:

"جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ سڑک تنگ ہے تو گاڑی کو میری سیدھی طرف سے گھما کر نکال لیتے؟"

موٹر والے صاحب نے جواب دیا:

"گھماتا کیسے؟ فاصلہ زیادہ تھا اور گاڑی میں پیٹرول بہت کم۔"

پرویز عالم معین الدین، کوچالی ضلع رتناگیری

● شیخ خود (دوستوں کی محفل میں) ارے شاعر کے بیچ میں سعید انور نے تحریر بنا کر کیا کمال کیا ہے تحریر بنانا تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے لیکن۔۔۔

لیکن کیا؟ سب نے دلچسپی سے پوچھا۔

شیخ خود (ہنستے ہوئے) اگر اپنا بایاں ہاتھ آڑے نہ دے تو!

اعجاز خان، عثمان خان، کاسمہ جگاؤں

جگنو کی کوشش

چالاکی

ایک دیہات میں دو دوست رہتے تھے جو بہت ہی مفلس تھے۔ ایک کا نام ... دوسرے کا شاہد تھا۔

[illegible]

والے کو گھوڑا انعام میں دیا جاتا ہے۔ شامو کے آنگن میں جو گھوڑا بندھا ہے وہ کھول کر لے جائے۔

انعام پانے والا لڑکا خوشی خوشی اپنا گھوڑا لینے کے لیے آیا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا وہ بڑے آرام سے سو رہا ہے۔ قریب جا کر ہلایا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ وہ دوڑا دوڑا شامو کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "مالک، وہ گھوڑا تو مر گیا" شامو نے چہرے پر بناوٹی افسردگی سے کہا۔ "ارے یہ کیا ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے تمہارا گھوڑا مر گیا" لو بھائی تمہارے پانچ روپے، اور میں کیا کر سکتا ہوں اور وہ بیچارا منہ لٹکا کر چلا گیا۔ اب شامو بہت خوش تھا۔

کچھ دنوں بعد رامو واپس گاؤں آیا۔ دونوں کی اچانک ملاقات ہو گئی۔ رامو کچھ ہچکچایا ہوا تھا کبھی کبھی باتیں کر رہا تھا۔ شامو نے کہا تم اتنے ڈرے ہوئے کیوں ہو، کیا بات ہے۔ اس پر رامو نے کہا وہ.... وہ.... گھوڑا...

شامو: ارے وہ گھوڑا مجھے نفع دے گیا۔ اس پر میں نے بہت سا روپیہ کمایا۔ رامو: "وہ کیسے"

اور پھر شامو نے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

یہ سن کر رامو کے ہوش اڑ گئے اور پھٹی پھٹی نظروں سے شامو کو دیکھنے لگا اور سوچنے لگا۔

"کاش یہ چالاکی میں نے کی ہوتی"

عائشہ صدف عبدالرشید۔ مومن پورہ ساکولی

چالاک گلہری

ایک گلہری تھی اس کا نام چینو تھا۔ وہ باغ کے سامنے والے پیڑ کی ڈال پر رہتی تھی دن بھر ادھر سے ادھر پھدکتے پھرنا اس کا کام تھا۔ اگر کوئی اسے پکڑنے کی کوشش کرتا تو جھٹ وہ پیڑ پر چڑھ جاتی اور ہاتھ نہ آتی۔ ایک دفعہ چینو گلہری میرے گھر آئی اور چپکے سے اناج کی کوٹھری میں گھس گئی۔ چینو کو اناج کی کوٹھری میں جاتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تو فوراً اسے پکڑنے دوڑی۔ وہ مجھے دیکھ کر ادھر ادھر بوروں پر بھاگنے لگی۔ چینو کا ادھر ادھر اناج کے بوروں پر بھاگنا مجھے اس قدر اچھا لگ رہا تھا کہ میں یہ سوچنے لگی کاش وہ میرے ہاتھ آ جائے اور میں جی بھر کے اس کے ساتھ کھیلوں۔ ابھی میں یہ سوچ بھی نہ پائی تھی کہ چینو موقع پا کر بھاگ نکلی اور میری آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ گویا وہ یوں مجھے زک دے گئی۔

چینو کی اس قسم کی شرارتوں کی وجہ سے دوسرے بچے بھی اسے پکڑنا چاہتے تھے مگر چینو اس قدر چالاک تھی کہ کسی کے ہاتھ نہ آتی۔

باغ کے اس پیڑ کے نیچے اکثر ایسا بھی ہوتا کہ جب کوئی مسافر تھک ہار کر پیڑ کے نیچے آرام کرنے کی غرض سے آ بیٹھتا تو چینو فوراً ڈال پر سے نیچے آتی اور چپکے سے مسافر کے تھیلے کے اندر گھس کر کھانے پینے کی چیزیں چٹ کر جاتی۔ اگر کبھی کوئی مسافر اسے دیکھ لیتا اور پکڑنے کے لیے دوڑتا تو چینو اسے زک دے کر بھاگ نکلتی۔ اس طرح چینو گلہری کا حوصلہ بلند ہو گیا تھا اور وہ اس قدر نڈر ہو گئی تھی کہ چھوٹے جانوروں کی بات کیا ہے آس پاس کے کسی بھی بڑے جانور سے بات چیت کرنے میں ہچکچاتی نہیں تھی۔

ایک دن چینو گلہری قریب کی ندی پر پانی پینے کی غرض سے گئی۔ اسے وہاں کچھو

اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے نظر آئے تو اسے شرارت سوجھی۔ وہ جھٹ ایک گھوا کی پیٹھ پر چڑھ گئی اور بولی کہ "اے گھوا بھائی۔ میری طبیعت خراب چل رہی ہے اور مجھ میں اتنی سکت نہیں ہے کہ میں اپنے گھر جا سکوں۔ مجھے آپ باغ کے سامنے والے پیڑ تک پہنچا دیں، بڑی مہربانی ہوگی۔" گھوا گلہری کی باتوں میں آگیا اور فوراً راضی ہو گیا۔ گھوا چینو گلہری کو لے کر سامنے والے پیڑ کی جانب چل پڑا۔ جیسے ہی پیڑ قریب آیا۔ چینو اُچک کر پیڑ کی ڈال پر چڑھ گئی اور اپنی چالاکی پر ہنسنے لگی۔ گھوا اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔ (مرکزی خیال ہندی سے)

فارم پاشا، بی ۱۹/۱ بنگالی بازار گارڈن ریچ کلکتہ

منشی پریم چند

منشی پریم چند ۱۸۸۰ء میں پیدا ہوئے، اُن کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ بنارس کے ایک کائستھ خاندان میں پیدا ہوئے۔ اُن کے افسانوں کا پہلا مجموعہ "سوزِ وطن" ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ ان کے حقیقت نگار قلم نے دیہات اور دیہی زندگی کے جیتے جاگتے مرقع پیش کیے ہیں۔ مزدوروں اور کسانوں کے مسائل ان کے رسم و رواج، رہن سہن، عادات و فضائل، خوشی و غمی کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ لفظوں میں ایک دنیا آباد ہو جاتی ہے۔

'سوزِ وطن'، 'زادِ راہ'، واردات، 'آخری تحفہ'، 'پریم پچیسی' اُن کے معروف افسانوی مجموعہ ہیں۔ بازارِ حسن، گئودان، نرملا اور 'پردہ مجاز' ان کے مشہور ناول ہیں۔

'کفن'، پریم چند کا شاہکار سمجھا جاتا ہے

ایک کروڑپتی کا کلرک اس کی خوشامد کر رہا تھا "حضور آپ اَن پڑھ ہونے کے باوجود کروڑپتی بن گئے، اگر آپ پڑھے لکھے ہوتے تو نہ جانے آپ کی دولت کتنی ہوتی۔"

کروڑپتی نے مسکراتے ہوئے جواب دیا "اگر میں پڑھا لکھا ہوتا تو تمھاری طرح کلرک ہوتا۔"

مدّتوں کے دبے کچلے طبقے کی محرومی کو اس افسانے میں نہایت فن کاری سے بیان کیا گیا ہے ان کی وفات ۱۹۳۶ء میں ہوئی۔

محمد کمال جاوید، اسلام پورہ، مالیگاؤں

حاضر دماغی

حجاج بن یوسف کے سامنے ایک شخص قتل کے لیے پیش کیا گیا۔ اس وقت اُس کے ہاتھ میں ایک لقمہ تھا۔ اس نے کہا "خدا کی قسم میں اس لقمے کو نہیں کھاؤں گا جب تک تجھے قتل نہ کر دوں۔"

حجاج کی بات سن کر وہ شخص بولا۔ "امیر اس سے بہتر صورت اختیار کر لیجیے۔ آپ یہ لقمہ مجھے کھلا دیجیے۔ آپ کی قسم بھی پوری ہو جائے گی اور مجھ پر احسان بھی ہو جائے گا۔"

حجاج نے یہ سن کر اس کو قریب بلایا اور لقمہ کھلا کر چھوڑ دیا۔

ملکہ بانو دانیال پورہ، بیگو سرائے بہار

شاہین باجی سے انٹرویو

س: باجی اپنا مختصر تعارف پیامی بھائیوں سے کرائیں۔
ج: میرا پورا نام انصاری شاہین محمد صادق ہے بمبرا ضلع تھانہ میں رہائش پذیر ہوں اور بھیں پٹیل اردو ہائی اسکول کی درجہ نہم میں زیر تعلیم ہوں۔
س: آپ کا سب سے پسندیدہ مضمون کیا ہے؟
ج: حساب اور سائنس، علاوہ ازیں اردو مضمون بھی کافی اچھا لگتا ہے۔
س: آپ کو اردو زبان کے کون سے ادیب اور شاعر اچھے لگتے ہیں؟
ج: ادیبوں میں پطرس بخاری، منشی پریم چند اور شاعروں میں اقبال اور اکبر الہ آبادی۔
س: پڑھ لکھ کر آپ کیا بننا چاہتی ہیں؟
ج: ڈاکٹر بننے کا ارمان ہے تاکہ میرے ہاتھوں سے غریب مریضوں کو نئی زندگی ملے اور ان کی خوشی کو میں اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ سمجھوں۔
س: آپ کی زندگی کے اصول کیا ہیں؟
ج: ایمانداری، خلوص، ہمدردی، محنت اور لگن اور مسلسل جدوجہد۔
س: آپ کے پسندیدہ اشعار کون سے ہیں؟
ج: پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں۔
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

س: تفریحی مشاغل کیا ہیں؟
ج: مطالعہ، ٹی وی دیکھنا، امی کے کاموں میں ہاتھ بٹانا اور سہیلیوں سے گپ شپ۔
س: پیامی بھائیوں کے لیے پیغام؟
ج: اپنی ذات سے دوسروں کا بھلا کریں۔ محنت، لگن اور ہمت سے کام لیں۔ ملک و قوم کی خدمت کریں۔

انصاری جنید محمد صادق، بھون باغ ممبرا تھانہ

چار چیزیں

ایک مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ، اے پروردگار کتنا اچھا ہوتا چار چیزیں ہوتیں چار نہ ہوتیں۔
- زندگی ہوتی موت نہ ہوتی۔
- دولت ہوتی تنگ دستی نہ ہوتی۔
- جنت ہوتی جہنم نہ ہوتی۔
- صحت ہوتی بیماری نہ ہوتی۔

پروردگار عالم نے جواب دیا اے موسیٰ
- اگر زندگی ہوتی، موت نہ ہوتی تو میرا دیدار نہ ہوتا۔
- اگر دولت ہوتی تنگ دستی نہ ہوتی تو میرا شکر کون ادا کرتا۔
- اگر جنت ہوتی جہنم نہ ہوتی تو میرے عذاب سے کون ڈرتا۔
- اگر صحت ہوتی بیماری نہ ہوتی تو مجھے کون یاد کرتا۔

ماسٹر اعجاز احمد شیخ ٹیکری پورہ منگرول پیر

حضرت نوح اور شیطان

حضرت نوح علیہ السلام نے انگور کی بیل لگائی۔ ایک دن شیطان آیا اور اس نے اس میں پھونک ماری تو وہ بیل سوکھ گئی۔ یہ دیکھ کر آپ بہت رنجیدہ ہوئے، پھر آپ کے پاس شیطان آیا اور کہا کہ آپ رنجیدہ کیوں ہیں۔ آپ نے واقعہ سنایا۔ اس پر شیطان نے یہ مشورہ دیا کہ

انہوں نے اس بیل کو سرسبز و شاداب دیکھنا چاہتے ہیں تو میرے مشورہ پر عمل کیجیے اور اجازت دیجیے کہ میں اس بیل پر شیر، چیتا، ریچھ، گیدڑ، کتا، لومڑی، مرغ، سات جانوروں کا خون بھینٹ کے طور پر چڑھا دوں، اس عمل سے یہ بیل پھر سے سرسبز ہو جائے گی۔ چنانچہ شیطان نے ان ساتوں جانوروں کا خون انگور کی بیل پر چڑھایا اچانک وہ سرسبز ہونے لگی۔ بلکہ خون ڈالنے سے اتنا فائدہ ہوا کہ ہمیشہ بیل میں ایک ہی قسم کے انگور لگتے تھے لیکن اس بار سات قسم کے انگور آگئے، انگور کی شراب بنائی جاتی ہے اسی وجہ سے شرابی شیر کی طرح بہادر، ریچھ کی طرح طاقتور، چیتا جیسا غصّہ ور، گیدڑ کی طرح بھونکنے والا، کتے کی طرح جھگڑالو، لومڑی کی طرح چاپلوس اور مرغ کی طرح چینختا رہتا ہے اسی زمانہ سے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر شراب حرام کر دی گئی۔

عبدالواحد صدیقیہ لائبریری کا پورہ دلعن مبارک پور

گناہِ بے لذت

شریعت میں اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے قواعد و قوانین بیان فرمائے کہ اگر انسان اور خاص کر مسلمان اس پر عمل کرے تو کامیاب ہو سکتا ہے ویسے تو انسان رات دن جانے انجانے میں کتنے ہی گناہ کر لیتا ہے مگر ان میں ایک گناہ بے لذت ایسا ہے کہ اس کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اور وہ ہے کسی ایسے شخص کے نام کے پہلے عبد نہ لگانا جس کا نام اللہ کا نام ہوں مثلاً عبدالرحمٰن کو صرف رحمٰن کہہ کر پکارنا گناہ ہے مگر ہم کو

"ایک صاحب (دوسرے سے) یار تمہارے سر کے بال سفید ہو گئے ہیں لیکن ابھی داڑھی کے بال تو کالے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے"

دوسرے صاحب نے جواب دیا

"اس کی خاص وجہ نہیں بس داڑھی سر کے بالوں سے بیس سال چھوٹی ہے"

اس کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی ایسے نام پر جو اللہ کا نام نہ ہو عبد لگانا بھی صحیح نہیں ہے جیسے رفیق کو عبدالرفیق کہنا۔

مولوی رفیق احمد شیخ دارالعلوم سراج الاسلام کھا سگاؤں

سچ اور جھوٹ

ایک بادشاہ نے ایک دشمن پر فوج کشی کی، اس کی فوج کو شکست ہوئی مگر ایک آدمی نے بادشاہ کو فوراً خبر دی کہ آپ کی فوج فتحیاب ہوئی پہلے تو بادشاہ بہت خوش ہوا لیکن دو تین روز کے بعد جب شکست کی خبر ملی تو اس وقت اس نے چاہا کہ اس آدمی کو سزا دے اس آدمی نے کہا اے بادشاہ میں سزا کے لائق نہیں ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے آپ کو دو روز غم سے باز رکھا۔ بادشاہ نے اس کا جواب پسند کیا اور اس کا قصور معاف کر دیا۔

عاصمہ تبسم قریشی، مدار تکیہ منگرول پیر آکولہ

امیدوں کی کرن

ہر آنے والا وقت امیدوں، تمناؤں اور آرزوؤں کا گہوارہ ہوتا ہے اور ہم جذباتی طور پر اس سے بے شمار خواہشات وابستہ کر لیتے ہیں مگر وقت کسی کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ خاموشی کے ساتھ ہمارے دامن میں یادوں کے بے شمار پھول ڈال کر چپکے سے رخصت ہو جاتا ہے لیکن اس کی گہرائی میں ہزاروں تمنائیں دم توڑ رہی ہوتی ہیں۔ خواہشات کی کرچیاں اس کے وجود کو زخمی کر دیتی ہیں مگر انسان اپنے چہرے پر خواہشات کا خول چڑھا لیتا ہے جس سے سارا زمانہ فریب کھاتا ہے مگر امیدوں کی کرن کبھی دور نہیں ہوتی۔

بقلم نکہت عبدالمناف رضوی، اسلام پورہ کا سودہ

نافرمانی کی سزا

کافی عرصہ پہلے کی بات ہے ایک روز میں کالج سے گھر آیا معلوم ہوا کہ ابو کسی دوسرے شہر گئے ہوئے ہیں۔ میں نے آتے ہی امی سے فرمائش کر دی کہ مجھے فٹ بال لے کر دیں۔ امی نے کہا "اچھا کل لے کر دیں گے"، میں نے ضد کی "نہیں، مجھے آج ہی لے کر دیں" امی نے کہا "کہہ جو دیا کہ کل دیں گے، پھر بھی ضد کیے جا رہے ہو" اس وقت تو میں خاموش رہا لیکن دل ہی دل میں امی سے ناراض ہو گیا اور سارا دن کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ رات کو امی نے کہا "نہال بیٹا کھانا کھا لو"، میں نے کہا "مجھے بھوک نہیں ہے" باجی اور بھائی جان نے بھی کھانا کھانے کو کہا لیکن میں نے کھانا نہیں کھایا۔ کھانا کھانے کے تھوڑی دیر بعد جب سب گھر والے سو گئے میں اپنے کمرے میں بستر پر لیٹ گیا لیکن مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ آنتیں بھی کیسے پیٹ میں تو چوہے دوڑ رہے تھے آدھی رات گزر چکی تو میں اپنے بستر سے اٹھا اور باورچی خانے کی طرف چل دیا۔ تمام گھر میں اندھیرا تھا میں بڑی مشکل سے باورچی خانے میں داخل ہوا۔ میں نے ادھر ادھر ہاتھ مارے اور پہلے روٹیاں تلاش کیں بعد میں میں نے سالن والی دیگچی کو اٹھایا۔ اندھیرے کی وجہ سے میں نے غلطی سے دودھ کی دیگچی کو اٹھا لیا دیگچی کافی گرم تھی اس لیے میرے ہاتھ سے چھوٹ کر دھم سے فرش پر گر گئی۔ امی کی آنکھ کھل گئی انھوں نے سمجھا شاید بلی باورچی خانے میں گھس گئی ہے۔ انھوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، ان کے پاس ایک لکڑی پڑی تھی انھوں نے اندھیرے میں وہی میری طرف دے ماری جو سیدھی میرے پاؤں پر لگی۔ میرے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی۔ امی نے جلدی سے بجلی جلائی اور جب انھوں نے مجھے دیکھا تو انھیں بہت ہنسی آئی لیکن میری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے آخر کوئی معمولی چوٹ تو لگی نہیں تھی۔ امی مجھے کمرے میں لے گئیں اور میرے پاؤں پر پٹی باندھی۔

دوسرے دن ابو آئے تو جب انھیں معلوم ہوا تو وہ بھی ہنسنے لگے اور کہا، دیکھ لیا بڑوں کا کہنا نہ ماننے کا انجام۔ اگر تم اپنی امی کا کہنا مان لیتے اور کھانا کھا لیتے تو یہ چوٹ نہ لگتی۔ ساتھیو! میں تو آپ سے یہی کہوں گا۔ خدارا آپ اپنے بڑوں کا کہنا ضرور مانیے ورنہ آپ کا بھی میرے جیسا حال ہوگا۔

محمد نہال [illegible]، [illegible] شاہ [illegible]

ہماری نماز

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو نماز کو اچھی طرح پڑھتے ہیں کہ اللہ کی یہ اہم ترین عبادت اُن کے لیے دعا کرتی ہے لیکن عام طور سے جیسی نماز پڑھی جاتی ہے کہ رکوع کیا تو وہیں سے سجدے میں چلے جاتے ہیں۔ سجدے سے اٹھے تو سر اٹھانے بھی نہ پائے تھے کہ فوراً کٹ کی طرح ٹھونگ لگائی کر دوسرے سجدے میں چلے گئے۔ ایسی نماز ہمارے لیے بد دعا کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل مسلمان گرتے جا رہے ہیں اور ہر طرف تباہی ہی تباہی کی صدائیں گونج رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اچھی نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین

حافظ محمد ہاشم مدرسہ بحر العلوم ندی پار بالاپور آکولہ

اف! یہ مہنگائی

مہنگائی کا نام سنتے ہی ذہن چکر کھانے لگتا ہے۔ بیچارے غریبوں کی تو پیروں کی زمین کھسک جاتی ہے اور امیروں کو اپنی دولت کی فکر لگی رہتی ہے۔

مہنگائی کی وجہ سے ہندستان کے غریبوں کی حالت خستہ ہو رہی ہے۔ امیروں کا تو خیر ذکر ہی بیکار ہے۔ غریب مزدور محنت مشقت سے روپے کما کر لاتے ہیں۔ جیسے ہی تھوڑا راشن خریدتے ہیں تو تمام پیسے ختم ہو جاتے ہیں غریب مزدور بہت ہی مایوسی سے دکاندار کا منہ تکنے لگتے ہیں اور وہ صرف اتنا کہہ دیتے ہیں ”مہنگائی ہے بھائی“ امیر لوگوں کا کہنا ہے کہ غیر ملک والے ہمیں لوٹ رہے ہیں اور غریبوں

احتیاط

ایک دن اسکول کی بجی گھنٹی
سارے بچوں کو بل گئی چھٹی
بچے اسکول سے نکل بھاگے
کوئی پیچھے تھا اور کوئی آگے
دوڑنے بھاگے جو بے دھڑک بچے
پار کرنے کو تھے سڑک بچے
ماسٹر جی نے جھٹ انھیں روکا
اُن کی اس بھول پر انھیں ٹوکا
بولے تھوڑا سا انتظار کرو
بھاگ کر یوں سڑک نہ پار کرو
مڑکے دائیں نہ دیکھو لو جب تک
اک قدم بھی نہ تم بڑھاؤ تب تک
آگے چوراہے پر بھی تم دیکھو
اور سگنل پہ بھی نظر رکھو
بیچ میں ہے کھڑا سپاہی بھی
لال اور ہرے رنگ کی ہے بتی بھی
لال دیکھو تو بس ٹھٹھک جاؤ
تم جہاں ہو وہاں ہی رُک جاؤ
آئے سگنل ہرا نظر جس پل
یا سپاہی کرے اشارہ چل
پھر گزر لو سڑک طریقے سے
تم گزر جاؤ یوں سلیقے سے
کوئی بھی ہو گا حادثہ نہ کبھی
پیش آئے گا سانحہ نہ کبھی

کوثر انصاری اندھیری (ویسٹ) بمبئی

کو ایسا لگتا ہے کہ میرے لوگ انہیں لوٹ رہے ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کون کس کو لوٹ رہا ہے مگر سب تھک ہار کر اتنا ہی کہتے ہیں۔
"اُف! یہ مہنگائی"

انیسہ ناز شیخ ساٹڈو، اسلام پورہ، کاسودہ

ذمے داری

ایک دن حضرت امام اعظم رح کہیں تشریف لے جا رہے تھے ایک لڑکے کو آپ نے دیکھا کہ کیچڑ میں چل رہا ہے۔ آپؒ نے اس لڑکے سے فرمایا، بیٹا دیکھ کر چلو ایسا نہ ہو کہ تمہارا پاؤں پھسل جائے اور گر پڑو۔ لڑکے نے جواب دیا، اے امیر المسلمین میں تو تنہا ہوں اگر پھسلوں بھی تو سنبھل جاؤں گا اور اگر نہ سنبھل سکا تو میں ہی گروں گا مگر آپ تو مسلمانوں کے پیشوا ہیں، آپ کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ آپ کا پاؤں نہ پھسلے کیونکہ اگر آپؒ کا پاؤں پھسل گیا تو تمام مسلمانوں کا جو آپؒ کے پیچھے چل رہے ہیں پاؤں پھسل جائے گا اور اس وقت سب کا سنبھلنا مشکل ہو جائے گا۔ حضرت امام اعظمؒ اس لڑکے کی بات سن کر رونے لگے۔

محمد اسلم شیخ ٹیکری پورہ منگرول پیر آکولہ

اپنے دوست سے انٹرویو

س: سب سے پہلے آپ اپنا تعارف پیامیوں سے کرائیں۔
ج: میرا نام عبدالحسیب اشہد ہے میری عمر تقریباً ۱۹ سال ہے۔
س: آپ کا دولت خانہ کہاں ہے
ج: میں قصبہ سنسارپور ضلع حکیم پور میں رہتا ہوں
س: آپ کے والد صاحب کا کیا نام ہے۔
ج: میرے والد صاحب کا نام عبدالحکیم ہے۔
س: اچھا آپ کہاں تعلیم حاصل کرتے ہیں؟
ج: میں دارالعلوم دیوبند میں عربی ہفتم کا طالب علم ہوں۔
س: اچھا یہ بتائیے کہ آپ کے خاص دوست کون کون سے ہیں؟
ج: عمران الحق، اجمل، سلمان، سلیم وغیرہ۔
س: آپ پیام تعلیم کے بارے میں کچھ کہنا چاہتے ہیں؟
ج: میں صرف یہ کہنا چاہوں گا کہ اگر یہ رسالہ ماہنامہ کے بجائے پندرہ روزہ ہوتا تو اور ہی اچھا تھا۔
س: ایسا کیوں؟
ج: کیونکہ یہ ہمیں اتنا اچھا لگتا ہے ہر ایک شمارے کے بعد دوسرے شمارے کے لیے بہت انتظار کرنا پڑتا ہے۔
س: آپ پیامیوں سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟
ج: میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تمام لوگ پیام تعلیم کی تعلیم پر عمل کریں۔ اپنے درس کی کتابیں دل لگا کر پڑھیں اور اپنے وقت کو برباد نہ کریں۔
س: اچھا یہ سب تو ہو گیا آپ پڑھنے کے بعد کیا کرنا چاہتے ہیں۔
ج: میں تو حکیم یا ڈاکٹر یا انجینیر بنا چاہتا ہوں۔
خیر اشہد صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ۔ انشاءاللہ آئندہ پھر ملاقات کرنے آؤں گا۔

عمران الحق البشر قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری یوپی

مفت سفر

آخری سفر کے لیے ایک ضروری اعلان

نام: انسان ابن آدم مذہب: اسلام

رہنے والا: زمین پر ٹکٹ: مفت

سفر: دنیا سے آخرت کی طرف یقیناً سو فیصدی۔

سفر پر جانے کا وقت: ہفتے میں کسی بھی ایک دن اچانک۔

سفر کا سامان: پانچ سے دس میٹر کپڑا، اچھے اعمال نیک اولاد، اور صدقہ جاریہ۔

آخرت میں جانے کے لیے مسافت کا فاصلہ: صرف دو گز زمین کے اندر۔

سفر میں اچانک نکلنے کا وقت: صرف ایک سیکنڈ۔

دنیا میں سفر کی پوچھ تاچھ کا آفس: علمائے کرام۔

سفر میں لے جانے کے لیے آنے والا مہمان: ملک الموت۔

سفر میں سہولت کے لیے: قرآن پاک کی تلاوت پنجگانہ نماز، زکوٰۃ اور اچھے اخلاق۔

آخرت کی پوچھ تاچھ کا پہلا آفس: قبر میں منکر نکیر۔

نصیحت: آپ کی سیٹ بک ہو چکی ہے لہذا اس کی تیاری میں لگ جائیں۔

نعیم احمد اعظمی قاسمی میڈیکل اسٹور، اعظم گڑھ

● ایک آدمی جلدی سے... دکاندار سے ایک زنانہ چپل دیجیے۔

دوکاندار... جناب ناپ بتایے

آدمی: وہ تو میں لانا بھول گیا لیکن خیر آپ میری پیٹھ پر دیکھ لیں۔

بولنے والا ہاتھی

شاکر کے والد ہاشم خاں بہت اچھے شکاری تھے۔ انھوں نے سیکڑوں جانوروں کا شکار کیا تھا۔ ہاشم صاحب اور ان کی شکاری ٹیم کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

ایک دن ہاشم صاحب جنگل سے ایک ہاتھی کا بچہ پکڑ لائے اور اسے اپنے پرائوٹ چڑیا گھر میں ڈال دیا۔ جب شاکر اسکول سے لوٹا تو وہ سیدھا چڑیا گھر میں ہاتھی کے پنجرے کے باکس کے پاس پہنچا۔ پہلے تو وہ چھوٹے موٹے ہاتھی کو بغور دیکھتا رہا۔ اسے ننھا ہاتھی بہت اچھا لگا۔ شاکر ہاتھی کے گول مٹول جسم، سفید دانت اور بڑے بڑے کان کو بہت دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک شاکر کی نظر ہاتھی کی چھوٹی چھوٹی خوبصورت آنکھوں پر پڑی۔ آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ ہاتھی کو روتے دیکھ کر شاکر کو بہت دکھ ہوا۔ اس نے محبت سے پوچھا۔ پیارے ہاتھی! تم رو رہے ہو؟

ہاں میرے دوست! میں رو رہا ہوں۔ ہاتھی نے جواب دیا۔

ہاتھی کے منہ سے جواب سن کر شاکر کو بہت حیرت ہوئی۔

شاکر نے حیرانی سے پھر پوچھا، پیارے ہاتھی، تم بول سکتے ہو؟

ہاں میرے ننھے دوست! میں بول سکتا ہوں۔

شاکر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا

اس نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ کوئی جانور اس طرح انسان کی بولی بول اور سمجھ سکتا ہے لیکن حقیقت اس کے سامنے تھی۔ وہ گھنٹوں ہاتھی سے باتیں کرتا رہا۔ دوسرے دن شاکر اپنے تمام اسکولی دوستوں کو لے کر ہاتھی کے پاس جا پہنچا۔ شاکر نے سبھی دوستوں کا تعارف کرایا۔ ہاتھی ہر ایک سے محبت سے ملتا رہا۔ بچّے ہاتھی سے مل کر بہت خوش ہوئے اب وہ روزانہ ہاتھی کے پاس آتے اور اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرتے۔ ہاتھی انھیں جنگل کی دلچسپ اور حیرت انگیز کہانیاں سُناتا۔

ایک دن شاکر کے دوست گڈو اور راجو میں لڑائی ہو گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کا سر پھوڑ دیا۔ جب یہ بات ہاتھی کو معلوم ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ جب بچّوں نے ہاتھی سے کہانی کی فرمائش کی تو ہاتھی نے کہا کہ پہلے گڈو اور راجو اپنا جھگڑا ختم کریں اور ایک دوسرے سے گلے ملیں تب میں کہانی سناؤں گا۔ گڈو اور راجو نے ہاتھی کی بات مان لی۔ فوراً گلے مل گئے اور ایک دوسرے کو معاف کر دیا۔ تب ہاتھی نے کہانی سنانی شروع کی۔ بچوں نے دیکھا کہ ہاتھی کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔

دوستو! ایک جنگل میں سیکڑوں ہاتھیوں کا ایک غول رہتا تھا۔ اس غول میں سفید کالے اور بھورے سبھی رنگ کے ہاتھی تھے۔ سارے ہاتھی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ سبھی ہاتھی ایک دوسرے کی خوشیوں میں شریک ہوتے۔ اگر کسی ایک ہاتھی کو کوئی تکلیف ہوتی تو سارے ہاتھی مل کر اس کی تکلیف دور کرتے۔ ان کے اندر ایکتا تھی۔ اتحاد و اتفاق تھا۔ بھائی چارگی تھی۔ ان کے اتحاد کو دیکھ کر شیر اور چیتا جیسے خطرناک درندے بھی اس غول کے کسی ہاتھی پر حملہ کرنے سے کتراتے تھے۔ سارے جنگل میں انھیں ہاتھیوں کی حکمرانی تھی۔ اس غول کے ہاتھیوں کو کسی کا ڈر و خوف نہ تھا۔ دن خوشی اور شادمانی سے گزر رہے تھے۔ یکایک ایک تبدیلی ہوئی۔ سفید ہاتھیوں کے دل و دماغ میں جانے کیسے یہ بات سما گئی کہ وہ تمام کالے اور بھورے ہاتھیوں سے برتر ہیں۔ پس وہ لوگ کالے اور بھورے ہاتھیوں پر رُعب جمانے لگے اور ان پر حکم چلانے لگے۔ سفید ہاتھیوں کی تقلید میں بھورے ہاتھی بھی کالے ہاتھیوں پر حکم چلانے لگے۔ کالے ہاتھیوں نے دونوں کی برتری کو قبول نہ کیا اور اس کے خلاف احتجاج کیا۔ نتیجتاً سفید اور بھورے ہاتھیوں نے مل کر کالے ہاتھیوں کو اپنے غول سے الگ کر دیا لیکن سفید اور بھورے ہاتھیوں کا اتحاد بھی زیادہ دن قائم نہ رہ سکا اور بھورے ہاتھیوں نے بھی سفید ہاتھیوں کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ اتحاد بھی ٹوٹ گیا۔ اب وہ اتحادی غول تین جماعت میں تقسیم ہو گیا۔ اور ایک دن تینوں جماعتوں میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ اس لڑائی میں آدھے سے زیادہ ہاتھی ہلاک ہو گئے۔ کچھ زخمی بھی ہوئے۔ اتحاد اور ایکتا کی مضبوط دیوار کے ٹوٹتے ہی درندوں نے باقی بچے ہاتھیوں پر حملہ شروع کر دیا۔ صرف چند ہاتھی اس جنگل سے بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوئے۔ ان ہی بھاگے ہوئے ہاتھیوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔

ہاتھی نے بچوں سے ایک سوال کیا۔ ہاتھیوں
کا خاتمہ کیوں کر ممکن ہوا؟
"کیونکہ وہ آپس میں لڑنے لگے تھے" ایک
بچے نے جواب دیا۔
ہاتھی پھر گویا ہوا: "پیارے بچو! اگر وہ
متحد رہتے اور اپنے اتحاد و اتفاق کو قائم
رکھتے تو کیا ان کا خاتمہ ممکن تھا؟"
"نہیں! کبھی نہیں۔"
پس یاد رکھو ننھے دوستو! آپس میں کبھی
لڑائی جھگڑا مت کرنا۔ کیونکہ اتحاد میں برکت
اور انتشار میں زحمت ہے۔

محمد یوسف محمد یونس، ۲۰ موتی تالاب، مالیگاؤں

والدین کی خدمت

حضرت شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ ایک
بزرگ گزرے ہیں۔ آپ اپنے ابا اور اماں کی
بہت خدمت کرتے تھے ہمیشہ ان کا حکم مانتے
اور ان کی خدمت کے لیے تیار رہتے۔ ایک
دن کی بات ہے کہ جب کہ آپ چھوٹے تھے
امی آرام فرما رہی تھیں۔ اتفاقاً انھیں پیاس
محسوس ہوئی۔ بیٹے کو پانی لانے کو کہا کہ ذرا
ایک کٹورا پانی پلا دو۔ آپ پانی لانے گئے۔
جب تک گھڑے میں سے پانی نکال کر لاتے،
والدہ کی آنکھ لگ چکی تھی۔ اس لیے امی جان
کو جگانا خلاف ادب سمجھا اور پانی ہاتھ میں
لے کر سرہانے کھڑے ہو گئے کہ نہ جانے
کب امی جاگ جائیں اور پانی طلب کریں۔
اس طرح دیر رات گئے امی کی آنکھ کھلی دیکھا کہ
آپ اسی طرح پانی لیے کھڑے ہیں۔ انھوں
نے پوچھا کہ کیا آپ پانی لے کر اسی وقت سے
کھڑے ہو؟
آپ نے جواب دیا۔ جی ہاں امی جان
تاکہ جب آپ کی آنکھ کھلے تو آپ کو پانی پیش
کر دوں۔
یہ جواب سن کر والدہ بہت خوش
ہوئیں۔ بیٹے کو دعائیں دیں۔ ان دعاؤں کے
صلے میں آپ ایک مشہور ولی اللہ ہوئے۔
اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ماں باپ کے حکم کی
تعمیل نصیب فرمائے (آمین) (ماخوذ)

انصاری ماجد ذکی، مولانا کمپاؤنڈ، مالیگاؤں

ایک دیہاتی کے گھر میں آدھی رات
کو چور گھس آیا۔ اس نے دیہاتی اور
اس کی بیوی کو خوب مارا اور سارا سامان
لوٹ کر چلتا بنا۔
صبح کو تھانے دار تفتیش کے لیے آیا
اس نے دیہاتی سے پوچھا۔
"جب چور گھر میں گھسا تو کیا ہوا تھا؟"
دیہاتی نے جواب دیا۔ "جی چار جوتے
مجھے پڑے اور دو میری بیوی کو۔"

ایک طالب علم سے انٹرویو

س: سب سے پہلے آپ اپنا مکمل تعارف
قارئین پیام تعلیم سے کرائیے۔
ج: عزیز ساتھی بھائی اور بہنو! میرا نام محمد
مکرم علی ہے۔ میں ضلع دیوریا کے ایک چھوٹے
سے گاؤں لوکی چھپرہ کا باشندہ ہوں۔
س: اپنی تاریخ پیدائش اور جائے پیدائش
بتائیں۔
ج: تاریخ پیدائش ۳ فروری ۱۹۸۸ء بمقام لوکی چھپرہ

س: کس اسکول اور کس درجے میں آپ تعلیم حاصل کر رہے ہیں؟

ج: میں جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ میں زیر تعلیم ہوں اور قرآن مجید حفظ کر رہا ہوں۔

س: آپ کے مشاغل؟

ج: سبق یاد کرنا، کراٹے سیکھنا اور دوستوں کے ساتھ سیر و تفریح۔

س: آپ کس رسالے کو پسند کرتے ہیں؟

ج: پیام تعلیم، البیان، اچھا ساتھی۔ نور، ہلال۔

س: کیا آپ کا کوئی مضمون پیام تعلیم میں شائع ہوا ہے؟

ج: میں نے اب تک بھیجا ہی نہیں۔

س: آپ کے نزدیک سب سے اچھی زبان؟

ج: عربی۔ اردو، انگلش۔

س: کھانے میں آپ کیا پسند کرتے ہیں؟

ج: گوشت۔ سبزی و ترکاری۔

س: پسندیدہ مشروبات؟

ج: شربت سکارین۔ کوکا کولا۔

س: پسندیدہ لباس؟

ج: سفید و صاف کرتا پاجامہ، ٹوپی۔

س: آپ کے نزدیک اچھا شاعر؟

ج: علامہ اقبال، اکبر الٰہ آبادی۔

س: موجودہ دور میں کس مصنف کو پسند کرتے ہیں؟

ج: مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حکیم محمد سعید، مولانا و مفتی جمیل احمد نذیری مائل خیرآبادی۔

س: کوئی اچھا شعر جو آپ کو یاد ہو؟

ج: کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

س: کوئی ایسا دن یا ایسی تاریخ جس کے یاد آجانے پر آپ مغموم ہو جاتے ہوں؟

ج: بابری مسجد کی شہادت کی تاریخ ۶ دسمبر

س: کوئی یادگار دن؟

ج: اپنے والدین کے ہمراہ تاج محل کی سیر۔

س: آپ کے جگری دوست کون ہیں؟

ج: محمد منظور عالم گیاوی، محمد طارق انور گیاوی، مظہر حسین گریڈیہی، شاہد انور سہرساوی، عبدالستار دیوریاوی، محمد اعظم اعظمی، عبداللہ دیوریاوی، محمد ظفر گیاوی، اور آپ بھی۔

س: پسندیدہ کھیل؟

ج: کرکٹ۔ باکسنگ، ہاکی۔

س: پسندیدہ کھلاڑی؟

ج: محمد اظہر الدین، وسیم اکرم۔

س: آپ اپنے خالی اوقات کو کس طرح گزارنا چاہتے ہیں؟

ج: مطالعہ کتب، خدمت خلق۔

س: آپ اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہیں؟

ج: داعی دین اور خادم دین۔

س: قارئین پیام تعلیم کے لیے آپ کی طرف سے کوئی پیغام؟

ج: کیوں نہیں۔ ان سے میری گزارش ہے کہ وہ پیام تعلیم کو ہر ماہ پابندی کے ساتھ پوری توجہ اور دھیان سے پڑھیں اور سچے بنیں۔ اور سچوں کی صحبت اختیار کریں۔ جھوٹ نہ بولیں۔ نماز کی پابندی کریں اور تلاوت کلام اللہ کو اپنا شعار بنائیں۔

انجلا احمد گیاوی متعلم جامعہ عربیہ عین الاسلام نوادہ مبارکپور

اسلام کا اخلاقی معاشرتی نظام

اسلام چونکہ ایک فطری مذہب ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس میں جو قانون بنا دیے ہیں

وہ سب کے سب فطری ہیں یعنی وہ سب انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں۔ اگر عقل کی روشنی میں ہم انھیں پرکھیں تو اس میں سراسر اپنی بھلائی نظر آئے گی۔ نماز کا پڑھنا، اس کی مثال حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہتر طریقے سے دی ہے اور صحابہ کرام سے فرمایا کہ "بتاؤ تمھارے گھر کے سامنے کوئی نہر یا حوض ہے اگر اس میں کوئی پانچ بار غسل کرے تو کیا اس کے جسم پر میل رہ جائے گا؟ صحابہ کرام نے فرمایا کہ "نہیں" ہرگز نہیں" اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ یہی حال اس شخص کا ہے جو دن میں پانچ مرتبہ نماز پڑھتا ہے اس کے جسم پر یہاں تک کہ اس کی روح پر بھی کوئی گندگی نہیں رہتی۔

اسی طرح روزے کو لیجیے۔ روزہ انسان کو خود بخود برائیوں سے بچاتا ہے کیونکہ روزے سے گناہوں کی قوت ٹوٹ جاتی ہے اور وہ برائیوں سے چھوٹ جاتا ہے۔

اب بڑے کاموں کو لیجیے۔ مثال کے طور پر چوری کی سزا اسلام میں ہاتھ کاٹنا مقرر ہے۔ اس کا معمولی سا اندازہ اس سے ہی لگایا جا سکتا ہے کہ جس شخص کے ہاتھ کٹے ہوئے ہوں گے اس کو دیکھ کر لوگ سمجھ جائیں گے کہ یہ شخص خطرناک ہے اور اس طرح کتنے ہی لوگ خطرے سے بچ جائیں گے اور وہ شخص کتنا بے عزت ہوگا۔ اس پر کوئی بھروسا نہیں کرے گا۔ جب چور شخص کا یہ انجام نظر آئے گا تو ہر شخص اس کام کو برا سمجھے گا اور اس کی طرف آنکھ اٹھانا بھی گوارا نہیں کرے گا۔

ایک اور جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسلامی زندگی کو اپنانے پر لوگوں کو آمادہ کرتا ہے وہ یہ کہ دنیا میں جو شخص جتنا بلند

موٹا آدمی (تانگے والے سے) کیوں بھئی
کیا مجھے اسٹیشن تک لے چلوگے؟
تانگے والا۔ (اسے دیکھ کر) جی ہاں لے چلوں گا مگر دو پھیرے لگانے پڑیں گے۔

اخلاق ہوگا وہ مجھ سے اتنا ہی قریب ہوگا یعنی جتنا اپنی عادتوں کو سنوارے گا وہ اتنا ہی عظیم بنے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جنت ان لوگوں کو ملے گی جو آپس میں رحیم و کریم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن میں فرمایا ہے کہ "مومنوں کی خوبیاں یہ ہے کہ وہ آپس میں رحیم کریم ہوتے ہیں۔

صحابہ کرام جب کسی غزوہ یا جنگ میں شریک ہونے جاتے تھے تو ان پر چاہے کتنی سخت مصیبتیں آجائیں اور کفار ان کے مقابلے میں کتنا ہی غل مچائیں۔ اور بلند آواز کے ساتھ نعرے لگائیں لیکن مومنوں پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ حضورؐ نے انھیں یہی تعلیم دی تھی کہ مصیبتوں کے وقت صبر اور نظم و ضبط سے کام لیں۔ چنانچہ وہ ان ہی باتوں پر عمل کرتے تھے جن کے سبب کامیابی ان کے قدم چومتی تھی۔

اب اگر ہم اسلام کے معاشرتی نظام پہ غور کریں تو اس پر قانون فطرت کی ہی روح کارفرما نظر آئے گی۔ مثال کے طور پر آپ حضورؐ کی اس تعلیم کو لیجیے کہ آپ نے سادگی کو پسند

ایسے میں اس نے پکار بھیڑ میں گئی۔ نوید صاحب اجنبی خاتون سے کہنے لگے۔ معاف کیجیے گا میں کچھ دیر آپ سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں
"بہت اچھا" خاتون نے کھنچے کھنچے جواب دیا مگر میں سمجھی نہیں اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا۔
"جی بہت ....." نوید صاحب نے جواب دیا۔ "دراصل بھیڑ میں میری بیوی کھو گئی ہے۔ وہ مجھے آپ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھے گی تو فوراً گولی کی طرح یہاں پہنچ جائے گی۔

مرسلہ: خواجہ محمد احمد، کھونی جنگلی بہادر گنج۔ بہار

فرمایا اور ہر کام میں سادگی ہی کو ملحوظ رکھا ہے اگر ہم اس تصویر کے دوسرے رخ پر غور کریں تو ہمیں صاف نظر آئے گا کہ اس میں زندگی عیبوں سے بری ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید رنگ کو سب رنگوں پر ترجیح دی ہے اور سبز رنگ کو بھی پسند فرمایا ہے اگر دیکھا جائے تو یہی دو رنگ انسانی طبیعت کو بھی پسندیدہ ہیں۔ اس کے باوجود سادگی میں بڑی جاذبیت ہے اور خرچ بھی کم آتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک پر بڑا زور دیا ہے حتیٰ کہ ایک عورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ حضور یہ فلاں عورت روزے کی بڑی پابند ہے۔ دن کو روزہ رکھتی ہے اور رات کو تہجد کی نماز پڑھتی ہے لیکن اپنے پڑوسیوں کو ستاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ جہنمی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دوسرے سے مل کر رہنا چاہیے اور ایک دوسرے کا خیال رکھنا انسانیت کا لازمی جزو ہے۔

رخسانہ پروین، مکان نمبر ۹۴، چھپر والی مسجد، اوکھلا، نئی دہلی

ضدی لڑکی

ایک لڑکی تھی جس کا نام منی تھا۔ اس کے پاس ایک کتا تھا اس کا نام شیرو تھا۔ منی بہت ضدی تھی۔ کبھی کہتی یہ چاہیے کبھی کہتی وہ چاہیے۔ ابو اور امی جان اس سے بہت پریشان تھے لیکن خوش بھی تھے کیونکہ وہ بہت ذہین اور عقلمند تھی اور اپنے کلاس میں ہمیشہ اوّل آتی تھی۔ گرمی کی چھٹی ہونے والی تھی، منی کا نتیجہ نکلا، وہ اپنے کلاس میں اوّل آئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ اس کی ٹیچر نے کہا کہ گرمی کی چھٹی میں سبھی لوگ ایک گھونسلہ لے کر آئیں جس کا گھونسلہ اچھا ہوگا اسی کو انعام دیا جائے گا۔ اس نے ابو سے کہا کہ اسے ایک اچھا سا گھونسلہ چاہیے۔ اس کے ابو نے کہا کہ وہ اپنے دوست سے ایک چڑیا کا گھونسلہ لا دیں گے لیکن منی نے کہا کہ میں تو جنگل سے گھونسلہ لاؤں گی وہ بھی کسی اور کا نہیں، کسی خوبصورت سے پرندے کا۔ منی کے ابو نے کہا کہ جنگل میں بہت سے خطرناک جانور اور ڈاکو رہتے ہیں وہ لوگ تمھیں پکڑ لیں گے۔

منی رونے لگی۔ اسی وقت منی کی امی آگئی۔ انھوں نے کہا، اچھا منی تم ابو کے ساتھ جنگل چلی جانا۔ مجبوراً ابو نے بھی کہا میں تم کو جنگل لے چلوں گا۔ دوسرے دن منی ابو کے ساتھ کار میں بیٹھ کر جنگل چلی گئی۔

وہاں اسے ایک درخت پر ایک گھونسلا دکھائی دیا۔ وہ درخت دیکھنے میں بہت نزدیک تھا لیکن تھا بہت دور۔ منی بولی، میں تو وہ گھونسلا لوں گی۔ ابّو نے کہا، وہ درخت بہت دور ہے دیکھنے میں اتنا نزدیک لگتا ہے۔ منی نے کہا، نہیں یہ درخت دور نہیں ہے۔ اتنا کہہ کر وہ کار سے باہر نکلی اور چل دی۔ اس کے ابّو نے کہا میں بھی تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔ منی بولی میں وہ گھونسلا لاکر دکھاؤں گی۔ آپ مت آیئے۔ اتنا کہہ کر وہ دوڑ پڑی، دوڑتے دوڑتے وہ تھک گئی لیکن درخت تک نہ پہنچ سکی۔ راستے میں اسے ڈاکو مل گئے۔ انھوں نے اسے پکڑ لیا اور باندھ دیا۔ انھوں نے اس کے ابّو کو خبر کیا کہ جب تک وہ انھیں ایک لاکھ روپے نہیں دیں گے تب تک منی کو نہیں چھوڑیں گے۔ منی کے ابّو بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے سوچا کہ اب ڈاکوؤں کو روپے دینے ہی ہوں گے نہیں تو وہ لوگ منی کو مار ڈالیں گے۔ شیرو نزدیک کھڑا سن رہا تھا۔ یہ سن کر وہ تیزی سے جنگل کی طرف دوڑ پڑا۔ وہ منی کو تلاش کرنے لگا۔ تلاش کرتے کرتے وہ منی کے پاس پہنچ گیا۔ ڈاکوؤں نے منی کو باندھ رکھا تھا۔ شیرو نے بھوں، بھوں کرکے منی سے کہا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ پھر وہ دوڑ کر اس جگہ آیا جہاں منی کے باپ پریشان حال کھڑے تھے اور وہاں بھی بھونکنے لگا۔ منی کے ابّو سمجھ گئے اور فوراً پولیس کو لے کر شیرو کے پیچھے پیچھے چل دیے۔ شیرو نے ان کو ڈاکوؤں تک پہنچایا۔ پولیس نے ڈاکوؤں کو پکڑ لیا۔ پولیس نے بتایا کہ ان ہی ڈاکوؤں کی بہت دنوں سے تلاش تھی اور ان کے پکڑنے

ایک عورت اپنے شوہر کے انتقال پر مسلسل روئے جارہی تھی۔ کئی دن اسی طرح گزر گئے۔ یہ کیفیت دیکھ کر اس کی سہیلی نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا: "بہن صبر کرو۔ تم ایسے شخص کے لیے رو رہی ہو جو اس وقت حوروں کے ساتھ رنگ رلیاں منا رہا ہوگا!"

"یہ سنتے ہی عورت نے آنسو پونچھ لیے اور پھر کبھی نہیں روئی۔"

والے کو انعام بھی دیا جائے گا۔ شیرو کو انعام دیا گیا۔ شیرو منی کے پاس گیا اور اس کے گلے میں وہ میڈل ڈال دیا۔ منی ابّو سے بولی۔ ابّو اب میں کبھی ضد نہیں کیا کروں گی۔ مجھے ضد کرنے کا پھل مل گیا۔ منی کے ابّو، امّی اور شیرو سبھی خوش تھے۔

محمد شاہد عتیق، چندن بارہ، مشرقی چمپارن، بہار

اگر سلینڈر پھٹ جاتا

کچھ دنوں پہلے کی بات ہے۔ میں لڑکیوں کے ایک ہاسٹل میں رہتی تھی۔ دوپہر کے تین بج رہے تھے۔ میں اپنے کمرے میں سو رہی تھی کہ اچانک شور ہونے لگا۔ آگ لگ گئی، آگ لگ گئی۔ میں گھبرا کر جاگ گئی لیکن ابھی میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ میں نے باہر نکل کر لڑکیوں سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ تو ایک لڑکی نے بتایا کہ کمرہ نمبر ۴ میں سلینڈر میں آگ لگ گئی ہے۔ تبھی باہر سے پہریدار اور کچھ لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور ان لوگوں نے سلینڈر

کو کسی طرح کمرے سے باہر نکالا اور وہ لوگ چلے گئے۔ آگ مستقل جلتی رہی۔ آگ بجھانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن آگ نہیں بجھی، لڑکیوں کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا سب لڑکیاں چھت پر چلی گئی تھیں اور کچھ لڑکیاں نیچے تھیں آخر میں اچانک بہت زوردار کان پھاڑنے والی آواز ہونے لگی گھر گھر گھر، لڑکیاں سمجھیں کہ اب سلینڈر پھٹ جائے گا۔ تمام لڑکیاں چھت کی طرف بھاگیں، پہرے دار نے پورا دروازہ کھول دیا کہ لڑکیاں بھاگیں لیکن سب لڑکیاں چھت پر چلی گئیں۔ لڑکیاں بہت زیادہ ڈر گئی تھیں۔ بعض نے تو باقاعدہ رونا شروع کر دیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد آواز بند ہو گئی ساتھ ہی آگ بھی بجھ گئی۔ مجھے آج بھی جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں کہ اگر سلینڈر پھٹ جاتا تو؟

ثروت شفیق معرفت مولانا شفیق الرحمٰن ندوی لکھنؤ

سلطان محمد تغلق کا فیصلہ

سلطان محمد تغلق بے حد قابل سمجھ دار اور منتظم حکمراں گزرا ہے جس کو اپنی سیاسی مصلحتوں کی خاطر انگریزوں نے ظالم اور اپنے باپ کا قاتل بنا دیا۔ محمد تغلق بہت انصاف پسند بادشاہ تھا ایک مرتبہ کسی ہندو امیر کے لڑکے نے بادشاہ پر نالش کی کہ بادشاہ نے اس کو بلا سبب مارا ہے قاضی نے بادشاہ کو حکم دیا کہ لڑکے کو راضی کرو ورنہ سزا بھگتنی ہوگی۔ لڑکا کسی طرح راضی نہ ہوا۔ آخر بادشاہ سزا بھگتنے کو تیار ہو گیا۔ اس نے سر دربار لڑکے کے ہاتھ میں چھڑی دی اور قسم دلائی کہ تم اسی طرح مارو جس طرح میں نے تمہیں مارا تھا۔ لڑکے نے بادشاہ کو اکیس بید مارے یہاں تک کہ بادشاہ کی ٹوپی زمین پر گر پڑی۔ انگریز مؤرخین نے ایسے واقعات کو بادشاہ کے پاگل ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے۔ ان کے نقطۂ نظر سے یہ بات درست بھی تھی کیونکہ ایسا سخت انصاف انہوں نے کبھی سنا بھی نہیں ہے ان کی ملکی و سیاسی تاریخ میں تو ایک پاگل ہی ایسا کر سکتا ہے نا!

سعود احمد قریشی محلہ ملار تکیہ منگرول پیر

صحت اور صفائی

اچھی صحت واقعی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جب تمہاری صحت اچھی رہے گی تو تم کس قدر خوش رہو گے، کھانا بڑا مزے دار لگتا ہے، پڑھنے میں دل بھی لگتا ہے کھیل میں بھی لطف آتا ہو گا، نیند بھی خوب لگتی ہو گی۔ اور اگر خدا نخواستہ صحت خراب ہو گئی تو بخار آنے لگتا ہے سر میں درد ہوتا ہے، بدن کے ایک ایک جوڑ میں تکلیف ہوتی ہے۔ عمدہ عمدہ کھانے کی چیزیں کڑوی اور بدمزہ معلوم ہوتی ہیں پڑھنے کی طرف دل راغب نہیں ہوتا۔ دل چاہتا ہے کہ کتابیں اٹھا کر رکھ دیں۔ نیند بھی ٹھیک سے نہیں آتی ہے۔ ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ اسی بیماری کی حالت میں سوچو تو معلوم ہو گا کہ صحت واقعی ایک بڑی نعمت ہے۔ یہ نعمت کپڑے کے لئے، گھر بار سب سے زیادہ قیمتی ہے۔ اچھی صحت کس طرح حاصل ہو؟ اور پھر اچھی صحت کو کس طرح برقرار رکھا جائے اس کے لیے تمہیں زندگی کے

کچھ اصول کو اختیار کرنے ہوں گے۔ اور ان اچھے اصولوں کو اختیار کرنے کے بعد تم اس نعمت سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔

صحت کے سات اصول

۱۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقرر کی ہوئی عبادتیں صحیح طریقے سے ادا کرنا۔

۲۔ اچھی عادتیں اختیار اور برائیوں اور بری عادتوں کو چھوڑ دو اور اچھی عادتوں کا نمونہ بہتر نمونہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں موجود ہے اس پاک زندگی کی پیروی کرنے کی کوشش کرو۔

۳۔ ورزش کے ذریعے جسم کو تندرست اور مضبوط بناؤ۔

۴۔ جلد ہضم ہونے والی اور زیادہ خون پیدا کرنے والی غذائیں استعمال کرو۔

۵۔ اپنے جسم، کپڑے اور اپنی کتابیں صاف رکھو۔

۶۔ اپنا کمرہ اور اپنا مکان ٹھیک حالت میں رکھو۔

۷۔ محلہ اور شہر کی صفائی بھی صحت کے لیے ضروری ہے۔

نمازوں اور روزوں کی برکتیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بندگی کے کچھ طریقے بتائے ہیں بندگی کے یہ طریقے انسان کی زندگی کے لیے ہر لحاظ سے مفید ہیں۔ اللہ کی عبادت کرنے سے دل و دماغ کی گندگی دور ہوتی ہے اور اس سے روحانی خوشی حاصل ہوتی ہے جو انسان کی صحت کے لیے بہت ضروری ہیں مثال کے طور پر جو شخص پابندی سے قرآن کو سوچ سمجھ کر پڑھتا ہے۔ نمازوں کا پابند ہے روزہ بھی رکھتا ہے اور وہ اپنے آپ کو اللہ سے قریب محسوس کرتا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا وہ کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔ وہ غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے۔ وہ چوری نہیں کرتا۔ رشوت نہیں لیتا۔ شراب سے پرہیز کرتا ہے اور برائیوں سے پرہیز کرتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے آدمی سے کتنا خوش ہوتا ہے اسے اپنی زندگی میں خوشی حاصل ہوتی ہے اور یہ خوشی اس کی صحت پر بہت اثر ڈالتی ہے۔۔ اس کے برخلاف جو لوگ نماز نہیں پڑھتے اور روزہ نہیں رکھتے انھیں اللہ کا خوف نہیں ہوتا۔ ایسے لوگ جھوٹ بولتے ہیں دھوکا بھی دیتے ہیں، رشوتیں لیتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ جوا کھیلتے ہیں۔ چوری کرتے ہیں۔ ڈاکہ ڈالتے ہیں اور اسی قسم کی تمام بدکاریوں میں مبتلا ہوتے ہیں ایسے لوگ بیماریوں سے نہیں بچ سکتے۔ جھوٹ بولنے والوں اور دھوکا

حضرت امام شافعیؒ کے مرتبے سے ایک زمانہ واقف ہے مگر انھوں نے حضرت نفیسہ جیسی محترم خاتون ہی سے علم حدیث کو حاصل کرکے امام کا رتبہ حاصل کیا۔ امام بخاریؒ نے اپنی والدہ ماجدہ کی نگرانی میں علم حاصل کیا اور ایک جلیل القدر امام بنے۔ امام ابن جوزیؒ نے اپنی پھوپھی کی توجہ سے امام کا رتبہ حاصل کیا۔ اسی طرح خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ ابھی ڈیڑھ برس ہی کے تھے کہ ان کے والد فوت ہوگئے۔ ان کی تعلیم و تربیت ان کی والدہ ہی نے کی اور ان کو اس قابل بنا دیا کہ وہ شہنشاہِ ہند اور تمام ملک کے پیشوا بنے۔

[illegible] سا تھا
[illegible] صحت [illegible]
[illegible] کا ادنیٰ [illegible] جھوٹا شخص اگر کوئی
سچی بات بھی کہے تو لوگوں کو یقین نہیں آتا کیونکہ
[illegible] جھوٹا ہے اور جھوٹا اپنی بدنامی کے سبب
[illegible] گرم ہو جاتا ہے اور اس کا خون
[illegible] لگتا ہے اسی طرح اس کی صحت پر
بُرا اثر پڑتا ہے۔ جھوٹے ملازم کو نوکری سے
ہاتھ دھونا پڑتا ہے اور پھر فاقوں کی نوبت
آجاتی ہے بیچارا سوکھ کر کانٹا ہو جاتا ہے
جھوٹے تاجر کو دیکھو شروع میں خوب نفع
حاصل کرتا ہے اور بعد میں اس کی تجارت بیٹھ
جاتی ہے۔ مالی نقصانات جھوٹے تاجر کی صحت
پر بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ رشوت لینے والے کا
دل ہمیشہ دھڑکتا ہے جانے کب افسر کو پتا چل
جائے اور کب ملازمت سے نکالا جائے۔
رات میں ڈراؤنے خواب دیکھتا ہے اس طرح
اس کی صحت پر بُرا اثر پڑتا۔

شراب پینے والے اپنے ہوش میں نہیں
رہتے۔ گالیاں بکتے ہیں بیوی بچوں کو مارتے
ہیں اور پھر کہیں ڈھلک کر گر پڑتے ہیں نالیوں
اور کیچڑ میں اور وہیں پڑے پڑے ان کا دل کمزور
ہو جاتا ہے کسی وقت بھی شرابی کے دل کی حرکت
بند ہو جاتی ہے اور وہ مر جاتا ہے۔ چوری کرنے
والا اپنے سائے سے بھی ڈرتا ہے ہمیشہ اسے
پولیس والا نظر آتا ہے کبھی وہ چین سے بیٹھ نہیں
سکتا اور نہ ہی چین سے سوتا ہے اس کی زندگی
زیادہ تر جیل میں گزرتی ہے۔ دوستو! ایسا
شخص واقعی کتنا بدنصیب ہے۔ ساتھیو! تم نے
دیکھا کہ نمازیں اور روزے انسان کی زندگی کو
کس قدر پرسکون بنا دیتی ہیں نماز روزوں
سے دل و دماغ کو سکون ملتا ہے ان فائدوں
کے علاوہ اور بھی فائدے حاصل ہوتے ہیں
وضو کرنے والے کے ہاتھ پاؤں ہمیشہ صاف
رہتے ہیں۔ منہ میں غلاظت اور بدبو نہیں ہوتی
اس کے کپڑے بھی صاف ستھرے رہتے ہیں اور
گندگی سے پاک رہتے ہیں اسی طرح وہ خطرناک
جراثیموں سے محفوظ رہتا ہے اور بیماریاں
اس کے پاس بہت کم آتی ہیں۔ رمضان کا
مہینا جب آتا ہے تو کتنی برکتیں لے کر آتا ہے
بعض نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ بھوکے رہنے سے
صحت خراب ہو جاتی ہے مگر وہ یہ نہیں جانتے
کہ روزہ رکھنے سے پیٹ کی کتنی اصلاح ہوتی
ہے پیٹ کے اندر کی غلاظتیں جل جاتی ہیں
پھر سال بھر کام کرنے کے لیے پیٹ کی آنتیں
تیار ہو جاتی ہیں اور ٹھیک طور پر کام کرتی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی

اگر تم تہیہ کر لو کہ میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم
کی زندگی کے مطابق عمل کرنے کی کوشش
کروں گا تو تمہاری صحت بہت اچھی رہے گی،
صبح کا اٹھنا، صاف ستھرا رہنا، مسواک کرنا، نہانا
دھونا، خوشبو استعمال کرنا، سادہ غذا کھانا، تھوڑی
بھوک رکھ کر کھانا۔ بیٹھ کر اور تین مرتبہ سانس
لے کر پانی پینا۔ دوپہر میں کھانا کھانے کے بعد آرام
کرنا، اور شام کو کھانا کھانے کے بعد تھوڑی دیر
چہل قدمی کرنا۔ پیارے دوستو! اگر تم ان اصولوں
کے پابند رہو گے تو تمہاری صحت اچھی رہے گی۔
پیارے دوستو! یہ اصول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تھے
انھیں کو اختیار کر کے تندرست اور مضبوط بن جاؤ۔

محمد خالد متعلم مدرسہ عثمان بن عفان جامع مسجد نئی دہلی ۶

"ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لاالٰہ الا اللہ" ۔ سرسید احمد خاں

ماہنامہ پیام تعلیم

نئی دہلی ۲۵

نومبر ۱۹۹۵ء جلد ۴۳ شمارہ ۱۱

فی پرچہ 5 روپے سالانہ 40/=

سرکاری اداروں سے 65/= روپے

وی پی منگانے کی صورت میں مزید ۱۰ روپے خرچ آئے گا

غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/= روپے

ایڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ، بمبئی ۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بچوں سے باتیں

پچھلے مہینے ہم نے اپنے پیامیوں سے درخواست کی تھی کہ اپنے شہر کے ایسے اسکولوں کے پتے زحمت کر کے بھجوائیں جہاں اردو کی تعلیم کا بندوبست ہو، اور اپنے ایسے دوستوں کے پتے بھی لکھیں جن کو اردو سے دلچسپی ہو۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہماری اس درخواست کا خاطر خواہ اثر ہوا۔ نہ صرف بہت سے پیامیوں نے ہمیں اپنے شہر کے اردو اسکولوں کے پتے لکھے بلکہ پیامیوں کو یہ سن کر خوشی ہوگی کہ ان کے پیام تعلیم کا تعارف پیامیوں کے بزرگ بھی اپنے حلقۂ احباب میں کر رہے ہیں۔ پچھلے ہفتے ہی ہمیں غنی بھائی (اورنگ آباد مہاراشٹر) کا بڑا حوصلہ افزا خط ملا۔ ہم ان کی ہدایت پر عمل کر رہے ہیں۔ ہم غنی بھائی کے ساتھ ساتھ محمد ثاقب میاں (بہار شریف) اور چار ایسے پیامیوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنھوں نے اپنے احباب کے پتے تو لکھے لیکن اپنا نام اور پتا نہیں لکھا۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ کی ۷۵ ویں سالگرہ کی تقریبات کی رپورٹ آیندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں۔

پرنٹر پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے برقی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

جانتے ہو اس نشان کا مطلب کیا ہے؟ دیکھو اس میں سب سے اوپر ایک ستارہ ہے جس میں لکھا ہے "اللہ اکبر" جب اندھیری رات میں غریب مسافر جنگل بیابان میں سفر کرتے ہوئے راہ بھٹک جاتے ہیں، کوئی راہ بتانے والا نہیں ہوتا تو وہ ستاروں کو دیکھ کر راستہ نکالتے ہیں، جامعہ والوں کو راستہ بتانے والا ستارہ یہی "اللہ اکبر" کا ستارہ ہے۔ ان کی نظر اسی پر جمی ہے۔ یہی دنیا کی اندھیاری میں انھیں راہ بتاتا ہے اس لیے کہ وہ جتاتا ہے کہ اللہ ہی سب سے بڑا ہے۔ جس نے اس کے آگے سر جھکایا اس نے سچی زندگی کا پتا پایا۔ اس کے سامنے جھک کر پھر یہ سر کسی کے سامنے کیسے جھک سکتا ہے۔ اس چمکتے ہوئے ہدایت کے تارے کے نیچے ایک کتاب ہے جس پر لکھا ہے "عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ"

یہ کتاب قرآن پاک ہے اس سے خدا نے اپنے بندوں کو اپنی مرضی کا پتا دیا کہ وہ کیا چاہتا ہے، کس طرح نیکی کر کے آپس میں ایک دوسرے کو بھائی بھائی جان کر، غریب و امیر کا فرق مٹا کر، رنگ روپ کی تمیز مٹا کر، آقا اور غلام کی تقسیمیں مٹا کر اس کے اچھے اور سچے بندے بن سکتے ہیں۔ اس کتاب نے آدمیوں کو تاریکی سے روشنی میں پہنچایا اور جو راہ بھٹک گئے تھے انھیں بھی سیدھی راہ بتائی، اور اس کے لانے والے نے اپنی پاک زندگی کی مثال سے، اپنی تاثیر اور دل کی گرمی سے ایک گروہ ایسے نیک آدمیوں کا تیار کر دیا جس نے دنیا سے طرح طرح کی برائیوں کو مٹا دیا اور اس میں خدا کی سچی برادری قائم کی۔

اس نشان کے دونوں طرف کھجور کے دو پیڑ ہیں۔ یہ کیا ہیں؟ یہ اس

دلیش کا نشان ہیں جہاں خدا کا آخری پیام لانے والا پیدا ہوا۔ اس بنجر وادی کا نشان جس میں اور تو کچھ اُگتا نہ تھا۔ پر جہاں دینِ الٰہی کے پودے نے جڑ پکڑی۔ جو لوگ ناموافق حالات سے اپنے کاموں میں گھبرا جاتے ہیں ان کے لیے یہ درخت دھارس کا سامان ہے کہ اس دیس سے جہاں ان کھجوروں کے سوا پھول بوٹا نام کو نہ تھا ہدایت کے چشمے اُبل پڑے۔ جن سے دلوں کی بستیاں سیراب ہو گئیں۔ پھر تم ظاہری حالات دیکھ کر کیوں تھر تھرا دلے ہو جاتے ہو۔

سب سے نیچے ایک پتلا سا ہلال ہے جس میں لکھا ہے "جامعہ ملیہ اسلامیہ" یہ ہلال ابھی چھوٹا سا ہے لیکن جیسے ہلال بڑھ کر چودھویں رات کا چاند بن جاتا ہے اسی طرح یہ جامعہ، جس کے کام کی ابھی ابتدا ہے۔ انشاءاللہ بڑھ کر روشن چاند بنے گی اور دیکھنے والوں کی آنکھوں کا سرور ہوگی۔

شفق بدر

زبان کا زخم

ایک بار ایک بادشاہ شکار کھیلنے گیا۔ جنگل میں وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا۔ وہ بہت پریشان ہوا۔ جنگل میں اچانک ہی اسے شیر نے آلیا۔ اتفاق سے ایک کسان بھی اسی وقت اُدھر آنکلا۔ اس کے ایک ہاتھ میں تو آگ سے مڑی ہوئی لکڑی تھی اور دوسرے میں درانتی۔ شیر بادشاہ پر حملہ کرنے ہی کو تھا کہ کسان نے پھرتی سے آگ سے مڑی ہوئی لکڑی اس کے گلے میں ڈال کر دوسرے ہاتھ میں پکڑی ہوئی درانتی سے اس کا پیٹ چاک کر دیا۔ شیر مارا گیا اور بادشاہ کی جان بچ گئی۔

بادشاہ نے کسان کو انعام کے طور پر ایک گانو کی نمبرداری کے ساتھ بہت سی زمین دی اور کہا "ہر تہوار کے موقع پر ہمارے محل میں ہمارے دوستوں، عزیزوں اور رشتے داروں کی خاص دعوت ہوتی ہے، تم اب ہمارے خاص دوستوں میں شامل ہوگئے ہو، اس لیے ہم تمھیں ہر تہوار پر محل آنے کی دعوت دیتے ہیں۔" کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ ایک تہوار آ گیا۔

بادشاہ کے محل میں دعوت ہوئی جس میں کسان بھی شریک ہوا۔ اس بچارے کے کپڑے معمولی اور پرانے تھے اور اسے بادشاہوں کی محفلوں میں اٹھنے بیٹھنے کا ادب و سلیقہ بھی نہ تھا۔ اس تقریب میں اس سے کئی غلطیاں ہوئیں۔ کھانے کے لیے وہ بادشاہ کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔

بادشاہ اس پر بڑا ناراض ہوا اور اس سے کہنے لگا "تم تو گنوار کے گنوار ہی رہے۔ چھوٹے بڑے کی تمیز نہیں کر سکتے۔ بہتر یہی ہے کہ اسی وقت اُٹھ جاؤ۔"

کسان شرمندہ ہوکر وہاں سے چلا آیا اور کئی سال تک بادشاہ کے پاس نہ گیا۔

ایک دن بادشاہ سیر کو نکلا۔ وہ ایک شاندار گاڑی میں سوار تھا جسے گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ اس کی گاڑی ایک تنگ پل سے گزرنے لگی تو اچانک ہی ایک طرف سے گاڑی کا پہیا نکل گیا اور اگر اسی وقت اسے سہارا دے کر اس کی اونچائی دوسرے پہیئے کے برابر نہ کی جاتی تو بادشاہ کی گاڑی دریا میں گر جاتی۔ اتفاق یہ ہوا کہ وہ کسان بھی اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس نے پہیا نکلتے ہی گاڑی کو اپنے بازو پر سنبھال کر گرنے سے بچالیا۔

اس مرتبہ بادشاہ کسان کی اس خدمت سے اس قدر خوش ہوا کہ کسان کو اپنے ساتھ لے جاکر کئی روز اپنے ہاں مہمان رکھا۔ اور چلتے وقت بہت سا انعام دے کر ہمیشہ آتے رہنے کی تاکید کی۔ کسان نے کہا "بادشاہ سلامت! میں نے دو دفعہ آپ کی جان بچائی ہے۔ اب حضور بھی میری ایک بات مان لیں۔ میرے سر میں شدید درد ہے۔ بہت علاج کرایا مگر کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اب اس کا آخری علاج یہ ہے کہ آپ تلوار سے ہلکا سا زخم میری پیشانی پر لگا کر تھوڑا سا خون نکال دیں۔ بادشاہ پہلے تو ہرگز نہ مانتا تھا مگر کسان کے بہت اصرار پر اس نے اپنی تلوار سے کسان کی پیشانی پر ہلکا سا زخم لگا دیا۔

کسان زخم کھا کر اپنے گھر واپس چلا گیا۔ چند روز میں معمولی علاج سے زخم بھی اچھا ہوگیا۔ کچھ دن بعد بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلا کر حال پوچھا تو کسان نے عرض کیا "بادشاہ سلامت! ملاحظہ فرمائیے کہ اللہ کے فضل سے تلوار کے زخم کا اب نشان تک نہیں رہا، مگر پہلی دعوت میں حضور کے "بدتمیز"، "گنوار" کہنے اور محفل سے کھڑے کھڑے نکال دینے کا زخم اب تک میرے دل پر بالکل تازہ ہے"

یہ سن کر بادشاہ نے شرمندگی سے اپنی گردن جھکائی اور کہا "بیشک! تم سچے ہو۔ میں ہی غلطی سے داناؤں کے اس قول کو بھول گیا تھا کہ تلوار کا زخم بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم کبھی نہیں بھرتا۔ میں تمھیں نرمی سے بھی ادب آداب سمجھا سکتا تھا، مگر غصے نے میرے دماغ اور زبان کو خراب کر دیا تھا۔ میں شرمندہ ہوں"۔

درختوں کو مت کاٹیے۔ ان کا وجود ہماری زندگی کے لیے بے حد ضروری ہے یہ ہوا کی آلودگی دور کرکے ہمیں صحت اور طاقت بخشتے ہیں۔

شہناز پروین

ایک شوخ تحریر

اللہ میری توبہ

● آدمی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک عقل مند، دوسرے شادی شدہ۔
● باورچی خانے کو ڈرائنگ روم کی طرح صاف ستھرا رکھنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہمیشہ ہوٹل میں کھانا کھایا جائے۔

"اوہو! آج تو بہت سے کام کرنے ہیں۔ چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو کے اسکول کی وردی لانی ہے۔ فر کے کوٹ شہر لے جاکر فروخت کرنے ہیں اور اپنے لیے جوتوں کی ایک جوڑی خریدنی ہے۔" سفید اور موٹے خرگوش چیاؤ نے نیند سے اٹھتے ہی سوچا۔ پھر وہ جلدی سے پلنگ سے نیچے اترا اور ہاتھ منہ دھونے کے بعد تیار ہونے لگا۔

خرگوش چیاؤ، خرگوشن اور ان کے چار بچے چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو شہر سے دور جنگل میں ہرے بھرے درختوں کے درمیان رہتے تھے۔ وہاں آس پاس کچھ اور خرگوش بھی رہتے تھے۔ وہاں جنگل میں ان کے علاوہ اور بھی بہت سے جانور اور پرندے تھے۔

چیاؤ تیار ہو کر ناشتا کرنے باورچی خانے کی طرف گیا۔ اس کی بیوی ٹیمی وہاں پہلے سے موجود تھی اور ناشتے کے لیے کیک بنا رہی تھی۔

"یہ آج تم صبح صبح اٹھ کر کیوں تیار ہو گئے؟" ٹیمی نے پوچھا۔

چیاؤ نے جواب دیا "آج میں شہر جا رہا ہوں۔ بہت سے کام کرنے ہیں"

ٹیمی نے کہا "تو پھر میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گی۔ کل بی فاختہ شہر سے میرے ماموں کا خط لائی تھیں۔ میری ممانی بہت بیمار ہیں۔ مجھے ان کی خیریت پوچھنے جانا ہے۔"

چیاؤ نے کہا "ضرور چلو۔ مگر ہمارے یہ چاروں شریر بچے اکیلے ہوں گے تو اور بھی شرارتیں کریں گے۔ ان کو کس کے پاس چھوڑ کر جائیں۔"

ٹیمی نے سمجھاتے ہوئے کہا "یہ اب بڑے ہو گئے ہیں اور اکیلے رہ سکتے ہیں۔

رہی شرارتیں، تو وہ سب بچے کرتے ہی ہیں۔ میں ان سے کہہ جاؤں گی کہ گھر کے اندر ہی رہیں اور باہر بالکل نہ نکلیں۔ ہم شام سے کافی پہلے واپس آجائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" چیاؤ راضی ہوگیا۔

"چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو۔ جلدی سے آکر ناشتا کرلو۔" ٹیمی نے بچّوں کو آواز دی۔ چاروں شریر بچّے بھاگتے ہوئے اندر آئے اور کیک پر پل پڑے۔ "ارے ارے آرام سے کھاؤ اور ذرا تمیز سے بیٹھو۔" چیاؤ نے ان کو سمجھایا مگر بچّوں پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

ٹیمی اندر سے تیار ہوکر آئی تو چاروں بچّے ناشتا کر چکے تھے۔ ٹیمی نے اپنی ممانی کے لیے پھولوں کا ایک گُل دستہ بنایا اور کچھ گاجریں بھی ساتھ لے لیں خرگوش نے ٹوکری اُٹھائی، کوٹ پہنا اور باہر کی طرف چلا۔ ٹیمی نے جاتے جاتے بچّوں کو سمجھایا۔

"دیکھو بچو! ہم دونوں کچھ دیر کے لیے شہر جارہے ہیں تم سب گھر کے اندر ہی رہنا اور باہر بالکل مت نکلنا۔ بھوک لگے تو باورچی خانے سے کھانا لے لینا مگر گندگی نہ کرنا۔ فضول شرارتیں کرنے کے بجائے گنتی یاد کرنا۔ ہم شام سے پہلے واپس آجائیں گے۔"

"جی اچھا"، چاروں نے بڑی سعادت مندی سے جواب دیا۔

چیاؤ اور ٹیمی شہر چلے گئے۔ چاروں بچّوں کو تو گویا موقع مل گیا۔ انھوں نے گنتی یاد کرنے یا آرام سے بیٹھنے کے بجائے خوب شرارتیں کیں۔ کھیلتے کھیلتے پنکو برتنوں کی الماری میں گھس گیا اور نئی چاے دانی توڑ دی۔ چنکو نے سارے

نئے کپڑے الماری سے نکال کر کمرے میں ڈھیر لگا دیا اور ان پر کودنے لگا۔ مونو بھی بڑی شیطان تھی۔ اس نے دو میزوں کی پھسلنی بنائی اور اس پر پھسلنے لگی۔ ٹوٹو کیوں پیچھے رہتا۔ اس نے اپنے ابّو کی کتابیں نکالیں اور پنسل سے ان پر اُلٹی سیدھی لکیریں کھینچنے لگا۔

کچھ دیر بعد چاروں کا اِن شرارتوں سے دل بھر گیا تو انھوں نے باورچی خانے میں کھانا کھایا اور خوب ہڑبونگ مچائی۔ اس سے بھی اُکتا گئے تو ان کا دل کچھ اور شرارت کرنے کو چاہا۔

چنکو نے کہا "چلو باہر چلتے ہیں۔ ندی کے کنارے کچھوے چچا کو تنگ کریں گے"

"ہاں ہاں! کچھوے چچا کو ستانے میں بڑا مزہ آتا ہے" مونی نے حمایت کی۔

اب چاروں گھر سے نکل آئے حالانکہ ان کی امّی نے باہر نکلنے سے منع کیا تھا۔ ندی ان کے گھر سے ذرا دور تھی۔ یہ سب کودتے پھاندتے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں بھیڑیے نے انھیں دیکھ لیا۔ بھیڑیا تو بہت خوش ہوا۔ اس نے چاروں کو کھانے کا پروگرام بنایا۔ بھیڑیے کا نام بھوبھو تھا اور وہ ان چاروں کو اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ بہت شریر ہیں۔ بھوبھو کے پاس بیہوش کرنے والی دوا تھی۔ اس نے یہ دوا مٹھائی خرید کر اس میں ملائی اور چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو کے پاس گیا۔

"پیارے بھتیجو! اور پیاری بھتیجی مونی! دیکھو میں تمھارے لیے کیا لایا ہوں" بھیڑیے نے مٹھائی دکھا کر ان سے کہا۔

چاروں نے جھپٹ کر بھیڑیے کے ہاتھ سے مٹھائی لی اور کھانے لگے۔ حالانکہ سب چھوٹے جانور اپنے بچّوں کو سمجھاتے تھے کہ کبھی بھی کسی بھیڑیے یا لومڑی سے کوئی چیز لے کر مت کھانا۔ مگر ان چاروں کو اس وقت کچھ یاد نہ تھا۔ کچھ ہی دیر بعد چاروں بیہوش ہو گئے۔ بھیڑیے نے ایک تھیلے میں چاروں بچّوں کو ڈالا اور سیٹی بجاتا اور چھڑی گھماتا اپنے گھر کی طرف چل پڑا۔

گھر جا کر اس نے اپنی ملازمہ موموبلّی کو آواز دی:

"مومو! مومو! جلدی سے آؤ اور یہ تھیلا اندر لے جاؤ۔ اس میں کل دوپہر

کے لیے کھانا ہے۔ ان چاروں کو احتیاط سے کمرے میں بند کر دو۔ کل صبح ان کو کاٹوں گا،،
موموں دوڑتی ہوئی آئی اور تھیلا گھسیٹ کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ جب اس نے تھیلا کھولا تو اس میں چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو تھے۔ موموں کو ان چاروں پر بڑا ترس آیا۔ اس نے زمین پر گھاس پھونس بچھا کر ان کے لیے بستر بنایا اور چاروں کو اس پر لٹا دیا۔
کچھ ہی دیر بعد چاروں کو ہوش آگیا۔

سب سے پہلے چنکو نے کہا "ہم یہ کہاں آگئے ہیں؟"
مونی نے پوچھا "ہم کو تو بھوبھو چچا نے مٹھائی دی تھی اور اس کے بعد . . .
اس کے بعد کیا ہوا تھا؟،،
"اس کے بعد تم بیہوش ہو گئے اور کل تک مرحوم بھی ہو جاؤ گے۔ بھیڑیا بھوبھو تمھیں کل دوپہر کے کھانے میں تل کر کھائے گا،، موموں اندر آتے ہوئے بولی۔ یہ سنتے ہی چاروں رونے لگے۔
"مگر آپ کون ہیں؟،، ٹوٹو نے موموں سے پوچھا۔ "میں موموں ہوں۔ تمھاری پھوپھی اماں لگتی ہوں، دور کی۔ مگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ آخر تمھیں بھوبھو سے لے کر مٹھائی کھانے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا تمھارے امی ابّو نے تم کو بھوبھو سے لے کر چیزیں کھانے سے منع نہیں کیا تھا؟،، موموں نے پوچھا۔
پنکو نے رونی صورت بنا کر کہا "منع تو کیا تھا۔ مگر اب کیا ہوگا؟"
موموں نے کہا "ابھی تم سو جاؤ۔ میں کوئی ترکیب سوچتی ہوں۔،،
سب لیٹ تو گئے مگر نیند کیسے آتی؟ ادھر چیاؤ اور ٹیمی جب شہر سے واپس آئے تو گھر کا حشر دیکھ کر حیران رہ گئے۔ برتنوں کی کھلی الماری میں چائے دانی ٹوٹی پڑی تھی۔ چیاؤ کی کتابیں الٹی سیدھی لکیروں سے بھری پڑی تھیں۔ سارے کپڑے کمرے کے بیچ میں بکھرے پڑے تھے۔ باورچی خانہ کباڑ خانہ بنا ہوا تھا اور میزیں الٹی سیدھی پڑی تھیں۔ دونوں کو بہت غصّہ آیا۔ چیاؤ غصّے سے بولا:
"آج میں ان کو سیدھا کر کے چھوڑوں گا۔ کہاں ہیں یہ سب؟،،
دونوں نے بچّوں کو آوازیں دیں۔ پھر سارا گھر چھان مارا۔ گھر کے باہر باغ بھی دیکھ لیا۔ مگر بچّے ہوتے تو ملتے۔ اب ٹیمی نے رونا شروع کر دیا۔

چیاؤ ٹیمی کو لے کر جنگل میں اپنے بچوں کو ڈھونڈنے نکلا۔ جب وہ کہیں نہیں ملے تو انھوں نے جنگل کے جانوروں کے گھروں سے پوچھنا شروع کیا۔
چیاؤ نے کٹ کٹ گلہری کا دروازہ کھٹکھٹایا۔
گلہری نے دروازہ کھول کر پوچھا "کیا بات ہے؟"
"آپا کٹ کٹ آپ نے چنکو، پنکو، مونی اور ٹوٹو کو کہیں دیکھا ہے؟" چیاؤ نے پوچھا۔
"نہیں بھیا چیاؤ، مگر ہوا کیا ہے؟" کٹ کٹ نے پوچھا۔
"ہم شہر گئے تھے۔ چاروں بچے گھر پر تھے مگر اب وہ وہاں نہیں ہیں۔ سارا جنگل چھان مارا" یہ کہہ کر چیاؤ رونے لگا۔
"فکر نہ کرو۔ مل جائیں گے۔ سچ پوچھو تو تمھارے بچے ہیں بڑے شریر۔ کہیں دور نکل گئے ہوں گے۔ چلو میں بھی تمھارے ساتھ چلتی ہوں" کٹ کٹ نے کہا اور اپنے گھر کو تالا لگا کر چیاؤ اور ٹیمی کے ساتھ چل پڑی۔
اب یہ سب ایک دوسرے خرگوش کے گھر گئے۔ اس سے پوچھا مگر اسے بھی پتا نہیں تھا۔ وہ خرگوش بھی ان تینوں کے ساتھ چل پڑا۔ اب یہ چار ہو گئے۔ گلہری کٹ کٹ نے کہا "اگر ہم ایک ایک گھر میں گئے تو دیر ہو جائے گی۔ ہم سب الگ الگ سمتوں میں جاتے ہیں۔ میں مشرق کی طرف جاتی ہوں۔ چیاؤ مغرب کی طرف۔ ٹیمی شمال کی طرف اور یہ خرگوش بھی جنوب کی طرف جائے۔ اس طرح پتا چل جائے گا"
اب یہ سب الگ الگ روانہ ہوئے۔ سب جانوروں کے دروازے کھٹکھٹائے مگر کہیں سے بھی خرگوش کے بچوں کا پتا نہیں چلا۔ یہ ضرور ہوا کہ جس جانور کو پتا چلا کہ چیاؤ کے بچے گم ہو گئے ہیں وہ بھی ان کو ڈھونڈنے نکل کھڑا ہوا۔
آخر یہ سب اسی جگہ اکٹھے ہوئے جہاں سے الگ الگ روانہ ہوئے تھے مگر اب جانوروں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ سارے جنگل میں خبر پھیل گئی اور سب سوچ رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے۔
خارپشت نے سوال کیا "کسی نے بھیڑیے کے گھر سے پوچھا؟"
چیاؤ نے کہا "نہیں، کم از کم میں نے تو نہیں پوچھا"

ٹمی نے کہا، اور میں نے بھی نہیں،،
گومبی اور کٹ کٹے نے بھی انکار کر دیا۔
لومڑی نے کہا " دراصل بھیڑیے کا گھر تو جنگل سے باہر ہے، اسی لیے کوئی وہاں نہیں گیا " چلو اب چلتے ہیں "
چیاؤ نے کہا " صرف میں اور ٹمی جاتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ زیادہ جانوروں کو دیکھ کر بھیڑیا بچوں کو فوراً مار دے "
وہ دونوں بھیڑیے کے گھر پہنچے۔
" ٹھک ٹھک ٹھک "
" کون ہے بھئی ؟ " اندر سے موٹو نے کہا
" میں ہوں چیاؤ۔ کیا تم نے میرے بچوں کو کہیں دیکھا ہے ؟ "
اتنے میں موٹو نے دروازہ کھولا اور آہستہ سے کہا " بھیا چیاؤ! تمھارے چاروں بچوں کو بھیڑیا اٹھا لایا ہے اور کل ان کو کھا جائے گا۔ تم فوراً ان کو چھڑانے کی ترکیب سوچو مگر بھیڑیے کو مت بتانا کہ میں نے تم کو بتا دیا ہے "
" کون ہے موٹو " اندر سے بھیڑیا غرایا۔
موٹو نے جواب دیا " چیاؤ اپنے بچوں کے بارے میں پوچھ رہا ہے "
بھیڑیا دوڑتا ہوا دروازے پر آیا اور بولا " بچے ؟ کیسے بچے ؟
" میرے بچے! کیا تم نے انھیں دیکھا ہے " چیاؤ نے پوچھا
بھیڑیے نے فوراً جھوٹ بولا " نہیں! میں تو صبح سے گھر میں ہوں۔ آج دراصل میرے سر میں کچھ درد ہے " اچھا " اب ہم چلتے ہیں " چیاؤ نے کہا اور چل پڑا۔
واپس جا کر اس نے ساری بات سب جانوروں کو بتائی اور سب نے بچوں کو چھڑانے اور بھیڑیے کو سبق سکھانے کی ترکیب سوچنے لگے۔ آخر انھوں نے ایک طریقہ سوچ ہی لیا۔ سب نے مل کر جنگل سے بیلیں اکٹھی کیں اور ایک بڑا سا جال بنایا۔ جب جال تیار ہو گیا تو سب بھیڑیے کے گھر کی طرف چلے۔
" ٹھک ٹھک ٹھک! " بھیڑیے کے گھر پہنچ کر خرگوش نے دروازہ کھٹکھٹایا۔
" کون ؟ "

"ذرا باہر آنا بھو بھو بھائی"، خار پشت نے کہا۔
جیسے ہی بھیڑیے نے دروازہ کھول کر گھر سے باہر قدم نکالا تو سب نے مل کر جال پھینکا اور بھیڑیا اس میں

پھنس گیا۔ اب سب جانوروں نے ایک ایک ڈنڈا اٹھایا تاکہ بھیڑیے کی پٹائی کریں۔ موموفوراً اندر سے چیاؤ کے بچوں کو باہر لے آئی۔ اس نے کھڑکی سے سارا تماشا دیکھ لیا تھا۔ چاروں بچے بھاگ کر اپنی امّی اور اپنے ابّو کے پاس چلے گئے۔ ادھر بھیڑیا بہت پریشان تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ اب وہ پکڑا گیا ہے تو زور زور سے رونے لگا۔

"کیوں بھو بھو! اب بچے تمھارے گھر سے کیسے نکلے؟ انھیں کون یہاں لایا تھا؟" چیاؤ نے پوچھا۔

"بھوں ں ں ں۔۔۔۔ ہائے اب کیا کروں؟ بھائیو! اب میں توبہ کرتا ہوں کہ کسی کے بچوں کو نہیں پکڑا کروں گا مجھے معاف کردو۔ اپنے اپنے ڈنڈے پھینک دو۔" بھیڑیا پھر رونے لگا۔ وہ بار بار سب سے معافی مانگ رہا تھا کہ اب میں کبھی کسی کو تنگ نہیں کروں گا۔ اللہ میری توبہ۔

آخر سب نے مشورہ کرکے بھیڑیے کو معاف کردیا مگر وہ جال سنبھال کر رکھا تاکہ آیندہ جب وہ کوئی شرارت کرے تو اسے پکڑا جاسکے۔

گھر پہنچ کر چیاؤ اور ٹیمی نے بچوں کو سمجھایا کہ شرارت اور بڑوں کی بات نہ ماننے کا انجام بُرا ہوتا ہے۔ چاروں بچے خوب اچھی طرح سمجھ چکے تھے اور اب اچھے بچے بن گئے۔ انھوں نے اپنے امّی ابّو سے وعدہ کیا کہ اب وہ کبھی ان کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ اب چاروں روزانہ پابندی سے اسکول جاتے ہیں مگر جب وہ کپڑے بدلنے کے لیے الماری سے کپڑے نکالتے ہیں تو ان کو وہ جال نظر آتا ہے جو ان کی امی نے سب سے اوپر ٹانگ رکھا ہے۔ اس کی ہری ہری بیلیں اب سوکھ کر کالی ہوگئی ہیں مگر جال اور مضبوط ہوگیا ہے۔ یہ جال چاروں کو ان کا وعدہ یاد دلاتا رہتا ہے۔

یہ براعظم ایشیا، افریقہ، شمالی امریکا، جنوبی امریکا، آسٹریلیا، یورپ اور انٹارکٹکا ہیں

ثریا جبیں، بی اے، بی ایڈ
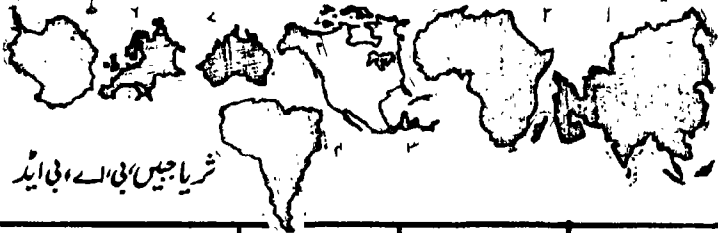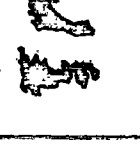
نمبر	براعظم کا نام	رقبہ مربع میل میں	تقریباً آبادی	خصوصیت
۱	ایشیا	۱۱,۶۸۳,۰۰۰	۳۱,۰۰۰,۰۰۰	اسی میں ہمارا ملک واقع ہے
۲	افریقہ	۹,۳۰۰,۰۰۰	۲۶۵,۰۰۰,۰۰۰	یہاں کی پُراسرار کہانیاں مشہور ہیں
۲	شمالی امریکا	۳,۸۵۰,۰۰۰	۵۶۰,۰۰۰,۰۰۰	ڈیتھ ویلی اور اسٹائچو آف
۴	جنوبی امریکا	۱۷,۰۰۰,۰۰۰	۱,۶۶۵,۰۰۰,۰۰۰	لبرٹی مشہور ہے۔
۵	انٹارکٹکا	۶,۸۰۰,۰۰۰	۱۴۰,۰۰۰,۰۰۰	بے پناہ سردی، برف جمی رہتی ہے۔
۶	یورپ	۳,۴۵۱,۰۰۰	۱۷,۵۰۰,۰۰۰	یہاں ابھی تک شاہی ہے۔
۷	آسٹریلیا	۵,۳۰۰,۰۰۰	موسم کے لحاظ سے ۱,۵۰۰ سے زیادہ	کانگرو اور کرکٹ ٹیم مشہور ہے۔

اوپر سات براعظموں کے نقشے دیے گئے ہیں اور نیچے ان براعظموں کے نام سلسلہ وار دیے گئے ہیں لیکن ان کا رقبہ اور آبادی سلسلہ وار نہیں ہے اب آپ اپنی معلومات کے مطابق ان براعظموں کے نمبر ان کی آبادی اور رقبہ کے لحاظ سے دینا ہوگا۔

اور دوسرے صفحے پر دنیا کے مشہور ترین جزیروں کے نقشے۔ ان کے نام کس سمندر میں یہ جزیرہ واقع ہے، جزیرے کی آبادی اور رقبہ بھی دیا گیا ہے تاکہ تمھاری معلومات میں اضافہ ہو۔

صحیح جواب:

ایشیا۲، افریقہ۱، شمالی امریکا۲، جنوبی امریکا۵، انٹارکٹکا۷، یورپ ۳، آسٹریلیا۶

جزیرہ نما کا نقشا	جزیرہ نما کا نام	اطراف کا سمندر	رقبہ مربع میل میں	آبادی (تقریباً)	نمبر
۱	گرین لینڈ	بحر آرکٹک	۸۴۰,۰۰۰	۴۰,۰۰۰	۱
	نیوگنی	بحر الکاہل	۳۴۰,۰۰۰	۲,۵۶۰,۰۰۰	۲
	بورینو	//	۲۹۰,۰۰۰	۴۰۰۰,۰۰۰	۳
	مڈغاسکر	بحر ہند	۲۴۱,۰۰۰	۶,۵۰۰,۰۰۰	۴
۲	بفن آئی لینڈ	بحر آرکٹک	۲۳۷,۰۰۰	۳,۰۰۰	۵
	سماترا	بحر ہند	۱۶۵,۰۰۰	۱۴,۶۰۰,۰۰۰	۶
	ہان شو (جاپان)	بحر الکاہل	۸۸,۰۰۰	۱۷,۳۵۴,۰۰۰	۷
۳	گریٹ برٹین	اٹلانٹک (بحر اوقیانوس)	۸۴,۱۸۶	۵۴,۸۹۵,۰۰۰	۸
	وکٹوریہ	آرکٹک	۸۰,۰۰۰	۴۲,۰۰۰	۹
۴	السمیرے	//	۷۷,۰۰۰	۶۰	۱۰
	جاوا	بحر الکاہل	۴۸,۸۸۲	۶۰,۹۹۹,۰۰۰	۱۱
	کیوبا	بحر اوقیانوس (اٹلانٹک)	۴۴,۰۰۰	۶,۷۴۳,۰۰۰	۱۲
۵	نیوفاؤنڈلینڈ	// //	۴۲,۷۵۰	۵۰۵,۰۰۰	۱۳
	آئس لینڈ	بحر اوقیانوس	۴۰,۰۰۰	۱۷۶,۰۰۰	۱۴
۶	آئرلینڈ	//	۳۱,۸۳۹	۴,۳۶۶,۷۷۲	۱۵
۷	ہاکیوڈو (جاپان)	بحر الکاہل	۳۰,۰۰۰	۵,۰۳۹,۰۰۰	۱۶
	تسمانیہ	//	۲۶,۲۱۵	۳۷۱,۲۱۷	۱۷
۸	سری لنکا	بحر ہند	۲۵,۳۳۲	۹,۶۱۲,۰۰۰	۱۸

وجاہت علی سندیلوی

عبدالغفور کی سوجھ بوجھ

ایک عورت ریل گاڑی میں سفر کر رہی تھی اچانک ریل گاڑی کی بجلی آف ہوگئی اور اس کا دل گھبرانے لگا۔ اس نے زنجیر کھینچی تو اس کے اچانک ایک تھپڑ پڑا۔ جب بجلی آئی تو اس نے ساتھ بیٹھی ہوئی عورت سے پوچھا کہ جب میں زنجیر کھینچ رہی تھی تو مجھے تھپڑ کس نے مارا تھا اس عورت نے جواب دیا، "تم زنجیر کھینچ رہی تھی یا میری چُٹیا"

حامد اور سریش ایک ہی اسکول میں ایک ہی درجے میں پڑھتے تھے۔ اُن کے گھر بھی پاس پاس تھے۔ ایک روز وہ اپنے اپنے برتن لے کر چار چار کلو سرسوں کا تیل خریدنے تیل والے کی دکان پر گئے۔ تیل والے کے پاس ایک پیپے میں آٹھ کلو تیل تھا۔ اتفاق سے اس کا ترازو ٹوٹا ہوا تھا اور اس کے پاس اُس وقت پانچ کلو اور تین کلو کی ناپ کے دو برتنوں کے علاوہ اور کوئی برتن نہیں تھا۔

تیل والے نے دونوں لڑکوں سے کہا کہ میرے پاس آٹھ کلو تیل تو ہے لیکن اپنے پانچ کلو اور تین کلو کے برتنوں سے اُسے چار چار کلو کے دو برابر حصوں میں کیسے تقسیم کروں؟ تمھاری سمجھ میں کوئی ترکیب آتی ہو تو بتاؤ ورنہ تم دونوں دو گھنٹے بعد آکر تیل لے جانا اُس وقت تک میرا ترازو بن کر آجائے گا۔

دونوں لڑکوں نے بہت غور کیا لیکن ان کی سمجھ میں کوئی ایسی صورت نہیں آئی جس سے اُنھیں الگ الگ چار چار کلو تیل مل سکے۔ وہ دکان سے پلٹنے ہی والے تھے کہ وہاں کسی ضرورت سے اُن کے ٹیچر عبدالغفور آگئے۔ ان کے پوچھنے پر لڑکوں نے اپنی مشکل اُنھیں بتائی تو وہ ہنسنے لگے اور کہا، "آؤ میں چٹکی بجاتے تمھاری مصیبت دور کیے دیتا ہوں۔"

عبدالغفور نے تیل والے سے کہا، "آپ پہلے پانچ کلو کا برتن بھر دیجیے۔" تیل والے نے ایسا ہی کیا۔ انھوں نے پھر کہا، "اب آپ اس پانچ کلو کے برتن سے تین کلو

نصرت منزل، سندیلہ، یو پی

والے برتن کو بھر دیجیے اور اس میں جو دو کلو تیل باقی بچا ہے وہ حامد کے برتن میں اُسے دے دیجیے۔" تیل والے نے پھر اُن کا کہا کر دیا۔

پانچ کلو والا برتن اب خالی تھا۔ عبدالغفور نے تین کلو والے برتن کا تیل بھی پیپے میں ڈلوا کر وہ برتن بھی خالی کروا دیا۔ اب پانچ کلو اور تین کلو کے دونوں برتن خالی تھے اور حامد کو دو کلو دیے جانے کے بعد پیپے میں چھے کلو تیل باقی تھا۔

عبدالغفور نے پھر پہلے والی ترکیب کی۔ پانچ کلو کا برتن بھروا کر پہلے تین کلو کا برتن بھروا دیا اور اُس میں جو دو کلو تیل بچا وہ پھر حامد کو دلوا دیا۔ اس طرح حامد کو چار کلو تیل مل گیا۔ تین کلو والے برتن کا تیل اور پیپے کا ایک کلو تیل برش کے حصے میں آیا اور اسے بھی چار کلو مل گیا۔ دونوں لڑکے تیل والے کو تیل کی قیمت اور عبدالغفور کا شکریہ ادا کر کے ان کی سوجھ بوجھ کی تعریف کرتے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

لڑکے چلے گئے تو تیل والے نے ماسٹر عبدالغفور سے کہا "ماسٹر صاحب لڑکوں کے پاس برتن موجود تھے اس وجہ سے آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔ لیکن اگر وہ برتن نہ ہوتے تو آپ کیا کرتے ؟"

"تمھاری کوئی مشکل ہی نہ تھی، صرف تم اپنی عقل سے کام نہیں لے رہے تھے۔ لڑکوں کے برتن نہ بھی ہوتے تب بھی میں صرف تمھارے برتنوں سے تیل کو چار چار کلو کے دو برابر حصّوں میں بانٹ دیتا۔" عبدالغفور نے جواب دیا۔

"وہ کیسے ؟" تیل والے نے تعجّب سے پوچھا۔

"تم ذرا کاغذ پنسل لاؤ! میں تمھیں ابھی سمجھائے دیتا ہوں۔" عبدالغفور نے کہا۔

کاغذ پنسل لے کر عبدالغفور نے ایک چارٹ بنا کر یوں سمجھایا:۔

آٹھ، پانچ اور تین کلو کے تین برتن ہیں۔ آٹھ کلو والے میں آٹھ کلو تیل بھرا ہے اور باقی دونوں خالی ہیں تو برتنوں میں تیل کا حساب یہ ہوگا۔

پہلا ۸ کلو	دوسرا ۵ کلو	تیسرا ۳ کلو
۸	×	×
۳	۵	×
۳	۲	۳
۶	۲	×
۶	×	۲
۱	۵	۲
۱	۴	۳
۴	۴	×

۸ کلو والے سے اگر ۵ کلو والا برتن بھر دیا جائے تو برتنوں میں تیل کا حساب یہ ہوگا
۵ کلو والے سے اگر ۳ کلو والا برتن بھر دیا جائے تو برتنوں میں تیل کا حساب یہ ہوگا
۳ کلو والے کا تیل اگر ۸ کلو والے میں پھر ڈال دیں تو تیل کا حساب یہ ہوگا
۵ کلو والے کا تیل اگر ۳ کلو والے برتن میں ڈال دیں تو تیل کا حساب یہ ہوگا
۸ کلو والے برتن سے اگر ۵ کلو والے کو بھر دیں تو تیل کا حساب یہ ہوگا
۵ کلو والے برتن سے اگر اب ۳ کلو والا برتن بھر یں تو تیل کا حساب یہ ہوگا
۳ کلو والے برتن کا تیل اگر ۸ کلو والے میں ڈال دیں تو تیل کا حساب یہ ہوگا

لیجیے آپ کے برتنوں سے بھی تیل چار چار کلو کے دو برابر حصّوں میں تقسیم ہوگیا۔ ماسٹر عبدالغفور نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ تیل والا حیرت سے ان کا منہ تکتے ہوئے بولا "آپ نے تو کمال کر دیا ماسٹر صاحب"

"لیکن اصل کمال تو تم اب بھی نہیں سمجھ پائے۔ میرے بنائے ہوئے چارٹ کو غور سے دیکھو۔ اپنے انھیں تین برتنوں سے تم آٹھ کلو سے لے کر ایک کلو تک کے کسی وزن کے تیل کو تول سکتے ہو۔" ماسٹر عبدالغفور یہ کہہ کر ہنستے ہوئے دکان سے چلے گئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

میں اسکول میں نونہالوں کے درمیان تھا۔ ان سے باتیں کررہا تھا کہ میرا داخلہ کلاس وَن میں کرا دو۔ میں تمھارے ساتھ پڑھنا چاہتا ہوں۔ سب نونہالوں نے ایک زور دار قہقہہ لگایا۔ میں بھی ہنسنے لگا۔ ابھی میں پھولوں کے اس جُھرمٹ ہی میں تھا کہ ایک نہایت معصوم، ایک نہایت خوب صورت، ایک نہایت پیاری ننھی بچّی آگے آئی۔

اس کے ننّھے مُنّے ہاتھوں میں ایک گُل دَستہ تھا! حسین و جمیل پھولوں کا یہ گُل دَستہ اُس نے مجھے دیا : "حکیم صاحب! یہ میں نے اپنے گھر کے باغ میں سے پھول احتیاط سے توڑ کر بنایا ہے!"

میں نے گُل دَستہ لے لیا ۔ شکریہ ادا کیا کہ شکریہ ادا کرنا ایک اَچھائی ہے۔ نونہالوں سے میں نے کہا: "تحفہ دینا سُنّتِ رَسولؐ ہے۔ تحفہ دینے سے محبت بڑھتی ہے۔"

ایک نہایت معصوم بچّی نے رَسولؐ کی سُنّت پر عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سُنّتِ رَسولؐ پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

تمھارا دوست اور ہمدرد
حکیم محمد سعید

احمد خان خلیل

نظامِ شمسی کے سیارے

زمین

سورج کی طرف سے عطارد (مرکری) اور زہرہ (وینس) کے بعد تیسرا سیارہ زمین (Earth) ہے اس کے بارے میں اہم معلومات یہ ہیں۔

سورج سے اوسط فاصلہ	۶ر۹۹ملیون کلومیٹر
اس کی محوری گردش	ایک دن میں پوری ہوتی ہے
اس کا سال	۲۵ر۳۶۵ دنوں کے برابر ہے
اس کا قطر	۱۲۷۵۶ کلومیٹر ہے
زمین کی کمیت	ایک مانی گئی ہے
اس کا	ایک چاند ہے

خلاء سے زمین نیلی، براؤن اور سبز نظر آتی ہے اور اس کے تقریباً آدھے حصے پر بادل چھائے رہتے ہیں۔ زمین کے کرّے کے چاروں طرف تقریباً ۲۵۰ میل سے زیادہ فضا ہے جو گیسوں اور ابخرات پر مشتمل ہے۔

زمینی کرّے کے ۷۰ فی صد حصے پر سمندر واقع ہیں اور ۳۰ فی صد خشکی کا حصہ سات برّاعظموں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جب زمین وجود میں آئی تھی تو یہ برّاعظم اِدھر اُدھر کھسکتے رہتے تھے۔ پھر کئی بلیون برس کے بعد وہ اپنی جگہ جم گئے لیکن بہت تھوڑی تبدیلی ان میں اب بھی ہوتی رہتی ہے مثلاً برّاعظم افریقہ، جزیرہ نماعرب سے آدھا انچ سالانہ کے حساب سے دور ہٹ رہا ہے۔

زمین کا محور یعنی وہ فرضی کیل جو قطب شمالی سے لے کر قطب جنوبی تک واقع ہے ۹۰ درجے پر نہیں بلکہ ۵ر۲۳ درجے پر جھکی ہوئی ہے۔ گرمی کے موسم میں زمین کا شمالی نصف

کرہ سورج کی طرف جھکا ہوتا ہے اور جنوبی نصف کرہ سورج سے دور ہٹا ہوا ہوتا ہے اس لیے شمالی نصف کرے میں گرمی کا موسم اور جنوبی کرے میں سردی کا موسم ہوتا ہے۔

زمین واحدہ سیارہ ہے جس میں جاندار مخلوق پائی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین پر اور اس کی فضا میں پائی جانے والی گیسیں (نائٹروجن آکسیجن ہائیڈروجن) زندگی کے وجود میں مددگار ہیں۔ سورج کی روشنی اور ان گیسوں کی وجہ سے زمین کا درجہ حرارت ایسا ہے جس میں جاندار کا زندہ رہنا ممکن ہے۔ اگر زمین کا درجہ حرارت بڑھ جائے مثلاً کاربن ڈائی آکسائڈ کی مقدار زیادہ ہو جائے تو اس سے جاندار مخلوق کو سخت نقصان پہنچے گا۔

اسی طرح فضا میں اوزون گیس کی ایک تہہ ہے جو سورج کی ان شعاعوں کو زمین تک آنے سے روکتی ہے جو جانداروں کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ اگر یہ تہہ بہت پتلی ہو جائے یا پھٹ جائے تو زمین کے جانداروں میں کینسر کی تکلیف عام ہو جائے گی۔

نہیں ہے۔ اس طرف توجہ کرنی چاہیے۔ ورزش کرنی چاہیے۔ دوڑ لگانی چاہیے۔ تعلیم پر زیادہ سے زیادہ توجہ کرنی چاہیے۔ زیادہ کھانے کی کوشش نہ کریں۔ کم کھانے سے صحت اچھی رہتی ہے۔ ہاں' بالوں کی سفیدی! توبہ! جناب وسیم صاحب! یہ تو اب رکتے مشکل نظر آتے ہیں۔ آپ بازار سے آملے کا مربا لے لیں۔ درمیانی درجے کا مربا آملہ روزانہ تین ماہ تک کھاتے رہیے۔ شاید مزید بال سفید ہونے رک جائیں۔

سر میں درد

س : عمر ۱۶ سال ہے۔ میٹرک سائنس کی طالبہ ہوں' میرے سر میں بہت درد رہتا ہے۔ پڑھتے وقت سر چکرانے لگتا ہے' حالانکہ نظر بالکل ٹھیک ہے' لیکن پھر بھی آنکھوں میں تکلیف سی ہوتی ہے۔ ثمرین شبیر احمد

ج : ثمرین بیٹی! صبح روزانہ ۶ گرام خمیرۂ ہمدرد کھائیں۔ رات کو سوتے وقت سونفا ایک چمچہ پانی کے ساتھ پھانک لیں۔ مہینے بھر تک جاری رکھیں۔ اس سے درد سر کو فائدہ ہوگا۔ ہاں' لال مرچیں کھانے میں کم کریں۔ ہر شخص کو لال مرچیں کم کردینی چاہئیں۔ اور ہاں بڑے کا گوشت بالکل چھوڑ دیں۔ یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔

آنکھوں کے سیاہ حلقے

س : میرا مسئلہ یہ ہے کہ میری آنکھوں کے گرد بے حد سیاہ اور گہرے حلقے ہیں جن کی وجہ سے آنکھیں اندر دھنسی ہوئی لگتی ہیں۔ ازراہ کرم حل تجویز فرمایئے۔ الف۔ نون

ج : ایسا لگتا ہے کہ آپ نے خود اپنے ہاتھوں اپنی قسمت خراب کی ہے۔ خیر' جو ہو چکا ہے وہ ہو چکا۔ اب آپ کو اپنے حال پر رحم کرنا چاہیے۔ خود پر قابو پانے کی کوشش کریں۔ اب آگے کی بات یہ ہے کہ آپ کو صبح مناسب ورزش کرنی چاہیے۔ صبح روزانہ غسل کرنا چاہیے۔ صبح اچھا ناشتا کرنا چاہیے۔ دن کا کھانا چھوڑ دیں۔ مغرب کے بعد رات کا کھانا کھایئے' بس کافی ہے۔ بازار سے سفید پٹرولیم جیلی لے لیں۔ رات گرم پانی سے منہ دھو کر کالے حلقوں

پر پٹرولیم جیلی مل لیں۔ صبح صاف کریں۔

چہرے پر تل

س : عمر ۱۱ سال ہے۔ میرے چہرے پر باریک تل ہیں۔ ازراہ کرم آپ کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ نواب وقاص علی

ج : میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ یہ تل دور ہو جائیں گے۔ اللہ مالک ہے۔ آپ گل منڈی ۵ گرام لیں۔ ایک کپ پانی میں ڈال کر جوش دیں۔ چھان لیں۔ رات کو پی لیں۔ مہینے بھر تک جاری رکھیں۔

بال جھڑ رہے ہیں

س : میری باجی کی عمر ۳۵ سال ہے۔ ان کے بال بہت تیزی سے جھڑ رہے ہیں۔ پہلے ان کے بال بہت اچھے تھے، مگر اب ایسا لگتا ہے کہ ان کے بالوں کو کسی کی نظر لگ گئی ہے۔ ازراہ کرم ایسا نسخہ تجویز فرمائیں کہ بال لمبے گھنے ہو جائیں۔ د۔ ظفر

ج : محترمہ باجی کے سر میں غالباً خشکی ہو گئی ہے۔ اس کی وجہ سے بال جھڑنے شروع ہو گئے ہیں۔ ان کے لیے ہمدرد کی "بنفین" کی ایک شیشی لے لیں۔ رات سوتے وقت یہ تیل سر میں لگائیں۔ صبح سر دھو لیں۔ ہفتے میں تین بار ضرور لگائیں۔ خشکی رفع ہو جائے گی۔ انشاء اللہ

س : میرے ہاتھوں کی انگلیاں موٹی اور چھوٹی ہیں اور ناخنوں کا جو حصہ انگلیوں کے گوشت پر ہوتا ہے وہ بھی بہت چھوٹا ہے، حالانکہ میں ناخنوں کو دانت سے نہیں کترتی۔ کوئی مشورہ دیں تاکہ میرے ناخن بھی ٹھیک ہو جائیں۔ صدف رضوی

ج : صدف جی! شاید یہ پیدائشی (خلقی) مسئلہ ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کے لیے کچھ کرنا مشکل ہے۔

△

پیغمبروں کے نام

عباس العزم

آدمؑ

آدم کا لفظ "ادیم" سے ماخوذ ہے۔ ادیم کے معنی ہیں، سطح زمین (مٹی) چوں کہ آدمؑ سطح زمین (مٹی) سے پیدا کیے گئے اس لیے آدم کہا گیا۔ بعض نے لفظ "آدم" کو ادم یا ادمۃ سے لفظ شدہ قرار دیا ہے جس کے معنی موافقت اور شرکت کے ہیں، چوں کہ آدمؑ کا خمیر مٹی اور پانی سے ملا کر اٹھایا گیا، اس لیے انھیں "آدم" کہا جانے لگا۔

شیثؑ

شیث عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ اس کے معنی ہیں "عطیہ خداوندی۔" چوں کہ حضرت آدمؑ اپنے بیٹے ہابیل کے اَلم ناک قتل کے بعد بہت غم زدہ رہنے لگے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے اُن کی تسلی کے لیے ایک فرزند عطا کیا، اس لیے "شیث" کو شیث یعنی عطیہ خداوندی کہنے لگے۔

نوحؑ

حضرت نوحؑ کا اصل نام [illegible] تھا، لیکن کثرت [illegible] کی وجہ سے نوح کا لقب [illegible] نوح کا لفظ [illegible] ہے اور اس کے معنی آرام و آسائش کے ہیں۔

ابراہیمؑ

عبرانی میں حضرت ابراہیمؑ کا نام "ابرام" یا "ابراھام" ہے جس کے معنی ہیں "گروہ کثیر کا باپ۔" ایک روایت کے مطابق لفظ ابراہیم "اب و راحم" سے مرکب ہے جس کے

معنی مہربان باپ کے ہیں۔

اسماعیلؑ

اسماعیل عبرانی زبان میں "شماع ایل" ہے۔ شماع بہ معنی سُننا اور ایل (عبرانی میں اللہ کے لیے بولا جاتا ہے) اس طرح لفظی معنی ہوئے خدا کا سننا۔ خدا نے چوں کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سن لی، اس لیے بچے کا نام "شماعیل" پڑ گیا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسماعیل کا لفظ "اسمع یا ایل" سے مل کر بنا ہے جس کے معنی ہیں "اے اللہ! سُن لے۔" عبرانی کا یہ لفظ "شمعیل" کے املا سے آتا ہے۔

اسحاقؑ

عبرانی زبان میں "صحق" ہنسنے کو کہتے ہیں۔ عربی زبان میں یہی لفظ "ضحک" بن گیا۔ "صحق" سے لفظ "اسحاق" بنا ہے یعنی ہنسنے والا۔ حضرت سارہ چوں کہ حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی بشارت سن کر ہنس پڑی تھیں، اس لیے بیٹے کا نام اسحاق رکھا۔

یعقوبؑ

حضرت یعقوبؑ اور "عیسو" جڑواں بھائی تھے۔ پہلے عیسو پیدا ہوئے اور بعد میں حضرت یعقوبؑ۔ چوں کہ حضرت یعقوبؑ بعد میں پیدا ہوئے، اس لیے آپ کا نام یعقوب رکھا گیا یعنی پیچھے سے (عقب سے) یا بعد میں آنے والا۔

اسرائیلؑ

اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب ہے۔ لفظ "اسرائیل" دو عبرانی لفظوں "عبد" (بندہ) اور ایل (اللہ) سے ترکیب پذیر ہے۔ اس طرح اسرائیل کے معنی ہوئے عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ۔

موسیٰ

موسیٰ دراصل عبرانی لفظ "موشا" سے ماخوذ ہے جو "مو" (پانی) اور "شا" (درخت) سے
مل کر بنا ہے۔ چوں کہ حضرت موسیٰ پانی اور درخت کے پاس پائے گئے تھے۔ اس لیے "موشا"
کے نام سے موسوم ہوئے۔ یہی لفظ عربی زبان میں "موسیٰ" ہو گیا۔

عیسیٰ

حضرت عیسیٰ کے نام کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ لفظ
"یشوع" سے اخذ کیا گیا ہے۔ بعض کے نزدیک "عیسو" کی تحریف شدہ شکل ہے۔ ایک
روایت یہ بھی ہے کہ یہ عربی لفظ "العیس" سے ماخوذ ہے۔ العیس کے معنی سفید اونٹ کے
ہیں جس کے رنگ میں قدرے سیاہی یا بھورا پن ہو۔ غالباً حضرت عیسیٰ کی شکل و شباہت اور
رنگ کی مناسبت سے یہ لفظ رکھا گیا۔

ادریس

ادریس کا نام "درس" سے مشتق ہے۔ وہ اپنے دور کے تمام علوم و فنون سے بہرہ مند تھے
اور صحفِ انبیاء اور مختلف علم و ادراک پر اُن کی گہری نظر تھی۔

ہاجرہ

حضرت ہاجرہ حضرت ابراہیم کی زوجہ اور حضرت اسماعیل کی والدہ کا نام ہے۔ ہاجرہ دراصل
عبرانی لفظ "ہاہگار" سے ماخوذ ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں۔ اصل میں اُن کا وطن
مصر تھا۔ روایت ہے کہ حضرت ابراہیم جب مصر گئے تو وہاں کے بادشاہ نے دیگر انعام و اکرام
کے ساتھ یہ لڑکی (ہاجرہ) بھی ان کے ساتھ کر دی تھی۔

چچا سعدی کے چند عمدہ اشعار

مسعود احمد برکاتی

اگر مجھ سے کوئی دنیا کی دس بہترین کتابوں کے بارے میں پوچھے تو میں ان میں "گلستاں" کا نام ضرور شامل کروں گا۔ آپ کو معلوم ہے یہ شیخ سعدی شیرازی کی کتاب ہے۔ اس میں چھوٹی چھوٹی حکایتیں یا کہانیاں ہیں۔ ہر حکایت دل چسپ ہونے کے علاوہ اخلاق سکھانے والی اور سبق دینے والی بھی ہے۔ یہ کتاب چچا سعدی کے علم اور تجربوں کا نچوڑ ہے۔ بڑی بڑی باتیں چھوٹے چھوٹے جملوں اور شعروں میں لکھی ہیں۔ کسی موقع پر شعر پڑھ دیا جائے تو پھر گفتگو کی حاجت نہیں رہتی۔ اس کتاب کا بہت سی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، جرمنی، عربی، ترکی کے علاوہ اردو میں گلستان کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

چچا سعدی کا پورا نام مصلح الدین تھا۔ شیراز میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد عبد اللہ کا ان کے بچپن میں انتقال ہو گیا تھا۔ چچا سعدی کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات دونوں میں اختلاف ہے۔ بہر حال ان کی پیدائش تیرھویں صدی کے شروع میں اور وفات اسی صدی کے آخر میں ہوئی۔ بچپن شیراز میں گزارا۔ پھر بغداد پہنچ گئے۔ وہاں تعلیم حاصل کی پھر سفر پر نکل گئے۔ کئی ملکوں اور شہروں میں گھومے، مصیبتیں اٹھائیں اور زندگی کے ٹھوس تجربات حاصل کیے اور اپنے شہر شیراز آگئے اور وہیں دفن ہیں۔

چچا سعدی بہت بڑے ادیب اور شاعر ہیں۔ ان کو فارسی شاعری کے پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کی کتابوں میں گلستاں اور بوستاں سب سے زیادہ مشہور ہوئیں۔ گلستان کی شہرت ان کی زندگی میں ہی پھیل گئی تھی اور آج تک مقبولیت میں کمی نہیں آئی۔ گلستان فارسی نثر کی کتاب ہے۔ اس میں حکایتیں ہیں اور جگہ جگہ پُر لطف اور نصیحت آموز شعر ہیں۔ بوستان فارسی نظم کی کتاب ہے۔ اس میں بھی حکایتیں اور خوب صورت شعر ہیں۔ ان دونوں کتابوں کے بہت سے اشعار ضرب المثل (کہاوت) بن گئے ہیں۔

اس وقت ہم صرف گلستان میں سے چند اشعار اور ان کا مفہوم لکھتے ہیں ان کو دل چسپی اور توجہ سے پڑھ کر یاد رکھا جائے تو یہ ہر موقعے پر آپ کے کام آئیں گے۔

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمَالِہٖ کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصَالِہٖ صَلُّوا عَلَیہِ وَآلِہٖ

یہ نعت کا شعر ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمال سے بلندی پر پہنچے اور آپؐ نے اپنے حسن و جمال سے تاریکیوں کو دور کر دیا۔ آپؐ کی تمام خصلتیں پسندیدہ ہیں۔ آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر درود و سلام ہو۔

اگلا شعر ایک قصے سے لیا گیا ہے۔ ایک شخص کو ایک دوست سے خوش بودار مٹی ملی۔ اس شخص نے مٹی سے پوچھا: "یہ خوشبو تجھ میں کہاں سے آئی؟"
اس نے کہا: "میں ناچیز مٹی تھی، لیکن مدتوں ایک نیک آدمی کے ساتھ رہی ہوں۔"

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

یعنی میرے ساتھ بیٹھنے والے کے جمال نے مجھ پر اثر کیا (اور مجھے خوش بودار بنا دیا) ورنہ میں وہی ناچیز مٹی ہوں جو پہلے تھی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اچھوں کی صحبت اچھا بنا دیتی ہے۔

ہر کہ آمد عمارتے نو ساخت
رفت و منزل بدیگرے پرداخت

اس دنیا میں جو کوئی آتا ہے ایک نئی عمارت بناتا ہے۔ جب چلا جاتا ہے تو یہ منزل (ٹھہرنے کی جگہ) دوسرے کے حوالے کر جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز یہاں رہ جاتی ہے اور صرف نیک عمل ساتھ جاتے ہیں۔

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بہ عدل
گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

نوشیرواں ایرانی تاریخ میں ایک عادل (انصاف پسند) بادشاہ کے طور پر مشہور ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ نیک نام نوشیرواں کا نام عدل و انصاف کی وجہ سے زندہ ہے حالانکہ نوشیرواں کو گزرے مدتیں ہو گئیں۔

تا مردِ سخن نگفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جب تک انسان بات نہیں کرتا' اس کے عیب و ہنر چھپے رہتے ہیں۔ بات کرنے سے انسان کے اچھے برُے جوہر کھلتے ہیں۔

ہر کجا چشمۂ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

جہاں کہیں میٹھے پانی کا چشمہ ہوتا ہے' وہیں آدمی' پرندے اور چیونٹیاں جمع ہوتی ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ فیض پہنچانے والے انسان کے پاس لوگ جاتے ہیں اور رُکتے ہیں۔

بہ دریا در منافع بے شمارست
اگر خواہی سلامت برکنارست

دریا میں بے شمار فائدے ہیں' لیکن اگر تو سلامتی چاہتا ہے تو وہ کنارے پر ہے۔ مطلب یہ کہ بادشاہوں اور امیروں سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے' لیکن ان کی ناراضی سے نقصان بھی پہنچ جاتا ہے۔ فائدہ اٹھانے کے لیے خطرہ بھی مول لینا پڑتا ہے' لیکن اگر خطروں کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں ہے تو ان سے دور ہی رہو۔

دوست آن دانم کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

میں اس کو دوست سمجھتا ہوں جو پریشاں حالی اور بدحالی میں دوست کا ہاتھ پکڑے۔ دوست کی پہچان مصیبت کے زمانے ہی میں ہوتی ہے۔

ہر کہ با فولاد بازو پنجہ کرد
ساعدِ مسکینِ خود را رنجہ کرد

جو کوئی فولاد جیسے بازو سے پنجہ آزمائی کرتا ہے وہ اپنی گوری (مراد نازک) کلائی کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ یعنی لڑنے یا زور آزمائی کرنے والے کو پہلے اپنی حالت اور قوت کا اندازہ کر لینا چاہیے۔

اگر بمرد عدو جائے شادمانی نیست
کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

دشمن کے مرجانے سے خوش نہیں ہونا چاہیے۔ خود ہماری زندگی بھی تو ہمیشہ رہنے والی نہیں ہے۔ اس لیے دشمن کے مرنے یا کم زور ہونے کی دعا سے زیادہ اچھا یہ ہے تم اپنے آپ کو قوی بناؤ اور اچھے کام کرو۔

اگر روزی بہ دانش بر فزودے
ز ناداں تنگ روزی تر نبودے
بناداں آں چناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیران بماند

اگر روزی بڑھنے کا ذریعہ عقل ہوتی تو نادان یا کم عقل سے زیادہ تنگ روزی والا یا بے زر کوئی نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نادان کو اس طرح روزی پہنچاتا ہے کہ دانا حیران رہ جاتا ہے۔

بخت و دولت بکاردانی نیست
جز بہ تائید آسمانی نیست

قسمت اور دولت کام جاننے سے نہیں ملتی بلکہ یہ آسمانی امداد یعنی اللہ تعالیٰ کے کرم سے حاصل ہوتی ہے، کیوں کہ بعض وقت قابل اور ہنرمند لوگ بھی پریشان رہتے ہیں۔

اندروں از طعام خالی دار
تا درو نور معرفت بینی
تہی از حکمتے بعلتِ آں
کہ پری از طعام تا بینی

یعنی "اپنے اندر کھانا زیادہ نہ بھرو تاکہ ہستی اللہ تعالیٰ کے فیض پر غور سے تمھیں باز نہ رکھے۔ تم حکمت سے اس لیے خالی ہو کہ تم نے ناک تک کھانا بھر رکھا ہے۔"

چچا سعدی نے اس قطعے سے پہلے ایک حکایت لکھی کہ ایک عبادت گزار آدمی رات کو دس سیر کھانا کھاتا اور صبح تک پورا قرآن شریف پڑھ کر ختم کرتا۔ ایک بزرگ نے سنا تو کہا کہ اگر وہ آدمی روٹی کھاتا اور سوجاتا تو اس سے بہتر ہوتا۔ مطلب یہ ہے کہ زیادہ کھانا اچھا نہیں

ہے۔ کم کھانے سے صحت اور عبادت دونوں کے فائدے ہیں۔
بعض لوگ بُرے کام کرتے ہیں اور جب ان کا کوئی مخالف ان بُرے کاموں سے لوگوں کو آگاہ کرتا ہے تو وہ مخالف کی شکایت کرتے ہیں' اس کو بُرا کہتے ہیں۔ چچا سعدی کا مشورہ یہ ہے کہ تم بُرے کام کرو ہی نہیں بلکہ نیکی کے راستے پر چلو۔

تو نیکو رَوِش باش تا بدسگال
بنقصِ تو گفتن نہ یابد مجال

یعنی تو نیک چلن رہ تاکہ تیرے دشمن کو تیرا عیب بیان کرنے کی مجال نہ ہو۔
ہمارے بچپن میں تو ہر بچے کو فارسی کی چند کتابیں ضرور پڑھائی جاتی تھیں اور ان میں گلستان ضرور ہوتی تھی۔ آپ بھی گلستان ضرور پڑھیں ۔ مولانا الطاف حسین حالی نے چچا سعدی کے مفصل حالات "حیاتِ سعدی" میں لکھے ہیں۔ یہ بھی پڑھیں تو بڑا مزہ آتا ہے۔

ایک دل چسپ کھیل

آٹو بال

فضل ربی، بہبودی

آٹو بال کا کھیل پولو اور فٹ بال ہی کی ایک قسم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اسے چار پہیوں والی موٹر میں سوار ہو کر کھیلتے ہیں۔ آٹو بال فرانسیسی کھیل ہے، لیکن آج کل برطانیہ اور یورپ کے کئی دوسرے ملکوں میں اسے بڑے شوق سے کھیلا جاتا ہے۔ یہ موٹر کاریں خاص طور پر اس کھیل کے لیے تیار کی جاتی ہیں، کیوں کہ یہ دونوں طرف سے کھلی ہوتی ہیں۔ ہر موٹر میں دو آدمی سوار ہوتے ہیں، ایک ڈرائیور اور دوسرا کھلاڑی۔ ڈرائیور اگلی سیٹ پر بیٹھتا ہے اور کھلاڑی پچھلی سیٹ پر۔ ڈرائیور، کھلاڑی کے کہنے کے مطابق موٹر چلاتا ہے۔ کھلاڑی کے ہاتھ میں لوہے کا بنا ہوا ایک ہک ہوتا ہے۔ وہ اس ہک کی مدد سے گیند کو ضرب لگاتا ہے۔ آٹو بال میں استعمال کی جانے والی گیند فٹ بال کے برابر ہوتی ہے۔

ہر ٹیم میں صرف تین موٹر کاریں ہوتی ہیں یعنی تین کھلاڑی اور تین ڈرائیور۔ اس طرح کھیل کے میدان میں چھے موٹر کاریں، چھے ڈرائیور اور چھے کھلاڑی ہوتے ہیں۔ فٹ بال کے میدان کی طرح آٹو بال کے میدان کے دونوں طرف بھی "گول" بنے ہوتے ہیں۔ ہر کھلاڑی کوشش کرتا ہے کہ گیند مخالف ٹیم کے گول میں پھینک دے۔

کار چلانے کے بھی اصول مقرر ہیں۔ مثال کے طور پر کوئی ڈرائیور ریورس گیئر استعمال نہیں کر سکتا۔ یہ رعایت صرف گول کیپر کو ملتی ہے جو خود بھی ایک کار میں سوار ہوتا ہے۔ گول کیپر گیند کو ہاتھ سے پکڑ سکتا ہے۔ اس کھیل کا سب سے دل چسپ پہلو یہ ہے کہ ریفری کے پاس کار نہیں ہوتی۔ وہ کھلاڑیوں کے ساتھ جو کاروں میں سوار ہوتے ہیں پیدل بھاگتا ہے۔

کھیل میں کاریں ایک دوسرے سے ٹکرا بھی جاتی ہیں اور کھلاڑی زخمی بھی ہو جاتے ہیں، لیکن ماہر ڈرائیور بڑی خوبی سے اپنی اپنی کار بچا کر لے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے جو ڈرائیور آٹو بال میں حصہ لے چکا ہو وہ عام طور پر زندگی میں کبھی غلط ڈرائیونگ نہیں کرتا اور ٹریفک کیسا ہی کیوں نہ ہو، وہ اپنا راستہ بنا لیتا ہے۔

سچی بات

رفیع الزماں زبیری

پچھلے دنوں لندن میں پولیس نے پچاس ہزار کتابیں نیلام کیں۔ تم پوچھو گے کہ بھلا پولیس کا کتابوں سے کیا تعلق اور اس نے کتابیں خریدنے کے بجائے نیلام کیوں کیں۔ یہ ایک دل چسپ کہانی ہے۔ ایک صاحب تھے انھیں کتابیں بہت پسند تھیں۔ کتابیں پڑھنے ہی کا شوق نہیں تھا' بلکہ جمع کرنے کا بھی شوق تھا۔ وہ پبلک لائبریریوں میں جاتے' کتاب پڑھتے اور جب پڑھ چکتے تو چپکے سے اٹھا کر لے آتے۔ اس طرح تیس سال کے عرصے میں انھوں نے سارے ملک کی پبلک لائبریریوں سے پچاس ہزار کتابیں جمع کر لیں۔ لائبریری والوں کو بہت بعد میں پتا چلا کہ ان کی کوئی کتاب غائب ہے۔ جب کتابیں مسلسل غائب ہونے لگیں تو لائبریریوں کے عہدہ داروں نے پولیس کو اطلاع کی۔ پولیس نے کتابوں کے چور صاحب کی تلاش شروع کردی اور آخرکار پچھلے سال کے شروع میں یہ صاحب جن کا نام ڈنکن جیونز تھا پکڑے گئے۔ لائبریریوں سے چرائی گئی پچاس ہزار کتابیں جو دنیا کے تقریباً ہر موضوع پر تھیں ان کے گھر میں موجود تھیں۔ عدالت نے ڈنکن کو ڈیڑھ سال قید کی سزادی جو وہ پوری کرکے اب رہا ہو گئے ہیں۔ پولیس نے جب ان کی چرائی ہوئی کتابوں کو نیلام کیا تو وہ بھی نیلامی میں موجود تھے' لیکن انھوں نے کوئی کتاب نہیں خریدی۔ نیلام سے جو رقم حاصل ہوئی ہے وہ خیراتی کاموں پر خرچ کی جائے گی۔

ڈنکن کو مطالعے سے دل چسپی تھی اور کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا' لیکن اس شوق کو پورا کرنے کا طریقہ غلط تھا۔ باعزت طریقہ یہ تھا کہ کتابیں خریدتے۔ اگر خریدنے کی استطاعت نہیں تھی تو لائبریری میں جاکر پڑھتے اور وہیں رکھ دیتے تا کہ دوسرے بھی انھیں پڑھ سکیں۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ چوری کی بری حرکت کی بلکہ دوسرے پڑھنے والوں کو بھی مطالعے سے محروم کردیا۔ نونہالو تم کتاب کا احترام کرنا' خرید نہ سکو تو پڑھنے کے لیے مانگ لینا' کبھی چرانا نہیں۔

کا شا فقیہ لکھو۔

دُنیا کا سب سے وزنی آدمی

ترجمہ: مرزا ظفر بیگ

رابرٹ ارل ہگس دنیا کا سب سے وزنی انسان تھا۔ وہ ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوا۔ پیدائش کے وقت اس کا وزن ساڑھے گیارہ پاؤنڈ تھا۔ چھٹے سال کی عمر میں اس کا وزن دو سو پاؤنڈ سے زیادہ ہوگیا اور دس سال کی عمر میں یہ وزن ۳۷۸ پاؤنڈ تک پہنچ گیا۔ جب ہگس ۱۸ سال کا ہوا تو اس کا وزن تقریباً ۷۰۰ پاؤنڈ ہوگیا اور ۲۷ سال کی عمر تک یہ ۹۴۵ پاؤنڈ تک بڑھ گیا۔ چند سال بعد وہ ۱۰۶۹ پاؤنڈ وزنی ہوگیا۔ اس وقت ہگس کی کمر ۱۲۲ انچ ہوگئی تھی۔

اپنی زندگی آخری سال ہگس نے ایک کارواں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے گزارے۔ ۱۹۵۸ء میں وہ بیمار ہوگیا، مگر علاج کے لیے ہسپتال نہ لے جایا جاسکا، کیوں کہ ہسپتال کے دروازے میں سے اس کا جسم گزر نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس کے چلتے پھرتے گھر (ٹریلر) کو ہسپتال کے باہر لاکر کھڑا کردیا گیا جہاں اس کا علاج ہوا۔ کچھ عرصے بعد ہگس کا انتقال ہوگیا۔ موت کے وقت اس کا وزن ۱۰۴۱ پاؤنڈ تھا۔ اس کے تابوت کو ایک کرین کی مدد سے قبر میں اتارا گیا۔
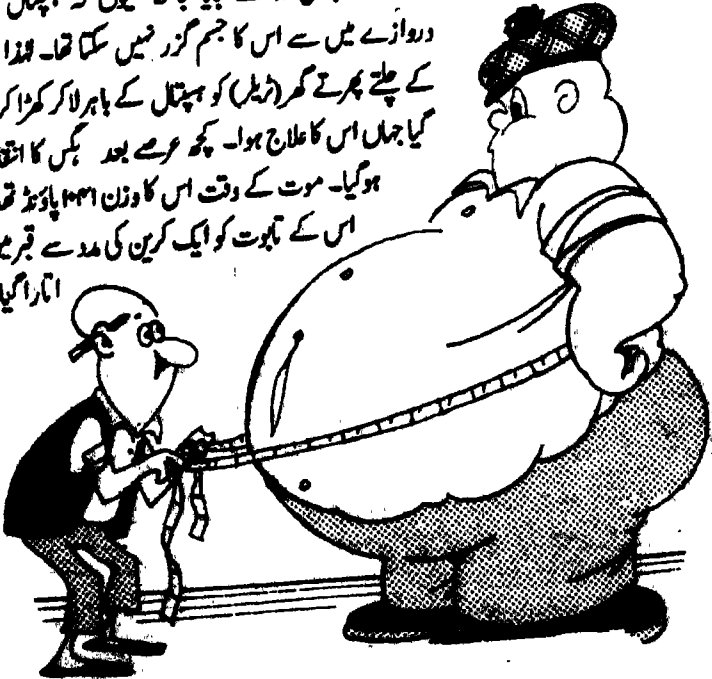
پرندوں کی عدالت

فاروق حسن

مجھے پرندے پالنے کا بہت شوق ہے۔ رنگ برنگے طوطے، مینا، کبوتر اور تیتر میرے پاس تھے۔ میں روزانہ اسکول سے واپس آکر دن بھر ان پرندوں کی دیکھ بھال کرتا اور ان سے کھیلتا رہتا تھا۔ یہ سب پرندے بھی مجھ سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر اپنی پیاری پیاری بولیوں میں شور مچانے لگتے جیسے مجھے خوش آمدید کہہ رہے ہوں۔

ایک دن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارا پڑوسی لڑکا بلال جنگل سے بہت ہی خوب صورت کالا تیتر پکڑ کر لایا ہے۔ یہ سن کر میرا جی چاہا کہ بلال سے وہ تیتر خرید لوں' کیوں کہ میرے پاس کوئی کالا تیتر نہیں تھا۔ میں نے ابو جان سے کہا تو انھوں نے کوئی اعتراض کیے بغیر دو سو روپے مجھے دے

پیسے۔ سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے ابو جان مجھے بہت پیار کرتے تھے اور میری ہر خواہش پوری کرتے تھے۔ میں نے پیسے لے کر ابو جان کا شکریہ ادا کیا اور بلال کے گھر چلا گیا۔

رسمی سلام دعا کے بعد میں نے بلال سے تیتر خریدنے کی خواہش ظاہر کی۔ بلال نے پنجرے سمیت تیتر کے سو روپے مانگے۔ وہ قیمت میری امید سے کم تھی، اس لیے میں نے جلدی سے سو کا نوٹ دے کر پنجرے سمیت تیتر خرید لیا اور بہت خوشی سے پنجرے پر ہاتھ پھیرتا ہوا گھر کی طرف چل پڑا۔

اچانک تیتر نے پنجرے کی جالی سے چونچ نکال کر میری انگلی پر زور سے کاٹ لیا۔ میں نے جھٹکے سے ہاتھ ہٹا کر کہا :

"کوئی بات نہیں کالو! شروع شروع میں اکثر پرندے میرے ساتھ اسی طرح بدتمیزی کرتے ہیں، مگر کچھ ہی دنوں میں میرے پکے دوست بن جاتے ہیں۔"

پھر میں گھر پہنچ گیا اور پنجرا ایک طرف رکھ کر چھوٹے سے کٹورے میں مونگ کی دال ڈالی اور کالے تیتر کے پنجرے کا دروازہ کھول کر اندر رکھنے لگا۔ اچانک تیتر نے اپنی چونچ سے میری انگلی پکڑی اور اچھل کر ہاتھ پر دونوں پنجے مارے۔ اس کی ٹانگوں پر جو قدرتی کانٹے تھے وہ میرے ہاتھ میں چبھ گئے۔ میں نے جھٹکے سے ہاتھ باہر کھینچ لیا اور پنجرے کا دروازہ بند کر دیا۔ میرے ہاتھ سے خون بہنے لگا تھا۔ میں غصے سے تیتر کو دیکھے جا رہا تھا، مگر پھر میں ڈر گیا۔ اس کی وجہ کالے تیتر کا مجھے گھور گھور کر دیکھنا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ وہ تیتر کے روپ میں کوئی "جن" ہے۔ ایک دن میرے ایک دوست نے بتایا تھا کہ کبھی کبھی جن بھوت جانوروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

مجھ پر اتنا زیادہ خوف طاری ہو گیا تھا کہ میں لرزنے لگا۔ میں نے سوچا کہ اس تیتر جن کو آزاد کر دوں، مگر دروازہ کھولنے کا حوصلہ نہیں ہو رہا تھا، اس لیے دوڑ کر اس کمرے میں چلا گیا جہاں ابو جان بیٹھے تھے۔ وہاں پہنچ کر کانپتے ہوئے میں نے ابو جان کو پورا قصہ سنایا۔ ابو نے ہنستے ہوئے کہا :

"کوئی جن ون نہیں ہوتا، وہ تیتر ہی ہے۔ تم بلاوجہ ڈر رہے ہو۔ دیکھنا دو چار دن میں وہ تمہارا دوست بن جائے گا۔"

ابو کی تسلی سے میرا خوف کچھ کم ہوا، مگر پرندوں کی طرف واپس جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی، اس لیے میں نے امی جان سے گزارش کی کہ باقی پرندوں کو دانہ ڈال آئیں۔

اگلے دن میں اچھلتا کودتا اسکول کی طرف جا رہا تھا کہ اچانک میری نظر ڈھیروں اڑتے ہوئے پرندوں پر پڑی۔ وہ سب میری ہی طرف آ رہے تھے۔ جب قریب آئے تو میں یہ دیکھ حیران ہو گیا کہ میرے پالے ہوئے تمام پرندے بھی ان کے ساتھ تھے۔ سب سے آگے ہلال سے خریدا ہوا کالا تیتر تھا۔ ان کے ساتھ بہت سے بڑے بڑے گدھ بھی تھے۔ قریب پہنچ کر انھوں نے مجھے گھیر لیا۔ میں بہت خوف زدہ ہو کر گھوم گھوم کر دیکھنے لگا۔

"اٹھالو اس لڑکے کو!" ایک توتے نے انسانوں کی طرح بولتے ہوئے کہا۔

یہ سن کر گدھ آگے بڑھے اور اپنی بڑی بڑی چونچوں اور پنجوں کی مدد سے مجھے پکڑ کر اڑنا شروع کر دیا۔ باقی پرندے بھی ساتھ ساتھ اڑنے لگے۔ میں چیخ چیخ کر مدد کے لیے پکارنے لگا، مگر کچھ نہ ہوا۔ کافی دیر اڑتے رہنے کے بعد انھوں نے مجھے ایک جنگل میں اتارا اور ایک بہت

مجھے لوہے کے پنجرے میں بند کر دیا۔

میں تھر تھر کانپ رہا تھا، رو رہا تھا اور "مجھے آزاد کرو، مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ۔" کی صدائیں لگا رہا تھا۔

"کیوں آزاد کریں؟ بھول جاؤ آزادی اور اپنے گھر کو۔" توتے نے غصے سے کہا۔

میں نے روتے ہوئے کہا: "میرا جرم کیا ہے؟ مجھے کیوں اٹھا لائے ہو؟"

"تم نے ہمارے کئی پرندوں کو قید کر رکھا تھا، ہم نے تمھیں کچھ نہ کہا، مگر کل جب تم نے ہمارے اس جنگل کے سردار کالے تیتر کو پکڑ لیا تو ہم نے تمھیں سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ ظلم جب بڑھ جائے تو کمزور بھی متحد ہو کر بہت بڑی طاقت بن جایا کرتے ہیں۔" توتے نے مجھے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مگر توتے بھائی! تمھارے سردار کالے تیتر کو تو بلال نے پکڑا تھا، میں نے تو اس سے خریدا تھا۔ پھر سزا مجھے کیوں دی جا رہی ہے؟" میں نے گڑگڑاتے ہوئے کہا۔

"بلال کو بھی ہم نے پکڑ لیا ہے۔" توتے نے بتایا اور پھر مجھ سے سوال کیا:

"تم نے مظلوم پرندوں کو کیوں قید کر رکھا ہے؟"

"خوب صورت پرندے مجھے بہت اچھے لگتے ہیں۔ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔ ان کو دانہ کھلاتا ہوں۔ وہ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی اپنی پیاری پیاری میٹھی بولیاں بولنی شروع کر دیتے ہیں۔" میں نے روتے ہوئے جواب دیا۔

"ہم بھی تم کو کھلائیں گے پلائیں گے۔ ہم بھی تم سے محبت کریں گے۔ تم بھی بہت خوب صورت ہو۔ تمام انسان بہت خوب صورت ہوتے ہیں۔ اللہ نے انسان کو سب جان داروں سے زیادہ خوب صورت بنایا ہے، اس لیے اب ہم بھی انسانوں کو قید کر کے ان سے محبت کریں گے۔ رہی بات یہ کہ تمھارے قیدی پرندے تم کو دیکھ کر خوشی سے بولنے لگتے تھے تو یہ غلط ہے۔ وہ تو تم سے دانہ مانگتے تھے۔ کوئی قیدی اپنے قید کرنے والے سے محبت نہیں کر سکتا۔" توتے نے سخت لہجے میں کہا۔

میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "میں اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں۔ مجھے آزاد کر دیں۔ میں آئندہ ایسی غلطی نہیں کروں گا۔ بس اس دفعہ رحم کیا جائے۔ میں اپنے [illegible]

امی اور دوستوں سے دور رہ کر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔"

طوطے نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا : "تم زندہ رہو گے، اس طرح زندہ رہو گے جیسے تمہارے قیدی پرندے اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں اور دوستوں سے دور قید میں بھی زندہ تھے۔ ہاں تم پر کچھ پرندوں کے پَر کاٹنے کا الزام بھی ہے، لہٰذا اس کے بدلے میں تمہارے بازو کاٹ دیے جائیں گے۔ وہ دیکھو گدھ تیز دھار چھری لا رہے ہیں۔" طوطے نے ایک طرف اشارہ کیا۔

میں نے دیکھا کئی گدھ آرہے تھے۔ ان میں سے ایک کی چونچ میں چھری دبی ہوئی تھی۔ پھر تو میری حالت خراب ہوگئی۔ میں رحم رحم چیخنے لگا، مگر پرندوں پر میری فریاد کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ گدھ پنجرے میں گھس آئے اور مجھے پکڑ لیا۔ میں زور زور سے چیخنے لگا اور خود کو چھڑانے کی کوششیں کرنے لگا، مگر گدھ بہت طاقت ور تھے، مجھے ہلنے بھی نہیں دے رہے تھے۔

چھری والا گدھ کچھ دور کھڑا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ باقی گدھوں نے مجھے اچھی طرح جکڑ لیا ہے تو وہ آگے بڑھا اور چھری میرے ایک بازو پر رکھ دی۔ میں پہلے سے زیادہ چیخنے لگا۔

اسی وقت میری آنکھ کھل گئی۔ میرے سرہانے ابو جان کھڑے ہوئے کہہ رہے تھے :

"بیٹے! کیوں چیخ رہے ہو؟ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہے کیا؟" ابو کے الفاظ سن کر احساس ہوا کہ وہ سب کچھ ایک خواب تھا۔ میں نے کچھ لمحوں بعد خود پر قابو پالیا اور ابو جان کو پورا خواب تفصیل سے بتایا۔

انھوں نے کہا : "یہ تھا تو خواب، مگر بات واقعی سچی ہے۔ پرندوں کے پَر کاٹنا یا ان کو اپنوں سے دور قید کردینا بڑا ظلم ہے۔ یہ بات ہم کو ضرور سوچنی چاہیے، مگر ہم غافل رہے۔ شکر ہے کہ اللہ میاں نے اس خواب کے ذریعے سے رہ نمائی کی ہے۔"

"واقعی! ابو خواب کے دوران میں نے قید اور اپنوں سے دوری کے غم کو محسوس کیا ہے۔ میں صبح ہوتے ہی سب پرندوں کو آزاد کردوں گا۔" میں نے اپنا فیصلہ سنایا۔ میرا فیصلہ سن کر ابو خوش ہوگئے اور آگے بڑھ کر مجھے گلے لگالیا۔

صبح نماز فجر کے بعد میں نے تمام پرندوں کو دانہ ڈالا اور ان کے پنجروں کے دروازے کھول دیے۔ پرندے آزادی کی خوشی میں دانہ کھائے بغیر ہی اڑ گئے۔
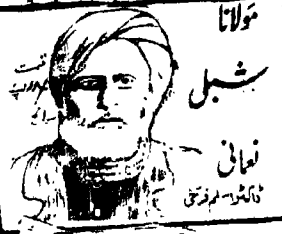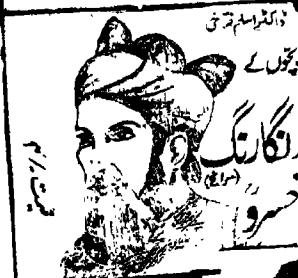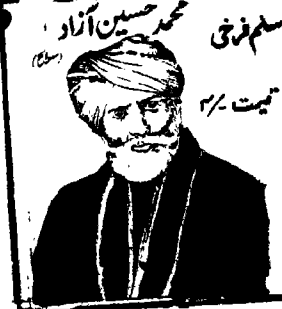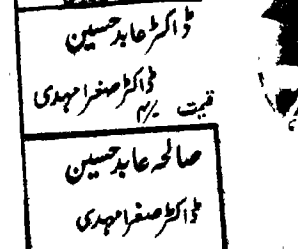
شکیل صدیقی

ہم شکل، ہم راز

قسط نمبر ۸

اب ذرا پرویز مستانے کی زبانی سنئے!

"آیئے بھائی جان! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" فوزیہ نے حیرت سے کہا اور میرا ہاتھ پکڑ کر زور سے کھینچا۔ اس بار اس نے اتنی قوت سے کھینچا کہ میں کھنچتا چلا گیا۔

پورٹیکو میں ہنڈا اکارڈ کار کھڑی تھی اور اس کے قریب حمیدے موجود تھا۔ اس نے ہم دونوں کو آتے دیکھا تو مودبانہ انداز میں پیچھے کا دروازہ کھول دیا۔ ہم دونوں بیٹھ گئے تو وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا اور پھر کار چل پڑی۔

وہ نئے ماڈل کی قیمتی کار تھی۔ اس طرح سڑک پر چل رہی تھی جیسے پانی پر تیر رہی ہو۔ مجھے تو ابھی تک دھچکے کھانے والی بسوں میں سوار ہونے کا موقع ملا تھا اور مدرسوں میں جہاں میں رہتا تھا وہ جگہ گاڑیوں کے دھویں سے کہر آلود سی رہتی تھی۔

اب جو کار پھاٹک سے نکل رہی تھی تو مجھے دنیا کی ہر چیز حسین اور دل کش معلوم ہو رہی تھی۔ ستھری ستھری اور صاف شفاف۔

میرا خیال ہے کہ ہر قیمتی کار کی کھڑکی سے دنیا ایسی ہی دل کش اور حسین لگتی ہے۔ فوزیہ

میرے برابر میں بیٹھی تھی۔ تھوڑی دیر بعد یہ الجھن پیدا ہونے لگی کہ وہ میرے ساتھ اسکول میں پڑھتی ہے یا کسی دوسری جگہ؟ میں نے تھوڑی دیر بعد اس الجھن کو دماغ سے جھٹک دیا کہ جو کچھ ہوگا وہ سامنے آجائے گا۔

یہی ہوا۔ حمیدے نے فوزیہ کو وحدت کالونی کے ایک اسکول کے گیٹ پر اتار دیا جو لڑکیوں کے لیے مخصوص تھا۔ پھر وہ مجھے ایک اسکول پر لے گیا۔ جب میں کار سے اترا تو اس نے میری کتابیں مجھے تھما دیں۔

سلطان احمد نے بتا دیا تھا کہ وہ نویں جماعت کا طالب علم ہے۔ لہٰذا میں اسی جماعت میں چلا گیا۔ ہر کمرے کے باہر تختی لگی تھی جس پر کلاس نمبر پڑا تھا۔ میں نے وہاں جاکر ایک ڈیسک کے اندر کتابیں رکھ دیں۔ کلاس میں دو چار لڑکے موجود تھے۔ انھوں نے مجھے ہیلو کہا تو میں نے بھی مسکرا کر انھیں جواب دیا۔

پھر میں برآمدے میں چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ گھنٹی بجتے پر سب لڑکے میدان میں جمع ہوں گے اور پھر تلاوت ہوگی۔ میں برآمدے کے زینوں کی طرف بڑھا ہی تھا کہ اچانک دائیں طرف سے آواز آئی:

"ہیلو سلطان! کہاں غائب ہوگئے تھے۔"

"بس ایسے ہی ذرا گھومنے نکل گیا تھا۔" میں نے گول مول سا جواب دیا۔

"کہاں؟" اس لڑکے نے پوچھا۔

میں سوچنے لگا کہ اس لڑکے کو جواب دوں یا نہیں۔ یہ بات تو سمجھ میں آنے والی تھی کہ وہ میری ہی جماعت کا کوئی لڑکا ہوگا مگر وہ سلطان کا قریبی دوست تھا یا سلطان سے اس کی محض ہلکی دوستی تھی؟ غلط اندازہ لگانے کی صورت میں گردن پھنس سکتی تھی۔

"ہونولولو جانے کا پروگرام بنایا تھا مگر غلط بس میں بیٹھنے کی وجہ سے جھنگو پہنچ گیا۔" میں نے مزاحیہ انداز میں جواب دیا۔

"جھنگو!" اس نے پلکیں جھپکا کر کہا: "بڑی دل چسپ جگہ ہے۔ میں وہاں کئی بار جاچکا ہوں۔ وہاں میرے خالو کے چچازاد بھائی کا تمباکو کا کھیت ہے۔ بھئی بڑی دل چسپ جگہ ہے وہ بھی۔"

معلوم نہیں وہ کون لڑکا تھا جو ایسی بے پر کی ہانک رہا تھا۔ مجھے اس کی کائیں کائیں بہت ناگوار گزری۔ میں نے ڈپٹ کر کہا:

"چپ ہے ورنہ لگاؤں گا ایک ہاتھ۔"

"ایں سلطان؟۔ تم۔ تم؟" وہ حیرت سے ہکلانے سا لگا۔

مجھے فوراً احساس ہوا کہ اس طرح کرختداری لہجے میں بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔ سلطان احمد ایک پڑھا لکھا اور مہذب لڑکا ہے اور اعلا گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ مزاج کے اعتبار سے سنجیدہ ہے' اس لیے مجھے بھی وہی انداز اختیار کرتے ہوئے شائستہ رہنا چاہیے۔

میں نے ہاتھ ہلا کر اسے اپنے سے دور رہنے کا اشارہ کیا اور میدان میں پہنچ گیا۔ وہاں پہلے سے سب دعا کے لیے جمع ہو رہے تھے۔ ٹھیک آٹھ بجے گھنٹی بجی اور سب لڑکے قطاروں میں کھڑے ہو گئے۔ میں نے اندازہ لگایا کہ نویں جماعت کی قطار کون سی ہو سکتی ہے۔ پھر میں ان میں شامل ہو گیا۔

ایک لڑکے نے نہایت خوش الحانی سے تلاوت کی۔ اس کی آواز اتنی پُر اثر تھی کہ مجھے اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی۔ پھر اس سورت کا ترجمہ پیش کیا گیا:

اور تم اللہ کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔

میں نے سوچا کہ معلوم نہیں وہ کیسے اور کون لوگ ہوتے ہیں جو اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں اور اس کی نافرمانی کرتے ہیں۔ مجھے تو اس نے جن نعمتوں سے نوازا تھا ان کا شکر تو میں زندگی بھر ادا نہیں کر سکتا تھا۔

تھوڑی دیر بعد سب لڑکے اپنی اپنی کلاسوں کی طرف جانے لگے۔ میری والی قطار جب آٹھویں کلاس کی طرف جانے لگی تو میں پلٹ کر اپنی کلاس کی طرف چلا گیا۔ شکر ہے کہ اس غلطی کو کسی نے محسوس نہیں کیا۔ میں جب کلاس میں دوسری بار داخل ہوا تو بلیک بورڈ کے اوپر ارسطو کا یہ قول خوش نما لفظوں میں لکھا دکھائی دیا:

ایک عالم لاکھوں جاہلوں سے زیادہ طاقت ور ہوتا ہے۔

میں اس عبارت کو جلدی میں پہلے نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں جب اپنی جگہ پر بیٹھا تو احساس ہوا کہ ارسطو کا یہ قول کتنا درست ہے۔ آدمی کو اپنی زندگی میں بلندی' سرفرازی اور عروج اسی

وقت ملتا ہے جب وہ علم حاصل کر لیتا ہے۔ بہت سا علم۔ میں چار جماعتوں سے زیادہ نہیں پڑھ سکا تھا۔ اب جو ایک دم نویں کلاس میں بیٹھ گیا تو عجیب سا معلوم ہونے لگا۔

پہلا گھنٹہ اردو کا تھا۔ استاد کے آنے سے پہلے بہت سے لڑکوں نے مجھ سے اشاروں میں پوچھا کہ میں اب تک کہاں تھا؟ میں نے اشاروں میں جواب دیا کہ میں بہت دور گیا ہوا تھا پکنک منانے۔

اردو کے استاد بہت ذہین اور قابل لگ رہے تھے۔ انھوں نے جب بہادر شاہ ظفر کی زندگی کے حالات بتانے شروع کیے اور پھر شعروں کے مطلب بیان کیے تو میں کھو سا گیا۔ اس زمانے کا نقشہ میری نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

اردو کے بعد انگریزی کا گھنٹہ تھا۔ اس کے استاد بالکل انگریز معلوم ہوتے تھے۔ فرفر انگریزی بول رہے تھے۔ میری سمجھ میں ان کی گٹ پٹ نہیں آئی۔ سبق پڑھانے کے بعد انھوں نے لڑکوں سے سوال کرنے شروع کر دیے اور انھوں نے انگریزی میں ہی ان کے جوابات دینے شروع کر دیے۔ میں چور بنا بیٹھا رہا۔

اس لیے کہ میرے پلے ایک لفظ نہیں پڑ رہا تھا۔ یہی دھڑکا لگا ہوا تھا کہ استاد مجھ سے کچھ نہ پوچھ لیں۔

اس کے بعد جغرافیہ اور تاریخ پڑھائی گئی۔ وہ بھی انگریزی میں۔ میں گم صم بیٹھا رہا۔ خیر پڑھائی ختم ہوئی اور آدھی چھٹی ہو گئی۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

لنچ بکس کتابوں کے ساتھ ہی حمیدے نے دے دیا تھا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو طبیعت خوش ہو گئی۔ اس میں کبابوں کے سینڈوچ تھے۔ میں نے مزہ لے لے کر خوب کھایا۔ اس دوران کوئی میرے قریب نہیں آیا۔ تقریباً سب ہی لڑکے کہیں نہ کہیں کھڑے لنچ کر رہے تھے۔ جب میں پانی پینے کے لیے باہر نکلنے لگا تو دائیں طرف سے ایک خوب صورت سا لڑکا میرے قریب آگیا۔

"کہاں غائب تھے سلطان؟" اس نے اپنائیت سے پوچھا۔

"بس ذرا گھومنے نکل گیا تھا۔"

"میں نے ٹیلے فون کیا تھا۔ فوزیہ نے بتایا کہ کسی کو بتائے بغیر چار دن سے غائب ہو۔ سب تشویش میں مبتلا ہیں۔"

"ایسے ہی گھر والوں سے ذرا مذاق کر رہا تھا۔"

اس نے کہا: "مجھے تو تم بہت پُر اسرار لگ رہے ہو۔ اس روز فجر کے وقت تم میرے پاس آئے تھے تو نائٹ گاؤن پہنے تھے اور تم نے میرے کپڑے مانگے تھے' کیوں؟"

ایک لمحے میں مجھے معلوم ہو گیا کہ وہ سلطان احمد کا گہرا اور قریبی دوست وحید ہے۔ اس کا ذکر سلطان نے تفصیل سے کیا تھا۔

"وحید' میرے دوست میں سب کچھ بتا دوں گا۔ تم صبر سے کام لو۔" میں نے اسکا کندھا تھپ تھپا کر کہا۔

وہ بولا: "تمہاری ہر بات مجھے الجھن میں ڈال رہی ہے۔ انگریزی کے پیریڈ میں تم خاموش بیٹھے رہے حالانکہ ہاتھ اٹھا اٹھا کر پُر جوش انداز میں اسحاق صاحب کے سوالوں کے خوب جواب دیتے ہو۔ آج کیا ہوا تھا؟"

میں اس سے پیچھا چھڑانے کے لیے برآمدے کی طرف چلنے لگا تو اس نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا بلکہ ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

"ایسے ہی طبیعت ذرا بوجھل ہے آج۔ کسی سے بات کرنے کو دل نہیں چاہ رہا ہے۔" میں نے بے زاری سے کہا۔

اچانک سامنے شور اور ہلڑ بازی ہونے لگی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا کچھ لڑکے ایک فارم پر دوسرے لڑکوں سے دستخط کرا رہے تھے۔ ایک نے ہاتھ اٹھا کر کہا:

"ارے سلطان کو تو بھولے جا رہے ہیں ہم لوگ۔"

"نہیں' بھولے کیوں ہیں' اس سے بھی دستخط کراتے ہیں۔" اس لڑکے نے کہا جس کے ہاتھ میں فارم تھا۔ پھر وہ سب میرے نزدیک آ گئے۔ ان میں سے ایک نے وہ فارم میری طرف بڑھا دیا۔

"یہ کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"اسکول ٹیم میں شامل ہونے کا فارم۔ اس پر دستخط کرو۔" ایک لڑکا بولا۔

"داخلہ فیس ایک ہزار روپے ہے۔" دوسرے نے کہا۔

"یہ ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ فوٹو کاپی تھے۔ اب یہ کوڑا ہی ہیں۔"

میں نے فارم ہاتھ میں لیا۔ اس میں تین خانے بنے تھے۔ خانوں کے اوپر کھلاڑیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، جن میں سے ایک کرکٹ، دوسرا ہاکی اور تیسرا فٹ بال کھیل رہا تھا۔ نیچے بہت سے دستخط تھے۔ میں سمجھ گیا کہ جو لڑکا جس کھیل میں دل چسپی رکھتا ہے اس نے اسی خانے میں دستخط کیے ہیں۔

مجھے فٹ بال سے دل چسپی تھی۔ میں نے جیب سے اپنا شیفرز قلم نکالا اور اس خانے میں اپنے دستخط کر دیے۔ میں نے اپنے نام پرویز مستانہ کی اچھی طرح سے اردو میں مشق کر رکھی تھی، اس لیے روانی میں وہی دستخط کر دیے۔

میرے پیچھے کھڑے ہوئے وحید بٹ نے اس لڑکے کے ہاتھ سے فارم جھپٹ لیا اور غور سے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے حیرت سے کہا:

"پرویز مستانہ! یہ پرویز مستانہ کون ہے؟"

اس وقت مجھے یاد آیا کہ میں پرویز مستانہ ہوں، مگر سلطان احمد بنا ہوا ہوں، لہٰذا مجھے اس کے دستخط کرنے چاہیے تھے، مگر اب کیا ہو سکتا تھا؟

وحید بٹ مجھے جھنجھوڑ کر اپنا سوال دُہرا رہا تھا اور مجھے اپنے پیروں تلے سے زمین کھسکتی معلوم ہو رہی تھی۔

• • •

اماں پاؤں گھسیٹتی اور جوتیاں گھسیٹتی ہوئی کمرے کی طرف آ رہی تھیں اور مجھے اس تھوڑی سی دیر میں کوئی اچھا سا بہانہ سوچنا تھا۔ ایسا بہانہ جو وہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر قبول کر لیں۔

"پرویز! اتنی دیر سے یہاں کیا کر رہا ہے؟ انصاری صاحب کب تک بیٹھے رہیں گے؟"

"وہ جو دو ہزار روپے تھے نا اماں، وہ میں نے کسی کو دے دیے۔"

وہ چونک کر پیچھے ہٹ گئیں: "ارے نہیں، کسے دے دیے کم بخت مارے؟"

میں نے کہا: "استاد کو۔۔۔ ورک شاپ والے استاد کو۔ کہہ رہے تھے کہ دکان کے لیے نئے پرزوں کا سیٹ خریدنا ہے اور گاڑیوں کی ڈیکوریشن کا سامان بھی، تین دن بعد واپس کر دیں

گے۔ اس لیے میں نے دے دیے۔"

"تو اچھا۔" اماں نے گز بھر لمبا سانس لیا۔ پھر اسی طرح جوتیاں گھسیٹتی اور ہانپتی کانپتی آنگن میں گئیں اور انھوں نے انصاری صاحب کو یہ بات بتا دی۔

"اچھا' اچھا۔ کوئی بات نہیں۔ میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ جلدی نہیں ہے۔ پیسے آجائیں گے۔ میں تو یونہی ملاقات کرنے آگیا تھا۔"

وہ بولے۔ وہ ڈاک خانے میں ملازم تھے اور رجسٹری کے کاؤنٹر پر بیٹھتے تھے۔ ان کی باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ ریٹائر ہونے والے ہیں۔ دو لڑکیاں بڑی ہو چکی ہیں اور ان کے بیاہ کی فکر ہے۔

ان کے دکھ درد سن کر میں بہت رنجیدہ ہوا۔ میرے دل میں رہ رہ کر یہ خیال پیدا ہونے لگا کہ اللہ میاں نے دنیا میں اتنی اونچ نیچ کیوں رکھی ہے؟ کہیں تو دولت کی اتنی زیادتی ہے کہ زندگی میں کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ کہیں پر اتنی کمی ہے کہ ہر قدم ہر ایک مسئلہ ہے' بلکہ مسئلے ہی مسئلے ہیں۔ میرا دل چاہا اسی وقت اڑ کر دوبئی جاؤں اور ڈھیر ساری رقم لا کر ان سب لوگوں میں تقسیم کر دوں۔ ان کے سب مسئلے ایک بار حل کر دوں۔

انصاری صاحب کے انکار کے باوجود ابا نے نگہت آرا سے چائے بنوا کر انھیں پیش کی۔ وہ چائے پی کر رخصت ہو گئے۔

تھوڑی دیر بعد میں نے بھی دروازے کا رخ کیا۔ آپا ذکیہ جیسے میرے قدم اٹھانے کی منتظر تھیں۔ انھوں نے اپنی منمناتی ہوئی آواز میں کہا:

"شہزادے! پان مسالے کا ایک پیکٹ لیتے آنا۔" ان کو یہ بری عادت پڑی ہوئی تھی۔

"اچھا باجی۔۔۔ ابھی لو۔" میں نے کہا اور وہاں سے نکل آیا۔

اچانک ایک گندا سا لڑکا جگی ہوٹل میں داخل ہوا۔ اس کی پتلون پر بڑے بڑے دھبے پڑے ہوئے تھے۔ انسان کے بجائے وہ ریچھ کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ پان چبا رہا تھا اور اس کی انگلیوں میں سگرٹ دبا ہوا تھا۔

میرے برابر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا: "چارلی آگیا ہے ۔۔۔ چارلی۔ تیرا اس کے ساتھ کوئی لینا دینا تو نہیں ہے۔"

میں نے انکار میں گردن ہلائی۔ "میں تو اسے جانتا بھی نہیں ہوں۔"

وہ لول جلول سا لڑکا سیدھا میری طرف آیا۔ اس پر ایک نظر ڈالتے ہی میری سمجھ میں آگیا کہ اسے چارلی کیوں کہتے ہیں۔ وہ بے حد دبلا پتلا تھا اور اس کے اوپری ہونٹ پر بالکل بیچ میں مونچھ بھی تھی۔ بہت چھوٹی سی جگہ پر جیسے دو مکھیاں چپکی ہوئی ہوں۔ ایسی مونچھیں میں نے تصویر میں ہٹلر کی بھی دیکھی تھیں۔

"مستانے! کیا حال چال ہیں؟" اس نے اپنے پان میں رچے ہوئے لال دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے پوچھا۔

ایک لمحے کے لیے مجھے کراہیت محسوس ہوئی۔ جی چاہا کہ اسے دھکا دے کر دور بھگا دوں' مگر اس خیال سے ایسا نہیں کر سکا کہ وہ مجھے جانتا ہے۔ میں سلطان احمد تھا' مگر اس وقت پرویز مستانہ بنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے مستانہ کہہ کر بے تکلفی سے مخاطب کیا تھا۔ اس سے پتا چلتا تھا کہ وہ آپس میں دوست ہیں۔

"حال سے بے حال ہیں اور چال بگڑی ہوئی ہے۔" نزدیک بیٹھے ہوئے ایک لڑکے نے خواہ مخواہ دخل دیا۔ مجھے غصہ تو بہت آیا' لیکن میں نے ضبط کیا۔ میں بات بڑھانا اور جھگڑا کرنا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر مستانہ میری جگہ ہوتا تو وہ اس بے ہودہ لڑکے کو سبق دیے بغیر نہیں رہتا۔

"حال چال تو ٹھیک ہیں' مگر ذرا آج کا موسم خراب ہے۔" کونے سے کسی نے کہا۔

"ٹھیرو۔" اچانک بائیں طرف سے آواز آئی۔ میں نے گردن گھما کر اس کی طرف دیکھا وہ ڈیوڈ مسیح تھا جو ایک کرسی سے اٹھ کر میری طرف آرہا تھا۔

مریم جمیل

آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک

خلیفہ چہارم حضرت علی بن ابو طالب کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو لانبے تھے اور نہ پستہ قد بلکہ درمیانے قامت کے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ گھونگھریالے تھے نہ بالکل سیدھے بلکہ کچھ بل کھائے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت موٹے تھے اور نہ بالکل نحیف اور دبلے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ گول تھا سفید سرخی لیے ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سیاہ تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پلکیں لانبی تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیوں کے سرے یعنی جوڑ موٹے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر بال نہ تھے صرف ایک دھاری یا لکیر بالوں کی تھی جو سینہ سے ناف تک چلی گئی تھی۔ ہاتھ اور پاؤں پر گوشت تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلنے کے لیے قدم اٹھاتے تو گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادھر ادھر دیکھتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین (آخری نبی) تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت کشادہ دل اور سخی اور زبان کے نہایت سچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف الفاظ میں گفتگو فرماتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبیعت کے نرم اور قوم کے لحاظ سے نہایت شریف بزرگ تھے۔ جو شخص آپ کو یکایک دیکھتا اس پر ہیبت طاری ہو جاتی اور جو شخص آپ کو شناخت کر کے آپ سے محبت و اختلاط رکھتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پہلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت ہو۔ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں نے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات میں دیکھا۔ کبھی میں آپ کی طرف دیکھتا تھا اور کبھی چاند کی طرف۔ آپ اس وقت سرخ لباس پہنے ہوئے تھے۔ میرے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن وجمال چاند سے بہتر ہے (ترمذی شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی چیز نہیں دیکھی۔ گویا آفتاب (سورج) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر جاری تھا۔ اور نہ میں نے آپ سے زیادہ کسی کو تیز رفتار پایا۔ گویا زمین کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لپیٹا جاتا تھا۔ آپ کے ساتھ چلنے کی کوشش کرتے تھے لیکن آپ بے پروا چال سے چلتے تھے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں سبک و نازک تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی (قہقہہ لگا کر) نہ ہنستے تھے بلکہ مسکرایا کرتے تھے۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ لگائے ہوئے ہیں حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سرمہ نہ لگائے ہوئے تھے۔ (ترمذی)

بچوں کے لیے مذہبی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
نقوشِ سیرت (پانچ حصے)	حکیم محمد سعید۔ فی حصہ	۵/:
حضرت عمر فاروقؓ	افضال الرحمٰن	۶/:
حضرت یحییٰ علیہ السلام	منورہ نوری خلیق	۳/:
حضرت آدم علیہ السلام	منورہ نوری خلیق	۴/-
رسالہ دینیات اول	محمد نعیم الدین زبیری	۳/
رسالہ دینیات دوم	"	۴/
رسالہ دینیات سوم	"	۵/
رسالہ دینیات چہارم	"	۵/
رسالہ دینیات پنجم	"	۶/
بزرگانِ دین	محمود علی خاں جامعی	۴/
امت کی مائیں	حسین حسنی	۴/۵۰
اچھی باتیں	سعد الدین انصاری	۴/۵۰
خوب سیرت اول	حکیم محمد سعید	۶/
خوب سیرت دوم	"	۴/۵۰
سلطان جیؒ	اسلم فرخی	۴/
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	فضل قدیر ندوی	۴/۵۰
رحمان کا مہمان	ربیع الزمان زبیری	۶/
کمسن صحابی	"	۵/
اسلام کے جاں نثار	"	۴/
سیرت پاک مختصر مختصر	احمد خاں خلیل	۳/
نور کے پھول	حکیم محمد سعید	۹/
سب سے بڑے انسان۔ رسول اللہؐ	"	۴/۵۰
حضرت حمزہؓ	احتشام علی رحیم آبادی	۲/
حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ	"	۲/
حضرت ابوہریرہؓ	مشیر الحق	۴/
حضرت محبوب الٰہیؒ	"	۲/
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ	"	۲/
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ	"	۲/
حضرت معین الدین چشتیؒ	"	۳/
حضرت ابوبکر صدیقؓ	"	۶/

کتاب	مصنف	قیمت
حضرت طلحہؓ	"	۲/
حضرت سلمان فارسیؓ	"	۲/۵۰
حضرت عبداللہ بن عباسؓ	مشیر الحق	۲/
نیک بیٹیاں	"	۲/۵۰
اسلام کیسے پھیلا، حصہ اول	عبدالواحد سندھی	۷/۵۰
حصہ دوم	"	۶/
قرآن پاک کیا ہے؟	"	۴/
اسلام کیسے شروع ہوا!	"	۷/۵۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار، اول، دوم	" فی حصہ	۶/=
اسلام کے مشہور امیر البحر	"	۹/
رسول پاکؐ	"	۶/
دس جنتی	الیاس احمد مجیبی	۵/۵۰
سرکار کا دربار	"	۶/۵۰
چار یار	"	۷/۵۰
آں حضرتؐ (اردو)	"	۲/۵۰
اللہ کا گھر	خلیل احمد جامعی	۴/۵۰
اللہ کے خلیل	"	۲/۵۰
رسول پاک کے اخلاق	"	۴/
اللہ کے صفی	"	۲/۵۰
ہمارا دین حصہ اول	سید شہاب الدین دسنوی	۸/۵۰
دوم	"	۷/۵۰
سوم	"	۸/۵۰
ارکان اسلام	مولانا اسلم جیراجپوری	۲/۵۰
عقائد اسلام	"	۲/۵۰
خلفائے اربعہ	خواجہ عبدالحیٔ فاروقی	۹/
نبیوں کے قصے	"	۶/۵۰
ہمارے رسولؐ	"	۶/
پیارے رسولؐ	سلطانہ آصف فیضی	۴/۵۰
حضرت نظام الدین اولیاء	ادارہ	۲/
مسلمان بیبیاں	اعجاز الحق قدوسی	۶/
ہمارے نبیؐ	سید نواب علی رضوی	۲/۵۰
سرکار دو عالمؐ	محمد حسین حسان	۹/
قاعدہ یسرنا القرآن		۴/۵۰

محمد قیوم اعتصامی

اسپیس اسٹیشن
جو خلا میں مستقل ٹھہرایا جائے گا

ممکن ہے فی الحال اسپیس اسٹیشن سے لوگوں کو دلچسپی نہ ہو مگر یہ بڑی دلچسپ اور حیرت انگیز ایجاد ہے جس کی بدولت خلا میں زمین کا انسان زمین کی طرح چل پھر اور بیٹھ سکے گا جبکہ اب خلا میں ایسا کرنا ممکن نہیں ہے مگر اب یہ ممکن ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے امریکا اب تک روس سے پیچھے تھا۔ وہ اس کے برابر آجائے گا آگے پیچھے کی اس بات سے ایک نئی بات نکل آتی ہے۔ امریکی خلائی ادارہ ناسا سن ۲۰۰۱ء میں اسپیس اسٹیشن جس کا نام "فریڈم" ہے بھیج رہا ہے جبکہ روس نے آج سے سات برس پہلے ہی سے ایک اسپیس اسٹیشن جس کا نام "میر" ہے بھیج رکھا ہے جو وہاں صحیح طور پر کام بھی کر رہا ہے .... اور اس پر روس کے خلا باز ڈیرا ڈالے قیام کرکے مسلسل آتے جاتے رہتے ہیں اور بعض تو وہاں ایک سال سے زیادہ سے ٹھہرے ہوئے ہیں اور بعض دو چار ماہ قیام کرتے ہیں اس دوران مختلف قسم کے تجربے اور مشاہدے کرتے ہیں جن کا تعلق سائنس کی ترقی سے ہے اور یا ان باتوں اور چیزوں سے ہے جواب تک معلوم نہیں ہو سکیں اور اگر انھوں نے کچھ نئی باتیں معلوم کرلی ہیں تو وہ ان کے بارے میں کچھ نہیں بتاتے "میر" نامی خلائی اسٹیشن سات برس سے خلا میں موجود ہے دنیا کے عام لوگوں کو اس کی ایک نئی بات کا اس طرح پتا لگا تھا جب انھوں نے ڈوبتے ہوئے سورج کی شعاعوں کو ایک بڑے آتشی شیشے کے ذریعے ان ملکوں کے رخ پر ڈال دیا تو وہاں سورج چھپنے کے بعد پھیلنے والے اندھیرے کو دور کر دیا تھا اور

اتنی روشنی ہو گئی تھی کہ گدھے اور گھوڑے کا فرق واضح طور پر معلوم ہو گیا تھا۔

اسپیس اسٹیشن کو خلا میں لے جا کر مستقل طور پر ٹھہرا دیا جائے گا تو ایک عام آدمی کے فائدے اور جاننے کی کئی باتیں ہمارے سامنے نکل آئیں گی اور اب تک خلا میں آنے جانے خلائی گاڑیوں اور خلائی جہازوں کے ذریعے آتے جاتے رہے ہیں بلکہ زیادہ تر خلائی گاڑی کے ذریعے ہی آتے جاتے ہیں خلا بازوں کو خلا میں اگر کوئی بلاجے تو نہیں بجانے ہوتے بلکہ تجربات کرنے ہوتے ہیں۔ تجربے بھی ایسے جو نامعلوم ہوتے ہیں انھیں تجربات کرنے میں بڑی مشکل کا سامنا رہا ہے اور وہ جگہ کی کمی بلکہ اس کا میسّر نہ آنا بھی ہے اس اسپیس اسٹیشن کی وجہ سے یہ مشکل نہیں رہے گی اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ مطلوبہ تجربہ یا مشاہدہ کر سکیں گے اور جو تجربہ انسان کے فیض کے لیے ہوگا اس کے بارے میں بتا بھی سکیں گے جو تجربہ سمجھ میں نہ آنے والی پہیلی کی طرح ہوگا تو اس طرح چپ سادھ رکھیں گے جس طرح انھیں سانپ سونگھ گیا ہو۔

"ناسا"، اکیسویں صدی کے پہلے سال ۲۰۰۱ء میں "فریڈم"، اسپیس اسٹیشن کو خلا میں چالو کر دے گا اور اس پر مستقل طور پر چار آسٹرو ناٹ (خلائی جہاز راں) قیام اختیار کر سکیں گے اور انھیں اسپیس شٹل کے محدود سفر کی طرح زمین واپسی کے لیے "راشن" ختم ہونے کا خطرہ یا اس کا خیال بھی نہیں آئے گا کہ اگر اُن کا دانہ پانی ختم ہو گیا تو کیا وہ ہوا پھانک کر گزارہ کریں گے؟ مگر وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکیں گے کیونکہ خلا میں تو ہوا بھی نہیں ہوتی۔ اس طرح خلا میں قیام کرنے کے ساتھ جہاں بہت سے دنیا کے محاورے اور حقیقتیں ختم ہو جاتی ہیں اسی طرح وہاں جا کر بہت سے پریشان کرنے اور ستانے والے خیالات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔

روبوٹ بھی چار سواروں یعنی خلا بازوں میں شمار ہوں گے اس اسپیس اسٹیشن پر آدمی ہی تجربے نہیں کریں گے بلکہ روبوٹ تجربات کریں گے ان کے تجربات زیادہ خطرات سے بھرے ہوں گے۔ کیونکہ ایسے خطرناک تجربے کرتے ہوئے آدمی کے مر جانے کا خطرہ بھی ہوگا مگر روبوٹ کو مرنے کا کیا خطرہ اور زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا کہ وہ جل جائے گا اور اس کے لیے کوئی رونے پیٹنے والا بھی نہ ہوگا اور نہ کوئی اس کی جدائی کے صدمے سے نڈھال ہوگا۔

کسی بھی ایجاد میں فوری طور پر تین پہلو ایسے ہوتے جنھیں ہم محدود معنوں میں نقائص بھی کہہ سکتے ہیں۔

۱۔ اس ایجاد کا حجم اور جسامت (لمبائی چوڑائی اور گھیرا (محیط)) اتنا زیادہ ہوتا ہے کہ فرد واحد کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا محال لگتا ہے۔

۲۔ قیمت اتنی زیادہ ہوتی ہے یا اس پر اتنی لاگت آتی ہے کہ موجد سوچتا ہے کہ اسے عام خریدار کی پہنچ میں کس طرح رکھا جائے گا کہ وہ اسے خرید سکے۔

۳۔ اس کے فائدے کا حلقہ اور دائرہ بھی محدود ہوتا ہے اب ہم ان تینوں پہلوؤں کی کچھ تشریح بھی کر دیتے ہیں تاکہ اوپر بیان کیے گئے تین نکات ایک عام ذہن میں آ سکیں۔ مثلاً پہلے پہل جب کمپیوٹر بنا اور وہ فروخت کے لیے بازار میں نہیں لایا گیا تھا۔ یہ ۱۹۴۶ء کی بات ہے کہ کمپیوٹر کی

جسامت اور حجم اتنا تھا کہ اسے ایک پورے کمرے میں نصب کیا گیا تھا اس کی قیمت بھی بہت زیادہ تھی کہ اسے ایک عام آدمی، طالب علم، حساب داں، تاجر و دکاندار، خرید نہیں سکتا تھا صرف بڑے بڑے ادارے اور کمپنیاں ہی خرید سکتی تھیں۔ پھر ۱۹۷۳ء یعنی بیس اکیس برس بعد اس کے موجد نے اپنی اس ایجاد میں ایسی تبدیلیاں کیں کہ اس پر ہونے والی لاگت اور حجم کم کر دیا گیا اور فائدہ اٹھانے کا دائرہ بھی کئی گنا بڑھ گیا اور اب اسے ایک عام خریدار بھی خرید سکتا ہے۔

"فریڈم" کی تیاری گذشتہ ۹ برس سے ہوتی رہی ہے اس پر جو لاگت آ رہی تھی اس کی مالیت چار ارب ڈالر تھی امریکا کے صدر بل کلنٹن نے جب پلیٹ فارم کو ناسا کے ورکشاپ میں بنتے دیکھا تو انھوں نے اس کی لاگت پوچھی تو "فریڈم" کی جسامت اور لاگت کم کرنے کا حکم دیا اس پر ناسا نے کچھ دوسرے ممالک کو حصے دار بنا لیا چنانچہ جاپان، کنیڈا اور یورپین اسپیس ایجنسی (جو بارہ ممالک پر مشتمل ہے) اس پر سرمایہ لگانے پر راضی ہو گئے اب یہ سب ممالک ناسا کے ساتھ مل کر فریڈم کو تیار کر رہے ہیں اور اسے ۲۰۰۱ء میں خلا میں بھیجا جائے گا۔

سعد الدین انصاری

غرور مت کرو

لَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ	اپنے گال لوگوں کے سامنے نہ پھلاؤ
وَلَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا	اور نہ زمین پر اتراتے چلو۔

تفسیر

جس آدمی میں واقعی بڑائی نہیں ہے، وہ اپنا منہ بنا کر کتنا ہی بڑا بنے۔ اور زمین پر کتنا ہی اترا کر چلے مگر بڑا نہیں ہو سکتا۔ ایسے آدمی سے نہ خدا محبت کرتا ہے اور نہ لوگ محبت کرتے ہیں۔ وقت پڑنے پر اگر وہ خوشامد بھی کرے تو لوگ اس کے قریب نہیں جاتے۔ حضورؐ نے فرمایا ہے "جس کے دل میں ایک ذرہ بھی غرور ہے، وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔"

ننھے مُنّے بچّوں
کے لیے
دلچسپ
اور
باتصویر کہانیاں
بتاشے
نرسری کے بچّوں کے لیے آسان
زبان میں دلچسپ نظمیں
7/5
جاں نثار دوست
بچّوں کے لیے باتصویر کہانی
قیمت -/6 روپے
جادو کی ہنڈیا
5/=
بھیڑیے کا گانا
7/50
شیر اور بکری
7/50
دُم کٹی لومڑی
7/50
کوّے کا خواب
7/50
چاند کی بیٹی
6/=
چالاک بلّی
7/50
گدھے بھائی بانسری
قیمت 7/50

• استاد: (شاگرد سے) برسات کا فائدہ بتاؤ۔
شاگرد: جناب ہمیں اسکول نہیں آنا پڑتا ہے۔

•

شوہر: کیا تم بتا سکتی ہو اس دنیا میں سب سے زیادہ خوش کون تھے؟
بیوی: آدم اور حوا۔
شوہر: وہ کس طرح
بیوی: ان کی ساس نہیں تھی۔

محمد عمران عالم نالہ روڈ، راوڑ کیلا، سندر گڑھ اڑیسہ

• ایک خوش خوراک مہمان کے سامنے جتنا بھی کھانا تھا رکھ دیا گیا۔ بنا ڈکار لیے اس مہمان نے سب کھانا پیٹ میں اتار لیا۔
بھوک کی وجہ سے بچہ رونے لگا تو ماں نے کہا۔
"ابھی نہیں بیٹے، مہمان کو چلے جانے دو پھر ہم سب مل کر روئیں گے۔

نرگس انصاری مالیگاؤں ضلع ناسک
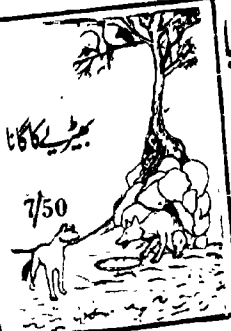
• دو لڑکیاں پانی بھرنے کنویں پر گئیں تو وہیں دونوں آپس میں لڑنے لگیں۔ ایک لڑکی نے کہا تجھے لنگڑا شوہر ملے۔ دوسری نے کہا تجھے اندھا شوہر ملے۔ اتنے میں دو آدمی جن میں ایک لنگڑا دوسرا اندھا تھا ان لڑکیوں کے قریب آئے اور بولے "ہم یہاں رکیں یا چلے جائیں۔

طلحہ نقشبندی القادری بالاپور، ضلع آکولہ

• گاہک: (دکان دار سے) "تمھارے پاس صابن ہے؟"
دکاندار: "جی ہے۔"
گاہک: تو پھر ہاتھ دھوکر دو کلو چینی دے دیں۔"

پرویز اختر نالہ روڈ، راوڑ کیلا، سندر گڑھ اڑیسہ

• ایک مالدار خاتون پھلوں کی خریداری میں مصروف تھیں۔ اس دوران اس کا کتا کچھ پھلوں کو چاٹنے لگا۔ جب یہ عمل اس نے بار بار کیا تو دکاندار سے رہا نہ گیا اور اس نے نرمی سے عورت کی توجہ کتے کی جانب دلائی۔
عورت نے فوراً مڑ کر کتے سے کہا "سنی بند کرو یہ حرکت۔ تمھیں اتنا بھی خیال نہیں کہ یہ پھل دُھلے ہوئے نہیں ہیں۔"

عرفان، چھوٹی مسجد، شمسی بک سینٹر، سمستی پور بہار

• ایک ڈاکٹر کے پاس تین پاگل زیر علاج تھے ایک سال تک علاج کرنے کے بعد ڈاکٹر نے سوچا کہ اب ان کی ذہنی صلاحیت کا جائزہ لینا چاہیے۔
چنانچہ ڈاکٹر نے ایک بلیک بورڈ پر ایک دروازہ بنا دیا اور تینوں پاگلوں سے کہا کہ وہ اس دروازے کو کھول دیں۔

اس کے ساتھ ہی دو پاگل بلیک بورڈ پر ٹوٹ پڑے اور دروازے کو کھولنے کی کوشش کرنے لگے۔ جب ان دونوں میں دروازہ کھولنے کے مسئلہ پر لڑائی جھگڑا ہو رہا تھا تو تیسرا پاگل خاموش کھڑا مسکرا رہا تھا۔

ڈاکٹر نے اس کی ذہنی صلاحیت پر اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"بتاؤ تم کیوں مسکرا رہے ہو؟" تیسرے پاگل نے کہا کہ میں اس لیے مسکرا رہا ہوں کہ یہ سچ مچ پاگل ہیں کیونکہ دروازے کی چابی تو میرے پاس ہے اور یہ دونوں دروازہ کھولنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

سید احمد آفتاب اسلامی کتب خانہ چاندنی نگر بنگلور

● امی۔ (ناصر سے) میں تمھیں ایک کام کے لیے بازار بھیجنا چاہتی ہوں۔

ناصر: میں اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں نہیں جا سکتا۔

امی: میں تمھیں مٹھائی کی دکان تک بھیجنا چاہتی ہوں۔

ناصر: (خوش ہو کر) وہ تو زیادہ دور نہیں ہے۔

امی۔ مٹھائی کی دکان کے پاس ہی ایک جھاڑو والا بیٹھا ہے اس سے جھاڑو لے آؤ۔"

شمیم انور محلہ کٹرہ مبارک پور۔ اعظم گڑھ یوپی

● ایک کنجوس صاحب ہیلمٹ خریدنے گئے۔ دکاندار نے انھیں بہت سے ہیلمٹ دکھائے مگر وہ ہر بار یہی کہتے "کوئی سستا دکھاؤ" آخر تنگ آکر دکاندار نے ان سے کہا یہ

لیجیے پانچ روپے! سامنے سے سر منڈوائیے اور اس پر رنگ کرا لیجیے۔"

پروین احمد بیگ، موبیدار بستی، شری رام پور

● بچہ: "امی میں آپ کو دو خبر سناتا ہوں، ایک اچھی اور دوسری بری۔"

ماں: "اچھا تو پہلے اچھی خبر سنا دو۔"

بچہ: "اچھی خبر یہ ہے کہ میں چھٹے درجے میں پاس ہو گیا ہوں۔"

ماں: (خوش ہو کر) شاباش بیٹا! اب دوسری بری خبر سنا دو۔"

بچہ: دوسری بری خبر یہ ہے کہ پہلی خبر غلط تھی۔"

محمد فہد پاشا بنگالی بازار، گارڈن ریچ کلکتہ

● فوزان: (شاہد سے) تم نے سنا آٹھ آدمی ایک چھتری کے نیچے مسلسل دو گھنٹے کھڑے رہے اور ان میں سے کوئی بھی نہیں بھیگا۔

شاہد: یہ کیسے ممکن ہے؟

فوزان: بارش نہیں ہو رہی تھی۔

فیصل امین، محلہ پورہ صوفی مبارک پور اعظم گڑھ

● ایک مچھر نے دن کے وقت ایک شخص کے کان پر کاٹ لیا۔

اس پر شخص نے کہا۔۔۔ "میاں مچھر تمھاری ڈیوٹی تو رات کو ہوتی ہے" جی ہاں جناب آج کل میں اوور ٹائم کر رہا ہوں۔ مچھر نے جواب دیا۔"

محمد شمشاد عالم چکنوٹہ، درگاہ بیلا، ویشالی، بہار

● راشد: (ساجد سے) یار میری گلے سوکھی گھاس کھاتی ہی نہیں ہے۔ اور آج کل ہری

گھاس ملتی نہیں ہے۔
ساجد : میری گائے بھی سوکھی گھاس نہیں کھاتی تھی لیکن اب وہ کھا لیتی ہے۔
راشد : (حیرت سے) وہ کیسے ؟
ساجد : میں نے اپنی گائے کو ہرے رنگ کا چشمہ پہنا دیا ہے۔

●

پرویز : (فیاض سے) تم نے ایک مہینے کی چھٹی کہاں بتائی ؟
فیاض : ایک دن گھوڑسواری میں اور باقی دن اسپتال میں۔

شبانہ اعظمی عرف سونی، جکھیادو، درگاہ بیلا، ویشالی

● اجنبی : اس شہر میں کوئی پاگل خانہ ہے ؟
گائڈ : نہیں۔
اجنبی : مگر میں نے تو اس شہر میں بے شمار پاگل دیکھے ہیں۔
گائڈ : جی وہ سب آپ کی طرح باہر سے آئے ہوئے ہیں۔

●

مالک : (نوکر سے) آج تم دو اخبار کیوں لے آئے ہو ؟
نوکر : کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کل اخبار کا ناغہ ہے۔

●

ایک بیوقوف دوسرے سے۔ یار اگر چائے میں مرچیں ڈال دیں تو ؟
دوسرا بیوقوف :۔ یہ بھی کوئی حلوہ ہے کہ اس میں مرچیں ڈال دیں۔

ڈاکٹر شہزاد احمد، مالیر کوٹلہ، چوہٹہ، پنجاب

● جج نے ایک گواہ عورت سے کہا "تم نے واقعی بڑی بہادری دکھائی کہ ایک ڈاکو پر پل پڑیں"۔
عورت نے صفائی پیش کرتے ہوئے کہا "اندھیرے کی وجہ سے مجھے یہ پتا ہی کب تھا کہ یہ ڈاکو ہے۔ میں تو یہ سمجھی تھی کہ یہ میرا شوہر ہے"۔

●

"تم میں کون کون جنگوں کے خلاف ہے"۔ استاد نے کلاس سے پوچھا۔
پوری کلاس نے ہاتھ اٹھا لیے۔
استاد نے ایک لڑکے کو کھڑا کیا اور پوچھا "جی تم بتاؤ۔ تم جنگوں کے خلاف کیوں ہو"،
"سر ! اس لیے کہ جنگوں کی وجہ سے ہمیں تاریخ پڑھنی پڑتی ہے"۔

شائستہ خاتون، جکھیادو، درگاہ بیلا ویشالی بہار

● کسی گھر سے لڑکی رخصت ہو رہی تھی اور گھر والے سبھی رو رہے تھے۔ اسی وقت لڑکی کے چھوٹے بھائی نے اپنے ابّو سے پوچھا کہ ابّو، امی بھی رو رہی ہے باجی بھی رو رہی ہے خالہ بھی رو رہی ہے سب کے سب رو رہے ہیں لیکن ایک دولھے بھیا کھڑے کھڑے ہنس رہے ہیں۔ اس پر لڑکے کے ابّو نے جواب دیا "جانے دو بیٹا ! ہم لوگ تو کچھ دیر رو کر چپ ہو جائیں گے وہ تو عمر بھر روئے گا"۔

محمد ضیاءالدین (بیلو) مغربی چمپارن، بتیا، بہار

● ایک لڑکی کو ساحلِ سمندر پر ایک بوتل ملی۔ بوتل کھولی تو اس میں سے دھواں نکلنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس دھوئیں نے ایک توی

ہیکل جن کی صورت اختیار کر لی۔ جن نے سر جھکا کر کہا... فرمایئے میری آقا کیا حکم ہے؟ لڑکی نے کہا۔ میں چاہتی ہوں کہ میرے ہونٹ رانی جیسے، آنکھیں ہیما مالنی جیسی، بال جیہ پردا جیسے، مسکراہٹ پونم ڈھلوں جیسی، اور جسم پدمنی جیسا ہو جائے۔ جن نے لڑکی کی طرف مایوسی سے دیکھا اور بولا "میری آقا مجھے دوبارہ اسی بوتل میں بند کر دیجیے، میں آپ کی یہ خدمت نہیں کر سکتا۔"

نصرت جہاں، چکجا دو، درگاہ سیلا، ویشالی بہار

● ایک مسافر بار بار حاجت رفع کرنے کے لیے لیٹرین میں جاتا لیکن سامنے لگے آئینہ میں اپنی شکل دیکھ کر سمجھتا کہ کوئی اندر ہے اور لوٹ آتا۔ اسٹیشن آیا تو وہ دوڑ کر گارڈ کے پاس آیا اور بولا "گارڈ صاحب! لیٹرین میں کوئی اچکا چھپا ہوا ہے، اس کے پاس ٹکٹ نہیں ہے" گارڈ فوراً اس آدمی کے ساتھ گیا۔ گارڈ نے دروازہ کھولا اور سامنے آئینہ میں اپنی شکل دیکھ کر کہا "معاف کرنا وہ تو اسٹاف کا آدمی ہے میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

سلطانہ جہاں عبدالمناف، اسلام پورہ کا سودہ

● ایک روسی اور ایک امریکی اور ایک ہندستانی تینوں ایک ہوٹل میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے تبھی امریکی بولا۔ امریکا کا جہاز چاند سے بالکل سٹ کر چلتا ہے۔ ہندستانی تعجب سے بولا کیا آسمان سے سٹ کر؟ امریکی بولا بس تھوڑا نیچے۔

اس کے بعد روسی بولا، روس کا بیڑہ سمندر کی تہہ سے مل کر چلتا ہے۔ ہندستانی بولا کیا سمندر کی تہہ سے مل کر بے۔ روسی بولا تھوڑا اوپر سے۔

اس کے بعد ہندستانی بولا، ہندستان کے لوگ ناک سے کھانا کھاتے ہیں۔ روسی اور امریکی بولے۔ کیا ناک سے؟ ہندستانی بولا۔ بس تھوڑا سا نیچے سے۔

توقیر احمد کامران، ڈوریہ، ارریہ بہار

● طیارہ دس ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ دو دوست ایک دوسرے کے برابر بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے کا دعوا تھا کہ اس کی بینائی بہت تیز ہے اور دوسرا اپنی قوت سماعت پر نازاں تھا۔ اچانک پہلے دوست نے کھڑکی سے زمین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "کیا تمھیں اس عمارت کی چھت پر بیٹھی ہوئی وہ مکھی نظر آرہی ہے؟"

"نہیں" دوسرے نے جواب دیا "لیکن وہ شور بہت مچا رہی ہے۔ ہے نا۔"

ملکہ بانو دانیال پور، بیگوسرائے بہار

● ایک دیہاتی نے شہر پہنچ کر فلم دیکھنے کی غرض سے ایک راہ گیر سے پوچھا۔

"یہاں کونسی فلمیں چل رہی ہیں؟" اس پر راہ گیر نے کہا "بدتمیز، جنگلی، گنوار، جانور، پگلا کہیں کا" یہ سنتے ہی دیہاتی نے ایک تھپڑ اسے مارا اور کہنے لگا "میں نے تم سے فلموں کے بارے میں پوچھا تھا تمھارے بارے میں نہیں۔"

محمد امجد محمد عبدالرؤف، محبوب گنج، بیرٹ جہلا شریف

معلومات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلحہ اور سامان کے نام

حضورؐ کے مشکیزہ کا نام	صادر
حضور کی شمشیر کا نام	ذوالفقار
حضورؐ کی کمان کا نام	ذوالسداد
حضورؐ کے سیاہ گھوڑے کا نام	سکب
حضورؐ کے سرخ گھوڑے کا نام	مرتجز
حضورؐ کے ترکش کا نام	کافور، ذوالجمع
حضورؐ کے جھنڈے کا نام	عقاب
حضورؐ کے آئینہ کا نام	مدلہ
حضورؐ کے نیزہ کا نام	ریان
حضورؐ کے خچر کا نام	ولدل
حضورؐ کے گدھے کا نام	یعفور
حضورؐ کے بستر کا نام	کنز
حضورؐ کے خیمہ کا نام	کن
حضورؐ کی برچھی کا نام	بتعاء
حضور کی کنیز کا نام	خضرہ
حضورؐ کی زین کا نام	راج
حضورؐ کی ڈھال کا نام	زفن
حضورؐ کی بکری کا نام	عینہ
حضورؐ کی قینچی کا نام	جامع
حضورؐ کی اونٹنی کا نام	قصواء، عضباء، جدعاء

عابد علی خاں شیروانی مالیرکوٹلہ پنجاب

سر سید احمد خاں

- ۱۷ اکتوبر ۱۸۱۷ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔
- ۱۸۳۸ء میں والد سید متقی صاحب کا انتقال۔
- ۱۸۳۹ء کو آگرہ میں نائب منشی ہوئے۔
- ۱۸۴۰ء میں فارسی کی پہلی کتاب جام جم شائع کی۔
- ۱۸۴۷ء کو آثار الصنادید شائع کی۔
- ۱۸۵۸ء کو والدہ محترمہ کا میرٹھ میں انتقال ہوا۔
- ۱۸۵۹ء میں مراد آباد میں ایک مدرسہ قائم کیا۔
- ۱۸۶۴ء میں غازی پور میں ایک اور مدرسہ قائم کیا۔
- ۱۸۶۶ء میں سائنٹفک سوسائٹی کے ایک اخبار کا اجرا کیا۔
- ۱۸۶۹ء میں انگلستان کا سفر کیا۔ اور ورناکولر یونی ورسٹی کی تجویز پارلیمنٹ کو بھیجی۔
- ۱۸۷۰ء میں لندن کے ایک مشہور کلب اتینئم کے ممبر بنے۔
- ۱۸۷۰ء میں ایک رسالہ "تہذیب الاخلاق" جاری کیا۔
- ۱۸۷۲ء میں بنارس میں محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کے اجرا کے لیے ایک اجلاس طلب کیا۔
- ۱۸۷۶ء میں بنارس میں پنشن ہوئی۔
- ۱۸۷۸ء میں وائسرائے کونسل کے ممبر ہوئے۔
- ۱۸۹۴ء میں ایم۔ اے او کالج کی میگزین کا اجرا کیا۔
- ۲۷ مارچ ۱۸۹۸ء کو علی گڑھ میں انتقال ہوا۔

رحمانی سلیم احمد عبدالستار، اسلام پورہ، مالیگاؤں

- دنیا میں سب سے پہلے آدم علیہ السلام تشریف لائے۔
- علامہ اقبال کی پیدائش ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو ہوئی آپ کا تعلق کشمیری خاندان سے تھا۔

محمد انور علی گورکھپوری مدرسہ عربیہ بدریہ نگرام لکھنؤ

تاریخی دن

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے
مٹی، کو سنیچر کے دن پیدا کیا۔
پہاڑوں، کو اتوار کے دن پیدا کیا۔
درختوں کو پیر کے دن پیدا کیا۔
ناپسند چیز، کو منگل کے دن پیدا کیا۔
نور، کو بدھ کے دن پیدا کیا۔
زمین میں چوپایوں کو جمعرات کے دن پیدا کیا۔

ابوسلیم صدیقی ، بالاپور ضلع آکولہ

- دین الٰہی مذہب کی بنیاد ۱۵۸۱ء میں پڑی تھی۔
- ہمایوں کی وفات ۱۵۵۶ء میں ہوئی تھی۔
- اکبر کی وفات ۱۶۰۵ء میں ہوئی تھی۔
- جہانگیر کی پیدائش ۱۵۶۱ء میں ہوئی تھی۔
- جہانگیر کی وفات ۱۶۲۷ء میں ہوئی تھی۔

شاہد شیخ ناخدا محلہ، سداشیو گڑھ، کاروار

- س : حضرت ہودؑ کے زمانے میں کس قوم پر قہر الٰہی نازل ہوا تھا۔

ج : قوم عاد پر۔

س : حضرت صالحؑ کے زمانے میں کس قوم پر قہر الٰہی نازل ہوا تھا۔

ج : قوم ثمود پر۔

س : شیخ الانبیاء کس پیغمبر کو کہتے ہیں۔

ج : حضرت نوحؑ کو۔

س : مچھروں کا عذاب کس قوم پر نازل ہوا؟

ج : حضرت ابراہیمؑ کی نافرمان قوم پر۔

س : کون سے چار پیغمبر بنی اسرائیل پر بھیجے گئے؟

ج : حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، حضرت یعقوبؑ ، حضرت یوسفؑ۔

س : سب سے پہلے حج کرنے والے کون تھے؟

ج : حضرت آدمؑ اور بی بی حواؑ۔

محمد خالد اعظمی ، کھریواں ، اعظم گڑھ

س : دنیا کی سب سے لمبی دیوار کس ملک میں ہے؟

ج : چین میں۔

س : دنیا کی سب سے بڑی بندرگاہ کس ملک میں ہے؟

ج : سڈنی (آسٹریلیا) میں ہے۔

عزیز احمد بستوی، مدرسہ انوار العلوم اعلو، اعظم گڑھ

- بیت المال حضرت عمر فاروقؓ نے قائم کیا۔
- بحری جنگ اسلام میں حضرت امیر معاویہؓ نے سب سے پہلے لڑی۔
- جاوا میں ایک ایسا باغ ہے جس کے سارے پھول ایک ساتھ کھلتے ہیں اور ایک ساتھ مرجھاتے ہیں۔

حسان احمد اقرا، ماڈل اسکول کرشنا نگر نیپال

- جھینگر بغیر غذا اور پانی کے قریب دو ماہ تک زندہ رہ سکتا ہے۔
- اتوار کے دن چھٹی منانے کا رواج ۳۲۰ء میں شہنشاہ اسٹائن نے شروع کیا۔
- پوسٹ مارٹم لاطینی زبان کا لفظ ہے۔
- اسلامی ریاست کے پہلے سربراہ حضرت محمدؐ تھے۔
- بندر کے دو دماغ ہوتے ہیں۔

مصباح الحسن انصاری، سرکونڈہ، سلطان پور

- ریل گاڑی اور ٹرام برطانیہ کے ایک باشندے اسٹیفن سن نے ۱۸۱۴ء میں ایجاد کیں۔

• موٹر کار مسٹر ڈیمرل نے ۱۸۸۶ء میں ایجاد کی۔
• بارودی سُرنگ سویڈن کے باشندہ نوبل نے ۱۸۶۶ء میں دریافت کی۔
• ہوائی جہاز دو امریکی باشندوں آرول اور ویر رائٹ نے ۱۹۰۳ء میں ایجاد کیا۔
• بمبار طیارہ برطانیہ کے وٹل نے ۱۹۳۰ء میں ایجاد کیا۔
• سب سے پہلا بم ۱۹۱۶ء میں امریکا کے ٹالٹ نے بنایا۔

محمد اختر القادری سکریٹری امجدیہ لائبریری گھوسی

• چاول سے آٹھ گنا زیادہ طاقت گیہوں میں ہے۔
• گیہوں سے آٹھ گنا زیادہ طاقت دودھ میں ہے۔
• گائے کا دودھ جو صرف ۲½ گھنٹے میں ہضم ہو جاتا ہے دل و دماغ کو فائدہ پہنچاتا ہے۔
• بار بار آئینہ دیکھیے آپ کی کھانسی اگر معمولی ہے تو دور ہو جائے گی۔
• بار بار کنگھا کیجیے، آپ کے سر کا درد اگر معمولی ہو تو دور ہو جائے گا۔
• سر ٹھنڈا اور پانو گرم رکھیے، آپ کی صحت کے لیے یہ مفید ہے۔
• آسمانی بجلی چمکتے وقت لوہے کی کوئی چیز اپنے ہاتھ میں نہ رکھیے ورنہ رحمت نہیں زحمت کے نازل ہونے کا خطرہ ہے۔
• لیموں کا رس پانی میں ملا کر پیجیے، انشاء اللہ بدہضمی دور ہو جائے گی۔
• دُبلے اور کمزور شخص کو نیم گرم پانی سے غسل کرنا چاہیے۔
• سیر کرتے وقت جلد جلد قدم اٹھائیے لیکن واپسی میں خراماں خراماں چلیے۔

• غذا دن میں بیشک تین بار تناول فرمائیے مگر تھوڑی تھوڑی اور چبا چبا کر۔
• باتیں چبا چبا کر اگلنا بُرا ہے مگر کھانا چبا چبا کر کھانا مفید ہے۔

نسرین حسن، شعیب کالونی، گلشن گنج، بہار

• دنیا میں سب سے زیادہ اسکول شکاگو میں ہے۔
• ۲۱ مارچ اور ۲۳ مارچ کو دن اور رات برابر ہوتے ہیں۔
• مغل شاہ جلال الدین اکبر ۱۴ فروری ۱۵۵۶ء کو تخت نشین ہوا۔

نعیم اختر عبدالوہاب، اسلام پورہ، مالیگاؤں

• رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام پھیلانے کے لیے سب سے پہلے طائف کا دورہ کیا تھا۔
• حضور پاکؐ کو قرآن پاک میں ۲۳ جگہ نبی کے لفظ سے مخاطب کیا گیا ہے۔
• حضورؐ جب فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو آپؐ کے عمامہ کا رنگ سیاہ تھا۔
• حضورؐ کی قبر انور کو کھودنے کا شرف حضرت ابو طلحہؓ کو حاصل ہے۔
• رسول اللہؐ نے اسلام کی سب سے پہلی اعلانیہ دعوت کوہِ صفا پر چڑھ کر دی۔
• حضورؐ نے اپنے مبارک ہاتھوں سے سب سے پہلے مسجد قبا کی تعمیر کی۔
• حضورؐ کی والدہ محترمہ بی بی آمنہ کا انتقال "ابوا" مقام پر ہوا۔

عزیز الرحمٰن، نور محمد، ہبلی، کرناٹک

نام: عثمان غنی اقبال احمد عمر: ۱۸ سال
تعلیم: ایس ایس سی
مشغلہ: دوستی کرنا۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا: نیا آزاد نگر گلی نمبر ۵ مالیگاؤں، ناسک

نام: عزیز احمد ابن میر محمود انعامدار عمر: ۱۳ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: تیرنا، کرکٹ اور فٹ بال کھیلنا
پتا: معرفت م۔ انعامدار فردوس کتاب گھر ناشر و تاجر کتب، بھوسپا چوک، دھارواڑ

نام: امتیاز احمد مومن عمر: ۱۸ سال
تعلیم: پی یو سی۔ سال دوم
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: چاند تارہ مسجد، اتھنی، کرناٹک

نام: ابو اسامہ عمر: ۱۵ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: معرفت حاجی محمد اسحاق میرست جون پور یوپی

نام: سہیل رفیق پرکار
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: مقام، پوسٹ کرجی۔ (آمنیت) تعلقہ کھیڈ ضلع رتناگیری، مہاراشٹر

نام: قمر الایمان خاں
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: کتابیں پڑھنا
پتا: معرفت ظفر خاں ناز (اڈیٹر) عزیز پورہ بیڑ مہاراشٹر

نام: زیبا اختر
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: بڑوں کا کہنا ماننا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: نالہ روڈ۔ راوڑکیلا، سندرگڑھ اڑیسہ

نام: راشد سنجری عمر: ۱۸ سال
تعلیم: بی۔اے
مشغلہ: اسلامی تاریخ کی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔
پتا: ۷۰۔ نارتھ ملاکا، الہ آباد یوپی

نام: فیضان احمد عمر: ۱۸ سال
تعلیم: بی۔اے
مشغلہ: اچھے لوگوں سے دوستی کرنا
پتا: سوگا گڑھی، وارانسی یوپی

نام: سید جعفر برماور
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: ۳۷ برماور ہاؤس، سلطان اسٹریٹ بھٹکل

نام: ناصر جمال عمر: ۱۶ سال
مشغلہ: ہر کام کو پورا کرنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: کلکتہ ۱۲ (پورا پتا نہیں لکھا)

نام: صائمہ تبسم عرف فروٹی
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: دوستی کرنا
پتا: معرفت ایم، ڈی نعیم الحق، اولڈ آؤٹ اسٹیشن روڈ، نیتاجی مارگ، راؤرکیلا اڑیسہ

نام: محمد اشتیاق ارشاد
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، خوشخطی، نظم خوانی
پتا: معرفت ڈان پرنٹرس، منہارگلی، قدیم جالنہ جالنہ، ۴۳۱۲۰۳ مہاراشٹر

نام: سید جنید ہاشمی عمر: ۱۲ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: اچھے رسالوں کا مطالعہ کرنا
پتا: موضع جڑونیاں، پوسٹ دھوریہرا، ضلع سدھارتھ نگر یوپی

نام: محمد رضوان قمر عرف شبن عمر: ۱۴ سال
تعلیم: آئی ایس سی
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، اچھی دوستی بنھانا
پتا: محلہ جھجو بہار شریف نالندہ بہار

نام: انصاری شعیب اختر عمر: ۱۷ سال
تعلیم: گیارھویں جماعت
مشغلہ: سچے دوست کی تلاش
پتا: ۹۴، بالا کمپاؤنڈ اسلم نگر بھیونڈی، تھانہ

نام: جاوید احمد
تعلیم: سول انجینیرنگ
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت ڈاکٹر عبدالقادر ملا، مکان نمبر ۱۶۳ ایم آئی، جی، فرسٹ گاندھی نگر ہبلی، کرناٹک

نام: تسلیم خان عمر: ۲۵ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا۔
پتا: معرفت حسن خان قریشی ملکاپور ضلع بلڈانہ

نام: محمد قربان علی عمر: ۱۵ سال
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، کراٹے سیکھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ بہار

نام: فخر عالم عمر: ۱۱ سال
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: دوست نوازی، کتابیں پڑھنا
پتا: معرفت ارمان علی کلکتوی ۸ سید صالح لین کلکتہ ۷۳

نام: محمد اقلیم خاں عمر ۱۰ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
مشغلہ: کراٹے کھیلنا
پتا: پیرپے بلڈنگ، دوسرا منزلہ روم نمبر ۳۷، پی۔ ڈی ے لو روڈ، کرناک بندر ممبئی نمبر ۱

نام: محمد تنویر عمر: ۱۲ سال
تعلیم: عربی سوم
مشغلہ: اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔

پتا: معرفت اسرار احمد مدرسہ عینۃ العلم وارڈ نمبر ۲
شری رام پور ۲۰۹۰۰۱ یوپی

نام: محمد عبید الرحمٰن قریشی عمر: ۱۳ سال
تعلیم: نویں جماعت
شغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: مدار تکیہ، منگرول پیر، آکولہ

نام: نعمان عبد الغفار عمر: ۱۶ سال
تعلیم: میٹرک
شغلہ: باسکٹ بال کھیلنا، رسالے پڑھنا
پتا: ۲۵/۱۱، مشرقی اقبال روڈ، مالیگاؤں

نام: طلعت فاطمہ
تعلیم: چوتھی جماعت
شغلہ: نماز پڑھنا اور بڑوں کی عزت کرنا
پتا: معرفت محمد مشتاق احمد، ذکریا نگر کالونی
سعد پورہ پوسٹ رمنا ضلع مظفر پور. بہار

نام: شائستہ خاتون
شغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت ذاکر رشاد، مقام پکھارو، پوسٹ
درگاہ بیلا ضلع ویشالی بہار

نام: زینت آفرین
تعلیم: ساتویں جماعت
شغلہ: اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: معرفت واحد خان غوث خان، جامع مسجد
چوک سلوڑ (ایم ایس)

نام: جہاں آرا [illegible]

تعلیم: میٹرک
شغلہ: بڑوں کی عزت کرنا
پتا: معرفت محمد عالمگیر سارن نرسنگ ہوم
میٹھن پورہ رمنا مظفر پور. بہار

نام: بلال اسلم داکھوڑے عمر: ۱۴ سال
تعلیم: دسویں جماعت
شغلہ: کہانیاں پڑھنا
پتا: بھوسا محلہ، پنویل ضلع رائے گڑھ ۴۱۰۲۰۶

نام: انور کمال عمر: ۹ سال
تعلیم: پانچویں جماعت
شغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: پورہ رانی، مبارک پور اعظم گڑھ یو پی

نام: ایم اے مستقیم سراج احمد عمر: ۲۰ سال
شغلہ: قلمی دوستی کرنا، نئے ہنر سیکھنا
پتا: ۲۲۰، اسلام پورہ اپسرا ہوٹل کے پیچھے
بھیونڈی ۴۲۱۳۰۲ تھانہ

نام: محمد حبیب الرحمٰن فاطمی (کمال بابو)
تعلیم: بی ایس سی
شغلہ: غریبوں کی مدد کرنا
پتا: ذکریا نگر کالونی، سعد پورہ رمنا مظفر پور بہار

نام: مسعود کلیم عمر: ۱۱ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
شغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: پورہ رانی، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

نام: ملکہ صدیقی

تعلیم: بی اے
مشغلہ: ٹینس کھیلنا، پینٹنگ بنانا
پتا: ای ۸۵، جامعہ اسٹاف کوارٹرز غفار منزل
جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

نام: ناظمین شبیر احمد
تعلیم: ایس ایس سی
مشغلہ: کتب بینی۔ قلمی دوستی کرنا
پتا: ۷، اسلام پورہ، بھیونڈی ضلع تھانہ

نام: فرحانہ نازنین
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: معرفت اقبال خان محبوب خان، جامع مسجد
چوک سلوڑ، اورنگ آباد

نام: محمد افتخار احمد محمد حنیف
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: دینی و دنیاوی معلومات میں اضافہ کرنا
پتا: کھوڑ کا روڈ ضلع جلگاؤں، بھوساول

نام: ایم اے رؤف محسن
تعلیم: گیارھویں جماعت
مشغلہ: کتب بینی
پتا: گھر نمبر ۱۵/۳/۲ فلور ریلوے انگلش میڈیم
اسکول کے بازو، پورنا ضلع پربھنی مہاراشٹر

نام: محمد فہد پاشا
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پتنگ اڑانا، پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: پی ۱۱۹ بنگالی بازار گارڈن ریچ کلکتہ ۲۴-۷۰۰

نام: عائشہ بیدین
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: کھو کھو کھیلنا
پتا: معرفت خالد خان غوث خان جامع مسجد
چوک سلوڑ،

نام: سمیہ پروین
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: اچھی اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: معرفت واجد خان، جامع مسجد چوک سلوڑ

نام: نکہت آرا
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، بڑوں کی عزت کرنا
پتا: معرفت محمد جمال اشرف، ذکریا نگر کالونی
سعد پورہ، پوسٹ رمنا مظفر پور بہار

نام: روبانہ بیگم
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: اچھی کتابیں پڑھنا
پتا: معرفت ماسٹر افتخار احمد شاہ پور بگھونی
سمستی پور، بہار

نام: محمد منیر مناخان
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: اے، ایم وائی بلڈنگ مدنپورہ، بمبئی ۸

نام: علی مرتضیٰ کولا		تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: ہاکی کھیلنا، اچھی کتابیں پڑھنا
پتا: کولا کا ہاؤس جامع محلہ، بھٹکل کرناٹک

اقوالِ زرّیں

• کامیابی چاہتے ہو تو عظیم شخصیات کی زندگی کا مطالعہ کرو۔
• دیوار کا ہر پتھر خواہ کتنا ہی چھوٹا ہو اپنی اہمیت رکھتا ہے۔
• اگر کوئی شخص عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے تو پھر اسے خود کو عوام کی ملکیت سمجھنا چاہیے۔
• ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لینے آتی ہے۔

محمد ساجد، پُرانی بستی لال چوک لال کنواں، مبارک پور

• عقلمند: عقلمند اتفاق سے رہتے ہیں۔
• عبرت: ان لوگوں سے حاصل کرو جو اوروں کے حالات سے سبق نہیں لیتے۔
• عدل کا ایک لمحہ ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔
• سچائی کی مشعل جہاں بھی دکھائی دے اس سے فائدہ اٹھالے یہ نہ دیکھو کہ مشعل بردار کون ہے۔
• بدترین انسان وہ ہے جو گھر والوں کو تنگ کرے۔
• دانشمند کو قتل کر دیا جائے تو بیوقوف ان کا بدل نہیں ہو سکتے۔

محمد صادق محمد رحمٰن، مالک چوک امرا پور ضلع بلڈانہ

• گناہوں سے توبہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پھر دوبارہ اسی گناہ کا مرتکب نہ ہو۔
• جن کے دلوں میں خدا کا خوف ہے وہی تقوا والے ہیں۔
• نیکی سے زندگی بڑھتی ہے۔

عبدالسمیع شاہ بندری بھٹکل

• عورت کو غلام کی طرح مت مارو (حضرت عمرؓ)
• عورت اوج ثریا سے بلند ہے۔ (علامہ اقبال)
• عورت گھر کی روشنی ہے۔ (وارث شاہ)
• عورت ایک آسمانی نور ہے جس سے کائنات روشن ہے۔ (رسول اکرمؐ)

محمد تبریز اختر، بسرا ضلع سندر گڑھ اڑیسہ

• کسی سے نیکی کر کے بدلے کی توقع مت رکھو کیونکہ بھلائی کا بدلہ انسان نہیں بلکہ خدا دیتا ہے۔
• غصہ ہمیشہ حماقت سے شروع ہوتا ہے اور ندامت پر ختم ہوتا ہے۔
• ذلت اٹھانے سے بہتر ہے تکلیف اٹھالو۔
• مسکراہٹ روح کا دروازہ کھول دیتی ہے۔

نعمان عبدالغفار، ۱۱/۵۰ مشرقی اقبال روڈ مالیگاؤں

• دنیا میں ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہیں مگر تم ان کانٹوں کے درمیان گلاب کا پھول بن کر جیو۔ (ماہر القادریؒ)
• نیک بنو، ایک رہو۔ (قاری محمد طیبؒ)
• جنت تلواروں کی چھاؤں کے نیچے ہے۔

عبداللہ ہلال، ۴۸-۱۰ کمال پورہ، مالیگاؤں

• ڈرنا ہے تو اس دن سے ڈرو جس دن خدا کے سامنے جواب دہ ہونا پڑے گا۔
• ڈرنا ہے تو ان اعمال سے ڈرو جو تمہیں جہنم میں لے جائیں گے۔
• رونا ہے تو ان گناہوں پر رو جو تم کر چکے ہو۔
• اصلاح کرنی ہو تو اپنے نفس کی کرو۔
• بچنا ہے تو گناہوں سے بچو۔

عبدالوحید بن عبدالرشید، دیوان پورہ، منگرول پیر

• حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی شخص کو ایسی حالت میں موت آئے کہ اس کا یقین اور اعتقاد اس امر پر تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تو وہ شخص جنت میں داخل ہوگا (مسلم)
• رسول کریمؐ فرماتے ہیں اعمال کے ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ہر آدمی کو وہی حاصل ہوگا جو اس کی نیت ہے۔ (بخاری)
• حضور اکرمؐ نے فرمایا اگر قرآن اور میری سنت کو مضبوطی سے پکڑے رہوگے تو کبھی بھی گمراہ نہ ہوگے۔ (حاکم)
• آقائے نامدار کا ارشاد ہے کہ جو شخص اس طرح صدقہ دے کہ داہنے ہاتھ کی خبر بائیں ہاتھ کو نہ ہو تو وہ شخص قیامت میں عرش الٰہی کے سایے میں ہوگا۔ (بخاری)

عابد علی خاں شیروانی ۔ مالیر کوٹلہ، پنجاب

• گناہوں سے پاک شخص دلیر ہوتا ہے اور جس میں کوئی عیب ہو وہ بزدل بن جاتا ہے۔ (حضرت علیؓ)
• جو شخص دین کا علم غیر اللہ کے لیے سیکھے وہ اپنے اس گھر میں ٹھہرنے کے لیے تیار ہوجائے جو دوزخ میں ہے۔ (ابو داؤد)
• احمقوں سے تعریفی کلمات سننے کے بجائے عقل مندوں کی پھٹکار سننا کہیں اچھا ہے۔ (انجیل)

مرزا شاہین بارسی ٹاکلی

• نماز چھوٹے بڑے کی تفریق مٹاتی ہے۔
• نماز ہم کو بے حیائی اور برے کام سے روکتی ہے۔
• نماز ہم کو اوقات کی پابندی کی تعلیم دیتی ہے۔
• نماز جنت کی کنجی ہے۔
• نماز ارکان اسلام کا ایک رکن خاص ہے۔
• نماز آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔
• قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

عرفان الحق آرزو، زبیری لاج بھولا، علی گڑھ

• ہم احترام کرتے ہیں ان کا جو پنج گانہ نماز ادا کرتے ہیں۔
• ہم عزت کرتے ہیں، ان کی جو بڑوں کی عزت و احترام کرتے ہیں۔
• ہم احترام کرتے ہیں ان کا، جو قوم کی سچی خدمت کرتے ہیں۔
• ہم عزت کرتے ہیں ان کی، جو زندگی کے ہر موڑ پر سچ بولنا پسند کرتے ہیں۔

ایس۔ اے سلمہ، محلہ چھجو، چمن ٹولی، بہار شریف

• کسی سے دشمنی مت رکھو
• جاہل سے دوستی مت رکھو
• کسی کا احسان مت رکھو
• زندگی کا بھروسا مت رکھو
• کسی کے لیے دل میں نفرت مت رکھو
• کسی کو دھوکے میں مت رکھو

سلیم جاوید، یونس ماسٹر، اسلامی ادارہ کلگاؤں

• لوگو! بندگی اختیار کرو اس رب کی جو تمھارا اور تم سے قبل جو لوگ گزرے ہیں ان سب کا خالق ہے۔ (ق)
• جو شخص میری امت کے عام بگاڑ کے زمانے میں میرے طریقے پر چلے گا اس کو سو شہیدوں کے برابر اجر ملے گا۔ (ح)

• جان بوجھ کر حق بات کو نہ چھپاؤ جس بات کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ (ق)

• رشوت دروازے سے داخل ہوتی ہے تو امانت کھڑکی کی راہ سے نکل جاتی ہے۔ (ح)

• اے لوگو، جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے بال بچوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ۔ (ق)

• باپ کا کوئی عطیہ بیٹے کے لیے اس سے بڑھ کر نہیں کہ اس کی تعلیم و تربیت کرے۔ (ح)

• کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم بے فائدہ پیدا کیے گئے ہو؟ اور تم پر کچھ فرض نہیں ہے۔ (ق)

فاروق اعظم، حلیم کالج عظیم آباد کالونی، پٹنہ

• عورت کا زیور سونا نہیں حیا ہے۔

• عورت گھر کی چہار دیواری کا ہے۔

• عورت میں بگڑے ہوئے کام بنانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔

• عورت مردوں کے لیے آسمانی تحفہ ہے۔

• عورت گھر کی زینت ہے۔

صہیب احمد متعلم جامعہ سراج العلوم، بونہ بہار

• لوگوں کو حکمت اور اچھی نصیحت سے اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ۔ (سورۃ النحل۔ ۱۲۵)

• اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ (سورۃ الحجرات ۱۰)

• بیشک اوقات مقررہ پر صلوٰۃ کی ادائیگی مومنوں پر فرض ہے۔ (النساء ۱۰۳)

• لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو خانۂ کعبہ تک جانے کی استطاعت رکھے حج کرے۔ (سورہ آل عمران ۹۷)

• رسول جو تمہیں دیں لے لو اور جس سے روکیں باز رہو۔ (الحشر ۷)

• گناہ اور سرکشی میں کسی کے ساتھ تعاون نہ کرو۔ (المائدہ ۲)

بدر عالم کیشہاری، مدرسہ عثمان بن عفان، نئی دہلی ۲۵

زندگی

زندگی ایک مقابلہ ہے	سامنا کرو
زندگی ایک امتحان ہے	کامیابی حاصل کرو
زندگی ایک وعدہ ہے	پورا کرو
زندگی ایک عزم ہے	ہمت کرو
زندگی ایک سفر ہے	طے کرو

ظہور اکرمی شاذلی اسٹریٹ بھٹکل، کرناٹک

میرے پسندیدہ اشعار

[illegible] میں
اپنے اشعار لکھ دیتے ہیں۔ براہِ کرم اس کالم
میں صرف اپنے بزرگ شعرا کے وہ اشعار لکھیے
جو آپ کو پسند ہوں۔ (ادارہ)

میرے خدا مجھے لاکھوں میں چھانٹ کر دے دے
وہ لوگ جو کانٹوں میں ساتھ دیتے ہیں

محمد حنیف ایم نگارچی، نیر جامع مسجد بیجاپور

لٹو دکھائی دے کبھی پیڑا دکھائی دے
راتوں کو یار و خواب میں کیا کیا دکھائی دے

صفیہ فاطمی علیم کالج عظیم آباد کالونی پٹنہ

میں بتاؤں تجھ کو تابع جو ہے فرق تجھ میں مجھ میں
میری زندگی تلاطم تیری زندگی کنارہ

تابع عالم۔ ہلدی کھوڑا۔ کشن گنج۔ بہار

کھلے دشمن کا استقبال بھی منظور ہے لیکن
خدا محفوظ رکھے دوست کے ذہنی تعصب سے

رحما کوثر بنت محمد ضیاء الدین، حافظ پورہ منگرول پیر

لینے سے تاج و تخت ملتے ہیں
مانگنے سے بھیک بھی نہیں ملتی

امتیاز قریشی، ایف ۱۲ ملت کالونی بنگا کاردار

کیا خوب انجمن بھی تیری انجمن میں ہے
جو رکن بھی حضور کے ہے وہ امن میں ہے

ناظمہ بانو داؤد خان اسلام پورہ ایوت محل

کنویں میں تو نے یوسف کو جو دیکھا بھی تو کیا دیکھا
ارے غافل جو مطلق تھا مقید کر دیا تو نے

جاوید احمد ملاں، گاندھی نگر تیلی، کرناٹک

دکھوں کا احساس نہ مارا جائے
آج ہی کھول کے ہارا جائے
سوچنے بیٹھیں تو اس دنیا میں
ایک لمحہ نہ گزارا جائے
ڈھونڈتا ہوں میں زمین اچھی سی
یہ بدن جس میں اتارا جائے

انصاری عارف نظام پورہ، بھیونڈی

تو بھی اُڑ جائے گا سوکھے ہوئے پتے کی طرح
تتلیاں بھاگ کے ہاتھوں میں پکڑنے والے

کفایت اللہ خاں بہرائچی، مدرسہ فرقانیہ محمود آباد سیتاپور

زہر آلود ہواؤں کا تسلط ہو جہاں
اپنے گلزار کا ماحول بدل کر رکھ دو

فریدا حمد نیپالی، بچوں کی لائبریری کرشنا نگر نیپال

کہاں گئے وہ شناسا وہ اجنبی چہرے
اُجاڑ سی نظر آتی ہے ہر گلی اب تو

محمد اشفاق خاں، این آر آر ہوڈ اسکول

مجھ سے امیرِ شہر کا ہوگا نہ احترام
میری زباں کے واسطے تالے خرید لو

حافظ زید راحیل احمد، ملک پورہ بہرائچ

مجھ اس طرح سے ہم پہ ستم کر رہے ہو تم
دنیا سمجھ رہی ہے کرم کر رہے ہو تم

●

ایسا نہ ہو تمھارا بھی سر ٹھوکروں میں ہو
ہر باوقار سر کو قلم کر رہے ہو تم

ابو اسامہ ابن فہیم سرلسے سیر اعظم گڑھ یوپی

جب تیری ذات سے حد درجہ ہوئی مایوسی
حال دل تب ہی زمانے کو سنایا ہم نے

عبدالقدوس (پتا نہیں لکھا) راولکیلا

تاریخ کے اوراق پہ لکھا ہے لہو سے
انسانوں کو انسانوں سے اللہ بچائے

●

یہ کس کا ہاتھ ہے پھر کاٹ کیوں نہیں دیتے
جو سارے شہر کی شمعیں بجھائے دیتا ہے

ارجمند عالم لکشمی پور چاکند گیا

اداس شاموں کو کیا دیکھ دیکھ روتے ہو
ابھی تو آئیں گی راتیں لہو اگلنے کی

نوید احمد جھلجھلی ـ بہادر گنج کشن گنج بہار

جب کہ دو موذیوں میں ہو کھٹ پٹ
اپنے بچنے کی فکر کر جھٹ پٹ

عاصم شبیر، متعلم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شعلہ بھی تیرے سامنے گلزار بنے گا
جس دن کہ تو محمد کا وفادار بنے گا

عشق کی آگ جو شعلے بھڑکے سینے میں ہر کا
دل کا کعبہ میں بسا آگ سینے میں رہا

[illegible]

اللہ کے بندوں کا دل روز دکھاتے ہو
دنیا ہی سے غافل ہو کیا دین کماؤ گے

●

کسی کا درد ہو اپنا ہی درد ہے یارو
جہاں جہاں بھی ملے غم بٹورتے جاؤ

رخصت شمشاد آزاد ہائی اسکول چاکند گیا

مری نیام سے تلوار جب بھی نکلی ہے
منافقوں نے اطاعت قبول کر لی ہے
ہمارے عہد کی سچائی لکھنے والوں نے
ضمیر بیچ کے دولت قبول کر لی ہے

●

خدا کے خوف کو رخصت ہوئے زمانہ ہوا
یہ دور آیا ہے بس آدمی سے ڈرنے کا

جاوید اقبال صدیقی، ڈوبو، چاکند گیا بہار

دکھ درد کے مارے ہیں شکوہ بھی کریں کس سے
اس نے بھی جلیں لوٹا تم نے بھی دغا دی ہے

محمد اظہار الحق لکشمی پور گیا بہار

سلیقہ ہم کو آیا ہی انساں پہ کھنے کا
وگرنہ خاک سے بھی لوگ سونا چھان لیتے ہیں

حفصہ حجازی میتاپور ضلع مظفر پور

مرد جب تک صاحب سیف و قلم ہوتا نہیں
اہل عالم کی نظر میں محترم ہوتا نہیں

توقیر احمد کامران ڈھوریہ سوناپور اررریہ بہار

زباں پہ درد بھری داستاں چلی آئی
بہار آنے سے پہلے خزاں چلی آئی

احفاظ احمد خاں فرید خاں [illegible]

دل کا کسی کو راز بتایا نہ کیجیے!
اپنا مذاق آپ اڑایا نہ کیجیے!

مقداد احمد نثار احمد ماسٹر بک سینٹر تاج پور

نجومی مر گیا بھوکا جو تقدیریں بتاتا تھا
نہ باز آئے مگر کچھ لوگ قسمت آزمائی سے

شیخ محمد ندیم شیخ محمد عبد الرؤف محبوب گنج بیڑ

خدا بچائے میرے شہر حسن پرور کو
ہر ایک ہاتھ میں تیزاب کا پیالہ ہے

ثریا تبسم، احمد نگر، برنپور، بردوان مغربی بنگال

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

امتیاز احمد، مقام و پوسٹ ہلدیاں سیوان بہار

فضل رحمٰن ہے تو کیا ڈر ہے
حق نگہبان ہے تو کیا ڈر ہے
جس کی کشتی کا ناخدا ہے خدا
لاکھ طوفان ہے تو کیا ڈر ہے

سرفراز عالم ڈیہلی بزرگ ضلع مظفرپور بہار

وقت جینے کا خود انداز سکھا دیتا ہے
فاتح گل چیں کے تلوار تھما دیتا ہے

●

برس پڑیں گی گھٹائیں اُڑے رحمت کی
تو سر جھکا کے ذرا اشک بار ہو تو سہی

●

تم چلو اس کے ساتھ یا نہ چلو
پاؤں رکتے نہیں زمانے کے

محمد عبد الخالق قاضی پورہ بھگتیال

انجام کی تلخی کا احساس نہ کر پہلے
پھولوں کی طلب ہے تو کانٹوں سے گزر پہلے

★

آرزو جینے کی ہے تو جی چٹانوں کی طرح
ورنہ پتے کی طرح تجھ کو ہوا لے جائے گی

اشفاق احمد، سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

دینے والے کسی کو غریبی نہ دے
موت دے دے مگر بدنصیبی نہ دے

محمد عمران عالم سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

غریبی توڑ دیتی ہے جو رشتہ خاص ہوتا ہے
پرائے اپنے ہوتے ہیں جب پیسہ پاس ہوتا ہے

سفیان احمد ڈی پی ایس اسکول کانپور

یہ فتور زندگی ہے یا شعور آگہی؟
جی رہے ہیں آدمی طرز حیوانی کے ساتھ

عبد الصبور، جھنڈا نگری، سکریٹری بچوں کی لائبریری نیپال

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

شیریں گڑیا اعظمی کمراواں اعظم گڑھ یو۔پی

چشم اقدام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعت شان رفعنا لک ذکرک دیکھے

اظہر شباب اعظمی، اصغر شباب اعظمی کمراواں اعظم گڑھ

کہ ہم سے بھی اس کشور دلکش کا فسانہ
گاتا ہے قمر جس کی محبت کا ترانہ

عاطف شہاب، آصف شہاب کمراواں اعظم گڑھ

برق و باد کی یورش ہے سر پہ طوفاں
ابھی تو وقت ہے شاہیں اڑان بھرنے کا

تیرا عزم، عزم محکم ذرا بھر اڑان شاہیں
ہیں فلک کی وسعتیں کیا تیرے بال و پر کے آگے

مظفر نقیب صدیقی موضع ڈوبا بارا، چکندو گیا بہار

مشکلوں سے کبھی نہ گھبرانا
مشکلیں آزمانے آتی ہیں

محمد مشتاق احمد عبدالمناف اسلام پورہ کاسودہ

پیڑ کڑوی ہے مگر دھوپ سے بچنے کے لیے
نیم کا پیڑ بھی آنگن میں لگا دیتے ہیں

شیخ اصغر شیخ غلام مصطفےٰ، قاضی نگر بھنڈارہ

گھنے درخت کے نیچے سلا کے چھوڑ گیا
عجیب شخص تھا سپنے دکھا کے چھوڑ گیا

سید اختر علی بارسی ٹاکلی آکولہ مہاراشٹر

جلائے بیٹھے ہیں ہم اس جگہ لہو کے چراغ
جہاں سحر بھی ترستی ہے روشنی کے لیے

عبدالرحمن شاکر، متعلم دارالعلوم سبیل الرشاد بنگلور

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

ابو اسامہ اعظم گڑھ

کیا حقیقت مال کی ہے خون بہایا کیجیے
نیک کاموں کے لیے دولت لٹایا کیجیے

[illegible]

باغ جنت میں محمد مسکرائے جائیں گے
پھول رحمت کا گرے گا ہم اٹھائے جائیں گے

ارشاد احمد نانپور، دیا پوری، سیتامڑھی بہار

اندر کے چھچھلے پن کا ملے کس طرح سراغ
اندازہ لوگ کرتے ہیں اجلے لباس سے

زاہدہ انجم نجم الدین خلیم، [illegible]

کسی حسین کی دنیا میں آمد آمد ہے
یزید چاروں طرف آج پائے جاتے ہیں

محمد مبین اختر، بستہ، پوسٹ بڑا مجلس پور، اتر دیناجپور

کاٹ کر زبان میری کہہ رہا ہے وہ ظالم
اب تمہیں اجازت ہے حال دل سنانے کی

جاوید اقبال، دیوان پورہ، منگرول پیر، آکولہ

فلک کو ضد ہے بجلیاں گرانے کی
ہمیں بھی آرزو ہے آشیاں بنانے کی

صوفیہ غنی شاہ، وارڈ نمبر ۲ شری رام پور، احمد نگر

زاہد شراب پینے دے مسجد میں بیٹھ کر
یا وہ جگہ بتا جہاں پر خدا نہ ہو

ملک سنجری سنجر پور اعظم گڑھ یوپی

جلال بادشاہی ہو یا جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

تمیز احمد خان اسلامیہ عربک کالج، منصورہ

اس دور کا منظر الٹا نظر آتا ہے
لیلیٰ نظر آتا ہے مجنوں نظر آتی ہے

[illegible]

میں پیام تعلیم کا مطالعہ آٹھ سال سے کر رہا ہوں میں ہر ماہ پیام تعلیم کا انتظار بے صبری سے کرتا ہوں۔ ماہ ستمبر کا پیام تعلیم ملا۔ پڑھ کر دل خوش ہوگیا اس میں سب ہی چیزیں قابلِ تعریف ہیں۔ مجھے یہ رسالہ کافی پسند ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ رسالہ ہم بچوں کے لیے کافی مفید ہے۔ اس کے پڑھنے سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ پیام تعلیم سچ مچ تمام رسالوں میں گلاب کے مانند ہے۔

محمد امجد اقبال، السبیل اکیڈمی اررریہ بہار

● ستمبر کا پیام تعلیم پڑھا۔ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ میں نے بہت سارے رسالے پڑھے لیکن مجھے تمام رسالوں میں پیام تعلیم بے حد پسند آیا۔ خاص طور سے اس میں لطیفے، اقوال زریں اور معلومات بہت پسند آئے۔

نادیہ اختر، ڈوبھی احمد نپور، اررریہ بہار

● میں نے تین قارئین پیام تعلیم کے لیے تیار کیے تھے۔ اب انھیں پیام تعلیم پڑھنے کا بڑا شوق پیدا ہوگیا ہے اور یہ تینوں بکار پورہ سے پیام تعلیم خرید رہے ہیں۔ میرے گھر کے تمام چھوٹے بھائی بہن پیام تعلیم بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔ میں ایک مضمون لکھنا چاہتا ہوں جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی زندگی پر، آپ اسے شائع کریں گے یا نہیں، یہ سوچ رہا ہوں۔ اس سے پہلے کبھی کسی رسالہ میں مضمون نہیں لکھا ہے۔ خدا کرے بسم اللہ پیام تعلیم سے ہی ہو۔

نوید مولانا آزاد وارڈ پانڈر کوڑا

● میں پیام تعلیم کا ایک پرانا قاری ہوں اور پابندی سے ہر ماہ کسی طرح حاصل کر کے ضرور پڑھ لیتا ہوں، آج سے کچھ ماہ قبل یہ بات پڑھنے میں آئی تھی کہ کچھ لوگ مسلسل پیامی بھائیوں کی تعداد اور اردو حلقے کو وسیع کرنے میں مسلسل جدوجہد کر رہے ہیں اور کچھ لوگوں کے نام بھی گنائے تھے، بلا شبہ وہ لوگ قابل مبارک باد ہیں کہ اردو جیسی میٹھی اور شیریں زبان کی اشاعت اور بڑھاوے میں لگے ہوئے ہیں یقیناً وہ اردو زبان کے سچے اور مخلص دوست ہیں۔

اشفاق احمد، سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

● میں پیام تعلیم تقریباً پانچ سالوں سے پڑھ رہا ہوں اس رسالے سے میری معلومات میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ آپ اس شمارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات دیجیے۔

سید عامر علی سید منصور علی ست نامدیو نگر، بیڑ

● ستمبر کا پیام تعلیم ملا۔ تو اس میں اپنا خط آدھی ملاقات کے کالم میں نہ پاکر بے حد افسوس ہوا اس بار معلومات کا کالم میں بھی شامل نہیں تھا۔

آخر پیامی بھائی آپ سے انعامی مقابلے کی درخواست کرتے ہیں لیکن آپ نہ تو ان کے سوالوں کے جواب دیتے ہیں اور نہ ہی انعامی مقابلہ شروع کرتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ آپ یا تو انعامی مقابلہ شروع کریں گے یا پھر ان کو مقابلہ شروع نہ کرنے کی وجہ بتائیں گے۔

[illegible] جمیل ہاؤس مالیر کوٹلہ

● اگست کا تازہ شمارہ اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ دستیاب ہوا جس کے مضامین، کہانیاں اور دیگر کالم کے مطالعے سے دل جھوم اٹھا۔ میں نے ایک حکایت آپ کی خدمت میں ارسال کی تھی جسے اس شمارے میں جگہ دے کر آپ نے مجھ پر بڑا احسان کیا۔ میں نہیں سمجھتا تھا کہ میری تحریر اس لائق ہوگی۔ بہت بہت شکریہ۔

امتیاز احمد مقام پوسٹ ہلدیان ضلع سیوان بہار

● آپ کا رسالہ پیام تعلیم مسلسل امجدی لائبریری کے توسط سے پڑھتا ہوں۔ مضامین پڑھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے۔ بالخصوص اگست کے مضامین کافی پسند آئے۔ میں دعا کرتا ہوں کہ اسی طرح اچھے اچھے مضامین شائع ہوں، اور یہ بھی دعا ہے کہ یہ رسالہ تادیر قائم رہے۔

محمد مظفر رضا نیر [illegible] جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی یوپی

● جولائی ۱۹۹۵ء کے شمارے میں میری کہانی "ایک سوال کے دس جواب" آپ نے پیام تعلیم میں شائع کی۔ میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ امید ہے کہ آپ میری کہانیاں "[illegible]" پیام تعلیم میں برابر شائع کریں گے۔

[illegible]

● میں پیام تعلیم کا دوست ہوں۔ آپ کا رسالہ مجھے بہت پسند ہے۔ اس میں اشعار، معلومات، اقوال زریں، بچوں کی کوششیں وغیرہ بہت اچھے ہیں۔ میں آپ کو مشورہ دینے کے لائق تو نہیں لیکن پھر بھی ایک التجا ہے کہ آپ پیام تعلیم میں سوال و جواب شروع کریں۔ سوال ہم لوگ کریں اور جواب آپ دیں۔ اس سے سب کو مزہ بھی آئے گا۔ اور ہاں آپ پھر سے انعامی مقابلہ شروع کریں۔

۔ حنیف ایم نگاری نیر جاج [illegible]

● اگست ۱۹۹۵ء کا شمارہ ملا۔ سبھی کہانیاں پسند آئیں۔ "بچوں کی کوششیں" میں اپنی کہانی "[illegible]" دیکھ کر دل خوشی سے جھوم اٹھا۔ یہ کہانی میں نے تقریباً ایک سال پہلے روانہ کی تھی۔ خیر میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری کہانی کو پیام تعلیم میں جگہ دی۔ میں اللہ سے دعا گو ہوں کہ پیام تعلیم دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین

محمد یحییٰ خان، ظفر خان ناز، عزیز پورہ، بیڑ مہاراشٹر

● اگست ۱۹۹۵ء کے شمارے میں سبھی مضمون دلچسپ رہے لیکن ان میں سے سب سے اچھا مضمون "دل کی باتیں" ہیں لکھنے والے مسعود احمد برکاتی ہیں۔ ان کو بہت بہت مبارکباد۔ اس شمارے میں دوسرے مضامین (ذہانت اور ظرافت کا بادشاہ بیربل، گدگدیاں، مرار جی ڈیسائی (سابق وزیر اعظم)) بہت اچھے رہے۔

شیخ محمد اکرام الدین اٹوڈ گمبھیر

● مجھے یہ اعلان کرتے ہوئے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ ہم مبارکپور کے پیامیوں نے مل کر ایک

کلب بتایا ہے جس کا نام انصار کلب ہے۔ سب ہم جو بھی کہانی، لطیفے، اقوال زریں، آدھی ملاقات، قلمی دوستی کے لیے کچھ لکھیں گے تو ہم آپس میں ایک دوسرے کو سنا کر پیام تعلیم میں شائع کرنے کے لیے بھیجیں گے۔ ہم اس کلب کے ذریعے اردو کو بڑھاوا دیں گے۔ ہم پیامی بھائیوں سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے کلب کے ممبر سے خط کے ذریعے دوستی بڑھائیں اور اس کلب کے کسی بھی ممبر سے انٹرویو لے سکتے ہیں ہمارے کلب کے ممبران یہ ہیں۔ شاہد جمال، بدرالحق، معین الدین، جمال الدین، فیضان، امتیاز احمد، اختر جمال۔ خط اس پتے پر لکھ سکتے ہیں۔

بدرالحق انصار کلب، محلہ پورہ رانی مبارک پور ضلع اعظم گڑھ۔ یو۔پی ۲۷۶۴۰۴

● ماہ ستمبر کا پیام تعلیم جلوہ افروز ہوا۔ سبھی کالم بے حد دلکش تھے۔ ہم شکل ہم راز، کا تو کہنا ہی کیا۔ بڑے انتظار کے بعد جب پیام تعلیم کا دیدار ہوتا ہے تو دو ہی دن میں رسالے کا مطالعہ کر لیتا ہوں۔ میری آپ سے درخواست ہے کہ کوئی انعامی سلسلہ شروع کریں جیسا کہ محمد یحییٰ بھائی نے کہا ہے۔ "لڈو کا سوال" تین بج کر دس منٹ" احساس، اقوال زریں، بچوں کی کوششیں بہت اچھی لگیں۔ اللہ تعالیٰ سے التجا ہے کہ پیام تعلیم دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

ارشاد احمد انصاری دھتورہ سلطان پور یوپی

● اگست کا پیام تعلیم نظر نواز ہوا۔ اس بار ہم شکل ہم راز، بہت خوب تھا اس کی آیندہ قسط کا انتظار ہے۔ آدھی ملاقات میں صفحہ ۲۰ کے آخری خط میں میری جو شکایت کی گئی ہے اسے میں تسلیم کرتا ہوں

اور معذرت خواہ ہوں مگر میری یادداشت کے مطابق میں نے شعر صحیح لکھا تھا۔ شعر اس طرح تھا

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی

مگر یہ کتابت کی غلطی بھی ہو سکتی ہے مثلاً اسی پیام تعلیم میں صفحہ ۵۰ کے دوسرے کالم میں اوپر دوسرے نمبر پر تین تیزابوں کے موجد کا نام جابر بن حسان لکھا ہے جبکہ اس کا نام جابر بن حیان تھا صفحہ ۵۰ پر قلمی دوستی کے سب سے آخر میں نام دیا ہی نہیں گیا جبکہ تعلیم، مشغلہ اور پتا درج ہے۔ یہ بھی کتابت کی غلطی ہی ہو سکتی ہے۔ ظاہر ہے کوئی پیامی بھائی ایسا نہیں کر سکتا۔ ویسے میں محمد شاکر صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے میری اس غلطی پر سے پردہ اٹھایا۔

نوٹ: یہ غلطی عرفان میاں کی نہیں ہمارے پروف ریڈر صاحب کی غلطی ہے۔ (ادارہ)

سید عرفان احمد محلہ قاضیاں چوہٹہ مالیر کوٹلہ پنجاب

● میں تمام پیامی بھائیوں، بہنوں کو یہ غمناک خبر دے رہا ہوں کہ میرے دوست کے والد حافظ عبدالعزیز صاحب کا انتقال ہو گیا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

مرحوم بہت نیک آدمی تھے۔ تمام پیامیوں اور پیام تعلیم کے اسٹاف سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

محمد انصار اقبال مقام کرسید ملا ہو پیرا، دھولیہ

ویسے تو میں عرصہ دراز سے پیام تعلیم کا مطالعہ کر رہا ہوں مگر پہلی بار خدمت اقدس میں چند سطور لکھ رہا ہوں کہ آپ بھی مجھے آدھی ملاقات کالم میں شامل کریں۔ سارے مضامین قابل

تعریف ہیں خصوصاً تین بج کر دس منٹ، بہت پسند آیا۔

عبدالصمد قاسمی، بابر لاج شیر محمد بیگو، دربھنگہ بہار

● پیامِ تعلیم ملا اور ہمارے گھر کے سب لوگوں نے پڑھا سب کو بہت پسند آیا اور میری دلی خواہش ہے کہ میں بھی کچھ اشعار، لطیفے اور کہانی آپ کو بھیجوں۔ اگر آپ نے کہا تو میں پوسٹ سے روانہ کردوں گا۔ میری عمر ۱۲ سال ہے لیکن لکھنے کا بہت شوق ہے۔

محمد عتیق — سنگا ڈیں ایوت محل

● ماہ جولائی کا پیامِ تعلیم نظر نواز ہوا سب ہی مضامین بہت پسند آئے اور خاص کر گدگدیاں اور اشعار بہت پسند آئے اور اس رسالہ میں سبق آموز قصہ، کہانی اور سائنسی معلومات بہت اچھی ہے۔ میں اس سے کافی خوش ہوں۔

محمد انیس احمد نجیب الدین کوہ نور سوسائٹی ایوت محل

● میں پیامِ تعلیم کا قریب دس سال سے مطالعہ کر رہا ہوں لیکن آج کل ہمارے کچھ دوستوں سے شکایت مل رہی ہے کہ پیامِ تعلیم میں اب انعامی مقابلہ وغیرہ نہیں چھپتے ہیں اس لیے وہ کچھ مایوس ہوجاتے ہیں اس لیے میں ایڈیٹر صاحب سے درخواست کرتا ہوں کہ اس بارے میں کچھ کارروائی کریں۔

انیس حامد حسن جاوید — رفیع گنج اورنگ آباد بہار

● میں ماہ اگست کے پیامِ تعلیم میں اپنا نام دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ننھا کالم بچوں کی نگارشات میں کہانی محنتی سدھو کی مسکراتی زبان واقعی انعام کا مستحق اور قابلِ تعریف ہیں۔ انھوں نے

واقعی بہت اچھی کہانی لکھی ہے۔

رخسانہ پروین، چھپر والی مسجد اوکھلا۔ نئی دہلی ۲۵

● ہم تقریباً دو سال سے پیامِ تعلیم کا مطالعہ کر رہے ہیں۔ ماہ ستمبر کا پیامِ تعلیم موصول ہوا۔ سارے مضامین پسند آئے خاص طور پر قسط وار کہانی ہم شکل ہم راز، بہت پسند آرہی ہے۔ اقوال زریں بھی پسند آتے ہیں۔

طارق عزیز، الشبیل اکیڈمی الحرا لیونگ اریہ بہار

● ستمبر کا شمارہ اپنے پورے جاہ و جلال کے ساتھ نظر نواز ہوا۔ اسلامی مضمون حضرت عثمان غنیؓ بے حد پسند آیا۔ دونوں سائنسی مضامین بھی قابلِ تعریف ہیں اور ہم شکل ہم راز کا تو جواب ہی نہیں ایسے سنسنی خیز موڑ پر آپ ختم کرتے ہیں کہ جب تک اگلے ماہ کی قسط نہ پڑھ لوں نیند نہیں آتی ہے۔ "جاگو اور جگاؤ" تو بیشک نونہالوں کی زندگی میں انقلاب لانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تین بج کر دس منٹ، بھی کافی پُراسرار ہے لیکن بچوں کی کوششیں، تو سب سے منفرد ہیں نونہالوں میں اس سے اچھا ذوق کہاں ملے گا۔ قلمی دوستی کا کالم تو بچ بچ "دوستی" جیسے شعور کے لیے ایک نایاب تحفہ ہے۔ ارے ہاں پسندیدہ اشعار تو بھول ہی گیا۔ یہ نوجوانوں کی بہترین مشغل ہے۔ ایسا رسالہ آج تک میری نظر سے نہیں گزرا۔ اللہ کرے یہ رسالہ آپ لوگوں کی سرپرستی میں دن دونی رات چوگنی ترقی کرے۔

سرفراز نظامی — انجمن مدرسہ سیوان بہار

● ماہنامہ پیامِ تعلیم نظر سے گزرا۔ اچھی آپ لوگوں نے اردو کو عام کرنے کے لیے یہ قدم

کالی سالوں سے اشتہار رسالہ مجھے بہت پسند آیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس رسالہ پیام تعلیم کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی دیں۔ آمین

عرفان شاہ۔ بالا رہے۔ آکولہ مہاراشٹر

● ماہ ستمبر کا ہر دلعزیز رسالہ پیام تعلیم موصول ہوا۔ سبھی مضامین قابل تعریف ہیں اور خاص کر احساس اور ہمیں نئی کر دس منٹ، اور بچوں کی کوششیں کے مضامین بھی بے حد پسند آیا۔

محمد سرور عالم۔ گکوڑھا۔ بائسی۔ پورنیہ۔ بہار

● ہمارے مدرسے میں مولانا ضیاء الرحمٰن صاحب ہمارے استاذ محترم وہ آپ کے یہاں سے پیام تعلیم اور دوسرے رسالے منگوا کر یہاں تقسیم کرتے ہیں مجھے ستمبر کا پیام تعلیم ملا۔ اس میں ہمیں نئی کر دس منٹ، میرے پسندیدہ اشعار اور آدھی ملاقات یہ کالم مجھے بہت پسند ہے اور اقوال زریں بھی۔

محمد نظام الدین منصوری، اسلامیہ عربک کالج منصورہ

● آج پہلی مرتبہ پیام تعلیم نظر سے گزرا۔ رسالہ اتنا پسند آیا کہ دل نے مجبور کیا کہ تمام دیگر کتابیں کو ترک کر دوں اور پیام تعلیم پڑھوں۔ تمام مضامین قابل تعریف ہیں خصوصاً حکیم صاحب کا کالم پڑھ کر معلومات میں اضافہ ہوا۔

محمد وجیہہ الحق ساکن ڈلوکھر بابو برھی مدھوبنی بہار

● ماہ جولائی کا پیام تعلیم اپنے پورے آب و تاب کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ اقوال زریں سے بہت کچھ جاننے کو ملا۔ میرے پسندیدہ اشعار بھی خوب

راہی بگھونوی، شاہ پور بگھونی، سمستی پور بہار

● ماہنامہ پیام تعلیم ہم طلبہ کا بھی جیسے مہینہ میں آتا ہے اور ہم اس کو بڑی دلچسپی سے اس کا مطالعہ کرتے ہیں اس میں میں بھی شرکت کرنے کی خواہش رکھتا ہوں۔

نعیم اختر متعلم جامعہ عربیہ عین الاسلام ہبلی کرناٹک

● پیام تعلیم ۱۲ جون کو ملا۔ ہم بہت ہی پریشان تھے کہ آخر پیام تعلیم کیوں نہیں آ رہا ہے۔ پیام تعلیم اور ساتھ ہی ایک رسید ملی جس سے ہم کو پتا چلا کر ہم نے جو پیسا بھیجا تھا وہ مل گیا۔

تنویر ذکی انصاری۔ بھلا پورہ مئو ناتھ بھنجن، مئو یوپی

● میں پیام تعلیم کا تقریباً تین سال سے مطالعہ کر رہی ہوں۔ پیام تعلیم بہت ہی خوبصورت اور دلکش ہے اس میں مجھے لطیفے اشعار اور عام معلومات بہت پسند ہیں۔

ناہید اختر محمد شبر الحق خوری مالی پورہ یت محل

● پیام تعلیم اپنی خوشبو بکھیرتا ہوا ہم دست ہوا۔ لیکن اس وقت مسرت و شادمانی کی انتہا نہ رہی جب اپنا نام پیام تعلیم میں دیکھا میں تہہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ ہماری تو خداوند قدوس سے یہی دعا ہے کہ اس رسالے کی چمک دمک ساری دنیا میں چودھویں کے چاند کی مانند چمکے اور یہ ترقی کی منازل طے کرتا رہے۔

انجم آرا محمد ذاکر اسلام پورہ کاسودہ جلگاؤں

● اگست ۹۵ء کا پیام تعلیم اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ اس کے تمام مضامین بہت پسند آئے

محمد نہال راہی شاہ پور بگھونی، سمستی پور بہار

پیام تعلیم کے مضامین پسند آئے ۔ ساتھ ساتھ گدگدیاں اور علمی روشنی بہت اچھی لگی ۔ ویسے پیام تعلیم اپنا فرض اچھی طرح نبھا رہا ہے ۔

محمد ضیاء المصطفیٰ عبد الہادی، مغربی چمپارن، بہار

● جولائی کا شمارہ ملا اور میں خوشی سے باغ باغ ہوگئی مگر میرے دل میں ایک حسرت ہے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ اگر پیام تعلیم میں کوئی مقابلہ ہوتا ۔ میری آپ سے عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ پیام تعلیم میں انعامی مقابلہ رکھیں ۔

بی بی جویریہ، اے گاڑگولی، کرسچن کالونی، ہبلی

● جولائی کا پیام تعلیم ملا ۔ بے حد پسند آیا خاص کر قسط وار کہانی ہم شکل ہمراز بہت پسند آئی ۔ غرض یہ کہ سارا پیام تعلیم پسند آیا لیکن اس میں ایک کمی محسوس ہوئی کیونکہ اس میں کوئی انعامی مقابلہ نہیں ۔

محمد سالک جمیل براڑ، محلہ احسان پورہ، مالیر کوٹلہ

● پیام تعلیم کا مطالعہ میں پابندی سے کرتی ہوں اس بار کافی انتظار کے بعد پیام تعلیم موصول ہوا ۔ تمام مضامین تعریف کے لائق تھے ۔ بچوں کی کوششیں گدگدیاں اور وبالِ جان، سب مجھے بہت پسند آئے ۔

صباحت زیبا قریشی، برھمی پورہ منگرول پیر

● ماہ جون کے پیام تعلیم میں 'سو برس کی نانی، پودے کی جیت، کمپیوٹر کی کہانی بہت پسند آئی ۔

محمد تعلیم خان، بیر پھیلنگ، دوسرا منزلہ، بمبئی

● جہاں جولائی کا پیام تعلیم اپنی تمام تر تابانیوں اور آب و تاب سمیت جلوہ افروز ہوا، سبھی مضامین بے حد پسند آئے ۔ میں پیام تعلیم کے حق میں یہی دعا کروں گی کہ یہ رسالہ چاند تاروں کی روشنی کی طرح چمکتا، پھولوں کی خوشبو کی طرح مہکتا، کلیوں کی طرح کھلتا اور رنگین بہاروں کی طرح سدا بہار رہے اور آپ کا سایہ اس پر ہمیشہ فگن رہے ۔ آمین

سلطانہ جہاں، محلہ اسلام پورہ کاسودہ جلگاؤں

● انکل جی یہ رسالہ ہمارے گھر کے تقریباً سبھی لوگوں کو بہت عزیز ہے ۔ ہم سب بھائی بہن اس رسالہ کا بڑی بیتابی سے انتظار کرتے ہیں اور جب یہ رسالہ چاند ستاروں کی طرح روشنی بکھیرتا ہوا ہمیں موصول ہوتا ہے تو ہم سب بہن بھائی جھگڑتے ہیں سب کا ہی منشا ہوتا ہے کہ ہم اسے پہلے پڑھیں ۔

نجمہ نکہت محلہ اسلام پورہ کاسودہ جلگاؤں

● میں نے آپ کا شائع کردہ ماہنامہ پیام تعلیم پڑھا تو میرا دل باغ باغ ہوگیا ۔

شمشاد احمد مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ مئو یوپی

● میں پیام تعلیم کا تقریباً ۲ سال سے مطالعہ کر رہا ہوں اور کالم 'میرے پسندیدہ اشعار، اقوال زریں، اور معلومات' میں حصہ لیتا رہا ہوں میرے تینوں بھائی اختر رسول، محمد ناصر، اور محمد رفیق بھی پیام تعلیم بڑے شوق سے پڑھتے ہیں ۔

شیخ اصغر شیخ غلام مصطفےٰ بھیشکر محلہ، جلگاؤں

● مجھے جولائی کا پیام تعلیم ملا۔ پڑھ کر بے حد مسرت ہوئی۔ آپ نے ہمارا شعر دیر سے ہی سہی لیکن شائع تو کیا۔ اس کی بھی بہت خوشی ہوئی یہ ایسا رسالہ ہے جو میرے دل و دماغ پر گہرا اثر کر گیا۔ اس ماہ میں بھی مضامین قابل تعریف ہیں خاص طور سے "ہم شکل ہم راز" اور "بچوں کی کوشش" قابل تعریف رہیں۔

محمد نعمت حسرت عبد اللطیف ایڈووکیٹ نگر علی پور

● اس سے پہلے میں کئی خطوط بھیج چکا ہوں لیکن کوئی خط نہیں چھپا۔ اس بار میرا نام پیام تعلیم میں ضرور چھاپ دیں۔ نہیں چھاپیں گے تو میرا دل پیام تعلیم سے ٹوٹ جائے گا۔

محمد مقصود رشید مدرسہ اسلامیہ شاہ پور دگھبنی بستی یو پی

● پیام تعلیم کا میری نظروں سے ایک ہی پرچہ گزرا جس میں "چچا لیموں" کا واقعہ بہت پسند آیا اور گدگدیاں بھی۔

عبد اللہ سلطان، اترکا پورہ، ولد پور، مئو یو پی

● اس ماہ کا پیام تعلیم اپنی تمام خوشبو کی مہک پھیلاتے ہوئے ملا۔ الحمد للہ ہر ماہ کی طرح اچھا لگا "ہم شکل ہم راز" اور اشعار کا کالم بھی اچھا لگا۔
ہمارے بھائی ارشاد احمد انور باغبان، کا عقد مسعود مہر النساء بنت ریاض انعام اللہ ساکن اکشنی سے ۲۱ جولائی کو ہوا۔ میری تمام پیامی بھائی بہنوں سے درخواست ہے کہ ان کی کامیاب ازدواجی زندگی کے لیے دعا کریں۔

محمد شعیب باغبان، کرناٹک سوپ فیکٹری اکشنی

● پیام تعلیم (اگست میں)، الہ دین اور چالیس دیوہ

کا قصہ بہت پسند آیا۔ اس کے علاوہ لطیفے کہانیاں بھی پسند آئیں۔

محمد رفیق بھائی منشی ماڈی کلیانی نمبر ۱۱ کاتی چوک پربھنی

● ماہ جولائی کا پیام تعلیم چاندنی کی طرح چمکتا ہوا دستیاب ہوا۔ اس مہنگائی کے زمانے میں بھی پانچ روپے میں اتنا اچھا رسالہ مل سکتا ہے؟

تاصح عالم ہلدی کھوٹا کشن گنج بہار

● ماہ اگست کا پیام تعلیم صحیح وقت پر جلوہ افروز ہوا۔ ذہانت اور ظرافت کا بادشاہ بیربل کے قصے بہت ہی مزےدار لگے۔ دل کی باتیں اور نظام شمسی کے سیارے بھی بہت اچھا مضمون ہے۔ اس ماہ کی کہانیاں اور لطیفے بھی پسند آئے۔

فرزانہ عابدی۔ محلہ قاضی پور، قصبہ نگر ضلع بستی

● مجھے پیام تعلیم پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ میں اس میں حصہ لینے کے لیے ایک چھوٹا سا مضمون لکھ رہا ہوں۔ امید ہے کہ آپ وہ مضمون شائع کریں گے۔

سید سلطان بکاری کالونی، شیروڑ، کرناٹک

● اس ماہ کے تمام مضامین معلومات سے بھرپور تھے مگر کہانیوں کی کمی محسوس ہوئی۔ بچوں کی کوشش کالم میں ہر ماہ تین اچھی تحریروں پر انعام بھی دیا کریں تاکہ نئے قلم کاروں کی حوصلہ افزائی ہو سکے۔
پیامی ادبی معمہ کا سلسلہ بند کر کے آپ نے ہماری دلچسپیاں ختم کر دی ہیں۔ میری گزارش ہے کہ اس سلسلے کو قائم کریں۔

امتیاز گل، پرانی بستی، مبارک پور [illegible]

دفتر پیام تعلیم میں حل وصول ہونے کی آخری تاریخ ۳۰ نومبر ۱۹۹۵ء	**پیامی ادبی معما نمبر 91**	فیس داخلہ کوئی نہیں آپ جتنے حل چاہیں بھیج سکتے ہیں لیکن ہر حل کے ساتھ ایک کوپن کا ہونا ضروری ہے

600 روپے کے نقد انعامات

پہلا انعام: صحیح حل پر مبلغ 400 — دوسرا انعام ایک غلطی والے حل پر 200 روپے کی کتابیں

تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں۔ جس لفظ کو آپ صحیح سمجھتے ہوں اسے ہی نمبر وار لکھیے

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ۔۔۔۔۔۔ میں نہاتے تھے — غسل خانے / اندھیرے گھر / بند کرے
۲۔ حضرت امام ابو حنیفہ کا پورا نام ۔۔۔۔۔۔ ہے — نعمان بن ثابت نعمانی / نعمان بن ثابت / نعمان بن ثابت کوفی
۳۔ ۔۔۔۔۔۔ ایک سو دس سال کی عمر پائی — حضرت یوسف / حضرت داؤدؑ / حضرت عیسیٰ
۴۔ بادشاہ اور ۔۔۔۔۔۔ کو شہزادے کی دوبارہ واپسی کی بہت زیادہ خوشی ہوئی — رعایا / بانی / وزیر
۵۔ یہ کتاب کا سب سے پرانا ۔۔۔۔۔۔ ہے — قاعدہ / اصول / ورق
۶۔ حضرت صفیہؓ کے باپ اور بھائی بھی جنگ ۔۔۔۔۔۔ میں کام آئے — احد / بدر / خیبر
۷۔ مولانا حسرت بھی ۔۔۔۔۔۔ کے متوالے تھے — آزادی / اردو / شاعری
۸۔ الیاس احمد مجیبی ۔۔۔۔۔۔ کے ایک ادیب تھے — اردو / بچوں / شاعری

ادھر اُدھر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ ان تمام سوالوں کے جوابات مطبوعات مکتبہ پیام تعلیم کی کتابوں میں ملیں گے

شرائط پیامی ادبی معما (۱) فیس داخلہ کوئی نہیں ہے۔ ہر حل کے ساتھ پیامی ادبی معما کا کوپن ہونا ضروری ہے (۲) حل روشنائی سے صاف صاف لکھا ہونا چاہیے۔ مشکوک پائے جانے والے حل قابل قبول نہ ہوں گے (۳) اگر کسی انعام کے مستحق ایک سے زیادہ ہوں [illegible] تقسیم کر دیا جائے گا [illegible]

اپنے حل اس پتے پر بھیجیے

پیامی ادبی معما نمبر 91 ماہنامہ پیام تعلیم جامعہ نگر نئی دہلی

کوپن: پیامی ادبی معما [illegible]
PAYAM-E-TALEEM ADBI MUAMMA [illegible]

اس کالم میں صرف وہی تحریریں شامل کی جاتی ہیں جو پہلے شائع نہ ہوئی ہوں اور خوشخط، ایک سطر چھوڑ کر لکھی گئی ہوں۔

(ادارہ)

ثبوت

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک بزرگ کا گزر ایک دانا بڑھیا کے پاس ہوا، دیکھا کہ وہ عورت چرخہ کاتنے میں مصروف ہے۔ اس بزرگ نے سلام کیا اور پوچھا کیوں بڑی بی ساری عمر چرخہ کاتنے میں ہی گزار دی یا کوئی دین کی بات بھی سیکھی؟ بڑھیا نے جواب دیا خدا کا شکر ہے کہ دین کی باتیں بھی سیکھی ہیں۔ آپ کو اگر کچھ پوچھنا ہے تو پوچھیے۔ انھوں نے پوچھا اچھا بتایئے خدا ہے؟ بڑھیا بولی "یقیناً ہے۔" پوچھا اس پر کوئی دلیل؟ بڑھیا نے کہا اس پر دلیل یہ میرا چرخہ ہے بزرگ نے پوچھا کیسے؟ بڑھیا بولی "دیکھیے کہ یہ میرا چھوٹا سا چرخہ بغیر چلانے والی کے نہیں چلتا تو زمین و آسمان کا اتنا بڑا چرخہ کیا بغیر کسی چلانے والے کے ہی چل رہا ہے۔ یقیناً اس کا چلانے والا بھی ہے اور وہی خدا ہے۔" وہ بزرگ اس سادہ سی مگر ٹھوس دلیل سے بڑے خوش ہوئے اور پھر پوچھا اچھا اب بتاؤ کہ خدا ایک ہے کہ دو؟ بڑھیا نے کہا "خدا ایک ہے" بزرگ نے پوچھا اس پر کوئی دلیل؟ بڑھیا بولی کہ اگر اس کی چلانے والی دو ہوتیں اور دونوں اسے ایک ہی طرف چلانا شروع کر دیتیں تو چرخہ بہت تیز گھومنے لگتا اور اگر ایک اس طرف اور دوسری، دوسری طرف چلاتی تو چرخہ چلتا ہی نہیں بلکہ ٹوٹ جاتا۔ پس میں نے یہ سمجھا کہ اگر خدا دو ہوتے اور وہ زمین و آسمان کے چرخہ کو ایک ہی طرف چلاتے تو زمانے کی رفتار اس قدر تیز ہو جاتی کہ ۲۴ گھنٹے کا دن چھ گھنٹے کا رہ جاتا اور اسی طرح رات بھی گھٹ جاتی اور دن کے بعد رات، رات کے بعد دن جلدی جلدی آنے لگتے اور اگر ایک خدا اس طرف اور دوسرا اس طرف چلا جاتا تو یہ زمین آسمان کا چرخہ ٹوٹ جاتا۔ اور زمین و آسمان تباہ و برباد ہو جاتے اور سارا نظام عالم درہم برہم ہو جاتا مگر آج تک جو نظام عالم کا چرخہ ایک ہی جانب اور ایک ہی رفتار پر چل رہا ہے اس سے ثابت ہوا کہ خدا ایک ہی ہے۔ اس پکی اور خوبصورت دلیل سے وہ بزرگ بہت متاثر ہوئے اور

حضرت خواجہ حسن بصریؒ ایک روز مسجد کی چھت پہ بیٹھے ہوئے تھے اور اللہ کے خوف سے آپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اتفاق سے آپ نے چھت سے نیچے گلی میں جھانکا تو آپ کے آنسو ایک راہ گیر پر جا پڑے۔ اس نے اوپر دیکھ کر پوچھا۔

"بھئی یہ قطرے پاک تھے یا ناپاک؟"

آپ نے فرمایا "میرے بھائی! کپڑے دھو لو یہ مجھ گناہ گار کے آنسو ہیں۔"

اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔

محمد ابرار حسینی محلہ برگوری۔ بے۔ سی نگر بنگلور ۶

خدا کا فیصلہ

حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ ایک زمانہ
تھا بلکہ دونوں خالہ زاد بھائی تھے اور صاحب پیغمبر
تھے۔ حضرت عیسیٰؑ بہت ہنسا کرتے تھے اور
حضرت یحییٰؑ بہت رویا کرتے تھے۔

ایک دن دونوں میں گفتگو ہوئی حضرت
عیسیٰؑ کہتے ہنستا منہ بہتر ہے اور حضرت یحییٰؑ
کہتے رونے والی آنکھیں زیادہ بہتر ہے۔ بہت
دیر گفتگو ہوئی پر کچھ فیصلہ نہ ہو سکا۔ آخر دونوں
خدا کے پیارے تھے اُسی وقت حضرت جبرئیلؑ
آئے اور خدا کا پیغام لائے اور کہا، اللہ تعالیٰ فرماتے
ہیں کہ میں ہنستے منہ کو زیادہ دوست رکھتا ہوں
کہ میرے فضل و کرم کا امیدوار ہے اور رونے
والی آنکھوں سے بھی خوش ہوں کہ اپنے فعلوں پر
نگاہ کر کے روتی ہے۔ مگر اے عیسیٰؑ تم ہمارے
بندوں کے سامنے ہنستا منہ رکھو اور تنہائی مثل یحییٰؑ
کے رویا کرو اور اے یحییٰؑ تم ہمارے بندوں
کے سامنے مثل عیسیٰؑ کے ہنستا منہ رکھو تاکہ میرے
بندے میری رحمت سے مایوس نہ ہو اور تنہائی
میں رویا کرو۔ سبحان اللہ کیا خوب فیصلہ تھا۔

شیخ محمد عمران۔ محمد علی روڈ بمبئی ۳

اپنے دوست سے انٹرویو

س :۔ آپ اپنا مختصر تعارف قارئین پیام تعلیم سے
کرائیے؟

ج :۔ میرا نام صبیحہ انجم ہے۔ میں آرمور ضلع نظام آباد
رہتی ہوں۔

س :۔ آپ کس اسکول اور کس درجے میں تعلیم حاصل
کر رہی ہیں؟

ج :۔ میں گرلز ہائی اسکول درجہ نہم میں تعلیم حاصل
کر رہی ہوں۔

س :۔ آپ کس رسالے کو پسند کرتی ہیں؟

ج :۔ پیام تعلیم کو۔

س :۔ آپ کے مشاغل؟

ج :۔ مطالعہ کرنا محنت سے تعلیم حاصل کرنا۔

س :۔ آپ مستقبل میں کیا بننا چاہتی ہیں؟

ج :۔ میں ڈاکٹر بن کر قوم کی خدمت کرنا چاہتی
ہوں۔

س :۔ قارئین پیام تعلیم کے لیے آپ کا کوئی پیغام؟

ج :۔ میرا پیغام ہے کہ وہ پیام تعلیم کو ہر ماہ پابندی
کے ساتھ پڑھیں۔ اور اپنے وقت کو برباد نہ کریں
محنت و ہمت سے کام لیں ملک و قوم کی خدمت
کریں۔

رخشندہ آفرین آرمور ضلع نظام آباد اے پی

عہد

دوپہر کا وقت، عرب کا تپتا ہوا ریگستان۔
ایک عرب نوجوان اونٹ پر سوار تیزی سے جا رہا
تھا۔ اس کی کوشش تھی کہ کوئی نخلستان مل
جائے جہاں وہ دوپہر کو آرام کر سکے۔ اور دوپہر ڈھلنے
کے بعد اپنے سفر کو جاری رکھ سکے۔ دور سے اسے
کھجوروں کا ایک جھنڈ نظر آیا۔ اس نے اونٹ کو
اور تیز کر دیا۔ اور تھوڑی دیر بعد وہ ایک خوبصورت
نخلستان میں پہنچ گیا۔ درختوں کے سایے میں
پہنچ کر وہ اونٹ سے نیچے اترا۔ اور اونٹ کو
بٹھا کر اس کا گھٹنا باندھ دیا۔ چشمہ پہ منہ

ہاتھ دھوئے۔ اور پانی پی کر درختوں کے سایے میں لیٹ گیا۔ لیٹتے ہی اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ خراٹے لینے لگا۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اونٹ نے اٹھنے کی کوشش کی جس سے اس کے گھٹنے کی رسی کھل گئی اور وہ آس پاس کے درختوں کے پتے کھانے لگا۔ نخلستان کے بوڑھے مالک نے اس کے مالک کو آوازیں دیں۔ مگر نوجوان تو گہری نیند سو رہا تھا۔ اس بوڑھے نے ایک پتھر اٹھا کر اونٹ پر مار دیا جو اس کے سر میں لگا۔ اتفاق کی بات تھی کہ یہ ضرب ایسی کاری ثابت ہوئی کہ اونٹ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

سہ پہر نوجوان بیدار ہوا اور ادھر اُدھر اونٹ کو تلاش کرنے لگا۔ چلتے چلتے باغ میں اسے اپنا اونٹ مرا پڑا نظر آیا۔ اس کو دیکھ کر نوجوان کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ سامنے اس نے دیکھا ایک بوڑھا اس کی طرف چلا آ رہا ہے نوجوان نے کڑک کر پوچھا۔ میرے اونٹ کو کس نے مارا ہے۔ بوڑھے کے منہ سے ابھی یہی الفاظ نکلے تھے کہ "یہ اتفاقیہ طور سے مجھ سے ہوا ہے" نوجوان نے جھپٹ کر اس کا گلا دبوچ لیا۔ ذرا دیر میں ہی بوڑھے کا بے جان لاشہ زمین پر پڑا تھا۔ نوجوان ابھی حیرت سے بوڑھے کی لاش کو دیکھ رہا تھا کہ پیچھے سے دو نوجوانوں نے آ کر اس عربی مسافر کو پکڑ لیا۔

خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عہد حکومت تھا۔ مدینہ اس جگہ سے قریب ہی تھا بوڑھے کے بیٹے نوجوان کو پکڑ کر دربار فاروقی میں لے گئے اور تمام ماجرا حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس نوجوان نے ہمارے بوڑھے باپ کو بلا وجہ ہلاک کر دیا ہے۔ نوجوان نے حضرت کا اتباع کرتے ہوئے اقبال جرم کیا۔

انصاری اسلم عزیز
۱۴۸ جعفر نگر، مالیگاؤں، ضلع ناسک، مہاراشٹر

بچوں کی نظم

سپنا گاندھی جی کا

ہاتھ میں لاٹھی، ناک میں چشمہ
اک کھدر کی دھوتی باندھے
یہی تو ہیں وہ گاندھی بابا
صبح سویرے ہی اُٹھ جاتے
اک اک بچے کو اُٹھواتے
لاٹھی لے کر سب سے آگے
آزادی کا گیت سُناتے
ظلم سے سب کو لڑنا سکھاتے
ستیہ گرہ کا درس بھی دیتے
سچائی کا پاٹھ سُناتے
جیون کے سب گُر سمجھاتے
گیان کے سارے بھید بتاتے
نمک کی طاقت کے بل پر
گوروں کو بھارت سے بھگایا
دیش ہوا آزاد ہمارا
سپنا تھا جو گاندھی جی کا

اور عدالت نے بوڑھے کو ہلاک کرنے کے جرم میں ملزم کو سزائے موت کا حکم دیا۔

جب امیر المومنین نے اس سے اس کی آخری خواہش دریافت فرمائی تو نوجوان نے عرض کی۔ اے امیر المومنین! نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اپنے سر پر قرض لے کر نہ مرو کہ

مجھ پر ایک یہودی کا قرض ہے لہٰذا اجازت دی
جائے کہ میں اس قرض کو بے باق کراؤں۔
اور اپنی سزا بھگتوں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے
فرمایا۔ یہ تو ٹھیک ہے اگر تمہاری کوئی ضمانت
دے تو مجھے تجھ کو عارضی طور پر رہا کرنے
میں کوئی عذر نہ ہوگا۔ نوجوان نے مجمع پر ایک
نظر ڈالی۔ مگر اس کی نگاہیں مایوس ہو کر پلٹ
آئیں کیونکہ ان میں ایک بھی اس نوجوان کا
شناسا یا واقف کار نہیں تھا۔ نوجوان حیران
کھڑا تھا کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کھڑے ہوئے
اور عرض کیا۔ امیر المومنین میں اس نوجوان کی ضمانت
دیتا ہوں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کے الفاظ نے
مجمع پر ایک سناٹا سا طاری کر دیا بالآخر حضرت عمرؓ
نے فرمایا۔ اے ابوذر غفاریؓ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابی ہو۔ اگر یہ نوجوان نہ آئے تو تم کو اس
کے بدلے میں قتل کیا جائے گا۔ حضرت ابوذرؓ
نے عرض کیا۔ امیر المومنین میں نے انجام سوچ لیا
ہے مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ ایک نوجوان
کبھی بھی اپنے آپ کو دوسروں سے بیگانہ
سمجھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں جو اسلامی
برادری عطا کی ہے۔ اس کی بنا پر یہ میرا بھائی
ہے اور میں اس کی بخوشی ضمانت دیتا ہوں۔
نوجوان کو عارضی طور پر آزاد کر دیا گیا اور اس کی
واپسی کے لیے ایک مدت معین کر دی گئی۔
یہ نوجوان بہت دور دراز کا رہنے والا تھا۔
منزلیں طے کرتا ہوا وہ نوجوان اپنے گھر پہنچا اور
اپنے گھر والوں کو تمام واقعہ سنایا جس سے سارے
گھر میں کہرام مچ گیا۔ بہت سے لوگوں نے صلاح
دی کہ یہاں تمہیں کون پکڑنے آئے گا۔ اب
مدینہ نہ جاؤ لیکن اس کا ایک جواب تھا کہ
مسلمان کبھی غلط وعدہ نہیں کرتا۔ ایفائے عہد ہر
مسلمان کا اولین فرض ہے اور قرآن نے اس
پر خاص زور دیا ہے اسی لیے میں ضرور جاؤں گا
اس نے اپنی جائداد اونے پونے فروخت
کی اور یہودی کا قرض بے باق کرنے کے
بعد ایک تیز رفتار سانڈنی لے کر مدینہ منورہ
کی طرف چل پڑا۔

آج اس نوجوان کی مدت کا آخری دن
تھا۔ سب کو یقین تھا کہ رسول اللہؐ کے صحابی حضرت
ابوذر غفاریؓ آج اس نوجوان کے بدلے میں
مارے جائیں گے۔ حضرت عمرؓ کو بھی تردد تھا
اور آپ سخت پریشان تھے۔ جوں جوں وقت
گزرتا جا رہا تھا۔ سب کی پریشانیاں بڑھتی
جا رہی تھیں۔ عوام کی نگاہیں آنے والے راستے
پر جمی ہوئی تھیں مگر ادھر سے کسی کے آنے
کا نام و نشان تک نظر نہ آتا تھا۔

اب وقت ختم ہوتا جا رہا تھا۔ حضرت
ابوذر غفاریؓ جرأت سے میدان میں کھڑے تھے
اور قریب تھا کہ جلاد کو حضرت ابوذرؓ کی گردن
مارنے کا حکم دیا جائے کہ مجمع میں ایک دم شور
ہوا۔ ٹھہرو، ادھر دیکھو! گرد و غبار اُڑ رہا ہے
شاید کوئی آ رہا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ہی ایک
سانڈنی سوار نوجوان آتا نظر پڑا۔ لوگ خوشی
سے چلا اٹھے۔ دیکھو وہ نوجوان آ رہا ہے۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ نوجوان اس
مجمع میں تھا۔ اس نے سانڈنی سے اترتے ہی
معذرت کی کہ میری زین کا تنگ ٹوٹ گیا تھا
جس کے باعث مجھے کچھ دیر رکنا پڑا۔ مجھے خوشی
ہے کہ میرے محسن کی جان بچ گئی۔ اب میں
ہر سزا بھگتنے کو تیار ہوں۔

نوجوان کی شرافت اور ایفائے عہد
نے سارے مجمع پر سناٹا طاری کر دیا اور لوگ

دل سے اس نوجوان کی سلامتی کی دعائیں مانگنے لگے ۔ اتنے میں بوڑھے کے دونوں بیٹے مجمع سے نکل کر حضرت عمرؓ کے روبرو آکھڑے ہوئے اور عرض کی: امیر المومنین! ہم نے اپنے باپ کا خون اس نوجوان کو معاف کیا۔ ہم نہیں چاہتے کہ ایک سچا مسلمان ہماری وجہ سے موت کے گھاٹ اتارا جائے ۔ یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ کی آنکھوں میں مسرت کے آنسو آگئے اور بوڑھے کے دونوں بیٹوں کو سینے سے لگایا فرمایا کہ خدا کی قسم، میری بھی یہی خواہش تھی کہ کسی طرح یہ نوجوان بچ جائے، اس احسان کے لیے میں تمھارا شکر گزار ہوں۔ اور پھر نوجوان کی آزادی کا حکم دے دیا۔۔۔۔

امت المعیز عرف فرزانہ حبان۔ دار العلوم محمدیہ
لائر پالیہ نائنڈیلی پوسٹ میسور روڈ بنگلور کرناٹک

اپنے ساتھی سے انٹرویو

س:۔ سب سے پہلے آپ اپنا مکمل تعارف پیامیوں سے کرائیں۔

ج:۔ عزیز پیامی بھائی اور بہنو، میرا نام محمد خالد اعظمی ہے میں اعظم گڑھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں کھریواں کا باشندہ ہوں۔

س:۔ آپ اپنی تاریخ پیدائش اور جائے پیدائش بتائیں۔

ج:۔ تاریخ پیدائش ۸ مئی ۱۹۸۹ء بمقام کھریواں۔

س:۔ آپ کس اسکول اور کس درجے میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

ج:۔ میں بیناپارہ انٹر کالج کے درجہ نہم میں زیر تعلیم ہوں۔

س:۔ آپ کے مشاغل؟

کرکٹ ٹیم ایک میچ میں بہت خراب بیٹنگ کرکے آئی تو کوچ نے کھلاڑیوں کو بہت شرمندہ کیا اور ان کے لیے فوراً بیٹنگ پریکٹس کا اہتمام کیا۔ وہ اتنے غصے میں تھا کہ ایک بیٹ اٹھا کر اس نے زوردار آواز میں کہا۔

"اناڑیو! مجھے دھیان سے دیکھتے رہنا۔ اس طرح کچھ تو سبق سیکھو گے" لیکن کافی مدت سے پریکٹس نہ کرنے کے باعث کوچ بھی صحیح طرح سے بیٹنگ نہ کرسکا جب وہ مسلسل کئی گیندوں پر ٹھیک طرح سے شاٹ نہ لگا سکا تو جھنجلا کر اس نے بیٹ کو زور سے پھینکا اور گرج کر کھلاڑیوں سے کہا۔

"اس میچ میں تم نے اس طرح بیٹنگ کی تھی۔ اب گرہ میں باندھ لو کہ اس طرح کبھی نہیں کرنا ہے۔"

ج:۔ پڑھنا، لکھنا، صبح سویرے ۱۵ منٹ ورزش کرنا۔

س:۔ آپ کس رسالے کو پسند کرتے ہیں؟

ج:۔ پیام تعلیم، نور وغیرہ

س:۔ کیا آپ کا کوئی مضمون پیام تعلیم میں شائع ہوا ہے۔

ج:۔ ہاں، ہاں کیوں نہیں، چٹکلے، قلمی دوستی، چھوٹی چھوٹی کہانی شائع ہوتی ہیں۔

س:۔ آپ کے نزدیک سب سے اچھی زبان؟

ج:۔ عربی، اردو۔

س:۔ آپ کے جگری دوست؟

ج:۔ فیض احمد، عرفان، طارق شفیق، ندیم۔

حامد علی، ریحان احمد اور آپ بھی۔

س:۔ قارئین پیام تعلیم اگر آپ کو دوستی کے لیے خط لکھیں تو کیا آپ جواب دیں گے۔

ج:۔ ارے کیوں نہیں! میں ان کا جواب ضرور لکھوں گا۔

س:۔ قارئین پیام کے لیے کوئی پیغام؟

ج:۔ کیوں نہیں، میری درخواست ہے کہ پیام تعلیم ہر ماہ پڑھتے رہیں اور اپنے دوستوں کو بھی متوجہ کریں اور ایک اچھا انسان بنیں۔ دین و دنیا میں نام روشن کریں۔

س:۔ آپ اپنا مکمل پتا پیامیوں کو بتا دیں۔

ج:۔ معرفت ماسٹر محمد طارق موضع کھریواں۔ پوسٹ سرائے میر، ضلع اعظم گڑھ۔ یو، پی۔

سرفراز احمد سرائے میر اعظم گڑھ

شیطان بابا

سچی بات ہے، کلاس میں اگر اپنا قریبی ساتھی نہ ہو تو دل لگتا ہی نہیں ہے، آج تین دنوں سے عدیل اسکول نہیں آ رہا ہے۔ پتا نہیں کیا بات ہے، اس کی عادت تو غیر حاضر رہنے کی نہیں تھی، اس کی وجہ سے آج میرا بھی آنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا، مگر یہ سوچ کر ناغہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی، کہ سبق چھوٹنے سے بڑی بے برکتی ہوتی ہے، پھر ڈبل محنت کر کے بھی اس کو پورا نہیں کر سکتا۔

ان ہی سوچوں میں گم، میں چھٹی کے بعد گھر آ رہا تھا کہ اچانک عدیل پر نظر پڑی، اچھلتا کودتا کہیں بھاگا جا رہا ہے، ایک ہاتھ میں لٹو، دوسرے میں کانچ کی گولیاں، میں نے زور سے سلام کیا تو رک گیا، قریب آیا، میں نے اسکول نہ آنے کی وجہ پوچھی تو ہنس کر کہا: جب بے پڑھے فرسٹ ڈویژن آ سکتا ہوں تو پھر سر کھپانے کی ضرورت ہی کیا ہے، دن بھر کھیلو، کودو، موج مستی کرو اور امتحان میں فرسٹ کلاس پاس کرو۔ میں نے کہا۔ یہ پہیلی میری سمجھ میں نہیں آئی، آج کل جادو وادو سیکھ رہے ہو کیا؟ جادو نہیں سیکھ رہا ہوں یار۔ یہ کہتے ہوئے اس نے میرے کندھے پر زور سے ہاتھ مارا، کبھی فرصت سے بیٹھو تو پوری بات بتاؤں۔

میں بالکل فرصت سے ہوں چلو بتاؤ کیا بات ہے؟ میں نے کہا۔

اچھا! تو چلو سامنے پارک میں بیٹھ کر بتائیں گے۔

پارک میں بیٹھتے ہوئے میں نے کہا چلو اب جلدی کرو، فٹافٹ۔ وہ کون سا نسخہ ہے کہ بے پڑھے فرسٹ ڈویژن پاس کرو گے؟ اس نے بڑی جوش میں کہا، سنو! آج کل ایک بابا سے ملاقات ہوئی ہے، وہ بچوں پر بڑے مہربان ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اتنی چھوٹی عمر میں بچوں کو اسکول بھیج دینا بھاری بھاری کتابوں کا بوجھ ان کے کاندھوں پر لاد دینا، ان پر ظلم ہے، یہ عمر تو کھیلنے کودنے کی ہے۔

ان کی اپنی اولاد کے علاوہ اس وقت ان کی فرزندی میں تقریباً سو لڑکے ہیں جو مختلف اسکولوں کے ہیں، بابا نے ان سب سے کہہ رکھا ہے کہ اسکول جانے کے بہانے سب ان کے پاس آ جایا کرو، وہاں ان کے بچوں کے ساتھ خوب جی بھر کے کھیلو، کودو، دھینگا مستی کرو، اچھا، پیٹ بھر کر کھاؤ، سچ کہتا ہوں، بڑا مزہ آتا ہے اور پھر بابا نے یہ بھی کہا کہ امتحان میں

پاس مت جانا کہ فرسٹ ڈویژن والا میری
نسبت دور کا ہے

مجھے بڑا تعجب ہوا۔ یہ کیسے بابا ہیں جو جھوٹ بولنا سکھاتے ہیں، پڑھنے سے بہکاتے ہیں، لڑنا جھگڑنا سکھاتے ہیں۔ میں نے کہا۔ دیکھو عدیل، مجھے یہ کوئی اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ یہ تو بچوں کی زندگی سے کھیل رہا ہے ان کا مستقبل تاریک کرنا چاہتا ہے۔ عدیل نے کہا۔ کبھی کبھی تو میں بھی یہی سوچتا ہوں مگر پھر خیال آتا ہے کہ بابا کو ہم سے کیا لینا ہے، وہ تو ہماری ہمدردی میں ایسا کرتے ہیں اور پھر امتحان میں نمبر بھی تمھارے برابر لاؤں گا تو میرے کھیلنے کودنے سے فرق ہی کیا پڑا۔ بلکہ ہم تو مزے میں رہے، دونوں ہاتھ میں لڈو، کھیل کا کھیل اور نمبر کا نمبر۔

میں نے عدیل کو بہت سمجھایا، اسے کلاس آنے کی ترغیب دی مگر اس کی سمجھ میں ایک نہ آیا۔ میرا دل بجھ گیا، اسے وہیں چھوڑ کر میں گھر چلا آیا، مگر گھر پر بھی کسی کام میں دل نہیں لگتا، ہر وقت یہی فکر سوار رہتی کہ میرا دوست غلط راستوں پر چل پڑا ہے، اسے کیسے سیدھے راستے پر لاؤں۔

میں پابندی سے اسکول جاتا رہا، آج ایک ہفتہ بیت گیا مگر عدیل اسکول نہیں آیا، اب میں نے پکا ارادہ کر لیا کہ اس کے والد سے کو پوری بات ضرور بتاؤں گا ورنہ ابھی سدھرنے والا نہیں ہے۔ یہی سوچ کر چھٹی کے بعد اس کے گھر کی طرف چلا۔ تھوڑی دور چلا تھا کہ پھر عدیل پر نظر پڑی، مگر عجیب ہیئت میں دیکھا بال بکھرے ہوئے، رنگ اڑا ہوا، چہرہ فق، آتے ہی مجھ سے چمٹ گیا، رونے لگا خوب رویا۔ میں نے بھی کچھ نہیں کہا۔ جب خوب دل بھر کے رو چکا تو میں نے دریافت کیا، کیا ہوا میرے دوست؟ کیوں رو رہے ہو؟ ہچکیاں لیتے ہوئے اس نے جواب دیا۔ بس اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے بچا لیا ورنہ میں تو گناہوں کے دلدل میں پھنس چکا تھا۔ پھر جب اس کی حالت کچھ ٹھیک ہوئی تو اس نے پوری بات بتائی۔ اس دن تم سے ملنے کے بعد بھی میں بابا کے پاس گیا تھا، ان سے تمھارا تذکرہ کیا، تو کہنے لگے، ایسے لڑکوں پر مجھے رحم آتا ہے۔ اسے بہلانا ضرور [illegible]

بیرم خاں مغل بادشاہ اکبر کا سپہ سالار اور استاد تھا۔ یہ شخص جس قدر ماہر حرب، شجاع اور بہادر تھا اسی قدر رحم دل، فیاض اور سخی بھی تھا۔ ایک دن بیرم خاں گھوڑے پر سوار بڑی شان سے کہیں جا رہا تھا کہ ایک شخص نے اسے تاک کر ایک پتھر دے مارا۔ بیرم خاں نے گھوڑے کو روک لیا اور ملازم کو حکم دیا کہ اس شخص کو اشرفیوں کی تھیلی دے دی جائے۔ ملازم نے اشرفیوں کی ایک تھیلی اس شخص کو دے دی۔ وہ شخص چلا گیا تو ملازم نے حیران ہو کر عرض کیا۔

"اس شخص نے آپ کے ساتھ گستاخی کی، اسے سزا دینے کے بجائے آپ نے انعام سے نوازا۔ اس میں کیا حکمت ہے؟"

بیرم خاں نے مسکرا کر جواب دیا۔

"پھل دار درخت کو لوگ پتھر مارتے ہیں تو درخت انھیں پھل دیتا ہے نہ کہ سزا۔"

مگر ہم نے پکڑے کو میری ہمت نہیں پڑی۔ میں باہر جا رہا، آج وہ مجھے اپنی فرزندی میں لینے والے تھے مگر اللہ کا شکر ہے اس نے مجھے بچا لیا۔ کل انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ امی کی چادر اور ابو کی ٹوپی لیتے آنا، آج میں یہ دونوں چیزیں چرا کر لے گیا تھا۔ میرے سامنے انھوں نے امی کی چادر کو نوچ نوچ کر تار تار کر دیا۔ اور ابو کی ٹوپی اپنی انگلی میں لے کر اچھالنے لگے، مجھ سے بھی کہا کر میں بھی اچھالوں اور دھمکی بھی دی کہ بغیر اچھالے میں فرزندی میں نہیں لے سکتا۔ بڑی مشکل سے میں نے اچھالنی چاہی مگر پسینہ چھوٹ گیا، پورا بدن کانپنے لگا اور میں اچھال نہ سکا، ٹوپی چھوٹ کر گر گئی۔ بابا نے ٹوپی اٹھا کر پھر اچھالنی شروع کر دی، تمام لڑکے اس ٹوپی سے کھیلنے لگے، پھر فوراً ہی وہ چیتھڑوں میں بٹ گئی۔ اب فرزندی کی آخری رسم ادا کی جانے والی تھی۔ بابا کے تمام لڑکے ہمارے گرد گھیرا ڈال کر بیٹھ گئے۔ اسی وقت قریب بیٹھے ہوئے ایک لڑکے نے میرے کان میں کہا۔ اب تم بھی ہماری طرح بہترین جیب کترے بن جاؤ گے۔ پھر تمہارے بھی عیش ہی عیش ہوں گے۔ اتنا سنتے ہی چھناک سے میرے ذہن میں ایک بجلی کوندی، بھاگ جا۔ بھاگ جا، توبہ کر، اپنی حالت درست کر لے اللہ سب معاف کرنے والا ہے وہ بڑا غفور رحیم ہے۔"

بس میں بھاگ آیا

میں نے اٹھ کر عدیل کو دوبارہ گلے سے لگا لیا۔ اور اس کو مبارکباد دی، پھر ہم دونوں مل کر خوب جی لگا کر پڑھنے لگے۔

محمد نعیم قمر، تنویر بکڈپو، ۱۱۳، جی ٹی روڈ، آسنسول

ہم نے کھانا پکایا

ایک دن ہم نے طے کر لیا کہ آج تو کھانا پکا کر ہی دم لیں گے۔ نوکرانی کو ساتھ لیا اور جٹ گئے کھانا پکانے۔ اتفاق سے جس دن ہم نے کھانا پکانے کی ٹھانی، قسمت کی خوبی دیکھیے اسی وقت گیس ختم ہو گئی۔ ہم بھی ہمت ہارنے والے نہیں تھے۔ پہنچ گئے اسٹور میں، اور اسٹو ڈھونڈنے لگے۔ امی بھی گھر پر نہیں تھیں۔ خوب چھان بین کی۔ نیچے ڈھونڈا اوپر ڈھونڈا مگر اسے نہ ملنا تھا نہ ملا مگر اچانک ایک وزن دار چیز ہمارے سر پر گری جس سے دن میں ہم نے تارے دیکھ لیے۔ مرہم پٹی کی۔ ہمیں تو جیسے کھانا پکانے کا بھوت سوار تھا اور ایک بار پھر اسٹور میں گئے آخر بڑی چھان بین کے بعد اسٹو مل ہی گیا۔ اسٹو کیا تھا ایسا لگتا تھا جیسے دنیا میں اس سے پرانی کوئی چیز ہی نہیں۔ شاید تھا بھی اکبر کے دور کا۔ خیر اس میں وہ سوراخ ڈھونڈا جس میں سے تیل ڈالا جاتا تھا۔ کسی طرح اسٹو تیار کیا۔ چاول دھوئے اور اسٹو پر رکھ دیے۔ اب اسٹو جلانے کی پوری کوشش کی۔ بڑی دیر بعد اسٹو بھی جل گیا چاول میں بار بار چمچے ہلائے اور چاول پکنے کا انتظار کرتے رہے ہاتھوں کو آگ کا لک لگ گئی اس کے بعد ہم نے دیکھا کہ نوکرانی نے جو ہنسنا شروع کیا تو دم نہ لیتی تھی۔ ہم نے کئی پوچھا مگر وہ صرف ہنستی رہی۔

آخر ہم آئینے کے سامنے گئے تو ایسا لگا کہ کالوں کے مقابلے میں فرسٹ آئیں گے۔ اب سمجھ میں آگیا کہ ہاتھوں کا لک لگے ہاتھ کو چہرے پر رکھا تھا۔ پھر کیا تھا آدھا گھنٹہ تو منہ دھونے میں لگ گیا۔ آخر کسی طرح چاول کو دم دیا۔

اب پک گیا چاول۔ ڈیڈی کو دیا، ڈیڈی نے کہا۔ اس سے کچا کھانا تو دنیا میں نہ ہوگا اب ہمیں غصّہ آگیا اور دل میں ٹھانی کہ یہ کھانا کسی نہ کسی کو تو کھلا کے رہیں گے۔ کتے کو ڈالا تو اس نے منہ پھیر لیا۔

دو بچے جو شاید بھیک مانگتے تھے ہم نے ان سے کہا کہ یہ لو کھانا، پہلے تو خوشی سے لے لیا۔ بعد میں واپس کرنے لگے تو ہم نے کہا یہ کھالو ہم تمھیں ۵۰ پیسے دیں گے۔ الٹا انھوں نے کہا یہ آپ واپس لے لیں تو ہم آپ کو ایک روپیا دیں گے۔ ہمارے غصّہ کی تو انتہا نہیں رہی ان بچوں کو کسی طرح بھگایا پھر دیکھا ایک بھینس آرہی تھی سوچا جب انسان اس کھانے کی قدر نہیں کرتا تو نہ کرے مگر یہ بے زبان جانور تو کھائے گا۔ ہم نے بھینس والی کو بلایا اور اس سے کہا کہ لو یہ بھینس کو کھلا دو۔ اس نے بھینس کے سامنے وہ کھانا رکھ دیا۔ بھینس نے اس میں منہ ڈالا۔ ہم نے سمجھا کھا لیا۔ اور سوچنے لگے انسان تو بیوقوف ہے اتنا اچھا پکا کھانا ہے۔ پھر بھی نہیں کھاتا۔ ابھی ہم یہ سوچ رہی رہے تھے کہ دیکھا کہ بھینس نے اس برتن کو جس میں کھانا تھا اتنی زور سے لات ماری کہ وہ اُڑ کر ہمارے پیر پر گرا۔ اور ہم نے دن میں دوسری بار تارے دیکھ لیے بس اس دن سے ہم نے کھانا پکانے سے توبہ کر لی۔

پیاری بہنو! آپ کو بھی چاہیے کہ کھانا پکاتے وقت پہلے گیس دیکھ لیں اور ممی کو ایسے موقع پر گھر سے باہر ہرگز نہ جانے دیں۔

ملالہ شمیم وکیل گرا کالونی بھر گرہ کراچی

جھاڑو بیچنے والا گلی میں آواز لگا رہا تھا۔ اس نے ایک عورت سے کہا ”بی بی جی جھاڑو لو گی“

عورت نے کہا ”مجھے جھاڑو کی ضرورت نہیں، لیکن میرے پڑوس میں ضرور پوچھ لو، کیونکہ ان کی جھاڑو ہم استعمال کر رہے ہیں“

جیسا کروگے ویسا پاؤگے

ایک لڑکا کسی گلی کے نکڑ پر بیٹھا تھا اس کے ایک ہاتھ میں ڈنڈا تھا اور دوسرے ہاتھ میں روٹی ــ وہ روٹی کھاتا جا رہا تھا اور کچھ گنگنا کر گا بھی رہا تھا اس وقت اس کی نظر ایک کتے پر پڑی جو اس کے پاس ہی چپ چاپ سو رہا تھا۔ اس نے کتے کو بہلا پھسلا کر اپنے پاس بلایا۔ کتا دم ہلا کر اس کے پاس آکر کھڑا ہوگیا۔ لڑکے نے روٹی کا ٹکڑا اس کی طرف بڑھایا۔ جونہی کتا روٹی لینے کے لیے آگے بڑھا اس نے زور سے ایک ڈنڈا اس کی پیٹھ پر مارا بیچارا کتا چیختا چلاتا بھاگ نکلا۔ لڑکا اپنی اس شرارت پر بہت خوش ہوا اور کھلکھلا کر ہنسنے لگا

گلی کی دوسری طرف ایک کھڑکی تھی جس میں ایک شریف آدمی بیٹھے لڑکے کی ساری شرارت دیکھ رہے تھے۔ اس آدمی کو کتے پر رحم آیا اور شریر لڑکے پر غصّہ، چنانچہ اس آدمی نے فیصلہ کر لیا کہ لڑکے کو اس شرارت کا مزہ چکھانے گا۔ اس نے ایک روپیا کا سکہ ہاتھ میں لے کر اس انداز سے دکھایا کہ لڑکا سمجھے کہ اسے انعام دیا جا رہا ہے۔ [illegible] اس شریف آدمی کے پاس پہنچا اس نے

کیوں میاں لڑکے یہ روپیا لینا چاہتے ہو۔ لڑکے نے جواب دیا ہاں کیوں نہیں؟ اگر آپ عنایت فرمائیں۔" پھر لڑکے نے روپیا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا شریف آدمی نے روپیا تو ہٹالیا اور ایک زوردار ضرب اس کے ہاتھ پر لگائی۔ لڑکا درد سے چیخ اٹھا اور رونے لگا کچھ دیر بعد شریف آدمی سے منہ بنا کر کہنے لگا "بڑے میاں، میں نے آپ کا کیا نقصان کیا تھا؟ اور کب آپ سے روپیا مانگا تھا۔

شریف آدمی نے جواب دیا "کتے نے تمہارا کیا نقصان کیا تھا اور تم سے روٹی کب مانگی تھی۔ جیسا تم نے اس کے ساتھ کیا ویسا ہی میں نے تمہارے ساتھ کیا۔"

نگار سلطانہ ناله روڈ راوڑکیلا اڑیسہ

ایک طالب علم سے انٹرویو

س:۔ سب سے پہلے تو آپ اپنا تعارف کرائیے اور یہ بھی فرمائیے کہ آپ کا دولت خانہ کہاں ہے؟

ج:۔ میرا نام محمد سلیم امجدی میرا غریب خانہ قصبہ بانسی ضلع ناگور شریف راجستھان میں ہے۔

س:۔ آپ کا ان دنوں کیا مشغلہ ہے۔

ج:۔ میں ان دنوں پڑھ رہا ہوں، میرے ادارے کا نام الجامعۃ الاشرفیہ عربی یونی ورسٹی مبارکپور ہے۔

س:۔ آپ اپنی عمر اور تاریخ پیدائش بتلایئے۔

ج:۔ میری عمر ۱۶ سال، تاریخ پیدائش ۱۰ راپریل ۱۹۷۹ء ہے۔

س:۔ آپ کے مشاغل؟

ج:۔ پڑھنا اور دوسرے اوقات میں سیر و تفریح کرنا۔

س:۔ آپ کے پسندیدہ پرچے کون کون ہیں۔

ج:۔ پیام تعلیم، اشرفیہ مبارک پور، نئی دنیا

س:۔ آپ کے پسندیدہ شاعر؟

ج:۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی علامہ اقبال۔

س:۔ آپ کے پسندیدہ کھیل؟

ج:۔ میں کوئی کھیل نہیں کھیلتا۔

س:۔ آپ نے کن کن شہروں میں تفریح کی ہے۔

ج:۔ بمبئی، الٰہ آباد، جے پور، لکھنؤ، دہلی، جودھ پور۔

س:۔ آپ کو کون کون سے شہروں میں کون سی چیز زیادہ پسند آئی۔

ج:۔ بمبئی شہر، اور اس میں جوہو، چوپاٹی، واشل ورلڈ اور احمد آباد کی پرانی مسجدیں اور درگاہیں۔ دہلی کا لال قلعہ اور پارلیمنٹ کی عمارت مجھے بہت پسند آئی۔

س:۔ آپ اپنے خالی اوقات کو کس طرح گزارتے ہیں؟

ج:۔ ناول، اسلامی کتابیں پڑھ کر اور گپ شپ کرکے۔

س:۔ آپ کا پسندیدہ لباس۔

ج:۔ رنگین، کرتا، شلوار اور شاندار ٹوپی۔

س:۔ آپ کے قریبی ساتھی؟

ج:۔ محمد جاوید ناگوری، محمد رفیع اللہ کرناٹک، محمد اکرام رام پوری، محمد الطاف گجراتی۔

س:۔ آپ کن لوگوں سے محبت کرتے ہیں؟

ج:۔ خوش اخلاق خوش مزاج لوگوں سے۔

س:۔ آپ کا پیغام، پیام تعلیم کے قارئین کے نام۔

ج:۔ میرے عزیز بھائیو اور بہنو، ماہنامہ پیام تعلیم ہم اور تم جیسے بچوں کے لیے بہت مفید اور نصیحت آمیز ہے اس کو ہر ماہ ضرور پڑھیں، نمازوں کی پابندی کریں کیونکہ نماز دین کا ستون ہے، فلم بازی اور بیہودہ باتوں سے بچیں۔ پڑھائی میں محنت کریں نام روشن کر دیں۔

محمد عرفان نینی تال، عربی یونی ورسٹی، مبارک پور

بھلکڑ

ایک بار چار عورتیں بس اسٹاپ پر کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔ موضوع تھا کس کا شوہر زیادہ بھلکڑ ہے۔
پہلی عورت: میرے شوہر اتنے بھلکڑ ہیں کہ بغیر کھائے آفس چلے جاتے ہیں اور کھانا لے کر مجھے آفس جانا پڑتا ہے۔
دوسری عورت: ...... میرے شوہر تو اور بھی زیادہ بھلکڑ ہیں فل پینٹ کی بجائے ہاف پینٹ (نیکر) پہن کر دفتر چلے جاتے ہیں۔ تیسری جو کافی دیر سے خاموش تھی کہنے لگی۔ میرے شوہر کا تو جواب نہیں، وہ اتنے بھلکڑ ہیں کہ ایک بار میں ایک دکان پر کپڑا خرید رہی تھی کہ اتنے میں وہ بھی دکان میں آ پہنچے۔ جب میری نظر ادھر گئی تو مسکرا پڑے۔ میں بھی مسکرانے لگی۔ وہ میرے قریب آئے اور کہنے لگے کہ لگتا ہے بہن جی آپ کو کہیں دیکھا ہے۔ چوتھی بولی۔ میری لڑکی اللہ سے دعا مانگتے ہوئے کہتی ہے اے اللہ میں اپنے لیے تو کچھ بھی نہیں مانگتی... میری تو صرف یہی دعا ہے کہ میری ماں کو ایک ہینڈسم داماد بھیج دے۔ تینوں ہنستے ہوئے بولیں تم خود ہی بھلکڑ ہو بات شوہر کی ہو رہی ہے بیٹی کی نہیں۔

عبدالرحمٰن حکیم عبدالرقیب، محلہ پورہ صوفی مبارکپور

عادل حیات

اے - ۵۹۵، امر پوری، نبی کریم، نئی دہلی ۵۵

ہم ہیں بچے ہندوستانی

ہم ہیں ننھے منے بچے
تھوڑے چنچل تھوڑے کچے
کریں شرارت پھر بھی سچے
جگ میں ہم ہیں سب سے اچھے
جب بھی بولیں میٹھی وانی
ہم ہیں بچے ہندوستانی

پڑھتے لکھتے ہنستے گاتے
باپو کا اپدیش سناتے
گھر گھر جا کر دیپ جلاتے
بھٹکوں کو رستہ دکھلاتے
سکھ دکھ تو ہے آنی جانی
ہم ہیں بچے ہندوستانی

آؤ بچوں مل کے گائیں
پیار ہے کیا سب کو سمجھائیں
پہلے ہم سب اک ہو جائیں
پھر پرچم مل کر لہرائیں
امن کے دنیا میں ہم بانی
ہم ہیں بچے ہندوستانی

اپنے دوست سے انٹرویو

س:۔ سب سے پہلے آپ اپنا تعارف ہم بچوں سے کرائیں۔
ج:۔ میرا نام سفیان احمد اعظمی ہے میری عمر تقریباً ۱۱ سال ہے۔
س:۔ آپ کی پیدائش کہاں کی ہے؟
ج:۔ میری پیدائش محلہ پورہ بمبئی میں ہوئی۔

س:۔ بمبئی میں آپ کتنے دن رہے ؟

ج:۔ پیدائش سے ۔ ۱۵سال تک رہا گرمیوں کی چھٹی میں آتا رہتا تھا پر اب یہیں رہتا ہوں ۔

س:۔ اس وقت آپ کہاں رہتے ہیں ؟

ج:۔ میں ضلع اعظم گڑھ کے ایک چھوٹے سے گاؤں کھرویاں کا باشندہ ہوں۔

س:۔ اس وقت کس اسکول میں اور کون سے درجے میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں ؟

ج:۔ اعظم گڑھ شہر کے شبلی کالج میں بی اے سیکنڈ ائیر میں زیر تعلیم ہوں۔

س:۔ آپ اپنے مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہیں ؟

ج:۔ میں تعلیم حاصل کر کے اس جگہ پر پہنچنا چاہتا ہوں۔ جہاں پر اپنے دیش کی برائیوں کے درمیان جدوجہد کر سکوں ۔

س:۔ آپ کا پسندیدہ رسالہ کون سا ہے ؟

ج:۔ مجھے ہر رسالہ سے اچھا پیام تعلیم لگتا ہے۔

س:۔ آپ قارئین پیام تعلیم سے کچھ کہنا چاہیں گے۔

ج:۔ قارئین پیام تعلیم سے کہنا چاہتا ہوں اپنا یہ قیمتی وقت ضائع نہ ہونے دیں ۔

س:۔ آپ کا مکمل پتا کیا ہے ؟

ج:۔ معرفت ماسٹر محمد ایثار۔ موضع کھرویاں ، پوسٹ سرائے میر۔ ضلع اعظم گڑھ ۔ یوپی۔

محمد خالد کھرویاں اعظم گڑھ یوپی

دوست اطہر البشر سے انٹرویو

س:۔ سب سے پہلے آپ اپنا تعارف پیامی بھائیوں سے کرائیے۔

ج:۔ میرا نام اطہر البشر وَلد ہے میرے والد محترم کا نام ماسٹر نور البشر مرحوم ہے ۔

س:۔ آپ کون سی جماعت میں زیر تعلیم ہیں؟

ج:۔ میں ابھی چھٹی جماعت میں زیر تعلیم ہوں۔

س:۔ آپ کو سب سے زیادہ کیا پسند ہے ؟

ج:۔ مجھے سب سے زیادہ نماز پڑھنا، علم حاصل کرنا اور دینی باتیں سننا اور اس پر عمل کرنا پسند ہے۔

س:۔ آپ کس سبجکٹ سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں ؟ میں سائنس سے زیادہ دلچسپی لیتا ہوں۔

س:۔ آپ اپنے گھرانہ میں سب سے زیادہ کس کو چاہتے ہیں ؟

ج:۔ میں اپنے تمام گھرانے کو دل سے چاہتا ہوں۔

س:۔ آپ پیام تعلیم کا مطالعہ کب سے کر رہے ہیں؟

ج:۔ میں پچھلے ایک سال سے اس رسالے کا مطالعہ کر رہا ہوں۔

س:۔ آپ کا پسندیدہ رسالہ ؟

ج:۔ میرا پسندیدہ رسالہ پیام تعلیم (اردو) اور سومن سوربھ (ہندی) ہے۔

س:۔ آپ کا پسندیدہ شاعر کون ہے ؟

ج:۔ علامہ اقبال اور مرزا غالب ۔

س:۔ آپ کا پسندیدہ کھلاڑی کون ہے ؟

ج:۔ میرا پسندیدہ کھلاڑی اظہر الدین ہے ۔

س:۔ آپ مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہیں ؟

ج:۔ میں مستقبل میں پڑھ لکھ کر ڈی ایم (D.M) بننا چاہتا ہوں ۔

س:۔ اب آخر میں آپ اپنا پتا پیامی بھائیوں سے بتا دیں تاکہ آپ سے رابطہ قائم کر سکے ۔

ج:۔ التسہیل اکیڈمی، ارریہ بہار ۸۵۴۳۱۱

س:۔ آپ سے تو میں ایک بات پوچھنا ہی بھول گیا۔ آپ ہمارے پیامی بھائیوں کو کچھ پیغام دیں۔

ج:۔ میں پیامی بھائیوں سے یہی کہنا چاہوں گا کہ مذہب پر زیادہ دھیان دیں تاکہ دینی باتوں کا پھیلاؤ ہو سکے ۔

تابع عالم ، التسہیل اکیڈمی ، ارریہ بہار

معجزۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ابو طلحہؓ نے اُمّ سلیمؓ سے کہا کہ مجھ کو رسولؐ کی آواز میں کچھ ضعف محسوس ہوا ہے بھوک کا اثر معلوم ہوتا ہے سو تمھارے پاس کچھ موجود ہے؟ اُمّ سلیمؓ نے کہا جی ہاں۔ یہ کہہ کر اُمّ سلیمؓ نے جَو کی روٹی کے ٹکڑے نکالے اور اپنی اوڑھنی سے لے کر اس کے پلّو میں روٹیاں لپیٹ کر میرے ہاتھ میں دے کر کپڑے کے نیچے چھپا کر اور اسی کپڑے کا کچھ حصّہ مجھ کو اُڑھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے کر خدمت اقدسؐ میں حاضر ہوا میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں پایا اور آپؐ کے ساتھ کچھ آدمی بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ میں اُن کے پاس جاکر کھڑا ہوگیا۔

رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا۔ کیا تم کو ابو طلحہؓ نے بھیجا ہے؟ میں نے کہا۔ جی ہاں۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کھانا تیار ہے۔ میں نے کہا جی حضورؐ! یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ اور چلو۔ چلتے رہے۔ یہاں تک کہ ابو طلحہؓ کے پاس پہنچے۔ جب ابو طلحہؓ نے یہ خبر اُمّ سلیمؓ کو دی تو انھوں نے کہا خدا اور اس کا رسولؐ خوب واقف ہے۔ حضورؐ نے فرمایا جو کچھ تمھارے پاس ہے لے آؤ۔ جب روٹیاں حاضر ہوئیں تو رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ روٹیوں کے ٹکڑے کرو گھی پر تلی ہوئی سالن کی مانند روٹی پیش کی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے میں برکت کی دعا فرمائی اور فرمایا کہ دس آدمیوں کو اندر آنے کی اجازت دو۔ اسی طرح دس دس کرکے تمام لوگوں نے جو ستّر یا اسّی کے درمیان تھے سیراب ہوکر کھانا کھایا۔

محمد شعیب باغبان ——— اٹک

ایک بڑھئی اور پری

ایک بڑھئی دریا کے کنارے درخت کاٹ رہا تھا کہ اچانک کلہاڑی اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر پانی میں گر گئی۔ کلہاڑی کے ضائع ہونے سے بڑھئی بہت پریشان ہوا اور وہ درخت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ اب وہ کیا کرے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک پانی سے ایک پری نمودار ہوئی اور اس نے بڑھئی کو اداس دیکھا تو اس سے اس کا سبب دریافت کیا تو بڑھئی نے اپنی کہانی پری کو سنائی۔ پری تھوڑے سے کے لیے پانی میں غائب ہوگئی اس کے بعد ایک سونے کی کلہاڑی لے کر پانی سے باہر نکلی تو اس نے بڑھئی سے پوچھا کیا یہ وہی کلہاڑی ہے جو تم سے گر گئی تھی؟ تو بڑھئی نے جواب دیا نہیں۔ پری دوبارہ پانی میں غائب ہوگئی اور ایک چاندی کی کلہاڑی لے کر نکلی تو پھر اس نے بڑھئی سے پوچھا کیا یہ تمھاری کلہاڑی ہے؟ تو بڑھئی نے جواب دیا نہیں۔ پری پھر پانی میں غائب ہوگئی اور ایک لوہے کی کلہاڑی لے کر نکلی اور اس نے بڑھئی سے کہا کیا یہی تمھاری کلہاڑی ہے جو تم سے ضائع ہوئی؟ تو بڑھئی نے جواب دیا ہاں، پری اس کی سچائی پر بے حد خوش ہوئی اور اس کو تینوں کلہاڑیاں دے کر غائب ہوگئی۔

(عربی سے ترجمہ)

بلال احمد واجالہ ——— سرائے میر اعظم گڑھ

شیطان کا انٹرویو

نامہ نگار :- السلام علیکم

شیطان :- کام کی بات کرو۔

نامہ نگار :- آپ سے کچھ سوالات پوچھنے ہیں؟

شیطان :- پوچھو بیوقوف (چیخ کر) جلدی کرو مجھے باہر جانا ہے۔

نامہ نگار :- آپ کا نام؟

شیطان :- شیطان، ابلیس۔

نامہ نگار :- آپ کے بچوں کے نام؟

شیطان :- میرے بچوں کے نام تسلیمہ نسرین، سلمان رشدی، تخریب کار، بے ایمان، خدا کا منکر۔

نامہ نگار :- آپ کی زندگی کا مقصد؟

شیطان :- خاص مقاصد میں اسلام کا خاتمہ اور انسانوں کو جماعت اسلامی سے دور رکھنا، فساد پھیلانا، عام مقاصد میں دلوں کو توڑنا وغیرہ۔

نامہ نگار :- آپ کی پسندیدہ جگہ کون سی ہے؟

شیطان :- پہلے مغربی ممالک تھے اور اب ہندوستان ہے لیکن یہاں جماعت اسلامی، ایس آئی او، چلڈرن سرکل میری بے چینی کا سبب بنی ہوئی ہے ویسے ہمارے چیلے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

نامہ نگار :- آج کل طلبہ کے لیے آپ کے پاس کیا منصوبہ ہے؟

شیطان :- ٹی وی، اور وی سی آر کی مدد سے گندی فلمیں، گانے عام کرنا، پڑھائی سے دور رکھنے کے لیے گندے رسالے عام کرنا۔

نامہ نگار :- اچھا! آپ کس طرح کے بچے پسند کرتے ہیں؟

شیطان :- جو نماز نہیں پڑھتے، بڑوں کی عزت نہیں کرتے، بات بات پر لڑتے ہیں، ماں باپ کا حکم نہیں مانتے اور جو ایس آئی او کے پروگرام میں نہیں جاتے۔

نامہ نگار :- کون سے طلبہ آپ کا اثر قبول کرتے ہیں؟

شیطان :- جو وقت کی قدر نہیں کرتے، آوارہ گردی کرتے ہیں، ہمیشہ جھوٹ بولتے اور دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں پڑھائی نہیں کرتے، ایسے طلبہ میری چنگل میں آسانی سے پھنس جاتے ہیں (جلدی کرو) وقت بہت ہو رہا ہے مجھے ایس آئی او چلڈرن سرکل کے اجتماع میں جانا ہے۔

نامہ نگار :- اچھا! آپ اس پروگرام میں کیوں جانا پسند کریں گے؟

شیطان :- کیوں... بیوقوف وہ اس لیے کہ بچے دین سے قریب نہ ہوں، استاد اور والدین کے فرمانبردار نہ بن جائیں، اسلام کی معلومات حاصل نہ کریں اور اپنی آخرت نہ بنائیں۔

نامہ نگار :- آپ کچھ پیغام دینا چاہیں گے؟

شیطان :- ضرور... غلط باتیں پھیلاؤ، قرآن مت پڑھو اور نہ سمجھو، دوسروں کا حق چھینو، مذہب کی قید سے دور رہو، ناجائز راستوں سے خوب روپیہ کماؤ، گھروں میں اسٹار وزی ٹی وی کے کیبل لگاؤ۔ اور ایک بہت ضروری بات یہ کہ پیام تعلیم اور اچھی کتابیں نہ پڑھو سمجھے، جس نے ان باتوں پر عمل کیا وہ دنیا میں کامیاب ہوا۔

نامہ نگار :- توبہ توبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لاحول ولا قوۃ، لاحول ولا قوۃ...

شیطان :- ارے بھاگو! ارے بھاگو...

[illegible]

"ہمارے دائیں ہاتھ میں قرآن ہوگا، بائیں ہاتھ میں سائنس اور پیشانی پر کلمہ لا الٰہ الا اللہ" سرسید احمد خاں

ماہنامہ
پیام تعلیم
نئی دہلی ۲۵

دسمبر ۱۹۹۵ء جلد ۴۳ شمارہ ۱۲

فی پرچہ ۵ روپے سالانہ 40/=
سرکاری اداروں سے 65/= روپے
وی پی منگانے کی صورت میں مزید ۱۰ روپے خرچ آئے گا
غیر ممالک سے (بذریعہ ہوائی جہاز) 320/= روپے

ایڈیٹر: شاہد علی خاں

صدر دفتر:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

شاخیں:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اُردو بازار، دہلی ۶
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ پرنس بلڈنگ۔ بمبئی ۳
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ یونی ورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ ۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بچوں سے باتیں

لیجیے اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ۱۹۹۵ء کا آخری شمارہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ سال بھی پلک جھپکتے ہی گزر گیا۔ وقت اپنی پوری رفتار سے گزر رہا ہے۔ اس پر صرف وہی لوگ قابو پاتے ہیں جو وقت کی قدر و قیمت جانتے ہیں یاد رکھیے "گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں" ہم نے کہیں پڑھا تھا، اب یاد نہیں کہ کہاں پڑھا تھا بلکہ سچ پوچھیے تو یہ بھی یاد نہیں کہ یہ کس کا قول ہے۔ البتہ قول یاد ہے۔ آپ بھی سنیے "جس طرح روح نظر نہیں آتی لیکن اس کے چلے جانے کے بعد ہمارے پاس کچھ نہیں رہتا، نہ جسم، نہ زبان سب کچھ کھو جاتا ہے۔ اسی طرح لفظ "وقت" معنی نہیں رکھتا لیکن زندگی کے آخری لمحے میں چپکے سے کان میں کہتا ہے "میں وقت تھا ـــــ گزر گیا"

وقت کی قدر کیجیے۔ یاد رکھیے آپ کا مستقبل شاندار بنانے میں سب سے زیادہ اہمیت "وقت" کی ہے۔ اگر آپ نے اس کا صحیح ڈھنگ سے استعمال نہیں کیا تو یہ آپ کو چھوڑ کر آگے نکل جائے گا۔ بہت آگے۔ پھر کوشش کے باوجود ہاتھ نہیں آئے گا۔

پرنٹر، پبلشر سید وسیم کوثر نے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ کے لیے لبرٹی آرٹ پریس پٹودی ہاؤس دریا گنج نئی دہلی میں چھپوا کر جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا

ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا
ترجمہ: زبیر طارق

ایک خوش نصیب صحابی

کرایے کا گھر

زندگی کرایے کا گھر ہے۔ یہاں لوگ آتے ہیں مگر کوئی کرایہ دے کر جاتا ہے اور کچھ لوگوں پر کرایہ قرض ہو جاتا ہے۔ کوشش کیجیے کہ آپ پر کرایہ قرض نہ ہونے پائے۔

ہم مسلمانوں میں سے کون ہے جو ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہیں جانتا؟ ان بزرگ صحابی کا نام خالد زیدؓ بن کلیب تھا۔ ان کا تعلق بنی نجار سے تھا۔ ان کی کنیت ابوایوب ہے اور وہ انصار میں سے تھے۔

اللہ نے مشرق و مغرب میں ان کی تعریف پھیلائی۔ تمام مسلمانوں میں ان کے گھر کو نبیؐ کی قیام گاہ کے لیے منتخب فرمایا اور اپنی مخلوق میں ان کو بلند کیا۔

نبی علیہ السلام جب مدینہ پہنچے تو یہاں کے باشندوں نے نہایت عزت و احترام سے آپ کا استقبال کیا اور اپنے دل کی گہرائیوں سے انھیں خوش آمدید کہا۔ ان کی نگاہیں فرطِ شوق سے حبیبؐ کے آگے بچھی جا رہی تھیں۔ انھوں نے اس مہمان کے قیام کے لیے اپنے دل کے کواڑ اور گھروں کے دروازے کھول دیے۔

مدینہ آنے سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چند دن قبا میں ٹھہرے۔ قبا مدینہ کے قریب ایک بستی ہے۔ یہاں قیام کے دوران آپؐ نے وہ مسجد بنائی جسے قرآن مجید میں اَلْمَسْجِدُ اُسِّسَ عَلَی التَّقْوٰی (وہ مسجد جس کی بنیاد تقوا پر رکھی گئی) کہا گیا ہے حضورؐ ایک اونٹنی پر سوار ہو کر قبا سے روانہ ہوئے۔ یثرب کے رئیس آپؐ کے راستے میں کھڑے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی خواہش تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گھر ٹھہریں اور آپؐ کو مہمان بنانے کا شرف اسے حاصل ہو۔ وہ ایک کے بعد ایک اونٹنی کے راستے میں کھڑے ہو کر عرض کرتے۔

"اے اللہ کے رسولؐ! آپ ہمارے ہاں ٹھہریں۔۔۔"

آپؐ اُن سے فرماتے! "اسے چھوڑ دو۔ یہ مامور (حکم دی ہوئی) ہے۔"

اونٹنی اپنی منزل کی جانب چلی جا رہی تھی۔ آنکھیں اُس کے تعاقب میں تھیں اور دلوں کو اُس نے اپنے قبضے میں لے رکھا تھا۔ جس مکان سے اونٹنی رُکے بغیر گزر جاتی، اُس کے مکینوں پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا۔ جدھر سے اونٹنی کو ابھی گزرنا ہوتا وہاں کے لوگوں کے دل میں امید کی کرن جگمگا رہی ہوتی۔

اونٹنی لمبے لمبے ڈگ بھر کر چلی جا رہی تھی۔ لوگ اُس کے پیچھے پیچھے چلے آ رہے تھے۔ وہ اُس خوش نصیب کے بارے میں جاننا چاہتے تھے جسے نبی علیہ السلام کی میزبانی کا مرتبۂ بلند ملنے والا تھا۔ اونٹنی حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کے گھر کے سامنے ایک خالی جگہ پر پہنچی اور بیٹھ گئی۔ مگر نبی علیہ السلام اس پر سے نہ اُترے۔

اونٹنی جلدی سے کھڑی ہوئی اور دوبارہ چلنا شروع کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نکیل ڈھیلی چھوڑ رکھی تھی۔ تھوڑی دور چل کر اونٹنی واپس پلٹی اور پہلی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کی خوشی کا کچھ ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ جلدی سے رسول اللہؐ کی طرف بڑھے۔ انھیں خوش آمدید کہا اور آپؐ کا سامان دونوں ہاتھوں میں اس طرح تھاما گویا دنیا بھر کی دولت سمیٹ لی ہو، اور آپؐ کو لے کر گھر کی جانب چل پڑے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا مکان دو منزلہ تھا۔ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے لیے اوپر کے حصے سے اپنا سامان اٹھایا لیکن آپؐ نے نیچے رہنا پسند فرمایا۔

رات آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پر لیٹ گئے۔ حضرت ابو ایوبؓ اپنی اہلیہ کے ہمراہ اوپر چلے گئے۔ ابھی انھوں نے دروازہ بھی نہ بھیڑا تھا کہ اچانک ابو ایوبؓ نے اپنی اہلیہ سے فرمایا، "تمھارا بُرا ہو! یہ ہم نے کیا کیا؟ رسول اللہؐ نیچے ہوں اور ہم ان سے اوپر؟ کیا ہم اللہ کے رسولؐ کے اوپر چلیں گے؟ کیا ہم نبی علیہ السلام اور وحی کے درمیان ہوں گے؟" دونوں میاں بیوی حیران پریشان کھڑے رہ گئے۔ ندامت اور غم نے انھیں گھیر لیا۔ انھیں کچھ سجھائی نہ دیتا تھا کہ کیا کریں۔ جب ان کی طبیعت میں تھوڑا سا ٹھہراؤ آیا تو وہ بالا خانے کے ایک جانب سمٹ آئے۔ یہاں سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل اوپر نہ تھے۔ وہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھ گئے۔ انھیں چلنا ہوتا تو کمرے کے درمیان چلنے کے بجائے کناروں پر چلتے۔ دونوں میاں بیوی کو اس حالت میں صبح ہو گئی۔ حضرت

ابو ایوبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا اللہ کی قسم! میں نے اور ایوبؓ کی ماں نے رات بھر پلک نہیں جھپکی۔"

"ابو ایوب! کیا ہوا؟" نبی علیہ السلام نے پوچھا۔

"مجھے خیال آیا کہ میں گھر کے اوپر ہوں اور آپؐ نیچے۔ میں حرکت کروں گا تو آپؐ پر گرد اور مٹی پڑے گی۔ پھر میں آپؐ کے اور وحی کے درمیان ہوں۔"

نبی علیہ السلام نے فرمایا، "ابو ایوبؓ! کچھ فکر نہ کرو۔ لوگ کثیر تعداد میں ہم سے ملنے آتے ہیں۔ ہمارے لیے نیچے رہنا ہی بہتر ہے۔"

ابو ایوبؓ کہتے ہیں "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان لیا۔ اگلی رات سخت سردی تھی۔ ہم سے گھڑا ٹوٹ گیا اور پانی بہہ نکلا۔ میں اور امّ ایوب پانی کے آگے کھڑے ہو گئے ہمیں ڈر تھا کہ کہیں پانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ جا پڑے۔ ہمارے پاس ایک ہی چادر تھی جس سے ہم لحاف کا کام لیتے تھے ہم نے اس سے پانی جذب کر لیا۔ صبح ہوئی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا اور کہا "میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں۔ مجھے یہ بات سخت ناپسند ہے کہ میں آپؐ کے اوپر رہوں اور آپؐ میرے نیچے ہوں۔" پھر میں نے انھیں گھڑے والی بات بتائی۔ چنانچہ آپؐ نے میری گزارش مان لی اور اوپر منتقل ہو گئے۔ میں اور امّ ایوب نیچے رہنے لگے۔

نبی علیہ السلام نے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے ہاں تقریباً سات ماہ قیام کیا۔ اس دوران آپؐ نے اس خالی جگہ پر مسجد مکمل کر لی جہاں اونٹنی بیٹھی تھی۔ پھر آپ ان حجروں میں منتقل ہو گئے جو آپ نے اپنے اور اپنی ازواج مطہرات کے لیے بنائے تھے۔ اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو ایوبؓ کے پڑوسی بن گئے۔ اور یہ کیا ہی سخی ہمسایے تھے!

حضرت ابو ایوبؓ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شدید محبت کرتے تھے۔ رسول اللہ بھی انھیں انتہائی عزیز رکھتے۔ وہ وقتاً فوقتاً ایک دوسرے کی تکالیف کا ازالہ کرتے رہتے۔ آپؐ ابو ایوبؓ کے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھتے۔

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک سخت گرم دوپہر میں حضرت ابو بکر صدیقؓ مسجد سے نکلے، حضرت عمرؓ کی نگاہ ان پر پڑی تو پوچھا، "ابو بکرؓ! آپ اس وقت باہر کیا کر رہے ہیں؟"

"بھوک نے سخت بے چین کر رکھا ہے" حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

"بخدا! میں بھی اسی وجہ سے نکلا ہوں" حضرت عمرؓ نے اُن کی بات سن کر فرمایا۔ یہ دونوں حضرات گفتگو کر ہی رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے پاس آئے اور پوچھا "تم لوگ اس وقت باہر کیسے نکلے ہو؟"

"اللہ کے رسول! بھوک نے سخت بیتاب کر رکھا ہے"

"اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، میری بھی یہی حالت ہے چلو میرے ساتھ آؤ"

یہ حضرات روانہ ہوئے۔ حضرت ابو ایوبؓ کے گھر پہنچے۔ حضرت ابوایوبؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہر روز کھانا رکھا کرتے تھے۔ اگر آپؐ کھانے کے وقت تشریف نہ لاتے تو وہ اسے اپنے گھر والوں کو کھلا دیتے۔

امّ ایوبؓ نے دروازہ کھولا اور کہا "خوش آمدید! اللہ کے نبیؐ اور آپؐ کے ساتھیو"

"ایوب کے والد کہاں ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا۔ حضرت ابوایوبؓ نے نبی علیہ السلام کی آواز سن لی۔ وہ قریب ہی کھجور کے درخت پر کچھ کام کر رہے تھے وہ تیزی سے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کو مرحبا کہا۔ پھر فرمایا "اللہ کے رسولؐ! خیریت؟ آپؐ اس وقت عموماً تشریف نہیں لایا کرتے" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم نے سچ کہا" پھر ابوایوبؓ کھجور کے درخت کی جانب گئے اور ایک گچھا توڑا جس میں خشک تازہ پکی ہوئی اور کچی کھجوریں تھیں۔

نبی علیہ السلام نے فرمایا "میں نہیں چاہتا تھا کہ اسے توڑا جائے۔ کیا تم یہ ہمارے لیے لائے ہو؟" "اللہ کے رسول! مجھے خوشی ہوگی اگر آپ اس میں سے کھجوریں کھائیں۔ میں آپ کے لیے جانور بھی ذبح کرتا ہوں"

"کسی دودھ دینے والے جانور کو ذبح نہ کرنا" اللہ کے رسولؐ نے انھیں ہدایت فرمائی حضرت ابوایوبؓ نے ایک بکری ذبح کی اور اپنی اہلیہ سے کہا "تم آٹا گوندھو اور ہمارے لیے روٹی پکاؤ۔ تم روٹی پکانا بہتر جانتی ہو" پھر خود نصف بکری لے کر اسے پکایا اور باقی آدھی کو بھونا۔ کھانا پک گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کے آگے رکھ دیا گیا۔ آپؐ نے بکری کا ایک ٹکڑا لیا، اسے روٹی پر رکھا اور فرمایا:

"ابو ایوب! جلدی کرو، اسے فاطمہؓ کو دے آؤ۔ اس کی کئی دنوں سے یہی حالت ہے (کچھ نہیں کھایا)۔"

جب سب حضرات سیر ہوکر کھا چکے تو نبی علیہ السّلام نے فرمایا:

"روٹی، گوشت، کھجور!!" یہ کہہ کر آپؐ کی آنکھیں بھر آئیں۔ پھر فرمایا "اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ جب یہ تمھارے پاس آئیں اور تم کھانے لگو تو بسم اللّٰہ پڑھ کر کھاؤ اور جب سیر ہو چکو تو اللّٰہ کا شکر ادا کرو، جو ہمیں کھلاتا ہے اور وافر مقدار میں نعمتیں عطا کرتا ہے۔"

اس کے بعد نبی علیہ السّلام اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو ایوبؓ سے فرمایا "کل ہمارے پاس آنا"۔ نبی علیہ السّلام کی یہ عادت مبارک تھی کہ آپ کسی کا احسان نہیں لیتے تھے اور اگر کوئی احسان کرتا تو اس کا بدلہ اُتار دیتے۔ لیکن ابو ایوبؓ نے اُن کی بات نہیں سُنی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ابو ایوب، رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم آپ کو کل آنے کو کہہ رہے ہیں"۔ یہ سُن کر انھوں نے فرمایا "اللّٰہ کے رسولؐ کا حکم سر آنکھوں پر"۔

دوسرے دن ابو ایوبؓ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپؐ نے انھیں ایک چھوٹی لڑکی دی جو آپؐ کی خدمت کیا کرتی تھی اور فرمایا "ابو ایوب! اس کے ساتھ بھلائی سے پیش آنا۔ جب تک یہ ہمارے پاس رہی ہم نے اس میں بھلائی کے سوا کچھ نہیں دیکھا"۔

ابو ایوبؓ اس لڑکی کو لے کر گھر آ گئے۔ اُمّ ایوب نے دیکھا تو پوچھا "ابو ایوبؓ یہ کس کے لیے ہے؟"

"ہمارے لیے ..... اسے رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا ہے"۔

"عطا کرنے والا کتنا عظیم ہے اور اس کا یہ عطیہ کتنا معزز اور قابلِ قدر ہے"۔

"انھوں نے ہمیں اس سے بھلائی کی وصیت کی ہے"۔

"رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کا فرمان پورا کرنے کے لیے ہم کیا کریں؟"

"بخدا اس سے بہتر ان کی وصیت پوری نہیں ہو سکتی کہ ہم اسے آزاد کر دیں"۔ ابو ایوبؓ نے رائے دی۔ "اللّٰہ نے آپ کو درست فیصلہ کرنے کی توفیق بخشی ہے"۔ اُمّ ایوب نے ان کی تائید کی اور اسے آزاد کر دیا۔

یہ زمانۂ امن میں حضرت ابو ایوبؓ کی زندگی کی جھلکیاں تھیں۔ اگر آپ زمانۂ جنگ

کی جھلکیاں دیکھ پائیں تو حیران رہ جائیں۔

حضرت ابوایوبؓ نے اپنی طویل عمر غازی کے طور پر میدان جنگ میں بسر کی۔ ان کے بارے میں یہ کہا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے حضرت معاویہؓ کے دور تک ایسی کوئی جنگ نہیں جس میں انھوں نے حصّہ نہ لیا ہو، سوائے ایسی لڑائی کے کہ وہ اس دوران کسی اور محاذ پر مصروف تھے۔

ان کا آخری معرکہ وہ تھا جب حضرت معاویہؓ نے قسطنطنیہ کی تسخیر کے لیے یزید کی قیادت میں لشکر تیار کیا۔ حضرت ابوایوبؓ اس وقت تقریباً اسّی برس کے عمر رسیدہ بزرگ تھے۔ اس کے باوجود وہ یزید کی قیادت تلے شامل ہوئے اور اللہ کی راہ میں لڑنے کے لیے سمندر کی موجیں چیریں۔

مسلمان فوج ابھی دشمن کی منازل سے دور، سمندر کے سینے پر سفر کر رہی تھی کہ حضرت ابوایوبؓ بیمار پڑ گئے اور لڑنے کے قابل نہ رہے۔ یزید ان کی مزاج پرسی کرنے آیا اور پوچھا "ابوایوبؓ! آپ کی کوئی خواہش؟"

"مسلمان فوج کو میرا اسلام کہو اور یہ پیغام دو کہ ابوایوبؓ نے تمھیں وصیت کی ہے کہ دشمن کے ملک میں دور تک گھس جاؤ۔ اسے (ابوایوب) اپنے ساتھ لے جانا اور قسطنطنیہ کی فصیل کے نیچے لے جا کر دفن کرنا۔" حضرت ابوایوب انصاریؓ نے وصیت کی اور اُن کی روح اپنے رب کی جانب پرواز کر گئی۔

مسلمان فوج نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان محترم ساتھی کی وصیت کا احترام کیا اور دشمن پر پے در پے حملے کر کے قسطنطنیہ کی فصیل تلے پہنچ گئی۔ یہاں انھوں نے حضرت ابوایوبؓ کے لیے قبر کھودی اور انھیں دفن کیا۔ ●

یوسف ناظم

عیدگاہ

بیگم صاحبہ شاپنگ کر کے گھر آئیں تو شوہر سے بولیں۔
"دیکھیے! میں آپ کے لیے کتنا اچھا رومال لائی ہوں۔"
شوہر نے حیرت سے کپڑے کو دیکھا اور کہا۔
"اتنا بڑا رومال! یہ کوئی آٹھ گز کا ہو گا۔"
بیوی نے کہا "آپ کے رومال سے جو کپڑا بچے گا اس کا میں سوٹ سلوا لوں گی۔"

سب جانتے ہیں کہ دنیا بہت بدل گئی ہے کیونکہ یہ ہمیشہ ہی سے بدلتی رہتی ہے بڑے بڑے اور گنجان شہر آباد ہو گئے ہیں۔ جگہ جگہ ریل کی پٹریاں بچھا دی گئی ہیں۔ جہاں بھی جگہ نظر آئی ہے وہاں ایک عمارت کھڑی ہو جاتی ہے اور عمارت کے آگے کچرے کے ڈھیر اس طرح کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے وہ عمارت کے سنتری ہوں۔ سنتری ہم نے اس لیے کہا کہ اس کچرے کے ڈھیر میں سنترے کے چھلکے بھی بہت ہوتے ہیں۔ کیلے کے چھلکے کچرے میں اس لیے نہیں ہوتے کہ یہ عین سڑک کے بیچ میں پھینکے جاتے ہیں تاکہ راستہ چلنے والے ان پر پیر رکھ کر آسانی سے پھسل سکیں۔ شہروں کے اس طرح آباد ہو جانے کی وجہ سے عیدگاہوں کا سارا جغرافیہ اور سارا حلیہ بدل گیا ہے۔ ان کا جغرافیہ اس لیے بدلا ہے کہ عیدگاہیں، جو سال میں دو مرتبہ آباد ہوتی ہیں ہمیشہ شہر سے باہر، دور کہیں سنسان مقام پر ہوا کرتی تھیں جہاں صرف پرندے اور جانور جا سکتے تھے۔ کہیں کہیں اب بھی ہیں اور ٹرین سے سفر کرو تو شہر کے باہر نظر آتی ہیں۔ جانوروں اور پرندوں کو سال میں دو دن کے لیے انھیں خالی کرنا پڑتا تھا۔ یہ عیدگاہیں شہر سے دور اس لیے بنائی جاتی تھیں کہ سارے نمازی، نماز کے لیے دیر سے پہنچیں۔ یہ شہر سے دور اس لیے بھی بنائی جاتی تھیں کہ بچے وہاں نہ جا سکیں لیکن عید کی نماز میں چھوٹے بچوں کو زیادہ دلچسپی لیتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ اتنی دلچسپی

۱۹ الہلال-۱۳ باندرہ ریکلیمیشن بمبئی

تو ان کے خالو، چچا اور پھوپھا بھی نہیں لیتے تھے۔ بچّے صبح سویرے ہی بستر سے اُٹھ کھڑے ہوتے۔ (وہ رات میں سوتے ہی کہاں تھے) اور ہر بچہ دوسرے بچّے کے کپڑے پہن کر عیدگاہ کے سفر کے لیے اس طرح کھڑا ہو جاتا تھا جیسے سو گز کی دوڑ میں حصّہ لینے کے لیے دَم سادھے کھڑا ہو اور سیٹی بجنے کا انتظار کر رہا ہو۔ یہ سیٹی لیکن ذرا دیر سے بجتی تھی کیونکہ صدرِ خاندان عید کی نماز کے لیے کچھ ایسی تیاری کرنے میں مصروف رہتے تھے گویا سارے نمازی انھیں ہی دیکھنے کے لیے وہاں آرہے ہوں۔ عید کے دن ہر بزرگ اپنے آپ کو چیف گیسٹ ضرور سمجھتا اور بننے ٹھننے میں ایک گھنٹہ ضرور صرف کرتا ہے۔ ان کے کرتے، پاجامے سے عطر کی خوشبو ہی نہیں اس کے دھبے بھی بآسانی نظر آتے ہیں۔ بچوں کے کپڑوں کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ معلوم ہی نہیں ہوتے کہ یہ ان کے کپڑے ہیں۔ ان سب کے پاجامے اٹھنگے (یا ان کے پائنچے زمین گھسیٹتے ہوئے) کرتے بے حد ڈھیلے، اتنے ڈھیلے کہ ان میں ایک بچّہ اور سما جائے اور جوتے بے حد تنگ ہوتے تھے۔ جس بچّے کو اس کے دائیں یا بائیں پاؤں کا جوتا کاٹتا نہیں تھا اس بچّے کی عید نہیں ہوتی تھی۔ عید کے بعد ۴، ۵ دن ایڑی کے زخم پر لال رنگ کی دوا ضرور لگائی جاتی تھی تاکہ سب لوگ جان جائیں کہ یہ بچّہ عید کی نماز پڑھ چکا ہے۔ ایڑی کے انھی زخموں کی وجہ سے چپلیں زیادہ مقبول ہوگئی ہیں۔ چپل پہننے کا ایک فائدہ یہ ہے کہ پاؤں دھول میں بھر جاتے ہیں۔ عیدگاہ جانے والی سڑکوں پر دھول کا یوں بھی خاصا اچھا انتظام ہوتا ہے۔ بارش کے دنوں میں تو ان سڑکوں پر اس طرح چلنا پڑتا ہے جیسے آدمی چل نہ رہا ہو پھدک رہا ہو۔

عیدگاہ جانے کے لیے سب سے اچھی سواری پیدل سواری ہے۔ تانگہ ہو یا رکشہ، موٹر ہو یا ٹرک۔ یہ سب سواریاں پیدل چلنے والوں کے پیچھے ہی چلتی ہیں۔ انھیں آگے جانے کا راستہ ہی نہیں ملتا۔ پیدل چلنے والے فائدے میں رہتے ہیں۔ پیدل سواری کا کرایہ نہیں دینا پڑتا اور نہ ان کا اتنا پسینہ بہتا ہے جتنا بند گاڑی میں بیٹھنے والوں کا بہتا ہے۔ بچّے ساتھ میں ہوں تو اور زیادہ مزا آتا ہے۔ جو بچّہ پیچھے رہ جاتا ہے اسے دوسرے بچّے ڈھونڈنے لگتے ہیں اور ایک شور مچ جاتا ہے۔ بچّہ کھو گیا، بچّہ کھو گیا۔ اتنے میں کسی دوسرے بچّے کا باپ جو اپنے بچّے کو ڈھونڈ رہا تھا آپ کو آپ کا بچہ پہنچا دیتا ہے۔ اس کا ثواب اس کو الگ ملتا ہے۔ یہ بچّہ جو کھو گیا تھا اصل میں کھویا نہیں تھا پیپرمنٹ خرید رہا تھا۔ باپ

اسے صرف گھور کر رہ گیا۔ عید کے دن وہ بھی سب کے سامنے بچّے پر ہاتھ کیسے اٹھاتا، گھر واپس پہنچ کر بچّے کی خبر لے گا لیکن بچّہ ہاتھ آئے تب نا۔

عیدگاہ جاکر نماز پڑھنے کے مزے اب جاتے رہے۔ شہر سے باہر نکلے نہیں کہ دوسرے شہر کی حد شروع ہو گئی۔ عیدگاہ بنے تو کہاں بنے۔ کچھ شہروں میں میدان ہیں لیکن یہ بھی گھروں سے گھرے ہوئے ہیں۔ نماز اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن وہ جو بھاگے بھاگے عیدگاہ جانے کا لطف تھا اب ندارد ہے۔ اب عیدگاہ جانا ایسا ہی ہو گیا ہے جیسے آدمی دفتر جا رہا ہو۔ خاموش سنجیدہ۔ چہرے پر مہنگائی کا اثر لیے ہوئے۔ کل ہی ایک شخص نے بادام کے دام معلوم کیے تھے تو وہیں دکان پر بے دم ہو کر گر پڑا تھا۔ غلطی اسی کی تھی۔ اس زمانے میں کوئی کاجو اور بادام کے دام پوچھتا ہے۔ دودھ میں پانی اور شکر ملاؤ اور پی لو۔ یہی شیر خرما ہے۔ بقرعید کے موقع پر لوگ تو پوچھنے لگے ہیں چھوٹا سے چھوٹا جانور کون سا ہوتا ہے۔

عیدگاہ کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس پر چھت نہیں ہوتی، اور لوگوں کو تلاش ایسی چھت کی ہے جو شہروں میں ملتی نہیں ہے۔

مشہور یہ ہے کہ شہروں میں لوگوں نے "بڑے لوگوں" کی تقریریں سن کر اتنی تالیاں بجائیں اتنی تالیاں بجائیں کہ چھتیں اُڑ گئیں۔ ●

ایک صاحب اسٹیج پر کھڑے لمبی چوڑی تقریر کرکے سامعین کو "بور" کر رہے تھے۔ تقریر کے دوران انھوں نے گھڑی دیکھی تو حاضرین میں سے کسی نے چلا کر کہا "گھڑی نہیں کلینڈر دیکھیے"۔

ذوالقرنین جگنو

جگنو بمقابلہ ویسٹ انڈیز

بچّو! ہر عظیم کھلاڑی کی طرح ہمارا بھی بچپن گزرا ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے پانچ مہینے دو دن تین گھنٹے پچیس منٹ تیس سیکنڈ کی عمر سے ہی ہم نے کرکٹ کھیلنے کا آغاز کر دیا تھا۔ نو سال کی عمر کو پہنچے تو اس کھیل میں بڑی مہارت حاصل کر لی۔ ہمارے کھیل کی شہرت اپنے محلے، شہر اور ملک کی حدود سے نکلتی ہوئی ساری دنیا میں سورج کی روشنی کی طرح پھیل گئی اور دنیا بھر سے لوگ ہمارا کھیل دیکھنے کے لیے ٹیچر کالونی نامی محلے میں آنے لگے۔ ٹیچر کالونی میں ہمارے ہاتھوں روزانہ دنیائے کرکٹ کا کوئی نہ کوئی ریکارڈ ضرور ٹوٹ جاتا تھا۔ یا پھر قائم ہو جاتا۔ اس چھوٹی سی عمر میں بھی ہمیں اتنے آٹوگراف دینے پڑتے کہ رات کو نیم گرم پانی میں چٹکی بھر نمک ڈال کر انگلیوں کی سکائی کرنا پڑتی۔

ادھر ہم ٹیچر کالونی کی گلیوں میں کرکٹ کے یہ کھیل کھیلا رہے تھے، اُدھر ویسٹ انڈیز کے دورے کے لیے قومی ٹیم کے انتخاب کا عمل جاری تھا لوگوں کا خیال تھا کہ اس انتہائی مشکل دورے کے لیے ٹیم کی کپتانی کا بار خاکسار کے کاندھوں پر ہی ڈالا جائے گا۔

دورے کے لیے ٹیم

کا اعلان ہوا تو پوری دنیا حیرت کے سمندر میں غرق ہو گئی۔ کیونکہ پوری ٹیم کے طور پر صرف ہمارے نام کا اعلان کیا گیا تھا۔ جیسے ہی ہماری ایک رکنی ٹیم کا اعلان ہوا، ویسٹ انڈیز کے کرکٹ کنٹرول بورڈ نے یہ کہہ کر سیریز کھیلنے سے انکار کر دیا کہ ایک رکنی ٹیم سے سیریز کھیلنا بے معنی سی بات ہے۔ ویسٹ انڈیز بورڈ نے اپنے بیان میں طنزاً یہ بھی کہا کہ کیا اتنے بڑے ملک میں صرف ایک ہی کھلاڑی ہے۔ ہمارے کرکٹ کنٹرول بورڈ نے اس بیان کا سخت نوٹس لیتے ہوئے جواب دیا کہ ایک پوری ٹیم کے لیے ہمارا ایک کھلاڑی ہی کافی ہے۔ ہمت ہے تو آپ ہمارے اس واحد کھلاڑی کا مقابلہ کر لیں۔ ویسٹ انڈیز کی ٹیم نے اس چیلنج کو قبول کر لیا۔ مقابلے کے لیے لندن کا اسٹیڈیم منتخب ہوا۔ اور ہم پوری ٹیم کے روپ میں سیریز کھیلنے کے لیے لندن جا پہنچے۔

پہلا ٹیسٹ شروع ہونے والا تھا۔ اس انوکھے میچ کو دیکھنے کے لیے تمام لندن امڈ آیا تھا۔ اسٹیڈیم میں تل رکھنے کی بھی جگہ نہ تھی۔ ویسٹ انڈیز نے ٹاس جیت کر بڑی شان سے ہمیں بیٹنگ کرنے کی دعوت دی۔ ہم تیار ہو کر وکٹ پر گئے اور جم گئے۔ ہر گیند اپنی مرضی کے مطابق کھیلی۔ موڈ ہوا تو چھکا، چوکا لگا دیا ورنہ سنگل ہی بنا لیا۔

ویسٹ انڈیز نے اپنے تمام بولرز میدان میں اتارے مگر سب ہی ناکام رہے۔ ہمیں آؤٹ نہ ہونا تھا نہ ہوئے۔ جب ہم نے محسوس کیا کہ ویسٹ انڈیز کی ٹیم کے تمام کھلاڑی بھاگ بھاگ کر تھک گئے ہیں اور کسی بھی وقت یکے بعد دیگرے بے ہوش ہو کر گر سکتے ہیں تو ہم نے لنچ سے کچھ دیر پہلے آؤٹ ہوئے بغیر سات سو رنز بنا کر اننگز ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔

لنچ کے بعد ویسٹ انڈیز کی ٹیم میدان میں اتری۔ اس کے کھلاڑی بڑے خوفزدہ لگ رہے تھے۔ تاہم بعض لوگوں کا خیال تھا کہ ہم نے ۷۰۰ رنز بنا کر ان کو کھیلنے کی دعوت دے کر بیوقوفی کی ہے۔ کیونکہ ان کے خیال میں بولنگ کے ساتھ فیلڈنگ بھی کرنا ایک ناممکن کام تھا۔ مگر ہم نے مسکراتے ہوئے بولنگ شروع کی اور ہر گیند پر ایک بیٹسمین کو پویلین بھیجنا شروع کیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے تمام ٹیم دس گیندوں پر آؤٹ ہو گئی۔ ہماری اس غیر معمولی کارکردگی سے دنیائے کرکٹ میں تہلکہ مچ گیا۔ ہمیں بعد میں پتا چلا کہ برطانیہ کے وزیر اعظم تک یہ میچ دیکھنے تشریف لائے تھے۔ اور ہر گیند پر کھلاڑی کو آؤٹ ہوتا دیکھ کر

حیرت سے انگلیاں منہ میں دبائے بیٹھے رہے۔ دوسرے تماشائی مارے حیرت کے اپنی سیٹوں سے کھڑا ہونا بھول گئے تھے۔

ویسٹ کے کوچ کو اپنی ٹیم کی کارکردگی پر شرم آئی تو بولے "میاں جگنو! ایک گیند پر ایک کھلاڑی آؤٹ کرنا تو کوئی بڑی بات نہیں۔ کارنامہ تو تب ہوگا، جب ایک گیند پر دو وکٹیں لے کر دکھاؤ"

ہم بھلا کوئی معمولی کھلاڑی تو تھے نہیں۔ بس آ گئے موڈ میں، پھر کیا تھا ویسٹ انڈیز کے نامور کھلاڑی ووین رچرڈ اور رچرڈسن فیلڈ میں آئے اور وکٹ سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔ ادھر ہم نے گیند سنبھال کر بولنگ نشان کا رُخ کیا۔ اس کے بعد کرکٹ کے شائقین نے دیکھا کہ ہم نے طوفانی انداز میں اسٹارٹ لیا۔ دوڑے اور مقررہ جگہ پہنچ کر عجیب وغریب انداز میں ہاتھ گھماتے ہوئے گیند کرائی۔ گیند کسی توپ کے گولے کی طرح دندناتی ہوئی سامنے کی وکٹ سے ٹکرا کر ہمارے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ ایمپائر نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا دیے۔ جس کا مطلب تھا کہ دونوں کھلاڑی آؤٹ ہو گئے ہیں۔

ہمارے اس کارنامے پر سارے تماشائی پندرہ منٹ تک کھڑے ہو کر تالیاں بجاتے رہے۔ مگر وہاں کے کوچ نے ہار نہ مانی اور ہم سے بولا "جگنو میاں اگر تم ایک گیند پر تین وکٹیں لے کر دکھاؤ تو میں تم کو ویسٹ انڈیز کے شہری حقوق دلوا دوں گا"

ہمارے لیے یہ کون سی بڑی بات تھی۔ فوراً تیار ہو گئے۔ کوچ صاحب نے بہترین کھلاڑی میدان میں بھجوا دیے۔ ہم نے پہلے کی طرح طوفانی اسٹارٹ لیا اور مقررہ جگہ پر آکر گیند پھینک دی۔ گیند ہمارے ہاتھ سے اس طرح نکلی جیسے بندوق سے گولی! اور دو وکٹوں کو گراتی اس طرف پلٹی جہاں پہلی وکٹ گرنے پر تیسرا کھلاڑی آکھڑا ہوا تھا۔ اس نے بڑے ماہرانہ انداز میں گیند کو کھیلا اور اپنے خیال میں چوکا لگا بیٹھا مگر بچو ہم بھلا کیسے چوکا لگانے دیتے فوراً لپکے اور گیند کو زمین پر گرنے سے پہلے ہی کیچ کر لیا۔ واپس پلٹے تو ایمپائر نے تینوں کے آؤٹ ہو جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔●

بقیہ صفحہ ۱۶ کا

"آہ"، مونا کے منہ سے ایک سرد آہ نکلی،

"پیارے چاند میں تمھیں پا تو نہیں سکتی لیکن تمھیں دیکھ تو سکتی ہوں کبھی بھی میری نظروں سے چھپنا مت ...... ہاں ... کبھی، بھو، لنا ،،،،، —— ——

مجھے چاند لے دو

وسیم بن اشرف

اونچے فلیٹوں اور آنگن سے محروم گھروں کے بچوں کے لیے ایک کہانی

مونا کے ہاتھ میں پکڑا ہوا قلم نیچے میز پر پڑے، کاغذ پر الٹی سیدھی لکیریں کھینچ رہا تھا اور نظریں اوپر کمرے کا طواف کر رہی تھیں۔ شاید وہ مسلسل پڑھنے کی وجہ سے اکتا گئی تھی اس لیے نظریں کتاب پر نہیں تھیں اور قلم کسی بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح بے معنی سا ادھر سے اُدھر چل رہا تھا۔ اچانک وہ چونک اٹھی، گردن تن گئی اور نگاہیں روشن دان سے ہوتی ہوئیں دور بہت دور امبر پر جا ٹھہریں، وہ پلکیں جھپکنا بھول گئی، وہ چند ثانیے اسی حالت میں رہی پھر سحر زدہ سی اٹھی اور ڈرائنگ روم سے باہر آگئی۔ دھیرے دھیرے، چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی چھت پر چلی آئی۔

"اوہ کتنا پیارا زرد زرد سا چاند ہے" اس کے منہ سے سحر زدہ سے انداز میں نکلا۔ مونا نے اس سے قبل ایسا خوبصورت چاند کبھی نہیں دیکھا تھا۔ مغرب سے کچھ اوپر کا وقت ہو چلا تھا۔ آسمان بالکل صاف تھا۔ بہت سے ستارے اپنی ٹمٹماتی روشنیوں سے آسمان کو منور کر رہے تھے، مگر ان سب کے درمیان ایک خوبصورت شہزادہ مسکرا رہا تھا۔ یہ چاند تھا، جسے ہم سب بچپن میں چندا ماموں کے نام سے پکارتے ہیں۔ مونا ابھی تک متحیر سی وہاں کھڑی تھی۔

"مونا، تم یہاں کیا کر رہی ہو؟ آؤ نیچے چلتے ہیں" بڑا بھائی شہر یار بھی اوپر ہی چلا آیا لیکن مونا بدستور ٹکٹکی باندھ کر چاند کو تکے جا رہی تھی۔

"آہ! مجھے یہ بہت اچھا لگ رہا ہے" وہ بولی۔
"بیوقوف لڑکی! تم چاند کو حاصل نہیں کرسکتی ہو" شہریار نے مسکراتے ہوئے کہا" کیسے نہیں؟" مونا نے پوچھا۔
شہریار یہ سن کر بغلیں جھانکنے لگا، اس کے پاس مونا کے سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ مونا کو معلوم نہ تھا کہ چاند اس کی زمین سے لاکھوں میل دور ہے۔ مونا کی عمر آٹھ سال تھی اور وہ تیسری جماعت کی طالبہ تھی، جبکہ شہریار بارہ برس کا تھا اور چھٹی میں پڑھ رہا تھا شہریار نے مونا کو ہاتھ سے پکڑا اور نیچے لے آیا۔
"چاند کے متعلق کبھی بھی مت سوچنا" وہ بولا۔ مونا کوئی جواب دیے بغیر سیڑھیاں اترنے لگی لیکن وہ اس وقت بھی خوبصورت سی گول گیند کو آسمان پر دیکھ رہی تھی۔ اگلے روز دونوں کی اسکول سے چھٹی تھی، چنانچہ صبح کا ناشتا کرنے کے بعد شہریار نے اپنی ممّی سے اجازت لی اور مونا کی انگلی تھام کر گھر سے باہر بڑی سڑک پر آگیا۔ ان کا موڈ سیر کرنے کا تھا۔ سڑک کے ایک جانب ایک پھیری والا غبارے بیچ رہا تھا۔ اس نے سائکل کے پیڈل کے ساتھ بائیں جانب ایک تھیلا لٹکایا ہوا تھا جس میں غباروں کے پیکٹ تھے اور سائکل کے پیچھے کیریر پر ایک سبز رنگ کا گیس سلنڈر فِٹ کیا ہوا تھا۔ وہ سلنڈر پر لگا ہوا ایک مخصوص لیور دبا کر غباروں میں گیس بھر رہا تھا اور غباروں کو دھاگے کے ساتھ سلنڈر کی اوپر کی جانب باندھتا جا رہا تھا۔ مونا نے پہلے تو اس پھیری والے کو دیکھا پھر چلائی۔
"اوہ دیکھو، چاند!"
غبارے والے کے رنگ برنگے غباروں میں ایک خوبصورت زرد رنگ کا غبارہ بھی لٹکا ہوا تھا! غبارے پر چاند بنا ہوا تھا۔
"براہِ مہربانی! میں یہ چاند خریدنا چاہتی ہوں" مونا نے پھیری والے سے کہا اور ایک روپیا نکال کر اسے تھما دیا۔
پھیری والا مسکرایا، روپیا کو ایک نظر دیکھا۔ پھر زرد غبارہ اُتار کر مونا کو تھما دیا۔
"مونا کتنی خوش تھی اپنی پسندیدہ چیز کو پانے کے بعد! وہ اسے غبارہ نہیں بلکہ چاند سمجھی تھی۔

اگلے روز مونا غبارے کو لے کر باغ میں آگئی اور اسے درخت کی ایک جھکی ہوئی شاخ کے ساتھ باندھ دیا اور اسے اجازت دے دی کہ وہ اڑ سکتا ہے تو اڑ جائے۔

اچانک ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا، ادھر شاخ سے کچا دھاگا ٹوٹا ادھر معصوم بچی کا دل ٹوٹا! غبارہ آزاد ہو کر اوپر ہی اوپر آسمان کی طرف محوِ پرواز تھا۔ مونا اور شہریار دونوں، دور کارخانوں کی چمنیوں کی طرف پرواز کرتے ہوئے غبارے کو دیکھ رہے تھے۔

"مونا! مت چلاؤ!"، شہریار نے کہا۔

لیکن جیسے ہی کچھ وقت گزرا، وہ بہت زیادہ اداس ہو گئی۔ اپنی پسندیدہ چیز کو پلنے کے بعد اس نے اسے کھو دیا تھا۔

جونہی شام ہوئی، وہ کھڑکی کے پردوں سے آسمان کی طرف جھانکنے لگی۔ اس نے ایک چمکدار چاند دیکھا اور اپنی آنکھوں سے اس کی چمک دمک دیکھ کر لطف اندوز ہونے لگی۔

"دیکھو! میرے چاند نے اپنے گھر کا راستہ پا لیا ہے"، وہ چلائی "وہ بہت خوش دکھائی دے رہا ہے۔ اوہ! دیکھو! کیسے مسکرا رہا ہے! مجھے یقین ہے وہ خود کو وہاں بہت خوش محسوس کر رہا ہو گا۔" پھر اسی طرح چند شامیں اور گزر گئیں۔ مونا نے ایک بار پھر چاند کو دیکھا لیکن اب وہاں دیکھنے کے لیے ایک باریک سا ٹکڑا تھا۔

"میرا چاند چھپنے کی کوشش کر رہا ہے"، وہ چلائی۔

شہریار خود بخود مسکرا اٹھا اور مونا کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔

"پیاری بہن! چاند ایک بڑی سی گیند کی طرح ہے جو کہ اس زمین کے گرد چکر لگاتا ہے جہاں ہم رہتے ہیں جب سورج کی روشنی اس پر پڑتی ہے تو یہ بہت زیادہ چمک دار چاند معلوم ہوتا ہے، ایسے جیسے ایک بہت بڑا آئینہ ہو۔"

"تو کیا میں چاند کو کبھی حاصل نہیں کر سکتی؟"، مونا نے بڑی حسرت سے پوچھا۔

"ہاں کبھی نہیں۔"

"مگر کیوں؟"

"وہ اس لیے کہ چاند کوئی کھلونا نہیں ہے ہماری زمین جتنی بڑی ہے اور اتنی بڑی چیز کو حاصل کرنا کسی کے بس کی بات نہیں۔"

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

جادو کا پلنگ

حسنات احمد،

کسی زمانے میں چین کے ایک قصبے میں ایک ہنر مند بڑھئی رہتا تھا جس نے کئی سال محنت کی اور بے شمار عمدہ پلنگ بنائے، لیکن اسے خود کبھی اچھے پلنگ پر سونا نصیب نہ ہوا۔

ایک روز اس نے ارادہ کر لیا کہ چاہے اسے بھوکا ہی کیوں نہ رہنا پڑے وہ اپنے لیے دنیا کا سب سے اچھا پلنگ بنائے گا۔ اس نے بزرگوں سے سن رکھا تھا کہ جنوبی پہاڑوں میں آسمان کو چھوتی ہوئی ہزاروں فیٹ بلند ایک پہاڑ کی چوٹی ہے جس پر ایک جادو کا درخت ہے۔ یہ درخت ہمیشہ سر سبز پتوں اور خوب صورت سرخ پھولوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ اس درخت کی لکڑی سے جو پلنگ بنے گا وہ جادو کا ہوگا۔ یہ پلنگ بہت خوش حالی لائے گا، لیکن، اس درخت تک صرف بہادر، دیانت دار اور بہت محنتی شخص ہی پہنچ سکتا ہے۔

بڑھئی نے اس درخت تک پہنچنے اور اپنے لیے خوشیاں لانے کا فیصلہ کر لیا۔ پس وہ ایک کلہاڑی، ایک آری اور ضروری سامان لے کر دور دراز کے علاقے میں بادلوں اور دھند میں گھرے ہوئے جنوبی پہاڑوں کی طرف روانہ ہوا۔ لکڑہارا جتنا اونچا چڑھتا گیا راستہ مشکل سے مشکل ہوتا گیا۔ گرتے پڑتے وہ سفر طے کرتا گیا اور ایک چوٹی سے دوسری چوٹی تک پہنچتا گیا، یہاں تک کہ اس کے جوتے پھٹ گئے، لیکن اس نے ننگے پاؤں سفر جاری رکھا۔ کانٹے اس کے پاؤں میں چبھ جاتے تو وہ ان کانٹوں کو نکالتا اور پھر سفر شروع کر دیتا۔ جب خطرناک چٹانیں اس کا راستہ روکتیں تو وہ ہاتھوں کے سہارے رینگتا ہوا اوپر چڑھتا جس سے اس کے ہاتھ زخمی ہو جاتے اور خون بہنے لگتا۔ بڑھئی بھی اپنی دھن کا پکا تھا۔ وہ سب کچھ برداشت کرتے ہوئے اوپر ہی اوپر چڑھتا چلا گیا۔ جادو کے درخت تک پہنچنے کے لیے کوئی رکاوٹ اور تکلیف اس کے حوصلے کو ختم نہ کر سکی۔

پھر ایک روز اس کے کھانے کی چیزیں تقریباً ختم ہو گئیں۔ تھک ہار کر وہ زمین پر بیٹھ گیا اور کھانے کی آخری چیز نکالی ہی تھی کہ اس کے سامنے زمین پر ایک سایہ گزرا۔ اس نے

اوپر اٹھائی تو اسے چھتری جتنا بڑا ایک عقاب نظر آیا جو ایک چھوٹے سے پرندے کو پکڑنے کے
لیے اس کا پیچھا کر رہا تھا۔ پرندہ سے عقاب بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ بڑھئی نے اپنی کلہاڑی
عقاب کی طرف پھینکی اور عقاب پرندے سے دور چلا گیا۔ چھوٹا پرندہ زخمی ہو چکا تھا۔ وہ زمین
پر گر پڑا۔ اس نے بڑھئی سے کہا:

"آپ کا شکریہ کہ آپ نے میری جان بچائی۔"

بڑھئی نے اپنی خوراک کا آخری حصہ اس چھوٹے پرندے کو کھلا دیا۔ پھر کوئی دوا جیسی چیز
اس کے زخم پر لگا کر پٹی باندھ دی۔

اسی وقت اس جیسا ایک بڑا پرندہ اس چھوٹے پرندے کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور بار بار اس
کے اوپر اپنے پروں کو پھڑپھڑانے لگا۔ یہ اس پرندے کی ماں تھی۔ اس نے بڑھئی سے کہا:

"قابل احترام بڑھئی! آپ کا بہت بہت شکریہ۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے میں اپنے تمام
پرندوں کو بتاؤں گی تاکہ جب کبھی آپ مصیبت میں ہوں تو وہ آپ کی مدد کر سکیں۔" یہ کہہ کر
وہ اپنے چھوٹے بچے کو لے کر اڑ گئی۔

بڑھئی تھک چکا تھا اور اسے بہت بھوک لگ رہی تھی، لیکن اب اس کے پاس کھانے کو
کچھ بھی نہ تھا۔ ایک درخت کا سہارا لے کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور آرام کرنے لگا۔
اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ گہری نیند سو گیا۔

اگلی صبح جب وہ جاگا تو پتوں میں سے سورج کی روشنی اس پر پڑ رہی تھی۔ وہ ایک چٹان کی
طرف چلا جہاں اسے بہت سے لال رنگ کے پھل ملے۔ ابھی وہ یہ پھل توڑنے ہی والا تھا کہ
ایک بہت بڑا پہاڑی مچھر حملہ کرنے کے لیے اڑتا ہوا اس کی طرف آیا۔ اچانک ایک شعلہ بلند
ہوا۔ ایک ابابیل نے جھپٹا مارا اور مچھر کو پکڑ لیا۔

بڑھئی نے کہا: "مہربان ابابیل! آپ کا بہت شکریہ۔"

ابابیل نے کہا: "تمہارا بھی شکریہ کہ تم نے ہمارے چھوٹے پرندے کو بچایا۔ تم جادو کے
درخت کی تلاش میں ہو۔" یہ کہہ کر وہ ابابیل اڑ گیا۔

بڑھئی نے جنگلی پھل کھایا اور اپنا سفر جاری رکھا۔ وہ چلتا رہا یہاں تک کہ وہ ایسی جگہ پہنچا
جہاں آگے بانس کا جنگل نظر آ رہا تھا۔

اس میں سے کوئی راستہ دکھائی ہی نہ دیتا تھا۔ لیکن بڑھئی نے تو ہر حال میں جادو کے درخت تک پہنچنے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ اس نے آہستہ آہستہ بانسوں کے اس گھنے جنگل میں سے بڑی مشکل سے گزرنا شروع کیا۔ اچانک اسے ایک پتلی سی آواز سنائی دی:

"سنبھلنا! شیر آرہا ہے۔"

ایک شیر آتا دکھائی دیا۔ بچنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ بڑھئی پیچھے دبک گیا اور کلہاڑی ہاتھ میں تھام کر شیر کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔ شیر اس کے قریب آتا گیا۔ اچانک شیر کے اور اس کے درمیان ایک پردہ سا آگیا اور شیر اس کو دیکھے بغیر گزر گیا۔ یہ پردہ اصل میں ایک مور کی پھیلی ہوئی دم تھی۔ بڑھئی نے مور کا شکریہ ادا کیا تو مور نے کہا:

"کمال مرّت بڑھئی! تم نے ہمارے ایک چھوٹے پرندے کی جان بچائی تھی۔ تم جادو کا پلنگ بنانے کے لیے جادو کے درخت کی تلاش میں ہو۔"

یہ سن کر بڑھئی کا چہرہ خوشی سے کِھل اٹھا کہ جس کی مدد اتنے پرندے کر رہے ہوں وہ کیوں نہ خوش ہو۔ اس نے سفر جاری رکھا۔ جب اسے بھوک لگتی تو جنگلی پھل کھا لیتا اور جب پیاس لگتی تو پہاڑ کے چشموں سے اپنی پیاس بجھا لیتا۔

ایک دن وہ بہت ہی پرانے درختوں کے جنگل میں داخل ہوا۔ یہ جنگل اتنا گھنا تھا کہ سورج کی ایک معمولی سی روشنی وہاں آرہی تھی۔ یہاں بڑھئی راستہ بھول گیا۔ اچانک ایک چھوٹے سے پرندے کی آواز سنائی دی کہ اس چھتری نما صنوبر کے درخت کے پاس سے گزریں۔ بڑھئی کو کوئی صنوبر کا درخت دکھائی نہ دیا۔ وہ ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا تو اسے دور وہ درخت نظر آگیا۔ بڑھئی پہاڑ کے اوپر چڑھ گیا اور خطرناک چوٹی سے گزر کر صنوبر کے درخت کے نیچے آگیا۔ ایک خوشبو دار تازہ ہوا کا جھونکا اسے محسوس ہوا۔ اس نے اندازہ لگایا کہ درختوں کا وہ جھنڈ زیادہ دور نہیں جہاں جادو کا درخت ہے۔ وہ کافی تلاش کرتا رہا لیکن بے کار۔ وہ کسی اور طرف جانے والا تھا کہ اچانک شہد کی مکھیوں نے اس کو گھیرے میں لے لیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنا شروع کر دیا۔

بڑھئی سمجھ گیا کہ یہ مکھیاں میری رہنمائی کرنے آئی ہیں۔ جہاں جہاں مکھیاں اڑتی گئیں وہ ان کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ آخر وہ درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس پہنچ گیا۔ ان درختوں پر

پھولوں کا سمندر سا تھا جس سے زرد رنگ کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور شہد کی مکھیاں شہد جمع کرنے میں مصروف تھیں۔ اس نے درختوں کے جھنڈ میں سے راستہ بنایا اور جونہی اس نے اپنا سر اوپر اٹھایا' سرخ شعاعوں سے اس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اس نے اپنے دل میں سوچا کہ ضرور یہ جادو کے درخت کے پھولوں کا ہی رنگ ہو گا جس کے سبز پتے سورج کی روشنی میں چمک رہے تھے۔ پہلی نظر میں اسے ایسا دکھائی دیا جیسے جادو کا درخت زمین سے سیدھا اوپر کی طرف نکل رہا ہو' لیکن قریبی جائزے سے پتا چلا کہ یہ تو درخت کا تنا ہے۔ جونہی کھڑی چٹان کے کنارے پر کھڑے ہو کر اس نے نیچے دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ سمندر کی لہروں کی طرح سفید بادلوں نے چٹان کو گھیر رکھا تھا اور پہاڑ کی چوٹی ان میں سے نکلتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔

چٹان کے کنارے کے پاس ہی ایک موٹا رسا پڑا ہوا دکھائی دیا۔ بڑھئی نے اس رسے کا ایک سرا اپنی کمر سے باندھ لیا اور دوسرا چٹان کے کنارے کے ساتھ درخت کے تنے سے باندھ دیا۔ پھر کلہاڑی اور آری لے کر اس نے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ بڑی مشکل سے وہ جادو کے درخت کے نچلے حصے تک پہنچا۔ اس نے کلہاڑی زور سے درخت پر ماری۔ یہ آواز پوری وادی میں گونج اٹھی۔ اسی وقت عقاب نے یہ آواز سنی اور اڑتا ہوا وہاں پہنچا۔ اس نے بڑھئی کو پہچان لیا تھا۔ بڑھئی پر حملہ کرنے کے لیے اس نے غوطہ لگایا' لیکن بڑھئی کی تیز نگاہ نے اس کو دیکھ لیا تھا۔ اس نے زور سے کلہاڑی لہرا کر عقاب کے ماری۔ عقاب تڑپتا ہوا نیچے گرتا چلا گیا۔

بڑھئی درخت کی طرف مڑا۔ اس نے آری نکالی اور پھر درخت کو کاٹنے لگا۔ اب پہاڑی مچھروں نے اس کو گھیر لیا۔ یہ مچھر درحقیقت پہلے مارے جانے والے مچھر کے بیٹے اور پوتے تھے۔ بڑھئی ان مچھروں کا مقابلہ کرنے کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ اچانک تیز ہوا چلی جس میں روشنی چمکی اور پھر مچھروں نے بکھرنا شروع کر دیا' کیوں کہ مختلف قسم کے سیکڑوں پرندے غوطہ لگاتے اور مچھروں کو ہڑپ کر جاتے۔ جب یہ پرندے مچھروں کا خاتمہ کر چکے تو انھوں نے جادو کے درخت کے چاروں طرف گھیرا ڈال لیا اور اس کی جڑوں کی مٹی پر ٹھونگیں مارنی شروع کر دیں۔ جلد ہی درخت ہلنے لگا۔ بڑھئی یہ دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔ اس نے درخت کو پکڑ کر تھوڑا سا زور لگایا اور درخت جڑ سے اکھڑ گیا۔ پھر تمام پرندوں نے درخت کی ٹہنیوں کو اپنی اپنی چونچ

میں مضبوطی سے پکڑا اور اوپر اڑ گئے۔ چھوٹے پرندے نے اپنے محسن سے کہا:
"جلدی سے درخت کو پکڑ کر اس کے اوپر بیٹھ جاؤ' آنکھیں بند کر لو اور نیچے مت دیکھنا۔"
بڑھئی نے ایسا ہی کیا۔ کچھ پتا نہیں کہ کتنی دیر وہ ہوا میں اڑتے رہے۔ وہ سفر کرتے رہے' یہاں تک کہ سوئی بڑھنے لگی۔ اچانک ایک پہاڑی مچھر نے جو پرندوں سے اپنی جان بچا کر بڑھئی کے کپڑوں میں چھپا ہوا تھا بڑھئی کو زور دار ڈنک مارا۔ اب تو درد سے بڑھئی کی آنکھیں کھلنی شروع ہو گئیں۔
یہ دیکھ کر بڑھئی کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ اتنی بلندی پر اڑ رہے تھے کہ نیچے زمین دھند کی طرح دکھائی دے رہی تھی۔ وہ یہ دیکھ کر گھبرا گیا' درخت پر اس کی پکڑ ڈھیلی پڑ گئی۔ وہ چکرا گیا اور درخت سے نیچے گر گیا۔ اچانک اسے پانی میں گرنے کی آواز سنائی دی۔ اب وہ ایک گہرے دریا میں تھا۔ ایک تیز لہر اس کو بہا کر لے جا رہی تھی۔ اس نے کنارے پر پہنچنے کے لیے بڑے ہاتھ پاؤں مارے' آخر وہ دریا میں بہنے والے جادو کے درخت تک پہنچنے میں کام یاب ہو گیا جسے پرندوں نے بڑھئی کے گرنے کے بعد چھوڑ دیا تھا۔
درخت نے ایک ندی کی طرف بہنا شروع کر دیا۔ پتا نہیں کب تک وہ درخت کے ساتھ لپٹا پانی میں بہتا رہا۔ آخر وہ درخت سمیت ایک بڑے تالاب میں جا پہنچا جہاں ایک نوجوان مچھیرا مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ اس مچھیرے نے بڑھئی کو باہر نکالا اور درخت کو رسیوں سے باندھ کر کشتی کے پاس لے گیا۔ بڑھئی نے مچھیرے کے پاس کئی روز آرام کیا۔ پھر اس نے مچھیرے سے کہا:
"میں اپنے گھر جا کر جادو کا پلنگ بنانا چاہتا ہوں۔"
مچھیرے نے بڑھئی کے درخت کو ساحل تک پہنچا دیا۔ اچانک وہ مہربان مچھیرا سمندری پرندے میں تبدیل ہو گیا۔ یہ دیکھ کر بڑھئی حیران ہوا' لیکن جلد ہی وہ سب کچھ سمجھ گیا۔ بڑھئی نے لمبی گردن والے پرندے کا شکریہ ادا کیا تو اس نے جواب دیا:
"اچھے بڑھئی! ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمارے چھوٹے پرندے کی جان بچائی اور اپنے آپ کو جادو کا درخت حاصل کرنے کے لیے مصیبت میں ڈالا۔" پھر وہ پرندہ ہوا میں اڑتا ہوا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

کچھ تکلیف اور محنت کے بعد بڑھئی درخت کو اپنے گھر لانے میں کامیاب ہو گیا۔
کئی رات اور کئی دن وہ یہ سوچتا رہا کہ پرندوں نے جادو کا درخت تلاش کرنے میں کس
طرح میری مدد کی۔ پھر اسے ایک خیال آیا۔ اس نے ارادہ کر لیا اس پلنگ پر میں ان تمام
پرندوں کی تصویریں بناؤں گا جنھوں نے میری مدد کی تھی۔

لہٰذا اپنی تمام مہارت استعمال کرتے ہوئے بڑھئی نے پلنگ بنانا شروع کر دیا۔ وہ اس پلنگ
پر ہر پرندے کی تصویر کھودتا چلا گیا۔ لیکن یہ دیکھ کر وہ حیران ہو گیا کہ وہ کسی پرندے کی چونچ
مکمل کرتا تو وہ پرندہ حرکت کرنے لگتا اور جب کسی پرندے کے پر مکمل کرتا وہ پھڑپھڑانے لگتا۔
غرض وہ رات دن جاگ کر پلنگ بنانے اور اس پر اپنے محسن پرندوں کی تصویریں کھودنے میں
مصروف رہا۔ آہستہ آہستہ اس کے کھانے کی چیزیں ختم ہو گئیں۔

اسی وقت ایک کوئل نما پرندہ کوکو کرتا اڑتا ہوا آیا اور اس کے سامنے زمین پر سرخ بیج
ڈال کر پھر اڑ گیا۔ بڑھئی نے حیرت سے اس بیج کو اٹھایا۔ اس سے پہلے اس نے اتنا خوب
صورت بیج کبھی نہ دیکھا تھا۔ بڑھئی نے یہ بیج زمین میں بویا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ایک گہرے سبز
رنگ کا پودا اُگ آیا۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے اس پودے کی کونپلوں پر پھول لگے اور
اسی وقت اس پر سیب جیسا ایک بڑا پھل لگ گیا۔ بڑھئی نے اس پھل کو توڑ کر کھایا اور پھر
اسے بھوک نہ لگی۔ پھل بہت مزے دار تھا۔

۹۹۹ دن کے بعد جادو کا پلنگ مکمل ہو گیا۔ اس پلنگ نے رنگ برنگی روشنیوں سے تمام
کمرے کو جگمگا دیا۔ اس پر پورے سو پرندوں کی تصویریں کھدی گئی تھیں۔ یہ سب پرندے گانا
گاتے اور اپنے پر بھی پھڑپھڑاتے۔ اس دن سے بڑھئی کے گھر خوب لوگ آنے لگے۔ وہ اس
عجیب و غریب پلنگ کو دیکھنے کے لیے وہاں آتے تھے۔ یہ پلنگ نہ صرف خوب صورت تھا بلکہ
اس میں جادو کی طاقت بھی تھی۔

اندھے اس پلنگ پر تھوڑی دیر سوتے تو ان کی بینائی واپس لوٹ آتی۔ بیمار اور زخمی اس پر
تھوڑی دیر بیٹھتے تو وہ صحت یاب ہو جاتے۔ بھوکے تھوڑا سا اس کی طرف جھکتے تو انھیں ایسا
لگتا جیسے انھوں نے پیٹ بھر کر کھانا کھا لیا ہو اور جنھیں زیادہ سردی لگتی وہ چند لمحوں کے لیے
جادو کے اس پلنگ پر لیٹتے تو گرمی محسوس کرنے لگتے۔

پھیلتے پھیلتے جادو کے پلنگ کی یہ خبر گاؤں کے مشرق میں رہنے والے ماسٹر وانگ اور گاؤں کے مغرب میں رہنے والے ماسٹر لی تک پہنچی۔ دونوں کے منہ میں پانی بھر آیا کہ کسی طرح اس جادو کے پلنگ کو حاصل کیا جائے۔

ایک دن ماسٹر وانگ نے اپنے ایک آدمی کو بڑھئی کے پاس بھیجا کہ تین دن کے اندر اندر یہ پلنگ میرے حوالے کیا جائے۔ دوسری طرف ماسٹر لی نے بھی بڑھئی کو پیغام بھیجا کہ دو دن کے اندر میں پلنگ لینے کے لیے آرہا ہوں۔

یہ سن کر بڑھئی اور دوسرے لوگوں کو غصہ آگیا۔ یہ پلنگ جو اتنی محنت سے سے تیار کیا گیا تھا اور جو غریبوں کے لیے خوش حالی لایا تھا وہ ایسے پلنگ کو بھلا ظالموں کے حوالے کیسے کر سکتے تھے۔ آخر بڑھئی نے فیصلہ کرلیا کہ وہ کسی قیمت پر بھی پلنگ کو کسی کو نہ دے گا۔ وہ پوری رات سو نہ سکا اور پریشان رہا۔ آخر ایک ترکیب اس کے ذہن میں آئی۔ اگلی صبح وہ ماسٹر وانگ کے پاس گیا اور کہا:

"آج ماسٹر لی پلنگ لینے کے لیے آرہا ہے۔ بہتر ہے کہ تم اس سے پہلے آکر پلنگ لے جاؤ۔"

پھر وہ ماسٹر لی کے پاس گیا اور کہا:

"ماسٹر وانگ آج پلنگ لینے آرہا ہے۔ بہتر ہے کہ تم پہلے لے جاؤ۔"

یہ سن کر ماسٹر وانگ اور ماسٹر لی سخت غصے میں آگئے اور اپنے اپنے آدمیوں کو پلنگ حاصل کرنے کے لیے بڑھئی کے گھر بھیجا۔ دونوں گروہ ایک ہی وقت میں وہاں پہنچے اور پلنگ حاصل کرنے کے لیے ان میں زبردست لڑائی شروع ہوگئی۔ پھر بڑھئی نے مداخلت کرتے ہوئے ایک تجویز پیش کی۔ اس نے کہا:

"سنو! فی الحال پلنگ کو یہیں رہنے دو۔ ماسٹر وانگ کے آدمی ماسٹر لی کے گھر جائیں اور ماسٹر لی کے حمایتی ماسٹر وانگ کے گھر۔ کل صبح سورج نکلے تو تم یہ پلنگ حاصل کرنے کے لیے میرے گھر کی طرف روانہ ہونا۔ جو گروپ پہلے پہنچے گا پلنگ اسی کا ہوگا۔"

دونوں طرف کے لوگ راضی ہوگئے۔ اب ماسٹر وانگ کے آدمی ماسٹر لی کے گھر اور ماسٹر لی کے آدمی ماسٹر وانگ کے گھر چلے گئے۔

اس رات بڑھئی اور اس کے پڑوسیوں نے جادو کے پلنگ کو اٹھایا اور گاؤں کے قریب ایک

پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ پہاڑ کی چوٹی کے بالکل نیچے دریا بہ رہا تھا۔ پہاڑ کی چوٹی پر ایک غار بھی تھا۔ انھوں نے بڑی مشکل سے رسّوں کی مدد سے جادو کے پلنگ کو غار میں لٹکایا اور بڑھئی بھی اس کے اندر چلا گیا۔

ابھی وہ اس کام سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ سورج نکل آیا۔ تھوڑی دیر بعد دریا کے کنارے ماسٹر وانگ اور ماسٹرلی کے آدمی آن پہنچے، لیکن غار تک پہنچنے کی کوئی جرات نہ کرسکا۔ دونوں ماسٹر غصے سے بپھرے ہوئے تھے۔ انھوں نے تیروں پر روئی لپیٹ کر اس پر آگ لگا کر غار میں پھینکنے کا حکم دیا تاکہ بڑھئی اور اس کا پلنگ جل کر راکھ ہو جائے۔ اسی لمحے غار میں سے سیکڑوں پرندے باہر نکلے۔ انھوں نے ماسٹر وانگ اور ماسٹرلی کو اتنی زبردست چونچیں ماریں کہ وہ وہیں مرگئے۔ اب ان کے آدمی وہاں سے بھاگ گئے۔ پھر پرندے غار میں واپس چلے گئے۔ تھوڑی دیر بعد روشنی کی ایک لہر غار سے باہر نکلی۔ اس کے پیچھے جادو کے پلنگ پر پرندوں کے درمیان بیٹھا ہوا بڑھئی باہر آیا۔ جادو کا یہ پلنگ بڑھئی اور پرندوں کے ساتھ ساتھ ہوا میں اوپر ہی اوپر اٹھتا چلا گیا اور بادلوں میں غائب ہوگیا۔

ماں

مرسلہ: یاسمین شفیع،

ماں کا دوسرا نام محبت ہے، وہ محبت جو ماں اپنے بچوں پر نچھاور کرتی ہے۔ ماں پھول کی طرح پیاری ہوتی ہے۔ ماں کا پیار دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے ماں اللہ کا بہترین تحفہ ہے۔ ماں اپنی اولاد کا سارا دکھ اپنے سینے میں اتار لیتی ہے اور انھیں خوشیاں دیتی ہے۔ ماں کا ہر روپ خوب صورت، دل کش اور حسین ہوتا ہے۔ ماں کے چہرے پر ہر وقت محبت رہتی ہے۔ ماں کسی سے نفرت نہیں کرتی۔ ماں کی محبت سمندر کی طرح وسیع ہوتی ہے۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے۔ ماں عظیم ہے۔ ماں اپنے بچوں کو اخلاق سکھاتی ہے اور باپ انھیں تعلیم دلواتا ہے۔ ماں سے محبت کرنا اللہ سے محبت کرنا ہے۔ ماں کے پیار میں اتنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ بھٹکے ہوئے انسانوں کو سیدھے راستے پر لا سکتی ہے۔ جس طرح باغ میں گلاب کا پھول نہ ہو تو وہ باغ خوب صورت نہیں لگتا اسی طرح جس گھر میں ماں نہ ہو وہ گھر گھر نہیں لگتا۔

یہ گزرے وقت کا ایک سچا واقعہ ہے۔
کچھ دن پہلے میرا بغداد سے گزر ہوا جو کبھی میرا آبائی شہر تھا۔ کسی کام سے مجھے وہاں ایک رات ٹھہرنا پڑا۔ اسٹیشن کے قریب ایک سرائے تھی۔

جب میں کھانے سے فارغ ہوا تو مجھے اپنے شہر کے لوگ، اپنے دوست احباب اور ان کی باتیں یاد آنے لگیں۔ میں ان ہی خیالات میں گم تھا کہ اچانک قریب سے ایک بوڑھے کی آواز نے مجھے

جس میں دور دراز کے شہروں سے آنے والے مسافر ٹھہرا کرتے تھے۔ میں بھی اسی سرائے میں ایک رات گزارنے کے خیال سے داخل ہوا۔ مجھے بھوک لگ رہی تھی میں نے کھانے کا آرڈر دیا۔

چونکا دیا۔ بوڑھا کہہ رہا تھا۔
”بوڑھوں میں تجربے کی وجہ سے زیادہ صلاحیت ہوتی ہے کیونکہ عمر کے ساتھ ساتھ ان کا تجربہ بھی وسیع ہوتا جاتا ہے۔“

تینوں لڑکوں سے اس بوڑھے کی بحث ہو رہی تھی۔ نوجوان کہہ رہے تھے۔

"یہ نیا زمانہ ہے۔ آج کا بچہ بھی بہت عقلمند ہوتا ہے۔ بوڑھے لوگ تو سیدھے سادے ہوتے ہیں۔"

بوڑھے کو اس سے اتفاق نہ تھا، اس کا کہنا تھا "تجربہ بہت بڑی چیز ہے جو ابھی تم لوگوں میں نہیں ہے۔"

یہ میری دلچسپی کا موضوع تھا کیونکہ میں بھی کبھی ایسے ہی اپنے والد صاحب سے بحث کیا کرتا تھا۔ میں نے ان کی گفتگو میں دخل دیتے ہوئے کہا۔

"معاف کیجئے میں بھی آپ کی محفل میں شامل ہونا چاہتا ہوں۔"

تینوں نوجوان خوشی سے بولے "ہاں ہاں بے شک! آپ بھی شامل ہو سکتے ہیں۔"

میں نے کہا "آپ تینوں نوجوان دوستوں نے اپنی اپنی عقلمندی اور سمجھداری کا ثبوت دے دیا۔ اب میں آپ سب کو آنکھوں دیکھا ایک واقعہ سناتا ہوں۔ میرا خیال ہے اس واقعے سے آپ کسی نتیجے پر پہنچ جائیں گے۔" پھر میں نے واقعہ سنانا شروع کیا۔

"اسی شہر بغداد میں ایک امیر رہا کرتے تھے یہ اب سے پانچ سال پہلے کی بات ہے۔ وہ بوڑھے ہو چکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اپنی وصیت اپنے بیٹوں کے نام لکھ دینا چاہتے تھے۔ ان کے تین بیٹے تھے۔ ایک چھوٹا بھائی تھا۔ اور اس کے علاوہ کچھ وہ اپنے پیسے اللہ کے نام پر بھی خرچ کرنا چاہتے تھے۔

ان کے تینوں بیٹوں کا خیال تھا کہ جوانی کے ساتھ ساتھ عقل بھی کم ہوتی جاتی ہے اس لئے انسان بڑھاپے کی دہلیز میں جب قدم رکھ دیتا ہے تب وہ کچھ بے وقوفی کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ حالانکہ ان کے والد امیر نے کئی مرتبہ کہا "بیٹے اگر پوری محفل میں ایک بھی بوڑھا ہو تو وہ بابرکت محفل ہوتی ہے اور بزرگی کے رعب سے کوئی بھی شخص غلط بات کرنے یا غلط قدم اٹھانے کی ہمت نہیں کرتا۔ اور بوڑھوں کی تجرباتی آنکھیں آگے آنے والے حالات کو بھی دیکھ لیتی ہیں۔"

لیکن ان کے تینوں بیٹے اپنے باپ سے زیادہ اپنے آپ کو عقلمند اور سمجھدار سمجھتے تھے۔ اچانک ایک دن امیر کا انتقال ہو گیا۔ تینوں بیٹوں اور چھوٹے بھائی کو امیر کے انتقال کا بہت زیادہ صدمہ ہوا۔ ویسے تو سب ہی دوست احباب ان کو بہت چاہتے تھے، جس کی وجہ سے سب ہی ان کے انتقال پر رنجیدہ ہوئے۔

کچھ دن کے بعد سب کو خیال آیا کہ امیر نے مرنے سے پہلے جو وصیت لکھی تھی اس وصیت کو دیکھ کر اسی حساب سے عمل کر لیا جائے۔ سب سے پہلے وصیت نامہ ان کے بھائی نے کھولا اور سب کو پڑھ کر سنایا۔

"میں نے اپنی زندگی میں یہ قائمیٔ ہوش و حواس یہ وصیت نامہ تحریر کیا ہے کہ میری ملکیت میں جو انیس (۱۹) اونٹ ہیں ان میں سے ۱/۵، ۱/۵ حصے کے حساب سے میرے تینوں بیٹوں کو ۱/۱۰ حصہ میرے بھائی کو اور ۱/۴ حصہ اللہ کی راہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ کسی بھی اونٹ کو ذبح کر کے حصے نہیں کئے جائیں گے بلکہ ہر ایک کے پاس زندہ اونٹ جائیں گے۔ اونٹوں کی تقسیم کے بعد وصیت کے مطابق زمین و جائداد تقسیم ہوگی۔"

یہ وصیت پڑھ کر سب لوگ حیران ہو گئے امیر کے تینوں بیٹے اپنی اپنی عقل سے حساب لگاتے رہے لیکن کسی بھی طرح اس وصیت کے مطابق حصے تقسیم نہیں ہو پا رہے تھے۔ ان کے بھائی نے کہا کہ تم لوگ ان کو بڑھاپے میں خبطی سمجھنے لگے تھے حالانکہ بڑھاپے میں بھی وہ اپنی زندگی میں کوئی نہ کوئی نیا حیران کن کام کرتے تھے جس کو دیکھ کر سب ہی حیرت زدہ ہو جایا کرتے تھے۔ اب اسی طرح انہوں نے اپنے مرتے وقت بھی یہ عجیب و غریب وصیت نامہ تحریر کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ صحیح وصیت نامہ لکھا ہوگا جس کو ہم ہی نہیں سمجھ پا رہے۔ ہمارے حساب سے جب تک کسی ایک اونٹ کو ذبح نہیں کیا جائے اس کے حصے ٹھیک ٹھیک نہیں ہو سکتے۔ جبکہ وصیت نامہ میں ذبح نہ کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔

[illegible] میں کئی دن گزر گئے۔ وہ سب ان کی وصیت کے مطابق ہی حصہ لینا چاہتے تھے۔ کوئی بے ایمانی نہیں کرنا چاہتا تھا اور نہ ہی کوئی اپنا حصہ چھوڑنا چاہتا تھا۔ ایک دن انہوں نے پورے شہر میں اعلان کرا دیا کہ جو کوئی بھی اس وصیت کے مطابق اونٹ کے ٹھیک ٹھیک حصے لگا دے گا۔ اس کو ایک اونٹ انعام میں دیا جائے گا۔ اس خبر کو سن کر شہر کے اکثر نوجوان آتے اور بہت بہت سوچ و بچار کرتے لیکن ناکام ہی لوٹ جاتے کسی کی بھی سمجھ میں یہ وصیت نہیں آ سکی۔

ایک دن اچانک ایک بزرگ تشریف لائے۔ سفید کپڑوں میں ملبوس، سفید داڑھی، گلابی رنگت، سحر انگیز شخصیت کے مالک تھے۔ انہوں نے امیر کے مکان کے دروازے پر اپنے اونٹ کو روکا اور پھر خود اونٹ سے نیچے اترے اور انہوں نے کہا۔

"مرحوم امیر کے بھائی اور بیٹوں کو بلاؤ۔"

جب مرحوم امیر کے ورثا آئے تو ان سے بزرگ ہستی نے کہا "وصیت نامہ لاؤ۔"

مرحوم امیر کے بھائی نے وصیت نامہ لا کر بزرگ کو دیا۔ بزرگ نے وصیت نامہ کو بغور پڑھا پھر وہ کہنے لگے کہ انیس (۱۹) اونٹ وصیت نامے کے مطابق لے آؤ۔" سب حیران ہوئے کہ انیس (۱۹) اونٹ یہاں کیوں منگا رہے ہیں۔ لیکن امیر کے بھائی نے فوراً عمل کیا اور انیس (۱۹) اونٹ لے آیا۔ یہ سب باتیں سن کر سب لوگ امیر کے مکان کی طرف جمع ہونے لگے کہ دیکھیں

وصیت کے مطابق کس طرح حصے تقسیم ہوتے ہیں اور کون عقلمند شخص ان کی تقسیم کرتا ہے۔

جب انیس (۱۹) اونٹ آگئے تو بزرگ نے اپنا ایک اونٹ بھی ان میں ملا دیا۔ سب لوگوں کے منہ سے حیرانی میں نکلا کہ یہ اپنا اونٹ ان میں کیوں ملا رہے ہیں۔ تب انہوں نے انگلی کے اشارے سے سب کو خاموش رہنے کے لیے کہا۔

جب بیس (۲۰) اونٹ ہو گئے تب انہوں نے کہا

"بیس (۲۰) کا ۱/۵ حصے کے حساب سے ہر بیٹے کو چار چار اونٹ دے دیئے جائیں۔ یعنی تینوں بیٹوں کے بارہ اونٹ الگ کر دو۔"

بیٹوں نے اپنا اپنا حصہ لے لیا۔ اب بچے آٹھ اونٹ۔

بزرگ نے پھر کہا "۱۰/۱ حصہ یعنی دو اونٹ ان کے بھائی کو دے دو۔"

دو اونٹ ان کے بھائیوں نے لے لیے اب بچے چھ اونٹ۔

بزرگ نے کہا ۴/۱ حصہ یعنی پانچ اونٹ اللہ کی راہ میں نکال دو۔ "اب باقی بچا ایک اونٹ۔"

بزرگ مسکرائے اور وہاں کھڑے اپنے اونٹ پر بیٹھ گئے اور پھر کہا

"باقی رہا ایک اونٹ جو میرا تھا میں نے لے لیا۔"

سب لوگ حیرانی سے اس عظیم ہستی کو دیکھ رہے تھے وصیت کے مطابق سب لوگوں کو بانٹ کر وہاں سے رخصت ہو رہے تھے۔ سب خوش تھے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ امیر کے بیٹے پشیمان بھی تھے کیونکہ آج انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ اپنے وسیع تجربے کی وجہ سے عقلمند اور سمجھدار بزرگ ہی ہوا کرتے ہیں اور ان ہی کے بابرکت قدموں سے ہر مشکل کام آسان ہو جایا کرتا ہے۔ جس طرح نا تجربے کاری کی وجہ سے کئی ملاؤں کی مسلسل کوششوں کے بعد بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوا تھا آج ایک بزرگ ہستی نے اپنے تجربے کی بنیاد پر منٹوں میں فیصلہ سنا دیا تھا۔

"دوستو! ان مرحوم امیر کا چھوٹا بیٹا میں ہوں۔ کبھی میں بھی تمہاری طرح ہی خود کو عقلمند سمجھا کرتا تھا لیکن اب میں بزرگوں کی عزت کرتا ہوں، ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ اچھا اب آپ سب سے اجازت چاہتا ہوں کیونکہ اب صبح ہونے والی ہے اور میری گاڑی کا وقت ہو گیا ہے۔"

اچھی سزا

محمد شہزاد خاں

حسن کو اپنے باپ کی وراثت میں سے سوائے کلہاڑی کے اور کچھ نہ ملا تھا۔ اس نے یہی بہتر سمجھا کہ قسمت آزمائی کے لیے نکل کھڑا ہو۔ لہٰذا اس نے اللہ کا نام لے کر سفر کا آغاز کر دیا۔

تیسرے روز جب وہ ایک گھنے جنگل سے گزر رہا تھا تو اس نے راستے میں ایک عجیب منظر دیکھا۔ ایک اژدہا ایک بڑے سے ہاتھی کو نگلنے کی کوشش کر رہا تھا' مگر اس کے بڑے بڑے ہاتھی دانت کی وجہ سے نگل نہیں پا رہا تھا' جب کہ ہاتھی کی پوری کوشش تھی کہ وہ آزاد ہو کر اژدہے کو کچل ڈالے۔

''سنو! اے نیک لڑکے! تم اپنی کلہاڑی سے اس اژدہے کے ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔ اگر تم نے ایسا کر دیا میں ساری عمر تمہارا غلام بنا رہوں گا۔'' ہاتھی نے حسن سے فریاد کی۔

''نہیں نہیں۔ اچھے لڑکے! بس تم اتنا کرو کہ اپنی کلہاڑی کے ایک بھرپور وار سے اس کا دانت کاٹ ڈالو تاکہ میں اسے نگل سکوں۔'' اژدہے نے کہا۔

حسن کو یہ زیادہ آسان معلوم ہوا۔ لہٰذا اس نے اژدہے کی بات مانی اور ہاتھی کا دانت کاٹ ڈالا۔ اگلے ہی لمحے اژدہا ہاتھی کو پورا نگل چکا تھا۔

''شکریہ لڑکے!'' اژدہے نے ایک زور دار ڈکار لیتے ہوئے کہا: ''میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ آؤ میں تمہیں اپنی ماں کے پاس لے چلوں۔ وہ تمہیں اس کام کے بدلے میں بہت کچھ دینا چاہے گی' مگر تم کچھ نہ لینا سوائے اس جادوئی آئینے کے جو دروازے کی چوکھٹ کے اوپر لٹک رہا ہے۔'' اژدہے نے حسن کو بتایا۔

جب اژدہا حسن کو اپنی ماں کے پاس لے کر گیا اور اسے سارا حال سنایا تو وہ بہت خوش ہوئی اور بولی: ''مانگو کیا مانگتے ہو؟ کیا دس لاکھ لیرا دے دوں یا دنیا کا سب سے قیمتی ہیرا؟''

''نہیں نہیں' مجھے تو وہ آئینہ چاہیے۔'' حسن نے آئینے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر تو وہ خاموش رہی۔ شاید وہ آئینہ نہ دینا چاہتی ہو مگر وہ وعدہ کر چکی تھی۔ آخر اس نے آئینہ حسن کو دے دیا۔ حسن آئینہ لے کر چل پڑا۔ یہ بالکل عام سا آئینہ تھا۔

"شاید میں نے غلطی کی" مگر اگلے ہی لمحے آئینے سے ایک بہت بڑا جن نکل کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"کیا حکم ہے میرے آقا؟" جن نے ادب سے پوچھا۔ حسن حیران رہ گیا۔

چند لمحوں بعد جب اس کا خوف دور ہوا تو اس نے کہا:

"مجھے کھانا لا کر دو!" اگلے ہی لمحے بہترین کھانے اس کے سامنے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر حسن نے جن سے کہا:

"میرے لیے دریا کے کنارے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرو۔" حسن کا خیال تھا کہ اتنے عرصے میں وہ آرام کر لے گا، مگر جن نے پلک جھپکتے میں محل تعمیر کر دیا۔ محل کی دیواریں چاندی کی، فرش سونے کا اور چھت الماس کی تھی۔ حسن نے محل کے وسیع و عریض صحن میں کھڑے ہو کر کہا:

"اتنا خوب صورت محل کسی خوب صورت شہزادی کے بغیر بے کار سا لگتا ہے۔ میرے لیے فوراً دنیا کی سب سے خوب صورت شہزادی حاضر کرو جس سے میں شادی کروں اور ہم دونوں یہاں رہ سکیں۔"

جن نے یہ خواہش بھی پوری کر دی اور حسن اپنی خوب صورت بیوی کے ساتھ محل میں ہنسی خوشی رہنے لگا۔ جب کہ مشکل یہ تھی کہ محل وغیرہ تو سب جادو کا تھا، مگر شہزادی بالکل اصلی تھی اور جب وہ اپنے باپ کے محل سے اچانک غائب ہو گئی تو محل میں کہرام مچ گیا۔ بادشاہ نے تمام نامی گرامی جاسوسوں اور بہادروں کو شہزادی کی تلاش میں دوڑایا، مگر بے کار۔ آخر بادشاہ نے ایک چالاک عورت کو بلایا جو بہت مکار تھی۔ بادشاہ نے اسے شہزادی کی تلاش پر لگا دیا۔

چالاک عورت کا نام سلطانہ تھا۔ سلطانہ نے لکڑی کا ایک تین حصوں والا صندوق بنوایا جس میں اس نے ہفتے بھر کی خوراک کا ذخیرہ کر لیا اور خود اس میں بیٹھ کر یہ حکم دیا کہ اس صندوق کو دریا میں بہا دیا جائے۔

اتفاق دیکھیے کہ یہ صندوق بہتے بہتے اس طرف پہنچ گیا جہاں حسن کا محل تھا۔ اس جگہ مچھیروں نے جب ایک صندوق بہتے دیکھا تو اس کو خشکی پر نکال لائے' مگر جب انہوں نے اسے کھولا تو یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اندر سے ایک جیتی جاگتی عورت نکلی۔ چالاک عورت سلطانہ باہر نکلتے ہی چلانے لگی:

"ہائے ہائے کیا میں اس سزا کے قابل تھی۔ ظالم نے کچھ بھی تو خیال نہ کیا۔"

لوگ اس کی بات پر تعجب کرنے لگے۔

"مجھے یہاں کے بادشاہ کے پاس لے چلو۔ میں اس سے فریاد کروں گی۔" سلطانہ نے کہا۔

لوگ اس کو حسن کے محل کے پاس چھوڑ کر چلے گئے۔ اس وقت حسن شکار پر گیا ہوا تھا اور شہزادی اکیلی تھی۔ سلطانہ اس کو دیکھتے ہی پہچان گئی' مگر کچھ ظاہر نہ کیا۔

"بیٹی! مجھے اس گھر میں ملازم رکھ لو۔ میں تمہارا کام کاج کر دوں گی۔ تم مجھ قسمت کی ماری کو دو وقت کی روٹی دے دینا۔" سلطانہ نے مکاری سے کہا اور معصوم شہزادی اس کے جال میں آ گئی۔ اس نے سلطانہ ملازم رکھ لیا۔

سلطانہ نے چند ہی روز میں محسوس کر لیا کہ محل میں کوئی خاص بات ہے جبھی تو ہر روز عمدہ ترین کھانے آ جاتے ہیں حالانکہ پورے محل میں کوئی ملازم نہ تھا۔ آخر اس نے ایک روز شہزادی سے پوچھ ہی لیا:

"بیٹی! تمہارے محل میں تو کوئی کام کرتا نظر نہیں آتا۔ آخر ہر روز نئے نئے کھانے کہاں سے آتے ہیں؟ کون پکاتا ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔ میرے شوہر ہی سب کرتے ہیں۔" شہزادی نے مختصر سا جواب دیا۔

"تو پھر تم اس سے پوچھنا۔ تم اس کی بیوی ہو۔ کیا وہ تمہیں نہیں بتائے گا؟" مکار عورت نے شہزادی کو سمجھایا۔

جب حسن شکار سے واپس آیا تو شہزادی نے باتوں باتوں میں اس سے پوچھ ہی لیا۔ حسن نے بھی بالکل نہ چھپایا اور اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا۔ اگلے روز سلطانہ نے شہزادی سے معلوم کر لیا اور پھر کہا:

"تم اس سے کہنا کہ وہ آئینہ مجھے بھی دکھائے' آخر تم اس کی بیوی ہو۔ کیا وہ تمہیں آئینہ

نہیں دے گا؟" جب شہزادی نے حسن سے آئینہ مانگا تو حسن پہلے تو کچھ جھجکا، مگر آخر اس نے دے ہی دیا۔ سلطانہ پہلے سے تیار تھی۔

اگلے روز جب حسن شکار پر گیا ہوا تھا اور شہزادی دوسرے کمرے میں مصروف تھی تو سلطانہ نے جا کر آئینہ اٹھا لیا اور جیسے ہی اس نے آئینہ دیکھا جن حاضر ہو گیا۔

"کیا حکم ہے؟" جن نے کہا۔

فوراً مجھے اور شہزادی کو واپس محل لے چلو اور حسن کا یہ محل جلا کر راکھ کر دو۔" یہ سب آن کی آن میں ہو گیا۔ حسن جب واپس آیا تو وہاں سوائے راکھ کے ڈھیر کے اور کچھ نہ تھا البتہ شہزادی کی انگوٹھی رکھی تھی جو وہاں رہ گئی تھی۔

حسن شہزادی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ کئی روز کے سفر کے بعد وہ شہزادی کے شہر جا پہنچا۔ شہزادی کے ملک میں شہزادی کے مل جانے پر ابھی تک خوشیاں منائی جا رہی تھیں۔ حسن نے شاہی محل کے باورچی خانے میں ملازمت کر لی اور جلد ہی شاہی باورچی خانے کا قابل اعتماد ساتھی بن گیا۔

ایک روز شاہی باورچی بیمار تھا تو حسن کو کھانا پکانا پڑا۔ حسن نے موقع غنیمت جانا اور شہزادی کی پلیٹ میں اپنی شادی کی انگوٹھی ڈال دی۔ جب شہزادی نے وہ انگوٹھی دیکھی تو وہ بے چین ہو گئی۔

"جس باورچی نے رات کا کھانا پکایا ہے وہی آج رات کی چائے ہمیں پلائے گا۔" شہزادی نے حکم دیا۔ حسن کو اور کیا چاہیے تھا۔ شہزادی سے ملاقات کا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔

مگر چالاک عورت سلطانہ جو محل ہی ایک حصہ میں رہنے لگی تھی اس وقت آئینے میں یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ عین اس وقت جب حسن اور شہزادی کمرے میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے سلطانہ نے جن کو حکم دیا:

"حسن کو یہاں سے دور پھینک آؤ۔"

اور ایک بار پھر حسن دور جنگل میں تھا۔ حسن قسمت کی اس خرابی پر بہت مایوس ہوا۔ وہ رونے لگا۔ اتفاق سے پاس ہی چوہوں کا بہت بڑا بل تھا۔ جب چوہوں کے بادشاہ نے یہ آواز سنی تو اسے حسن سے ہمدردی ہو گئی اور جب حسن نے اسے اپنا حال سنایا تو اس نے حسن کی

مدد کرنے کی ہامی بھر لی۔

"کیا تم میں سے کوئی اس عورت کو جانتا ہے؟" بادشاہ نے اپنی رعایا سے پوچھا۔

ایک لنگڑے چوہے نے کہا:

"ہاں حضور! میں جب بادشاہ کے محل میں تھا تو اس عورت کے کمرے میں رہتا تھا۔ اس کے پاس ایک آئینہ ہے جس میں وہ ہر وقت دیکھتی رہتی ہے۔"

"کیا تم وہ آئینہ حاصل کر سکتے ہو؟"

"جی حضور! لیکن میرے ساتھ دو طاقت ور چوہے بھی کر دیے جائیں تو بہتر ہے۔"

یوں تین چوہوں کا قافلہ محل روانہ ہوا۔ جب وہ مکار عورت کے کمرے میں پہنچے تو وہ رات کا کھانا کھا رہی تھی۔ چوہوں نے اس کے سونے کا انتظار کیا۔

"وہ آئینہ تکیے کے نیچے رکھتی ہے۔" لنگڑے چوہے نے کہا۔

"اب کیا کیا جائے؟" دوسرے نے کہا۔

"تم اپنی دم اس کی ناک سے رگڑو۔"

ایک چوہا گدے پر چڑھ گیا اور اپنی دم اس کی ناک سے رگڑنے لگا۔ سلطانہ کو چھینک آئی اور اس نے کروٹ بدل لی۔ اسی وقت انھوں نے تکیے کے نیچے سے آئینہ نکال لیا اور محل سے باہر آ گئے۔ جب حسن کو آئینہ واپس دیا گیا تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔

حسن نے فوراً جن کو بلایا اور اسے حکم دیا:

"میرے لیے فوراً ایک عظیم الشان بگھی، ہتھیار اور سپاہی مہیا کرو۔" جن نے فوراً ہی بگھی سمیت ہتھیاروں سے لیس سپاہیوں کا ایک دستہ مہیا کر دیا۔

حسن کا رخ اب شہزادی کے شہر کی طرف تھا۔ شہزادی کے باپ یعنی بادشاہ نے جب حسن کو اس شان و شوکت سے آتے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اسے خوشی تھی کہ اس کا داماد کوئی عام آدمی نہیں۔ لہٰذا بادشاہ کو اب حسن کو شہزادی کا شوہر تسلیم کرنے پر اعتراض نہ تھا۔ اس نے بیٹی کو حسن کے حوالے کر دیا۔

حسن نے کئی روز تک جشن منایا، کیوں کہ اب وہ کسی جادوئی ملک کا بادشاہ نہیں بلکہ اصل بادشاہ بن چکا تھا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ حسن نے مکار عورت کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اس سوال نے حسن کو بھی پریشان کیا تھا۔ آخر حسن نے اور شہزادی نے اس کا حل تلاش کر ہی لیا دوسرے روز حسن نے آئینے کے جن کو بلا کر کہا

تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تم اس مکار عورت سے شادی کر لو۔ لیکن خیال رکھنا کہ وہ پھر کوئی چالاکی نہ کر سکے۔

غالباً اس کے لیے یہ ایک اچھی سزا تھی۔

حکیم صاحب کے مشورے

حکیم محمد سعید

اس صفحے کے لیے جو لوگ سوال بھیجتے ہیں وہ سوال بھیجتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں :

۱۔ بیماری کے حالات پورے اور صاف لکھئے۔

۲۔ اپنا پتا ہر حال میں ضرور، ضرور پورا لکھئے، جس خط میں پتا نہیں ہوگا اس کا جواب نہیں دیا جائے گا۔

۳۔ اگر بیماری ایسی ہو کہ رسالے میں شائع نہ کی جاسکتی ہو تو اس کا جواب ڈاک سے بھیجا جاسکتا ہے، اس لیے کوئی پتا ضرور لکھیں ورنہ جواب کی امید نہ رکھیں۔

کمزور یادداشت

س : عمر ۲۰ سال ہے۔ میں بالکل تن درست ہوں، مگر ہر بات بھول جاتا ہوں۔ ذہن بھی صحیح ہے۔ کوئی جسمانی تکلیف بھی نہیں ہے۔ علی احمد

ج : ہر بات بھول جانے کی بات تو صحیح نہیں ہے۔ فرمایئے کیا آپ کھانا کھانا بھول جاتے ہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ یہ معاملہ توجہ کا ہے۔ جس چیز پر زیادہ توجہ ہوتی ہے وہ ذہن میں جم جاتی ہے۔ شاید آپ کی توجہ کم زور ہے۔ آپ تازہ ادرک لیجیے کوئی ۶ گرام۔ اسے ایک کپ پانی میں جوش دیں اور رات سوتے وقت پینا شروع کردیں۔ اس سے فائدہ ہوگا اور ذہن کی بند کواڑیاں کھل جائیں گی۔ اگر دل چاہے تو خمیرہ ہمدرد ۶ - ۶ گرام روزانہ صبح ۱۵-۲۰ دن نوش کرلیجیے۔ بڑی مزے دار چیز ہے !

س : عمر ۱۵ سال ہے۔ میری آواز بھاری ہوگئی ہے۔ میں احساس کم تری کا شکار بھی ہوگیا ہوں۔ برائے مہربانی کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ نوازش ہوگی۔ محمد عالم

ج : آواز کا بھاری ہونا مردانگی کی نشانی ہے۔ آپ خواہ مخواہ گھبرا رہے ہیں۔ بھاری آواز والا انسان رعب دار مُقرّر ہو سکتا ہے۔ مردوں میں جب عمر پندرہ سال سے بڑھ جاتی ہے تو ہارمونی نظام تبدیلیاں لاتا ہے۔ ان تبدیلیوں میں ایک تبدیلی آواز کا بھاری ہونا بھی ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اسے سوچنا چھوڑ دیجئے۔

موٹے ہونٹ

س : عمر ۱۸ سال ہے۔ میں کئی سال سے چھالیہ کا استعمال کرتا رہا ہوں جس کی وجہ سے میرے ہونٹ موٹے ہو گئے ہیں۔ برائے مہربانی کوئی علاج تجویز فرمائیں۔ شیخ غلام محی الدین

ج : جناب شیخ صاحب ! ابھی تو ہونٹ موٹے ہوئے ہیں کل عقل بھی موٹی ہو جائے گی۔ بھلا چھالیہ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے! یہ چھالیہ خود بھی ایک بدعت ہے۔ چٹخارا ہے۔ انسان کو اگر منہ کو خوش بو دار کرنا ہے تو خوش بو دار چھالیہ کے بجائے میٹھی بات سے منہ کا ذائقہ ٹھیک کرنا چاہیے۔ ہونٹوں کا موٹا ہونا افریقہ میں شدید حُسن ہے۔ آپ اس حسن سے کیوں محروم ہونا چاہتے ہیں! چھوڑیئے اس خیال کو۔

جسمانی کمزوری

س : میں اپنی طاقت اپنے ہاتھوں ختم کر چکا ہوں۔ اب بہت کم زور ہو گیا ہوں۔ بیماری نے مجھے بے حال کر دیا ہے۔ ازرہ کرم کوئی علاج تجویز فرمادیجئے۔ س۔ م

ج : سیالکوٹ میں حضرت علامہ اقبال پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے اپنی قوت کو تعمیر پر لگادیا۔ اس قوت کا یہ کمال ہے کہ علامہ اقبال مرتبۂ کمال کو پہنچ گئے۔ ہر انسان میں قوت ہوتی ہے۔ اب یہ خود اس کا فیصلہ ہے کہ اس قوت کو کس کام پر لگادے۔ فرہاد نے اپنی اس قوت کو نہر کھودنے پر لگادیا تھا۔ آپ نے اسے ضائع کر دیا، مگر اب بھی کیا ہے۔ قوت کو جمع کر لیجئے اور کسی تعمیر پر لگادیجئے۔ یہی اس کا علاج ہے۔

س : میں جب بھی کسی سے بات کرتا ہوں تو زبان اٹکتی ہے جس کی وجہ سے اکثر مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔ ازرہ کرم رہ نمائی فرمائیے۔ ناصر حیات

ج : مرض آپ کی زبان میں نہیں ہے' آپ کے ذہن میں ہے۔ ایسا انسان جو خود اعتمادی کھودے وہ احساس کم تری کی گرفت میں آجاتا ہے اور اس احساس کم تری کی وجہ سے وہ دوسروں کے سامنے بولتے گھبراتا ہے۔ زبان اٹک اٹک جاتی ہے۔ آپ تجربہ کرلیں۔ تنہائی میں آپ باتیں کریں۔ دیکھ لیں کہ زبان ذرا بھی نہیں اٹکی۔ بات صاف ہوگئی۔ ضرور آپ میں کوئی کم زوری ہے۔ ممکن ہے کہ آپ نے تعلیم سے غفلت برتی ہو اور ذہن میں اس کا احساس ہو' اس لیے زبان اٹک جاتی ہو۔ اس صورت حال کا علاج دوا نہیں ہے۔ کم زوری کو دور کرنا ہے۔

س : عمر ۱۱ سال ہے۔ مجھے کھانسی اور نزلہ بہت ہوتا ہے۔ کبھی کھانسی ختم ہوجاتی ہے' مگر دوبارہ ہوجاتی ہے۔ کئی ڈاکٹروں کو دکھایا' لیکن کوئی فرق نہیں ہوا۔ حمیرا حبیب

ج : یہ محترمہ حمیرا ضرور اسکول میں چھولے کھاتی ہوں گی۔ کھٹائی زیادہ۔ چٹ پٹے آلو چھولے ! اس سے گلا خراب ہوجاتا ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ ان صاحبہ کی عام صحت بھی کم زور ہے۔ فارسی کا ایک قول ہے۔ "نزلہ بر عضو ضعیف می ریزد" یعنی نزلہ کم زور پر گرتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو صحت کا خیال کرنا چاہیے۔ خراب صحت کو اچھی غذا سے درست کرنا چاہیے۔ آپ کے گھر میں میتھی دانے (تخم میتھی) تو ضرور ہوں گے۔ ایک چائے کے چمچے کے برابر تخم میتھی ایک کپ پانی میں جوش دے لیں۔ ہاں' اس میں ذرا سی آٹے کی بھوسی ملالیں۔ چھان کر صبح و شب چند روز پی لیں۔ نزلہ کھانسی کو آرام آجائے گا۔

نظام شمسی کے سیارے

مریخ

احمد خان خلیل

مریخ (MARS) سورج کی طرف سے نظام شمسی کا چوتھا سیارہ ہے۔ اس کی اہم معلومات :

سورج کا اوسط فاصلہ	: ۲۲۷ اعشاریہ ۹ ملین کلومیٹر
اس کا دن زمینی دن سے	: تقریباً نصف گھنٹہ بڑا
اس کا ایک سال	: ۶۸۷ زمینی دنوں کے برابر ہے
اس کا قطر	: ۶۷۸۶ کلومیٹر ہے
اس کی کمیت زمینی کمیت سے	: صفر اعشاریہ ایک
اس کے	: ۲ چاند ہیں

شکلوں سے بھی سیارے زیادہ چمک دار نظر آتے ہیں۔ ان میں زہرہ (وینس)، مشتری (جوپیٹر) اور مریخ (مارس) شامل ہیں۔ مریخ کا رنگ سرخ ہے، اس لیے اہل روم نے اپنے جنگ کے دیوتا مارس کے نام پر اس کا نام رکھا۔ ایک صدی پہلے ماہرین فلکیات نے لکھا تھا کہ مریخ کی سطح پر ایک نہری نظام ہے، اس لیے خیال ہے کہ وہاں کوئی عقل مند مخلوق موجود ہے۔ یہ بات درست ثابت نہیں ہوئی۔

مریخ زمین کے مقابلے میں زیادہ ٹھنڈا سیارہ ہے۔ اس کی فضا میں ۹۵ فی صد کاربن ڈائی آکسائڈ اور ۵ فی صد نائٹروجن اور آرگون گیسیں پائی جاتی ہیں۔ کاربن ڈائی آکسائڈ کی وجہ سے اس کے قطبین پر برف جم جاتی ہے۔

اس کی سطح پر پہاڑ، وادیاں، آتش فشاں مقام، خشک دریاؤں کی گزرگاہیں اور زلزلوں کی وجہ سے جگہ جگہ زمین کے پھاڑ نظر آتے ہیں۔ اس کی فضا میں بادل اور گرد و غبار کی آندھیاں شامل ہیں۔ اس کی سطح سیلیکون ڈائی آکسائڈ یعنی ریت پر مشتمل ہے۔

اس کی سطح بہت موٹی اور سخت ہے، اس لیے اس کے بڑے بڑے ٹکڑے ادھر ادھر کھسک نہیں سکتے اور اس کے اوپر ہمالیہ جیسے پہاڑ نہیں ہیں، لیکن اربوں برس سے پھوٹنے والے آتش فشاں مقامات پر ایسے پہاڑ بن گئے ہیں جن کے سامنے زمینی پہاڑ بونے لگتے ہیں۔

اس کی مٹی میں پانچواں حصہ لوہے کی ایک قسم فیرک آکسائڈ (FERRIC OXIDE) کا ہے۔ اس کا رنگ ایسا ہے جیسے لوہے کا زنگ۔ اسی وجہ سے مریخ سرخ نظر آتا ہے۔

جہاں تک اس کی سطح پر خشک دریاؤں کی گزرگاہوں کی موجودگی کا تعلق ہے، سائنس داں ابھی تک اس راز کو نہیں سمجھ سکے، کیوں کہ اب مریخ ایک خشک سیارہ ہے جس پر زندگی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔

سائنس دانوں کی نظر میں مریخ ایک دل کش لیبارٹری کی حیثیت رکھتا ہے۔ ماہرین موسمیات یہ جاننے کو بے تاب ہیں کہ اس کا موسم زمین سے کس قدر مختلف ہے۔ ارضیات کے ماہر اس کی مٹی کی اندرونی دھاتوں میں دل چسپی رکھتے ہیں اور ماہرین حیاتیات یہ جاننا چاہتے ہیں کہ کیا کبھی اس سیارے پر زندگی کسی صورت میں موجود رہی ہے یا نہیں۔

ہم شکل، ہم راز
قسط نمبر ۹
شکیل صدیقی

اب ذرا پرویز مستانہ کی طرف چلتے ہیں۔
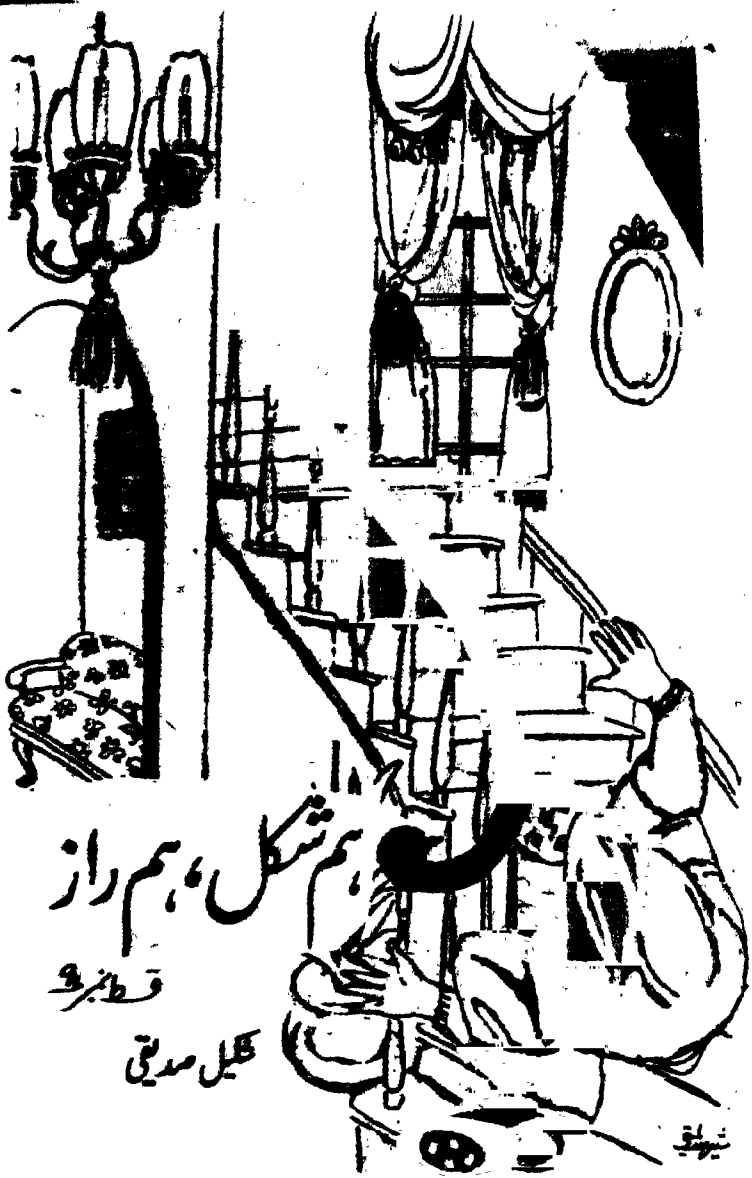
"ایک لڑکا ہے بڑا دل چسپ اور انوکھا۔" میں نے گڑ بڑا کر کہا۔ ان سب ہم جماعتوں کی موجودگی میں یہ راز کھلا جارہا تھا کہ میں سلطان احمد نہیں بلکہ پرویز مستانہ ہوں۔ میں جلد ہی سنبھل گیا اور میں نے اپنی بد حواسی دور کی۔

"مگر تم نے اس کے نام کے دستخط کیوں کر دیے؟" وحید نے سوال کیا۔

"چند روز پہلے اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اس لڑکے نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میرے دل و دماغ پر اس نے قبضہ کر لیا' اس لیے میں روانی میں اس کا نام لکھ بیٹھا۔ بہر حال تم مجھے فٹ بال ٹیم میں شامل سمجھو۔"

"وحید نے چونک کر کہا: "فٹ بال؟ مگر کل تک تو تم کرکٹ کھیلتے تھے؟"

میں نے سر کھجا کر کہا: "اوہ ہاں۔ میرے ذہن پر وہی لڑکا جما ہوا ہے۔ دراصل یہ سب عبد الشکور۔ عبد الشعور۔ نہ۔ نہیں لاشعور کی کارستانی ہے۔"

"کیا تمھارے لاشعور میں گڑ بڑ پیدا ہو گئی ہے؟" وحید نے مجھے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں' ایسا ہی معلوم ہو رہا ہے۔"

"ٹھیک ہے' میرے ساتھ آؤ۔" وحید نے کہا اور میرا بازو پکڑ کر کھینچا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ اس سے چھٹکارا پانا دشوار ہے' اس لیے کہ وہ سلطان احمد کا بے تکلف اور عزیز دوست ہے۔ اسے میری باتوں پر شبہ تھا' مگر بہر حال وہ مجھے سلطان سمجھ رہا تھا۔

"تم مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا: "ہم کرکٹ کھیلنے جا رہے ہیں۔ بھول گئے آدھی چھٹی کے وقت نویں اور دسویں جماعت کا ون ڈے میچ ہوتا ہے۔"

"ہم۔ گ۔ مگر۔" میں بے بسی سے ہکلایا۔ میں اس سے ہی نہیں کرکٹ سے بھی پیچھا چھڑانا چاہتا تھا' اس لیے کہ میں کرکٹ میں کورا تھا اور صحیح طریقے سے بیٹ پکڑنا تک نہیں جانتا تھا۔

میں بہر حال وحید کے ساتھ کھنچا چلا گیا۔ اس سے بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آرہی تھی۔ اسکول کا میدان بہت کشادہ تھا اور وہاں مختلف کھیل ہو رہے تھے۔ ایک طرف

وکٹیں لگی تھیں اور کھلاڑی یوں کھڑے تھے جیسے کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔

مجھے یقین ہو گیا کہ اب میرا راز کھلنے والا ہے۔ لڑکے میرے کھیل کو دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ میں کوئی اناڑی ہوں۔ مجھے کھیلنے کی کوئی تمیز نہیں ہے۔

مجھے دیکھتے ہی سب نے شور مچا دیا: "ہرے! کیپٹن صاحب آگئے۔"

یہ سن کر تو میری روح فنا ہو گئی: "کیا مجھے کیپٹن بننا پڑے گا؟"

تھوڑی دیر میں دونوں ٹیمیں بن گئیں اور مجھے دسویں کلاس کے کیپٹن کے سامنے سکّہ اچھال کر فیصلہ کرنا پڑا کہ پہلے کون کھیلے گا۔ میں نے سکّہ اچھالا۔ مخالف ٹیم کے کیپٹن نے ہیڈ مانگا تھا' وہی زمین پر گرا۔ وہ ٹیم جیت گئی تھی اور انھوں نے پہلے کھیلنے کا فیصلہ بھی کر لیا۔ بس دس اوورز کا میچ تھا۔ آدھے گھنٹے میں ایک ٹیم کو دس اوورز کھیلنے تھے۔

میں نے کھلاڑیوں کو میدان میں ترتیب دیا اور اس کے بعد دور جا کر ایسی جگہ پر کھڑا ہو گیا جہاں تک وہ منحوس گیند نہ پہنچ سکے۔ میں نے سن رکھا تھا کہ اس احمقانہ کھیل میں کئی کھلاڑیوں کی جان بھی جا چکی ہے۔ ایک کھلاڑی تو کھیل کے دوران مرا بھی تھا۔

میں آؤٹ فیلڈ پوزیشن پر برآمدے کے قریب کھڑا ہو گیا۔ اس دوران وہاں ایک لڑکا آگیا وہ مجھ سے باتیں کرنے لگا:

"تمھارے تجربے کا کیا نتیجہ نکلا سلطان؟" اس نے بلند آواز میں پوچھا۔

"کون سا تجربہ؟" میں نے پوچھا۔

کرکٹ سے مجھے کوئی دل چسپی نہیں تھی لہٰذا میں اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"وہی غائب ہونے والا' جو تم اور وحید مل کر کر رہے تھے۔ ایچ جی ویلز کا ناول (غائب دمی) پڑھ کر۔"

معلوم نہیں' ابھی وہ تجربہ کس مرحلے میں تھا' اس لیے میں نے گول مول سا جواب دیا: ابھی کامیابی نہیں ہوئی ہے۔ ہم لوگ کوشش کر رہے ہیں۔"

والٹن روڈ پر تم جو لیبورٹری قائم کرنے والے تھے اس کا کیا ہوا؟"

میں نے ہنس کر کہا: "لیبورٹری؟ وہ تو بڑا منصوبہ ہے بہت بڑا منصوبہ۔" میں نے بڑائی کی وضاحت کرنے کے لیے اپنے دونوں ہاتھ پھیلائے کہ کوئی چیز ہاتھ میں آگئی۔ ہاتھ میں اچانک

چوٹ لگنے سے میں بلبلا کر رہ گیا، مگر میں نے اسے چھوڑا نہیں۔

پھر فوراً زبردست غل غپاڑا مچا اور سب لڑکے دوڑتے ہوئے میری طرف آئے اور شاباشی دینے لگے:

"ارے واہ! تم نے تو کمال کر دیا! اتنا خوب صورت اور مشکل کیچ لے لیا۔"

"کیچ؟ اوہ! تو کیا کیچ ہو گیا مگر میں تو۔" میں حیرت میں حقیقت کا اظہار کرنے ہی والا تھا کہ خیال آیا کہ میں تو کرکٹ کھیل رہا ہوں۔

"تم نے کیپٹن ہونے کا حق ادا کر دیا۔" دوسرے نے پیٹھ ٹھونکی۔

"ایسا ہی کیچ ایک بار میرے نانا نے بھی لیا تھا۔ وہ اسٹیڈیم میں انٹرنیشنل الیون کی طرف سے کھیل رہے تھے۔ جب مارشل نے بالنگ کی تو کلائیو لائیڈ نے چھکا مارنے کی کوشش کی، مگر بلا چوں کہ لانگ آن پر کھڑے تھے، اس لیے وہ گیند کی طرف دوڑ پڑے۔" وہ بکی لڑکا جو تھوڑی دیر پہلے کلاس میں ملا تھا پھر بک بک کرنے لگا:

"گیند دائرے سے باہر نکل گئی، مگر انھوں نے باؤنڈری کے اندر رہتے ہوئے اچھل کر کیچ پکڑ لیا۔ اس واقعے پر لوگوں نے خوشی سے اتنی تالیاں بجائیں کہ چار بچوں کے کانوں کے پردے پھٹ گئے اور دو مرغابیاں پرواز کے دوران سہم کر زمین پر گر پڑیں۔ اتفاق سے وہ عمران خاں اور للی کے گھٹنوں پر گریں تھیں، اس لیے ان دونوں کے گھٹنے اور ٹخنے اتر گئے۔ للی نے فوراً اخباری بیان دیا کہ بین الاقوامی سازش کی وجہ سے۔۔۔"

"چپ رہ۔" میں نے غصے سے اس لڑکے سر پر زور دار چپت رسید کرتے ہوئے دہاڑ کر کہا: "مینڈک کے بچے! ہر وقت ہی ٹرٹر کرتا رہتا ہے۔"

"ارے چھوڑو! اس نے جب سے شام کے اخبارات پڑھنے شروع کیے ہیں اس کی یہ حالت ہو گئی ہے۔" وحید نے میرا شانہ تھپ تھپا کر کہا: "ہم لوگوں کو کیا ضرورت ہے اسے ٹھیک کریں۔ کوئی اسے مار پیٹ کر خود ہی چپٹا کر دے گا۔"

سب لڑکے ہا ہو مچاتے ہوئے پھر اپنی اپنی جگہوں پر واپس چلے گئے۔ دوسرا کھلاڑی آیا، مگر زیادہ دیر تک نہیں جم سکا۔ میں نے اوور شروع ہوتے ہی اپنی پوزیشن تبدیل کر لی اور فائن لیگ پر کھڑا ہو گیا، یعنی کھلاڑیوں کے بائیں ہاتھ پر ذرا پیچھے کھڑا ہو گیا۔

جب بالر نے گیند پھینکی تو میں نے وکٹ کی طرف پتھر پھینک دیا۔ بال تو وکٹ کیپر کے ہاتھ میں چلی گئی، مگر وکٹ ہلکی آواز کے ساتھ گر گئی۔ پہلے تو وکٹ کیپر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وکٹ کیسے گر گئی۔ پھر وہ کیوں اور کیسے کے چکر میں نہیں پڑا اور اس نے آؤٹ کا نعرہ بلند کیا تو امپائر نے شہادت کی انگلی اٹھا کر اسے آؤٹ قرار دے دیا۔

کھلاڑی کچھ دیر تو الجھن میں کھڑا رہا، مگر پھر پبلک کے بے حد اصرار پر واپس چلا گیا۔ میں نے سوچا کہ فیلڈنگ کرتے وقت میں ایک جگہ کھڑا رہ کر بور کیوں ہوتا رہوں اور ننھی سی گیند کے پیچھے بھاگ بھاگ کر اپنا حلیہ کیوں خراب کروں۔ چلو بالنگ کرائی جائے۔ دو چار کھلاڑیوں کا منہ ٹوٹے گا تب ہی یہ لوگ بیٹنگ سے باز رہیں گے۔

جب دوسرا اوور ختم ہوا تو میں نے دوڑ کر گیند خود اٹھالی۔

"کیا ارادہ ہے؟" وحید نے مجھ سے سرگوشی میں پوچھا۔ وہ امپائر بنا ہوا تھا: شاہد کی وکٹ تو تم نے پتھر مار کر گرا دی۔ یقین کرو اگر میں فوراً انگلی نہ اٹھا دیتا تو وہ اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔"

"اس تعاون کا شکریہ۔" میں نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن یہ جعلی کرکٹ کہاں تک کام یاب ہو گی؟ تم ایک اچھے کھلاڑی ہو کر ایسی گھٹیا حرکت کیوں کر رہے ہو؟"

"کبھی کبھار ٹیڑھی انگلی سے بھی گھی نکالنا چاہیے" میں نے کہا۔ میں اس بے چارے کو کیا بتاتا کہ میں کون ہوں اور کس کا روپ اختیار کیے ہوئے ہوں۔

"خیال رکھنا۔ یہ لوگ تمہارا گھی نہ نکال لیں۔ لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں۔"

اوور شروع ہوتے ہی میں نے ایک لمبا اسٹارٹ لیا، اتنا لمبا کہ سب میری طرف حیرت سے دیکھنے لگے۔ انھیں حیرت ہونی بھی چاہیے تھی، کیوں کہ میں اسکول کی چار دیواری کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر میں نے پوری قوت سے دوڑ لگا دی۔ وکٹ کے قریب پہنچ کر میں نے گیند پوری قوت سے کھلاڑی کی طرف پھینکی۔ جسم کی ساری طاقت کے ساتھ۔ کھلاڑی گھبرا کر ہٹ گیا، کیوں کہ میں نے اس کے سر کا نشانہ لے کر گیند پھینکی تھی، وہ ہٹ گیا اس لیے گیند وکٹ پر پڑی۔ دو وکٹیں گر گئیں۔

میدان میں ایک ہنگامہ مچ گیا۔ سب دوڑ کر میری طرف آ گئے اور مجھے کندھوں پر اٹھانے کی کوشش کرنے لگے۔ میں نے محسوس کیا کہ بمباٹ کرکٹ کھیل کر اچانک ہی میں ہیرو بن گیا ہوں۔

میری طوفانی بالنگ کے سامنے کوئی کھلاڑی نہ ٹک سکا۔ ایک اوور میں دو تین ہی رَن بن سکے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دس اووروں میں بائیس رن بنے جو ہماری ٹیم کے لیے ایک آسان ٹارگٹ تھا۔

میں فٹ بال کھیلتے وقت اتنا کبھی نہیں تھکا تھا جتنا کہ کرکٹ کھیل کر تھک گیا تھا۔ اصل میں بالنگ کراتے وقت میں نے ضرورت سے زیادہ ہی دوڑ لگائی تھی' اس لیے پسینے میں شرابور ہو گیا تھا۔

جب ہماری ٹیم نے کھیل شروع کیا تو انھیں بھی جبڑہ توڑ بالنگ کا سامنا کرنا پڑا۔ مخالف ٹیم کے بالروں نے بھی شاید قسم کھائی تھی کہ وہ ہمارے دو چار کھلاڑیوں کو اسٹریچر پر واپس بھیجیں گے۔

رَن بننے کی رفتار سست رہی اور کھلاڑی ڈرے ڈرے سے رہے۔ ان کی کوشش تھی کہ وہ زخمی نہ ہو جائیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شروع کے تین کھلاڑی آٹھ رَن پر ہی آؤٹ ہو گئے اور میری باری آ گئی۔ حال آنکہ میری کوشش یہ تھی کہ مجھے بلے بازی نہ کرنی پڑے اور مخالف ٹیم کے جوابی حملوں کا سامنا نہ کرنا پڑے' مگر بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی؟

میں بلا گھماتا ہوا نہایت شان کے ساتھ وکٹوں پر جا کھڑا ہوا۔ سامنے جو لڑکا کھڑا تھا وہ پڑھاکو اور فلاسفر قسم کا تھا۔ اس نے بالوں میں بہت سا تیل ڈال کر مانگ نکالی ہوئی تھی اور اس کی ناک پر بہت موٹے شیشیوں کی عینک ٹکی ہوئی تھی۔

پہلی گیند آئی تو میں نے آگے بڑھ کر بلا گھمایا' مگر بلے اور گیند کی ملاقات نہ ہو سکی اور گیند سیدھی وکٹ کیپر کے ہاتھ میں چلی گئی۔ میں آؤٹ ہوتے ہوتے بچا۔ دوسری دو گیندوں پر اگر میں فوراً ہی بیٹھ نہ جاتا تو گیند میری مزاج پرسی ضرور کرتی اور مجھے اپنے سامنے کے دانت تڑوا کر خون کی کلیاں کرتے ہوئے واپس آنا پڑتا۔

چوتھی گیند پر چوکا لگ گیا۔ کیسے لگ گیا اور اس وقت کیا ہوا تھا مجھے قطعی معلوم نہیں۔

یہ بتا سکتا ہوں کہ بلا گھمانے پر کھٹ کی سی آواز آئی اور بال اڑ کر باؤنڈری لائن کی طرف گئی۔ بارہ رُن ہو گئے تھے۔ اگلی بال پر دو رُن دوڑ کر بنا لیے۔ چودہ رُن ہو گئے۔

رُن بناتے وقت میرے جوش و خروش میں اتنا اضافہ ہو گیا تھا کہ میں وکٹوں سے کافی آگے نکل جاتا اور مڑ کر واپس آنے میں مجھے کافی دشواری ہوتی۔ اس سے اگلی بال پر میں نے لانگ آن کی طرف ایک شارٹ مارا تو تین رُن بن گئے۔ میرے ساتھی کا نام ماجد تھا۔ اس کی ٹانگیں بہی مضبوط تھیں' اس لیے وہ بھی خوب دوڑ رہا تھا۔ وہ کھیل بھی اچھا رہا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اسے تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد اپنا چشمہ صاف کرنا پڑتا تھا' اس لیے کہ پسینے کی وجہ سے اس کے شیشے دھند لا جاتے تھے۔

جب بیس رُن بن گئے تو اوور ختم ہو گئے اور صرف دو گیندیں رہ گئیں۔ میں وکٹ کے سامنے تھا۔ بالر نے گیند پھینکی تو میں نے شاٹ مارا اور فیلڈر نے بال پکڑ لی اور ایک بھی رُن نہ بنا سکا۔ مخالف ٹیم اور تماشائیوں کا جوش و خروش اپنے عروج پر پہنچ گیا۔

آخری گیند پر میرا دل دھڑکنے لگا۔ کہاں تو میں کرکٹ سے دور بھاگتا تھا اور کہاں یہ حال تھا کہ میں یہ میچ جیتنا چاہتا تھا۔ تماشائیوں کے شور و غل کے ساتھ آخری گیند میری طرف آئی اور میں نے شارٹ مار دیا۔ ایک رَن بن گیا۔ فیلڈر نے وکٹ کیپر کی طرف گیند پھینکی جو اس کے ہاتھ میں نہ آسکی۔ لہٰذا اوور تھرو پر ہم رُن بنانے کے لیے دوڑے۔ اس وقت ماجد کا چشمہ اُس کی ناک پر سے پھسل کر زمین پر گر پڑا۔

ماجد بھاگتے بھاگتے رک گیا اور جھک کر زمین ٹٹولنے لگا۔ میں اس دوران اس کی جگہ پر پہنچ چکا تھا' اس لیے تماشائیوں نے اتنا شور مچایا کہ کان بجنے لگے۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دوڑ کر ماجد کے پاس پہنچا اور اس کا ہاتھ تھام کر اسے دوسری طرف پہنچا دیا۔ ایک رُن ابھی باقی تھا اور گیند کہیں جھاڑیوں میں پھنس گئی تھی۔ میں پھر ماجد کو پلٹ کر بالرز اینڈ کی طرف لے گیا اور دوڑ کر اپنی جگہ پر آگیا۔ ہم میچ جیت گئے۔

گیند پھر بھی نہ ملی۔ ملتی بھی کیسے؟ آخری شاٹ پر گیند اتفاق سے وحید کی طرف چلی گئی تھی۔ اس نے ٹانگ سے اسے روکا۔ پھر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ وہاں کی زمین نرم تھی۔ جب اس نے زور ڈالا تو گیند زمین میں دھنس گئی۔ پھر کبھی نہیں ملی۔

پہلے دن جب میں اسکول سے واپس آیا تو اتنا تھکا ہوا تھا کہ دوپہر کے کھانے کے فوراً بعد ہی سو گیا۔ شام کو مغرب سے کچھ پہلے اٹھا تو معلوم ہوا کہ سب لوگ مطالعہ گاہ میں ہیں۔

میں نے اس بارے میں کسی سے پوچھا نہیں۔ تلاش کر کے خود ہی پہنچ گیا۔ مطالعہ گاہ کیا وہ تو لائبریری تھی۔ چاروں طرف لکڑی کی خوب صورت شیلفوں میں کتابیں سجی تھیں۔ اس کشادہ کمرے کے بیچ میں ایک بڑی سے بیضوی میز تھی جس کے گرد کرسیاں تھیں اور خاندان کے تقریباً سب ہی لوگ وہاں موجود تھے' سوائے اماں' ماموں اور چچا کے۔ میز پر انگریزی اور اردو کے اخبارات تھے۔ چچی اور ممانی اخبار پڑھ رہی تھیں اور میرے بھائی بہن کورس کی کتابیں' کہانیوں کی کتابیں پڑھ رہے تھے یا پھر لکھنے میں مصروف تھے۔

دائیں طرف دیوار پر کسی قلعی کی بڑی سی پینٹنگ لگی تھی اور اس کے نیچے لکھا تھا: "علم دل کو اس طرح زندہ رکھتا ہے جیسے بارش زمین کو۔" (ارسطو)

یہ قول مجھ پر اتنا اثر انداز ہوا کہ آنکھوں کے راستے دل میں اتر گیا۔ وہاں خاموشی تھی اور کوئی کسی سے بات نہیں کر رہا تھا' اس لیے میں بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور اخبار کے صفحے پلٹنے لگا۔

"یہ محمود اب تک چائے کیوں نہیں لایا؟" احمد نے اچانک سر اٹھا کر کہا۔

"گھنٹی بجا دو۔" ممانی بولیں۔

فوزیہ نے اپنی جگہ سے اٹھ کر سوئچ بورڈ پر لگا ہوا بٹن دبایا تو باورچی خانے میں گھنٹی بجی اور محمود تھوڑی دیر میں ٹرالی دھکیلتا ہوا آگیا۔ چائے کے ساتھ گرم سموسے اور چاکلیٹ کیک تھا۔ چائے پینے کے دوران فوزیہ نے اچانک پوچھا:

"بھائی جان! آپ کل صبح جوگنگ کے لیے جائیں گے نا؟"

"نہیں ۔۔ ہاں ۔۔ جوگنگ؟" میں نے گڑبڑا کر کہا۔ پتا نہیں تھا کہ جوگنگ کیا ہوتی ہے۔

وہ بولی: "میں بھی آپ کے ساتھ دوڑنے جاؤں گی۔ آپ کو جگانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں آپ کو کار پورچ میں تیار ملوں گی۔ آپ پانچ بجے جاتے ہیں نا؟"

"ہوں! ہوں؟" میں نے سر ہلایا۔

تھوڑی دیر بعد یاد آیا کہ سلطان اٹھ کر دوڑ لگاتا اور ہلکی ورزش کرتا ہے' لیکن میں دیر تک

سونے کا عادی تھا۔ اگر مجھے سلطان بن کر وہاں رہنا تھا تو صبح اٹھ کر نماز پڑھنی تھی اور دوڑ لگانے کے لیے بھی جانا تھا۔ نماز پڑھتے ہوئے تو بہرحال مجھے خوشی ہوتی' اللہ کے آگے جھکنا کسے پسند نہیں' مگر صبح اٹھ کر دوڑنا میرے لیے ایک مسئلہ تھا۔

"ٹھیک ہے۔ تم بھی چلنا۔" میں نے کہا۔

اس رات میں سونے کے لیے لیٹا تو میں نے گھڑی میں پانچ بجے کا الارم لگا دیا۔ رات کو بھر پور نیند آئی۔ میں الارم کی آواز سے اٹھ گیا۔ پھر منہ ہاتھ دھو کر اور ٹریک سوٹ پہن کر باہر نکلا۔ راہ داری میں ہلکی روشنی ہو رہی تھی۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میری نگرانی کی جارہی ہو۔ میں تیز تیز قدم رکھتا ہوا زینے تک پہنچ گیا۔ پھر جیسے ہی میں نے پہلے زینے پر پاؤں رکھا' میرا پاؤں پھسل گیا اور میں لڑھکتا ہوا نیچے جانے لگا۔ خوف و دہشت کے اس عالم میں بھی مجھے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ کسی نے زینے پر تیل یا گریس مل دی ہے جس سے میرا پاؤں پھسلا ہے۔

(جاری ہے)

محمد قیوم اعتصامی

سونا کان ہی سے نہیں نکلتا

دریا بھی سونا اُگلتے ہیں

نیولینڈ کا ایک جزیرہ سینٹ باتھان کے نام سے مشہور ہے جب پہلی بار ۱۸۶۰ء میں جہاں مچھلیاں پکڑنے والے شکاریوں نے دیکھا کہ یہاں کے دریاؤں اور جھیلوں میں کچھ چمکتی ہوئی چیز پائی جاتی ہے تو وہ سمجھے کہ ہو نہ ہو وہ سونا ہی ہوگا اگرچہ کہا سنا تو یہی جاتا ہے کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہوتی مگر دریا کی تہہ میں چمکنے والی چیز سونا ہی نکلی۔ سونے کا اس طرح ملنا تھا کہ گرد و نواح سے لوگ یہاں اس طرح اُمنڈ آئے جس طرح کسی جنگلی سبزہ زار پر خرگوش نظر آتے ہیں۔

سونا عام طور پر کان سے نکلتا ہے جو زمین کے نیچے پانچ سو فٹ میں پایا جاتا ہے عجیب بات یہ تھی کہ یہاں سونا زمین کے اوپر موجود تھا جو دریا کی شکل میں بہنے والے پانیوں میں تھا یہ دریا جو باتھان ریور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے پہاڑی تنگنائیوں میں بہتا ہے۔ عام طور پر سونے کے ملنے کی تاریخ اس طرح نہیں ہوتی جس طرح باتھان میں نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں آئے روز سیاحوں کا سیلاب آتا رہتا ہے جو یہاں سونے کی تلاش میں آتے ہیں اکثر سونا تلاش کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس پر حکومت کی طرف سے کسی قسم کی پابندی نہیں ہے شرط یہ ہے کہ جو کوئی سونا تلاش کر لیتا ہے اس کے کسی قدر حصے پر حکومت کو ادائیگی کرنا ہوتی ہے۔

سونے ملی چٹانوں کو پانی کے دباؤ سے ریزہ ریزہ کیا جاتا ہے

دریا میں اکثر چٹانیں بھی پائی جاتی ہیں اور سونا ان کی تہہ میں پایا جاتا ہے اور کسی چٹان کو اپنی جگہ سے ہٹانا تو مشکل کام ہوتا ہے کہ سونے کے متلاشی کو صرف ایک جتن کرنا پڑتا ہے کہ وہ چٹان کے اوپر چڑھ کر بیٹھ جائے اور نظر بہنے والے شفاف پانی کی لہروں پر رکھے تو اسے تھوڑی دیر بعد نچلی تہہ میں سونے کے ذرات چمکتے نظر آنے لگیں گے۔ گویا یہ دریا پانی میں سونا اگلتا ہے۔

ممکن ہے اس تحریر کو پڑھ کر یہ خیال ہمارے اور ہمارے آباؤ اجداد کے ذہن میں

میں آسکتا ہے کہ دریائے باتھان میں سونا مچھلیوں کی طرح تیر رہا ہوگا تو یہ پڑھ کر ہمیں اور ہمارے اہل و عیال سمیت سب کو مایوسی ہوگی کہ سونا اس طرح نہیں پایا جاتا اور جس طرح پایا جاتا ہے اس میں حیرت انگیز بات صرف ایک ہی ہوتی ہے کہ زیر زمین کان سے نکلنے والے سونے کو صاف کرنا پڑتا ہے اسے آگ پر تپا کر اس میں چمک پیدا کی جاتی ہے مگر دریائے باتھان کا سونا پانی سے نکلتے ہی سونا ہی ہوتا ہے نہ آگ لینے نہ جلانے کی ضرورت۔

دریا کے علاوہ بلیو لیک نامی جھیل میں بھی سونا پایا جاتا ہے اب یہ ایک سیاح کی مرضی ہے وہ زیادہ سے زیادہ مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کرے یا سونا نکالنے کی جستجو کرے۔ سونا ملنے کی یہاں جس قدر امیدیں ایک آدمی کا ساتھ دیتی ہیں انسان کی زندگی میں بہت کم امیدیں اس کا ساتھ دیتی اور نبھاتی نظر آتی ہیں مگر اس میں بھی ایک حیرت اور تعجب کی بات ہے کہ جزیرہ باتھان کی آبادی نہیں بڑھتی۔ ۱۸۶۰ء میں سونے کا پتا چلنے کے بعد سے ۱۹۹۳ء تک محض دو ہزار افراد تک پہنچی ہے۔ ۱۸۶۰ء میں یہاں کل تیرہ افراد آباد تھے گویا ایک سو اکتیس سال میں انیس سو ستاسی افراد تک پہنچی ہے۔ اگرچہ جزیرہ باتھان سیاحت کے علاوہ سونے کے لیے بھی مشہور ہے دنیا کے کان کن اسے "اٹاگو گولڈ فیلڈ ہری ٹیج" کا نام بھی دیتے ہیں اٹاگو اس صوبے کا نام ہے جس میں یہ جزیرہ واقع ہے۔ دسمبر تا مارچ یہاں سیاحوں کا بہت ہجوم ہوتا ہے۔ جزیرے تک پہنچنے کے لیے سڑک ہی ذریعہ ہے کوئی سیاح اگر چاہے اور وہ بحری جہاز کا کرایہ خرچ کرنے اور سفر کے لیے وقت بھی رکھتا ہو تو اس پر کوئی پابندی نہیں۔

دریائے باتھان کا پانی نیلا ہوتا ہے جبکہ اس میں پائی جانے والی چٹانیں یوں سفید نظر آتی ہیں جیسے پانی کے اندر بگلے بیٹھے ہوں۔ ان چٹانوں کے بیچوں بیچ راستے بھی بن گئے ہیں اور یہ گذشتہ ستر سال سے یہاں ٹھہرنے والے پانی کے دھاروں کا کرشمہ ہے جس نے گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ یہاں چھپے ہوئے سونے کو "ننگا" کر دیا ہے۔ کہیں کہیں سونے کے ذرات تہہ میں بیٹھے نظر بھی پڑتے ہیں عام آدمی انھیں دیکھتے ہی لالچ سے بے چین ہو جاتا ہے مگر اصل اور وافر سونا جلد ہی ہاتھ نہیں آتا۔ اس کے لیے ۵۰/۶۰ میٹر زمین کی تہہ کی کھدائی کرنا ضروری ہے کیونکہ صحیح مقدار میں وہیں چٹانوں کی نچلی دراڑوں اور درزوں میں پڑا ہوتا

ہے ظاہر ہے اس کے لیے مشقت، اجرت محنت روپے پیسے اور وقت درکار ہوتا ہے اور اگر سونے کا متلاشی اپنی دھن کا پکا ہو تو وہ سب لوازمات ہیا کر کے سونے والے پانیوں میں اترنے کی کوشش کرتا ہے تو سونا بھی اسے نا امید نہیں کرتا۔

حکومت کی طرف سے سونا نکالنے کا کام بھی کیا جاتا ہے اور اس کے لیے جدید طریقوں کے تحت سونے ملی چٹانوں کو پانی کے بھاری دباؤ سے توڑا جاتا ہے اور جب کسی چٹان کی اندرونی تہہ میں سونے کے ذرات نمایاں ہونے لگیں تو اس کو علاحدہ کر لیا جاتا ہے۔ اسے ٹکڑوں میں توڑ کر سونا نکال لیا جاتا ہے۔

چٹان کو توڑنے کے لیے اس پر بہائے جانے والے پانی کے دباؤ کی شدت ۱۷۰ کیوبک میٹر فی سیکنڈ ہوتی ہے جو ایک دھاتی نلکے سے گزرتی ہوئی چٹان سے ٹکراتی ہے اس کی شدت قوت کا اندازہ اس بات سے بھی کیا جا سکتا ہے اگر کوئی آدمی آبی بہاؤ کے آگے کھڑا ہو جائے تو لمحہ بھر میں اس کا جسم ریزہ ریزہ ہو جائے۔

پانی کے اسی دباؤ کی شدت کو دریائی سطح کی زمین پر بھی گرایا جاتا ہے کہ چند ہی لمحوں میں سونے کے ذرات نکل کر باہر نظر آنے لگتے ہیں۔ بلیولیک سے سونا نکالنے کے لیے اسی آبی دباؤ یا قوت سے کام لیا جاتا ہے ماہرین کا خیال ہے کہ اس حساب سے بلیولیک دنیا کی سب سے زیادہ گہری جھیل بھی شمار کی جاتی ہے۔

اپنا تعارف خود کرائیے

(بہترین تعارف لکھنے والے تمام پیامیوں کو انعامات اور «اعتراف نامہ» پیش کیا جائے گا)

۱۔ آپ کا نام
۲۔ آپ کے والد صاحب کا نام
۳۔ آپ کے کتنے بھائی بہن ہیں۔ ان کے نام لکھیے۔
۴۔ آپ اور آپ کے بھائی بہن کس اسکول اور کس درجے میں پڑھتے ہیں (اسکول کا پورا پتا لکھیے)
۵۔ آپ کا پسندیدہ مضمون کون سا ہے؟
۶۔ اپنے اساتذہ کا نام لکھیے اور یہ بھی لکھیے کہ وہ آپ کو کون سا مضمون پڑھاتے ہیں۔
۷۔ آپ کو کون سا کھیل بہت پسند ہے۔
۸۔ آپ کی زندگی میں کون سا لمحہ ایسا آیا جب آپ بہت خوش ہوئے اور کون سا لمحہ ایسا آیا جب آپ دکھی ہوئے۔
۹۔ آپ کون سا لباس اور کون سی غذا پسند کرتے ہیں
۱۰۔ اپنے قریب ترین دوستوں کے نام لکھیے۔
۱۱۔ کیا آپ اپنے دوستوں کو تحفہ دیتے ہیں۔
۱۲۔ کیا آپ نے اپنے پڑھنے اور کھیلنے کا وقت مقرر کیا ہے۔ اگر کیا ہے تو کب۔
۱۳۔ کیا آپ اپنے والدین، اساتذہ اور بزرگوں کا احترام کرتے ہیں اور ان کا کہنا مانتے ہیں۔
۱۴۔ ان مصنفین اور شاعروں کے نام لکھیے جن کی نگارشات کو آپ بہت پسند کرتے ہوں۔
۱۵۔ پیامِ تعلیم آپ کب سے پڑھ رہے ہیں اس میں آپ کو کون سا کالم پسند ہے اور کون سا ناپسند
۱۶۔ آپ مستقبل میں کیا بننا چاہتے ہیں۔

بچوں کے لیے مذہبی کتابیں

نقوش سیرت (پانچ حصّے) حکیم محمد سعید۔ فی حصہ ۵/:
حضرت عمر فاروقؓ — افضال الرحمٰن — ۶/:
حضرت یحییٰ علیہ السلام) منورہ نوری خلیق — ۳/=
حضرت آدم علیہ السلام۔ منورہ نوری خلیق — ۴/-
رسالہ دینیات اول — محمد نعیم الدین زبیری — ۳/
رسالہ دینیات دوم — " — ۴/
رسالہ دینیات سوم — " — ۵/
رسالہ دینیات چہارم — " — ۵/
رسالہ دینیات پنجم — " — ۶/
بزرگانِ دین — محمود علی خاں جامعیؔ — ۴/
امت کی مائیں — حسین حسنی — ۴/۵۰
اچھی باتیں — سعد الدین انصاری — ۴/۵۰
خوب سیرت اول — حکیم محمد سعید — ۶/
خوب سیرت دوم — " — ۴/۵۰
سلطان جیؒ — اسلم فرخی — ۴/
رسولؐ اللہ کی صاحبزادیاں — فضل قدیر ندوی — ۴/۵۰
رحمان کا جہان — رفیع الزماں زبیری — ۶/
کمسن صحابی — " — ۵/
اسلام کے جاں نثار — " — ۴/
سیرت پاک مختصر مختصر — احمد خاں خلیل — ۳/
نور کے پھول — حکیم محمد سعید — ۹/
سب سے بڑے انسان۔ رسولؐ اللہ — " — ۴/۵۰
حضرت حمزہؓ — احتشام علی رحیم آبادی — ۳/
حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ — " — ۳/
حضرت ابو ہریرہؓ — " — ۴/
حضرت محبوب الٰہیؒ — مشیر الحق — ۳/
حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ — " — ۲/
حضرت فرید الدین گنج شکرؒ — " — ۳/
حضرت معین الدین چشتیؒ — " — ۳/
حضرت ابوبکر صدیقؓ — " — ۶/

حضرت طلحہؓ — " — ۳/
حضرت سلمان فارسیؓ — " — ۳/۵۰
حضرت عبد اللہ بن عباسؓ — مشیر الحق — ۳/
نیک بیٹیاں — " — ۳/۵۰
اسلام کیسے پھیلا؟ حصہ اول — عبد الواحد سندھی — ۷/۵۰
" حصہ دوم — " — ۶/
قرآن پاک کیا ہے؟ — " — ۴/
اسلام کیسے شروع ہوا؟ — " — ۷/۵۰
اسلام کے مشہور سپہ سالار اول دوم — " فی حصہ — ۶/=
اسلام کے مشہور امیر البحر — " — ۹/
رسول پاکؐ — " — ۶/
دس جنتی — الیاس احمد مجیبی — ۵/۵۰
سرکار کا دربار — " — ۶/۵۰
چار یار — " — ۷/۵۰
آں حضرتؐ (اردو) — " — ۳/۵۰
اللہ کا گھر — خلیل احمد جامعی — ۴/۵۰
اللہ کے خلیل — " — ۲/۵۰
رسول پاک کے اخلاق — " — ۴/
اللہ کے صفی — " — ۲/۵۰
ہمارا دین حصہ اول — سید شہاب الدین دسنوی — ۸/۵۰
" دوم — " — ۷/۵۰
" سوم — " — ۸/۵۰
ارکان اسلام — مولانا اسلم جیراجپوری — ۳/۵۰
عقائد اسلام — " — ۳/۵۰
خلفائے اربعہ — خواجہ عبد الحیٔ فاروقی — ۹/
نبیوں کے قصے — " — ۶/۵۰
ہمارے رسولؐ — " — ۶/
پیارے رسولؐ — سلطانہ آصف فیضی — ۴/۵۰
حضرت نظام الدین اولیاء — ادارہ — ۲/
مسلمان بیبیاں — اعجاز الحق قدوسی — ۷/
ہمارے نبیؐ — سید نواب علی رضوی — ۳/۵۰
سرکار دو عالم — محمد حسین حسان — ۹/
قاعدہ یسرنا القرآن — ۴/۵۰

اردو

اردو کو انیسویں صدی کی ابتدا تک ہندی، ہندوی، دہلوی، ریختہ، ہندستانی، دکنی، گجراتی جیسے مختلف ناموں سے جانا جاتا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ جس وقت مسلمانوں نے ہندستان میں قدم رکھا اس وقت یہاں ہندی نام کی کوئی زبان یا بولی نہیں تھی۔ دراصل ہندی لفظ کی ایجاد مسلمانوں نے کی۔ مسلمان یہاں ہر زبان کو ہندی کہتے تھے۔ شاہ میراں جی شمس العشاق نے بھی اپنی تصنیف "خوش نغز" کو ہندی زبان کا رسالہ لکھا ہے۔ اسی طرح شاہ عبدالقادر دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی نے قرآن شریف کا ترجمہ جس زبان میں کیا ہے اسے زبان ہندی ہی کہا ہے۔ اتنا تو طے ہے کہ اس زبان کی ابتدا غیر منقسم ہندستان میں مسلمانوں کی آمد کے بعد ہی ہوئی۔ جب مسلمان فاتحین ہندستان میں داخل ہوئے تو پہلے انھوں نے پنجاب میں قیام کیا مگر پھر دہلی کی طرف پیش قدمی کی۔ زیادہ تر مسلمانوں کی زبان فارسی تھی اور یہ لوگ پنجاب سے لے کر دہلی تک پھیل گئے مگر اس وقت یہاں ہند و آریائی دور کی پراکرت زبان بولی جاتی تھی۔ مسلمانوں کی زبان اس دیسی زبان میں ملنے لگی اور اسی امتزاج سے اردو کی پیدائش ہوئی۔ یوں تو اردو کی خاص جائے پیدائش کے تعین میں اختلاف رائے ہے کچھ لوگ سندھ کو کہتے ہیں اور کچھ پنجاب کو۔ تیرھویں چودھویں اور پندرھویں صدی کا زمانہ اردو زبان کا تشکیلی دور رہے۔ یہی زمانہ تصوّف اور بھگتی کے عروج کا بھی ہے۔ اسی دور میں ہندو مسلم صوفیوں سنتوں نے عوام کی زبان میں گفتگو شروع کی۔ اس دور میں خواجہ بندہ نواز، سیّد محمد حسین گیسو دراز، امیر خسرو، شیخ بو علی قلندر، شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کبیر داس، گرو نانک، شیخ عبدالقدوس دہلوی وغیرہم کے نام قابل ذکر ہیں۔ بعد میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت فورٹ ولیم کالج کا قیام (کلکتہ) عمل میں آیا تو اس زبان کو کافی ترقی ملی اور اسی وقت باغ و بہار، آرائش محفل، باغ اردو وغیرہ آسان رواں اور دلکش انداز میں لکھی گئی۔

(مرکزی خیال ماخوذ ہے)

محمد اسلم الدین، نویں جماعت، جامعہ سینیر سیکنڈری اسکول دہلی

ڈائرکٹر: (نئے امیدوار سے) "ہمارے ہاں صفائی پر بہت زیادہ دھیان دیا جاتا ہے کیا آپ نے آتے وقت پائدان پر جوتے صاف کیے تھے؟"

"جی ہاں!" امیدوار فوراً بولا۔

"ایک اور بات" ڈائرکٹر بولا "ہمارے ہاں سچ بولنے پر بھی خاص دھیان دیا جاتا ہے اور ہمارے دفتر میں کوئی پائدان نہیں ہے۔"

عقلمند گدھا

ایک گاؤں میں ایک دعوبی رہتا تھا جس کے پاس ایک گدھا تھا۔ دھوبی اپنے گدھے پر بہت ظلم کرتا تھا دن اور رات اس سے کام لیتا کوڑے برساتا اور پھر پیٹ بھر کھانا بھی نہیں دیتا تھا۔ گدھا بچارا اپنے مالک کے ظلم وستم سے بہت پریشان تھا۔ ایک دن وہ اپنے مالک سے ناراض ہو کر جنگل کی طرف بھاگا اور بہت دور نکل گیا۔ وہ یہاں پر خوش تھا۔ جنگل کی تازہ تازہ ہوا نرم نرم گھاس، مرنے مرنے کے پھل اسے بہت اچھے لگے تھے اور چند ہی دنوں کے اندر وہ کافی صحت مند اور موٹا تازہ ہو چکا تھا۔

ایک دن جنگل کا راجا شیر ادھر آ نکلا اور گدھے کو آزادی کے ساتھ گھومتے دیکھ کر بولا۔ "اے کون ہو تم یہاں کیوں آئے ہو؟"، شیر دراصل پہچان نہیں پایا کہ وہ گدھا ہے کیوں کہ گدھا بہت تندرست تھا۔ شیر کی آواز سنتے ہی گدھے کی بولتی بند ہو گئی لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے گرج دار آواز میں کہا میں اس جنگل کا راجا ہوں تم اتنی دیر سے کیوں آئے اب تک چار شیر کھا چکا ہوں لیکن اب بھی میرا پیٹ نہیں بھرا ہے اس لیے اب میں تمھیں کھا کر کچھ دیر آرام کر لوں گا۔"

شیر گدھے کی بات سن کر ڈر گیا اور بے تحاشا بھاگنے لگا۔ راستے میں ایک لومڑی نے دیکھا کہ شیر گھبرایا ہوا ہے تو اس نے آواز دے کر شیر کو روکا۔ "شیر جی آپ اس طرح کیوں بھاگ رہے ہیں؟"، شیر نے ہانپتے ہوئے کہا "تم مجھے مت روکو، ابھی ابھی ایک خطرناک جانور دیکھ کر آیا ہوں جو مجھے کھانا چاہتا ہے۔" "ہائے وہ کون سا جانور ہے جو تمھیں کھانا چاہتا ہے ذرا مجھے بھی تو بتاؤ"، لومڑی نے کہا۔ نہیں ..... نہیں ..... وہ مجھے کھا جائے گا۔ شیر گھبرایا ہوا تھا۔ "تم بے فکر رہو میں جو تمھارے ساتھ ہوں"، لومڑی نے ہمت سے کہا تو شیر راضی ہو گیا لیکن اس نے یہ شرط رکھی کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی دُم باندھ لیں۔ گدھے نے شیر اور لومڑی کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکنے لگی۔ وہ پریشان ہوا تھا کہ اب کیا کریں؟ لیکن گدھے نے عقلمندی سے کام لیا۔ لومڑی گدھے کو دیکھتے ہی پہچان گئی۔ گدھے نے ہمت سے کام لیا۔ "لومڑی بی میں نے تمھیں دو شیر لانے کو کہا تھا۔ تم تو صرف ایک ہی شیر لائیں، اب میرا پیٹ کیسے بھرے گا میں بھوک سے رات بھر نہ سو سکوں گا۔"

گدھے کی بات سن کر شیر نے سمجھا کہ لومڑی دراصل مجھے پھانس کر لائی ہے۔ پھر کیا تھا وہ گھبرا کر دوبارہ بھاگنے لگا۔ چوں کہ دونوں کی دُم بندھی ہوئی تھی اس لیے لومڑی نے دم توڑ دی۔

اور جوں ہی شیر کی دُم لومڑی کی دُم سے الگ ہوئی وہ اور تیز بھاگنے لگا اور پھر کبھی شیر نے اس جنگل کی طرف رُخ نہیں اور گدھا اپنی عقلمندی کی بدولت ہنسی خوشی اپنی زندگی بسر کرنے لگا۔

پروین احمد بیگ، شری رام پور، احمد نگر، مہاراشٹر

مسلمانوں کے نام پیغام

میں شبینہ خان آج میں آپ لوگوں کو بتانا چاہتی ہوں کہ کس قدر مسلمان اپنی قوم سے اپنے خدا کے خوف سے اور حضرت محمدؐ کے بتائے ہوئے راستے سے غافل ہو گئے ہیں۔ امید تو ہے کہ آپ

تمام لوگ اس ناچیز کی باتوں پر غور کریں گے لیکن سوچتی ہوں جو لوگ خدا سے نہیں ڈرتے اور انھوں نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر عمل نہیں کیا وہ بھلا مجھ ناچیز کی بات پر کس طرح عمل کر سکتے ہیں۔ اللہ آپ لوگوں کو نیک کام پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے
مسلمان اپنے اسلام سے دور بھاگتے جا رہے ہیں وہ خود اپنی قوم کو ڈوبانے پر تُلے ہیں۔ مسلمان صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ اگر کوئی اجنبی شخص ہم سے پوچھتا ہے کہ آپ کس قوم سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم فخر کے ساتھ کہتے ہیں "مسلمان"، کیا خاک مسلمان ہیں ہم لوگ۔ ایسا کون سا کام کر رہے ہیں ہم لوگ جس کی وجہ سے اپنے آپ کو مسلمان کہ رہے ہیں۔ ہم اس خدا سے نہیں ڈرتے جس نے ہمیں پیدا کیا، دنیا کی تمام نعمتیں عطا کی، جس کے ہم پر لاکھوں احسانات ہیں لیکن اگر ایک بچے کو اس کے استاد نے کوئی ہوم ورک دیا ہو تو وہ بڑی توجہ سے ہوم ورک کرتا ہے اگر وہ کسی وجہ سے ہوم ورک کرنا بھول جائے اور اسے بعد میں یاد آئے تو وہ سب کاموں کو چھوڑ کر پہلے استاد کا دیا ہوا ہوم ورک کرتا ہے اس ڈر سے کہ اگر اس نے ہوم ورک نہیں کیا تو استاد اسے ماریں گے یا سزا دیں گے۔ ارے جو ہمارے استاد ہیں انھیں بھی تو خدا نے ہی پیدا کیا ہے انسان، انسان سے ڈر رہا ہے لیکن اس خدا سے نہیں ڈر رہا جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا کیونکہ استاد کی مار پڑ رہی ہے اور خدا کا عذاب قیامت کے دن نازل ہوگا۔ انسان یہ سوچنے لگا ہے کہ مرنے کے بعد مار کا کوئی اثر نہیں ہوگا لیکن اس کا یہ سوچنا بالکل غلط ہے کیونکہ مرنے کے بعد ہمیں پھر سے زندہ کیا جائے گا اور ہمارے اچھے برے اعمال کا حساب لیا جائے گا تب ہمیں احساس ہوگا کہ ہم نے دنیا میں کتنے برے کام کیے ہیں اور کتنے نیک کام کیے ہیں اور خدا کے خوف سے کتنے غافل رہے ہیں لیکن افسوس! اس وقت بہت دیر ہو چکی ہوگی اور ہم کچھ نہیں کر پائیں گے۔ ہم شیطان کے ساتھ زیادہ وقت، اور خدا کے ساتھ کم وقت گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

شبینہ ترنم نظیر احمد، کمار پورہ، ناگپور روڈ، ایوت محل

ایک انسپکٹر صاحب معائنے کے لیے کسی اسکول میں گئے۔ چھٹی جماعت میں داخل ہو کر انھوں نے بلیک بورڈ پر یہ جملہ لکھا۔
"ہم دودھ "پیتا" ہے"
پھر انھوں نے ایک بچّے سے پوچھا۔
"اس جملے میں کیا غلطی ہے؟"
بچّے نے بورڈ کی طرف دیکھا پھر کہا۔
"سر آپ کی لکھائی بہت خراب ہے!"

سبق

پُرانے زمانے کی بات ہے کہ کسی گاؤں میں ایک مٹھو نام کا گوالا رہتا تھا اس کے پاس کافی گائیں اور بھینسیں تھیں۔ ہر صبح و شام وہ دودھ نکالتا اور اسے شہر آکر بیچا کرتا تھا۔ کافی امیر ہونے کے باوجود وہ بہت کنجوس اور بے ایمان تھا۔
جب وہ دودھ لے کر جاتا تو راستے میں ایک جھیل پڑتی تھی جہاں سے وہ ہر روز دودھ میں پانی ملاتا تھا۔ وہیں ایک بندر بھی رہتا تھا جو کبھی کبھی اسے دودھ میں پانی ملاتا دیکھا کرتا تھا۔
ہر ماہ جھیل کے پار ایک میلا لگتا تھا جہاں مویشیوں کی خرید و فروخت ہوا کرتی تھی۔ اس بار

مٹھو بھی کچھ مویشی خریدنے جا رہا تھا۔
گرمی کا موسم تھا جب وہ جھیل کے پاس سے گزرا تو جھیل کا صاف اور ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس نے سوچا کہ "آج بہت گرمی ہے کیوں نہ ٹھنڈے پانی سے نہایا جائے"، مٹھو نے اپنے کپڑے اور اپنی دھن کا تھیلا جھیل کی سیڑھیوں پر رکھ دیے اور خود پانی سے لطف اندوز ہونے لگا۔

اسی جگہ ایک درخت پر رہی بندر یہ سارا ماجرا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا وہ نیچے اترا اور جلدی اس کے دھن کا تھیلا اٹھایا اور واپس درخت پر جا بیٹھا۔ مٹھو جب نہا دھو کر پانی سے باہر آیا تو اپنے تھیلے کو غائب پا کر حیران ہو گیا۔ ادھر ادھر ڈھونڈا اچانک اس کی نظر درخت پر بیٹھے بندر پر پڑی جس کے ہاتھ میں روپیوں کا تھیلا تھا۔

مٹھو نے غصے میں اپنا ہاتھ ہلایا اور چیخ کر کہا "ارے میرا تھیلا واپس دو۔ مگر بندر نے اس کی بات پر بالکل توجہ نہ دی اور جلدی سے تھیلا میں سے ایک سکہ نکالا اور اسے اپنے دانتوں سے کاٹ کر ایک حصہ پانی میں پھینک دیا، دوسرا حصہ خشکی پر پھینک دیا۔ گوالے نے سر اٹھایا اور چیخ کر کہنے لگا "ارے کمینے بندر اس تھیلا کو نیچے پھینکو، ورنہ میں تیری ہڈی پسلی ایک کر دوں گا۔"

بندر نے ایک ایک کر کے تمام سکے آدھے پانی میں اور آدھے خشکی میں پھینک دیے۔ آخر میں بندر نے خالی تھیلا پھینک دیا۔ مٹھو نے آدھے سکوں کو دیکھا اور زور سے چیخا

"ارے بندر تیرا ستیاناس ہو میرا ساری کری کرائی مٹی میں ملا دی۔"

مٹھو بہت اداس تھا لیکن اس نے سوچا کہ میں بہت برا آدمی رہا ہوں۔ میں نے ہمیشہ آدھا دودھ اور آدھا پانی بیچا ہے اور اسی کا پھل مجھے مل گیا، آدھا پیسہ میرے تھیلے میں ہے اور آدھا پانی میں مل گیا۔ اور اس کے بعد کبھی مٹھو نے دودھ میں پانی نہ ملایا اور اس طرح ایک بندر نے حیوان ہونے ہوئے بھی ایک انسان کو سبق سکھا دیا۔

محمد ارشد سیفی۔ ایس، ٹی، او۔ قاضی محلہ مالیر کوٹلہ

دو مسافروں کا ایک جنگل سے گزرنا

دو مسافر ایک جنگل سے گزر رہے تھے جنگل نہایت بھیانک اور خوفناک تھا خونخوار درندوں اور جانوروں کا مسکن تھا۔ شیر کی دھاڑ اور ہاتھیوں کی چنگھاڑ سے پورا جنگل گونج رہا تھا دونوں مسافر چپ چاپ ڈرے سہمے آگے بڑھ رہے تھے ان دونوں میں سے ایک مسافر کی حالت بڑی خراب تھی وہ پسینے میں شرابور تھر تھر کانپ رہا تھا دوسرے مسافر نے بڑی بہادری اور دلیری سے کہا جب تک میں تمہارے ساتھ ہوں تمہیں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اگرچہ ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہے پھر بھی میں اپنے خالی ہاتھوں سے درندوں کا مقابلہ کر سکتا ہوں۔
وہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک دھپ دھپ کی آواز سنائی دی۔ دونوں نے مڑ کر دیکھا تو ایک بھاری بھرکم ریچھ ان کی طرف چلا آ رہا ہے، اپنی بہادری بتلانے والا مسافر تو فوراً بھاگ کر ایک درخت پر چڑھ گیا، دوسرے کو درخت پر چڑھنے کا موقع نہ مل سکا لیکن اس نے حاضر دماغی سے کام لیا اور زمین پر فوراً لیٹ گیا اور اس طرح بن گیا جیسا کوئی مردہ پڑا ہو۔ ریچھ اس کے پاس آیا اور چاروں طرف گھوما پھر اسے سونگھا اور یہ دیکھ کر کہ اس میں زندگی کے آثار نہیں ہیں واپس چلا گیا۔ اس شخص کو معلوم تھا کہ ریچھ مرے ہوئے شخص کو نہیں چھوتے اس طرح چالاکی سے اپنی جان بچا لی۔ ریچھ کے چلے

جانے کے بعد اس کا ساتھی درخت سے اترا اور اس کے پاس آیا اور ازراہ مذاق اس نے پوچھا بھائی یہ ریچھ تمھارے کان میں کیا کہہ رہا تھا۔

اس نے جواب دیا کہ یہ ریچھ بڑا عقلمند تھا اس نے مجھ سے کہا کہ جو شخص اپنی تعریف آپ کرتا ہے اور ڈینگیں مارتا ہے اس پر کبھی بھروسا مت کرنا یہ سن کر اس کا ساتھی بہت شرمندہ ہوا اور پھر ان دونوں مسافر نے اپنی راہ لی۔

ٹھیکے دار (مالک مکان سے) "یہ بتائیے کہ آپ کس قسم کا مکان بنوانا چاہتے ہیں؟ آپ کے ذہن میں کس طرح کا نقشا ہے؟"
مالک مکان: "میرے ذہن میں تو کوئی خاص نقشا وغیرہ نہیں ہے۔ بات اتنی ہے کہ چند دن پہلے میری بیوی کو کہیں سے ایک دروازے کا ہینڈل ملا ہے۔ بس کوئی ایسا مکان بنا دیجیے کہ وہ ہینڈل عمدہ طریقے سے اس میں لگ جائے۔"

توفیق عالم کیٹھاری، جامعہ رحمانیہ ریوڑی تالاب وارانسی

خوشی کی تلاش

ایک بادشاہ تھا اس کی سلطنت بہت بڑی تھی اس کے پاس بہت سی دولت تھی۔ دنیا کا ہر عیش اسے میسر تھا اس کا ایک خوب صورت اور بہادر شہزادہ تھا ایک شہزادی بھی۔ وہ بھی بہت خوب صورت تھی مگر نہ جانے کیوں بادشاہ فکرمند رہتا تھا۔ دن بہ دن اس کی صحت گرتی گئی۔ اس کے وزیر اور تمام درباری پریشان ہو گئے۔ دربار کے شاہی طبیب کو بلایا گیا شاہی طبیب گہری جانچ کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ بادشاہ کو کوئی مرض نہیں ہے۔ وہ یوں ہی فکرمند رہتے ہیں۔ فکر کی وجہ سے وہ کمزور ہو رہے ہیں کافی سوچ بچار کے بعد اس نے مشورہ دیا۔ "جہاں پناہ! آپ کی سلطنت میں جو شخص مطمئن اور خوش ہو اس کو کسی قسم کی کوئی فکر نہ ہو، اس کا کوٹ پہن لیں آپ صحت یاب ہو جائیں گے۔"

دوسرے ہی دن بادشاہ نے اپنے خاص وزیر کو حکم دیا کہ وہ سلطنت میں خوش، بے فکر اور مطمئن شخص تلاش کرے اور اس کا کوٹ لے آئے۔ وزیر سپاہیوں کے ساتھ نکل پڑا اور سلطنت میں خوش مطمئن شخص کو ڈھونڈنے لگا۔

راستے میں اسے ایک تاجر ملا۔ وزیر نے پوچھا کیا تم مطمئن اور خوش ہو؟ تاجر نے جواب دیا: "حضور! خدا نے مجھے سب کچھ دیا ہے۔ دولت، عزت، شہرت، مگر میرے گھر کوئی اولاد نہیں ہے اس لیے میں اور میری بیوی ہمیشہ فکرمند رہتے ہیں۔"

وزیر آگے بڑھا چلتے چلتے ایک رئیس سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وزیر نے سوال کیا "کیا تم خوش ہو؟" اس نے جواب دیا "خدا کا دیا ہوا میرے پاس سب کچھ ہے مگر اکثر میں بیمار رہتا ہوں۔ اس لیے پریشان رہتا ہوں۔" اس طرح وزیر کئی لوگوں سے ملا مگر اس کو ایک بھی خوش اور مطمئن آدمی نہ مل سکا۔

مایوس ہو کر وزیر محل کی طرف واپس ہونے لگا۔ راستے میں ایک جھونپڑی تھی۔ جب وہ جھونپڑی کے قریب پہنچا تو اس نے جھونپڑی میں ایک آدمی کو دیکھا جو دعا مانگ رہا تھا۔ "یا اللہ! تو کتنا اچھا ہے۔ تو نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ تیری مہربانی سے میں مطمئن اور خوش ہوں۔" اس آدمی کی دعا سنتے ہی وزیر وہیں رک گیا اور سپاہیوں کو حکم دیا

کر وہ جھونپڑی کے اندر جائیں اور اس شخص کا کوٹ
لے آئیں۔ بادشاہ بیمار ہیں اور اس کا کوٹ پہن
کر وہ صحت مند ہو جائیں گے۔ اس کے بدلے میں
اس کو بہت سا انعام دیں گے۔

سپاہی جھونپڑی کے اندر گئے، کچھ دیر
بعد بغیر کوٹ کے واپس لوٹے۔ وزیر حیرت زدہ
ہو کر پوچھنے لگا، "کوٹ کیوں نہیں لائے؟ کیا وہ آدمی
خوش نہیں ہے؟" سپاہیوں نے جواب دیا، "حضور
وہ شخص خوش اور مطمئن تو ہے مگر وہ بہت
غریب ہے۔ اس کے پاس کوٹ نہیں ہے۔"
وزیر محل واپس آیا اور بادشاہ کو سارا واقعہ سنایا
بادشاہ نے سوچا وہ ایک غریب شخص ہے اس
کے پاس پہننے کے لیے کوٹ تک نہیں ہے
پھر بھی وہ خوش ہے۔ میرے پاس اتنی دولت
ہے۔ عیش و آرام کا سامان ہے مگر میں فکر مند رہتا
ہوں۔ مجھے اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔ اب
وہ خوش رہنے لگا۔ رفتہ رفتہ اس کی صحت بھی
ٹھیک ہو گئی۔ بادشاہ نے اس غریب اور مطمئن
آدمی کو بہت سے تحفے بھیجے۔

دیکھا پیاری بھائیو اور بہنو! آپ بھی ہر حال
میں ہمیشہ خوش رہیں۔

نازیہ فردوس نور احمد منگولی، سقافیہ روضہ بیجاپور، گولہ

ہم اور ہماری قربانی

محترم آفاق صاحب کے ہال میں داخل ہوتے
ہی تمام طلبہ تعظیم و تکریم کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے
آفاق صاحب نے بہت ہی متانت کے ساتھ سب
کو بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا اور خود بھی کرسی پر بیٹھ
گئے۔ انھوں نے تبسم کے ساتھ کنکھیوں سے پورے
جلسے گاہ پر نظر ڈالی اور بولے۔ "ہاں بچو! آج ماہ
بقرعید کی پہلی تاریخ ہے۔ قربانی والا یہ مہینا اب
شروع ہو گیا ہے۔ اس ماہ کی بڑی فضیلت بیان
کی گئی ہے۔ خاص طور سے عید الاضحی کی تقریب
اللہ تعالیٰ کا ایک عطیہ ہے، اس کے کچھ لوازمات
ہیں جیسے کہ دس تاریخ یعنی دس ذی الحجہ کے دن
قربانی سے قبل کچھ نہیں کھاتے، کیونکہ آپ نے
منع فرمایا ہے۔ نماز کے بعد اسی قربانی کے گوشت
سے کھانے کا حکم ہے، قربانی کے تین دن بہت
اہم اور موثر ہوتے ہیں یعنی دس، گیارہ، بارہ اور
ان تین دنوں کو ایام التشریق کہتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں
قربانی کی اہمیت کو جان لینا چاہیے، کیوں بچو!
بات صحیح ہے نا؟" "جی ہاں"، تمام لڑکوں نے جواب
دیا۔ "شاباش"، "اچھا بچو! قربانی کے موقع پر
میں آپ لوگوں کو ایک تحفہ دینا چاہتا ہوں لیکن
میں یہ تحفہ یوں ہی نہیں دوں گا۔ اس کے لیے
باقاعدہ مناقشہ ہوگا۔" "کس چیز کا سر؟ کراٹے
کا؟"، سجاد نے جو کہ کراٹے باز تھا، جلدی سے
پوچھا۔ "نہ نہ نہ نہیں، جسمانی نہیں بلکہ ذہنی مقابلہ، ہم
ایسا کرتے ہیں کہ آج ایک مقابلہ معلومات رکھ
لیتے ہیں۔ یہ مناقشہ دو حریف ٹیموں کے درمیان
ہوگا۔ گروپ "اے"، میں میرے دائیں ہاتھ والی
بنچوں کے لڑکے ہوں گے اور گروپ "بی" میں میرے
بائیں ہاتھ والی بنچوں کے لڑکے ہوں گے۔ ٹھیک
ہے؟ میں سوال کروں گا، ہر سوال کے پانچ نمبر ہوں گے
اور مزے کی بات یہ ہے کہ سارے سوالات
قربانی کے بارے میں ہی ہوں گے" "اور سر تحفہ کیا
ہے"، حماد نے بے چینی سے پوچھا۔ "میں تو بتا
رہا ہوں جو ٹیم مناقشہ جیت لے گی، وہ اس کی
حقدار ہوگی۔" آفاق صاحب نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا
اور اس میں سے چمکتا ہوا ایک کپ نکال کر میز
پر رکھ دیا۔ لڑکے چپ بیٹھ گئے۔ "اچھا بچو!

گروپ "اے" سے سوال "بتائیے عیدالاضحیٰ کب سے منائی جارہی ہے؟"، عمار کھڑا ہوا اور اس نے کہا سر یہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانے سے منائی جارہی ہے۔ "غلط"......

آفاق صاحب نے اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا، بچو! تقریب قربانی حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے منائی جارہی ہے اس پر تمام ائمہ کرام کا اتفاق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ایک ہی حج کیا ہے جس کو حجۃ الوداع کہتے ہیں، کیونکہ اس حج میں آپؐ نے امت سے کلمات وداع فرمائے تھے نیز اس حج کو حجۃ الوداع اس لیے بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں آپؐ نے امت کو آخری تبلیغ فرمائی سمجھے بچو! جب حضورؐ ہجرت فرماکر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے تو آپؐ نے دیکھا کہ مدینہ منورہ کے لوگوں نے سال میں دو دن مقرر کیے ہوئے ہیں جن میں وہ کھیل و تفریح کرتے اور خوشیاں مناتے ہیں۔ آپؐ نے دریافت کیا کہ یہ دو دن کیسے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ ہم اسلام سے پہلے ان دونوں میں تفریح کرتے اور خوشیاں مناتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں کے بدلے ان سے بہتر دو دن اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں۔ ایک عیدالفطر دوسرا عیدالاضحیٰ۔

"بی" گروپ سے سوال۔ بتائیے حج کب فرض ہوا؟ انعام الحق نے ہاتھ اٹھایا اور اجازت ملنے پر بولا "سر، حج ۹ھ میں فرض ہوا۔" بالکل ٹھیک، شاباش۔ گروپ "بی" کے پانچ نمبر ہوگئے مانیٹر ذرا بلیک بورڈ پر یہ نمبر لکھ دینا" مانیٹر نے اٹھ کر نمبر لکھ دیے۔ آفاق صاحب نے کہا، سمجھ لیا بچو! بدن کو ڈھیلا کرکے انگڑائی لیتے ہوئے انھوں نے پھر کہا۔ گروپ "اے" سے سوال "بتائیے عیدالاضحیٰ کیوں منائی جاتی ہے؟" اے ٹیم

> گاہک: (بیرے سے) "یہ تم نے کیسی بکرے کی ران (مٹن لیگ) لائے ہو؟ آدھے گھنٹے ہوگیا کوشش کرتے کرتے ابھی تک چبا نہیں سکا"
>
> بیرا: "صاحب! جلدی بھی کیا ہے۔ ابھی ہوٹل بند ہونے میں کئی گھنٹے باقی ہیں"

کا ذہین لڑکا ہشام الحق اٹھ کھڑا ہوا اور بولا "سر! ایک تو یہ کہ اس دن انھیں دونوں برگزیدہ ہستیوں ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ کے عشق و محبت اور ایثار و قربانی کی یاد کو تازہ کرتی ہے دوسرے یہ کہ اللہ کا منشا اسماعیلؑ کی جان لینا نہ تھا صرف اخلاص و محبت اور جذبۂ عبدیت کی جانچ کرنی تھی تیسرے یہ کہ اسمٰعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے، کام کاج میں ہاتھ بٹانے لگے تو خدا کی طرف سے بیٹے کی قربانی کا مطالبہ ہوا۔ باپ نے بیٹے سے کہا، اے فرزند عزیز میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ تمھیں قتل کر رہا ہوں (نبی کا خواب جھوٹا نہیں ہوتا) تم بولو، تم کیا چاہتے ہو۔ سعادت مند بیٹے نے جواب دیا۔ یابت افعل ما تؤمر ستجدنی انشاء اللہ من الصابرین

اے میرے ابا جان! آپ کو جس بات کا حکم دیا جارہا ہے اسے کر ڈالیے۔ انشاء اللہ مجھے صابر بندوں میں سے پائیں گے۔" بالکل ٹھیک اور اس سے دنیا بھر کے مسلمانوں میں اتحاد کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے" آفاق صاحب نے ہشام الحق میاں کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا گروپ "اے" کے بھی پانچ نمبر لکھ دیجیے۔ اور مانیٹر اب تم درست جواب آنے پر نمبر لکھتے رہنا۔ گروپ "بی" سے سوال۔ بتائیے حج کن لوگوں پر فرض ہے آپ بتائیے

نذیر الحق، آپ بڑی دیر سے جواب دینے کے لیے پریشان ہیں۔" نذیر اُٹھ کھڑا ہوا اور بولا "سر وہ مسلمان جو صاحبِ استطاعت و مالدار اور صاحبِ ثروت شخص ہو اسی پر حج فرض ہے نادار پر نہیں۔ آفاق صاحب نے پھر پوچھا، قربانی کے گوشت کے بارے میں کیا حکم ہے؟ "سر! یہ تو صحیح پتا نہیں۔" آفاق صاحب نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا "خیر، چلیے میں آپ کا جواب درست مان لیتا ہوں۔ دراصل شریعت نے گوشت کو تین حصّوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ ایک حصّہ اپنے لیے، دوسرا حصّہ دوست و احباب اور ذوی الارحام کے لیے۔ تیسرا حصّہ فقراء و مساکین کے لیے۔ تاکہ سب مل جل کر قربانی کا گوشت کھا سکیں۔ اچھا بچو گروپ "اے" والے بتائیے، وہ کون سے کام ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن کرنے کے لیے فرمایا۔ کوئی بھی پانچ بتائیں؟"

"جی سر مجھے معلوم ہے۔" ایثار نے جلدی سے کہا "غسل کرنا، مسواک کرنا، اچھے کپڑے پہننا، خوشبو لگانا اور ... اور عیدگاہ جلدی پہنچنا۔" واہ بھئی ایثار آپ کی یادداشت بہت اچھی ہے۔ اب گروپ "بی" سے۔ مزید ایسے کام بتائیے جو ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدالاضحیٰ کے دن انجام دیا کرتے تھے؟" نوشیرواں کھڑا ہو گیا اور بلغمی گلے کو صاف کرنے کے بعد بولا "سر عیدالاضحیٰ کے دن نماز عیدگاہ سے لوٹنے کے بعد قربانی کے گوشت سے افطار کرنا چاہیے۔ جس طرح ہرنی نے اپنے بچے کو نماز سے پہلے دودھ نہیں پلایا تھا۔ عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا، اور ایک راستہ سے پیدل عیدگاہ جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا۔" بالکل درست ہے، بس میں ایک بات واضح کر دوں، ایثار نے بتایا کہ عیدگاہ سے لوٹنے کے بعد گوشت کھانا سنت مؤکدہ ہے ایک بات اور بتا دوں جس کو آپ یوم النحر کے خطبہ میں فرمایا کرتے تھے کہ عیدالاضحیٰ کی نماز سے پہلے قربانی کرے تو کیا ہو گی یا نہیں؟ حدیث شریف من صلیٰ صلوٰتنا ووجہ قبلتنا ونسک نسکنا لایذبح حتی یصلی، اور بخاری مسلم میں ہے۔ من ذبح قبل الصلوٰۃ فانما یذبح لنفسہ ومن ذبح بعد الصلوٰۃ والخطبتین فقد نسکہ واصاب بسنۃ المسلمین (بخاری و مسلم) جس نے نماز سے پہلے قربانی کر دی اس نے صرف گوشت ہی کھایا اور جس نے بعد نماز عید ذبح کیا اس کی قربانی پوری ہو گئی اور مسلمانوں کے طریقے کو پہنچ گیا۔"

اب گروپ "اے" کی باری ہے، بتلایئے عید کی نماز کی اذان، نماز سے کتنی دیر پہلے ہوتی ہے؟" "سر آدھا گھنٹہ پہلے"، شہباز نے کہا "جی نہیں بقرعید کی اذان نہیں ہوتی۔" گروپ "بی"، بتائیے بقرعید کی نماز میں کتنی زائد تکبیریں ہوتی ہیں؟" "سر چھے ہوتی ہیں۔" شہباز نے بتایا۔ درست ہے۔ اب گروپ "اے" والے جواب دیں، بقرعید کے دن نماز سے پہلے روزہ رکھنا کون پسند نہیں کرتا سجّاد نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ کو اس دن روزہ رکھنا پسند نہیں کیونکہ اس دن کو اس نے اپنی ضیافت کے طور پر مسلمانوں کو عطا کیا ہے، اگر مسلمان اس دن روزہ رکھتا ہے تو گویا اللہ کی مہمانی سے منہ موڑتا ہے جو اللہ کو پسند نہیں، جواب تو درست ہے لیکن پسند اور ناپسند کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عید کے دن نماز سے پہلے روزہ توڑنے کی اجازت دی ہے اور بقرعید میں نماز سے پہلے رکھنے کی اجازت دی ہے، اچھا بھئی گروپ "بی" ذرا یہ بتائیے کہ اگر کسی وجہ سے آپ کو بقرعید کے

دن عید گاہ پہنچنے میں دیر ہو گئی اور آپ عید گاہ پہنچے تو نمازی گلے مل رہے تھے تو کیا آپ گھر جاکر اکیلے عید کی نماز ادا کر سکتے ہیں؟" "جی ہاں، سر کیوں نہیں" نحیف و کمزور اور لاغر شہزاد نے کہا "میں نے خود پچھلے سال گھر آکر نماز پڑھی تھی" جی نہیں شہزاد میاں، تم نے غلطی کی۔ آپ کے گھر والوں کو چاہیے تھا کہ آپ کو صحیح بتاتے کہ بقرعید کی نماز کے لیے جماعت شرط ہے .....

ہاں بچو! ذرا نمبرات کی پوزیشن دیکھیں۔ ہم نے دونوں گروپوں سے پانچ پانچ سوال کیے۔ گروپ "اے" نے تین سوالوں کے صحیح جواب دیے اس طرح اسے پندرہ نمبر ملے۔ گروپ "بی" کے چار جواب درست تھے۔ اس طرح اس نے بیس نمبر حاصل کر کے آج کا کپ جیت لیا ہے۔ گروپ "بی" کو یہ کامیابی مبارک ہو۔ خیر ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے۔ پھر کبھی کوئی مقابلہ کروائیں گے اس میں "گروپ اے" والے ذرا تگڑی تیاری کر کے آئیں، تو ممکن ہے میدان ان ہی کے ہاتھ رہے

اچھا بچو! آفاق صاحب نے شکن پڑے ہوئے کپڑے کو درست کیا: "آپ سب کو عید ابراہیم خلیل اللہ اور اسمٰعیل ذبیح اللہ مبارک ہو، انشاءاللہ بقرعید میں ملاقات ہوگی" اسی وقت مناقشہ کا پروگرام برخاست ہوا۔ اور اسی کے ساتھ ہی پروگرام کے خاتمہ کا اعلان مائیک کی جانب سے کر دیا گیا اور طلبہ خوشی خوشی اپنے گھروں کو لوٹ پڑے۔

محمد امتیاز عالم ساتوی الف ہاسٹل ندوہ کالج لکھنؤ

مولوی نیاز صاحب سے ایک ملاقات

س: آپ کا پورا نام کیا ہے؟

ج: نیاز احمد خان۔

س: آپ کے والد محترم کا نام؟

ج: عبدالرزاق خان

س: آپ کا آبائی وطن کہاں ہے؟

ج: میرا وطن تاریخی شہر سلطانپور ہے۔

س: آپ کی فراغت کس مدرسے سے ہے؟

ج: مظاہر علوم سہارنپور سے۔

س: آپ کی محبوب زبان؟

ج: عربی اور اردو۔

س: آپ کے محبوب عالم کون ہیں؟

ج: مرشدی حضرت مولانا عبدالحلیم مدظلہ العالی۔

س: آپ کی دلی تمنا کیا ہے؟

ج: تمنا ہے کہ گلزار مدینہ اب وطن ہوتا
وہاں کے گلشنوں میں کوئی اپنا بھی چمن ہوتا

س: آپ شعر میں بھی دلچسپی رکھتے ہیں؟

ج: (مسکرا کر) جی ہاں۔

س: آپ کے پسندیدہ شاعر کون ہیں۔

ج: عبدالرحمٰن جامیؒ اور شیخ سعدیؒ شیرازی۔

س: آپ کا کاروبار کیا ہے؟

ج: ایکسپورٹ امپورٹ۔

س: کیا آپ درس و تدریس بھی کرتے ہیں؟

ج: ابھی تو نہیں لیکن آئندہ ارادہ ہے۔

ایک بادشاہ نے شاعر کو مریل سا گھوڑا دیا۔ گھوڑا اسی رات اللہ کو پیارا ہو گیا۔ دوسرے دن شاعر بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوا تو بادشاہ نے اس سے پوچھا۔ "سناؤ گھوڑا کیسا ہے؟" شاعر نے کہا "جناب گھوڑا اتنا تیز رفتار تھا کہ ایک ہی رات میں اس جہاں سے اُس جہاں میں پہنچ گیا"۔

س: اچھا اب اجازت دیجیے ۔ اور ہاں آپ کا موجودہ اور مکمل پتا کیا ہے ؟

ج: سیاڈ احمد خان الرحمن ایکسپورٹ امام عمر بلڈنگ ۱۶۲، چوتھا منزلہ روم نمبر ۷، دوٹانکی بمبئی

عبیدالرحمٰن باز دوٹانکی ـــ بمبئی

لومڑی اور شیر

ایک شکاری بڑا نشانے باز تھا۔ کوئی شکار اس سے بچ نہیں پاتا تھا اس خبر سے جنگل کے جانوروں میں کھلبلی مچ گئی تھی اور سبھی گھنے جنگلوں میں جا چھپے لیکن شیر نے ڈکار کر بہادری جتاتے ہوئے کہا: تم سب بزدل ہو۔ دیکھنا میں اس شکاری کا کام تمام کر دوں گا۔ یہ کہ کر وہ زمین پر اپنے خوفناک پنجوں کو گڑا گڑا کر اور گرج گرج کر سارے جانوروں پر اپنا رعب جمانے لگا کہ اتنے میں ایک تیر تیزی سے آیا اور اس کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ شیر درد سے کراہ اٹھا۔ شیر گھوم کر اپنے دانتوں سے تیر کو نکالنے لگا۔ شیر کی کراہنے کی آواز سن کر لومڑی شیر کے قریب آئی اور تعجب سے بولی "یہ کون تھا جو ہمارے شیر بہادر کو گھائل کر گیا؟"

شیر نے درد سے کراہتے ہوئے کہا "ایسی بات نہیں ہے میں طاقت ور بھی ہوں اور بہادر بھی مگر میں نے دشمن کو سمجھنے میں بھول کی۔ وہ بہادر نہیں چالاک تھا۔ اس نے محفوظ جگہ سے مجھ پر حملہ کیا تھا۔ سچ ہے دشمن کو کبھی کمزور نہ سمجھنا چاہیے۔

محمد تشریف محمد حلیم خاں، کرناک بندر نمبر ۱ ـــ ۴

ایک اور موقع

.... بارش تیز ہوتی جا رہی تھی، رات تاریک تھی۔ سڑکیں سنسان تھیں پورا شہر تاریکی اور بارش کی وجہ سے قبرستان دکھائی دے رہا تھا وہ ایک دیوار کے پاس بیٹھا بھیگ رہا تھا وہ بڑی دیر سے وہاں بیٹھا تھا وہ اپنے چاروں طرف سے بے خبر سوچ رہا تھا، اس کے خیالوں میں ایک نئی زندگی نے جنم لیا تھا جس کا ماضی خزاں رسیدہ اور مستقبل بہار آلود نظر آ رہا تھا وہ جیل سے چھوٹ کر آ رہا تھا، بھوک اور تنگدستی نے اس کو کالے کرتوتوں پر مجبور کیا تھا اور آج سے چار سال قبل جیل گیا تھا جب اس نے ایک گھر پر ڈاکہ ڈالا تھا اور ناکام رہا تھا نتیجتاً وہ جیل کی سلاخوں کے اندر جا پہنچا۔ ماضی کی تلخ اور ناکام یادیں اس کے مستقبل کی سنہری تانے بانے سے اب بھی جھانک رہی تھی وہ سوچ رہا تھا کہ اب چوری اور کالے کرتوت چھوڑ کر ایک نئی اور پاکباز زندگی کا آغاز کروں گا، بادل بڑے زور سے گرجا بارش اور تیز ہو گئی، قریب ہی کسی کار کے بریک لگنے کی آواز نے ایک پل کے لیے بارش کے شور کو بے معنی کر دیا، کار کی سرخ روشنی اچانک بجھ گئی اور کوئی شخص کار کا دروازہ کھول کر نکلا تھوڑی دیر چلتا رہا اور پھر کسی چیز سے ٹھوکر کھائی اور گر پڑا اور وہ حیران ہو گیا، بجلی چمکی اور اس کو وہ شخص پانی میں پڑا نظر آیا اس کے پاس جانے لگا، مگر تاریکی کی وجہ سے وہ اس کو دیکھ نہ سکا۔ اچانک پھر بجلی چمکی اس نے اس کو دیکھ لیا اور اس کے پاس جا پہنچا، پہلے اسے گھور کر دیکھا اور پھر کندھے پر اٹھا کر دیوار کے پاس لے آیا، چوٹ شدید قسم کی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ شخص بے ہوش

پڑا تھا، پہلے وہ کھڑا خاموش سوچتا رہا، پھر کسی نامعلوم خیال کے تحت اس نے اس نے بڑی پھرتی کا ثبوت دیا اس کی جیب میں ہاتھ ڈال کر بٹوہ نکال لیا اور بھاگ کھڑا ہوا..... اس نے ذہن میں عجیب وغریب خیالات آرہے تھے خوشی اور غمی کی ملی جلی حالت میں دوڑتا ہوا سڑک کی برابر والی گلی کے پھیلے اندھیرے میں غائب ہوگیا، بارش اسی رفتار سے ہورہی تھی۔ وہ دوڑتا ہوا چلا جارہا تھا، سنسان اندھیرے راستوں پر اس کے دوڑنے کی آواز دور دور تک پھیلتی جارہی تھی مگر وہ اپنی اس دوڑ کو زیادہ دیر تک قائم نہ رکھ سکا او تھک گیا، بھوک اور پیاس سے اس کا بُرا حال تھا ہانپتے ہوئے وہ ایک بجلی کے کھمبے کے نیچے کھڑا ہوگیا۔ نظریں بچا کر اس نے بٹوہ کھولا لیکن وہ خالی تھا۔

بادل زور سے گرجا اور اس کے ضمیر نے چیخ کر کہا۔ ــ خدا نے تجھے نیک بننے کا ایک اور موقع دیا.......

امین اکرم مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

طرار لڑکا

کہتے ہیں کہ ایک دن حجاج تنہا سیر کر رہا تھا ایک جگہ اسے عرب کا ایک لڑکا دکھائی دیا اس کے ہاتھ میں تیر کمان تھا جس سے وہ شکار کرتا تھا وہ نہایت ہی حسین وجمیل تھا حجاج نے لڑکے سے پوچھا "تم کون ہو؟" لڑکے نے جواب دیا "آدمی" حجاج نے پوچھا "کون آدمی؟" لڑکے نے کہا "وہی جس سے میں پیدا ہوا"، حجاج نے پوچھا تم کہاں پیدا ہوئے؟" لڑکے نے کہا "زمین کی پشت پر" حجاج نے پوچھا "تمھارا نام کیا ہے؟" اس نے کہا "نام سے مطلب؟" حجاج نے کہا "میں معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم کون ہو؟" لڑکے نے کہا "بخدا اب تک تمھاری لاعلمی ہی کون سا نقصان پہنچا سکی ہے کہ اب تمھارا میرا تعارف نفع بخش ثابت ہوگا"، حجاج نے کہا "تم میرے ساتھ چلو میں تمھیں مالا مال کردوں گا" لڑکے نے کہا "تم کوئی ایسے قیاس بھی نظر نہیں آتے کہ میں تمھارے ساتھ چلوں"، "لڑکے تم کتنے نادان ہو؟" لڑکے نے کہا "آیا تم میری نادانی سے کیسے واقف ہوگئے، خیر میں نادان ہی سہی مگر تم وہ ہو جسے غرور وتکبر نے گمراہ کردیا ہے اور یہ نادانی سے کیا کم ہے؟" حجاج نے کہا "اے لڑکے تم مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو"، لڑکے نے کہا "بخدا میں کسی سے سوال نہیں کرتا مگر اس سے جس کے رو برو دست سوال دراز کرتے ہیں تم اور میں دونوں برابر ہیں وہ صرف خدائے تعالیٰ کی ذات ہے جو تمھارا اور میرا رب ہے"

شمیم عبدالعزیز، سیبا ہاؤس سوسائٹی، گھاٹ کوپر، بمبئی ۸۶

ماں بیٹا بس میں سفر کر رہے تھے۔ بیٹے نے ماں سے پوچھا۔

"ہم کہاں جارہے ہیں؟"

ماں نے جواب دیا: "بیٹا! تمھارے چچا کا انتقال ہوگیا ہے۔ ہم وہاں جارہے ہیں"۔

بیٹے نے بس میں بیٹھے ہوئے مسافروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"امی! کیا ان سب کے بھی چچا کا انتقال ہوگیا ہے"

قصہ نوشیرواں کا

بہت سال پہلے کی بات ہے کہ منصف مزاج نوشیرواں کے لیے شکار گاہ میں کباب بنائے جارہے تھے کہ نمک کی کمی ہوگئی۔ ایک غلام کو گاؤں بھیجا کہ نمک لے آئے۔ نوشیرواں نے کہا کہ نمک قیمت دے کر لانا، اس لیے کہ یہ رسم نہ پڑجائے اور گاؤں تباہ نہ ہوجائے۔ لوگوں نے پوچھا کہ عالی جناب اتنے سے نمک سے کیا نقصان ہوگا؟ نوشیرواں نے ان کے سوال کرنے پر کہا کہ ظلم کی بنیاد اس دنیا میں پہلے تھوڑی ہی سی تھی پھر جو بھی آیا اس نے اضافہ کیا اور ظلم کو بڑھایا۔

اگر بادشاہ رعایا کے باغ سے ایک سیب کھالیتا ہے تو اس کے نوکر پورے سیب بادشاہ کو پیش کر دیتے ہیں اور وہ درخت اُجڑ جاتا ہے۔

مہ ناز انجم راوڑکیلا، ضلع سندر گڑھ اڑیسہ

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں

تقدیر کا دھنی اور مقدر کا شہنشاہ وہی بنا جس نے وقت کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کو سمجھا۔ انسان کی ترقی اور تنزّلی اور قوموں کا عروج و زوال وقت کے مرہونِ منت ہیں دنیا میں وہی شخص اور وہی قوم کامیاب و کامران اور سرخرو ہوئی جنھوں نے وقت کو گلے لگایا برخلاف اس کے جن قوموں نے اور جس انسان نے وقت کی بے قدری کی اور اس کی قدر و منزلت کو نہ جانا وہ ذلیل و خوار اور رسوائے زمانہ ہوا۔

کائنات کی ہر شے چاند، سورج، ستارے اور سیارے، موسموں کی کیفیات اور گردشِ لیل و نہار وقت کے سہارے اپنے امور انجام دیتے ہیں اور یہ سلسلہ ازل سے جاری و ساری ہے۔

پس انسان پر لازم ہے کہ وہ ترقی کے اس دور میں وقت کا قدر شناس بنے، اس کی اہمیت کو جانے اس کے ایک ایک لمحہ کو قیمتی سمجھے اور اپنی زندگی کے تمام معمولات کو اسی کے مطابق ڈھالے تو کچھ بعید نہیں کہ دنیا اس کے قدموں تلے ہوگی اور وہ وقت کا سکندر کہلائے گا۔

وقت کے قدر داں اس نکتہ کو بھی اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ خالی دماغ شیطان کی آماجگاہ ہوتا ہے جس سے سدا فتنوں اور ہنگاموں کا ظہور ہوتا ہے۔ لہٰذا بیکار سے بیگار بھلی کے مصداق انسان وقت کو غنیمت جانے اور کچھ نہ کچھ کرتا رہے اسی میں اس کی فلاح اور بقا ہے۔

محمد صادق، نیشنل اردو ہائی اسکول آگرہ روڈ کلیان

جہیز

ہمارے معاشرے میں جہیز ایک کینسر نما بیماری بن کر پھیل گئی ہے اور ہم میں جو اس "جہیز" کو اپنے کاندھے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ "جہیز" ایک نعمت ہے جس سے ہماری زندگی کی تمام ضروریات پوری ہوسکتی ہے لیکن ایسا نہیں ہوتا، شریعت میں جہیز کو لعنت قرار دیا گیا ہے — ذرا ہم بھی سوچیں کہ ہمیں بھی اپنی بہن بیٹیوں کی شادی کرنی ہے۔ ایک دن "جہیز" ہمارے سر پر بھی مصیبت بن کر کھڑا ہوجائے گا، ہم اس وقت لاچار، مجبور نظر آنے لگیں گے۔ جن لوگوں کو زمین، سامان بیچ کر جہیز دینا

پڑتا ہے بھلا انھیں زندگی بھر کیسے قرار آئے گا،
کیا ہم جہیز لے کر زندگی بھر خوش رہ سکتے ہیں،
اگر زندگی بھر خوش رہ سکتے ہیں تو خوب۔ اگر
نہیں تو اے بھائیو۔ ہم سب مل کر اس بیماری
کا علاج کریں" ہمارے معاشرے میں جو گندگی
پھیل گئی اسے صاف کریں۔

بھلا ہم خود سوچیں کہ اس دور میں
جہیز کی خاطر کتنی بہوؤں کو زندہ در گور کر دیا گیا
ہے۔ ممکن ہے کہ کل ہماری بھی بہن کو زندہ دفن
کر دی جائے۔ کتنی غریب بہنیں جہیز نہ ہونے
کی وجہ سے کنواری بیٹھی ہیں۔ ہو سکتا ہے ہمارے
ساتھ بھی مجبوری ہو، اور ہماری بہن بھی کنواری
رہ جائے۔ پھر ایسی لعنت جہیز کو کیوں لیں۔
جہیز کے لیے ہمارے بھائیوں اور بہنوں کو چاہیے کہ
وہ ایسے لوگوں سے رشتہ نہ کریں جو جہیز کے
لالچی ہوں۔ آپ جانتے ہیں لالچ بری بلا ہے
اب ہم لوگ جہیز لینے سے توبہ کر لیں، میری
یہی گزارش ہے۔

محمد انیس بیکراں، چکونڈ، درگاہ بیلا ویشالی بہار

رحم دل تاجر

شہر بغداد میں ایک تاجر رہتا تھا وہ بہت
ہی رحم دل اور نیک تھا۔ وہ غریب اور ضرورت مند
لوگوں کی ہمیشہ مدد کرتا تھا اس لیے لوگ اس
کی بہت عزت کیا کرتے تھے۔ اس کی ایمانداری
پر لوگ اس کی مثال دیا کرتے تھے۔

اسے شکار کا بہت شوق تھا ایک دن
وہ جنگل میں شکار کے لیے گیا۔ دن بھر گھومتا
رہا لیکن اسے کوئی شکار نہ ملا۔ دوپہر کا وقت
ہو گیا۔ پیاس سے اس کا برا حال تھا۔ پاس ہی
ایک ندی تھی وہ ندی کے کنارے گیا اور
جیسے ہی اس نے پانی پینا چاہا تو دیکھا ایک
پیڑ کے پیچھے ایک سانپ کو ایک نیولا نے بری طرح
زخمی کر رکھا ہے اور سانپ اپنے آپ کو اس
کے پنجوں سے چھڑانے کی پوری کوشش کر رہا
ہے پر اپنے آپ کو نیولے سے چھڑا نہیں
پا رہا ہے۔

تاجر کو یہ دیکھ کر سانپ پر رحم آ گیا اس
نے اپنے میان سے تلوار نکالی اور نیولے کو
مار ڈالا۔ اب جا کر سانپ کو راحت ملی۔ سانپ
نے تاجر کا دل ہی دل میں شکریہ ادا کیا اور جھاڑی
میں چلا گیا۔ تاجر بھی پانی پی کر جانا چاہ
رہا تھا کہ اسی سانپ نے ایک ہیرے کی انگوٹھی
تاجر کے پیروں تلے لا کر رکھ دی۔ تاجر کو بہت
خوشی ہوئی۔ اسی کے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ سانپ

ایک دفعہ ایک کسان شہر گیا۔ بازار میں
اس نے طرح طرح کی مٹھائیاں دیکھیں۔
وہ دکاندار کے پاس گیا اور دو آنے
کی مٹھائی مانگی۔ دکاندار دھوکہ باز تھا اور
کم تولا کرتا تھا اس نے کسان کو بھی
دھوکہ دینا چاہا اور کھوٹے باٹ استعمال
کیے۔ کسان نے یہ دیکھ کر دکاندار سے کہا
"تم کم کیوں تول رہے ہو؟"
دکاندار نے جواب دیا "کوئی بات نہیں۔
تمھیں اس طرح کم وزن اٹھانا پڑے گا"
کسان ہوشیار آدمی تھا اس نے دکاندار کو
کچھ پیسے کم دیے۔ دکاندار نے کہا "پیسے
کم ہیں" کسان نے کہا "کوئی بات نہیں
تمھیں گنتے وقت تکلیف کم ہوگی"

دوستی کرنا چاہتا ہے اور تحفہ کی شکل میں یہ
انگوٹھی دینا چاہتا ہے۔ تاجر نے انگوٹھی کو
لیا اور اپنے دوست کا شکریہ ادا کرکے
واپس اپنے گھر چلا آیا۔

تاجر کے دو بھائی تھے جو دن رات
شراب پیا کرتے اور اپنے بڑے بھائی سے
پیسا لیا کرتے تھے تاجر اپنے بھائی کو صحیح
راستے پر لانے کی بہت کوشش کرتا لیکن
وہ نہ مانتے۔ ایک دن جب تاجر نے پیسا
دینے سے انکار کر دیا تو دونوں بھائی اپنے
بڑے بھائی کو جان سے مارنے کا پلان بنانے
لگے۔ ایک دن وہ جنگل سے ایک سانپ لائے
اور جب تاجر عشاء کی نماز پڑھ کر سو رہا تھا تو دونوں
بھائیوں نے سانپ کو چھوڑ دیا۔ سانپ دھیرے
دھیرے تاجر کے پلنگ کی طرف جانے لگا اور
تاجر کے سینے پر جا بیٹھا جیسے ہی اس نے تاجر کو
ڈسنا چاہا تو اس کی نظر تاجر کی انگوٹھی پر پڑی تو
وہ چونک گیا اسے یاد آیا کہ بہت دن پہلے اس
آدمی نے میری جان بچائی تھی۔ جب تک تاجر کی
آنکھ کھلی تو اس نے اپنے اوپر سانپ کو دیکھا تو وہ
ڈر گیا۔ سانپ جیسے سب کچھ سمجھ گیا ہو وہ تیزی
سے باہر کی طرف گیا۔ اس کے پیچھے تاجر بھی گیا۔
سانپ نے اس کے دونوں بھائیوں کو ڈس لیا۔ یہ
دیکھ کر تاجر بہت رویا اور سانپ کی طرف دیکھ
کر بولا "یہ تو نے کیا کیا میرے دوست، تو نے
میرے ہی بھائیوں کو ڈس لیا" سانپ کو لگا کہ
یہ میں نے اچھا نہیں کیا۔ اس نے فوراً اپنا زہر چوسنا
شروع کیا اور جلد ہی اس کے دونوں بھائی ہوش
میں آ گئے۔ تاجر یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا۔
اب دونوں بھائیوں نے وعدہ کیا کہ اپنے بڑے
بھائی کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں گے اور دونوں
نے بڑے بھائی سے معافی مانگی۔

ثاقب ظفر، غیاث نگر، رانی پور، برہریا، سیوان، بہار

چیونٹی ایک حیرت انگیز مخلوق

تیمور بادشاہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ وہ
ایک جنگ میں بری طرح ہار گیا۔ اس کے سپاہی اپنی
جانیں بچا کر بھاگ گئے۔ اسے خود اپنی جان بچانے
کے لیے ایک غار میں پناہ لینی پڑی۔ وہ کسی گہری سوچ
میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کی نظر ایک چیونٹی پر پڑی جو
ایک دانہ اپنے منہ میں دبائے اوپر چڑھنے کی کوشش
کر رہی تھی۔ تیمور غور سے اسی چیونٹی کو دیکھنے لگا۔
چیونٹی دانہ منہ میں دبائے دھیرے دھیرے اوپر
چڑھتی اور تھوڑی دور اوپر چڑھنے کے بعد زمین پر
گر پڑتی۔ دانہ اس کے منہ سے چھوٹ کر دور جا گرتا
پھر چیونٹی دانے کو منہ میں دبا کر پھر اوپر چڑھنے کی کوشش
کرتی لیکن کچھ دیر بعد پھر زمین پر آ گرتی۔ اسی طرح متواتر
کئی بار کوشش کرنے کے بعد آخرکار دانہ سمیت اوپر
پہنچ گئی۔ تیمور حیرت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ اس
نے سوچا کہ قدرت کی ایک ادنا سی مخلوق اپنے مقصد
کو پانے کے لیے انتھک محنت کرتی ہے اور اس
وقت تک آرام نہیں کرتی جب تک کہ اپنی منزل کو
پانے میں کامیاب نہیں ہو جاتی۔ اس کے دل میں خیال
آیا کہ وہ خود ایک بار ہار کر کیوں منہ چھپا کر بیٹھ گیا
ہے۔ اسے اپنے آپ سے شرم آئی۔ وہ ایک
نیا حوصلہ اور عزم و ہمت لیے غار سے باہر نکلا۔ اپنے
وفادار ساتھیوں کو جمع کر کے ایک بار پھر جنگ کی
اور فتح یاب ہوا۔

تیمور نے چیونٹی سے یہ سبق سیکھا کہ ناکامی
سے کبھی گھبرانا نہیں چاہیے۔ کیونکہ ناکامی کامیابی
کا زینہ ہے۔ خدا بھی انھیں کا ساتھ دیتا ہے جو

ہمت سے کام لیتے ہیں۔" ہمت مرداں مدد خدا"
تیمور کو زندگی کا سب سے بڑا سبق سکھانے والی
چیونٹی قدرت کی ایک حیرت انگیز مخلوق ہے۔ اس
قدر چھوٹی مخلوق ہونے کے باوجود دیگر حیوانات
کی طرح چیونٹی خود اپنا دفاع خود کر سکتی ہے۔ چیونٹی
کی کاٹ بہت مشہور ہے۔ جس سے ہاتھی بھی گھبراتا
ہے۔ یہ خوب دیکھتی اور خوب سنتی ہے۔ درحقیقت
اسی چھوٹی سی جان کی بناوٹ ایسی ہے کہ اگر کوئی اس
کے بارے میں غور و فکر کرے تو وہ تعجب سے
دانتوں تلے انگلی دبالے گا۔

علم حیوانات کی کتابوں میں چیونٹی کے بارے
میں بے شمار دلچسپ حقائق کی نشاندہی کی گئی ہے
چیونٹی ان چند گنے چنے حیوانات میں سے ہے
جو اپنے سے کئی گنا زیادہ وزن اٹھا سکتے ہیں۔ چیونٹی
اپنے سے کہیں زیادہ وزن اٹھا سکتی ہیں، اگر چیونٹی
دیکھتی ہے کہ کوئی دانہ یا کیڑا یا کوئی اور کھانے کی
چیز بھاری ہے اور اس کو اکیلے اٹھانا ممکن نہیں تو
وہ تیزی سے جاتی ہے اور مدد کے لیے اپنے
ساتھیوں کو بلا لاتی ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چیونٹیوں
کی ایک لمبی قطار نظر آتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے
کے ساتھ عملی تعاون کر کے وہ ایسی کھانے کی چیز
کو اپنے ٹھکانے تک اٹھالے جاتی ہیں جس کا وزن
ان چیونٹیوں کے وزن سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔

اکثر کھانے کی چیزوں کو چیونٹیوں سے بچانے کے
لیے پانی کے بیچوں بیچ رکھ دیا جاتا ہے لیکن یہی
دیکھا گیا ہے کہ چیونٹیاں وہاں بھی پہنچ جاتی ہیں۔
جب بغور دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ پہلے چیونٹیاں پانی
کے پاس آتی ہیں پھر اندازہ ہو جانے پر کہ پانی کو پار کر کے
وہاں تک نہیں پہنچ سکتیں وہ دیوار کے سہارے
چھت پر چڑھ جاتی ہیں اور وہاں سے لپٹے آپ کو
ان چیزوں پر گرا دیتی ہے اس طرح وہ اپنی عقل سے
اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کی ترکیب نکال ہی
لیتی ہیں۔

چیونٹی کو مثال بنا کر انسان کو چاہیے کہ وہ
نامساعد حالات سے نہ گھبرائے بلکہ ان کا ڈٹ
کر مقابلہ کرے ہر مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل ضرور
ہوتا ہے۔ اپنے مسائل کو حل کرنے کے لیے اپنی
فہم و تدبیر سے کام لے۔ کامیاب زندگی گزارنے
کا اس سے بہتر کوئی نسخہ نہیں ہو سکتا۔

آصف مصطفٰے جی۔ کلادگی۔ جامعہ نگر۔ بیجاپور کرناٹک

ایک پاگل خانے کا ڈاکٹر پاگل کا ذہنی توازن
جانچنے کے لیے ہر ہفتے ایک روپے کا چمکتا ہوا
سکہ اور ایک میلا کچیلا دس روپے کا نوٹ اس
کے سامنے پھینکتا تھا۔ پاگل ہمیشہ چمکتا ہوا سکہ
اٹھالیتا۔ ایک دن پاگل کے دوست نے
پاگل سے پوچھا "تم ہر دفعہ چمکتا ہوا سکہ ہی کیوں
اٹھاتے ہو؟"۔

پاگل نے جواب دیا "اگر میں نے دس
روپے کا نوٹ اٹھا لیا تو ڈاکٹر میرے ساتھ
کھیلنا بند کر دے گا۔"

آپ کی تحریریں کیوں شائع نہیں ہوتیں

۱۔ آپ کاغذ کے دونوں طرف لکھتے ہیں۔
۲۔ آپ ایک سطر چھوڑ کر نہیں لکھتے۔
۳۔ آپ ہر کالم کے آخر میں اپنا نام اور پتا نہیں لکھتے
۴۔ کبھی آپ کا خط ڈاکخانے کی نذر ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیے: پرچہ نہ ملنے کی صورت میں
اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیے۔

سید علی شبنم کاروادی

شریر بچّوں کی قوّالی

شرارت اک صفت ہے جو ہے ہم بچّوں سے وابستہ
ہر اک حرکت ہماری، فطرتاً ہے نہ کہ دانستہ

کسی کو تنگ کر کے ہم خوشی محسوس کرتے ہیں
کبھی کرتے نہیں کچھ تو کمی محسوس کرتے ہیں
کسی کے آنسوؤں میں ہم ہنسی محسوس کرتے ہیں
شرارت نہ کریں تو بے دلی محسوس کرتے ہیں
کسی کو چھیڑ کر ہم تازگی محسوس کرتے ہیں
شرارت میں ہی اپنی زندگی محسوس کرتے ہیں

شرارت نیم کے پتّوں کا اور کانٹوں کا گلدستہ
شرارت اک صفت ہے جو ہے ہم بچّوں سے وابستہ

کہیں پر ایک شیشے کا نظر آتا جو چشمہ ہے
شرارت کا نتیجہ ہے شرارت کا کرشمہ ہے
شرارت کرنے والے ہوں جہاں ایسا ہی ہوتا ہے
کہیں پر ایک سینڈل ہے کہیں پر ایک جوتا ہے
بجائے چار کے جو پاؤں ہیں یہ تین کرسی کے
ہوا ہے یہ کسی نٹ کھٹ کے ہاتھوں اک مرضی سے
کسی کے سائکل کی جو ہوا خارج ہے ٹائر کی
شرارت میں کسی نے یوں شرارت اپنی ظاہر کی

غلیلوں سے نشانے جب بھی یہ ٹ کھٹ لگاتے ہیں
زیادہ تر یہ کھڑکیوں کے شیشے ہی اُڑاتے ہیں

کسی لنگڑے کی ہم بیساکھیاں ہی توڑ دیتے ہیں
کسی اندھے کو لاٹھی بن اکیلا چھوڑ دیتے ہیں

بنائی بورڈ پر تصویر جو لڑکے نے جوکر کی
کسی نے لکھ دیا کہ یہ تو ہے تصویر ٹیچر کی

شرارت یہ شروع ہوتی ہے سورج کے نکلنے پر
یہ اکثر ختم بھی ہوتی ہے سورج ہی کے ڈھلنے پر

شرارت سے کسی کو چین ملتا ہے تو راتوں میں
سویرا ہوتے ہی کھجلی شروع ہوتی ہے ہاتھوں میں

نیا کچھ سوچتے ہیں دیکھتے ہیں اک نیا رستہ
شرارت اک صفت ہے جو ہے ہم بچوں سے وابستہ

بڑے اکثر پڑے رہتے ہیں چکر میں کچہری کے
ہمیں دیکھو کہ پیچھے بھاگتے ہیں ہم گلہری کے

کوئی ٹیچر کوئی افسر کوئی دفتر کا بابو ہے
ہر اک بچہ یہاں پر بادشاہ ہے دل بے قابو ہے

نہ ہم پیچھے پڑے قانون کے نا تو سیاست کے
فقط دن رات منصوبے بناتے ہیں شرارت کے

شرارت نہ کریں تو ہم کو ہو جاتی ہے بدہضمی
ہمارے دم سے ہے اسکول میں اور گھر میں بدنظمی

رکھی ہے کوئی شئے ترتیب سے تو ہم بگاڑیں گے
کسی ترکیب سے آباد چیزوں کو اُجاڑیں گے

کبھی دیوار کی گھڑیوں کا ہم ٹائم بدل دیں گے
نہ جس سے واسطہ ہو ایسے کاموں میں دخل دیں گے

شرارت ہے بہت مہنگی نہیں ہے یہ عمل سستا
شرارت اک صفت ہے جو ہے ہم بچوں سے وابستہ

شرارت سے محبت ہے اسی سے عشق کرتے ہیں
کراٹے کی ہمیشہ دوستوں پر مشق کرتے ہیں

اگر آپ کے داہنی طرف سُرخ دائرہ بنا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ آپ کا چندہ ختم ہو گیا۔ بذریعہ منی آرڈر فوراً بھجوائیے۔

اقوالِ زرّیں

• دولت آرزو سے، جوانی خضاب سے اور صحت دواؤں سے حاصل نہیں ہوتی۔ (ابوبکرؓ)

• گلہ اور شکوہ سے زبان کو روکو، راحت کی زندگی نصیب ہوگی۔ (حضرت ابوبکرؓ)

• جو عیوب سے آگاہ کرے وہ دوست ہے۔ (حضرت عمرؓ)

• منہ پر تعریف کرنا ذبح کرنے کے مترادف ہے۔ (حضرت عمرؓ)

• اگر تو گناہ ہی پر آمادہ ہے تو ایسی جگہ تلاش کر جہاں خدا نہ ہو۔ (حضرت عثمانؓ)

اطہر البشر السبیل اکیڈمی اررید بہار

• انسان کا کردار ایک ایسی مالا ہے جس کی ایک گرہ کھل جانے سے تمام موتی بکھر جاتے ہیں۔

• ہمیشہ دشمن سے محتاط رہو کیونکہ پانی کتنا ہی گرم کیوں نہ ہو لیکن آگ کو ضرور بجھا دیتا ہے۔

• دوست وہ نہیں جو پانی خشک ہونے پر مرغابی کی طرح اُڑ جائے بلکہ سچا دوست وہ ہے جو کنول کے پھول کی طرح حق وفا نبھاتے ہوئے تالاب پر پانی کے ساتھ مرجھائے۔

• کانٹوں سے بھری ہوئی شاخ کو ایک پھول جس طرح خوبصورت بنا دیتا ہے، اسی طرح غریب

کے دل کو اور گھر کو نیک شعار عورت جنت بنا دیتی ہے۔

نجمہ نکہت عبدالمناف کاسودہ ضلع جلگاؤں

محبت

محبت : وطن سے ہو تو ایمان بن جاتی ہے۔

محبت : مذہب سے ہو تو دین بن جاتی ہے۔

محبت : خدا سے ہو تو بندگی بن جاتی ہے۔

محبت : والدین سے ہو تو فرض بن جاتی ہے۔

محبت : اولاد سے ہو تو ممتا بن جاتی ہے۔

محبت : زندگی سے ہو تو لالچ بن جاتی ہے۔

محبت : غیر اللہ سے ہو تو شرک بن جاتی ہے۔

محمد شعیب باغبان اتھنی کرناٹک

روشن باتیں

• عالم سے ایک گھنٹے کی گفتگو دس برس کے مطالعے سے زیادہ مفید ہوتی ہے۔

• نہایت خوش حالی اور نہایت بدحالی برائی کی طرف لے جاتی ہے۔

• خود کو بدل دو قسمت خود بخود بدل جائے گی۔

• مایوسی سے بڑھ کر دنیا میں کوئی چیز نہیں، مایوسی موت کا دوسرا نام ہے۔

• ظلم کی رات خواہ کتنی ہی لمبی ہو، سویرا ضرور ہوتا ہے۔

سلطانہ جہاں عبدالمناف، اسلام پورہ، کاسودہ

عظیم لوگ

ہر انسان کی زندگی میں جہاں خوشیاں ہوتی ہے وہیں کچھ غم بھی ہوتے ہیں لیکن عظیم ہیں وہ لوگ جن کے دل میں غموں کا ایک جہاں آباد ہوتا ہے لیکن ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھری رہتی ہے

اور اس مسکراہٹ کی آڑ میں وہ اپنا ہر غم چھپا لیتے ہیں لیکن کوئی اس انسان سے پوچھے جس کا دل رو رہا ہو لیکن ہونٹ پھر بھی مسکرا رہے ہوتے ہیں اس زخمی مسکراہٹ کے لیے اسے کتنا جتن کرنا پڑتا ہے، کتنا ضبط کرنا پڑتا ہے۔ یہ وہی جان سکتا ہے۔ سمجھ سکتا ہے۔ اپنے ہونٹوں پر جھوٹی مسکراہٹ سجائے رکھنا ہی بلند حوصلہ ہونے کی نشانی ہے جن کے لبوں پر ہمیشہ ہنسی بکھری رہتی ہے۔ زندگی میں وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں۔ اسی لیے کہ انھوں نے درد و غم کا مقابلہ ڈٹ کر کیا اسی لیے وہ سرخ رو بھی ہوئے۔

انجم آرا محمد ذاکر شیخ، اسلام پورہ، کاسودہ

- "سچ" مومن کا ایسا لباس ہے جو کبھی گندا نہیں ہوتا۔
- ہزار دوستیاں ایک دشمنی کے بدلے میں مت خریدو۔
- کسی کے بارے میں بُلا مت سوچو، ہو سکتا ہے وہ تم سے اچھا ہو۔
- خدا سے غافل نہ ہو، کیونکہ وہ تم سے غافل نہیں ہے۔
- دل اگر سیاہ ہو چکا ہے تو چمکتی ہوئی آنکھ بھی کچھ نہیں کر سکتی۔
- اس مال کا کیا فائدہ جو کارِ خیر میں خرچ نہ ہو۔

امتیاز احمد، بہار واڑچ کیمپ نیو مارکیٹ سیوان بہار

- سچا مجاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اپنے نفس سے جہاد کرے۔ (حدیث)
- اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا ہے بلکہ تمہاری نیتوں کو دیکھتا ہے۔ (حدیث)
- جو شخص قصداً نماز چھوڑ دیتا ہے جہنم کے

دروازہ پر اس کا نام لکھ دیا جاتا ہے۔

- انصاف کی ایک ہی صورت ہے اور ظلم کی بہت سی صورتیں ہیں (افلاطون)

شبانہ اعظمی عرف سوتی، چکجادو، درگاہ بیلا ویشالی

- چاند کے بغیر رات بیکار اور علم کے بغیر ذہن۔
- جو شخص علم کی مصیبت نہیں جھیلتا ہے اسے جہالت کی ذلت جھیلنا پڑتی ہے۔

محمد سیفی، وارڈ نمبر ۲ شری رام پور، احمد نگر

- جب عقل پوری ہوتی ہے تو گفتگو کم ہو جاتی ہے۔
- مشکلات سے نہ گھبراؤ، مشکلات ہی دراصل انسان کو انسان بنا دیتی ہیں۔
- لوگ زندگی کے اندیشوں میں جیتے ہیں حالانکہ انھیں موت کے اندیشوں میں جینا چاہیے۔
- ہر ایک بات جو اللہ کے ذکر سے خالی ہے، لغو ہے۔ ہر ایک خاموشی جو فکر سے خالی ہے، سہو ہے، اور ہر ایک نظر جو عبرت سے خالی ہے، لہو ہے۔

عبد الصبور جھنڈا نگری، کرشنا نگر، کپل وستو نیپال

نماز

- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔
- نماز کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی ہے۔
- نماز مومن کی معراج ہے۔
- نماز جنت کی کنجی ہے۔
- نماز انسان کو اچھا راستہ دکھاتی ہے۔

محمد امجد احمد، محبوب گنج ہیرالال چوک بیڑ

• جس مال میں سے زکوٰۃ نہیں نکالی جاتی وہ مال تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔
• جو تمھارے عیب سے باخبر کرے وہی تمھارا اصلی دوست ہے۔
• سب سے محبت کرو اور بہت کم پر اعتماد۔ لیکن کسی کے ساتھ برائی مت کرو۔

محمد اصغر علی امام وری ویشالی بہار

علم و جہل

• علم منزل ہے، جہل گمراہی ہے۔
• علم محبت ہے، جہل نفرت ہے۔
• علم روشنی ہے، جہل تاریکی ہے۔
• علم خلافت ہے، جہل بادشاہت ہے۔
• علم نیکی ہے، جہل بدی ہے۔
• علم زندگی ہے، جہل موت ہے۔

محمد انیس، چکنوٹہ، درگاہ بیلا ضلع ویشالی بہار

• لالچ کو دل سے خالی کر: تاکہ تو آرام پائے۔
• برائی مت کر: تاکہ کسی بلا میں تو پھنس نہ جائے۔
• دنیا کا غم مت کر تاکہ تیرا دل برباد نہ ہو۔

پرویز اختر نالہ روڈ راؤرکیلا اڑیسہ

• اسلام: زندگی گزارنے کا ایک طریقہ جسے اللہ تعالیٰ نے ایجاد کیا۔
• مسلمان: جو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور ان کی اطاعت کرے۔
• منافق: ظاہر میں مسلمان باطن میں کچھ اور۔
• مرتد: اسلام کو چھوڑ کر اپنے سابقہ یا کسی دوسرے مذہب کو اپنانے والا۔

ساجد عالم نالہ روڈ راؤرکیلا اڑیسہ

• جانا چاہتے ہو تو بیت اللہ کی زیارت کو جاؤ۔
• لینا چاہتے ہو تو ماں باپ کی دعائیں لو۔
• چومنا چاہتے ہو تو حجر اسود کو چومو۔
• دینا چاہتے ہو تو خدا کی راہ میں دو۔

محمد عقیل، مدرسہ مدینۃ العلوم شری رام پور، احمد نگر

• پیشاب کی نجاست سے آلودہ نہ ہو کیونکہ قبر کا زیادہ تر عذاب اسی وجہ سے ہوگا۔
• میں اپنی امت کے بارے میں سب سے زیادہ جس چیز سے ڈرتا ہوں وہ ہے شکم پرستی۔ خواب غفلت، کسل مندی، اور ضعیف الاعتمادی۔
• روٹی کا احترام کرو کہ وہ آسمانی برکتوں کے ساتھ اترتی ہے اور زمین کی برکتوں کے ساتھ نکلتی ہے۔

تحسین فاطمہ مظفر پور بہار

• بیکار ہے وہ زندگی جس میں جد و جہد اور عمل نہ ہو۔
• بیکار ہے وہ عبادت جو سچے دل سے نہ کی جائے۔
• بیکار ہے وہ دوستی جس میں ایثار اور وفا نہ ہو۔

امداد احمد، رانی پور بڑہریا سیوان بہار

حماقت کی نشانی ہے

• بغیر نیکی اور عبادت کے آخرت میں ثواب و جنت کی امید۔
• خود بیوفائی کی عادت ہوتے ہوئے دوسروں سے وفا کی امید۔
• آرام طلبی اور سستی کے ساتھ مراد پانے کی امید۔

زرین شہاب فلاحی اعظمی، کمرلوں، ندوہ اعظم گڑھ

• غصّہ پی جایا کرو، اور لوگوں کو معاف کر دیا کرو۔
(سورۂ بقر)
• زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو۔ (سورہ بنی اسرائیل)
• کوئی وعدہ کر کے نہ توڑو (سورہ النحل)
• سب سے زیادہ عزت والا وہی شخص ہے جو سب سے زیادہ صبر والا ہے۔
(سورہ الحجرات)

طلحہ نقشبندی القادری، بالاپور ضلع آکولہ

• حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ انسان اپنے دوست کے طریقے پر چلتا ہے۔ پس پہلے سوچ لو، کس سے دوستی کر رہے ہو۔
(ابوداؤد)
• نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لباس کی سادگی ایمان کی علامتوں میں سے ایک ہے۔
(ابوداؤد)

عفت انجم قریشی، مدار تکیہ منگرول پیر، آکولہ

• انصاف پر قائم رہو، اور اللہ کے لیے سچی گواہی دو۔
(قرآن کریم)
• جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہ بدلہ نہیں لیتا۔
(حضرت علیؓ)
• سچ تمام برائیوں کا علاج ہے۔ (حضورؐ)
• دین خزانہ ہے اور علم اس کا راستہ۔
(حضرت علیؓ)
• خدا ایک ہے اور وہ اتحاد کو پسند کرتا ہے۔
(حضرت محمدؐ)
• اپنے استاد کی توقیر کیا کرو۔
(حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم)

محمد نجیب پاشا، گارڈن ریچ، کلکتہ نمبر ۲۴

• اگر تم اللہ ہی کی دوستی کا دم بھرتے ہو تو اس کا شکر بھی ادا کرو۔ (قرآن کریم)
• خبردار ہو کہ دلوں کا چین اللہ ہی کے ذکر میں ہے
(قرآن کریم)
• جو کوئی توبہ کرنے کے بعد راہ راست پر آجائے تو اللہ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔
(قرآن حکیم)
• اگر تم صاحب ایمان ہو تو مشکلات میں ڈانواں ڈول نہ ہو، اللہ پر بھروسا رکھو۔ (حضرت موسیٰؑ)
• ایمان کا یہی شیوہ ہے کہ صرف اللہ پر بھروسا رکھو
(حضرت موسیٰؑ)

ایس، کے تلمیذ الدین افروز، لال بہادر نگر، ورنگل

• آپ جانا چاہیں تو — علم کے راستہ پر جائیں
• آپ پینا چاہتے ہیں تو — غصہ پئیں
• آپ لینا چاہتے ہیں تو — بزرگوں کی دعائیں لیں
• آپ دینا چاہتے ہیں تو — خدا کی راہ میں دیں
• آپ سیکھنا چاہتے ہیں تو — دین کی باتیں سیکھیں
• آپ بولنا چاہتے ہیں تو — سچ بولیں

ماسٹر اعجاز احمد شیخ۔ منگرول پیر (آکولہ)

• علم کی طلب میں کہیں جانا عبادت ہے۔
• علم کا یاد کرنا تسبیح ہے۔
• علم کو چوری کا کوئی خطرہ نہیں۔
• علم خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔

رحمانہ کوثر محمد ضیاء الدین، حافظ پورہ، منگرول پیر

انسان کی چھے خطرناک غلطیاں

• اس خیال میں مت رہنا کہ میں ہمیشہ تندرست اور خوبصورت و تونگر رہوں گا۔
•

توقع رکھنا۔

• اپنے ماں باپ کی خدمت نہ کرنا اور اولاد سے اس کی توقع رکھنا۔

• اس نیت سے برائی کرنا کہ چند مرتبہ کر کے چھوڑ دوں گا۔

• لوگوں کی تکلیف میں حصہ نہ لینا اور پھر ان سے ہمدردی کی اُمید رکھنا۔

• اپنا راز کسی دوست یا رشتہ دار کو بتلا کر اس سے پوشیدہ رکھنے کی خواہش کرنا۔

مولوی رفیق احمد شیخ خادم مدرسہ ضیاء العلوم پانور ڈانگر امپور

دس چیزیں دس چیزوں کو کھا جاتی ہیں

• رزق	کو	جھوٹ
• برائی	کو	نیکی
• عمر	کو	غم
• گناہ	کو	توبہ
• علم	کو	تکبّر
• بلا	کو	صدقہ
• سخاوت	کو	پشیمانی
• ظلم	کو	انصاف
• نیک اعمال	کو	غیبت
• عقل	کو	غصّہ

محمد احتشام عالم، مانک چوک امرڈا پور بلڈانہ

• شیر بھوکا مر جائے مگر گھاس نہیں کھاتا۔

• جھوٹ کبھی نہ بولیے خواہ اپنا نقصان کیوں نہ ہو۔

• ایسا سچ بھی نہ بولیے جو دوسروں کو کڑوا لگے۔

محمد راشد انور، مولوی ٹولہ ارریہ بہار

• علم، حق تعالیٰ تک پہنچنے کا ایک بہترین زینہ ہے۔

• علم، ایسا پھول ہے جس کی خوشبو ہر طرف محسوس کی جا سکتی ہے۔

• علم، عقل کا چراغ ہے۔

• علم، انسان کو اندھیرے سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔

منیب اختر آزاد نگر، پرتاپ گڑھ یوپی

• جو لوگ دنیا کی زندگی اور اس کی زیب و زینت کے طالب ہوں ہم ان کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور اس میں ان کی حق تلفی نہیں کی جاتی۔ (سورۂ ہود آیت ۱۵)

• آخرت میں عزت کا مقام تو ہم نے صرف ان لوگوں کے لیے رکھا ہے جو زمین پر نہ اپنی بڑائی قائم کرنا چاہتے ہیں اور نہ فساد پھیلانا چاہتے ہیں، عاقبت کی کامیابی صرف خدا ترس لوگوں کے لیے ہے۔ (سورۂ قصص: ۸۳)

عرفان شاہ بالاپوری ضلع آکولہ مہاراشٹر

• ماں کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

• دنیا میں سب سے حسین شئے ماں ہے۔

• جنت کا سب سے اچھا اور آخری تحفہ ماں ہے۔

• ماں کا روپ عورت کا سب سے عظیم اور بے مثال روپ ہے۔

گڈ لک بک سینٹر تاج پور سمستی پور بہار

• علم چاہے تھوڑا ہو، مگر عمل زیادہ چاہیے۔

• جس دل کو علم کی روشنی نہ ملے وہ دل مردہ ہے۔

• عقلمند انسان بولنے سے پہلے سوچتا ہے اور بیوقوف انسان بولنے کے بعد سوچتا ہے۔

● اس دن کے لیے رونا چاہیے جو دن نیکی کے بغیر گزر جائے۔

عظمت آرا، چکنوٹہ، درگاہ بیلا، ویشالی، بہار

زندگی کیا ہے

غریب نے کہا زندگی دکھوں کا گھر ہے
طالب علم نے کہا زندگی ایک بوجھ ہے
نجومی نے کہا زندگی قسمت کا کھیل ہے
امیر نے کہا زندگی، کھانا پینا اور مر جانا ہے

کاجو، پنٹو ریل پار، اوا، کے روڈ آسنسول

● آئینہ جھوٹی بات نہیں بتاتا جو کچھ دیکھتا ہے سچ سچ کہہ دیتا ہے۔
● آئینہ دل میں کچھ نہیں رکھتا، منہ کی بات منہ پر کہہ دیتا ہے۔
● آئینہ اتنی ہی دیر بولتا ہے جتنی دیر آپ پوچھتے ہیں۔
● ایک مسلم دوسرے مسلم کے لیے آئینہ ہے۔ (ایک حدیث)

زیشان عابدی۔ بردی پور، کنسی سمری دربھنگہ، بہار

● ایک باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سب سے اچھا اور بہتر عطیہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔
● مصیبتوں سے مت گھبرائیے کیونکہ ستارے اندھیرے میں ہی چمکتے ہیں۔
● جو شخص باوضو سوتا ہے اور اگر اسی رات موت آجائے تو خدا کے نزدیک بہت ثواب پاتا ہے۔

محمد رضوان قمر (شبن) محلہ چھجو، بہار شریف نالندہ

● نماز کے بعد سب سے اچھا کام والدین کی اطاعت ہے۔
● بیٹا وہی ہے جو ماں باپ کا خدمت گزار ہے۔
● دوست وہی ہے جس پر بھروسا ہو، اور وہ برے وقت میں کام آئے۔
● جو شخص اپنے فتنہ پر قابو پاتا ہے وہ سب سے بڑا بہادر ہے۔

سید اسمٰعیل سید چاند، ملاپورہ ناندورہ بلڈانہ

● پڑھنا چاہتا ہے تو اللہ کی کتاب قرآن پاک پڑھ۔
● سچی محبت کرنا چاہتا ہے تو حضور اکرمؐ سے کر۔
● سجدہ کرنا ہے تو صرف اللہ کو سجدہ کر۔
● جو کچھ مانگنا ہے صرف اللہ ہی سے مانگ۔
● رکھنا چاہتا ہے تو اپنے ایمان کو قائم رکھ۔
● خریدنا چاہتا ہے تو نیکی کا سودا کر۔

اشفاق احمد صدیقی، تعل صاحب پورہ امراؤتی

استقامت

● انسانی زندگی کے مصائب اور تکالیف ایک بھونکنے والے کتے کی مانند ہیں۔ اگر آپ اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور خوف زدہ ہو کر بھاگنے کی کوشش کریں گے تو وہ اور زیادہ بھونکے گا۔ اور آپ اگر اس کے بھونکنے کی پروا کیے بغیر بے نیازی سے اپنے راستے چلتے جائیں گے تو وہ تھک کر خاموش ہو جائے گا۔
● مصائب اور مشکلات، تکالیف سب کچھ انسان کی اپنی کاہلی اور بے راہ روی اور فرائض سے چشم پوشی کے باعث ہوتے ہیں۔ ان حالات میں گھبرا کر ہمت نہیں ہارنا چاہیے۔ بلکہ اللہ پر بھروسا رکھ کر گرتے حالات کا مقابلہ کرنا چاہیے، اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور اپنی کمزوریوں کو دور کرنا چاہیے۔

سلطانہ جہاں عبدالمناف، اسلام پورہ کاسودہ

آدھی ملاقات

● ماہ اگست کا پیام تعلیم نظر نواز ہوا، جو نہایت ہی شاندار اور دیدہ زیب تھا۔ پیام تعلیم اقوال زریں معلومات اور کہانیوں کا بیش قیمت خزانہ ہے۔

انجم آرا محمد ذاکر، اسلام پورہ کا سودہ جالگاؤں

● جولائی کا پیام تعلیم اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ ایک قریبی بک اسٹال سے موصول ہوا۔ ماشاء اللہ سبھی مضامین کافی دلچسپ ہیں خاص طور سے "ہم شکل ہم راز" والی کہانی دلچسپ ہے۔

محمد طیب اعظمی مقام و پوسٹ بمہور، مبارک پور

● ماہ جولائی کا شمارہ نظر نواز ہوا، پڑھ کر قلبی راحت و خوشی ہوئی۔ اس شمارے کی سب سے اچھی کہانیاں یہ لگیں جاگو جگاؤ، مشوروں کی دکان، دیال جان، چھوٹی سی بات، ہم شکل ہم راز، اور میرے دوست عبدالرحمٰن صاحب کی کہانی عقل مند لڑکی، بہت اچھی تھی۔

محمد افضل محلہ پورہ صوفی، مبارک پور، یو پی

● اس ماہ کا شمارہ بہت ہی اچھا لگا خاص کر الہ دین اور چالیس دیو، بہت ہی اچھا لگا۔

نصیب الہدیٰ بگھونوی، نور نگر، نئی دہلی ۶۵

● مجھے یہ رسالہ بہت پسند آیا۔ میں اس کا مطالعہ دو سال سے کر رہا ہوں۔ میرے گھر میں امی پاپا اور بھائی بہن اسے پڑھتے ہیں۔ یہ رسالہ قابل تعریف ہے۔

محمد رضوان احسن، بارا استمرار جوکی ہاٹ، ارریہ

● ماہ جولائی کا پیام تعلیم اپنے پورے رنگ و بو کے ساتھ باصرہ نواز ہوا۔ سبھی مضامین قابل تعریف ہیں۔ اس رسالے کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اپنے مقررہ وقت پر بک اسٹالوں پر دستیاب ہو جاتا ہے۔

عبدالقادر رشاد تلعہ گھاٹ دربھنگہ بہار

● پیام تعلیم ہمارے گھر ہر ماہ پابندی سے آتا ہے یہ بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے ہے۔ پیام تعلیم کی اشاعت پر آپ اور اسٹاف کا شکریہ۔

اڈیٹر صاحب جیسا کہ آپ جانتے ہیں اردو کی بقا کے لیے ہر کوئی فکر مند ہے کوئی زبانی کام کر رہا ہے اور کوئی عملی۔ ہم نوجوان بھی یہ مہم شروع کر چکے ہیں اس کے لیے ہم نے اردو میں خط و کتابت کا سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ اسکول کالج، ڈگری کالج، بلدیہ، پولیس ہر جگہ صرف اردو میں ہی خط و کتابت کر رہے ہیں۔

محمد عبدالمتین نظام آباد اے پی

● ماہنامہ پیام تعلیم ہمارے گھر برابر آ رہا ہے گھر کے سبھی افراد اس کا بغور مطالعہ کرتے ہیں میری اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ پیام تعلیم دن دونی، رات چوگنی ترقی کرتا رہے۔ آمین

فہیم احمد اعظمی، قاسمی میڈیکل ہال، اعظم گڑھ

گدگدیاں

ایک چھوٹے شہر میں حادثہ ہوگیا اور کوئی زخمی ہوگیا تو وہاں بھیڑ جمع ہوگئی۔ ایک شخص جو سب سے پیچھے تھا وہ بھی زخمی کو دیکھنا چاہتا تھا مگر بھیڑ کی وجہ سے وہ دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ آخر اس نے چلا کر کہا "ارے میں زخمی کا باپ ہوں مجھے اسے اسپتال لے جانا ہے۔" یہ سن کر سب ہٹ گئے، تو اس نے دیکھا کہ وہ زخمی ایک گدھا ہے جو کار سے ٹکرا کر گر پڑا تھا۔

آصف شبیر احمد اسلام پورہ مالیگاؤں

گاڑی کے ڈبے میں دو لڑکیاں آمنے سامنے کی سیٹوں پر بیٹھی سفر کر رہی تھیں۔ ایک نے کہا "ٹھنڈی ہوا آرہی ہے" اور شیشہ والی کھڑکی بند کردی۔ کچھ دیر کے بعد دوسری نے کہا "دم گھٹ رہا ہے" اور کھڑکی کھول دی۔ پہلی نے کہا "اف کس قدر گرمی ہے" اور کھڑکی کھول دی۔ دونوں بحث کرتی رہیں اور آخر جھگڑ پڑیں۔

ایک تیسری نے انھیں جھگڑتے دیکھ کر کہا کہ "لڑتی کیوں ہو؟ کھڑکی میں شیشہ نہیں ہے۔"

سید اسمعیل سید چاند اعلا پورہ تلنگدرہ بلڈانہ

● ایک پاگل ایک گھر کی دیوار سے کان لگائے کھڑا تھا۔ اسے کم سے کم دو گھنٹے سے ایک آدمی دیکھ رہا تھا۔ اس سے رہا نہ گیا۔ آخر جاکر پوچھ ہی لیا۔۔۔۔ "تم اس دیوار سے کان لگائے کیا سن رہے ہو؟" پاگل نے کہا "تم خود ہی سن لو۔" آدمی نے تھوڑی دیر کان دیوار سے لگایا اسے کچھ بھی سنائی نہیں دیا اس نے پاگل سے کہا "مجھے تو کچھ بھی سنائی نہیں دے رہا ہے۔" پاگل نے کہا "میں تو صبح سے کان لگائے کھڑا ہوں جب مجھے کچھ سنائی نہیں دیا تو تمھیں کیا سنائی دے گا۔"

محمد حسن نور اللہ انجمن مفید الیتٰمی مدنپورہ بمبئی ۸

● تین گپ باز گپیں مار رہے تھے۔ ایک بولا۔ میرے پڑوس میں ایک بوڑھی اسّی سال کی عمر میں مر گئی۔

دوسرا بولا۔ میرے پڑوس میں ایک بوڑھی ۹۰ سال کی عمر میں مر گئی۔

تیسرا بولا۔ ابے کیوں بیوقوف بناتا ہے میرے پڑوس میں ایک بوڑھی بچپن ہی میں مر گئی تھی۔

ثمینہ پروین جمیل احمد، مولانا کمپاؤنڈ، مالیگاؤں

● استاد نے بچوں کو بتایا "بچے قوم کا سرمایہ ہوتے ہیں یہ ملک و ملت کا مستقبل ہوتے ہیں۔"

ایک بچے نے معصومیت سے سوال کیا "سر! تو پھر حکومت اس سرمایے میں اضافے سے کیوں پریشان ہے۔"

ایم ڈی نعیم الحق، اسٹیشن روڈ، چاؤرکیلا اڑیسہ

● ایک امیر آدمی سب سے اوپر والی منزل پر آرام کر رہا تھا۔ گھنٹی بجی تو اس آدمی نے جھانک کر دیکھا۔ نیچے ایک آدمی کھڑا تھا۔

امیر آدمی نے اوپر سے پوچھا "کیا بات ہے" وہ بولا "نیچے آؤ" وہ آدمی بہت موٹا تھا بڑی مشکل سے چار منزلیں اتر کر نیچے آیا اور بولا کہ ہاں بتاؤ کیا بات ہے؟ وہ آدمی بولا "خدا کے لیے میری کچھ مدد کرو" موٹے کو بڑا غصہ آیا بولا "اچھا میرے ساتھ اوپر آؤ" وہ اسے اوپر لے آیا اور بولا کہ "جاؤ معاف کرو"

انور احمد مقصوری
آلور حسن

• ایک بوڑھے کی پنشن اچانک بند ہوگئی۔ جنوری سے جون تک اسے کچھ نہیں ملا آخر اس نے متعلقہ دفتر سے رجوع کیا وہاں سے معلوم ہوا کہ کاغذات کی رو سے کئی ماہ قبل اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس نے عرضی دی کہ میں باقاعدہ زندہ ہوں۔ جواب ملا۔ "باقاعدہ سرٹیفکیٹ بھیجیے۔"

بوڑھا پنشنر کمشنر کے پاس گیا۔ کمشنر اس کی شکایت سن کر بہت ہنسا اور اس نے تصدیق کر دی کہ "میں ان صاحب کو اپریل سے دیکھ رہا ہوں اور یہ یقیناً زندہ ہیں۔"

اگلے ہفتے تین ماہ کی پنشن کے ساتھ انہیں ایک خط ملا۔

"آپ کے سرٹیفکیٹ کے مطابق اپریل مئی اور جون کی پنشن ارسال ہے۔ براہ کرم ایک اور سرٹیفکیٹ ارسال کیجیے کہ آپ جنوری، فروری اور مارچ میں بھی زندہ تھے۔ تاکہ آپ کی باقی پنشن بھیج دی جائے۔"

عرفان سکندر نانک واڑ دایولی، رتناگیری، مہاراشٹر

ایک کنجوس تھا وہ ننگے پیر اپنے کھیت میں جا رہا تھا اچانک اس کے پیر میں ایک کانٹا لگ گیا اس نے بڑی بہادری سے اپنے پیر کا کانٹا نکالا اور کہا اللہ تو بڑا مہربان ہے۔ اچھا ہوا میں اپنے نئے جوتے پہن کر نہیں آیا۔ نہیں تو میرے اچھے خاصے جوتے میں چھید ہو جاتا۔

محمد راشد اعظمی، کھریواں، اعظم گڑھ یوپی

دو افیمی ایک باغ کی سیر کو گئے۔ گھومتے گھومتے وہ آم کے پیڑ کے پاس پہنچے ایک افیمی نے کہا کاش ہم آم ہوتے۔

دوسرے افیمی نے کہا چلو آم کے پیڑ کے ساتھ اپنے لٹک جاتے ہیں چنانچہ دونوں پیڑ کے ساتھ لٹک گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک افیمی نیچے گر پڑا۔ دوسرے افیمی نے کہا بس تھک گئے۔ پہلے افیمی نے کہا نہیں پک گیا ہوں۔

شیخ رضوان احمد گونڈی۔ شیواجی نگر بمبئی ۴۳

• ایک مرتبہ تین بیوقوف دوست ایک ہوٹل میں کھیر کھانے کے لیے گئے۔ اچانک ایک دوست بولا۔ ارے میں اپنے کمرے میں تالا لگانا بھول گیا۔ تینوں دوستوں میں بحث ہونے لگی کہ تم جا کر کمرے میں تالا لگا آؤ۔ آخر میں جو دوست کمزور تھا وہ جانے پر راضی ہو گیا۔ اس نے شرط رکھی کہ اگر تم نے میرے آنے سے پہلے کھیر کو چھوا بھی تو میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔

کمزور دوست چلا گیا۔ اب انتظار کرتے کرتے پانچ گھنٹے بیت گئے۔ دونوں نے طے کیا کہ چلو اب کھیر کھا لیں۔ جیسے ہی دونوں نے کھیر کی پلیٹ کو ہاتھ لگایا دروازے سے آواز آئی تم دونوں نے کھیر کو ہاتھ لگایا ہے اس لیے اب میں نہیں جاؤں گا۔

شیخ محمد امجد شیخ عبدالرؤف، محبوب گنج، ہیرالال چوک بیڑ

• زین العابدین : کل سے امتحان شروع ہو رہا ہے تم نے کچھ تیاری کی ہے؟
محمد عرفان : کیوں نہیں دوست، دو نئے قلم، پانچ جوڑے کپڑے، آٹو میٹک گھڑی اور ایک چھوٹا ٹرانسسٹر، کل سے کرکٹ کا میچ بھی تو شروع ہونے والا ہے۔

محمد عظیم لال چوک، مبارک پور اعظم گڑھ یوپی

• ایک دفعہ ملا نصر الدین نے دودھ میں جلیبیاں بھگو کر رکھیں تاکہ اسے کھا کر روزہ رکھے۔ جب سحری میں انھوں نے اپنی بیوی سے جلیبیاں مانگیں تو بیوی نے کہا وہ تو بلی کھا گئی۔ ملا غصے میں بولے "تو پھر روزہ بھی بلی کو رکھنے کو کہہ دینا"

محمد ظفر اقبال، ہوٹل ڈولفن کمپلیکس، رلوطر کیلا

• استاد : اگر تمھارے پاس دو سیب ہوں اور دو دوست آجائیں تو تم کیا کروگے؟
شاگرد : میں ان کے جانے کا انتظار کروں گا"

محمد منظر عالم نعمانی، سرجاپور، ارریہ بیرگاچھی، ارریہ

• ایک بچہ گھٹنوں اور ہتھیلیوں کے بل اپنے مکان میں داخل ہوا، باپ نے یہ دیکھ کر غصہ میں کہا "نالائق کہیں کے، کیا کر رہے ہو" بچے نے عاجزی سے جواب دیا "ابو جان آپ ہی نے تو کہا تھا کہ اگر امتحان میں فیل ہوئے تو گھر میں پیر نہیں رکھنے دوں گا۔

صغیر احمد سراج امواری، مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم مبارکپور

• دکاندار (گاہک سے) "آپ نے روپے نہیں دیئے"
گاہک : جی میری ماں کا انتقال ہو چکا ہے۔
دکاندار : (دس دن بعد) "بھائی صاحب" آپ نے روپے جمع نہیں کیے۔
گاہک : جی میری ماں کا دسواں ہے۔
دکاندار : (ایک مہینے بعد) بھائی صاحب آپ نے روپے جمع نہیں کیے۔
گاہک : صاحب، آج میری ماں کا چالیسواں ہے۔
دکاندار : پریشان ہوکر (ایک سال کے بعد) "صاحب، اب تو دیجیے"
گاہک : "آج میری ماں کی برسی ہے"

تبریز اختر بسرا، سندر گڑھ، اڈیسہ

اڈیٹر : (شاعر سے) "کیا یہ غزل واقعی آپ نے لکھی ہے؟"
شاعر : "جی ہاں، آپ کو کوئی شک ہے؟"
اڈیٹر : "نہیں، مرزا غالب صاحب! بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ میں تو سمجھا تھا کہ آپ وفات پا چکے ہیں"

امتیاز احمد پورہ رانی، مبارک پور، اعظم گڑھ

• ایک آدمی ایک ہوٹل میں چائے پینے کے لیے گیا۔ اس نے نوکر سے کہا "میرے لیے ایک کپ چائے لاؤ۔ نوکر چائے لے کر آیا۔ اور جب اس آدمی نے چائے پی تو چائے بہت میٹھی تھی۔ اس آدمی نے نوکر سے کہا "تم نے کتنے چمچ چینی ڈالی ہے" نوکر نے جواب دیا "پانچ چمچ" آدمی نے پوچھا "کتنی دفعہ چمچ چلایا۔ نوکر نے جواب دیا "سات مرتبہ" اس آدمی نے پھر پوچھا "چمچ تم نے دائیں طرف سے چلایا تھا یا بائیں طرف سے؟" نوکر نے جواب دیا "دائیں طرف سے" اس آدمی نے کہا "اچھا تو ب

ج کو سات مرتبہ بائیں طرف سے چلا کر چلے
ؤ گے"

حسن سہیل فاروقی ذاکر نگر نئی دہلی ۲۵

محلہ میں مسلسل چوریاں ہو رہی تھیں۔ ایک
ر گھرانے کو اسی فکر نے پریشان کر رکھا تھا
ر کے کسی فرد نے ایک دن ایک چھوٹا سا بورڈ
دوازے پر لگا دیا اور اس پر ایک بلب بھی
شن کر دیا۔ بورڈ پر یہ عبارت لکھی تھی "یہاں
انے کی تکلیف نہ کریں کیونکہ ہمارے پاس
چھ بھی تھا ہم نے بینک میں جمع کرا دیا ہے"
اگلے دن گھر والوں نے دیکھا کہ بورڈ پر ایک
نقرہ درج تھا "براہ مہربانی بینک کا نام
لکھ دیں"

نب علی، غفار منزل، جامعہ نگر نئی دہلی ۲۵

اکٹر: (نرس سے) اس بستر کا مریض کہاں
؟

س: "اسے بہت سردی لگ رہی تھی اسے
نے اس مریض کے ساتھ لٹا دیا ہے جسے
درجے کا بخار ہے"

اقب ضیار، بلوا ہا ٹولہ ڈاکگھر مدھوبنی بہار

تاد: (اپنے شاگرد سے) بتاؤ وہ کون سی
ہے جو تمہیں ناپسند ہونے کے باوجود
کھانا پڑتی ہے۔
د: "منہ بنا کر" "آپ کی مار"

اللہ خالد اسیفی، دیورا بندھولی دربھنگہ بہار

ے بہت موٹے آدمی نے اپنا وزن معلوم
نے کے لیے جیسے ہی ایک "آٹومیٹک" مشین
پر قدم رکھا اندر سے کمپیوٹر چلایا جو مشین میں
فٹ تھا "جناب ایک وقت میں صرف ایک
آدمی کا وزن بتا سکتا ہوں، وہ بھی بغیر سامان
کے" مشین سے جواب ملا۔

خواجہ صفی العابدین، فورٹ ہائی اسکول، جگتیال

- پہلا راہ گیر: (دوسرے سے) "تم نے یہاں
کسی سپاہی کو تو نہیں دیکھا؟"
دوسرا راہ گیر: "نہیں تو"
پہلا راہ گیر: "تو پھر جو کچھ تمہاری جیب میں ہے
نکال دو ورنہ مارے جاؤ گے"

•

لڑکا: سر! مجھے چھٹی دے دیں میری امّی
کی حالت بہت خراب ہے"
استاد: "تھوڑی دیر میں چلے جانا"
لڑکا: "مگر جناب! میری امّی باہر گیٹ پر
دھوپ میں کھڑی میرا انتظار کر رہی ہیں"

نوشاد عالم راورکیلا اڑیسہ

- مریض: (ڈاکٹر سے) ڈاکٹر صاحب مجھے ہنسنے
کی بُری بیماری ہے۔ میں بات بات پر ہنسنے لگتا
ہوں۔
ڈاکٹر: یہ بیماری آپ کو کب سے ہے۔
مریض: یہ بیماری مجھے دو مہینے سے ہے۔
ڈاکٹر: یہ بیماری تمھیں دو مہینے سے ہے اور اب علاج
کرانے کے لیے آئے ہو؟
مریض: ڈاکٹر صاحب! بات یہ ہے کہ میں دو مہینے تک
پاگل خانے میں تھا بڑی مشکل سے بھاگ کر آپ
کے پاس آیا ہوں۔ مریض نے جواب دیا۔

پرویز اختر نالہ روڈ راورکیلا اڑیسہ

میرے پسندیدہ اشعار

بعض پیامی "پسندیدہ اشعار" کے کالم میں اپنے اشعار لکھ دیتے ہیں۔ براہ کرم اس کالم میں صرف اپنے بزرگ شعرا کے وہ اشعار لکھیے جو آپ کو پسند ہوں۔ (ادارہ)

دشمنی لاکھ سہی ختم نہ کرنا رشتہ
دل ملیں یا نہ ملیں ہاتھ ملاتے رہیے

شارب کوثر۔ مدرسہ فیض العلوم، رام پور یوپی

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

مہرالنساء، جہاں نما، حیدرآباد

کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلے سے ملا کرو

واجدہ تبسم، محمد اسحاق، ناندیڑ

بزرگوں کی دعا لے گی تو سورج بن کے ابھرے گی
مصیبت تیرے سائے سے ہمیشہ بچ کے گزرے گی

ثمینہ ناز سردار خاں، ایوت محل

زندگی کچھ تو سلیقے سے گزرتی اپنی
ہم کو ماں باپ طریقے سے جو پالے ہوتے

یوسف خاں یعقوب خاں، شبیر نگر، مالیگاؤں

بہت خراب ہے ماحول اس زمانے کا
نکلنا گھر سے تو ماں باپ کی دعا لے کر

زریں شہاب، مکراواں، سرویہ، اعظم گڑھ

شام آئی ہے تو یہ سوچ کر ڈر جاتا ہوں
آج کی رات مرے شہر پہ بھاری تو نہیں
چار کاندھے کی تمنا بھی عبث ہے یکّے
ہر مسافر کے مقدر میں سواری تو نہیں

شکیلہ عنبری۔ زہرہ اسپتال، بڑہل گنج، گورکھپور

رہے آسماں پر دمکتا ہلال
رہے عید کا مسکراتا جمال
گلے سے گلے لوگ ملتے رہیں
دلوں کے جواں پھول کھلتے رہیں

ملک زعفران روحی۔ بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی ۲۵

دادا جس جنت سے نکلے ان کے پوتوں کی نہ پوچھ
جان دیتے ہیں اسی جنت میں جانے کے لیے

محمد عثمان شیخ۔ عائشہ منزل، روم نمبر ۸۰۹، مجگاؤں، بمبئی

ایسے تو نہیں لوگ کہ گرتے کو سنبھالیں
ایسے ہیں کہ گرتے کو سنبھلنے نہیں دیتے

انیس احمد۔ کوہ نور سوسائٹی، ایوت محل

چہرہ بدل گیا ہے تو حیرت نہ کیجیے
ہم حادثوں کے شہر میں رہتے ہیں دوستو

نوشینہ انجم، ہنر دار اردو گرلز اسکول، کلب، ایوت محل

پھر کیوں ہے غریبوں کے مکانوں میں اندھیرا
یہ چاند اگر سارے زمانے کے لیے ہے

محمد عبد العلیم بن عبد العزیز، پیش امام جامع مسجد ستگل

پیار کی جوت سے گھر گھر ہے چراغاں ورنہ
ایک بھی شمع نہ روشن ہو ہوا کے ڈر سے

[illegible]

لبوں پہ آئی تھی ایک بات حرفِ حق بن کر
خبر یہ پھیلی جہاں میں زباں دراز ہیں ہم

ایس کے مجیب الدین پرویز۔ ورنگل

وہ میرا دوست ہے سارے جہاں کو ہے معلوم
دغا کرے جو کسی سے تو شرم آئے مجھے

ملکہ صدیقی، غفار منزل، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

کچھ ذوق ہو، کچھ شوق ہو، کچھ دل کی لگن ہو
جو جبر سے کی جائے عبادت نہیں اچھی

امتیاز احمد ہلدیاں سیوان۔ بہار

مسجد میں بڑے شوق سے جاتے ہیں نمازی
جنت میں مقام اپنا بناتے ہیں نمازی

پرویز معین الدین، کوچالی، کھیڈ، رتناگری

ہے فرض نماز اس پر ایمان جو لایا ہے
آنکھوں کی یہ ٹھنڈک ہے آقا نے بتایا ہے

محمد شاہنواز، محلہ علی نگر، مبارک پور اعظم گڑھ

رئیس الاولیا آئے امام الانبیاء آئے
وہ ختم المرسلین آئے وہ محبوب خدا آئے

محمد رضوان رحمانی، سلفیہ جونیر اسکول، دربھنگہ بہار

دل نے کیا تھا یاد ابھی آپ آگئے
قسمت ہماری جاگ اٹھی آپ آگئے

نکہت جمال، نالہ روڈ، راؤڑکیلا اڑیسہ

وفا کی راہ میں جن کے بھی پاؤں زخمی تھے
وہ ہر مقام پہ اپنے نشان چھوڑ گئے

ایس کے سمیع الدین تنویر، ورنگل ۲

زنجیر بھی پہنائی مجھے اس نے ہی شاکر
ترکیب رہائی کی بھی خود سوچ رہا ہے

ایس، کے، تلمیذ الدین افروز، ورنگل ۲

ابا لاؤ اب نئی پتنگ
جس کا ہو نیلا رنگ
ڈور بھی ایسی ہو مضبوط
کاٹ نہ پائے کوئی سپوت

ماسٹر قمر الدین انصاری راز سیگوں، چتوڑ گڑھ

نور خدا ہے کفر کی ظلمت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

نعیم اختر انصاری، لال چوک، مبارک پور

بتا دو ان کو محبت بھی ایک عبادت ہے
جو لوگ صرف عبادت کی بات کرتے ہیں

ترنم جہاں، للشمی پور، چاکند گیا بہار

صد شکر کہ محفوظ ہے ماہر کی جبیں میں
وہ آخری سجدہ جو ترے در کے لیے ہے

احتشام پرویز محمد مبین ساحر، ایوت محل

اے خاک کے پتلے تجھے ادراک نہیں ہے
کچھ اور بھی ہے تجھ میں فقط خاک نہیں ہے

فوزان احمد، سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

محمد اعزاز الرحمٰن مزمل آکولہ

پڑھ کر نماز خالد مانگو دعا یہ رب سے
اخلاق دے الٰہی مل کر چلا ہوں سب سے
میں ڈرتا رہوں ہمیشہ اے رب تیرے غضب سے
ہو مجھ کو کامیابی یہ آرزو ہے کب سے
ہوگی مرادیں پوری مانگو اگر ادب سے

خالد علی خاں ۔ ۱۱ زبیری لاج بھولا ناتھ اے ایم یو علی گڑھ

جہاں رہے گا وہیں روشنی لٹائے گا
کسی چراغ کا اپنا مکاں نہیں ہوتا

سیدہ ماریہ ۔ صرافہ چوک، ناندیڑ، مہاراشٹر

جب بھی کھیلیں، موج منائیں
ہم بچے بس سزا ہی پائیں؟

عصمت آرا صدیقی ۔ سیکٹر ۱۱ بوکارو اسٹیل سٹی

سختی کے بعد عیش کا امیدوار ہو
آخر ہے روزہ دار کو اک روز عید یاں

ابراہیم خلیل ۔ اسلامیہ اینگلو اُردو ہائی اسکول بھٹکل

کلی میں رنگ کہاں پھول پر نکھار کہاں
مرے چمن میں ابھی موسمِ بہار کہاں

متا فہیم الدین ۔ چوک سرائے میر، اعظم گڑھ (یوپی)

ابھی دامن کا اپنے داغ دھولے
ابھی ہلکا ہے یہ گہرا نہیں ہے

اکرام انصاری ۔ مومن پورہ کمار گلی اودگیر لاتور

آنسو میرے تم چاہو تو پھر شوق سے جانا
ایسے میں کہاں جاؤ گے برسات بہت ہے

محمد یحییٰ خاں ۔ عزیز پورہ، بیڑ

تم کو اللہ نے بخشے ہیں وہ دل اور دماغ
جس سے روشن ہو زمانے کی ترقی کا چراغ

کاشف احمد بن قریش احمد عینڈرو، پٹنہ (بہار)

سب لے اڑے گی رنگ اور خوشبو کا بانکپن
تتلی اگر گلاب کے گھر تک پہنچ گئی

نازاں ضیاء الرحمٰن ۔ پلاٹ ۸۰ اسم نیا اسلام پورہ مالیگاؤں

عشق نبیؐ نے دل کو میرے دل بنا دیا
محشر میں منہ دکھانے کے قابل بنا دیا

رضوان احمد ۔ گونڈی شیواجی نگر، بمبئی

بہت مشکل ہے ہر چہرہ سے دل کا راز پڑھ لینا
جو گہرے لوگ ہیں کمبخت پہچانے نہیں جاتے

احمد کمال جاوید ۔ مکان نمبر ۲۷۶۹ گلی نمبر ۸ مالیگاؤں ناسک

جنگل جلے تو ان کو خبر تک نہ ہو سکی
چھائی گھٹا تو جھوم اُٹھے بستیوں کے لوگ

فوزیہ عثمانی ۔ النسان اسکول، کشن گنج (بہار)

جوانوں میں تصادم کیسے رکتا
قبیلے میں کوئی بوڑھا نہیں تھا

محمد اشفاق خاں ۔ این آر آر روڈ، آسنسول

جب گھر کو میرے آگ لگی کچھ مال بچا تھا جلنے سے
سو وہ بھی ان کے ہاتھ لگا جو آگ بجھانے آئے تھے

محمد وسیم ۔ جامعہ نگر، نئی دہلی ۱۱۰۰۲۵

پڑھی نماز جنازہ ہماری غیروں نے
مرے تھے جن کے لیے وہ رہ گئے وضو کرتے

عبدالقدوس ۔ نمبر ۲ اردو ہائی اسکول، روڈ گیلا

ہر موڑ پر مل جاتے ہیں ہمدرد ہزاروں
شاید میری بستی میں اداکار بہت ہیں

کاجو پنٹو۔ معرفت محمد شاہد نواب، آسنسول

میرے ہاتھوں سے تراشے ہوئے پتھر کی قسم
آج بھگوان بنے بیٹھے ہیں بت خانوں میں

محمد شریف قریشی ناندورہ ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

ہمدردیوں کی بھیک سی دینے لگے ہیں لوگ
یوں اپنے دل کا حال نہ سب سے کہا کرو

غلام رسول۔ بڑا مومن پورہ اگزار گلی، بالاپور اکولہ

لے دے کے اپنے پاس فقط اک نظر تو ہے
کیوں دیکھیں زندگی کو کسی کی نظر سے ہم

نفیس سورجی۔ انجنگاؤں سورجی، امراوتی

خاموش مزاجی تمہیں جینے نہیں دے گی
اس دور میں جینا ہے تو کہرام مچا دو

شاہ فیصل السبیل اکیڈمی، آزاد نگر ارریہ (بہار)

ماں کے قدموں کے تلے ڈھونڈ لے جنت اپنی
ورنہ تجھ کو کہیں جنت نہیں ملنے والی

شفیق الرحمن، مدرسہ اسلامیہ انوار العلوم (مبارکپور)

بات جو بھی ہے دل میں بتا دیجیے
یوں نہ خاموش رہ کر سزا دیجیے

محمد بدرالدین۔ ٹاکلی کر اقبال نگر ضلع پربھنی

مدعا تیرا اگر دنیا میں ہے تعلیم دیں
ترک دنیا قوم کو اپنے نہ سکھلانا کبھی

خالد اختر۔ ۱۴/۱۴۱ کمال پورہ مولانا کمپاؤنڈ مالیگاؤں

حادثے، دکھ، درد، غم، یاس و غم، رنج و محن
کس قدر اینٹیں سجی ہیں جسم کی دیوار پر

وہ تمہارا راستہ تھا جس سے یادیں آتی جاتی تھیں
اب اس کھڑکی کو بھی مکڑی کا جالا سجا لیا نے

قاضی غضنفر علی۔ کھیڈ، رتناگیری

اُترے ہیں اب تو اس جگہ خوشبو کے قافلے
بھولے سے لکھ دیا تھا ترا نام جس جگہ

محمد سیف الدین، سلفیہ جونیئر ہائی اسکول، دربھنگہ

اچھا ہوا جو ان کی نگاہیں بدل گئیں
کٹتی وگرنہ یونہی سہاروں میں زندگی

محمد محبوب الدین۔ باڑہ سمیلا ضلع دربھنگہ

ہمیشہ غیر کی عزت تیری محفل میں ہوتی ہے
ترے کوچے میں جا کر ہم ذلیل و خوار ہوتے ہیں

محمد فیض بن زلق۔ بالاپور ہائی اسکول شمس پور بیلاگنج گیا

حق انہیں زندۂ جاوید بنا دیتا ہے
عشق میں جو اپنی ہستی کو مٹا دیتا ہے

محمد اسلام۔ شمس پور، بیلاگنج، گیا (بہار)

دینے والے کسی کو غریبی نہ دے
موت دے دے مگر بد نصیبی نہ دے

اسعد رخسانہ۔ سرائے میر، اعظم گڑھ (یوپی)

اونچے گھروں میں دشت کے آثار دیکھ کر
ہم پھر سے آ گئے اسی کچے مکان میں

مرزا افسر بیگ۔ قاضی پورہ، منگرول پیر

غلط الزام ہے تلوار سے اسلام پھیلا ہے
یہ شمع دیں فقط اخلاق حسنہ سے فروزاں ہے

طلحہ نقشبندی القادری بالاپور ضلع آکولہ

اے دیکھنے والے مجھے ہنس ہنس کے نہ دیکھو
تم کو بھی مقدر کہیں مجھ سا نہ بنادے

عبدالستار، مقام سہما، سرائے رنجن، سمستی پور بہار

میری بنیاد ہلا دے مجھے پسپا کردے
اتنی طاقت تو نہیں گردش دوراں میں ابھی

•

وہی غرقاب ہوئے ہیں تلاطم سے جو ڈرتے ہیں
جواں ہمت ہلاکت خیز طوفاں میں ابھرتے ہیں

•

دیکھ پتھر سے نہ دینا کبھی پتھر کا جواب
ورنہ ٹکراؤ سے ہو جائے گا شعلہ پیدا

محمد توصیف نوشاد ریاض، شاہ پور بگھونی سمستی پور

اس ملک کی سرحد کو کوئی چھو نہیں سکتا
جس ملک کی سرحد کی نگہباں ہیں آنکھیں

سید کلیم رہبر امرا پوری، امرا پور، بلڈانہ مہاراشٹر

جناب شیخ پیتے ہیں مگر جانے نہیں جاتے
یہ مسجد میں منگا لیتے ہیں میخانے نہیں جاتے

ابوسفیان قاسمی، لوہیڑہ پھول پور اعظم گڑھ

روز محشر آنکھ شرمائی نہ ہو
سب کے آگے میری رسوائی نہ ہو
میں آؤں زیارت کو، موت آئے مدینے میں
میت کو مری آقا، قدموں میں جگہ دینا

اکرام انصاری مومن پورہ اودگیر

غموں نے حوصلہ بخشا ہے مجھ کو جینے کا
غموں کا بوجھ نہ ہوتا تو مر گیا ہوتا

سجاد احمد انجم شیخ منصور ماسٹر، لونار، بلڈانہ

آنکھیں ترس رہی ہیں زیارت کے واسطے
ایک دن حضور خواب میں تشریف لائیے

ایاز احمد، سلفی جونیر اسکول دربھنگہ بہار

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

محمد فیض یزدانی، درام پور، شمس پور، بیلا گنج گیا

نیش زن اقربا سے غیر اچھے
تنگ جوتوں سے ننگے پیر اچھے

صلاح الدین اعظمی، مکتبہ اسلامیہ تھانہ روڈ بھیونڈی

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

محمد عثمان، تکیہ بازار مگھر بستی یوپی

عجیب بات، جسے سب نے سنگسار کیا
نماز اسی نے پڑھائی، وہی امام ہوا

ثاقب ظفر غیاث نگر، رانی پور، سیوان بہار

وہ باوقار ہو گئے بس تجھ کو چاہ کر
ہم تجھ کو پوج کر بھی وفادار نہ ہوئے

واجد احمد خاں، دیوان پورہ منگرول پیر آکولہ

معتدل نام ہے جس کا وہ مزاج اپنا ہے
بھاگ اس ملک سے جس ملک میں راج اپنا ہے

غلام رسول بالاپوری آکولہ مہاراشٹر

نام: نیلم قمر
تعلیم: پہلی جماعت
مشغلہ: کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: بسرا ٹاؤن پرائمری اسکول ضلع سندرگڑھ اڑیسہ

نام: محمد غوث کنڈ لور
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: فاروقی اسٹریٹ بھٹکل

نام: ضیاء الرحمٰن محمد حنیف
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، بچوں کی اسلامی تنظیم "شاہین فورکس" کے اجتماع میں جانا
پتا: نیا پورہ وارڈ جوہر چوک گھر ۸۶۷ مالیگاؤں

نام: یاسمین سلطانہ
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: غریبوں کی مدد کرنا، اچھی اچھی کتابیں پڑھنا
پتا: خالد خان غوث، جامع مسجد چوک سلوڑ مہاراشٹر

نام: محمد امجد علی (امجد) عمر: ۱۲ سال
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم و اسکول کی کتابیں پڑھنا
پتا: ای آر ار روڈ اعظم اسٹور مکتو ملا آسنسول مغربی بنگال

نام: عبدالناصر عبدالرحیم عمر: ۱۵ سال
تعلیم: ایس ایس سی
مشغلہ: اشعار کی تشریح کرنا، دوستی کرنا
پتا: ۹۹۷ انصار روڈ، اسلام پورہ، گلی نمبر ۶ مالیگاؤں، ناسک

نام: محمد یعقوب شاہنواز ملا عمر: ۱۵ سال
تعلیم: حافظ قرآن
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مدرسہ دارالعلوم نپانی تعلقہ چیکوڑی ضلع بیلگام

نام: ایس کے ضیاء الدین فیروز
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، دینی کتابیں پڑھنا
پتا: مکان نمبر ۳۹۰-۲۲-۱۱ لال بہادر نگر ورنگل ۵۰۶۰۰۲ اے پی

نام: بی بی شبلنہ
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: فاروقی اسٹریٹ، مین روڈ بھٹکل

نام : نادیہ اختر
تعلیم : دوسری جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، فٹ بال کھیلنا
پتا : معرفت محمد امجد اقبال، ڈوبھی، مدنپور، ارریہ بہار

نام : ہاجرہ فاطمہ
تعلیم : تیسری جماعت
مشغلہ : بزرگوں کی خدمت کرنا
پتا : مرزا مرتضیٰ بیگ کا لی (دولت خاں) ضلع ایوت محل

نام : مدثر رضا عمر : ۱۲ سال
تعلیم : ساتویں جماعت
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا : معرفت مرزا مرتضیٰ بیگ کا لی (دولت خاں)
ضلع ایوت محل مہاراشٹر

نام : شارق احمد خاں
تعلیم : چھٹی جماعت
مشغلہ : اچھی اچھی کتابیں پڑھنا
پتا : کوہ نور سوسائٹی، ایوت محل مہاراشٹر

نام : دلشاد بانو
تعلیم : بی، اے
مشغلہ : دل لگاکر پڑھنا، اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔
پتا : معرفت اے اے ملّا (ہنڈی کر) سقف روضہ گلی، بس اسٹینڈ، بیجاپور

نام : عبدالفاروق عبدالرؤف
تعلیم : دسویں جماعت
مشغلہ : قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا : مانک چوک امراپور تعلقہ چکھلی ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

نام : مومن شاکرہ شبیر احمد
مشغلہ : قلمی دوستی کرنا (صرف بہنوں سے)
پتا : ۷۷، اسلام پورہ : بھیونڈی ضلع تھانہ

نام : حافظ وہاج الدین
تعلیم : حافظ قرآن
مشغلہ : ورزش کرنا، دینی کتب کا مطالعہ کرنا
پتا : متعلم مدرسہ ادارہ محمدیہ قصبہ محمدی ضلع کھیم پور کھیری
یو،پی - ۲۶۲۸۰۴

نام : محمد امام ابن قاسم عمر : ۸ سال
تعلیم : دوسری جماعت
مشغلہ : قرآن پاک کی تلاوت کرنا
پتا : مدرسہ مدینۃ العلوم، وارڈ نمبر ۲ شری رام پور
ضلع احمد نگر مہاراشٹر

نام : مسعود کلیم عمر : ۱۲ سال
تعلیم : ہشتم
مشغلہ : پیام تعلیم پڑھنا، غریب کی مدد کرنا
پتا : پورہ رانی، مبارک پور، اعظم گڑھ یو،پی

نام : حسن مجتبیٰ عمر : ۱۰ سال
تعلیم : جونیر ہائی اسکول
مشغلہ : بڑوں کا ادب کرنا، قلمی دوستی کرنا
پتا : محلہ حیدر آباد مبارک پور، اعظم گڑھ یو،پی

نام : شارق حسین
تعلیم : بی، اے
مشغلہ : معیاری کتابیں پڑھنا اور خوش رہنا
پتا : بی، این کالج، پٹنہ، بہار

نام: شاہد اے، آر شیخ
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا
پتا: سرا شیوگرہ، کاروار۔ کرناٹک

نام۔ محمد فہد داموودی
تعلیم: ہشتم
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: علواہ اسٹریٹ، بھٹکل

نام: محمد نہال محسن اشرفی عمر: ۱۴ سال
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: دوستی کرنا، اسپائرنگ کرنا
پتا: الشبیل اکیڈمی، اررییہ بہار

نام: محمد غوث کنڈلور
تعلیم: ہشتم
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: فاروقی اسٹریٹ، مین روڈ۔ بھٹکل

نام: اورنگ زیب عالم عمر: ۱۶ سال
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، بڑوں کی عزت کرنا
پتا: محلہ چھجو، بہار شریف، نالندہ بہار

نام: محمد حنیف لنگارچی عمر: ۱۸ سال
تعلیم: بارھویں جماعت
مشغلہ: کتابیں پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: نیر جامع مسجد پاشاہ اوڈی، بیجاپور، کرناٹک

نام: محمد اشرف عمر: ۱۰ سال

تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، درسی کتابیں پڑھنا
پتا: محلہ پورہ رانی، پولیس چوکی روڈ، مبارک پور
اعظم گڑھ۔ یوپی

نام: محمد اختر ماجد عمر: ۱۵ سال
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: اچھی کتابیں پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: اسلامیہ عربک کالج منصورہ

نام: خورشید احمد انصاری عمر ۲۱ سال
تعلیم: بارھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: محلہ مومن جامعہ، مسجد بیگوں شریف ضلع چتوڑ گڑھ

نام: محمد راشد صدیقی عمر: ۱۴ سال
تعلیم: حفظ قرآن پاک
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، دینی کتابیں پڑھنا
پتا: حبیب منزل، کھرپوان، سرائے میر اعظم گڑھ

نام: فیصل احمد جوکاکو
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: امن قائم کرنا،
پتا: رحمٰن منزل شبنم اسٹریٹ، مخدوم کالونی بھٹکل

نام: ایس۔ کے تلمیذ الدین افروز
تعلیم: چوتھی جماعت
مشغلہ: دل لگا کر درسی کتابیں پڑھنا
پتا: مکان نمبر ۱۱-۲۳-۶۴، لال بہادر نگر، ورنگل

نام: رضوانہ خاتون

تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: سیر و تفریح
پتا: معرفت محمد آزاد خاں، نور محمد بازار، انڈال
ضلع بردوان، مغربی بنگال

نام: فیضان احمد اعظمی عمر: ۱۶ سال
تعلیم: گیارھویں جماعت
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا
پتا: معرفت ایثار احمد کھریواں، پوسٹ سرائے میر
اعظم گڑھ۔ یوپی

نام: محمد عبد العلیم ابن مولانا محمد عبد الرحیم عمر: ۱۲ سال
تعلیم: حفظ قرآن پاک
مشغلہ: قرآن پاک کی تلاوت کرنا۔ پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ سری رام پور
ضلع احمد نگر، مہاراشٹر

نام: وجاہت خاں
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: تعلیم حاصل کرنا، رسالے پڑھنا
پتا: نزد جامع مسجد کلمب ضلع ایوت محل مہاراشٹر

نام: محمد صادق محمد رحمٰن
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: قلمی دوستی کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مانک چوک امرا پور تعلقہ چکھلی ضلع بلڈانہ مہاراشٹر

نام: محمد پرویز ابن عبد الستار عطار
تعلیم: دسویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا
پتا: معرفت عبد الستار عطار گجری چوک پوسد ضلع ایوت محل

نام: محمد عبد الرزاق ابن صفین عمر: ۱۰ سال
تعلیم: دوسری جماعت
مشغلہ: اردو کا املا سیکھنا
پتا: مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور احمد نگر

نام: محمد ثاقب ضیاء
تعلیم: درجہ اطفال
مشغلہ: شرارت کرنا
پتا: بلواہا ٹولہ، ڈلوکھر، مدھوبنی، بہار

نام: مومن ریاض احمد
تعلیم: بی اے
مشغلہ: پیام تعلیم اور دیگر رسائل کا مطالعہ
پتا: رینبو گارمینٹس، کارنجہ بیڑ، مہاراشٹر

نام: محمد قطب عالم
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: کرہٹیا بزرگ، ویشالی بہار

نام: وقار احمد
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: کرکٹ کھیلنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: معرفت ابرار احمد آرزو، شاہ پور بگھونی
سمستی پور، بہار

نام: محمد غوث
تعلیم: آٹھویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: فاروقی اسٹریٹ مین روڈ، بھٹکل

مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا۔ کراٹے سیکھنا عمر: ۱۵ سال
پتا: پوپری بازار، مسجد روڈ، سیتامڑھی بہار

نام: ابوذر احمد پروانہ
تعلیم: نویں جماعت عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: کیرم کھیلنا، دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: التبیل اکیڈمی ارریہ بہار

نام: محمد تقی حیدر عرف آفتاب آزاد عمر: ۱۵ سال
تعلیم: میٹرک، مولوی
مشغلہ: اچھی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: اکڈنڈی۔ پریہار، سیتامڑھی بہار

نام: محمد جنید اکرم
تعلیم: تیسری جماعت عمر: ۱۱ سال
مشغلہ: فٹ بال کھیلنا
پتا: مڈل اسکول چلھنیاں، ارریہ بہار

نام: محمد فرحان
تعلیم: پہلی جماعت
مشغلہ: بڑوں کا ادب کرنا
پتا: جونیر اسلامک اکیڈمی شاہ پور بگھونی، سمستی پور بہار

نام: محمد امجد اقبال
تعلیم: آٹھویں جماعت عمر: ۱۳ سال
مشغلہ: پیام تعلیم کا مطالعہ کرنا
پتا: التبیل اکیڈمی، مین روڈ، ارریہ بہار

نام: محمد عالمگیر
تعلیم: پانچویں جماعت عمر: ۱۲ سال

مشغلہ: لوگوں کی خدمت کرنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول ہرپا سرلسے دربھنگہ بہار

نام: محمد ضیاء الدین انصاری (ببلو)
تعلیم: میٹرک
مشغلہ: رسالے پڑھنا اور ٹکٹ جمع کرنا
پتا: کشن باغ۔ مغربی چمپارن، بیتیا، بہار

نام: عبدالعزیز
تعلیم: ہائی اسکول عمر: ۱۹ سال
مشغلہ: کراٹے سیکھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: محلہ پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

نام: محمد اسمٰعیل
تعلیم: جونیر ہائی اسکول عمر: ۱۲ سال
مشغلہ: دوستی کرنا
پتا: حیدرآباد، قاضی ہینڈلوم، مبارک پور اعظم گڑھ

نام: محمد احمد
تعلیم: عربی سوم
مشغلہ: پیام تعلیم اور درسی کتابوں کا مطالعہ کرنا
پتا: مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور احمد نگر

نام: محمد عامر انصاری
تعلیم: آٹھویں جماعت عمر: ۱۴ سال
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: معرفت حاجی محمد اسحاق میرمست جونپور یوپی

نام: محمد سلمان اختر راہی
تعلیم: آٹھویں جماعت عمر: ۱۳ سال
مشغلہ: کیرم بورڈ کھیلنا، علم حاصل کرنا

پتا: پورا پتا نہیں لکھا ... بہار

نام: انور کمال عمر: ۱۱ سال
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، قلمی دوستی کرنا
پتا: پورہ رانی مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی

نام: احمد بن شمعون عمر ۱۱ سال
تعلیم: تیسری جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول چندن بارہ ضلع موتیہاری بہار

نام: انعام الحق عمر: ۱۳ سال
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، کرکٹ کھیلنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ بہار

نام: محمد سرفراز عالم عمر: ۱۳ سال
تعلیم: ساتویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، بڑوں کی خدمت کرنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ بہار

نام: محمد سفیان
تعلیم: پہلی جماعت
مشغلہ: اردو کتابیں پڑھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول دربھنگہ بہار

نام: ضیاء الرحمن عمر: ۱۱ سال
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: سلفیہ جونیر اسکول بھیرو ضلع مدھوبنی بہار۔

نام: عبدالرحمن رہبر
تعلیم: چھٹی جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا
پتا: چندن بارہ، مشرقی چمپارن بہار

نام: محمد داؤد عمر: ۷ سال
تعلیم: پہلی جماعت
مشغلہ: دینی کتابیں پڑھنا
پتا: مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور احمد نگر

نام: محمد عقیل ابن شیخ لعل عمر: ۱۳ سال
تعلیم: عربی سوم
مشغلہ: درسی کتابیں پڑھنا،
پتا: مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور احمد نگر

نام: محمد نادر عمر: ۹ سال
تعلیم: مکتب دوم
مشغلہ: دینی کتابوں کا مطالعہ کرنا، پیام تعلیم پڑھنا
پتا: مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام احمد نگر

نام: محمد نبی لال عمر: ۱۰ سال
تعلیم: جماعت اول
مشغلہ: فارسی کتابوں کو اچھی طرح یاد کرنا
پتا: معرفت محمد صفین مدرسہ مدینۃ العلوم وارڈ نمبر ۲ شری رام پور، احمد نگر مہاراشٹر

نام: محمد ابو نصر عالم
تعلیم: نویں جماعت
مشغلہ: پیام تعلیم پڑھنا، دوستی کرنا
پتا: معرفت ابو صالح، پوسٹ گیاری ضلع اررِیہ بہار

معلومات

• دنیا کا سب سے بڑا باغ امریکا میں ہے جس میں ۸۶ ہزار سیب کے، ۴۰ ہزار شفتالو کے، اور ۱۰ ہزار ناسپاتی کے درخت ہیں۔

• ہرن اپنی ناک اور آنکھ دونوں سے سانس لیتا ہے۔

• سلطان صلاح الدین ایوبی کا مزار" دمشق میں ہے۔

اشفاق احمد، سلفیہ جونیر اسکول لہریا سرائے دربھنگہ

• دنیا کا سب سے بڑا ملک (رقبہ میں) روس ہے۔

• دنیا کی سب سے اونچی عمارت "سیلور ٹاور" امریکا میں ہے۔

• دنیا کا سب سے بڑا بینک "بینک اف امریکا" ہے۔

• دنیا کی سب سے بڑی لائبریری "لینن لائبریری" روس میں ہے۔

اطہر البشر، الشبیل اکیڈمی، ارریہ بہار

• ہمیشہ یکم اکتوبر کو وہی دن ہوتا ہے جو پہلی جنوری کو ہوتا ہے۔

• ہمیشہ یکم اپریل کو وہی دن ہوگا جو یکم جولائی کو ہوگا۔

• ستمبر اور دسمبر کا مہینہ ایک ہی دن سے شروع ہوتا ہے۔

عظمت آرا، چکنوٹہ، درگاہ بیلا، ویشالی بہار

• حضورؐ نے تبلیغ کا آغاز اپنے گھر سے کیا۔

• نبوت کے ابتدائی تین سال تک آپ پوشیدہ تبلیغ کرتے رہے۔

• حضور ۲۷ رجب سنہ ہجرت کو معراج پر تشریف لے گئے۔

• سنہ ۲ھ کو روزہ فرض ہوا۔

• حضور کے پاس تین اونٹنیاں تھیں جن کے نام القصویٰ، جدعا، عضباء تھا۔

محمد شہزاد حنفی مکان نمبر ۹۵ محلہ چوہڑ تالنیان مالیگاؤں

• سب سے پہلے عید الفطر کی نماز کی امامت حضورؐ نے فرمائی۔

• معراج سے واپسی پر معراج کا تذکرہ حضورؐ نے سب سے پہلے حضرت امّ ہانیؓ سے کیا۔

• معراج کی شب حضرت آدم علیہ السلام نے حضورؐ کا استقبال کیا۔

• سب سے پہلے آپؐ نے اُحد کے بعد حضرت حمزہؓ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

• غزوات کی کل تعداد ستائیس ہے۔

• حضور کی وفات بارہ ربیع الاوّل ۱۱ھ کو ہوئی۔

محمد ارشد بلیس آئی او چلڈرن سرکل مالیر کوٹلہ

• دنیا کا سب سے بڑا اسٹیشن نیویارک میں ہے جس کے پچاس پلیٹ فارم ہیں۔

• دنیا کی سب سے لمبی سرنگ سوئزرلینڈ میں ہے۔

• پرندوں میں واحد پرندہ چمگادڑ ہے جو اپنے بچوں کو دودھ پلاتا ہے۔

نازاں ضیاء الرحمٰن، نیا اسلام پورہ، مالیگاؤں

● ایک دن کے میچ میں (وَن ڈے) ۶۲ بالوں میں سنچری بنانے والے کھلاڑی محمد اظہر الدین ہیں۔
● کرکٹ کا پہلا میچ ۱۷۵۲ء میں کھیلا گیا۔
● اسٹیفی گراف جو ٹینس کی کھلاڑی ہے وہ جرمنی کی رہنے والی ہے۔

درانی امجد خاں دیتا نہیں نکھا،

● کرکٹ کا پہلا عالمی کپ ویسٹ انڈیز نے جیتا۔
● کرکٹ کا دوسرا عالمی کپ ویسٹ انڈیز نے ہی جیتا۔
● اظہرالدین ہندستان کی ٹیم میں (ون ڈے میں) پانچ ہزار (۵۰۰۰) سے زیادہ رَن بنانے والے واحد کھلاڑی ہیں۔
● ایک روزہ میچوں میں سب سے زیادہ وکٹ وسیم اکرم نے لیے ہیں۔
● کرکٹ کا تیسرا عالمی کپ ہندستان نے جیتا۔

محمد ناظم الدین انصاری مومن پورہ، اودگیر، لاتور

● ۱۸۲۵ء میں انگلستان میں پہلی ریل گاڑی چلی تھی۔
● جارج اسٹیفن نے ۱۸۲۵ء میں بھاپ سے چلنے والا انجن ایجاد کیا۔
● ۱۹۱۷ء میں روس میں انقلاب آیا تھا۔

انصاری کاشف رضا شہنشاہ نگر، بیڑ، مہاراشٹر

● انسان ۲۴ گھنٹے میں ۲۱۰۰۰ بار سانس لیتا ہے۔
● انسان کے جسم میں ۲۰۶ ہڈیاں ہیں۔
● انسان کے دماغ کا وزن ۳ پونڈ ہے۔
● انسان کے جسم کی درجہ حرارت ۹۸ فورن ہائٹ ہے۔

پرویز اختر نالہ روڈ راورکیلا، سندرگڑھ، اڑیسہ

● دنیا میں سب سے گہرا کنواں جرمنی میں ہے جس کی گہرائی ۳۰۰۰ فٹ ہے۔
● چوپایوں میں سب سے تیز دوڑنے والا جانور چیتا ہے۔
● نیپال ایک ایسا ملک ہے جو کبھی کسی کا غلام نہیں رہا۔
● جارڈن ندی میں جو کہ فلسطین میں واقع ہے مچھلی نہیں پائی جاتی۔
● اونٹ اکیلا ایسا جانور ہے جو پانی میں نہیں تیر سکتا۔

عرفان احمد محلہ قاضیاں چوہٹہ، مالیر کوٹلہ پنجاب

علامہ اقبال کی تعلیمی اور ادبی زندگی کی جھلکیاں

ولادت :- سیالکوٹ ۹ نومبر ۱۸۷۷ء
مڈل :- اسکاچ مشن ہائی اسکول سیالکوٹ ۱۸۹۱ء
میٹرک :- " " " ۱۸۹۳ء
انٹرمیڈیٹ :- اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ ۱۸۹۵ء
بی۔ اے میں داخلہ :- گورنمنٹ کالج لاہور ۱۸۹۵ء
پہلی بار مشاعرے میں شرکت :- لاہور ۱۸۹۶ء
بی۔ اے :- گورنمنٹ کالج لاہور ۱۸۹۷ء
ایم۔ اے (فلسفہ) " " ۱۸۹۹ء
"نالۂ یتیم" انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی :- لاہور ۱۹۰۰ء
"یتیم کا خطاب ہلال عید سے" انجمن حمایت اسلام کے جلسے میں پڑھی :- لاہور ۱۹۰۱ء
پہلی تصنیف "علم الاقتصاد" کی اشاعت : لاہور ۱۹۰۳ء
نظم "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کی تخلیق : ۱۹۰۴ء
پی۔ ایچ۔ ڈی :- میونخ یونیورسٹی جرمنی ۱۹۰۷ء
عربی کے پروفیسر :- لندن یونیورسٹی ۱۹۰۸ء
فلسفہ کے پروفیسر :- گورنمنٹ کالج لاہور ۱۹۱۱ء
"اسرارِ خودی" کی اشاعت :- لاہور ۱۹۱۵ء

'رموزِ بے خودی' کی اشاعت۔ لاہور ۱۹۱۸ء
نظم 'خضرِ راہ' کی تخلیق ۱۹۲۰ء
'سر' کا خطاب لاہور ۱۹۲۳ء
'پیامِ مشرق' کی اشاعت لاہور ۱۹۲۳ء
'بانگِ درا' کی اشاعت ۱۹۲۴ء
'زبورِ عجم' کی اشاعت ۱۹۲۷ء
'جاوید نامہ' کی اشاعت لاہور ۱۹۳۲ء
نظم 'دعا' کی تخلیق۔ قرطبہ (اسپین) ۱۹۳۳ء
نظم 'مسجد قرطبہ' کی تخلیق اسپین ۱۹۳۳ء
ڈی۔لٹ۔ کی اعزازی ڈگری۔ پنجاب یونی ورسٹی
لاہور ۱۹۳۳ء
'بالِ جبریل' کی اشاعت لاہور ۱۹۳۵ء
وفات لاہور ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء
'ارمغانِ حجاز' کی اشاعت: (علامہ اقبال کے انتقال کے بعد) لاہور ۱۹۳۸ء

جناب پیامی، پورہ صوفی، مبارک پور، اعظم گڑھ

- وہ کون سا جانور ہے جس کی سونگھنے کی طاقت سب سے زیادہ ہوتی ہے اور کتنی (کتا، دس لاکھ گنا ہلکی مہک کو بھی پہچان لیتا ہے۔)
- جھوٹ پکڑنے والی مشین کا نام کیا ہے؟ (پارک گراف یا لائی ڈی ٹیکٹر)
- ہندستان کا وہ کون سا لیڈر تھا جس کی پیدائش موت، دفن الگ الگ ملکوں میں ہوئی۔ (مولانا محمد علی جوہر)
- کس حکمراں کے پاس اتنے کپڑے تھے کہ وہ ایک کپڑا ایک بار پہنتا تھا۔؟ (حیدرآباد کے چھٹویں نظام، محبوب علی مرحوم)
- دنیاوی اعتبار سے سب سے بڑی کتاب کون ہے، اس کی لمبائی اور وزن کیا ہے؟ (نیشنل یونین کیٹ لاگ) اس کی لمبائی ۱۳ میٹر اور وزن ڈھائی ٹن ہے)
- انسان ۲۴ گھنٹے میں کتنی بار سانس لیتا ہے؟ (اکیس ہزار بار)

ابوالعاص انصاری نیشنل میڈیکل اسٹور مبارک پور

- ایک روزہ بین الاقوامی کرکٹ میچ میں سب سے زیادہ وکٹ وسیم اکرم کے نام ہیں۔
- نوجوت سنگھ سدھو ونڈے میں چھ چھکے لگانے والے ہندستان کے پہلے بلے باز ہیں۔
- اس وقت ونڈے کرکٹ میچ میں ہندستان کا دنیا میں پہلا مقام ہے۔

محمد خالد رضا مرزا پور دیاری، ارریہ بہار

- تعلیمی محکمے کا صدر ۔ ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن (ڈی، پی، آئی)
- ضلع تعلیمی محکمے کا صدر ۔ ضلع انسپکٹر آف اسکول (ڈی، آئی، ایس)
- ہر ضلع کے تعلیمی محکمے کے نائب صدر ۔ ڈی، آئی، آف اسکول۔

محمد جاوید اقبال صدیقی، مقام ڈوبھی، ضلع گیا، بہار

- آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے دربار سے "سراج الاخبار" کے نام سے ۱۸۴۱ء میں ایک روزنامچہ جاری ہوا۔
- اردو کے سب سے پہلے مکمل اخبار کا نام "دہلی اردو" اخبار تھا جسے مولوی محمد باقر نے ۱۸۳۶ء میں جاری کیا تھا۔
- ۱۸۶۶ء میں علی گڑھ سے سرسید احمد خاں کی نگرانی میں سائنٹفک سوسائٹی کے نام سے ایک اخبار نکالا جاتا تھا۔
- مولانا محمد علی جوہر انگریزی ہفتہ وار "کامریڈ"

اور اسے دو بین "ہمدرد" کے نام سے اخبار نکالتے تھے۔

مزمل احمد، محمد پور کوآری سرماره سمستی پور بہار

س: قرآن مجید کی سب سے پہلے نازل ہونے والی سورہ کون سی ہے؟

ج: سورۂ فاتحہ۔

س: مکہ شریف میں حضور پر کتنے عرصے تک قرآن شریف نازل ہوتا رہا۔

ج: ۱۰ سال تک۔

س: حضور اکرم پر قرآن مجید کتنی مدت تک مجموعی طور پر نازل ہوتا رہا۔

ج: تقریباً ۲۲ سال پانچ ماہ ۴ دن تک

محمد شہنواز سلیم، پلانٹ سائٹ روڈ راوڑکیلا

کچھ مشہور مصنف اور ان کی کتابیں

- جواہر لال نہرو۔ ڈسکوری آف انڈیا (بھارت کی کھوج)
- گئودان ۔ منشی پریم چند
- گلستاں، بوستاں ۔ شیخ سعدیؒ
- آئین اکبری ۔ ابوالفضل
- گیتانجلی۔ رابندر ناتھ ٹیگور

شیخ محمد اقبال اسمعیل، وارڈ نمبر ۲ صوبیدار بستی شری رام پور

بزرگوں کی اموات

- حضرت امام مالکؒ :۔ ۱۷۹ھ ربیع الآخر بروز پیر
- حضرت امام شافعیؒ :۔ ۲۰۴ھ، ۴ رجب، جمعہ
- حضرت امام ابوحنیفہ۔ ۲ شعبان بروز جمعہ
- حضرت امام حسنؓ :۔ صفر ۵۰ھ بروز جمعہ
- حضرت عائشہ صدیقہؓ :۔ ۱۷ شعبان بروز پیر
- حضرت بلال حبشیؓ :۔ ۲۰ ذی الحجہ بروز بدھ
- حضرت ابوبکر صدیقؓ :۔ ۲۲ جمادی الآخر بروز جمعہ، ۱۳ھ
- خاتون جنت حضرت فاطمہؓ :۔ ۳ رمضان بروز پیر، ۱۱ھ

وجہ القمر چیپارنی، مدرسہ منبع العلوم خیر آباد

- دنیا کے سب سے امیر آدمی برونائی کے سلطان مانے جاتے ہیں۔ جن کی آمدنی ۲۳۰۰ کروڑ روپے سالانہ ہے۔
- دنیا کا سب سے بڑا کسان برازیل کا "کوٹلے" مانا جاتا ہے جس کے پاس ڈھائی لاکھ مویشی تھے۔
- دنیا کی سب سے بڑی چوری عرب میں ایک شہزادے کے گھر میں ہوئی۔ جس میں ۲۰ کروڑ روپے کے ہیرے چوری ہو گئے تھے۔
- دنیا کے سب سے امیر ممالک کویت، عرب امارات اور بحرین مانے جاتے ہیں۔
- برازیل ایسا ملک ہے جس نے کسی لڑائی میں حصہ نہیں لیا۔

ملکہ جامعی، جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

- مگرمچھ کے منہ میں ۶۵ دانت ہوتے ہیں۔
- شتر مرغ اور گھوڑا ان دونوں کی انتہائی عمر ۶۲ سال ہو سکتی ہے۔
- کیلی فورنیا میں دنیا کا سب سے اونچا درخت ہے اس کی اونچائی ۳۶۴ فٹ ہے۔
- سب سے زیادہ اون کی پیداوار آسٹریلیا میں ہوتی ہے۔

قریشی نعیم اختر عبدالوہاب، اسلام پورہ، مالیگاؤں

قرآن پاک

- قرآن پاک میں سب سے بڑی سورۃ "البقرہ" اور سب سے چھوٹی سورۃ "الکوثر" ہے۔
- سورہ اخلاص میں ایک زیر اور سورہ کوثر میں

ایک پہیلی:

• قرآن پاک میں لفظ اللہ ۲۶۹۸ مرتبہ، الرحمٰن ۵۷ مرتبہ، اور الرحیم ۱۱۴ مرتبہ آیا ہے۔
• قرآن پاک میں ۳۲۳۶۷۰ حروف استعمال ہوئے ہیں۔

محمد احتشام عالم۔ آسنسول۔ مغربی بنگال

• حضرت آدم علیہ السلام کا قد ۶۰ گز لمبا تھا۔
• حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ زمین سے اٹھا لیا گیا تھا۔
• حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ غزوہ احد میں شہید ہوئے تھے۔
• حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا لقب ذوالنورین تھا اس لیے کہ آپ کے عقد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بیٹیاں آئی تھیں۔

محمد بلال، محلہ حیدرآباد، قاضی ہینڈلوم، مبارک پور

• ڈاک ٹکٹ کا استعمال سب سے پہلے مئی ۱۸۴۰ء میں ہوا۔
• دنیا میں سب سے پہلے ڈاک ٹکٹ برطانیہ نے جاری کیا۔
• دنیا میں سب سے رنگین ٹکٹ سوئزرلینڈ نے جاری کیا۔
• دنیا کا سب سے چھوٹا ٹکٹ بولیویا (جنوبی امریکا) نے جاری کیا جس کا سائز ۸×۹.۵ ملی میٹر ہے۔

محمد الیاس محمد اسحاق مومن، اتھنی ضلع بیلگام

• انسان ۲۴ گھنٹے میں ۲۳۰۴۰ مرتبہ سانس لیتا ہے۔
• ایک بالغ انسان کے جسم میں کل ہڈیوں کی تعداد ۲۰۶ اور بچوں میں ۳۰۰ ہوتی ہے۔

• انسان کی جلد میں ۲۰ لاکھ سے بھی زیادہ سوراخ ہوتے ہیں۔

ایم آفتاب عالم جامعی، ویشالی، بہار

• انسان کے دل کا وزن تقریباً ۱۰ اونس ہوتا ہے۔
• دنیا کا سب سے بڑا بجلی کا بلب، شکاگو میں لگا ہے۔ جسے "مصنوعی سورج" کہتے ہیں۔ اس بلب سے سردیوں میں برف پگھلائی جاتی ہے۔
• مچھر کے منہ میں ۲۲ دانت ہوتے ہیں۔

فیروز بخت، دیوان پورہ، منگرول پیر، آکولہ

چار چیزیں

چار چیزیں تندرست اور موٹا تازہ رکھتی ہیں۔
• صاف ستھرا لباس • جلد ہضم ہونے والی غذا • بے فکر ہو کر زندگی بسر کرنا • ہمیشہ خوش و خرم رہنا۔

رضوان احمد اعظمی کرولی سرائے میر اعظم گڑھ

قرآن پاک کی سب سے آخری سورۃ سورہ "الناس" ہے۔
قرآن پاک کی سب سے لمبی سورۃ سورہ "بقر" ہے۔
قرآن پاک کی سب سے پہلی سورۃ سورہ "الفاتحہ" ہے۔
سورہ توبہ بسم اللہ کے بغیر شروع ہوتی ہے۔
سورہ توبہ کا دوسرا نام برات ہے۔

محمد لیٰسین مالیر کوٹلہ پنجاب

ایسی "معلومات" شائع نہیں کی جائیں گی جو ایک بار چھپ چکی ہوں یا بغیر حوالے کے ہوں۔

(ادارہ)

ence No U(SE) 21 to post without prepayment to postage
Regd. with R.N I at No 10537/64

PAYAM-I-TALEEM

Jamia Nagar, NEW DELHI-110025.